ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

اوّل - دوم

محمد قاسم فرشتہ

ترجمہ
عبدالحئی خواجہ (مشفق خواجہ)

الميزان

ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ

اوّل

ترجمہ: عبدالحئی خواجہ (مشفق خواجہ)

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلہ مطبوعات- ۰۲۲/۱

سن اشاعت ستمبر ۲۰۰۸ء
محمد شاہد عادل نے
حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اُردو بازار' لاہور سے شائع کی۔

فہرست جلد اول

مقالہ اول

امیر محمدؒ بن محمود غزنوی 97

مسعود بن محمود غزنوی 99

امیر مودود بن امیر مسعود 108

شہاب الدین عمر بن علاؤ الدین خلجی 279

قطب الدین مبارک شاہ خلجی 281

دیباچہ مترجم

تاریخ، تہذیب و تمدن کا ایک ایسا آئینہ ہے۔ جس میں انسانیت کے خدوخال اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ بڑی وضاحت سے باگر ہوتے ہیں۔ انسانی تہذیب نے "خوب سے خوب تر کی تلاش میں جو ارتقائی سفر طے کیا اور جن وادیوں اور منزلوں سے یہ کاروان تگ و بو گزرا ہے۔ ان کی روداد جب الفاظ کا پیکر اختیار کرتی ہے تو "تاریخ" بن جاتی ہے، لیکن تاریخ ماضی کے واقعات کو صرف دہرا دینے ہی کا نام نہیں بلکہ ماضی کی بازیافت کا فن ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ مخصوص افراد کے نام گنوا کر یا کچھ چیدہ شخصیتوں کے حالات لکھ کر عہد گزشتہ کو زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ واقعات کے اسباب و نتائج کو گہری نظر سے دیکھا جائے۔ اور اجتماعی زندگی کی ان قدروں کا جائزہ لیا جائے جو اقوام و ملل کے عروج و زوال سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ مورخ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنے پیشرو مورخین کے بیانات "انداز دیگر" سے پیش کر دے، بلکہ اسے سیاسی، معاشی اور جغرافیائی حالات کے فکری تجزیے سے اسباب و واقعات اور ان کے اثرات کی ایک ایسی تصویر پیش کرنی پڑتی ہے۔ جو ماضی کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ تاریخ کا دیگر معاشرتی علوم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ایک مورخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام معاشرتی علوم اور علوم تاریخ سے ان کے تعلق پر گہری نظر رکھتا ہو۔

اگر ہم تاریخ نگاری کے فن کا جائزہ لیں تو ہمیں واضح طور پر نظر آئے گا کہ ابتداء میں تاریخ کا مفہوم یہ تھا کہ کچھ نمایاں افراد کے حالات زندگی لکھ دیئے جائیں۔ کسی ملک کی تاریخ یوں لکھی جاتی تھی کہ وہاں کے سلاطین کا یکے بعد دیگرے تذکرہ کر دیا جاتا تھا۔ اور حالات و واقعات اور ان کے اسباب و نتائج کے باہمی تعلق اور اجتماعی زندگی کی تصویر کشی کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ انداز نظر متروک ہوتا گیا اور تاریخ اجتماعی زندگی کی داستان بنتی گئی۔

تاریخ کے بارے میں بے شمار نظریات ہیں۔ ہر مورخ نے اپنا نظریہ تاریخ جداگانہ طور پر بیان کیا ہے لیکن ایک حقیقت ان تمام نظریات کے پس پردہ کارفرما ہے۔ کہ اگر تاریخ سچائی کے رخ سے نقاب نہیں اٹھاتی تو وہ محض داستان طرازی ہے۔ یعنی حقیقت کو تلاش کرنے کا جذبہ ہی تاریخ اور قصص و حکایات میں فرق پیدا کرتا ہے۔

علم تاریخ سے ہر دور میں دلچسپی لی گئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے ماضی سے لگاؤ رہا ہے وہ اپنے پیچھے پھیلے ہوئے لامتناہی ارتقائی راستوں کی طرف مڑ کر دیکھنا پسند کرتا ہے۔ کیونکہ ہر گزرا ہوا لمحہ اور اس سے وابستہ یادیں عزیز ہی نہیں ہوتیں بلکہ متاع حیات کا درجہ رکھتی ہیں۔ ماضی کا مطالعہ حال کو سمجھنے اور مستقبل کو بہتر بنانے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ گزرے ہوئے زمانے کو فراموش کر کے حال و مستقبل کو سازگار بنانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ علم سیاسی شعور کی بیداری میں بڑی مدد دیتا ہے۔ آج کی دنیا میں جمہوریت کی مقبولیت نے ہر فرد پر بڑی ذمہ داریاں ڈال دی ہیں۔ وہ اب اپنے حکمرانوں کا انتخاب خود آپ ہی کرتا ہے۔ گویا تاریخ کی تشکیل میں وہ اہم خدمت انجام دیتا ہے۔ عہد حاضر کے شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ گزشتہ ادوار کی تاریخ کو سامنے رکھے اور اس کے گہرے مطالعہ کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں علم تاریخ اس کے سیاسی شعور کی نشو و نما میں بہت زیادہ حصہ لے گا۔ تاریخ کا مطالعہ ہر باشعور شہری کے لیے ضروری ہے اس سے نگاہ میں وسعت، اور ذہن میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک شہری اور علم تاریخ کے درمیان شاگرد اور

استاد کا رشتہ ہوتا ہے۔ تاریخ بہت کچھ سکھاتی ہے۔ یہ قوموں کے عروج و زوال کی داستان بھی ہوتی ہے اور انسانیت کے کاروان کی روداد سفر بھی۔ یہ ثقافتی اور تہذیبی عوامل کو بے نقاب کر کے ماضی حال اور مستقبل کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی ہے۔

ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کی بہت سی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ البیرونی سے لے کر دور حاضر تک بہت سے مورخوں نے ماضی کے نقوش کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ تاریخ فرشتہ جس کا ترجمہ آئندہ اوراق میں پیش کیا گیا ہے ایسی ہی کامیاب اور اہم کوششوں میں سے ایک ہے۔

فرشتہ کے حالات زندگی پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ عظیم مورخ ہے جس نے زیر نظر تاریخ لکھ کر بہت سے گمناموں کو حیات دوام بخش دی ہے۔ لیکن اپنے بارہ میں کچھ زیادہ کھل کر نہ لکھ سکا۔ اس نے اپنی تالیف میں کہیں کہیں ایسے اشارے ضرور کیے ہیں جن سے اس کے حالات زندگی پر تھوڑی بہت روشنی پڑتی ہے، لیکن ان اشاروں سے مکمل داستان حیات مرتب نہیں کی جا سکتی۔

فرشتہ کا پورا نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ ہے اور تخلص فرشتہ "ہندوشاہ" کی اصل کیا ہے؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باپ کا نام مولانا غلام علی ہندو شاہ تھا۔ بیٹے کی طرح باپ کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔ فرشتہ کے بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غلام علی شاعر تھے۔

فرشتہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ۹۶۰ھ میں جب کہ ایک ہی سال میں تین بادشاہوں برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری، سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ سوری نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تو مولانا غلام علی نے ان سب کی ایک ساتھ تاریخ وفات کہی ہے۔

سہ خسرو را زوال آمد بیک بار که ہنداز عدل شاں دارالاماں بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات که ہمچوں دولت خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطان دہلی که درہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہ بحری که در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہرسہ خسرو
چوے پرسی "زوال خسرواں" بود

فرشتہ کا آبائی وطن استر آباد ہے جہاں وہ ۱۵۵۲ھ میں پیدا ہوا۔ بچپن (۹۶۰ھ) ہی میں وہ احمد آباد آ گیا جہاں اس نے شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ تعلیم حاصل کی جب وہ جوان ہوا تو مرتضیٰ نظام شاہ کے حلقہ ملازمین میں شامل ہو گیا۔ حسین نظام شاہ ثانی کے قتل کے بعد وہ بیجاپور چلا گیا اور ۱۵۶۰ء میں ابراہیم عادل ثانی کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے سب سے پہلے "اختیارات قاسمی" کے نام سے طب سے متعلق ایک کتاب لکھی۔ فرشتہ اگرچہ ملکی مہمات میں زیادہ تر مشغول رہتا تھا، لیکن لوگ اس کی علمی صلاحیتوں سے ناواقف نہ تھے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی بڑا علم دوست فرمانروا تھا۔ اسے جب فرشتہ کی علمی صلاحیتوں اور خاص کر علم تاریخ سے دلچسپی کا حال معلوم ہوا تو اس (ابراہیم) نے فرشتہ کو ہندوستان میں اسلامی عہد حکومت کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ فرشتہ نے پہلے تو انکساری سے کام لیا اور کہا کہ وہ اس خدمت کو بجالانے کا اہل نہیں لیکن ابراہیم نے اس عذر کو تسلیم نہ کیا اور برابر اصرار کرتا رہا۔

فرشتہ کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ اگر بادشاہ کے کہنے سے کوئی تاریخ لکھی گئی تو یقیناً اس میں حالات و واقعات کو اس انداز سے لکھنا پڑے گا کہ جس سے بادشاہ کی ناراضگی کا خطرہ پیدا نہ ہو۔ فرشتہ کو یہ بات کسی طرح قبول نہ تھی اس کے جذبہ انکسار کے پس پردہ یہی بات کار فرما تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مورخ کی حیثیت سے وہ جو کچھ لکھے وہ حقیقت کی صحیح تصویر ہو اور اس میں کسی مصلحت کو دخل نہ ہو۔

جب بادشاہ کا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے مجبور ہو کر قلم اٹھایا اور نمونے کے چند اوراق لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ ان

اوراق میں اس نے عمداً ابراہیم کے باپ علی عادل شاہ اول کے حالات لکھے اور اس کے قتل کے شرمناک (واضح رہے علی عادل شاہ اول خوبصورت لڑکوں کی قربت کا بہت شائق تھا۔ اسی رجحان کے باعث اسے ایک باغیرت صاحب جمال کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھونے پڑے) واقعے کو بلا کم و کاست بیان کر دیا۔

فرشتہ کی یہ جسارت قابل صد ستائش تھی۔ ابراہیم اگر چاہتا تو وہ ان اوراق کو پڑھ کر فرشتہ کو قتل کروا سکتا تھا۔ کیونکہ اس (فرشتہ) نے ان اوراق میں ابراہیم کے بارے میں وہ سب کچھ صاف صاف لکھ دیا تھا جسے سب جانتے تھے' لیکن زبان پر کوئی نہ لاتا تھا۔ اور پھر یہ بات بھی ایسی تھی کہ جسے باپ سے محبت کرنے والا کوئی باغیرت بیٹا برداشت نہ کر سکتا تھا۔

ابراہیم نے ان اوراق کو پڑھا اور اپنے باپ کی محبت سے زیادہ فرشتہ کی حقیقت نگاری کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس کی اس روش کو سراہا اور اسے حکم دیا کہ وہ ایسی ہی جرات سے تاریخ لکھنے کا کام شروع کر دے۔ اس واقعہ سے جہاں ایک طرف فرشتہ کی بیباکی اور حق گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہیں دوسری طرف ابراہیم کی منصف مزاجی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد حکومت کے واقعات فراموش ہو چکے ہیں' لیکن اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے فرشتہ سے تاریخ لکھوائی اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

فرشتہ نے یہ تاریخ ۱۶۰۶ء سے لکھنی شروع کی اور پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۶۱۱ء میں اسے مکمل کیا۔ فرشتہ بہت ہی محنتی اور صاحب شعور مورخ تھا۔ اس نے اپنی تاریخ لکھنے سے پہلے تمام تاریخی مواد (جو اسے دستیاب ہو سکا) کا مطالعہ کیا۔ اس نے بتیس (۳۲) تاریخی کتابوں سے استفادہ کر کے "تاریخ فرشتہ" کو مکمل کیا۔ فرشتہ نے کتاب کے مقدمے میں (اور دیگر ابواب میں بھی) اپنے ماخذات کا تذکرہ کیا ہے۔

جیسا کہ اصل کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ "تاریخ فرشتہ" مقدمے کے علاوہ بارہ (۱۲) حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے گیارہ (۱۱) حصوں میں لاہور' دہلی' دکن' گجرات' مالوہ' خاندیش' بنگال' جونپور' ملتان' سندھ' کشمیر اور مالابار کے سلاطین کا تذکرہ ہے۔ اور بارہویں حصے میں ہندوستان کے صوفیائے کرام کے حالات ہیں۔

فرشتہ نے ہر طرح سے اپنی تالیف کو جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے اپنے پیشرو مورخین کے بیانات سے خوشہ چینی کرنے کے ساتھ ساتھ بعض جگہ اپنے مشاہدات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ نیز جہاں کوئی ماخذ نہیں ملا تو اس نے مختلف لوگوں کے بیانات کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ مثلاً برید شاہی خاندان کے سلاطین کے حالات اسے کسی کتاب میں نہ ملے تو اس نے بڑے بوڑھوں سے رجوع کیا اور ان سے پوچھ گچھ کر کے اس خاندان کے حالات درج کتاب کیے۔

فرشتہ نے یہ تاریخ اگرچہ بڑی احتیاط سے لکھی ہے تاہم اس میں بعض فروگزاشتیں ہو گئی ہیں جن کا فرشتہ کا خود بھی احساس ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں جابجا پڑھنے والوں سے درخواست کی ہے کہ انہیں جہاں کوئی غلطی نظر آئے اس کی تصحیح کر دیں۔ فرشتہ سے جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا بڑا سبب فرشتہ کی جغرافیہ سے کم واقفیت اور نقادانہ صلاحیت کی کمی ہے۔ اگر اس نے بادشاہوں کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ تاہم بعض جگہ توازن قائم نہیں رکھ سکا۔ بحیثیت مجموعی "تاریخ فرشتہ" ایک اہم تاریخی دستاویز ہے۔ ہندوستان میں اسلامی عہد حکومت کا مطالعہ کرنے والے اسے کسی طرح نظرانداز نہیں کر سکتے۔

اردو میں تاریخ فرشتہ کے دو ترجمے ہو چکے ہیں ایک تو نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ اور دوسرا دارالترجمہ حیدرآباد سے یہ دونوں ترجمے لفظی ہیں۔ ان میں بس اتنا کیا گیا ہے کہ فارسی اسماء و افعال کی جگہ اردو اسماء و افعال کو دی گئی ہے۔ اور بعض جگہ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی جملوں کی ساخت فارسی انداز کی ہے اور اردو کے مزاج کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ ان وجوہ سے اردو خوان طبقہ ان ترجموں سے پوری طرح استفادہ نہیں کر سکتا۔ صرف وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو فارسی زبان کے ماہر ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو

فارسی زبان کا ماہر ہو گا وہ ترجمہ کیوں پڑھنے لگا وہ اصل کو بہرحال ترجیح دے گا اور اس سے استفادہ کرے گا۔

زیر نظر ترجمے کو راقم الحروف نے ہر اعتبار سے موجودہ زمانے کے انداز نگارش سے قریب کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح کہ اصل کتاب کے مفاہیم و مطالب میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ جابجا حواشی بھی دیئے گئے ہیں جن میں قدیم شہروں اور دریاؤں کے موجوہ نام اور ان کے جغرافیائی حالات بھی درج کیے ہیں۔ فرشتہ سے جہاں کہیں کسی تاریخی یا جغرافیائی صورت حال کے بارے میں غلط بیانی ہو گئی ہے وہاں اس کی حتی الامکان حاشئے میں تصحیح بھی کر دی ہے۔

عبدالحئی خواجہ ایم۔اے

حرفِ چند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا تعالیٰ کی حمد و نعت رسول کے بعد یہ بندہ عاجز کہ جسے محمد قاسم ہندو شاہ استر آبادی کہتے ہیں اور جو فرشتہ کے لقب سے مشہور ہے۔ بزم دنیا کے ان پاک نفس حضرات کی خدمت میں کہ جن کے دل الفاظ و معانی کے عیب و صواب کو پرکھنا جانتے ہیں یہ عرض کرتا ہے کہ جن دنوں یہ ناچیز احمد نگر میں رہتا تھا۔ ان دنوں اس کے کانوں میں کبھی کبھی یہ صدائے غیب آتی تھی۔

"اے نگار خانہ ہستی میں نقش طرازیاں اور رنگ آمیزیاں کرنے والے! جب یہ امر مسلمہ ہے کہ حق پرست لوگوں کا شکر ادا کرنا اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا درحقیقت خداوند باری تعالیٰ کی تعریف کے مترادف ہے تو پھر یہ تیرا فرض ہے کہ تو ایک ایسی کتاب تصنیف کرے جو ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے حالات اور اولیائے کرام کے تذکرے پر مشتمل ہو کیونکہ ہندوستان کی ظاہری اور باطنی حکومت انہیں دو طرح کی عظیم الشان شخصیتوں کی مرہون منت رہی ہے اور رہے گی۔

مجھے اس قسم کی کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی کہ جس میں ہندوستان کے عالی مرتبت بادشاہوں کے حالات درج ہوتے۔ اس لیے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچنے میں قدرے تاخیر ہوئی۔ ۹۹۷ء میں میں نے دارالسلطنت احمد نگر کو خیر باد کہا اور بیجا پور پہنچا۔ اور یہاں کے فرمانروا یعنی والیے دکن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت میں حقائق سے دلچسپی لینے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور اکثر تاریخی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ اس عالی مقام فرمانروا نے اپنی روایتی کرم گستری اور شفقت سے مجھے بھی نوازا۔ اور طرح طرح کے انعامات عطا کیے اور مہربانیاں کیں۔ نیز حکم فرمایا "یہ تیرا فرض ہے اور حق بندگی ہے کہ تو ہمارے مبارک حالات و واقعات اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہوں کے کارنامے سپرد قلم کرے۔ تو ایک مشاق غواص کی طرح دریائے فکر سے ان چمکدار جواہرات کو نکال اور گوش ہائے ہوش میں آویزاں کر۔ اپنی طبیعت کے باغبان سے کہ جو الطاف شاہانہ کا پروردہ ہے ایک ایسا گلشن آراستہ کرو کہ جس میں گلستان معنی کے بلبل چہچہائیں۔ اپنی طبع تعمیر پسند سے کہ جو خسروانہ عنایتوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے یہ کہہ کر کہ وہ ایک ایسے محل کی بنیاد کھڑی کرے کہ جس کی سپاس گزاری کی شیرینی سے صاحبان فرہاد منش شریں کام ہوں۔ عطارد کی طرح ایک ایسی دوکان آراستہ کر کہ پاک روحیں اس کے سامان کی خریداری کے لیے آئیں۔ حضرت سلیمانؑ کی مانند ایک ایسا دسترخوان بچھا کہ جنت کے پرندے اس کی ریزہ چینی کے لیے زمین کی طرف آئیں۔

زی مرتبت شاہ جب اس قدر مہربان ہوا تو میں اس کی عنایتوں کے جام سے سرشار ہو کر حق خدمت بندگی بجا لایا۔ اور عرض کیا کہ "اب جب کہ میری بے زبان قسمت کو نعمت خوش الحانی مل گئی ہے اور میری گفتگو شاہی کلام سے ہم آہنگ ہوئی ہے تو اس میں کیا تعجب ہے کہ میں کلیم کی طرح قدر و منزلت کے طور پر اپنا پرچم لہراؤں اور خداوند تعالیٰ کی مدد اور بادشاہ سلامت کی مسیحا نفسی کے طفیل بازار حسن میں ایک ایسا معشوق نازنیں لاؤں کہ جسے دیکھ کر زلیخائے زمانہ پکار اٹھے کہ یہی یوسف ثانی ہے۔ یا یہ کہ ایک زلیخا حسین دلہن کو بیجا پور کی جلوہ گاہ میں تخت رعنائی پر اس طرح بٹھاؤں کہ دنیا یوسف کنعان کی طرح اس کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت کہ خلدش بے بنی بہ اردی بہشت
گلستانے آرائم ازخوش سخن کہ ہرگز نہ گردوز گردش کہن

اس گفتگو کے بعد میں نے ہندوستان کی تاریخ سے متعلق کتابیں جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی اور ہر مقام اور ہر ملک کی تاریخی کتابوں کے مختلف نسخے جمع کیے' لیکن ان کتابوں میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں ہندوستانی بادشاہوں کے مکمل حالات اور ان کے زمانوں کے مفصل واقعات درج ہوں۔ کتابوں کے اس فراہم شدہ مجموعے میں سب سے بہتر نسخہ "تاریخ نظام الدین احمد بکشی" کا تھا لیکن اس میں ایسے بہت سے حالات و واقعات درج نہ تھے جن کا خود مجھے ذاتی طور پر علم تھا۔ یہ عالم دیکھ کر میرا شوق تصنیف و تالیف تیز سے تیز تر ہو گیا اور میں نے متقدمین کی ان تصنیف کردہ کتابوں کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اس مخفی خزانے کو جو ان کتابوں میں موتیوں کی طرح بکھرا پڑا تھا ایک خاص ترتیب کے ساتھ تاگے میں پرویا ہے۔ میری محنت اس کتاب کی صورت میں کہ جس کا نام "گلشن ابراہیمی" ہے۔ آپ کے سامنے ہے۔

میں نے اس کتاب کو جو زمین تحقیق کی پیداوار ہے اور جس کاشانہ حق و صداقت کی چادر سے سجا ہوا ہے۔ ۱۰۱۵ھ میں عدالت پناہ' معارف سپاہ' گوہر معدن شاہنشاہی' فروغ خاندان جہاں پناہی' انتخاب دیوان قضا و قدر' مقدمہ جنود فتح و ظفر بادشاہ جہاں پناہ کے اسم مبارک سے معنون کر کے ان کے مبارک محفل میں ایک تحفے کی صورت میں پیش کیا۔

میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنے آپ کو ان ذی علم اور فاضل مصنفین کے مقابلے پر پیش کروں جو اعلیٰ درجے کی تصانیف اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ کر عالم فانی کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور ان گرامی قدر تصانیف کے بالمقابل اپنی اس حقیر تصنیف کو لاؤں۔ کیونکہ ایسا کرنا بے ادبی کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا اس سلسلے میں میرا خاموش رہنا ہی بہتر ہو گا۔ ہاں اس قدر کہنے کی جرات ضرور کروں گا کہ نکتہ شناس اور معاملہ فہم اصحاب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کو اسلاف کی تصانیف سے وہی نسبتم ہے جو کعبے کو بیت المقدس سے۔

مرادر سخن گرچہ آں پایہ نیست ولے خاک فطرت تنک مایہ نیست

مجھے امید ہے کہ یہ سادہ رخسار محبوب جو ہر طرح کی تزئین و آرائش سے بے نیاز ہے اور گوہر شب چراغ جو عبارت آرائی اور نظم کی پابندیوں سے آزاد ہے عنایات خسروانہ کو اپنی جانب مبذول کرے گا اور یہ خالص اور کھراسکہ مروج ہو گا اور قبولیت حاصل کرے گا۔

ذیل میں ان کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں جو زیر نظر کتاب کی تیاری میں میرے زیر مطالعہ رہیں۔

۱۔ ترجمہ یمینی زین الاخبار۔
۲۔ تاج المآثر۔
۳۔ طبقات ناصری۔
۴۔ ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری۔
۵۔ تاریخ فیروز شاہی۔
۶۔ واقعات بابری۔
۷۔ واقعات ہمایونی۔
۸۔ تاریخ بنائے گیتی۔
۹۔ بہمن نامہ منظوم شیخ آذری۔

۱۰- سراج التواریخ بہمنی تالیف ملا محمد لاری۔

۱۱- تاریخ مبارک شاہی۔

۱۲- تحفتہ السلاطین بہمنی تالیف ملا داؤد بیدری۔

۱۳- تاریخ الفی۔

۱۴- تاریخ اُستادی ملا احمد تتوی۔

۱۵- روضتہ الصفا۔

۱۶- حبیب السیر۔

۱۷- تاریخ حاجی محمد قندہاری۔

۱۸- طبقات محمود شاہی بزرگ (مندوی)

۱۹- طبقات محمود شاہی بزرگ (مندوی)

۲۰- تاریخ محمود شاہی خورد (مندوی)

۲۱- تاریخ نظام الدین احمد بخشی۔

۲۲- تاریخ بنگالہ۔

۲۳- تاریخ سندھ۔

۲۴- تاریخ کشمیر

۲۵- نسخہ الفوائد الفواد

۲۶- نسخہ منیر المجالس

۲۷- نسخہ قلبی

۲۸- نسخہ خبر العارفین شیخ جمالی شاعر

یہ کتاب بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ایک "مقدمہ" اور آخر میں "خاتمہ" ہے۔

تفصیل مقالات

۱- تذکرہ سلاطین لاہور

۲- تذکرہ سلاطین دہلی

۳- تذکرہ شاہان دکن

۴- تذکرہ شاہان گجرات

۵- تذکرہ سلاطین مالوہ

۶- تذکرہ شاہان خاندیش

۷- تذکرہ شاہان ملتان

۸- تذکرہ شاہان سندھ

مقدمہ

اہل ہندوستان کے عقائد

مہابھارت ہندوؤں کی ایک مستند کتاب ہے۔ اس زمانے میں ان کی کوئی اور کتاب اس سے زیادہ بڑی اور معتبر نہیں ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں شیخ مبارک کے صاحبزادے ابوالفیض فیضی نے اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا اس کتاب میں ایک لاکھ سے زائد اشعار ہیں۔ ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں اس کتاب کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ مکمل تاریخی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ شروع سے آخر تک اصل حقیقت سے باخبر ہو جائیں۔

صوفی ہو' فلسفہ دان ہو یا فقیہ ہر کوئی تخلیق دنیا کے بارے میں الگ الگ خیال رکھتا ہے ایک گروہ کی رائے دوسرے گروہ سے مختلف ہے۔ مہابھارت میں اس قسم کے تیرے (۱۳) مختلف مشربوں کا تذکرہ ہے' لیکن جو اہل نظر ہیں ان کے نزدیک ان میں سے کوئی مشرب ایسا نہیں ہے جو دنیا کی پیدائش کے بارے میں بالغ نظر اصحاب کو مطمئن کر سکے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق (جو اسلامی عقیدے سے مختلف ہے) اس جہاں بوقلموں کی گردش چار ادوار پر ختم ہوتی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ست یگ

۲۔ ترتیا یگ

۳۔ دواپر یگ

۴۔ کل یگ

"کل یگ" کے خاتمے پر پہلا یگ یعنی "ست یگ" نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے یگ پہلے کی طرح آتے ہیں اور "کل یگ" پر خاتمہ ہوتا ہے۔ غرض اسی طرح ان چاروں یگوں (زمانوں) کی گردش جاری رہتی ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ابتدا کب ہوئی اور نہ انتہا کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

میں نے ایک معتبر کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بار کسی شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ "اے امیرالمومنین حضرت آدم علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل دنیا میں کون تھا؟ آپ نے جواب میں فرمایا آدم۔" اس شخص نے تین بار یہ سوال دہرایا اور حضرت علیؓ نے تینوں بار یہی جواب دیا۔ اس پر وہ شخص متعجب ہو کر خاموش ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے جب اس سائل کو متعجب اور خاموش دیکھا تو فرمایا۔ "اگر تو تیس ہزار مرتبہ مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں ہر بار یہی جواب دیتا" اس روایت سے بھی اس دنیا کی قدامت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوؤں کا "تقسیم ادوار" کا عقیدہ ہر حیثیت سے ایک بے سروپا افسانہ ہے۔

بعض قدیم برہمن اہل علم کے مختلف اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی آخری حد یا انتہا معین ہے اور قیامت کا آنا لازمی ہے لیکن بعد کے ہندو عالم ان اقوال کی جو تعبیر دیتے ہیں وہ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی ان کے نزدیک "تقسیم اُدوار" کا وہی قدیم عقیدہ درست ہے۔ بہرحال "ست یگ" کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال (۱۷۲۸۰۰۰) کی جاتی ہے۔ اس یگ (دور) میں انسانوں کا چال چلن

درست اور صالح سمجھا جاتا ہے کہ اس دور میں کسی انسان کا بھی خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو قدم ذرہ برابر بھی سیدھے راستے سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا اور ہر شخص کے تمام افعال خداوند تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے تابع ہوتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس دور کے انسانوں کی طبعی عمر ایک لاکھ سال ہوتی ہے- خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس قول اور عمر کی اصل حقیقت کیا ہے-

دوسرے دور یعنی "ترتیا یگ" کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال (۱۲۹۶۰۰۰) بتائی جاتی ہے- اس زمانے میں اِنسانوں کی کل آبادی کا تین چوتھائی حصہ اپنے کردار و گفتار کے لحاظ سے منشائے خداوندی کے تابع ہوتا ہے اور اِنسانوں کی طبعی عمر دس ہزار سال بتائی جاتی ہے-

تیسرے دور "دواپر یگ" کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال (۸۶۴۰۰۰) ہوتی ہے اس دور میں آدھی اِنسانی آبادی کے کردار و گفتار میں نیکی اور سچائی ہوتی ہے اور اِنسان کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے- حضرت آدم و نوح و دیگر انبیاء علیہم السلام کی عمریں جو ہزار سال کے قریب سمجھی جاتی ہیں ہندو ان کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان انبیاء علیہم السلام نے چونکہ "دواپر یگ" کا زمانہ پایا اس لیے ان کی عمروں میں اتنی طوالت ہے-

چوتھے دور "کل یگ" کی مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال (۴۳۲۰۰۰) بتائی جاتی ہے- اس دور میں اِنسانی آبادی کے تین حصے گمراہ ہو جاتے ہیں- یعنی صراط مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں اس دور میں اِنسان کی طبعی عمر ایک سو سال ہوتی ہے- ان چاروں ادوار کی مدتوں کا طول اہل ہند کے اعتقاد کے مطابق یہ ہے-

ست یگ = ترتیا یگ + کل یگ
ترتیا یگ = دواپر یگ + کل یگ
دواپر یگ = دو کل یگ (۸۶۴۰۰۰) سال
کل یگ = (۴۳۲۰۰۰) سال

موجودہ زمانہ آنحضرتؐ کی ہجرت کا ایک ہزار پندرھواں سال ہے- اہل ہند (ہندوؤں) کے عقیدے کے مطابق یہ "کل یگ" ہے- جس کے ابھی صرف چار ہزار سال گزرے ہیں- سبحان اللہ دنیا کی قدامت اور اِنسان کے اس طرفہ پن کا کیا کہنا؟

اس عقیدے پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے پانچ عناصر پیدا کیے- اول خاک' دوم آگ' سوم پانی' چہارم ہوا' اور پنجم "اکاس" ان کے بعد "برہما" نام کے ایک ذہین و فطین شخص کو پیدا کیا اور اس کو اس دنیا کی پیدائش کا سبب قرار دیا- عام لوگ "اکاس" کے معنی "آسمان" مراد لیتے ہیں' لیکن خاص خاص ہندو اس عقیدے کو نہیں مانتے- ان کے نزدیک ہندوستان کے عالم و فلسفہ دان کسی آسمانی ہستی کے قائل نہیں ہیں- اور جو کچھ اوپر کی فضا میں نظر آتا ہے وہ جمی ہوئی ہوا ہے اور اسی کا فرضی نام "آسمان" پڑ گیا ہے- آسمان پر جو درخشندہ ستارے نظر آتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ قدیم بزرگ ہیں- جنہوں نے دنیا میں خدا کی سچی عبادت کی اور اس کے نتیجے میں یہ نورانی وجود اختیار کر لیا اور ان کی ذات خداوند تعالیٰ کے اوصاف کی حامل ہوگی یہ نورانی وجود اپنے ارادے سے بسیط آسمانی فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں- ان بزرگوں یا نورانی پیکروں میں جو کمال کے اعلیٰ مدارج تک پہنچے ہیں وہ بہت زیادہ اونچائی پر ہیں- بڑے ستارے ہیں اور اس دنیا کی طرف پلٹنے کا خیال نہیں کرتے' لیکن جو کم درجے کے کامل بزرگ ہیں انہوں نے چھوٹے چھوٹے ستاروں کا روپ اختیار کر لیا ہے' لیکن وہ فضا کی انتہائی بلندیوں پر متمکن نہیں بلکہ اپنی دنیاوی عبادات و ریاضت کے مطابق بلندی پر ہیں' یہ نورانی وجود دنیا کی طرف واپس آ جاتے ہیں- اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق عنصر "اکاس" سے مراد آسمان نہیں وہ کوئی اور چیز ہے- جس کا اس جگہ بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا-

نسل اِنسانی کی تقسیم

"برہما" خدا تعالیٰ کے حکم سے اِنسان کو عدم سے عالم وجود میں لایا اور انہیں چار گروہوں میں تقسیم کیا۔ اول برہمن' دوم چھتری' سوم ویش اور چہارم شودر۔ برہمنوں کو عبادت' مذہبی احکام کی نگہداشت' قوانین خداوندی کی حفاظت سونپی گئی اور اہل دنیا کا روحانی پیشوا مقرر کیا گیا۔ دوسرے گروہ یعنی چھتریوں کو دنیاوی انتظام سونپا گیا۔ حکومت و سیاست کی باگ ان کے ہاتھ میں دی گئی۔ تیسرے گروہ یعنی ویشوں کے ذمے کھیتی باڑی اور دیگر پیشوں اور حرفتوں کا کام کیا گیا۔ اور چوتھے گروہ یعنی شودروں کو متذکرہ تین گروہوں کی خدمت گزاری پر مقرر کیا گیا۔

دنیا اور عقبیٰ کے فوائد کے لیے "برہما" نے ایک کتاب لکھی جس کو "وید" کہتے ہیں اس کتاب میں برہما نے اپنے غیبی علم اور تائید الہامی کی مدد سے ایسے قوانین بنائے ہیں کہ جن پر عمل کر کے اِنسان دنیا کی ہر شے سے وابستہ رہتے ہوئے بھی خدا کو فراموش نہیں کر سکتا اور ہر چیز میں اسی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ نیز ایسے ضابطے مقرر کیے ہیں کہ اِنسانوں کے ہر طبقے اور ہر گروہ کے معاملات بخوبی طے پا جائیں۔ ان تمام قوانین و ضوابط و قواعد کی پوری تفصیل کے ساتھ وید میں لکھا گیا ہے۔ برہما نے اس کتاب کو کلام الٰہی مشہور کیا تا کہ اِنسان اس کتاب کی تعلیمات پر عمل کریں اور جو لوگ آگے ہیں وہ اپنی جگہ سے نہ بڑھیں اور جو پیچھے ہیں وہ اپنے اصلی مقام سے نہ ہٹیں (یعنی جو کام جس کے سپرد کیا گیا ہے وہ اسی پر عمل کرے) اور یوں سب کے سب سیدھے راستے پر چلیں اور "وید" کے قوانین کے پابند رہیں' وید کے اشلوکوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ اشلوک چار "چرنوں" کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور "چرن" ایک "اچھر" سے کم اور چھبیس (۲۶) اچھروں سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ "اچھر" ایک حرف کو یا ان دو حرفوں کو کہتے ہیں جن میں دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے۔

ہندوستان کے علماء و فضلاء اس امر پر متفق ہیں کہ وید کے اس عجیب و غریب مصنف یعنی برہما نے ایک سو سال کی عمر پائی' لیکن اس کو آج کل کے سو سالوں کے برابر نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ برہما کی عمر کا ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا سمجھا جاتا ہے لیکن جس دور میں برہما موجود تھے اس دور کا ہر دن آج کے چار ہزار سالوں کے برابر ہے اور اس دور کی ہر رات بھی اتنی ہی بڑی ہوتی تھی۔ ہندوستان کے علماء اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ابتدائی زمانے سے لے کر اب تک کئی ہزار "برہما" پیدا ہوئے۔ اور خدا کے حکم سے روپوش ہو گئے۔ میں نے برہمنوں کے معتبر گروہ سے یہ سنا ہے کہ اس زمانے میں جو برہما موجود ہے اس کا عدد شمار ایک ہزار ایک (۱۰۰۱) ہے۔ اور اس کی عمر سے پچاس سال اور آدھا دن گزر چکے ہیں اور باقی آدھے دن کا آغاز اب ہوا ہے۔

کوروؤں اور پانڈوؤں کے حالات

ہندوستان کے مورخین کا بیان ہے کہ "دواپر یگ" کے نصف آخر میں ہستنا پور میں ایک راجہ تھا جو ذات کا کھتری اور نام کا "بھرت" تھا۔ اس کی اولاد جب سات نسلوں تک حکومت کر چکی تو آٹھویں نسل میں اس خاندان میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑا ہو کر راجہ کور کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان کا مشہور شہر کورکھیت (تھانیسر) اسی راجہ کے نام پر آباد کیا گیا اور اسی کی اولاد نے کوروؤں کے نام سے شہرت پائی۔ راجہ کور کی چھٹی پشت میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس نے بڑے ہو کر راجہ چتر برج کے نام سے شہرت پائی یہ ایک عظیم المرتبت راجہ تھا۔ اس کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام "دہتر آشتر" اور دوسرے کا "پنڈا" رکھا گیا۔ دہتر آشتر بڑا لڑکا تھا باپ کی جگہ سنبھالنے کا حق اسی کو تھا۔ لیکن اندھا ہونے کی وجہ سے سلطنت کا بار نہ اٹھا سکا اسی لیے چتر برج کے بعد اس کی سلطنت اس کے چھوٹے بیٹے پنڈا کو ملی۔ پنڈا کو بڑی عظمت اور جلالت نصیب ہوئی جس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس کی اولاد خود اس کے نام سے مشہور ہوئی اور پانڈو کہلائی۔ راجہ پنڈا کے یہاں پانچ لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں جدہسر' بھیم سین' ارجن' نکل' اور سہدیو۔ اول الذکر تین لڑکوں کی والدہ کا نام رانی کنتی تھا۔ اور آخر الذکر دو رانی مادری کے بطن سے پیدا ہوئے۔ دہتر آشتر کے ایک سو ایک (۱۰۱) بیٹے کوروؤں کے تاریخی

نام سے مشہور ہیں۔

جب رضائے خداوندی سے راجہ پنڈا کا انتقال ہوا تو حکومت و سلطنت دھتر آشتر کے ہاتھ آئی حقیقت میں حکومت دھتر آشتر کی تھی کیونکہ وہ خود اندھا تھا۔ خاص طور پر اس کا بیٹا دریو دھن آگے آگے تھا اور وہی باپ کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ چونکہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حکومت کو دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا جائے اور مدعیوں کو کچل دیا جائے۔ تاکہ سلطنت خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ اسی لیے دریو دھن کو پانڈووں کی طرف سے تشویش ہوئی۔ (کیونکہ وہ سلطنت کے دعویدار بنتے تھے) اور وہ ان کی تباہی کے منصوبے سوچنے لگا۔ دھتر آشتر نے پانڈووں کے دعوے اور دشمنی کا عالم دیکھا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے گھر شہر سے باہر بنائیں۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ شاید دوری کے سبب سے جنگ کے شعلے زیادہ نہ بھڑکیں۔ جب دھتر آشتر کے اس حکم کی تعمیل ہونے لگی اور پانڈووں کے لیے گھر تعمیر ہونے لگا تو دریو دھن نے کاری گروں اور معماروں سے مل کر یہ طے کیا کہ اس گھر کو رال اور لاکھ سے بنایا جائے۔ تاکہ ایک چنگاری دکھانے ہی سے اس گھر میں شعلے بھڑکنے لگیں اور دشمنوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

پانڈووں کو اس سازش کا علم ہو گیا لہٰذا وہ چوکنے ہو گئے اور اس مکان میں بڑی احتیاط سے رہنے لگے۔ ایک رات موقع پا کر پانڈووں نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگا دی اور اپنی ماں کو لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک عورت جس کا نام بھیل تھا اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ دریو دھن کی طرف سے اس کام کے لیے متعین کی گئی تھی کہ موقع پا کر مکان کو آگ لگا دے' اتفاق سے وہ اس مکان میں موجود تھی۔ اور "چاہ کندہ راچاہ درپیش" کے مصداق جل کر خاک ہو گئی۔

دریو دھن کے جاسوس نے اس عورت اور اس کے پانچ لڑکوں کے جلنے سے یہ سمجھا کہ پانڈو مع اپنی ماں کے جل کر مر گئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ اطلاع دریو دھن کو دی کہ دشمن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ کورو یہ خبر سُن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے آپ کو دشمن کے خوف سے محفوظ و مامون سمجھنے لگے۔

اس واقعے کے بعد جیسا کہ مہابھارت میں لکھا ہے۔ پانڈو اپنی وضع قطع اور نام بدل کر جنگل سے شہر میں آ گئے اور کنپلا (یہ مقام ہندوستان کے ضلع فرخ آباد کی تحصیل قائم گنج میں واقعہ ہے آج کل اس کا نام "کنپل" ہے) میں آ کر آباد ہو گئے اور یہاں کے راجہ کی لڑکی دروپدی سے مشترکہ شادی کر لی۔ (یعنی پانچوں بھائی دروپدی کے شوہر تھے) ان کے نزدیک یہ "مشترکہ شادی" باہمی اتحاد و محبت کا سبب تھی۔ دروپدی کے متعلق یہ طے کیا گیا کہ وہ ان بھائیوں کے ساتھ بہتر بہتر روز باری باری سے رہا کرے۔ چونکہ اس طرح کی شادی ہندووں کے قانون کے مطابق جائز نہیں ہے اس لیے بہت سے ہندو عالموں نے اس واقعے کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پانڈووں کی پیشانی سے اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے اس لیے ان کی عظمت و شان دن بدن بڑھتی رہی۔ دریو دھن اور اس کے حواریوں کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ اس کی تحقیقات کرنے لگے۔ اور آخر کار انہوں نے حقیقت کا سراغ لگا ہی لیا کہ پانڈووں کے جلنے کی اطلاع غلط تھی اور وہ ابھی تک صحیح و سلامت موجود ہیں۔ اب کوروں نے ایک دوسری چال چلی اور اپنے چچا زاد بھائیوں سے دوستانہ مراسم استوار کرنے کی کوشش کی اور ان کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا انہیں ہستنا پور آنے کی دعوت دی۔ پانڈووں نے یہ دعوت قبول کر لی اور ہستنا پور جا پہنچے۔ دریو دھن نے ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی۔ دونوں میں حکومت کی تقسیم کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اندرپت جسے پرانی دہلی کہا جاتا ہے مع آدھی سلطنت کے پانڈووں کے قبضے میں رہے اور ہستنا پور باقی آدھی کے ساتھ کوروں کے زیر نگیں رہے۔ حکومت کی اس تقسیم کے بعد سلطنت کے اکثر امیروں نے پانڈووں میں اقبال مندی اور جہانگیری کے آثار دیکھ کر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس پر کورو ظاہری طور پر تو بالکل خاموش رہے لیکن دل ہی دل میں پانڈووں کی تباہی کے منصوبے باندھتے رہے۔

راجسوی جگ

اس دوران میں جدھشٹر (پانڈو بھائیوں میں سب سے بڑا) کے دل میں بلند ہمتی کی ایک بہت بڑی لہر اٹھی اس نے "راجسوی جگ" کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اس جگ کا انعقاد اس طرح کیا جاتا ہے کہ آگ کا ایک بڑا الاؤ روشن کر کے اس میں ہر طرح کے میوے' خوشبوئیں اور غلہ جات ڈالے جاتے ہیں نیز ہر قسم کے صدقے اور خیراتیں دی جاتی ہیں تا کہ خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اس جگ کے منعقد کرنے کی ایک اہم بنیادی شرط یہ ہے کہ ساری دنیا کے راجہ جگ کرنے والے راجہ کے دربار میں اس کے مطیع ہو کر جمع ہوں اور اس جگ کی تمام رسمیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیں۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے جدھشٹر نے اپنے چاروں بھائیوں کو ساری دنیا فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ خداوند تعالیٰ پانڈوؤں پر مہربان تھا اس لیے پانڈوؤں نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ چاروں باہمت اور بہادر بھائیوں نے خدا کی مدد سے ساری دنیا میں چاروں طرف اپنی فتح کا نقارہ بجا دیا۔ اور ہر ملک' شہر اور قصبے کے فرمانرواؤں اور راجاؤں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ خطا' روم' حبش' عرب' عجم' ترکستان اور ماوراءالنہر (مہابھارت میں ان ملکوں کے نام کہیں نہیں ہیں۔ مشہور محقق برگس کا خیال ہے کہ یہ نام مسلمانوں کے عہد میں داخل روایت ہو گئے ہوں گے) وغیرہ مشہور و معروف مقامات کے فرمانرواؤں کو مع بے شمار زر و جواہر کے دارالحکومت اندرپت میں لایا گیا اور حسب منشا راجسوی جگ کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کیا گیا۔

دریودھن نے جب پانڈوؤں کی یہ شان و شوکت' عظمت اور جاہ و جلال دیکھا اور ان کی سلطنت کی وسعت پر نظر کی تو انسانی فطرت کے مطابق اس کے دل میں حسد کی جو آگ جل رہی تھی اب اور بھڑک گئی۔ اپنے حریفوں کو ختم کرنے کا خیال رہ رہ کر اس کے دل میں آنے لگا اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگا۔ بڑے بڑے مشہور و معروف حیلہ باز و مکار درباریوں سے مشورے کرنے لگا۔ اس زمانے میں جوا کھیلنے کا عام رواج تھا۔ چالاک درباریوں نے دریودھن کو جوئے میں کوروؤں کی قسمت کا پانسہ پلٹنے کا مشورہ دیا اور ایک خاص قسم کی جو سر پر جوا کھیلنے کو کہا۔ اس مقصد کے لیے یہ طے پایا کہ جوا کھیلنے کے لیے ایک ایسا پانسہ بنایا جائے جو ہر بار دشمن کے خلاف پڑے۔ (دریودھن کو یہ تجویز پسند آئی اور اس نے) اس (خاص قسم کے پانسے سے) جدھشٹر اور اس کے بھائیوں سے جوا کھیلنے کا ارادہ کیا۔

(جب یہ سب کچھ طے ہو گیا تو) بڑی لجاجت اور ملائمت کے ساتھ جدھشٹر اور اس کے بھائیوں کو ہستنا پور آنے کی دعوت دی گئی۔ جب بے خبر اور سچا راجہ جدھشٹر ہستنا پور پہنچا تو دریودھن نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور خوب اچھی طرح اس کی مدارت کی اور فرصت کے وقت تفریح کے طور پر جوا کھیلنے کو کہا۔ پانڈوؤں کو چونکہ دریودھن کی عیاری کا حال معلوم نہ تھا اس لیے وہ بغیر کسی حیل و حجت کے جوا کھیلنے پر تیار ہو گئے۔ اس پر دریودھن نے اپنا وہی مخصوص پانسہ نکالا اور کھیلنا شروع کر دیا۔ دو چار ہاتھوں ہی میں پانڈو اپنا ملک و مال ہار بیٹھے اور یوں دریودھن ہر چیز کا مالک بن بیٹھا لیکن اس نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک آخری بازی اس شرط پر لگانے کو کہا کہ اگر پانڈو جیت جائیں تو انہیں ان کا سب ہارا ہوا مال و ملک واپس کر دیا جائے اور اگر ہار جائیں تو وہ آبادی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں اور وہاں بارہ سال تک پرندوں اور چرندوں وغیرہ کے ساتھ زندگی گزاریں اور جب جلاوطنی کی یہ مدت ختم ہو جائے تو وہ واپس آبادی میں آئیں اور ایک سال تک گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کریں کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ کون ہیں۔ اگر یہ راز کھل گیا تو انہیں پھر بارہ سال کی جلاوطنی بھگتنی ہو گی۔

پانڈو بدقسمتی سے یہ آخری بازی بھی ہار گئے۔ شرط کے موافق انہوں نے شہر کی سکونت ترک کر کے جنگل میں بسیرا بنایا اور بارہ سال گزار دیئے۔

جلاوطنی کے یہ بارہ سال پورے کرنے کے بعد پانڈو دکن کے قریب ملک وائین میں آئے اور یہاں انتہائی گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ دریودھن نے ان کا کھوج لگانے کی بہت کوشش کی' لیکن اسے کہیں ان کا سراغ نہ ملا۔ (پانڈو حسب شرط ایک سال تک

گمنامی کے اس عالم میں رہے) جب جلاوطنی کی تمام شرائط پوری ہو گئیں تو پانڈووں نے سری کرشن کو اپنا ایلچی بنا کر دریو دھن کے دربار میں بھیجا اور اپنے ملک کی واپسی کا مطالبہ کیا- دریو دھن نے اس مطالبے کو رد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی جنگ سے فیصلہ کرنے کی ٹھانی گئی- دونوں فریقوں نے اپنی اپنی فوجوں کو سامان جنگ سے پوری طرح آراستہ کیا اور تھانیسر کے قریب کورکھیت کے میدان میں بالمقابل صف آرا ہو گئے- یہ عظیم الشان معرکہ جنگ "کل جگ" کے شروع کے دور میں برپا ہوا- دونوں لشکر اس بری طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے کہ الامان والحفیظ! اٹھارہ روز تک یہ ہنگامہ برپا رہا اور اس طرح سے کہ دونوں طرف کے لشکریوں کو حریفوں اور حلیفوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا- چونکہ مکاری اور غداری کا انجام ہمیشہ ذلت و رسوائی ہوتا ہے اس لیے دریو دھن کا اس جنگ میں قصہ تمام ہوا- اور اس کے لشکری بھی موت کے گھاٹ اتارے گئے' ہندووں کے اعتقاد کے مطابق اس جنگ میں کوروؤں کی طرف سے شامل ہونے والا لشکر گیارہ "کشون" پر اور پانڈووں کا لشکر سات "کشون" پر مشتمل تھا- ہندوستان والوں کی اصطلاح کے مطابق ایک "کشون" ایکس ہزار چھ سو بہتر (۲۱۶۷۲) فیل سواروں' اتنے ہی سانڈنی سواروں- پینسٹھ ہزار چودہ سو (۶۵۱۴۰۰) گھوڑے سواروں اور ایک لاکھ نو ہزار چار سو پچاس (۱۰۹۴۵۰) پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ عجیب و غریب بات یہ بیان کی جاتی ہے کہ سپاہیوں کی اس قدر بھاری تعداد سے صرف بارہ آدمی زندہ بچے- چار کوروؤں کے لشکر میں سے جن کے نام یہ ہیں-

۱- ایک برہمن کرپا چارج جو فریقین کا اُستاد تھا اور مالک سیف و قلم تھا- ۲- درون نامی ایک عالم کا بیٹا اشوتھامان جو کرپاچارج کی طرح فریقین کا اُستاد تھا- ۳- کرت برماں نامی ایک شخص جو یادو خاندان سے تعلق رکھتا تھا- ۴- دریو دھن کے باپ کا سجی نامی رتھ بان- باقی آٹھ آدمی پانڈووں کے لشکر میں سے بچے تھے- پانچوں پانڈو بھائی' ساتک نامی یادو خاندان کا فرد' دریو دھن کا سوتیلا بھائی یویوچھ اور آٹھویں سری کرشن کہ جو اپنی شہرت کی وجہ سے تعریف سے بے نیاز ہیں-

اس جگہ چونکہ اتفاقیہ طور پر سری کرشن کا نام آ گیا ہے- اس لیے ناظرین کی اطلاع کے لیے ان کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب ہو گا-

سری کرشن

اہل ہند اس امر پر پوری طرح متفق ہیں کہ سری کرشن شہر متھرا میں پیدا ہوئے- ان کے بارے میں لوگوں میں مختلف عقیدے مروج ہیں- بعض انہیں دنیا بھر کے تمام سیاستدانوں کا سردار اور ڈپلومیسی میں اعلیٰ مانتے ہیں' بعض ان کی پیغمبری کے قائل ہیں' بعض ان کو خدا کا اوتار سمجھ کر ان کی پرستش کرتے ہیں- سری کرشن کی ولادت اور پرورش کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ متھرا کے والی راجہ کنس کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی موت کرشن کے ہاتھوں واقعہ ہو گی- راجہ نے یہ سُن کر حکم دے دیا کہ اس لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے' لیکن سری کرشن بچ گئے- پیدائش سے لے کر گیارہ سال کی عمر تک وہ نند نامی ایک شخص کے گھر میں پرورش پاتے رہے- آخر کار انہوں نے ایک موقعہ پر راجہ کنس کو قتل کیا اور اس کے باپ راجہ اوگر سین کو تخت پر بٹھایا لیکن اوگر سین کی حکومت برائے نام تھی حقیقی اقتدار خود سری کرشن کے ہاتھوں میں تھا- سری کرشن نے اپنی زندگی کے ابتدائی بتیس سال بہت عیش و آرام میں گزارے جن کے متعلق بہت سے عجیب و غریب قصے آج تک مشہور ہیں جب عیش و آرام کے بتیس سال گزر گئے تو دوسرے راجاؤں نے سری کرشن کو ستانے کی تجویز سوچی- بہار و پٹنہ کے راجہ جراسنگھ نے ایک طرف سے متھرا پر حملہ کیا اور دوسری طرف سے ملیچھوں (ملیچھ یعنی ایسی قوم جو ہندووں کے دین و مذہب میں شامل نہ تھی) کے راجہ کالیون نے حملہ کر دیا- ایک روایت یہ بھی ہے کہ دوسرا راجہ عرب کا فرمانروا تھا (واللہ اعلم بالصواب) بہرحال سری کرشن ان دونوں راجاؤں کی یورش سے بچنے کے لیے متھرا سے دوارکا چلے گئے جو احمد آباد گجرات سے سو کردہ (کردہ دو میل کے برابر ہوتا ہے) کے فاصلے پر دریائے شور کے کنارے آباد ہے- دوارکا کے قلعے میں پناہ گزین ہوئے سری کرشن نے اٹھتر (۷۸) سال دوارکا کے آس پاس کے علاقوں میں گزارے اور ایک سو پچیس سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہو گئے' بعض لوگوں

کا خیال ہے کہ سری کرشن کو موت نہیں آئی بلکہ (انہوں نے) بحالت زندگی روپوشی اختیار کی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

رانی گندھاری کی بددعا کا قصہ

کہا جاتا ہے کہ جب رانی گندھاری کی زچگی کا زمانہ قریب آیا تو ایک دن اس نے سوچا کہ جب یہ لڑکا (دریو دھن) پیدا ہو گا تو اس کا باپ (دہتر آشتر) اندھا ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہ سکے گا بہتر یہی ہے کہ میں اپنے شوہر کی رفاقت کا پورا خیال رکھوں اور دہتر آشتر کی طرح لڑکے کو دیکھنے سے باز رہوں اسی خیال کی بنا پر جب دریو دھن پیدا ہوا تو رانی گندھاری نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے بیٹے کے جسم پر نگاہیں نہ ڈالیں یہاں تک کہ جوان ہو کر تخت سلطنت پر بیٹھا اور لڑائی کا بے شمار سامان لے کر دشمنوں کے مقابلے پر میدان جنگ میں آیا اور رانی روز اول کی طرح بیٹے کے دیدار سے محروم رہی جب لڑائی کا دن مقرر ہوا اور خطرے کی گھڑی قریب آئی تو اس سے ایک روز پہلے گندھاری نے اپنے بیٹے دیور دھن کو بلا کر کہا۔

"اے نور نظر انسان اپنی اولاد کو ہر طرح کی آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور بے خوف رکھتا ہے کل جب کہ جنگ شروع ہو گی مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تیرے نازک جسم کو جو کسی خاص زرہ سے محفوظ نہیں ہے کوئی صدمہ نہ پہنچے اس لیے تو بالکل عریاں ہو کر میرے سامنے آتا کہ میں تیرے سارے جسم پر نگاہ ڈالوں" دریو دھن نے اپنی ماں سے اس طرح عریاں ہو کر سامنے آنے کا طریقہ پوچھا ماں نے جواب دیا۔ "اے میرے بیٹے اس زمانے میں عقل، سچائی، انجام بینی اور بزرگی میں پانڈوؤں کے برابر کوئی نہیں ہے تجھ کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا طریقہ دریافت کرے۔" دریو دھن نے ماں کا کہنا مانا اور پانڈوؤں کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے آنے کی وجہ بتائی پانڈوؤں نے یہ جاننے کے باوجود کہ دیور دھن ان کا جانی دشمن ہے سچائی اور طبیعت کے استقلال کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"فطرت کا یہ قانون ہے کہ اولاد ماں کے پیٹ سے بالکل برہنہ پیدا ہوتی ہے اور والدین کی نظر اسی برہنہ حالت میں بچے پر پڑتی ہے چونکہ تیری ماں نے اب تک تجھے نہیں دیکھا اس لیے تجھے اس کے سامنے برہنہ جانا چاہیے کیونکہ اس کے لیے تیرا وجود اب بھی وہی حیثیت رکھتا ہے جو حیثیت کہ تیری ولادت کے روز تھی لہٰذا یہ تیرا فرض ہے کہ تو اپنی ماں کا کہنا مانے اور اس کے سامنے بالکل برہنہ جائے تاکہ وہ تیرے جسم پر پاک نگاہیں ڈال کر تجھے تمام آفات سے محفوظ کر دے۔"

دریو دھن یہ نیک مشورہ حاصل کر کے اٹھا اور اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوا راستے میں سری کرشن سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا "اس طرح تنہا دشمن کے لشکر میں آنا خلاف مصلحت ہے آخر تم کس لیے آئے تھے؟ دریو دھن نے اس کے جواب میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ اس پر سری کرشن نے کہا "پانڈوؤں نے تجھے جو مشورہ دیا ہے وہ بہت موزوں و مناسب ہے تو بس صرف اتنی احتیاط کر لینا کہ اپنے گلے میں پھولوں کا ایک لمبا ہار سا پہن لینا تاکہ تیری ستر پوشی ہو سکے اس عالم برہنگی میں پھر تو اپنی ماں کے سامنے چلے جانا۔" دریو دھن کو سری کرشن کا مشورہ پسند آیا اور اس نے اسی پر عمل کیا اور اپنی ماں کے سامنے جا کر کہنے لگا۔ "اے مادر گرامی حاضر ہو گیا ہوں اپنی آنکھیں کھولیے اور مجھے دیکھیے۔" ماں نے یہ سوچ کر کہ دریو دھن پانڈوؤں سے نیک مشورہ لے کر آیا ہو گا آنکھیں کھول دیں لیکن جونہی اس کی نگاہ دریو دھن کے گلے میں پڑے ہوئے پھولوں کے ہار پر پڑی تو وہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئی جب اسے ہوش آیا تو وہ زار و قطار رونے لگی۔ اور پوچھنے لگی کیا یہ ہار پہن کر آنے کا مشورہ تجھے پانڈوؤں نے دیا تھا۔" دریو دھن نے جواب دیا بخدا پانڈوؤں نے یہ مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ سری کرشن راستے میں ملے تھے میں نے ان کی رائے پر عمل کیا ہے۔" یہ بات سُن کر گندھاری نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے جلے ہوئے دل سے سری کرشن کو بددعا دی اور اپنے بیٹے سے کہا۔ "اے بیٹے تیرے جسم کی یہی جگہ جو میری نگاہوں سے اوجھل رہ گئی ہے دشمن کے وار سے زخمی ہو گی اور پھر یہی تیری ہلاکت کا سبب ہو گی۔" چنانچہ دریو دھن کی موت اسی طرح واقع ہوئی۔

مختصر یہ کہ کوروؤں کے خاندان کی تباہی اور دریو دھن کے قتل کے بعد جدھشٹر ممالک ہندوستان کا فرماں روا ہوا اور ساری دنیا میں

اس کی سلطنت کا شہرہ ہوا۔ "مہابھارت" کے بعد پورے تیس سال تک جدھشٹر نے حکومت کی، مگر قبل اس کے کہ دنیا اسے چھوڑے اس نے خود ہی دنیا کی ماہیت و حقیقت پر غور کر کے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس نے چاروں بھائیوں کو ساتھ لے کر گوشہ نشینی میں بقیہ زندگی گزار دی اور اسی عالم میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ کوروؤں اور پانڈوؤں دونوں نے مل کر چھتر برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد اکیلے دریودھن نے تیرہ (۱۳) سال تک فرماں روائی کی۔ مہابھارت کے بعد جدھشٹر نے تیس سال تک حکومت کا کاروبار سنبھالا۔ اس حساب سے ان چچازاد بھائیوں کی کل مدت سلطنت ایک سو پچیس (۱۲۵) سال ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! ایسا عجیب و غریب قصہ ہندوستان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں شائد ہی کہیں اور ملے۔

مہابھارت

قدیم روایتوں کے بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد پانڈوؤں کے خاندان میں ارجن کی اولاد سے تیسری نسل میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ لڑکا ہر طرح کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مالا مال تھا۔ جب یہ تخت پر بیٹھا تو اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اپنی رعایا میں ہر دلعزیز ہوا۔ اس نے بڑے عدل اور انصاف سے حکومت کی اور ماضی کے واقعات کو حال اور مستقبل کے لیے عبرت انگیز سمجھ کر مشہ خالق کائنات کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی۔ ایک دن اس راجہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ آخر میرے بزرگوں کے درمیان جنگ وجدال کی اصل وجہ کیا تھی اور ان کی بزم و رزم کے احوال کی اصل حقیقت کیا تھی۔" اس خیال کے پیش نظر اس نے مشہور و معروف عالم بھشم سے اصل حالات جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ بھشم نے جواب دیا۔ "میرا اُستاد بیاس خود اس معرکے میں موجود تھا۔ وہ اصل حقیقت سے پوری طرح واقف ہے لہٰذا بہتر ہے کہ آپ اسی سے پوچھیں۔" راجہ نے بیاس کو شاہی عنایات و انعامات سے سرفراز کیا اور اپنی خواہش بیان کی۔ بیاس نے بڑھاپے کی ضعف اور عبادت کی مصروفیات کی بنا پر اس طویل اور عظیم الشان واقعے کو بیان کرنے میں معذوری کا اظہار کیا۔ البتہ یہ کیا کہ اس تمام واقعہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے قلم بند کرتا رہا۔ اور درمیان میں جابجا نصیحتوں کا اضافہ کر کے کتاب کو مکمل کیا اور اس کا نام مہابھارت رکھا۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ "مہا" کے معنی "بزرگ" یا "بڑے" کے ہیں اور بھارت جنگ یا لڑائی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر ہے اس لئے اسے مہا بھارت کہتے ہیں لیکن یہ معنی درست معلوم نہیں ہوتے کیونکہ ہندی زبان میں "بھارت" کا لفظ کبھی بھی "جنگ" کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بظاہر اس کتاب کی صحیح وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اس میں مہاراجہ بھرت کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے یہ کتاب اسی کی طرف منسوب کی گئی ہے کثرت استعمال کی وجہ سے "بھرت" میں "الف" کا اضافہ ہو کر لفظ بھارت بن گیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوستان والے بیاس کو بڑا پاکیزہ فطرت اور عارف کامل مانتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بیاس زندہ جاوید ہے۔ بعض ہندو عالموں کے نزدیک یہ ماننا عین حق ہے کہ "ہریگ" میں انسانوں کے گروہ سے ایک ایسا انسان اٹھتا ہے جو لوگوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح کرتا ہے ایسے شخص کو "بیاس" کہتے ہیں اور بعض اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ شخصیت جو "بیاس" کے نام سے موسوم ہے زمانے کے رواج کے مطابق مختلف لباسوں اور صورتوں میں منظرعام پر آتی رہتی ہیں۔ بہرحال (کچھ بھی ہو) اس عالم و فاضل بیاس نے برہما کے الہامی کلام "وید" کو تفصیل اور شرح کے ساتھ چار کتابوں میں تقسیم کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ رگ وید۔ ۲۔ یجر وید۔ ۳۔ سام وید ۴۔ اتھر وید۔ وید کے اس مشہور شارح کو بیاس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ (بیاس) کے اصل معنی تفصیل کرنے اور حل کرنے والے کے ہیں ورنہ اس کا حقیقی نام "دوی پائین" ہے۔ اور وہ دو آب کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اس شخص کی پیدائش کے متعلق ایک عجیب و غریب اور دوراز کار قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر کرنا بہ سبب طوالت اس جگہ مناسب نہیں ہے۔ بیاس نے اس کتاب میں ساٹھ شلوک مرتب کیے ہیں۔ تھانیسر کے قریب دریائے سرسوتی کے کنارے پر یہ کتاب تکمیل کو پہنچی تھی۔

اس مقام پر بیاس نے بعد تکمیل کتاب ایک جشن عظیم بپا کیا جس میں بیاس نے خلق خدا کو اپنے علمی خزانے اور انعام و اِکرام سے مالا مال کیا۔ بیاس نے ساٹھ لاکھ اشلوکوں کو اس طور پر تقسیم کیا کہ تیس لاکھ اشلوک دیوتاؤں یعنی عالم بالا کی مقدس ہستیوں سے متعلق ہیں۔ پندرہ لاکھ اشلوک عالم بالا کے دوسرے طبقے یعنی "سترلوک" کے رہنے والوں سے متعلق ہیں۔ چودہ (۱۴) لاکھ اشلوک جنوں' را کھشوں اور گندھرب وغیرہ دوسری ذی حیات مخلوق سے متعلق ہیں۔ بقیہ ایک لاکھ اشلوک بنی نوع اِنسان کے افادے کے لیے ہیں۔ ان ایک لاکھ اشلوک کو اٹھارہ "پرب" یعنی ابواب میں تقسیم کرنے کے ہر ذی استعداد شخص کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے یہ ایک لاکھ اشلوک اب تک محفوظ ہیں اور انہیں کے مجموعے کو مہابھارت کہا جاتا ہے ان اشلوکوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اشلوکوں میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی معرکہ آرائی کا احوال قلم بند کیا گیا ہے اور باقی اشلوکوں میں مختلف طرح کے وعظ نصیحتیں مختلف داستانیں روایات اور ان کی تفصیل و شرح ہے نیز گزشتہ زمانے کے بزم و رزم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

برہمن اس امر پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر یگ میں ایک پیغمبر یا مجتہد ضرور پیدا ہوتا ہے اور اِنسانوں کی اصلاح کے لیے ایک کتاب تصنیف کرتا ہے۔ باوجود ایک طویل مدت گزرنے کے وہ تمام کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔ خطا' ختن' اور چین کے غیر مسلموں کی طرح ہندوستان کے غیر مسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ طوفان نوح کے منکر ہیں۔ بعض ہندوؤں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ دو مشہور ذاتیں برہمن' کھتری تو شروع زمانے سے ہیں یعنی ہمیشہ سے۔ اور بقیہ ذاتیں (ویش' شودر) تیسرے دواپر یگ کے آخری اور چوتھے کل یگ کے ابتدائی زمانے میں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ راجپوت شروع میں نہ تھے بعد میں پیدا ہوئے۔ اور مشہور کھتری راجہ بکرماجیت کی وفات کے بعد (جو اس کتاب کی تحریر سے ایک ہزار چھ (۱۰۰۶) سال کا زمانہ ہے) راجپوت قوم کے لوگوں کے ہاتھ حکومت بھی آئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ سورج (جس کا ذکر آگے آئے گا) کی اولاد کو راجپوت کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کی پیدائش کا آغاز آدم خاکی سے ہوا اور اسی طرح آدم خاکی کا وجود آئندہ بھی ظاہر ہوتا رہے گا اور یہ دنیا بھی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی لیکن ذی عقل اور صاحب بصیرت حضرات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک جسے آٹھ لاکھ سال کی طویل مدت گردانا جاتا ہے عین ممکن ہے کہ کئی ہزار آدم دنیا میں آکر روپوش ہو چکے ہوں۔ اور جنوں میں سے ہوں کہ جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ "خاکی" نہ تھے۔ ان میں سے بعض "بادنہاد" (ہوا سے بنے ہوئے) اور بعض "آتش نہاد" تھے۔ اگرچہ قانون فطرت روز اول سے یہی ہے کہ جب کوئی قوم (احکام خداوندی کی) نافرمانی کرتی ہے تو خداوند تعالیٰ اس سے سخت انتقام لیتا ہے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم پیدا کرتا ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم خاکی نہاد ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے ہر قوم کو خاکی نہاد سمجھ رکھا ہے اور ہر آدم کو آدم خاکی سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے خود ہندوؤں کی بعض ایسی روائتیں موجود ہیں جو گزشتہ ادوار کی مخلوق کے قد و قامت کی بزرگی' ان کی عمر کی درازی' کارناموں کی نادر الوجود قوت (جیسی کہ رام لچھمن سے منسوب کی جاتی ہے) ہرگز بشری فطرت اور احوال اِنسانی کے موافق و مطابق نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو یہ تذکرہ محض حروف اور آوازیں ہیں جو عقل کے ترازو میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اور اگر یہ صحیح ہیں تو پھر یہ ان ناری اور ہوائی مخلوقات کی نسبت ہوں گے کہ جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ

ہم مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت آدم سے پہلے دنیا میں کوئی آدم خاکی پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کے دور سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے۔ دنیا کی مدت قیام کو لاکھوں برس سے بھی زیادہ بتانا ہمارے نزدیک غلط ہے اور ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست ہے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح حضرت آدم کی اولاد سے آباد ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنے تینوں بیٹوں یعنی سام' یافث اور حام کو ازروئے کھیتی باڑی اور کاروبار کا حکم دے کر دنیا کی چاروں

اطراف میں روانہ کیا۔

سام حضرت نوحؑ کے بڑے بیٹے اور جانشین تھے۔ ان کے فرزندوں کی تعداد ننانوے (۹۹) تھی۔ جن میں ارشد، ارفخشد، کئے، نود، یود، ارم، قبط، عاد اور قحطان مشہور ہیں۔ اور عرب کے تمام قبیلے انہیں کی نسل سے ہیں۔ حضرت ہود، صالح اور ابراہیم علیہم السلام اپنا سلسلہ نسب ارفخشد تک پہنچاتے ہیں۔ ارفخشد کا دوسرا بیٹا کیومرث شاہان عجم کا مورث اعلیٰ ہے۔ کیومرث کے چھ بیٹے تھے۔ سیامک، عراق، فارس، شام، تورا اور دمغان بڑا بیٹا سیامک باپ کا جانشین ہوا۔ اور باقی بیٹے جس جس جگہ گئے وہ جگہ انہیں کے نام سے موسوم ہوئی اور وہاں انہیں کی اولاد آباد ہوئی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام عجم تھا اور عجم کے سب رہنے والے اسی کی اولاد میں سے ہیں۔ سیامک کے بڑے بیٹے کا نام ہوشنگ تھا عجم کے تمام بادشاہ "یزد جرد" تک اسی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت نوحؑ کے تیسرے بیٹے یافث اپنے والد محترم کے ایما پر مشرق اور شمال کی طرف گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ اس کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے زیادہ مشہور بیٹا ترک نام کا ہے۔ ترکستان کی تمام قومیں یعنی مغل، ازبک، ترکمانی اور ایران کے وردما کے ترکمانی اسی کی اولاد میں ہیں، یافث کے دوسرے مشہور بیٹے کا نام چین تھا ملک چین کا نام اسی کے نام پر ہے۔ تیسرے بیٹے کا نام آردیس ہے۔ اس کی اولاد شمالی ملکوں کی سرحد پر بحر ظلمات تک آباد ہوئی، اہل تاجیک، غور و سقلاب اسی کی نسل سے ہیں۔

حضرت نوحؑ کا تیسرا بیٹا حام اپنے عالی قدر والد کے حکم سے دنیا کے جنوبی حصے کی طرف گیا اور اس کو آباد و خوشحال کیا۔ حام کے چھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں ا۔ ہند ۲۔ سندھ ۳۔ حبش ۴۔ افرنج ۵۔ ہرمز ۶۔ اور بوبہ۔ ان سب بیٹوں کے نام پر ایک ایک شہر آباد ہوا۔ حام کے سب سے زیادہ مشہور بیٹے ہند نے ملک ہندوستان کو اپنایا اور اسے خوب آباد و سرسبز و شاداب کیا۔ اس کے دوسرے بھائی سندھ نے ملک سندھ میں قیام کیا۔ اور تہت (ٹھٹھ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا۔ ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ ا۔ پورب ۲۔ بنگ ۳۔ دکن ۴۔ نہروال۔ جو ملک اور شہر آج کل ان ناموں سے مشہور ہیں وہ انہی کے آباد کیے ہوئے ہیں۔ ہند کے بیٹے دکن کے گھر تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مرہٹ اور دوسرے کا کنہڑا اور تیسرے کا تلنگ تھا۔ دکن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کیا۔ آج کل دکن میں جو ان ناموں کی تین مشہور قومیں ہیں وہ انہی تینوں کی نسل سے ہیں۔ ہند کے بیٹے نہروال کے بھی تین بیٹے تھے جن کے نام بھروج، کنباج اور مالراج ہیں۔ ان تینوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے۔ اور ان شہروں میں ان کی اولادیں آج تک آباد ہیں۔ ہند کے تیسرے بیٹے بنگ کے گھر میں بہت سی اولاد ہوئی۔ انہوں نے ملک بنگالہ آباد کیا، چوتھے بیٹے پورب کے ہاں جو ہند کا سب سے بڑا بیٹا تھا بیالیس (۴۲) بیٹے پیدا ہوئے اور کچھ ہی عرصے میں ان کی اولاد اس قدر بڑھی کہ انہوں نے ملک کے انتظام کے لئے اپنے خاندان میں سے ایک شخص کشن نامی کو اپنا سردار اور فرماں روا بنایا۔

کشن کی حکومت

ملک ہندوستان میں جس شخص نے سب سے پہلے اپنی حکومت قائم کی، وہ کشن تھا۔ یہ کشن وہ مشہور سری کرشن نہیں ہے بلکہ یہ کشن ایک اور شخص تھا جس کو ہندوستان والوں نے اس کی بہادری اور مردانگی کے پیش نظر اپنا فرماں روا منتخب کیا تھا۔ یہ شخص بہت بھاری جسم کا تھا، اس کا وزن اس قدر تھا کہ گھوڑا اس کی سواری کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے حکم دیا تھا کہ جنگلی ہاتھیوں کو حسن تدبیر سے رام کیا جائے تاکہ وہ ان پر سواری کرے----- راجہ کشن کے زمانے میں ہند کے بیٹے بنگ کی نسل سے ایک دانشور اور عاقل برہمن پیدا ہوا جسے کشن نے اپنا وزیر بنایا۔ ہندوستان کی بعض صنعتیں اسی برہمن کے حسن تدبیر سے رائج ہوئیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج بھی اسی دانشور برہمن کی فکر عالی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں پہلا شہر جو آباد ہوا وہ اودھ ہے۔ کشن نے چار سو (۴۰۰) سال کی زندگی پائی یہ راجہ طہمورث کا ہم عصر تھا اور اس کے عہد میں تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) گاؤں اور قصبے آباد ہوئے۔ اس کی سینتیس (۳۷) بیٹے

تھے جن میں سب سے بڑا جس کا نام مہاراج تھا باپ کے بعد مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔

مہاراج کی حکومت

اپنے باپ کشن کی وفات کے بعد مہاراج نے اپنی قوم کے سرداروں اور بھائی بندوں کے مشورے سے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور یہ حقیقت ہے کہ ملک کو آباد کرنے اور حکومت کے انتظام کو بہترین طریقے پر چلانے میں اس نے اپنے باپ سے زیادہ محنت کی' اپنی رعایا کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ ہند کے بیٹے پورب کی اولاد کو حکومت اور سیاست کے کاموں کے لئے منتخب کیا۔ برہمن کی نسل کے لوگوں کے سپرد وزارت اور نجوم و طبابت کے اہم کام کیے۔ ایک طبقہ زراعت اور کھیتی کے کاموں کے لئے متعین کیا اور ایک قوم کو پیشہ وری کا حکم دیا۔

مہاراج نے زراعت کی ترقی و ترویج پر بہت زیادہ توجہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے شہر جو ہندوستان سے بہت دور کے مقامات پر تھے آباد ہو گئے۔ اس نے شہر بہار آباد کیا اور دور دور سے اہل علم کو بلا کر اس شہر میں بسایا۔ شہر میں بے شمار مدرسے اور عبادت گاہیں بنوائیں اور نواحی محاصل کی آمدنی کو ان عبادت گاہوں کے مصارف کے لئے وقف کر دیا۔ ان اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنیاسی' جوگی اور برہمن فرقے کے لوگ پڑھنے پڑھانے سے پوری پوری دلچسپی لینے لگے۔ مہاراج نے سات سو (۷۰۰) سال تک ہندوستان پر حکومت کی' اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کی حالات بدل گئی۔ یہ راجہ ہندوستان کا جمشید اور فریدون تھا۔ اس نے حکومت کے کاموں کے استحکام اور رعایا و افواج کی بہتری کے لئے بہت سے قاعدے اور اصول مقرر کیے۔ جن میں سے چند قاعدے آج تک اسی طرح جاری ہیں۔ اس نے شاہان ایران کے ساتھ ہمیشہ خلوص و محبت کا برتاؤ رکھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کا بھتیجا ناراض ہو کر فریدون کے پاس گیا اور اس سے اپنے چچا کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ فریدون نے ایک بہت بڑی فوج گرشسپ بن اطرود کے ساتھ اس کی مدد کے لئے روانہ کی۔ جب گرشسپ ہندوستان آیا تو اس کی فوج نے بہت سے آباد شہروں کو ویران کر دیا اور غارت گری کا یہ سلسلہ دس روز تک جاری رہا۔ مہاراج نے جب یہ عالم دیکھا تو اس نے اپنے ملک کا ایک حصہ دے کر اپنے بھتیجے کو راضی کر لیا۔ اور چند عمدہ اور قیمتی اشیاء فریدون کی خدمت میں بطور تحفے میں بھیجیں----- مہاراج کے آخری زمانے میں سنگلدیپ اور کرناٹک کے زمینداروں نے آپس میں مل کر پوری قوت کے ساتھ اس کی فوج کا مقابلہ کیا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی' مہاراج کا بیٹا لڑائی میں مارا گیا۔ شیو رائے اور مہاراج کی باقی ماندہ فوج زخمی اور پریشان ہو کر بھاگ نکلی اور اپنے اسباب اور ہاتھیوں کو میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئی۔ مہاراج نے جب یہ خبر سنی تو وہ دم بریدہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور سخت غصے میں آیا۔ اس پیچ و تاب اور غم و غصہ کا سبب یہ تھا کہ دکن کے معمولی زمینداروں کی یہ سرکشی اتنی بڑی تھی کہ ایسی سرکشی تلنگ' پیگو اور ملیبار جیسے دور دراز مقامات کے بہادر اور جانباز زمینداروں نے بھی کبھی نہ کی تھی۔ مہاراج نے اس شکست کا انتقام لینے کا پکا ارادہ کیا' لیکن اس زمانے میں بادشاہ ایران کے حکم سے ایرانی سردار سام بن نریمان ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے پنجاب کی سرحد تک پہنچ چکا تھا اور مالچند سپہ سالار (یعنی مہاراج کی افواج کا سپہ سالار) بقیہ سپاہ کو لے کر اس کے مقابلے پر گیا ہوا تھا۔ لہٰذا مہاراج کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑا۔ جب تک کہ مالچند سردار شام سے صلح کر کے واپس نہ آ گیا۔ مالچند نے یہ صلح اپنے چرب زبان ایلچیوں کے توسط سے بہت سے زر و جواہر اور ملک پنجاب کو سام کے حوالے کر دینے پر کی تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ فریدوں کے عہد سے پنجاب ہمیشہ ایرانی بادشاہوں کے قبضے میں رہا۔ اور گرشسپ کی اولاد یعنی رستم کے بزرگ پنجاب' کابل' زابل' سندھ اور نیمروز (مغربی افغانستان اور موجودہ خراسان کے چند علاقوں کا نام زابل یا زابلستان تھا۔ اس کا جنوبی علاقہ جس کا زیادہ تر حصہ اب سیستان میں شامل ہے نیمروز کہلاتا تھا۔) پر جاگیرداروں کی صورت میں قابض رہے۔

مالچند ایک سپہ سالار کی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ملک مالوہ ابھی تک اسی کے نام سے مشہور ہے (گرشسپ سے صلح کرنے کے

بعد! جب وہ واپس مہاراج کے پاس پہنچا تو اسے دکن جانے کا حکم ملا۔ اس نے بڑے استقلال اور شان و شوکت کے ساتھ فوراً ملک دکن کا رخ کیا۔ جب دشمنوں نے اس کی آمد کی خبر سنی تو ہراساں ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ مالچند نے فساد پھیلانے والے گروہ کو بری طرح تہہ تیغ کیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اس نے جابجا تھانے اور چوکیاں قائم کیں اور واپس آیا۔ واپسی میں گوالیار اور بیانے کے قلعے تعمیر کروائے اور راگ کا علم جو موسیقی کے نام سے مشہور ہے دکن اور تلنگانے سے لا کر ہندوستان میں مروج کیا۔ چونکہ مالچند کا زیادہ وقت گوالیار ہی میں گزرا اور وہ تمام مشہور موسیقار اور کلاونت جو اس کے ساتھ دکن سے آئے تھے گوالیار ہی میں رہے اس لئے اس شہر میں موسیقی کو بہت ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔

کیشو راج کی حکومت

مہاراج نے سات سو سال کی عمر پائی' اس کے چودہ (۱۴) بیٹے تھے۔ جن میں سے سب سے بڑا کیشو راج اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ کیشو راج نے اپنے عہد حکومت میں اپنے ہر بھائی کو مملکت کے کسی نہ کسی حصے میں بھیجا اور خود کالپی سے گونڈوارہ (گونڈوانہ یا وسط ہند) آیا۔ اور دکن سے سنگلدیپ (لنکا) تک کا سفر کیا۔ اس سفر میں اس نے سرکش اور کج کلاہ راجاؤں سے خراج لیا اور تحفے حاصل کیے اور اپنی رعیت کی پوری پوری طرح بہبودی کی کوشش کی۔ جب وہ اس سفر سے واپس ہوا تو دکن کے زمینداروں نے آپس میں متحد ہو کر بغاوت کا علم بلند کیا۔ ان زمینداروں کی قوت و طاقت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ وہ کیشو راج کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت کیشو راج نے یہ محسوس کیا کہ اس میں ان سرکشوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ لہٰذا مجبوراً اسے ان سے صلح کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت میں آیا اور بیش قیمت تحفوں کے ساتھ ایک خط شاہ ایران منوچہر کی خدمت میں ارسال کیا اور اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ (اس خط کے جواب میں) منوچہر نے ایک زبردست فوج سام بن نریمان کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف روانہ کی۔ کیشو راج نے جالندھر پہنچ کر اس فوج کا استقبال کیا اور بڑے اعلیٰ پیمانہ پر اس کی مہمان داری اور خاطر و تواضع کی اور پھر اس فوج کو لے کر دکن کی جانب روانہ ہوا۔ دکن کے زمینداروں نے جب اس زبردست فوج کی آمد کی خبر سنی تو وہ پریشان ہو کر منتشر ہو گئے اس طرح دکن پھر کیشو راج کی ماتحتی میں آ گیا---- (اس فتح کے بعد) کیشو راج نے سام بن نریمان کی بڑی اچھی طرح خاطرداری کی اور اسے رخصت کرنے کے لئے پنجاب کی سرحد تک گیا۔ اور منوچہر شاہ ایران کے لئے بہت سے تحفے اور نذرانے اس کے ساتھ روانہ کیے۔ بعد ازاں کیشو راج اپنے پایہ تخت اودھ میں آیا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ اہل ہندوستان کو اس نے اپنے انصاف کی برکت سے مالا مال اور خوش حال رکھا۔ اس نے دو سو بیس (۲۲۰) سال تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا منیر رائے تخت پر بیٹھا۔

منیر رائے کی حکومت

منیر رائے کو ہندوؤں کی علمی کتابوں یعنی شاستر وغیرہ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ اہل علم اور عقل مند لوگوں کی محبت کو پسند کرتا تھا۔ اس بنا پر اس نے (غیر علمی مشاغل یعنی) سواری اور لشکر کشی وغیرہ کو بالکل ترک کر دیا۔ وہ اپنا بیشتر وقت علماء و فضلاء کی محفل میں گزارتا تھا۔ اس نے اہل ضرورت اور فقراء وغیرہ میں بے شمار دولت تقسیم کی اور بہار جا کر بہت زیادہ خیرات کی۔ منیر نامی شہر اسی راجہ کی عہد میں آباد ہوا---- اس راجہ نے بڑی ناشائستہ حرکت یہ کی کہ جب سام بن نریمان کا انتقال ہوا تو منوچہر شاہ ایران کی سلطنت میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ ایرانی بادشاہوں کے پرانے دشمن افراسیاب نے موقعے سے فائدہ اٹھایا اور ایران پر حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا۔ اس وقت منیر رائے نے سام بن نریمان اور منوچہر کے احسانات کو فراموش کر کے پنجاب پر حملہ کیا اور اسے زال بن سام کے عمال کے قبضے سے نکال کر اپنے تصرف میں لے لیا اور جالندھر کو پایہ تخت بنایا۔ اس نے بہت سے نادر تحائف کے ساتھ اپنے ایک ایلچی کو افراسیاب کی خدمت میں

بھیجا تاکہ اپنے آپ کو اس کا دوست ظاہر کرے۔ اس زمانے سے لے کر کیقباد کے عہد تک پنجاب ہندوستان کے راجاؤں کے قبضے میں رہا' لیکن جب (مشہور عالم) رستم پہلوان اپنے باپ دادا کے منصب سرداری پر پہنچا تو اس نے پنجاب کو واپس لینے کے لئے ہندوستان پر حملہ کیا۔ منیر رائے رستم کا مقابلہ نہ کر سکا اور ترہٹ کے کوہستان کی طرف بھاگ نکلا۔ جب رستم نے پنجاب' سندھ اور ملتان کو فتح کر کے ترہٹ کا عزم کیا تو منیر رائے (دریائے سون کے دائیں کنارے کا علاقہ جو اب بگھل کھنڈ اور چھوٹے ناگپور میں شامل ہے) چہار کھنڈ اور کونڈواڑے کے کوہستانوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد پھر کبھی اسے خوشی کا دن دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ اسی زمانے میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ راہی ملک عدم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ منیر رائے کا زمانہ سلطنت پانچ سو سینتیس (۵۳۷) سال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راجہ سورج

کہا جاتا ہے کہ جب منیر رائے کی وفات کی خبر رستم نے سنی تو اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس کی اولاد میں سے کسی کو سلطنت کی ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ کیونکہ منیر رائے کی بدعہدی اور بے وفائی اس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے اب ہندوستان کے سرداروں میں سورج کو جو اس کی خدمت میں پہنچ گیا تھا (اس کام کے لئے منتخب کیا اور) ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کی اور خود واپس ایران چلا گیا۔ سورج نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو بہت مضبوط اور طاقتور بنایا اور ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی کہ دریائے بنگالہ سے لے کر دکن کی سرحد تک اسی کی عملداری تھی اور اسی کے نائبین حکومت کرتے تھے اپنے عہد حکومت میں راجہ سورج نے زراعت کی ترقی اور بستیوں کی آبادی کی طرف بہت توجہ کی۔

چہار کھنڈ کے کوہستان کا ایک برہمن جو جادو ٹونے وغیرہ میں بڑی مہارت رکھتا تھا راجہ سورج کے دربار میں آیا' اس نے تھوڑے عرصے میں راجہ کی نگاہوں میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا۔ اس برہمن نے راجہ کو بت پرستی کی تعلیم دی۔

ہندوستان میں بت پرستی

چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہند نے اپنے بزرگوں کو خدا کی عبادت اور اطاعت گزری کرتے ہوئے سنا اور دیکھا تھا۔ لہٰذا (وہ خود بھی اسی راہ پر گامزن رہا اور) اس کی اولاد بھی کئی نسلوں تک اسی مشرب کی پیروی کرتی رہی۔ مہاراج کے زمانے میں ایران سے ایک شخص ہندوستان آیا اور اس نے یہاں کے لوگوں کو آفتاب پرستی کی تعلیم دی اس کی تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ ستارہ پرست لوگ بھی آگ کی پرستش کرنے لگے' لیکن اس کے بعد جب بت پرستی کا رواج ہوا تو یہی طریقہ سب سے زیادہ مروج و مقبول ہوا۔ بت پرستی کو اس درجہ مقبولیت اس سبب سے ہوئی کہ اس برہمن نے جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے راجہ کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی سونے چاندی یا پتھر کی شبیہ بنا کر اس کی پرستش کرتا ہے وہ سیدھے راستے پر ہوتا ہے۔ اس عقیدے کو لوگوں نے اس حد تک اپنایا کہ ہر چھوٹا بڑا اپنے بزرگوں کے بت بنا کر ان کی پوجا کرنے لگے۔ خود راجہ سورج نے بھی دریائے گنگا کے کنارے شہر قنوج آباد کر کے وہاں بت پرستی شروع کی۔ رعیت نے بھی اپنے فرماں روا کی تقلید کی اور ہر کوئی اس مشرب کے مطابق اپنے اپنے طور پر بت پرستی میں مبتلا ہو گیا (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ہندوستان میں بت پرستوں کے نوے (۹۰) مختلف گروہ پیدا ہو گئے۔ راجہ سورج نے چونکہ قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ اس لئے اس شہر کی آبادی میں بہت اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ شہر کا پھیلاؤ پچیس (۲۵) کوس تک بڑھتا چلا گیا۔ راجہ سورج کی مدت حکومت دو سو پچاس برس ہے۔ اس مدت کے بعد اس نے انتقال کیا۔ یہ راجہ شاہ ایران کیقباد کا ہمعصر تھا اور اسے ہر سال خراج ادا کیا کرتا تھا۔ نیز اس نے ہمیشہ رستم کے احسان کو یاد رکھا۔ اس کا بڑا لحاظ کیا اور اپنی بھانجی کی شادی رستم کے ساتھ کر دی۔ راجہ ہر سال بادشاہ ایران کو خراج بھیجنے کے ساتھ ساتھ رستم کے لئے بھی تحفے تحائف ارسال کیا کرتا تھا۔ اس راجہ کے پینتیس (۳۵) بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑا لہراج تھا جو اس کا جانشین ہوا۔

لہراج کی حکومت

لہراج نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی اپنے نام کی مناسبت سے ایک شہر "لہراج" آباد کیا- اس راجہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم موسیقی سے دلچسپی لینے میں گزارا- اس کے باپ یعنی راجہ سورج نے اپنے عہد حکومت میں بنارس شہر کی بنیاد رکھی تھی' لیکن اس شہر کو اپنی زندگی میں مکمل نہ کروا سکا تھا- لہراج نے اس شہر کو بسانے میں پوری کوشش کی اس نے اپنے بھائیوں کو ہمیشہ عزیز رکھا اور انہیں ان کے حال کے مناسب جاگیریں وغیرہ دے کر ہمیشہ خوش رکھا- بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس راجہ نے اپنے باپ کی اولاد کو "راجپوت" کے نام سے اور دوسرے لوگوں کو مختلف فرقوں اور ناموں سے موسوم کیا' لیکن ان خوبیوں کے باوجود اس نے حکومت اور سلطنت کے امور اور قواعد میں بڑا خلل پیدا کیا- جس کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور ہر شخص حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالنے کے خواب دیکھنے لگا- ایسے ہی لوگوں میں کیدار نامی ایک برہمن بھی تھا- اس نے سوالک کے کوہستان سے سرکشی کی اور لہراج پر حملہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لہراج کو شکست ہوئی ہندوستان کی حومت کیدار کے ہاتھوں آگئی کہا جاتا ہے کہ لہراج نے ۲۶ سال تک حکومت کی-

("کوہستان سوالک" کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ کوہستان سلسلہ ہمالیہ کی جنوبی شاخ ہے)

کیدار برہمن کی حکومت

کہا جاتا ہے کہ جب کیدار مسند حکومت پر بیٹھا اس وقت وہ حکومت اور سلطنت کے امور سے پوری طرح واقف تھا- اس لئے اس کا نام بھی ہندوستان کے مشہور اور عالی مرتبت فرماں رواؤں میں شامل ہو گیا- ایران کے مشہور بادشاہوں "کیخسرو" اور "کیکاؤس" کو اس نے ہمیشہ خوش رکھا- ان کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجتا رہا اور ان کا مطیع بن کر رہا- اس نے کالنجر کے قلعے کی بنا ڈالی اور اسے مکمل کروایا- اس کے عہد میں شنکل نامی ایک باغی نے کوچ بہار کی طرف سے نکل کر سلطنت پر حملہ کیا اور ملک بنگال و بہار کو فتح کر کے ایک بھاری فوج تیار کی- اس کی کیدار سے کئی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں جن کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ کیدار کو شکست ہوئی اور شنکل کو فتح اور یوں شنکل ہندوستان کا راجہ بن گیا- کیدار کی مدت حکومت انیس سال ہے-

شنکل کی حکومت

شنکل نے زمام اقتدار ہاتھ میں لے کر اپنی شان و شوکت اور رعب داب کا سکہ بٹھایا- لکھنوتی کا شہر جو اب گور کے نام سے مشہور ہے اسی نے آباد کیا تھا- یہ شہر دو ہزار سال تک صوبہ بنگالہ کا دارالسلطنت رہا' لیکن سلاطین تیموریہ کے عہد میں ویران ہو گیا اور اس کے بجائے ٹانڈہ کو حکام نے اپنی قیام گاہ بنایا- شنکل نے ایک زبردست فوج تیار کی جس میں چار ہزار ہاتھی' ایک لاکھ سوار اور چار لاکھ پیادے شامل تھے- اس وجہ سے اس پر غرور و تکبر کا نشہ چھایا رہنے لگا- اس کے عہد حکومت میں افراسیاب نے جب اپنا ایلچی خراج وصول کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا تو شنکل نے اسے ذلیل و خوار کر کے واپس بھیج دیا- افراسیاب کو جب شنکل کی اس حرکت کا علم ہوا تو وہ بہت برافروختہ ہوا- اور اس نے اپنے سپہ سالار "پیران ویسہ" کو پچاس ہزار خونخوار ترک سپاہ کے ساتھ ہندوستان کی طرف بھیجا- شنکل نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ایک بہت بڑی فوج اپنے ساتھ لے کر (پیران ویسہ) کے مقابلے کے لئے نکل پڑا- بنگالہ کی سرحد کے قریب کوچ کے کوہستان میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا- لڑائی شروع ہوئی جو دو دن دو رات تک جاری رہی- اس جنگ میں اگرچہ ترکوں نے بڑی بہادری سے کام لیا اور اپنی مردانگی کے جوہر دکھائے اور پچاس ہزار دشمنوں کا کام تمام کیا' لیکن دشمنوں کی بھاری جمعیت کی وجہ سے انہیں بھی نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے- آخر کار (نتیجہ یہ نکلا) کہ ترکوں کی حالت خراب ہونے لگی- اور تیسرے دن انہوں نے مجبور ہو کر لڑائی سے گریز کرنا شروع کیا ترکوں کا اپنا ملک دور تھا اور دشمن کو پورا غلبہ حاصل تھا- اس لئے ترکوں کی فوج

بھاگ کر ایک مضبوط جگہ پر پناہ گزین ہوئی۔ "پیران ویسہ" نے اپنے ساتھیوں کی رائے سے جنگ کی ساری کیفیت ایک خط میں لکھ کر افراسیاب کو روانہ کی اور خود رات دن چھپ چھپا کر دشمن کے حملے سے اپنا بچاؤ کرتا۔ ترکوں کی فوج ہندوؤں کو جو چاروں طرف سے حملہ کرتے تھے تیراندازی کر کے پسپا کرتی رہی' لیکن پھر بھی ہر ترک کے دل میں یہی خیال رہ رہ کر آتا تھا کہ آخر اس جنگ کا انجام کیا ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں افراسیاب شہر کنک وژ میں مقیم تھا جو خطا اور ختن کے درمیان خان بالغ سے ایک مہینے کی مسافت پر واقع ہے۔ جب افراسیاب کو "پیران ویسہ" کے حالات کا علم ہوا تو وہ ایک لاکھ ترکی سواروں کی جمعیت تیار کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور چاند کی رفتار سے بھی تیز چل کر عین اس وقت ہندوستان میں وارد ہوا۔ جب کہ شنگل نے ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کو جمع کر کے "پیران ویسہ" کے مقابلے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ہر طرف سے ترکی سپہ سالار کو گھیر کر پناہ کے تمام راستے بند کر رکھے تھے۔ افراسیاب نے یہاں آتے ہی دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا۔ اس حملے کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تلواریں اور سینے میں دل' دونوں ہی بیکار ہو گئے۔ ان کی فوج آسمانی ستاروں کی طرح بکھر گئی اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ پیران ویسہ کو جب محاصرے کی مصیبت سے نجات ملی۔ تو وہ اپنے آقا (افراسیاب) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ افراسیاب نے اسے ساتھ لے کر (بھاگتے ہوئے) دشمن کا پیچھا کیا اور جو شخص جس جگہ نظر آیا اسے وہیں قتل کر دیا۔ شنگل بھاگتا ہوا ملک بنگالہ میں پہنچا اور یہاں لکھنوتی میں پناہ گزین ہوا' لیکن ترکوں نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ لہٰذا شنگل (اپنی جان بچانے کے لیے) لکھنوتی میں صرف ایک روز ٹھہر کر کوہستان ترہٹ (اس نام کا علاقہ آج کل بنگال کے دو اضلاع مظفر پور اور دربھنگہ میں تقسیم ہو گیا ہے اور اب اس کا پرانا نام ترہٹ مروج نہیں رہا) کی طرف بھاگ گیا۔ ترکوں نے بنگالے میں ایسی غارت گری کی کہ کہیں بھی آبادی کا نشان تک نہ چھوڑا۔ لیکن افراسیاب نے پھر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس پر شنگل نے مجبور ہو کر (کئی) عقل مند پیامبر افراسیاب کے پاس بھیجے اور یہ کہلوایا کہ میرا قصور معاف کر دیا جائے اور مجھے قدم بوسی کی اجازت دی جائے۔ افراسیاب نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور شنگل تلوار اور کفن باندھ کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ استدعا کی کہ افراسیاب اسے اپنے ہمراہ توران (ترکستان) لے چلے افراسیاب کو شنگل کی عقیدت مندی کی یہ ادا بہت پسند آئی اور وہ اسے اپنے ساتھ توران لے گیا۔ ملک ہندوستان کی حکومت افراسیاب نے شنگل کے بیٹے "برہٹ" کے سپرد کر دی۔ شنگل نے بقیہ عمر افراسیاب کی خدمت میں گزار دی یہاں تک کہ ہاماوران کی جنگ میں رستم کے ہاتھوں مارا گیا۔ شنگل نے ہندوستان پر کل چونسٹھ (۶۴) سال حکومت کی۔

برہٹ کی حکومت

(شنگل کا بیٹا) برہٹ بڑا عبادت گزار' نیک طبیعت اور خلیق انسان تھا اس کی سلطنت گڑھی سے مالوے تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کی آمدنی کے تین حصے کیا کرتا تھا ایک حصہ' غرباء و فقراء میں خیرات کر دیتا۔ ایک حصہ فوج اور جانوروں وغیرہ پر صرف کرتا۔ اس تقسیم کی وجہ سے اس کی فوج میں کمی واقع ہو گئی۔ مالوے کے راجہ نے جو اس کا مطیع اور خراج گزار تھا بغاوت کر کے گوالیار کے قلعے کو اس کے عہدیداروں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ قلعہ رہتاس کا بانی راجہ برہٹ بھی جو رہتاس میں ایک بڑا بت خانہ بنا کر مشغول عبادت تھا' اس کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ برہٹ نے اکیاسی (۸۱) سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔ برہٹ چونکہ لاولد مرا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد دارالسلطنت قنوج کے آس پاس طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ کچھواہہ قوم کے ایک شخص مہاراج نامی نے مارواڑ سے نکل کر قنوج پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان کا راجہ بن گیا۔

مہاراج کچھواہہ کی حکومت

مہاراج نے حکومت حاصل کرنے کے بعد ایک مدت تک اپنی قوت بڑھانے کی کوشش کی اور جب اس نے اپنی قوت میں مناسب اضافہ کر لیا۔ تو اس نے نہروالہ (گجرات) کے ملک پر حملہ کیا اور اسے وہاں کے زمینداروں سے جن میں سے بیشتر اسیر تھے' چھین کر اپنے

قبضے میں کر لیا۔ مہاراج مظفر و منصور واپس آیا۔ اس نے چالیس سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ مہاراج گشتاسپ کا ہم عصر تھا اور ہر سال اس کو تحفے تحائف وغیرہ ارسال کیا کرتا تھا۔

کیدراج کی حکومت

مہاراج کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھانجا کیدراج تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس زمانے میں رستم کی موت واقع ہوئی تھی۔ اور کچھ عرصے سے پنجاب کا کوئی طاقتور حکمران نہ رہا تھا۔ اس لئے کیدراج نے اس پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور کچھ دنوں شہر بھیرہ میں جو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے قیام کر کے جموں کا قلعہ تعمیر کروایا۔ اور اپنے ایک رشتہ دار کو جس کا نام داک درگا تھا جو کھکروں کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور حکمران بننے کا پورا پورا اہل تھا۔ وہاں کا حاکم مقرر کیا اس وقت سے لے کر اب تک یہ قلعہ اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ کچھ عرصے بعد پنجاب کے زمینداروں کے دو معتبر فرقوں کھکر اور چوبیہ نے کابل اور قندہار کے وسطی کوہستانی اور جنگلی (علاقے کے) باشندوں کے اتحاد سے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور کیدراج پر حملہ کر دیا۔ کیدراج نے مجبور ہو کر یہ علاقہ انہیں زمینداروں کے سپرد کر دیا۔ اس وقت یہ قوم تفرقے کی حالت میں مختلف سرداروں کی ماتحتی میں پنجاب کے کوہستانی علاقوں میں آباد ہے' یہ وہی قوم ہے جسے اب افغان کہا جاتا ہے۔ کیدراج نے تینتالیس (۴۳) سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دے کر وفات پائی۔

جے چند کی حکومت

جے چند کیراج کا سپہ سالار تھا اس نے کیدراج کے مرتے ہی قوت و اقتدار حاصل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا اور راجہ بن بیٹھا) اس کے عہد حکومت میں ایک بہت بڑا قحط پڑا چونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا اس لئے اس نے خدا کے بندوں کی کوئی پروانہ کی اور شہریانہ میں مشغول عیش و عشرت رہا۔ خدا کی مخلوق کی جانیں ضائع ہوئیں اور فوج اور رعایا کی تباہی سے اکثر گاؤں اور قصبے ویران ہو گئے۔ (اس کے باوجود بھی) جے چند نے کوئی پروانہ کی اور اس بے پروائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک عرصے تک ہندوستان اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور سارے ملک پر اداسی چھائی رہی۔ جے چند نے ساٹھ (۶۰) سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔ وہ بہمن و داراب کے زمانے میں تھا اور ان بادشاہوں کو ہر سال نذرانہ بھیجا کرتا تھا اس نے اپنے پیچھے ایک کم عمر لڑکا چھوڑا جو حکمرانی کے قابل نہ تھا۔ اس لئے جے چند کی بیوی اس لڑکے کو تخت پر بٹھا کر خود حکمرانی کرتی رہی۔ کچھ عرصے بعد جے چند کے بھائی دہلو نے سلطنت کے سرداروں اور امیروں وزیروں وغیرہ کی اتفاق رائے سے اس لڑکے کو تخت سے اتار دیا اور خود عنان حکومت سنبھالی لی۔

راجہ دہلو کی حکومت

یہ راجہ بڑا بہادر' باہمت اور دلیر شخص تھا۔ رعایا سے شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرتا اس کی یہ ہمیشہ کوشش رہی کہ رعایا خوش حال رہے اور آرام سے زندگی بسر کرے۔ دہلی شہر اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ جب دہلو کو حکومت کرتے ہوئے چالیس (۴۰) سال گزرے تو کمایوں کے راجاؤں کے ایک عزیز فور (فور سے مراد مشہور راجہ پورس ہے جس نے سکندر کے ساتھ جنگ کی تھی۔) نامی نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ فور نے پہلے تو کمایوں پر قبضہ کیا اور بعد ازاں قلعہ قنوج پر حملہ کیا۔ یہاں اس کی راجہ دہلو سے بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں دہلو گرفتار ہوا فور نے اسے قلعہ رہتاس میں قید کر دیا۔

راجہ فور کی حکومت

فور نے راجہ دہلو کو قلعہ رہتاس میں قید کرنے کے بعد بنگالے پر قبضہ کیا اور سمندر تک تمام ملک کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لے آیا اور ہندوستان کا ایک بہت بڑا راجہ بن گیا۔ تمام مورخوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہندوستان میں آج تک فور سے بڑا راجہ پیدا نہیں ہوا۔

فور نے گذشتہ راجگان ہند کی طرح شاہان ایران کو خراج دینا بند کر دیا تھا اس لئے سکندر نے اس پر حملہ کیا۔ فور نے (اس حملے کی) بالکل پروانہ کی اور ایک بہت بڑا کیڑوں مکوڑوں کی طرح لشکر لے کر اس نے سرہند کے قریب سکندر کا مقابلہ کیا دونوں بادشاہوں میں زبردست جنگ ہوئی فور اس جنگ میں کام آیا۔ فور نے تہتر (۷۳) سال تک حکومت کی۔

دنیا کے واقعات و حوادث سے باخبر رہنے کے متمنی لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مندرجہ بالا واقعات کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں اور بھی بہت سے عظیم الشان راجہ اس زمانے میں گزرے۔ مثلاً گل چند جس نے گلبرگہ آباد کیا۔ راجہ مرچ چند جس کے نام سے قصبہ مرچ اب تک آباد ہے۔ اور بجے چند جس نے بیجاپور کو آباد کر کے اسے سارے دکن کا دارالسلطنت بنایا' وغیرہ وغیرہ۔ اس جگہ سارے راجوں کے ناموں کی مفصل فہرست دینا موجب طوالت ہو گا۔

جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو قلعہ بیدر کا بانی' اور قوم راج بیدر سکندر کا سردار (جو دکن میں تمام قوموں اور فرقوں میں شجاعت و دلیری میں مشہور ہے) راجہ بیدر سکندر کے حملے اور راجہ پورس کے مارے جانے سے سخت ہراساں ہوا (اسے اپنی فکر لاحق ہوئی لہٰذا) اس نے بہت سا مال و دولت اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ جو کچھ کہ اس کے پاس تھا اپنے بیٹے کے ساتھ سکندر کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اس کے ملک پر حملہ نہ کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر واپس ایران چلا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سکندر نے اس پر حملہ نہ کیا اور واپس ایران چلا گیا۔

راجہ سینسار چند کی حکومت

فور کی وفات اور سکندر کی واپسی ایران کے بعد سینسار چند نامی ایک شخص نے ہندوستان کی عنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ ہی مدت میں ہندوستان میں ایک مستحکم اور پائیدار حکومت قائم کرلی۔ چونکہ اس راجہ نے راجہ پورس کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لئے وہ بہت خوف زدہ تھا لہٰذا ہر سال وہ نذرانے کی رقم' طلبی سے پہلے ہی شاہ ایران گودرز کی خدمت میں روانہ کر دیتا تھا۔ سینسار کو حکومت کرتے ہوئے جب ستر (۷۰) سال گزر گئے تو جونہ نامی ایک شخص نے سرکشی کی اور حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

راجہ جونہ کی حکومت

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جونہ راجہ کافور کا بھانجا تھا جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے اچھے کاموں اور نیک عادتوں کی وجہ سے ملک کو خوش حال اور آسودہ بنانے کی کوششیں کیں۔ اس نے گنگا اور جمنا دونوں دریاؤں کے کناروں پر بہت سے نئے قصبے اور گاؤں آباد کئے اور حسب مقدور عدل اور انصاف سے حکومت کی۔ راجہ جونہ کے ہم عصر ایرانی بادشاہ اردشیر بابکاں نے جب ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گیا تو راجہ جونہ کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ لہٰذا وہ اردشیر بابکاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت سے زر و جواہر اور کوہ پیکر ہاتھی اس کی نذر کئے (اس وجہ سے اردشیر) حملہ کئے بغیر واپس چلا گیا اس کی واپسی کے بعد جونہ واپس قنوج میں آیا۔ اور ایک عرصے تک بڑے آرام سے حکومت کرتا رہا۔ اس واقعہ کے نوے (۹۰) سال بعد اس کا انتقال ہوا۔ اس راجہ نے اپنے پیچھے بائیس (۲۲) بیٹے چھوڑے' ان میں سب سے بڑا جس کا نام کرپان چند تھا سلطنت کا وارث ہوا۔

راجہ کرپان چند کی حکومت

کرپان چند بڑا ظالم اور سفاک راجہ تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر خلق خدا کو مروا دیتا تھا۔ اور بے گناہ لوگوں پر طرح طرح کی تہمتیں باندھ کر ان کا مال و اسباب ضبط کر لیتا تھا۔ اپنی رعایا سے وہ بڑی سختی سے روپیہ وصول کرتا تھا۔ ان سختیوں اور سفاکیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ دارالسلطنت کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ہندوستان کی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ قنوج کی قومی اور اجتماعی قوت میں زبردست کمی واقع ہوئی اور راجہ مع مختصر سی فوج کے تنہا رہ گیا۔ حکومت کی وہ اگلی سی شان و شوکت ختم ہو گئی اور

ہندوستان میں طوائف الملوکی کا ایسا دور دورہ ہوا کہ آس پاس کے سارے راجہ باغی اور خود مختار بن گئے۔

یہ باغی اور خود مختار راجہ اس قدر طاقت ور اور عالی مرتبت ہوئے کہ تاریخ میں ان کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے (یہاں) صرف قنوج اور ہند کے راجاؤں ہی کے تذکرے پر اکتفاء نہیں کی جاتی' بلکہ ان دوسرے راجاؤں کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے ذیل میں مالوے کے راجہ بکرماجیت کا حال درج کیا جاتا ہے۔

راجہ بکرماجیت کی حکومت

بکرماجیت کا تعلق پوار قوم سے تھا وہ طبیعت کا بہت نیک تھا۔ اس کی اصل حقیقت ان قصوں اور روایتوں سے معلوم کی جا سکتی ہے جو ہندوؤں کی قوم میں کہانیوں کی طرح مشہور ہیں۔ راجہ بکرماجیت ابتدائے جوانی سے کئی سال تک فقیروں کی وضع قطع اختیار کر کے انہیں کے گروہ میں شامل ہو کر جگہ جگہ کی سیاحت اور طرح طرح کے مجاہدے کرتا رہا۔ جب اس کی عمر پچاس (۵۰) سال کی ہوئی تو اس نے غیبی رہنمائی سے سپہ گیری کے میدان میں قدم رکھا چونکہ خدا کی مرضی اسی میں تھی کہ یہ فقیر ایک بہت بڑا فرمانروا بنے اور خدا کے بندوں کو ظالم حکمرانوں کے پنجہ ظلم سے آزاد کرائے۔ اس لئے بکرماجیت کو بڑی ترقی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے میں نہروالا اور مالوہ اس کے قبضے میں آ گئے عنان حکومت سنبھالتے ہی اس راجہ نے عدل و انصاف کو دنیا میں اس طرح پھیلایا اور اپنے احسان کے چتر کے سائے تلے ہر شہر اور اہل شہر کو اس طرح پناہ دی کہ ظلم اور سفاکی کا کہیں بھی نام و نشان نہ رہا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ بکرماجیت کی حالت اس کا مرتبہ دنیا کے عام انسانوں سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس کے عرفان اور روشن ضمیری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو بات اس کے دل میں آتی تھی وہ بغیر کسی کمی بیشی کے ظاہر ہو جاتی تھی اور ہر اچھا یا برا واقعہ جو رات کو اس کے ملک میں ہوتا اس کی اطلاع اسے دن ہی میں ہو جاتی تھی۔

باوجود فرمانروا ہونے کے وہ اپنی رعایا کے ساتھ بالکل برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کے گھر کا تمام سرمایہ ایک مٹی کے پیالے اور ایک بوریئے پر مشتمل تھا۔ بکرماجیت نے اجین کو آباد کیا اور دھارے کے قلعے کو تعمیر کروا کے اپنا مسکن بنایا۔ اجین کا مشہور بت خانہ مہاکال بھی اسی نے بنوایا تھا اور ان جوگیوں اور برہمنوں کے وظیفے مقرر کئے تھے جو اس بت خانہ میں رہ کر عبادت کرتے تھے وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی رعایا کے حالات جاننے اور خدا کی عبادت کرنے میں صرف کرتا تھا ہندوستان کے لوگ اس راجہ کے متعلق بہت اچھا عقیدہ رکھتے ہیں اور بہت سے عجیب و غریب افسانے اور قصے اس کے نام سے منسوب کرتے ہیں (ہندوؤں کے) سال اور مہینوں کی ابتدا اسی راجہ کی وفات کے دن اور مہینے سے ہوتی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت کہ جو ہجرت نبوی کا ایک ہزار پندرہواں (۱۰۱۵) سال ہے۔ سنہ بکرماجیت کی ابتداء کو ایک ہزار چھ سو تریسٹھ (۱۶۶۳) سال گزر چکے ہیں۔ راجہ بکرماجیت ایران کے بادشاہ اردشیر کا ہم عصر تھا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اس کا اور شاپور کا زمانہ ایک ہی تھا۔ بکرماجیت کے آخری زمانے میں ایک زمیندار نے جس کا نام سال باہن تھا۔ اس پر حملہ کیا۔ (دریائے) نربدا کے کنارے دونوں کے لشکروں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں سال باہن کو فتح حاصل ہوئی اور بکرماجیت مقتول ہوا۔

سال باہن کے عہد حکومت کی بہت سی ایسی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جو تاریخی لحاظ سے معتبر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے---- بکرماجیت کی وفات کے بعد ایک عرصے تک مالوہ بالکل ویران رہا اور کوئی انصاف پسند راجہ اور سخی حاکم اس پر فرمانروا نہ ہوا یہاں تک کہ راجہ بھوج نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

راجہ بھوج کی حکومت

راجہ بھوج پوار قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے عدل و انصاف اور سخاوت میں ہر طرح سے بکرماجیت کی پوری پوری تقلید کی وہ

راتوں کو بھیس بدل بدل کر پھرتا تھا اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کے حالات سے آگاہ ہو کر ان کی خبر گیری کرتا تھا- وہ ہمیشہ اپنی رعایا کی خوش حالی اور آسودگی کی کوشش کرتا تھا- یہ تین مقامات کھرکھوں' بیجانگر' اور ہنڈیہ اسی راجہ کے عہد میں آباد کئے گئے تھے- راجہ بھوج کثرت ازدواج کا بڑا شوقین تھا- وہ ہر سال میں دو مرتبہ ایک بہت بڑا جشن منایا کرتا تھا- جس میں ہندوستان کے ہر گوشے کے رقص و سرود کے ماہرین شرکت کیا کرتے تھے- جشن کا یہ سلسلہ چالیس روز تک رہتا تھا اور اس میں سوائے ناچ گانے کے کوئی اور کام نہ ہوا کرتا تھا- دوران جشن میں ہر گروہ کو کھانا' شراب اور پان وغیرہ حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا- رخصت کے وقت ہر شخص کو ایک خلعت اور دس مثقال سونا دیا جاتا تھا- راجہ بھوج نے پچاس (۵۰) سال تک حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا-

راجہ باسدیو کی حکومت

راجہ بھوج کے زمانے ہی میں ایک شخص جس کا نام باسدیو تھا' قنوج کا راجہ بن بیٹھا اور بہار کو جو بنگالے کی طرح قنوج سے علیحدہ ہو گیا تھا- پھر دوبارہ اپنے قبضے میں لے آیا- اور اپنا رعب اچھی طرح قائم کر لیا- کہا جاتا ہے کہ اسی راجہ کے زمانہ میں بہرام گور ایک سوداگر کے بھیس میں ہندوستان آیا تھا- تاکہ وہ اس ملک کے اور یہاں کے باشندوں کے حالات معلوم کرے- بہرام گور کے (ہندوستان) آنے اور (یہاں) اس کو پہچان لئے جانے کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ یہاں تھا ایک جنگلی ہاتھی قنوج کے نواح میں اتفاق سے آ گیا تھا اور کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا کہ یہ مدہوش ہاتھی لوگوں کی جانوں کو تلف نہ کرتا ہو- راجہ باسدیو نے کئی بار اس ہاتھی کا کام تمام کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار ناکام رہا- جس روز بہرام قنوج میں داخل ہوا اسی روز یہ بدمست ہاتھی جھومتا ہوا شہر کی حدود تک آ پہنچا اور شہر میں بڑا شور و غوغا بپا ہوا- راجہ نے شہر کے تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دے دیا- بہرام گور نے جب یہ خبر سنی تو وہ اکیلا اس بدمست اور جنگلی ہاتھی کے سامنے آیا اور ایک ہی تیر ایسا مارا کہ اس سفاک جانور کا کام تمام ہو گیا- اہل شہر نے جو یہ تماشا دیکھنے کے لئے جمع تھے- جب یہ عالم دیکھا تو تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا اور (عقیدت و محبت) سے بہرام گور کے پیروں پر گر پڑے- جب راجہ باسدیو کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے بہرام گور کو بلایا' بہرام راجہ کی طلبی پر اس کے سامنے آیا- راجہ کے ایک مصاحب نے بہرام کو جب دیکھا تو اسے پہچان لیا- کیونکہ ایک سال قبل جب وہ نذرانہ لے کر ایران گیا تھا تو اس نے بہرام گور کو دیکھا تھا- اس مصاحب نے راجہ کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا- باسدیو کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ فوراً اسی وقت بہرام کے سامنے خادموں کی طرح حاضر ہوا اور اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی- نیز بہت اعزاز و اکرام اور دولت کے ساتھ اسے رخصت کیا- باسدیو جب تک زندہ رہا ہر سال بیش قیمت تحفے تحائف بہرام گور کو بھیجتا رہا- باسدیو نے ستر سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی- مشہور شہر کالپی اسی راجہ کا آباد کیا ہوا ہے- اس نے اپنے پیچھے بتیس (۳۲) بیٹے چھوڑے' جو سلطنت حاصل کرنے کے لئے آپس میں متواتر دس سال تک لڑتے رہے- آخر کار باسدیو کے سپہ سالار نے ان بھائیوں کے باہمی نفاق سے فائدہ اٹھایا اور فوج کے سرداروں کے مشورے اور اتفاق رائے سے قنوج پر قبضہ کر کے ایک عظیم الشان راجہ بن بیٹھا-

راجہ رام دیو راجپوت کی حکومت

راجہ رام دیو کا راٹھور قوم سے تعلق تھا وہ بہت بہادر اور دلیر اور مدبر تھا- اس نے سب سے پہلے تو ان سرکش سرداروں کو جن کی فطرت میں خود نمائی شامل تھی' بتدریج مطیع کر کے مقامی فتنہ و فساد کو ختم کیا- بعد ازاں ایک لشکر جرار تیار کر کے مارواڑ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے اپنے تصرف میں لایا- وہاں سے اس نے کچھواہہ قوم کو نکال کر اپنی قوم راٹھور کو آباد کیا- چنانچہ اسی تاریخ سے راٹھور مارواڑ میں آباد ہوئے- پھر راجہ رام دیو نے خود ہی کچھواہہ قوم کو رہتاس کے قلعے کے قرب و جوار میں آباد ہونے کی ترغیب دی اور اس قوم کے سرداروں کی لڑکیوں کو اپنے تصرف میں لایا اور انہیں اپنے محل میں داخل کیا اس کے بعد اس نے لکھنوتی پر حملہ کر کے اس پر

غلبہ حاصل کیا اور اپنے بھتیجے کو وہاں کی حکمرانی سونپی (اس طرح) وہ بے شمار مال و دولت سمیٹ کر تین سال بعد اپنے دارالسلطنت قنوج میں واپس آیا۔ اس کے دو سال بعد رام دیو نے مالوے پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ وہاں اس نے بہت سے نئے قصبے اور دیہات آباد کئے۔ فرور (یہ مقام گوالیار کے قریب واقع ہے) کے قلعے کی مرمت کروائی اور راٹھور قوم کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے بیجانگر کے راجہ شبورائے سے اس کی بیٹی طلب کی' شبورائے جو اس زمانے میں ملک دکن کا فرمانروا تھا۔ راجہ رام دیو کی وسعت سلطنت اور شان و شوکت سے خائف ہو کر اپنی بیٹی مع بیش قیمت تحائف اور جہیز کے رام دیو کے گھر بھیج دی۔ رام دیو نے گونڈواڑے میں دو سال تک قیام کیا اور بہت سرکش اور بڑے بڑے زمینداروں کو اپنا مطیع بنا کر قنوج کی طرف واپس ہوا۔ اس کے بعد کے سات سال اس نے عیش و عشرت میں بسر کئے اور پھر کوہستان سوالک کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے تمام راجاؤں کو اپنا باج گزار بنایا' لیکن راجہ کمایوں نے باج گزار بننے سے انکار کر دیا۔ یہ راجہ اس ملک کا سب سے بڑا فرمانروا تھا اور اس ملک کی حکومت اس گھرانے میں دو ہزار (۲۰۰۰) سال سے مسلسل چلی آ رہی تھی۔ راجہ کمایوں راجہ رام دیو کے مقابلے کے لئے سامنے آیا۔ صبح سے شام تک دونوں کے لشکروں میں جنگ ہوتی رہی۔ طرفین کے بہت سے بہادر اس جنگ میں کام آئے کہ جن کی موت سے ان کے گھرانے برباد و ویران ہو گئے۔ آخر کار رام دیو کی اقبال مندی نے دشمن کو نیچا دکھایا اور اسے فاتح بنایا۔ راجہ کمایوں بے شمار مال و اسباب اور بہت سے ہاتھی میدان جنگ میں چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔

کوہستان سوالک کی مہم سے فارغ ہو کر راجہ رام دیو نے اپنی فتح کی عنان کوہستان نگر کوٹ کی طرف موڑی۔ اور اس ملک کے قصبوں اور شہروں کو فتح کرتا ہوا اور مال غنیمت سمیٹتا ہوا "ہنکوٹ پنڈی" پہنچا۔ یہاں سے وہ آگے نہ بڑھا کیونکہ درگا کے مندر کی حرمت اس کے پیش نظر تھی۔ ایک جگہ قیام کر کے اس نے اپنا ایک ایلچی ہنکوٹ پنڈی کے راجہ کے پاس بھیج کر اسے طلب کیا۔ راجہ نے رام دیو کے پاس آنے میں حیل و حجت کی۔ آخر کار برہمن اس معاملے میں پڑے اور انہوں نے یہ تصفیہ کیا کہ رام دیو بت خانے کی زیارت کرنے کے لئے آئے اور ہنکوٹ پنڈی کا راجہ اس سے وہیں ملاقات کرے۔ رام دیو نے اس فیصلے کو منظور کر لیا اور بت خانے میں آکر ہنکوٹ پنڈی کے راجہ سے ملاقات کی رام دیو نے عظیم الشان نذر بت خانے میں چڑھائی اور یہاں کے ملازموں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ نیز راجہ نگر کوٹ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا بیاہ رچایا۔ ان معاملات سے فارغ ہو کر رام دیو جموں کے قلعے کی طرف بڑھا۔ جموں کے راجہ نے اپنی شان و شوکت' قلعے کی مضبوطی' راستے کی مشکلات' جنگلوں کی گنجانی اور غلے کی فراوانی کے خیال سے رام دیو کی آمد کو کوئی اہمیت نہ دی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اپنی بدقسمتی سے وہ رام دیو کا مقابلہ نہ کر سکا اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ رام دیو نے اپنے لشکر کا ایک حصہ تو راجہ کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود قلعہ جموں کا محاصرہ کر لیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں اس کو فتح کر لیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا اور بہت سا بیش قیمت مال و اسباب اپنے قبضے میں کیا۔ جموں کا راجہ اپنی اس تباہی سے مجبور ہو کر بڑی عاجزی سے رام دیو کے سامنے آیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ رام دیو نے اسے معاف کر دیا اور اس کی لڑکی سے اپنے دوسرے لڑکے کی شادی کی۔ پھر یہاں سے روانہ ہوا اور بہت (دریائے جہلم مراد ہے) کے کنارے سے جو کشمیر سے پنجاب کی طرف بہتا ہے۔ بنگالے کی اس سرحدی جگہ تک کہ جہاں دریائے شور کے کنارے کوہستان سوالک (کوہستان ہمالیہ کے جنوبی پہاڑ مراد ہیں) کا سلسلہ ختم ہوتا ہے کا سفر خوب سیرو تفریح میں طے کیا اور تقریباً پانچ راجاؤں کو جو اس کوہستان کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے تھے اپنا مطیع اور باج گزار بنایا اور بے شمار زر و جواہر اور بہت سا مال و اسباب اور ان گنت ہاتھی گھوڑے وغیرہ ساتھ لے کر واپس قنوج میں آیا۔

قنوج پہنچ کر رام دیو نے ایک بہت بڑا جشن کیا اور اپنے لشکریوں کی تنخواہوں کو دس گنا اور بیس گنا کر دیا۔ قنون کے بہادر اور جان باز سپاہیوں کو مالا مال کیا۔ مال غنیمت کا ایک تہائی حصہ رعایا میں تقسیم کر دیا اور پھر بڑے آرام اور عیش و عشرت کے ساتھ دارالسلطنت میں

فرمانروائی کرتا رہا۔ اس کے بعد کبھی بھی کسی مقام پر حملہ نہ کیا۔

رام دیو نے چون (۵۴) سال تک حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اہل ہندوستان اس بات پر متفق ہیں کہ رام دیو جیسا عظیم الشان راجہ ہندوستان میں نہیں گزرا۔ یہ راجہ شاہ ایران کیقباد کے فرزند فیروز شاہ ساسانی کا ہم عصر تھا اور ہر سال اس کی خدمت میں خراج اور تحفے تحائف بھیجتا رہا اور اطاعت و فرمانبرداری میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دیتا تھا۔

پرتاپ چند سیسودیہ کی حکومت

راجہ رام دیو کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں حصول سلطنت کے لئے جھگڑا ہوا اور نوبت باقاعدہ جنگ تک پہنچی۔ اس باہمی جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ قنوج کی حکومت بالکل تباہ و برباد ہو گئی اور رام دیو کا عظیم الشان خزانہ اسی کی نذر ہو گیا' اسی باہمی جنگ و جدال سے رام دیو کے ایک سپہ سالار پرتاپ چند نے فائدہ اٹھایا اور ایک عظیم الشان لشکر اپنی حمایت میں تیار کر کے قنوج پر حملہ کر دیا اور اسے بڑی آسانی سے اپنے قبضے میں کر لیا۔

قنوج پر قابض ہو جانے کے بعد پرتاپ چند نے سب سے پہلے تو رام دیو کے لڑکوں کی طرف سے اطمینان کیا اور ان کا سارا گھرانہ تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد آس پاس کے زمینداروں کی خبر لی۔ جو موقع سے فائدہ اٹھا کر مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ ان زمینداروں کو ختم کر کے خود ایک بہت بڑا راجہ بن بیٹھا۔

ان تمام کامیابیوں کی وجہ سے پرتاپ چند میں غرور و تکبر کا مادہ پیدا ہو گیا اور اس نشے میں ایسا غرق ہوا کہ شاہان ایران کو خراج بھیجنا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نوشیرواں کے ایلچی کو جو خراج لینے کے لئے ہندوستان آیا ہوا تھا' خالی ہاتھ واپس کر دیا۔ (اس کے جواب میں) جب ایرانی فوج پرتاپ چند کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اور پنجاب و ملتان تک پہنچی تو اس نے اس فوج کی کثرت سے خائف ہو کر معافی مانگ لی اور اپنی حرکت پر نادم ہوا۔ نیز بے شمار دولت بھیج کر ایرانی فوج کو قتل و غارت گری سے باز رکھا۔ اس کے بعد وہ جب تک زندہ رہا ہر سال شاہ ایران کو خراج ارسال کرتا رہا۔

پرتاپ چند کی وفات کے بعد آس پاس کے چھوٹے چھوٹے راجہ خود مختار ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اولاد کے قبضے میں بہت تھوڑا سا ملک باقی رہا۔ اس کے جانشین رانا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کیونکہ ہندی میں رانا کے معنی ہیں چھوٹا اور کمزور راجہ۔ اس تاریخ میں لکھنے کے وقت تک اس خاندان میں حکومت باقی ہے لیکن وہ صرف کومل مری کے کوہستان اور اس کے آس پاس کے علاقے پر حکمران ہیں اور رانا کے لقب سے مشہور ہیں۔ چتوڑ اور فنڈ سور وغیرہ اس خاندان کی حکومت میں نہیں رہے اب وہ خاندان تیموریہ کے قبضے میں ہیں۔

انند دیو راجپوت کی حکومت

یہ راجہ بیس قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ راجہ پرتاپ کی موت کے بعد اس راجہ نے مالوے سے سر اٹھایا اور اس کے آس پاس کا تمام علاقہ اپنے زیر نگین کیا۔ چونکہ اس کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اس لئے اس کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور مالوہ' نہروالہ' مرہٹ' دکن اور برار کے علاقے اس کے قبضے میں آ گئے۔ رام گڑھ' ماہور اور مندو کے قلعے اسی نے بنوائے تھے۔ یہ راجہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کا ہم عصر تھا۔ سولہ سال فرمانروائی کرنے کے بعد اس کا انتقال ہوا۔

مالدیو کی حکومت

اسی زمانے میں مالدیو نامی ایک ہندو دو آب سے نمایاں ہوا اور ایک لشکر کثیر جمع کر کے دہلی کو راجہ پرتاپ کے لڑکوں سے چھین لیا اور پھر قنوج پر چڑھائی کی اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں قنوج اس قدر آباد تھا کہ اس شہر میں تنبولیوں کی تیس

(۳۰) ہزار دکانیں تھیں اور اہل رقص و سرور کے ساٹھ (۶۰) ہزار گھرانے تھے۔ اسی سے قنوج کی آبادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مالدیو نے بیالیس (۴۲) سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

چونکہ مالدیو نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی تھی۔ اس لئے اس کے مرتے ہی چاروں طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا اور (اس زمانے سے لے کر) اسلام کے آفتاب کے طلوع ہونے تک کوئی ایسا فرمانروا نہیں گزرا جس کی عظمت و وسعت سلطنت قابل ذکر ہو۔ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس وقت یہاں مختلف راج قائم تھے۔ قنوج میں راجہ کور' میرٹھ میں راجہ دھرم دھت' نہاون میں راجہ گل چند' لاہور میں راجہ جے پال اور کالنجر میں راجہ بجیرا کی حکومت تھی۔ اسی طرح مالوہ' اجمیر' گجرات اور گوالیار میں بھی جدا جدا حکومتیں قائم تھیں۔ لہٰذا ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے اور سلاطین اسلام کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔ کہ وہی اس کتاب کا اصل موضوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

ہندوستان میں سب سے پہلے جس مسلمان نے قدم رکھا اور اہل ہندوستان سے معرکہ آرائیاں کیں وہ "مہلب بن ابی صفرہ" تھا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ہجرت نبوی کے اٹھائیسویں (۲۸) سال امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں بصرے کے حاکم "عبداللہ بن عامر" نے فارس پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں کو جنہوں نے امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد بد عہدی کی تھی، شکست دی اور واپس بصرے آیا۔ ہجرت کے تیسویں (۳۰) سال امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ نے ولید بن عتبہ کو جو کوفے کا حاکم تھا، اس وجہ سے معزول کر دیا کہ اسے شراب خوری کی عادت تھی اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مقرر کر دیا۔ سعید اسی سال طبرستان کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت امام حسن و امام حسینؓ بھی اس کے ساتھ اس معرکے میں شریک ہوئے۔ استر آباد کے دارالسلطنت جرجان کو حضرت حسنینؓ کے قدموں کی برکت سے فتح کر لیا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے دو لاکھ دینار سالانہ دینا منظور کئے۔ اہل جرجان اسلام لے آئے اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

ہجرت نبوی کے اکتیسویں (۳۱) سال حضرت عثمان غنی نے عبداللہ بن عامر کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ ایک لشکر جرار کو ہمراہ لے کر کرمان کے راستے سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر کے مقدمتہ الجیش حنیف بن قیس تھے۔ غازیان اسلام کا یہ لشکر جرار سیستان (یہ علاقہ ایرانی مکران اور خراسان کے وسط میں واقع ہے اور اسے "کوہستان" کہا جاتا ہے۔) ' قہستان' اور نیشاپور کو زیر کرتا ہوا اپنے محکوم کو اطاعت گزار بناتا ہوا طوس پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اسلام کی اطاقت قبول کی اور مسلمانوں کے لشکر نے سرخس' ہرات' بادغیس' غرجستھان' مرو' طالقان اور بلخ کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ چونکہ عبداللہ بن عامر کو تھوڑے سے عرصے میں مکمل طور پر فتح حاصل ہو گئی۔ لہٰذا انہوں نے خراسان کا حاکم قیس بن ہاشم کو مقرر کیا۔ مرو' طالقان اور نیشاپور میں حنیف بن قیس کو اور ہرات' غور اور غرجستھان میں خالد بن عبداللہ کو حاکم مقرر کیا اور خود حج کا احرام باندھ کر کعبے کی طرف روانہ ہو گئے------- ہجرت نبوی کے بتیسویں (۳۲) سال حضرت عثمانؓ کے حکم سے عبداللہ بن عامر بلخ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن متعدد مخالف اسباب کی بنا پر امیر لشکر اور بہت سے مسلمان لشکری اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اور بقیہ لشکر پریشان ہو کر بھاگا۔ یہ مسلمان سپاہی جرجان (بحر خزر کے جنوب مشرقی مقام کا نام تھا کہ جسے اب استر آباد کہتے ہیں) اور جیلان (جیلان یا گیلان' جرجان سے متصل علاقہ) میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔ اسی سال عبداللہ بن عامر حرمین شرفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک ایرانی سردار جس کا نام قارون تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خراسان اس وقت بہادران اسلام سے خالی ہے تو اس نے طبس' ہرات' بادغیس' قہستان اور غور وغیرہ کے چالیس ہزار باشندوں کو جمع کیا اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن ہازم نے جو حنیف بن قیس کے ساتھ نیشاپور میں مقیم تھا۔ چالیس ہزار لشکریوں کی مدد سے اس فتنے کو دبایا اور اس کے صلے میں وہ خراسان کا حاکم بنایا گیا۔

۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ' خراسان اور سیستان کا حاکم مقرر کیا اور اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمٰن

بن ربیعہ نے کابل کو فتح کیا اور اہل کابل کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ کابل کی فتح کے کچھ ہی عرصے بعد ایک نامور عرب امیر مہلب بن ابی صفرہ مرو کے راستے سے کابل و زابل آئے اور ہندوستان پہنچ کر انہوں نے جہاد کیا اور دس یا بارہ ہزار کنیز و غلام اسیر کئے ان میں کچھ لوگ توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔

۵۳ھ میں زیاد بن ابیہ کی انگلی پر طاعون کی پھنسی نکلی اور اس سے اس نے وفات پائی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس کے بیٹے عبداللہ کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ کچھ عرصے بعد عبداللہ نے ماوراالنہر کا عزم کیا اور اس ملک کے بہت شہروں کو فتح کر کے واپس آیا۔ اس فتح کے صلے میں اسے بصرے کی حکومت ملی لیکن اس نے اسلم بن زراعہ کو اپنی طرف سے خراسان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ میں مقیم رہا۔ ۵۰ھ میں خراسان کی حکومت حضرت امیر معاویہ ؓ نے سعد بن عثمان غنی ؓ کے سپرد کی۔ ۶۳ھ میں یزید بن معاویہ نے مسلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم متعین کیا۔ جن لوگوں کو یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا تھا انہیں میں ایک مہلب بن ابی صفرہ بھی تھا۔ مسلم نے اپنے چھوٹے بھائی یزید کو سیستان کی حکومت سپرد کی۔ جب یزید بن زیاد نے یہ سنا کہ کابل کے بادشاہ نے سرکشی کر کے مسلمانوں کے حاکم ابو عبداللہ بن زیاد کو قید کر لیا ہے تو اس نے ایک لشکر جرار جمع کر کے اہل کابل سے جنگ کی' ایک زبردست اور شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں یزید کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا۔

جب مسلم بن زیاد کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ بن حنیف کو جو "طلحہ الطلحات" کے نام سے مشہور ہے۔ کابل روانہ کیا۔ کابل پہنچ کر طلحہ نے پانچ لاکھ درہم ادا کر کے ابو عبداللہ کو شاہ کابل کی قید سے آزاد کروایا۔ بعد ازاں مسلم نے سیستان کی حکومت طلحہ کو سونپی اور غور اور بادغیس کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے کابل روانہ کیا اور اہل کابل کو زبردستی اپنا مطیع" و فرمانبردار بنایا اور خالد بن عبداللہ کو جسے بعض لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے اور بعض ابو جہل کی اولاد سے بتاتے ہیں' حاکم کابل مقرر کیا۔

جب خالد بن عبداللہ کابل کی حکمرانی سے معزول ہوا تو اس نے عراق و عرب کی طرف واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ نئے حاکم کے خوف سے کابل میں قیام کرنا بھی مشکل تھا۔ للذا اس نے اپنے بال بچوں اور متعلقین کو جو عربی النسل تھے ساتھ لیا اور شاہ کابل کی راہنمائی میں کوہ سلیمان پر اپنا ڈیرہ جمایا۔ جو ملتان اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ خالد نے اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف افغانی کے ساتھ کر دی جو کہ مذہب اسلام اختیار کر چکا تھا۔ اس لڑکی کے بطن سے بہت سے لڑکے پیدا ہوئے جن میں دو لودھی اور سور بہت مشہور اور ممتاز تھے۔ افغانیوں کے گروہ میں دو مشہور فرقے لودھی اور سوری انہیں دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔

افغان

کتاب "مطلع الانوار" جو ایک معتبر مصنف کی تصنیف کردہ ہے اور جسے میں نے برہان پور خاندیس میں پڑھا تھا ------ یہ لکھا ہے کہ افغان حقیقت میں قبطی فرعونی ہیں۔ جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں بہت سے قبطی توبہ کر کے دین موسیٰ میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان قبطیوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی کہ جس نے باوجود طرح طرح کی مصیبتوں کے یہ دین اختیار نہ کیا اور فرعون کی دوستی میں اور اس کے دعوائے خدائی کے ماننے میں ثابت قدم رہی۔ اس کے نتیجے میں اس جماعت کو جلاوطن ہونا پڑا للذا یہ ہندوستان آئی اور کوہ سلیمان پر متوطن ہوئی۔

اس جماعت سے بہت سے قبیلے پیدا ہوئے جو افغانوں کے نام سے مشہور ہیں۔ جس وقت کہ خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تھا اس وقت کعبے کے بہت سے دشمن نزدیک و دور سے آکر ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے اس کے ساتھ مل کر کعبہ پر حملہ کیا تھا انہیں لوگوں میں افغان بھی شامل تھے جنہوں نے وقت مقررہ پر ابرہہ کا ساتھ دیا۔ جب یہ مکے میں پہنچے تو وہاں خداوند تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہو کر

جنم واصل ہوئے۔ مختصر یہ کہ مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور بے شمار گھوڑوں' گائے اور بکریوں وغیرہ کے مالک بن گئے۔ ان افغانوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کیے۔ جب ان کی نسل کثرت سے پھیلی تو یہ ۱۴۳ء میں کوہستان کے علاقے سے نکل کر ہندوستان کے مختلف شہروں کرماج' پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ راجہ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا ان افغانوں کے فتنے کو دبانے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو مع ہزار سواروں کے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ افغان اس لشکر کے مقابلے پر نکلے اور انہوں نے بیشتر ہندو سواروں کو قتل کر کے اس لشکر کو شکست دی۔ اس واقعہ کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں کے ساتھ افغانوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ اس بار خلج' غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور چار ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کر کے ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ افغانوں کو اس مدد کے ملنے سے بڑی تقویت پہنچی۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ہند سے پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں لڑیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کی۔ لڑائی کے دوران میں ہی سردی کا موسم شروع ہو گیا۔ جاڑے نے اہل ہند کو بالکل مجبور اور عاجز کر دیا۔ لہٰذا وہ لڑائی بند کر کے واپس اپنے وطن چلے گئے' لیکن جب جاڑوں کا زمانہ ختم ہو گیا تو لاہور کے راجہ نے پھر ایک نئے لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ اس دفعہ بھی کابل اور خلج کے باشندوں نے افغانوں کی مدد کی اور کرماج اور پشاور کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی تو اہل ہند افغانوں پر غالب آ کر انہیں پہاڑوں تک بھگا دیتے اور کبھی افغان تیروں کی بوچھاڑ سے اہل ہند کو پسپا کرتے اور انہیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے۔

جب برسات کا زمانہ آیا تو دریائے نیلاب (نیلاب سے مراد دریائے اٹک یا سندھ ہے) کا سیلاب دیکھ کر اہل ہند لڑائی کے نتیجے کا خیال کیے بغیر اپنے ملک کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح کابل اور خلج کے مسلمانوں نے بھی اپنے وطنوں کو مراجعت کی۔ کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی ہم وطن یہ پوچھتا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گزری تو وہ جواب دیتے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو' افغانستان کہو۔ کیونکہ اب وہاں افغان دغوغہ یعنی شور اور فریاد کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بناء پر کوہستان کے مسلمانوں کو افغان اور ان کے وطن کو افغانستان کہا جانے لگا' لیکن اہل ہند ان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی' لیکن خیال یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں جب پہلی بار یہ قوم ہندوستان میں آئی تو پٹنے میں آباد ہوئی۔ اس لیے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس دوران میں ہندو کھکروں اور لاہور کے راجہ کے درمیان بجائے دوستی کے رنجش پیدا ہو گئی اس وجہ سے کھکر قوم نے قوم افغان سے دوستی اور میل ملاپ پیدا کر لیا۔ اس پر راجہ لاہور نے بھی افغانوں سے لڑائی بند کر دی اور ان سے صلح کر کے ملغان کے چند گاؤں ان کو دیئے۔ خلجیوں کو جو افغانوں کی مدد سے اسی جنگل میں آباد تھے اس شرط پر افغانوں کی سی مراعات دیں کہ وہ افغانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کریں۔ افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام "خیبر" رکھا۔ اور "روہ" کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامان کے عہد حکومت میں سامانی لشکر کو کبھی انہوں نے لاہور تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی بنا پر سامانی لشکر کی لوٹ مار آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ ("بھاطنہ" کی اصل "بھاٹیہ" معلوم ہوتی ہے۔ اس نام کا ایک مقام ملتان کے قریب تھا) کی طرف رہی ہے۔ روہ سے وہ مخصوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور ("بجور" سے چترال اور دریائے کابل کا درمیانی علاقہ مراد ہے) سے سیوی (سیوی سے مراد ریاست قلات کا علاقہ ہے) تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے۔ جب غزنی کی حکومت الپتگین کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کئی بار لمغان (افغانستان کے مشرقی اضلاع جو پشاور کے قریب تک پاکستان کی حدود میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا نام "لمغان" تھا۔) اور ملتان میں لوٹ مچائی اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔

جب افغانوں نے یہ دیکھا کہ الپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں تو انہوں نے راجہ جے پال سے الپتگین کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد چاہی۔ جے پال نے اس خیال کے پیش نظر کہ ہندوستان کی فوج سردی کی وجہ سے سرحدی مقامات پر ہمیشہ قیام نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں بھاٹنہ کے راجہ سے مشورہ کیا۔ اس نے جو رائے دی اس کے مطابق ایک ایسے شخص کو جو افغانوں میں سے معتبر اور قابل اعتماد شخص تھا اور جس کا نام شیخ حمید تھا اس ملک کا امیر مقرر کیا۔ شیخ حمید نے لمغان اور ملتان کو اپنے قبضے میں کیا اور ہر مقام پر ایک ایک حاکم بطور اپنے نائب کے مقرر کیا اور اسی زمانے سے افغانوں میں حکومت اور سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا۔

الپتگین کی وفات کے بعد اس کا جانشین سبکتگین ہوا۔ شیخ حمید نے سبکتگین کی مخالفت کو مناسب نہ سمجھا اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مسلمان مذہب اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے ایک ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ اس طبقے (یعنی افغانوں) کو اپنا سمجھے اور جب (کبھی) مسلمانوں کی فوج ہندوستان پر چڑھائی کرے تو اس کا لشکر (یعنی سبکتگین کا) کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے اور اس جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ سبکتگین نے بھی مصلحت وقت کے پیش نظر شیخ حمید کی درخواست قبول کر لی اور جب راجہ جے پال پر فتح پائی تو افغانوں کی بہت خاطر تواضع کی اور ملتان کے اکثر حصے ان کو عطا کیے۔ لیکن سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود نے اپنے باپ کے برعکس عمل کیا۔ اس نے ہمیشہ افغانوں کو سرنگوں اور مغلوب رکھا۔ ان میں سے جو سرکش تھے انہیں قتل کیا اور جو اطاعت شعار تھے ان سے ملازموں کا سا سلوک کیا۔

مقالہ اول

تذکرہ سلاطین لاہور

جن کو "سلاطین غزنویہ" بھی کہا جاتا ہے

امیر ناصر الدین سبکتگین

اگرچہ امیر ناصر الدین کی فتوحات کا سیلاب دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھا اور کبھی اس کی حکومت پنجاب تک نہیں پہنچی، تاہم بعض مورخین نے اسے سلاطین لاہور کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

الپتگین کے حالات

تمام مورخین یہ کہتے ہیں کہ سبکتگین دراصل الپتگین کا غلام ترکی نژاد تھا۔ سامانی حکومت کے عہد میں الپتگین خراسان کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے اپنی حکومت کو پوری طرح قوی بنا لیا اور (مکمل) غلبہ حاصل کر لیا۔ جب عبد الملک کا انتقال ہوا تو امرائے بخارا نے الپتگین کے پاس ایک قاصد بھیجا اور یہ دریافت کیا کہ آل سامان میں اب کونسا شخص حکومت کرنے کا اہل ہے؟ الپتگین نے جواب دیا کہ منصور بن عبد الملک ابھی نوجوان ہے۔ لہٰذا اس کام کے لیے اس کے چچا سے زیادہ اور کوئی موزوں نہیں، لیکن اس سے قبل کہ قاصد الپتگین کا جواب لے کر واپس لوٹتا امرائے سلطنت نے اتفاق رائے سے منصور کو تخت پر بٹھا دیا۔

منصور نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی الپتگین کو بخارا میں طلب کیا الپتگین ڈر گیا۔ (کیونکہ وہ منصور کو حکومت کا اہل نہ سمجھنے کی رائے دے چکا تھا۔) لیکن اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے وہ منصور کے دائرہ اطاعت سے نکل گیا اور علم سرکشی بلند کیا۔ ۳۵۱ھ میں وہ تین ہزار سواروں کو لے کر جو اس کے غلام تھے خراسان سے غزنی کی طرف روانہ ہوا اور غزنی کو فتح کر کے اپنی حکومت مستقل طور پر قائم کر لی۔ جب منصور نے دیکھا کہ خراسان خالی ہے تو اس نے وہاں کی حکومت ابو الحسن محمد بن ابراہیم ہجوری کو دے دی۔ نیز دو تین بار الپتگین کے مقابلے پر اپنا لشکر بھیجا، لیکن ہر بار الپتگین کو فتح ہوئی اور منصور کی فوج شکست کھا کر دشمن کے سامنے سے بھاگ نکلی۔

احمد اللہ مستوفی کے قول کے مطابق الپتگین نے پندرہ (۱۵) سال تک ہمت و اقبال مندی سے حکومت کی اس عرصے میں اس کے سپہ سالار سبکتگین نے کئی بار ہندوؤں سے جہاد کیا اور ہر بار ان کے مقابلے پر کامیابی حاصل کی۔ ۳۶۵ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ابو اسحاق سبکتگین کے ساتھ بخارا روانہ ہوا۔

امیر منصور نے غزنیں کی حکومت اگرچہ ظاہری طور پر ابو اسحاق کو سونپ رکھی تھی لیکن امور سلطنت کے تمام اہم کام سبکتگین کی رائے سے انجام پاتے (یعنی حقیقت میں) حکومت اسی کے ہاتھ میں رہی۔

کچھ ہی عرصے میں ابو اسحاق کا انتقال ہو گیا۔ غزنیں کے امیروں اور ارکان سلطنت نے سبکتگین کے چہرے پر اقبال و فتح مندی کے آثار دیکھ کر ۳۶۷ھ میں اسے اپنا مستقل بادشاہ تسلیم کر لیا اور الپتگین کی بیٹی (یعنی ابو اسحاق کی بہن) سے اس کی شادی کر دی۔ الپتگین نے (اپنے عہد حکومت میں) عدل اور انصاف کی ترویج میں بڑا حصہ لیا اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ امراء شرفاء اور ارکان سلطنت پر طرح طرح کی مہربانیاں اور عنایتیں کیں اور ان کے دلوں میں اپنی محبت اور جہانداری کی قابلیت کا سکہ بٹھایا۔

سبکتگین کے ابتدائی حالات

مشہور مورخ جوز جانی نے اپنی کتاب "منہاج السراج" میں سبکتگین کے ابتدائی حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ایک سوداگر جس کا نام نصر حاجی تھا وہ سبکتگین کو ترکستان سے بخارا میں لایا اور اسے الپتگین کے ہاتھ بیچ دیا۔ الپتگین نے اس کے چہرے پر عقل و دانش اور شوکت

کے آثار دیکھ کر اسے اپنے خاص لوگوں کے حلقے میں شامل کر لیا- غزنی کی جنگ میں اسے لشکر کا امیر الامراء بنایا اور اپنی طرف سے وکیل مطلق قرار دیا- مذکورہ مورخ (جوزجانی) سبکتگین کے نسب کی بابت لکھتا ہے کہ یہ ایران کے بادشاہ یزدجرد کی نسل سے ہے جس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے-

جب حضرت عثمان کے عہد خلافت میں یزدجرد ملک مرو میں اسیا کے مقام پر قتل کیا گیا تو اس کے تابعین اور اس کی اولاد وہاں سے نکل کر ترکستان کی طرف فرار ہو گئی- ترکستان پہنچ کر انہوں نے ترکوں سے بہت میل ملاپ کیا اور اس قوم سے شادی بیاہ کی رسم کی ابتدا کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین نسلوں کے گزرنے کے بعد یہ "آدھے ترک" بھی "اصل ترک" مشہور ہو گئے- چنانچہ سبکتگین کا شجرہ نسب یہ ہے- سبکتگین بن جو قان بن قراالحکم بن قزل ارسلان بن قراناماں بن فیروز بن یزدجرد-

سبکتگین کا عہد حکومت

جب سبکتگین نے عنان حکومت سنبھالی تو بست (مشرقی خراسان کا ایک شہر) کے قلعے پر طغا نام کے ایک شخص نے قبضہ کر لیا لیکن اس شخص کے ایک دشمن جس کا نام باتور تھا اس پر حملہ کر کے اسے قلعے سے باہر نکال دیا- طغا نے امیر سبکتگین کی خدمت میں اس مضمون کی درخواست پیش کی اگر امیر' دشمن کے مقابلے میں میری مدد فرمائیں اور میں قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر تمام عمر خدمت گاروں اور خراج گزاروں کی طرح اطاعت کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھوں گا- امیر نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور باتور پر لشکر کشی کر کے اسے شکست دی اور طغا کو اس کی حکمرانی واپس دلوا دی' لیکن طغا نے احسان فراموشی کی اور اپنے وعدے کے ایفا میں ٹال مٹول کرتا رہا- جب امیر سبکتگین نے یہ دیکھا کہ طغا کی ہر بات اور ہر عمل میں مکر اور فریب کاری نظر آتی ہے تو اس نے ایک دن شکار گاہ میں (جب کہ دونوں کی ملاقات ہوئی) طغا سے ایک ایسے امر کے بارے میں باز پرس کی جس کے ایفاء کا وہ وعدہ کر چکا تھا- طغا نے اس کے جواب میں کچھ ناشائستہ کلمات کہے اور تلوار کھینچ کر امیر سبکتگین کے ہاتھ پر ایک کاری زخم لگایا- امیر نے اسی زخمی ہاتھ سے اس پر تلوار کا ایک وار کیا اور چاہتا تھا کہ دوسرے وار میں اس بدمعاش اور فریب پیشہ انسان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے کہ دونوں (یعنی سبکتگین اور طغا) کی فوجوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا اور ہنگامہ بپا ہو گیا- طغا کو اس افراتفری میں جان بچانے کا موقع مل گیا اور وہ کرماچ کی طرف بھاگ گیا- اس سرکش کے بھاگنے کے بعد قلعہ امیر سبکتگین کے ہاتھ آ گیا- اس قلعے کی دستیابی سے سبکتگین کو جہاں اور بہت سے فائدے ہوئے وہاں ایک یہ فائدہ بھی ہوا کہ اس کی ابو الفتح سے ملاقات ہو گئی- ابو الفتح مختلف فنون کا ماہر کامل اور خصوصاً فن انشاپردازی اور کتابت میں اپنی مثال آپ تھا- وہ حقیقت میں باتور (جسے امیر سبکتگین نے طغا کی درخواست پر شکست دی تھی) کا میر منشی تھا اور اس کے اخراج کے بعد بست میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا- امیر سبکتگین کو جب اس فاضل شخص کے حالات کا علم ہوا تو اس باکمال اور قابل قدر اہل فن کو اپنی باریابی سے نوازا اور اس کی لیاقت اور اہلیت کے مطابق اسے طرح طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کیا نیز اسے عہدہ انشاء پر متمکن کیا- ابو الفتح سلطان محمود کے ابتدائی زمانے تک اس عہدے کے فرائض انجام دیتا رہا- بعد ازاں سلطان سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر اس ملازمت سے علیحدہ ہو گیا اور ترکستان چلا گیا-

قصدار پر لشکر کشی

امیر سبکتگین کو جب بست کی مہم سے فراغت ملی تو وہ قصدار (بلوچستان کا ایک مقام جو آج کل خزدار کے نام سے مشہور ہے) کی طرف روانہ ہوا- وہاں پہنچ کر بخارا کے حاکم کو نظر بند کیا اور اسے اپنا مطیع بنا کر قصدار کا علاقہ اس کو جاگیر میں دیا- بخارا کی فتح کے بعد سبکتگین نے اہل ہند سے جہاد کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور ۳۶۷ھ کے اواخر میں ہندوستان پہنچ کر چند قلعے فتح کیے اکثر جگہوں پر مسجدیں تعمیر کروائیں اور بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے کامران و بامراد واپس غزنی پہنچا-

جے پال سے معرکہ آرائی

راجہ استپال کا بیٹا راجہ جے پال جو برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی اس زمانے میں قلعہ بٹھنڈہ میں مقیم تھا تاکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکے۔ اس راجہ نے جب دیکھا کہ مسلمان حملہ آوروں کا ارادہ اب اس کی سلطنت حاصل کرنا ہے تو اس نے پریشان ہو کر ان غیر ملکی حملہ آوروں کی یورش کو روکنے کا تہیہ کیا اور کوہ پیکر ہاتھیوں اور بہادر سپاہیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں کی سلطنت کی طرف بڑھا (اس کے جواب میں) امیر سبکتگین نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور اس کے مقابلے کے لیے غزنیں سے روانہ ہوا۔ ملتان کی سرحد پر دونوں فرماں رواؤں میں آمنا سامنا ہوا اور کئی روز تک مسلسل لڑائی جاری رہی۔ اس معرکے میں سلطان محمود (غزنوی) نے باوجود کم سنی کے اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ یہ لڑائی چند روز تک کچھ اس طرح ہوتی رہی کہ فاتح اور مفتوح کی تمیز کرنا دشوار تھی۔

ایک دن ایک گروہ نے سلطان محمود سے جا کر کہا کہ راجہ جے پال کی فوج جہاں مقیم ہے وہاں قریب ہی ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اس میں تھوڑی سی نجاست ڈال دی جائے تو آندھی کے تیز تھپیڑوں' بادل کی گرج اور بجلی کی چمک دمک سے فوراً ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ (یہ سن کر) سلطان محمود نے حکم دیا کہ فوراً اس چشمے میں تھوڑی سے نجاست ڈال دی جائے۔ فوراً حکم سلطان کی تعمیل کی گئی۔ نجاست جونہی چشمے میں پڑی آسمان پر انتہائی گہرے بادل چھا گئے۔ بادل کی گھن گرج اور بجلی کی چمک کڑک سے میدان کارزار میں عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو گئی۔ لشکر کے تمام گھوڑے اور بار برداری کے دیگر جانور ہوا میں انتہائی ٹھنڈک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ لشکریوں کے بدن سردی کی شدت سے ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہر فرد نقل و حرکت سے معذور ہو گیا۔ اس عالم میں ہر لشکری فریاد و زاری کرنے لگا اور جے پال کے لشکر میں ماتم بپا ہو گیا۔

راجہ جے پال نے جب یہ دیکھا کہ اس آسمانی مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے چند قابل اعتبار ایلچیوں کو امیر سبکتگین کی خدمت میں روانہ کیا اور (ان کی معرفت) صلح کی درخواست کی۔ جس میں یہ شرط رکھی کہ اگر سبکتگین اس وقت جنگ بند کر دے تو جے پال اپنے ملک میں اس کا (یعنی سبکتگین کا) حکم چلائے گا اور اسے کوہ پیکر ہاتھیوں کی کچھ قطاریں اور چند بیش قیمت تحفے بطور نذرانہ دے گا۔ نیز ہر سال خراج اور جزیہ کی رقم باقاعدگی سے ادا کرتا رہے گا۔ امیر سبکتگین نے انسانی ہمدردی کے پیش نظر اس درخواست صلح کو منظور کر لینا چاہا' لیکن سلطان محمود نے اختلاف کیا جس کی وجہ سے صلح نامے کی تکمیل میں تھوڑی سی تاخیر ہوئی۔ اس پر جے پال نے ایک سمجھ دار ایلچی سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا۔ اس ایلچی نے راجہ کا پیغام دیا کہ "ابھی آپ اہل ہند اور خاص طور پر راجپوتوں کی جہالت اور تعصب کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس قوم کی جہالت اور بے فکری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے (اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا) تو یہ آخر کار مجبور ہو کر یہ قدم اٹھاتے ہیں کہ اپنا تمام مال و اسباب اور بیش قیمت اشیاء مایوس ہو کر آگ کی نذر کر دیتے ہیں اور اس فعل کو اپنی آخرت کی بہبودی تصور کرتے ہیں' لیکن اگر اس کے بعد بھی اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اپنے قدیم رواج کے مطابق اپنی عورتوں اور حرام سراؤں کو بھی نذر آتش کر دیتے ہیں اور پھر جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی مال و متاع کچھ نہیں رہا۔ تو پھر یہ دشمن سے زبردست معرکہ آرائی کرتے ہیں۔ اور اس معرکے میں اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیتے ہیں اور سوائے مٹی کے ان کا نام و نشان کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب ان کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے پرانے دستور کے مطابق عمل کریں۔ اگر آپ کو ان کی تباہی و بربادی ہی منظور ہے تو خیر' ورنہ بہتر یہی ہے کہ آپ صلح کر کے ہم سب کو اپنا ممنون بنائیں۔" سلطان محمود نے جب یہ باتیں سنیں تو اسے ہندوؤں کی سچائی میں کچھ شبہ نہ رہا۔ لہٰذا اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ راجہ جے پال ایک لاکھ درہم اور پچاس (۵۰) ہاتھی بطور نذرانے کے

پیش کرے۔ جے پال نے اپنی حکومت کے ایک معتبر رکن "دولت" کو اس نذرانے کے عوض امیر سبکتگین کے پاس گروی رکھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر لاہور آیا کہ حسب شرط صلح ہاتھی اور درہم ان کے حوالے کرے۔ لاہور پہنچ کر جے پال نے بد عہدی کی اور ان مسلمانوں کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ جب تک امیر سبکتگین میرے سردار "دولت" کو واپس نہ کرے گا میں ان مسلمانوں کو قید میں رکھوں گا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو راجاؤں کے دربار کا یہ دستور تھا کہ ملک کے عاقل اور فہیم برہمن راجہ کی داہنی طرف اور کھتری اور سپاہی بائیں جانب بیٹھتے تھے جب کوئی اہم معاملہ در پیش ہوتا تو یہ درباری راجہ کو اپنے مشورے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ (اس مسئلے پر غور و فکر کا موقع آیا تو) یہ درباری اس نتیجے پر پہنچے کہ راجہ کی رائے بالکل غلط ہے اور اس کا یہ فعل انتہائی نامناسب ہے۔ راجہ کی دائیں اور بائیں دونوں طرف سے بالاتفاق ایک ہی آواز بلند ہوئی اور سب نے یہ کہا کہ ایسے طاقتور دشمن سے وعدہ خلافی کرنا احتیاط اور عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بدعہدی ہمارے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہو اور ہم پر وہ مصائب نازل ہوں کہ دنیا میں کہیں ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ احتیاط اور مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس ترک (یعنی امیر سبکتگین) سے جس کا خوف عوام و خواص سبھی کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے' بدعہدی کر کے جنگ نہ کریں اور خدا کے بندوں کے امن و امان کا خیال رکھتے ہوئے بلا حیل و حجت وہ رقم سبکتگین کو ادا کر دیں جس پر صلح ہوئی ہے۔ چونکہ راجہ جے پال کا برا وقت (قریب) آ پہنچا تھا لہٰذا اس نے درباریوں کے مشورے اور استدعا کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

جے پال کی شکست

جب امیر سبکتگین کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو اسے جے پال کی بد عہدی پر بے انتہا غصہ آیا اور وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر (جے پال کو اس حرکت کی سزا دینے کے لیے) ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جے پال نے بھی ہندوستان کے دیگر راجاؤں سے مدد لے کر ایک لشکر جرار تیار کیا اور سبکتگین کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کے تمام راجاؤں نے اس خیال سے جے پال کو مدد دی کہ اس طرح ان کا اپنا فائدہ ہے (اور ان کی سلطنتیں بیرونی دشمن سے محفوظ ہو جائیں گی) خاص طور پر دہلی' کالنجر' قنوج اور اجمیر کے راجاؤں نے خوب دل کھول کر بہترین لشکر' دولت اور دیگر اشیاء سے جے پال کی مدد کی۔ الغرض جے پال نے ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیادہ سپاہی جمع کر لیے اور سبکتگین کے مقابلے پر آیا۔

امیر سبکتگین نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر جے پال کی فوج اور اس کی طاقت کا اندازہ کیا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ جے پال کا لشکر ایک دریائے ذخار کے مانند ہے۔ جس میں لشکریوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے لیکن اس کثرت سپاہ سے وہ قطعاً مرعوب نہ ہوا اور اپنے اور دشمن کے معرکے کو شیر اور بکری کی لڑائی جان کر پہاڑ سے نیچے اترا اور اپنے فوجی سرداروں سے مل کر ان میں سے ہر ایک کا دل بڑھایا۔ انہیں جہاد کے ثواب اور فوائد سے آگاہ کیا اور کہا کہ مصلحت وقت اسی میں ہے کہ پانچ پانچ سو سواروں کے دستے بنائے جائیں یہ دستے باری باری لڑیں پہلے ایک دستہ میدان جنگ میں جائے۔ جب وہ تھک جائے تو دوسرا روانہ ہو مسلمانوں کی فوج نے اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق جنگ شروع کی اور اس میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ دشمنوں کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ دشمن کے حوصلے پست ہو رہے ہیں اور وہ بد حواس ہیں تو انہوں نے ایک بار مل کر حملہ کر دیا۔ اور بے شمار ہندوؤں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ ہندوؤں کی فوج سامنے کی طرف بھاگ نکلی' مسلمانوں نے نیلاب کے کنارے تک ان کا پیچھا کیا اور وسیع پیمانے پر قتل و غارت گری کی۔ اس معرکے میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور لمغان و پشاور کے ملک دریائے نیلاب کے کنارے تک مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں قانون اسلامی مروج ہوا اور امیر ناصرالدین کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہوا۔ اس فتح

کے بعد امیر ناصر الدین نے اپنے ایک سردار کو دو ہزار سواروں کے ساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس علاقے کے آس پاس کے افغانی اور خلجی صحرا نشینوں کو بھی مطیع کرتا ہوا واپس غزنی پہنچا۔

امیر نوح سے ملاقات

اسی زمانے میں امیر نوح سامانی نے سبکتگین کے پاس ابو نصر فارسی کو اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ فائق (بخارا کا امیر) کی حرکات ناشائستہ بیان کر کے مدد کی درخواست کرے۔ سبکتگین آل سامان کی بیچارگی کی داستان سن کر اپنی غیرت کی وجہ سے سخت بے چین ہوا اور اسی بے چینی کے عالم میں فوراً ماوراء النہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ امیر نوح مقام سرخس تک سبکتگین کے استقبال کے لیے آیا۔ اگرچہ ملاقات سے پہلے سبکتگین امیر نوح سے کہلوا چکا تھا کہ اسے (یعنی سبکتگین کو) بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے گھوڑے سے اتر کر امیر نوح کا رکاب کو بوسہ دینے کی خدمت میں معاف رکھا جائے اور امیر نوح نے اس بات کو مان بھی لیا تھا لیکن جونہی دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور سبکتگین نے امیر نوح کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو بادشاہی رعب داب سے وہ کچھ ایسا مجبور ہوا کہ وہ بے اختیار اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور امیر نوح کی رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر نوح نے بھی بڑی خوشی اور عزت افزائی کے ساتھ سبکتگین کو گلے سے لگایا۔ ان دونوں امیروں کی ملاقات سے تمام دیکھنے والے بہت خوش ہوئے اور ان سب پر اس خوشی کا خاص اثر ہوا۔ ان دونوں میں یہ بڑی پر لطف اور دلچسپ ملاقات تھی۔ مختصر یہ کہ جب بات چیت، خاطر و مدارات سے فراغت ہوئی تو اصل معاملہ درمیان میں آیا اور امور سلطنت کے بارے میں بات چیت ہوئی اور دشمنوں کے دفعیے کی تدابیر پر صلاح و مشورہ ہونے لگا۔ آخر کار یہی طے پایا کہ سبکتگین واپس غزنی جائے اور ایک لشکر جرار تیار کرے۔ اس کے بعد امیر نوح نے سبکتگین اس کی اولاد اور متعلقین کو طرح طرح کی بیش بہا خلعتوں اور نوازشوں کے ساتھ رخصت کیا اور خود لشکر کشی کا ارادہ کر کے بخارا کی طرف روانہ ہوا۔

ابو علی ہجوری کی پریشانی

جب ابو علی ہجوری کو جس کے پاس فائق پناہ گزین تھا۔ اس تمام معاملے کی خبر ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنے امیروں وزیروں سے مشورہ کیا کہ اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو کہاں اور کس والی ملک کے پاس مدد کی درخواست لے کر جانا چاہیے ان لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ فخر الدولہ دیلمی سے میل ملاپ پیدا کرنا چاہیے اور اس کی دوستی پر تکیہ کرنا چاہیے۔ ابو علی ہجوری نے جعفر ذوالقرنین کو جرجان کا سفیر مقرر کیا اور خراسان و ترکستان کی وہ بیش قیمت اور گراں قدر اشیاء جو مل سکیں فخر الدولہ دیلمی اور اس کے وزیر کے لیے بطور تحفہ ارسال کیں اور یوں ان سے دوستی پیدا کر کے آمد و رفت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران میں امیر سبکتگین (لشکر لے کر) بلخ پہنچا اور امیر نوح بھی بخارا سے روانہ ہو کر وہاں اس سے جا ملا۔ جب فائق اور ابو علی ہجوری کو ان کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی ایک لشکر جرار لے کر معرکہ آرائی کے لیے نکلے۔ اس لشکر میں دارا بن شمس المعالی اور قابوس بن دشم گیر بھی جو فخر الدولہ کی طرف سے ان کی مدد کے لیے دو ہزار سواروں کے ساتھ آئے ہوئے تھے شامل تھے۔

امیر ابو علی ہجوری سے جنگ

امیر سبکتگین نے ایک وسیع میدان جنگ کے لیے منتخب کیا اور میمنہ اور میسرہ کو سپاہیوں سے آراستہ کر کے خود امیر نوح اور اپنے بیٹے سلطان محمود کے ساتھ فوج کے درمیان کھڑا ہو گیا جب دونوں جانب صف آرائی ہو گئی اور لڑائی شروع ہو گئی تو ابو علی ہجوری کا میمنہ اور میسرہ امیر نوح کے دونوں دستوں پر غالب آیا اس طرح امیر نوح کے لشکر کے قدم اکھڑنے لگے۔ عین ممکن تھا کہ بنا بنایا کام بگڑ جاتا کہ ایک دم دارا بن قابوس نے ابو علی ہجوری کے قلب لشکر سے نکل کر حملہ کیا۔ اور جب دونوں صفوں کے درمیان آیا تو اپنی سپر کو پیچھے کی طرف کر کے امیر نوح کے سامنے حاضر ہوا اور اس سے اجازت لے کر لشکر خراسان کے مقابلے کے لیے میدان میں آیا دوسرے امیروں

وزیروں نے جب یہ عالم دیکھا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ابن قابوس نے تنہا ہی غداری نہ کی ہو گی بلکہ لشکر کا ایک بڑا حصہ اس کے ساتھ ہو گا۔ سخت پریشان ہوئے اور مایوس ہو کر اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ امیر ناصرالدین نے جب دشمن کے لشکر کی یہ پریشانی دیکھی تو اس نے اپنے لشکر کے چیدہ بہادروں کے ایک دستے کو ساتھ لے کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ خراسانی لشکر اس زبردست حملے سے بدحواس ہو گیا اور سامنے کی طرف بھاگ نکلا۔ سلطان محمود نے ان بھاگنے والوں کا پیچھا کیا ان میں سے بیشتر کو قتل کیا اور جو باقی بچے انہیں قید کر لیا۔ یہ بد نصیب بھاگنے والے جنہوں نے اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کی تھی۔ اس قدر مال و اسباب اور اسلحہ وغیرہ چھوڑ کر بھاگے کہ اگر اس کا دسواں حصہ بھی اپنی عزت بچانے میں صرف کرتے تو زمانے کی مشکلات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے۔

جب فائق اور امیر ابو علی ہجوری نیشاپور کی طرف فرار ہو گئے تو امیر نوح نے سبکتگین کو "ناصرالدین" کا خطاب دیا اور اس کے فرزند سلطان محمود کو "سیف الدولہ" کا لقب عطا کر کے ابو علی ہجوری کی بجائے امیر الامراء مقرر کیا اور خود کامیاب اور کامران بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ جب امیر ناصرالدین اور سلطان محمود بڑی آن بان اور شان و شوکت سے نیشاپور کی طرف روانہ ہوئے تو فائق اور ابو علی ہجوری بدحواس ہو کر جرجان بھاگ گئے اور فخرالدولہ دیلمی کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ جب امیر ناصرالدین غزنی کو روانہ ہو گیا اور سلطان محمود تنہا نیشاپور ہی میں رہ گیا تو ابو علی ہجوری اور فائق نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اس سے پہلے کہ امیر نوح اور امیر ناصرالدین کی طرف سے سلطان محمود کو مدد پہنچے اس پر حملہ کر دیا۔ سلطان محمود کو شکست ہوئی اور ان دونوں نے تمام مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا جب امیر ناصرالدین نے یہ افسوس ناک اور حیران کن خبر سنی تو وہ فوراً ایک زبردست لشکر تیار کر کے نیشاپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ طوس کے قریب امیر ناصرالدین اور فائق اور امیر ابو علی کا آمنا سامنا ہوا دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ابھی طرفین کے جوہر پوری طرح نہ کھلے تھے کہ امیر ابو علی ہجوری کے لشکر کے پیچھے سے گرد و غبار سا اٹھتا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب نے دیکھا کہ سلطان محمود ایک زبردست فوج لیے چلا آ رہا ہے۔ اب امیر ابو علی ہجوری نے اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں دستوں کو قلب لشکر سے ملا کر فائق کے لشکر کے ساتھ امیر ناصرالدین کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ امیر ناصرالدین نے اس حملے کو بڑی جرات اور دلیری سے روکا اور میدان جنگ میں ڈٹا رہا۔ اتنے میں سلطان محمود شیر کی طرح گرجتا ہوا دشمن کے سر پر آپہنچا اور اس کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ امیر ابو علی ہجوری اور فائق اپنی جان بچا کر فرار ہو گئے اور کلات (خراسان اور طوس کے درمیان ایک قلعہ تھا۔) کے قلعے میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔

اس فتح کے بعد امیر سبکتگین نے بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ حکومت کی اور چھپن (۵۶) سال کی عمر میں بمقام ترمذ شعبان ۳۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے بعد اس کے جسم کو تابوت میں رکھ کر غزنی لایا گیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ سبکتگین نے بیس سال تک فرمانروائی کی اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے چودہ (۱۴) افراد نے باری باری مسند حکومت سنبھالی اور وہ لاہور اور اس کے اطراف پر قابض رہے۔ ابو العباس فضل ابن احمد اسفرائنی سبکتگین کا وزیر تھا جو حکومت و سلطنت کے امور انتظام، رعایا کی خبر گیری، سپاہ و لشکر کی درستی، غرض ہر معاملے میں پوری مہارت رکھتا تھا۔

ایک عجیب و غریب واقعہ

"جامع الحکایات" میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب امیر ناصرالدین، الپتگین کی ملازمت میں تھا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ تمام دن اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھوما کرتا تھا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی مع اپنے بچے کے جنگل میں چر رہی ہے۔ سبکتگین نے اسے دیکھتے ہی گھوڑے کو دوڑایا اور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس نے اس بچے کو اپنی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے اور اس کی صورت اور حرکات سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا ہے یہ عالم دیکھ کر سبکتگین

کو اس بے زبان جانور پر بہت رحم آیا اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کی رہائی سے بہت خوش ہوئی اور (بچے کو ہمراہ لے کر) جنگل کی طرف روانہ ہوئی وہ تھوڑی دور چل کر سبکتگین کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو سبکتگین نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔ "اے ناصرالدین تو نے ایک بے زبان جانور پر جو رحم کیا ہے وہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے صلے میں تجھے چاہیے کہ یہی طریق اختیار کرے اور کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ کیونکہ یہ طریق دین و دنیا کا سرمایہ ہے" ----- "معاصر الملوک" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے اپنی جوانی کے ابتدائی زمانے اور باپ کی زندگی میں غزنی میں ایک سرسبز و شاداب باغ لگوایا تھا اور اس باغ میں ایک بڑی عمدہ اور عالی شان عمارت تعمیر کروائی تھی۔ جب یہ باغ اور عمارت پوری طرح تیار ہو گئی تو ایک جشن عظیم منعقد کیا اور اپنے باپ اور دوسرے ارکان سلطنت کو اس باغ میں مدعو کیا امیر ناصرالدین نے اس باغ اور عمارت کو دیکھا تو سلطان محمود سے کہا۔ "اے بیٹے اگرچہ یہ باغ اور یہ عمارت بہت خوبصورت ہیں لیکن ایسی چیزیں تو تمہارے ملازم بھی بنا سکتے ہیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایسی عمارت کی بنیاد ڈالیں جس کی مثال پیدا نہ کی جا سکے۔" محمود نے بڑے ادب سے پوچھا۔ "وہ کون سی عمارت ہے جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔" سبکتگین نے جواب دیا۔ "اس عمارت سے مراد اہل علم کے دل ہیں۔ اس گھر کی زمین میں اگر تم اپنی محبت اور احسان کے بیج بوؤ گے اور وہ بار آور ہوں گے تو ان کے پھل ایسے ہوں گے جن کے چکھنے سے تمہیں دین و دنیا کی سعادت کی لذت ملے گی۔ اور تمہارا نیک نام روز حشر تک زندہ رہے گا۔

سبکتگین کا انتقال

"ترجمہ یمینی" (یعنی مشہور تاریخ یمینی) میں لکھا ہے کہ سبکتگین نے اپنی وفات سے چند روز قبل ایک دن شیخ ابوالفتح سے دوران گفتگو میں کہا۔ "ہم انسان نازل شدہ مصائب کو دور کرنے کی تدابیر اور لاحق شدہ امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ قصاب سے بھیڑ کو اس کے بال کترنے کے لیے پہلی مرتبہ زمین پر پٹکتا اور اس کے پاؤں مضبوطی سے باندھ دیتا ہے بھیڑ اپنے اوپر ایک نئی اور عجیب مصیبت دیکھ کر زندگی سے مایوس ہو جاتی ہے اور مرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے، لیکن قصاب اپنے کام سے فارغ ہو کر اسے آزاد چھوڑ دیتا ہے اور وہ خوشی سے اچھلنے کودنے لگتی ہے۔ دوسری مرتبہ پھر جب قصاب اسے پکڑتا ہے تو وہ ایک شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتی ہے خوف اور امید دونوں کا اسے خیال رہتا ہے (یعنی وہ یہ خیال بھی کرتی ہے کہ اسے ذبح کر دیا جائے اور ساتھ یہ امید بھی ہوتی ہے کہ گذشتہ موقع کی طرح اس بار بھی اسے رہا کر دیا جائے گا۔ اور جب قصاب (اس کے بال کتر کر) اسے آزاد کر دیتا ہے تو وہ پھر خوش ہو جاتی ہے اور خوف کا احساس اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ تیسری مرتبہ جب قصاب اسے ذبح کرنے کے خیال سے زمین پر گراتا ہے تو اس کے دل میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور وہ یہ خیال کرتی ہے کہ پہلے کی طرح اس بار بھی تھوڑی سی دیر کے لیے اس کی آزادی سلب کی گئی ہے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ پہلے کی طرح آزاد ہو جائے گی۔ وہ بے خبری اور بے خوفی کے عالم میں رہتی ہے اور اسی عالم میں اس کے گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے اور وہ دنیا سے گزر جاتی ہے۔ ہم انسان بھی چونکہ ہمیشہ طرح طرح کی مصیبتوں اور نت نئے امراض میں آئے دن مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہر مصیبت اور ہر مرض میں اس سے رہائی کا خیال کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری مصیبت موت کا پیغام لے کر آتی ہے اور اسی غفلت کے عالم میں ہمارے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر ہمیں اس دنیا سے لے جاتی ہے۔" مورخین لکھتے ہیں کہ سبکتگین نے یہ باتیں اپنی موت سے چار روز قبل کہی تھیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امیر اسمٰعیل بن امیر ناصرالدین سبکتگین

جب امیر ناصرالدین سبکتگین نے دنیا سے رحلت کی تو اس وقت چونکہ سیف الدولہ سلطان محمود نیشاپور میں مقیم تھا- اس لیے اس کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق بلخ میں اس کا جانشین ہوا- امیر اسمٰعیل نے لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کی باپ کے جمع کردہ خزانے کو اہل لشکر میں فراخ دلی سے تقسیم کیا- اور لشکریوں کی دل جوئی اور خاطرداری پوری پوری طرح کی لیکن باوجود ان عنایتوں اور مہربانیوں کے اہل لشکر میں خود غرضوں کی طمع روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور وہ آئے دن طرح طرح کے مطالبات کرتے رہتے اور کسی طرح بھی امیر اسمٰعیل کے قابو میں نہ آتے تھے- سلطان محمود کو نیشاپور میں ان معاملات کا علم ہوا اور اس نے اپنے بھائی کو اس بارے میں افسوس کا ایک خط لکھا- محمود نے وہ خط ابوالحسن حموی کے ہاتھ روانہ کیا اور ساتھ یہ پیغام دیا- "امیر ناصرالدین جو ہم سب کے پشت پناہ تھے وہ اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور ان کے بعد تم سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے تم میری آنکھیں ہو اور جو کچھ تمہاری خواہش ہو میں اسے پورا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن سلطنت کے قیام اور حکومت کے انتظامات کے لیے سن رسیدہ اور پختہ کار ہونا بہت ضروری ہے اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اچھا معاملہ فہم ہو- اگر تم میں یہ صفات ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی کی اطاعت کو ترجیح نہ دیتا- والد صاحب نے جو تم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو اس کا سبب صرف مصلحت وقت اور سلطنت کی حفاظت تھا میری دوری کی وجہ سے یہ امر ناگزیر تھا- اب وقت کی مصلحت یہ ہے کہ تم اچھائی اور برائی کے فرق کو سمجھو اور اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرو- انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور جو کچھ باپ کا متروکہ ہے اسے شریعت کے مطابق تقسیم کرو- غزنی جو ہماری حکومت اور رعب داب کا سرچشمہ ہے، مجھے دے دو تاکہ بلخ و خراسان کو دشمنوں سے پاک و صاف کر کے تمہارے حوالے کر دوں-

امیر اسمٰعیل نے اپنے بھائی کے کہنے کی کوئی پرواہ نہ کی اور مخالفت پر ڈٹا رہا- سلطان محمود نے جب یہ دیکھا کہ زبانی نصیحت سے کوئی کام نہیں چلتا تو اس نے اس مثل پر عمل کیا کہ آخری تنبیہہ مار ہے-" اور اپنے چچا معزالحق اور اپنے چھوٹے بھائی نصیرالدین کو ساتھ لے کر نیشاپور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا- (امیر اسمٰعیل بھی اپنے لشکر لے کر) بلخ سے آگے بڑھے جب دونوں بھائیوں کے لشکر آمنے سامنے آئے تو محمود نے آخری بار یہ کوشش کی کہ امیر اسمٰعیل جنگ سے باز رہے اور دونوں بھائیوں میں صلح ہو جائے لیکن اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اسمٰعیل اپنی ضد پر اڑا رہا- سلطان محمود نے ناچار اپنے لشکر کی صف آرائی کی اور اسمٰعیل بھی اپنے سرداروں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا- اس نے اپنی فوج کا ہر پہلو پوری طرح درست کر لیا تھا اور کوہ پیکر ہاتھی اور اس کے ساتھ تھے------ دونوں بھائیوں کی افواج میں معرکہ آرائی ہوئی اور میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں- آخر سلطان محمود نے اپنے قلب لشکر سے نکل کر دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا- اس حملے سے فریق مخالف کے چھکے چھوٹ گئے- سلطان اسمٰعیل کی فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی اور غزنی میں قلعہ بند ہو گئی- سلطان محمود نے ان لوگوں کو عہد و پیمان کے بعد قلعہ سے باہر نکالا اور ملک کے خزانے وغیرہ پر قبضہ کیا اور چند قابل اعتبار لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کر کے خود بلخ کی طرف روانہ ہوا-

اس لڑائی کے چند روز بعد ایک دن امیر اسمٰعیل اور سلطان محمود----- دونوں بھائی آپس میں بیٹھے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے کہ سلطان محمود نے کسی بہانے سے اس لڑائی کا ذکر چھیڑا- اور اسمٰعیل سے پوچھا- "اگر تمہاری قسمت یاوری کرتی اور تم جیت جاتے تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک کرتے-" اسمٰعیل نے جواب دیا- "میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اگر مجھے فتح نصیب ہوتی تو تمہیں ایک قلعے میں نظر

بند کر دوں گا اور وہاں تمہیں راحت و آرام کا تمام سامان بہم پہنچاؤں گا۔۔۔۔" سلطان محمود کو جب اپنے بھائی کے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ تو اس نے لڑائی کے اس تذکرے کو ختم کیا اور خاموش ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد سلطان محمود نے امیر اسمٰعیل کو جرجان کے قلعے میں نظر بند کر دیا اور اس کے لیے راحت و آرام کا تمام سامان بہم پہنچایا اور اس طرح امیر اسمٰعیل کا اپنے بھائی کے لیے جو خیال تھا وہ خود اس کی اپنی حالت پر صادق آیا۔

امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سلطان محمود تمام دنیاوی اور دینی خوبیوں کا مجموعہ تھا اور اپنی دلیری و شجاعت' عدل و انصاف' انتظام سلطنت اور فتوحات کی بنا پر دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور تھا اس کی معرکہ آرائیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ اسلام اور انصاف کی برکات کو پھیلایا جائے اور ظلم و تعدی کی بنیادوں کو ڈھا دیا جائے اس کی بہادری اور جرات مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتا ہوا چلا جاتا تھا اور کسی بلندی اور پستی کا مطلق خیال نہ کرتا تھا۔ انصاف کا یہ عالم تھا کہ دور و نزدیک ہر مقام پر اس کی انصاف پسندی کا بول بالا تھا۔ باوجود اس شہرت اور نیک نامی کے بعض مورخین نے اسے حریص اور لالچی لکھا ہے اور اس کی اوالعزمی اور حوصلوں کی بلندی پر بھی اسے بخیل کہا ہے۔ اس ناچیز مورخ محمد قاسم فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے اوالعزم بادشاہ کو بخیل کہنا ان مورخین کی ناانصافی اور کم توجہی کا ثبوت ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اسے دولت سے محبت تھی وہ حتی الامکان اسے جمع کرنا چاہتا تھا لیکن اسے دولت کو فراخ دلی سے خرچ کرنا بھی آتا تھا اور وہ خرچ کرتا تھا۔

فتح بلاد و مقامات ابو نصر مشکاتی اور مجلدات ابو الفضل وغیرہ تمام قابل اعتبار کتابیں اس امر کی شاہد ہیں کہ سلطان محمود کے دربار میں جس قدر شاعران باعلم اور بہادران روز گار جمع تھے اتنے شاید ہی کسی دوسرے بادشاہ کے دربار میں جمع ہوئے ہوں اور سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اہل علم کا ایسا گروہ بغیر عنایات اور بخششوں کے جمع نہیں ہو سکتا۔ سلطان محمود ہمیشہ اہل کمال سے دوستی رکھتا تھا اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا۔ مقررہ تنخواہوں کے علاوہ ہر سال مزید چار لاکھ درہم ان میں تقسیم کرتا تھا اور ہر طرح کی خاطر و مدارات کرتا تھا۔ ان اوصاف کے باوجود سلطان محمود کے بخیل مشہور ہونے کی بظاہر دو وجوہ نظر آتی ہیں ایک تو فردوسی طوسی کا قصہ اور دوسرے سلطان محمود کا اپنی آخر عمر میں اپنی رعایا اور دولت مندوں سے بلا ضرورت روپیہ طلب کرنا۔

صورت و سیرت

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود کی صورت خوشنما اور خوب نہ تھی ایک روز اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو اپنی بدصورتی سے بہت رنجیدہ اور پریشان ہوا۔ اور اپنے وزیر سے کہا۔ "مشہور ہے کہ بادشاہوں کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں روشنی آتی ہے ایک میری صورت ہے کہ جسے دیکھ کر شاید دیکھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو۔" وزیر نے جواب دیا تمہاری صورت تو شاید ہزاروں میں ایک دیکھتا ہو۔ لیکن تمہاری سیرت سے سبھوں کو تعلق ہے تم اگر عمدہ سیرت کے حامل ہو جاؤ گے اور ہمیشہ ایسے ہی رہو گے تو لوگوں میں تمہیں ہر دلعزیزی حاصل ہو گی۔" محمود کو اپنے وزیر کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس کے کہنے پر عمل کیا۔ (سلطان محمود نے اپنی سیرت کو اس حد تک خوبیوں کا مجموعہ بنایا کہ) تمام بادشاہوں سے زیادہ مقبول و محبوب ہوا۔

پیدائش

سلطان محمود کی ماں ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی۔ اسی وجہ سے سلطان کو محمود زابلی بھی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمود ۳۵۷ھ میں عاشورہ کی رات کو پیدا ہوئے------ کتاب "منہاج السراج" میں جو زجانی لکھتا ہے کہ سلطان محمود کی قسمت کا ستارہ اور صاحب صلی اللہ علیہ کے طالع مبارک کا ستارہ ایک ہی تھا۔

سلطان محمود کے پیدا ہونے سے ایک گھڑی پہلے اس کے باپ سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اس کے مکان میں آتش دان کے اندر سے

ایک درخت نکلا اور اس قدر بلند ہوا کہ ساری دنیا اس کے سائے میں آ گئی- سبکتگین کی جب آنکھ کھلی تو وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر محمود کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی- یہ خبر سن کر سبکتگین کو بے انتہا خوشی ہوئی- اس نے اپنے خواب سے جس کی ابتداء اور انتہا بہت اچھی تھی- خوش ہوا اور امیدیں قائم کیں اور اس لڑکے کا نام محمود رکھا- چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ لڑکا بڑا ہو کر ایک عظیم الشان حکمران بنا اور اس کی سلطنت یہاں تک وسیع ہوئی کہ ایک عالم نے اس کے انصاف کے سائے میں آرام اور راحت حاصل کی- چنانچہ فردوسی شاہنامہ میں بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے-

اسی زمانے میں امیر ناصر الدین سبکتگین نے ہندوؤں کا وہ مشہور بت خانہ جو سودرہ کے کنارے پر واقع تھا مسمار کیا اور اس طرح گویا خداوند باری تعالیٰ کے حضور میں اس لڑکے (محمود) کی پیدائش کا شکر بجا لایا- اور اپنے بیٹے کے طالع کی مدد سے جو پیغمبر اسلامؐ کے طالع سے مطابقت رکھتا تھا بت پرستوں کے مقابلے پر فتح حاصل کی-

حالات ابتدائے حکومت

جلوس محمودی کے پہلے ہی سال سیستان میں سونے کی ایک کان جو درخت کی مانند تھی زمین کے اندر نمودار ہوئی جس قدر اس کان کو کھودا جاتا تھا سونا نکلتا آتا تھا یہاں تک کہ کھودتے کھودتے اس کان کا گھیرا تین (۳) گز مدور ہو گیا یہ کان ایک عرصے تک باقی رہی یہاں تک کہ سلطان مسعود کے زمانے میں ایک زلزلہ نے اسے بالکل معدوم کر دیا-

جب سلطان نے اپنے بھائی امیر اسمٰعیل کی جنگ سے فراغت حاصل کی تو وہ بلخ کی طرف متوجہ ہوا- امیر منصور نے خراسان کی امیر الامراء کا منصب جو محمود اور اس کے باپ کا طرہ امتیاز تھا اس زمانے میں بکتوزن کے سپرد کر دیا تھا- سلطان محمود نے اس سلسلے میں ایک قاصد امیر منصور کے پاس بخارا روانہ کیا اور اس منصب سے علیحدگی پر اظہار افسوس کیا- اس پر منصور نے جواب دیا- "میں نے تمہیں بلخ، ترمذ اور ہرات کا امیر الامراء مقرر کر دیا ہے- بکتوزن چونکہ ہمارے خاندان کا قدیم خیر خواہ ہے اس لیے بلاوجہ اس عہدے سے اسے معزول کرنا مناسب نہیں-

سلطان محمود نے ابو الحسن کو بہت سے تحفے تحائف اور دوسری چیزوں کے ساتھ امیر منصور کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ "بادشاہ کی دور اندیشی سے مجھے توقع ہے کہ ہماری دیرینہ دوستی اور خلوص کی مضبوط بنیادیں بے رخی کی وجہ سے کمزور نہ ہوں گی اور میرے والد کے حقوق خدمت جو آل سامان پر ہیں نظرانداز نہ کیے جائیں گے اور دنیا کی کوئی بھی چیز ہمارے آپس کے رشتہ اخوت و محبت کو توڑ کر فرمانبرداری کی بنیادوں کو مسمار نہ کر سکے گی-" جب ابو الحسن حموی بخارا پہنچا تو امیر منصور نے اپنی وزارت کی امید دلا کر اپنے پاس ہی رکھ لیا اور سلطان محمود کو کوئی جواب نہ دیا- (لہٰذا مجبوراً) اب محمود نے نیشاپور پر حملہ کیا- بکتوزن کو جب اس حملے کا علم ہوا تو وہ خود شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا اور امیر منصور کو ایک خط کے ذریعے اس کی اطلاع دی- امیر منصور نے حقیقت حال سے آگاہ ہوتے ہی فوراً اپنی فوج کو تیار کیا اور جوانی کے نشے میں سرشار ہو کر سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے نیشاپور روانہ ہوا اور سرخس میں جا کر مقیم ہوا-

سلطان محمود اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھا کہ امیر منصور اس کے مقابلے پر کسی طرح نہیں ٹھہر سکتا، لیکن اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ احسان فراموشی کے داغ سے اپنے دامن کو آلودہ کرے- لہٰذا وہ نیشاپور کو چھوڑ کر مرغاب چلا گیا---- اسی زمانے میں بکتوزن نے فائق کے مشورہ پر غداری کی اور امیر منصور کو قید کر کے اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور اس کے چھوٹے بھائی عبد الملک کو جو بہت ہی کم عمر تھا تخت پر بٹھا دیا اور خود سلطان محمود کے ڈر سے مرو بھاگ گیا- سلطان محمود نے جب یہ خبر سنی تو فوراً اس کا پیچھا کیا اور مرو پہنچ کر بکتوزن اور فائق سے معرکہ آرائی کی- چونکہ ان دونوں بد نصیبوں کے سر پر احسان فراموشی اور کفران نعمت کا وبال تھا اور ان کو نمک حرامی کی سزا ملنا مقدر ہو چکی تھی- اس لیے اس معرکے میں انہیں شکست ہوئی اور سلطان محمود کامیاب و کامران ہوا- فائق تو

امیر منصور کے چھوٹے بھائی عبد الملک کو ساتھ لے کر بخارا کی طرف بھاگا اور بکتوزن نے نیشاپور کی راہ پائی- کچھ عرصے کے بعد بکتوزن نے پھر سلطان محمود سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور اس نے بخارا پہنچ کر اپنی منتشر فوج کو جمع کرنا شروع کیا' لیکن اس سے قبل کہ اس کی فوج یکجا ہوتی- اسے موت نے اپنی آغوش میں لے لیا- فائق کے انتقال کے فوراً بعد ایلک خاں کاشغر سے بخارا پہنچا اور اس نے عبد الملک اور اس کے ہوا خواہوں کا نام و نشان تک مٹا دیا- عبد الملک کی موت کے ساتھ آل سامان کا بھی خاتمہ ہوا- جو ایک سو اٹھائیس سال سے حکومت کرتی چلی آ رہی تھی-

خطاب و اعزاز

ان چھوٹی چھوٹی پریشانیوں کے ختم ہو جانے کے بعد سلطان محمود بڑے اطمینان اور چین کے ساتھ بلخ اور خراسان پر حکومت کرنے لگا- جب محمود کے کروفر اور شان و شوکت کا آوازہ بلند ہوا اور تمام دنیا میں اس کی شہرت ہوئی تو خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی نے اسے ایک قیمتی خلعت (ایک ایسا خلعت کہ اس جیسا خلیفہ نے اس سے پہلے کسی کو نہ بھیجا تھا-) اور امین الملت اور یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا-

او آخر ذی قعدہ ۳۹۸ھ میں سلطان محمود بلخ سے ہرات آیا اور ہرات سے سیستان پہنچا- یہاں کے حاکم حنیف بن احمد کو اپنا مطیع بنایا اور واپس غزنی آ گیا- غزنی پہنچ کر محمود ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور ہندوستان کے چند قلعوں کو فتح کر کے واپس اپنے دارالسلطنت آ گیا اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر کے عوام و خواص دونوں کے دلوں میں گھر کر لیا- ایلک خاں نے ماوراء النہر کو آل سامان کے قبضے سے نکال کر سلطان محمود کی خدمت میں فتح نامہ ارسال کیا اور مملکت خراسان پر قبضہ کرنے کی خوش خبری سنائی- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایلک خاں اور سلطان محمود میں بڑے گہرے اور دوستانہ مراسم پیدا ہو گئے- اس کے جواب میں محمود نے اس زمانے کے مشہور محدث ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو اپنا پیغامبر بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا اور ایلک خاں کی بیٹی سے شادی کرنے کی درخواست کی- نیز انتہائی قیمتی اور اعلیٰ درجے کے یاقوت و لعل اور مروارید' مونگے کی مالیں- عنبر کے ڈبے' روپے اور اشرفیوں کے توڑے' خوشبو دار کافوری بتیاں اور ہندوستان کے دوسرے نوادرات (مثلاً) عود کے درخت' ہندوستان کی تلواریں' کوہ پیکر ہاتھی' زریں اور چمکدار جھول جو زیورات سے اس طرح سجے ہوئے تھے کہ ان کے دیکھنے سے آنکھوں کو چکاچوند پیدا ہوتی' علاوہ ازیں گراں قدر ساز و یراق سے لدے ہوئے اعلیٰ نسل کے گھوڑے ابو الطیب کے ساتھ (ایلک خاں کے لیے) بھجوائے- امام ابو الطیب جب ترکستان پہنچے تو ایلک خاں کے حکم سے ترکوں نے جن میں سے بیشتر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی- امام ابو الطیب نے وہاں اس وقت تک قیام کیا کہ جب تک پیام بری کے فرائض پوری طرح ادا نہ کر لیے ایلک خاں کی بیٹی سے سلطان محمود کے نکاح کی بات چیت طے کرنے کے بعد ابو الطیب واپس ہوئے- ان کے ساتھ ایلک خاں کے دیئے ہوئے اعلیٰ درجے کے بیش قیمت تحائف' خالص سونا اور چاندی' خطا اور ختن کی خوبصورت لونڈیاں اور غلام' قاقم و سمور اور دوسری بہت سی اعلیٰ درجے کی اشیاء وغیرہ تھیں- یہ سب چیزیں انہوں نے سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیں- سلطان محمود نے امام ابو الطیب کو اس خدمت گزاری کے عوض طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے نوازا-

اس کے بعد ایک مدت تک سلطان محمود اور ایلک خاں کے درمیان رشتہ اتحاد و یگانگت اور رابطہ لطف و محبت قائم رہا اور پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ گردش دوراں اور چغل خوروں کی کوششوں کے ہاتھوں یہ جگری دوست ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے-

ہندوستان پر حملے

جے پال سے معرکہ آرائی

سلطان محمود نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ سلطنت کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرے گا اور غیر مسلموں سے لڑائیاں لڑے گا۔ اب اس نے اس عہد کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ تقریباً ہر سال ایک خاص موسم میں ہندوؤں سے معرکہ آرائی کرے گا۔ چنانچہ (اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے) وہ شوال ۳۹۱ھ میں دس ہزار لشکریوں کے ساتھ غزنی سے پشاور آیا۔ راجہ جے پال بھی ایک زبردست لشکر کے ساتھ جس میں بارہ ہزار سوار، بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) پیادے اور تین سو ہاتھی تھے محمود کے مقابلے پر نکلا۔ ۸ محرم ۳۹۲ھ بروز دو شنبہ دونوں حکمرانوں کے لشکر آپس میں معرکہ آرا ہوئے۔ فریقین نے بڑی مردانگی اور دلیری سے ایک دوسرے پر حملہ کیا، لیکن فتح سلطان محمود ہی کو ہوئی۔ لہٰذا وہ اسلامی فاتح ہونے کی وجہ سے محمود غازی کے نام سے مشہور ہوا۔ راجہ جے پال پندرہ اشخاص کے ساتھ جو اس کے بیٹے اور رشتہ دار تھے، گرفتار ہوا۔ اس کے لشکر کے پانچ ہزار سپاہی تہہ تیغ کیے گئے اور باقی بدحواس و پریشان ہو کر فرار ہو گئے۔ اس معرکے میں بہت سا مال و اسباب محمود کے ہاتھ لگا۔ بہت سی دوسری اشیاء کے ساتھ سولہ (۱۶) جڑاؤ مالے تھے جو قیدیوں کے گلے سے اتار کر محمود کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ جن میں سے ہر مالے کی قیمت جوہریوں کے اندازے کے مطابق ایک لاکھ اسی ہزار (۱۸۰۰۰۰) دینار تھی۔ سلطان محمود پشاور سے پھندہ کے قلعے میں گیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ جب موسم بہار قریب آیا تو سلطان محمود نے راجہ جے پال اور دوسرے اسیروں کو اپنا باجگزار بنا کر رہا کر دیا اور بہت سے باغی و سرکش افغان سرداروں کو تہہ تیغ کیا اور کچھ کو اپنا غلام بنا کر غزنی کو واپس لوٹا۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو ہندو راجہ دوبار مسلمانوں سے شکست کھائے یا ان کی قید میں رہ چکا ہو، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ فرمانروائی کرے۔ اور یہ چیز ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کو سوائے آگ کے کوئی دوسری شے پاک نہیں کر سکتی۔ جے پال چونکہ دو مرتبہ محمود سے شکست کھا چکا تھا اس لیے اس نے اپنے عقیدے کے مطابق اپنے بیٹے انند پال کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا۔

بھاطنہ کی فتح

۳۹۳ھ میں سلطان محمود پھر سیستان گیا اور اس بار حنیف بن قیس کو اپنے ہمراہ غزنی لے آیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد محمود نے ہندوستان کو فتح کرنے کا پھر ارادہ کیا۔ وہ ۳۹۵ھ میں غزنی سے بھاطنہ (یہ دراصل بھاٹیہ ہے جو ملتان کے قریب ایک مقام تھا اور ایک ہندو راجہ کا دارالسلطنت تھا) کی طرف روانہ ہوا اور ملتان کی سرحد سے گزر کر بھاطنہ میں مقیم ہوا۔ بھاطنہ کے گرد کھینچی ہوئی شہرپناہ بے حد بلند اور مضبوط تھی اور اس کے گرد ایک خندق بھی تھی۔ جس کی تھاہ کی کچھ خبر نہ تھی اور اس خندق کا منہ بہت چوڑا تھا۔ بھاطنہ کے فرمانروا کا نام "بجے راؤ" تھا اور وہ اپنی فوج کی کثرت، ہاتھیوں کی قوت اور طاقت پر اس درجہ مغرور تھا کہ نہ تو سبکتگین کے ہندوستانی نائبوں کی پروا کرتا تھا اور نہ ہی راجہ جے پال کو خاطر میں لاتا تھا۔ جب سلطان محمود اس کی سرزنش کے لیے اس کی جانب بڑھا تو وہ بھی اپنے لشکر کو تیار کر کے مسلمانوں کی فوج کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی، تین روز تک بازار جنگ گرم رہا اور دونوں اطراف نے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کیں، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا (جنگ کی یہ حالت ہوئی کہ) مسلمانوں کے لشکر کے قدم میدان

جنگ سے اکھڑنے کے آثار پیدا ہو گئے' عین ممکن تھا کہ ہندوؤں کو فتح یابی نصیب ہوتی کہ سلطان محمود نے اپنی فوج میں یہ منادی کرا دی کہ آج "سلطانی جنگ" ہو گی۔ لہٰذا فوج کا ہر فرد خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان جان دینے کے لیے تیار ہو جائے اور (دشمن) کے مقابلے کے لیے میدان میں آجائے۔ جب بجے راؤ کو مسلمانوں کے اس ارادے کی خبر پہنچی تو وہ پریشان ہو کر مندر میں آیا اور اپنے معبودوں سے مدد کا خواستگار ہوا نیز اپنی فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیا وہ اپنے لشکر کو لے کر بڑی شان و شوکت اور کروفر سے' شہر سے نکل کر میدان جنگ میں آیا۔ مسلمانوں نے میمنہ اور میسرہ دونوں جانب سے ایک ہی بار ہندوؤں پر حملہ کر دیا اور صبح سویرے سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی ہمت و مردانگی کے جوہر دکھاتے رہے' اگرچہ فریقین کے بے شمار سپاہی اس معرکہ آرائی میں کام آئے' لیکن میدان جنگ سے کسی فریق کے پاؤں نہ اکھڑے۔

سلطان محمود نے پریشان ہو کر خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح و کامرانی کی دعا مانگی اور حضرت ختم المرسلین کا واسطہ دے کر مدد طلب کی اور اپنے قلب لشکر کو ساتھ لے کر ہندوؤں کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ محمود کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ ہندوؤں کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ راجہ بجے راؤ اپنی بھاگی ہوئی فوج کو لے کر قلعے میں پناہ گزین ہوا۔ سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور خندق کو پاٹنے کا حکم دے دیا۔ جب خندق پٹنے کے قریب ہوئی تو بجے راؤ نے یہ محسوس کر کے کہ اب دشمن سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے عالم بدحواسی میں اپنے لشکر کو سلطان محمود کے مقابلے پر چھوڑ دیا اور خود اپنے خاص ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہو گیا اور دریائے سندھ کے قریب ایک جنگل میں جا چھپا۔ سلطان محمود کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے اسلامی لشکر کا ایک حصہ بجے راؤ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان بہادر مسلمانوں نے (بڑی سرعت سے اس کا پیچھا کیا اور) اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس موقع پر بجے راؤ کو سوائے جان سے گزر جانے کے دشمنوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آئی لہٰذا اس نے پریشانی کے عالم میں اپنے خنجر سے آپ ہی اپنی جان لے لی۔ مسلمان سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر سلطان محمود کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کیا۔ اس فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ دو سو اسی ہاتھی (۲۸۰) اور دوسری بہت سی گراں قدر اشیاء آئیں اور بھاطنہ اپنے تمام مضافات کے ساتھ اسلامی مملکت میں داخل کیا گیا۔

ملتان پر لشکر کشی

اس مہم کے بعد سلطان محمود غزنی میں واپس آیا۔ ۳۹۶ھ میں اس نے پھر ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ ملتان کا مرحوم حاکم شیخ حمید لودھی' امیر سبکتگین مرحوم کے بہی خواہوں میں سے تھا اور ہر طرح سے امیر مرحوم کی اطاعت اور فرمانبرداری بجا لاتا تھا۔ شیخ حمید کے بعد اس کا بے دین پوتا ابوالفتح ملتان کا حاکم مقرر ہوا۔ کچھ عرصے تک تو ابوالفتح نے اپنے اسلاف کی پیروی کی اور محمود کے حلقہ بگوشوں میں شامل رہا' لیکن بعد ازاں مذہب کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا اور جب سلطان محمود نے بھاطنہ کا محاصرہ کیا تو ابوالفتح نے اپنی نمک حرامی کا عملی ثبوت دینا شروع کیا اور اس سے بہت سی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوئیں جن کے پیش نظر سلطان محمود نے اسے جلد از جلد تنبیہہ کرنا مناسب سمجھا۔ اس سال تو محمود نے مصلحتاً ابوالفتح سے کچھ نہ کہا البتہ اس کے دوسرے سال اس نے یہ پکا ارادہ کر لیا کہ اس بدکردار انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے۔ "زین الاخبار" کی روایت کے مطابق سلطان محمود نے غیر معمولی راستے سے سفر اختیار کیا اور فوراً ابوالفتح پر حملہ کر دیا۔ راجہ انندپال راستے کا روڑہ بن کر سلطان محمود کی کامیابی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا' لیکن اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ مورخ الفی بیان کرتا ہے کہ جب ابوالفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے گھبرا کر راجہ انندپال کو محمود کے عزائم سے باخبر کیا اور مدد کی درخواست کی۔ انندپال نے اس بار بھی جاہلانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے لاہور سے پشاور پہنچ کر اپنے لشکر کو اسلامی فوج کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ انندپال کی اس

حرکت سے سلطان محمود بہت غضبناک ہوا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اسی عاقبت نااندیش کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے۔ سلطان کے لشکر کے بہادروں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑی بہادری سے انند پال کے مقابلے پر آئے اور ایسی ہمت اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کر دیا۔ انند پال نے اپنی فوج کا جو یہ حال دیکھا تو جان بچا کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جب اسلامی لشکر اس کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے سودرہ کے مضافات میں پہنچ گیا تو انند پال کی ہمت نے جواب دے دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ گھبرا کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ سلطان نے بھی اب زیادہ پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے اصل مقصد یعنی ملتان کی فتح کے پیش نظر پسندہ ہوتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا۔ جب ابوالفتح نے یہ دیکھا کہ محمود کا مقابلہ کرنے میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ انندپال کا یہ حشر ہوا ہے تو اس نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ لہٰذا اس نے اسی پر عمل کیا اور سلطان کی خدمت میں اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست پیش کی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کرے گا۔ سلطان نے ابوالفتح کی درخواست کو قبول کر لیا اور محاصرے کے آٹھ روز بعد مندرجہ بالا شرط پر صلح کر کے واپسی کا ارادہ کیا۔ سلطان ابھی سوار بھی نہ ہو پایا تھا کہ حاکم ہرات "ارسلان جاذب" کے تیز رفتار قاصد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے ایلک خاں کے حملے اور اس کی غارت گری کی خبر سنائی۔ سلطان نے یہ خبر سنتے ہی جلد از جلد پتھنڈہ کے تمام اہم کام سکھپال کے سپرد کیے اور خود غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ سکھپال حقیقت میں ایک ہندو راجہ کا بیٹا تھا جو پشاور میں ابو علی ہجوری کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ عام طور پر اب باشا کے نام سے مشہور ہے۔

ایلک خاں کے حملے کی روداد

ایلک خاں کے حملے کی داستان اور اس کی اپنی روداد ذیل کی سطور میں درج کی جاتی ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایک عرصہ دراز تک سلطان محمود اور ایلک خاں کے درمیان خلوص و محبت کا رشتہ قائم رہا اور اس رشتے کو خسرو دامادی کے تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا (یعنی سلطان محمود نے ایلک خاں کی لڑکی سے شادی کی تھی) لیکن کچھ عرصہ بعد محبت اور خلوص کو دشمنوں، بدکرداروں، فساد پھیلانے والوں اور چغل خوروں نے دشمنی میں بدل دیا تھا اور یہ دونوں دوست ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب سلطان محمود ملتان کی طرف روانہ ہوا اور خراسان سے لشکر کا ایک بہت بڑا اور زبردست حصہ اس کے ساتھ رخصت ہو گیا تو ایلک خاں کے لالچی پن کو اظہار کا موقع ملا اور اس نے خراسان کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اپنے سپہ سالار سیاوش تگین کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خراسان کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا اور جعفر تگین کو بلخ کا کوتوال مقرر کیا۔ ہرات کے حاکم ارسلان جاذب نے جب یہ خبر سنی تو فوراً غزنی کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں پہنچ کر دارالسلطنت کی حفاظت کرے، چونکہ خراسان کے بہت سے امراء سلطان کی اس طویل غیر حاضری سے طرح طرح کے شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے انہوں نے ایلک خاں کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان محمود نے غزنی پہنچ کر ایک زبردست فوج تیار کی اور بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جعفر تگین، سلطان محمود کی آمد خبر سنتے ہی بھاگ نکلا اور ترمذ میں جا کر دم لیا۔ ارسلان جاذب نے سلطانی حکم کے مطابق سیاوش تگین کی طرف پیش قدمی کی اور ہرات سے ماوراءالنہر کی طرف روانہ ہوا۔ ایلک خاں نے چین کے بادشاہ قدر خاں سے مدد کی درخواست کی۔ قدر خاں پانچ ہزار سوار لے کر ایلک خاں کی مدد کے لیے آیا۔ اس نئی مدد سے ایلک خاں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ قدر خاں کے ساتھ دریائے جیحون کے پار اترا اور بلخ سے چار کوس کے فاصلے پر سلطان محمود کے مقابلے کے لیے مقیم ہوا۔

سلطان محمود نے اپنے لشکر کو اس طور پر مرتب کیا کہ قلب فوج پر اپنے بھائی امیر نصیرالدین حاکم جرجان اور نصر فریعون اور عبداللہ

طائی کو مقرر کیا۔ میمنہ پر التونتاش کو متعین کیا اور میسرہ کو ارسلان جاذب اور دوسرے افغانی سرداروں کی نگرانی میں دیا۔ فریقین کے لشکر بڑی بے قراری سے ایک دوسرے پر جھپٹے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی صداؤں سے ساری فضا میں ایک غلغلہ مچ گیا۔ گردوغبار کی وجہ سے میدان جنگ تیرہ تار ہو گیا اور اس شدت سے لڑائی کا بازار گرم ہوا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ تلواروں اور نیزوں کی ضربوں سے میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ایلک خاں اپنے مخصوص غلاموں کا دستہ لے کر آگے بڑھا اور جوہر مردانگی دکھانے لگا۔ سلطان محمود نے جب ترکوں کی بہادری اور جرات کا یہ عالم دیکھا تو اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر قاضی الحاجات کی درگاہ میں فتح و کامرانی کی دعا مانگنے لگا۔ اس نے صدقات اور خیرات کی منتیں مانیں اور پھر ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہو کر' خدا کی رحمت کے سہارے دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ خداوند تعالیٰ کی رحمت سلطان محمود کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھے اس لیے اس کے ہاتھی نے پہلے ہی حملے میں ایلک خاں کے علمبردار کو اپنی سونڈ کی لپیٹ میں لے کر اوپر کی طرف اچھالا اور اس کے بعد ترکوں کی فوج کی طرف بڑھا اور ان گنت ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب غزنوی لشکر نے اپنے بادشاہ کو اس سرفروشی اور جانبازی کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو تمام فوج نے ایک ساتھ حریف پر حملہ کر دیا اور تلواروں اور نیزوں سے ترکوں کے سینے چھلنی کر دیے۔ ترکوں کی فوج میں ایسی پریشانی اور بدحواسی پھیلی کہ سپاہی اپنے سرداروں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگے۔ ایلک خاں اور قدر خاں (شاہ چین) نے بڑے مشکلوں سے اپنی جانیں بچائیں اور سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ دریائے جیحون کو پار کر کے اپنے ملک میں پہنچ کر ہی دم لیا۔

ایک دلچسپ واقعہ

تاریخ یمنی میں یہ لکھا ہے کہ ایلک خاں کو شکست دینے کے بعد سلطان محمود نے اس کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ زمانہ سردی کا تھا اور اس علاقے میں شدید برف باری ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر امیروں نے یہ مشورہ دیا کہ فوج کا بڑا حصہ اس سردی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ مگر چونکہ سلطان کو خود اس سلسلے میں بے حد اصرار تھا اس لیے فوج نے بھی چاروناچار سلطانی حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کے ساتھ لشکری بھی ایلک خاں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ روانگی کی تیسری رات جنگل میں شدید برف باری ہوئی اور اس قدر سخت سردی پڑی کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں ٹھٹھرنے لگے۔ سلطان محمود کے لیے ایک خیمہ لگایا گیا' سردی کے اثر کو ختم کرنے کے لیے اس خیمے میں انگیٹھیاں جلائی گئیں ان انگیٹھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لہٰذا خیمے میں اس قدر حدت پیدا ہو گئی کہ اکثر لوگ اپنے سردیوں کے موٹے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران ایک غلام سلطان محمود کے سامنے آیا سلطان نے ازراہ تفریح اس سے کہا۔ "باہر جا کر ذرا سردی سے کہو کہ تم کیوں اس قدر جان توڑ کوشش کر رہی ہو۔ ہمارا تو گرمی کے مارے یہ حال ہے کہ بدن سے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"
وہ غلام فوراً خیمے سے باہر گیا اور پھر لوٹ کر اندر آیا تو بادشاہ سے بڑے ادب سے عرض کیا۔ "میں نے حضور کا پیغام سردی کو پہنچا دیا ہے۔ سردی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کے خاص ندیموں پر میرا زور نہیں چلتا تو کیا ہوا' لیکن میں سائیسوں اور دوسرے ملازموں کو آج کی رات اس قدر تنگ کروں گی کہ کل صبح بادشاہ اور اس کے امیر اپنے گھوڑوں کی تیمارداری خود اپنے ہاتھوں سے کریں گے اور مجھ سے انہیں پھر کوئی کسی قسم کی شکایت نہ ہو گی۔" بادشاہ نے اگرچہ غلام سے تفریحاً ایک بات کہی تھی لیکن اس جواب سے وہ پشیمان ہوا اور افسردہ خاطر ہوا اور واپسی کا پکا ارادہ کر لیا۔

اب سارا کا ارتداد

اسی رات کا واقعہ ہے کہ ہندوستان سے یہ خبر پہنچی کہ اب سارا نے مرتد ہو کر پھر اپنے اسلاف کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور موقع پا کر اس نے بادشاہ کے کارندوں کو شہر سے باہر نکال دیا ہے۔ (یہ خبر سنتے ہی محمود نے ہندوستان جانے کا ارادہ کر لیا اور) صبح ہوتے ہی ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان منزل بہ منزل سفر کرتا رہا چند جاگیرداروں کو وہ پہلے روانہ کیا گیا تاکہ وہ جلد پہنچ کر اب سارا کو پکڑ کر بادشاہ

کے سامنے پیش کریں۔ اب سارا جب گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے آیا تو سلطان نے چار لاکھ درم (بطور جرمانہ) اس سے وصول کیے اور اپنے خزانچی کو دیئے اور اب سارا کو قید کر دیا' اس کو اسی عالم اسیری میں موت آئی محمود نے غزنی کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر چند ایام آرام اور چین سے گزارے۔

انندپال سے معرکہ

محمود نے جب ملتان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو راجہ انندپال نے کچھ نازیبا حرکتوں کا ارتکاب کیا تھا (ان حرکتوں کا انتقام لینے کے لیے) سلطان محمود نے ۳۹۹ھ میں ایک لشکر جرار تیار کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ یہ خبر سن کر انندپال بہت ہی پریشان ہوا اور اس نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد کی درخواست کی۔ چونکہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہندوؤں کے مذہب اور عقیدے کے مطابق ثواب اور ترقی درجات کا باعث ہے۔ اس لیے اجین' گوالیار' کالنجر' قنوج' دہلی اور اجمیر وغیرہ کے راجاؤں کے علاوہ بھی دوسرے راجاؤں نے بھی انندپال کی بہت مدد کی اور لشکر کے دستوں پر دستے پنجاب کی طرف روانہ کیے۔ امیر سبکتگین کے مقابلے پر جس قدر فوج پہلے جمع ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ اس بار جمع ہوئی یہ ساری فوج انندپال کی ماتحتی میں سلطان محمود کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئی اور پشاور کے جنگل میں محمود کی فوج سے آمنا سامنا ہوا۔ تقریباً چالیس روز تک فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن رہیں' لیکن کسی کی طرف سے جنگ کا آغاز نہ کیا گیا ہندوؤں کا لشکر دن بدن بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا اور انہیں چاروں طرف سے تازہ مدد ملتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھکر کے ہندوؤں نے بھی انندپال کی مدد کی اور اس سے جا ملے ان لوگوں نے بڑی قیامت برپا کی۔ مسلمانوں کی دشمنی اور معرکہ آرائی سے ہندو بہت پریشان ہوئے۔ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر اپنے شوہروں کو روپیہ بھجوایا کہ وہ اس روپے کو صرف کر کے اپنی ضروریات پوری کریں تاکہ مسلمانوں کے مقابلے کی جان توڑ کوشش کر سکیں۔ جن عورتوں کے پاس زیورات وغیرہ نہ تھے' وہ چرخہ کات کر اور محنت مزدوری کر کے اپنے عزیزوں او شوہروں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہیں۔ سلطان محمود کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہندو اس مرتبہ جانباری کا عہد لیے ہوئے ہیں تو اس نے بھی جنگ شروع کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لیا اور لشکر کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ ہندوؤں کا کسی طرف سے بس نہ چل سکے۔ اس کے بعد سلطان محمود نے جنگ کا آغاز کیا۔ سلطان کے حکم کے مطابق ایک ہزار تیز انداز آگے بڑھے اور انہوں نے دشمن پر تیر اندازی شروع کر دی اور سپاہیانہ داؤ پیچ سے دشمن کے لشکر کو اپنے لشکر کے قریب لے آئے۔ جب مسلمان لشکر ان کے مقابلے پر آئے تو باوجود کڑی احتیاط کے تیس (۳۰) ہزار کھکر سپاہی ننگے سر اور ننگے پاؤں عین لڑائی کے دوران دونوں طرف سے خندق پار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑے اور اپنے بھالوں اور تلواروں وغیرہ کی مدد سے سواروں اور گھوڑوں کو ہلاک کرنے لگے۔ ان کھکری وحشیوں نے تین ہزار مسلمانوں کو شہید کیا اور اس قدر ہمت و جرات کا مظاہرہ کیا کہ سلطان محمود نے اس روز لڑائی بند کر کے اپنی اپنی قیام گاہ پر واپس آ جانے کا ارادہ کر لیا۔۔۔۔۔۔ اچانک انندپال کا ہاتھی گولہ اور بارود وغیرہ کی آوازوں سے بھڑک کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ ہندو لشکری یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی بہادری اور تیغ زنی سے ڈر کر انندپال میدان جنگ سے بھاگا ہے۔ ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کو اس عالم میں دیکھ کر ہندو لشکریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ خود بھی راہ فرار تلاش کرنے لگے (ان بھاگنے والوں کا پیچھا کیا گیا) پانچ چھ ہزار عربی سواروں کے ساتھ عبداللہ طائی نے اور دو ہزار ترکی' افغانی اور خلجی بہادروں کے ساتھ ارسلان جاذب نے دو دن اور دو رات تک ان ہندو فراریوں کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تیس ہاتھی اور بے شمار قیمتی مال و اسباب حاصل کیا اور سلطان محمود کے سامنے جا کر رکھا۔

نگرکوٹ پر حملہ

اس عظیم کامیابی پر سلطان محمود کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور اس نے اسلام کی اشاعت کا پکا ارادہ کر لیا اور نگر کوٹ کے ہندوؤں سے

معرکہ آرائی کرنے اور وہاں کے مندر کو مسمار کرنے کے لیے روانہ ہوا- اس زمانے میں نگر کوٹ کا قلعہ "قلعہ بھیم" کے نام سے مشہور تھا- سلطان محمود منزل بہ منزل راستہ طے کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور آس پاس کی غیر مسلم آبادی کو وسیع پیمانے پر موت کے گھاٹ اتارا- یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک یہ قلعہ "بتوں کا گڑھ" تھا- گرد و پیش کے تمام راجہ انواع و اقسام کی اعلیٰ درجے کی اشیاء بطور نذرانہ وہاں بھیجتے تھے اور اپنے اس فعل کو تقرب خداوندی کا ایک بہت بڑا وسیلہ تصور کرتے تھے- چونکہ اس قلعے میں ہر چہار طرف سے دولت آ کر جمع ہوتی تھی اس لیے یہاں سونے' چاندی' جواہرات او موتیوں وغیرہ کا جس قدر بڑا ذخیرہ تھا' ویسا شاید ہی کسی بادشاہ کے خزانے میں ہو- یہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا یہاں کے مکین زیادہ تر برہمن اور مندر کے پجاری تھے- اس لیے سلطان محمود کے عظیم الشان لشکر کا رعب داب ان لوگوں پر اس قدر ہوا کہ وہ سخت ہراساں ہو گئے- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محاصرے کے تیسرے روز ان لوگوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان مانگی- سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور ان کی جان بخشی کی اور خود چند خاص ندیموں کے ہمراہ قلعے میں داخل ہوا- (اس قلعے سے سلطان نے بہت سی دولت اپنے قبضے میں کی) ساٹھ لاکھ اشرفیاں' سات سو من سونے اور چاندی کے اوزار' دو سو من خالص سونا' دو ہزار من خالص چاندی اور بیس من انواع و اقسام کے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانے میں اس مندر میں جمع ہو رہے تھے محمود کی ملکیت بن گئے- اور وہ دولت فراواں کو اپنے ساتھ لے کر غزنی کی طرف لوٹا-

۴۰۰ھ میں محمود غزنی پہنچا- وہاں اس نے شہر سے باہر ایک مکان بنوایا اور چند سونے اور چاندی کے تخت اس مکان میں بچھوائے اور جو مال و اسباب وہ نگر کوٹ سے لایا تھا' اس کو قرینے سے سجا دیا- تمام رعایا' کیا شہری اور کیا دیہاتی سبھی اس "نمائش" کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق آتے تھے یہ نمائش تین دن تک جاری رہی- سلطان نے بے شمار جشن کیے اور نیکوں اور مستحقوں کو اعزاز و اکرام اور عطیوں وغیرہ سے مالا مال کیا-

غور پر لشکر کشی

سلطان محمود نے ۴۰۱ ہجری میں غور پر حملہ کیا- محمد بن ثوری حاکم غور دس ہزار سوار لے کر مقابلے کے لیے نکلا دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوئی- سورج نکلنے کے وقت سے لے کر بارہ بجے دن تک یہ معرکہ آرائی بڑی شدت سے جاری رہا' غوری نے اس معرکے میں ہمت و مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے- جب سلطان محمود نے غوریوں کی جانبازی کا یہ عالم دیکھا تو فوراً اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ حریف کو دھوکا دے کر گرفتار کیا جائے- چنانچہ اس حکم پر یوں عمل کیا گیا کہ سلطان محمود کی فوج دشمن کے سامنے سے بھاگ نکلی- غوریوں نے یہ سمجھا کہ سلطان محمود کی فوج مقابلے کی تاب نہیں لا سکی اس لیے راہ فرار اختیار کر رہی ہے- لہٰذا انھوں نے اس "فراری لشکر" کا پیچھا کیا اور اس سلسلے میں خود اپنی کھودی ہوئی خندق پار کر گئے- جب غوریوں کا لشکر کھلے میدان میں آیا تو محمود نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر دی اور یوں غوریوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا ان کے لشکر کا بیشتر حصہ موت کے گھاٹ اتارا- سلطان محمود کی فوج محمد بن غوری کو گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے لائے غوری اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا- اس نے ایک زہر آلودہ نگینہ چوس کر محمود کی مجلس ہی میں اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دی-

غوری کی وفات کے بعد اس کا ملک سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا- "تاریخ یمنی" میں مذکور ہے کہ اس لڑائی سے پہلے اہل غور مسلمان نہ ہوئے تھے اور وہ اس واقعہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن صاحب "طبقات ناصری" اور فخر الدین مبارک شاہ وغیرہ مورخین جنھوں نے غور کے سلطانوں کی تاریخیں لکھی ہیں' اس امر پر متفق ہیں کہ اہل غور حضرت علی کے عہد خلافت میں مسلمان ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے زمانے میں جب تمام اسلامی ملکوں میں خاندان علی پر تبرا ظاہر کیا جاتا تھا تو غور ہی وہ قابل فخر مقام تھا جہاں کے

باشندے اہل بیت رسالتؐ کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے۔

ملتان پر حملہ

سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر و غضب سے ملتان کو فتح کر لیا۔ بہت سے قرمطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اکثر کے پاؤں اور ہاتھ کاٹے۔ داؤد بن نصیر کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اسے وہاں کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ داؤد نے اسی قلعے میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تھانیسر پر حملہ

۴۰۲ھ میں سلطان محمود کے دل میں ایک بار پھر جہاد کی لہر اٹھی اور اس نے تھانیسر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ محمود نے یہ سن رکھا تھا کہ تھانیسر کی حیثیت ہندوؤں کے نزدیک ایسی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے نزدیک کعبے کی (اسے یہ بھی معلوم تھا کہ) تھانیسر میں ایک بہت پرانا مندر ہے جس میں بڑے بڑے بت رکھے ہوئے ہیں اور سب سے بڑے بت کا نام "جگ سوم" تھا۔ جس کے متعلق ہندوؤں کا ایمان تھا کہ اس بت کا وجود اسی وقت ظہور میں آیا تھا جس وقت دنیا میں انسان پیدا ہوا تھا۔ تھانیسر پر حملہ کرنے کے خیال سے جب محمود پنجاب پہنچا تو اس نے محض اس صلحنامے کے خیال سے جو راجہ انندپال اور سلطان محمود کے درمیان ہوا تھا ایک قاصد انندپال کے پاس بھیجا اور اس کو مطلع کیا کہ اس بار میرا ارادہ تھانیسر پر حملہ کرنے کا ہے۔ چونکہ پنجاب سے تھانیسر تک کے راستے کی تمام مشکلات کو دور کرنا ہے اور راستہ صاف کرنا ہے اس لیے تم اپنے کچھ قابل اعتبار آدمی ہمارے ساتھ کر دو تاکہ جو قصبہ تمہارا ہو وہ میری فوج کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

انندپال نے اس حکم کی تعمیل کو اپنی حکومت اور سلطنت کی پائیداری کا سبب سمجھا اور فوراً ہی خاطر و تواضع کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے ملک کے تاجروں اور بنیوں کو حکم دیا کہ وہ غلہ و روغن وغیرہ ضروریات زندگی کو لشکر سلطانی میں پہنچانے کا انتظام کریں اور اس امر کا خیال رکھیں کہ لشکر کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ انند پال نے اپنے بھائی کو دو ہزار سواروں کے ہمراہ سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا ایک خط اس کے نام دیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "میں آپ کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر طرح سے حاضر ہوں اور آپ کا سچا فرمانبردار ہوں لیکن اس نیاز اور محبت کی بنا پر جو مجھے آپ کی ذات و برکات سے ہے اس قدر عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ تھانیسر کا مندر شہر والوں کی ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے۔ اگرچہ آپ کے مذہب کی رو سے بت شکنی ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ہے، لیکن نگر کوٹ کے قلعہ کی بت شکنی کر کے آپ اس مقصد کو پورا کر چکے ہیں۔ تھانیسر کے مندر کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ اس کو تاخت و تاراج نہ کریں اور اس کے عوض آپ جو مناسب خیال فرمائیں، طلب کر لیں۔ یہاں کی رعایا کو اپنا باجگزار بنا کر اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں تو یہ بندہ حقیر اپنی درخواست کی قبولیت کے شکریے کے طور پر ہر سال پچاس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت اشیاء ارسال خدمت کیا کرے گا۔

سلطان محمود نے ان باتوں کے جواب دیا کہ۔ "ہم مسلمانوں کا اس امر پر اعتقاد ہے کہ ہم اس دنیا میں جس قدر مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کریں گے اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کریں گے اگلے جہاں میں ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جب دنیا سے بت پرستی کے رواج کو ختم کر دینا ہی ہمارا مقصد ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تھانیسر جیسے بت پرستی کے مرکز کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کو فتح کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔"

جب یہ بات راجہ دہلی کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ ہندوستان کے کونے کونے میں یہ خبر گشت کروا دی کہ "سلطان محمود ایک لشکر جرار کے ساتھ میری سلطنت کے مشہور مندر تھانیسر پر حملہ کرنے کے

لیے آ رہا ہے۔ اگر پہلے ہی ہم نے اس سیلاب مصیبت کے روکنے کی تدبیریں نہ کیں تو ہر چھوٹا اور بڑا اس سیلاب کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائے گا۔ میرے نزدیک اس وقت یہی مناسب ہے کہ ہم سب آپس میں مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کریں۔" اس سے قبل کہ تمام ہندو آپس میں مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کرتے' سلطان تھانیسر پہنچ گیا۔ شہر کو خالی پا کر مسلمانوں نے غارت گری کا بازار گرم کیا۔ محمود نے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا سب سے بڑے بت "جگ سوم" کو غزنی بھجوا دیا اور یہ حکم دیا کہ اس بت کو بیچ راستے میں ڈال دیا جائے تاکہ چلنے والوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو کر رہ جائے۔ مورخ قندھاری کے بیان کے مطابق تھانیسر کے مندر سے سرخ یاقوت کا ایک ٹکڑا محمود کے ہاتھ لگا جس کا وزن (۴۵۰) مثقال تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس طرح کا جواہر آج تک سننے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

اس فتح کے بعد سلطان محمود نے دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' لیکن امیروں اور وزیروں نے اسے یہ سمجھایا کہ دہلی کو اسی وقت فتح کیا جا سکتا ہے جبکہ سارے صوبہ پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور انندپال کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ سلطان محمود نے امیروں' وزیروں کے اس مشورے کو قبول کیا اور دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس غزنی چلا آیا اور تقریباً دو لاکھ لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ لے گیا۔ مورخین کا بیان تھا کہ اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ غزنی بھی ہندوستان کا ایک شہر سمجھا جانے لگا لشکر سلطانی کے ہر رکن کے پاس کئی کئی لونڈیاں اور غلام تھے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ

سپہ سالار "التون تاش اور "ارسلان جاذب" نے ۴۰۳ھ میں غرجستھان کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم "شاہ سارا ابونصر" کو گرفتار کر کے غزنی میں لے آئے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ جس وقت غزنوی لشکر شاہ سارا ابونصر کو قید کر کی غزنی لا رہا تھا اس وقت ایک غلام نے یہ ارادہ کیا کہ غزنی پہنچنے سے پہلے اپنی بیوی کو حالات سے آگاہ کرے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس غلام نے شاہ ابونصر سے ایک خط لکھنے کی درخواست کی۔ شاہ سارا نے خط لکھنے سے اگرچہ بہت انکار کیا لیکن اس غلام کے بے حد اصرار سے مجبور ہو گیا۔ قلم کاغذ سنبھال کر اس ضدی غلام کی طرف سے اس کی بیوی کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا------ "اے بد چلن طوائف اور اے نابکار عورت! تو اپنے طور پر یہ خیال کرتی ہے کہ تیرے برے اعمال اور تیری سیاہ کاریوں کی مجھے خبر نہیں ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں تو جس طرح میری دولت کو ضائع کر رہی ہے اس سے میں باخبر نہیں ہوں ------ مگر تو یہ یاد رکھ کہ میں اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہوں کہ تو شب و روز بادہ خواری اور بدکاری میں گزارتی ہے اور یوں میرے گھر کو تباہ و برباد کر کے میری عزت کو خاک میں ملا رہی ہے۔ اگر میں صحیح و سلامت اپنے وطن آیا تو پھر تجھے درست کروں گا اور تیری بد اعمالیوں کی سزا دوں گا۔" اس خط کو سربمہر کر کے شاہ سارا نے غلام کو دے دیا جب یہ خط اس غلام کی بیوی تک پہنچا تو وہ خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر بڑی پریشان ہو گئی اور اس کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ دشمنوں نے جھوٹی سچی باتیں لگا کر اس کے شوہر کے کان بھرے ہیں۔ وہ بیچاری عورت اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ اپنی چند لونڈیاں لے کر اپنے گھر سے نکل کر کسی گوشے میں چھپ گئی (تاکہ جب اس کا شوہر واپس آئی تو اس سے برا سلوک نہ کرے) جب وہ غلام شاہ سارا کو غزنی پہنچا کر اپنے وطن واپس آیا اور اپنے گھر پر پہنچا تو وہاں اس نے گھر کا دروازہ بند پایا' گھر بالکل خالی تھا' اس نے دروازہ کھولا اور دیکھا یہاں تو آبادی کا نشان تک نہیں اور بھرا گھر ویران ہے۔ نہ بیوی ہی کی کوئی خبر ہے اور نہ لونڈیوں اور غلاموں کا کوئی اتہ پتہ! یہ عالم دیکھ کر اس غلام نے آس پاس کے رہنے والوں سے اصل حقیقت کے جاننے کی کوشش کی۔ اس پر ہمسایوں نے غلام کو اس "عجیب و غریب خط" کی بات بتائی۔ یہ سن کر وہ بے چارا اپنا سر پیٹنے اور رونے لگا۔ وہ ہر شخص سے کہتا تھا کہ مجھے خط کے مضمون کا مطلق علم نہیں ہے بے چارے نے اپنی بیوی کو بہت تلاش کیا اور آخر کار اس کو ڈھونڈ نکالا اور معذرت کر کے اس راضی کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب شاہ سارا ابونصر پہلی مرتبہ سلطان محمود کے دربار میں آیا تو بعض خوش مزاج مصاحبوں نے مندرجہ بالا واقعہ اس سے بیان کیا۔ محمود یہ قصہ سن

کر مسکرایا اور کہا جو شخص اپنے بزرگوں کا ادب نہیں کرتا اور اپنی حد سے باہر قدم رکھتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

خلیفہ بغداد سے خط و کتابت

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ العباسی کے نام ایک خط بھیجا۔ جس میں یہ درج تھا کہ "خراسان کا بیشتر حصہ چونکہ مملکت غزنویہ کے ماتحت ہے اس لیے یہ بہتر ہو گا کہ خراسان کا بقیہ حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔" خلیفہ بغداد نے سلطان محمود کی اس خواہش کی مجبوراً پورا کیا اور پورا خراسان سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد محمود نے خلیفہ سے کہا کہ سمرقند بھی ایک فرمان کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کر دیا اور محمود کو لکھا۔ "اگر تو میری مرضی کو خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں تمام دنیا کو تیرے خلاف ابھار دوں گا۔" یہ جواب پا کر محمود کو بڑا غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد سے کہا۔ "میں اب جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزارہا کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور بارگاہ خلافت کا ملبہ انہیں ہاتھیوں پر ڈال کر غزنی لے آؤں۔" یہ جواب پا کر قاصد واپس بغداد چلا گیا اور کچھ عرصے بعد ایک خط لے کر پھر غزنی آیا۔ جس وقت خلیفہ بغداد کا یہ قاصد خط لے کر پہنچا تو اس وقت محمود اپنی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ غلام ہاتھ باندھے ہوئے سامنے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ قاصد نے محمود کے سامنے حاضر ہو کر سربمہر خط پیش کیا اور کہا کہ خلیفہ نے فرمایا ہے کہ تمہارے خط کا جواب یہ ہے معاملات خارجہ کے امیر (وزیر) خواجہ ابونصر روزنی نے یہ خط کھولا اور دیکھا کہ اس میں بسم اللہ کے بعد چند سطور حروف مقطعات الم۔ ال م میں لکھی ہوئی ہیں اور ان سطور میں لکھا ہے۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوہ علی رسولہ والہ اجمعین۔ اس عجیب و غریب خط کو پڑھ کر اور سن کر سلطان محمود اور تمام درباری بڑے حیران ہوئے اور دیر تک غور کرتے رہے کہ اس تحریر سے خلیفہ بغداد کی کیا مراد ہے اور ان مقطعات سے کس امر کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا وہ سب پڑھی گئیں اور ان کے مفاہیم و مطالب پر غور کیا گیا' لیکن کسی کی سمجھ میں اس خط کا مطلب نہ آیا۔ کچھ دیر بعد خواجہ ابوبکر قستانی نے جنھیں ابھی سلطان محمود کے دربار میں کچھ زیادہ رسوخ حاصل نہ ہوا تھا۔ جرات سے کام لے کر عرض کیا----- "میرا خیال ہے کہ چونکہ آنجناب نے خلیفہ بغداد کو کوہ پیکر ہاتھیوں سے روند دینے کی دھمکی دی اس لیے ممکن ہے کہ خلیفہ نے اس کا جواب میں سورہ فیل کی طرف اشارہ کیا ہو اور ان مقطعات سے الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل مراد ہو۔" سلطان محمود نے جب یہ بات سنی تو اس کا ہوش جاتا رہا۔ جب ہوش آیا تو وہ بہت رویا اور خلیفہ بغداد کے قاصد سے معافی مانگی اسے بیش قیمت تحفے تحائف دے کر واپس بغداد روانہ کیا اور ابوبکر قستانی کو قیمتی خلعت دے کر اپنے امیروں کے گروہ میں شامل کر لیا۔

نندونہ کے قلعے پر حملہ

۴۰۴ھ میں سلطان محمود نے بالنات کے مشہور قلعہ نندونہ پر حملہ کیا اس زمانے میں راجہ انندپال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا لاہور کا راجہ تھا۔ جب اس راجہ کو محمود کے حملے کی اطلاع پہنچی تو اس نے محمود کا مقابلہ کرنا اپنی طاقت سے باہر پا کر چند سمجھ دار اور تجربہ کار لوگوں کے سپرد قلعے کو کیا اور خود درہ کشمیر میں جا کر چھپ گیا۔ محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور نقب زنی اور قلعے کے دروازے کو کھولنے کی دوسری تجویزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ اہل قلعہ نے عاجز ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور جان کی امان طلب کی محمود نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اپنے ایک معتمد خاص کو قلعے کا حاکم مقرر کیا اور خود درہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ انندپال کے بیٹے نے جب یہ خبر سنی تو وہاں سے بھی بھاگ نکلا۔ محمود نے درے پر قبضہ کر لیا بہت سامال غنیمت ساتھ لے کر اور بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کر کے محمود غزنی واپس آیا۔

ایک المناک حادثہ

۴۰۶ھ میں سلطان محمود نے کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' کشمیر کی حدود میں پہنچ کر اس نے "لوہ کوٹ" کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ اپنی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے بے حد مشہور و معروف تھا۔ اس لیے اس کے سر کرنے میں بڑی دیر لگی (اس دوران میں) سردی اور برف باری کی شدت ہو گئی اور غزنوی فوج کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اہل قلعہ کو دارالسلطنت کشمیر سے بھی مدد پہنچ گئی۔ ان وجوہ کی بنا پر محمود نے محاصرے سے دستبردار ہو کر غزنی واپس جانا مناسب سمجھا۔ واپسی پر فوج غلط راستے پر پڑ جانے کی وجہ سے ایک ایسی جگہ جا پہنچی جہاں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ سارا جنگل پانی سے بھرا ہوا تھا بہت سے لوگ اس پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کو تسخیر کرنے کے سلسلے میں سلطان محمود کو سب سے پہلے جو سب سے برا حادثہ پیش آیا وہ یہی تھا۔ الغرض چند دنوں کی حیرانی و پریشانی کے بعد محمود نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ بغیر کوئی کارنامہ سرانجام دیے ہوئے غزنی واپس آ گیا۔

اہل خوازم سے جنگ

اسی سال کا واقعہ ہے کہ ابوالعباس مامون خوارزم شاہ نے محمود کو ایک خط لکھا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ محمود اپنی بہن کی شادی خوارزم شاہ سے کر دے۔ محمود نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور اپنی بہن کو خوارزم شاہ کے عقد میں دے دیا۔ ۴۰۷ھ سلطان محمود کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ باغیوں نے فتنہ و فساد پیدا کر کے خوارزم شاہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی وہ غزنی سے بلخ پہنچا اور وہاں سے خوارزم کی طرف روانہ ہوا۔ جب سلطان محمود خوارزم کی سرحد کے قریبی علاقے حضر بند میں پہنچا تو اس نے اپنے ایک امیر محمد طائی نامی کو مقدمتہ الجیش بنا کر اپنے لشکر کے آگے روانہ کیا اور خود ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ غزنوی لشکر نے ایک جگہ قیام کیا اور جب تمام لشکری صبح کی نماز میں مشغول ہوئے تو اہل خوازم کے سپہ سالار نے جس کا نام خمار تاش تھا' ایک دم کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ آور ہوا اور بہت سے غزنوی لشکریوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ سلطان محمود نے نماز سے فارغ ہو کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں تمام لشکری اس کے غلامان خاص تھے۔ اس لشکر نے خمار تاش کا پیچھا کیا' خمار تاش گرفتار ہوا اور محمود کے سامنے لایا گیا۔ محمود اسے حراست میں لے کر ہزاراسپ کے قلعے کی طرف بڑھا اس قلعے کے قریب اہل خوارزم کی فوج ایک جگہ جمع ہو کر سلطان محمود کی فوج سے معرکہ آراء ہوئی۔ دونوں لشکروں میں زبردست جنگ ہوئی اس جنگ کے نتیجے میں اہل خوارزم کو شکست فاش ہوئی اور ان کا سپہ سالار اپتگین بخاری قید ہوا۔ اس کے بعد محمود نے خوارزم کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر عباس کے قاتلوں سے قصاص لیا اور اپنے امیر التون تاش کو خوارزم شاہی کا خطاب دے کر "خوارزم اور آورکند" کا حکمران مقرر کیا۔ خوارزم کو فتح کرنے کے بعد محمود بلخ پہنچا اور اپنے بیٹے امیر مسعود کو ہرات کا حاکم مقرر کیا۔ نیز ابو سہل محمد بن حسین زوزنی کو مسعود کا وکیل مقرر کر کے اس کے ساتھ روانہ کیا۔ محمود نے اپنے دوسرے امیر محمد کو گورگان کا حاکم بنایا اور ابوبکر قستانی کو اس کے ہمراہ روانہ کیا۔

قنوج پر لشکر کشی

خوارزم کی مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد محمود نے سردیوں کے دن بست میں گزارے تاکہ سپاہیوں کو آرام کا موقع مل جائے۔ سردیوں کی رخصت کے بعد ۴۰۹ھ میں جب کہ موسم بہار کی آمد آمد تھی' آب و ہوا میں اعتدال تھا اور چاروں طرف سبزی اور شگفتگی کا دور دورہ تھا' محمود نے قنوج جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے ساتھ ایک لاکھ لشکری اپنے خاصے کے اور بیس ہزار دیگر مسلمانوں میں سے جو ترکستان' ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ سے جہاد کی نیت سے آئے ہوئے تھے اور اس امر کے منتظر تھے کہ محمود سفر پر روانہ ہو۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ گشتاسپ سے لے کر محمود کے عہد تک کسی غیر قوم کے فرد (یعنی غیر ہندوستانی) نے قنوج پر حملہ کشی نہیں کی۔ اس مدت کے بعد محمود پہلا شخص ہے جس نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا۔ غزنی سے لے کر قنوج تک کا راستہ تین مہینوں میں طے ہوتا ہے۔

راستے میں سات بڑے بڑے دریا پڑتے ہیں کہ جنھیں عبور کرنا پڑتا ہے (محمود نے یہ سفر با آسانی طے کر لیا) جب وہ کشمیر کی حدود میں پہنچا تو والیے کشمیر نے سلطان کی خدمت میں بیش قیمت تحفے اور نذرانے پیش کیے۔ محمود نے بھی اسے شاہی عنایات سے سرفراز کیا۔ والیے کشمیر محمود کے لشکر کا مقدمتہ الجیش بن کر ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ سفر کی منزلیں طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر جب قنوج پہنچا تو قلعے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ عظیم الشان قلعہ اپنی مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ قنوج کے راجہ کا نام "کورا" تھا۔ باوجود اس کے کہ یہ راجہ اپنے وقت کا زبردست فرمانروا تھا، مگر مسلمانوں کے لشکر کی کثرت اور سلطان محمود کی حشمت و شوکت دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے محمود کا مقابلہ کرنے کی سکت اپنے آپ میں نہ پائی اس نے قاصد بھیج کر محمود سے اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا چونکہ اس راجہ کی قسمت ابھی بگڑی نہ تھی۔ اس لیے وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے بیٹوں اور درباریوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا اور سلطان محمود کی خدمت میں پہنچ کر اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ محمود نے راجہ کورا سے بڑی محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور اسے اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل کر لیا۔ صاحب "حبیب السیر" کا بیان ہے کہ محمود کی اطاعت کے ساتھ ساتھ راجہ کورا مشرف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا۔ "واللہ اعلم باصواب"

قلعہ میرٹ کی فتح

قنوج میں تین روز قیام کرنے کے بعد محمود نے قلعہ میرٹ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ (جب محمود کی آمد کی خبر ہوئی تو) اس قلعے کا راجہ جس کا نام ہروت تھا۔ قلعے کو چند قابل اعتبار درباریوں کے سپرد کر کے خود کسی جنگل کی طرف نکل گیا۔ اہل قلعہ محمود کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے لہٰذا انھوں نے دو لاکھ پچاس ہزار (۲۵۰۰۰۰) روپے اور تیس ہاتھی پیش کر کے جان کی امان طلب کی، محمود نے اس نذرانے کو قبول کر لیا اور جان کی امان دے دی۔

قلعہ مہاون کی فتح

میرٹ کے قلعے کی فتح کے بعد محمود قلعہ مہاون کو فتح کرنے کے ارادہ سے چلا جو دریائے جمنا کے کنارے پر واقعہ ہے۔ اس قلعے کا حاکم راجہ گل چند کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریا پار کر کے اترنا ہی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فوج اس کے سر پر آ پہنچی۔ یہ عالم دیکھ کر گل چند نے پہلے تو خنجر سے اپنی بیوی اور بیٹے کے سر کاٹ ڈالے اور بعد ازاں یہی خنجر اپنے پیٹ میں بھونک لیا۔ اس قلعہ سے بہت سا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ دیگر اشیاء کے ساتھ اسی (۸۰) کوہ پیکر ہاتھی بھی ملے۔

متھرا کی فتح

ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد محمود نے متھرا کی طرف توجہ کی اس نے یہ سن رکھا تھا کہ اس علاقے میں متھرا نام کا ایک شہر آباد ہے جو سری کرشن کی جنم بھومی ہے، چونکہ ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے اوتار ہیں۔ اس لیے متھرا کی دولت اور یہاں کی آبادی اپنی مثال آپ ہے اور اس شہر میں ایسی عجیب و غریب اشیاء ہیں کہ جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ محمود نے جب متھرا پر حملہ کیا تو باوجود اس کے کہ یہ شہر راجہ دہلی کے زیر نگیں تھا، کوئی بھی محمود کے مقابلے میں نہ آیا۔ لہٰذا وہ بغیر کسی روک ٹوک کے متھرا پر قابض ہو گیا اور اس نے دل کھول کر اس شہر کو تاراج و برباد کیا۔ بہت سے بت خانوں کو جو شہر اور اس کے گرد و پیش آباد تھے، توڑا اور جلایا اور ان سے بے شمار زر و جواہر حاصل کیا۔ متھرا کی بلند عمارتوں اور مندروں کو دیکھ کر محمود بہت حیران ہوا۔ اس کی حیرت کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے فتح کے بعد غزنی کے (بعض) امیروں کو لکھا تھا۔ اس خط میں محمود نے متھرا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "اس شہر میں ایک ہزار بلند ترین محل ہیں جن میں سے زیادہ تر سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور مندر تو اتنی تعداد میں ہیں کہ میں ان کو توڑتے

توڑتے تھک گیا ہوں، لیکن ان کا شمار نہیں کر سکا۔ اگر کوئی اس قسم کی عمارت بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ ایک لاکھ اشرفیاں صرف کرنے کے بعد، دو سو سال کے عرصے میں بہت ہی مشاق اور ماہر معماروں کے ہاتھوں اس کام کو انجام دیا جا سکے۔

مورخین کا بیان ہے کہ بے شمار مال غنیمت کے علاوہ پانچ سونے کے بنے ہوئے بت بھی تھے جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان کی قیمت پچاس (۵۰) ہزار زر سرخ تجویز گئی تھی۔ ان بتوں میں سے ایک بت میں ارزقی یاقوت کا بھی ایک ٹکڑا جڑا ہوا تھا۔ جس کا وزن چار سو مثقال تھا۔ جب یہ بت پاش پاش کیا گیا تو اٹھانوے ہزار تین سو (۹۸۳۰۰) مثقال سونا اس میں سے برآمد ہوا۔ ان پانچ سونے کے بتوں کے علاوہ سو بت اور تھے، جن میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی اور جو سب کے سب چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان بتوں کو توڑ کر جو چاندی حاصل کی گئی وہ اتنی زیادہ تھی کہ ایک سو اونٹوں پر لادی گئی۔ اس بت شکنی کے بعد سلطان محمود نے متھرا کی مشہور عمارتوں کو نذر آتش کر دیا اور بیس (۲۰) روز قیام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔

سات قلعوں کی فتح

مورخ الفی کا بیان ہے کہ اثنائے راہ میں محمود نے یہ سنا کہ متھرا کہ قریب ہی دریا کہ کنارے سات قلعے آباد ہیں جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی محمود نے ان قلعوں کا رخ کیا اور جب ان قلعوں کے حاکم نے محمود کی آمد کی خبر سنی تو وہ بدحواس ہو کر بھاگ گیا، محمود نے ان قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ محمود نے ان قلعوں میں ان بت خانوں کو بھی دیکھا جن کی بنیاد چار ہزار سال قبل پڑی تھی۔ ان بت خانوں کو محمود نے خوب لوٹا اور ان کے تمام مال و اسباب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قلعہ منج کی فتح

ان قلعوں کی فتح کے بعد مسلمانوں کے لشکر نے قلعہ منج کا رخ کیا یہ قلعہ بہادر سپاہیوں اور ہر طرح کی ضروریات کے سامان سے پر تھا۔ محمود نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ (۱۵) روز تک قلعہ کشائی کی تدبیریں عمل میں لاتا رہا۔ اس دوران میں سلطان محمود نے قلعہ کا محاصرہ بڑی سختی سے کر کے آمدورفت کے تمام راستے مسدود کر رکھے تھے جب اہل قلعہ کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان قلعہ فتح کیے بغیر نہ رہیں گے تو ان میں سے بہتوں نے قلعے سے اتر کر اپنی جانیں اپنے ہاتھوں سے تلف کر دیں۔ کچھ نے اپنے بال بچوں سمیت اپنے آپ کو نذر آتش کر کے ہلاک کر دیا اور جو لوگ باقی بچے وہ قلعہ کا دروازہ کھول کر خنجر بکف باہر نکل آئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور یہ سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ محمود نے اس قلعے کے تمام مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ چندپال کی فتح

اس کے بعد محمود نے قلعہ چندپال کا رخ کیا۔ راجہ چندپال نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنا عبث اور مشکل ہے، راہ فرار اختیار کی۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور بیش قیمت جواہرات وغیرہ لے کر قریب کی پہاڑیوں میں جا چھپا محمود نے اس قلعے کے بقیہ مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

راجہ چند رائے پر حملہ

قلعہ چندپال کی فتح کے بعد محمود نے قریب ہی کے ایک مغرور اور سرکش راجہ چند رائے سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چند رائے نے بھی چندپال ہی کی تقلید کی اور مع اپنے اہل و عیال کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ چندپال کے پاس ایک نہایت ہی طاقتور اور کوہ پیکر ہاتھی تھا جو پورے ہندوستان میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ محمود نے اس ہاتھی کو خریدنے کے لیے بارہا کوشش کی تھی، لیکن وہ کامیاب نہ ہوا تھا۔ چند رائے کے فرار کے بعد وہ ہاتھی اتفاق سے ایک رات بغیر فیل بان کے اپنے تھان سے بھاگا اور محمود کے خیمے کے پردے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ محمود کے چوبداروں نے بغیر کسی زحمت و تکلیف کے اس ہاتھی کو پکڑ لیا اور محمود کے

سامنے پیش کیا۔ محمود اس ہاتھی کو یوں اچانک اپنے قبضے میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا چونکہ یہ ہاتھی بغیر کسی قسم کی محنت اور معاوضے کے محض تائید خداوندی سے ملا تھا' لہٰذا محمود نے اس خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منایا اور اس ہاتھی کا نام خداداد رکھا اور اسے اپنے ہمراہ غزنی لے کر آیا۔

"عروس فلک" مسجد کی تعمیر

جب سلطان محمود اپنے دارالسلطنت غزنی واپس پہنچا' تو اس نے حکم دیا کہ اس تمام مال غنیمت کی فہرست بنائی جائے اور قیمت کا اندازہ کیا جائے جو اس سفر میں ہاتھ لگا ہے۔ فوراً اس حکم شاہی کی تعمیل کی گئی' حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں بیس ہزار اشرفیاں' کئی لاکھ روپے' پچاس ہزار لونڈی غلام' تین سو پچاس ہاتھی اور دوسری بہت سی بیش قیمت اشیاء سلطان محمود کے ہاتھ آئی ہیں۔ محمود کا سفر چونکہ بڑا کامیاب رہا تھا اور اسے متعدد فتوحات نصیب ہوئی تھیں۔ اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس نعمت خداوندی کے شکریہ کے طور پر غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جائے۔ اس عمارت کو سنگ مرمر سے بنایا جائے اور دیگر بیش قیمت و گراں قدر پتھر' مربع' مسدس' مثمن اور مدور' ہر صورت کے تراش کر اس عمارت میں نصب کیے جائیں تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبصورتی اور متانت سے متاثر ہوں اور صاحب عمارت کی ہمت عالی کی داد دیں۔

جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو سلطان محمود نے اس کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا' خوب صورت قندیلوں سے اسے بقعہ نور بنا دیا۔ روشنی کی کثرت اور آرائش کی خوبی کی وجہ سے لوگ اس مسجد کو "عروس فلک" کہنے لگے ...... اس مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالیشان مدرسے کی بنیاد ڈالی اور مدرسے کے کتب خانے میں نایاب اور اعلیٰ کتب جمع کیں۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کر دیئے گئے' تاکہ طلبا' مدرسین اور دیگر عملے کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ محمود کا مسجد اور مدرسے کو تعمیر کروانا' امیروں اور ارکان سلطنت کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا اور انہوں نے اپنے بادشاہ کی تقلید کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مختصر سے عرصے میں غزنی میں بیشمار مسجدیں' درسگاہیں' سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہو گئیں۔

چند نوادرت

سفر قنوج میں سلطان محمود کے ہاتھ جہاں اور بہت سی بیش قیمت اشیاء آئیں۔ وہیں ایک عجیب و غریب مرغ بھی تھا' جو اپنی صورت و شکل کے لحاظ سے قمری سے مشابہ تھا۔ اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس جگہ موجود ہوتا اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا' تو اس پر اضطراب کی حالت طاری ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگتے۔ اس عجیب و غریب پرندے کو سلطان محمود نے چند دیگر گراں قدر تحائف کے ساتھ خلیفہ القادر باللہ عباسی کے پاس بغداد بھجوا دیا۔ اس مرغ کے علاوہ ایک عجیب و غریب پتھر بھی محمود کو ملا تھا' اس پتھر کی یہ خاصیت تھی کہ اگر کسی شخص کے جسم پر کوئی زخم ہوتا اور وہ کتنا ہی کاری کیوں نہ ہوتا' اگر اس پتھر کو گھس کر اس پر لگا دیا جاتا تو وہ زخم فوراً ہی مندمل ہو جاتا۔

فتح نامہ محمود

سلطان محمود نے ۴۱۰ھ میں ایک "فتحنامہ" جس میں اس کی تمام ہندوستانی فتوحات کی تفصیل درج تھی' خلیفہ بغداد کی خدمت میں ارسال کیا۔ جب یہ "فتحنامہ" خلیفہ کو ملا تو اسی وقت ایک بہت بڑی محفل اس غرض سے منعقد کی کہ یہ فتحنامہ خدا کے بندوں کو بلند آواز پڑھ کر سنایا جائے۔ لوگوں نے جب اس "فتحنامہ" کو سنا' تو بے اختیار خداوند باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور کفر و ظلمت کی تباہی و تاراجی پر مسرت کا اظہار کیا' نیز سلطان محمود کی جرات و ہمت پر آفرین کی اور خدا سے دعا کی کہ آئندہ بھی اس کو فتح و کامرانی نصیب ہو۔ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ جس روز یہ محفل منعقد ہوئی اس دن بغداد کا ہر فرد انتہائی خوش تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آج کا دن گویا عید ہی کا

دن ہے۔ تمام لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ عرب' عجم' روم اور شام میں جو کارنامے صحابہ کرام نے سرانجام دیئے وہی بعینہ ہندوستان میں سلطان محمود کی ذات سے ظہور میں آئے۔ جن کی وجہ سے محمود نے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت حاصل کی۔

بدویوں کی سرزنش

۴۱۲ھ کا واقعہ ہے کہ علماء اور زاہدوں کے ایک گروہ نے سلطان محمود کی خدمت میں گذارش کی کہ آپ ہر سال ہندوستان جاکر تو کفار سے معرکہ آرائی کرتے ہیں اور وہاں مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں لیکن آپ نے اب تک بیت اللہ کے راستے پر نظر نہیں کی۔ ایک مدت سے کعبہ کا راستہ بدویوں اور قرمطیوں کی راہزنی کی وجہ سے بند پڑا ہوا ہے اور مسلمان لوٹ مار کی وجہ سے حج کی ثواب سے محروم ہیں یہ ظاہر ہے کہ خلافت عباسی میں اب اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اس مقدس راستے کو ان رہزنوں سے پاک و صاف کرے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آپ ہی اس سلسلے میں کوئی اقدام فرمائیں ------ سلطان محمود نے اس التجا کو قبول کیا اور اپنی سلطنت کے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصر ناصحی کو حاجیوں کے ایک قافلے کا امیر مقرر کیا اور بدویوں کو لوٹ مار سے باز رکھنے کے لیے (۳۰) ہزار اشرفیاں ابو محمد ناصحی کے سپرد کیں اور قافلے کو مکے کی جانب روانہ کیا۔ اس قافلے کے ساتھ غزنی کے بہت سے امیر اور سردار بھی حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں بعد یہ قافلہ مختلف منزلیں طے کرتا ہوا ایک جنگل میں پہنچا اور فید نامی ایک مقام پر قیام کیا' بدویوں نے معمول کے مطابق اس قافلے کو لوٹنا چاہا۔ ابو محمد ناصحی نے بدویوں سے صلح کرنی چاہی اور پانچ (۵) ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھجوائیں تاکہ وہ اہل قافلہ کو دق نہ دیں' لیکن بدویوں کے سردار حماد بن علی نے صلح کرنے سے انکار کیا اور اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دیا۔ جب بدویوں نے قافلے پر چھاپہ مارا تو اہل قافلہ نے انہیں منتشر کرنے کے لیے تیر چلانا شروع کر دیئے۔ اتفاق سے ایک ترکی غلام (جو ماہر تیرانداز تھا) کا تیر بدویوں کے سردار حماد بن علی کے سر پر لگا۔ وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ بدویوں نے فوراً اس کو اٹھایا اور اہل قافلہ کے سامنے سے بھاگ گئے۔ اس حادثے کے بعد ابو محمد ناصحی مع اپنے قافلے کے راستے کی تمام مشکلات کو جھیلتے ہوئے کعبے تک پہنچے اور حج کرنے کے بعد صحیح سلامت غزنی واپس آئے۔

راجہ انندپال سے معرکہ

اسی سال یعنی ۴۱۲ھ میں سلطان محمود کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے لوگ قنوج کے راجہ کورا کے خلاف ہو گئے ہیں اور چاروں طرف سے اس پر لعنت و ملامت کی جا رہی ہے۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ کالنجر کے راجہ نندا پال نے قنوج پر حملہ کر دیا کہ کورا نے سلطان محمود کی اطاعت کیوں قبول کی اس حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ کورا قتل کر دیا گیا۔ محمود کو جب معلوم ہوا تو اس نے کثیر لشکر فراہم کیا اور بہت سے ساز و سامان کے ساتھ راجہ نندا سے انتقام لینے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا لشکر جب دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو راجہ انندپال کا بیٹا جو محمود سے کئی بار شکست کھا چکا تھا۔ راجہ نندا کی مدد کے لیے محمود کے راستے میں حائل ہوا۔ اس زمانے میں دریائے جمنا میں پانی بہت چڑھا ہوا تھا اور وہ بہت گہرا تھا۔ اس لیے محمود کے لشکر کے لیے دریا کو پار کرنا بہت مشکل ہو گیا اور ہر شخص دریا کے پار کرنے کے سلسلے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ اتفاق سے محمود کے آٹھ خاصے کے غلام ہمت کر کے دریا کے پار اتر گئے اور ہندوؤں کے لشکر سے جا ملے اور اپنے حملے سے تتر بتر کر دیا۔ انندپال کا بیٹا اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا۔ یہ آٹھوں غلام ہندی لشکر کو شکست دینے کے بعد ایک قریبی شہر میں داخل ہو گئے اور خوب جی کھول کر انہوں نے شہر کو لوٹا اور وہاں کے مندروں کو مسمار کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ صرف آٹھ آدمیوں نے کس طرح اتنے بڑے لشکر کو شکست دی۔ اس شبے کو یوں دور کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ آٹھ اشخاص سلطانی لشکر کے آٹھ امیر ہوں اور ہر ایک اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کے پار اتر کر ہندوؤں سے معرکہ آراء ہوا ہو۔

راجہ نندا سے جنگ

انند پال کو شکست دینے کے بعد مسلمانوں کی فوج نندا کی طرف بڑھی۔ کالنجر پہنچ کر محمود کو معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر بہت بڑا ہے اور وہ چھتیس (۳۶) ہزار سواروں، پینتالیس (۴۵) ہزار پیادوں اور چھ سو چالیس ہاتھیوں پر مشتمل ہے۔ محمود نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر ہندوؤں کے لشکر کا معائنہ کیا اور ان کی کثرت کو دیکھ کر دل ہی دل میں اپنے آگے بڑھنے سے پشیمان ہوا لیکن اس نے اپنا حوصلہ پست نہ کیا اور اپنے سر کو بارگاہ خداوندی میں جھکا کر بڑے خشوع و خضوع سے فتح کی دعا مانگی۔ محمود کا لشکر جس روز کالنجر پہنچا اور اس نے فتح کی دعا مانگی۔ اسی رات نندا کے دل میں محمود کا خوف کچھ ایسا بیٹھا کہ وہ اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر راتوں رات میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ صبح کو جب محمود نے یہ خبر سنی تو وہ ہندوؤں کے لشکر میں آیا اور آس پاس کے تمام کمیں گاہوں کو دیکھ کر ہندوؤں کی طرف سے پورا پورا اطمینان کر لیا، جب اسے اس باب کا کامل یقین ہو گیا کہ دشمن کی قوت ختم ہو چکی ہے تو اس نے دل کھول کر غارت گری کا بازار گرم کیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت اس قدر آیا کہ اس کی تفصیل بیان سے باہر ہے۔ کالنجر کے قریب ایک جنگل سے مسلمان لشکریوں نے پانچ سو اسی (۵۸۰) ہاتھی پکڑے۔ محمود چونکہ پنجاب اور دوسرے علاقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہ تھا۔ اس لیے اس نے اسی قدر فتح پر اکتفا کیا اور غزنی واپس آ گیا۔

قیرات اور ناردین کی فتح

کالنجر کی فتح کے بعد محمود کو معلوم ہوا کہ ابھی تک قیرات اور ناردین کے باشندے بت پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں اور باوجود اسلامی فتوحات کی کثرت کے انہوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا نیز خود سری بھی ان میں ابھی موجود ہے۔ یہ سنتے ہی محمود نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور سناروں، بڑھیوں اور سنگتراشوں کی ایک بڑی جماعت لے کر لشکر کے ہمراہ قیرات اور ناردین کی طرف روانہ ہوا۔

محمود نے پہلے تو قیرات پر حملہ کیا۔ قیرات اپنی آب و ہوا کی وجہ سے ایک سرد مقام ہے، جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام اپنے سبزہ زاروں اور پھلوں کے باغوں کی وجہ سے دنیا بھر میں اپنی شہرت رکھتا ہے۔ اس شہر کے حاکم نے مع اپنی رعایا کے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے محمود کو اس کے فتح کرنے میں کچھ زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

قیرات کی فتح کے بعد سلطان محمود نے خود تو وہیں قیام کیا اور حاجب علی بن ارسلان جاذب کو ناردین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ اس نے ناردین کو فتح کیا اور بہت سی لونڈیوں، غلاموں اور مال و دولت پر قابض ہوا۔ جب حاجب علی بن ارسلان جاذب نے ناردین کے سب سے بڑے مندر کو مسمار کیا تو عمارت کے ایک حصے سے ایک زرد پہلا منقش پتھر برآمد ہوا۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس مندر کی تعمیر کو چالیس (۴۰) ہزار سال کا زمانہ گزر چکا ہے۔ محمود نے جب ناردین کی فتح کی خبر سنی تو وہ خود وہاں پہنچا اور اس شہر میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کروایا۔ اس مقام کی حکومت اس نے علی بن قدر سلجوقی کو سونپی اور خود غزنی واپس آ گیا۔

لاہور کی فتح

۴۱۲ھ میں سلطان محمود نے اپنی عنان فتح کو کشمیر کی طرف موڑا اور نواح کشمیر میں پہنچ کر "لوہ کوٹ" کے قلعے کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ ایک مہینے تک رہا۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے محمود اپنی تمام کوششوں کے باوجود اسے فتح نہ کر سکا۔ یہ عالم دیکھ کر اس نے لوہ کوٹ کی تسخیر کا خیال ترک کیا اور لاہور کی طرف چل پڑا۔ لاہور پہنچنے کے بعد اس نے خود تو شہر میں ہی قیام کیا، لیکن اپنی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کر کے شہر کے مختلف حصوں میں غارت گری کے لیے روانہ کیا۔ سپاہیوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے خوب جی کھول کر شہر اور اس کے آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں کو لوٹا اور بے شمار مال غنیمت لے کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انند پال کا بیٹا جو لاہور کا راجہ تھا اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ سلطان محمود کے لشکر کا مقابلہ کرتا، لہٰذا وہ

کمزور اور ضعیف راجہ اجمیر کی طرف بھاگ گیا اور وہاں کے راجہ کے سائے میں پناہ لی- سلطان محمود نے لاہور پر قبضہ کر کے اسے اپنے ایک قابل اعتماد امیر کے سپرد کیا اور پنجاب کے دوسرے مقبوضات کی حکومتیں بھی قابل اور دیانتدار عاملوں کے سپرد کر کے ملک گیری کے اصولوں اور قوانین کے پیش نظر غارت گری اور لوٹ مار سے ہاتھ کھینچ لیا- لاہور میں اس نے ایک بہت بڑا لشکر متعین کیا اور اس ملک کے تمام حصوں میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرانے کے بعد اس نے موسم بہار کی ابتداء میں غزنی کو واپسی کے لیے اپنا رخت سفر باندھا-

راجہ نندا پر لشکر کشی

۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے ایک بار پھر راجہ نندا کے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا- اس سلسلے میں جب وہ قلعہ گوالیار کے قریب پہنچا تو طمع نے اس کو اس قلعے کا محاصرہ کرنے پر مجبور کیا- لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا جب محاصرے کو چار دن گزر گئے تو اس قلعے کے راجہ نے اس شرط پر محمود سے صلح کی درخواست کی کہ وہ پینتیس (۳۵) ہاتھی محمود کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرے گا- محمود نے اس درخواست کو قبول کر لیا (اور صلح کر لی)

گوالیار کے راجہ سے صلح کرنے کے بعد سلطان محمود راجہ نندا کے ملک یعنی کالنجر میں پہنچا- راجہ نندا نے بھی تین سو (۳۰۰) ہاتھیوں کی پیش کش پر صلح کی درخواست کی- محمود نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور اس سے وعدے کے مطابق تین سو ہاتھی طلب کیے- راجہ نندا نے محمود کے لشکر کا امتحان لینے کی غرض سے تین سو مست ہاتھی بغیر فیلبانوں کے قلعے سے باہر نکال کر جنگل میں چھوڑ دیئے- محمود نے اپنے ترک لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ ان ہاتھیوں کو پکڑ کر ان پر سوار ہو جائیں ان لشکریوں نے فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی- راجہ نندا نے محمود کی تعریف میں ہندی زبان میں ایک شعر لکھ کر اس کے پاس بھیجا- سلطان محمود نے مشہور ہندوستانی' عربی اور عجمی شعراء کو جو اس کے دربار میں ملازم تھے' یہ شعر سنایا سب نے اس شعر کو بہت پسند کیا اور دل کھول کر اس کی تعریف کی- اس شعر کی خوبی اور لطافت سے متاثر ہو کر سلطان محمود نے راجہ نندا کے پاس پندرہ قلعوں کا فرمان بھیجا کہ جن میں کالنجر کا قلعہ بھی شامل تھا- راجہ نے اس فرمان کے شکریے کے طور پر بہت سے بیش قیمت جواہرات اور دوسری گراں قدر اشیاء محمود کی خدمت میں پیش کیں- راجہ نندا کے اس خلوص سے سلطان محمود بہت خوش ہوا اور اس سے کسی قسم کا تعرض کیے بغیر اپنے دارالسلطنت غزنی کو واپس چلا گیا-

بلخ میں محمود کا ورود

۴۱۵ھ میں سلطان محمود نے اپنی فوج کی جانچ پڑتال کی حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سپاہ کے علاوہ جو مملکت کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے محمود کے پاس چون ہزار (۵۴۰۰۰) سوار' اور تین سو ہاتھی ہیں- محمود نے اس فوج کو مرتب کیا اور بلخ کی طرف روانہ ہوا- اس زمانے میں ماوراء النہر کے باشندے علی تگین کے ظلم و استبداد سے تنگ آ کر فریاد و فغاں کر رہے تھے- اس لیے جونہی سلطان محمود کی فوج دریائے جیحون کے پار اتری ماوراء النہر کے تمام نامی گرامی امراء اور روساء سلطان محمود کے استقبال کے لیے آئے- اور ہر شخص نے اپنی حیثیت کے مطابق بارگاہ سلطان میں نذرانہ عقیدت پیش کیا- یوسف قدر خاں بھی جو سارے ترکستان کا فرمانروا تھا- محمود کے استقبال کے لیے آیا اور بڑے خلوص اور محبت سے ملا- محمود بھی اس سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا اور اس کی خاطر تواضع اور مہمانداری میں کئی روز تک جشن مسرت منایا- الغرض یہ دونوں حکمران ایک دوسرے سے بڑے خلوص سے ملاقات کرنے اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد رخصت ہوئے- علی تگین کو جب سلطان محمود کی آمد کی خبر ملی تو وہ ڈر کے مارے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا- محمود نے اپنے چند قابل اعتبار آدمی اس کے پیچھے روانہ کیے جنہوں نے اسے گرفتار کر کے بارگاہ سلطان میں پیش کیا- سلطان محمود نے علی تگین کو پابہ زنجیر کر کے ہندوستان کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا اور خود غزنی واپس چلا گیا-

فتح سومنات

۴۱۵ھ میں محمود کو اس کے چند قابل اعتبار لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (موت کے بعد) انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ دریا کا اتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی عبادت ہے۔ جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جنہیں محمود نے پاش پاش کیا ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا۔ اسی لیے اس نے ان بتوں کی طرف داری نہیں کی۔ ورنہ اس میں اس قدر قوت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحے میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ برہمنوں کے اعتقاد کے مطابق سومنات بادشاہ ہے اور باقی تمام بت اس کے دربان اور مصاحب ہیں۔ محمود نے جب یہ بے معنی افسانے سنے تو اس کے دل میں جہاد کا شوق پھر چٹکیاں لینے لگا اور اس نے سومنات کو فتح کرنے کا اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس مقصد کے پیش نظر سلطان محمود نے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور دیگر تیس (۳۰) ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ سے جہاد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ اور بیس (۲۰) شعبان ۴۱۵ھ کو سومنات کی طرف چل دیا۔

کچھ سومنات کے بارے میں

اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا اور یہ دریائے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے پر واقع تھا یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک کعبے کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ شہر بندر دیو میں ہے اور اہل فرنگ کے قبضے میں ہے بعض تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چند غیر مسلم ایک بہت بڑا بت' خانہ کعبہ سے ہندوستان میں لائے تھے'' اس بت کا نام سومنات تھا' اسے اس جگہ نصب کیا گیا۔ لہٰذا اس مقام کا نام بھی اس بت کے نام پر رکھا گیا' لیکن برہمنوں کی ان کتابوں سے جو اسلام کے ظہور سے کئی ہزار سال پہلے تصنیف کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ روایت غلط ہے (ان کتابوں کے بیان کے مطابق) یہ بت سری کرشن کے زمانے سے تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے مطابق سری کرشن نے اس جگہ دنیا اور اہل دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔

محمود کے سفر کے حالات

رمضان المبارک ۴۱۵ھ کے وسط میں سلطان محمود مع اپنے لشکر کے ملتان پہنچا یہاں سے آگے راستے میں ایک خشک اور بے آب و گیاہ جنگل پڑتا تھا۔ اس لیے سلطان نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند دنوں کا پانی اور غلہ رکھ لیں اس کے علاوہ خود اس نے بھی بیس (۲۰) ہزار اونٹوں پر غلہ اور پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب اس خطرناک جنگل کا سفر تمام ہو گیا تو محمودی لشکر اجمیر کی سرحد پر جا پہنچا' اجمیر کا راجہ محمود کی آمد کی خبر سن کر روپوش ہو گیا تھا' اس لیے حسب معمول سلطانی لشکر نے جی کھول کر اس شہر کو تاراج کیا۔ لیکن اجمیر کے قلعے کو تسخیر کرنے کی کوشش میں وقت صرف نہ کیا گیا کیونکہ محمود کا ارادہ سومنات کو فتح کرنے کا تھا لہٰذا یہاں سے یہ لشکر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں سلطان محمود کو چند اور قلعے ملے اگرچہ ان قلعوں میں بہادر سپاہی بھی تھے اور سامان جنگ کی بھی فراوانی تھی' لیکن محمود

کے سر پر خدا کی رحمت کچھ اس طرح سایہ کیے ہوئے تھی کہ ان قلعوں میں بسنے والوں نے بجائے جنگ کرنے کے محمود کے خوف سے اپنے قلعے مع تمام مال و اسباب کے محمود کے سپرد کر دیئے۔ ان قلعوں سے فرصت حاصل کرنے کے بعد محمود نہروالہ میں جسے پٹن گجرات بھی کہا جاتا ہے پہنچا۔ اس شہر کے تمام باشندے سلطان محمود کے خوف سے شہر خالی کر کے کہیں اور جا چکے تھے۔ لہٰذا محمود کے حکم سے اس شہر کا تمام غلہ اپنے ساتھ لاد لیا گیا اس کے بعد لشکر نے بڑی تیز رفتاری سے سفر طے کیا اور سومنات کے قریب جا پہنچا۔

سومنات میں ورود

جب مسلمانوں کا لشکر سومنات کے قریب دریا کے کنارے پر پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت ہی بلند ہے اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔ اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے اور چلا چلا کر مسلمانوں کو یہ کہہ رہے تھے ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ کر لایا ہے تاکہ ایک ساتھ ہی تم سب کو تباہ و ہلاک کر دے اور اس صورت سے تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے کہ جنہیں تم نے پاش پاش کیا ہے۔

معرکہ آرائی

مسلمانوں کے زبردست لشکر نے اپنے باہمت اور دلیر بادشاہ سلطان محمود کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ کر معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی یہ ہمت اور اولو العزمی دیکھی تو وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے قلعے کی دیوار سے نیچے قلعے کے اندر اتر گئے اور مندر میں جا کر سومنات سے فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ مسلمان بہت سی سیڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصے پر چڑھ گئے۔ اور بلند آواز سے تکبیر کا نعرہ مارا اس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی۔ جب رات کے آثار نمایاں ہونے لگے اور چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا تو اسلامی لشکر اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آ گیا۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو پھر مسلمانوں نے حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعے کے اس حصے سے پسپا کر دیا اور گزشتہ دن کی طرح سیڑھیاں لگا کر قلعے کے چاروں طرف سے اہل قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر اہل سومنات مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور سومنات کے بت سے بغل گیر ہو ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ "مارو مارو" کی آوازیں لگاتے ہوئے وہ اس قدر لڑے کہ ایک ایک کر کے تقریباً سبھی ہلاک ہو گئے۔

تیسرے روز ہندوؤں کے وہ لشکر جو قلعے کے آس پاس جمع تھے اہل قلعہ کی مدد کے لیے مسلمانوں کے سامنے مقابلہ پر آ گئے محمود نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو قلعے کے محاصرے سے واپس بلایا اور اسے ساتھ لے کر اس بیرونی لشکر سے نبرد آزما ہوا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ عالم دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل لرز لرز اٹھے۔ "پرم دیو" اور "دا شبلیم" کے لشکروں کے یکے بعد دیگرے آ جانے سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان جنگ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں محمود کو جب اس بات کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو کر ایک گوشے میں آیا اور حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا۔ اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ اس نے خداوند تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اپنے لشکر میں واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے ہندوؤں پر ایک زبردست حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

اس معرکے میں تقریباً پانچ (۵) ہزار سومناتی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ لشکر اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی اپنی جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں جا کر پناہ لیں۔ محمود نے پہلے ہی سے ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا اور کشتیوں میں مسلمان لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بٹھا کر ان کشتیوں کو دریا میں چھوڑ رکھا تھا تاکہ وہ بھاگنے والوں کا راستہ روکیں لہٰذا جس وقت ہندو کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اسی وقت مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کر

کے ان کی کشتیوں کو غرق آب کر دیا۔

فتح سومنات کے بعد

جب ہندوؤں کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو سلطان محمود اپنے بیٹوں اور معززین سلطنت کو ساتھ لے کر قلعے میں داخل ہوا۔ اور قلعے کے ہر ہر حصے کو بغور دیکھنے لگا عمارت کو دیکھنے کے بعد سلطان محمود ایک اندرونی راستے کے ذریعے بت خانے میں پہنچا اس نے دیکھا کہ بت خانہ اپنے طول و عرض کے لحاظ سے اچھا خاصہ بڑا تھا اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت چھپن (۵۶) ستونوں پر قائم تھی۔ بت خانے میں سومنات رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی پانچ (۵) گز تھی جس میں دو (۲) گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ اور تین (۳) گز اوپر نظر آتا تھا' یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جب محمود کی نظر اس پر پڑی تو اس کی اسلامی غیرت کے جوش نے شدت اختیار کی۔ لہٰذا اس نے گرز سے جو اس کے ہاتھ میں تھا' ایک کاری ضرب لگائی اور اس بت کا منہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس بت میں سے پتھر کے دو ٹکڑے کاٹ کر علیحدہ کیے جائیں اور غزنی بھجوا دیئے جائیں ان میں سے ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوان سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔ (اس حکم کی تعمیل کی گئی) چنانچہ اس وقت سے لے کر اب تک چھ سو (۶۰۰) سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود یہ ٹکڑے وہیں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سومنات کے بت سے دو اور ٹکڑے علیحدہ کیے گئے' جو مکے اور مدینے بھیجے گئے تاکہ انہیں عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر سلطان محمود کی ہمت و جرات کی داد دیں۔

تاریخ میں یہ واقعہ پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سلطان محمود نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہمنوں کے طبقے نے معززین سلطنت کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا معززین سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچاتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ اس درخواست کو قبول کر لینے میں ہمارا فائدہ ہے۔ بت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہو گا اگر ہم اس بت کو نہ توڑنے کے معاوضے میں کوئی معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا فائدہ ہو گا۔ اس کے جواب میں محمود نے ان سے کہا تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے لیکن اگر تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے "محمود بت فروش" کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو مجھے "محمود بت شکن" کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے محمود بت شکن پکارا جائے۔ نہ کہ "محمود بت فروش" محمود کی نیک نیتی اسی وقت رنگ لائی اور جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے ان گنت اور بیش قیمت جواہر اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ رقم سے سو (۱۰۰) گنا زیادہ تھی۔

لفظ سومنات کی اصل

"حبیب السیر" میں لکھا ہے کہ تمام مورخین اس امر سے متفق ہیں کہ "سومنات" اس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے تمام باشندے بتوں کا سردار مانتے ہیں' لیکن حضرت "شیخ فرید الدین عطار" کے قول کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ "سومنات" سوم "اور نات" سے مرکب ہے "سوم" مندر کا نام ہے اور "نات" اس بت کا جو مندر میں رکھا ہوا تھا۔ اس عاجز مورخ فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ جو کچھ قدیم مورخین نے لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت عطار کا قول بھی ان مورخین کے بیان کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ لفظ "سومنات" "سوم" اور "نات" سے مرکب ہے۔ لیکن "سوم" اس راجہ کا نام ہے جس نے یہ بت بنایا اور "نات" خود اس بت کا علم ہے۔ دونوں لفظ استعمال کی کثرت کی وجہ سے "بعلبک" کی طرح ایک ہو گئے۔ اور یہ مفرد لفظ اس بت کا نام پڑ گیا بلکہ یہاں تک ہوا کہ مندر اور شہر بھی سومنات کے نام سے موسوم ہو گئے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اگر بت کا نام سومنات ہو یا "نات" دونوں ہی درست ہیں۔

ہندی زبان میں نات کے معنے بزرگ یا بڑے کے ہیں جیسا کہ الفاظ جگ نات وغیرہ سے ظاہر ہے کہ "جگ نات" بھی جاگ اور نات سے مرکب ہے "جگ" کے معنی خلائق کے ہیں اور "نات" کے معنی خالق، لیکن ازروئے محاورہ اب ان الفاظ کے لغوی معانی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ دونوں لفظ مل کر اسم مفرد کی صورت میں کسی خاص شخص کا نام سمجھے جاتے ہیں۔

کچھ سومنات کے مندر کے بارے میں

(سومنات کا مندر ہندوؤں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا) جب کبھی سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار (۲۳۰۰۰۰) آدمی جمع ہوتے، جن میں سے بیشتر دور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے کے لیے آتے تھے۔ ہندوستان کے راجہ اس مندر کے اخراجات کے لیے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وغیرہ وقف کیا کرتے تھے جس وقت سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا تھا اس وقت تقریباً دو ہزار قصبوں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لیے وقف تھی۔ اس مندر میں ہروقت دو ہزار برہمن پوجا پاٹ کے لیے موجود رہتے تھے۔ یہ پجاری روزانہ رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سومنات اور گنگا کا درمیانی فاصلہ (۶۰۰) کوس کا ہے۔ ان پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر باندھ رکھی تھی جس کا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں پوجا پاٹ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا اور گھنٹیاں بجنے لگتیں اور ان گھنٹیوں کی آواز سے پجاری عین وقت مقررہ پر پوجا کے لیے مندر میں حاضر ہو جاتے یہاں پانچ سو (۵۰۰) گانے بجانے والی عورتیں اور تین سو (۳۰۰) مرد سازندے ملازم تھے، جن کے اخراجات وقف شدہ دیہاتوں اور قصبوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ پجاریوں کے سر اور داڑھیاں مونڈھنے کے لیے تین سو حجام ہروقت یہاں موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے بیشتر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لیے مندر میں بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر میں مختلف فرائض سرانجام دیتی تھیں۔

اس مندر سے سلطان محمود کو جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہو گا تاریخ "زین المآثر" میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت "سومنات" رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجے کے جواہرات کی شعاعیں تھیں۔ یہ جواہرات مندر میں قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ اسی تاریخ (زین المآثر) میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سومنات کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی بڑی تعداد میں برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ تقریباً ناممکن ہے چنانچہ حکیم سنائی ارشاد کرتے ہیں۔

کعبہ و سومنات چوں افلاک شبذز محمود و از محمد پاک

ایں زکعبہ بتاں بروں انداخت آں زکیں سومنات ایرداخت

راجہ پرم دیو کی سرزنش

جب سلطان محمود سومنات کی تباہی و غارت گری سے بالکل فارغ ہو گیا تو اس نے نہروالہ کے عالی شان راجہ پرم دیو کو راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا۔ جن دنوں سلطان محمود سومنات کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ان دنوں راجہ پرم دیو نے جرات و ہمت سے کام لے کر ایک بڑا لشکر سومنات کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر سے جنگ کرنے میں تقریباً دو تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ محمود کے ذہن میں راجہ پرم دیو کی اس جسارت کی یاد پوری طرح محفوظ تھی جس کا انتقام لینا بہت ضروری تھا۔ سومنات کی فتح کے بعد راجہ پرم دیو اپنے دارالسلطنت نہروالہ سے فرار ہو کر کندھ کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا تھا سومنات سے کندھ کا فاصلہ چالیس کوس کا تھا۔ سلطان محمود نے اس فاصلے کی کوئی پروانہ کی اور منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا کندھ جا پہنچا۔ جب مسلمانوں کا لشکر کندھ کے قلعے کے قریب پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑی خندق نظر آئی جو قلعے کو چاروں طرف سے محیط کیے ہوئے تھی۔ یہ خندق پانی سے پر تھی اور اسے عبور کرنے کا کوئی راستہ نہیں

تھا محمود کے لشکر کے غوطہ خوروں نے اس پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کہیں سے بھی خندق کی تھاہ نہ ملی۔ آخر کار ہندی غوطہ خوروں نے ایک ایسی جگہ کا پتہ چلالیا جہاں گہرائی کم تھی اور اس خندق کو عبور کرنا ممکن تھا۔ ان غوطہ خوروں کا بیان تھا کہ اگر اس کو عبور کرتے وقت پانی میں ہلچل پیدا ہو گئی تو سارا لشکر تباہ ہو جائے گا یہ سن کر سلطان محمود نے قرآن کریم سے استخارہ کیا اور اجازت ملنے پر خدا کی ذات بابرکات پر بھروسا کر کے اس نے اپنے امیروں اور لشکریوں کے ہمراہ پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور صحیح و سلامت سارا لشکر پار اتر گیا اور قلعے پر ایک دم حملہ کر دیا۔ پرم دیو اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر، بھیس بدل کر مسلمانوں کی آنکھوں سے بچ بچا کر فرار ہو گیا۔

قلعہ کندھ پر قبضہ

راجہ پرم دیو کے فرار ہوتے ہی اہل قلعہ نے قلعے کے دروازے کھول دیئے اور اسلامی فوج نے قلعے کے اندر داخل ہو کر بہت سے غیر مسلموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قلعے پر قبضہ کر لیا نیز ہندوؤں کی عورتوں اور بچوں کو اپنا قیدی بنا لیا گیا۔ محمود نے حکم دیا کہ راجہ پرم دیو کے خزانے کی تمام دولت اور جواہرات وغیرہ شاہی خزانے میں جمع کیے جائیں جس کے دروازے پر ہمیشہ "ہل من مزید" کا نقارہ بجتا رہتا ہے۔

نہروالہ کی طرف کوچ

سلطان محمود نے قلعہ کندھ فتح کرنے کے بعد خاص نہروالہ کی طرف کوچ کیا یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ باشندوں کے حسن و جمال زمین کی سرسبزی و شادابی، آب رواں کی کثرت اور دولت کی فراوانی کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ شہر ہندوستان کا بہترین علاقہ ہے اس علاقے کی بہترین آب و ہوا اور دوسری خوبیوں پر سلطان محمود کے دل میں یہ خیال آیا کہ چند سال تک یہیں قیام کرے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو اس کے دل میں یہ امنگ بھی اٹھی کہ اس علاقے کو اپنی سلطنت کا مرکزی مقام بنا لے اور غزنی کی حکومت سلطان مسعود کے حوالے کر دے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمود کی اس خواہش کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں نہروالہ میں خالص سونے کی چند کانیں بھی تھیں اور انہیں کے لالچ نے اسے نہروالہ کا والہ و شیدا بنا دیا تھا۔ ممکن ہے یہ روایت درست ہو مگر اس وقت تو نہروالہ میں سونے کی کسی کان کا نام و نشان بھی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہ کانیں معدوم ہو گئیں ہوں۔ جیسا کہ سلطان محمود ہی کے ابتدائی زمانے میں سیستان میں سونے کی ایک کان تھی لیکن اس کے آخری زمانے میں ایک زلزلہ آنے سے معدوم ہو گئی۔

سراندیپ اور پیکو وغیرہ پر حملے کا ارادہ

اس کے بعد محمود نے چاہا کہ سراندیپ، پیکو اور اسی قسم کی دوسری بندرگاہوں کو اپنے قبضے میں لائے کہ جہاں سونے اور یاقوت کی کانیں ہیں۔ اس خواہش کے مدنظر اس نے لشکریوں کو کشتیوں میں بٹھا کر ان جزائر تک پہنچانے کا حکم دیا تاکہ ان علاقوں کی بیش قیمت اور نفیس اشیاء کو حاصل کیا جا سکے، لیکن محمود کی سلطنت کے ارکان نے اس موقعے پر یہ عرض کیا کہ "ہم نے خراسان کو ایک عرصے کے بعد خس و خاشاک سے پاک کیا ہے اور ان گراں قدر جواہر پر بہت سی عزیز اور پیاری جانیں قربان کی ہیں۔ لہٰذا ان قربانیوں کے پیش نظر اس ہر دلعزیز شہر کو چھوڑ کر گجرات کو دارالسلطنت بنانا دور اندیشی نہیں ہے۔" سلطان محمود کو ارکان سلطنت کا یہ مشورہ قابل قبول معلوم ہوا اور اس نے غزنی کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔

نہروالہ کے حکمران کا انتخاب

روانگی کے وقت سلطان محمود نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کسی "ایسے شخص کو منتخب کرو جسے اس ملک کا حاکم بنایا جا سکے اور یہاں کی

حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی جائے۔" درباریوں نے آپس میں مشورہ کیا اور محمود سے کہا "چونکہ دوبارہ اس علاقے کی طرف ہمارے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہیں کے کسی شخص کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جائے۔" یہ رائے سن کر سومنات کے شہریوں سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ اس شہر کے معززین نے محمود سے کہا۔ "اس شہر کے باشندوں میں کوئی گروہ یا خاندان حسب و نسب میں "داشلیم" خاندان کی برابری نہیں کر سکتا۔ آج کل اس خاندان کا ایک فرد برہمنوں کا بھیس بدل کر عبادت اور ریاضت میں ہمہ تن مشغول ہے۔ اگر جہاں پناہ یہ ملک اسی کے سپرد کر دیں تو مناسب ہو گا۔" لیکن اہل سومنات کے ایک دوسرے طبقے نے اس مشورے کی مخالفت کی اور کہا۔ "داشلیم خاندان کا یہ فرد بڑا تند مزاج اور خشک طبیعت آدمی ہے اس نے چند بار حکمران بننے کا خواب دیکھا اور ہر بار اپنے بھائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اب جان بچانے کے لیے مندر میں پناہ گزین ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی عبادت و ریاضت سچے دل سے نہیں ہے بلکہ زمانے کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔ ہاں اس کے رشتہ داروں میں ایک ایسا شخص ضرور موجود ہے جو بڑا عقل مند اور سمجھ دار ہے اور ہندوستان کے تمام برہمن اس کی ہربات کو عقل اور فراست کا گراں قدر جوہر سمجھ کر فوراً قبول کر لیتے ہیں اور یہ شخص فلاں ملک کا حاکم بھی ہے۔ اگر جہاں پناہ اس کے نام اس ملک کا فرمان صادر فرمائیں گے تو وہ بڑے خلوص سے خدمت عالی جاہ میں حاضری دے گا۔ اس کے علاوہ وہ مقررہ خراج ہر سال باوجود اس قدر فاصلے کے شاہی خزانے میں داخل کرتا رہے گا۔" سلطان محمود نے اس کے جواب میں کہا۔ "اگر وہ شخص خود میرے پاس آکر یہ درخواست کرتا تو ممکن تھا کہ میں اس کی درخواست قبول کر لیتا' لیکن اس قدر وسیع ملک ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا جسے میں نے دیکھا بھی نہیں اور جو خود بھی ایک ملک کا حکمران ہے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

داشلیم مرتاض کا نہروالہ کا حاکم مقرر ہونا

ان مشوروں کے بعد آخر کار سلطان محمود نے داشلیم مرتاض کو نہروالہ کی حکمرانی کے لیے منتخب کر لیا اسے بلایا اور نہروالہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ داشلیم مرتاض نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد سلطان محمود سے کہا۔ "میرا ہم قوم فلاں داشلیم میرا جانی دشمن ہے۔ اسے جب یہ معلوم ہو گا کہ آپ مجھے نہروالہ کی حکومت سونپ کر اپنے ملک واپس چلے گئے ہیں تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر ضرور حملہ کرے گا۔ چونکہ اس وقت میری حکومت کی بنیادیں پوری طرح مضبوط نہیں ہیں اس لیے اس کے غالب آ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ مجھ پر اتنا کرم اور کریں کہ اس دشمن کی شرارتوں سے مجھے مطمئن کر دیں تو میں اس عنایت کے شکرانے کے طور پر کابل اور زابل کے خراج سے دگنی رقم شاہی خزانے میں ہر سال جمع کیا کروں گا۔" محمود نے اس کے جواب میں اس سے کہا۔ "ہم لوگ اپنے ملک سے جہاد کی نیت سے نکلے ہیں اور دو سال گزر چکے ہیں ہم نے غزنی کی صورت نہیں دیکھی اگر ہم (تمہارے دشمن داشلیم پر لشکر کشی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ ہمیں چھ مہینے اور اپنے وطن سے علیحدہ رہنا ہو گا لیکن خداوند تعالیٰ کی رضا پر چلنے والوں کے لیے یہ دو سال اور ڈھائی سال برابر ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ہم چلتے چلتے اس قصے کو ختم کر دیں۔

داشلیم دشمن مرتاض پر حملہ

اس کے بعد سلطان محمود نے اپنے لشکر کو داشلیم دشمن مرتاض کے ملک کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور محمود نے وہاں پہنچ کر تھوڑی سی مدت میں اس ملک کو فتح کر لیا۔ اور راجہ داشلیم (دشمن مرتاض) کو گرفتار کر کے مرتاض کے حوالے کر دیا۔ داشلیم مرتاض نے سلطان محمود سے عرض کی کہ "ہمارے مذہب میں کسی بادشاہ کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے ہاں یہ دستور رائج ہے کہ جب ایک راجہ دوسرے راجہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک اور اندھیری کوٹھڑی بنوا کر مفتوح راجہ کو اس میں قید کر دیتا ہے۔ اس کوٹھڑی کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور قیدی کو اس سوراخ کے

ذریعے کھانا اور پانی پہنچایا جاتا ہے یہ قید اس وقت تک رہتی ہے جب تک فاتح و مفتوح دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے۔ چونکہ اس وقت میرے پاس نہ تو ایسا کوئی قید خانہ ہے اور نہ ہی مجھ میں ابھی اتنی قوت ہے کہ دشمن کو اس طرح قید میں رکھ کر اس کی حفاظت کروں۔ نیز آپ کے چلے جانے کے بعد مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں اس راجہ کے ہمدرد علم بغاوت بلند کر کے اسے میرے قبضے سے چھڑا نہ لیں۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قیدی کو میرے پاس چھوڑنے کی بجائے اپنے ساتھ غزنی لے جائیں اور جب میری حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو میں اپنا آدمی بھیج کر اس قیدی کو منگوا لوں گا۔" سلطان محمود نے مرتاض کی درخواست منظور کر لی اور ڈھائی برس کے بعد غزنی کی حکومت کی طرف روانہ ہوا۔

غزنی کو واپسی

جب سلطان محمود نے غزنی کی طرف روانہ ہوا تو اس زمانے میں پرم دیور اور راجہ اجمیر نے ایک لشکر جرار تیار کر کے سلطان محمود کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی' لیکن محمود نے اس وقت ان سے جنگ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور راستہ بدل کر سندھ کے راستے ملتان کی طرف نکل گیا اس راستے میں بعض مقامات پر پانی اور شادابی نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کو طرح طرح کی ناقابل برداشت مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑا اور بڑی مشکلوں کے بعد سلطان محمود ۴۱۷ھ میں غزنی پہنچا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان محمود سندھ کے جنگلوں میں سفر کرتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے یہ مناسب خیال کیا کہ راستے بتانے کے لیے کوئی رہبر ساتھ لے لینا چاہیے۔ ایک ہندو نے راہبری کا کام سنبھالا اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ اس ہندو راہبر نے قصداً لشکر کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جہاں دور دور تک پانی نہ تھا۔ ایک ایسے جنگل سے اس لشکر کا گزر ہوا جہاں سپاہیوں کو ایک دن اور ایک رات تک پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ ہوا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ لشکریوں کے لیے وہ جنگل میدان قیامت بن گیا۔ سلطان محمود نے یہ عالم دیکھ کر اس ہندو رہبر سے پوچھا کہ آخر وہ کس طرف سے لشکر کو لے کر جا رہا ہے اس نے جواب دیا۔ "میں سومنات کے جاں نثاروں میں سے ہوں اور آپ کو اور آپ کی فوج کو جان بوجھ کر اس جنگل میں لایا ہوں تاکہ آپ سب کو تباہ و برباد کیا جائے جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ سلطان محمود نے جب یہ جواب سنا تو اسے بے انتہا غصہ آیا اور اس ہندو رہبر کو فوراً وہیں قتل کر ڈالا۔

اسی رات کو سلطان محمود اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک گوشے میں آیا اور اپنے سرنیاز کو خاک پر رکھ کر اس نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ مسلمانوں کو جلد از جلد اس بلائے ناگہانی سے نجات دے۔ رات ابھی تھوڑی ہی گزری تھی کہ اس جنگل میں شمال کی جانب ایک روشنی نظر آئی۔ سلطان محمود نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور اسی روشنی کے تعاقب میں چلنے کا اشارہ کیا بادشاہی لشکر نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر تمام رات کی مسافت کے بعد آخر کار صبح کے وقت پانی کے کنارے پر پہنچ گیا اور اس طرح بادشاہ کی نیک نیتی اور خلوص کی بدولت لشکر نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

داشلیم مرتاض کی بدقسمتی

جب داشلیم مرتاض نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو اچھی طرح مضبوط کر لیا اور وہ سومنات پر پوری قوت کے ساتھ حکومت کرنے لگا تو اس نے چند سال کے بعد سلطان محمود کی خدمت میں اپنے ایلچی روانہ کیے۔ اور داشلیم (جو مرتاض کا دشمن اور سلطان محمود کے پاس قید تھا) کی واپسی کا تقاضہ کیا۔ تاکہ وہ اسے اپنے دستور کے مطابق سزا دے سکے ان ایلچیوں کے ہاتھ مرتاض نے بہت سے گراں قدر جواہرات اور سالانہ خراج کی رقم بھی سلطان محمود کی خدمت میں روانہ کی۔ سلطان محمود کو اس قیدی داشلیم کی حالت پر رحم آیا اور وہ اس کو واپس بھیجنے میں پس و پیش کرنے لگا۔ سلطنت کے امیر اور وزیر داشلیم مرتاض کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھے۔ اس لیے

انہوں نے سلطان سے کہا۔ "کافروں پر رحم کرنا اسلام کے احکامات کے خلاف ہے اور آپ نے دا بشلیم مرتاض سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کرنا آپ کے شایان شان نہیں ہے۔" ان معززین کے کہنے پر سلطان محمود نے دا بشلیم قیدی کو مرتاض کے ایلچیوں کے سپرد کر دیا اور یہ ایلچی اس قیدی کو اپنے ہمراہ لے کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ سومنات کی حدود میں پہنچے تو انہوں نے مرتاض کو اپنی آمد کی خبر دی اس عبادت گزار راجہ نے یہ خبر سن کر اپنے کارکنوں کو مطابق دستور قید خانہ تیار کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے قیدی کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ مرتاض نے ایک طشت اور لوٹا بھی ساتھ لے لیا تاکہ وہ انہیں دستور کے مطابق قیدی کے سر پر رکھ کر اسے اپنے گھوڑے کے ساتھ بھگاتا ہوا لائے اور اسی حالت میں اسے قید خانے تک پہنچائے۔

راستے میں مرتاض ایک جگہ پر رک گیا اور سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ شکار کی تلاش میں اس نے بڑی بھاگ دوڑ کی اور آخر کار دھوپ کی شدت سے تنگ آ کر ایک درخت کے نیچے سائے میں دم لینے کے لیے بیٹھ گیا۔ شکار کے لیے بھاگ دوڑ کی وجہ سے مرتاض کی حالت خستہ ہو رہی تھی لہٰذا وہ اپنے چہرے پر ایک سرخ رومال ڈال کر وہیں لیٹ گیا۔ اسی عالم میں قضائے الٰہی سے اس کی قسمت کا پانسہ پلٹا گیا۔ (ہوا یہ کہ) ایک سخت چنگل پرندے نے سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھا اور نیچے اتر کر اس رومال پر ایسا زور کا جھپٹا مارا کہ اس پرندے کے ناخن مرتاض کی آنکھوں میں گھس گئے اور اس کی آنکھیں زائل ہو گئیں۔ چونکہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ کسی ایسے شخص کو راجہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جس کے جسم کے کسی حصے میں کسی قسم کا کوئی نقص ہو۔ اس لیے راجہ کے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر شخص نے مرتاض کی اطاعت سے انکار کر دیا عین اسی وقت دا بشلیم قیدی بھی وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ مرتاض کے بعد اس قیدی کے علاوہ اور کوئی سلطنت کا مستحق نہ تھا اس لیے اسی قیدی کو حکمرانی کے لیے منتخب کیا گیا اور مرتاض کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو دا بشلیم قیدی کے ساتھ ہونے والا تھا یعنی اس کے سر پر وہی طشت اور لوٹا رکھا گیا اور قیدیوں کی طرح اسے گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے لایا گیا اور قید خانے میں داخل کر دیا گیا خدا کی قدرت بھی عجیب و غریب ہے چند لمحوں کے اندر کیا سے کیا ہو گیا۔ جو سزا مرتاض نے اپنے قیدی کے لیے تجویز کی تھی وہ اسے خود ہی بھگتنی پڑی۔ مثل مشہور ہے کہ "چاہ کندہ را چاہ در پیش" اس کے مصداق مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانے میں داخل ہوا اور تمام عمر اپنی بدقسمتی کا ماتم کرتا رہا اس واقعے سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے متعلق شیخ سعدی نے کیا عمدہ بات کہی ہے۔ "یہ سچ ہے کہ خدا کی قدرت ایک لمحے میں کسی ایک شخص کو تخت شاہی سے اتار کر فرش پر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے کو مچھلی کے پیٹ میں بھی تمام آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔"

عجیب و غریب بت

"جامع الحکایات" میں مذکور ہے کہ سلطان محمود نے نہروالہ کے سفر میں شہر کے مندر میں ایک ایسا بت بھی دیکھا جو بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا۔ سلطان اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا' اس نے اپنے دربار کے علماء فضلاء سے اس کی وجہ پوچھی ان لوگوں نے بہت غور و خوض کے بعد جواب دیا کہ اس بت خانے کی چھت اور تمام دیواریں مقناطیسی پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے۔ آس پاس کی مقناطیسی کشش اور اس بت میں خاص تعلق ہے ہر جانب کی کشش مساوی ہونے کی وجہ سے بت کسی ایک طرف جھکنے نہیں پاتا اور بالکل درمیان میں معلق ہو گیا ہے۔ اس بات کو آزمانے کے لیے سلطان نے حکم دیا کہ اس بت خانے کی ایک دیوار گرا دی جائے فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی جونہی ایک جانب کی دیوار گری یہ بت بھی زمین پر گر پڑا۔

خلیفہ بغداد کا خط بنام محمود

جس سال سلطان محمود سفر سومنات سے کامیاب و کامران واپس آیا اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کے نام ایک خط لکھا اور اسی کے ساتھ خراسان' ہندوستان' نیمروز اور خوارزم کا لوائے سلطنت بھی عطا کیا۔ اس خط میں خلیفہ نے سلطان محمود اور اس کے

بیٹوں اور بھائیوں کو خطابات سے نوازا تھا جن کی تفصیل یہ ہے۔

سلطان محمود کہف الدولہ والاسلام

امیر مسعود امیرالدولہ جمال الملت

امیر محمد جلال الدولہ جمال الملت

امیر یوسف عضد الدولہ موید الملت

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ "تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ گے ہم بھی اسی کو قبول کریں گے۔" سلطان محمود کو یہ خط جس وقت موصول ہوا وہ اس وقت بلخ میں تھا اس نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کر دیا۔

جتائی قوم پر حملہ

اسی سال سلطان محمود نے قوم جتائی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قوم کوہ جودی کے دامن میں دریا کے کنارے پر آباد تھی (حملہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ) جب سلطان سومنات کی فتح کے بعد اپنے وطن کی طرف واپس آ رہا تھا تو اس قوم کے باغیوں نے راستے میں سلطانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی (ظاہر ہے کہ ان کی اس حرکت ناشائستہ کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ تاکہ آئندہ انہیں ایسی جرات نہ ہو سکے) سلطان محمود ایک زبردست اور عظیم الشان فوج تیار کر کے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ سفر کی مختلف منزلیں طے کرتا ہوا وہ ملتان پہنچا وہاں پہنچ کر اس نے چودہ سو (۱۴۰۰) کشتیاں بنانے کا حکم دیا اور یہ ہدایت کی کہ ہر کشتی میں لوہے کی تین (۳) سلاخیں نصب کی جائیں اس صورت سے یہ کہ ایک سلاخ تو کشتی کے سامنے کی طرف ہو اور دوسری کشتی کے دونوں اطراف میں مضبوطی سے لگا دی جائیں۔ ان سلاخوں کو لگانے کا مقصد یہ تھا کہ جو چیز ان کے سامنے آئے وہ ان سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے اور پانی میں ڈوب جائے۔ جب یہ کشتیاں تیار ہو گئیں تو سلطانی حکم سے ہر کشتی میں بیس بیس آدمی بٹھائے گئے۔ ہر آدمی کے حوالے تیر و کمان اور بارود کے گولے دے دیئے گئے۔ ان تمام انتظامات کے بعد یہ کشتیاں دریا میں چھوڑ دی گئیں اور جتائیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ لشکر آگے بڑھا۔ جتائیوں کو سلطان محمود کے لشکر کی آمد کی خبر مل چکی تھی' لہٰذا انہوں نے بھی مقابلے کے لیے تیاری کی اس قوم نے اپنے بال بچوں کو تو جزیروں میں بھیج دیا اور خود تنہا مقابلے پر آئے۔ ان لوگوں نے تقریباً چار یا آٹھ ہزار کشتیاں دریا میں چھوڑیں اور ہر کشتی میں سپاہیوں کا ایک ایک مسلح دستہ بٹھایا اور مسلمانوں کے لشکر کو تباہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ دونوں فوجیں دریا میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں اور خوب زور کی لڑائی شروع ہو گئی۔ جتائیوں کی جو کشتی بھی مسلمانوں کی کسی کشتی کے سامنے آتی وہ فوراً آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی اور دریا میں غرق ہو جاتی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے جتائیوں کی تمام کشتیاں دریا میں ڈوب گئیں۔ دشمن کے جو سپاہی دریا میں ڈوبنے سے بچ گئے انہیں مسلمانوں نے اپنی تلواروں سے ختم کر دیا۔ ان سب کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر دشمن کے بال بچوں کی طرف روانہ ہوا۔ جزیرے میں پہنچ کر مسلمانوں نے دشمن کے ان پس ماندگان کو قید کر لیا ان قیدیوں کو ساتھ لے کر سلطان محمود سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا غزنی کی طرف واپس روانہ ہوا۔

ترکمانی سلجوقیوں سے معرکہ

۴۱۸ھ میں سلطان محمود نے ابوالحرب امیر طوس ارسلان کو باد آورد کے علاقے پر لشکر کشی کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر کشی کا مقصد یہ تھا کہ ترکمانی سلجوقیوں کو تباہ و برباد کیا جائے۔ کیونکہ وہ دریائے اموبہ سے گزر کر باد آورد کے گرد و نواح میں ہنگامے پیدا کر رہے تھے۔ امیر طوس نے زبردست معرکہ آرائیاں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی آخر کار اس نے مایوس ہو کر سلطان محمود کو لکھا کہ ترکمانی سلجوقیوں کو ختم کرنے کے سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ بادشاہ بذات خود ان پر حملہ کرے۔ محمود نے اس مشورے کو مناسب اور معقول

سمجھ کر اس پر عمل کیا اور ایک عظیم الشان لشکر اپنے ہمراہ لے کر دشمن کی طرف بڑھا۔ غزنوی لشکر نے بہادری کے جوہر دکھائے ترکمانیوں کے لشکر کو منتشر کر دیا اور زبردست شکست دی۔

سلجوقی امیروں نے عراق کو خاندان بویہ کے قبضے سے نکال کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس وجہ سے محمود نے ملک رے کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر رے کے تمام خزانے اور دولت وغیرہ کو بغیر کسی محنت اور زحمت کے اپنے خزانے میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے ان ملحدوں اور قرمطیوں کو قتل کیا جو اس ملک میں آباد تھے۔ اور جن کے عقائد اسلام کے خلاف تھے۔ رے کی فتح کے بعد محمود نے رے اور اصفہان کی حکومت امیر مسعود کے سپرد کی اور خود واپس آیا۔

سلطان محمود کی وفات

اس آخری معرکہ آرائی کے کچھ دنوں بعد محمود سل کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھتا چلا گیا۔ شروع شروع میں تو محمود نے اپنی بیماری کو دوسروں سے چھپایا اور کسی پر اصل حقیقت ظاہر نہ ہونے دی۔ اور اپنے آپ کو پہلے ہی سا تندرست و توانا ظاہر کرتا رہا۔ اسی بیماری کی حالت میں وہ بلخ گیا اور موسم بہار میں وہاں سے غزنی واپس آیا (اس تبدیلی آب و ہوا کے باوجود) اس کا مرض شدید صورت اختیار کرتا گیا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مرض کے سبب اپنے دارالسلطنت غزنی میں تیسویں (۲۳) ربیع الثانی بروز پنج شنبہ ۴۲۱ھ کو وفات پائی۔ سلطان محمود اپنے نہاں خانۂ دل میں ہزاروں خواہش لے کر ۶۳ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی مدت حکومت پینتیس سال بتائی جاتی ہے۔ جس روز محمود کا انتقال ہوا اس روز بارش ہو رہی تھی۔ رات کے وقت بارش ہی میں اس کی لاش کو غزنی کے قصر فیروز میں دفن کر دیا گیا۔

رنگ روپ' عادات و اطوار

محمود کا قد درمیانہ تھا (نہ زیادہ لمبا نہ بہت پست) اپنے قامت کے لحاظ سے اگرچہ وہ جاذب توجہ شخصیت کا حامل تھا' لیکن اس کے چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں تھے۔ محمود پہلا فرمانروا ہے جس نے اپنے لیے "سلطان" کا لقب اختیار کیا۔ تاریخ سے یہ بات پوری صحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ محمود نے اپنی موت سے دو روز پہلے اپنے تمام جواہرات' روپے اور اشرفیاں' جو اس نے زندگی بھر کی جدوجہد سے جمع کی تھیں' شاہی خزانے سے نکلوا کر اپنے محل کے سامنے ڈھیر کروا دیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ سرخ' سفید اور دوسرے متعدد رنگوں کے جواہرات کی چمک دمک سے صحن خانہ جنت کے باغ کی طرح سجا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ محمود ان گراں قیمت جواہر پاروں پر حسرت کی نظریں ڈالتا رہا اور دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ کچھ دیر اس نے جواہرات کو دیکھنے اور ان کی جدائی کے خیال سے رونے کے بعد انہیں پھر خزانے میں جمع کرا دیا۔ محمود نے اپنے آخری وقت میں بھی کسی کو اس خزانے سے ایک پھوٹی کوڑی نہ دی تھی' اس واقعہ سے نیز اس قسم کے دوسرے واقعات کی وجہ سے لوگ اس عالی نسب بادشاہ کو بخیل سمجھتے ہیں۔ اس واقعے کے دوسرے روز محمود نے محافے میں بیٹھ کر میدان کی سیر کی' اس کے حسب الحکم شاہی ملازموں نے شاہی اصطبل' شتر خانہ اور فیل خانہ سے تمام گھوڑے' اونٹ' ہاتھی اور دوسرے جانور اس کے سامنے پیش کیے۔ ان جانوروں کو دیکھ کر محمود تھوڑی دیر تک (دل ہی دل میں) کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد خوب دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اسی حالت میں اپنے محل میں واپس آ گیا۔

دولت سے محبت

ابو الحسن علی بن حسین میمندی کا بیان ہے کہ ایک دن سلطان محمود نے ابو اطاہر سامانی سے یہ سوال کیا کہ "آل سامان نے اپنے عہد حکومت میں کس قدر جواہرات جمع کیے تھے۔" ابو طاہر نے جواب دیا۔ "امیر نوح سامانی کے عہد میں سات (۷) رطل اعلیٰ جواہرات شاہی خزانے میں موجود تھے۔" محمود نے یہ جواب سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ الحمد للہ خداوند تعالیٰ نے مجھے سو رطل سے بھی زائد بیش

قیمت جواہرات دیئے ہیں۔"

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے آخری زمانے میں یہ سنا کہ نیشاپور میں ایک بہت بڑا دولت مند قیام پذیر ہے۔ محمود نے حکم دیا کہ اس شخص کو غزنی بلایا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل میں اس دولت مند کو غزنی بلایا گیا اور وہ شاہی دربار میں پیش ہوا۔ سلطان محمود نے اس شخص سے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تو ملحد اور قرملی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا "اے بادشاہ میں نہ ملحد ہوں نہ قرملی میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میرے پاس بہت دولت ہے۔ تو جو چاہے مجھ سے لے لے لیکن ملحد اور قرملی کہہ کر بدنام نہ کر۔" سلطان محمود نے اس سے تمام دولت لے لی اور اسے حسن عقیدت کا ایک فرمان لکھ کر دے دیا۔

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

"طبقات ناصری" میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی صحت پر پورا یقین نہ تھا اسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا۔ فراش سونے کا شمع دان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسے میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا اس طالب علم کے پاس جلانے کے لیے روغن نہ تھا۔ اس لیے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنئے کے چراغ کے پاس آکر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمع دان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا' اس طالب علم کو دے دیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں محمود کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے محمود سے فرمایا۔ "اے ناصرالدین سبکتگین کے بیٹے فرزند ارجمند خداوند تعالیٰ تجھ کو ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔" آنحضرت کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں متذکرہ بالا تینوں شکوک دور ہو گئے۔

محمود کا عدل و انصاف

سلطان محمود کے انتقال کے دوسرے سال غزنی میں ایک زبردست سیلاب آیا۔ اس کی وجہ سے شہر کی بہت سی عمارتیں گر گئیں خدا کے بہت سے بندوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ وہ پل جو عمر بن لیث صفا نے اپنے عہد حکومت میں دریا پر باندھا تھا اس سیلاب کی زد میں آ کر اس طرح مسمار ہوا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اہل نظر کے نزدیک یہ حادثہ محمود کے انتقال کی ایک بہت اہم نشانی ہے اور وہ اس کو محمود کے عدل و انصاف کی دلیل سمجھتے ہیں۔ محمود کے عدل و انصاف کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک شخص محمود کے دربار میں انصاف حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا جب محمود اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس شخص نے عرض کیا۔ "میری شکایت ایسی نہیں ہے کہ میں اسے سر دربار سب لوگوں کے سامنے بیان کر دوں۔" محمود فوراً اٹھا اور اسے اکیلے میں لے جا کر اس کا حال پوچھا' اس شخص نے کہا "آپ کے بھانجے نے ایک عرصے سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ رات کو مسلح ہو کر میرے گھر پر آتا ہے اور اندر داخل ہو کر مجھے کوڑے مار مار کر باہر نکال دیتا ہے اور پھر خود تمام رات میری بیوی کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے میں نے ہر امیر کو اپنا حال سنایا لیکن کسی کو میری حالت پر رحم نہ آیا اور کسی کو بھی اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ آپ سے یہ بات بیان کرتا جب میں ان امراء سے مایوس ہو گیا تو میں نے آپ کے دربار میں آنا شروع کر دیا۔ اور اس موقع کے انتظار میں رہا کہ جب آپ سے اپنا حال بیان کر سکوں' اتفاق سے اب آپ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں نے آپ سے اپنی داستان بیان کر دی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو ملک کا حاکم اعلیٰ بنایا ہے اس لیے رعایا اور کمزور بندوں کی نگہداشت آپ کا فرض ہے۔ اگر آپ مجھ پر رحم فرما کر میرے معاملے میں انصاف کریں گے تو زہے نصیب ورنہ میں اس معاملے کو خدا کے سپرد کروں گا اور

اس کے منصفانہ فیصلے کا انتظار کروں گا۔" محمود پر ان واقعات کا بہت اثر ہوا اور وہ یہ سب کچھ سن کر رونے لگا اور اس شخص سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے مظلوم تو اس سے پہلے میرے پاس کیوں نہ آیا اور اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں برداشت کرتا رہا۔" اس شخص نے جواب میں کہا۔ "اے بادشاہ میں ایک مدت سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آپ کے حضور حاضر ہو سکوں۔ لیکن دربار کے چوکیداروں اور دربانوں کی روک تھام کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ آج میں کس تدبیر اور بہانے سے یہاں تک پہنچا ہوں اور کس طرح ان چوکیداروں کی نظر بچا کر آپ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں ہم جیسے فقیروں اور غریبوں کی ایسی قسمت کہاں ہے کہ وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سلطانی دربار میں چلے آئیں اور بادشاہ سے بالمشافہ اپنی اپنی روداد غم بیان کریں۔" محمود نے جواب دیا۔ "تم یہاں مطمئن ہو کر بیٹھو' لیکن اس ملاقات اور گفتگو کا حال کسی کو نہ بتانا اور اس بات کا خیال رکھو کہ جب وہ سفاک تمہارے گھر میں آ کر (تمہاری بیوی کی) آبرو ریزی کرے تو تم فوراً اسی وقت مجھے اطلاع دینا پھر میں اس وقت تمہارے ساتھ انصاف کروں گا اور اس سفاک کو اس کی بد کرداری کی سزا دوں گا۔" اس شخص نے یہ سن کر کہا۔۔۔ "اے بادشاہ! مجھ جیسے نادار شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ جب چاہوں بلا کسی روک ٹوک کے آپ سے مل سکوں" اس پر محمود نے اسی وقت دربانوں کو بلایا اور ان سے اس شخص کو متعارف کروا کر دربانوں کو حکم دیا۔ "جس وقت بھی یہ شخص ہمارے حضور میں آنا چاہے اسے بغیر کسی اطلاع اور روک ٹوک کے آنے دیا جائے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائے۔"

ان دربانوں کی رخصت کے بعد سلطان محمود نے اس شخص سے چپکے سے کہا۔ "اگرچہ اب میرے حکم کے مطابق یہ لوگ تمہیں یہاں آنے سے روکنے کی جرات نہ کریں گے' لیکن پھر بھی احتیاطاً" تمہیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ اگر کبھی اتفاقاً" یہ چوبدار میری عدیم الفرصتی یا آرام کا عذر کر کے تمہیں روکنا چاہیں اور میرے پاس نہ آنے دیں تو تم فلاں جگہ سے چھپ کر چلے آنا اور آہستہ سے مجھے آواز دینا۔ میں یہ آواز سنتے ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" اس گفتگو کے بعد محمود نے اس شخص کو رخصت کر دیا اور خود اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔"

وہ شخص اپنے گھر واپس آیا دو راتیں تو آرام سے گزریں اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ اسے محمود سے ملاقات کی ضرورت پیش آتی۔ تیسری رات کو اس شخص کا رقیب (یعنی سلطان محمود کا بھانجا) حسب دستور اس کے گھر آیا اور اسے مار کر گھر سے نکال دیا اور خود اس کی بیوی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ وہ شخص اسی وقت دوڑتا ہوا بادشاہی محل کی طرف آیا اور اس نے دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو اس کی آمد کی اطلاع دی جائے۔ دربانوں نے جواب دیا بادشاہ اس وقت دیوان خانے کی بجائے اپنی حرم سرا میں ہے اس لیے اس تک اطلاع کا پہنچانا ناممکن ہے۔" وہ شخص مایوس ہو کر اس جگہ پر پہنچا جس کے بارے میں سلطان محمود نے اس کو بتا رکھا تھا یہاں اس نے آہستہ سے کہا۔ "اے بادشاہ اس وقت آپ کس کام میں مشغول ہیں؟" سلطان محمود نے جواب دیا۔ "ٹھہرو میں آتا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد محمود باہر آیا اور اس شخص کے ساتھ اس کے گھر پہنچا وہاں جا کر محمود نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کا بھانجا اس غریب شخص کی بیوی سے ہم آغوش ہو کر سویا ہوا ہے اور شمع اس کے پلنگ کے سرہانے جل رہی ہے۔ محمود نے اسی وقت شمع کو بجھایا اور اپنا خنجر نکال کر اس ظالم کا سر تن سے جدا کر دیا اس مظلوم شخص سے کہ جس کے گھر میں محمود آیا ہوا تھا محمود نے کہا۔ "اے بندۂ خدا ایک گھونٹ پانی اگر تجھے مل سکے تو فوراً لے آ تاکہ میں اپنی پیاس بجھاؤں۔"

اس شخص نے فوراً پیالے میں پانی لا کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ محمود نے پانی پیا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نادار سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے شخص اب تو اطمینان کے ساتھ آرام کر میں جاتا ہوں۔" اور رخصت ہونے لگا لیکن اس شخص نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا "اے بادشاہ! تجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس نے تجھے اس عظیم الشان مرتبے پر سرفراز کیا ہے تو مجھے یہ بتا کہ شمع گل کرنے اور سفاک کا سر تن سے جدا کرنے کے فوراً بعد پانی مانگنے اور پینے کی وجہ کیا ہے اور تو نے کس طرح اس قصے کو ختم کیا۔" سلطان محمود نے جواب دیا۔

"اے شخص میں نے تجھے ظالم سے نجات دلا دی ہے اور اس ظالم کا سر میں اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ شمع کو میں نے اس لیے بجھایا تھا کہ کہیں اس کی روشنی میں مجھے اپنے بھانجے کا چہرہ نظر نہ آ جائے اور میں اس پر رحم کھا کر انصاف سے باز نہ رہ سکوں۔ پانی مانگ کر پینے کی وجہ یہ تھی کہ جب تم نے مجھ سے اپنی روداد غم بیان کی تھی تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف نہ ہو گا تب تک میں نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا۔" قارئین کرام اس قصے سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ تاریخوں میں بادشاہوں کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے لکھے ہیں لیکن ایسا قصہ کسی بادشاہ کے متعلق نہیں ملتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

شیخ ابو الحسن خرقانیؒ سے ملاقات

"تاریخ بنائے گیتی" میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان محمود خراسان گیا تو اس کے دل میں شیخ ابو الحسن خرقانیؒ (سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ) سے ملاقات کرنے کا خیال پیدا ہوا' لیکن اس شوق کے ساتھ ساتھ اسے یہ خوف بھی لاحق ہوا کہ وہ خراسان میں اس بزرگ سے ملنے کے لیے نہیں آیا ہے' بلکہ ملکی سیاسیات کے پیش نظر اس نے اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ لہٰذا سیاست کی بدولت خداوند تعالیٰ کے خاص بندوں کی زیارت کرنا پاس ادب سے دور ہے۔ اس وجہ سے اس نے شیخ ابو الحسنؒ سے ملاقات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور خراسان سے ہندوستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں معرکہ آرائیاں کرنے کے بعد غزنی واپس آیا۔ غزنی پہنچ کر اس نے شیخ ابو الحسن خرقانیؒ کی زیارت کے لیے احرام باندھا اور خرقان روانہ ہو گیا۔ جب سلطان محمود خرقان پہنچا تو اس نے ایک شخص کو شیخ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھجوایا کہ "بادشاہ آپ سے ملنے کے لیے غزنی سے چل کر یہاں آیا ہے۔ اب اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی اپنی خانقاہ سے باہر نکل کر آئیں اور مجھ سے ملاقات کریں۔" اس کے ساتھ ہی محمود نے قاصد سے یہ کہہ دیا کہ اگر حضرت شیخؒ باہر آنے سے انکار کریں تو انہیں یہ فرمان خداوندی سنا دینا کہ "اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم پر حاکم ہیں۔" قاصد نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں سلطان محمود کا پیغام پہنچایا شیخ صاحب نے اپنی خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ انہیں اس خدمت سے معذور سمجھا جائے۔" قاصد نے محمود کی ہدایت کے مطابق متذکرہ بالا آیت پڑھ کر سنائی اس کے جواب میں شیخ صاحبؒ نے کہا محمود سے جا کر یہ کہو کہ میں اب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس حد تک مستغرق ہوں کہ رسول کی اطاعت کے مرتبے تک نہ پہنچنے کی بڑی ندامت ہے۔ بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہوں۔"

قاصد واپس چلا گیا اور اس نے شیخ صاحبؒ کا جواب سلطان محمود کو سنایا سلطان محمود یہ سن کر رویا اور اس سے کہا "چلو ہم خود ہی شیخ صاحب کے پاس چل کر لطف ملاقات و زیارت حاصل کریں۔ یہ مرد حق آگاہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا ہے۔ یہ کہہ کر سلطان محمود حضرت شیخؒ کی طرف روانہ ہوا اس انداز سے کہ خود تو ایاز کا لباس پہنا اور اپنے کپڑے ایاز کو پہنائے اور دس عدد کنیزوں کو غلاموں کے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ جب یہ لوگ شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلام علیک کی شیخ نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن وہ تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑے نہ ہوئے۔ اور محمود (جس نے ایاز کے کپڑے پہن رکھے تھے) کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ ایاز (جس نے محمود کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا) کی طرف ملتفت ہوئے اور اس سے کچھ فرمانے کے لیے آمادہ ہوئے۔ اس پر ایاز (یعنی اصل میں محمود) نے شیخ صاحبؒ سے کہا۔ "اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اٹھے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی۔ کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کیا جائے؟" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا۔ "ہاں جال تو یہی ہے' لیکن تیرا مشار الیہ اس جال کا گرفتار نہیں ہے تو سامنے آ کیونکہ تو خود اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے۔" سلطان محمود نے جب دیکھا کہ شیخ صاحب نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا ہے تو وہ بڑے ادب سے شیخ صاحب کے سامنے بیٹھ گیا اور ان سے کہا "مجھ سے کچھ فرمائیے۔" شیخ صاحبؒ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی لونڈیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان نامحرموں کو اس محفل سے باہر کر دو۔"

سلطان نے ان کنیزوں کو وہاں سے اٹھا دیا اور پھر شیخ صاحبؒ سے یوں مخاطب ہوا۔ "حضرت بایزید بسطامی کی کوئی حکایت مجھے سنایئے۔" شیخ صاحب نے کہا "بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ دیکھ لیا وہ ظلم و ستم کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔" اس پر محمود نے سوال کیا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بایزید کا مرتبہ حضرت محمد ﷺ کے رتبے سے بھی زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دیکھنے والوں میں بھی سبھی اچھے نہ تھے۔ ابو جہل اور ابولہب ویسے ہی کافر رہے تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کس طرح اچھا انسان بن سکتا ہے؟" شیخ صاحب نے سلطان محمود کی یہ بات سن کر کہا۔ "اے محمود تو اپنی بساط سے بڑھ کر باتیں نہ کر ادب کو ملحوظ رکھ' بے ادبی سے ولایت کی دنیا میں قدم نہ رکھ' تو جان لے کہ حضرت محمد ﷺ کو سوائے چار (۴) یاروں کے اور چند دیگر صحابہ کرام کے کسی اور نے نہیں دیکھا۔ کیا تو نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی نہیں کہ "اور تم دیکھتے ہو ایسے لوگوں کو وہ نظر کرتے ہیں تمہاری طرف حالانکہ وہ حقیقتاً تم کو نہیں دیکھ سکتے۔" سلطان محمود کو حضرت شیخؒ کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے کہا "مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔" شیخ صاحبؒ نے جواب میں کہا۔ تجھے چاہیے کہ چار چیزوں کو اختیار کرے۔ اول پرہیز گاری' دوم نماز باجماعت سوم سخاوت چہارم شفقت۔" اس کے بعد محمود نے شیخ صاحبؒ سے کہا۔ "میرے حق میں دعا کیجئے۔" شیخ صاحب نے کہا۔ "میں پانچویں وقت نماز پڑھنے کے یہ بعد یہ دعا کیا کرتا ہوں اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات' محمود نے کہا۔ "یہ دعا تو عام ہے میرے لیے کوئی خاص دعا فرمایئے۔" شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ "جا تیری عاقبت محمود ہو۔" اس کے بعد سلطان محمود نے روپوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا' شیخ نے جو کی روٹی سلطان کے سامنے رکھی اور کھانے کے لیے کہا۔ محمود نے دیکھا کہ روٹی بہت سخت ہے اس نے ہرچند اسے چبایا' لیکن نہ تو وہ دانتوں سے کٹتی تھی اور نہ ہی گلے سے نیچے اترتی تھی۔ شیخ صاحبؒ نے پوچھا کیا یہ روٹی تمہارے گلے میں اٹکتی ہے؟" محمود نے جواب اثبات میں دیا تو شیخ نے فرمایا۔ "جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے گلے سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح تمہارا یہ روپوں سے بھرا ہوا توڑا بھی ہمارے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھاؤ کیونکہ ہم اس کو بہت پہلے طلاق دے چکے ہیں۔" محمود نے شیخ صاحبؒ سے کوئی چیز بطور ان کی یادگار کے مانگی انہوں نے اسے اپنا ایک خرقہ دے کر رخصت کیا۔

جب محمود رخصت کے وقت اٹھا تو اس مرتبہ شیخ صاحبؒ نے اس کی تعظیم کی اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے محمود نے کہا۔ "آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری بالکل کوئی پروا نہیں کی تھی' لیکن اب آپ میرے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں؟" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا۔ "جب تم میرے پاس آئے تھے اس وقت تم بادشاہی کے غرور میں سرشار تھے اور میرا امتحان کرنے کی غرض سے آئے تھے' لیکن اب تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔"

خرقہ شیخؒ کی کرامت

شیخ صاحبؒ سے رخصت ہو کر سلطان محمود غزنی واپس آیا اور اس نے ان کے عطا کردہ خرقے کو بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھا۔ جس زمانے میں محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا اور پرم اور دا بشلیم سے اس کی جنگ ہوئی تھی تو محمود کو یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں مسلمانوں کے لشکر پر ہندوؤں کا لشکر غالب نہ آ جائے۔ اس وقت پریشانی کے عالم میں سلطان محمود شیخ صاحبؒ کے خرقہ کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی۔ "اے خدا اس خرقے کے مالک کے طفیل میں مجھے ان ہندوؤں کے مقابلہ میں فتح دے۔ میں نیت کرتا ہوں کہ جو مال غنیمت یہاں سے حاصل کروں گا اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دوں گا۔" مورخین کا بیان ہے کہ اس دعا کے مانگتے ہی آسمان کے ایک حصے سے سیاہ بادل اٹھے اور سارے آسمان پر محیط ہو گئے۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کڑک سے ہندوؤں کا لشکر ہراساں ہو گیا اور (ایسی تاریکی چھا گئی کہ) ہندو اس پریشانی کے عالم میں آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ ہندوؤں کے اس باہمی جنگ کی وجہ سے پرم دیو کی فوج میدان جنگ سے بھاگ نکلی اور یوں مسلمانوں نے ہندوؤں پر فتح پائی۔

میں نے ایک معتبر تاریخ میں یہ روایت دیکھی ہے کہ جس روز سلطان محمود نے شیخ ابو الحسن خرقانیؒ کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر خداوند تعالیٰ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کی اسی رات کو محمود نے خواب میں شیخ ابو الحسنؒ کو دیکھا انہوں نے محمود سے فرمایا "اے محمود تو نے میرے خرقے کی آبرو ریزی کی ہے اگر تو فتح کی دعا کی جگہ تمام غیر مسلموں کے اسلام لے آنے کی دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔"

"جامع الحکایات" میں یہ لکھا ہے کہ جب سلطان محمود شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو اس نے شیخ صاحب سے کہا۔ "اگرچہ خراسان میں مجھے بہت سے ضروری کام تھے لیکن میں ان تمام کاموں کو نظرانداز کر کے غزنی سے یہاں خاص طور پر آپ کی زیارت کے مقصد سے آیا ہوں۔" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا اے محمود اگر تو نے غزنی سے میری زیارت کا احرام باندھا ہے تو کیا تعجب کہ اس کی برکت سے لوگ خانہ کعبہ سے تیری زیارت کا احرام باندھ کر غزنی میں آئیں" سبحان اللہ! سلطان محمود کی برتری کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ابو الحسن خرقانیؒ نے اس کی بابت یہ الفاظ کہے۔

ایک جواری کا دلچسپ واقعہ

"تاریخ روضتہ الصفا" میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن سلطان محمود اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا میدان کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک عجیب و غریب بازاری آدمی پر پڑی۔ سلطان نے دیکھا کہ یہ آوارہ گرد اپنے ہاتھ میں تین (۳) پرندے لیے کھڑا ہے جب اس شخص سے محمود کی آنکھیں چار ہوئیں تو اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اشارہ کیا محمود نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف کر لیا، مگر اپنے دل میں یہ سوچنے لگا کہ اس اشارے سے اس شخص کا مطلب کیا ہے؟ تھوڑی دیر بعد محمود نے پھر اس کوچہ گرد کی طرف دیکھا اس نے پھر حسب سابق ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس مرتبہ محمود سے نہ رہا گیا اور اس نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کہ "تیرے ہاتھ میں یہ پرندے کیوں ہیں اور تیرے ان اشاروں کا مطلب کیا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ میں ایک جواری ہوں اور میں نے بادشاہ کو غائبانہ طور پر اپنا شریک تصور کر کے پانسہ پھینکا اور اس وجہ سے یہ تینوں پرندے جیتے ہیں۔" محمود نے حکم دیا کہ اس جواری سے یہ پرندے لے لیے جائیں۔"

دوسرے روز وہ جواری اپنے ہاتھوں میں دو (۲) پرندے لیے ہوئے اسی طرح محمود کے سامنے آیا محمود نے دوسرے روز بھی وہ پرندے اس سے لیے اور یہ سوچتا رہا کہ آخر اس شخص کا مقصد کیا ہے؟ تیسرے دن وہ جواری پھر تین پرندے لے کر آیا اور انہیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے چلا گیا، چوتھے روز وہ جواری پھر سلطان کو نظر آیا، لیکن اس روز وہ خالی ہاتھ تھا اور محمود نے دیکھا کہ وہ شخص بڑا غمگین اور ملول و حزین محل کے نیچے کھڑا ہوا ہے محمود نے (دل ہی دل میں) کہا معلوم نہیں آج ہمارے شریک پر کیا بیتی ہے۔ جو اس طرح غمگین اور ملول کھڑا ہوا ہے محمود نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کا حال پوچھا۔ جواری نے جواب دیا "آج میں نے بادشاہ کی شراکت میں ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار کی بازی لگائی، لیکن بدقسمتی سے پانسہ میرے خلاف پڑا (اور میں یہ رقم ہار گیا) محمود یہ سن کر مسکرایا اور اپنے دربان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس جواری کو پانچ سو (۵۰۰) دینار دے کر رخصت کر دے اور جواری سے کہا۔ "جب تک میں خود موجود نہ ہوں، تب تم میری غائبانہ شراکت میں کبھی جوا نہ کھیلنا۔"

محمود کا پہلا وزیر ------ ابو العباس

"تاریخ حبیب السیر" میں لکھا ہے سلطان محمود کا پہلا وزیر ابو العباس فضیل بن احمد تھا۔ یہ وزیر اپنے ابتدائی زمانے میں فائق کے دربار میں کاتب کے عہدے پر مامور تھا۔ جب فائق کا ستارہ گردش میں آیا تو ابو العباس نے سبکتگین کے دربار میں پناہ لی اس دربار میں اس نے بڑا اثر رسوخ حاصل کیا یہاں تک کہ وزارت کے درجے تک پہنچا۔ سبکتگین کے بعد سلطان محمود نے بھی اسے عہدۂ وزارت پر بحال رکھا۔ ابو العباس عربی زبان سے ناواقف تھا اس لیے اس کے عہد میں تمام منشور اور فرمان جو پہلے عربی زبان میں لکھے جاتے تھے فارسی زبان میں

لکھے جانے لگے- ابو العباس کے بعد خواجہ احمد میمندی نے دوبارہ عربی زبان میں فرمان لکھنے کی طرح ڈالی- ابو العباس حکومت کے امور کو خوش اسلوبی سے طے کرنے اور جنگ کے انتظامات وغیرہ کے سلسلے میں بڑی مہارت رکھتا تھا- محمود کے عہد حکومت میں دس سال تک عہدہ وزارت پر سرفراز رہنے کے بعد اس کے برے دن آئے اور اسے وزارت سے ہٹا دیا گیا-

ابو العباس کی معزولی

بعض مورخین ابو العباس کی معزولی کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سلطان محمود کو خوبصورت اور دل نشین غلام جمع کرنے کا بہت شوق تھا "الناس علیٰ دین ملو کہم" کے مصداق رعایا بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کرتی تھی- ابو العباس کو بھی (بادشاہ کی دیکھا دیکھی) غلام جمع کرنے کا چسکا پڑ گیا- ایک دن ابو العباس کو معلوم ہوا کہ ترکستان میں ایک بہت ہی خوبرو غلام بکنے کے لیے موجود ہے- ابو العباس نے فوراً اپنے ایک قابل اعتماد ملازم کو ترکستان روانہ کیا تاکہ وہ اس خوبرو غلام کو خرید کر اور عورتوں کا لباس پہنا کر غزنی میں لے آئے کسی چغل خور نے یہ بات سلطان محمود کے کانوں تک پہنچا دی- لہٰذا محمود نے ابو العباس سے اس غلام کو طلب کر لیا- ابو العباس نے حیل و حجت سے کام لے کر غلام کے دینے سے انکار کیا- ایک دن سلطان محمود کسی کام کے بہانے سے بغیر اطلاع دیئے ابو العباس کے گھر جا پہنچا- ابو العباس نے جونہی بادشاہ کو دیکھا وہ اس کی خدمت میں بڑی نیاز مندی سے حاضر ہوا اور خاطر تواضع کرنے لگا- اسی دوران میں وہ حسین اور خوبرو غلام پر محمود کی نظر پڑی- محمود نے بجبر اس غلام کو ابو العباس سے چھین لیا اور اسے عہدۂ وزارت سے معزول کر کے تباہ و برباد کر دیا- اسی زمانے میں محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اس کے بعض دوں فطرت اور لالچی درباریوں نے اس دوران میں ابو العباس کو بہت زیادہ تنگ کیا یہاں تک کہ وہ بے چارہ وفات پا گیا-

دوسرا وزیر ------ خواجہ احمد بن حسن میمندی

ابو العباس کے بعد خواجہ احمد بن حسن میمندی منصب وزارت پر سرفراز ہوا- یہ وزیر سلطان محمود کا رضاعی بھائی اور ہم سبق بھی تھا- احمد کا باپ حسن میمندی سبکتگین کے عہد میں "بست نامی قصبے میں مقیم تھا اور اس کا کام بادشاہ کی طرف سے مال جمع کرنا تھا- حسن پر خیانت کا الزام لگایا گیا اس کی پاداش میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا- یہ جو عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر تھا بالکل غلط ہے-

خواجہ احمد بن حسن بڑا پھرتیلا' عقل مند' سمجھ دار اور خوش خط آدمی تھا سب سے پہلے اسے عہدہ انشاء و رسالت تفویض کیا گیا- بادشاہ کی عنایات کی وجہ سے وہ صدر محاسبی' میر بخشی اور خراسان کی حکومت کے مختلف عہدوں پر مقرر ہوتا رہا- کچھ عرصے بعد جب محمود نے ابو العباس سے ناراض ہو کر وزارت سے اسے علیحدہ کر دیا اور احمد بن حسن کو اس کی جگہ مقرر کیا- احمد نے اس عہدے پر اٹھارہ (۱۸) سال تک کام کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنے فرائض بڑی خوبی اور دیانت داری کے ساتھ انجام دیئے بالآخر "ہر کمالے راز والے" کے مصداق اس کی کشتی بھی بھنور میں آئی اور دربار کے بڑے بڑے امیر اس کے جانی دشمن بن گئے- یہاں تک کہ التونتاش سپہ سالار اور امیر علی خویشاوند جیسے نامی گرامی امیروں نے بھی احمد بن حسن کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور اس اعلیٰ درجے کے انسان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے- ان درباریوں کی باتوں نے محمود کے دل میں اثر کر ہی لیا اور اس نے احمد بن حسن کو عہدہ وزارت سے علیحدہ کر دیا- محمود نے احمد کو معزولی کے بعد بہرام نامی ملازم کے سپرد کر دیا وہ اسے اپنے ساتھ درۂ کشمیر میں لے جائے اور اسے وہاں کے قید خانے کے نگران کے حوالے کر دے- احمد بن حسن پورے تیرہ (۱۳) سال تک کالنجر کے قلعے میں اسیری کی زندگی گزارتا رہا اور آخر کار سلطان مسعود کے زمانے میں اس زندان مصیبت سے رہا ہوا اور دوبارہ وزارت کے عہدے پر فائز ہوا احمد بن حسن نے ۴۲۴ھ میں وفات پائی-

تیسرا وزیر ------ احمد حسین بن میکال

خواجہ احمد بن حسن میمندی کے بعد سلطان محمود نے احمد حسین بن میکال کو جو عام طور پر "جنگ مکال" کے نام سے مشہور ہے' اپنا وزیر بنایا- احمد حسین اپنے زمانہ بچپن ہی سے سلطان محمود کی ملازمت میں تھا اور اپنی طبیعت کی تیزی' گفتگو کی خوبی اور عادات و اطوار کی اچھائی کی وجہ سے بڑا مشہور اور امتیازی حیثیت کا مالک تھا- اس نے احمد بن حسین میمندی کی معزولی کے زمانے سے لے کر سلطان محمود کی وفات تک وزارت کے کاموں کو سرانجام دیا-

زاہد آہوپوش کا واقعہ

بعض مورخین احمد حسین کے توسط سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سلطان محمود اپنے باپ سبکتگین کے ساتھ ابوعلی ہجوری کی تباہی اور بربادی کے درپے تھا- ان دنوں اس نے ایک مقام پر یہ سنا کہ یہاں قریب ہی ایک فقیر مقیم ہے جو اپنی عبادت اور کرامت و پرہیز گاری کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بہت ہی مشہور ہے- عام طور پر لوگ اس فقیر کو "زاہد آہوپوش" کے نام سے یاد کرتے ہیں- محمود کو تو فقیروں اور درویشوں سے ہمیشہ ہی عقیدت رہی تھی- اس لیے اس نے زاہد آہوپوش سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا- احمد حسین کو اگرچہ صوفیوں اور درویشوں وغیرہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن سلطان محمود نے اس سے کہا مجھے معلوم ہے کہ تمہیں درویشوں وغیرہ سے عقیدت اور محبت نہیں ہے' لیکن میری یہ خواہش ہے کہ زاہد آہوپوش کی خدمت میں تم بھی میرے ساتھ چلو-" احمد حسین نے محمود کی بات مان لی اور اس کے ساتھ چل پڑا- دونوں زاہد آہوپوش کے پاس پہنچے- سلطان محمود اس مرد درویش سے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ ملا- اس زاہد نے بھی محمود کے سامنے تصوف کی چند عمدہ باتیں بیان کیں جنہیں سن کر محمود اور زیادہ اس کا معتقد ہو گیا- اور اس سے کہا "ملازمین خانقاہ کے لیے آپ کو روپیہ پیسہ یا غلہ وغیرہ جس قدر بھی درکار ہو' فرمائیں میں ابھی مہیا کیے دیتا ہوں-" زاہد آہوپوش نے یہ بات سن کو فوراً اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحے مٹھی بھر اشرفیاں سلطان محمود کے ہاتھ میں دے دیں اور اس سے کہا- "جس شخص کو خزانہ غیب سے ہر وقت دولت مل سکتی ہو اسے دوسرے کے مال کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے-"

سلطان محمود نے زاہد آہوپوش کی اس حرکت کو بہت بڑی کرامت سمجھا اور ان اشرفیوں کو احمد حسین کے حوالے کر کے کہا "تم نے دیکھا--- فقیروں کو ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے-" احمد حسین نے ان اشرفیوں کو غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ تمام اشرفیاں ابو علی ہجوری کا سکہ ہیں- جب زاہد آہوپوش سے ملاقات کرنے کے بعد محمود اور احمد حسین باہر آئے تو محمود نے کہا- "بھلا اس قسم کی چشم دید کرامتوں سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟" احمد حسین نے جواب میں کہا "میں اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں' اس سلسلے میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ آپ کو کسی ایسے شخص سے جنگ نہیں کرنی چاہیے کہ جس کے نام کا سکہ آسمان پر بھی جاری ہو-" محمود نے جب ان اشرفیوں کو دیکھا' اور ان پر اسے ابو علی ہجوری کا نام نظر آیا تو وہ ندامت سے خاموش ہو گیا-

مورخ فرشتہ یہ بیان کرتا ہے کہ احمد حسین کی بات صحیح نہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت خضر اور دوسرے رجال الغیب خدائے تعالیٰ کے حکم سے روحانی اور مادی دونوں دنیاؤں کی چیزیں بوقت ضرورت اولیاء اللہ تک پہنچا دیتے ہیں- ان اشیاء کا اس طرح پہنچانا شرعاً ناجائز نہیں ہے- جب سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو اس نے احمد حسین پر الزام لگایا کہ جب وہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا تو وہ مصر کے مشہور کافر بادشاہ کا خلعت پہن کر قرملی ہو گیا تھا- اس الزام کی سزا احمد حسین کو موت کی صورت میں دی گئی-

سلطان محمود کے زمانے کے مشہور شاعر

عصائری

محمود کے زمانے میں عصائری راز' رے سے غزنی آیا تھا اور ہمیشہ یہاں کے شاعروں کا مد مقابل رہا اس نے محمود کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ جس کے معاوضے میں محمود نے اسے چودہ (۱۴) ہزار درہم دیئے تھے۔

اسدی طوسی

اسدی طوسی محمود کے زمانے کا مشہور استاد اور خراسان کے شعراء میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ محمود نے اس سے بارہا شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی' لیکن اسدی ہمیشہ بڑھاپے اور کمزوری کا بہانہ کر کے اس فرمائش کو ٹالتا رہا۔ اسدی کا کلام آج کل نایاب ہے اور کلام شعراء کے مجموعوں (بیاضوں یا تذکروں وغیرہ) میں بھی اس کے اشعار نظر نہیں آتے۔ اسدی نے ہمیشہ اپنے مشہور شاگرد فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کی ترغیب دی اور آخر کار ایسا ہی ہوا اور فردوسی نے شاہنامہ لکھا۔

فردوسی غزنی سے فرار ہو کر طوس پہنچا یہاں سے رستم دار اور طالقان کے علاقوں میں گیا۔ یہاں پھر دوبارہ طوس پہنچا اس دوران میں فردوسی بیمار ہو گیا مرنے سے پہلے اس نے اسدی کو بلایا اور اس سے کہا "اب میرا آخری وقت قریب ہے۔ شاہنامے کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے مجھے افسوس ہے کہ اب یہ کتاب نامکمل رہی جاتی ہے۔ مجھے اپنے بعد کسی میں ایسی قابلیت نظر نہیں آتی کہ وہ شاہنامے کو مکمل کر سکے۔ اسدی نے یہ سن کر جواب دیا۔ "اے برخوردار! تو رنج نہ کر اگر میں زندہ رہا تو میں شاہنامے کو مکمل کر دوں گا۔" فردوسی نے کہا "استاد! تم بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تو یہ بہت مشکل ہے کہ تم اس محنت طلب کام کو انجام دے سکو۔

منوچہر بلخی

یہ شاعر بلخ کا باشندہ تھا' لیکن سلطان محمود کے زمانے میں غزنی ہی میں قیام پذیر تھا۔ دیگر شاعروں کے برعکس منوچہر ایک دولت مند اور مال دار شخص تھا۔ شاعری میں اسے کمال حاصل تھا اس کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے　نہادہ　درمیان　فرق　جان　خویشتین
چشم　مازندہ　بجان　و　جان　تو　زندہ　بہ　تن

حکیم عنصری

حکیم عنصری محمود کے عہد میں ملک الشعراء کا درجہ رکھتا تھا۔ شاعری کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے کمالات اور فضائل کا مجموعہ تھا۔ مورخین بیان کرتے ہیں محمود کے دربار سے تقریباً چار (۴) سو شاعر متعلق تھے اور یہ سب کے سب عنصری کی شاگردی پر نازاں تھے۔ عنصری کو محمودی دربار میں ایک خاص مقام حاصل تھا آخری زمانے میں محمود نے اسے ملک الشعراء کا خطاب دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر شاعر اپنی نظم عنصری کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ عنصری اگر اسے مناسب سمجھے تو بادشاہ تک پہنچائے (ورنہ واپس کر دے) عنصری کا ایک طویل قصیدہ بہت مشہور ہے۔ جس میں اس نے سلطان محمود کی تمام معرکہ آرائیوں کو نظم کیا ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ ایک رات عشق مجازی کے جذبے کے تحت سلطان محمود نے ایاز پر نظر ڈالی چونکہ محمود پر خداوند تعالیٰ کی رحمت سایہ کیے ہوئے تھی۔ اس لیے فوراً ہی شرعی احکام نے اسے ٹوکا اور اس پاک عشق کو فسق و فجور کی آلودگی سے پاک رکھنے کی ہدایت کی۔ محمود فوراً خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور اس نے ایاز کو ایک چاقو دیا اور کہا کہ اس سے فوراً اپنی راہزن زلفوں کو تراش ڈال (کہ جنھوں نے مجھے عشق مجازی کی آلودگی میں پہنچا دیا) ایاز نے پوچھا "ان زلفوں کو کس حد تک تراشوں؟" محمود نے کہا "بالکل کاٹ

دے۔" اس پر ایاز نے بادشاہی حکم کے تحت اپنی زلفوں کو اسی وقت کاٹ دیا۔ اس فرمانبرداری کی وجہ سے محمود کے دل میں ایاز کی محبت پہلے سے دوگنی ہو گئی اور اس نے ایاز کی اس فرمانبرداری کے عوض بہت سے قیمتی جواہرات بطور تحفہ دیئے اور خود اسی عالم مستی میں جا کر سو گیا۔

محمود جب صبح کو سو کر اٹھا تو اسے رات کا واقعہ یاد آیا اور اس نے ایاز کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر اسے سخت شرمندگی ہوئی۔ اس وجہ سے وہ بڑا بے چین رہا درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ محمود سے حقیقت حال پوچھتا۔ حاجب علی نے اس وقت عنصری کو بادشاہ کے سامنے جانے کے لیے کہا۔ عنصری محمود کی خدمت میں حاضر ہوا محمود نے عنصری کو کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میری حالت کیا ہے؟ اس وقت تم میرے حال کے مناسب کچھ نظم کرو۔" عنصری نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

امروزکہ زلف یار درکا ستن است چہ جائے بغم نشستن خاستن است
روز طرب و نشاط و مے خاستن است کار استن سروز پیراستن است

یہ رباعی سن کر سلطان محمود بہت خوش ہوا اور عنصری کا منہ جواہرات سے تین مرتبہ بھرا اور اس کے بعد مطربوں کو بلا کر عیش و نشاط میں مشغول ہو گیا عنصری کا انتقال ۴۳۱ھ میں ہوا۔

عسجدی

عسجدی مرو کا رہنے والا تھا۔ اس کے قصاید بہت مشہور ہیں۔ وہ عنصری کا شاگرد اور محمود کا مداح تھا۔ اس کا وہ قصیدہ بہت مشہور جس کا مطلع یہ ہے

تاشاہ خوردہ بیں سفر سومنات کرد
کردار خویش را علم معجزات کرد

عسجدی کا دیوان کہیں نہیں ملتا، لیکن اس کی یہ رباعی مشہور خاص و عام ہے۔

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ وز عشق بتان وسیم غب غب توبہ
دردل ہوس گناہ و برلب توبہ زین توبہ نادرست یارب توبہ

فرخی

فرخی بھی عنصری کا شاگرد تھا مورخین کا بیان ہے کہ فرخی کا باپ امیر خلف والی سیتسان کا غلام تھا۔ فرخی سیستان کے کسانوں میں سے ایک کا ملازم تھا اور اس کی خدمات کے عوض اسے دو سو پنج منی کیل غلہ اور سو درم ملتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد فرخی نے بنی خلف کی ایک کنیز سے شادی کر لی جس کی وجہ سے اس کے اخراجات بہت بڑھ گئے۔ اس نے اپنے آقا سے اپنی تنخواہ اور غلے کی مقدار میں اضافے کی درخواست کی آقا نے جواب میں کہا۔ "تم اپنی تنخواہ اور غلے میں جس قدر اضافہ چاہتے ہو میں جانتا ہوں کہ تم اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہو، لیکن مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ تمہارا مطالبہ پورا کر سکوں۔" فرخی اس سے مایوس ہو کر سلطان محمود کے بھتیجے ابو المظفر کے پاس پہنچا اور اس کی مدح میں ایک بہترین قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس کے صلے میں ابو المظفر نے ایک بیش قیمت خلعت اور بہت سے جواہرات اس کو دیئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد فرخی سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا محمود کے دربار میں اس نے بڑا امتیاز حاصل کیا اور یہاں تک ترقی کی کہ بیس (۲۰) غلام زریں کمر اس کے آگے آگے چلتے تھے۔

دقیقی

دقیقی ایک قدیم ترین شاعر ہے سلطان محمود کے عہد میں اسی نے شاہنامے کی داغ بیل ڈالی تھی، اور تقریباً ایک ہزار اشعار اس نے

لکھے بھی تھے بعض مورخین نے یوں لکھا ہے کہ فردوسی نے دقیقی ہی کے شاہنامے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امیر محمد بن محمود غزنوی

جب سلطان محمود کا انتقال ہوا تو اس وقت اس کا ایک بیٹا امیر محمد تو گورگان میں تھا اور دوسرا امیر مسعود صفاہان میں مقیم تھا۔ محمود کے انتقال کے بعد اس کے داماد امیر علی بن ارسلان نے اپنے خسر کی وصیت کے مطابق امیر محمد کو غزنی میں بلایا اور اسے باپ کا جانشین بنایا۔ امیر محمد نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چچا امیر یوسف کو سپہ سالار اور خوجہ ابو سہل احمد بن حسن ہمدانی کو وزارت سلطنت کے عہدے پر مقرر کیا۔ امیر محمد نے رعایا کو اپنا فرمانبردار بنانے کی بہت کوشش کی اور شاہی خزانے کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھول دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ہر شخص خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگا اور رعایا اور فوج کا ہر طبقہ مطمئن نظر آنے لگا۔ لیکن امیر محمد کے یہ انعام و اکرام اس کے لیے لوگوں کے دل میں جگہ پیدا نہ کر سکے اور ایک بہت بڑا طبقہ امیر محمد کی نسبت امیر مسعود کو ترجیح دیتا رہا۔

امیر ایاز کی شورش[1]

سلطان محمود کی وفات کے پچاس روز بعد ابو النجم امیر ایاز بن اسحاق نے غلاموں اور ابو علی دایہ کو اپنے ساتھ ملایا اور دن دہاڑے شاہی اصطبل میں داخل ہو کر خاصے کے گھوڑوں کو قبضے میں کر لیا اور یہ سب لوگ ان گھوڑوں پر سوار ہو کر "بست" کی طرف روانہ ہو گئے۔ امیر محمد کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک قابل اعتبار ہندو امیر سوبند رائے کو ہندوؤں کا ایک لشکر جرار دے کر امیر ایاز کے پیچھے روانہ کیا۔ اس لشکر نے امیر ایاز کو تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر جا لیا۔ طرفین میں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں سوبند رائے ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ مارا گیا۔ امیر ایاز کے ساتھی بھی اس معرکے میں کام آئے ہندوؤں کے لشکر میں جو سپاہی بچ رہے تھے امیر ایاز نے انہیں گرفتار کر لیا اور ان کے سر تن سے جدا کر کے امیر محمد کے پاس بھجوا دیئے اور خود آگے بڑھا۔

امیر مسعود کی خواہش

امیر ایاز جب نیشاپور پہنچا تو وہاں وہ امیر مسعود سے ملا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ امیر مسعود نے جب ہمدان میں اپنے باپ سلطان محمود کے انتقال کی خبر سنی تھی تو اس نے عراق اور عجم میں اپنے قابل اور تجربہ کار نائب اور عامل مقرر کر دیئے تھے اور خود جلد از جلد خراسان پہنچ گیا تھا۔ یہاں سے اس نے اپنے بھائی امیر محمد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "سلطان محمود مرحوم نے جو ملک تمہیں عطا کیے ہیں میں ان کو اپنے قبضے میں لانا نہیں چاہتا میرے لیے خود اپنے مفتوحہ ممالک یعنی جبال' طبرستان' اور عراق کافی ہیں۔ میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ تم اپنے ممالک میں بھی یہ ہدایت کر دو کہ خطبے میں میرا نام تمہارے نام سے پہلے پڑھا جائے۔"

کتب تواریخ میں یہ مذکور ہے کہ امیر مسعود اور امیر محمد دونوں بھائی ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے۔ مسعود اپنے بھائی سے چند لمحے پیشتر اس دنیا میں آیا تھا اس لیے امیر محمد کو مسعود کے مقابلے میں بڑے چھوٹے کا کوئی خیال نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھوٹا بھائی نہ سمجھتا تھا اس لیے اس کے نزدیک مسعود کی اطاعت ضروری نہ تھی جب مسعود کا (متذکرہ بالا) خط امیر محمد کے پاس پہنچا تو وہ بہت پیچ و تاب میں آیا اور اس نے مسعود کو جواب میں بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ جواب میں خط ارسال کرنے کے بعد امیر محمد نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اگرچہ دربار کے امیروں وزیروں نے بہت کوشش کی کہ دونوں بھائیوں میں لڑائی نہ ہو اور تمام معاملات پر امن فضا میں طے پائیں' لیکن امیر محمد نے کسی کی نہ سنی اور اپنے ارادے پر قائم رہا۔

امراء کی غداری اور امیر محمد کا زوال

امیر محمد ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے غزنی سے روانہ ہوا یکم رمضان ۴۲۱ھ کو وہ "نکیاباد" نامی مقام میں پہنچا جسے حقیقت میں "نکبت آباد" کہنا زیادہ موزوں ہو گا- یہاں وہ اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہوا- رمضان کا پورا مہینہ امیر محمد نے نکیاباد ہی میں گزارا- اس کے بعد عید کے روز (اتفاق سے) امیر محمد کے سر سے تاج گر پڑا- لوگوں نے اس واقعے کو فال بد سمجھا اور اس سے علیحدہ ہو جانے کا پکا ارادہ کر لیا- شوال کی تیسری (۳) کو مشہور معروف امیروں' امیر علی خویشاوند' امیر یوسف سبکتگین اور میر حسین وغیرہ نے امیر محمد کے خلاف بغاوت کی- یہ امراء امیر مسعود کی حمایت کے نعرے لگاتے ہوئے امیر محمد کے خیمے کے گرد جمع ہو گئے- ان امیروں نے امیر محمد کو گرفتار کر کے ولج کے قلعے میں جسے اب اہل قندھار قلعہ خلج کہتے ہیں قید کر دیا اور خود امیر مسعود کے استقبال کے لیے ہرات روانہ ہو گئے- امیر مسعود نے ہرات سے بلخ پہنچ کر احمد حسین میمندی کو اس وجہ سے قتل کی سزا دی کہ اس نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت مصر کے خلیفہ کا بیش قیمت خلعت قبول کیا تھا- یہ وجہ محض ایک بہانہ تھی اصل سبب یہ تھا کہ مسعود کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ایک بار سلطان محمود کی زندگی میں احمد حسین نے دربار میں یہ کہا تھا کہ جس روز امیر مسعود بادشاہ ہو جائے اس روز مجھ کو پھانسی چڑھا دینا- امیر مسعود نے بے وفائی کے جرم میں ابو علی خویشاوند کو قتل اور امیر یوسف کو قید کی سزا دی- یوسف نے اسی عالم اسیری میں وفات پائی مسعود کے حکم سے امیر محمد کو بھی عالم اسیری میں اندھا کیا گیا- امیر محمد نے پچاس روز تک بھی حکومت نہ کی- امیر محمد قلعے میں قید رہا اور مسعود کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا لیکن ایک سال بعد اسے مودود بن مسعود کے حکم سے قتل کر دیا گیا-

سلطان مسعود بن محمود غزنوی

امیر مسعود بہت ہی سخی اور بہادر تھا اس کی بہادری اور جرات مندی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسے "رستم ثانی" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس کے تیر میں ایسی تیزی تھی کہ وہ لوہے میں سوراخ کرنے کے بعد ہاتھی کے جسم میں گھس جاتا تھا۔ اس کا گرز اس قدر وزنی تھا کہ کوئی شخص بھی اسے ایک ہاتھ سے نہ اٹھا سکتا تھا۔ حق گوئی و بے باکی مسعود کا شعار تھا اس وجہ سے وہ اکثر گفتگو میں اپنے باپ سلطان محمود کے ساتھ درشت کلامی کر بیٹھتا تھا۔ اس لیے سلطان محمود اسے سخت ناپسند کرتا تھا اس کے برخلاف محمود امیر محمد کو بہت چاہتا تھا کیونکہ وہ موقع بے موقع باپ کی ہربات میں ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ مسعود سے محمود کی نفرت اور امیر محمد سے محبت نے یہاں تک طول کھینچا کہ محمود نے مسعود کی ہر طرح سے حق تلفی کی اور خلیفہ بغداد سے یہ سفارش کی کہ فرامین اور خطبات میں امیر محمد کا نام مسعود کے نام سے پہلے لکھا جائے۔

مسعود کے ساتھ حق تلفی

"طبقات ناصری" کے مولف نے ابو نصر مشکاتی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب سلطان محمود کے مندرجہ بالا خط کا مسودہ سر دربار پڑھا گیا تو اس کو سن کر تمام درباریوں کو افسوس ہوا۔ اور مسعود کی اس حق تلفی کو سبھی نے ناموزوں خیال کیا۔ جب امیر مسعود دربار سے اٹھ کر باہر آیا تو ابو نصر بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا اور اس سے کہا۔ "تمہاری حق تلفی پر مجھے اور تمام اہل دربار کو بہت افسوس ہے۔" مسعود نے اس سے جواب میں کہا اس کی فکر نہ کرو کیا تم نے بزرگوں کا یہ قول نہیں سنا کہ تلوار خط سے زیادہ سچی اور مضبوط ہوتی ہے۔" "ابو نصر کا بیان ہے کہ جب میں مسعود کی گفتگو کرنے کے بعد واپس دربار میں آیا تو سلطان محمود نے مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تم مسعود کے ساتھ دربار سے باہر کیوں گئے اور تمہاری اس سے کیا بات چیت ہوئی؟ میں نے سلطان محمود سے سب کچھ صحیح صحیح بیان کر دیا۔ سلطان نے میری اور مسعود کی بات چیت سن کر کہا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مسعود ہرلحاظ سے امیر محمد سے بہتر ہے اور مجھے اس کا یقین ہے کہ میرے بعد سلطنت مسعود ہی کے قبضے میں آئے گی' لیکن میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ امیر محمد نے میری زندگی میں ہمیشہ میری بہت عزت کی ہے اور ہر طرح سے میرا خیال رکھا ہے۔ ابو نصر کا بیان ہے کہ اس سارے واقعے میں مجھے دو باتوں پر بہت تعجب ہوا ایک تو مسعود کے اس پر معنی جواب پر کہ میرے علم و فضل کے شایان شان تھا اور دوسرے سلطان محمود کے انتظام سلطنت پر کہ ادھر میں نے مسعود سے گفتگو کی اور ادھر محمود کو اطلاع ہو گئی۔

سلطان مسعود جب تخت نشین ہوا تو اس نے احمد بن حسن میمندی کو جو سلطان محمود کے حکم سے کالنجر کے قلعے میں اسیر تھا' رہا کیا اور اسے پھر وزارت سلطنت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ امیر احمد بن نیالتگین سے بجبر بہت سا مال و دولت حاصل کیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے امیر احمد کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کر دیا۔ نیز مجد الدولہ دیلمی کو جو سلطان محمود کے حکم سے ایک قلعے میں قید تھا رہا کیا اور اسے اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔

کیچ اور مکران کی فتح

۴۲۲ھ میں امیر مسعود بلخ سے غزنی آیا یہاں پہنچ کر اس نے کیچ اور مکران کو فتح کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا ان دونوں مقامات کی فتح کے بعد امیر مسعود نے یہاں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا ان دونوں شہروں کی فتح کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

سلطان مسعود کے زمانے میں کچ اور مکران کے حاکم نے وفات پائی۔ اس کے دو بیٹے تھے ان میں ایک جس کا نام عیسیٰ تھا اپنے باپ کی سلطنت پر قابض ہو گیا اس نے اپنے بھائی ابو العساکر کو ہر چیز سے محروم کر کے سلطنت سے باہر نکال دیا۔ ابو العساکر میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کا مقابلہ کرتا۔ لہٰذا اس نے امیر مسعود کی بارگاہ میں فریاد کی اور اس نے یہ درخواست کی کہ اگر امیر مسعود اپنے لشکر کی مدد سے اسے اپنے آبائی ملک پر قابض کروا دے گا تو ہمیشہ ہمیشہ حکومت غزنی کی اطاعت کا دم بھرتا رہے گا۔ نیز اپنے علاقے میں امیر مسعود کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دے گا۔ امیر مسعود نے ابوالعساکر کی درخواست قبول کی اور ایک زبردست لشکر اس کے ساتھ مکران کی طرف روانہ کیا۔ مسعود نے اپنے سپاہیوں کو یہ ہدایت کی کہ اگر عیسیٰ صلح پر آمادہ ہو اور سلطنت میں سے نصف علاقہ ابوالعساکر کو دینے پر تیار ہو تو اس سے جنگ نہ کی جائے، لیکن اگر وہ اس لشکر کو دیکھ کر صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس سے جنگ کی جائے اور ملک اس کے قبضے سے نکال کر ابوالعساکر کے حوالے کر دیا جائے۔

جب غزنوی فوج مکران کی حدود میں پہنچی تو اس کے افسر اعلیٰ نے سلطان مسعود کی ہدایت کے مطابق امیر عیسیٰ سے صلح کی بات چیت شروع کی اور اس بات کی پوری پوری کوشش کی کہ معاملہ امن کی فضا میں طے ہو جائے، لیکن بدقسمت عیسیٰ کے برے دن آ چکے تھے اس نے کوئی بات نہ سنی اور صلح سے انکار کر کے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ امیر عیسیٰ کے چند عاقبت اندیش امراء نے اس سے اختلاف کیا اور اسے لڑائی سے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن عیسیٰ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ پہلے کی طرح لڑائی کے خیال میں مگن رہا اور اپنے خاص خاص لوگوں کو ساتھ لے کر غزنوی فوج کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی، عیسیٰ خاں اس قدر لڑا کہ اپنے لشکریوں کے ساتھ ساتھ خود بھی میدان جنگ میں کام آیا۔

امیر عیسیٰ کی وفات کے بعد ابو العساکر ملک پر قابض ہو گیا اور اس نے حسب وعدہ اپنے ملک میں امیر مسعود کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔

رے اور ہمدان وغیرہ کا انتظام

اسی سال امیر مسعود نے رے، ہمدان اور دیگر کوہستانی شہروں کی حکومت اپنے ایک فراش کے سپرد کر دی جس کا نام تاش تھا۔ تاش نے کچھ عرصے کے اندر اندر محمود کے خراسانی امیروں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سلطان مسعود کے حسب الحکم تاش نے علاء الدولہ کو اس کی سرکشی کی سزا دی اور اس کے ملک کو اس کے عاملوں کے قبضے سے نکال لیا اور ان عاملوں کو تباہ کر دیا۔

ترکمانیوں سے معرکہ

۴۲۲ھ میں سلطان مسعود غزنی سے صفاہان اور رے کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ ہرات پہنچا تو سرخس اور باد آورد کے باشندے اس کے پاس آئے اور اس سے ترکمان سلجوقی کے ظلم و ستم کی شکایت کی۔ مسعود نے عبد الرئیس بن عبد العزیز کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ترکمانیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ عبد الرئیس نے بارہا ترکمانیوں کے ساتھ جنگ کی، لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کار سلطان مسعود ناکام و نامراد واپس غزنی آیا۔

علی تگین سے جنگ

علی تگین نے بخارا اور سمرقند پر قبضہ کر کے بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے تھے۔ سلطان مسعود نے التونتاش کو علی تگین کی سرکوبی کے لیے مامور کیا۔ التونتاش خوارزم سے ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوا۔ مسعود نے بھی غزنی سے پندرہ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج التونتاش کی مدد کے لیے روانہ کی یہ فوج بلخ کے علاقے میں التونتاش کے لشکر سے جا ملی۔ التونتاش نے دریائے اسویہ کو عبور کر کے پہلے تو بخارا پر حملہ

کیا اور اس کو فتح کر کے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ علی تگین کو جب غزنوی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ شہر سے نکل کر ایک میدان میں آ گیا۔ اس میدان کے ایک طرف تو ایک بہت بڑی نہر بہہ رہی تھی اور دوسری طرف ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو التونتاش کے لشکر پر علی تگین کی فوج کے ایک دستے نے پیچھے سے حملہ کیا یہ دستہ کمیں گاہ میں چھپا ہوا تھا اس حملے میں غزنوی فوج کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ یہاں تک کہ التونتاش کے جسم پر بھی ایک کاری زخم لگا اتفاق سے یہ زخم جسم کے ایک ایسے حصے میں لگا جہاں پہلے بھی (جب کہ التونتاش سلطان محمود کے ساتھ ہندوستان میں معرکہ آرا ہوا تھا) منجنیق کے ایک بھاری پتھر سے زخم لگ چکا تھا۔

التونتاش کا زخمی ہونا

التونتاش نے اپنے اس زخم کا حال اپنے ساتھیوں سے چھپائے رکھا اور میدان جنگ میں بڑی ثابت قدمی سے ڈٹا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے حملے کے باوجود غزنوی فوج میں بددلی اور پریشانی نہ پھیلنے پائی اور غزنوی سپاہیوں نے دشمن کے بھی بے شمار افراد کو تہہ تیغ کیا باقی لوگوں کو میدان جنگ سے بھگا دیا۔ جب علی تگین کا کوئی سپاہی بھی باقی نہ رہا تو التونتاش نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا غزنوی لشکر اپنے خیموں میں واپس آ گیا۔ رات کے وقت التونتاش نے فوجی سرداروں کو اپنے پاس بلایا ان کو اپنے زخمی ہونے کی کیفیت بتائی اور کہا کہ ”اس زخم سے میرا بچنا ناممکن نظر آتا ہے اب تم لوگ اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے لڑائی کے بارے میں جو چاہو کرو۔“ فوجی سرداروں نے جب دیکھا کہ التونتاش کی حالت نازک ہے اور صبح دشمن سے پھر مقابلہ کرنا ہے تو انہوں نے باہمی مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ مناسب اور معقول شرائط پر صلح کر کے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔

علی تگین سے صلح اور التونتاش کی وفات

ان فوجی سرداروں نے علی تگین کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور اس سے صلح کی درخواست کی۔ صلح کے لیے یہ شرط رکھی کہ بخارا تو غزنوی سلطنت میں شامل کیا جائے اور سمرقند اور اس کے آس پاس کا علاقہ علی تگین کے قبضے میں رہے۔ علی تگین نے اس شرط کو قبول کر لیا اور صلح کر کے دوسرے دن سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا۔ غزنوی لشکر بھی واپس روانہ ہوا' روانگی کے دوسرے ہی دن التونتاش نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ فوج کے سرداروں نے اس کی موت کی خبر کو راستے میں لشکریوں سے چھپائے رکھا اور خوارزم پہنچ کر اس کا اعلان کیا گیا۔ سلطان مسعود کو التونتاش کے مرنے کی اطلاع خراسان میں ملی اس نے التونتاش کی خدمات کے صلے میں اس کے بیٹے ہارون کو خوارزم کا حاکم مقرر کر دیا۔

اسی سال وزیر سلطنت خواجہ احمد بن حسن میمندی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ ابو نصر احمد بن محمد بن عبد الصمد کو خوارزم سے بلا کر وزیر مقرر کیا گیا۔ ابونصر' ہارون بن التونتاش کا دیوان زادہ تھا۔

ہندوستان پر لشکر کشی

۴۲۴ھ میں سلطان مسعود نے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور ”درہ کشمیر“ میں سرستی کے قلعے پر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اسلامی لشکر کی آمد سے اہل قلعہ کانپ اٹھے۔ انہوں نے سلطان مسعود کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں کہ بادشاہ ہم کو قتل نہ کرے اس کے صلے میں ہم اسی وقت ایک بہت بڑی رقم بطور نذرانہ پیش کریں گے اور آئندہ بھی اسی طرح ہر سال ایک معقول رقم شاہی خزانے میں بطور خراج کے داخل کرتے رہیں گے مسعود کو صلح کی یہ شرائط معقول معلوم ہوئیں۔ اس نے اہل قلعہ سے صلح کر کے غزنی کو واپسی کا ارادہ کر لیا اس سے قبل کہ وہ حاکم قلعہ کو کوئی جواب دیتا اسے ان مسلمان سوداگروں کی ایک درخواست موصول ہوئی جو اہل قلعہ کی سختیوں کا شکار ہو رہے تھے اس درخواست میں یہ لکھا گیا تھا۔ ”ہم چند مسلمان تاجر اپنے وطن سے نکلے اور بدقسمتی سے ان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان ہندوؤں نے تعصب کی بنا پر ہم پر طرح طرح سے تشدد کیا

ہے اور ہم سے ہمارا تمام مال اور دولت چھین کر ہمیں کوڑی کوڑی کو محتاج کر دیا ہے۔ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر آپ نے ہندوؤں سے ان کی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی تو آپ کے جاتے ہی یہ ہندو ہم پر مصیبت ڈھائیں گے اور زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ہم اپنے احوال گوش گزار کرنے کے بعد آپ کو یہ بتا دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان محصور ہندوؤں کے پاس سامان رسد بالکل ختم ہو چکا ہے اور اب ان میں قلعہ بند ہو کر رہنے کی ہمت نہیں۔ اگر آپ دو تین روز تک محاصرہ قائم رکھیں گے تو یہ قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہو جائے گا۔"

مسعود نے یہ درخواست پڑھ کر صلح کا ارادہ فوراً ترک کر دیا اور محاصرے کی شدت میں معقول اضافہ کر دیا۔

قلعے کے ارد گرد ایک بہت گہری خندق کھدی ہوئی تھی۔ مسعود کے حکم سے اس خندق کو گنوں سے پاٹ دیا گیا اس علاقے کے گرد و نواح میں گنا بکثرت پیدا ہوتا ہے خندق کو پاٹ کر اس کی سطح اتنی بلند کی گئی کہ لشکر اس پر چڑھ کر باسانی قلعے تک پہنچ سکتا تھا مسلمان اسی ذریعے سے قلعے کے اندر گھس گئے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو قتل کیا۔ ان کے بیوی بچوں کو قید کیا اور ان کا مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا۔ سلطان مسعود نے مسلمان تاجروں کو ان کی دولت واپس کر دی اور یوں دنیا میں اپنا نیک نام چھوڑا۔

قحط اور مرض

اسی سال دنیا کے اکثر حصوں میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایک زبردست قحط پڑا۔ قحط گیا تو ایک عالمگیری وبا نے اپنا رنگ جمایا اس وبا سے صرف اصفہان ہی میں چالیس ہزار آدمی لقمہ اجل ہو گئے۔ ہندوستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں وغیرہ میں مرنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ کھیتی باڑی اور دیگر پیشوں کے لیے مزدوروں کا ملنا مشکل ہو گیا۔ بغداد کے نواحی علاقوں موصل اور جرجستھان میں "جدری" (چیچک) کے مرض کی وبا پھیلی۔ ان شہروں کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں دو تین افراد اس مرض جان کاہ کا شکار نہ ہوئے ہوں۔

والئ طبرستان پر حملہ

سلطان مسعود نے ۴۲۵ھ میں آمل اور ساری (طبرستان کے دو مقامات) فتح کرنے کا ارادہ کیا ان علاقوں کے باشندوں نے آپس میں مل کر مسعود کا مقابلہ کیا۔ لیکن غزنوی فوج کے سامنے ان کا زور نہ چل سکا اور فتح سلطان مسعود ہی کو نصیب ہوئی۔ ابا کالنجار امیر طبرستان نے اپنا ایک پیغامبر سلطان مسعود کی خدمت میں بھیجا اور اس کا مطیع رہنے کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے ملک میں مسعود کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرے گا۔ (مسعود نے صلح کی یہ شرط مان لی) امیر طبرستان نے اپنے فرزند بہمن اور برادر زادے شیر دیو کو گورگان روانہ کیا اور سلطان مسعود واپس غزنی روانہ ہوا۔

ترکمانیوں سے معرکہ آرائی

جب مسعود نیشاپور پہنچا تو وہاں کے باشندے ترکمان سلجوقی کے ظلم و ستم کی شکایت لے کر مسعود کے پاس آئے اور اس سے امان طلب کی۔ مسعود نے بک تغدی اور حسین بن علی میکال کو ایک زبردست فوج کے ساتھ ترکمانیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا جب غزنوی فوج شقید القاق (نامی مقام پر) پہنچی تو ترکمانیوں کا ایک پیغامبر بک تغدی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ "ترکمانی یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہماری ساری قوم غزنویوں کی تابع اور امیر مسعود کی طرف دار ہے اگر ہمیں تباہ و برباد کیا گیا تو اس سے آس پاس کے علاقوں کے باشندوں کو تکلیف ہو گی۔ لہٰذا اگر امیر مسعود ہماری معاش کے لیے زمین کی حد بندی کر دے تو ہم اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ ہم کسی کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔" بک تغدی ترکمانی قاصد کے ساتھ ذرا سختی سے پیش آیا اور اسے جواب دیا "ترکمانیوں سے جا کر کہہ دو کہ اطاعت کا اقرار کریں اور آئندہ کسی قسم کی بد اعمالی کے مرتکب نہ ہوں۔ نیز اپنا ایک قابل اعتبار آدمی سلطان مسعود کی خدمت میں بھیج کر میرے نام ایک شاہی فرمان منگوائیں تاکہ میں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کروں اگر یہ شرائط منظور نہ ہوں تو پھر ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی سے صلح ہو گی۔" ترکمانیوں کو جب یہ جواب ملا تو وہ مجبوراً جنگ کے لیے تیار ہوئے اور بڑی سرفروشی اور جان بازی

سے لڑے لیکن بک تغذی کے سامنے ان کا زور نہ چلا اور شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔
بک تغذی نے ترکمانیوں کا تعاقب کیا اور ان کے بیوی بچوں کو اپنا قیدی بنا کر ان کے تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد غزنوی فوج لوٹ مار کے لیے ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ ترکمانیوں کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا تو انہوں نے درۂ کوہ سے نکل کر بک تغذی پر حملہ کر دیا طرفین میں دو دن اور دو رات تک زبردست لڑائی ہوتی رہی۔ غزنوی سپاہیوں کی تعداد کم تھی اس لیے میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑنے لگے یہ عالم دیکھ کر بک تغذی نے حسین میکال سے کہا: "اب یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں۔" حسین میکال نے بک تغذی کے مشورے پر عمل نہ کیا۔ بک تغذی خود میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ میکال نے بڑی ہمت و جرات سے کام لیا اور خوب جان توڑ کر لڑتا رہا آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ بک تغذی جان چھپا کر بھاگتا ہوا نیشاپور پہنچا اور امیر مسعود سے سارا ماجرا بیان کیا۔ مسعود کو اس واقعے سے بڑا رنج ہوا اور وہ ۴۲۶ھ میں ناکام و نامراد واپس غزنی روانہ ہوا۔

احمد نیالتگین کی سرکشی

اسی زمانے میں ہندوستان سے احمد نیالتگین کی بغاوت کی خبریں آئیں۔ سلطان مسعود نے ناتھ نام کے ایک ہندو سردار کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ناتھ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا اور احمد سے معرکہ آرا ہوا دونوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ احمد نے بڑی دلیری اور جوانمردی کے ساتھ ناتھ کا مقابلہ کیا اس لڑائی میں ناتھ مارا گیا۔ اور غزنوی فوج کو شکست ہوئی جب سلطان مسعود تک اس واقعے کی اطلاع پہنچی تو اس نے تولک بن حسین کو، جو ہندوؤں کا بہت بڑا امیر تھا نیالتگین کے مقابلے پر روانہ کیا۔ تولک نے نیالتگین سے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ نیالتگین پریشانی کے عالم میں منصورہ، ٹھٹھہ اور سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ تولک نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے جس ساتھی کو دیکھا اس کے کان اور ناک کاٹ کر اسے چھوڑ دیا۔ احمد ہانپتا کانپتا دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچا، وہ دریا کو پار کر کے دوسری طرف اترنا ہی چاہتا تھا کہ دفعتاً دریا میں سیلاب آ گیا اور نیالتگین اس سیلاب کے سامنے بے دست وپا ہو کر رہ گیا اور یوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ پانی کے بہاؤ نے نیالتگین کی لاش جب کنارے پر پھینک دی تو غزنوی سپاہیوں نے اپنے قبضے میں کر لیا اس کا سر کاٹ کر تولک کے سامنے پیش کیا۔ تولک نے وہ سر سلطان مسعود کے پاس غزنی بھیج دیا۔
۴۲۷ھ میں مسعود نے غزنی میں ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ اس میں ایک بڑا خوبصورت جڑاؤ تخت بچھایا گیا اور اس تخت پر ایک عالی شان تاج جس کا وزن ستر من تھا۔ (من کا وزن فارس میں آدھ سیر کے قریب ہے) سونے کی زنجیروں سے باندھ کر لٹکایا گیا۔ مسعود نے اس جڑاؤ تخت پر قدم رنجہ فرمایا اور یہ تاج اپنے سر پر رکھا (اس سلسلے میں) اس نے دربار عام منعقد کیا اور ہر شخص کو اپنی ملاقات سے نوازا۔

قلعہ ہانسی کی فتح

اسی سال مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو صاحب طبل و علم کیا اور خود قلعہ ہانسی کو فتح کرنے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ "طبقات ناصری" کے مولف کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ہانسی سوالک کا دارالسلطنت تھا ہانسی کا قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اس کی بابت ہندو عقیدہ رکھتے تھے کہ اسے کبھی کوئی مسلمان فرمانروا تسخیر نہیں کر سکتا۔ امیر مسعود نے ہانسی پہنچ کر اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چھ روز کی محنت کے بعد اسے فتح کر لیا۔ اس قلعے سے بہت سامال غنیمت مسعود کے ہاتھ لگا اس نے یہ قلعہ اور تمام مال غنیمت اپنے قابل اعتماد سرداروں کے حوالے کیا اور خود سون پت کا قلعہ فتح کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

سون پت کی فتح

سون پت کے راجہ دیپال ہری کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان مسعود اس کی سرزنش کے لیے آ رہا ہے تو وہ پریشان و بدحواس ہو کر

جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ غزنوی لشکر نے سون پت پہنچ کر وہاں کے قلعے کو تسخیر کر لیا اور اسکے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے تمام مال و دولت پر اپنا قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ دیپال ہری' راجہ سون پت یہاں سے فرار ہو چکا ہے تو انہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ دیپال کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنا ساز و سامان اور لشکر جنگل ہی میں چھوڑ دیا اور خود کسی گوشے میں روپوش ہو گیا۔ مسلمانوں نے دیپال ہری کے ساز و سامان پر قبضہ کیا اور اس کے لشکر کو قتل و گرفتار کر کے یہاں سے درہ رام دیو کی طرف بڑھے۔

راجہ رام دیو اپنی آنکھوں سے دیپال ہری کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اسے جب مسعود کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ اس نے بہت سا مال و دولت مسعود کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ درخواست کی۔ "میں بہت ضعیف اور کمزور ہوں اس لیے مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ بذات خود خدمت اقدس میں حاضر ہو سکوں' میرے حال پر رحم کیا جائے اور جو کچھ ارسال خدمت ہے اسے قبول کیا جائے اور مجھے اپنے اطاعت شعاروں میں شمار کیا جائے۔" مسعود نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا یہاں سے وہ سون پت واپس آ گیا۔

امیر مسعود نے سون پت کی حفاظت اور انتظام کے لیے اپنے ایک معتمد امیر کو وہاں چھوڑا اور خود سون پت کے آس پاس کے علاقوں کی تسخیر میں مصروف ہو گیا ان علاقوں کو اس نے بہت جلد فتح کر لیا۔ ان پر قبضہ کرنے کے بعد وہ غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب مسعود لاہور پہنچا تو اس نے کچھ دن وہاں قیام کیا اس نے اپنے دوسرے بیٹے ابو المجدود کو وہاں کا حاکم بنایا اور اسے طبل و علم عطا کیا اور ایاز خاں کو اس کا اتابک (یعنی اتالیق) مقرر کر کے خود واپس غزنی روانہ ہوا۔

طغرل بیگ کی سرزنش کا ارادہ

ترکمانیوں کی شورشوں کو ختم کرنے کے لیے مسعود ۴۲۸ھ میں بلخ پہنچا ترکمانیوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بلخ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ بلخ کے باشندوں نے مسعود کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ مسعود کی غیر موجودگی میں طغرل بیگ نے دریا کو پار کر کے کئی بار مسلمانوں کو مارا اور لوٹا ہے۔ مسعود نے یہ سن کر موسم سرما میں ہی طغرل کی سرکوبی کا ارادہ کیا اور ترکمانیوں کی سرزنش کو موسم بہار کے ابتدائی زمانے تک کے لیے ملتوی کیا۔ سلطنت کے امراء اور فوجی افسروں وغیرہ کو بادشاہ کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے گزارش کی کہ دو سال سے ترکمانی خراسان میں لوٹ مار مچائے ہوئے ہیں اور اہل خراسان ان کی اس روش سے اس حد تک عاجز آ چکے ہیں کہ خراسانیوں کا ایک بڑا حصہ ان کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اس وقت یہی مناسب ہے کہ سب سے پہلے ترکمانیوں کا قلع قمع کیا جائے اور پھر اس کے بعد کسی اور طرف توجہ کی جائے۔" (سبھی لوگ بادشاہ کے اس ارادے کے مخالف تھے اور اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگے) ایک شاعر نے اس مضمون کی ایک نظم بھی لکھی کہ بادشاہ کو پہلے طغرل بیگ پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے یہ نظم مسعود کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن مسعود پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے ارادے پر قائم رہا۔ اس کو یہ خیال تھا کہ طغرل بیگ کا ملک باسانی اس کے قبضے میں آ جائے گا۔ لہٰذا اس نے دریائے جیحون پر پل بندھوایا اور دریا کو پار کر کے ماوراء النہر پہنچا۔

ماوراء النہر میں کسی نے مسعود کا مقابلہ نہ کیا اس لیے اس صوبے کے بہت سے علاقوں پر مسعود نے بغیر کسی روک ٹوک کے قبضہ کر لیا۔ ان دنوں اس علاقے میں بڑی شدید برف باری اور بارش ہوئی' ایک تو سردیوں کا موسم اور دوسرے یہ مصیبت' اس وجہ سے غزنوی لشکر کو بہت سی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی زمانے میں داؤد سلجوقی نے سر اٹھایا اور وہ سرخس سے بلخ کی طرف بڑھا۔ خواجہ احمد وزیر نے بلخ سے مسعود کو اطلاع دی کہ داؤد ایک زبردست لشکر کے ساتھ بلخ کی طرف آ رہا ہے اور میرے پاس اتنی فوج اور سامان جنگ نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں صف آرا

ہو سکوں۔" یہ خبر ملتے ہی مسعود بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جونہی مسعود ہٹا' طغرل نے غزنی پر حملہ کر دیا اور بہت سے شاہی اونٹ اور گھوڑے لوٹ کر لے گیا۔ اس لوٹ مار کے دوران میں طغرل نے اہل غزنی کو خوب جی بھر کے بے عزتی کی۔

علی تقندری-----ڈاکو کا حشر

مسعود جب بلخ کے قرب و جوار میں پہنچا تو داؤد بلخ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے مرو کی طرف چلا گیا۔ مسعود نے بلخ پہنچ کر اپنے بیٹے مودود کو ساتھ لیا اور داؤد کے تعاقب میں گورگان کی طرف روانہ ہو گیا۔ گورگان میں کچھ لوگ علی تقندری کے ظلم و ستم کا شکار تھے انہوں نے مسعود کی خدمت میں حاضر ہو کر علی تقندری کی شکایت کی اور اس کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی درخواست کی۔ علی تقندری ایک ظالم' عیار اور چالاک ڈاکو تھا' لوٹ مار اس کا پیشہ تھا اور اسی پر وہ گزر بسر کرتا تھا۔ مسعود نے اس سے اطاعت گزاری کے لیے کہا۔ اس نے انکار کی اور حسب معمولی اپنی روش پر چلتا رہا۔ علی تقندری نے جب دیکھا کہ مسعود جنگ کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ مسعود نے اس قلعے کی تسخیر کے لیے لشکر کا ایک دستہ روانہ کیا ان سپاہیوں نے باسانی قلعے کو فتح کر لیا۔ اور علی تقندری کو گرفتار کر کے مسعود کے سامنے لائے' مسعود نے اس بدمعاش شخص کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی اور پھانسی پر چڑھا دیا۔

ترکمانیوں سے معاہدہ

جب ترکمانیوں کو یہ معلوم ہوا کہ مسعود ایک زبردست لشکر لے کر مرو کی طرف آ رہا ہے تو انہوں نے ایک قاصد کے ذریعہ مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہماری قوم پوری طرح بادشاہ کی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے' ہم نے اب تک جو بدعنوانیاں کی ہیں' ان کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ اگر بادشاہ ہماری معاش کے لیے مدد فرمائے اور ہمارے لیے اتنی جاگیر وقف کر دے کہ ہم اس کی آمدنی سے ہمارے اہل و عیال اور جانوروں کی کفالت ہو سکے تو ہم سب اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ بدکرداریوں کے لیے معافی مانگیں گے اور آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں سے توبہ کریں گے۔" سلطان مسعود نے ترکمانیوں کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور ان کے سردار مسمی پیغو کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا تاکہ ترکمانی اپنے وعدوں کی کوئی ضمانت دے کر مسعود کو اپنی نیک چلنی کا یقین دلا دیں۔ ترکمانیوں نے مسعود کی خواہش کے مطابق قول و قسم دے کر اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا یقین دلایا اور مسعود نے بھی ان کی خواہش کو پورا کیا اور ان کی گزر بسر کے لیے جاگیر وقف کر دی یہاں سے مسعود نے ہرات کی طرف کوچ کیا۔

راستے میں ترکمانیوں کے ایک گروہ نے مسعود کے لشکر پر چھاپہ مارا چند سپاہیوں کو قتل کر کے وہ لوگ تھوڑا بہت مال بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ مسعود نے اپنے لشکر کا ایک دستہ ان کے پیچھے روانہ کیا۔ اس دستے نے ترکمانیوں کے اس گروہ کو جالیا اور انہیں تہ تیغ کر دیا۔ ان مقتولوں کے سر اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر یہ دستہ سلطان مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسعود نے ان مردہ اور زندہ ترکمانیوں کو گدھوں پر سوار کر کے پیغو کے پاس بھجوا دیا۔ اور اس سے کہلا بھیجا "یہ دیکھو اور آئندہ کے لیے ہوشیار ہو جاؤ۔ جو کوئی وعدہ خلافی کرتا ہے اور اپنے عہد کو توڑتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ پیغو نے اس جماعت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور جواب میں سلطان مسعود کو کہلا بھیجا۔ "میں خود بھی ان لوگوں سے بیزار تھا اور میں خود ان کو سزا دینا چاہتا تھا جو انہیں خود بخود مل گئی۔"

مسعود ہرات سے نیشاپور آیا اور وہاں سے طوس کی طرف روانہ ہوا۔ طوس کے قرب و جوار میں بھی ترکمانیوں کے ایک چھوٹے سے لشکر نے مسعود کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ مسعود نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور طوس کے شہر میں داخل ہوا۔ یہاں مسعود کو معلوم ہوا کہ باد آورد کے باشندوں نے قلعہ ترکمانیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ مسعود نے طوس کے قلعہ کو ختم کر کے اہالیان قلعہ کو قتل کیا اور پھر نیشاپور کی طرف واپس ہوا۔

مسعود نے سردیوں کا زمانہ نیشاپور ہی میں بسر کیا۔ اور ۴۳۰ھ کے موسم بہار میں طغرل بیگ کو کچلنے کے ارادے سے باد آورد کی طرف

روانہ ہوا۔ طغرل نے جب مسعود کی آمد کی خبر سنی تو وہ ڈر کے مارے ترن کی طرف فرار ہو گیا۔ طغرل کے فرار کی خبر سن کر مسعود نے راستے ہی سے اپنی باگ موڑی اور مہتہ ہوتا ہوا سرخس کی طرف چل نکلا۔ مہتہ میں مسعود کو معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے بھی بغاوت پر آمادہ ہیں اور خراج ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مسعود نے یہاں کے باشندوں کو اس نافرمانی کا مزا چکھایا۔ بعض کو قتل کیا بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں معذور اور لاچار بنایا اور ان کے قلعے کو فتح کر کے آگے بڑھا اور دندانقان میں پہنچا۔

ترکمانیوں سے جنگ

۸ رمضان ۴۳۰ھ کو سلطان مسعود کو ایک بار پھر ترکمانیوں سے واسطہ پڑا۔ ان کے ایک زبردست لشکر نے مسعود کو چاروں طرف سے گھیر لیا بادل ناخواستہ مسعود نے بھی اپنی فوج کو مرتب کیا اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی کے دوران میں مسعود کے لشکر کے کئی سردار دشمن سے جا ملے (اور اس کی طرف سے لڑنے لگے) مسعود نے جب اپنے ساتھی سرداروں کی یہ نمک حرامی دیکھی تو وہ بذات خود میدان جنگ میں اترا' ترکمانیوں کے بیشتر سپاہیوں کو اس نے تلوار کے گھاٹ اتار کر سب پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ وہ ایسی جوان مردی سے لڑا کہ شاید ہی کسی بادشاہ نے میدان جنگ میں ایسی بہادری کا مظاہرہ کیا ہو مگر اس کا کیا علاج کہ مسعود کے برے دن آ چکے تھے۔ فوج کا کچھ حصہ تو دشمنوں سے جا ملا اور جو باقی بچا تھا اس نے میدان جنگ سے فرار ہو کر غزنی کی راہ لی۔

مسعود کا میدان جنگ سے فرار

جب مسعود نے یہ دیکھا کہ اس کے آس پاس کوئی ساتھی باقی نہیں رہا ہے تو اس نے مجبور ہو کر لڑائی سے ہاتھ اٹھایا اور دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ دشمنوں نے اسے تنہا بھاگتے ہوئے دیکھا لیکن کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ اس کا تعاقب کرتا۔ مسعود اسی طرح بھاگتا ہوا مرو پہنچا وہاں اس کے مفرور لشکر کا کچھ حصہ اس سے آ ملا۔ راستے میں مسعود نے ان مفرور سپاہیوں سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی اور انہیں ساتھ لے کر غزنی پہنچا۔ یہاں اس نے مفرور سپاہیوں کے مشہور سرداروں علی دایہ' بک تغدی' اور حاجب شیبانی وغیرہ کو گرفتار کر کے انہیں سخت ذلیل و رسوا کیا اور آخر کار انہیں ہندوستان بھجوا کر وہاں کے مختلف قلعوں میں قید کروا دیا۔ ان قیدیوں میں سے اکثر نے قید کی حالت ہی میں بہت جلد وفات پائی۔

حفاظتی انتظامات

ان مفرور سپاہیوں کو سزا دینے کے بعد مسعود ترکمانیوں کو کچلنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ آخر کار اس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں اپنے لشکر میں نئے سپاہیوں کو داخل کر کے اپنی قوت میں اضافہ کرے اور پھر ترکمانیوں سے معرکہ آراء ہو کر انہیں ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا دے۔ اس کے بعد مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو دوبارہ بلخ کا امیر مقرر کیا اور خواجہ محمد بن عبد الصمد وزیر کو اس کے ہمراہ روانہ کیا۔ ارتگین کو بھی مودود کا مصاحب بنایا اور چار ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ اسے بھی بلخ روانہ کر دیا۔ مسعود کا دوسرا لڑکا شہزادہ امیر مجدود لاہور سے آیا ہوا تھا اسے مسعود نے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ ملتان روانہ کیا۔ تاکہ وہ وہاں کے نظام حکومت کو بہتر بنائے اور ابتری و انتشار پیدا نہ ہونے دے۔ تیسرے بیٹے امیر ایزدیار کو مسعود نے کوہ پایہ غزنی کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں کے سرکش افغانیوں کو قابو میں رکھا جائے اور اس طرح غزنوی سلطنت کی سرحدیں انتشار سے محفوظ رہیں۔

لاہور کو روانگی

ان حفاظتی انتظامات کے بعد مسعود نے اپنے باپ (محمود غزنوی) کی جمع کی ہوئی تمام دولت اونٹوں پر لادی اور اس خزانے کو اپنے ساتھ لے کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ مسعود نے راستے ہی میں اپنے ایک آدمی کو اس کام کے لیے بھیجا کہ وہ اس کے بھائی امیر محمد مکحول کو قلعے سے نکال کر اس کے سامنے لائے۔ جب مسعود رباط مارکلہ (صحیح لفظ "مار گیلہ" ہے۔ یہ مقام راولپنڈی اور اٹک کے درمیان واقع

ہے۔) یا دریائے جہلم کے قریب پہنچا تو مسعود کے قابل اعتبار غلاموں نے لالچ میں آ کر اونٹوں پر لدے ہوئے خزانے کو جی کھول کر لوٹا اسی دوران میں امیر محمد بھی وہاں پہنچ گیا۔ ان نمک حرام غلاموں نے، جنہوں نے خزانہ شاہی کو لوٹا تھا' یہ خیال کیا کہ مسعود کو معزول کر دینا مناسب ہے' ورنہ وہ ان کی ناشائستہ حرکت کو معاف نہ کرے گا۔ (اور کڑی سزا دے گا) یہ سوچنے کے بعد ان غلاموں نے امیر مسعود پر حملہ کر دیا۔ مسعود مجبورا رباط مارکلہ میں قلعہ بند ہو گیا۔

مسعود کی گرفتاری

غزنوی فوج کا ہر چھوٹا بڑا فرد آئے دن کی جنگوں سے تنگ آ چکا تھا نیز وطن کی جدائی کی وجہ سے بھی یہ سب لوگ پریشان تھے۔ اس بنا پر سارے لشکر نے مسعود کی مخالفت کی۔ یہ لوگ رباط کے اندر داخل ہو گئے۔ اور مسعود کو گرفتار کر کے امیر محمد کے پاس لے آئے۔ امیر محمد نے اپنے بھائی سے کہا "میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کر دوں ہاں نظر بند ضرور کروں گا' تم جو جگہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے منتخب کرو میں وہیں تمہیں قید کر دوں گا۔ تاکہ تم اپنی زندگی کے باقی دن اطمینان اور آرام سے بسر کر سکو۔" مسعود نے قلعہ گیری (یہ قلعہ دریائے سندھ کے قریب واقع تھا) میں رہنا پسند کیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت مسعود روانہ ہوا اس وقت اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی لہٰذا اس نے اپنے بھائی امیر محمد کے پاس ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ اخراجات کے لیے رقم لائے۔ امیر محمد نے پانچ سو درہم بھجوائے جب یہ رقم مسعود کے سامنے آئی تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اسی عالم میں اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ سبحان اللہ! کل اسی وقت میرے قبضے میں زر و جواہر سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ تھے اور آج میری بدقسمتی کا یہ عالم ہے۔" مسعود نے اسی وقت اپنے چند ساتھیوں سے ایک ہزار دینار بطور قرض لیے اور وہ پانچ سو درہم جو امیر محمد نے بھجوائے تھے اسی شخص کو بطور انعام دے دیئے جو لے کر آیا تھا۔

سلطان مسعود کا قتل

امیر محمد چونکہ اندھا تھا اس لیے اس نے زندگی کے سادہ طریقے سے بسر کرنے پر اکتفا کی اور سلطنت کا تمام کاروبار اپنے مخبوط الحواس بیٹے احمد کے سپرد کر دیا۔ احمد عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سلیمان بن یوسف سبکتگین اور علی خویشاوند کے بیٹے کو ساتھ لے کر ایک روز قلعہ گیری میں داخل ہو گیا اور اس نے بغیر اپنے باپ کی اجازت سے سلطان مسعود کو قتل کر دیا یہ واقعہ ۴۳۳ھ کا ہے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ احمد نے مسعود کو زندہ کنوئیں میں پھنکوا کر کنوئیں کو پتھر اور مٹی سے پر کر دیا یا یہ کہا جاتا ہے کہ احمد نے دایہ محمد کو مجبور کر کے مسعود کو قتل کروایا۔ "تاریخ گزیدہ" کے بیان کے مطابق مسعود نے نو سال نو ماہ حکومت کی لیکن بعضوں کے خیال میں اس کی مدت حکومت بارہ سال ہے۔

سلطان مسعود بڑا بہادر' رحم دل اور ہنس مکھ انسان تھا اسے علماء و فضلاء سے بے حد عقیدت تھی۔ اور وہ ہمیشہ ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ اس کے زمانہ کے بہت سے علماء و فضلاء نے اپنی کتابیں اس کے نام سے معنون کی ہیں۔ استاد خوارزمی' ابوریحان منجم اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور فن ریاضی کے ماہر تھے۔ ان کی کتب "قانون مسعودی" ایک اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جو فن ریاضی سے متعلق ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سلطان مسعود ہی کے نام پر لکھی گئی۔ اس گراں بہا تصنیف کے سلسلے میں سلطان مسعود نے ابوریحان کو ایک ہاتھی کے (وزن کے) برابر چاندی دی۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے اپنی عظیم الشان کتاب کو جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ امیر مسعود ہی کے نام سے منسوب کیا اور اس کا نام کتاب مسعودی رکھا۔

"تاریخ "روضتہ الصفا" میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود محتاجوں اور غریبوں وغیرہ کا بہت خیال رکھتا تھا اور ہمیشہ انہیں صدقہ اور خیرات دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں مسعود نے صرف ایک دن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم خیرات کیے۔ مسعود کی حکومت کے زمانے میں ممالک غزنویہ میں بے شمار مسجدیں اور مدرسے تعمیر ہوئے۔"

امیر مودود بن امیر مسعود

جب امیر محمد مکحول تک اس کے بھائی امیر مسعود کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ بہت رویا جن لوگوں نے مسعود کو قتل کیا ان پر امیر محمد نے خوب لعنت ملامت بھیجی۔ اس نے مسعود کے لڑکے مودود کو بلخ میں اس مضمون کا خط بھیجا کہ فلاں فلاں افراد نے اپنے باپ کے قصاص میں تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور اس اقدام میں شریک نہیں ہے۔ مودود نے اس خط کے جواب میں لکھا۔ "خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کے فرزند و دلبند احمد مخبوط الحواس کو اتنی عقل دے کہ وہ دنیا کے نشیب و فراز کو سمجھ سکے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کے آپ کے دیوانے بیٹے نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے اور ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے کہ جسے امیر المومنین نے "سید الملوک و السلاطین" کا لقب دیا تھا۔ میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن یہ خون رنگ لائے گا اور آپ کے بیٹے کو اس کے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔"

یہ خط روانہ کرنے کے بعد مودود نے فور مارگلہ پہنچنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے سکے' لیکن ابو نصر احمد بن محمد بن عبد اللہ نے مودود کو اس ارادے سے باز رکھا اور اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ مودود کے آنے کی خبر سن کر غزنی کے تمام بڑے بڑے سردار اور امراء اس کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے' ان سب نے مودود کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا۔

امیر محمد سے جنگ

۴۳۲ھ میں امیر مودود اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا۔ امیر محمد مکحول نے اپنے چھوٹے بیٹے نامی کو ایک زبردست فوج کا افسر اعلیٰ اور ملتان و پشاور کا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے مودود کے مقابلے پر روانہ کیا۔ امیر محمد اور امیر مودود یعنی چچا بھتیجوں کے لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوئے۔ فریقین نے اپنی اپنی کامیابی کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ امیر محمد کی کوششیں بے کار گئیں اور امیر مودود کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ اندھا (امیر محمد) اپنے بیٹوں اور فساد کے بانی امیروں (یعنی نوشتگین بلخی' ابو علی خویشاوند اور سلیمان بن یوسف وغیرہ) کے ہمراہ گرفتار ہوا۔ مودود کے کار پردازوں نے امیر محمد مکحول کے بیٹے عبد الرحیم کے علاوہ اور باقی سب کو قتل کر دیا۔

عبد الرحیم کو قتل نہ کرنے کی وجہ مورخین نے یہ بیان کی ہے کہ امیر مسعود نے عہد اسیری میں ایک روز عبد الرحیم اپنے بھائی عبد الرحمن کے ساتھ امیر مسعود کو دیکھنے کے لیے قید خانے میں گیا۔ عبد الرحمن نے امیر مسعود کو دیکھتے ہی یہ جملہ کسا کہ "اب یہ سر تاج شاہی کے قابل نہیں رہا۔" اور پھر مسعود کے سر سے ٹوپی اتار لی عبد الرحیم نے اپنے بھائی کو اس حرکت ناشائستہ پر بہت ڈانٹا اور اس کے ہاتھ سے ٹوپی چھین کر پھر اپنے چچا کے سر پر رکھ دی اسی وجہ سے عبد الرحیم نے موت سے نجات پائی تھی۔

بنائے فتح آباد

جب مودود اپنے باپ کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تو اس نے اس مقام پر جہاں اسے کامیابی نصیب ہوئی تھی' ایک شہر آباد کیا۔ اور ایک سرائے تعمیر کی اور اس شہر کا نام "فتح آباد" رکھا۔ مودود نے اپنے بھائیوں اور باپ کی لاش کی بابت حکم دیا کہ گیری سے غزنی لائی جائے اور وہ خود بھی جلد از جلد غزنی پہنچ گیا۔

غزنی پہنچ کر مودود نے ابو نصر احمد کو اپنا وزیر مقرر کیا اور پھر ۴۳۳ھ میں طاہر بن محمد کو اپنا وزیر بنایا۔ مودود نے اپنے ایک قابل اعتماد امیر ابو نصر محمد بن امجد کو امیر محمد مکحول کے بیٹے "نامی" کے مقابلے کے لیے ہندوستان روانہ کیا۔ ابو نصر نے نامی کو شکست دی اور یوں امیر

محمد کا یہ بیٹا بھی نذر اجل ہو گیا۔ نامی کے انتقال کے بعد مودود کے چھوٹے بھائی مجدود بن مسعود کے سوا سلطنت کا کوئی اور مدعی باقی نہ رہا۔

جنگ مودود و مجدود کی تیاری

جب سے امیر مسعود کا قتل ہوا تھا مجدود نے ملتان کی سکونت ترک کر دی تھی اس نے لاہور پہنچ کر ایاز کے خاص مشورے اور مدد سے دریائے سندھ سے لے کر تھانیسر اور ہانسی تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ مودود کو مجدود کی اس روز افزوں قوت سے خطرہ تھا لہٰذا اس نے مجدود کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی سال مودود نے ایک عظیم الشان لشکر مجدود پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ مجدود ان دنوں ہانسی میں اس غرض سے مقیم تھا کہ دہلی کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے تاکہ اس کی حکومت پائیدار اور مستقل ہو جائے۔ اسے جب مودود کی فوج کی آمد کی خبر ملی تو اس نے بھی ایک زبردست لشکر تیار کیا اور مقابلے کے لیے ہانسی سے روانہ ہوا اور اس سے پہلے کہ مودود کا لشکر لاہور کے قلعے پر قابض ہوتا مجدود ذوالحجہ کی چھ (۶) تاریخ کو لاہور پہنچ گیا۔

مجدود کے لشکر کی کثرت دیکھ کر مودود کی فوج میں بڑی گھبراہٹ پھیل گئی عین ممکن تھا کہ یہ گھبراہٹ اس حد تک بڑھ جاتی کہ مودود کی فوج میں انتشار پیدا ہو جاتا اور اس کے افسر اور امراء مجدود کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لیتے کہ دفعتاً قسمت نے پانسہ ہی پلٹ دیا اور عید الاضحیٰ کی صبح کو مجدود اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ مجدود کی اس ناگہانی موت کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہ ہو سکا اور سوائے دست قضا کے کوئی دنیاوی ہاتھ اس فعل کا مرتکب نظر نہ آیا۔ مجدود کے انتقال کے تھوڑے دنوں بعد ایاز نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح مجدود کے تمام مقبوضات بغیر کسی روک ٹوک کے مودود کے قبضے میں آ گئے۔ مودود کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی کہ اس سے خوفزدہ ہو کر ماوراء النہر کے حکمرانوں نے بھی مودود کی اطاعت قبول کر لی۔ باوجود اس کے کہ مودود کی قوت اور حکومت نے بہت ترقی کی، لیکن سلجوقیوں نے اپنی روش سے سرمو انحراف نہ کیا۔ مودود نے اس قوم سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی بہت کوشش کی یہاں تک کہ ان کے سردار جعفر بیگ کی لڑکی سے شادی بھی کی، لیکن یہ ہنگامہ پرور طبقہ ہمیشہ مودود کی مخالفت کرتا رہا۔

ہانسی، تھانیسر اور نگرکوٹ پر ہندوؤں کا قبضہ

۴۳۵ھ میں دہلی اور ہندوستان کے دوسرے مقامات کے ہندو راجاؤں نے آپس میں مل کر ہانسی اور تھانیسر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ان مقامات سے غزنوی سرداروں کو نکال کر ہندوؤں کا لشکر نگرکوٹ کی طرف روانہ ہوا۔ نگرکوٹ پہنچ کر ہندوؤں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ چار ماہ تک مسلسل جاری رہا۔ اس دوران میں مسلمانوں نے بارہا لاہور سے مدد طلب کی، لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے اور کچھ ایسی مجبوریاں سدراہ ہوئیں کہ انہیں لاہور سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ محاصرے کی شدت اور سامان خورد ونوش کی کمی کی وجہ سے مسلمانوں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں اور یوں نگرکوٹ پر بھی تھانیسر اور ہانسی کی طرح ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا۔ ہندوؤں نے نگرکوٹ کو دوبارہ بت پرستوں کا مقدس مقام بنایا اور شہر میں جگہ جگہ نئے بت لگا کر بت پرستی کو نئے سرے سے رواج دیا۔

نگرکوٹ میں بت پرستی کے مروج ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ جب دلی کے راجہ نے یہ دیکھا کہ غزنوی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں اور حکومت میں تنزل اور پستی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں تو اس نے ایک متعصب برہمن کے مشورے سے یہ چال چلی کہ ایک روز صبح کے وقت اپنے تمام امیروں وزیروں کو جمع کر کے ان سے کہا۔ "کل خواب میں نگرکوٹ کے بت نے مجھے ایک ہدایت دی ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ میں تمہیں بھی بتا دوں۔ ہمارے معبود نے یہ فرمایا ہے کہ اب تک تو میں غزنی میں رہتا تھا، وہاں رہنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کروں اور غزنوی سلطنت کو کمزور کر دوں، میں اپنا مقصد پورا کر چکا ہوں اور اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے

مرکز پر واپس آ جاؤں اور اپنے پرستاروں کو پرستان خدا پر غالب کر دوں میرے بندوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس سمجھیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں جان کی بازی لگا دیں۔ میری مدد پر بھروسا کریں اور تمام ملکوں کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیں۔"

راجہ کی اس تقریر نے حاضرین کے دل پر بہت اثر کیا اور سبھوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا پکا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے عیش و طرب کا جشن بھی منعقد کیا اور ہندوؤں نے اس دن کو ایک بہت بڑے تیوہار کی طرح ہنسی خوشی بسر کیا۔ راجہ دہلی نے جب اپنی رعیت کو اپنا ہم خیال بنالیا تو اس نے ایک نئی چال چلی۔ اس نے فوراً چند قابل اعتبار سنگتراشوں کو بلایا اور انہیں ایک ایسا بت بنانے کی ہدایت کی جو ہوبہو نگرکوٹ کے بت سے ملتا ہو۔ سنگراشوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور جلد ہی ایک بت تیار کر لیا جو شکل و صورت کے لحاظ سے نگرکوٹ کے بت سے ملتا جلتا تھا۔ دہلی کا راجہ اس بت کو ساتھ لے کر دوسرے ہندو راجاؤں کے ساتھ ہانسی اور تھانیسر کی فتح کے بعد نگرکوٹ پہنچا اور قلعے کے ایک طرف مقیم ہو گیا اسی دن رات کے وقت راجہ نے اپنے مشیر اور چالاک برہمن کے حوالہ وہ بت کیا اور اس سے کہا کہ اسے باغ میں کسی مناسب جگہ پر نصب کر دو۔ اس برہمن نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور اس نوتراشیدہ بت کو باغ میں ایک ایسی جگہ نصب کر دیا کہ جہاں ہر آنے والے کی نظر پڑتی تھی اور خود لوگوں کی نظریں بچا کر واپس آ گیا صبح ہی صبح جب مالی اس باغ میں اپنا کام کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے بت کو دیکھا۔ چونکہ یہ مالی نگرکوٹ کے بت سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے "کہ بت واپس آ گیا ہے"۔ ان سبھوں کو اس کی بے انتہا خوشی ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے گلے مل مل کر اور نعرے لگا لگا کر اس خوشی کا اظہار کیا۔ مالیوں نے اس واقعے کی خبر ہندوؤں کی فوج تک پہنچائی۔ سپاہیوں کو اس خبر سے بے انتہا خوشی ہوئی اور انہوں نے خوشی کے نعرے لگا لگا کر آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔

جب راجہ دہلی نے دیکھا کہ اس کے سیدھے سادھے سپاہی اس کے دھوکے میں آ گئے ہیں تو (ان کے یقین کو اور بھی مستحکم کرنے کے لیے (وہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور معزز امراء کو ساتھ لے کر ننگے پاؤں باغ کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔ باغ میں پہنچ کر راجہ نے بڑے والہانہ انداز سے اپنا سر بت کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اور اپنے عقیدے اور بساط کے مطابق نذر چڑھا کر باغ سے باہر آیا۔ اس نے باہر آ کر اپنی رعیت سے کہا۔ "چونکہ ہمارا معبود غزنی سے ہندوستان تک کا سفر ایک ہی رات میں طے کر کے آیا ہے اس لیے سفر کی تکان کی وجہ سے وہ چور چور ہے لہٰذا آج تو وہ تمام دن آرام کرے گا اور کل اپنے تمام پرستاروں کو شرف باریابی عطا کرے گا۔" سارے لوگوں نے راجہ کی اس بات کا یقین کیا اور حسب استطاعت نذر چڑھا کر اور منتیں مانگ کر اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف لوٹے، دوسرے دن تمام ہندو سپاہی اور عام لوگ اپنے معبود کی سرکار میں پہنچے اور انہوں نے اس بت پر اس قدر سونا چاندی اور جواہرات چڑھائے کہ غالباً محمود کی روح بے چین ہو کر غزنی سے ہندوستان کی طرف آ گئی ہو گی۔ راجہ دہلی کا وہ چالاک برہمن مشیر بت کے پاس کھڑا رہا جو شخص بھی نذر چڑھانے کے لیے بت کے پاس آتا یہ برہمن اس کے کان میں کہتا۔ تمہارے معبود کا یہ حکم ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے قلعے سے مسلمانوں کو باہر نکال دو کیونکہ یہ تمہارے دیوتا کی قیام گاہ ہے اور اسے دوبارہ اپنے معبود کی قیام گاہ بنا دو۔" ہندوؤں میں سے ہر شخص نے اس حکم کو سن کر یہ اقرار کیا کہ وہ قلعے کو خدا پرستوں کے قبضے سے نکالنے کی پوری پوری کوشش کرے گا اور مسلمانوں سے جی توڑ کر لڑے گا۔ اس کے بعد تمام ہندو سپاہیوں نے آپس میں مل کر پوری شدت کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اور جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں نے محاصرے کی سختیاں جھیل کر اور فاقہ کشی کر کر کے بالآخر لاہور کی مدد سے مایوس ہو کر قلعے کو ہندوؤں کے حوالے کر دیا اور خود لاہور روانہ ہو گئے۔

مسلمانوں کی روانگی کے بعد راجہ دہلی نے سلطان محمود کے ڈھائے ہوئے مندر کو مرمت کروایا اور اس بت کو اس اصل جگہ پر نصب کر کے بت پرستی کا بول بالا کیا۔ نگرکوٹ کی فتح کی خبر کے ساتھ بت کی واپسی کا من گھڑت قصہ بھی بہت مشہور ہوا اور آس پاس کے ہندو

مسرور اور فرحاں ہو ہو کر نگر کوٹ کی طرف زیارت کے لیے آنے لگے۔ اس بار نگر کوٹ میں ہندوؤں کا بہت بڑا اجتماع ہوا اور اس نئے بت کی اتنی پوجا ہوئی کہ پہلے اصل بت کی بھی کبھی نہ ہوئی تھی۔ ہندوؤں کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی بڑا اور اہم کام شروع کرتے ہیں تو اس بت سے ضرور مشورہ لیتے ہیں۔ اگر بت اجازت دیتا ہے تو اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہیں ورنہ چپ ہو رہتے ہیں۔ اس زمانے میں نگر کوٹ کے قرب و جوار کے بعض جاہل مسلمان بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اس بت کو نذریں چڑھاتے ہیں اور یہ جھوٹے خدا پرست بھی اس بے حس و حرکت پتھر کو آرزوئیں اور مرادیں بر آنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

لاہور پر ہندوؤں کا حملہ

متذکرہ بالا واقعات کے ساتھ ساتھ پنجاب کے ان ہندو راجاؤں نے بھی جو مسلمانوں کے خوف سے جنگل میں جا چھپے تھے' فائدہ اٹھایا۔ تین بہت بڑے اور زبردست راجہ اتفاق باہمی سے دس ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں کو ہمراہ لے کر لاہور کی طرف بڑھے۔ لاہور پہنچ کر ان راجاؤں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں اور مسلمان جاگیردار اور امراء مودود کی اطاعت سے منہ موڑ کر آپس میں لڑ رہے تھے جب ہندوؤں نے لاہور کا محاصرہ کیا تو پھر ان سوئے ہوئے مسلمان امراء کی آنکھیں کھلیں۔ ان مسلمانوں نے مصلحت وقت کا خیال کرتے ہوئے آپس میں مل کر ایک متحدہ لشکر تیار کیا اور امیر مودود کی اطاعت کا اقرار کر کے ہندوؤں سے معرکہ آراء ہونے کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کا باہمی اتفاق دیکھا اور ان کے لشکر کی کثرت کا اندازہ کیا تو وہ بدحواس ہو کر بغیر جنگ کرنے کے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔

ترکمانیوں سے معرکے

۴۳۴ھ میں امیر مودود نے ارتگین حاجب کو طخارستان (شمال مشرق خراسان کا ایک علاقہ) کی طرف روانہ کیا۔ جب ارتگین وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ داؤد ترکمانی کا بیٹا ارمن تک آ چکا ہے یہ سنتے ہی ارتگین نے ترکمانیوں پر حملہ کر دیا۔ ترکمانی فوج کے سردار کو جب یہ معلوم ہوا کہ غزنی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے آ رہا ہے تو اس نے ڈر کے مارے اپنی فوج کو تو میدان ہی میں چھوڑا اور خود ایک جنگل کی راہ لی۔ ارتگین ارمن پہنچا اور وہاں اس نے ترکمانیوں کی فوج پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور جی بھر کر قتل کیا یہاں سے ارتگین بلخ پہنچا بلخ کو بھی اس نے فتح کر لیا اور وہ امیر مودود کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر کے آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ ترکمانیوں کا لشکر اچانک طور پر اس کے مقابلے کے لیے بلخ کے قریب پہنچ گیا۔ ارتگین نے یہ محسوس کیا اس میں ترکمانیوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے امیر مودود سے مدد کی درخواست کی۔ مودود نے ارتگین کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی لہٰذا مجبور ہو کر ارتگین بلخ سے نکل پڑا اور پنجہر کابل ہوتا ہوا غزنی واپس آ گیا۔

چند مفسدوں اور چغل خوروں سے متاثر ہو کر ۴۳۵ء میں امیر مودود نے غزنی کے کوتوال ابوعلی کو قید کر دیا' لیکن بعد میں جب اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو مودود نے اسے رہا کر کے دوبارہ دیوان مملکت اور کوتوال غزنی مقرر کیا۔ مودود نے امام علی رضاؑ کے مزار کے خادم سوری بن المعتز کو بھی قید میں ڈال دیا وہ اس زمانے میں دیوان بھی تھا' سوری نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔ چغل خوروں نے مودود کو ارتگین حاجب کی طرف سے بھی بدگمان کر دیا تھا لہٰذا مودود نے اپنے سامنے ارتگین کو قتل کروا دیا۔ اسی سال ترکمانیوں نے غزنی کو فتح کرنے کا خیال کیا۔ اس سلسلے میں ان کی ایک فوج بست کے قریب مقیم ہو گئی۔ مودود نے اس فوج کو شکست دینے کے لیے اپنا ایک لشکر روانہ کیا۔ ترکمانیوں کو شکست ہوئی اور وہ ادھر ادھر بھاگ نکلے۔

خواجہ طاہر وزیر کا انتقال ۴۳۶ھ میں ہوا اور اس جگہ خواجہ ابو الفتح عبدالرزاق بن احمد بن حسن میمندی کا تقرر عمل میں آیا۔ اسی سال مودود نے طغرل حاجب کو بست کی طرف روانہ کیا۔ طغرل نے سیستان پہنچ کر ابوالفضل کے بھائی ابو المنصور زنگی کو قید کر لیا اور

ان دونوں قیدیوں کو اپنے ہمراہ لے کر غزنی واپس آیا۔

سلجوقیوں نے پھر ۴۴۳ھ میں غزنی کی طرف پیش قدمی کی اور بست سے گزر کر رباط امیر تک آپہنچے اور اس علاقے کو تباہ و برباد کر دیا۔ غزنی سے طغرل ایک عظیم الشان فوج لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور بہت جلد ان تک جا پہنچا۔ فریقین ایک دوسرے سے معرکہ آراء ہوئے زبردست جنگ ہوئی۔ غزنوی فوج کو فتح ہوئی اور ترکمانی شکست کھا کر فرار ہو گئے اس کے بعد طغرل نے گرم سیر قندھار (جنوب مغربی افغانستان کا ایک ضلع) کا رخ کیا اور اس علاقے کے ترکمانیوں کو جو "سرخ کلاہ" کے نام سے مشہور تھے قتل اور گرفتار کر کے کامیاب و کامران غزنی واپس آیا۔

طغرل کی سرکشی

امیر مودود نے ۴۳۸ھ میں طغرل کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ تکیاباد روانہ کیا' وہاں پہنچ کر طغرل کے سر میں خود مختاری کا سودا سمایا اور وہ مودود کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ مودود کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے چند قابل اعتبار آدمیوں کو طغرل کے پاس بھیجا اور اس کی تالیف قلب کی کوشش کی اسے اپنے روبرو طلب کیا۔ طغرل نے جواب دیا۔ "امیر مودود کے درباری چونکہ اس وقت میرے دشمن ہو رہے ہیں اور میرے خون کے پیاسے ہیں اس لیے میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔" یہ جواب پا کر امیر مودود نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر علی بن خادم ربیع کی نگرانی میں روانہ کیا۔ علی بن ربیع فوراً طغرل کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے آنے سے طغرل بہت پریشان ہوا اور اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ کر چند مصاحبوں کے ہمراہ فرار ہو گیا۔ علی بن ربیع نے طغرل کی فوج پر حملہ کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لایا۔

غور پر حملہ

اسی سال امیر مودود نے امیر باتگین حاجب بزرگ کو غور روانہ کیا۔ جب باتگین غور کے قریب پہنچا تو وہ ولدیچی غوری کو اپنے ساتھ لیتا ہوا قلعہ ابوعلی کی طرف بڑھا۔ باتگین نے اس قلعے کو فتح کیا اور والیے قلعہ یعنی غوریوں کے سردار ابوعلی کو گرفتار کر لیا۔ یہ قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ باتگین سے سات سو سال پہلے کے زمانے سے اس کو کوئی تسخیر نہ کر سکا تھا۔ باتگین نے ولدیچی اور ابوعلی کی گردنوں میں گرفتاری کا طوق ڈالا اور ان دونوں کو اپنے ساتھ غزنی لے آیا۔ مودود نے ان دونوں باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قزدار بہرام کی سرزنش

غور پر لشکر کشی کے بعد امیر مودود نے اسی سال باتگین کو ترکمانیوں کے سردار بہرام نیال کے مقابلے پر روانہ کیا۔ بست کے پاس دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا باتگین کو فتح نصیب ہوئی اور ترکمانی شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

امیر قزدار نے ۴۳۹ھ میں علم سرکشی بلند کیا۔ باتگین فوراً اس کے پاس جا پہنچا اور جنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں باغیوں کو شکست فاش ہوئی۔ قزدار نے کچھ دنوں بعد امیر مودود کی اطاعت کا اقرار اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس پر باتگین نے قزدار سے صلح کر لی اور غزنی واپس آ گیا۔

امیر مودود نے ۴۴۰ھ میں اپنے دونوں بڑے بیٹوں ابوالقاسم محمود اور منصور کو ایک ہی دن خلعت سے سرفراز کر کے طبل و علم عطا کیا۔ محمود کو لاہور اور منصور کو برشور (دریائے سندھ اور قندہار کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا گیا۔ مودود نے کوتوال غزنی ابوعلی کو بھی فوجدار بنایا اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہندوستان روانہ کیا۔ ابوعلی نے پشاور پہنچ کر ماہ تیلہ کے قلعے کا رخ کیا تو اس قلعے کا باغی حاکم خوفزدہ ہو کر تنہا فرار ہو گیا۔ ابوعلی نے قلعے پر قبضہ کر لیا بعد ازاں بھیجی رائے کو اس نے بلایا بھیجی رائے ہندوؤں کا سردار تھا۔ اور محمود کے زمانے میں بڑی فرمانبرداری اور اطاقت کی زندگی بسر کرتا رہا تھا' لیکن محمود کی وفات کے بعد آزردہ ہو کر غزنی سے چلا آیا تھا اور درہ

کشمیر میں زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ابو علی نے بھیجی رائے سے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اسے امیر مودود کے پاس روانہ کر دیا۔ مودود نے اس بوڑھے سپہ سالار کی سابقہ خدمات کا پاس کرتے ہوئے اس پر بڑی عنایت کی اور موت کے خوف کو اس کے دل سے نکال کر اسے بالکل مطمئن کر دیا۔

ابو علی کا قتل

جس زمانے میں ابو علی سندھ میں کوتوال تھا' اس وقت اس کے دشمنوں نے موقع پا کر مودود کو اس کے خلاف اکسایا۔ مودود نے ابو علی کا خود مختار اور آزاد رہنا مناسب نہ سمجھا اور جب ابو علی بہت سا مال و اسباب اور دولت لے کر غزنی واپس آیا تو مودود اس سے بے حد ناراض تھا۔ اس وجہ سے اس نے ابو علی کو گرفتار کر کے میرک بن حسین وکیل کے حوالے کر دیا۔ قید کے چوتھے روز ابو علی کو اس کے دشمنوں نے تہہ تیغ کر دیا۔ جن لوگوں نے ابو علی کو قتل کیا تھا انہوں نے اپنے اس فعل کو مودود سے چھپانے کی بہت کوشش کی کیونکہ انہوں نے مودود کے حکم کے بغیر ایسا کیا تھا۔ یہ قاتل مودود کو سفر کی ترغیب دیتے رہے اس ترغیب سے ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ مودود سفر کی مشغولیات میں مصروف ہو کر ابو علی کو بھول جائے۔ آخر کار یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور امیر مودود کابل کی طرف روانہ ہوا۔

مودود کی وفات

کابل پہنچنے کے بعد مودود نے خراسان جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں ترکمانیوں کا قلع قمع کرے اور اس ملک کو ان کے قبضے سے نکالے۔ اس ارادے کے پیش نظر مودود آگے بڑھا جب وہ سجاوند اور لہوکردہ کے قرب و جوار میں پہنچا تو اس نے سانکوت کے قلعے کا رخ کیا کہ اسے بھی فتح کرتا چلے۔ وہاں پہنچ کر مودود مرض قولنج کا شکار ہوا' بیماری روز بروز بڑھتی چلی گئی' اس وجہ سے اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کیا اور امیر عبد الرزاق کو سلجوقیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے سیستان روانہ کر کے خود عماری میں بیٹھ کر غزنی واپس ہوا۔ غزنی پہنچ کر اس نے میرک وکیل کو حکم دیا کہ ابو علی کو قید خانے سے رہا کر کے اس کے سامنے پیش کرے۔ میرک وکیل نے عیاری سے کام لیتے ہوئے ایک ہفتے کی مہلت طلب کی لیکن یہ ہفتہ گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ ۲۴ رجب ۴۴۱ھ کو مودود کا انتقال ہو گیا۔ مودود نے نو سال تک حکمرانی کی بعض مورخین کا بیان ہے کہ جس سال مودود کا انتقال ہوا اسی سال ماوراء النہر اور بامیہ کے تمام سرداروں نے آپس میں طے کیا تھا کہ اپنی دولت اور لشکر سے مودود کی مدد کر کے خراسان کو سلجوقیوں کی شورشوں سے پاک کر دیں گے' لیکن چونکہ سلجوقیوں کا ستارہ قسمت بلندی پر تھا اس لیے یہ سردار اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابو جعفر مسعود بن مودود

علی بن ربیع ایک مدت سے حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا جب مودود نے وفات پائی تو اس نے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود کو تخت پر بٹھا دیا۔ باتگین حاجب نے جو سلطان محمود کے امراء میں سے تھا اس جانشینی کو ناپسند کیا اور علی بن ربیع سے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ باتگین اور علی بن ربیع میں جنگ ٹھن گئی۔ غزنی کے قریب سبھی لوگ مسلح ہو کر باتگین کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اس زمانے میں سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے بیٹوں میں صرف ابو الحسن ہی غزنی میں تھا۔ علی بن ربیع نے یہ سوچ کر کہ ابوالحسن ہی اس کے نو عمر آقا (ابو جعفر مسعود بن مودود) کا دشمن بن کر اس کی (علی بن ربیع) کی بنائی ہوئی حکومت کو تہہ و بالا کر سکتا ہے۔ ابوالحسن کو تباہ و برباد کرنے کا پروگرام بنایا' ابوالحسن کو فوراً علی بن ربیع کے اس ارادے کی خبر ہو گئی اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے باتگین کے پاس پناہ لی۔ ابوالحسن کے پہنچتے ہی باتگین نے تمام اراکین سلطنت کے مشورے سے مسعود بن مودود کو پانچ یا چھ دن کی حکمرانی کے بعد تخت سے اتار دیا۔ اور اس کے چچا یعنی ابو الحسن بن مسعود کو سلطنت غزنی کا حکمران تسلیم کر لیا۔

ابوالحسن علی بن مسعود

یکم شعبان بروز جمعہ ۴۴۱ھ میں ابوالحسن بن مسعود نے غزنی کی عنان حکومت سنبھالی اور دختر جعفر بیگ سے جو مودود کے نکاح میں تھی' شادی کر لی۔ علی بن ربیع نے جب دیکھا کہ مسعود بن مودود کو تخت سے اتار دیا گیا ہے تو اس نے اپنی جان کو محفوظ نہ پا کر' میرک وکیل کے مشورے سے' جس قدر زر و جواہر سمیٹ سکا سمیٹ کر اپنے غلاموں کے ساتھ پشاور کی طرف فرار ہو گیا۔ پشاور پہنچ کر اس نے ملتان اور سندھ کے علاقے تک اپنا قبضہ کر لیا اور باغی افغانوں کو شکست دے کر خود مختار حکومت قائم کر لی۔ ابوالحسن نے انے دونوں بھائیوں مردان شاہ اور ایزد شاہ کو جو نائی کے قلعے میں قید تھے' بڑی عزت و حرمت سے رہا کیا اور انہیں اپنے پاس غزنی میں رکھا۔ اس وقت عبد الرشید بن محمود غزنوی کے خروج کی خبریں برابر غزنی میں آ رہی تھیں۔ اور ابوالحسن کو ہر وقت اپنی جان اور حکومت کا خطرہ تھا اس لیے اس نے اپنے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور رعایا اور سپاہیوں پر لطف و کرم کی بارش کر دی' لیکن قسمت نے ابوالحسن کا ساتھ نہ دیا اور باوجود اس کی سخاوت کے سال کے خاتمے پر عبدالرشید غزنی میں آ گیا او ر ابوالحسن کو شکست دے کر وہ خود حکمران بن بیٹھا۔ کچھ عرصے تک عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا رہا' ابوالحسن نے دو سال تک حکومت کرنے کے بعد فقیری اختیار کر لی۔

سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی

عبدالرشید کا باپ کون تھا؟ اس سلسلے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا صلبی بیٹا تھا۔ امیر مودود کے حسب الحکم عبدالرشید اس قلعے میں قید تھا جو بست اور اسفرائن کے درمیان واقع ہے۔ عبدالرزاق بن احمد حسن میمندی نے اثنائے راہ میں امیر مودود کی وفات کی خبر سنی۔ میمندی نے اسی وقت سیستان کی مہم کو ملتوی کیا اور تگیاباد کی راہ لی۔ وہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد ۴۴۳ھ کے آخر میں میمندی نے خواجہ ابوالفضل، رشید بن التونتاش اور توشگین وغیرہ کے مشورے سے اور امیر مودود کی وصیت کے مطابق عبدالرشید کو قید خانے سے نکال کر سلطنت غزنی کا وارث تسلیم کر لیا۔ یہاں سے میمندی نے عبدالرشید اور دوسرے امراء وغیرہ کو ساتھ لے کر غزنی کا سفر اختیار کیا۔

ابوالحسن نے جب عبدالرشید کی آمد کی خبر سنی تو وہ اس قدر بدحواس اور خوف زدہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی کے تاج و تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ عبدالرشید نے میدان خالی پایا اور کسی روک ٹوک کے بغیر تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور حکمرانی کرنے لگا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عبدالرشید نے ابوالحسن کو گرفتار کیا اور اسے وندی رو" کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس کے بعد اس نے علی بن ربیع کو (جس نے ہندوستان پر پوری طرح قبضہ کر لیا تھا اور کسی وجہ سے غزنوی بادشاہوں کے سامنے آنا پسند نہ کرتا تھا) اپنے پاس بلا کر اپنی طرف سے اطمینان دلایا۔ ابن ربیع کے معاملے کو اس خوش اسلوبی سے نباہ کر رشید نے ہندوستان کی طرف توجہ کی اور توشگین کو سپہ سالار بنا کر ایک زبردست لشکر کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔

عبدالرشید کا قتل

توشگین نے لاہور پہنچ کر نگرکوٹ کے قلعے کی طرف رخ کیا۔ پانچ چھ روز کے محاصرے کے بعد اسے فتح کر کے پھر سے اسلامی سلطنت کا جزو بنا لیا۔ توشگین کو لاہور بھیجنے کے بعد مودود نے اپنے برادر نسبتی طغرل حاجب کو بھی ایک بہت بڑی فوج کا سردار بنا کر سیستان روانہ کیا۔ اس نے سیستان پہنچ کر اس علاقے کو پوری طرح فتح کر لیا اور یہاں ایسے قدم جمائے کہ حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نمک حرام کی اس حد تک ہمت بڑھی کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ کر دیا۔ عبدالرشید کو جب طغرل کی آمد کی خبر ملی تو وہ مجبوراً قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ طغرل نے اس قلعے کو تسخیر کر لیا اور عبدالرشید کے علاوہ غزنوی خاندان کے دوسرے نو (۹) افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔

طغرل حاجب کی بادشاہت

طغرل غزنوی تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا اور اس نے امیر مسعود کی لڑکی سے شادی کر لی۔ ان تمام نمک حرامیوں کی وجہ سے اسے تاریخ میں "طغرل کافر نعمت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ طغرل نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد توشگین کرخی کو (جو عبدالرشید کے حکم سے پشاور میں مقیم تھا۔) ایک محبت آمیز خط لکھ کر اسے اپنے ہی خواہوں میں شریک کرنے کی چال چلی، لیکن توشگین نے وفاداری کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور طغرل کو اس کے خط کے جواب میں سخت سست کہا اور اس کی نمک حرامی پر اسے بہت لعنت ملامت کی۔ طغرل کو اس کے خط کا جواب دینے کے بعد توشگین نے ایک خفیہ خط مسعود کی بیٹی کے نام لکھا اور اسے طغرل کو قتل کرنے پر اکسایا۔ دختر مسعود کے علاوہ توشگین نے غزنوی خاندان کے پروردہ و پرداختہ امراء کو بھی خطوط بھیجے اور ان کی خاموشی پر لعنت ملامت کر

کے ان کے ضمیر کو بیدار کیا۔ توشتگین کے خطوط ملتے ہی تمام امراء کی رگوں میں شرافت کا لہو کھولنے لگا۔ اور سبھوں نے آپس میں مل کر طغرل کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

طغرل کا قتل

نو روز کے دن طغرل دربار عام منعقد کر کے سلطان محمود کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ ان امراء نے (جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے) موقع پا کر ایک دم اسے قتل کر دیا طغرل کے قتل کے بعد توشتگین بھی غزنی آ گیا اور اس نے تمام امراء اور دوسرے معزز لوگوں سے مل کر فیصلہ کیا کہ امیر سبکتگین کی اولاد کا سراغ لگانا چاہیے اور ان میں سے جو قابل اور بہترین شخص ہو اسے بادشاہ تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس فیصلے کے مطابق سبکتگین کی اولاد کے باقی ماندہ افراد کی تلاش شروع ہوئی۔ بڑی دقتوں اور مشکلوں کے بعد تین شہزادے ملے شاہزادہ فرخ زاد' شہزادہ ابراہیم شاہ اور شاہ شجاع یہ تینوں مختلف ممالک میں اسیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے ان میں سے بادشاہت کے لیے شاہزادہ فرخ زاد کو منتخب کیا گیا۔ تمام اراکین سلطنت نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس کی اطاعت گزاری کا عہد کیا۔

"طبقات ناصری" میں تحریر ہے کہ کسی نے طغرل سے سوال کیا "امارت کو چھوڑ کر تجھے بادشاہت کا خبط کیوں کر ہوا۔" طغرل نے جواب دیا۔ "جب عبدالرشید نے مجھے سیستان کی مہم پر روانہ کیا اس وقت اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مجھ سے وفاداری کا عہد لیا اس وقت میں نے دیکھا کہ بادشاہ کا سارا بدن خوف کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔ اسے اسی عالم میں دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا ڈرپوک شخص بادشاہت کے قابل نہیں ہے اور اسی وجہ سے میں نے بادشاہت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے ارادے میں کامیاب و کامران ہوا۔ عبدالرشید نے ایک سال سے کچھ کم عرصے تک بادشاہت کی۔

فرخ زاد بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی

سلطان فرخ زاد نے جب سلطنت غزنی کے تخت پر قدم رکھا تو حکومت کی باگ ڈور توسگین کرخی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ داؤد سلجوقی نے جب غزنی کے اس زبردست انقلاب کی خبر سنی تو اس نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ توسگین نے غزنی کے بہادر سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کیا اور داؤد سلجوقی کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ فریقین ایک دوسرے کے سامنے آئے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کے لیے جی توڑ کر کوششیں کیں۔ صبح سویرے سے لے کر شام کے وقت تک دونوں طرف سے لشکری بڑی بری طرح لڑتے رہے۔ سبھی کے ذہنوں پر اپنے حریف کو ختم کرنے کا خیال مسلط تھا۔ اس کے علاوہ انہیں کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ متواتر لڑائی کے باوجود طرفین میں سے کسی نے کسی قسم کی کوئی کمی ظاہر نہ کی، لیکن بارہ گھنٹے کی جان سوز معرکہ آرائی کے بعد سلجوقیوں کی ہمت جواب دیتی ہوئی نظر آئی اور میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑنے لگے۔

اپنے لشکریوں کو بدحواس و پریشان دیکھ کر سلجوقیوں کا سردار داؤد بھی ہمت ہار بیٹھا اور آخر کار مجبور ہو کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ توسگین کرخی نے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر تھوڑی دور تک مفرور سلجوقیوں کا پیچھا کیا اور ان کے مال و اسباب اور باربرداری کے جانوروں کو قبضے میں کر کے وہ کامیاب و کامران شہر میں داخل ہوا۔ اس فتح سے حکومت غزنی کو بہت استقامت ملی اور اس کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوئیں۔ اس کے بعد غزنوی فوج بڑی شان و شوکت کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہوئی۔

اس زمانے میں خراسان پر کلیسارق نامی شخص حکومت کر رہا تھا۔ وہ سلجوقیوں کا مطیع و فرمانبردار اور ان ہی کا آدمی تھا۔ کلیسارق نے جب غزنوی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی ایک زبردست فوج تیار کر کے اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ غزنوی لشکر سے اس کا سامنا ہو گیا۔ دونوں اطراف کے سپاہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور لڑائی کا بازار گرم ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ فریقین نے بڑی ہمت و جوان مردی کا ثبوت دیا اور ایک دوسرے کے خلاف بڑی جان بازی اور دلیری کے ساتھ لڑے۔ دونوں نے اس خوبی کے ساتھ معرکہ آرائی کی کہ اس کا ذکر حد بیان سے باہر ہے۔

اس معرکہ آرائی کا نتیجہ بھی غزنویوں کے حق میں رہا اور انہیں فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ کلیسارق مع اپنے نامی گرامی ساتھیوں کے غزنویوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ داؤد سلجوقی نے جب اپنے سپہ سالار کلیسارق کی گرفتاری اور سلجوقی لشکر کی شکست کی خبر سنی تو اس نے اپنے بیٹے الپ ارسلان کو فرخ زاد سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

توسگین کرخی نے اپنا لشکر تیار کیا اور الپ ارسلان کے مقابلے پر آیا۔ (اس مرتبہ بھی فریقین میں زبردست جنگ ہوئی لیکن اس جنگ کا نتیجہ پہلے سے مختلف تھا یعنی) سلجوقیوں کو فتح نصیب ہوئی اور غزنویوں کو شکست غزنی فوج کے چند نامی گرامی امیر سلجوقیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ الپ ارسلان بڑی شان و شوکت اور کروفر کے ساتھ اپنے ملک میں واپس آیا۔ فرخ زاد نے جب اس معرکہ آرائی کے انجام کی خبر سنی تو اس نے کلیسارق اور دوسرے سلجوقی سرداروں کو (جنہیں پہلی جنگ میں غزنویوں نے گرفتار کیا تھا) گراں قدر اور اعلیٰ درجے کے خلعت پہنا کر آزاد کر دیا۔ سلجوقیوں کو جب فرخ زاد کی اس مہربانی اور انسانی ہمدردی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس کے جواب میں غزنوی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

فرخ زاد کا باپ کون تھا؟ اس بارے میں (ٹھیک ٹھیک کسی نے کچھ نہیں لکھا) "روضتہ الصفا" (مشہور تاریخی کتاب) میں بیان کیا گیا ہے

کہ فرخ زاد سلطان مسعود کا بیٹا تھا۔ احمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان عبدالرشید کا بیٹا تھا۔ فرخ زاد نے چھ سال تک غزنی کی باگ ڈور سنبھالی آخر عمر میں اسے قولنج کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اسی مرض کے سبب اس نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

فرخ زاد کی وفات سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے کہ اس کے غلاموں کی ایک باغی جماعت نے فرخ زاد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک دن فرخ حمام میں نہا رہا تھا کہ یہ باغی وہاں گھس گئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ فرخ زاد نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور ان نمک حراموں کے مقابلے پر آ گیا۔ ان تمام غلاموں کے ساتھ فرخ زاد تن تنہا لڑتا رہا۔ اس نے اسی عالم میں کافی دیر تک حملہ آور گروہ کا مقابلہ کیا اور اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھائے اس دوران میں حمام کے باہر کھڑے ہوئے شاہی ملازموں کو اس سانحہ کی خبر ہو گئی یہ لوگ بھی شاہی حمام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے فوراً ان غلاموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بادشاہ کی جان بچائی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس واقعے کے بعد فرخ زاد ہمیشہ اپنی موت کو یاد کرتا رہتا تھا اور ہر وقت دنیا کی خواہش اور اس کی محبت سے بیزاری کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ فرخ زاد کے ابتدائی عہد حکومت میں وزارت کے منصب پر حسن بن مہران فائز رہا' لیکن آخری زمانے میں اس عہدے کے لیے ابوبکر بن صالح کا تقرر عمل میں آیا۔

ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی

سلطان فرخ زاد کے انتقال کے بعد اس کے بھائی ابراہیم بن مسعود نے عنان حکومت سنبھالی- سلطان ابراہیم بڑا متقی اور پرہیز گار انسان تھا اپنے عین شباب کے زمانے میں اس نے دنیاوی لذتوں کو ترک کر دیا تھا- رجب اور شعبان کے دونوں مہینوں میں رمضان کی طرح وہ روزے رکھتا تھا اور اس طرح تین ماہ اس کے لیے رمضان رہتا- یہ نوجوان صالح اپنے اس وقت کو جو امور سلطنت سے بچ رہتا خدا کی عبادت میں صرف کرتا- رعایا کی خبرگیری اور اس کی خوش حالی کی فکر اسے ہر وقت رہتی تھی وہ ملک پر بڑے انصاف کے ساتھ حکومت کرتا اور غریبوں میں صدقے اور خیرات کی تقسیم کیا کرتا تھا-

"جامع الحکایات" میں لکھا ہے کہ بادشاہی محل میں ہر سال ایک محفل وعظ و نصیحت ہوا کرتی تھی اور اس میں امام یوسف سجاوندیؒ اپنی تقریروں سے بادشاہ اور دیگر اہل محفل کے دل گرمایا کرتے تھے- سلطان امام یوسف سجاوندیؒ کے علم و فضل اور اتقا و پرہیز گاری کا بڑا خیال رکھتا تھا- (اور ان کی ہر بات کو خندہ پیشانی سے سنتا تھا یہی وجہ ہے کہ) امام ہر طرح کی بات سلطان سے بلا کسی جھجک اور خوف کے کہہ دیتے تھے- بلکہ اکثر اوقات تو سلطان کو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت الفاظ میں ٹوکا کرتے تھے- ان کے اس برتاؤ سے یہ حق پسند بادشاہ کبھی ملول یا آزردہ خاطر نہ ہوتا تھا-

عادات و خصائل

سلطان ابراہیم خط نسخ میں بہت عمدہ لکھتا تھا- اپنے عہد حکومت کے تمام عرصے میں اس نے اپنا یہ شعار بنائے رکھا کہ ہر سال ایک قرآن اپنے قلم سے لکھ کر مکہ معظمہ ارسال کیا کرتا تھا- بعض مورخین کا بیان ہے کہ سلطان موصوف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے بعض نسخے اب بھی کتب خانہ نبوی میں محفوظ ہیں- چونکہ یہ فرمانروا بے حد نیک' پاک فطرت اور خدا کے بندوں پر مہربان تھا اس لیے اس نے سلجوقیوں سے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ کوئی دوسرے پر حملہ نہ کرے اور رعایا کو جو خداوند تعالیٰ کی ودیعت ہے ملک گیری کی ہوس میں تباہ و برباد نہ کرے- ابراہیم نے اپنے بیٹے مسعود کی شادی ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی سے کی اور اس باہمی معاہدے کو مستحکم و پائیدار بنایا- مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدے سے پہلے ایک بار سلجوقی نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا- ابراہیم نے جب یہ خبر سنی تو بڑا پریشان ہوا (اس جنگ کی مصیبت سے بچنے کے لیے اس نے ایک چال چلی) اور سلجوقی امیروں کے نام کچھ خطوط لکھے جن میں یہ مضمون درج کیا کہ "مجھے یہ جان کر بے انتہا مسرت ہوئی ہے کہ تم سب نے اپنے بادشاہ کو غزنی کے سفر پر آمادہ کرنے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا' جس طرح تم نے بادشاہ کو اس سفر پر آمادہ کر لیا ہے اسی طرح اب یہ کوشش بھی کرو کہ جلد سے جلد غزنی پہنچ جاؤ تاکہ ہم سب جلد از جلد ملک شاہ سے چھٹکارا حاصل کر لیں- اس کارگزاری کے صلے میں میں تمہیں مالا مال کر دوں گا اور جو رقوم تم سے طے ہوئی ہیں ان کو دگنی تعداد میں ادا کروں گا-" ابراہیم نے یہ خطوط اپنے ایک ملازم کو دیئے اور اس سے کہا "ملک شاہ کو شکار کا بہت شوق ہے تو اس موقع پر انتظار کر اور جب وہ شکار کھیلنے کے لیے روانہ ہو اس وقت اس کے پیچھے پیچھے شکار گاہ میں پہنچ جا جب سلجوقی سپاہی تجھے دیکھیں گے تو تجھے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے جائیں گے اور بادشاہ جب تجھ سے باز پرس کرے تو پہلے کچھ حیلہ و بہانہ کرنا اور بعد ازاں یہ خطوط اس کے حوالے کر دینا-"

اس کاروائی سے سلطان ابراہیم کی غرض یہ تھی کہ ملک شاہ کے ہاتھ جب یہ خطوط لگیں تو سلجوقی امراء میں سے کوئی اس وقت اس کے

پاس نہ ہو۔

(یہ قاصد یا ملازم روانہ ہوا اور) قصبہ اسفرائن (خراسان کا ایک مشہور مقام) میں جا پہنچا۔ جہاں کہ ان دنوں ملک شاہ خیمہ زن تھا۔ اپنی عادت کے مطابق ایک دن ملک شاہ شکار کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان ابراہیم کا قاصد بھی اپنے پروگرام کے تحت اس کے پیچھے چل دیا ملک شاہ کے سپاہیوں نے جب اس قاصد کو دیکھا تو اسے حراست میں لے لیا اور ملک شاہ کے سامنے پیش کیا جب ملک شاہ نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ قاصد کو کوڑے لگائے گئے اور اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی تو اُس نے (پہلے سے طے شدہ طریق کار کے مطابق) یہ اقرار کیا کہ میں سلطان ابراہیم کا قاصد ہوں اور اس کے ایما پر یہاں آیا ہوں تاکہ اس کے دیئے ہوئے کچھ خطوط سلجوقی امیروں تک پہنچا دوں۔ ملک شاہ نے وہ خطوط اس سے لے کر پڑھے اور فوراً اس نے اپنے ملک کو واپسی کا ارادہ کر لیا۔ (اپنے دارالحکومت پہنچ کر اس نے اس بارے میں تحقیقات کی جس کے نتیجے میں اس پر ظاہر ہو گیا کہ اس کے امراء سلطان ابراہیم کے ارادہ سے بالکل بے خبر ہیں اور یہ محض ابراہیم کی ایک ترکیب تھی جس پر عمل کر کے اس نے جنگ کے مصائب سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ اس واقعے کے بعد ملک شاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "اگرچہ ابراہیم نے یہ چال اس لیے چلی تھی کہ غزنوی اور سلجوقی لشکروں میں مقابلہ نہ ہو کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس کے نتیجے میں غزنوی فوج میدان جنگ سے بھاگ نکلے گی اور فتح سلجوقیوں کو ہو گی' لیکن یہ حیلہ کر کے اس نے میرے ارادے سے مجھے باز رکھا ہے اس لیے فتح دراصل اسی کو ہوئی ہے اور مجھے شکست۔"

اجودھن اور روپال کے قلعوں کی فتح

جب سلجوقیوں کی طرف سے ابراہیم شاہ کو اطمینان ہوا تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ہندوستان کی طرف بھیجا۔ اس لشکر نے ہندوستان کے اکثر حصے فتح کیے جو اب تک اسلامی سلطنت سے علیحدہ رہے تھے ۴۷۲ھ میں ابراہیم شاہ خود ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مشہور معروف قلعے اجودھن کا (جو اب پاک پٹن کے نام سے شہرت یافتہ ہے اور لاہور سے سو (۱۰۰) کوس کے فاصلے پر واقع ہے) محاصرہ کر کے اسے فتح کیا اجودھن کو سر کرنے کے بعد ابراہیم نے پنجاب کے سب سے بڑے قلعے روپال کی طرف توجہ کی یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا۔ جس کے ایک طرف تو دریا بہتا تھا اور دوسری طرف ایک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل میں خود رو درختوں کی تعداد شمار سے باہر تھی اور یہ سب آپس میں اس طرح ملے ہوئے تھے کہ سورج کی کرنوں کے لیے زمین تک پہنچنا محال تھا۔ ان میں سے بیشتر درختوں پر ہر وقت زہریلے سانپ بھی لپٹے رہتے تھے (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے) قلعہ کے دونوں طرف ٹھہرنے کے لیے بالکل جگہ نہ تھی قلعے کی حالت اور اس کے آس پاس کا یہ عالم ہر حملہ آور کو خوف زدہ کرنے اور ان کی ہمتیں توڑنے کے لیے کافی تھا' لیکن ابراہیم شاہ نے دامن ہمت و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مشکلات کا جوان مردی سے مقابلہ کرتا ہوا وہاں تک جا پہنچا۔ کچھ عرصے تک قلعے کا محاصرہ کرنے کے بعد اس نے آخر کار اسے فتح کر لیا۔

درہ کی فتح

قلعہ روپال کو سر کرنے کے بعد ابراہیم نے اس کے قریب ہی کے ایک شہر درہ پر حملہ کیا۔ یہ شہر غیر مسلموں سے آباد تھا جو خراسانی نسل سے تعلق رکھتے تھے یہ باشندے ان خراسانیوں کی نسل سے تھے جنہیں افراسیاب نے خراسان سے جلا وطن کر کے ہندوستان کی سرحد پر آباد کیا تھا یہ لوگ بت پرستی اور اسی قسم کی دوسری خرافات میں مبتلا تھے۔ درہ میں ایک تالاب تھا جس کا قطر ایک میل تھا' اس تالاب کی گہرائی بے پناہ تھی لہٰذا اس کی تہہ کا پتہ چلانا بہت مشکل تھا۔ تالاب میں پانی بڑی کثرت سے رہتا تھا باوجود اس کے کہ اس شہر کے تمام باشندے اور جانور یہاں کے پانی کو استعمال کرتے تھے پھر بھی پانی کم نہ ہوتا تھا شہر کے آس پاس چاروں طرف انتہائی گھنے جنگل تھے۔ اس وجہ سے شہر میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستوں کا پتہ چلانا بہت مشکل تھا۔ گزشتہ بادشاہوں نے اس شہر کے باشندوں کو اپنا

باج گزار بنانا ہمیشہ مشکل سمجھا اور اس وجہ سے کبھی اس طرف توجہ نہ کی' لیکن محمود غزنوی کا باہمت اور بہادر جانشین کسی قسم کی مشکلوں سے نہ گھبرایا اور اس نے یہاں کے باشندوں تک نور اسلام کو پہنچانے کا پورا پورا ارادہ کر لیا- اس نے کئی ہزار پیادوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ لشکر کے آگے چلیں اور راستے کے درختوں کو کاٹ کر لشکر کے لیے راستہ ہموار کرتے جائیں اس طریق کار کا یہ نتیجہ ہوا کہ راستہ صاف ہو گیا اور غزنوی لشکر کو آگے بڑھنے میں بڑی آسانی ہو گئی- جب یہ لشکر جاں بازدرہ کے قریب پہنچا تو برسات کا موسم شروع ہو گیا اور بڑی موسلا دھار بارش ہونے لگی اس وجہ سے لشکر کو کچھ عرصے کے ملیے شہر کی سرحد پر ہی قیام کرنا پڑا- اگرچہ برسات اہل لشکر کے لیے باعث زحمت ثابت ہوئی' لیکن الوالعزم بادشاہ ابراہیم کی پیشانی پر بل نہ آیا اور وہ قلعے کو فتح کرنے کے ارادے پر پہلے کی طرح ثابت قدم رہا- تین ماہ کے عرصے کے بعد بارش نے دم لیا اور لشکر کو شہر کے قریب پہنچنے کا موقع ملا-

ابراہیم شاہ خود تو اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے کنارے پر مقیم رہا اور اپنے چند آدمیوں کو اہل شہر کے پاس اسلام کی دعوت دے کر بھیجا لیکن اس دعوت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور درہ کے باشندے اپنے قدیم آبائی مذہب پر قائم رہے (یہ عالم دیکھ کر ابراہیم شاہ کے لیے شہر پر حملہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا) لہٰذا اس نے مایوس ہو کر شہر پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی- ابراہیم اس شہر سے ایک لاکھ لونڈیاں اور غلام مع بہت سے بیش قیمت مال و اسباب اپنے ہمراہ لے کر واپس ہوا-

ابراہیم کی مستقل مزاجی---- ایک واقعہ

بعض تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز ابراہیم شاہ غزنی کی شاہراہ پر چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک مزدور کو دیکھا جو کسی شاہی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں ایک بھاری پتھر اپنے سر پر اٹھا کر چلا جا رہا تھا- یہ مزدور بڑا کمزور تھا اور پتھر کے بوجھ سے بالکل دبا جا رہا تھا مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ابراہیم شاہ کو بڑا ترس آیا اور اس مزدور کو حکم دیا کہ وہ پتھر کو پھینک دے- مزدور نے حکم کی تعمیل کی اور اس طرح پتھر کے جان لیوا بوجھ سے نجات حاصل کی- وہ پتھر وہیں شاہراہ پر پڑا رہا اور ابراہیم شاہ اپنے محل کی طرف چلا گیا- پتھر راستے کے بیچوں بیچ کچھ اس طرح پڑا تھا کہ تمام راہ گیر---- پیادے ہوں یا سوار---- اس پتھر سے ٹھوکر کھاتے راستے چلنے والوں کو یہ تکلیف دیکھ کر ایک شخص نے ابراہیم شاہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو یہ پتھر یہاں سے اٹھوا کر ایک طرف کر دیا جائے (تاکہ راستہ صاف ہو جائے) اور لوگوں کو اس روزانہ کی تکلیف سے رہائی ملے- ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا "میں ایک شخص سے کہہ چکا ہوں کہ اس پتھر کو پھینک دے- اب اگر میں کسی دوسرے شخص کو اس پتھر کے اٹھانے کا حکم دوں گا تو پھر میری بات کا اعتبار اٹھ جائے گا اور لوگ مجھے متلون مزاج سمجھنے لگیں گے- ظاہر ہے کہ رعایا کا اپنے بادشاہ کے متعلق ایسا خیال رکھنا کسی طرح مناسب نہیں-" مورخین بیان کرتے ہیں کہ یہ پتھر بہرام شاہ کے دور کے آخر تک اسی جگہ پڑا رہا اور ابراہیم شاہ کے حکم کی اس کے بعد بھی اس قدر وقعت تھی کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی کسی نے مرحوم بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی-

سلطان ابراہیم کثیرالاولاد تھا- بیٹوں کی تعداد چھبیس (۲۶) اور بیٹیوں کی تعداد چالیس (۴۰) تھی اس نے اپنی بیٹیوں کی ملک کے مشاہیر سادات اور علماء کے ساتھ شادیاں کیں-

ابراہیم کے سنہ وفات اور مدت فرمانروائی میں اختلاف پایا جاتا ہے بعضوں کا بیان ہے کہ اس نے اکتیس (۳۱) سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۱ھ میں وفات پائی' لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اس نے بیالیس (۴۲) سال حکومت کی ۴۹۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا- ابراہیم کے دور حکومت کے ابتدائی دنوں میں ابو سہیل خجندی اور خواجہ مسعود رجی وزیر تھے مگر آخری زمانے میں یہ خدمت عبدالحمید احمد بن عبد الصمد کے سپرد کی گئی- اس وزیر کی مدح میں ابوالفرج کا وہ قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے-

ترتیب فضل قاعدۂ جود و رسم داد
عبد المجید احمد عبد الصمد نہاد

ابوالفرج

ابوالفرج سلطان کا ہم عصر تھا اسے بعض مورخین سیستانی اور بعض غزنوی بیان کرتے ہیں (مشہور شاعر) عنصری اسی شہرہ آفاق استاد کا شاگرد ہے۔ ابوالفرج نے مشہور سامانی امیر ابو علی سمجوری کے زمانے میں اپنے استادانہ کمالات کا مظاہرہ کیا اور ہمیشہ اسی خاندان کا مداح رہا وہ ایک بلند مرتبہ شاعر اور صاحب جاہ و حشم تھا۔ آل سامان ہمیشہ اسے اپنے عطیوں سے مالا مال کرتے رہے ابو الفرج کو فن شاعری پر کمال دسترس تھی۔ فن شاعری و عروض کے بارے میں اس کی ایک کتاب بھی موجود ہے اس کے اشعار کی بلند معیاری کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے مصنفین اپنی کتابوں میں اس کے اشعار بطور سند درج کرتے ہیں۔ ابو الفرج کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے۔

عنقائے مغرب ست دریں دور خرمی خاص از برائے محنت و غم زاد آدمی
ہر چند گرد عالم صورت برآمدم! غم خوار آدم آمده بیچاره آدمی
ہر کس بقدر خویش گرفتار محنت است کس را نہ داده اند براست مسلمی

علاؤالدولہ مسعود بن ابراہیم بن مسعود غزنوی

سلطان مسعود بہت ہی سخی اور نیک طبیعت انسان تھا- اس نے بڑے ہی انصاف سے حکومت اور ان تمام برائیوں کا قلع قمع کیا جو سلطنت کی تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتی تھیں- اس نے اپنے باپ ابراہیم کے عہد کے امراء کو ان کے منصبوں پر برقرار رکھا- اور ان کی جاگیروں کی بحالی روا رکھی- اس نے سلطان سنجر کی بہن "مہو عراق" کے ساتھ شادی کی اور یوں سلجوقیوں کے ساتھ اخوت اور محبت کے مراسم پیدا کیے-

سلطان مسعود نے جاگیردار لاہور "حاجب طغا" کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے ہندوستان پر حملے کرنے کا حکم دیا- طغا نے دریائے گنگا کو عبور کر کے ہندوستان کے ان علاقوں میں ہنگامہ غارت گری گرم کیا جہاں سلطان محمود غزنوی کے علاوہ کسی مسلمان بادشاہ کا گزر نہ ہوا تھا- طغا بہت سا مال غنیمت لے کر واپس آیا-

سلطان محمود نے سولہ (۱۶) سال تک فرمانروائی کی ۵۰۸ھ میں اس کا انتقال ہوا- اس نے اپنے عہد حکومت میں بغیر کسی فتنہ و فساد کے بڑی عمدگی سے حکومت کے فرائض انجام دیئے-

"تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ سلطان مسعود کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا کمال الدولہ شیر زاد تخت نشین ہوا- تخت نشینی کے ایک سال بعد وہ اپنے بھائی ارسلان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا' لیکن باقی تمام مورخین ارسلان شاہ کو سلطان مسعود کے بعد بے واسطہ بادشاہ تسلیم کرتے ہیں-

سلطان الدولہ ارسلان شاہ بن سلطان مسعود

ارسلان شاہ نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے بھائیوں کو گرفتار کر لیا- ان مصیبت زدہ بھائیوں میں سے صرف ایک اپنی جان بچا کر نکل سکا وہ بہرام تھا جو سلطان سنجر کے پاس پناہ گزین ہوا- اس میں سلطان سنجر اپنے بھائی محمد سلطان بن ملک شاہ کی طرف سے خراسان کا حاکم تھا- ارسلان شاہ نے بہرام کی طلبی کے لیے سلطان سنجر کو کئی خطوط روانہ کیے اور ہر طرح سے عاجزانہ درخواست کی لیکن سنجر اس کے کہنے میں نہ آیا اور اس نے ارسلان کی خواہش کے برعکس بہرام کی ہر ممکن امداد کرنے کا پکا ارادہ کر لیا وہ ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے بہرام کے ساتھ خود بھی غزنی پر حملہ آور ہوا-

ارسلان شاہ نے سنجر کے اس اقدام کی سلطان محمد سے شکایت کی اور یہ درخواست کی کہ سلطان محمد اپنے بھائی کو جنگ کرنے سے باز رکھے- سلطان محمد نے (ارسلان کی درخواست کے پیش نظر) بہرام اور ارسلان میں صلح کی بہت کوشش کی لیکن اس کی کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا- جب ارسلان شاہ سلطان محمد کی کوشش سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنی ماں مہو عراق کو' جو سلطان سنجر کی سگی بہن تھی دو لاکھ دینار اور دوسرے بہت سے گراں قدر تحفے تحائف دے کر سلطان سنجر کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اس کی معرفت سلطان سنجر سے صلح کی بات چیت کرے' مہو عراق (ارسلان سے خوش نہ تھی) اس کے مظالم سے بہت تنگ آ چکی تھی نیز اسے اپنے دوسرے بیٹوں کی تباہی کا بھی از حد ملال تھا اس لیے اس نے سلطان سنجر سے صلح کی بات چیت کرنے کی بجائے اپنے بھائی کے پاس پہنچ کر ارسلان کے مظالم کی داستان بیان کی اور اس سے غزنی پر حملہ کرنے کے لیے بہت اصرار کیا-

ارسلان شاہ کو جب اپنی ماں کی طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو اس نے مجبوراً جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور تیس (۳۰) ہزار سواروں' بے

شمار پیادوں اور ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوہ پیکر ہاتھیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر کے غزنی سے ایک کوس کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا تاکہ سنجر سے معرکہ آرائی کرے۔ سنجر اور بہرام کا (مشترکہ) لشکر بھی فوراً سامنے آیا اور فریقین میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ ابتدا میں دونوں لشکر پوری جوانمردی سے لڑتے رہے۔ اور میدان جنگ میں جمے رہے لیکن کچھ دیر بعد سیستان کے بادشاہ ابوالفضل کی ہمت و جوان مردی کے طفیل سنجر و بہرام کا لشکر ارسلان کے لشکر پر غالب آنے لگا اور حریف کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑنے لگے۔ ارسلان شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اور سلطان سنجر فاتح کی حیثیت سے غزنی میں داخل ہوا۔ سنجر نے چالیس (۴۰) روز تک غزنی میں قیام کیا' وہاں کی حکومت اس نے بہرام کے سپرد کی اور خود واپس خراسان آ گیا۔

ارسلان نے جب سنجر کی واپسی کی خبر سنی تو اس نے ہندوستانیوں کی ایک فوج تیار کی اور غزنی پر حملہ کر دیا بہرام ارسلان کا مقابلہ نہ کر سکا اور بامیان (مقام "بامیان" شہر کابل کے شمال مغرب میں اس سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔) کے قلعے پر پناہ گزین ہو گیا۔ ارسلان چاہتا تھا کہ بہرام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے اور خود غزنی پر پھر قابض ہو جائے کہ اچانک سلطان سنجر کا زبردست لشکر اس کے سر پر آ پہنچا۔ اس لشکر کو دیکھ کر ارسلان کے ہوش اڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر افغانوں کی طرف بھاگ نکلا۔ سنجر کے لشکر نے اس کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کیا اور بہرام کے حوالے کر دیا۔ بہرام نے فوراً اس بدکردار کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا' ارسلان نے تین (۳) سال حکومت کرنے کے بعد ستائیس (۲۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔

"طبقات ناصری" میں لکھا ہے کہ ارسلان کا سہ سالہ عہد حکومت آسمانی مصیبتوں اور تباہیوں کا دور تھا غزنی کی حالت تباہ ہو گئی۔ اس کے عہد میں بجلی گرنے اور آگ کی بارش ہونے سے غزنی کے بہت سے گھر اور بازار تباہ و برباد ہو گئے۔

معزالدولہ بہرام شاہ بن مسعود

بہرام شاہ بڑے رعب داب اور شان و شوکت کا بادشاہ تھا وہ عالموں' فاضلوں اور فقیروں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتا تھا تاکہ ان سے اچھی عادتیں سیکھ سکے' وہ ہر پڑھے لکھے اور ماہر فن شخص کی قدر کرتا تھا۔ بہرام شاہ کی علم دوستی اور انسان شناسی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے عہد کے بڑے بڑے مصنفوں نے اپنی تصانیف اسی کے نام پر معنون کی ہیں۔ حضرت شیخ نظامی کی شہرہ آفاق مثنوی "مخزن الاسرار" اسی بادشاہ کے نام پر منسوب ہے۔ اس عہد کے ایک مشہور شاعر سید حسن غزنوی نے بہرام کے جلوس کی تہنیت میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

منادی برآمد زہفت آسمان

کہ بہرام شاہ است شاہ زماں

یہ قصیدہ سید حسن غزنوی نے سلطان سنجر کی خدمت میں پیش کیا۔

کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ

(مشہور ہندی کتاب) کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ فارسی میں پہلی بار بہرام ہی کے زمانے میں ہوا اور اسی کے نام سے منسوب کیا گیا۔ کلیلہ و دمنہ کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ نے یہ کتاب اور بساط شطرنج اور اس کے مہرے نوشیرواں عادل کی خدمت میں بطور تحفے کے ارسال کیے۔ حکیم بزرجمہر نے بڑی محنت اور کاوش سے اس کتاب کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ نیز بساط شطرنج پر مہروں کو جمانے اور ان کی چال پر بہت غور و فکر کر کے شطرنج کھیلنے کا طریقہ معلوم کیا۔ شطرنج کی حقیقت سے واقف ہو کر بزرجمہر نے ہندوستان کے قاصد سے یہ کھیل کھیلا۔ پہلی مرتبہ تو بازی قائم رہی البتہ دوسری بار بزرجمہر نے ہندوستان کے قاصد کو مات دے دی۔ بزرجمہر نے اس کھیل کے مقابلے پر "چوسر" ایجاد کی اور نوشیرواں کی طرف سے اسے ہندوستان کے راجہ کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کیا۔ ہندوستان کے باشندے اس کھیل کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے اور آخر کار مجبور ہو کر ہندوستانی عالموں نے عجمی قاصد سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ شطرنج اور چوسر کی نوعیت و حقیقت پر غور کرنے سے ہندوستانیوں اور عجمیوں کے عقیدوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ شطرنج کی ایجاد سے ہندوستانیوں کا منشا یہ ہے کہ دنیا کی تمام نیکیوں اور برائیوں کا انحصار انسان پر ہی ہے اور یہاں کے سب کام اسی کی کوششوں کے مرہون منت ہیں دنیاوی کاموں کے سلسلے میں تقدیر یا قضا و قدر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مختلف امور مثلاً تحصیل علم' ترقی درجات وغیرہ کے سلسلے میں انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا ہی اس کا نتیجہ ہو گا انسان کی دنیاوی زندگی کا آسمانی تاثیرات اور ستاروں کی گردش وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ہندوستانیوں کا یہ عقیدہ عجمیوں کے عقیدے کے خلاف ہے اس لیے بزرجمہر نے چوسر ایجاد کر کے ہندوستانی عالموں کے پاس بھیجا۔ چوسر کھیلنے کے طریقے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کی ذاتی کوشش کو دنیاوی امور کے سلسلے میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ دنیا کا ہر کام دست قضا و قدر کا محتاج ہے۔ ہر کام میں اگر تدبیر' تقدیر کے موافق ہوتی ہے تو کام بنتا ہے ورنہ انسان کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوتی ہے نرد کے تختے کی ہیئت آسمان سے مشابہ ہے اور پانسوں اور نقطوں سے مراد سیارے ہیں۔ آسمان اور سیاروں کی طرف یہ اشارہ اس مفہوم کا حامل ہے کہ قلم قدرت نے انسان کی پیشانی پر جس

طرح کا نقش کھینچا ہے اسی کے مطابق انسان کو دنیا میں اپنی کوشش کے پانسے پھینکنے پڑتے ہیں۔
بزرجمہر کی ترجمہ کردہ کتاب (یعنی کلیلہ و دمنہ) ایک عرصے تک صرف عجمیوں ہی میں مقبول رہی لیکن رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ابن المقفع نے فارسی سے عربی میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد بہرام شاہ کے عہد میں اس عربی ترجمے کو پھر علمی فارسی کا لباس پہنایا گیا سلطان حسین مرزا کے زمانے میں ملا حسین واعظ نے بہرامی دور کے نسخے کی مشکل اور دقیق عبارتوں کو سلیس اور شگفتہ فارسی میں لکھا اور جابجا درج کیے ہوئے اشعار کو حذف کر کے موجودہ نسخے کو مرتب کیا جو آج کل "انوار سہیلی" کے نام سے مشہور ہے۔

محمد باہیلم سے معرکہ آرائی

بہرام شاہ نے اپنے عہد حکومت میں کئی بار ہندوستان پر حملہ کیا اور ہر بار ہندوستان کے باغیوں اور سرکشوں کو شکست فاش دے کر ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دی۔ بہرام نے پہلی بار ۵۱۲ھ میں ہندوستان پر لشکر کشی کی اور اس نے محمد باہیلم کو ستائیس (۲۷) رمضان کے دن حراست میں لے لیا۔ محمد باہیلم سلطان ارسلان شاہ کا مقرر کردہ ہندی لشکر کا سپہ سالار تھا اور ارسلان کے انتقال کے بعد غزنوی حکومت کی اطاعت سے منحرف ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا کچھ دنوں بعد بہرام نے محمد باہیلم کا قصور معاف کر دیا اور اسے دوبارہ ہندی لشکر کا سپہ سالار بنا دیا اور خود واپس غزنی چلا آیا۔ باہیلم نے بہرام شاہ کی اس شفقت اور مہربانی کا ذرا خیال نہ کیا اور اس کے واپس ہوتے ہی ناگور (یہ مقام ریاست جودھپور میں واقع ہے) کا قلعہ تعمیر کر کے اپنے بیوی بچوں کو اس قلعے میں بحفاظت چھوڑ کر خود عربی، عجمی، افغانی اور خلجی سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر کے ہندوستان کے سرکشوں کو زیر کرنے میں باہیلم کو پوری پوری کامیابی ہوئی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ باہیلم کا غرور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اس غرور کے نشے میں سرشار ہو کر اس نے کھلے بندوں ملک گیری اور مستقل حکمرانی کی تیاریاں شروع کر دیں بہرام شاہ نے جب اس نمک حرام کا حال سنا تو وہ فوراً غزنی سے ہندوستان آیا' باہیلم نے بھی جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اپنے دس بیٹوں کو جو ملک کے مختلف حصوں کے امیر تھے، ساتھ لے کر، اپنے محسن آقا (بہرام شاہ) کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ ملتان کے قریب دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا (اور لڑائی شروع ہو گئی) طرفین میں زبردست معرکہ کار زار گرم ہوا۔ یہ ایسی گھمسان کی جنگ تھی کہ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ باہیلم کے لشکری اگرچہ پوری جواں مردی و جواں ہمتی سے لڑ رہے تھے مگر چونکہ ان کے سردار کے سر پر کفران نعمت کا وبال تھا اور اسے اس کے برے اعمال کی سزا ملنا ضروری تھی۔ اس لیے غزنوی فوج کا پلہ بھاری ہونے لگا اور باہیلم کے لشکری میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ باہیلم نے جب اپنے لشکریوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ اپنے دو بیٹوں اور چند مصاحبوں کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اسی بھاگنے کے دوران میں اتفاقاً ایک گہرے دلدل میں جا گرا اور مع اپنے گھوڑے کے اس انداز سے ہلاک ہوا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔
بہرام شاہ نے باہیلم کی سرکشی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حسین بن ابراہیم علوی کو لشکر ہند کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود واپس غزنی آیا۔

سیف الدین سوری کی یورش

بہرام شاہ نے اپنے آخری زمانے میں اپنے داماد قطب الدین سوری کو قتل کروا دیا تھا۔ مقتول کا حقیقی بھائی سیف الدین سوری اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے غزنی پر حملہ آور ہوا۔ بہرام شاہ سیف الدین سوری کا مقابلہ نہ کر سکا اور غزنی سے فرار ہو کر کرمان چلا گیا۔ یہ کرمان وہ ایرانی مقام کرمان نامی نہیں ہے جس کا تاریخوں میں اکثر ذکر آتا ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان اور غزنی کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کو افغانوں نے حملہ آوروں کی دسترس سے باہر سمجھ کر اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ سیف الدین نے موقع دیکھ کر غزنی پر قبضہ کر لیا،

اسے اہل غزنی پر اس قدر بھروسا ہو گیا تھا کہ وہ غزنی ہی میں مقیم ہو گیا لیکن اپنے بھائی علاؤالدین کو تمام غوری امیروں اور لشکر کے سرداروں کے ہمراہ اپنے ملک واپس بھیج دیا۔ سیف الدین نے غزنی میں اپنے قیام کے دوران میں اہل غزنی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ چونکہ غوری بالکل بے دست و پا تھے اس لیے انہوں نے غزنویوں پر کسی قسم کا ظلم کرنا کبھی مناسب نہ سمجھا۔ اہل غزنی اس مروت اور حسن سلوک کی اصل وجہ سے واقف تھے اس لیے وہ بظاہر تو سیف الدین کی اطاعت کا دم بھرتے رہے' لیکن بباطن بہرام شاہ کے فرمانبردار تھے اور اس سے خفیہ طور پر خط و کتابت رکھتے تھے۔ اہل غزنی نے اپنی اس سیاسی چال کو اس قدر طول دیا کہ سردیوں کا موسم آ گیا اور غورستان کے تمام راستے برف سے بھر گئے۔ بہرام شاہ اسی موقعے کے انتظار میں تھا۔ اس نے فوراً افغانی' خلجی اور دوسرے صحرائی فرقوں کا ایک زبردست لشکر تیار کیا اور غزنی پر حملہ کر دیا۔ سیف الدین پر چونکہ اہل غزنی کے اعتماد کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس لیے اس نے بہرام شاہ کے حملے کی خبر سن کر اہل غزنی سے مشورہ کیا۔ غزنویوں نے اپنے مطلب کی رائے دی اور اس سے بجائے یہ کہنے کے کہ وہ اپنے ملک واپس چلا جائے اسے بہرام شاہ سے مقابلہ کرنے پر اکسایا۔ سیف الدین ان کے فریب میں آ گیا اور غزنویوں کا ایک لشکر اپنے ہمراہ لے کر شہر سے باہر نکلا اور بہرام شاہ کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا۔ ابھی لڑائی شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ غزنویوں نے سیف الدین کو گرفتار کر کے بہرام شاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ سیف الدین کا منہ کالا کر کے اسے ایک گائے پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا جائے اور اس کی ذلت و رسوائی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جائے۔ حسب الحکم سیف الدین کو ایک کمزور گائے پر سوار کیا گیا اور سارے شہر میں اس کی تشہیر کی گئی شہر کے لڑکے بلکہ معمر لوگ بھی اس کے پیچھے تالیاں بجاتے اور فقرے کستے ہوئے گھومتے رہے اس کے بعد بہرام نے سیف الدین کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر تن سے جدا کر کے سلطان سنجر کی خدمت میں بھیج دیا۔ سیف الدین کے وزیر مجد الدین کا بھی یہی حشر ہوا۔

علاؤالدین سے معرکہ آرائی

جب سیف الدین کے بھائی علاؤالدین نے اپنے بھائی کا یہ حشر سنا تو اس کی حالت سخت متغیر ہوئی اسی عالم پریشانی میں اس نے ایک زبردست اور جنگجو لشکر تیار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا۔ بہرام شاہ اور علاؤالدین کے درمیان جنگ ہوئی یا نہیں؟ اس بارے میں دو روایتیں مشہور ہیں۔ صحیح روایت تو یہ ہے کہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ علاؤ الدین کے غزنی پہنچنے سے پہلے ہی بہرام شاہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا اور اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔۔ لیکن عام طور پر مورخین یہی بیان کرتے ہیں کہ بہرام شاہ اور علاؤالدین کے درمیان باقاعدہ جنگ ہوئی اور بہرام شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف فرار ہو گیا۔ اس سارے قصے کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ بہرام شاہ نے علاؤالدین کی آمد کی خبر سنی تو ایک قاصد کے ذریعے اسے پیغام بھجوایا کہ "تیری خیریت اسی میں ہے کہ تو واپس غورستان لوٹ جا اور اپنے ارادے سے باز آ' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ غزنوی حکومت کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ غزنی کے بادشاہوں کے پاس لاکھوں جنگجو جوان اور ہزاروں کوہ پیکر ہاتھی دشمنوں اور باغیوں کی پامالی و بربادی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تجھے چاہیے کہ تو اپنے انجام پر غور کرے اور میرے مقابلے کے لیے نہ آئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری عاقبت نااندیشی کے ہاتھوں دنیا میں خاندان غور کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ رہے۔"

علاؤالدین نے بہرام شاہ کا یہ پیغام سن کر اس کے قاصد سے کہا' بہرام سے جا کر یہ کہہ دے کہ جو سلوک اس نے ایک شہزادے (سیف الدین) کے ساتھ کیا ہے وہ بذات خود غزنی کی بربادی اور تباہی کی ایک دلیل ہے۔ دنیا میں یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو مغلوب کرتا ہے' اپنے دشمن کو گرفتار کرتا ہے اسے قتل بھی کرتا ہے لیکن بہرام نے اپنے ایک تاجدار حریف (سیف الدین) کے ساتھ جو ناشائستہ حرکت کی ہے وہ ایسی ہے کہ شاید کسی باغیرت بادشاہ نے اپنے مغلوب کے ساتھ نہ کی ہو گی۔ مجھے اس بات کا

پورا پورا یقین ہے کہ بہرام کو اس کی بدکرداری کا بدلہ زمانہ ضرور دے گا اور اسے میرے ہاتھوں سے سزا ملے گی۔ اپنے دوں فطرت بادشاہ (بہرام) سے کہہ دے کہ وہ اپنے کوہ پیکر ہاتھیوں پر ناز نہ کرے اگر وہ ہاتھیوں کا مالک ہے تو میں "خرمیلوں" کا مالک ہوں (غوریوں کے لشکر میں دو انتہائی قوی اور طاقت ور سپاہی تھے جن کو "خرمیل" کہا جاتا تھا۔ یہ سپاہی انتہائی نڈر اور بے خوف تھے اور کسی بھی چیز سے نہ ڈرتے تھے۔ اور طاقت و قوت سے ہاتھیوں کو بھی مغلوب کر لیتے تھے۔ ان میں سے بڑے کو "خرمیل بزرگ" کہا جاتا تھا اور چھوٹے کو "خرمیل کوچک" کہتے تھے۔)

بہرام کا قاصد جب علاؤالدین کا یہ جواب لے کر واپس بہرام کے پاس پہنچا تو یہ دندان شکن جواب سننے کے بعد بہرام پر بظاہر تو کوئی اثر نہ ہوا لیکن دل ہی دل میں وہ بڑا پریشان ہوا اس گفتگو کے بعد معرکہ آرائی کی نوبت آئی۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ سپاہیوں کی تلواروں اور تیروں نے میدان جنگ کو سر پر اٹھا لیا دونوں خرمیل بھی میدان جنگ میں آئے اور لڑائی میں حصہ لینے لگے خرمیل بزرگ نے ایک بہت مشہور ہاتھی پر حملہ کیا اور اپنے خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا مگر اسے خود بچنے کا موقع نہ ملا اور وہ زخمی ہاتھی کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔ خرمیل کوچک نے ایک دوسرے ہاتھی کو پچھاڑا اور ہلاک کیا اور خود بڑی دقتوں سے اس کے نیچے سے صحیح سلامت بچ کر نکل آیا۔ جب غوریوں نے یہ جان لیا کہ غزنوی ہاتھیوں کی حیثیت ان کے لیے گائے بھینسوں سے زیادہ نہیں ہے تو ان کے حوصلے اور بڑھے اور علاؤالدین نے اپنی فوج کو ساتھ لے کر بہرام شاہ پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ غزنوی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بہرام شاہ کا جوان اور بہادر بیٹا دوست شاہ جو لشکر کا سردار اعلیٰ تھا' غوریوں کے ہاتھوں مارا گیا اپنے جوان بیٹے کا یہ حشر دیکھ کر بہرام انتہائی بددل ہو گیا اور اس عظیم حادثے نے اس کی ہمتوں کو پست کر دیا۔ غزنوی لشکریوں نے ایک ایک کر کے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ بہرام شاہ لشکر کی اس ابتری اور بیٹے کی موت کی وجہ سے پریشان ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ نکلا اور اس طرح غوری کامیاب و کامران ہوئے۔

اس واقعے کے چند روز بہرام شاہ متعدد صدمات کی تاب نہ لا کر چل بسا اس کا عہد حکومت پینتیس (۳۵) سال ہے۔ اس کی وفات کا صحیح ترین سال ۵۴۷ھ ہے۔

مشہور شاعر حکیم سنائی کا ذکر

حکیم سنائیؒ بہرام کے دور کے بڑے مشہور شاعر تھے۔ وہ کسی زمانے میں امیروں وزیروں وغیرہ کی مدح کر کے روز گار مہیا کرتے تھے۔ ان کے دنیا سے کنارہ کش ہو کر صرف ذات خداوندی پر توکل کرنے کا قصہ "نفحات الانس" میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار جاڑوں کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی اپنی فتوحات کے سلسلے میں غزنی سے باہر کسی مقام پر خیمہ زن تھا' حکیم سنائی نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اپنے وطن سے شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر میں وہ ایک شراب خانے کے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک مجذوب سا شرابی شراب نوشی میں مشغول ہے اور اپنے ساقی سے کہہ رہا ہے کہ "اے محبوب مجھے سلطان محمود کی نابینائی اور عاقبت نااندیشی کا جام پلا۔" ساقی نے یہ سن کر مجذوب شرابی سے کہا۔ محمود ایک سچا مسلمان بادشاہ ہے اور خدا کے حکم کے مطابق غیر مسلموں سے جہاد کر رہا ہے تم اس کے لیے ایسی قسم کے الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہو۔" اس بدمست شرابی نے جواب دیا۔ "محمود کی عاقبت نااندیشی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جس قدر ملک اس کے پاس ہے اس کا انتظام تو کر نہیں سکتا لیکن مزید ممالک کو فتح کرنے کے لالچ میں جان کھپا رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ساقی کے ہاتھ سے شراب کا جام لے لیا اور پی گیا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ ساقی سے کہا "حکیم سنائیؒ کی نابینائی کا ایک جام مجھے پلا۔" ساقی نے اس بار بھی جام بھر کر مجذوب سے کہا۔ "سنائی ایک فاضل اور لطیف مزاج شاعر ہے۔ اس کے بارے میں ایسے الفاظ ادا کرنا مناسب نہیں۔" مجذوب

نے جواب دیا' اے نادان! سنائی کو لطافت طبع اور قلب کی بصارت سے کیا تعلق؟ اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسے کام کرتا کہ جس سے دین و دنیا دونوں میں اس کا بھلا ہوتا- اس کا تو یہ عالم ہے کہ اپنے واہیات خیالات کو نظم کا جامہ پہنا کر امیروں اور بادشاہوں کی چوکھٹوں پر سجدہ ریزی کرتا پھرتا ہے اسے اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ خدا نے اسے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے-" جونہی حکیم سنائی نے مجذوب کے یہ الفاظ سنے ان کی آنکھیں کھل گئیں اسی وقت وہ دنیا کو ترک کر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگے-

مورخ فرشتہ یہ عرض کرتا ہے کہ اسے اس واقعہ کی سچائی میں کوئی شک نہیں ہے لیکن حکیم سنائی کا سلطان محمود کے عہد میں دنیا سے کنارہ کش ہونا کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا- اس لیے کہ ان امور سے سبھی کو اتفاق ہے کہ سلطان محمود کی وفات ۴۲۱ھ میں ہوئی- اور حکیم سنائی بہرامی دور کے شعراء میں سے ہیں بلکہ یہاں تک معلوم ہے کہ حکیم سنائی نے اپنی مشہور مثنوی "حدیقہ" کو ۵۲۵ھ میں مکمل کر کے اسے بہرام کے نام سے منسوب کیا- ان دونوں ستون پر اگر غور کیا جائے تو حکیم سنائی کا سلطان محمود کے زمانے میں ترک دنیا کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے عہد کا ہے کتابت کی غلطی سے مسعود کی جگہ محمود کا نام درج ہو گیا ہے- واللہ اعلم بالصواب-

حکیم سنائی کے سال وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے- "تاریخ گزیدہ" کے مولف کے نزدیک سنائی نے بہرام کے عہد حکومت کے آخری دور میں وفات پائی اور بعضوں کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۲۵ھ ہے جو کہ "حدیقہ" کی تکمیل کا سال بھی ہے-

ظہیر الدولہ خسرو شاہ بن بہرام شاہ

حسب روایت صحیح جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے بہرام شاہ نے غزنی ہی میں وفات پائی اور عنان حکومت اس کے بیٹے خسرو شاہ کے ہاتھ میں آئی۔ خسرو شاہ نے جب حکومت ہاتھ میں لی اس زمانے میں علاؤالدین غوری کے حملے کا غلغلہ مچا ایسے پر آشوب زمانے میں خسرو شاہ نے غزنی میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور ہندوستان کی راہ لی۔ یہاں لاہور میں آکر وہ مع اپنے اہل و عیال کے مقیم ہوا۔

علاؤالدین کی جہاں سوزی

علاؤالدین نے جب دیکھا کہ خسرو شاہ موجود نہیں ہے تو اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا' غزنی اور اہل غزنی سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے لگا۔ علاؤالدین نے اپنی آتش غضب کو اس طرح بجھایا کہ غزنی پہنچتے ہی اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ غزنی اور وہاں کے باشندوں کی تباہی و بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے۔ لڑاکے لشکریوں کے لیے بادشاہ کا اتنا حکم کافی تھا لہٰذا انہوں نے خوب جی کھول کر تباہی مچائی شہر کے مکانات جلا دیئے۔ اہل شہر کو قتل کر دیا سات روز تک وہ اسی شغل قتل و غارت گری میں مصروف رہے اسی دوران میں کسی نے علاؤالدین سے کہا کہ جب سیف الدین کو گائے پر بٹھا کر منہ کالا کر کے شہر میں گھمایا گیا تھا تو غزنی کی عورتیں بھی دف اور باجے بجاتی ہوئی اس جلوس میں شامل تھیں اور انہوں نے سیف الدین کا خوب مذاق اڑایا اور اس کی توہین کی۔ یہ سن کر علاؤالدین نے حکم دیا کہ غزنی کی عورتوں کو بھی قتل کیا جائے۔ لشکریوں نے اس بے کس و مجبور صنف کو بھی بری طرح قتل کیا اور مردوں کی طرح لاکھوں بے دست و پا عورتیں بھی غوریوں کی تلواریوں کا لقمہ بن گئیں۔

غزنی اور اہل غزنی پر یہ قیامت ڈھا کر علاؤالدین غور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جہاں جہاں اسے اولاد سبکتگین کی کوئی عمارت یا یادگار نظر آئی اسے فوراً مسمار کروا دیا۔ علاؤالدین نے (سیف الدین کے وزیر) سید امجد الدین کے قتل کا انتقام اس طور پر لیا کہ غزنی کے سیدوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو زیر حراست کیا تو بوروں کو مٹی سے بھر کر ان لوگوں کی گردنوں میں لٹکایا گیا اور اسی عالم میں انہیں نبروز پہاڑ پر لے جا کر قتل کیا گیا۔ ان بے گناہوں کے خون سے تو بوروں کی مٹی کو گوندھا گیا اور فیروز کوہ کے برجوں کی تعمیر کی گئی۔ علاؤالدین کے ان مظالم نے اسے "جہاں سوز" کے نام سے مشہور کر دیا۔ اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ اس کے نام کا جزو بن کر رہ

علاؤالدین کی واپسی کے بعد خسرو شاہ نے اپنے آبائی ملک کو اپنے قبضے میں کرنے کا ارادہ کیا اور سلطان سنجر سے مدد ملنے کی توقع پر وہ سے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے اس زمانے میں ترکوں نے سلطان سنجر کو گرفتار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا تھا اس لیے خسرو ہ اپنی خواہش پوری کیے بغیر واپس لاہور آ گیا۔

بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ غوریوں نے دس سال بعد غزنی کو ترکوں کے قبضے سے نکال لیا اور اس کے بعد خسرو کے امیروں نے غزنی پر قبضہ کیا۔ بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خسرو شاہ نے علاؤالدین جہاں سوز کے حملے کے خوف سے ہندوستان میں پناہ لی تو علاؤالدین نے تکیاباد اور قندھار کے شہروں کو فتح کر کے یہاں کی حکومت غیاث الدین محمود کو سونپی اور خود واپس غور چلا گیا علاؤالدین کی واپسی کے بعد خسرو شاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر غزنی کی طرف بڑھا۔ علاؤالدین نے خسرو کی آمد کی خبر سن کر یہ چاہا کہ اس

شرط پر صلح ہو جائے کہ خسرو شاہ تگیاباد کے شہر اور قلعے سے دستبردار ہو جائے۔ اور صرف غزنی ہی حکومت پر قناعت کرے لیکن خسرو شاہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اس انکار کے جواب میں علاؤالدین نے خسرو کو ذیل کی رباعی لکھ کر بھیجی۔

اول پدرت نہاد کیں رابنیاد تاخلق جہاں جملہ بہ بیدا دافتاد
ہاں تانذہی بہریک تگیاباد سرتاسر ملک آل محمود بباد

خسرو شاہ کو چونکہ سلطان سنجر کی مدد کی پوری پوری توقع تھی اس لیے اس نے علاؤالدین کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے سے قطعاً انکار کر دیا' لیکن بدقسمتی سے سلطان سنجر پر ترک غالب آ گئے اور علاؤالدین کے خوف سے خسرو شاہ کو لاہور واپس آنا پڑا۔ اس واقعے کے بعد علاؤالدین نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور واپس غورستان آ گیا۔

خسرو شاہ نے سات سال تک حکومت کرنے کے بعد ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

خسرو ملک بن خسرو شاہ

لاہور میں جب خسرو شاہ کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا خسرو ملک اس کا جانشین ہوا۔ خسرو ملک نے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور عدل و انصاف سے حکومت کی اس نے اپنی حکومت کو بہت طاقتور اور پائیدار بنایا۔ اور ابراہیم و بہرام کے فتح کیے ہوئے ایسے ہندوستانی علاقے جو غزنوی مملکت کے اقتدار سے نکل چکے تھے' دوبارہ اپنے قبضے میں کیے۔

شہاب الدین غوری کا پہلا حملہ

شہاب الدین غوری نے صرف غزنی پر قبضہ کرنے کو کافی نہ سمجھا اور اس کی چشم طمع یہاں کی دولت سے پر نہ ہوئی لہٰذا اس نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں کے غزنوی علاقوں پر قابض ہو جانے کا ارادہ کیا۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ۵۷۶ھ میں اس نے افغانستان' پشاور' سندھ اور ملتان کو فتح کر کے لاہور کا رخ کیا۔ خسرو ملک' شہاب الدین کا مقابلہ نہ کر سکا اور لاہور کے ایک قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ شہاب الدین غوری نے خسرو ملک کے ایک نو عمر لڑکے اور لاہور کے ہاتھی کو گرفتار کیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر واپس غورستان آ گیا۔

شہاب الدین غوری کا دوسرا حملہ

۵۸۰ھ میں شہاب الدین غوری نے لاہور پر دوسرا حملہ کیا' خسرو ملک اس بار بھی قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ غوری نے لاہور اس کے اطراف و جوانب کو خوب جی کھول کر لوٹا' سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کر کے وہاں کی حکومت اپنے ایک امیر کے سپرد کی اور پھر غورستان میں واپس آ گیا۔

سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ

غوری کے واپس ہوتے ہی خسرو ملک نے گکھروں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان کی مدد سے سیالکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس محاصرے سے قلعہ فتح نہ ہو سکا اور خسرو ملک ناکام واپس آ گیا۔

شہاب الدین غوری کا تیسرا حملہ

خسرو ملک کی اس حرکت پر شہاب الدین سخت برہم ہوا اور اس نے لاہور کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس مرتبہ شہاب الدین غوری نے ایک خاص شاطرانہ چال چلی اور خسرو ملک سے دشمنی کی بجائے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا۔ شہاب الدین کی چال یہ تھی کہ اس نے خسرو ملک کے گرفتار شدہ بیٹے ملک شاہ کو ۵۸۲ھ میں آزاد کر دیا اور اسے اپنے چند امیروں اور تمام شاہی اعزازات کے ساتھ باپ سے ملنے کے لیے روانہ کیا۔ شہاب الدین نے اپنے امیروں کو خاص طور پر یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ ملک شاہ کو راستے بھر شراب پلاتے رہیں' اور نشے میں اس قدر دھت رکھیں کہ راستہ طے کرنے میں معمول سے زیادہ دیر لگے۔

خسرو شاہ اپنے بیٹے ملک شاہ کی آزادی اور آمد کی خبر سن کر بے انتہا خوش ہوا اور وہ دشمن سے بے خوف و خطر ہو کر شہاب الدین کی دوستی پر بھروسا کر بیٹھا اور بڑے آرام اور راحت کے ساتھ دن گزارنے لگا۔ شہاب الدین غوری کے بھیجے ہوئے امیر اپنے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق نہایت کم رفتاری سے سفر طے کر رہے تھے اور اس سے قبل کہ وہ ملک شاہ کو لے کر لاہور پہنچتے' شہاب الدین غوری ایک دوسرے راستے سے بڑی سرعت کے ساتھ بائیس (۲۲) ہزار سواروں کو ساتھ لے کر ایک رات لاہور آ پہنچا رات ہی کے وقت وہ

لاہور کے دریا کے کنارے پر خیمہ زن ہو گیا۔ دوسرے دن جب خسرو ملک کی آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ دریا کا کنارہ دشمنوں کے لشکر کی قیام گاہ بنا ہوا ہے۔ یہ عالم دیکھ کر خسرو ملک نے مجبوراً غوری سے امان طلب کر لی اور لاہور پر غوری کا قبضہ بغیر کسی جنگ کے ہو گیا۔

خسرو ملک نے اٹھائیس (۲۸) سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ اس کے مرتے ہی غزنی کی عظیم الشان حکومت محمود غزنوی کے خاندان سے نکل کر خاندان غوری کے ہاتھ میں آ گئی۔

مقالہ دوم

سلاطین دہلی کے حالات میں

سلاطین دہلی کے حالات میں

تمہید

سلاطین دہلی کے حالات لکھنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم بادشاہوں کا مختصر احوال' دارالسلطنت دہلی کی بنا کی کیفیت اور سلاطین غور کے حالات مختصر طور پر بیان کر دیئے جائیں اور اس کے بعد اصل مقصد یعنی سلاطین دہلی کے تذکرے کو شروع کیا جائے۔

ہندوؤں کے عقائد

قارئین کو یاد ہو گا کہ اس کتاب کے مقدمے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے حکماء نے زمانے کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) ست جگ (۲) ترتیا جگ (۳) دواپر جگ (۴) کل جگ اہل ہندوستان کے عقائد کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے تک کل جگ کے تین ہزار سات سو اور کچھ اوپر سال گزر چکے ہیں۔ ہندوؤں نے ہر دور کی مختلف خصوصیات اور تاثیرات متعین کی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کل جگ کی متعینہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر از سر نو ست جگ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی طرح یکے بعد دیگرے یہ چاروں دور آتے رہتے ہیں۔ ہر دور کے اختتام سے مراد قیامت ہے ورنہ حقیقت میں یہ دنیا بہت قدیم ہے۔ اور غیر فانی ہے لیکن اس اعتقاد کے خلاف بعض برہمنوں کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب کہ یہ بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس قلیل طبقے کے پاس حدوث عالم کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ برہمنوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہر جگ میں کسی نہ کسی پیغمبر یا رشی نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی کتاب ضرور تصنیف کی ہے اور باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے وہ تمام کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔

اہل ہند چونکہ چین' خطا اور ختن کے غیر مسلموں کی طرح طوفان نوح سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو اس بات کا یقین ہے کہ گزشتہ زمانوں کی تمام اشیاء محفوظ ہیں۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ پہلے جگ یعنی ست جگ کی ابتدا سے لے کر اب تک دنیا میں انسان آباد رہا ہے۔ ہندوؤں کے بعض عالم دنیا کی پیدائش کا زمانہ ست جگ بتاتے ہیں۔ ہندوستانی حکیموں کا کہنا ہے کہ ہر جگ میں آدم و حوا مختلف اوصاف لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض زمانوں میں انسان دراز قد' طویل العمر اور عظیم الجثہ پیدا ہوتے ہیں اور بعض زمانوں میں اس کے بالکل برعکس یعنی قد چھوٹا ہوتا ہے عمر کم ہوتی ہے اور جسم پتلا و دبلا۔ انسانوں کی پیدائش کا یہ اختلاف درختوں اور نباتات میں بھی پایا جاتا ہے اور ہر دور کے درخت اور پودے وغیرہ دوسرے دور کے درخت اور پودوں سے قدو قامت اور رنگ و بو میں مختلف ہوتے ہیں۔ انہیں ہندوؤں کا اس پر بھی اعتقاد ہے کہ برہمن اور کھتری روز اول سے موجود ہیں ان کے علاوہ دوسری ذاتیں تیسرے دور یعنی دواپر جگ کے آخری اور چوتھے دور یعنی کل جگ کے ابتدائی زمانے میں بڑی کثرت سے پیدا ہوتی رہیں۔ راجپوتوں کا مشہور فرقہ دواپر جگ کے آخری زمانے میں پیدا ہوا اور کل جگ کے ابتدائی زمانے میں اس کی بہت کثرت ہوئی۔ ہندوؤں کی دوسری ذاتیں کل جگ کے ابتدائی زمانے میں بڑی کثرت سے ظہور میں آئیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر جگ میں ان گنت بڑے بڑے راجہ ہندوستان کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے تھے جیسا کہ مہا بھارت (جو عہد اکبری میں فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی) میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان راجاؤں میں ایک کھتری راجہ دریودھن بھی تھا جو دواپر جگ کے آخری دور میں ہندوستان کے ایک بڑے حصے

پر حکمران تھا- اس راجہ کا پایہ تخت ہستناپور تھا جو دہلی کے قریب واقع تھا سری کرشن جسے ہندو اپنا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اسی راجہ (دریودھن) کے ہم عصر تھے- دریودھن کے پانچ حقیقی چچا زاد بھائی تھے جو پانڈوؤں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں- چونکہ ان پانچوں بھائیوں کے چہروں سے اقبال مندی اور بہادری کے جوہر نمایاں تھے اس لیے ان کی آئندہ ترقی اور ہر دلعزیزی کے خیال سے پریشان ہو کر دریودھن اپنے ان چچا زاد بھائیوں کا دشمن ہو گیا وہ شب و روز اپنے ان بھائیوں کی بربادی اور تباہی کے بارے میں سوچا کرتا تھا' لیکن کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوتی- آخر کار اس نے پانڈوؤں کو جوئے کے جال میں پھنسایا اور ایک دن ان کے ساتھ جوا کھیلا- اس موقع پر پانڈوؤں کا ستارہ کچھ گردش میں تھا لہٰذا وہ بازی ہارتے چلے گئے- جب وہ اپنی تمام منقولہ جائیداد ہار چکے تو پانچوں بھائیوں نے اپنے اپنے علاقے (اندر پت' سون پت' پانی پت' تپت اور باک پت) بھی ایک ایک کر کے ہاتھوں سے کھو دیئے- دریودھن نے جب پانڈوؤں سے سب کچھ چھین لیا تو اس نے ان کو جلاوطن کرنے کی تدبیر سوچی- اور جوئے کی آخری بازی اس شرط پر لگائی کہ اس بار جو فریق شکست کھائے وہ اپنا تمام مال و اسباب اور ملک چھوڑ کر بارہ برس تک جلاوطنی کی زندگی بسر کرے کہ تمام لوگ اس کے حال سے واقف اور آگاہ رہیں اور (ان بارہ برسوں کے خاتمے کے بعد) ایک سال تک اس طور پر زندگی بسر کرے کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو- یہ آخری بازی بھی پانڈو ہار گئے اور انہیں مجبوراً جلاوطن ہونا پڑا- پانڈو اپنے وطن سے نکل کر دکن کی طرف آئے اور بارہ برس تک اسی علاقے کے نواح میں اجنبیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے- اس دوران میں دریودھن اپنے کارندوں کی معرفت پانڈوؤں کے حالات سے باخبر رہتا تھا جب بارہ (۱۲) سال پورے ہو گئے تو پانڈوؤں کو ایک سال حسب شرط گمنامی کی زندگی بسر کرنا تھی- اس لیے انہوں نے اپنی وضع قطع تبدیل کر لی اور دکن کے موجودہ عادل شاہی علاقے پائین میں چلے آئے اور یہاں رہنے لگے- دریودھن نے ان کا سراغ لگانے کی بہت کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی- جب ایک سال بھی جو اس سے پہلے کے بارہ سالوں سے کہیں زیادہ بھاری تھا ختم ہو گیا تو پانڈو اپنے بدن سے مسافرت اور غریب الوطنی کی گرد جھاڑ کر واپس آئے اور دریودھن سے اپنی سلطنت کی واپسی کی درخواست کی-

دریودھن کو پانڈوؤں کے صحیح و سلامت واپس آنے پر بہت زیادہ افسوس ہوا- چونکہ اپنی گذشتہ کارروائیوں سے دریودھن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ان دشمنوں کو تباہ و برباد کرے- لہٰذا اس نے پانڈوؤں سے کہلا بھیجا کہ اگر پانچوں بھائیوں کو اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ فوراً ملک سے باہر چلے جائیں ورنہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا- دریودھن سے یہ جواب پانے کے بعد پانڈو مایوس ہو کر متھرا پہنچے اور وہاں انہوں نے ہندوؤں کے مشہور رشی سری کرشن کے سایہ عاطفت میں پناہ لی-

سری کرشن نے دریودھن سے پانڈوؤں کی سفارش کی' لیکن دریودھن کی حرص و ہوس اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے ہندوؤں کے سب سے بڑے اوتار کا بھی کوئی خیال نہ کیا اور اس کی بات سنی اور ان سنی کر دی- جب دریودھن کسی صورت سے بھی اپنا وعدہ پورا کرنے پر راضی نہ ہوا تو آخر کار فیصلہ یہی ہوا کہ دونوں فریق باہم معرکہ آرائی کریں- ایک عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بے شمار سپاہی مارے گئے- چونکہ خدا تعالٰی ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے اس لیے اس جنگ میں دریودھن مارا گیا اور پانڈوؤں کو فتح نصیب ہوئی- یہ پانچوں بھائی ہندوستان کے حاکم ہوئے اور تقریباً تمام ہندوستان ان کے قبضے میں رہا جب یہ پانچوں بھائی ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بعد ان کی اولاد کئی نسلوں تک ہندوستان پر حکمرانی کرتی رہی-

جب دواپر جگ کا زمانہ ختم ہوا تو کل جگ کے کسی عہد میں ہندوستان کی حکومت راجاؤں کے خاندان کے ہاتھوں سے نکل کر غلاموں اور ان کے متعلقین کے قبضے میں آ گئی سارے ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا- رفتہ رفتہ ان غلاموں کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی گئی اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومت اجین کے مشہور راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں میں چلی گئی- بکرماجیت نے ہندوستان سے طوائف الملوکی کو ختم کیا اور آہستہ آہستہ دریودھن کے تمام مقبوضہ ممالک کو باغیوں اور سرکشوں کی ماتحتی سے نکال کر

اپنے قبضے میں لیا نیز دکن پر بھی قبضہ کر لیا- راجہ بکرماجیت کے آخری زمانے میں ایک ستائیس (۲۷) سالہ برہمن نے؛ جو پٹن کا رہنے والا تھا اور جس کا نام سالباہن تھا دکن میں سرکشی کی اور تمام دکن پر اپنا قبضہ کر لیا- بکرماجیت نے سالباہن کے مقابلے کے لیے لشکر تیار کیا اور دریائے نربدا کے پار جا پہنچا- سالباہن مقابلے پر آیا' جنگ ہوئی اور اس میں راجہ بکرماجیت مارا گیا اور سالباہن کو فتح نصیب ہوئی- بکرماجیت کی وفات کے بعد سالباہن نے دریائے نربدا کو پار کر کے راجہ بکرماجیت کے ہندوستانی مقبوضات کو اپنے تصرف میں لانے کا ارادہ کیا' لیکن دریا میں سخت طغیانی آ جانے کی وجہ سے اس کے سپاہی اور بار برداری کے جانور ہلاک ہو گئے- سالباہن کو اپنے ارادے پر سخت شرمندگی ہوئی اور اس نے یہ خیال دل سے نکال دیا- لہٰذا اس نے اجین کی حکومت راجہ بکرماجیت کے بیٹے کے سپرد کر دی-

اہل ہندوستان اپنے سال کی ابتداء بکرماجیت کے جلوس سے کرتے ہیں- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت سنہ بکری کے چھ سو اکیس (۶۲۱) سال گزر چکے تھے- ہندوستان کے مورخین لکھتے ہیں کہ بکرماجیت کے بعد ایک عرصے تک ہندوستان کی حکومت راؤ خاندان کے قبضے میں رہی' لیکن رفتہ رفتہ ان کی قوت ختم ہوتی گئی اور کھتریوں کی اولاد' راجپوت اقتدار حاصل کرتے گئے یہاں تک کہ اس گروہ کے مختلف افراد نے ہندوستان کے حصوں میں خود مختار حکومتیں قائم کر لیں-

راجپوتوں کی قوت رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی- بکرماجیت کے عہد ہی میں ان میں سے بعض بہت دولت مند اور صاحب حکومت ہو گئے تھے- بکرمی عہد کے ان صاحب اقتدار راجپوتوں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی تربیت اور نشوونما بڑے اچھے طریقے سے کی تھی اور اس میں بڑی دلچسپی لی تھی- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فرقہ تھوڑے سے عرصے ہی میں کھتری راجاؤں کے لشکر اور دربار پر پوری طرح چھا گیا- اس تسلط اور اقتدار کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان لوگوں نے کھتری راجاؤں کی ماتحتی سے نکل کر اپنی آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کر لیں- دوسرے ماتحت راجپوت بھی اپنی کوششوں اور خود مختار راجپوت امراء کی مدد سے کھتری حکومت کی ماتحتی سے نکل کر آزاد ہوتے چلے گئے- نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا یعنی سلطان محمود سے پہلے ہی ہندوستان کے تمام حصوں پر انہیں راجپوتوں کا قبضہ تھا-

جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ان راجپوت امراؤں کی حالت ابتر ہونے لگی اور محمود اور اس کی اولاد کے پے در پے لشکر کشی نے تو ان کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیا- غزنوی فاتحین نے سرہند' تھانیسر اور ہانسی وغیرہ کے مشہور مقامات اور قلعوں کو فتح کیا- لاہور اور اس کے گرد و نواح کے دیگر راجاؤں کو شکستیں دیں- یہ غزنوی فرمانروا اجمیر اور دہلی کے راجاؤں کو ختم کرنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ دفعتاً" ان کی اپنی سلطنت زوال پذیر ہو گئی' لیکن ان کے اس ارادے کو سلطان شہاب الدین غوری نے عملی جامہ پہنایا- جو ہندو راجہ سلطان غوری کی دسترس سے بچ گئے انہیں دہلی' گجرات اور مندو کے اسلامی تاجداروں نے تباہ و برباد کیا- غوریوں کے بعد تیموری شاہوں نے راجپوت راجاؤں سے کسانوں اور مزدوروں کا کام لیا- غرض ان غیر مسلم فرماں رواؤں پر پے در پے ایسے حادثات گزرتے گئے کہ اس وقت یعنی جہانگیر بادشاہ غازی کے عہد میں سوائے راجپوت رانا کے کسی اور ہندو راجہ کی حکومت کا ہندوستان میں نشان تک باقی نہیں رہا سنا گیا ہے کہ بادشاہ غازی (جہانگیر) نے ان دنوں اس رانا پر بھی حملہ کر رکھا ہے-

شہر دہلی کی بنا

۳۰۷ھ کے متبرک مہینوں میں سے کسی ایک مہینے کا واقعہ ہے کہ توران (توران سے مراد راجپوتوں کی "توار" قوم ہے) قوم کے راجپوت راجہ داوپتہ نے اندر پت کے شہر کے ساتھ ہی ایک نیا شہر آباد کیا- اس شہر کی مٹی بہت ہی نرم تھی اس وجہ سے لوہے کی سلاخیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ نصب نہیں کی جا سکتی تھیں اس بنا پر اس نئے شہر کا نام دہلی رکھا گیا- داوپتہ کے بعد دہلی پر آٹھ تورانی راجاؤں نے حکومت کی ہے- ان کے نام یہ ہیں- (۱) راجہ بھوج (۲) راجہ ادھرن (۳) راجہ سپہ صندل (۴) راجہ روبیک (۵) راجہ رودھنکر (۶) راجہ آہنکر

(۷) راجہ مدن پال اور (۸) راجہ سالباہن- اس خاندان کے زوال کے بعد دہلی کی حکومت راجپوتوں کے بہترین گروہ چوہانیوں کے ہاتھ میں آئی- جب متعدد چوہانی راجہ مانک دیو' دیوراج' راول دیو' جاہردیو' سردیو یکے بعد دیگرے حکومت کر چکے تو دہلی کا چھٹا اور آخری فرمانروا راجہ پتھورا تخت نشین ہوا- اس راجہ کو شہاب الدین غوری جیسے جواں ہمت اور مستقل مزاج بادشاہ سے مقابلہ کرنا پڑا- دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ پتھورا مارا گیا- ۵۸۸ھ کے آخر میں دہلی کی حکومت چوہانیوں کے ہاتھوں سے نکل کر غور کے اسلامی بادشاہوں کے قبضے میں آ گئی-

غوریوں کا احوال

سلاطین غور کے متعلق تمام مورخین کی تقریباً یہی رائے ہے کہ یہ فرقہ ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہے- غوریوں کے مختصر حالات یہ ہیں کہ جب ایران کے بادشاہ فریدون' ضحاک پر غالب آیا تو ضحاک کے خاندان کے تمام افراد کو یا تو قتل کر دیا یا جلاوطن کیا گیا لیکن دو بھائی سوری اور سام فریدوں کے دربار سے بسلسلہ ملازمت منسلک ہو گئے- کچھ دنوں تک تو ان دونوں بھائیوں نے فریدوں کے دربار میں زندگی بسر کی لیکن بعد ازاں اس خیال سے کہ فریدوں ان کا خاندانی دشمن ہے وہ اپنے ہمدردوں کی ایک جماعت کے ساتھ نہاوند کی طرف فرار ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے حالات کو بہتر بنانا شروع کیا- سوری تو اپنے قبیلہ کا سردار بنا اور سام نے لشکر کی سرداری کو اپنے ہاتھ میں لیا دونوں بھائیوں میں باہمی خلوص اور محبت بہت تھی- سوری کی بیٹی کا نکاح سام کے بیٹے شجاع کے ساتھ ہوا- اس کے کچھ عرصے بعد سام کا انتقال ہو گیا اور شجاع اپنے چچا کے زیر سایہ بڑے آرام سے زندگی بسر کرنے لگا' لیکن یہ آرام کا زمانہ کچھ زیادہ عرصے تک نہ رہا- اور دشمنوں نے لگا بجھا کر سوری کو شجاع سے متنفر کر دیا اور سوری اس نتیجے پر پہنچا کہ شجاع سے اپنی بیٹی کو علیحدہ کرا کے اسے جلاوطن کر دے- سوری کی بیٹی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے اپنے خاوند (شجاع) کو حقائق سے آگاہ کیا (شجاع نے یہ سب کچھ سن کر یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا اور) ایک رات اس نے شاہی اصطبل سے دس اعلیٰ درجے کے گھوڑے اور اونٹوں کی چند قطاریں حاصل کیں اور اپنے بیوی بچوں کو ان پر سوار کرا کے اور مال'' و دولت جو کچھ جلدی میں ہاتھ آ سکا لے کر غورستان کی طرف فرار ہو گیا- غورستان کے ایک محفوظ اور مضبوط مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا- اس مقام کی مضبوطی سے شجاع کو اس قدر اطمینان ہوا کہ عالم مسرت میں اس کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ ''زد مندیش'' (یعنی اب اس شے سے مت ڈرو) اس بنا پر اس جگہ کا نام ''زد مندیش'' پڑ گیا- شجاع نے اس مقام پر چند قلعے تعمیر کیے اور کچھ ہی عرصے بعد اس قدر قوت حاصل کر لی کہ ایک مدت تک ایرانی لشکر سے لڑتا رہا' لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب شجاع کو شکست اٹھانی پڑی اور اس نے ایرانیوں کی باج گزاری قبول کر لی-

فریدوں کی اطاعت قبول کر لینے سے شجاع کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ اندرونی طور پر اس کو اپنی حکومت کے انتظامات کا موقع مل گیا- اس کے حسن سلوک کا بڑا شہرہ ہوا- اور ضحاک کی اولاد چاروں طرف سے آ آ کر اس کے دامن میں پناہ لیتی رہی- شجاع کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کو یکے بعد دیگرے اپنے قبیلے کی سرداری وراثت میں ملتی رہی یہاں تک کہ شنسب کی سرداری کا دور آیا- جب اس قبیلے نے مذہب اسلام قبول کیا یہ زمانہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کا تھا اور اس عہد میں غوریوں کا سردار شنسب بن حریق اپنے قبیلے کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا- حضرت علی نے شنسب اور اس کے قبیلے کی فرمانبرداری سے خوش ہو کر شنسب کو غوریوں کی حکومت کا فرمان اپنے دست مبارک سے لکھ کر مرحمت فرمایا- مورخین نے شنسب کا نسب نامہ ضحاک سے اس طرح ملایا ہے شنسب بن حریق بن نہیق بن عیسیٰ بن زوزن بن حسین بن بہرام بن بخش بن نہس بن ابراہیم بن سعد بن اسد بن شداد بن بظام بن مشاد بن نریمان بن فریدوں بن سام بن سفید اسپ بن ضحاک بن شہران بن سند بن سام بن مرتاش بن ضحاک الملک-

چونکہ غوریوں میں شنسب پہلا شخص تھا جو مشرف بہ اسلام ہوا اس لیے یہ سارا قبیلہ ہی شنسی کے نام سے مشہور ہو گیا- بنی امیہ کے

عہد میں جب اولاد علیؓ پر تبرہ بازی کی جاتی تھی تو شسی اس بری حرکت میں پہلے ہی سے حصہ لیتے تھے لیکن غورستان کے شنسبلیوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اہل بیت کی بے انتہا تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ابو مسلم مروزی نے اہل بیت کے دشمنوں پر خروج کیا تو فولاد شسی نے ہر ممکن طریقے سے ابو مسلم کی مدد کی اور دشمنان اہل بیت کی بربادی و تاراجی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ہارون الرشید کا ہم عصر غوری حکمران یحیٰی بن نہاتان بھی شسی تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے یحیٰی بن نہاتان بن درمش بن درمنش بن پروزیر بن شسب' یحیٰی کا پوتا سوری بن محمد صفاریہ عہد حکومت میں ایک مشہور شخص تھا۔ اس سوری کا بیٹا محمد بن سوری سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا یہ سلطان محمود کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ اس پر محمود نے لشکر کشی کی اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ محمد کو قید کرنے کے بعد سلطان محمود نے غور کی حکومت محمد کے بیٹے ابو علی کو تفویض کی۔ ابوعلی اگرچہ سلطان محمود کا مطیع و باج گزار تھا' لیکن اہل غور اسے پسند نہ کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کے بھتیجے عباس بن شسب بن محمد نے زبردستی سلطنت پر قبضہ کر لیا' عباس بہت ہی ظالم اور شقی حکمران تھا۔ اس کے ظلم اور برے اعمال کی سزا قدرت نے یہ دی کہ سات برس تک غورستان میں پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ اس خشک سالی کی وجہ سے ہزارہا انسان بھوکے پیاسے مر گئے۔ اس عاقبت نااندیش حکمران (عباس) نے سلطان ابراہیم غزنوی کا مقابلہ کرنے کی بھی ٹھانی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنی بد اعمالیوں کی سزا ملی اور غزنوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

قطب الدین حسن اور اس کی اولاد کے حالات

عباس کی گرفتاری کے بعد سلطان ابراہیم غزنوی نے غور کی حکومت عباس کے فرزند محمد بن عباس کے سپرد کی۔ اسی کا بیٹا قطب الدین حسن ہندوستان کے غوری حکمرانوں کا جد اعلیٰ ہے۔ قطب الدین اور اس کی اولاد کے حالات بے حد دلچسپ ہیں جنہیں ذیل کی سطور میں بیان کیا جاتا ہے۔

قطب الدین نے اپنے عہد حکومت میں کسی دشمن پر حملہ کیا اور اس کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ چونکہ قطب الدین کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لیے محاصرے کے دوران میں دشمن کے کسی سپاہی کا تیر اس کی آنکھ میں آ کر لگا اس تیر کے زخم کی وہ تاب نہ لا سکا اور وہیں اس نے وفات پائی (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) غورستان کے مشہور قلعوں پر غزنوی قابض ہو گئے۔ اس ہنگامے کے دوران ہی میں قطب الدین کا بیٹا سام ہندوستان کی طرف فرار کرتا رہا۔ آخر کار ایک ایسا وقت بھی آ گیا جب اسے وطن کی محبت نے ستانا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر وطن جانے کے لیے دریا کا سفر اختیار کیا۔ ان لوگوں کی کشتیاں ابھی تھوڑی ہی دور پہنچی ہوں گی کہ مخالف ہوا کہ تھپیڑے شروع ہو گئے ہوا کی تیزی لحہ بہ لحہ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دریا میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ اور ان وطن کے مشتاقوں کی کشتیاں ٹوٹ پھوٹ کر غرقاب ہو گئیں۔ سام اور اس کے تمام ہم سفر پانی کی موجوں کا لقمہ بن گئے' لیکن سام کا ایک بیٹا جس کا نام اعزالدین حسن تھا' ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کے سہارے "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق دریا میں تیرنے لگا اتفاق سے ایک کشتی میں ایک شیر بھی تھا اور جب کشتی تباہ ہوئی تو اس نے بھی اپنے پنجے سے کشتی کے تختے کو پکڑ لیا اور تیرنے لگا۔ یہ تختہ وہی تھا جس کا اعزالدین نے سہارا لے رکھا تھا۔ الغرض شیر اور اعزالدین دونوں ہی اس خطرناک سفر میں ساتھ ساتھ تیرتے رہے۔ تین روز اور تین راتیں اسی عالم میں گزر گئیں۔ اور بے چارہ اعزالدین بھوکا پیاسا تختے کے ساتھ چمٹا ہوا بہتا چلا جا رہا تھا۔ تین روز کے بعد خدا نے اس مصیبت کو دور کیا اور وہ تختہ کنارے سے آ لگا۔ شیر نے فوراً جنگل کی راہ لی اور اعزالدین نے اپنے صحیح سلامت بچ نکلنے کا بارگاہ خداوندی میں شکر ادا کیا۔

اعزالدین نے دریا کے کنارے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے ایک شہر کے آثار نظر آئے یہ اجنبی مسافر اٹھا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ کڑی مصیبت اور فاقہ کشی کی وجہ سے اس میں چلنے کی سکت باقی نہ رہی تھی اس لیے وہ بڑی مشکلوں سے سورج ڈھلنے کے وقت شہر

میں پہنچا اور مسافروں کی طرح ایک دوکان میں پڑ کر سو رہا۔ وہاں کے چوکیداروں نے اسے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال شہر کے سامنے پیش کیا کوتوال نے بغیر کسی قسم کی تحقیقات کیے اسے جیل خانے میں بھجوا دیا۔ جہاں بے چارہ پورے سات سال تک پڑا رہا' سات سال بعد اس کے اچھے دن آئے۔

اور حاکم شہر کسی مہلک مرض میں مبتلا ہوا اور اس مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے قیدیوں کو آزاد کیا اور یوں اعزالدین کو آزادی کی زندگی نصیب ہوئی۔

قید خانے سے چھٹنے کے بعد اعزالدین غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اسے ڈاکوؤں کا ایک گروہ ملا انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اعزالدین بلند و بالا اور خوب طاقت ور ہے اسے اپنے گروہ میں زبردستی شامل کر لیا۔ جس رات اعزالدین اس گروہ میں شامل کیا گیا۔ اسی صبح کو سلطان ابراہیم کے لشکر نے ان ڈاکوؤں گرفتار کر لیا۔ سلطان کا لشکر ایک مدت سے اس گروہ کے سراغ میں تھا۔ اعزالدین بے چارہ ابھی ایک قید ہی سے چھوٹا تھا کہ اسے دوسری قید بھگتنی پڑ گئی۔ ان ڈاکوؤں کو مع اعزالدین کے سلطان ابراہیم کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے ان سب کو تہہ تیغ کرنے کا حکم دے دیا۔ ان ڈاکوؤں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا اور جلاد باری باری ان کا سر تن سے جدا کرنے لگا۔ جب اعزالدین کی باری اور آئی جلاد نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی تو اعزالدین نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔۔ "اے خدا مجھے معلوم ہے کہ تو غلط راستے پر نہیں چلتا' مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تیری ذات ہر طرح کے ظلم اور جور سے بالکل پاک ہے۔ مجھے قطعاً یہ علم نہیں ہے کہ میں بے گناہ کس لیے مارا جا رہا ہوں۔" اعزالدین کی یہ باتیں سن کر جلاد نے اس سے کہا "کیوں مکار اب خدا کے سامنے بے گناہوں کی طرح فریاد کرتا ہے حالانکہ تجھ سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہے۔ ایک عرصے تک تو خدا کے بندوں پر ظلم اور بادشاہ کی اطاعت سے سرکشی کرتا رہا ہے کیا ایسی بدکرداریوں کے باوصف تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے۔ اعزالدین نے اپنی تمام داستان جلاد کو سنائی اور اسے یقین دلایا کہ خدا کا یہ فریادی بالکل بے گناہ ہے۔ جلاد کو یہ داستان سن کر اس پر رحم آ گیا اور اس کے قتل سے باز رہا۔ دوسرے قیدیوں کو قتل کرنے کے بعد جلاد نے ایک امیر کی معرفت اعزالدین کے حالات سے سلطان ابراہیم کو آگاہ کیا۔ سلطان اعزالدین کو بلایا اور خود اس سے ساری داستان سنی یہ سن کر اسے اعزالدین پر بہت رحم آیا اور ازراہ غریب پروری اسے مقربان سلطنت کے گروہ میں شامل کر لیا۔

تھوڑی سی مدت کے اندر ہی اعزالدین نے سلطان ابراہیم کے مزاج میں بڑا دخل پیدا کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان ابراہیم نے اسے امیر حاجب مقرر کر کے اپنے ایک عزیز کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ اس شادی کے بعد اعزالدین کا وقار روز بروز بڑھتا ہی گیا اور وہ ترقی کے مراحل بڑی تیزی سے طے کرتا رہا۔ جب سلطان ابراہیم نے وفات پائی اور اس کا بیٹا مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا تو اس کا زمانہ اعزالدین کے لیے اور زیادہ مسعود و مبارک ثابت ہوا' مسعود نے اسے غور کا حاکم مقرر کر دیا۔

اعزالدین کے نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین کے نزدیک وہ قطب الدین کا پوتا ہے اور اس کے بڑے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہے لیکن بعض مورخ اسے قطب الدین ہی کا فرزند خیال کرتے ہیں۔ غزنوی خاندان کی بیوی کے بطن سے اعزالدین کے سات بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں (۱) ملک فخرالدین مسعود بامیان (۲) قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ غزنوی (۳) شجاع الدین علی (یہ عین عالم شباب میں راہی ملک عدم ہوا۔) (۴) ناصرالدین محمد حاکم ولایت زمین دارد (۵) سیف الدین سوری (۶) بہاؤ الدین سام (۷) علاؤ الدین حسین (یہ عام طور پر "جہاں سوز" کے نام سے مشہور ہے۔)

اعزالدین عمر بھر سلطان سنجر اور غزنوی سلطانوں کا مطیع و فرمانبردار رہا اس کے انتقال کے بعد اس کے ساتوں بیٹے جو "ہفت اختر" کے لقب سے مشہور تھے' دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ پہلا گروہ ملوک بامیاں کا ہے جو طخارستان اور ملک مباطلہ کے نام سے مشہور ہیں۔

دوسرا گروہ ملوک غور و غزنی کہلاتا ہے۔ اس دوسرے گروہ کا پہلا حکمران قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ ہے قطب الدین محمد تاریخ میں "ملک الجبال" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی غوری امیر نے فیروز کوہ کو بنایا اور اسے مستحکم کر کے اپنا دارالسلطنت قرار دیا ار اس دارالسلطنت کے دونوں طرف دو دو کوس تک حصار کھینچ کر اس میدان کو اپنی شکار گاہ بنایا۔ اس شکار گاہ میں قطب الدین نے جابجا قلعے بنائے اور تمام شاہی سلز و سامان جمع کر کے غزنی پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ قطب الدین کے اس ارادے کی خبر بہرام شاہ کو ہو گئی اور بہرام شاہ نے قطب الدین کو کسی بہانے سے غزنی میں بلا کر ایک قلعے میں قید کر دیا اور اسی قید کے زمانے ہی میں ابراہیم کے حکم سے قطب الدین کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ قطب الدین کی ہلاکت غزنوی اور غوری دونوں خاندانوں میں دشمنی کی وجہ بن گئی اور دونوں خاندان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

سیف الدین

غوری امیروں میں سیف الدین پہلا شخص ہے جس نے اپنے لیے "سلطان" کا لقب اختیار کیا۔ (جس زمانے میں بہانے سے قطب الدین کو غزنی بلایا گیا تھا اس وقت) سیف الدین بھی اپنے بھائی قطب الدین کے ساتھ غزنی گیا ہوا تھا' جب قطب الدین ہلاک ہو گیا تو سیف الدین بھاگ کر غور میں آ گیا۔ اور اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے لشکر جمع کر کے اس نے بہرام شاہ پر چڑھائی کی۔ بہرام شاہ سیف الدین کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور غزنی چھوڑ کر ہندوستان کی طرف فرار ہو گیا۔ سیف الدین نے جب میدان خالی دیکھا تو وہاں کی عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لی اور اہل غزنی پر بھروسا کر کے اپنے بھائی بہاؤالدین کو غوری امیروں اور فوجی سرداروں کے ساتھ واپس غورستان روانہ کر دیا۔

جب سردیوں کا زمانہ شروع ہوا اور برف باری سے غورستان کے تمام راستے اٹ گئے۔ تو اہل غزنی نے (جو بباطن بہرام شاہ کے فرماں بردار تھے) موقع دیکھ کر بہرام شاہ کو غزنی آنے کی دعوت دی۔ بہرام نے اس دعوت پر لبیک کہا اور جلد از جلد غزنی پہنچ گیا۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ بہرام نے سیف الدین سوری اور اس کے وزیر مجد الدین کو بڑی بری طرح ذلیل و رسوا کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ جس دشمنی کا بیج قطب الدین نے بویا تھا اس کی نشوونما سیف الدین کے خون سے ہوئی۔ سلطان غیاث الدین کے باپ بہاؤ الدین نے جب اپنے بھائی سیف الدین کا یہ حشر سنا تو اس نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے پیشتر کہ اس کے ارادے اور عمل میں مطابقت پیدا ہوتی اس کا ایک زہریلے پھوڑے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔

غیاث الدین اور شہاب الدین

بہاؤ الدین کے انتقال کے بعد اعزالدین کے مشہور زمانہ بیٹے علاؤ الدین نے اپنی جہاں سوزی سے غوری خاندان کا نام بہت مشہور کر دیا۔ اس نے غزنی پر قبضہ کیا اور سلطان محمود' مسعود اور ابراہیم کے سوا باقی تمام آل سبکتگین کی قبریں کھدوائیں اور ان کی ہڈیوں کو نذر آتش کیا۔ اس ظلم و بربریت کے بعد علاؤالدین غورستان میں واپس آیا اس نے اپنے دونوں بھتیجوں غیاث الدین اور شہاب الدین (جو بہاؤ الدین کے بیٹے تھے) کو سنجر کی حکومت عطا کی۔ یہ دونوں بھائی بڑے ہی باہمت اور سخی طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کے زیر حکومت علاقے کی آمدنی ان کے مصارف سے کہیں کم تھی' لیکن پھر بھی قرب و جوار کے سپاہی ان کی سخاوت کا غلغلہ سن سن کر ان کے شہر کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بھائی اپنی سخاوت اور ہردلعزیزی کی بنا پر چاروں طرف مشہور ہو گئے۔ حاسدوں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے غیاث اور شہاب کی شہرت سے جل کر علاؤ الدین کے کان بھرے اور اسے ان دونوں سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ علاؤ الدین نے ان دونوں بے گناہ بھائیوں کو جرجستھان کے قلعے میں قید کر دیا۔ بعد ازاں علاؤ الدین غرور کے نشے میں اس حد تک سرشار ہوا کہ سلطان سنجر کی اطاعت اور فرمانبرداری سے بھی انکار کر دیا۔ اعزالدین' سنجری خزانے کو جو سالانہ رقم ادا کیا کرتا

تھا' علاؤ الدین نے وہ بھی بند کر دی اور اسی بدعنوانی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بلخ اور ہرات جو سنجر کی حکومت میں شامل تھے' زبردستی ان پر قبضے کر لیے۔

سلطان سنجر نے جب علاؤ الدین کی یہ بدعنوانیاں اور زیادتیاں دیکھیں تو اس نے لشکر کشی کر دی۔ علاؤ الدین اس جنگ میں سنجر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ایک عرصے تک بے دست و پا پڑا رہا۔ آخر کار سنجر کو اس پر رحم آیا اور اس نے علاؤ الدین کو غورستان کا حاکم بنا دیا اس کے کچھ ہی عرصے بعد ۵۵۱ھ میں علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا۔

سیف الدین محمد ابن علاؤ الدین

علاؤ الدین کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین حکمران ہوا۔ اس نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی اپنے چچیرے بھائیوں غیاث الدین اور شہاب الدین کو قلعے سے نکال کر رہا کیا اور دوبارہ سنجر کا حاکم مقرر کر دیا۔ تخت نشینی کے ایک سال اور کچھ مہینوں بعد سیف الدین کی غزنویوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور اس جنگ کے دوران میں وہ اپنے ہی ایک لشکری کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ سیف الدین کی وفات کے بعد غیاث الدین محمد فیروز کوہ پہنچا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے بھائی شہاب الدین کو جو غور کا فرمانروا تھا' اپنا سپہ سالار بنایا۔ غیاث الدین نے تھوڑی سی مدت ہی میں خراسان اور ہندوستان کو فتح کر لیا اور ان ممالک میں اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا غیاث الدین کا انتقال ۵۹۹ھ میں ہوا۔

شہاب الدین غوری

ملک سیف الدین کے بعد غور کی بادشاہت غیاث الدین کے ہاتھ میں آئی- غیاث الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین کو بلاد گرم سیر کے مشہور مقام تکیاباد میں چھوڑا- اور خود مملکت کے دوسرے علاقوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا- شہاب الدین اپنے علاقے تکیاباد سے غزنی پر اکثر حملہ کیا کرتا تھا- ان حملوں کا مقصد یہ تھا کہ غزنی جو سبکتگین کی اولاد کے قبضے میں چلا گیا تھا اسے محمود کی اولاد کے قبضے سے چھین کر غور کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے- شہاب الدین نے غزنی کو اپنے قبضے میں کرنے کی بارہا کوشش کی لیکن ہر بار وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا- ۵۶۷ھ میں غیاث الدین نے خود غزنی پر لشکر کشی کی اور اسے خسرو ملک کے امیروں کے قبضے سے نکال کر غورستان کا ایک صوبہ بنالیا اور اس کی حکومت اپنے بھائی شہاب الدین کے سپرد کر دی-

ملتان اور اچھ کی فتح

۵۷۲ھ میں شہاب الدین نے اپنے بھائی غیاث الدین کے حکم سے ملتان پر حملہ کیا اس نے ملتان اور آس پاس کے علاقوں کو قرامطہ کے قبضے سے نکال لیا- اس کے بعد شہاب الدین نے اچھ پر لشکر کشی کی- جب اچھ کے راجہ کو شہاب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ قلعہ بند ہو گیا- شہاب الدین نے قلعے کے ارد گرد اپنے خیمے لگا دیئے اور تسخیر قلعہ کی کوششیں کرنے لگا- کچھ عرصے بعد اسے احساس ہوا کہ جنگ اور محاصرے کے ذریعے قلعہ اور اہل قلعہ کو مغلوب کرنا مشکل ہے لہٰذا اس سلسلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کوئی اور چال چلنی چاہیے- اس خیال کے پیش نظر شہاب الدین نے راجہ اچھ کی رانی کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا اور یہ پیغام بجھوایا کہ ''اگر تیری کوشش سے قلعہ فتح ہو گیا تو میں تجھے اپنی ملکہ بناؤں گا-'' رانی پہلے ہی سے شہاب الدین سے بہت خائف تھی اور اسے یقین تھا کہ اس معرکے میں کامیابی اسی کو ہو گی- لہٰذا رانی فوراً ہی شہاب الدین کے دام میں آ گئی اور اس نے قاصد سے کہلوا بھیجا- ''میری عمر تو اب ایسی نہیں رہی کہ بادشاہ کی بلکہ بنوں البتہ میری لڑکی اس قابل ہے کہ وہ شہاب الدین جیسے جاں باز اور سرفروش کے عقد میں آئے- میں بادشاہ کے حکم کی تعمیل کروں گی (جب بادشاہ کو فتح حاصل ہو تو) وہ میری لڑکی کو اپنی ملکہ بنالے اور قلعے پر قابض ہو کر میرے مال و متاع اور اسباب کو ہاتھ نہ لگائے-'' شہاب الدین نے رانی کی یہ شرائط منظور کر لیں- اس کے بعد رانی نے دو دن ہی میں اپنے راجہ کا کام تمام کر دیا اور شہر شہاب الدین کے حوالے کر دیا- شہاب الدین نے حسب شرط راجہ کی بیٹی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی- اس کے بعد اس نے رانی اچھ اور اس کی بیٹی کو غزنی میں بھیج دیا تاکہ انہیں وہاں اسلامی تعلیمات اور قرآن سے بہرہ ور کیا جائے- شہاب الدین نے اگرچہ اس ''مرد مار'' رانی کے توسط سے اپنا کام نکال لیا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس سے ناراض تھا کیونکہ اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی تھی لہٰذا وہ ان ماں بیٹیوں کو بالکل قابل اعتماد نہ سمجھتا تھا کچھ دنوں بعد رانی اچھ کا تو انتقال ہو گیا- بیٹی نے بھی شہاب الدین کی ملکہ بن کر کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور اپنی ماں کی وفات کے دو برس بعد رنج و غم کی زندگی بسر کر کے وفات پا گئی- شہاب الدین نے ملتان اور اچھ کی حکومت علی کرماج کو سونپی اور خود واپس غزنی آ گیا-

گجرات' پشاور' سندھ اور لاہور وغیرہ پر لشکر کشی

۵۷۴ھ میں شہاب الدین ملتان اور اچھ کی طرف آیا اور یہاں سے براہ ریگستان گجرات کی طرف روانہ ہوا- اس وقت گجرات کا حاکم رائے بھیم دیو تھا جو بہرام دیو کا پرپوتا تھا- بھیم دیو نے خوب ڈٹ کر شہاب الدین کا مقابلہ کیا بڑے زوروں کی معرکہ آرائی رہی- اس

کے نتیجے میں مسلمانوں کو شکست ہوئی بہت سے مسلمان سپاہی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ شہاب الدین بڑی مشکلوں کے بعد میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر غزنی واپس پہنچا۔

۵۷۵ھ میں شہاب الدین نے پشاور کے ان مقامات کو بھی فتح کر لیا جو تاریخ میں بکرام، پرشور اور فرسور کے نام سے مشہور تھے۔ اس کے دوسرے سال اس نے لاہور پر لشکر کشی کی۔ لاہور کی حکومت اس وقت غزنوی خاندان کے آخری تاجدار خسرو ملک کے ہاتھ میں تھی۔ خسرو ملک کی حکومت کی بنیادیں، راجہ دہلی اور دوسرے مقامات ہند کے راجاؤں کی دشمنی نیز افغانوں کی یورشوں کے سبب سے بہت کمزور ہو چکی تھی لہٰذا خسرو شہاب الدین کے مقابلے پر تیار نہ ہوا اور مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ تھوڑی بہت گفت و شنید کے بعد شہاب الدین نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔ خسرو ملک نے اپنا ایک نو عمر لڑکا مع ایک شاندار ہاتھی شہاب الدین کے پاس بطور ضمانت کے بھجوا دیا۔ شہاب الدین نے بھی الصلح خیر العمل (صلح سب سے اچھا عمل ہے) کے مصداق خسرو ملک سے کچھ تعرض نہ کیا اور واپس غزنی آ گیا۔

۵۷۶ھ میں شہاب الدین نے سندھ کے مشہور شہر دیول (دیول یا دیبل سندھ کا قدیم تاریخی مقام ہے موجودہ زمانے میں اس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ شہر کس جگہ آباد تھا البتہ یہ یقینی ہے کہ کراچی کے مضافات میں تھا۔ کچھ محقق اسے موجودہ ٹھٹھ کے قرب و جوار میں بتاتے ہیں۔") پر حملہ کیا۔ اور دریائے سندھ کے کنارے کے تمام مقامات کو اپنے قبضے میں کر لیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر اپنے وطن کو واپس ہوا۔

۵۸۰ھ میں شہاب الدین نے لاہور پر پھر لشکر کشی کی اور اس شہر کے گرد و پیش کے علاقوں کو خوب جی بھر کر لوٹا۔ دریائے راوی اور چناب کے درمیان سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کروایا اور اس کی حکومت حسین خرمیل کے سپرد کی اس کے بعد وہ واپس غزنی آ گیا۔ شہاب الدین کی واپسی کے بعد خسرو ملک کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اس نے کھکروں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو نے اس قلعے کو فتح کرنے کی ہرچند کوششیں کیں لیکن ناکام رہا۔ لہٰذا بے نیل مرام واپس لوٹا۔ خسرو کی اس حرکت پر شہاب الدین بہت برا فروختہ ہوا۔ اس نے ۵۸۲ھ میں ایک زبردست لشکر تیار کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ خسرو ملک اس بار بھی قلعہ بند ہو گیا چند روز تک تو خسرو ملک شہاب الدین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا لیکن آخر کار یہ سوچ کر کہ اس شیر سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ خسرو ملک بڑی عاجزی کی حالت میں شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ اسے شہر میں لے آیا۔ شہاب الدین نے لاہور کو بھی ملتان کے حاکم علی کرماج کے سپرد کیا اور خسرو ملک اور اس کے بیٹے کو غیاث الدین کے پاس فیروز کوہ کی طرف روانہ کر دیا۔ سلطان غیاث الدین نے ان دونوں باپ بیٹیوں کو جرجستھان کے ایک قلعے میں قید کر دیا۔ کچھ عرصے بعد خوارزم شاہ کا حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ غیاث الدین نے خسرو ملک کو بھی سازش میں شرکت کا مجرم گردان کر تمام غزنوی قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یوں سلطان محمود کے خاندان کا چراغ گل ہو کر رہ گیا۔

ترائن کی پہلی لڑائی

شہاب الدین نے ۵۸۷ھ میں ایک بار پھر ہندوستان پر حملہ کیا اس حملے میں اس نے تپہندہ (یہاں تپہندہ سے مراد مشہور شہر "بھٹنڈہ" ہے۔) کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ جو اس زمانے میں ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کا مرکزی شہر بن گیا تھا اور راجہ اجمیر کے قبضے میں تھا۔ شہاب الدین نے تپہندہ کی حکومت ملک بہاؤ الدین تونکی کے سپرد کی اور اسے مع ایک ہزار چالیس (۱۰۴۰) سواروں کی جماعت کے ییں چھوڑ کر خود واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ شہاب الدین رخصت ہونے ہی والا تھا کہ اسے خبر ملی کہ رائے پتھورا اپنے بھائی راجہ دہلی کھانڈے رائے سے سازش کر کے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کو تپہندہ کے قلعے پر قبضہ کرنے کے لیے اپنا ہم خیال بنا لیا ہے اور یہ دنوں بھائی (رائے پتھورا اور کھانڈے رائے) دو لاکھ سواروں اور تین ہزار ہاتھیوں کا ایک زبردست لشکر لے کر تپہندہ کی طرف آ رہے

ہیں۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک بڑا لشکر لے کر رائے پتھورا کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ موضع ترائن جو آج کل تراوڑی کے نام سے مشہور ہے اور دہلی سے چالیس (۴۰) کوس کے فاصلے پر واقع ہے وہاں دریائے سرستی کے کنارے دونوں افواج میں آمنا سامنا ہوا۔

جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو ہندوؤں نے خوب جی توڑ کر لڑائی کی اور اپنی جانبازی کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ مسلمان سپاہیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ شہاب الدین کے لشکر کا میمنہ اور میسرہ بالکل خالی ہو گیا۔ قلب لشکر میں البتہ کچھ لشکری باقی رہ گئے۔ لشکر کی یہ بے ترتیبی اور بدحالی دیکھ کر شہاب الدین کے ایک امیر نے اس کو بتایا۔ "ہماری فوج کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں امیر جو کہ غوری خاندان کے پروردہ و پرداختہ تھے خوفزدہ و بدحواس ہو کر میدان جنگ سے فرار کا راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ مقدمتہ الجیش کے افغانی اور خلجی سردار بھی جو ہمیشہ بڑھ بڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے اس وقت میدان جنگ سے غائب ہیں اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس وقت جنگ سے کنارہ کشی کریں اور لاہور کی طرف روانہ ہو جائیں۔ شہاب الدین کو اپنے اس امیر کا مشورہ پسند نہ آیا اور اس نے ہمت و جرات سے کام لیتے ہوئے قلب لشکر کے باقی ماندہ سپاہیوں کی رفاقت میں دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس معرکے میں شہاب الدین نے جانبازی و مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دوست دشمن بھی تعریفیں کرنے لگے۔ شہاب الدین لڑ رہا تھا کہ اچانک راجہ دہلی کھانڈے رائے کی نظر اس پر پڑی اس نے اپنا ہاتھی شہاب الدین کی طرف بڑھایا۔ شہاب الدین بھی اپنا نیزہ سنبھال کر اس کی طرف بڑھا اور ہاتھی کے پاس پہنچ کر اس نے پورے زور سے ہاتھی کے منہ پر نیزے کا وار کیا۔ نیزہ ہاتھی کے منہ کے اندر چلا گیا اور اس کی ضرب شدید سے اس کے دانت ٹوٹ گئے۔ کھانڈے رائے نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہاتھی کے اوپر ہی سے شہاب الدین کے بازو پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ شہاب الدین بری طرح زخمی ہو گیا عین ممکن تھا کہ شہاب الدین اس زخم کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو کر اپنے گھوڑے سے گر جائے کہ ایک خلجی سپاہی نے بڑی پھرتی سے بادشاہ کو اس مصیبت سے نجات دلائی۔ وہ شہاب الدین کے گھوڑے پر چڑھ گیا اور اس کو اپنی گود میں لے لیا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ یہ سپاہی شہاب الدین کو لے کر امیروں کے پاس پہنچا جو میدان جنگ چھوڑ کر بیس (۲۰) کوس کے فاصلے پر خیمہ زن تھے۔ لشکریوں نے جب بادشاہ کو دیکھا تو ان کو شکست اور بادشاہ کی غیر موجودگی سے جو پریشانی تھی وہ ختم ہو گئی۔ شہاب الدین ہندوستانی علاقوں کی حکومت اپنے قابل اعتماد امیروں کے سپرد کرنے کے بعد واپس غور چلا گیا۔

غورستان واپس پہنچ کر شہاب الدین نے میدان جنگ سے بھاگنے والے افغانی امیروں سے تو کچھ نہ کہا لیکن خلجی اور غوری امیروں کو سخت سزا دی۔ اس نے توبروں میں کچے جو بھروا کر ان امیروں کی گردن میں لٹکا دیئے اور اسی عالم میں ان کو سارے شہر میں پھرایا۔ شہاب الدین نے یہ حکم دیا کہ جو امیر اپنے توبرے کے کچے جو نہ کھائے اس قتل کر دیا جائے۔ امیروں نے اپنی جانوں کی سلامتی کو غنیمت سمجھا اور توبروں کے کچے جو کھا لیے اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا۔

شہاب الدین کے زندہ بچ نکلنے کا واقعہ

"زین المآثر" میں شہاب الدین کے زندہ بچ نکلنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کھانڈے رائے کے ہاتھوں زخمی ہو کر شہاب الدین زمین پر گر پڑا تو شام تک یہ شیر غورستان اسی عالم کس مپرسی میں میدان جنگ میں پڑا رہا کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ کیونکہ ہندو سپاہی اسے اچھی طرح پہچانتے نہ تھے۔ جب سورج غروب ہو گیا تو تھوڑی رات گزرنے کے بعد شہاب الدین کے غلاموں کا ایک گروہ اپنے بادشاہ کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔ اس وقت تک وہ کچھ کچھ ہوش میں آ چکا تھا اس نے اپنے غلاموں کی آواز پہچان کر ان کو بلایا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ وفادار غلام اپنے بادشاہ کو صحیح و سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے وہاں سے اٹھا کر اس جگہ لے چلے جہاں فراری امیر جمع تھے۔ غلاموں نے شہاب الدین کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا اور وہ کندھا بدلتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ تمام

رات اسی طرح سفر میں بسر ہوئی صبح سویرے بادشاہ اپنے فراری امیروں کے پاس جا پہنچا- امیروں سے شہاب الدین نے وہی سلوک کیا جو اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے-

بہر حال جو روایت بھی صحیح ہو بیان سے اصل مقصد یہ ہے کہ شہاب الدین میدان جنگ سے شکست کھا کر بھاگ نکلا اور رائے پتھورا نے فوراً ہی تپہندہ کا محاصرہ کر لیا- یہ محاصرہ پورے تیرہ (۱۳) مہینے تک قائم رہا- جب اس مصیبت نے اتنا طول کھینچا تو ضیاء الدین تولکی نے رائے پتھورا سے صلح کر لی اور اس طرح قلعے پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا-

ترائن کی دوسری لڑائی

شہاب الدین غور پہنچنے کے بعد غزنی روانہ ہوا- وہاں اس نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کرنی شروع کی' مشغولیت میں اس نے دن کا چین اور رات کا آرام اپنے اوپر حرام کر لیا شکست کے دوسرے ہی سال وہ ایک لاکھ سات ہزار (۱۰۷۰۰۰) ترکی' خلجی اور افغانی سرداروں اور سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا- چونکہ اپنے سرداروں سے شہاب الدین کا دل صاف نہ تھا- اس لیے اس بار اس نے حملے کے بارے میں کسی سے کوئی مشورہ نہ کیا- شہاب الدین کی اس فوج کا یہ عالم تھا کہ بہت سے فوجی سردار اپنی مرصع ٹوپیوں اور جنگی سامان کی وجہ سے شکل و صورت سے بادشاہ نظر آتے تھے-

معتوب امیروں کی معافی

جب یہ عظیم الشان لشکر پشاور کے قریب پہنچا تو ایک بوڑھے امیر نے جسے بادشاہ کی خدمت میں اثر و رسوخ حاصل تھا- یہ درخواست کی کہ "اب تک آپ کے جاں نثاروں کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ جہاں پناہ کا ارادہ کیا ہے اور کس دشمن کی تباہی و بربادی کے لیے اتنا عظیم الشان لشکر ساتھ لے کر سفر کی زحمت گوارا فرمائی ہے-" شہاب الدین نے جواب دیا- "کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ جس دن سے میں نے ہندوؤں سے شکست کھائی ہے اس دن سے میں نے اپنی بیوی کا منہ نہیں دیکھا اور نہ ہی لباس تبدیل کیا ہے یہ سارا سال میں نے انتہائی رنج و غم میں بسر کیا ہے- جن خلجی اور غوری امیروں نے میرے حقوق خدمت کو نظر انداز کر کے مجھے تنہا میدان جنگ میں چھوڑ دیا تھا میں نے ان سے سلام دعا تک کو روا نہیں رکھا- ان نمک حرام امیروں سے مجھے کوئی امید نہیں ہے لیکن خداوند تعالیٰ کے بھروسے پر میں اس لشکر کو لے کر ہندوستان پر حملہ کرنے جا رہا ہوں-" بوڑھے امیر نے بادشاہ کی بات سن کر بڑے ادب سے کہا- "خداوند تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران اور دشمنوں کو ناکام و نامراد کرے مجھے امید ہے امیر اپنی پچھلی غفلت کی تلافی اس بار خوب اچھی طرح کریں گے اور لشکر کے سردار اپنے دامنوں سے بزدلی کے دھبے کو اپنے خون سے دھو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا نیک نام دنیا میں یادگار چھوڑ جائیں گے- اس قدیم نمک خوار کی یہ درخواست ہے کہ آپ اپنے امیروں کا قصور معاف کریں اور انہیں شرف باریابی عطا کریں-" آپ کا یہ سلوک امیروں کو خود بخود راہ راست پر لے آئے گا اور وہ دل و جان سے اس امیر کی کوشش کریں گے کہ گذشتہ بدنامی کو نیک نامی سے بدل کر اپنے آقا کا حق ادا کریں-" شہاب الدین کو بوڑھے امیر کی یہ بات چیت پسند آئی اور اس نے اسی وقت دربار عام منعقد کیا' معتوب امیروں کو گراں قیمت خلعت اور مرصع خنجر عنایت کیے اور ان کی گذشتہ غفلت کو معاف کر کے آئندہ احتیاط سے کام لینے کی تلقین کی-

معرکہ آرائی

دوسرے روز شہاب الدین نے اس مقام کو خیرباد کہا اور آگے بڑھا لشکر شاہی منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا یہاں پہنچ کر شہاب الدین نے ان امیروں کے مرتبوں میں بہت اضافہ کیا- جنھوں نے اس کی غیر موجودگی میں خیر خواہی اور نمک حلالی کا دامن نہ چھوڑا تھا اور اس ہنگامہ خیز زمانے میں بھی لاہور کے مسلمان سپہ سالار کی مدد کرتے رہے تھے تاکہ وہ گرد و پیش کے ہندو راجاؤں کا مقابلہ کر سکے- شاہی لشکر جب لاہور پہنچا تو شہاب الدین نے اپنے ایک معتمد اور قابل امیر کو جس کا نام قوام الملک رکن الدین حمزہ تھا' اجمیر روانہ کیا- اور اس

کے توسط سے اجمیر کے راجہ اور باشندوں کو اسلام کی دعوت دی- رائے پتھورا نے یہ دعوت پاکر اسلام اور اسلامی بادشاہ کو ناشائستہ الفاظ میں یاد کیا اور قوام الملک کو اپنے دربار سے واپس کر دیا-

رائے پتھورا نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنی مدد کے لیے خطوط لکھے' سبھی راجاؤں نے رائے پتھورا کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا- اور خط ملتے ہی اپنے اپنے لشکر لے کر اس کی مدد کے لیے چل پڑے اور کچھ دنوں میں تمام ہندوستان کے راجہ رائے پتھورا کے گرد جمع ہو گئے- راجہ تین لاکھ راجپوتوں اور افغانوں کا عظیم الشان لشکر لے کر شہاب الدین کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا- ۵۸۸ھ میں دریائے سرستی کے کنارے بمقام ترائن خیمہ زن ہوئے- جونہی شہاب الدین کا مقابلہ ہوا ڈیڑھ سو (۱۵۰) راجپوت راجاؤں نے بہادری کا ٹیکہ اپنے ماتھوں پر لگایا اور انتہائی دلیری و جرات سے کام لینے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی قسمیں کھائیں- ان ہندو راجاؤں نے آپس میں یہ عہد کیا کہ جب تک مسلمانوں کو بالکل ختم نہ کرلیں گے اس وقت تک اپنی تلواریں میان میں نہ رکھیں گے اور اس میدان جنگ میں اپنے اپنے کمالات کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نام باقی رہے- یہ راجہ چونکہ شہاب الدین کو ایک مرتبہ شکست دے چکے تھے اس لیے ان کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے-

ان راجاؤں نے آپس میں طے کیا کہ ابتدائے جنگ سے پہلے شہاب الدین کو ایک ہدایت نامہ بھیجا جائے- لہٰذا انہوں نے شہاب الدین کو ایک خط لکھا جس میں یہ بیان کیا گیا تھا-- "ہم ہندو راجاؤں کے لشکر کی کیفیت تو تمہیں معلوم ہو ہی گئی ہو گی- ہمارے ساتھ جس قدر لشکر ہے وہ تمہیں اور تمہاری فوج کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافی ہے' لیکن ابھی مختلف افواج کی آمد جاری ہے کہ جن کے قدموں سے زمین کا سینہ کانپ رہا ہے- اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں کی غربت پر رحم کھاؤ- ہم نے اپنے معبودوں کے سامنے قسم کھائی ہے اگر تم اپنے ارادے سے باز آکر واپسی کا رادہ کر لو گے تو ہم تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے اور تمہارا راستہ نہ روکیں گے- ہم تم پر رحم کھا کر تمہیں واپس لوٹ جانے کا نیک مشورہ دیتے ہیں- ورنہ یاد رکھو کہ کل صبح ہم اپنے تین (۳) ہزار ہاتھیوں کو بے شمار توپچی سپاہیوں کی فوج سے میدان جنگ کو میدان حشر بنا دیں گے اور اس کے نتیجے میں تمہیں شکست کھا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے بھاگنا پڑے گا-"

شہاب الدین نے ہندو راجاؤں کا یہ خط پڑھا اور اس کے جواب میں انہیں لکھا- "مجھے اس امر کا پورا پورا اندازہ ہے کہ آپ کا خط محبت اور ہمدردی کے جذبات سے بھرپور ہے- میں آپ کی ہدایات پر ضرور عمل کرتا لیکن کیا کروں' مجبور ہوں میں اپنے بھائی کا محکوم ہوں اور اسی کے حکم کے مطابق یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر مجھے اتنی فرصت ملے کہ میں کسی قابل اعتبار قاصد کو اپنے بھائی کے پاس بھیج کر آپ کے لشکر کی کثرت و قوت کا حال بیان کر سکوں اور اپنی کمزوری کی روداد بتا سکوں تو مجھے یقین ہے کہ اس شرط پر صلح ہو سکتی ہے کہ سرحد' پنجاب اور ملتان پر تو غوریوں کا قبضہ رہے اور باقی تمام ہندوستانی علاقے آپ کی حکومت میں چھوڑ دیئے جائیں-

ہندو راجاؤں نے شہاب الدین کے جواب سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلمانوں کا لشکر واقعی بہت کمزور اور پریشانی کی حالت میں ہے- لہٰذا وہ اپنی قوت و کثرت کے نشے میں سرشار ہو کر مسلمانوں کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے جب شہاب الدین نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ ہندو راجہ غفلت میں پوری طرح مبتلا ہیں اور مشغول عیش و عشرت ہیں تو اس نے راتوں رات اپنا لشکر مرتب کیا اور صبح سویرے جب کہ راجپوت سپاہی قضائے حاجت اور غسل وغیرہ کے لیے باہر نکلے شہاب الدین نے فوراً میدان جنگ کی راہ لی اور ان سے جنگ شروع کر دی- ہندوؤں کے لشکر کے سردار اگرچہ اس بلائے ناگہانی سے سخت پریشان ہوئے لیکن انہوں نے جس طرح بھی ہو سکا جلد از جلد تیاری کی اور مسلح ہو کر مسلمانوں کے مقابلے پر آ ڈٹے-

شہاب الدین کو ہندوؤں کی فوج کی بہادری اور سرگرمی کا پورا پورا علم تھا- لہٰذا اس نے اپنی فوج کو چار حصوں میں منقسم کیا اور ہر حصے

کو یہ ہدایت کی کہ باری باری ہندوؤں سے لڑائی کرے۔ شہاب الدین نے اپنی فوج کے ان حصوں کے سرداروں اور لشکریوں کو یہ ہدایت بھی کی کہ جب ہندوستانی ہاتھیوں کی قطاریں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اپنے آپ کو جھوٹ موٹ کے فراری ثابت کریں اور جنگ کے میدان سے منہ موڑ کر ہندوؤں کا مقابلہ کرنے سے بھاگیں۔ جب ہندوستانی لشکر کے سپاہی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی حدود سے تھوڑا بہت باہر نکل آئیں تو (مسلمان لشکری) پلٹ کر ان پر حملہ کر دیں اور اپنے نیزوں اور تلواروں کی جان گزار ضربوں سے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

اسلامی لشکر اپنے سردار اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق صبح سے لے کر عصر کے وقت تک دشمنوں سے لڑتا رہا لیکن باوجود ہر طرح کی کوشش کے بھی ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے نہ اکھڑ سکے۔ جب شہاب الدین نے یہ دیکھا کہ یہ تمام دن یونہی بے کار گزرتا جا رہا ہے تو اس نے بارہ (۱۲) ہزار بہادر سواروں کے ساتھ ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا زبردست تھا کہ شہاب الدین اور خرمیل سرداروں کی فراست و ہمت سے ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا' ان کے سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑنے لگے۔ ہندوستانی افسروں کو اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں اور کچھ نہ سوجھا تو انہوں نے "جنگ مغلوبہ" شروع کر دی اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کھانڈے رائے اور دوسرے بہت سے ہندوستانی راجہ ہلاک ہو گئے۔ رائے پتھورا تھوڑی بہت بچی ہوئی فوج کو اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلا' لیکن وہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ دریائے سرستی کے کنارے مسلمان لشکریوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ شہاب الدین نے رائے پتھورا کو قتل کر دیا اور سرستی ("سرستی" اکبر اعظم کے عہد تک اسی علاقے کا ایک مشہور قصبہ تھا۔) سمانہ ہانسی اور کہرام (سمانہ اور کہرام دہلی سے تقریباً سوا سو (۱۲۵) میل کے فاصلے پر واقع ہیں اور آج کل ریاست پٹیالہ میں شامل ہیں۔) وغیرہ کے مشہور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

واپسی

ہندو سرداروں کو قتل کرنے اور شکست دینے کے بعد شہاب الدین اجمیر میں داخل ہوا اور اجمیر اور اس کے نواح پر قبضہ کر کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا۔ نیز رائے پتھورا کے لڑکے راجہ کولا کو اپنا باج گزار بنایا یہاں سے اس نے دہلی کا عزم کیا دہلی کے راجہ نے شہاب الدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اور طرح طرح کے قیمتی تحائف بطور نذرانہ پیش کیے۔ دہلی سے کوچ کرنے کے بعد شہاب الدین نے ملک قطب الدین ایبک کو جو اس کا غلام تھا کہرام کا حاکم مقرر کیا اور خود شمالی ہندوستان کے کوہستانی علاقوں کی غارت گری میں مشغول ہوا ان علاقوں کو برباد و تباہ کر کے غزنی واپس آ گیا۔

قطب الدین ایبک کی سرگرمیاں

شہاب الدین جب غزنی واپس چلا گیا تو قطب الدین ایبک نے اسی سال دہلی اور میرٹھ کے قلعوں پر حملہ کر کے ان دونوں علاقوں کو رائے پتھورا اور کھانڈے رائے کے رشتہ داروں کی حکومت سے نکال کر اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ ۵۸۹ھ میں اس نے قلعہ کول کو تسخیر کیا اور اسی سال دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنا کر اس کے آس پاس کے علاقوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا اور ان تمام مقبوضہ علاقوں میں اسلامی قانون رائج کر دیا۔

شہاب الدین کی آمد

کچھ عرصہ بعد شہاب الدین غزنی سے پھر ہندوستان آیا اس بار اس نے قنوج کا راستہ لیا۔ راجہ جے چند والی بنارس و قنوج تین ہزار (۳۰۰۰) سے کچھ اوپر ہاتھیوں کو ساتھ لے کر شہاب الدین کے مقابلے پر صف آرا ہوا۔ چند وارڑہ اور اٹاوہ کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جے چند مسلمانوں کے لشکر کے ہراول ملک قطب الدین ایبک کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اپنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاروں کو

میدان جنگ ہی میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جے چند کے فرار کے بعد شہاب الدین حصار اسنی میں داخل ہوا یہ حصار جے چند کی قیام گاہ تھا اور یہاں بے شمار دولت تھی۔ یہاں کے تمام مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد شہاب الدین نے بنارس کی طرف کوچ کیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ایک ہزار مندروں کو اس غرض سے مسمار کیا کہ مسلمانوں کے رہنے کے لیے مکان بنائے جا سکیں۔ کول کے قلعے کو سر کرنے کے بعد شہاب الدین نے ہندوستانی علاقوں کی حکومت قطب الدین ایبک کے سپرد کی اور خود دارالخلافہ میں واپس آ گیا۔

اجمیر اور گجرات پر حملہ

اسی زمانے میں رائے پتھورا کے ایک رشتہ دار جس کا نام بھیم راج تھا۔ رائے پتھورا کے بیٹے پر حملہ کیا اور اجمیر کو اس کے قبضے سے نکال لیا۔ اس کے بعد بھیم راج نے قطب الدین سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس بنا پر ۵۹۱ھ میں قطب الدین نے بھیم راج پر لشکر کشی کی اس کے جواب میں بھیم راج بھی ایک زبردست فوج لے کر قطب الدین کے مقابلے پر آیا دونوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ بھیم راج اس جنگ میں مارا گیا اور اس کے نتیجے میں اجمیر پر مسلمانوں کا براہ راست قبضہ ہو گیا۔

اس ہنگامے سے فرصت پانے کے بعد قطب الدین نے نہروالہ پر حملہ کیا اور بھیم دیو والی گجرات کو شکست فاش دی۔ گویا اس طرح قطب الدین نے بھیم دیو سے شہاب الدین کا انتقام لیا۔ اور اسے رائے پتھورا کو مدد دینے کی سزا دی' نہروالا کی فتح کے بعد قطب الدین بہت سا مال غنیمت لے کر غزنی گیا اور شاہی عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس دہلی آیا۔

دیگر فتوحات

۵۹۲ھ میں شہاب الدین نے پھر جنگ کرنے کی ٹھانی اور وہ ہندوستان کی طرف چلا یہاں آ کر اس نے تھنکر جو آج کل بیانہ کے نام سے مشہور ہے' فتح کیا اور اس کی حکومت بہاؤ الدین طغرل کے سپرد کی۔ بعد ازاں شہاب الدین نے طغرل کو قلعہ گوالیار کو سر کرنے کی ہدایت دی اور خود واپس غزنی روانہ ہوا۔ جب گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا تو اجمیر کے گرد و پیش کے راجپوت ایک بار پھر قطب الدین کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے ۵۹۳ھ میں ہندوؤں کو شکست فاش ہوئی اور نہروالہ پر بھی مسلمان قابض ہو گئے۔ ۵۹۹ھ میں مسلمانوں نے کالنجر اور بدایوں کے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

غیاث الدین کی وفات

ابھی شہاب الدین طوس اور سرخس کے مسائل کو سلجھا رہا تھا کہ اچانک اس کو خبر ملی کہ غور کا حقیقی حکمران یعنی اس کا بھائی غیاث الدین وفات پا گیا ہے' یہ خبر سنتے ہی شہاب الدین بادغیس پہنچا اور اپنے بھائی کا پوری طرح سوگ منایا۔ بعد ازاں اس نے خراسان کو آل سامان (یہاں فرشتہ نے سہوا "آل سامان" لکھ دیا ہے۔ دوسری تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے خراسان کی حکومت اپنے عزیزوں میں تقسیم کی نہ کہ آل سامان میں۔) میں تقسیم کر دیا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی ملک ضیاء الدین کو جو غیاث الدین کا داماد بھی تھا فیروز کوہ اور غورستان کا حاکم مقرر کیا۔ غیاث الدین کے بیٹے سلطان محمود کے حوالے بست' فرح اور اسفرائن کی حکومت کی۔ اپنے بھانجے ناصر الدین کو ہرات اور اس کے مضافات کا حاکم بنایا۔ اور خود بادغیس سے غزنی پہنچ کر شاہی تخت پر قدم رکھا۔

خوارزم پر حملہ

اسی زمانے میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ مرو کے حاکم محمد خیر بیگ کو اس کے دشمنوں نے قتل کر دیا ہے۔ خبر سن کر شہاب الدین نے ۶۰۰ھ میں خوارزم پر حملہ کر دیا خوارزم شاہ شہاب الدین کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ شہاب الدین اس نہر کے کنارے مقیم ہوا جو دریائے جیحون کے پانی سے سیراب ہو کر خوارزم اور خلیج کی مشرقی جانب بہتی تھی' کچھ دنوں تک شہاب الدین بڑی جرات اور مردانگی کے ساتھ دشمنوں سے لڑتا رہا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ خطا کا سپہ سالار قرا بیگ خاں اور بادشاہ

سمرقند سلطان عثمان خاں (اپنے ساتھ لشکر لے کر) خوارزم شاہ کی مدد کے لیے آ رہے ہیں تو شہاب الدین بڑا پریشان ہوا۔ ان دونوں سے خوف زدہ ہو کر اس نے اپنی ضرورت سے زیادہ سامان و اسباب کو آگ لگا دی اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا۔ خوارزم شاہ نے شہاب الدین کا پیچھا کیا اور اس بری طرح پیچھے پڑا کہ شہاب الدین کو مجبوراً پلٹ کر اس سے معرکہ آرائی کرنی پڑی اس معرکہ آرائی میں شہاب الدین کو شکست ہوئی۔ اور یہ شیر غورستان اپنے ہاتھی گھوڑے اور خزانہ وغیرہ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ شہاب الدین ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے قرابیگ خاں اور سلطان عثمان نے آ گھیرا۔ اند خود (اند خود شمالی افغانستان کا ایک مشہور مقام ہے جو ان دنوں خراسان میں شامل تھا) کے مقام پر دونوں فریق میں زبردست جنگ ہوئی۔ شہاب الدین نے اس جنگ میں بڑی ہمت و مردانگی سے کام لیا۔ اگرچہ اس کا لشکر دشمن کے مقابلے پر کہیں کم تھا، لیکن وہ اس "کثرت و قلت" کا خیال نہ کرتے ہوئے برابر لڑتا رہا، لیکن جب دشمن کی کثیر فوج نے اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ تباہ کر دیا اور اس کے ساتھ صرف ایک سو (۱۰۰) سپاہی رہ گئے تو وہ پریشان ہوا اور اسی پریشانی کے عالم میں اند خود کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ دو دن کے بعد سلطان عثمان کے توسط سے صلح ہو گئی اور شہاب الدین اند خود کا قلعہ قرابیگ خاں کے حوالے کر کے غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

ایبک (غلام شہاب الدین) کی سرگرمیاں

جس وقت شہاب الدین خوارزم سے مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہوا، ایک نمک حرام کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اس احسان فراموش غلام نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اب شہاب الدین کا زندہ بچنا ناممکن ہے لہٰذا وہ ملتان پہنچا۔ ایبک کا ارادہ یہ تھا کہ وہ سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر کے خود مختار حکومت قائم کرے۔ ملتان پہنچ کر ایبک نے وہاں کے کوتوال امیرداد حسن کو مکر اور عیاری کے جال میں پھنسایا اور اس سے کہا۔ "مجھے شہاب الدین نے حکم دیا ہے کہ سلطنت کے سیاسی رازوں سے تمہیں آگاہ کروں۔" امیرداد حسن بے چارہ اس مکار کی بات میں آ گیا اور اس نے اپنی محفل کو دوسرے لوگوں سے خالی کر دیا۔ جب تنہائی میسر آئی تو ایبک نے امیرداد حسن سے ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع کر دیں اور جب ایبک نے یہ دیکھا کہ امیرداد حسن گفتگو میں پوری طرح منہمک ہے تو اس نے اپنے ایک ترکی غلام کو جو پہلے ہی سے اس کام پر مقرر تھا، اشارہ کیا غلام نے اشارہ پاتے ہی تلوار نکال کر امیرداد حسن کو قتل کر ڈالا اس کے بعد ایبک نے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ امیرداد حسن کو شہاب الدین کے حکم سے قتل کیا گیا ہے۔

ایبک نے اپنی امارت کا ایک جعلی فرمان تیار کیا اور لوگوں کو دکھا کر قبتہ الاسلام یعنی ملتان پر پوری طرح قبضہ کر لیا اس کے بعد شہاب الدین کے قتل کی جھوٹی خبر نے بھی بڑی شہرت پائی۔ ساس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ جود وغیرہ کے علاقوں کے کھکروں کے سردار سرکہ نامی نے اپنی حکومت قائم کرنے کے خیال سے لاہور پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کی وجہ سے دریائے جہلم اور سودرہ کے تمام درمیانی علاقوں میں لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ایلدگز (غلام شہاب الدین) کی سرگرمیاں

(یہاں فرشتہ سے سہو ہوا ہے۔ اس غلام کا نام دوسری تاریخوں میں "یالبور" آیا ہے۔)

جب شہاب الدین اند خود کے قلعے کو قرابیگ خاں کے حوالے کر کے غزنی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے غلام ایلدگز نے غزنی پر قبضہ کر لیا ہے۔ شہاب الدین نے ہرچند چاہا کہ قلعے میں داخل ہو لیکن ایلدگز نے اجازت نہ دی اور اپنے آقا سے جنگ کرنے پر کمر باندھ لی۔ شہاب الدین نے اس وقت ایلدگز سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ملتان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملتان پہنچ کر اسے اپنے دوسرے غلام ایبک کی نمک حرامی کا علم ہوا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ ایبک نے امیرداد حسن کو دھوکے سے قتل کر کے ملتان پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ جب شہاب الدین پر واضح ہو گیا کہ ایبک اس کی اطاعت سے منکر ہے تو اس نے ملتان پر حملہ کر دیا ایک ہی حملے میں ملتان کا قلعہ فتح ہو گیا اور

ایبک کو شہاب الدین نے گرفتار کرلیا۔

اس کے بعد شہاب الدین نے ایک زبردست فوج تیار کر کے غزنی کا رخ کیا۔ اس دوران میں ایلدگز نمک حرامی سے باز آکر خود مختار حکومت کرنے کے لیے خیال سے تائب ہوگیا تھا لٰہذا اس نے اپنے آقا کے مقابلے پر صف آرائی نہ کی بلکہ غلاموں کی طرح شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی عاجزی سے اس سے اپنی غلطی کی معافی چاہی۔ شہاب الدین نے دوسرے امیروں کی سفارش پر ایلدگز کو معاف کر دیا اور غزنی میں داخل ہو کر سلطنت کے اہم کاموں میں مشغول ہوگیا۔

کھکروں کا مشرف بہ اسلام ہونا

اسی زمانے میں خوارزم شاہ نے اپنا قاصد شہاب الدین کے دربار میں بھیجا اور اس کے توسط سے دونوں میں صلح ہوگئی۔ ایبک اور ایلدگز کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد شہاب الدین نے کھکروں پر حملہ کیا اس کی مدد کے لیے دہلی سے قطب الدین بھی آیا۔ شہاب الدین کھکروں کو ان کی بدعنوانیوں کی پوری پوری سزا دے کر لاہور آیا اور یہاں سے اس نے قطب الدین کو دہلی کی جانب رخصت کیا اور خود یہیں قیام کیا تاکہ سلطنت کے انتظامات کی طرف توجہ کرے۔

لاہور میں قیام کے زمانے میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ ان غیر مسلم کھکروں نے جو دریائے سندھ سے لے کر کوہ سوالک کے دامن تک کے علاقے میں آباد ہیں، بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے ہیں وہ اس حد تک متعصب ہیں کہ ان کے آس پاس کی آبادی ان کے ظلم و ستم سے عاجز آچکی ہے خاص طور پر پشاور اس کے گردو پیش کے مسلمانوں کا تو جینا مشکل ہو گیا ہے۔ ان لامذہب کھکروں نے خدا پرست مسلمانوں کے لیے پنجاب کا سفر کرنا بھی مشکل کر دیا ہے۔ یہ لوگ کسی مذہب (یا اصول) کے پابند نہیں ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی برا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں یہ رواج ہے کہ جب ان کی لڑکی جوان ہوتی ہے تو لڑکی کا باپ یا بھائی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان کے دروازے پر آکھڑا ہوتا ہے۔ راستہ چلنے والوں کو لڑکی کی خریداری کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی شخص اس لڑکی کو پسند کر کے خرید لیتا ہے تو وہ لڑکی اس کے حوالے کر دی جاتی ہے ورنہ اس بے زبان کو وہیں موت کے گھاٹ اتار کر اس کے بوجھ سے نجات حاصل کی جاتی ہے ان لوگوں میں یہ دستور بھی رائج تھا کہ ایک عورت کئی کئی شوہروں کی زوجہ ہوتی تھی۔ جو شوہر اس عورت کے گھر جاتا وہ باہر دروازے پر اپنا نشان لگا جاتا کہ دوسرے شوہروں کو اس کی موجودگی کا علم رہے۔ ایسے عالم میں کوئی دوسرا شوہر عورت کے مکان پر آتا تو وہ نشان کو دیکھ کر اندازہ کرلیتا کہ اس وقت عورت تنہا نہیں ہے لٰہذا وہ فوراً واپس چلا جاتا۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانے میں یہ قوم بڑی ماہر تھی۔ خاص طور پر مسلمانوں کی دل آزاری سے تو وہ بہت ہی خوش ہوتے تھے الغرض یہ قوم ایک زمانہ تک اسی وحشیانہ انداز سے زندگی بسر کرتی رہی۔

سلطان شہاب الدین کے آخری زمانے میں ایک متقی و پرہیز گار مسلمان ان کھکروں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اس نیک نفس خدا پرست نے ان بے دینوں کو مذہب اسلام کی خصوصیات اور عبادت اسلامی کے طریقے بتائے۔ چونکہ اس قوم کی ہدایت کا وقت آچکا تھا اس لیے کھکروں کے امیر کو یہ باتیں بہت پسند آئیں اس نے اس پاک باز مسلمان سے پوچھا۔ "اگر میں مذہب اسلام قبول کرنے کے لیے سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ میرے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔" اس مسلمان نے جواب دیا "میں اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ بادشاہ تجھے اس عالم میں دیکھ کر بہت خوش ہوگا اور اس ہندوستان کی حکومت تیرے ہی سپرد کر دے گا اور تجھے یہاں کا خود مختار حاکم مان لے گا۔" (اس گفتگو کے بعد) کھکروں کے امیر نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس مرد مومن نے تمام کیفیت ایک خط میں درج کر کے سلطان شہاب الدین کو حالات سے باخبر کیا یہ خط ملتے ہی سلطان شہاب الدین نے ایک مرصع کمر بند اور گراں بہا خلعت امیر کے لیے بھجوائی اور اسے اپنے دربار میں طلب کیا کھکروں کا امیر شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

شہاب الدین نے اس کے نام کوہستانی علاقوں کی فرمانروائی کا فرمان جاری کر دیا۔ اپنے وطن واپس آ کر اس امیر نے اپنی قوم کے بڑے حصے کو مسلمان کر لیا لیکن وہ تھوڑے سے کھکر جو دور دراز علاقوں میں آباد تھے اپنے آبائی مشرب کے پابند رہے۔

تراہیہ کی طرف توجہ

تراہیہ غزنی اور پنجاب کے درمیان کوہستانی علاقے میں واقع ہے اسی سال سلطان شہاب الدین نے اس علاقے پر حملہ کیا۔ اس نے جہاں قہر کی ضرورت تھی وہاں تلوار سے کام لیا اور جس جگہ نرمی سے کام نکلا وہاں لطف و محبت سے پیش آ کر اس ملک کی آبادی کو حلقہ بگوش اسلام بنایا۔ یہاں کے لوگوں اور کھکروں کو ملا کر کل تقریباً چار لاکھ غیر مسلموں نے مذہب اسلام قبول کیا اور یہ لوگ اب تک کہ اس وقت ۱۰۱۸ھ ہے اسلام پر قائم ہیں۔ ان کے ایمان پختہ ہیں اور یہ بڑے پکے مسلمان ہیں۔

الغرض ہندوستان کے تمام ہنگاموں کو فرو کرنے کے بعد ۱۶ رجب ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین نے لاہور سے غزنی کی طرف کوچ کیا۔ رخصت کے وقت سلطان نے بامیان کے فرمان روا ملک بہاؤالدین کے نام اس مضمون کا ایک فرمان جاری کیا۔ "اس بار میں نے ارادہ کیا ہے کہ لشکر اسلام ترکستان کی غیر مسلم آبادی پر حملہ کرے۔ للذا تم کو اس امر کی شدید تاکید کی جاتی ہے کہ تم بامیان کی تمام افواج کو جمع کر کے فوراً کوچ کرو اور دریائے جیحون کے کنارے پر خیمہ زن ہو کر دریا پر پل باندھ دو تاکہ اسلامی لشکر کو دریا پار کرتے وقت کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

شہاب الدین کا قتل

۲ شعبان ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچا اور وہاں برمہیک نامی ایک مقام پر مقیم ہوا۔ یہاں کے قیام کے دوسرے روز سلطان شہاب الدین کے قتل کا المناک حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ کھکروں کی قوم میں سے بیس (۲۰) افراد سلطان شہاب الدین سے بے حد نالاں تھے کیوں کہ اس نے ان کے عزیزوں کو قتل اور خود ان کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ ان بیس (۲۰) کھکروں نے آپس میں مل کر شہاب الدین کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے اپنی جانیں وقف کر دیں۔ جس دن سلطان برمہیک کے مقام پر خیمہ زن ہوا اس کے دوسرے روز یہ کھکر کسی نہ کسی طرح شاہی خیمے تک پہنچ گئے۔ اس وقت شاہی لشکر کوچ کی تیاریاں کر رہا تھا اور فراش سراپردہ اتار رہے تھے یہ قاتل شاہی خیمے کے اندر داخل ہو گئے وہ شعبان کی تیسری رات تھی۔ ایک کھکر نے بڑھ کر دربان پر چاقو سے حملہ کیا اور بھاگ نکلا۔ اس دربان کے زخمی ہوتے ہی چاروں طرف ایک غلغلہ مچ گیا۔ شاہی خدمت گار بھی سراپردہ کو چھوڑ کر اس زخمی دربان کے پاس پہنچ گئے۔ جب کھکروں نے یہ دیکھا کہ اس وقت شاہی خیمہ خالی ہے اور تمام محافظ اپنے بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر زخمی دربان کے گرد جمع ہیں تو وہ لوگ سراپردہ کو پھاڑ کر ہاتھوں میں چھرے اور خنجر لیے ہوئے بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت دو تین ترکی غلام بادشاہ کے پاس کھڑے تھے لیکن وہ ان کھکروں کو دیکھ کر سخت بدحواس ہوئے۔ اور خوف کی وجہ سے بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ شہاب الدین ابھی اٹھنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ان سفاکوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور چھروں سے بائیس (۲۲) گہرے زخم اس کے جسم پر لگائے۔ اور ایسے عظیم الشان فرمانروا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ سلطان شہاب الدین کا قطعہ تاریخ شہادت یہ ہے۔

شہادت ملک بحروبر معز الدین کز ابتدائے جہاں مثل اونیا مدیک
سوم زغرہ شعبان بسال ششصدود فتادور رہ غزنی بمنزل رہتک

سلطان شہاب الدین نے غزنی کی حکومت کی ابتدا سے لے کر سال شہادت تک پینتیس (۳۵) سال سے کچھ اوپر عرصے تک فرمانروائی کی۔ اس کی اولاد میں صرف ایک لڑکی ہی اس کی یادگار تھی۔

شہاب الدین کی شہادت کے بعد

سلطان شہاب الدین کی شہادت کے بعد اس کے وزیر موید الملک بن خواجہ محمد بجستانی نے چند سرکش کھکروں کو گرفتار کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا۔ سلطانی خزانہ چار ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اہل لشکر اس کو لوٹنے پر آمادہ ہوئے۔ تو موید الملک نے غوری امراء اور فوجی سرداروں سے بات چیت کی اور ان سے شاہی خزانے کی حفاظت کی قسمیں لیں اس کے بعد لشکریوں کو ڈرا دھمکا کر ان کو ان کے ارادے سے باز رکھا۔ خزانے کی حفاظت سے مطمئن ہو کر موید الملک نے بادشاہ کی لاش کو بڑے تزک و احتشام سے اٹھایا اور غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ شہاب الدین کے امراء اور فوجی سرداروں میں اس وقت دو مختلف الخیال گروہ تھے۔ ایک ترکی امیروں کا گروہ تھا جس کا سردار خود موید الملک تھا اور دوسرا گروہ تمام غوری امراء پر مشتمل تھا۔ ترکیوں کے گروہ کی یہ خواہش تھی کہ شہاب الدین کا جانشین غیاث الدین محمد کو ہونا چاہیے۔ غوری امراء بہاء الدین کی تخت نشینی کے حق میں تھے ان دونوں گروہوں میں راستے میں اختلاف رائے کا اظہار ہوا اور جب یہ ”لشکر بے حاکم اعلیٰ فرساور (فرساور سے مشہور شہر پشاور مراد ہے۔ اس کی وضاحت خود فرشتہ نے بھی کی ہے) کے قرب و جوار میں پہنچا تو ان امراء کی باہمی مخالفت شدید رنگ اختیار کر گئی۔ موید الملک اور اس کے ترکی گروہ کا یہ خیال تھا کہ کرمان کے راستے سے سفر طے کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرمان کے حکمران تاج الدین ایلدگز (”ایلدگز“ صحیح نہیں ہے ”یلدوز“ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آگے چل کر خود فرشتہ نے صحیح نام لکھا ہے۔) کو اپنا ہم خیال بنایا مقصود تھا۔ غوری امراء اس کے خلاف تھے' وہ بامیان کے قریبی راستے سے سفر کرنے کے حق میں تھے تاکہ بامیان پہنچ کر شاہی خزانہ بہاؤالدین کے سپرد کر کے اسے سلطنت کا وارث تسلیم کر لیں۔ اس بحث و تکرار میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ فریقین تلواریں نکالنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر موید الملک نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا وہ معاملہ فہم امیر غوری امراء کے پاس گیا۔ اور ان سے بہت ملائم مگر بااثر الفاظ میں گفتگو کر کے انہیں یقین دلایا کہ اس وقت شیوران اور کرمان کے راستے سے سفر کرنا ہر طرح مناسب ہے۔ غوری امراء نے موید الملک کی بات مان لی اور یوں سلطانی لشکر شہاب الدین کا جنازہ اٹھائے ہوئے کرمان کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب یہ لشکر کرمان کے قریب پہنچا تو تاج الدین ایلدگز (یعنی یلدوز) سلطان سواری کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ سواری پر نظر پڑتے ہی تاج الدین نے اپنے آقا کے آداب اور سلام کے لیے گردن جھکائی۔ اپنے آقا کے دیدار سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے اس غلام نے جب بصد اشتیاق سواری کا پردہ اٹھایا تو اسے اپنے آقا کی جیتی جاگتی تصویر کی بجائے خون میں لتھڑی ہوئی لاش نظر آئی۔ بادشاہ کی لاش کو دیکھ کر تاج الدین نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور اس غم سے رونے لگا اس مجلس ”فریاد و فغاں“ کو ختم کرنے کے بعد سلطانی لشکر آگے بڑھا۔ اور ۲۲ شعبان کو اپنے آقا کا جنازہ لیے ہوئے یہ لوگ غزنی میں داخل ہوئے۔

سلطان شہاب الدین کی لاش اس عمارت میں دفن کی گئی جو اس نے اپنی بیٹی کے لیے بنوائی تھی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ غزنی کا خزانہ بے شمار روپے اور اشرفیوں سے معمور تھا۔ بہت سے دوسرے جواہرات کے علاوہ خزانے میں پانچ سو من الماس بھی تھے۔ شہاب الدین نے ہندوستان پر تین بار لشکر کشی کی دو بار تو اسے شکست ہوئی' لیکن تیسرے حملے میں اس نے اپنے دشمنوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا۔

سلطان شہاب الدین ایک خدا ترس' رحم دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا اگرچہ وہ ایک خود مختار حکمران تھا' لیکن عالموں اور اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے کو وہ اپنے لیے باعث فخر سمجھتا تھا اور ان کی عزت اور خدمت کرنے کو وہ اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔

سلطان قطب الدین ایبک

قطب الدین کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور پسندیدہ باتیں تھیں۔ اس کی طبیعت شروع ہی سے حکمرانی اور بادشاہت کے لیے موزوں تھی۔ اس بادشاہ کو سیاست کے قاعدے اور حکمرانی کے قانون اچھی طرح معلوم تھے۔ حملہ کرنے اور دشمن کا سر کچلنے میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ قطب الدین کی سرگذشت یوں بیان کی جاتی ہے۔

قطب الدین کے ابتدائی حالات

قطب الدین ایبک کو اس کے بچپن کے زمانے میں ایک سوداگر ترکستان سے نیشاپور لایا اور یہاں اسے اسی زمانے میں قاضی فخرالدین ابن عبد العزیز کوفی (جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے) کے پاس بیچ دیا چونکہ خداوند تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ قطب الدین ایک دن بڑا آدمی ہو گا اس لیے بچپن ہی سے اس کے چہرے سے عظمت اور برتری کے آثار نمایاں تھے۔ قاضی فخر الدین، قطب الدین کو بہت عزیز رکھتے تھے انہوں نے زندگی بھر اسے جدا نہ کیا اور اپنے بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کرتے رہے۔
قاضی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے کسی بیٹے نے قطب الدین کو ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا اس سوداگر نے قطب الدین کو تحفے کے طور پر سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے سوداگر کو قطب الدین کے معاوضے میں ایک بیش قرار رقم دی۔ چونکہ قطب الدین کے (ایک) ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی اس لیے بادشاہ اور درباریوں نے اسے ایبک کہنا شروع کر دیا رفتہ رفتہ یہ لفظ اس کے نام کا جزو ہو کر رہ گیا۔ قطب الدین نے بڑے سلیقے اور محبت کے ساتھ سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مختصر سی مدت میں قطب الدین نے بادشاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

قطب الدین کی فیاضی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک رات جشن کی ایک محفل منعقد کی اس محفل میں سلطان کے قریب ترین اور مخصوص درباری شریک تھے جنہیں اس نے خلعت اور انعام سے سرفراز کیا۔ سب سے زیادہ قیمتی اور بہترین انعام قطب الدین کو ملا جب مجلس ختم ہوئی تو قطب الدین نے اپنے حصے کا شاہی انعام فراشوں اور خدمت گاروں کو بخش دیا۔ اس جود و سخاوت کی خبر شہاب الدین تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے قطب الدین کو اپنے درباری امیروں میں شامل کر کے اس کی جگہ شاہی تخت کے عین سامنے مقرر کی۔

قطب الدین کی قسمت کا ستارہ روز بروز زیادہ بلند ہوتا گیا اور کچھ ہی دنوں میں اسے "امیر اخوری" کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ جس زمانے میں غور، غزنی اور بامیان کے حکمرانوں نے باہمی اتحاد سے خوارزم پر لشکر کشی کی تھی اس زمانے میں قطب الدین بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ (معرکہ کارزار میں) شریک تھا۔

قطب الدین کی عارضی اسیری

قطب الدین کا معمول تھا کہ وہ ہر روز چارہ تلاش کرنے کے لیے جنگل کی طرف جایا کرتا تھا۔ ایک دن جنگل میں دریائے مرو کے کنارے اس کا سامنا سلطان شاہ کی فوج سے ہو گیا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی قطب الدین نے اس لڑائی میں بڑی جرات اور دلیری سے کام لیا، لیکن لشکر کم ہونے کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکا اور سلطان شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ خوارزم کے لشکری قطب الدین کو سلطان

شاہ کے سامنے لے گئے۔ سلطان شاہ کے حکم سے قطب الدین کو ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا گیا۔ جب غوری اور خوارزمی لشکروں میں باقاعدہ جنگ ہوئی اور سلطان شاہ شکست کھا کر فرار ہو گیا تو غزنی فوج کے سپاہی قطب الدین کو اسی عالم اسیری میں مع پنجرے کے اونٹ پر لاد کر شہاب الدین کے سامنے لائے۔ سلطان نے اسی وقت قطب الدین کو اس "بلبلوں جیسی قید" سے آزاد کر کے اس کے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے۔

قطب الدین کا ہندوستان میں سپہ سالار مقرر ہونا

۵۸۸ھ میں سلطان شہاب الدین نے دہلی اور اجمیر کے راجوں کو شکست دے کر کہرام اور سمانہ کو قطب الدین کی جاگیر قرار دے دیا اور اسے ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ قطب الدین نے اس عظیم الشان عہدے کی ذمہ داریوں کو پوری توجہ اور سلیقے سے نبھایا۔ کہرام اور سمانہ کے آس پاس کے تمام علاقوں اور میرٹھ کے قلعے کو قبضے میں کرنے کے بعد قطب الدین نے دہلی پر حملہ کیا اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب لڑائی کی ابتداء ہوئی تو ہندو راجپوتوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں ہندوؤں کو شکست ہوئی اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ قطب الدین نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا وہ محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا جاتا تھا۔ ہندوؤں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے طرح طرح کی تکلیفوں سے تنگ آ کر قطب الدین سے امان طلب کی اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔

راجہ جیتواں کی شکست

۵۸۹ھ میں نہروالہ کے حاکم کا ایک قریبی عزیز جو ایک راجپوت سردار تھا اور جس کا نام جیتواں تھا اس نے ہانسی پر حملہ کیا اور قلعے کے نیچے پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ ہانسی کا مسلمان صوبہ دار نصرت الدین جیتواں کا مقابلہ نہ کر سکا اور مجبوراً قلعہ بند ہو گیا۔ قطب الدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ فوراً ہانسی روانہ ہو گیا۔ اور قلعے کے نیچے پہنچ کر اس نے راجہ جیتواں کو شکست دی۔ یہ راجہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا اور نہروالہ میں پناہ گزین ہوا۔

۵۹۰ھ میں قطب الدین نے دریا کو عبور کر کے کول پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے وہ بہت سا مال غنیمت اور ایک ہزار گھوڑے لے کر واپسی کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ سلطان شہاب الدین غزنی سے ہندوستان کی طرف آ رہا ہے تاکہ بنارس اور قنوج پر قبضہ کرے۔ قطب الدین نے اپنے آقا کے استقبال کے لیے آگے بڑھا اور کچھ دور چل کر سلطان سے جا ملا۔ سلطان کی خدمت میں قطب الدین نے ایک سو (۱۰۰) عربی گھوڑے، ہاتھیوں کی ایک طلائی اور ایک نقرئی زنجیر اور پچاس ہزار سوار اس مہم میں مدد کے لیے پیش کیے۔ سلطان شہاب الدین ان تحفوں سے بہت خوش ہوا اور اس نے قطب الدین کو خلعت سے سرفراز کیا نیز لشکر کا پیشرو مقرر کیا۔ قطب الدین بادشاہی لشکر کے آگے آگے روانہ ہوا۔ شہاب الدین بھی اپنے لشکر کے ساتھ ساتھ اس کے پیچھے چلنے لگا۔

راجہ بنارس سے مقابلہ

قطب الدین ابھی تھوڑی دور ہی چلا ہو گا کہ بنارس کہ راجہ جے چند کے لشکر سے اس کا مقابلہ ہوا قطب الدین نے جے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔ جے چند نے جب یہ خبر سنی تو وہ خود میدان جنگ میں آیا اور قطب الدین سے لڑائی شروع کر دی۔ مسلمان سپاہیوں نے دشمن کی فوج پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر جے چند کی آنکھ میں لگا یہ تیر ایسا کاری تھا کہ جے چند اپنے ہاتھی سے نیچے گر گیا اور وہیں ختم ہو گیا اپنے راجہ کا یہ حشر دیکھ کر دشمن کے سپاہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور یوں قطب الدین کو فتح نصیب ہوئی۔ جے چند کے احوال کی کسی کو خبر نہ تھی اور نہ ہی اس کی لاش کا کوئی سراغ ملا بڑی مشکلوں سے اس کی لاش ملی اور اس کو اس "نشانی" سے پہچانا گیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دانت سونے کی کیلوں اور تاروں سے بندھے ہوئے تھے۔ قطب الدین کی اس فتح کے بعد ہی

شہاب الدین بھی اس جگہ پہنچ گیا اور اس نے دشمن کی تباہی و بربادی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے لشکر کو ساتھ لے کر بنارس میں داخل ہوا۔

قطب الدین نے بنارس سے لے کر بنگال کی سرحد تک کے تمام شہروں کو برباد کیا اور ایک ہزار (۱۰۰۰) مندروں کو مسمار کیا۔ شہاب الدین نے بنارس کی حکومت حسام الدین اوغلبک کے سپرد کی۔ اور خود انتہائی قیمتی اور اعلیٰ درجے کے جواہرات اپنے ساتھ لے کر (جو چار ہزار اونٹوں پر لادے گئے) غزنی واپس روانہ ہوا۔

سفید ہاتھی

مورخین کا بیان ہے کہ جس دن شہاب الدین نے بنارس میں دربار عام منعقد کیا اس دن اس کی خدمت میں ہاتھیوں کی ایک قطار پیش کی گئی تھی جو ہاتھی بھی بادشاہ کے سامنے سے گزرتا وہ فیل بان کے اشارہ پر بادشاہ کو سلام کرتا ان ہاتھیوں میں ایک سفید ہاتھی بھی تھا۔ جب یہ بادشاہ کے سامنے سے گزرا تو فیل بان نے اسے اشارہ کیا تاکہ وہ بادشاہ کو سلام کرے لیکن اس ہاتھی نے اشارے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ فیل بان نے ہاتھی کو طرح طرح سے سلام کرنے پر مجبور کیا لیکن یہ شریر جانور اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ غضب ناک ہو گیا اور فیل بان کو جان سے مارنے پر تیار ہو گیا۔ یہ عالم دیکھ کر شہاب الدین نے اس ہاتھی کو اپنے سامنے سے رخصت کر دیا۔ جب بادشاہ وہاں سے غزنی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے یہ سفید ہاتھی خود رکھ لیا اور باقی تمام ہاتھی قطب الدین کو دے دیئے۔ شہاب الدین نے ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ اس نے قطب الدین کا خیال کرتے ہوئے اس سفید ہاتھی کو مع فرمان فرزندی کے قطب الدین کے حوالے کر دیا۔ یہ ہاتھی قطب الدین کے ساتھ زندگی بھر رہا اور جس روز قطب الدین کا انتقال ہوا تھا اس کے تیسرے روز اس ہاتھی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ قطب الدین کے بعد سے لے کر اس زمانے تک پھر کسی بادشاہ دہلی کے دروازے پر سفید ہاتھی نہیں بندھا۔ دہلی کے آس پاس کے علاقوں کے فرمانرواؤں کے بارے میں بھی ایسا نہیں سنا گیا کہ کسی کے پاس یہ نادر الوجود جانور رہا ہو۔ جس زمانے میں مورخ (فرشتہ) اپنی خوش قسمتی سے بادشاہ جم جاہ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نمک خواروں میں داخل ہو کر سلطنت بیجاپور میں ملازم ہوا۔ اس زمانے میں البتہ میں نے معتبر سوداگروں سے یہ سنا تھا کہ جزیرہ پیکو کے فرمانروا کے دروازے پر ہمیشہ دو سفید ہاتھی بندھے رہتے ہیں۔ ان ہاتھیوں کے متعلق مشہور ہے کہ جب تک یہ دونوں زندہ رہتے ہیں اس وقت تک پیکو کے "کچلی" نامی جنگل میں سفید ہاتھیوں کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن جب متذکرہ دو ہاتھیوں میں ایک مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر کرنے کے لیے جنگل سے فوراً ایک سفید ہاتھی نمودار ہو جاتا ہے اور شکاری اسے قید کر کے شہر کے اندر لے آتے ہیں۔

دہلی و اجمیر میں شورش

سلطان شہاب الدین جب غزنی واپس چلا گیا تو اس کے بعد قطب الدین نے چند روز کے لیے حصار اسنی میں قیام کیا اور اس کے آس پاس حفاظت کا معقول انتظام کر کے واپس ہوا۔ اس نے واپسی کا ابھی تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ دہلی اور اجمیر دونوں مقامات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں ایک طرف تو ہیمراج راجپوت نے راجہ کولا پر حملہ کر کے اسے اجمیر سے نکال دیا ہے اور راجہ کولا میدان جنگ سے فرار ہو کر رنتھنبور میں پناہ گزین ہو گیا ہے اور دوسری طرف چھترائے ایک لشکر جرار لے کر دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے اپنے شہر سے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ لشکر دہلی کے قریب پہنچ چکا ہے اور اس کے غیر مسلم سپاہی جی کھول کر آس پاس کے علاقوں میں تباہی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رہے ہیں یہ خبریں سن کر قطب الدین بالکل پریشان نہ ہوا۔ اس نے اپنے لشکر میں سے بیس (۲۰) ہزار جانبازوں کا انتخاب کیا اور انہیں ساتھ لے کر چھترائے کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ چھترائے کو جب قطب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ اجمیر کی طرف بھاگ گیا۔ قطب الدین نے اس کا تعاقب کیا اور چھترائے کے اجمیر پہنچتے ہی وہ بھی وہاں جا پہنچا اجمیر کے راجہ

ہیمراج نے شہر سے نکل کر قطب الدین کا مقابلہ کیا لیکن قطب الدین سے شکست کھا کر وہیں میدان جنگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور یوں اجمیر پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ہندوؤں کا یہ مرکزی شہر ہمیشہ کے لیے مسلمان فرمانر رواؤں کا صدر مقام قرار پایا۔

۵۹۱ھ میں قطب الدین نے نہروالہ پر حملہ کیا۔ راجہ نہروالہ بھیم دیو کا سپہ سالار جیتوان جو نہروالہ کے قلعے کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ قطب الدین نے جیتوان کا تعاقب کیا اور تھوڑے سے فاصلے پر ہی اسے جا پکڑا۔ عالم بدحواسی میں جیتوان نے لڑائی شروع کر دی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ میدان جنگ میں قطب الدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ جیتوان کی موت کی خبر سن کر نہروالہ کا راجہ بھیم دیو نہروالہ سے بھاگ نکلا اور اپنی سلطنت کے کسی سرحدی مقام پر پناہ گزین ہو گیا۔ قطب الدین نے نہروالہ سے بہت سا مال غنیمت سمیٹا اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہانسی پہنچا یہاں پہنچ کر اس نے قلعہ تعمیر کروایا۔ اور کہرام کو فتح کرتا ہوا دہلی آیا۔ اسی دوران میں رنتھنبور کے قرب و جوار کے حاکم قوام الملک رکن الدین حمزہ نے قطب الدین کو یہ اطلاع دی کہ اجمیر کے راجہ کا بھائی جو شکست کھا کر جنگل میں پناہ گزین ہو گیا تھا وہ اب کچھ لشکر جمع کر کے ہانسی پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے راجہ کولو کو گھیر رکھا ہے راجہ کولو مسلمانوں کا باج گزار تھا اس لیے قطب الدین اس کی مدد کے لیے فوراً تیار ہوا اور اپنا لشکر ساتھ لے کر ہانسی کی طرف روانہ ہوا۔ اجمیر کے راجہ کو جب قطب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا۔ راجہ کولہ نے قلعے سے نکل کر قطب الدین کی خدمت میں بیش بہا تحفے پیش کیے۔ قطب الدین یہ تحفے تحائف اپنے ہمراہ لے کر دہلی واپس آ گیا۔

قطب الدین ایبک کا غزنی جانا

"تاج الماثر" نامی کتاب جو قطب الدین ہی کے نام منسوب کی گئی ہے اور جس میں اسی کے حالات ہیں اس میں لکھا ہے کہ اجمیر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد قطب الدین نے نہروالہ اور رتھنبور کو فتح کیا اس کے بعد وہ دہلی واپس آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے آقا سلطان شہاب الدین کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور اس میں اپنی مختلف فتوحات کی تفصیل درج کی (یہ خط پڑھ کر) سلطان شہاب الدین اپنے "بادشاہ سطوت" غلام کے کار ہائے نمایاں سے بہت خوش ہوا اور اس سے ملاقات کا خواہاں ہو کر اسے غزنی میں طلب کیا۔ جونہی فرمان شاہی ملا قطب الدین غزنی کی طرف روانہ ہو گیا اور کچھ ہی دنوں میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ شہاب الدین نے اسے شاہی انعام و اعزاز سے مالا مال کیا۔ (کچھ عرصہ غزنی میں قیام کرنے کے بعد) قطب الدین نے واپسی کا ارادہ کیا شہاب الدین نے بخوشی اجازت دے دی۔ قطب الدین وہاں سے روانہ ہونے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ایسا بیمار ہوا کہ جانبر ہونے کی توقع بھی باقی نہ رہی۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے کرم اور شاہی طبیب کے علاج نے اسے پھر سے تندرست و توانا کر دیا اور صحت یاب ہو کر وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں کچھ دن اس نے کرمان میں ٹھہر کر آرام کیا اور سلطان شہاب الدین کے حکم کے مطابق تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد دہلی کی طرف چل پڑا۔

جامع مسجد کی تعمیر کی تکمیل

قطب الدین نے دہلی پہنچ کر پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا اور جشن عشرت منعقد کیا۔ درباریوں اور دوسرے بہت سے لوگوں کو انعام و اعزاز سے مالا مال کیا۔ ۵۹۲ھ میں اس جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی جسے قطب الدین کے حکم کے مطابق تعمیر کرنا شروع کیا گیا تھا۔ اس خانہ خدا کی تکمیل کے بعد قطب الدین نے بیانہ کے قلعہ کو تسخیر کرنے کی تیاریاں شروع کیں' لیکن ابھی اس نے دہلی سے اپنا قدم بھی باہر نہ نکالا تھا کہ اسے سلطان شہاب الدین کی آمد کی خبر ملی۔ اس بنا پر اس نے قلعہ بیانہ کی تسخیر کا ارادہ کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا اور شہاب الدین کے استقبال کے لیے ہانسی کی طرف روانہ ہوا۔ شہاب الدین جب اپنے بہادر سپہ سالار سے ملا تو اس نے بڑی محبت سے اس سے ملاقات کی اور اسے گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ شہاب الدین نے جس مقصد کے لیے ہندوستان

کا سفر اختیار کیا تھا وہ وہی تھا جو قطب الدین کے پیش نظر تھا یعنی دونوں کو قلعہ بیانہ کی تسخیر کا خیال تھا۔ لہٰذا آقا اور غلام دونوں ایک ساتھ ہی بیانہ کے قلعے کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اپنے اس مقصد میں دونوں کامیاب ہوئے اور شہاب الدین نے وہاں کی حکومت اپنے ایک ترکی غلام بہاء الدین طغرل کے سپرد کی۔

سلطان شہاب الدین کو بیانہ ہی میں چھوڑ کر قطب الدین نے گوالیار کی طرف کوچ کیا۔ وہاں کے راجہ نے جس کا نام سلکمن تھا' قطب الدین کے مقابلے میں آنے کی جرات نہ کی اس نے بہت سے قیمتی اور اعلیٰ تحفے قطب الدین کی خدمت میں روانہ کیے اور سالانہ خراج کی ادائیگی کا وعدہ کیا۔

نتران کے راجپوتوں سے جنگ

بیانہ اور گوالیار کے معاملات کو سلجھانے کے بعد شہاب الدین تو غزنی کی طرف چلا گیا اور قطب الدین واپس دہلی آگیا وہ ابھی دہلی میں پہنچا ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ نتران کے راجپوت راجہ نہروالہ کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہندوؤں کا ایک مشترکہ لشکر تیار کیا ہے جس کا ارادہ یہ ہے کہ اجمیر کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال کر ہندوؤں کی حکومت میں لایا جائے ان معلومات کے حاصل ہوتے ہی قطب الدین نے نتراج کا راستہ لیا اور وہاں راجہ نہروالہ کے پہنچنے سے پیشتر ہی راجپوتوں سے جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں قطب الدین کا گھوڑا زخمی ہو کر گر گیا۔ اپنے امیر کو گرتے دیکھ کر مسلمان سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان سپاہیوں نے بڑی مشکلوں سے قطب الدین کو ایک دوسرے گھوڑے پر سوار کیا اور اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ نتران کے ہندو اپنی فتح کی خوشیاں منا ہی رہے تھے کہ راجہ نہروالہ کی فوج بھی ان کی مدد کو پہنچ گئی۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر اجمیر کا راستہ لیا اور اجمیر سے تین کوس کے فاصلے پر مقیم ہو گئے۔

غزنی سے امدادی فوج کی آمد

ہندوؤں کی افواج نے لڑائی کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رکھا اسی دوران میں شہاب الدین غوری کو قطب الدین کی مجبوری اور ہندوؤں کی سرکشی کا علم ہوا۔ اس نے اپنے مشہور امیروں اسلام خاں' اسد الدین' ارسلان خلج' نصیر الدین حسین' اعزالدین موید اور شرف الدین وغیرہ کی نگرانی میں ایک زبردست لشکر قطب الدین کی مدد کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ ایک طرف یہ لشکر جان باز غزنی سے ہندوؤں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور دوسری طرف سردی کے موسم نے راجپوتوں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دیئے۔ یہ عالم دیکھ کر ان لوگوں نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کے لشکر کا ہر گروہ ایک ایک کر کے اپنے اصلی مقام کو روانہ ہو گیا۔ قطبؒ الدین کو ہندوؤں کی فوج کی واپسی اور غزنی سے امدادی فوج کی آمد سے بڑی تقویت پہنچی اور اس نے ہندو دشمنوں کو ختم کرنے کا پورا پورا تہیہ کر لیا۔

گجرات پر قبضہ

قطب الدین کا سب سے بڑا دشمن گجرات کا راجہ تھا اس لیے اس نے سب سے پہلے اسی پر حملہ کیا۔ ماہ صفر ۵۹۳ھ میں قطب الدین نے اجمیر سے نہروالہ کی طرف کوچ کیا راستے میں اس نے ہوتلی اور بزول کے قلعوں کو سر کیا۔ ابھی وہ اپنی منزل پر نہ پہنچا تھا کہ اس نے سنا کہ نہروالہ کے راجہ والن واریسی راجپوت نے آپس میں مل کر مسلمانوں کا راستہ روکنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ دونوں اپنی فوجیں لے کر بلدہ سردسی کے آس پاس کے علاقوں میں ابوگڑھ کے قلعے کے نیچے مسلمانوں سے معرکہ آرا ہونے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ قطب الدین نے فوراً ہندوؤں کے اس لشکر کی طرف کوچ کیا اور دروں اور پیچیدہ راستوں سے ہوتا ہوا دشمن پر حملہ آور ہوا۔ قطب الدین کے لشکر نے بڑی جرات اور بہادری سے دشمن سے جنگ کی اور تھوڑی سے وقت ہی میں پچاس (۵۰) ہزار دشمن کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اپنی پہلی شکست کا قطب الدین نے بڑا شاندار انتقام لیا اور وہاں سے بے شمار مال غنیمت اور بیس (۲۰) ہزار لونڈیاں اور غلام اپنے

ساتھ لے کر گجرات کی طرف بڑھا۔ گجرات میں پہنچ کر قطب الدین بغیر کسی خوف و خطر کے شہر میں داخل ہو گیا اور اس نے جی کھول کر شہر کو برباد کیا۔ اس کے بعد اس نے نہروالہ کی حکومت اپنے ایک نامی گرامی امیر کے سپرد کر دی اور خود اجمیر کی راہ سے دہلی واپس آ گیا۔

کالنجر پر حملہ

دہلی پہنچ کر قطب الدین نے چند خوبصورت لونڈیاں اور غلام اور بہت سے قیمتی اور اعلیٰ درجے کے تحفے سلطان شہاب الدین کی خدمت میں غزنی روانہ کیے اور دہلی میں فتح کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا۔ اسی عالی حوصلہ صوبہ دار نے نوابوں اور درباریوں وغیرہ کو انعام و اعزاز سے نوازا اور فقیروں اور مسکینوں کو صدقے اور خیرات سے مالا مال کیا۔

۵۹۹ھ میں قطب الدین نے کالنجر پر حملہ کیا۔ وہاں کا راجہ مقابلے پر آیا' لیکن شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا اس راجہ نے اپنے انجام پر غور کیا تو اسے اپنی حرکت ناشائستہ پر بہت افسوس ہوا۔ لہٰذا نادم ہو کر اس نے اپنے بزرگوں کے طریقے کی پیروی کی اور جس طرح اس کے اسلاف سلطان محمود کے وفادار اور باج گزار تھے اسی طرح وہ بھی قطب الدین کا مطیع اور باج گزار ہو گیا۔ اس راجہ نے (صلح کے لیے) بہت سے تحفے تحائف اور ہدیے لے کر قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن جس روز اسے قطب الدین کے پاس جانا تھا اس سے ایک رات پہلے اس کا انتقال ہو گیا اور یوں ایک سلجھا ہوا معاملہ کچھ عرصے کے لیے پھر الجھ گیا۔ اس راجہ کی وفات کے بعد اس کے وکیل نے جس کا نام جدھ دیو تھا اپنے راجہ کی تقلید کو ضروری نہ سمجھا۔ اور قطب الدین کے خلاف جارحانہ اور مدافعانہ فتنہ انگیزیاں شروع کر دیں۔ جدھ دیو کی یہ ساری ہنگامہ خیزی محض اس وجہ سے تھی کہ قلعے کا چشمہ لبریز تھا اور اہل قلعہ کو پانی حاصل کرنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ (لیکن یہ عالم زیادہ دیر نہ رہ سکا) چونکہ قطب الدین کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اور اس کے دشمن کے برے دن قریب آ چکے تھے اس لیے اچانک قلعے کا چشمہ خشک ہو گیا۔ اہل قلعہ پانی کی نایابی کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے اور آخر جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح زندہ رہنا مشکل ہے تو انہوں نے قطب الدین سے امان طلب کی اور یوں قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قطب الدین نے کالنجر کے خزانے پر قبضہ کر لیا وہاں سے پچاس (۵۰) ہزار افراد گرفتار کیے اور ان کو مشرف بہ اسلام کیا۔

مہوہ اور بدایوں کی فتح

کالنجر کو فتح کرنے کے بعد قطب الدین نے علاقہ کالپی کے دارالسلطنت مہوہ پر حملہ کیا۔ مہوہ کے قلعے کی تسخیر کے بعد مسلمانوں کا لشکر بدایوں کی طرف روانہ ہوا اور اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بہار سے محمد بختیار خلجی اس کی خدمت میں پہنچا اس نے بہت سے اعلیٰ اور بیش قیمت جواہرات اور تحفے قطب الدین کی خدمت میں پیش کیے قطب الدین نے اب اور آگے بڑھنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس دہلی آ گیا۔

قطب الدین کی خود مختاری

خوارزم کے حادثے کے بعد گکھڑوں کی سرزنش کے خیال سے شہاب الدین غوری ایک بار پھر ہندوستان آیا۔ قطب الدین اور شمس الدین التمش دونوں ہی اس کے ساتھ تھے۔ شہاب الدین کے ان دونوں محبوب غلاموں نے جس بہادری اور دلیری سے گکھڑوں کو شکست دی اس کا احوال تفصیل کے ساتھ شہاب الدین کے تذکرے میں بیان کیا جا چکا ہے گکھڑوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے بعد قطب الدین تو واپس دہلی آ گیا اور شہاب الدین غزنی روانہ ہوا۔ راستے میں شہاب الدین کو شہید کر دیا گیا اور اس کا بھتیجا سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین غورستان کا حکمران ہوا۔ اس نئے حکمران نے اپنے چچا شہاب الدین سے بھی زیادہ قطب الدین سے محبت و خلوص کا اظہار کیا اور اس کی عزت افزائی کی۔ سلطان محمود بن غیاث الدین نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قطب الدین کو "ملک" سے "سلطان" بنا دیا اور آزادی و خود مختاری کے فرمان کے ساتھ چتر اور بادشاہی کے دیگر لوازمات بھی اس کے لیے ہندوستان بھجوا دیئے۔ قطب الدین اس

فرمان اور خلعت کا استقبال کرنے کے لیے لاہور تک آیا اور اپنے آقا کی طرف سے اپنی وفاداری کی یہ قدر و منزلت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ خلعت لے کر قطب الدین نے ۱۸ ذی قعدہ ۶۰۲ھ کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کی رسومات ادا کیں اور اپنی خود مختاری اور سلطان محمود بن غیاث الدین کے فرمان کا اعلان عام کر کے لاہور سے دہلی واپس آگیا۔

تاج الدین یلدوز سے معرکے

قطب الدین جب لاہور سے رخصت ہوا تو تاج الدین یلدوز کو پنجاب پر قبضہ کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اس نے غزنی سے روانہ ہو کر لاہور پر حملہ کیا اور وہاں کے حاکم کو شہر سے نکال کر خود لاہور پر قابض ہو گیا۔ قطب الدین کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ فوراً لاہور پہنچا۔ ۶۰۳ھ میں شہاب الدین غوری کے پروردہ پرداختہ یہ دونوں افراد ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آراء ہوئے دونوں میں زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں تاج الدین یلدوز نے بری طرح شکست کھائی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو کر توران و کرمان کے راستے پہاڑی علاقے میں جا چھپا۔ اس فتح کے بعد قطب الدین غزنی پہنچا اور وہاں کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ غزنی کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد قطب الدین نے ایک شاندار بزم عیش و عشرت منعقد کی اور "خیال دشمن" اور "گردش آسمان" سے بے خبر ہو کر پینے پلانے کے شغل میں دن رات بسر کرنے لگا۔

اہل غزنی قطب الدین سے زیادہ تاج الدین یلدوز کو پسند کرتے تھے۔ ان لوگوں نے جب قطب الدین کو بادہ نوشی کے شغل میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پایا تو تاج الدین یلدوز کو اس کے عزیزوں اور طرف داروں نے ان تمام حالات سے باخبر کر کے غزنی پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ تاج الدین یلدوز تو پہلے ہی سے یہ تہیہ کیے بیٹھا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ اپنے غزنوی بہی خواہوں کا خط پاتے ہی اس نے ایک زبردست لشکر تیار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا۔ قطب الدین تو عیش و عشرت میں مشغول تھا جب اس نے دشمن کو اپنے سر پر دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلیں لیکن اب اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اپنے زبردست دشمن سے جنگ کرنے کی تیاری کرتا اس بدحواسی اور پریشانی کے عالم میں وہ سنگ سوراخ کے راستے شاہی محل سے نکل بھاگا اور سیدھا لاہور پہنچا۔

سلطان قطب الدین کو ہر وقت تاج الدین یلدوز کی طرف سے خطرہ رہتا تھا کہ وہ کہیں لاہور پر حملہ نہ کر دے۔ لہٰذا اس نے دشمن کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے چند سال تک لاہور میں قیام کیا اس دوران میں وہ اہل لاہور سے بڑی مہربانی کا برتاؤ کرتا رہا اور انہیں اپنے جود و سخاوت سے مالا مال کرتا رہا۔

قطب الدین کی وفات

۶۰۷ھ میں ایک روز قطب الدین چوگان کھیل رہا تھا کہ اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ گھوڑے کی زین کا کوبہ گھوڑے کی پیٹھ سے پھسل کر قطب الدین کے سینے پر آگرا اس سے اسے سخت چوٹ آئی اور اسی چوٹ کی تاب نہ لا کر اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

دہلی کی فتح کے وقت سے لے کر اپنی وفات تک قطب الدین نے ہندوستان پر بیس (۲۰) سال اور کچھ مہینوں تک حکومت کی۔ حکمرانی کی اس مدت میں اس کا چار (۴) سالہ خود مختاری و بادشاہی کا دور بھی شامل ہے قطب الدین کا نام بہادری و مردانگی اور بخشش و سخاوت میں آج بھی ہندوستان میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے اکثر اوقات وہ اپنے بہی خواہوں اور ملنے والوں کو لاکھوں روپے دے دیتا تھا۔ محتاجوں اور مستحقوں کی بڑی مدد کرتا تھا اور ان کی توقع سے زیادہ انعام و اکرام سے انہیں نوازتا تھا۔ قطب الدین کی سخاوت اور کرم گستری کی وجہ سے آج بھی اس کا نام "لکھ بخش" کے حاتمانہ لقب سے دنیا میں زندہ ہے۔ اس زمانے میں جو شخص لوگوں کے نزدیک بڑا سخی ہوتا ہے اسے عام طور پر "قطب الدین زمانہ" کہا جاتا ہے۔ قطب الدین کے عہد کے ایک مشہور فاضل بہاء الدین نے قطب الدین کی مدح میں ایک مشہور قصیدہ لکھا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں۔

اے بخشش لک تو درجہاں آمور دہ کان راکف تو کار بجاں آوردہ
از رشک کف تو خوں گرفتہ دل کان درلعل بہانہ درمیاں آوردہ

چونکہ قطب الدین کے علاوہ اس کے چار دیگر غلاموں نے بھی ہندوستان پر حکومت کی ہے اس لیے یہ مناسب ہو گا کہ ان کا بھی مختصرا احوال اس کتاب میں درج کر دیا جائے۔

سلطان تاج الدین یلدوز

مورخین بیان کرتے ہیں کہ سلطان شہاب الدین غوری کو خداوند تعالیٰ نے صرف ایک بیٹی دی تھی (اور اس کے گھر میں کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا تھا) اس لیے اس کو ترکی غلام خریدنے اور انہیں بیٹوں کی طرح پالنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ سلطان شہاب الدین کے ایک منہ چڑھے امیر نے، جو کسی حد تک سلطان کی خدمت میں گستاخ بھی تھا، سلطان سے کہا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ خداوند تعالیٰ بادشاہ کو کوئی بیٹا بھی عطا کرتا تاکہ کسی ناگزیر واقعے کے پیش آنے کے بعد اس کو تخت سلطنت کا وارث بنایا جاتا۔" یہ بات سن کر سلطان نے امیر کو جواب دیا۔ "عام طور پر بادشاہوں کے چند بیٹے ہوتے ہیں جو اپنے باپ کی وفات کے بعد حکومت کے وارث قرار پاتے ہیں لیکن میرے کئی ہزار ایسے سعادت مند بیٹے موجود ہیں جو میرے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ایک مدت تک میرا نام زندہ رکھیں گے۔"

ناظرین اگر غور کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ درحقیقت وہی کچھ ہوا جو اس نیک دل بادشاہ کی زبان سے نکلا۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ شہاب الدین غوری کے نازوں سے پالے ہوئے غلاموں نے جس رعب داب کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے اس کی وجہ سے نہ صرف ان فرمانرواؤں کا بلکہ ان کے آقا شہاب الدین کا نام بھی حیات دوام حاصل کر چکا ہے۔

ابتدائی حالات

سلطان شہاب الدین کے مذکورہ بالا "بیٹوں" میں سے ایک سلطان تاج الدین یلدوز بھی ہے۔ یلدوز جب بچہ تھا تو اسے شہاب الدین نے ایک سوداگر سے خریدا تھا۔ یلدوز کی صورت و سیرت کی پاکیزگی اور حسن نے شہاب الدین کو اس کا دلدادہ بنا دیا۔ اس کے بہت سے لے پالکوں میں یلدوز کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ جب یلدوز جوان ہوا تو سلطان نے اس کے چہرے پر برتری اور حوصلہ مندی کے آثار نمایاں دیکھ کر اسے اپنے گرامی قدر امیروں کی جماعت میں داخل کر لیا اور شیوران اور کرمان کے علاقے اس کی جاگیر مقرر کر دیئے۔

تاج الدین یلدوز کا قیام اپنی جاگیر ہی میں رہتا تھا جب کبھی شہاب الدین ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے شیوران اور کرمان کے راستے سے گزرتا تو یلدوز ہمیشہ شاہی فوج کی مدارات اور خاطر تواضع کی خدمت سے سرفراز ہوتا۔ وہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ لشکر کے امیروں کو ایک ہزار قبا و کلاہ بطور انعام کے عطا کیا کرتا تھا۔ یلدوز کی دو بیٹیاں تھیں۔ سلطان شہاب الدین کے حکم سے اس نے ایک بیٹی کی شادی تو قطب الدین ایبک سے کر دی اور دوسری کی ناصر الدین قباچہ سے۔ ان بیٹیوں کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے اسے دو بیٹے بھی عطا کیے تھے۔ ان بیٹوں میں سے ایک نے بچپن ہی میں وفات پائی اس کی وفات کا قصہ عجیب و غریب ہے اور اس کو بیان کرنے سے خود تاج الدین یلدوز کی سیرت کی خوبی نمایاں ہوتی ہے۔

بیٹے کی وفات کا عجیب و غریب قصہ

مورخین بیان کرتے ہیں کہ تاج الدین نے اپنے اس عزیز از جان بیٹے کو تعلیم کے لیے ایک استاد کے سپرد کیا۔ ایک روز یہ استاد اپنے اس شاگرد شہزادے سے ناراض ہوا اور غصے میں کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا چونکہ شہزادے کا آخری وقت آ چکا تھا اس لیے اس کی روح اسی وقت قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یلدوز کو اس واقع کی اطلاع ملی تو فوراً مکتب میں گیا اس نے دیکھا کہ شہزادے کے استاد کی حالت بہت بری ہو رہی ہے اور وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہے یہ عالم دیکھ کر یلدوز نے استاد سے کہا۔ "اس سے پہلے کہ شہزادے کی موت کی خبر اس کی ماں تک پہنچے تم اس شہر سے فوراً نکل جاؤ اور کسی دوسرے مقام پر بود و باش اختیار کرو ورنہ تمہیں بھی اس جرم کی

پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" استاد نے یلدوز کی اس رحم دلی پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی ہدایت پر عمل کر کے کسی گوشے میں چھپ کر اپنی جان بچائی۔

یلدوز کی تخت نشینی

اپنے آخری زمانے میں جب شہاب الدین کرمان آیا تو اس نے تاج الدین یلدوز کو ملبوس شاہی سے سرفراز کیا اور لشکر کا علم مرحمت کیا۔ شہاب الدین کی خواہش تھی کہ اس کے بعد یلدوز ہی اس کا جانشین ہو۔ حسن اتفاق سے وہی کچھ ہوا جو اس نیک دل فرماں روا کے دل میں تھا۔ جب شہاب الدین کا انتقال ہوا تو ترکی اور غزنوی امراء نے چاہا کہ سلطان غیاث الدین کے بیٹے سلطان محمود کو بلاد گرم سیر سے بلا کر شہاب الدین کا جانشین بنایا جائے۔ ان امراء نے اس مضمون کا ایک خط بھی سلطان محمود کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس خط کے جواب میں سلطان محمود نے کہا۔ "مجھے اپنا آبائی وطن فیروز کوہ ساری دنیا سے زیادہ پیارا ہے اور میرے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں میں اس کو چھوڑ کر غزنی آنا پسند نہیں کرتا۔" ان امراء کو ان کے خط کا جواب دینے کے بعد سلطان محمود نے تاج الدین یلدوز کے نام خط آزادی اور حکومت غزنی کا فرمان روانہ کیا اور اس طرح اپنے مرحوم چچا (شہاب الدین) کی خواہش کو پورا کیا۔ سلطان محمود کا فرمان پاتے ہی یلدوز نے غزنی کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور غزنی کے آس پاس کے شہروں پر قبضہ کر کے سلطنت کے مختلف کاموں میں مشغول ہو گیا۔

یلدوز کی معرکہ آرائیاں

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد تاج الدین یلدوز کو ہندوستان فتح کرنے کا جنون ہوا اور اس مقصد کے پیش نظر اس نے لاہور پر حملہ کیا' قطب الدین ایبک نے یلدوز کا مقابلہ کیا پنجاب کی حدود میں دونوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں یلدوز شکست کھا کر فرار ہو گیا اور غزنی پر بھی قطب الدین کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد تاج الدین نے دوبارہ غزنی کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ (جس کی تفصیل قطب الدین کے حالات میں آ چکی ہے)

اپنی حکومت کے دوران میں ایک مرتبہ تاج الدین نے سلطان محمود بن غیاث الدین کی مدد سے ہرات پر بھی لشکر کشی کی اور اعزالدین غوریل کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی۔ اس نے ایک بار سیستان پر بھی حملہ کیا۔ لیکن ابھی محاصرے ہی کی نوبت آئی تھی کہ سیستان کے حکمران نے یلدوز سے صلح کر لی۔ (اسی زمانے میں جب) تاج الدین سیستان سے غزنی واپس آ رہا تھا راستے میں نصیر الدین میر شکار اس کے مقابلے پر لشکر لے کر آیا' دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ نصیر الدین کو شکست ہوئی اور یلدوز کامیاب و کامران اپنے دارالسلطنت میں واپس آیا۔

کچھ عرصے کے بعد غزنی پر خوارزم شاہ کا قبضہ ہو گیا اور یلدوز شیوران و کرمان میں پناہ گزین ہوا۔ اور کچھ عرصے تک اپنی قدیمی جاگیر پر قناعت کرتا رہا' لیکن ہندوستان کی شاداب اور زرخیز زمین نے اسے زیادہ عرصے تک اس جاگیر پر قانع نہ رہنے دیا اور اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کے ارادے سے التمش پر حملہ کیا۔ یلدوز کی آمد کی اطلاع پا کر التمش بھی آگے بڑھا' مقام تراولی ("تراولی" سے فرشتہ کی مراد جیسا کہ خود اس نے ایک جگہ لکھا ہے تراوڑی یا ترائن ہے) کے قریب دونوں میں جنگ ہوئی اس جنگ میں التمش کو فتح ہوئی اور یلدوز کو شکست۔ یلدوز التمش کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اسی گرفتاری کے عالم میں اس نے وفات پائی یلدوز کی مدت حکومت نو سال ہے۔

ناصر الدین قباچہ

اس حکمران کے حالات "سلاطین سندھ" کے تذکرے کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔

اختیار الدین محمد خلجی

اس بادشاہ کا تذکرہ "سلاطین بنگالہ" کے حالات میں بیان کیا جائے گا۔

بہاؤ الدین طغرل

بہاء الدین طغرل فرمانروائے غورستان شہاب الدین غوری کا ایک نامی گرامی امیر اور غلام تھا۔ وہ شہاب الدین کی زندگی ہی میں غلام کے درجے سے رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے امیر کے منصب پر پہنچ گیا تھا وہ بڑی خوبیوں اور بہترین اخلاق کا حامل تھا۔ اسی بنا پر سلطان شہاب الدین کے پروردہ غلاموں میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ۵۹۱ھ میں سلطان شہاب الدین نے قلعہ بھکر (جو اب بیانہ کے نام سے مشہور ہے) فتح کیا۔ اور اس کی حکومت طغرل کے سپرد کی اور خود گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ جنگ کر کے قلعے کو سر کرنا بہت دشوار ہے اس لیے اس نے جنگ تو نہ کی البتہ قلعے کا محاصرہ کر لیا اور کچھ دنوں تک محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ گوالیار کا راجہ اس شدت کی تاب نہ لا سکا اور اس نے تنگ آکر بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا اور شہاب الدین کی خدمت میں قیمتی تحفے تحائف پیش کیے اور اس طرح شہاب الدین کو اپنی سلطنت کی حدود سے واپس کر دیا۔ شہاب الدین تو نذرانے کی ایک بہت بڑی رقم لے کر واپس غزنی چلا گیا' لیکن طغرل نے بیانہ میں ایک مضبوط قلعہ بنا کر وہیں رہنا شروع کر دیا۔

شہر گوالیار کے محاصرے سے دستبردار ہونے کے بعد طغرل نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ وہ اکثر گوالیار کے آس پاس کے علاقوں پر حملہ کر کے تباہی و بربادی مچایا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہاب الدین غزنی کو واپس جاتے وقت طغرل سے کہہ گیا تھا کہ اگر گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا تو وہاں کی حکومت بھی بیانہ کی طرح طغرل ہی کے سپرد کی جائے گی۔ طغرل نے ایک عرصے تک لوٹ مار کا یہ سلسلہ جاری رکھا لیکن اس سے قلعے کو تسخیر کرنے میں کوئی مدد نہ ملی اور ہندو پہلے کی طرح حسب دستور قلعے میں پناہ گزین رہے۔ طغرل کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس طرح لوٹ مار سے اصل مقصد پورا نہ ہو گا اس لیے اس نے گوالیار سے دو کوس کے فاصلے پر ایک نیا اور بہت ہی مضبوط قلعہ تعمیر کروایا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس قلعے میں سکونت اختیار کی۔ طغرل نے شہر گوالیار کے آس پاس پورے ایک سال تک بہت سے حملے کیے اور اس طرح قلعے والوں کو بالکل عاجز اور مجبور کر دیا۔ قلعے والوں نے طغرل کے ان سخت اقدامات سے تنگ آکر اپنے قاصد مع بیش قیمت تحفوں کے قطب الدین ایبک کے پاس بھیجے اور قلعہ اسی کے سپرد کر دیا۔ طغرل کو جب یہ معلوم ہوا کہ قلعہ گوالیار اس کے دشمن قطب الدین ایبک کے پاس چلا گیا ہے تو اس کے حسد و رقابت کی آگ تیز تر ہو گئی۔ اس وجہ سے طغرل اور قطب الدین کی باہمی دشمنی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان شہاب الدین کے دونوں تربیت یافتہ اور پروردہ غلام ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرا ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن طغرل کی اچانک موت کی وجہ سے یہ زبردست جنگ نہ ہوئی۔ سلطان کوٹ کا مشہور قلعہ جو طغرل کی یادگار ہے اب تک موجود ہے۔

آرام شاہ بن قطب الدین ایبک

قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد سلطنت کے امیروں کی اتفاق رائے سے اسکا بیٹا آرام شاہ اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ آرام شاہ میں حکومت کرنے کی اہلیت بالکل نہ تھی اس وجہ سے ایک ہی سال کے اندر اندر تمام سلطنت انتشار کی نذر ہو گئی اور ملک میں سخت طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ناصرالدین قباچہ نے سندھ میں پہنچ کر ملتان' اوچھ' بکھراور شیوران نامی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بنگال میں خلجی امراء نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی مسلمان امراء کی خود سری کو دیکھتے ہوئے بعض ہندو راجاؤں میں بھی خود مختاری کا شوق پیدا ہوا۔ سلطنت کے تمام سرحدی علاقوں میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے' بادشاہ کی نااہلیت اور سلطنت کی بری حالت دیکھ کر امیر علی اسماعیل اور امیر داؤد ویلمی نامی امراء بہت پریشان ہوئے انہیں اس بات پر ندامت بھی تھی کہ انہیں کے ایماء پر آرام شاہ کو قطب الدین ایبک کا جانشین مقرر کیا گیا تھا ان امراء نے آرام کو بادشاہت سے ہٹا کر شمس الدین التمش کو جو قطب الدین کا لے پالک بیٹا اور داماد تھا بادشاہ بنانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ التمش ان دونوں بدایوں میں تھا' امراء نے اسے خط لکھ کر بلایا وہ اس خط کے ملتے ہی فوراً دہلی پہنچا اور سلطنت پر قابض ہو گیا۔

آرام شاہ کو جب امراء کے ارادے اور التمش کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ شہر سے نکل کر دہلی کے ایک قریبی علاقے میں قیام پذیر ہو گیا اور جس وقت اسے یہ اطلاع ملی کہ التمش اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا تو اس نے اپنے باپ کے بہی خواہ افسروں اور لشکریوں کو بلایا اور ان سے مدد مانگی۔ قطب الدین ایبک کے چند امراء آرام شاہ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آرام شاہ ایک زبردست لشکر لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا التمش نے اس کا مقابلہ کیا۔ التمش کو اس معرکے میں فتح ہوئی اور آرام شاہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس فتح کے بعد التمش ہندوستان کا مستقل بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ آرام شاہ نے ایک سال سے کچھ کم عرصے تک حکومت کی۔

شمس الدین التمش

ابتدائی حالات

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ شمس الدین التمش قراختائی ترکوں کے ایک بہت بڑے گھرانے کا بیٹا ہے' التمش کے باپ کا نام ایلم خاں تھا وہ البری قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے اپنی دولت مندی اور خدمت گاروں اور مصاحبوں کی کثرت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ التمش اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھا اس وجہ سے ایلم خاں اسے اپنے بیٹوں میں سب زیادہ چاہتا تھا۔ التمش کے بھائی اس سے خوش نہ تھے' التمش کے ساتھ اس کے دشمنوں نے وہی سلوک کیا جو حضرت یوسف کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا تھا۔ التمش کے بھائیوں یا بھتیجوں نے ترکستان کے اس یوسف (التمش) کو گلہ بانی کے بہانے سے قبیلہ البری کے یعقوب (ایلم خاں) سے جدا کر کے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کچھ عرصے تک اس "آقا" کے گھر میں التمش بڑے آرام سے پرورش پاتا رہا' لیکن قسمت نے اسے یہاں بھی نہ رہنے دیا اور اسے ایک سوداگر حاجی بخاری نامی نے خرید لیا۔ حاجی بخاری نے التمش کو حاجی جمال الدین چست قبا کے حوالے کیا' حاجی جمال اسے اپنے ساتھ لے کر غزنی آیا۔ اہل غزنی نے اس وقت تک التمش جیسا خوبصورت ترکی غلام نہ دیکھا تھا اس لیے التمش کے غزنی پہنچتے ہی اس کے حسن و جمال کا بڑا شہرہ ہوا۔ بادشاہ کے درباریوں نے التمش کا تذکرہ شہاب الدین غوری سے کیا۔ شہاب الدین نے التمش کی قیمت کے تعین کا حکم دیا۔ حاجی جمال کے پاس التمش کے علاوہ ایک غلام اور بھی تھا دونوں غلاموں کی قیمت دو ہزار دینار بتائی گئی۔ شہاب الدین نے ایک ہزار دینار کے عوض دونوں غلاموں کو خریدنے کا خیال ظاہر کیا۔ حاجی جمال نے اس قیمت پر ان غلاموں کو بیچنے سے انکار کر دیا۔ شہاب الدین نے سوداگر کے اس گستاخانہ جواب پر ناراض ہو کر یہ حکم دے دیا کہ کوئی شخص ان غلاموں کو نہ خریدے حاجی جمال ایک سال تک غزنی میں رہا لیکن کسی نے ان غلاموں کو نہ خریدا آخر وہ ناکام و نامراد واپس بخارا آ گیا۔

کچھ دنوں تک بخارا میں قیام کرنے کے بعد حاجی جمال دوبارہ غزنی گیا جونہی التمش شہر میں داخل ہوا اہل شہر اس کے گرد گھومنے لگے۔ ہر دولت مند آدمی کی یہی تمنا تھی کہ وہ اسے خرید کر پرورش کرے۔ لیکن بادشاہ کے خوف کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ حاجی جمال سے معاملے کی بات چیت کرے۔ حاجی جمال بھی اسی خوف سے خاموش تھا کہ (اسی اثنا میں) التمش کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا' ہوا یہ کہ قطب الدین ایبک راجہ نہروالہ کو شکست دے کر نصیرالدین خرمیل کے ساتھ غزنی آیا۔ قطب الدین نے جب التمش کے حسن کا شہرہ سنا تو اس نے شہاب الدین سے التمش کو خریدنے کے لیے اجازت مانگی۔ شہاب الدین نے جواب دیا "چونکہ میں ایک بار لوگوں کو اس غلام کے خریدنے سے منع کر چکا ہوں اس لیے اب یہ مناسب نہیں ہے کہ میں اسے غزنی کے بازار میں بکنے کی پھر اجازت دوں۔ سوداگر دہلی میں تمہارے پاس پہنچ کر اس گراں قدر غلام کو بیچ سکتا ہے۔"

سلطان قطب الدین نے کچھ دنوں تک غزنی میں قیام کیا اور پھر اپنے وزیر نظام الدین کو وہاں چند اہم کاموں کو سرانجام دینے کے لیے چھوڑ کر خود واپس دہلی آیا۔ غزنی سے روانگی کے وقت قطب الدین نے نظام الدین کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ جب دہلی آئے۔ تو اپنے ساتھ حاجی جمال کو بھی لیتا آئے۔ نظام الدین سلطنت کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر دہلی آیا اور اپنے ساتھ حاجی جمال کو بھی لیتا آیا۔ قطب الدین نے حاجی جمال کے دونوں غلاموں کو ایک لاکھ جیتل کے عوض خرید لیا۔ قطب الدین نے ایبک نامی غلام کو طغاخ کے نام سے

موسوم کیا اور دوسرے کا نام التمش رکھا- ایبک کو تو قطب الدین نے بٹھنڈہ کا امیر بنا دیا اور التمش کو بیٹا بنا کر اپنے درباریوں میں داخل کر لیا- قطب الدین اور یلدوز کی جنگ میں قطب الدین کی طرف سے لڑتے ہوئے ایبک کا انتقال ہو گیا اور التمش اپنے آقا کے دامن کرم میں پرورش پاتا رہا اور ترقی کرتے کرتے میر شکار کے عہدے تک پہنچا-

قطب الدین التمش پر بڑا اعتماد کرتا تھا یہاں تک کہ گوالیار کا قلعہ فتح کر کے التمش کو اس کا حاکم بنا دیا- کچھ عرصہ بعد التمش کو برن اور اس کے گرد و پیش کے علاقوں کی جاگیرداری دی گئی اور بدایوں کا حاکم مقرر کیا گیا- جب شہاب الدین کھکروں کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان آیا تو قطب الدین بھی شاہی حکم کے مطابق ایک زبردست لشکر لے کر شہاب الدین کی مدد کے لیے پنجاب کی طرف روانہ ہوا- التمش کو جب یہ بات معلوم ہوائی تو وہ بھی بدایوں سے ایک عظیم الشان لشکر تیار کر کے قطب الدین کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ روانہ ہوا- التمش نے پنجاب کے اس معرکے میں اپنی فطری بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی فوج میں اس جیسا بہادر اور جیالا سپاہی اور کوئی نہیں ہے-

التمش امیر الامرائی کے عہدے پر

کھکروں کی فوج دریا کی دوسری طرف تھی اور ہندو سپاہیوں پر مسلمان سپاہیوں کا کوئی قابو نہ چلتا تھا- التمش نے ہمت و جرات سے کام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور دریا کو عبور کر کے دشمن پر حملہ آور ہوا- التمش نے تلوار کے کمالات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دس بارہ ہزار ہندو موت کے گھاٹ اتارے گئے- کھکروں کی فوج شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گئی- شہاب الدین نے التمش کی جان بازی و بہادری دیکھ کر اسے شاہی انعامات سے سرفراز کیا- اور قطب الدین سے سفارش کی کہ التمش کا فرمان آزادی لکھ کر اس کی آزادی کا اعلان کیا جائے اور بہترین طریقے پر اس کی پرورش کی جائے- قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی اور التمش کی گردن سے غلامی کا جوا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اتار لیا- التمش نے رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے امیر الامراء کا منصب حاصل کر لیا-

تخت نشینی

قطب الدین ایبک کو خداوند تعالیٰ نے تین بیٹیاں عطا کی تھیں ان میں سے ایک تو التمش کے نکاح میں آئی اور باقی دو باری باری ناصر الدین قباچہ سے بیاہی گئیں- قطب الدین کی وفات کے بعد دہلی کے امیروں اور ارکان سلطنت نے التمش کو تخت نشینی کے لیے دہلی آنے کی دعوت دی- التمش بدایوں کے امراء اور اپنے لشکر کے ساتھ دہلی آیا اور تخت سلطنت پر جلوہ گر ہو کے شمس الدین کا لقب اختیار کیا- التمش نے ۶۰۷ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور بہت جلد قطب الدین کے عہد کے امیروں اور درباریوں کو اپنے لطف و کرم سے گرویدہ بنا لیا- اور یوں گذشتہ عہد کے تمام معززین التمش کے نام کا کلمہ پڑھنے لگے' لیکن جانداروں کا سردار اس راہ پر نہ آیا اور وہ غرور کے نشے میں سرشار ہو کر سرکشی کے خواب دیکھتا رہا- اس نے شہاب الدین اور قطب الدین کے زمانے کے کچھ امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی سیاسی چالوں میں پھنسا لیا اور دہلی کے گرد و نواح سے اچھی خاصی فوج جمع کر لی اور دہلی کے قریب کے ایک میدان میں التمش کے مقابلے پر آ ڈٹا- چونکہ التمش کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اس لیے جاندار کو شکست ہوئی- جانداروں کے دو (نامی گرامی) سردار اقسنقر اور فرخ شاہ میدان جنگ میں کام آئے- ترکی جانداروں کا افسر اعلیٰ اپنے مخصوص مصاحبوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا- شمس الدین التمش کے فوجیوں نے ان باغیوں کا بری طرح پیچھا کیا- کچھ عرصے ہی میں ان سب باغیوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا اس کامیابی کے بعد التمش کا کوئی حریف باقی نہ رہا اور ملک ہمیشہ کے لیے باغیوں اور سرکشوں کے ہنگاموں سے پاک ہو گیا-

جالور پر لشکر کشی

اسی زمانے میں جالور (یہ مقام اجمیر سے تقریباً ڈیڑھ سو میل جنوب مغرب میں واقع ہے) کے حاکم راجہ اڈیسہ نے خراج کی مقررہ رقم کی ادائیگی

میں پس و پیش کیا اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا کہ اس کے سر پر بغاوت کا جنوں چڑھا ہے اس راجہ نے التمش سے معرکہ آرائی کرنے کا ارادہ کیا۔ (یہ دیکھ کر) التمش نے جالور پر حملہ کر دیا اور اڈیسہ کو شکست دے کر اسے اپنا مطیع و باج گزار بنایا۔ اڈیسہ سے خراج کی رقم لے کر التمش واپس دہلی آیا۔ اس فتح کے بعد تاج الدین یلدوز نے جو محمود غوری کے فرمان پر غزنی کا فرمارو مقرر ہوا تھا التمش کے لیے ہندوستان میں چتر و علم روانہ کیے۔ التمش نے حکومت غزنی کے احترام کے پیش نظران تحفوں کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔

تاج الدین یلدوز سے جنگ

اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد یلدوز نے خوارزمی فوج کے مقابلے پر شکست کھائی اور شیوران و کرمان میں پناہ گزین ہوا۔ یہاں بیٹھ کر وہ ہندوستان کی سرسبز و شاداب زمین کو لالچ کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یلدوز نے ۶۱۳ھ میں پنجاب اور تھانیسر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان کے ان سرحدی خطوں پر قابض ہونے کے بعد یلدوز نے التمش کے پاس اپنے چند قاصد بھیجے اور ان کی معرفت کوئی ایسی بات کہلوائی جس سے التمش کی عزت اور نام و نمود پر حرف آنے کا احتمال تھا۔ التمش کو یلدوز کے اس پیغام پر بے حد غصہ آیا اور اس نے فوراً پنجاب پر لشکر کشی کر دی۔ ترائن کے علاقے میں یلدوز اور التمش کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے' بڑی زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں یلدوز کو شکست ہوئی اور اس کے چند نامی گرامی سردار شمس الدین التمش کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ التمش یلدوز کو اپنے ساتھ لے کر واپس دہلی آیا اور یلدوز کو بدایوں کے قلعے میں قید کر دیا گیا اس نے عالم اسیری ہی میں کسی مرض سے یا زہر سے موت پائی۔

ناصرالدین قباچہ سے معرکے

۶۱۴ھ میں التمش اور اس کے ہم زلف یعنی قطب الدین ایبک کے دوسرے داماد ناصرالدین قباچہ کے درمیان لاہور کے کسی علاقے کے بارے میں کشیدگی پیدا ہوئی۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ دونوں میں معرکہ آرائی کی نوبت آ گئی۔ منصوریہ کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے پر دونوں حریف بالمقابل ہوئے ایک زبردست لڑائی کے بعد ناصرالدین قباچہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور التمش کو فتح نصیب ہوئی۔ ۶۱۵ھ میں قباچہ نے غزنی کے قرب و جوار کے ان خلجی امیروں کو شکست دی جو سندھ کے علاقوں کو اپنی لشکر کشی سے تباہ و برباد کیا کرتے تھے ان خلجی سرداروں نے قباچہ سے شکست کھانے کے بعد التمش کے دامن میں پناہ لی۔ التمش نے ان کی مدد کی اور ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ قباچہ پر حملہ کیا' قباچہ التمش کا مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے ملک کے کسی سرحدی مقام پر روپوش ہو گیا۔ التمش نے اس کا پیچھا زیادہ کرنا مناسب نہ سمجھا (اور اتنی ہی سرزنش پر اکتفا کر کے) واپس دہلی آ گیا۔

خوارزم شاہ سے معرکہ

۶۱۸ھ میں چنگیز خاں کے قہر و غضب سے خوف زدہ ہو کر جلال الدین خوارزم شاہ اپنے ملک سے بھاگ نکلا اور لاہور کے علاقے میں آ کر پناہ گزین ہوا۔ سرحدی علاقے میں خوارزم شاہ کا موجود رہنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ اس لیے التمش نے اس کی خبر سنتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ خوارزم شاہ التمش کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور سندھ اور سیوستان کے علاقے کی طرف بھاگ گیا۔ سندھ پہنچنے کے بعد خوارزم اور قباچہ میں جھگڑا ہو گیا اور یوں خوارزم کو جب کہیں جائے پناہ نہ ملی تو وہ کچھ اور مکران کے راستے ہندوستان کی حدود سے نکل گیا نظام الدین بخشی اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ جلال الدین خوارزم شاہ اس وقت ہندوستان میں آیا جب کہ دریائے سندھ کے سیلاب کی وجہ سے قباچہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا تھا ہم آگے چل کر ثابت کریں گے کہ مورخین کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

لکھنوتی اور بہار پر لشکر کشی

۶۲۲ھ میں التمش نے بہار اور لکھنوتی کے علاقوں پر حملہ کیا اور غیاث الدین خلجی (جس کا تفصیلی ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا) کو

شکست دے کر اپنے اطاعت گزاروں میں داخل کیا۔ التمش نے بہار اور لکھنوتی میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور خلجی سردار سے اڑتیس زنجیر ہاتھی اور اسی ہزار روپیہ نقد لے کر اسے آزاد کر دیا۔ التمش نے اپنے بڑے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب عطا کر کے لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور اسے چتر اور دور باش عنایت کر کے لکھنوتی ہی میں چھوڑا اور خود دہلی واپس ہوا۔

ناصر الدین نے غیاث الدین خلجی سے جنگ کر کے اسے شکست دی اور قتل کیا۔ اس نے خلجیوں سے بے شمار روپے اور بے حساب مال و دولت حاصل کیا اور اپنے ساتھیوں اور رفیقوں کو مالا مال کر دیا۔

قباچہ کی غرقابی کی صحیح روایت

قلعہ اوچہ کی تسخیر اور قباچہ کے دریا میں ڈوب مرنے کی صحیح روایت یہ ہے کہ التمش نے اپنے دشمن قباچہ کی روز افزوں قوت کو دیکھ کر اسے اپنا مطیع و اطاعت گزار بنانا چاہا۔ التمش نے اس پر ایک زبردست حملہ کر کے اسے قلعہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ قباچہ نے اوچہ کا قلعہ مستحکم کر کے بھکر میں پناہ لی۔ التمش نے قباچہ کے تعاقب میں نظام الدین جنیدی کو روانہ کیا اور خود اوچہ کے قلعے کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کرنے میں مصروف ہوا۔ التمش نے دو (۲) مہینے اور بیس (۲۰) روز کی سخت محنت کے بعد قلعہ اوچہ کو تسخیر کر لیا۔ ناصر الدین قباچہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے بیٹے علاؤ الدین کو التمش کے پاس بھیجا اور اس سے صلح کی درخواست کی، لیکن ابھی اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا کہ قباچہ کا آخری وقت آ پہنچا۔ جب قباچہ بھکر سے بھاگ رہا تھا تو اس وقت دریا میں بہت شدید سیلاب آیا اور قباچہ اس سیلاب کی نذر ہو گیا۔

رنتھنبور کی فتح

قباچہ کی غرقابی کی خبر التمش تک فوراً پہنچ گئی اور اس نے قباچہ کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ۶۲۳ھ میں التمش نے رنتھبور کے قلعے پر حملہ کیا اور اسے فتح کیا اس کے ایک سال بعد التمش نے سندھ کے قلعے پر لشکر کشی کی اس قلعے کو بھی التمش نے حدود سوالک کے ساتھ جلد از جلد فتح کر لیا۔ التمش کے دور کے مشہور عالم و فاضل امیر روحانی نے (جو چنگیز کے دور کی ہنگامہ خیزیوں سے تنگ آ کر بخارا سے بھاگ کر دہلی آ گیا) قلعہ رنتھنبور کی فتح کی خوشی میں تہنیت کے اشعار لکھ کر التمش کی خدمت میں پیش کیے وہ اشعار یہ ہیں۔

خبر بہ اہل سما برد جبرئیل امین ز فتح نامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسماں ہارا بدیں بشارت بندید حلہ و آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام کشاد بارد گر قلعہ پہر آئین
شہ مجاہد و غازی کہ دست و بازو را روان حیدر کرارے کند تحسین

عمامہ خلافت التمش کے لیے

۶۲۶ھ میں خلافت عباسیہ کے قاصد دہلی میں آئے اور انہوں نے التمش کو بارگاہ عباسی کی طرف سے بھیجا ہوا عمامہ خلافت پیش کیا۔ التمش نے اس مذہبی خلعت کی پوری پوری تعظیم و تکریم کی اور اس خلعت فاخرہ کو زیب تن کر کے بے انتہا خوش ہوا۔ اس خوشی میں اس نے اپنے امیروں اور درباریوں کو خلعتوں اور عطیوں سے نوازا اور تمام شہر کو دلہن کی طرح سجا کر جشن مسرت منایا۔ ابھی التمش ان خوشیوں کے ہجوم میں کھویا ہوا ہی تھا کہ اسے اپنے بڑے بیٹے ناصر الدین حاکم لکھنوتی کے انتقال کی خبر ملی۔ التمش کو اس حادثہ جانکاہ کا بڑا رنج ہوا جب ماتم و تعزیت سے اسے فرصت ملی تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے جس کا نام بھی ناصر الدین رکھا تھا بے انتہا محبت کرنے لگا۔

۶۲۷ھ میں التمش دہلی سے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر ان تمام ہنگاموں کو ختم کیا جو ناصر الدین کی وفات سے اس علاقے

کے گوشے گوشے میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا کرنے کے بعد التمش نے عزت الملک ملک علاؤ الدین کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور خود واپس دہلی آ گیا۔

فتح گوالیار

۶۲۹ھ میں التمش نے گوالیار پر جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا حملے کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال تک اس نے اس محاصرے کو قائم رکھا۔ یہاں تک کہ قلعے کے باشندے محاصرے کی سختیوں سے بہت تنگ آ گئے۔ ہندو راجہ دیوبل پر جب یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ التمش قلعے کو تسخیر کیے بغیر نہ ہٹے گا تو اس نے ایک رات لوگوں کی نگاہوں سے بچ بچا کر راہ فرار اختیار کی۔ صبح کو جب اہل قلعہ نے راجہ کو غائب پایا تو انہوں نے مجبوراً قلعے کے دروازے کھول دیئے اور یوں مسلمانوں کی فوج قلعے پر قابض ہو گئی۔ مسلمانوں نے بہت سے ہندوؤں کو قید کر کے ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ ان ہندو قیدیوں میں سے تین سو نافرمانوں کو مسلمانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقیوں کو رہا کر دیا۔ یوں گوالیار میں دوبارہ مسلمان فرمانرواؤں کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہو گیا۔ التمش کے شاہی میر منشی (دبیر مملکت) تاج الدین ریزہ نے گوالیار کی فتح کی خوشی میں ایک رباعی لکھی جو قلعے کے دروازے پر کندہ کروائی گئی وہ رباعی یہ ہے۔

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت   از عون خدا و نصرت دیں بگرفت
آں قلعہ گوالیار و آں حصن حصین   درستہ مایۃ(۶۰۰) ستہ ثلثین(۳۰۰) بگرفت

۶۳۱ھ میں التمش نے مالوہ پر حملہ کیا اور وہاں کے قلعہ کو ختم کرنے کے بعد اجین پر بھی مکمل قبضہ کر لیا اس نے مہاکال کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یہ مندر بہت ہی مضبوط و پائیدار تھا۔ اس کی تعمیر میں تین سو برس صرف ہوئے تھے۔ اور اس کی دیوار ایک سو گز بلند تھی۔ اس مندر سے التمش کو اجین کے راجہ بکرماجیت کی ایک نادر الوجود تصویر ملی نیز سنگ مہاکال اور پیتل کی چند دوسری تصویریں بھی ہاتھ لگیں۔ التمش ان تمام نوادرات کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا اور انہیں جامع مسجد کے دروازے پر ڈال دیا تاکہ وہ آتے جاتے لوگوں کے پاؤں کے نیچے آ کر پامال ہوں۔

وفات

اجین کے سفر کی تکان دور کرنے کے لیے التمش نے کچھ روز دہلی میں آرام کیا پھر ملتان کی طرف چل پڑا۔ یہ سفر التمش کو موافق نہ آیا اور اس کی صحت پر برا اثر پڑا اور وہ بیمار ہو گیا بیماری نے اس حد تک طول کھینچا کہ التمش بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ امراء و سردار التمش کو اسی حالت میں عماری پر بٹھا کر دہلی لائے۔ دہلی پہنچ کر اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو اس کا انتقال ہو گیا۔ (خدا کی رحمت اس کی لحد پر سایہ فگن رہے)۔

حوض شمسی

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین شکر گنج اپنے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار التمش کو حوض شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں وہ روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حوض کی جگہ اور اس کے رقبے وغیرہ کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا۔ اس حوض کی تعمیر کے لیے التمش کے ذہن میں جو مقام آتا وہ فوراً اسے جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا۔ اتفاق سے ایک دن التمش کا گزر اسی جگہ ہوا کہ جہاں اب حوض شمسی واقع ہے التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ پر حوض کی تعمیر کا ارادہ کر لیا۔ جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی

رات کو التمش نے خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ التمش نے دیکھا کہ سرور انبیاء ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور ان کے گھوڑے نے زمین پر لات ماری جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور شور سے بہنے لگا۔ التمش نے ابھی اسی قدر خواب میں دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت قدرے رات باقی تھی اور التمش اسی وقت حضرت قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے اپنے خواب کی تمام روداد بیان کر دی۔ حضرت فرید شکر گنج اپنے پیرو مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطبؒ صاحب کو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا۔ قطب صاحب نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار طرف بہہ رہا ہے۔ یہ واقعہ تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ ہندوستان کے دیگر مشائخ کے ملفوظات میں بھی درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

غیبی امداد

بعض لوگ خود التمش کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں التمش بخارا میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا اس زمانے میں ایک روز اس کے آقا نے اسے ایک رائج الوقت سکہ دیا اور بازار سے انگور لانے کے لیے کہا۔ التمش انگور لانے کے لیے روانہ ہوا بازار میں جاتے جاتے اچانک وہ سکہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اس نے بہت تلاش کی مگر سکہ نہ ملا لہٰذا وہ مجبور ہو کر (آقا کے خوف سے) ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگا۔ اس وقت ادھر سے ایک فقیر گزرا اس فقیر نے اپنے کشف باطن کے ذریعے التمش کا حال معلوم کر لیا اور انگور خرید کر اسے دیئے۔ انگور دیتے ہوئے فقیر نے التمش سے کہا اگر خدا تجھے کبھی بادشاہ بنا دے تو تو فقیروں اور حاجت مندوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت تیرے ساتھ کیا ہے۔

خدمت فقراء

بعض کتب تاریخ میں یہ واقعہ بھی التمش ہی کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ جب التمش بغداد میں اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا تو ایک روز اس کے مالک نے کچھ صاحب باطن درویشوں کو اپنے گھر مدعو کیا۔ محفل سماع شباب پر تھی اور یہ فنافی اللہ لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ نعرے ہائے مستانہ بلند کر رہے تھے۔ یہ محفل رات بھر جاری رہی اور التمش رات بھر ہاتھ میں شمع لے کر کھڑا رہا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اس محفل کے صدر تھے۔ فقرائے پاک طینت التمش کی اس خدمت سے بے انتہا خوش ہوئے۔ اور اس گروہ کی کیمیا اثر نگاہوں کے طفیل اس خوش عقیدہ غلام (التمش) کے دن پھر گئے وہ پہلے خاک تھا اور اب کندن بن گیا۔ پہلے غلام تھا اور اب بے شمار علاقوں کا آقا۔

ذوق سماع

التمش کے عہد حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین ناگوریؒ ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں ایک مقام پر قیام فرما کر خلق خدا کی راہنمائی اور ہدایت اور مقدس فریضہ انجام دیتے رہے قاضی صاحب فقراء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو سماع کو پسند فرماتے تھے اس وجہ سے ان کی خانقاہ میں روزانہ محفل سماع منعقد ہوتی تھی۔ چونکہ اس طرح محفل سماع کا منعقد ہونا شرع کے خلاف ہے اس لیے دو مشہور علماء ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین نے قاضی صاحبؒ کی روش پر شرعی اعتراض وارد کیا۔ یہ علماء قاضی صاحبؒ کے بہت خلاف ہو گئے اور ان کی مخالفت نے یہاں تک طول کھینچا کہ انہوں نے التمش پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے مجبور کیا کہ وہ

قاضی صاحب کی محافل سماع کو شاہی حکم کے ذریعے ممنوع قرار دے۔ التمش نے ان علماء کے کہنے سے مجبور ہو کر قاضی صاحب کو اپنے ہاں بلوایا ان سے بحث کرنے کے لیے ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین بھی تشریف لائے ان دونوں علماء نے قاضی صاحب سے سوال کیا۔ "ازروئے شرع سماع حرام ہے یا حلال؟" قاضی صاحبؒ نے جواب دیا یہ فعل اہل حال کے لیے حلال ہے اور اہل قال کے لیے حرام۔" علماء کو یہ جواب دینے کے بعد قاضی صاحبؒ فوراً التمش سے مخاطب ہوئے اور اس سے کہا آپ جناب کو اپنے بچپن کا وہ واقعہ تو یاد ہو گا جب (آپ غلام تھے اور) آپ کے آقا کے گھر میں محفل سماع منعقد ہوئی تھی۔ آپ اس محفل میں رات بھر شمع ہاتھ میں لے کر کھڑے رہے تھے ان اہل حال فقیروں کو آپ کی یہ خدمت پسند آئی تھی اور اسی وجہ سے انہیں فقیروں کی دعاؤں کے طفیل خداوند تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کے مرتبے تک پہنچایا۔" قاضی صاحب کی زبان سے یہ واقعہ سن کر التمش کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام واقعہ پھر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ التمش قاضی صاحبؒ سے بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آیا اور انہیں بے حد تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ قاضی صاحب سے ملاقات کرنے کا یہ اثر ہوا کہ التمش نے محافل سماع کو ممنوع قرار نہ دیا بلکہ خود بھی قاضی صاحب کی خانقاہ میں حاضری دیتا اور سماع اور فقراء کی محبت سے مستفید و لطف اندوز ہوتا۔

قاتلانہ حملہ

التمش عبادات مذہبی و فرائض دین کا بڑی سختی سے پابند تھا وہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ بادشاہ کی یہ مذہب دوستی اور خدا پرستی دہلی کے ملحدین کو پسند نہ آئی۔ ایک ایسے ہی گروہ کے سردار نے جس کا نام "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے مصداق نور تھا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے التمش کو عین حالت نماز میں شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ (ایک دن) یہ لوگ خنجر اور تلواروں سے لیس ہو کر مسجد میں گھس آئے اور چند نمازیوں کو شہید کرتے ہوئے التمش کے قریب پہنچ گئے لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کافروں کی دستبرد سے التمش کو بچا لیا اور یہ لوگ خوفزدہ ہو کر مسجد سے بھاگ نکلے۔ لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور دیواروں اور کوٹھوں پر چڑھ کر ان پر پتھراؤ کیا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس گروہ کا ایک ایک فرد ہلاک ہو گیا اور دہلی اس شریر گروہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔
التمش کی حکومت کے آخری زمانے میں بغداد کا مشہور و معروف عالم و فاضل فخرالملک عصائی جو پورے تیس سال تک خلافت عباسیہ کی وزارت کے منصب پر سرفراز رہ چکا تھا' کسی بنا پر ناراض ہو کر بغداد سے جلا وطن ہوا اور دہلی آ کر قیام پذیر ہوا۔ التمش نے اس بزرگ کا اس کی شان کے مطابق استقبال کیا اور اسے انعامات و اعزازات سے سرفراز کر کے اپنا وزیر مقرر کیا۔ التمش کے عہد حکومت میں علماء اور انشا پردازوں کی ایک بہت بڑی جماعت بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی تصنیف و تالیف سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتی تھی اس جماعت میں نور الدین عوفی کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عالم و فاضل شخص نے "جامع الحکایات" تصنیف کی اس کتاب کو التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابو سعید جنیدی کے نام نامی سے منسوب کیا۔
التمش نے چھتیس (۳۶) سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت دہلی پر جلوہ فگن ہوا۔

رکن الدین فیروز شاہ

ہندوستان کی معتبر کتب تواریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۶۲۵ھ میں التمش نے فیروز شاہ کو چتر و دور باش عطا کر کے بدایوں کے پرگنے کا حاکم مقرر کیا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے اسے لاہور کی حکومت بھی عطا کر دی اور یوں اس کی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ جب سیوستان کے سفر کے بعد دہلی میں التمش کا انتقال ہوا تو رکن الدین فیروز شاہ اتفاق سے اس زمانے میں دہلی میں ہی مقیم تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ۶۳۳ھ میں منگل کے روز فیروز شاہ کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ وزیروں امیروں نے نذریں پیش کیں اور شاعروں نے مبارک بادی کے قصیدے لکھے اور انعام سے سرفراز ہوئے۔ ان تمام قصیدوں میں تاج الدین ریزہ (میر منشی) کا قصیدہ بہت مشہور ہے اس کے دو شعر یہ ہیں۔

مبارک باد ملک جاودانی ملک راخاصہ در عہد جوانی
امین الدولہ رکن الدین کہ آمد درش از یمن چوں رکن یمانی

رکن الدین کی عیش کوشی

رکن الدین نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اس نے انتظامی امور کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کی اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے جمع کئے ہوئے خزانے کو اس نے بڑی بے دردی سے گویوں اور بھانڈوں وغیرہ پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ رکن الدین (کی عیش کوشی اس حد تک بڑھی کہ اس) نے حکومت کے تمام انتظامات اپنی ماں ترکان شاہ کے سپرد کر دیئے اور خود دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر سارا وقت پینے پلانے اور عیاشی کی نذر کرنے لگا۔ شاہ ترکان ایک ترکی لونڈی تھی جس نے شمس الدین التمش کے حرم میں داخل ہو کر التمش پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ یہ عورت بہت ہی کینہ ور تھی اس نے اپنے بیٹے رکن الدین کی عیش کوشی اور امور سلطنت سے بے تعلقی کا بڑا فائدہ اٹھایا اور التمش کی بہت سی نکاحی بیاہی بیویوں کو بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کروا ڈالا۔ شمس الدین التمش کے حرم کی ترکی خواتین بھی اس دوں فطرت عورت کی آتش حسد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ترکان شاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر یہ معزز خواتین مفلسی اور غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئیں۔

شاہ ترکان کا اقتدار

شاہ ترکان کا نشانہ ستم صرف وہی مظلوم عورتیں نہ تھیں جو التمش کے حرم میں داخل تھیں' بلکہ اس حسد پیشہ عورت نے التمش کی اولاد پر بھی بڑے ظلم ڈھائے۔ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا قطب الدین شاہ ترکاں ہی کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ شاہ ترکان کے ان مظالم کی وجہ سے دہلی کا ہر چھوٹا بڑا شخص رکن الدین کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

ملک میں بغاوت و سرکشی کا دور دورہ

(ان تمام حالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ملک میں ایک بے اطمینانی اور ناآسودگی کی لہر دوڑ گئی) رکن الدین کے چھوٹے بھائی غیاث الدین محمد نے' جو اودھ کا حاکم تھا' رکن الدین کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور اس نے لکھنوتی کے محاصل کی رقم جو دہلی کے خزانے میں جمع ہونے کے لیے بھیجی گئی تھی راستے ہی سے واپس منگوا لی۔ بدایوں' لاہور' ملتان اور ہانسی کے حکمرانوں نے آپس میں خط و کتابت کے ذریعے مشورہ کر کے رکن الدین کی اطاعت سے انکار کر دیا اور علم سرکشی بلند کیا۔ رکن الدین نے ان سرکش امراء کی سرزنش کا ارادہ کیا اور

دہلی سے روانہ ہوا وہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کیلوکھری تک پہنچا۔ اس دوران میں نظام الملک وزیر بھی شاہی باغیوں کے ڈر سے کیلوکھری سے بھاگ گیا اور کول پہنچ کر بدایوں کے حاکم سے پناہ کا طالب ہوا۔

رضیہ کی تخت نشینی

نظام الملک اور اعزالدین دونوں آپس میں مل کر لاہور پہنچے، لاہور کے امیروں اور معزز لوگوں نے ان دونوں سے پورا پورا تعاون کیا۔ اور ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے رکن الدین سے معرکہ آرائی کرنے پر تیار ہو گئے۔ رکن الدین کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے پنجاب کا راستہ لیا جس وقت رکن الدین کی فوج منصوریہ کے قرب و جوار میں پہنچی تو التمش کے عہد کے مشہور امراء تاج الدین' ملک محمد' بہاء الدین حسن' کریم الدین' ضیاء الملک' خواجہ رشید اور امیر فخر الدین وغیرہ شاہی فوج سے علیحدہ ہو کر فوراً دہلی پہنچ گئے۔ ان امراء نے باہمی مشورے سے سلطان التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا فرمانروا تسلیم کر کے تخت شاہی پر بٹھا دیا۔ رضیہ سلطانہ نے شاہ ترکان کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ رکن الدین کو جب رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کی خبر ملی تو وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ رکن الدین جب کیلوکھری پہنچا تو رضیہ نے ایک لشکر اپنے بھائی کے مقابلے پر روانہ کیا دونوں میں جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں رکن الدین کی شکست ہوئی اور اسے قید کر کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد رکن الدین نے اسی عالم اسیری میں وفات پائی۔ رکن الدین کی مدت حکومت صرف چھ مہینے اور آٹھ دن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رضیہ سلطانہ

ابتدائی حالات

رضیہ سلطانہ میں حکمرانی کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ عقل و فہم اور حسن تدبیر و سیاست کے لحاظ سے یہ خاتون اپنے زمانے کے بہترین مردوں کا جواب تھی۔ انسان کی صلاحیتوں کو جانچنے والوں کو رضیہ سلطانہ میں سوائے نسوانیت کے کوئی دوسرا عیب نہیں ملتا۔ جو بادشاہت کے جلیل القدر مرتبے تک پہنچنے میں حائل ہو سکے۔ رضیہ کا یہ شعار تھا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت بے حد ادب اور تعظیم کے ساتھ کرتی تھی۔ مذہبی معلومات کے علاوہ دوسرے علوم و فنون پر بھی اس کی بڑی گہری نظر تھی۔

التمش کی رائے رضیہ کے متعلق

شمس الدین التمش کے زمانے ہی سے رضیہ سلطنت کے انتظامی امور سے دلچسپی لیتی تھی اور اس زمانے میں حکومت کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اس کی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ التمش کو رضیہ کی فہم و فراست پر بے حد اعتماد تھا اور اسی وجہ سے وہ امور سلطنت میں اس کی مداخلت کو بہت پسند کرتا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے اپنے چند خاص امراء کی موجودگی میں رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ ان امراء نے اس موقع پر التمش سے سوال کیا کہ آخر بیٹوں کے ہوتے ہوئے ایک بیٹی کو وارث تاج و تخت قرار دینے میں کون سی حکمت ہے؟ التمش نے جواب دیا کہ میں بیٹوں کی عادات و اطوار اور چال چلن سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس وقت جب کہ وہ ہر لحاظ سے میرے دست نگر ہیں۔ بری طرح میخواری اور عیش و عشرت میں مشغول ہیں۔ اس وجہ سے میں انہیں حکمرانی کے قابل نہیں سمجھتا رضیہ سلطانہ کو میں اپنے بیٹوں پر اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ اگرچہ بظاہر وہ ایک عورت ہے لیکن عقل اور پختگی کے لحاظ سے حقیقت مرد ہے

۶۳۴ھ میں رضیہ سلطانہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئی۔ حکمرانی کے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لیے اس نے پردہ ترک کر دیا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربار عام منعقد کیا۔ التمش کے عہد کے وہ تمام قاعدے' ضابطے اصول اور قانون جو رکن الدین کے عہد میں "نقش و نگار طاق نیساں" ہو گئے تھے' رضیہ نے انہیں دوبارہ نافذ کیا۔ رضیہ نے حکومت کے فرائض کو انجام دینے کے سلسلے میں اپنے باپ کی پوری پوری پیروی کی اور انصاف اور جود و سخا کو اپنا شعار بنایا۔

چند امراء کی بغاوت

جب رضیہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو چند نامی گرامی امراء مثلاً نظام الملک محمد جنیدی وزیر سلطنت' علاؤ الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی وغیرہ نے علم بغاوت سربلند کیا۔ ان امراء نے باہمی مشورے سے ملک کے دوسرے امیروں اور جاگیرداروں کو بھی رضیہ سلطانہ کے خلاف اکسایا۔ اودھ کے جاگیر دار ملک نصیر الدین کو جب ان امیروں نے بے وفائی کا حال معلوم ہوا تو اس نے رضیہ سلطانہ کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا اور دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ نصیر الدین دریائے گنگا کو پار کر کے ابھی آگے بڑھا ہی تھا کہ باغی امراء نے اس پر حملہ کر دیا۔ ان امیروں نے نصیر الدین کو گرفتار کر کے اس کی فوج کو منتشر کر دیا۔ ملک نصیر الدین کی صحت کچھ اچھی نہ تھی اس لئے اس نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

رضیہ سلطانہ کو جب امیروں کی سرکشی کا علم ہوا تو اس نے بڑے ہی دانش مندانہ طریقے سے ان ہنگامہ پرور امراء کی مجموعی طاقت کو

منتشر کیا اور ایک ایک امیر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ملک سیف الدین اور اس کا بھائی میدان جنگ میں گرفتار ہوئے اور قتل کیے گئے۔ علاء الدین شیر خانی کو بابل کے علاقے میں ہلاک کیا گیا اور اس کا سر دہلی میں لایا گیا۔ ملک نظام الدین میدان جنگ سے بھاگ کر کوہ سرمور میں پناہ گزین ہوا اور وہیں راہی ملک عدم ہوا۔

حکومت کی تنظیم نو

ان امیروں کو مناسب اور موزوں طریقے سے ختم کرنے کے بعد رضیہ سلطانہ کے رعب داب کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا اور سارا ملک باغیوں اور سرکشوں کی ہنگامہ خیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ رضیہ نے حکومت کی بنیادوں کو پوری طرح مضبوط اور مستحکم بنا کر حکومت کے بڑے بڑے عہدے اپنے مشہور اور قابل اعتماد امیروں کے سپرد کیے۔ رضیہ نے سابق وزیر مملکت نظام الملک کے نائب خواجہ مہدی غزنوی کو وزارت کے منصب پر سرفراز کیا۔ اور یہ نیا وزیر بھی نظام الملک ہی کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ لشکر کی نیابت سیف الدین ایبک کے حوالے کی گئی۔ اور اسے قتلغ خاں کا خطاب دیا گیا۔ اعزالدین کبیر خانی نے رضیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اسے لاہور کا حکمران مقرر کیا گیا اسی طرح لکھنوتی' دیول' سندھ اور دوسرے مقامات کی حکومتیں بھی ملک کے نامی گرامی اور قابل اعتماد امراء کے سپرد کی گئیں اور وہ سب دارالسلطنت دہلی سے اپنی اپنی تقرری کا فرمان لے کر اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصے بعد سیف الدین ایبک نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ قطب الدین کو نیابت لشکر سپرد کی گئی۔

قطب الدین کو لشکر کا نائب بنانے کے بعد رضیہ نے اسے رنتھنبور کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ قطب الدین رنتھنبور پہنچا اور اس نے وہاں سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کروایا جو التمش کی وفات کے زمانے سے ہندوؤں کی اسیری میں زندگی بسر کر رہے تھے قطب الدین نے قلعے کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی اور دہلی واپس آ گیا۔

یاقوت حبشی کا اقتدار

قطب الدین جب رنتھنبور کے لیے روانہ ہوا تو اس کے بعد دہلی کی حالت بالکل ہی بدل گئی۔ ملک اختیار الدین اپتگین امیر صاحب حاجب مقرر کیا گیا۔ جمال الدین یاقوت حبشی جو امیر اخور تھا' دربار شاہی پر بالکل چھا گیا۔ یاقوت حبشی نے رضیہ سلطانہ کے دل میں کچھ ایسا گھر کیا کہ تھوڑے سے عرصے ہی میں "امیر الامراء" بن گیا۔ اس کا اثر و رسوخ یہاں تک بڑھا کہ جب رضیہ گھوڑے پر سوار ہونے لگتی تو وہ اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسے گھوڑے پر بٹھاتا۔ یاقوت کا یہ اقتدار و منصب دیکھ کر دربار کے تمام امراء اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور رضیہ سلطانہ کے اقبال کا ستارہ تاریکی کے دامن میں آ گیا۔

رضیہ کا زوال اور گرفتاری

لاہور کے حاکم اعزالدین نے ۶۳۶ھ میں علم سرکشی بلند کیا۔ اعزالدین کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے رضیہ سلطانہ نے اس پر لشکر کشی کی۔ اعزالدین نے رضیہ سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی اطاعت گزاری کا اقرار کر کے خاموش ہو رہا۔ رضیہ کو اعزالدین کا یہ انداز اطاعت بہت پسند آیا اور اس نے خوش ہو کر لاہور کی حکومت کے ساتھ ملتان کی حکومت بھی اعزالدین کو سونپ دی۔ اس سال بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے جو "ترکان چہل گانی" ("ترکان چہل گانی" سے مراد التمش کے چالیس غلام ہیں جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ فرشتہ نے آگے چل کر ان کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے) میں سے تھا۔ یاقوت حبشی کے اثر و اقتدار سے تنگ آ کر رضیہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کے جواب میں رضیہ نے اپنی فوج کو تیار کیا اور بٹھنڈہ پر حملہ کر دیا۔ شاہی فوج ابھی راستے ہی میں تھی کہ ترکی امراء نے اس پر چھاپہ مارا (اس معرکے میں ترکوں کو فتح ہوئی) یاقوت حبشی موت کے گھاٹ اتارا گیا اور رضیہ سلطانہ کو قید کر کے بٹھنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

رضیہ اور ملک التونیہ کی شادی

ان باغی امراء نے دہلی کے دوسرے امیروں سے مشورہ کیا اور انہیں اپنا ہم خیال بنا کر سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ اس دوران میں رضیہ سلطانہ نے بھٹنڈہ کے حاکم ملک التونیہ سے شادی کر لی۔ رضیہ اور التونیہ نے آپس کے صلاح و مشورے کے بعد کھکروں، جاٹوں اور آس پاس کے دیگر زمینداروں کے لڑا کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک زبردست لشکر تیار کیا اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ معزالدین بہرام شاہ نے بھی اپنی فوج اعزالدین بلبن کی ماتحتی میں روانہ کی (اعزالدین بلبن التمش کا داماد تھا جو بعد میں الغ خاں کے لقب سے مشہور ہوا) راستے ہی میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ (ایک زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں) رضیہ سلطانہ کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر بھٹنڈے میں پناہ گزین ہوئی۔

رضیہ کا قتل

رضیہ اس شکست سے آزردہ خاطر نہ ہوئی اس کی بے چین اور اقتدار پسند طبیعت نے اسے آرام سے بیٹھنے نہ دیا اور اپنے منتشر لشکر کو از سر نو مرتب کر کے ایک بار پھر دہلی پر حملہ آور ہوئی اس بار بھی بہرام شاہ نے اعزالدین ہی کو رضیہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ ۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو کیتھل کے گرد و پیش کے علاقے میں دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس بار بھی رضیہ کو شکست ہوئی اور اعزالدین کامیاب و کامران رہا۔ رضیہ اور التونیہ دونوں میدان جنگ سے بھاگ نکلے، لیکن چند زمینداروں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ان دونوں میاں بیوی کو یا تو انہیں زمینداروں نے قتل کر دیا یا پھر ان کو گرفتار کر کے معزالدین بہرام شاہ کے سامنے لایا گیا اور اسی کے حکم سے ان دونوں کو قتل کیا گیا۔

رضیہ نے تین سال چھ دن تک حکومت کی۔ رضیہ کے زوال کے اسباب پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہر صاحب عقل شخص بڑی آسانی سے اس کا پتہ چلا سکتا ہے تھوڑے بہت غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یاقوت حبشی کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار اختیار ہی رضیہ کے زوال کا اصل سبب تھا۔ یہ پوری طرح واضح ہے کہ ایک حبشی دہلی کا امیرالامراء ہونے کا کیا حق رکھتا ہے؟ ایک ادنیٰ شخص کا ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت سے خاص تعلقات رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ رضیہ سلطانہ ۲۵ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو قتل کی گئی۔

معزالدین بہرام شاہ

اپتگین کا اقتدار

جب رضیہ سلطانہ کو بٹھنڈہ کے قلعے میں نظربند کر دیا گیا تو اس کے فوراً بعد ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ منگل کے روز معزالدین بہرام شاہ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ معزالدین نے رضیہ سلطانہ کا خاتمہ، جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے، جلد از جلد کر دیا۔ جب معزالدین نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ملک اختیار الدین اپتگین کی بن آئی اور وہ تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا۔ اپتگین اور نظام الملک کے ہاتھوں میں اصل اقتدار تھا وہ جو چاہتے کرتے، ان دونوں کے سامنے معزالدین کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ اپتگین نے اپنے عارضی اقتدار سے فائدہ اٹھا کر شاہی خاندان سے بھی رشتہ ناطہ جوڑا اور معزالدین کی بہن سے جو پہلے قاضی اختیار الدین کی بیوی تھی، شادی کر لی۔ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے بھی اپتگین کا آستانہ، شاہی دربار سے کم نہ تھا اور اس کی ڈیوڑھی پر بھی بادشاہ کے دروازے کی طرح ہاتھی جھومتا تھا۔ اپتگین کا یہ اقتدار دیکھ کر معزالدین کے دل میں بھی خوف پیدا ہوا۔

اپتگین کا خاتمہ

معزالدین نے یہ سوچ کر کہ اپتگین کا بڑھتا ہوا اقتدار کہیں اس کی بادشاہت کے لیے کسی مصیبت کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ اپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس سلسلے میں معزالدین نے اپنے دو ترک ہمدردوں سے کام لیا اور انہیں یہ ہدایت کی کہ وہ اپتگین اور نظام الملک پر دیوانوں کی طرح حملہ کر کے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ ۸ محرم الحرام ۶۳۸ھ بروز دو شنبہ بادشاہی محل میں معزالدین نے دربار شاہی منعقد کیا۔ معزالدین کی ہدایت کے مطابق دونوں ترک سپاہی بڑے مستانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے اور دیوانوں کی طرح الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگے۔ اپتگین اس وقت امیروں کی صف میں کھڑا تھا اس نے ان سپاہیوں کو ناشائستہ حرکات پر ڈانٹا۔ ان خود ساختہ دیوانوں نے اس ڈانٹ ڈپٹ سے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر اپتگین پر خنجر سے ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو کر تڑپنے لگا۔ اپتگین کو ختم کرنے کے بعد یہ "دیوانے" نظام الملک کی طرف بڑھے اور اس پر بھی حملہ کیا۔ نظام الملک کے بازو پر تلوار کے دو زخم آئے یہ دیکھ کر تمام امراء اپنی صفوں سے اٹھ کر دوڑے اور انہوں نے نظام الملک کو ان "دیوانوں" سے نجات دلائی۔ معزالدین نے اپنے آپ کو اس سارے ہنگامے سے بے تعلق ثابت کرنے کے لیے امراء کو دھوکا دیا اور ان "دیوانوں" کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھجوا دیا۔ چونکہ یہ سارا کھیل (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) بادشاہ کے اشارے پر کھیلا گیا تھا اس لیے کچھ دنوں بعد ان دونوں ترک سپاہیوں کو رہا کر دیا گیا۔

امراء کی سازش

زخموں کی وجہ سے نظام الملک کچھ دنوں تک تو صاحب فراش رہا جب صحت یاب ہوا تو حسب معمول دربار میں حاضر ہو کر وزارت کے فرائض سرانجام دینے لگا۔ ان دنوں امیر حاجب کے منصب پر بدرالدین سنقر رومی کا تقرر ہوا تھا وہ (اقتدار کی دوڑ میں) ہمیشہ نظام الملک سے آگے نکلنے کی کوشش کر کے اس کے زخموں کو تازہ کرتا رہتا تھا۔ کچھ دنوں بعد بدرالدین مفسدوں اور فتنہ پروروں کے اکسانے سے بادشاہ کے خلاف ہو گیا۔ ۷ صفر دو شنبے کے دن بدرالدین صدر الملک تاج جو "مشرف ممالک" تھا، کے گھر گیا۔ اور وہاں تمام امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کر کے ان سے معزالدین بہرام شاہ کی معزولی کی بابت مشورہ کیا۔ صدر الملک نے (دو عملی سے کام لیا اور) ایک

طرف تو نظام الملک کو اس مجلس مشاورت میں شرکت کے لیے بلایا اور دوسری طرف اپنا ایک خاص آدمی بھیج کر معزالدین کو تمام حالات کی خبر کر دی۔ صدر الملک کا بھیجا ہوا آدمی اپنے ساتھ بادشاہ کے ایک قابل اعتماد شخص کو لے کر آیا اس شخص نے ایک اجنبی کی طرح اس مجلس مشاروت میں شرکت کی تاکہ وہ سب باتیں سن کر بادشاہ سے بیان کرے۔ صدر الملک نے اس شخص کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا اور خود نظام الملک سے باتیں کرنے لگا۔ تاج الدین نے گفتگو کا آغاز قاضی جلال الدین کاشانی' قاضی شمس الدین اور شیخ محمد ساوجی وغیرہ امراء و معززین کے مشورے کے مطابق کیا۔ نظام الملک نے قدرے احتیاط سے کام لیا اور ہر بات پر "ہاں ہاں" کر کے مشوروں میں شرکت کو کسی اور وقت کے لیے ٹال گیا۔ صدر الملک نے تمام باتوں سے معزالدین بادشاہ کو مطلع کر دیا۔ معزالدین اسی وقت مجلس مشاورت میں پہنچ گیا اور مفسدوں کی جماعت کو فوراً منتشر کر دیا۔

امراء پر عتاب

معزالدین بہرام شاہ نے یہ خیال کر کے کہ ملک بدرالدین کا دارالسلطنت دہلی میں رہنا مناسب نہیں ہے' اسے بدایوں کا جاگیردار مقرر کر کے دہلی سے روانہ کر دیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی کو قضا کے عہدے سے معزول کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد جب بدرالدین بدایوں سے واپس آیا تو معزالدین نے اسے اور تاج الدین موسیٰ کو قتل کر دیا گیا۔ اور قاضی جلال الدین کاشانی اور قاضی مارہرہ کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا دیا۔ ان زبردست اقدامات کی وجہ سے عام لوگوں میں سخت ہراس پھیل گیا اور سارا لشکر بادشاہ سے ناراض ہو گیا۔ نظام الملک تو پہلے ہی سے معزالدین سے برگشتہ خاطر تھا ان حالات کو دیکھ کر اس نے عوام کو بادشاہ کے خلاف بھڑکایا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک بادشاہ کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بن گیا۔

لاہور پر چنگیزی مغلوں کا حملہ

اسی زمانے میں ۱۷ جمادی الآخر ۶۳۹ھ کو چنگیز خانی مغلوں نے حملہ کیا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ لاہور کا حاکم ملک قراقش تھا' اس نے اپنی فوج میں نااتفاقی دیکھ کر یہ ناشائستہ حرکت کی کہ آدھی رات کے وقت (آنکھ بچا کر) بھاگ نکلا اور سیدھا دہلی پہنچا۔ چنگیزی مغلوں نے جی بھر کے لاہور کو لوٹا اور برباد کیا نیز بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جب معزالدین بہرام شاہ کو ان حالات کی خبریں پہنچیں۔ تو اس نے شاہی محل میں تمام امراء کو جمع کیا اور ان سے اپنی اطاعت کا جدید اقرار لیا۔ معزالدین نے نظام الملک اور قطب الدین حسن غوری وکیل السلطنت کو مغلوں سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ دونوں لشکر کے ساتھ دریائے بیاہ (بیاس) کے کنارے قصبہ سلطان پور پہنچے تو نظام الملک نے جو پہلے ہی بادشاہ سے ناراض تھا' شاہی امیروں کو بادشاہ سے ناراض کرنے کے لیے ایک تدبیر سوچی اور اس مقام پر قیام کر کے بادشاہ کے نام ایک مکتوب اس مضمون کا روانہ کیا کہ آپ نے جن منافق سرداروں کو میرے ساتھ روانہ کیا ہے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا بہت دشوار ہے یا تو آپ خود یہاں آیئے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ قطب الدین کے مشورے سے جو مناسب سمجھوں ان امیروں کے ساتھ سلوک کروں۔ معزالدین بہرام شاہ نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے ساتھی سردار قتل کی سزا کے مستحق ہیں' لیکن اس وقت ان سے تعرض کرنا مناسب نہیں ہے تم ان کی خاطرداری کر کے اس مہم سے فراغت حاصل کر لو' اس کی بعد ان منافق سرداروں کو' ان کی بداعمالیوں کے مطابق سزا دی جائے گی۔ نظام الملک نے بادشاہ کا یہ فرمان امیروں کو پڑھ کر سنا دیا۔

امراء نے جب یہ پیغام سنا تو وہ اسی وقت بادشاہ کے خلاف ہو گئے اور نظام الملک کے مشورے کے مطابق معزالدین کو معزول کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی کو ان امراء کے پاس صفائی اور تسلی دینے کے لیے بھیجا۔ لیکن حضرت قطب الدین جیسے مقدس بزرگ بھی ان امیروں کو ان کے ارادے سے باز نہ رکھ سکے۔ حضرت قطب الدین ناکام ہو کر دہلی واپس ہو گئے۔ ان امیروں نے بھی دہلی کا رخ کیا اور معزالدین بہرام شاہ کا محاصرہ کر لیا۔ ساڑھے تین

مہینے تک بادشاہ اور امیروں میں سلسلہ جنگ جاری رہا- امیروں کی ساتھ عام لوگوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی' جو بادشاہ کی مخالف تھی' (اس وجہ سے) آخر کار امیروں کو فتح ہوئی اور ۸ ذیقعدہ ۶۳۹ھ کو معزالدین کی گرفتاری عمل میں آئی- کچھ عرصے تک تو معزالدین نظر بند رہا لیکن بعد میں امیروں نے اسے اپنے ارادوں میں حارج سمجھ کر قتل کر دیا- معزالدین کی حکمرانی کی مدت دو سال ڈیڑھ ماہ ہے-

علاؤالدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ

اعزالدین بلبن کی تخت نشینی

معزالدین بہرام شاہ کے قتل کے بعد اعزالدین بلبن بزرگ تخت شاہی پر براجمان ہوا اور سارے شہر میں اپنی بادشاہت کی منادی کرا دی۔ امرائے دربار اعز الدین بلبن کو پسند نہ کرتے تھے' اس لیے انہوں نے اس کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔ اس وقت تین شہزادے ناصرالدین جلال الدین (سلطان شمس الدین کے بیٹے) اور علاؤالدین مسعود (سلطان رکن الدین کا بیٹا) قید میں تھے' ان میں سے حکمران کے انتخاب کا فیصلہ کیا گیا اور انہیں قید سے نکالا گیا ان تینوں شہزادوں سے علاؤالدین مسعود کو حکمرانی کے لیے منتخب کیا گیا۔

علاو الدین مسعود کی تخت نشینی

ذی القعدہ ۶۳۹ھ میں علاؤالدین کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ ملک قطب الدین حسن کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ نظام الملک وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوا۔ اور ملک قراقش کو امیر حاجب بنایا گیا۔ جب نظام الملک اپنی مرضی کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دینے لگا تو دوسرے امیروں کو اس کی مطلق العنانی ایک آنکھ نہ بھائی' اور ان سب نے مل کر نظام الملک کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲ جمادی الاول ۶۴۰ھ کو چہار شنبہ کے دن نظام الملک کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ حیدر الملک نجم الدین ابو بکر وزیر الممالک مقرر ہوا اور غیاث الدین بلبن خورد امیر حاجب بنایا گیا' ناگور' سندھ اور اجمیر کے صوبوں کی حکمرانی بلبن بزرگ کو سونپی گئی۔ ملک تاج الدین کو بدایوں کی صوبہ داری دی گئی۔ اسی طرح باقی علاقوں کو بھی امراء نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اس تقسیم کا بڑا خوشگوار نتیجہ نکلا' حکومت کا انتظام بہتر طریقے پر ہونے لگا اور رعایا امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے لگی۔

التمش کے بیٹوں کی رہائی

انہیں ایام میں کڑہ سے اعزالدین طغا خان لکھنوتی آیا اور اس نے شرف الملک سنقری کو علاوالدین مسعود کی خدمت میں بھیجا' علاو الدین مسعود نے اودھ کے حاکم قاضی جلال الدین کاشانی کے توسط سے اعز الدین طغاخان کو چتر و لعل اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ علاو الدین نے اپنے دونوں چچاؤں ناصرالدین اور جلال الدین کو قید سے آزاد کیا اور ان کی بے حد عزت و تکریم کی ناصرالدین کو صوبہ بہرائچ کا اور جلال الدین کو قنوج کا حاکم مقرر کیا۔ التمش کے یہ دونوں بیٹے اپنے اخلاق اور نیک نیتی کی وجہ سے اپنے اپنے علاقوں میں ہردلعزیز اور بہت مقبول رہے

لکھنوتی پر مغلوں کا حملہ

۶۴۲ھ میں مغلوں کے لشکر نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ قیاس ہے کہ مغلوں نے اسی راستے سے سفر کیا ہو گا' کہ جس راہ سے محمد بختیار خلجی نے تبت اور ملک خطا کا سفر کیا تھا۔ علاو الدین مسعود نے ملک قرابیگ تیمور خانی کو جو ترکان خواجہ تاش میں سے تھا طغا کی امداد کے لیے لکھنوتی روانہ کیا۔ مغلوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی اس کے بعد طغا اور قرابیگ میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ بادشاہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے لکھنوتی کی حکومت قرابیگ کی سپرد کر دی اور طغاء کو دہلی واپس بلا لیا۔

علاو الدین کی بد کرداری

قندھار اور طالقان کی طرف سے مغلوں نے دوبارہ ۶۴۳ھ میں سندھ کے نواح پر حملہ کیا اور اوچھ کا محاصرہ کر لیا۔ علاوالدین نے اپنے

امیروں کو جمع کیا اور جلد از جلد اوچہ کی راہ لی۔ جب یہ لشکر دریائے بیاہ (بیاس) کی کنارے پر پہنچا تو مغل اوچھ کے قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ علاؤالدین کامیاب و کامران واپس دہلی آیا۔ دہلی واپس آکر علاو الدین کے کردار میں بہت سی ناگوار تبدیلیاں پیدا ہو گیں' بادہ خواری اور عیش کوشی نے علاو الدین کو عدل و انصاف کے احساس سے محروم کر دیا اور اسے ظلم و ستم اور جائدادوں کی ضبطی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ رہا۔ ان حرکات کی بنا پر حکومت کا سارا انتظام درہم و برہم ہو گیا اور سارے ملک میں فساد و فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ امراء نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے علاوالدین کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور اس کی معزولی کا تہیہ کر لیا۔

ان سرکش امراء نے علاؤ الدین کے چچا ناصرالدین محمود کے پاس ایک خفیہ قاصد بھیجا اور اس سے دہلی آنے کی درخواست کی۔ ناصرالدین محمود کو جب علاوالدین کے حالات کی خبر ہوئی اور اس نے امراء کو اپنی موافقت میں دیکھا تو فورا بہرائچ سے روانہ ہو گیا اور دہلی جا پہنچا۔ ۲۶ محرم ۶۴۴ھ کو امراء نے علاوالدین کو قید کر کے زنداں میں ڈال دیا اور ناصرالدین کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ کچھ دنوں بعد علاو الدین نے عالم اسیری ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس بادشاہ کی مدت حکومت چار سال اور ایک مہینہ ہے۔

ناصرالدین محمود

مورخین کا بیان ہے کہ حقیقت میں التمش کے بڑے لڑکے کا نام ناصرالدین تھا۔ اس بیٹے کا لکھنوتی میں انتقال ہوا' اور اس حادثے کے بعد التمش کے گھر میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا پیدا ہوا۔ التمش نے اپنے مرحوم فرزند اکبر کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے اس نومولود بیٹے کا نام بھی ناصرالدین رکھا۔ التمش کی آرزو پوری ہوئی اور ایک ایسا وقت آیا کہ اس کے بڑے بیٹے کی جگہ یہ چھوٹا بیٹا ناصرالدین محمود کے نام سے اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ التمش نے ناصرالدین کی تربیت اور تعلیم کی طرف بڑی توجہ کی۔ علاوالدین مسعود کے عہد حکومت میں ناصر بہرائچ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے غیر مسلموں سے بڑی جنگیں کیں اور اپنے صوبے کو خوب معمور اور آباد کیا۔ اس کے انصاف اور رعایا دوستی کی بڑی شہرت ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں اس نے بہت ہردلعزیزی حاصل کرلی۔

تخت نشینی

حکمرانی اور عدل و انصاف میں ناصرالدین کی قابلیت دہلی کے ہر امیر اور معزز شخص پر ظاہر ہو گئی۔ جب علاوالدین کی لاپرواہی اور ظلم و ستم کی وجہ سے امرائے سلطنت تنگ آ گئے تو انہوں نے ناصرالدین کو بہرائچ سے بلا کر تخت حکومت پر بٹھایا اور علاو الدین مسعود کو قید کر کے زنداں میں ڈال دیا۔ ناصرالدین نے اپنے باپ کی جگہ قصر سفید میں تخت حکومت پر جلوس کیا۔ یہ فرمانروا بہادری' عبادت و ریاضت اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے کبھی شاہی خزانے سے کوئی رقم نہیں لی۔ (وہ اپنے ذاتی محنت سے اخراجات کے لیے رقم پیدا کرتا تھا) وہ ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی دو نسخے لکھتا اور ان کے ہدیے سے جو کچھ حاصل ہوتا' وہ اسی میں گزر اوقات کرتا۔ ناصرالدین کو علماء اور صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی' وہ ان ہستیوں کی بڑی عزت و تعظیم کرتا تھا۔ اہل ہنر و فن کا وہ بہت قدر شناس تھا' اور ان کے مرتبے کے مطابق انہیں خلعت و انعام بخشتا۔ بہت سے شعراء نے اس کے تخت نشینی کے وقت مدحیہ قصائد نظم کیے اور (مناسب و معقول) انعام حاصل کیے۔ قاضی منہاج السراج جوزجانی مصنف "طبقات ناصری" نے بھی اس موقع پر ایک قصیدہ لکھا۔ جس کا مطلع یہ ہے

آں خداوندے کہ حاتم وبذل ورستم کوشش است
ناصر دنیاودین محمود ابن التمش است

انتظامات سلطنت

ناصرالدین کے عہد حکومت میں وزارت کا عہدہ التمش کے محبوب غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے سپرد کیا گیا۔ ناصرالدین نے بلبن کو خان اعظم الغ خاں کا خطاب عطا کیا اور چتر و دورباش سے نوازا' ناصرالدین حکومت کے تمام امور بلبن کی رائے سے انجام دیتا تھا۔ بلبن کے چچیرے بھائی شیر خان کو خان معظم کا خطاب دیا گیا اور اسے پنجاب اور ملتان کی صوبیداری دی گئی اس تقرر کا مقصد یہ تھا کہ شیر خان مغلوں کی ہنگامہ خیزیوں کے طوفان کی روک تھام کرے جو اس وقت کابل' قندھار' غزنی اور ہرات سے ہندوستان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے امڈا چلا آرہا تھا۔ خان معظم شیر خان نے اپنے فرائض کو بڑی خوبی سے سرانجام دیا اور بٹھیز اور بٹھنڈہ کی مضبوط و مستحکم قلعے تعمیر کرکے مغلوں کی روک تھام کی۔

بلبن کی نیابت

مورخین کا بیان ہے کہ جب ناصرالدین نے بلبن کو اپنا وزیر مقرر کیا تو تنہائی میں لے جا کر اس سے کہا میں نے تمہیں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور خدا کی مخلوق پر حکمران بنایا ہے۔ تم کبھی کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ مجھے خداوند تعالیٰ کے سامنے جوابدہ اور شرمندہ ہونا پڑے۔ بلبن نے نیابت کی کچھ ایسے مضبوط' سخت اور مستحکم اصول و قوانین بنائے کہ اصل اقتدار اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ امراء ارکان حکومت میں اتنی قدرت نہ رہی کہ وہ اس کے کاموں میں دخل دیتے۔'

ملتان پر حملہ

ماہ رجب سنہ جلوس میں ناصرالدین نے بلبن کی مشورے سے ملتان پر حملہ کیا اور یکم ذیقعدہ کو دریائے لاہور (راوی) کو پار کر کے آب سودرہ کے کنارے جا پہنچا۔ ناصرالدین خود تو یہاں ٹھہر گیا اور بلبن کو لشکر کا افسر بنا کر سندھ اور کوہ جود کی طرف روانہ کیا۔ بلبن نے کوہ جود اور اس کے آس پاس کے علاقے کو خوب جی بھر کر تباہ و برباد کیا اور لوٹا' نیز ان باغیوں اور کھکروں کو قتل کیا جنھوں نے پچھلے سال مغلوں کی راہنمائی کی تھی۔ ان مقتولوں کی بیویوں اور بچوں کو قید کر کے بلبن نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ فوج میں سامان رسد کی کمی کی وجہ سے ناصرالدین نے ملتان میں زیادہ دیر تک قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ وہ قدیم امراء جو قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے عہد سے ملتان اور لاہور کے جاگیردار تھے' صدق دل سے بادشاہ دہلی کے مطیع و فرمانبردار نہ تھے اور مغل لٹیروں کا مقابلہ پوری طاقت کے ساتھ نہ کر کے خود اپنے آقا کے ساتھ منافقت سے کام لیتے تھے۔ ناصرالدین نے بلبن کی مشورے سے ان تمام امراء کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کا تقرر کر کے ان معزول امراء کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ اس اقدام کی وجہ سے پنجاب کی سیاسی اور مالی حالت میں استحکام پیدا ہو گیا اور ناصرالدین کی حکومت کچھ عرصے کے لیے مستحکم ہو گئی

سکندر اعظم کا واقعہ

بعض قدیم تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سکندر نے دنیا کے اکثر علاقوں کو فتح کر کے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے بعض امراء اور ارکان سلطنت نے سکندر کے اس حکم کی مخالفت کی اور ہر شخص اپنے آپ کو خود مختار سمجھنے لگا۔ سکندر نے ان امراء کو سمجھانے اور سیدھے راستے پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر کار تھک کر سکندر نے سارا ماجرا لکھ کر اپنے استاد ارسطاطالیس کی خدمت میں ایک قاصد کے ہاتھ روم روانہ کیا اور اس حکیم فرزانہ سے ان امراء کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ ارسطاطالیس اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے (حسب معمول) سکندر کے ساتھ نہ تھا اور ان دنوں روم ہی میں مقیم تھا۔ ارسطاطالیس نے سکندر کے قاصد کی تمام گفتگو سنی۔ اس نے قاصد کو تو کوئی جواب نہ دیا البتہ اسے اپنے ساتھ لے کر ایک باغ میں آیا۔ ارسطاطالیس نے باغ کے مالی کو حکم دیا کہ وہ تمام بڑے اور پرانے درختوں کو جڑ سے کھود کر پھینک دے اور ان کی جگہ نئے اور چھوٹے پودے نصب کر دے۔ جب مالی اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو ارسطاطالیس اپنے گھر واپس آگیا اور سکندر کا قاصد اس سے رخصت ہو کر اپنے مالک کے پاس آیا۔ اس نے سکندر سے کہا میں نے آپ کا پیغام ارسطاطالیس تک پہنچا دیا تھا' لیکن اس نے بغیر کوئی جواب دیے مجھے واپس کر دیا ہے۔ سکندر فوراً سمجھ گیا کہ ارسطاطالیس نے اس قاصد کو گفتگو کے قابل نہیں سمجھا اور خط کا جواب تحریری طور پر نہیں دیا۔ سکندر نے اس قاصد سے پوچھا' جب تو نے اس تک پیغام پہنچایا تو اس کے بعد ارسطاطالیس نے کوئی کام بھی کیا یا نہیں؟ قاصد نے جواب دیا' جب میں نے آپ کا پیغام ارسطاطالیس کو سنایا تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک باغ میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر حکیم نے مالی کو پرانے درخت اکھاڑ پھینکنے اور نئے پودے لگانے کا حکم دیا۔ مالی جب اپنے کام میں مصروف ہوا تو حکیم نے بھی اس کا

ساتھ دیا۔ اس کے کچھ لمحوں بعد حکیم اپنے گھر واپس آ گیا اور مجھے بغیر کوئی جواب دیئے ہوئے واپس کر دیا۔ سکندر نے اس قاصد سے کہا' اے بندہ خدا حکیم نے میرے سوال کا بڑا معقول جواب دیا ہے' یہ دوسری بات ہے کہ تو کچھ نہیں سمجھا۔ سکندر نے اپنے استاد کی متذکرہ فعل کے اصل راز کو سمجھ کر سرکش اور نافرمان امراء کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کا تقرر کر کے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہو گیا۔

راجہ دکمی ملکی پر حملہ

۲ شعبان ۶۴۵ھ کو ناصرالدین محمود نے دوآب کے علاقے کا سفر کیا۔ اور بڑی محنت و ہمت نبرتھ (قنوج) کا قلعہ فتح کر لیا۔ اسی سال ۱۰ ذیقعدہ کو ناصرالدین نے کڑہ کی طرف توجہ کی اور بلبن کو اپنے لشکر کا پیشرو بنا کر روانہ کیا۔ خان اعظم بلبن نے دکمی ملکی کے دیہاتوں کو خوب جی بھر کر لوٹا اس راجہ سے بلبن کی کئی جنگیں ہوئیں جن میں بلبن کو فتح ہوئی۔ بلبن اپنی حریف کے ملازموں اور اولاد کی ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر کے واپس آ گیا۔ بلبن اس علاقے سے بے شمار مال و دولت بھی لایا جو اس نے ناصرالدین محمود کی خدمت میں پیش کیا۔ دکمی ملکی ایک راجہ کا نام ہے جس کی حکومت دریائے جمنا کے کنارے کے علاقے میں تھی۔ اس راجہ نے پچھلے جھگڑوں اور لڑائیوں میں بادشاہی تھانوں کو تباہ کر کے کالنجر اور کڑے سے لے کر مالوہ تک کی تمام علاقے کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

۲۶ شعبان ۶۴۰ھ کو ناصرالدین محمود نے بلبن کو رنتھنبور اور کوہ پایہ میوات کے علاقوں کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ بلبن نے ان علاقوں کی سرکشوں کو شکست دی اور بہت سامال اور دولت لے کر واپس ہوا یہ سب مال اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس زمانے میں خان اعظم بلبن کے بھائی ایبک کشلی خان کو امیر حاجب بنایا گیا۔ ایاز ریحانی وکیل السلطنت مقرر ہوا اسی سال ناصرالدین کا بھائی جلال الدین اپنی جاگیر سے دہلی آیا اور بادشاہ سے خوفزدہ ہو کر کوہ جیتور کی طرف بھاگ گیا۔ ناصرالدین نے اپنی بھائی کا تعاقب پہاڑ کے دامن تک کیا۔ ناصرالدین سات آٹھ مہینے اس علاقے میں رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ کامیاب ہونا مشکل ہے تو وہ مجبوراً دہلی واپس آ گیا۔ اسی سال ناصرالدین نے قاضی عمادالدین سنقور خانی سے بدگمان ہو کر اسے قضا کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اور پھر قاضی عمادالدین ریحانی کے اکسانے پر اسے قتل کروا دیا۔

ملتان پر حملہ

ناصرالدین نے ۶۴۷ھ میں بلبن کی بیٹی سے شادی کی اور اس سے اگلے سال ۶۴۸ھ میں ملتان پر حملہ کیا۔ حاکم ملتان و لاہور شیر خان دریائے بیاس کی کنارے ناصرالدین کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ۶ ربیع الاول ۶۴۸ھ کو ناصرالدین ملتان پہنچا۔ کچھ دنوں بعد ناصرالدین نے ملک اعزالدین بلبن بزرگ صوبیدار ناگور اور اوچہ کو اس طرف روانہ کیا اور خود واپس آ گیا۔ ۶۴۹ھ میں ملک اعزالدین نے بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بالائے طاق رکھا اور علم سرکشی بلند کیا اور خود واپس آ گیا۔ ۶۴۹ھ میں ملک اعزالدین کی سرزنش کے لیے ناگور روانہ ہوا۔ اعزالدین بادشاہ کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور امان کا طالب ہوا۔ اعزالدین نے ناصرالدین سے اپنی بداعمالی کی معافی مانگی بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی حکومت بحال کر کے واپس دہلی کامران و کامیاب آیا۔

جاہر دیو سے مقابلہ

ناصرالدین نے ۵ شعبان ۶۴۹ھ کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ قلعہ ترور پر حملہ کیا۔ جاہر دیو نے اس زمانے میں پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ تعمیر کر رکھا تھا' وہ پانچ ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی فوج لے کر ناصرالدین کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں ایک زبردست جنگ ہوئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ ناصرالدین نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور کچھ ہی دنوں میں اسے فتح کر لیا۔ یہاں سے بادشاہ نے چندیری اور مالوہ کے علاقے کا رخ کیا اور وہاں نامی گرامی امیروں کو مقرر کر کے واپس آیا۔ اس معرکے میں خان اعظم نے مردانگی و بہادری

کے بڑے جوہر دکھائے۔ اس واقعے کے بعد خان اعظم کے چچیرے بھائی شیر خاں نے جو اپنی سخاوت، بہادری اور عقلمندی کے لیے بہت مشہور تھا، غزنی کو مغلوں کے قبضے سے نکال لیا اور وہاں بھی ناصرالدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اس کے بعد شیر خان نے بادشاہ کے حسب الحکم ملتان اور اوچہ پر لشکر کشی کی۔ ملک اعزالدین بلبن میں بغاوت کے اور سرکشی کے آثار پائے جاتے تھے، لیکن وہ شیر خان کے رعب داب سے خائف ہوگیا، اور مجبوراً ناگور سے اوچہ آیا اور بغیر کسی حیل وحجت اور مزاحمت کے اس نے قلعہ شیر خان کے سپرد کر دیا اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا ناصرالدین نے اسے بدایوں کا حاکم مقرر کر دیا

خان اعظم کا ہانسی میں قیام

۲۲ شوال ۶۵۰ھ کو ناصرالدین لاہور کے راستے سے ملتان اور اوچہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تو سہوان سے سنقر قتلغ خان اور بدایوں سے ملک اعزالدین بلبن بزرگ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بادشاہ سے آملے۔ ۶۵۱ھ کی ابتداء میں عماد الدین ریحانی نے خان اعظم کی غیر موجودگی میں بعض درباری امراء سے سازش کر کے خان اعظم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔ جب ریحانی اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہوا تو پھر اس نے خان اعظم کی غیر موجودگی کا یہ فائدہ اٹھایا کہ بادشاہ سے اس کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس نے ناصرالدین کے کان خوب بھرے اور خان اعظم کے خلاف اسے اکسایا اور یہ باور کروایا کہ خان اعظم کا اپنی جاگیر ہانسی میں قیام کرنا ہر لحاظ سے موزوں اور مناسب ہے۔ ناصرالدین (عمادالدین ریحانی کے داو میں آگیا اور اس) نے خان اعظم کو دہلی کی سکونت چھوڑ کر ہانسی میں قیام کرنے کا حکم دیا (خان اعظم کو مجبوراً حکم شاہی کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ ہانسی چلا گیا) اس کے جاتے ہی عمادالدین خوب کھیل کھیلا اس نے مختلف امراء اور منصب داروں کو دق کرنا شروع کیا۔ جنھیں خان اعظم سے تھوڑا بہت بھی تعلق تھا اور ان کے عہدوں میں تبدیلیاں بھی کیں

عمادالدین ریحانی نے ایبک کشلی خان کو کڑا مانک پور کا صوبہ دار مقرر کر کے وہاں بھجوا دیا، اور عین الملک جنیدی کو جو کچھ عرصے سے دہلی میں قیام پذیر تھا، وزیر المملک مقرر کیا۔ امیر اعزالدین کشلو خان کو امیر حاجب کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ عماد الدین ریحانی نے دہلی پہنچ کر بادشاہ کی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ ماہ شوال کی ابتدا میں ناصرالدین نے دہلی سے دریائے بیاس کے کنارے کے علاقوں کا سفر کیا۔ (اس زمانے میں) چونکہ شیر خان ریحانی سندھی باغیوں سے شکست کھا چکا تھا اس لیے بادشاہ نے عماد الدین کی باتوں میں آکر اس طرف دن کو روانہ کیا اور بٹھنڈہ، اوچہ اور ملتان کے قلعوں کو شیر خان کے قبضے سے نکال کر ارسلان خان کے حوالے کیا۔ اس زمانے میں ملک اعزالدین کیتھل اور کہرام کے باغی اور مجنون زمینداروں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اعزالدین کا انتقام لینے کے لیے ناصرالدین نے کہرام پر حملہ کر دیا اور اس کے قاتلوں کو سخت سزائیں دے کر بدایوں کی طرف روانہ ہوا کچھ روز بدایوں میں قیام کرنے کے بعد ناصرالدین واپس آگیا۔

عماد الدین ریحانی کی برطرفی

ناصرالدین کے دہلی پہنچنے پر ہندوستان کے مشہور علاقوں بدایوں، لاہور کڑہ، سوالک، سرہند، سنام اور ناگور وغیرہ کے حاکموں نے باہمی اتفاق سے خان اعظم کو یہ لکھا کہ عماد الدین ریحانی کے حد سے بڑھے ہوئے ظلم و ستم کی وجہ سے حکومت کا سارا نظام بگڑ کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں یہی مناسب ہے کہ آپ دہلی آئیں اور پہلے کی طرح حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ خان اعظم نے امراء کی یہ درخواست قبول کر لی اور ہانسی سے دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور خان اعظم ہانسی سے نکلا اور ادھر یہ تمام امراء اس سے ملاقات کرنے کے لیے اپنی اپنی جاگیروں سے نکل کر کہرام کے نواح میں جمع ہوئے۔ عمادالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ناصرالدین کو باخبر کیا اور اس کے ساتھ ان امیروں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جب ناصرالدین ہانسی کے قریب پہنچا تو خان اعظم اور دوسرے امراء

نے یہ پیغام بھجوایا۔ "ہم تمام امراء آپ کے وفادار خادم اور غلام ہیں' اگر آپ کے ساتھ عمادالدین نہ ہو تو ہم سب بارگاہ سلطانی میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گے۔" ناصرالدین نے اسی وقت عمادالدین ریحانی کو وکالت کے عہدے سے معزول کر کے بدایوں کی صوبہ داری کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد تمام امراء ناصرالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہانہ نوازشات سے بہرہ اندوز ہوئے۔

ملک جلال الدین خانی جو بادشاہ کے ترکی مصاحبوں میں سے تھا' لاہور کا امیر مقرر کیا گیا اور شیر خاں کو حسب سابق دیبال پور' ملتان' بٹھنڈہ اور اس کے نواح کی امارت عطا کی گئی۔ ناصرالدین کامیاب و کامران دہلی واپس آیا (خان اعظم بھی اس کے ساتھ آیا) خان اعظم کے دہلی آ جانے کی وجہ سے دہلی کے باشندے بہت خوش ہوئے۔

باغی امراء کی سرکوبی

۶۵۴ھ میں ناصرالدن اپنی ماں ملکہ جہاں سے جس نے قتلغ خان سے شادی کر لی تھی ناراض ہوگیا۔ اس نے قتلغ خاں کو اودھ کا جاگیردار بنا کر دہلی سے رخصت کر دیا۔ کچھ عرصے بعد قتلغ خاں کو بہرائچ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ منصب کی اس تبدیلی کی بنا پر قتلغ خاں نے علم بغاوت سربلند کیا۔ اس سلسلے میں چند دوسرے امراء عمادالدین ریحانی اور ملک اعزالدین کشلی خاں وغیرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ ناصرالدین نے قتلغ خاں کی سرکوبی کے لیے خان اعظم کو اور عمادالدین ریحانی کی سرکوبی کے لیے ملک تاج الدین ترک کو روانہ کیا۔ عمادالدین جنگ میں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور بعد میں قتل کیا گیا اور قتلغ خاں' خان اعظم کے مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہوگیا اور جیتپور میں پناہ گزین ہوا۔ خان اعظم اس کے علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس آگیا۔

کشلی خاں اور قتلغ خاں کی سرگرمیاں

جیتپور کے حاکم راجہ دیپال نے ۶۵۵ھ میں قتلغ خاں کی امداد کی اور قتلغ خاں ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے سندھ کے حاکم کشلی خاں کے پاس گیا۔ یہ دونوں امیر آپس میں مل کر کہرام اور سمانہ کے نواح میں پہنچے اور ملک کے امن و امان میں رخنہ اندازی شروع کر دی۔ ناصرالدین نے اعزالدین حاجب کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان امیروں کے مقابلے پر روانہ کیا۔ جب فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دہلی سے اکابرین شہر حضرت شیخ الاسلام قطب الدن اور قاضی شمس الدین بہرائچی وغیرہ نے قتلغ خاں کو خفیہ خطوط لکھے اور انہیں دہلی پہنچ کر شہر پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ الغ خاں کو ان امراء کی مکاری کا پتہ چل گیا اور اس نے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کر دیا۔ ناصرالدین نے فوراً ان امراء کو اپنی اپنی ریاستوں میں واپس چلے جانے کا حکم دے دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ناصرالدین نے ان سب لوگوں کو قید میں ڈال دیا۔ ان تمام حالات کی قتلغ خاں اور کشلی خاں کو کوئی خبر نہ ہوئی اور وہ ناواقفیت کے عالم میں دہلی روانہ ہوگئے اور زمانے کی رفتار سے بے نیاز ہو کر صرف دو دن میں سمانہ سے دہلی جا پہنچے۔ ان دونوں نے جب دہلی پہنچ کر یہ دیکھا کہ ان کے ہمدرد اور بہی خواہ وہاں موجود نہیں ہیں تو ان کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ کشلی خاں نے سندھ کا راستہ لیا اور پھر خاں اعظم کی سفارش سے دوبارہ اپنی جاگیر پر بحال ہوا' لیکن قتلغ خاں کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلا گیا۔

مغلوں کا حملہ

۶۵۵ھ کے آخر میں مغلوں کے ایک لشکر نے اوچھ اور ملتان کے علاقوں پر حملہ کیا ناصرالدین نے اس حملے کا سدباب کرنے کے لیے سراپردہ سرخ کو باہر لانے کا حکم دیا۔ چار ماہ بعد جب لشکر جمع ہو گیا تو بادشاہ منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا (اس کے پہنچنے سے پہلے ہی) مغلوں کی فوج بغیر جنگ کیے ہوئے واپس چلی گئی لہٰذا ناصرالدین بھی دہلی واپس آگیا۔ ناصرالدین نے شیر خان کو پنجاب کا حاکم بنایا اور لکھنوتی کی حکومت ملک جلال الدین خانی کے سپرد کی۔ ۶۵۶ھ میں بادشاہ نے کڑہ مان پور کا سفر کیا۔ ارسلان خاں اور قلیچ خاں نے اس علاقے میں علم سرکشی بلند کر رکھا تھا اور باوجود طلبی کے ناصرالدین کے سفر ملتان میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بار وہ (اپنی ناشائستہ حرکات

سے باز آگئے اور) باقاعدہ حلف اٹھا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارسلان خاں کو لکھنوتی اور قلیج خاں کو کوہ پایہ کی حکومت دی گئی۔ ۶۵۷ھ میں خان اعظم کے بھائی کشلی خاں کو بیانہ، کول جالیسرا اور گوالیار کی حکومت دی گئی۔ اسی سال بادشاہ کے لیے لکھنوتی سے دو زنجیر ہاتھی اور بے شمار جواہرات اور کپڑے آئے۔ ملک اعزالدین کشلی خاں نے اسی سال داعی اجل کو لبیک کہا۔

کوہ پایہ، رنتھنبور اور سوالک پر لشکر کشی

۶۵۷ھ میں بادشاہ کے حکم سے خان اعظم نے کوہ پایہ رنتھنبور اور سوالک پر حملہ کیا۔ میوات اور سوالک کے راجہ نے بے شمار لشکر جمع کیا اور دشوار گزار راستوں پر بادشاہی لشکر مقابلے پر آئے الغ خاں نے ان باغیوں اور سرکشوں کو بہت آڑے ہاتھوں لیا اور بڑے غیظ و غضب و سختی سے کام لے کر ان کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ ان دروں اور کھنڈروں میں بھی پہنچا کہ جہاں غیر مسلموں نے پناہ لے رکھی تھی۔ خان اعظم نے تقریباً تین چار ماہ تک ان غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی جاری رکھی لیکن دشمن کے تمام "پناہ گزین مقامات" کو فتح نہ کیا جا سکا۔ خان اعظم نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص کسی دشمن کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا اسے دو تنکے (اس زمانے کا ایک سکہ) انعام دیئے جائیں گے اور اگر کوئی دشمن کا سر لائے گا تو اسے ایک تنکہ دیا جائے گا۔ اس حکم کے سنتے ہی فوج میں ایک نیا جوش اور نئی حرارت پیدا ہو گئی۔ ہر روز تقریباً تین چار سو فوجی دشمن کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لاتے اور خان اعظم سے انعام پاتے۔ دشمن خان اعظم کے اس طریق کار سے بہت ہراساں ہوئے۔ انہوں نے مجبوراً دروں اور کھنڈروں سے سر نکالا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہوئے۔ خان اعظم نے بھی ان غیر مسلموں کے مقابلے پر اپنی فوج کو مرتب کیا اور لشکر کا میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب درست کر کے لڑائی میں مصروف ہو گیا۔ خان اعظم نے صبح سے شام تک معرکہ آرائی کی۔ اگرچہ کئی ترکی سردار اس معرکہ آرائی میں کام آئے، لیکن فتح خان اعظم ہی کو حاصل ہوئی اور اس نے دشمن کے اڑھائی سو (۲۵۰) امراء اور سرداروں کو زندہ گرفتار کیا۔ خان اعظم نے رنتھنبور کے قلعے کو دشمن کے محاصرے سے آزاد کروایا اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ واپس دہلی لوٹا۔ بادشاہ کے سامنے خان اعظم نے پابہ زنجیر قیدیوں کو پیش کیا۔ ناصرالدین نے اس گروہ کے قتل کا حکم دیا اور ان سب کو دہلی کے بازار میں مختلف طریقوں سے قتل کیا گیا۔

ہلاکو خاں کے سفیر کی آمد

ماہ ربیع الاول ۶۵۷ھ میں ہلاکو خاں کا ایک قاصد دہلی آیا۔ خان اعظم نے اسے حکومت کی قوت اور طاقت سے باخبر کرنے کے لیے پچاس ہزار (۵۰) ہزار مسلح عربی، ایرانی، ترکی، خلجی اور افغانی سواروں، دو لاکھ پیادوں، لڑائی کے سامان سے لدے ہوئے دو ہزار ہاتھیوں اور تین ہزار آتش بازی کے عدادوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر پہنچ کر اس کا استقبال کیا۔ طبل و دہل کی آواز، صدائے نفیر، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لشکر کی کڑک دمک سے سارا میدان گونج اٹھا۔ فوج کو مناسب طور ترتیب دینے کے بعد خان اعظم کچھ دور آگے بڑھا اور ہلاکو خاں کے قاصد کو اپنے ساتھ لے کر لشکر کی صفوں، گھوڑوں، ہاتھیوں اور بہادران لشکر کا نظارہ کراتا ہوا اس قاصد کو ناصرالدین کے سامنے قصر سفید میں لایا۔ اس دن بادشاہ کا محل سونے اور چاندی کے سامان سے سجایا گیا تھا۔ معززین و امرائے سلطنت، سادات و مشائخ، وہ پچیس (۲۵) شہزادے جو چنگیز خاں کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے اپنے وطنوں سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے اور ہندی رائے اور رائے زادے بڑے ادب کے ساتھ دست بستہ شاہی تخت کے سامنے کھڑے تھے۔

ناصرالدین کا کردار

نظام الدین احمد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان ناصرالدین ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن شریف کے دو نسخے کتابت کرتا تھا۔ ان کا جو ہدیہ ملتا تھا اس سے وہ اپنے کھانے پینے کا سامان کرتا تھا۔ ایک بار ایک امیر نے بادشاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف کو معمول سے زیادہ ہدیہ پر لیا، بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس کے لکھے ہوئے قرآن خفیہ طور پر عام اور رائج

الوقت قیمت پر ہدیہ کیے جائیں۔ ناصرالدین کے گھر میں اس کی بیوی کے علاوہ' کوئی خادمہ یا کنیز وغیرہ نہ تھی جو گھر کا کام کاج کرتی۔ ملکہ بیچاری خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی اور گھر کے دوسرے کام انجام دیتی۔ ایک روز ملکہ نے ناصرالدین سے کہا روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں سوزش ہوگئی ہے اگر اس کام کے لیے کوئی لونڈی خرید لیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ناصرالدین نے ملکہ کو جواب دیا "سرکاری خزانہ پر صرف رعایا کا حق ہے۔ مجھے اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنے ذاتی آرام و آسائش کے لیے اس میں سے کچھ روپیہ لے کر ایک لونڈی اپنے لیے خریدوں۔ تمہیں دنیاوی تکلیفوں پر صبر کرنا چاہیے خدا اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں دے گا۔"

ناصرالدین کا اخلاق

ایک روز ایک فقیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت بادشاہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا اس فقیر کی نظر قرآن شریف کے ایک ایسے صفحے پر پڑی جہاں "فیہ فیہ" دوبارہ لکھا ہوا تھا اس فقیر نے بادشاہ سے کہا۔ "اس جگہ ایک "فیہ" زیادہ لکھا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت قلم دوات لیکر ایک "فیہ" کے گرد حلقہ کھینچ دیا اور اس فقیر کو اس کی حاجت روائی کے بعد رخصت کر دیا۔ جب یہ شخص چلا گیا تو ناصرالدین نے قلم تراش لے کر یہ حلقہ جو ابھی ابھی بنایا تھا' لفظ "فیہ" سے مٹا دیا۔ ایک غلام پاس ہی کھڑا ہوا تھا' اس نے یہ تمام منظر دیکھا تھا' لہٰذا اس نے ناصرالدین سے پوچھا۔ "ایک دفعہ حلقہ کھینچنے اور دوسری بار اسے مٹا دینے میں کیا مصلحت ہے۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "وہ شخص جس نے "فیہ" کی تکرار پر اعتراض کیا تھا' ایک فقیر تھا اور میرے پاس ایک ضرورت کی وجہ سے آیا تھا' میں اگر اس کے اعتراض کی تردید کرتا تو وہ نادم ہو کر' بغیر اپنی ضرورت پوری کیے یہاں سے چلا جاتا۔ اس لیے میں نے اس کی موجودگی میں حلقہ کھینچ دیا اور جب وہ چلا گیا تو میں نے یہ حلقہ مٹا دیا دنیا میں غبار دل دور کرنا مشکل ہے لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔"

طہارت نفس

کہا جاتا ہے کہ ناصرالدین کے ایک مصاحب کا نام محمد تھا' بادشاہ اسے ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک روز ناصرالدین نے اس مصاحب کو "تاج الدین" کہہ کر آوازی دی۔ اس مصاحب نے اس وقت تو بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی لیکن بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور تین روز تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ ناصرالدین نے اس مصاحب کو طلب کیا اور اس کی غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے جواب دیا "آپ ہمیشہ مجھے محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے' لیکن اس دن آپ نے خلاف معمول تاج الدین کہہ کر پکارا میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے میں تین روز تک آپ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوا اور یہ سارا وقت انتہائی پریشانی اور بے چینی کے عالم میں بسر کیا۔" بادشاہ نے قسم کھا کر کہا "میں ہرگز ہرگز تم سے بدگمان نہیں ہوں' لیکن میں نے جس وقت تم کو تاج الدین کے نام سے پکارا تھا اس وقت میں باوضو نہ تھا مجھے یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ بغیر وضو محمد کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں۔"

۶۶۳ھ میں ناصرالدین بیمار ہوا اور ۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ھ کو اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اس کی مدت حکومت ۲۲ (بائیس) سال سے کچھ زیادہ ہے۔

غیاث الدین بلبن

غلامانہ زندگی

غیاث الدین کا تعلق ترکوں کی قراختائی نسل اور البری قبیلے سے تھا اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا۔ مغل جب فتح و کامرانی کی دھومیں مچاتے ہوئے ترکستان پہنچے تو (دوسروں کی طرح) بلبن کو بھی ایک مغل نے گرفتار کرلیا۔ اس مغل نے بلبن کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا' یہ سوداگر اسے اپنے ساتھ بغداد لے آیا اور یہاں کے مشہور و معروف بزرگ دین خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کا تعلق بھی اسی نسل سے ہے کہ جس نسل سے ہندوستان کے نامی گرامی بادشاہ التمش کا تھا' تو وہ گراں قدر انعام کی توقعات کے ساتھ اسی سال بلبن کو ساتھ لے کر عازم ہندوستان ہوا۔ دہلی پہنچ کر خواجہ جمال نے التمش کی خدمت میں چند ترکی النسل غلام پیش کیے بلبن بھی ان غلاموں میں شامل تھا۔ التمش نے ان سب غلاموں کو بڑی بڑی قیمتوں پر خرید لیا اور خواجہ جمال شاہی انعامات سے سرفراز ہو کر واپس بغداد چلا گیا۔

بلبن بارگاہ التمش میں

التمش نے بلبن کے چہرے سے اس کی آیندہ عظمت اور بلند اقبالی کا اندازہ کر کے اسے اپنا بازدار خاصہ مقرر کیا۔ بلبن کی قسمت کا ستارہ چمکنے لگا اور اس نے التمش کے دل میں گھر کرنے کے بعد اپنے بھائی کشیل خاں کو بھی پہچان لیا۔ اپنے باقتدار بھائی کو پہچاننے کے بعد التمش کے دربار میں بلبن کی عزت و وقعت پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی۔ سلطان رکن الدین کے زمانے میں بلبن تمام ہندوستانی ترکوں کا امیر اعلیٰ بن کر پنجاب کے مشہور باغیوں اور سرکشوں کا سردار اعلیٰ رہا۔ رضیہ سلطانہ کے زمانے میں جب ترک دہلی کے آس پاس کے علاقے میں پہنچ کر باہمی مناقشات میں مبتلا ہوئے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے تو شاہی فوج نے ان سب کو قید میں ڈال دیا ان ترکوں میں بلبن بھی شامل تھا۔ کچھ ہی عرصے بعد بلبن نے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور میرشکار کے عہدے پر سرفراز ہوا۔

بلبن کا ماضی۔ مستقبل کا اشاریہ

معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں بلبن نے بڑی ترقی کی اور میرشکاری کے عہدے سے ترقی کر کے وہ امیر آخور کے منصب اعلیٰ پر فائز ہوا۔ بلبن کی زندگی کے ہر رخ میں اس کے مستقبل کی طرف کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور تھا۔ اس کے داخل زنداں ہونا ایک سبق تھا جو اسے ابتدا ہی میں پڑھا دیا گیا تھا۔ اس سے بلبن پر یہ ظاہر ہوگیا کہ صاحب حکومت ہو کر دوسروں کی تکالیف کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ میرشکاری کے عہدے پر سرفراز ہونے سے اسے یہ معلوم ہوگیا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ دنیا اس کے دام سیاست میں شکار ہوگی۔ امیر آخوری کا منصب یہ ظاہر کرتا تھا کہ ایک دن یہ شہسوار حکمرانی کے میدان میں اپنی تیز رفتاری کے جوہر دکھائے گا۔

جاگیرداری

بلبن امیر اخوری کے منصب پر کچھ ہی دنوں سرفراز رہا تھا کہ اس کی قسمت کے تابندہ ستارے نے بدر رومی امیر حاجب کے دل میں گھر کیا۔ بدر رومی کی توجہ اور سفارش سے بلبن کا نام بھی بہرامی امراء کے فہرست میں داخل ہوگیا اور ہانسی اور رواڑی کے علاقے اسے جاگیر میں ملے۔ بلبن نے اپنی جاگیر میں پہنچ کر ان سرکش اور باغی میواتیوں کو سیدھا راستہ دکھایا جو دارالسلطنت پر حملے کر کے لوٹ مار اور

تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا کرتے تھے۔ ان غیر مسلم سرکش میواتیوں کو شکست دینے کے بعد بلبن کی بہادری اور شجاعت کا ڈنکہ بجنے لگا اور سارے ملک میں اس کی بڑی شہرت ہوئی۔

امیر حاجبی اور وزارت

جب حکومت بہرام کے ہاتھوں میں آئی تو یہ عہد مسعود بلبن کے لیے بڑا مبارک ثابت ہوا ۶۴۲ھ میں بلبن کو امیر حاجب مقرر کیا گیا۔ اس اعلیٰ مرتبے پر پہنچ کر بلبن سلطنت کے کاموں کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا۔ ناصرالدین محمود کے عہد میں بلبن نے مزید ترقی کی اور امیر حاجب کے منصب سے بڑھ کر وزارت کے عہدہ جلیلہ تک جا پہنچا' اس عہد میں بلبن کا اقتدار انتہائی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ التمش کے خاندان کی حکومت کے اس آخری دور میں بلبن کا اثر و اقتدار سارے ملک پر ایسا چھایا کہ ناصرالدین محمود صرف نام کا بادشاہ تھا اور اصل حکمرانی اور اقتدار کی باگ ڈور بلبن کے ہاتھ میں تھی۔

تخت نشینی

ناصرالدین محمود کا مبارک دور جب ختم ہوا تو بلبن بغیر کسی روک ٹوک کے بادشاہ بن گیا۔ اس کی تخت نشینی کی رسوم قصر سفید تخت شاہی پر عمل میں آئیں۔

مؤرخین اسلام نے غیاث الدین کے علاوہ دو چار دیگر ترکی امیروں اور سرداروں کے نام کے ساتھ "بلبن" کا لفظ لکھا ہے۔ لفظ "بلبن" کی اس عمومیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نام غیاث الدین ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ترکوں کے کسی گروہ کا خاندانی نام ہے۔

ترکان چہل گانی

التمش کے چالیس نازوں سے پالے ہوئے غلام بہت مشہور تھے اور انہیں لے پالک بیٹوں کے گروہ کو "ترکان چہل گانی" کہا جاتا ہے۔ جب التمش کا انتقال ہوا تو ترکوں کا یہ گروہ آپس میں مل کر بیٹھا' سب نے ایک دوسرے کی مدد اور محبت کی قسمیں کھائیں اور ہندوستان کی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا' اس کے بعد یہ گروہ "ترکان خواجہ تاش" کے نام سے مشہور ہوا۔ ان "سیاسی بھائیوں" کے اتحاد و اتفاق کی گاڑی کچھ زیادہ دن نہ چلی اور کچھ ہی عرصے میں ان میں سے ہر ایک غرور و تکبر کے نشے میں سرشار ہو کر خود پرست و خود مست نظر آنے لگا۔ اس گروہ میں سے غیاث الدین بلبن نے بڑا اقتدار حاصل کیا اور باقی سب پر غالب آگیا۔

بلبن نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے اپنے ان خواجہ تاش رقیبوں کا تیاپانچہ کیا اور اس گروہ میں سے جس کو جہاں بھی سر اٹھاتے دیکھا وہیں اس کو دبا دیا۔ بلبن کی دست درازیوں نے بہت طول کھینچا یہاں تک کہ اس کا چچیرا بھائی سردار شیر خاں جو "ترکان چہل گانی" کا ایک معزز رکن تھا' بلبن کی روش احتیاط کا شکار ہوا اور زہر دے کر اسے ہلاک کر دیا گیا۔ حریفوں اور دشمنوں سے ملک کو پاک کرنے کے بعد بلبن نے حکومت کے انتظامی امور کی طرف توجہ کی اور کچھ ہی عرصے میں اس نے سارے ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کی عظمت اور شان و شوکت یہاں تک بڑھی کہ عراق' خراسان' اور ماوراء النہر کے حکمرانوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی اور خلوص کا رشتہ استوار کیا۔

بلبن کی بلند نظری

بلبن ایک باشعور' سمجھدار ہوشیار اور صاحب وقار حکمران تھا۔ اس کے ہر حکم میں عقلمندی اور سنجیدگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ سلطنت کے اہم امور' قابل اور موزوں افراد کے سپرد کرتا تھا۔ نااہل لوگ اس کے دربار کے پاس سے بھی نہ گزرتے تھے۔ اسے جب تک لوگوں کی قابلیت' ایمانداری' معقولیت' پرہیزگاری اور پختہ کاری کا تجربہ و اندازہ نہ ہو جاتا تھا وہ اس وقت تک کوئی اہم کام ان کے سپرد نہ کرتا تھا۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ اسے اعمال کی عالی خاندانی اور شرافت نسبی کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔ اس کے مقرر کردہ عمال

اور صوبہ داروں میں دوں فطرت اور پست طبیعت لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ سب سے پہلے تو تقرری کے وقت ہی عاملوں اور صوبہ داروں کی نیک نیتی اور پرہیزگاری کو جانچ لیا جاتا تھا' لیکن اگر اس ابتدائی جانچ پڑتال میں کچھ کمی رہ جاتی اور بعد کو اس عامل یا صوبہ دار کی بددیانتی یا بدنسبی کا کوئی ثبوت مل جاتا تو فوراً اس کو اس عہدے سے برخاست کر دیا جاتا۔ بلبن نے غیر مسلموں کو کبھی کوئی ذمہ داری کا عہدہ نہیں دیا اس کا خیال تھا کہ غیر مسلم حاکموں کی وجہ سے مسلمان رعایا کو تکلیف پہنچے گی۔ بلبن نے اپنے تمام عہد حکومت میں جو بائیس سال کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے کبھی ارباب لہو ولعب سے بات چیت نہیں کی (اور نہ انہیں منہ لگایا) اس کی بارگاہ تک ایسے لوگوں کا پہنچنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

کردار کی بلندی کا ایک واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ بلبن کے زمانے میں ایک رئیس تھا جس کا نام فخروبائی تھا۔ یہ شخص بڑا صاحب اقتدار تھا اور اس نے ایک عرصے تک بلبن کی خدمت کی تھی۔ بلبن نے اپنی عادت کے مطابق فخرو سے کبھی بات چیت نہ کی تھی۔ فخرو نے درباریوں کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا کہ اگر بادشاہ اس سے گفتگو کرے تو فخرو اس کے معاوضے میں دولت اور جنس کی ایک بڑی مقدار نذرانے کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ جب درباریوں نے فخرو کا معروضہ بلبن کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے جواب دیا۔ "فخرو اگرچہ بہت بڑا دولتمند ہے لیکن وہ ایک بازاری شخص ہے اور بازاریوں ہی کا سردار ہے ایسے شخص سے بادشاہ کا بات چیت کرنا اس کے رعب داب اور وقار کے منافی ہے اور رعایا کے دلوں میں بادشاہ کا سچا احترام باقی نہیں رہتا۔

بیرونی شاہزادوں کی آمد

شیخ عین الدین بیجاپوری ملحقات طبقات ناصری میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے لیے یہی ایک بات کیا کم موجب فخر ہے کہ ان بادشاہوں اور حکمرانوں کے علاوہ جو بلبن کے عہد حکومت سے پہلے ہی ہندوستان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ پندرہ اور شہزادے ترکستان' ماوراء النہر' خراسان' عراق' آذربائیجان' فارس' روم اور شام وغیرہ مختلف ممالک سے چنگیزخاں کی ہنگامہ خیزیوں سے تنگ آکر دہلی میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ سب شہزادے بلبن کے امراء میں داخل ہو کر بڑی عزت اور وقار کے مالک ہوئے۔ ان غریب الدیار شہزادوں میں سے دو بنی عباس کی نسل میں سے تھے۔ یہ دونوں تخت شاہی کے قریب دربار میں بیٹھتے تھے۔ باقی تیرہ شاہزادے بڑے ادب' عقیدت اور ذوق کے ساتھ شاہی تخت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جب کوئی شاہزادہ یا حکمران کسی مصیبت کیوجہ سے اپنے وطن سے نکل کر غیاث الدین بلبن کے دامن میں پناہ لیتا تو بلبن اس مہمان کی آمد سے بیحد خوش ہوتا اور خدا کی درگاہ میں سجدہ شکر بجالاتا۔ بلبن کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ محلے آباد کرتا۔ اس قاعدے پر عمل کرنے کیوجہ سے پندرہ محلے ان عالی نسب مہمانوں سے آباد ہو گئے تھے۔ ان محلوں کے نام یہ ہیں (۱) محلہ عباسی (۲) محلہ سنجری (۳) محلہ خوارزم شاہی (۴) محلہ دیلمی (۵) محلہ علوی (۶) محلہ اتابکی (۷) محلہ غوری (۸) محلہ چنگیزی (۹) محلہ رومی (۱۰) محلہ سنقری (۱۱) محلہ یمنی (۱۲) محلہ موصلی (۱۳) محلہ سمرقندی (۱۴) محلہ کاشغری (۱۵) محلہ خطائی

دربار کی شان و شوکت

بلبن کے دربار میں بہت سے نادار الوجود اور لاثانی افراد یک جا ہو گئے تھے۔ یکتائے روزگار اہل سیف و قلم بھی تھے اور مشہور زمانہ گویے اور سازندے بھی۔ اس کے دربار کی شان و شوکت محمود غزنوی اور سنجر جیسے عالی شان اور ذی مرتبت حکمرانوں کے درباروں سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ان یکتائے روزگار اہل فن کا ایک گروہ یعنی علماء و فضلاء اور اہل سیف و شجاعان زمانہ بلبن کے بڑے بیٹے خان شہید کی محفل میں یک جا ہو کر اپنے وجود سعد سے لوگوں کو فیض یاب کرتے تھے۔ ان فنکاروں کا دوسرا گروہ یعنی داستان

گو' سازندے 'گویے' ظریف' و بذلہ سنج وغیرہ بلبن کے چھوٹے فرزند بغراخاں کی محفل کی زیب و زینت تھے اور دنیاوی غموں کے غبار سے دلوں کو پاک و صاف کرتے تھے- امیروں اور رئیسوں کی دلچسپیوں کی بھی یہی کیفیت تھی اور وہ مشہور مثل "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق ان میں سے ہر فرد اپنے اپنے مذاق طبیعت کے اعتبار سے انہیں دو گروہوں کی پرورش اور سرپرستی کرتا اور اس طرح اپنی مجلس کی رونق کو دوبالا کرتا-

غیاث الدین بلبن' آرائش لباس' عظمت حکومت اور بادشاہی رعب داب کی ترقی کا بہت خواہاں تھا- وہ بڑے رعب اور شان و شوکت کے ساتھ دربار عام منعقد کیا کرتا تھا' یہ رعب داب اور شان و شوکت دیکھ کر لوگوں کے دل دہل جاتے تھے اور اس شان و شوکت کا حال سن کر باغیوں اور سرکشوں کے اجسام تھر تھر کانپنے لگتے تھے' اس کی عظمت باغیوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت تھی- غیاث الدین بلبن جب سوار ہو کر کہیں جانے کے لیے نکلتا تو اس کی سواری کے ساتھ پانچ سو غوری' عربی' سیتانی' سمرقندی اور کرد سپاہی ہاؤہو کے نعرے بلند کرتے ہوئے پیادہ پا چلتے تھے- بلبن جشن کی مجالس بھی بڑی دھوم دھام سے منعقد کرتا' عید اور نوروز کے موقعوں پر دربار کو ایرانی بادشاہوں کے درباروں کی طرح سجایا جاتا اور بلبن سارا دن دربار میں بیٹھ کر امیروں اور منصب داروں سے نذریں قبول کرتا- یہ دستور تھا کہ جب کوئی امیر بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کرتا تو شاہی مقرب اس امیر کی اچھی عادات اور قابل قدر خدمات کا بادشاہ سے تذکرہ کرتے- محفل میں نقش و نگار سے مزین فرش بچھایا جاتا' زربفت کے پردے لٹکائے جاتے تھے اور چاندی اور سونے کے برتن استعمال کیا جاتے- اہل محفل کی خاطر تواضع شربت' میوے اور پان وغیرہ سے کی جاتی- بلبن اپنے امیروں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ "میں نے سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں ترکی امراء سے بارہا سنا ہے کہ" جو بادشاہ دربار کی ترتیب' سواری کے طریقوں اور حکمرانی کے آداب کا خیال نہیں کرتا' رعایا کے دلوں پر اس کے رعب داب کا سکہ نہیں بیٹھتا اور نہ ہی دیکھنے والے اس کی شان و شوکت اور دولت سے متاثر ہوتے ہیں- ایسے (بے اصول) بادشاہوں کے دشمن بڑی قوت حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی حکمرانی کے راستے میں رکاوٹ بن کر سلطنت کی تباہی کا سبب قرار پاتے ہیں-

بلبن کا انصاف اور حق پرستی

جس طرح بلبن دربار کی آداب اور قواعد وغیرہ کا خیال رکھتا تھا اسی طرح انصاف اور حق پرستی کو بھی پوری طرح مدنظر رکھتا تھا- کہا جاتا ہے کہ ایک بار جامدار کے بیٹے ملک نعیق نے جو شاہی امراء میں تھا اور چار ہزار سواروں کا مالک اور بدایوں کا صوبہ دار تھا' ایک فراش کو اس قدر مارا اور درے لگائے کہ وہ بیچارا مرگیا- اس کے کچھ عرصہ بعد بلبن بدایوں گیا تو اس مرحوم فراش کی بیوہ فریاد لے کر بلبن کے پاس آئی- بلبن نے تمام واقعہ سننے کے بعد حکم دیا کہ ملک نعیق کو بھی اتنے درے لگائے جائیں کہ جتنے اس فراش کو لگائے گئے تاکہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہو' بلبن کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ملک نعیق کی لاش شہر کے دروازے پر لٹکا دی گئی- اسی طرح کا ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بلبن کے ایک معتبر غلام ہیبت خاں نے' جو اودھ کا حاکم تھا سرمستی کے عالم میں ایک شخص کو ہلاک کر دیا' مقتول کی بیوی ان کے پاس فریاد لیکر آئی- غیاث الدین نے ہیبت خاں کو پانچ سو درے لگائے جانے کا حکم دیا- اس سزا کے بعد بلبن نے ہیبت خاں کو اس بیوہ کے سپرد کردیا اور کہا "یہ شخص پہلے میرا غلام تھا لیکن اب تیرا غلام ہے' تو جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کر' چاہے اسے قتل کروادے' چاہے معاف کردے-" ہیبت خاں نے چند بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کو بیچ میں ڈال کر بلبن سے سفارش کروائی آخر کار ہیبت خاں نے اس بیوہ کو تیس ہزار روپے بطور ہرجانے کے ادا کیے اور اپنی جان بچائی- بادشاہ نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن ہیبت خاں اس واقعے سے اس قدر شرمندہ اور نادم ہوا کہ اس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا-

دستور جہانبانی

بلبن اپنے بیٹوں سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ "سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ میں نے معزالدین بن بہاء الدین سام کی محفل میں دوبار سید مبارک غزنوی سے سنا ہے کہ بادشاہوں کے اکثر افعال شرک کی حدوں کو چھو لیتے ہیں اور وہ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو سنت نبوی صلعم کے خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس وقت اور بھی زیادہ گنہگار ہو جاتے ہیں جبکہ وہ ان چار باتوں پر عمل نہیں کرتے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں (۱) بادشاہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی شان و شوکت کے رعب داب کو مناسب موقع پر استعمال کرے اور خدا ترسی اور خلق خدا کی بھلائی ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے (۲) بادشاہ کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے ملک میں بدکاری مروج نہ ہو' فاسقوں اور بے غیرتوں کو ہمیشہ ذلیل و رسوا کرنا چاہیے (۳) امور سلطنت کو عقلمند اور مہذب لوگوں کے سپرد کرنا چاہیے۔ خلق خدا پر جنکو حاکم مقرر کیا جائے وہ دیانتدار اور خدا ترس لوگ ہونے چاہئیں' بدعقیدہ لوگوں کو ملک میں پنپنے نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ ایسے لوگ رعایا کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں (۴) چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ انصاف سے پورا پورا کام لے' ماتحتوں کی کارگزاری کا بنظر عدل جائزہ لیتا رہے تاکہ ملک سے ظلم و ستم کا نشان تک مٹ جائے۔۔۔ پس تم سب جو میرے جگر گوشے ہو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم میں سے کسی نے کسی عاجز اور لاچار کو ستایا تو میں ظالم کو اس کے ظلم کی پوری پوری سزا دوں گا۔"

بلبن کی شخصیت

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جب کبھی غیاث الدین بلبن کسی نہر کے کنارے یا کسی دریا کے پل کے قریب پہنچ جاتا تو خود کنارے پر کھڑا ہو جاتا اور اپنے عہدہ داروں کو حکم دیتا کہ وہ ہاتھوں میں لکڑیاں لے کر انتظام کریں اور سب سے پہلے مریضوں' عورتوں' بچوں اور کمزور جانوروں کو پار اتروائیں اور یہ عام حکم تھا کہ صحت مند و توانا لوگ معذروں اور لاچاروں کی مدد کریں۔ اس کے بعد گھوڑے ہاتھی اور باربرداری کے دوسرے جانور پانی کو عبور کریں۔ ایسے انتظامات کے سلسلے میں بلبن نے اکثر مقامات پر کئی کئی دن بسر کیے' لیکن اس کے دل پر کسی قسم کا خوف طاری نہ ہوا۔ تخت نشینی سے پہلے یعنی زمانہ امارت میں بلبن کو شراب خوری کی بہت عادت تھی اور اس کی محفل خوش آواز ساتھیوں اور فن کارگویوں سے بھری رہتی تھی۔ متعدد امراء اور رئیس اس محفل میں بلائے جاتے اور بلبن بڑے شوق کے ساتھ ان سے چوپڑ کھیلتا اور اہل محفل پر سونا اور چاندی نثار کرتا' لیکن جب حکومت کی باگ دوڑ بلبن کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ان افعال سے توبہ کر لی اور بادہ خواری اور دوسرے تعیشات کا نام و نشان تک اپنے ملک سے مٹا دیا اور بڑی سختی سے ارکان مذہب یعنی روزے نماز وغیرہ کا پابند ہو گیا۔ فرائض کے علاوہ اس نے کبھی تہجد' چاشت اور اشراق کی نماز بھی قضا نہیں کی وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ عالموں' صوفیوں اور بزرگان دین وغیرہ کی موجودگی میں دستر خوان پر کبھی پیش دستی نہ کرتا تھا۔ بلبن کی عادت تھی کہ کھانے کے وقت علماء سے مختلف مسائل کی تحقیق کرتا وہ امیروں اور وزیروں وغیرہ کی قیام گاہوں پر ان سے ملاقات کے لیے جاتا اور اس طرح ان کی عزت افزائی کرتا۔ اس کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مشائخ اور علمائے دین کے گھروں میں جاتا اور شیخ برہان بلخی' مولانا سراج الدین سنجری اور مولانا نجم الدین دمشقی جیسے جید اور بزرگ علماء کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔

بلبن قبرستان میں جا کر قبروں کی زیارت بھی کیا کرتا تھا جب حکومت کے کسی رکن یا بزرگ کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کے جنازے پر جاتا اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا۔ بعد میں مرنے والے کے گھر پر جا کر صبر کی تلقین اور راضی برضائے خدا رہنے کی تاکید کرتا۔ مرحوم امراء کے وارثوں کو بلبن خلعت اور انعامات وغیرہ سے سرفراز کرتا اور یتیم بچوں کی پرورش کے لیے بھاری وظیفے مقرر کرتا اور ان کے غم میں برابر کا شریک رہتا۔ بلبن کی عادت تھی کہ اگر کہیں سوار ہو کر جاتا اور راستے میں لوگوں کا ہجوم نظر آتا اور یہ معلوم ہوتا کہ یہاں وعظ ہو رہا ہے تو وہ فوراً سواری سے اتر کر مجلس وعظ میں شریک ہو جاتا۔ وہ خدا اور رسول صلعم کے احکامات کو بہت غور سے سنتا اور زار و قطار

روتا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ بلبن کے قدیم غلاموں اور خاص ملازموں کا بیان ہے کہ ان میں سے کسی نے کبھی بادشاہ کو ننگے سر اور ننگے پاؤں نہیں دیکھا۔ وہ محفل میں کبھی با آواز بلند قہقہ نہیں لگاتا تھا۔ بلبن کا قول ہے کہ "بادشاہ کا رعب اور اس کے وقار کا سکہ رعایا کے دل پر جس قدر سنجیدگی اور متانت سے بیٹھتا ہے اس قدر سیاست کا اثر نہیں ہوتا۔" وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ "اگر کوئی بادشاہ بارعب اور دبنگ نہیں ہوتا تو اس کی رعایا سرکشی اور بغاوت کی طرف مائل ہو جاتی ہے' جو بادشاہ اپنے ذاتی وقار کا تحفظ کرتا ہے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ مدتوں حکومت کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر اس کی حکومت فتنہ خیزوں اور ہنگامہ آرائیوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ قوانین انصاف محض کتابوں کی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اور عملی زندگی میں ان کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا' ظلم و جور کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

امن و امان

بلبن ان تمام صفات اور اعلیٰ عادات کے باوجود بغاوت و سرکشی کو ناپسند کرتا تھا۔ باغی چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم' اس کی سرزنش میں کسی قسم کی رو رعایت نہ کرتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے مفسدوں کو ہر طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ قتل کرنے یا قید خانے میں ڈال دینے کی سزاؤں میں وہ قطعاً دریغ نہ کرتا تھا اور اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ خاطر نہیں رکھتا تھا کہ سزا شرع کے خلاف ہے یا موافق۔ التمش کے خاندان کے افراد کو بلبن نے اپنا دشمن سمجھ کر اشارے' کنائے' بہانے اور صریحی حکم' غرض ہر طرح سے قتل کیا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ بلبن نے محض ایک شخص کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے ساری فوج یا سارے شہر کو تباہ کر ڈالا' یہی وجہ تھی کہ کوئی بلبن کی اطاعت کا منکر نہ ہوتا تھا۔ شمس الدین التمش کے عہد کے وہ قوانین اور ضابطے جو اس کے جانشینوں کی غفلت اور نااہلی کی وجہ سے تقریباً منسوخ ہوگئے تھے' بلبن نے ان سب کو بالکل اسی طرح مروج کیا جیسے کہ وہ التمش کے عہد میں مروج تھے۔

شکار کا شوق

بلبن کو شکار سے بہت دلچسپی تھی اسی بنا پر اس کے عہد میں میرشکاری کا عہدہ بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بلبن سلطنت و حکومت کے فرائض کو بخوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اکثر تمام دن سیروشکار میں بسر کرتا۔ سردیوں کے زمانے کو وہ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے بہت مناسب وموزوں خیال کرتا تھا اور ہمیشہ اس موسم کی آمد کا منتظر رہتا۔ اس موسم میں اس کے شکار کے لیے دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس کے راستے کی حفاظت کی جاتی تھی۔ بلبن کا معمول تھا کہ وہ شکار کے لیے اس وقت نکلتا جبکہ تھوڑی سی رات باقی ہوتی اور دوسری رات کا دو تہائی حصہ جب گزر جاتا تو وہ شکارگاہ سے اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتا۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایک ہزار سوار اور ایک ہزار پیادہ تیرانداز رہتے تھے۔ جن کے تمام اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ہلاکو خاں نے بلبن کے اس شوق کی تفصیل سنی تو اس خونخوار فرمانروا نے کہا "بلبن ایک تجربہ کار اور عاقبت اندیش بادشاہ ہے بظاہر تو وہ شکار کا شوق کرتا ہے' لیکن دراصل اس صورت سے وہ سواری کی ورزش اور اپنے لشکر کی حفاظت کرتا ہے۔" بلبن نے جب ہلاکو خاں کی یہ بات سنی تو وہ اس کی عقلمندی اور شعور کا بے حد معترف ہوا اور کہنے لگا۔ فرمانروائی اور سیاست کے قواعد و ضوابط وہی شخص بہتر طور پر جان سکتا ہے جس نے اپنی تلوار کے بل پر جہاں بانی کی ہو۔

بلبن کی عاقبت اندیشی

جب غیاث الدین بلبن کی سلطنت اور حکومت کی بنیادیں اچھی طرح مضبوط اور پائیدار ہوگئیں تو اس سے اس کے چند قابل اعتبار امیروں نے عرض کی:۔

"گجرات اور مالوہ کے علاوہ چند دیگر مقامات جو قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں اسلامی حکومت میں شامل ہوگئے تھے' اب خود سر ہوگئے ہیں۔ اب یہی مناسب ہے کہ ملک کے اندرونی انتظامات کو پوری طرح انجام دینے کے بعد ان خود سر

علاقوں کی طرف توجہ کی جائے تاکہ ان مقامات کو دوبارہ شاہ دہلی کا مطیع و خراج گزار بنایا جا سکے۔" بلبن نے یہ سن کر ان امیروں سے کہا "ان دنوں مغلوں کی ہنگامہ خیزیاں بہت بڑھی ہوئی ہیں انھوں نے ہندوستان کے ایک حصے پر قبضہ بھی کر لیا ہے اور ان کی ایک جماعت ہندوستان پر باقاعدہ چھاپے مارتی رہتی ہے۔ اس صورت حال میں دہلی سے نکلنا اور دور دراز علاقوں کو فتح کرنے کے لیے دارالسلطنت کو محافظوں سے خالی کرنا بعید از دانشمندی ہے۔ اس وقت یہی مناسب ہے کہ اپنے ملک میں رہ کر سلطنت کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے نہ کہ نئے علاقے فتح کرنے کا ارادہ کیا جائے۔"

تاتار خاں کی اطاعت

اسی سال یعنی ۶۶۴ھ میں ارسلان خان کا بیٹا محمد تاتار خاں (جس نے سلطان ناصرالدین محمود کے زمانے میں علم سرکشی بلند کیا تھا) نے لکھنوتی سے تریسٹھ (۶۳) ہاتھی اور بہت سے دوسرے بیش بہا تحفے بلبن کی خدمت میں روانہ کیے بلبن نے اس نذرانے کو نیک فال تصور کر کے قبول کیا اور رعایا کو حکم دیا کہ شہر کو پوری طرح سجا کر جشن عیش و عشرت منعقد کریں اور خوشیاں منائیں اس موقع پر بلبن نے بڑے شوق سے چبوترہ ناصری پر جو دروازہ بدایوں کے باہر واقع ہے دربار عام منعقد کیا۔ جس میں تمام امراء اراکین سلطنت اور باجگذار علاقوں کے حکمرانوں نے شرکت کی۔ ان سب نے بادشاہ کی خدمت میں نذرانے پیش کیے اور شاہی انعامات سے سرفراز ہوئے اور یوں بلبن نے تاتار خاں کو اپنا اطاعت گزار بنا کر اسے اپنے نامی گرامی امراء کی صف میں شامل کیا۔

میواتی لیٹروں کا خاتمہ

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ التمش کے جانشینوں کے زمانے میں میواتیوں کی ایک جماعت دہلی کے آس پاس کے علاقے میں جنگلوں میں چھپ چھپا کر قتل و غارت کیا کرتی تھی۔ یہ لیٹرے راتوں کو لوگوں کے گھروں میں زبردستی گھس جاتے اور مال و اسباب اٹھا کر لے جاتے اور شہر کے آس پاس کی سراؤں کو تباہ و برباد کرتے رہتے تھے' سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ بھی ان لیٹروں کی دستبرد سے محفوظ نہ تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ان میواتیوں نے دن دہاڑے سقوں اور گھروں میں پانی بھرنے والی لونڈیوں پر چھاپہ مار کر غرباء کو بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ ان کے خوف کی وجہ سے شہر کے دروازے مغرب کے وقت بند کر دیئے جاتے تھے۔ نماز عصر کے بعد کسی شخص کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ قبرستان تک جائے۔ بلبن کو جب میواتیوں کی اس لوٹ مار اور رعایا کی مصیبتوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اس مفسد گروہ کے قتل کو حکومت کے بقیہ تمام کاموں پر مقدم رکھا اور ان سفاکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا۔ بلبن نے ان میواتیوں کو گھیر لیا اور تقریباً ایک لاکھ ظالموں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد بلبن نے اس جنگل کو' جس میں یہ لٹیرے رہا کرتے تھے' بالکل صاف کروا دیا اور زمین کو زراعت پیشہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بلبن نے اس مقام پر سپاہیوں کی چند چوکیاں بھی مقرر کیں اور ان چوکیوں کی حفاظت کے لیے اپنے کچھ معتبر سرداروں کو وہاں چھوڑ کر واپس دہلی آیا۔

باغیوں کی سرزنش

اس واقعے کے دوسرے سال بلبن نے میان دوآب کے سرکشوں اور باغیوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اس نے اس علاقے کی حکومت سیاس امراء کے سپرد کی اور انھیں ہدایت کی کہ ان سرکشوں کو ان کی بداعمالیوں کی ایسی سخت سزا دی جائے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ ان امراء نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور میان دوآب کی لوگوں کو مصیبتوں سے رہائی دلائی۔ ان سفاکوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد بلبن نے دوبار کنپل' پٹیالی' اور بھوج (یہ مقامات موجودہ بدایوں اور فرخ آباد کے ضلعوں میں واقع ہیں) کا سفر کیا اور ہر بار ان علاقوں کے باغیوں' سرکشوں اور لیٹروں کو تباہ و برباد کیا۔ ان سفاکوں میں سے لاکھوں کو تہ تیغ کیا گیا اور باغیوں کو مع ان کے بیوی بچوں کے' شاہی فوج نے گرفتار کر کے اپنی غلامی میں لے لیا۔ ان علاقوں کے باغیوں اور چوروں کے خاتمے کے بعد ہندوستان کا راستہ (جس سے اہل ہند کی

اصطلاح میں جون پور' بہار اور بنگالہ (مراد ہے) تمام خطروں سے پاک و صاف ہوگیا اور مسافر امن و امان کے ساتھ آنے جانے لگے- بلبن نے کنپل' بھوج پور اور پٹیالی میں مسجدیں اور قلعے تعمیر کروائے اور وہاں کی حکومت افغان سرداروں کے سپرد کر کے جلالی کا قلعہ تعمیر کروایا اور خود واپس دہلی آگیا-

بلبن جونہی دہلی پہنچا تو اسے بدایوں اور امروہہ کے حاکم کی طرف سے کیتھر کی سرکشی کی اطلاع ملی- اس خبر کے سنتے ہی بلبن نے فوج کو تیاری کا حکم صادر کیا- عام لوگوں کا خیال تھا کہ اس بار بادشاہ کوہ پایہ سفر کرے گا' لیکن قبل اس کے کہ سرخ رنگ کا شاہی سراپردہ کوچ کے لیے بادشاہی محل سے باہر نکالا جاتا' بلبن پانچ ہزار سواروں کا ایک چیدہ لشکر ساتھ لے کر روانہ ہوگیا- دریائے گنگا کو عبور کرنے میں دو روز صرف ہوئے تیسرے دن مسلمانوں کا لشکر کیتھر کے علاقے میں پہنچ گیا- بلبن نے اس شہر میں داخل ہوتے ہی قتل عام کا حکم دے دیا- لشکریوں نے بادشاہی حکم کی تعمیل میں خوب جی کھول کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور عورتوں اور بچوں کے سوا کسی کو زندہ نہ چھوڑا..... غیاث الدین بلبن کی تلوار نے باغیوں کو کچھ اس طرح خاموش کیا کہ پھر جلال الدین خلجی کے زمانے تک بدایوں' سنبل اور امروہہ کے علاقوں میں کسی سرکش اور باغی کا نام سنائی نہ دیا- اس تمام ہنگامے کو بخیر و خوبی ختم کرنے کے بعد بلبن نے دہلی کا رخ کیا-

کوہ پایہ کا سفر

دہلی پہنچ کر بلبن نے چند روز تک آرام کیا اور پھر کوہ پایہ کے سفر کا ارادہ کیا- وہاں پہنچ کر بلبن نے باغیوں' مفسدوں' شرپسندوں اور سرکشوں کی خوب خبر لی- قتل و غارت گری کا بازار ایسا گرم کیا کہ پورے دو سال تک بلبن کوہ پایہ ہی میں رہا اس علاقے سے بہت سامان غنیمت بلبن کے ہاتھ آیا- خاص پور پر گھوڑے تو بہت ہی ہاتھ لگے- اس بہتات کی وجہ سے اعلیٰ سے اعلیٰ نسل کا گھوڑا تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) تنگہ تک سے زیادہ پر فروخت نہ ہوتا تھا- کوہ پایہ کو شرپسندوں سے پوری طرح پاک و صاف کرنے کے بعد بلبن دہلی واپس آگیا-

بلبن کے عہد کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ سفر سے واپس لوٹتا تو دہلی کے تمام امراء اور ارکان سلطنت دو تین منزل پیشوائی کے لیے جاتے اور بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوتے- اس موقع پر شہر کو بڑے سلیقے سے سجایا جاتا اور بادشاہ کے صحیح و سلامت لوٹنے کی خوشی میں عیش و عشرت کی محفلیں منعقد کی جاتیں- جو رقوم بادشاہ پر سے صدقے کی جاتیں ان کو یک جا کر کے تمام اسلامی ممالک میں بھیج دیا جاتا کہ فقراء اور محتاجوں وغیرہ میں تقسیم کر دی جائیں-

لاہور کا سفر

(کوہ پایہ کے سفر سے واپسی کے بعد) بلبن نے چند روز دہلی میں قیام کر کے لاہور کا سفر اختیار کیا' لاہور پہنچ کر اس نے حصار شہر کو از سر نو تعمیر کروایا جو شمسی حکمرانوں کے عہد میں مغلوں کی شورشوں کے باعث شکستہ ہوگیا تھا اس کے بعد بلبن نے نواح شہر کو آباد کیا جو مغلوں کی لوٹ مار کی وجہ سے ویران ہوگیا تھا اور پھر دہلی واپس آگیا-

بوڑھے لشکریوں کی معزولی

دہلی پہنچنے کے بعد چند امراء نے بلبن کو یہ بتایا کہ فوج کے بہت سے سپاہی ضعیف العمری کی وجہ سے جنگ و جدل کے کام کے نہیں رہے- اس وجہ سے یہ سپاہی اپنے سرداروں کو تھوڑی بہت رقم دے کر اپنے گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جنگ میں شرکت نہیں کرتے- یہ سن کر بلبن نے حکم دیا کہ فوج سے تمام بوڑھے سپاہیوں کو علیحدہ کر دیا جائے ان کی خدمت کے صلے میں انھیں تیس تنگہ رقم دی جائے زاید رقم ان سے وصول کر لی جائے- بلبن کے اس حکم کی وجہ سے لشکر میں ایک تہلکہ مچ گیا- ان معزول لشکریوں میں سے چند معتبر اشخاص بہت سے گراں بہا تحفے تحائف لے کر ملک فخرالدین کوتوال کے پاس گئے اور اس سے رو رو کر اپنا حال زار بیان کیا اور کہا ہمیں کیا خبر تھی

کہ اس ضعیف العمری میں ہم پر ایسی مصیبت نازل ہوگی اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا تو جوانی میں کوئی ایسا کام کرتے جو بڑھاپے میں آج ہمارے کام آتا۔ فخرالدین کوتوال نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اگر میں تم سے یہ رشوت وصول کر لوں گا تو بادشاہ پر میری سفارش کا کوئی اثر نہ ہوگا۔" اس کے بعد کوتوال نے ان لوگوں کو رخصت کر دیا اور خود حسب معمول بادشاہی دربار میں چلا گیا۔ فخر الدین دربار میں اپنی جگہ پر کچھ فکرمند اور پریشان سا تھا بلبن نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے فخرالدین سے اس فکر اور پریشانی کا سبب پوچھا۔ اس تجربہ کار امیر نے عرض کیا "مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ دربار شاہی میں ضعیف العمر لوگوں کی گذارشات پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ دیکھ کر مجھے تشویش ہے کہ اگر قیامت کے روز رحمت الٰہی نے بھی بوڑھوں کو اپنے کرم سے محروم کر دیا تو میرا کیا حال ہوگا۔" بلبن نے فوراً فخرالدین کا اصل مطلب سمجھ لیا اور زاروقطار رونے لگا' بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ تمام معزول شدہ لشکریوں کو ان کی پوری پوری تنخواہ دی جائے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی واقع نہ ہو۔

شیر خاں کا انتقال

بلبن کی تخت نشینی کے چوتھے سال اس کے چچا زاد بھائی معظم شیر خاں خواجہ تاش نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیر خاں سلطان ناصرالدین محمود کے عہد سے لاہور' ملتان' بھنیر' سرہند' دیپالپور اور ان تمام علاقوں کا حاکم تھا جو مغلوں کی ہنگامہ آرائیوں کی زد پر واقع تھے۔ اس کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ خود بلبن نے زہر دے کر اسے ہلاک کیا۔ شیر خاں کو اسی کے تعمیر کروائے ہوئے گنبد واقع بھنیر میں دفن کیا گیا۔ بلبن نے شیر خاں کی جاگیر کو اس طور پر تقسیم کیا کہ سنام اور سمانہ کے علاقے تیمور خاں کے سپرد کیے جو ترکان چہل گانی کا ایک معزز رکن تھا باقی علاقے بھی نامی گرامی امیروں میں بانٹ دیئے شیر خاں جب تک زندہ رہا پنجاب کی سرحدیں مغلوں کی شورشوں اور غارت گری سے محفوظ رہیں لیکن اس شیر کے آنکھ بند کرتے ہی سوئے ہوئے فتنے بیدار ہوگئے۔ مغلوں نے سر اٹھایا اور سرحدی علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔

بلبن نے اپنے فرزند اکبر قان الملک محمد سلطان کو (جو عام طور پر خان شہید کے نام سے مشہور ہے) اپنا ولیعہد مقرر کیا اور اسے چتر و دورباش اور دیگر شاہی لوازمات سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بلبن نے خان شہید کو شیر خاں کا جانشین مقرر کیا اور اپنے چند لائق اور قابل اعتبار امیروں کو اس کا مصاحب اور مشیر بنا کر اس کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔

ایبک محمد کشیل خاں اور علاؤالدین

تاریخ "فیروز شاہی" کا مولف لکھتا ہے کہ شمس الدین التمش کے عہد کے بعض امرا نے اپنے بیٹوں کو "محمد" کے مبارک نام سے موسوم کیا تھا۔ ان امراء کو اس حسن عقیدت کا یہ صلہ ملا کہ ہر وہ لڑکا جس کا نام محمد تھا اپنے ماں باپ کی پرورش' نگہداشت اور قابل اساتذہ کی تعلیم کی وجہ سے کسی نہ کسی عمدہ صفت میں ایسا ماہر و کامل ہوا کہ آج تک دنیا میں اس کا نام باقی ہے ایسے ہی لوگوں میں ایک ایبک محمد کشیل خاں ہے۔ یہ مرد جواں تیراندازی' نیزہ بازی' بہادری وغیرہ صفات میں اپنی مثال آپ تھا اور دور دور تک اس کی شہرت تھی۔ کشیل خاں کی ان اعلیٰ صفات کی شہرت سن سن کر مغل فرماں رواؤں کو ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ یہ امیران کے دربار کی زیب و زینت ہو ایسا ہی دوسرا شخص علاء الدین محمد بن اعزالدین کشیل خاں ہے جو غیاث الدین کا بھتیجا تھا۔ یہ امیر نیک نام محفل آرائی اور جودوسخا میں اپنے عہد کا حاتم تھا (بہت سے ممالک مثلاً) مصر' شام' روم' بغداد' عراق خراسان' و ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ سے بہت سے فضلاء اور شعراء اس کے جو دو سخا کی شہرت سن سن کر ہندوستان آتے تھے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ الغرض علاؤالدین کو اس کی بخشش اور سخاوت نے تمام دنیا میں مشہور اور ہردلعزیز بنا رکھا تھا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جب بلبن کو اس امیر کی قابلیت اور خصوصیات کا علم ہوا تو اس نے اس نوجوان کو اس کے باپ (علاؤالدین) کے منصب پر سرفراز کیا اور اسے باربک بنا کر

چوگان زر کے عطیہ سے نوازا نیز خان اعظم کا خطاب دیا۔ بعد ازاں بلبن نے علاؤالدین پر مزید عنایت کی اور اسے کول کا صوبہ دار بنا دیا اور ہمیشہ اس سے لطف سے پیش آتا رہا۔

علاؤالدین کی سخاوت

ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص خواجہ معین الدین کے مشہور بیٹے خواجہ شمس الدین نے ایک مرتبہ علاؤالدین کی مدح میں چند اشعار لکھے اور غیاث الدین بلبن کے درباری مطربوں کو دیئے تاکہ جشن نو روز کے دن جب تمام امراء جمع ہوں تو شاہی دربار میں یہ اشعار پڑھے جائیں۔ ان مطربوں نے خواجہ شمس الدین کی ہدایت کے مطابق شاہی دربار میں وہ اشعار گا کر سنائے اس محفل میں کشلی خاں بھی موجود تھا۔ اس نے پوچھا کہ یہ اشعار کس نے لکھے ہیں جواب ملا کہ یہ اشعار خواجہ شمس الدین نے لکھے ہیں۔ محفل کے اختتام کے بعد علاؤالدین اپنے گھر آیا اور خواجہ شمس الدین کو بلا کر اپنی محفل نو روز کا تمام اعلیٰ پر تکلف سامان ان کی نذر کیا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ اس بلند ہمت اور سخاوت پسند امیر نے غیاث الدین بلبن کے عہد میں اکثر اس انداز سے بخشش کی ہے کہ اپنا سب کچھ دوسروں کے حوالے کر دیا اور سوائے اپنے لباس کے، جو زیب تن تھا، کوئی اور شے اپنے پاس نہ رکھی۔

خان شہید

تیسرا شخص محمد تاتار خاں ابن ارسلان خاں ہے جو اپنی بہادری اور پاکبازی کی وجہ سے سارے ملک میں مشہور اور ہر دلعزیز تھا۔ اس نے لکھنوتی میں کئی مرتبہ اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ ان محمد نام کے اشخاص میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خان شہید ہے۔ یہ شہزادہ غیاث الدین بلبن کا محبوب ترین بیٹا تھا وہ تمام عمدہ صفات اور پسندیدہ عادات جو ایک شہزادے میں ہونی چاہیں، خان شہید میں موجود تھیں۔ یہ شہزادہ عقل و خرد اور ہنرپروری میں بلاشبہ اپنے زمانے کا بہترین آدمی تھا اس کی محفل میں ہمیشہ نامی گرامی علماء و فضلاء اور بڑے بڑے شاعر شرکت کرتے تھے اور وہ اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں سے ہمیشہ لطف و کرم سے پیش آتا تھا۔ اس کا لطف و کرم انھیں تک محدود نہ تھا بلکہ وہ مستحقوں اور ہنروروں کی بڑی امداد کرتا تھا۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسی مقدس ہستیاں اسی شہزادے کی محفل کی رونق تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے خان شہید کی ملازمت میں ملتان میں پورے پانچ سال بسر کیے۔ خان شہید ان دونوں کی سب سے زیادہ عزت اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ یہ شہزادہ اس قدر مہذب اور سلیقہ مند تھا کہ اگر تمام شب و روز کسی محفل میں بیٹھتا تو تب بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا اور قسم کھاتے وقت ہمیشہ اس کی زبان پر لفظ "حقا" رہتا تھا۔ تہذیب و متانت کا یہ عالم تھا کہ مجلس شراب میں اور نشے کی حالت میں بھی اس کی زبان پر کبھی کوئی غیرمہذب کلمہ نہ آتا تھا۔ خان شہید کی محفل میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے تھے اور وہاں خاقانی، انوری، مولانا نظامی اور امیر خسرو کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ خان شہید (ہر شعر کو پوری طرح سمجھتا تھا) اور اس کی مناسب داد دیتا تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ اور سخن فہم اس کی سخن فہمی کے قائل تھے، امیر خسرو نے ایک بار فرمایا، "میں نے سخن فہمی، نکتہ رسی، پختگی ذوق صحیح اور تمام نئے پرانے شعرا کے اشعار یاد رکھنے میں خان شہید جیسا فاضل شخص کوئی اور نہیں دیکھا۔

ایک نادر بیاض شعر

خان شہید نے ایک قلمی بیاض تیار کی تھی جس میں تمام نامی گرامی شعراء کے منتخب اشعار درج تھے۔ جن کی تعداد بیس (۲۰) ہزار تھی اور یہ اشعار بہت خوبصورت خط میں لکھے ہوئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن دونوں ہی خان شہید کے انتخاب اشعار کی خوبی کے قائل تھے اور اس کے سخن فہمی کے مداح تھے، خان شہید کے قتل کے بعد غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی اور جامدار نے امیر خسرو کو۔ اس عہد کے تمام نامی گرامی شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اس کے اشعار اپنی بیاضوں میں نقل کیے اور سب نے خان شہید جیسے فاضل روزگار اور علم دوست شخص کی بے وقت موت پر افسوس کا اظہار کیا۔

محفل وجد و حال

جس زمانے میں خان شہید کا قیام ملتان میں تھا اس زمانے میں شیخ عثمان ترمذیؒ جو اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور عارف کامل تھے، اتفاق سے ملتان تشریف لائے۔ خان شہید نے شیخ صاحبؒ کی بہت تعظیم کی اور خاطر تواضع کی، ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا اور بڑی عاجزی سے ان سے ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ اور کہا۔ "اگر آپ یہاں قیام کرنا پسند فرمائیں گے تو حکومت کے خرچ سے ایک خانقاہ تعمیر کروا دی جائے گی۔" لیکن شیخ صاحبؒ نے ملتان میں مستقل رہائش کو ناپسند کیا اور واپس چلے گئے۔ جن دنوں شیخ صاحب ملتان میں تھے اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے اور جانشین حضرت شیخ صدرالدین عارف کے ساتھ خان شہید کی محفل میں تشریف رکھتے تھے۔ اس محفل میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے، اتفاق سے کوئی ایک شعر سن کر ان بزرگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور ان کے ساتھ ساری محفل کھڑی ہو گئی۔ خان شہید نے بھی اہل محفل کا ساتھ دیا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ جب تک ان بزرگوں کو سکون نہ ہوا خان شہید کی حالت بھی اضطرار کی رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔

شیخ سعدی سے عقیدت

اگر کبھی کوئی شخص خان شہید کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو وہ دنیا کے خیال کو دل سے نکال کر بڑی توجہ کے ساتھ اس شعر کو سنتا اور شعر کے مضمون سے متاثر ہو کر زار و قطار روتا۔ خان شہید کی بالغ نظری، عقلمندی اور قدرشناسی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے دو مرتبہ ملتان کی امارت کے زمانے میں اپنے قاصد بیش قیمت اور اعلیٰ تحائف کے ساتھ شیراز روانہ کیے اور حضرت شیخ مصلح الدین سعدی سے درخواست کی کہ "آپ یہاں تشریف لا کر ہمیں نوازیں۔ آپ کے لیے ملتان میں ایک خانقاہ تعمیر کروا دی جائے گی اور اس کے مصارف کے لیے چند گاؤں وقف کر دیے جائیں۔" چونکہ حضرت سعدی ضعیف العمری کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے اس لیے انھوں نے دونوں مرتبہ ملتان آنے میں عذر کیا لیکن ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے اشعار اور غزلیات لکھ کر خان شہید کی خدمت میں بطور تحفہ روانہ کیں اور امیر خسرو کی سفارش فرمائی۔ ملتان کی امارت کے زمانے میں خان شہید کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر سال بہت سے گراں بہا اور نادر تحائف لے کر اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چند روز دہلی میں قیام کر کے واپس چلا جاتا۔

بغرا خاں

اسی زمانے میں بلبن نے اپنے دوسرے لڑکے بغرا خاں کو ناصرالدین کے خطاب سے سرفراز کر کے سمانہ اور سنام کا جاگیردار مقرر کیا۔ جب بغرا خاں روانہ ہونے لگا تو بلبن نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنی جاگیر میں پہنچ کر اپنے پرانے لشکر کی تنخواہوں میں اضافہ کر دے اور نئے لشکر کی ضرورت جس قدر ہو اسے بھرتی کر کے مغلوں سے ہمیشہ خبردار رہے۔ بلبن نے اسے یہ نصیحت بھی کی کہ "تم سلطنت کے اہم امور میں ہمیشہ پختہ کار امیروں سے مشورہ لیتے رہنا اور اگر کوئی بہت ہی اہم معاملہ در پیش ہو تو فوراً مجھے اطلاع کرنا اور پھر تمھیں جو ہدایت یہاں سے بھیجی جائے اسی کے مطابق عمل کرنا۔" بلبن نے بغرا خاں سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے شراب خوری کی بری عادت ڈالی تو اسے فوراً معزول کر دیا جائے گا اور آئندہ کبھی کوئی ذمہ داری کا کام اس کے حوالے نہ کیا جائے گا اور وہ اپنے باپ کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

بغرا خاں نے ہمیشہ اپنے باپ کی نصیحتوں اور ہدایتوں کو یاد رکھا اور ان پر عمل کیا اس شہزادے نے عیش کوشی سے الگ رہ کر بڑی سمجھداری کے ساتھ حکومت کے فرائض کو سرانجام دینا شروع کیا اور ہندوستان کو مغلوں کی ہنگامہ خیزیوں سے بچائے رکھا۔ آپس میں سب نے یہ طے کیا تھا کہ اگر مغل ہندوستان پر لشکر کشی کریں تو ملتان سے خان شہید، دہلی سے ملک باربک اور سمانہ سے بغرا خاں اپنی اپنی فوجیں لے کر ان کے مقابلے پر اتر آئیں اور دریائے بیاس کے کنارے جہاں اب سلطان پور کا قصبہ آباد ہے، جمع ہو کر اپنی متفقہ قوت

سے مغلوں کو مار بھگائیں۔

طغرل کی بغاوت

جب غیاث الدین بلبن کی حکومت کی بنیادیں پوری طرح مضبوط ہوگئیں اور ہر کام بادشاہ کی مرضی کے مطابق عمل میں آنے لگا تو دفعتہ ایک تازہ حادثہ پیش آیا۔ لکھنوتی کے صوبہ دار طغرل نے جو بلبن کا ایک غلام تھا' بادشاہ سے بغاوت کی ۶۷۸ھ میں طغرل نے اپنی بہادری' سخاوت اور چالاکی کے سہارے جاجنگر پر حملہ کیا اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر بے شمار مال غنیمت اور بہت سے ہاتھی اپنے قبضے میں کر لیے۔ طغرل نے یہ دیکھ کر کہ بادشاہ غیاث الدین بلبن اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور اس کے دونوں بیٹوں کو مغلوں سے معرکہ آرائی کرنے سے فرصت نہیں ہے۔ اس مال غنیمت میں سے بادشاہ کا حصہ غصب کر لیا۔ اسی دوران میں بلبن پر بیماری نے حملہ کیا اور اس وجہ سے وہ اتنا کمزور ہوگیا کہ ایک مہینے تک اپنی رہائش گاہ سے باہر نہ نکل سکا اور یوں لوگوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ طغرل نے جب یہ بے بنیاد خبر سنی تو اس نے فوراً اپنی نمک حرامی کا عملی مظاہرہ کیا اور ایک زبردست لشکر جمع کر کے لکھنوتی پر آزادانہ حکومت قائم کر لی۔ اس غلام بے وفا نے ملک پر قبضے کے بعد سرخ رنگ کا چتر بھی سر پر سایہ فگن کیا اور خود کو سلطان مغیث الدین کے نام سے لکھنوتی کا بادشاہ مشہور کیا۔ اس علاقے میں طغرل کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہوگیا۔

امین خاں کی شکست

طغرل کو خودمختار حکومت قائم کیے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دہلی سے غیاث الدین بلبن کی صحت یابی کے فرمان لکھنوتی پہنچے۔ طغرل اپنے آقا کو صحیح و سلامت پا کر بھی سیدھے راستے پر نہ آیا اور بجائے اپنی حرکت ناشائستہ پر نادم ہونے کے حسب سابق بغاوت پر آمادہ رہا۔ بلبن کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ملک اپتگین موئے دراز المخاطب بہ امین خاں کو لکھنوتی کا صوبہ دار مقرر کیا اور اسے ایک زبردست لشکر کا سردار بنا کر چند نامی گرامی امراء ملک تاج الدین اور جمال قندھاری وغیرہ کے ساتھ طغرل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے روانہ کیا۔ امین خاں نے آب سرو (اس کو اب "سرجو" کہا جاتا ہے یہ ندی ضلع بہرائچ سے نکل کر دریائے گھاگھرا میں گر جاتی ہے) کو عبور کر کے لکھنوتی کا رخ کیا اور طغرل بھی فوج لے کر بڑھا۔ معرکہ جنگ میں طغرل نے نیزے اور تلوار وغیرہ سے کام لینے کی بجائے سونے اور چاندی سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امین خان کے سپاہیوں کا ایک بڑا حصہ روپیہ لے کر طغرل کی فوج سے جا ملا۔ اس کے بعد طغرل نے تلواروں اور نیزوں کی جنگ شروع کی' امین خاں کو شکست ہوئی اور طغرل کے قبضے میں بے شمار مال غنیمت آیا۔

ملک ترضی کی شکست

امین خاں کی شکست کی خبر جلد از جلد دہلی پہنچا دی گئی۔ بلبن یہ خبر سن کر بہت ہی رنجیدہ اور ملول ہوا اور غم و غصہ سے خون کے گھونٹ پینے لگا۔ بلبن نے امین خان کے لیے موت کی سزا تجویز کی اور ملک ترضی ترک کو ایک زبردست لشکر دے کر طغرل کے مقابلے پر روانہ کیا۔ طغرل نے ملک ترضی کو بھی شکست دی اور اس مرتبہ بھی بے شمار مال غنیمت پر قابض ہوا۔ بلبن نے جب ملک ترضی کی شکست کی خبر سنی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ خود اپنی عالی ہمتی سے طغرل کے مقابلے پر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ بلبن نے حکم دیا کہ دریائے گنگا میں کشتیاں ڈال دی جائیں اور وہ خود شکار کے بہانے سے سنام اور سمانہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سمانہ پہنچ کر بلبن نے وہاں کی نیابت جاندار کے بیٹے ملک سراج کے سپرد کی اور اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو خاصے کے لشکر کے ساتھ اپنے ہمراہ لے کر سمانہ سے روانہ ہوا یہاں سے بلبن میان دوآب میں آیا اور ملک فخرالدین کوتوال کو اپنا نائب مقرر کر کے دہلی میں چھوڑا اور خود بڑی شان و شوکت کے ساتھ گنگا کے راستے سے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ یہ برسات کا زمانہ تھا۔ لیکن بادشاہ کی عالی ہمتی نے اس تکلیف دہ موسم کا کوئی خیال نہ کیا۔ بارش کی وجہ سے لشکر کو راستے میں کہیں کہیں ٹھہرنا پڑا جس کی وجہ سے لکھنوتی پہنچنے میں معمول سے کہیں زیادہ تاخیر ہوئی۔

طغرل نے بادشاہ کی آمد کی خبر سنی اور اس کے تاخیر سے پہنچنے سے فائدہ اٹھایا اس نے اپنی فوج کو تیار کیا اور خزانہ ساتھ لے کر جاجنگر کی طرف روانہ ہوگیا۔

طغرل کا فرار

طغرل کا یہ ارادہ تھا کہ جاجنگر پر قبضہ کر کے کچھ دنوں وہاں قیام کیا جائے اور جب بلبن واپس جانے لگے تو پھر لکھنوتی پر دوبارہ قبضہ کر لیا جائے۔ بلبن نے لکھنوتی پہنچ کر کچھ دنوں تو توقف کیا اور بعد ازاں سالار حسام الدین دلیل اور باربیگ برلاس کو (جو تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف کا جد تھا) کو لکھنوتی کی مہم کے لیے روانہ کیا اور خود طغرل کو راہ راست پر لانے کے لیے جاجنگر روانہ ہوا۔ جب بلبن (سنار گاؤں) کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کا راجہ بلبن کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوگیا۔ اس راجہ نے بلبن سے وعدہ کیا کہ اگر طغرل نے شکست کھا کر دریا کے راستے سے فرار ہونے کی کوشش کی تو وہ راجہ اسے دریا کے راستے جان بچانے کا موقع نہیں دے گا۔ سنام کا بندوبست کرنے کے بعد بلبن آگے بڑھا' ابھی سفر کی اس نے تین چار منزلیں ہی طے کی تھیں کہ اسے طغرل کی روپوشی کی خبر ملی۔ لوگوں سے اس کے بارے میں بہت کچھ دریافت کیا گیا' لیکن کسی سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ بلبن نے ملک باربیگ برلاس کو سات ہزار سواروں کے ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ دس بارہ کوس آگے نکل کر طغرل کا سراغ لگائے ملک برلاس نے حکم شاہی کی تعمیل کی بہت ڈھونڈا' مگر طغرل کا کہیں نام و نشان نہ پایا۔

طغرل کی تلاش

ایک روز مقدمہ لشکر ملک محمد تیرانداز حاکم کول اور اس کا بھائی ملک مقدر جو تاریخ میں "طغرل کش" کے لقب سے مشہور ہے تیس چالیس سواروں کے ساتھ فوج کے آگے آگے جا رہے تھے تاکہ طغرل کو تلاش کریں' ملک محمد نے چند بنیوں کو آتے دیکھا اس نے انھیں گرفتار کر لیا اور ان کو راستہ بتانے اور طغرل کا اتہ پتہ دینے کے لیے ڈرایا دھمکایا' لیکن ان بنیوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔ اس پر ملک محمد نے ایک بنیئے کو اسی وقت قتل کر دیا۔ اس سزا سے دوسرے ڈر گئے اور انھوں نے کہا "آپ ہم سے جو مال و متاع لینا چاہتے ہیں لے لیں' لیکن ہم کو زندہ چھوڑ دیں۔" ملک محمد نے جواب دیا۔ "ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ طغرل کے ٹھکانے کا پتہ لگائیں اگر تم ہمارے حکم کے مطابق عمل کرو گے تو تمہاری جانیں اور مال و متاع محفوظ رہے گا ورنہ نتائج کی ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔" جب ان بنیوں نے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو صاف صاف کہہ دیا کہ "ہم طغرل کے لشکر ہی کو غلہ دے کر آ رہے ہیں۔ آپ کے اور طغرل کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ باقی ہے اگر آپ نے آج ہی طغرل کا پیچھا کیا تو اسے پکڑ لیں گے ورنہ کل وہ جاجنگر پہنچ جائے گا۔ ملک محمد نے ان بنیوں کو اسی وقت دو سواروں کے ساتھ ملک برلاس کی خدمت میں روانہ کر دیا تاکہ اصل حقیقت سے باخبر ہو کر برلاس فوراً طغرل کے سر پر جا پہنچے۔ ورنہ اگر طغرل بچ بچا کر جاجنگر پہنچ گیا تو وہ وہاں کے باشندوں سے سازش کر کے کسی جنگل میں روپوش ہو جائے گا اور پھر اس کا ہاتھ آنا دشوار ہو جائے گا۔ بنیوں کو روانہ کرنے کے بعد ملک محمد ایک بلند مقام پر چڑھ گیا اور اس نے چاروں طرف طغرل کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ ملک محمد کو ایک طرف طغرل کا خیمہ نظر آیا اور اس نے دیکھا کہ طغرل کے سپاہی بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور لشکر کے جانور جنگل میں چر رہے ہیں۔ ملک محمد نے اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس بلندی سے اتر کر فوراً طغرل کے خیمے کی طرف روانہ ہوا۔ طغرل کے پاسبانوں نے ملک محمد کے لشکر کے بارے میں یہ خیال کیا کہ یہ ان کے اپنے ہی لشکر سپاہی ہیں لہٰذا کوئی مزاحمت نہ کی۔ ملک محمد کے ہمراہیوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور طغرل کے جس ساتھی کو جہاں پایا وہیں ڈھیر کر دیا۔ بلبن کے جاں نثار سپاہی طغرل کے لشکر کو قتل کرتے ہوئے اور یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے کہ "سلطنت صرف بلبن کا حصہ ہے" آگے بڑھتے جاتے تھے۔ طغرل نے جب یہ شور سنا تو وہ سمجھا کہ بلبن خود لشکر لے کر آ گیا ہے۔ لہٰذا وہ بدحواس ہو کر طہارت

خانے کے راستے سے خیمے سے باہر نکلا اور ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر فرار ہوگیا۔

طغرل کا قتل

چونکہ طغرل کے سر پر نمک حرامی کا وبال تھا اس لیے وہ اپنے لشکر کی طرف نہ گیا۔ بلکہ ایک چھوٹی سی ندی کی طرف، جو لشکر کے قریب ہی بہہ رہی تھی، چل دیا۔ طغرل نے یہ طے کیا تھا کہ وہ اس ندی کو جلد از جلد پار کر کے جاجنگر پہنچ جائے۔ طغرل کے فرار کی وجہ سے اس کی فوج میں سخت انتشار اور بدامنی پھیل گئی اور جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر کو چل دیا۔ ملک مقدر، جس کے ہاتھوں طغرل کا قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا، طغرل کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ ملک مقدر نے ندی کے کنارے طغرل کو جا دبوچا اور ایک ایسا کاری تیر لگایا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ طغرل کے گرتے ہی مقدر خود بھی گھوڑے سے اترا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ طغرل کے ملازمین اپنے آقا کو تلاش کرتے ہوئے چاروں طرف پھر رہے تھے اس لیے مقدر نے طغرل کا سر تو ندی کے کنارے ایک جگہ دفن کر دیا اور جسم ندی میں بہا دیا اور خود ندی کے کنارے بیٹھ کر اپنے کپڑے دھونے لگا اس دوران میں طغرل کے ملازم اسے ڈھونڈتے ہوئے اور "خداوند عالم" "خداوند عالم" کی صدائیں لگاتے ہوئے ادھر سے گزرے، لیکن اپنی صداؤں کا کوئی جواب نہ پا کر مایوس ہو کر چلے گئے۔

انعامات و اعزاز

اسی اثنا میں ملک برلاس کی سواری دور سے آتی ہوئی نظر آئی ملک مقدر دوڑ کر اس کے پاس پہنچا فتح کی مبارکباد دی اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ ملک برلاس نے مقدر کی بے حد تعریف و توصیف کی اور طغرل کا سر مع فتحنامے کے بلبن کی خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ بادشاہ کے گوش گزار کیا۔ یہ قصہ سن کر پہلے تو بلبن نے ملک مقدر اور ملک محمد سے غصے کا اظہار کیا اور کہا "اگر میرا اقبال ساتھ نہ دیتا تو تمہاری غلطی کی تلافی نہ ہو سکتی تھی۔" لیکن آخر میں ان دونوں کی محنت، جاں نثاری اور وفاداری کا خیال کر کے ان کے عہدے میں ترقی کی اور ملک برلاس اور ملک محمد کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ نیز ملک مقدر کو "طغرل کش" کا خطاب دے کر اپنے امراء کی صف میں شامل کیا۔ بلبن نے یہ حکم دیا کہ آج کے دن سے طغرل کو "طغرل نمک حرام" کے نام سے یاد کیا جائے جس طرح طغرل غزنوی کو "کافر نعمت" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

طغرل کے ہمدردوں کا قتل عام

اس کے بعد بلبن نے لکھنوتی کے سفر کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ شہر کے بازار کی دونوں اطراف میں پھانسیاں لٹکائی جائیں اور طغرل کے تمام ساتھیوں، ہمراہیوں اور رشتہ داروں وغیرہ کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل فوراً کی گئی اور طغرل کے حاشیہ برداروں کو قتل کیا جانے لگا۔ مجرموں کے بیوی بچوں کو بھی بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ بلبن سے پہلے دہلی کے کسی بھی بادشاہ نے عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو سیاسی مجرم گردان کر ان کی جانیں تلف نہ کی تھیں۔ طغرل کے ہمدردوں میں ایک فقیر بھی تھا جسے "شاہ قلندر" کہا جاتا تھا۔ طغرل اس قلندر سے بہت محبت کرتا تھا جب طغرل کے حاشیہ نشینوں کو گرفتار کر کے بلبن کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ قلندر بھی ان میں شامل تھا۔ بلبن نے اس سے زبردستی وہ تین من سونا حاصل کیا جو طغرل نے اسے آلات قلندری بنانے کے لیے دیا تھا۔ چونکہ قلندر کے آقا طغرل کے مرنے سے اس کے بھی برے دن آچکے تھے لہٰذا دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ طغرل کے جو سپاہی باقی بچے ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ انھیں ساتھ دہلی لے جایا جائے اور وہاں پہنچ کر ان کو وہی سزا دی جائے جو اوروں کو یہاں دی گئی ہے۔

بغرا خاں کا حاکم لکھنوتی ہونا

ان معاملات سے جب بلبن کو فرصت ملی تو اس نے لکھنوتی کی حکومت اپنے بیٹے بغرا خاں کے سپرد کی اور ہاتھیوں اور خزانے کے

علاوہ جو کچھ مال غنیمت بلبن کے ہاتھ لگا تھا وہ سب اسی کو بخش دیا اسی روز بلبن نے بغرا خاں کو چتر و دور باش بھی عنایت کیا اور لکھنوتی میں اسی کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرا دیا گیا۔

بلبن کی نصیحتیں

جب بلبن لکھنوتی سے دہلی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں۔

(۱) لکھنوتی کے حاکم کو دہلی کے بادشاہ کے، خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا غیر، مقابلے پر آنا اور اس سے بغاوت و سرکشی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر بادشاہ دہلی لکھنوتی پر لشکر کشی کرے تو لکھنوتی کے حاکم کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کہیں دور جا کر پناہ گزین ہوا اور جب دہلی کا بادشاہ واپس چلا جائے تو حاکم لکھنوتی واپس آکر پہلے کی طرح امور سلطنت کو انجام دے۔

(۲) رعایا سے خراج کی رقم لیتے ہوئے میانہ روی اختیار کی جائے نہ تو اس قدر کم رقم لی جائے کہ باغیوں اور سرکشوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملے اور نہ ہی اتنی زیادہ رقم لی جائے کہ رعایا تباہ حال و پریشان ہو جائے۔ ملازموں کی تنخواہ اتنی ہی مقرر کرنی چاہیے جتنی کہ ان کی سال بھر کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ انھیں ضروریات سے کم تنخواہ نہ دی جائے تاکہ وہ غربت اور تنگ دستی کا شکار نہ ہوں۔

(۳) ملک کی مہمات کو اپنے خیر خواہوں کے مشورے کے بغیر سر نہ کیا جائے۔ سلطنت کے احکام جاری کرتے ہوئے اپنی نفسانی خواہشوں کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔ حق کو اپنے نفس پر قربان نہ کیا جائے۔

(۴) اپنے خدمتگاروں اور غلاموں کو، جو حکمرانی کا لازمہ ہیں بے اتفاقی کا شکار نہ کرنا چاہیے۔ ان کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنا چاہیے۔ ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے اور جو کوئی اس کے خلاف ترغیب دے تو اسے اپنا دشمن سمجھ کر اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیے

(۵) ہمیشہ ایسے شخص کی حمایت کی جائے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر خدا کی ذات پر بھروسا کیا ہو۔

دہلی میں واپسی

بلبن نے یہ بیش بہا نصیحتیں کرنے کے بعد بغرا خاں کو خدا حافظ کہا اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوا اور منزل بمنزل سفر کرتا ہوا تین مہینے کے بعد دارالسلطنت پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ملک فخرالدین کوتوال کو، جس نے بلبن کی عدم موجودگی میں حکومت کے بہت سے پیچیدہ مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کیا تھا، شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا۔ بلبن اپنے اس امیر سے اس حد تک خوش ہوا کہ اس نے اپنی قبا اتار کر ملک فخرالدین کو عنایت کی اور اسے اپنا بہترین دوست بنا لیا۔ فخرالدین کے علاوہ دوسرے اطاعت گزار اور فرماں بردار امراء و راکین سلطنت کو شاہی انعامات عطا کر کے ان کی ہمت افزائی کی گئی۔ امراء کے حقوق سے عہدہ بر آ ہونے کے بعد بلبن نے فقیروں اور عالموں کی آستانہ بوسی شروع کی۔ ان سب کے حضور میں نذرانے پیش کیے اور ان کی خدمت میں آداب بجا لایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دیوانی مطالبات کی وجہ سے جو لوگ گرفتار کیے گئے تھے ان سب کو رہا کر دیا جائے اور رعایا کی طرف جو سرکاری رقم نکلتی ہے، معاف کر دی جائے۔ اس کے بعد بلبن نے حکم دیا کہ دہلی کے بازار میں پھانسیاں لٹکائی جائیں اور جتنے مجرم لکھنوتی سے ساتھ لائے گئے ہیں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یہ حکم سنتے ہی سارے شہر میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا کیونکہ لکھنوتی کے قیدیوں میں بہت سے اہل شہر کے رشتہ دار اور عزیز تھے۔ اہل شہر اپنے ان عزیزوں کی ناگہانی موت کی خبر سے آہ و زاری کرنے لگے۔ قاضی شہر سے اہل شہر کی یہ مصیبت اور پریشانی دیکھی نہ گئی یہ شخص بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت ہی نرم و ملائم اور پرسوز الفاظ میں بادشاہ کے دل کو ان قیدیوں کے قصور کی معافی کی طرف مائل کیا۔ قاضی کی گفتگو نے بلبن کے دل پر اثر کیا اور اس نے رحم کھا کر ان تمام قیدیوں کی جان بخشی کی۔

خان شہید کی دہلی میں آمد

شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) نے جب بلبن کی لکھنوتی سے واپسی کی خبر سنی تو وہ اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے ملتان سے دہلی آیا' خان شہید نے بہت سے گراں بہا اور اعلیٰ درجے کے تحائف بلبن کی خدمت میں پیش کیے۔ بلبن اپنے بیٹے کی آمد اور اس کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوا اور اسے شفقت پدرانہ سے مسرور و محظوظ کیا۔ خان شہید نے تین ماہ تک دہلی میں قیام کیا اور اس عرصے میں باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے کی قربت سے بے انتہا خوش ہوئے اور تھوڑی سی دیر کے لیے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ اسی زمانے میں مغلوں کی ہنگامہ آرائیوں کی خبریں پہنچیں اس لیے بلبن نے مجبور ہو کر خان شہید کو رخصت کیا۔ جب خان شہید ملتان جانے کے لیے تیار ہوا تو بلبن نے تنہائی میں اسے بلا کر کہا۔ "میری زندگی کا بہت بڑا حصہ بادشاہت اور حکومت کے کاموں میں گزار ہے اس وجہ سے میرے تجربات کا دائرہ بہت وسیع ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ ایسی نصیحتیں کروں جن پر عمل کرنا ہر حکمران کا فرض ہے۔ یہ نصیحتیں جو میرے بعد تیرے بہت کام آئیں گی یہ ہیں:۔

خان شہید کو نصیحتیں

(۱) تم اپنی عظمت اور حکومت کی شان کو پوری توجہ کے ساتھ برقرار رکھنا۔ اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لیے بادشاہی کی قوت کو کبھی کام میں نہ لانا' تجھے جو کام بھی کرنا ہو وہ خدا کے لیے کرنا اور شاہی خزانوں اور دفینوں کو جو دراصل عطیہ خداوندی ہیں' ہمیشہ اچھے کاموں میں صرف کرنا اور خلق خدا کی بھلائی کی طرف توجہ کرنا' دین کے دشمنوں کو پنپنے نہ دینا اور ان کی سرکوبی بڑی اچھی طرح کرنا' تاکہ وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں۔

(۲) جب خداوند تعالیٰ تجھے مخلوق کی سرداری یعنی بادشاہت عطا کرے تو اس منصب کو آسان نہ سمجھنا فرائض حکمرانی کو خدا کی نیابت سمجھنا اور یہ بہت مشکل چیز ہے۔ تم اس پاک اور بڑے کام کو ناشائستہ حرکات اور ناپسندیدہ عادات کی گندگی سے آلودہ نہ کرنا' کمینے اور ذلیل لوگوں کی صحبت سے دور بھاگنا۔

(۳) تم اپنے ملک کے حالات اور اپنے مقرر کردہ حاکموں کے افعال سے پوری طرح باخبر رہنا اور ان حاکموں کو ہمیشہ یہ تاکید کرنا کہ وہ مستحسن افعال اور اعلیٰ عادات اختیار کریں۔

(۴) ہمیشہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو قاضی اور حاکم مقرر کرنا تاکہ رعایا انصاف اور دینداری کی برکتوں سے مستفید ہوتی رہے۔

(۵) جاہ و حشمت اور شاہی رعب داب اور بادشاہت کے تمام آداب و لوازمات کا خلوت و جلوت میں' ہر جگہ خیال رکھنا اور کسی وقت بھی عیش کوشی اور بے کار کاموں میں مصروف نہ ہونا۔

(۶) پاک طینت اور عالی ہمت لوگوں کو ہمیشہ انعام و اکرام سے مالا مال کرنا' ان کی دلجوئی اور خاطرداری پوری طرح کرنا۔ عقلمندوں اور اہل ہنر کی مدد اور ہمت افزائی کرتے رہنا' لالچی اور بے رحم لوگوں سے کبھی کسی بھلائی کی توقع نہ رکھنا کیونکہ ملک اور مذہب کی بہتری اسی میں ہے کہ یہ لوگ سلطنت کے انتظامی امور سے علیحدہ رہیں۔

(۷) عالی ہمتی اور بادشاہت دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔ دنیا کے تمام عقلمندوں اور دانشوروں نے ان دونوں کو جڑواں بھائیوں سے تشبیہ دی ہے اور یہ کہا ہے کہ بادشاہ کی ہمت کو بھی تمام ہمتوں کا بادشاہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر بادشاہ کی ہمت اور عام لوگوں کی ہمت مین کوئی فرق نہ ہوگا تو پھر بادشاہ اور عام لوگوں میں بھی کوئی فرق باقی نہ رہے گا' بے ہمتی اور بادشاہت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

(۸) جس شخص کی ایک بار تم عزت کروا سے چھوٹی سی خطا پر کبھی ذلیل نہ کرنا' اپنے ہمدردوں اور مخلصوں کو سوائے کسی ملکی ضرورت کے کبھی رنجیدہ نہ کرنا اور اپنے سلوک سے دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش نہ کرنا' اگر کسی دشمن کو سیاست کے پنجے میں

گرفتار کرنا ہو تو نرمی اور عاقبت اندیشی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا' شرفاء کو تکلیف و اذیت دینے میں عجلت سے کام نہ لینا' اس لیے کہ ایسے لوگوں کی بے عزتی کا زخم آسانی سے نہیں بھرتا اور پھر اس کی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۹) بد زبان لوگوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا اور ان سے زیادہ تعلقات نہ بڑھانا' کیونکہ ایسے لوگوں کا اعتبار کرنے اور ان سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے اطاعت گزار اور فرمانبردار غلاموں اور ہمدردوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے اور حکومت کے کاموں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جس کام کو پورا ہونے میں تمھیں شبہ ہو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالنا' کیونکہ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا بادشاہوں کے لیے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔

(۱۰) عقلمندوں اور دانشوروں کے مشورے کے بغیر کسی کام کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ بادشاہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ رعایا کی اچھی بری بات سے واقف ہو۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر معاملے میں وہ اعتدال سے کام لے۔ نیز غصہ کی تیزی نہ دکھائے کیونکہ ایسے بادشاہوں سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے' سستی اور غیر ضروری نرمی کو بھی پاس نہ پھٹکنے دے' کیونکہ اس سے سرکشوں اور باغیوں کی ہمت بڑھتی ہے اور رعایا بدامنی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہر وقت اپنی حفاظت کرتے رہنا چاہیے کیونکہ بادشاہ کی جان رعایا کے لیے ڈھال کا کام کرتی ہے اور اسے ہر طرح کے مصائب سے بچاتی ہے۔ اپنی دروازے پر ہمیشہ مخلص اور قابل اعتبار پاسبانوں کو مقرر کرنا' اپنے چھوٹے بھائی سے ہمیشہ محبت اور نرمی کا سلوک کرنا اور اسے اپنا دست و بازو سمجھنا' اس کی جاگیر کو اسی طرح بحال رکھنا اور کسی کے چغلی کھانے پر اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کرنا۔

تیمور خاں کا حملہ

بلبن نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کر کے رخصت کیا۔ خان شہید نے ملتان پہنچ کر بے شمار مغل ڈاکوؤں کو' جو سرحدی مقامات پر لوٹ اور غارت گری کا بازار گرم کیا کرتے تھے تہہ تیغ کر کے ان کے قبضے سے اپنا ملک نکال لیا۔ انھیں دنوں ایران کے تخت حکومت پر ارغون خاں بن اباق خاں بن ہلاکو خاں بیٹھا تھا اور نامی گرامی چنگیزی امیر تیمور خاں جو ہرات' قندھار' بلخ' بدخشاں' غزنی اور بامیاں وغیرہ کا حاکم تھا (اپنے ان عزیزوں اور ہم قوموں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے' جو خان شہید کے مقابلے میں مارے گئے تھے) بیس (۲۰) ہزار مغلوں کا ایک زبردست لشکر لے کر لاہور اور دیپالپور کے درمیانی علاقے میں آیا اور لوٹ مار مچا کر ملتان کی طرف بڑھا۔ خان شہید نے جب تیمور خاں کی آمد کی خبر سنی تو اس نے صبح سویرے ملتان سے کوچ کیا اور آب لاہور کے کنارے جو ملتان میں بہتا ہے دوپہر کے وقت تیمور خاں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔

تیمور اور خان شہید میں جنگ

تیمور خاں نے دریا کو پار کرنے کے بعد اپنی فوج کے میمنہ' میسرہ' قلب اور جناح کو مرتب کیا اور خان شہید سے جنگ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ خان شہید کی فوج نے اپنی جاں بازی کے جوہر دکھائے اور چند نامی گرامی مغل سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور تیمور خاں کو شکست دی جب مغل سپاہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو ہندوستانیوں کی فوج نے بڑی عاقبت نااندیشی اور انجام فراموشی کے ساتھ ان مفرور سپاہیوں کا تعاقب کیا۔

شہزادہ سلطان محمد (خان شہید) کی شہادت

شہزادہ سلطان محمد کا آخری وقت قریب آ چکا تھا اس خوش فطرت شہزادے نے ظہر کی نماز کے لیے دریا کے کنارے جانماز بچھائی اور اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہوگیا۔ اسی اثنا میں دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ جو کمین گاہوں میں چھپا ہوا تھا موقع پا کر نکلا اور اس نے خان شہید پر حملہ کر دیا۔ خان شہید نے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر مغلوں کا مقابلہ کیا اگرچہ خان شہید کے لشکری اور سواری کے گھوڑے تھکن سے چور چور ہو رہے تھے۔ لیکن موت کے خیال کی وجہ سے خان شہید معرکہ آرائی پر مجبور ہوگیا۔ اس نے کئی

مرتبہ مغلوں پر حملہ کیا اور ہر مرتبہ ان کو قتل کیا۔ قبل اس کے کہ مغل شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہوتے سوئے اتفاق سے ایک جان گداز تیر خان شہید کو آکر لگا اور اسی سے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد مغل سپاہی بڑی تیزی سے خان شہید کے لشکر پر حملہ کرنے لگے۔ انھوں نے گھوڑوں اور دوسرے سامان پر قبضہ کر لیا اور بچے کھچے سپاہیوں کو گرفتار کر کے دشمن کے غلبے کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

کیخسرو حاکم ملتان

مغل جن لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے ان میں حضرت امیر خسرو بھی شامل تھے ان کی رہائی کی روداد وہی ہے جو انھوں نے اپنی تصانیف "خضر خانی" اور دیولدی میں بیان کی ہے۔ خان شہید کے انتقال کی خبر سن کر بلبن پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کچھ دن اس کے سوگ میں بسر کرنے کے بعد بلبن نے خان شہید کے نوجوان بیٹے کیخسرو کو چتروامارت بادشاہی عطا کر کے اس کے باپ کی جگہ ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ کیخسرو نے ملتان پہنچ کر اپنے باپ کے ہمدردوں اوز ساتھیوں کی دلجوئی کی۔ کیخسرو کی عنایات و انعامات نے مضحمل و پریشان رعایا اور سپاہیوں کے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔

بلبن کی بیماری

غیاث الدین بلبن کی عمر اب اسی (۸۰) سال ہو چکی تھی۔ خان شہید کی دائمی مفارقت سے اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔ اگرچہ بظاہر وہ یہی کہتا تھا کہ میں راضی برضا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی مرضی کے پیش نظر مجھے خان شہید کی موت کا کوئی غم نہیں ہے۔ لیکن وہ تنہائی میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے بیٹے کو یاد کرتا تھا، زار وقطار روتا تھا اور آہ و فریاد کرتا تھا جب بلبن نے یہ دیکھا کہ خان شہید کا غم روز بروز اس کی حالت تباہ کیے جا رہا ہے تو اس نے اپنے دوسرے بیٹے بغرا خان کو لکھنوتی سے بلایا۔ بغرا خاں وہاں سے چل پڑا، لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ بلبن کی کمزوری نے بیماری کی صورت اختیار کر لی اور چند ہی دنوں میں وہ صاحب فراش ہوگیا۔ بغرا خاں اپنے باپ کی بیماری کا حال سن کر جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ بغرا خاں نے باپ کو رنجیدہ و ملول دیکھ کر بھائی کی تعزیت کی اور باپ کو دلاسا دیا۔ بلبن نے بغرا خاں سے کہا "تمہارے بھائی کی وفات نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا اب میں موت کے قریب آپہنچا ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اب میرا آخری وقت بہت قریب آگیا ہے۔ خان شہید کے بعد تمھارے سوا میرا کوئی اور وارث نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمھارا مجھ سے دور رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ تمھارا بیٹا کیقباد اور خان شہید کا لڑکا کیخسرو، دونوں ہی ابھی نوجوان ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ حکومت آگئی تو خدا جانے وہ اپنی ناتجربہ کاری اور جوش جوانی کے باعث کیا کچھ کرے۔ تمھیں یہ یاد رہنا چاہیے کہ لکھنوتی کے حاکم کو ہر حال میں بادشاہ دہلی کی اطاعت کرنی چاہیے اور اگر تم بھی سلطنت دہلی پر بیٹھو تو تمھیں چاہیے کہ لکھنوتی کے حاکم کو اپنا مطیع اور باجگذار بنا کر رکھو۔ ان حالات کے پیش نظر میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تمھیں مجھ سے دور نہیں رہنا چاہیے۔"

بغراخاں نے بلبن کی بات کی اہمیت کو سمجھا اور دہلی میں مقیم ہوگیا۔

کیخسرو کی ولی عہدی

کچھ دنوں بعد بلبن کی طبیعت سنبھلنے لگی اور اس کے چہرے سے صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے یہ دیکھ کر بغراخاں کو باپ کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوگیا اور وہ شکار کے بہانے سے بلبن کی اجازت و اطلاع کے بغیر ہی لکھنوتی چلا گیا۔ بلبن کو بغرا خاں کی اس جدائی کا خان شہید کی موت سے بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ بغرا خاں ابھی لکھنوتی میں پہنچا بھی نہ تھا کہ بلبن کے مرض نے پھر اس پر حملہ کیا اور بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ اب اس کا زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اس نے کیخسرو کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور اسے اپنے پاس بلایا۔ کیخسرو جب دہلی آگیا تو بلبن نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

بلبن کا انتقال

جب بلبن چند روز کا مہمان رہ گیا تو اس نے نامی گرامی امراء مثلاً وزیر الملک، وکیل السلطنت اور فخرالدین کوتوال وغیرہ کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ "تم لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ شہزادہ بغرا خاں سے میں ہمیشہ ناخوش اور آزردہ خاطر رہا ہوں۔ اس کے برعکس میں خان شہید سے ہمیشہ خوش اور راضی رہا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خان شہید میری ہر بات مانا کرتا تھا اور میرے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتا تھا، وہ میرے کسی فرمان سے ذرا بھی تجاوز نہ کرتا تھا، لیکن بغرا خاں نے کبھی میری بات نہیں مانی وہ ہمیشہ میرے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے اور اگر کبھی اس نے میری کوئی بات نانی بھی ہے تو محض خان شہید کے خوف سے مجھے باپ اور واجب الاطاعت سمجھ کر اس نے کبھی میرا کہا نہیں مانا۔ ان تمام باتوں کو باوجود میں نے اپنی علالت کے زمانے میں بغراخاں کو لکھنوتی سے بلا کر یہاں دہلی میں رہنے کی تاکید کی اور اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن افسوس کہ اس نے میرے اس آخری حکم کی تعمیل بھی نہ کی، اس صورت حال میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بغراخاں کو ولی عہدی سے معزول کر دوں اور کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کروں۔ میرے بعد تم لوگ کیخسرو کو اپنا بادشاہ منتخب کر لینا اور کیقباد کو اس کے باپ کے پاس لکھنوتی بھیج دینا۔ کوتوال فخرالدین اور دوسرے امراء نے بادشاہ سے اس وصیت پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس واقعہ کے تیسرے دن ۶۸۵ھ کے آخر میں بلبن نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

کیقباد کی تخت نشینی

ملک فخرالدین کوتوال (کسی وجہ سے) خان شہید سے آزردہ خاطر تھا۔ اس لیے اس نے اس کے بیٹے کیخسرو کو بادشاہ بنانا پسند نہ کیا۔ اس نے دربار کے دوسرے امیروں سے کیخسرو کو معزول کرنے اور اس کی جگہ بغراخاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کرنے کا مشورہ کیا۔ فخر الدین کوتوال نے امراء سے کہا۔ "کیخسرو مزاج کا بہت درشت ہے اگر حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آگئی تو یہ بات اچھی نہ ہوگی اور ہم لوگوں کے لیے آرام اور چین سے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اس کے برخلاف کیقباد بہت ہی نیک نفس اور سیدھی سادی طبیعت کا مالک ہے۔ اس نے غیاث الدین بلبن کی آغوش محبت میں تربیت حاصل کی ہے۔ اس لیے یہی مناسب ہے کہ ہم کیقباد ہی کو بادشاہ کا جانشین منتخب کریں۔ ان بیچارے امیروں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ اگر کیقباد کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور آگئی تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور کیقباد کا وجود ہزارہا فتنوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ دربار کے تمام امراء نے فخرالدین کوتوال کی رائے سے اتفاق کیا۔ انھوں نے کیخسرو کو ملتان روانہ کر دیا اور کیقباد کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔

اگر ہم غیاث الدین کے عہد کو سب زمانوں میں بہتر زمانہ قرار دیں تو نامناسب نہ ہوگا اس کے عہد حکومت میں شیخ فریدالدین شکر گنج، شیخ الشیوخ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی" اور انکے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف، شیخ بدرالدین غزنوی" خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" اور سیدی مولا جیسے بزرگان صاحب حال اور درویشان کامل اپنے فیض سے ہندوستان کی سرزمین کو سیراب کر رہے تھے۔

غیاث الدین بلبن نے بائیس (۲۲) سال تک حکومت کی۔

معزالدین کیقباد

ابتدائی حالات

غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد امیروں اور ارکان سلطنت وغیرہ نے آپس میں مشورہ کر کے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو معزالدین کا خطاب دے کر بلبن کا جانشین بنا دیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ اس نے بڑی موزوں طبیعت پائی تھی اور وہ نکتہ رسی، سخن فہمی اور بہت سی دوسری عمدہ صفات کا مجموعہ تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ خداوند تعالٰی نے اسے صورت بھی بڑی دلکش دی تھی۔ اس کی عالی نسبی نے اس کی ذاتی خوبیوں اور حسن و جمال کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ یہ نو عمر فرمانروا باپ کی طرف سے تو بلبن کا پوتا تھا اور ماں کی طرف سے (اپنے باپ کی طرح) سلطان شمس الدین التمش کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ ناصرالدین محمود کا نواسا تھا اور بغرا خاں التمش کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

عیش کوشی

پیدائش سے لے کر تخت نشینی کے وقت تک کیقباد کی پرورش بلبن کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس کا سارا وقت تحصیل علم ہی میں صرف ہوا تھا۔ نیک طبیعت اور بااخلاق استادوں، اچھی عادتیں رکھنے والے ندیموں کے ساتھ اس کا وقت گزرتا تھا اور یہ لوگ کیقباد کے ہر کام کی نگرانی کرتے تھے۔ مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ کیقباد کو بیکار گزارنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہ ملتا تھا۔ جب قسمت نے کیقباد کو شہزادگی سے فرمانروائی کے درجے تک پہنچایا تو وہ نگرانی کی ہر طرح کی قیدوں سے آزاد ہو گیا اور اس نے بڑی فراخ دلی سے عیش کوشی اور نفس پرستی میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کر دیا۔ ان کاموں میں وہ اس طرح "مصروف" ہوا کہ اسے نفس پرستی کے سوا اور کوئی بات یاد نہ رہی، گویوں، مسخروں، شرابیوں اور عیش پرستوں کے اقبال کا ستارہ بلند ہو گیا۔ گلی گلی، کوچے کوچے، گانے بجانے، ناچ، راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ بادشاہ کا یہ عالم دیکھ کر الناس علی دین ملوکھم کے مصداق ہر امیر اور دولت مند عیش و عشرت اور بادہ خواری کا گرویدہ ہو گیا۔ شہر کے بوڑھے، بچے اور جوان، سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے گئے اور دہلی کے ہر گوشے سے غزل خوانی کی شیریں آوازیں آنے لگیں۔ شرعی قوانین کی کوئی پروا نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں شراب کے سیلاب میں بہا دیا گیا ہے۔ حالت بہ اینجا رسید کہ قاضی اور محتسب جیسے لوگ بھی ان اعمال خبیثہ میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی دربار میں مسخروں اور گویوں کے سوا کوئی اور نظر نہ آتا تھا۔

معزالدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے کیلوکھری میں ایک بڑا شاندار محل اور اس کے ساتھ ایک خوب صورت اور وسیع باغ بنوایا اور اسی کو اپنی قیام گاہ بنا کر یہیں دارالسلطنت کی بنا ڈالی۔ دربار شاہی خوبصورت گانے والیوں اور بذلہ سنج اشخاص کا مرکز بن گیا۔ کیقباد کی یہ حالت تھی کہ پل بھر کے لیے بھی وہ ساقی و شراب کی فرقت گوارا نہ کرتا تھا اور جی کھول کر شاہی خزانے سے دولت نکال نکال کر لوگوں کو بخشتا تھا۔

نظام سلطنت

ملک نظام الدین جو ملک فخرالدین کوتوال کا بھتیجا اور داماد تھا۔ کیقباد کا دست راست تھا اور "وکیل در" کے عہدے پر سرفراز ہو کر سلطنت کے امور کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا۔ اپنے زمانے کے فاضل اجل ملک قوام الدین علاقہ کو وکیل السلطنت مقرر کیا گیا۔ تمام امراء اور ارکان سلطنت نے بھی بادشاہی محل کے اردگرد اپنے محل تعمیر کروائے اور دن رات داد عیش دینے میں مصروف ہو گئے۔ ہر روز، روز

عید تھا اور ہر شب' شب برات- شراب کی مانگ اتنی بڑھی کہ اس کی قیمت میں دس گنا اضافہ ہو گیا- گویوں کی قدر و منزلت ایسی بڑھی کہ وہ بڑی مشکلوں سے دستیاب ہوتے- مسجدوں اور خانقاہوں پر ویرانی ہی ویرانی چھا گئی وہاں کوئی شخص نظر نہ آتا' لیکن شراب خانوں کی آبادی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی-

ملک نظام الدین کا جنون

کیقباد کی عیش کوشی اور بے خبری کا یہ رنگ دیکھ کر ملک نظام الدین کے سر میں حکومت کا سودا سمایا اور اس نے سوچا کہ اس بادشاہ کو حکومت سے علیحدہ کرنا بہت آسان ہے- بغراخان لکھنوتی کی حکومت پر اکتفا کر کے بنگالے میں خاموشی سے بیٹھا ہوا ہے- لے دے کر ایک کیخسرو ہی ایسا ہے جو نظام الدین کے راستے میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے- یہ سوچنے کے بعد ملک نظام الدین نے سب سے پہلے کیخسرو کا خاتمہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی تباہی و بربادی کے منصوبے باندھنے لگا- اس بے وفا امیر نے سلطنت کے دوسرے امراء اور ارکان سے تعلقات بڑھائے- ان امراء اور ارکان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ نظام الدین کا کیقباد پر بہت اثر ہے لہٰذا وہ خوف کی وجہ سے اسی کی ہاں میں ہاں ملانے لگے- غلط فہمی کی بنا پر نظام الدین ان امراء اور ارکان کو اپنا سچا اور مخلص دوست سمجھ کر اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہو گیا-

کیخسرو کے اندیشے

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں اور مشہور شاعر عصامی نے اپنی تصنیف "فتوح السلاطین" میں تحریر کیا ہے کہ کیخسرو کو جب اپنے چچازاد بھائی کیقباد کی تخت نشینی اور اس پر ملک نظام الدین کے اثر اور اس کے ارادوں کی خبر ملی تو اس نے غزنی کے حاکم تیمور خاں سے تعلقات بڑھائے اور خود غزنی پہنچ کر تیمور خاں سے کیقباد اور ملک نظام الدین کے مقابلے کے لیے امداد کا طالب ہوا- کیخسرو کو توقع کے مطابق جواب نہ ملا اور تیمور خاں نے اس کی درخواست کو قبول نہ کیا- کیخسرو رنجیدہ و ملول ہو کر غزنی سے ملتان واپس آ گیا اور معزالدین کیقباد کو یہ پیغام بھجوایا- میرا یہ فرض ہے کہ میں ہر حال میں تمھاری اطاعت اور فرمانبرداری کروں اور مجھے یہ یقین ہے کہ تمھیں مجھ سے برادرانہ محبت اور خلوص ہے لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے دربار کے کچھ عاقبت نا اندیش لوگ تمھارے اور میرے درمیان فساد کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں- یہ اہل غرض لوگ تمھیں میرے خلاف اکساتے رہتے ہیں اور میری طرف سے تمھارے کان بھرتے رہتے ہیں' لیکن اگر تم مجھے اپنا بہی خواہ اور سچا ہمدرد سمجھ کر میرے باپ کی جگہ میرے حوالے کرو تو یہ فعل برادرانہ شفقت اور حمیت کے عین مطابق ہو گا

کیخسرو کا قتل

کیقباد نے اس پیغام کا جواب یہ بھجوایا "میں دنیا میں تجھ سے بڑھ کر کسی اور سے محبت نہیں کرتا ہوں جو کچھ گزر چکا ہے اسے تم اپنے دل سے نکال ڈالو اور بغیر کسی خوف و خطر کے میرے پاس آجاؤ تاکہ بد زبانوں کی زبانیں بند ہو جائیں اور میں تمھیں بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ ملتان کا حاکم مقرر کر دوں-" یہ جواب پانے کے بعد کیخسرو نے دہلی کی طرف کوچ کیا- ملک نظام الدین پہلے ہی سے بلبن کے خاندان کی تباہی کا تہیہ کیے بیٹھا تھا- جونہی اس نے کیخسرو کی روانگی کی خبر سنی اس نے اپنی عیاری اور چالاکی کا جال بچھایا اور کیقباد سے کہا' شاہزادہ کیخسرو تیرا شریک سلطنت ہے اور غیاث الدین کے بڑے بیٹے کا جانشین ہے میں جانتا ہوں کہ فلاں فلاں امراء اس سے خفیہ طور پر مراسلت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکومت تمھارے ہاتھوں سے چھین کر کیخسرو کے ہاتھ میں دے دیں- کیقباد اس وقت نشے کے عالم میں تھا غفلت کی اس کیفیت میں اس نے ملک نظام الدین کی باتوں کا یقین کر لیا اور فوراً کیخسرو کے قتل کا فرمان لکھ کر نظام الدین کے حوالے کر دیا- یہ فرمان حاصل کرتے ہی ملک نظام الدین نے اپنے چند خاص الخاص امیروں کو کیخسرو کا سر لانے کے لیے روانہ

کیا۔ ان امراء نے رہتک کے علاقے میں پہنچ کر کیخسرو اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

ملک نظام الدین کا عروج

ملک خطیر بادشاہ کا مشیر اور وزیر تھا اس پر بھی ملک نظام الدین نے سازش کا الزام لگایا اور اسے گدھے پر بٹھا کر بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ شہر سے نکال دیا۔ خواجہ خطیر کے علاوہ غیاث الدین بلبن کے اور بھی کئی امراء کو اسی طرح سازش کے الزام میں تہہ تیغ کیا گیا اور ان کی لاشوں کو دریائے جمنا کی لہروں کی سپرد کر دیا گیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں طرف ملک نظام الدین کے رعب و داب کا سکہ بیٹھ گیا (امراء بھی اس سے سہمے سہمے رہنے لگے) اور اس کی شان و شوکت میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا۔

انہیں دنوں یہ خبر ملی کہ مغلوں کی فوج لاہور کے قریب پہنچ گئی ہے۔ مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک باربیگ براس اور خان جہاں کو روانہ کیا گیا۔ لاہور کے نواح میں فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ اس لڑائی میں مغلوں کے بہت سے سردار مارے گئے اور جو بچے انہیں گرفتار کر کے دہلی لایا گیا۔

امراء کی تباہی و بربادی

اس کے بعد ملک نظام الدین نے عیاری اور چالاکی کا ایک اور جال بچھایا' ایک روز تنہائی میں اس نے کیقباد سے یہ کہا جو مغل امیر سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے دہلی میں مقیم ہیں' وہ بھی اپنے ہم قوموں اور ہم جنسوں کی سی خصوصیات رکھتے ہیں۔ اگر انہوں نے کسی روز آپ کی اطاعت سے منحرف ہو کر بغاوت کی تو پھر ان کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ کیقباد ملک نظام الدین کی ان توہم آمیز باتوں میں آ گیا اور اس نے دہلی کے تمام مغل امیروں کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔ نظام الدین نے ان امراء کو ایک دن میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ دہلی کے وہ امراء جو مغل امیروں کے رشتہ دار تھے انہیں گرفتار کر کے دور دراز علاقوں میں بھجوا دیا گیا اور قلعوں میں نظربند کر دیا گیا۔ قدیم امراء کو خوب اچھی طرح تباہ کرنے کے بعد ملک نظام الدین نے دوسرے امراء پر نگاہ ڈالی اور اس نے ملتان کے حاکم ملک نظام بیگ اور لاہور کے حاکم ملک ترکی کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ نظام الدین (حسب سابق) ان مقاصد میں بھی کامیاب ہو گیا اور سارا ملک اس کے حریفوں سے خالی ہو گیا۔

نظام الدین کا خیال خام

ان امراء کی تباہی و بربادی کے بعد کیقباد پوری طرح ملک نظام کے قبضے میں آ گیا۔ اگر کوئی ہمدرد و بہی خواہ کیقباد سے ملک نظام الدین کے بارے میں کچھ کہتا تو کیقباد فوراً نظام الدین کو اطلاع کر دیتا پھر اسے گرفتار کر کے نظام الدین کے پاس بھجوا دیتا۔ ملک نظام الدین کی بیوی نے جو امیر الامراء ملک فخرالدین کوتوال کی بیٹی تھی' شاہی محلات کی طرف توجہ کی۔ وہ بادشاہ کی منہ بولی ماں بن کر شاہی محلات پر چھا گئی اور ہر طرف اس کا حکم چلنے لگا۔ جو امراء کسی نہ کسی طرح بچ گئے تھے وہ نظام الدین کی "دربار داری" کرنے لگے' اور اپنے آپ کو اس چالاک و عیار امیر کی دست و برد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان تمام باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بادشاہ کی بارگاہ بے رونق اور بے نور ہو کر رہ گئی' دربار شاہی کی تمام شان و شوکت اب نظام الدین کے دروازے پر نظر آنے لگی۔ امیر الامراء ملک فخر الدین کوتوال جو اس وقت نوے (۹۰) سال کا ہو چکا تھا اسے بھی اپنے چالاک داماد کی "کارستانیوں" کی خبریں ملیں۔ اس پیرانہ سال امیر نے اپنے عاقبت نااندیش اور مغرور بھتیجے (اور داماد) کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور پر زور دلیلوں سے اسے ذہن نشین کرانا چاہا کہ سلطنت کا خیال خام وہ چھوڑ دے' لیکن ملک نظام پر ان نصائح کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے ضعیف العمر چچا کو یہ جواب دیا "آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے اور آپ کے کہنے کے خلاف عمل کرنا نادانی اور حماقت ہے' لیکن میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس سے تمام خلق خدا میری جانی دشمن ہو گئی ہے اور سب لوگوں پر میرا مقصد واضح ہو گیا ہے۔ اب اگر میں اپنے ارادے سے منحرف ہو گیا تو لوگ مجھے زندہ نہ

چھوڑیں گے"۔ ملک فخرالدین نے یہ جواب سن کر نظام الدین کو بہت سخت سست کہا اور لعنت ملامت کی اور اسے اپنے سامنے سے دور کر دیا۔ درباری امراء کو جب ملک فخرالدین کی اس بات کا علم ہوا تو ان سب نے اس بوڑھے امیر کی وفاداری کو سراہا اور اس کی انجام بینی کی تعریف کی یہ امراء ملک فخرالدین کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے

بغرا خاں کا حملہ

انھیں دنوں بغرا خاں کو اپنے نو عمر بیٹے اور نظام الدین کے اقتدار و تسلط سے آگاہی ہوئی۔ اس نے کیقباد کے نام ایک نصیحت آمیز خط لکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں اس کو ملک نظام الدین کی عیاری و چالاکی اور اس کے ارادوں سے آگاہ کیا' لیکن کیقباد پر باپ کے اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جب بغرا خاں نے یہ دیکھا کہ کسی طرح بھی کیقباد کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو اس نے دو سال انتظار کرنے کے بعد مجبوراً دہلی پر حملہ کر دیا۔ کیقباد کو جب اپنے باپ کے ارادوں کی اطلاع ملی اور یہ خبریں پہنچیں کہ بغرا خاں کا لشکر بہار تک پہنچ گیا ہے تو اس نے بھی اپنی فوج تیار کی اور باپ کا مقابلہ کرنے کے لیے بہار کی طرف بڑھا اور گرمیوں کے دنوں میں دریائے گھگر کے کنارے پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ بغرا خاں کو جب معلوم ہوا کہ کیقباد دریائے گھگر کے کنارے مقیم ہوا ہے تو وہ بہار سے چل پڑا اور آب سرد کے کنارے پہنچا۔ جب باپ بیٹے کے لشکر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو بغرا خاں نے دہلی کی حکومت کے خیال کو ترک کر کے صلح کے خطوط کو کیقباد کے پاس بھیجا اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

باپ بیٹے میں صلح

ملک نظام الدین کیقباد پر چھایا ہوا تھا اور اس کے ارادے اسی صورت میں پورے ہو سکتے تھے کہ باپ بیٹوں میں ٹھنی رہے۔ لہٰذا اس نے کیقباد کو بغرا خاں سے صلح کرنے سے باز رکھا' کیقباد اپنی عاقبت نا اندیشی کی وجہ سے باپ سے معرکہ آرائی کے لیے تیار ہو گیا۔ باپ بیٹوں میں مسلسل تین روز تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب بغرا خاں نے یہ دیکھا کہ "حریفانہ نامہ و پیام" سے کام نہیں نکلتا تو اس نے پدرانہ جذبات سے کام لیا اور کیقباد کے نام ایک محبت آمیز خط بھیجا' جس میں تحریر کیا "اے بیٹے میں تیری جدائی کی وجہ سے بہت پریشان و ملول ہوں اور تجھ سے ملنے کا بہت شوق ہے اگر تو کوئی ایسا انتظام کر سکے کہ میں تجھے ایک لمحے کے لیے دیکھ سکوں تو اس سے مجھے بڑا سکون پہنچے گا اور تیرے عیش و آرام میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے گا" اس خط نے کیقباد کو متاثر کیا اور اس نے لڑائی کے خیال کو دل سے نکال دیا اور صلح کا ارادہ کر لیا اور باپ سے تنہائی میں ملنے کا ارادہ کر لیا۔ ملک نظام نے اسے تنہا ملنے سے روکا آخر کار یہ طے پایا کہ کیقباد اپنی تمام شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آب گھگر کے کنارے سے روانہ ہو اور آب سرد کے کنارے جا پہنچے اور بغرا خاں بادشاہ کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آب سرد کی دوسری طرف سے سفر کرتا ہوا کیقباد سے ملنے کے لیے آئے۔ منجموں نے باپ بیٹوں کی ملاقات کے لیے ایک مبارک گھڑی کا تعین کر دیا اور بغرا خاں اسی وقت کشتی میں سوار ہو کر دریا کے اس پار آ گیا' دریا کو پار کر کے وہ شاہی قیام گاہ کی طرف بڑھا اور خلوت خانے میں پہنچ کر تین جگہ زمین بوس ہوا۔ ابھی وہ بادشاہ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کیقباد نے تخت سے اتر کر اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور فرط محبت سے زار زار رونے لگے۔ اس محبت انگیز منظر کا اثر درباریوں پر بھی پڑا اور کئی صاحب دل درباریوں کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے

جب دونوں اچھی طرح ملاقات کر چکے تو بغرا خاں نے کیقباد کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھا دیا اور خود بڑے ادب کے ساتھ تخت کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کیقباد نے جب باپ کا یہ سلوک دیکھا تو وہ تخت سے اتر آیا اور بغرا خاں کو تخت پر بٹھا کر خود اس کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔ اس گھڑی دونوں باپ بیٹوں پر سے روپے اور اشرفیاں نچھاور کی جانے لگیں۔ شاعروں نے مدحیہ قصاید لکھے اور چوبداروں اور نقیبوں نے مبارک سلامت کے شور سے ہنگامہ برپا کر دیا۔ غرض کہ شاہی مجلس کے شایان شان انداز سے مسرتوں کا اظہار کیا گیا۔ دونوں

باپ بیٹے ایک دوسرے کی محبت آمیز گفتگو سے بہت محظوظ ہوئے - کچھ دیر بعد بغرا خاں وہاں سے رخصت ہوا اور دریا کو پار کرکے اپنے پڑاؤ میں پہنچا- اس کے بعد ایک دوسرے کو تحفے تحائف ارسال کیے گئے- دونوں نے ایک دوسرے کو قیمتی اشیاء لذیذ کھانے اور پر لطف شربت روانہ کیے- دونوں لشکروں کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ بیگانگی کی خلیجوں کو پاٹ کر ایک دوسرے سے ہمدردانہ و دوستانہ ملاقات کریں- چند روز تک کیقباد اور بغرا خاں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا- بغرا خاں بیٹے سے ملنے کے لیے آتا اور بیٹا خوب جی کھول کر باپ کی خاطر تواضع کرتا- ان دنوں دونوں باپ بیٹوں کو ایک دوسرے سے ملاقات کرنے اور آرام و عیش سے وقت گزارنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا- حضرت امیر خسرو نے اپنے مثنوی "قران السعدین" میں باپ بیٹے کی اس ملاقات کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے-

جب دونوں ایک دوسرے سے بچھڑنے لگے تو بغرا خان نے کیقباد سے کہا "جمشید کا قول ہے کہ جس بادشاہ کے خزانے میں اتنی دولت نہ ہو کہ وہ دشمن کے غلبے کے وقت اس دولت سے (حسب منشا) کام لے سکے یا قحط کے زمانے میں رعایا کی مدد کر سکے تو ایسے بادشاہ کو فرمانروائے جہاں کہنا مناسب نہیں ہے"- پھر بغرا خاں نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تجھے اور نصیحتیں کروں تجھے چاہیے کہ تو ان نصیحتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرے اور ان پر عمل کرے' اس پر کیقباد نے کہا "آپ میرے سرپرست اور ہمدرد ہیں اور مجھے خواب غفلت سے جگانا چاہتے ہیں آپ میرے لیے جو کچھ بہتر سمجھیں بلا تکلف فرمائیں تاکہ میں ان نصیحتوں پر عمل کر سکوں اور ان کے خلاف نہ جاؤں" بغرا خاں کی محبت پدری جوش میں آئی اور اس نے کہا' میں جو اتنی دور سے یہ پر مصیبت سفر گوارا کرکے آیا ہوں تو اس کا مقصد یہی تھا کہ تجھے نصیحت کرکے اپنا فرض پورا کروں - جوانی کی غفلتوں کی خواب سے تجھے بیدار کروں- یہ کہنے کے بعد ناصر الدین نے شاہی دربار میں تخلیہ کرایا پھر کہا کہ ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو بھی یہاں بلایا جائے تاکہ میں ان دونوں کے سامنے سب باتیں کروں- ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین فورا" حاضر ہوگئے- بغرا خاں نے کیقباد سے کہا "اے فرزند تمھیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ خدا نے تمہیں میرے باپ کا جانشین بنایا مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی اور میں یہی سمجھتا تھا کہ دہلی کی حکومت میرے ہی قبضے میں آئی ہے لیکن جب مجھے تمھاری لاپروائی کی خبریں پہنچیں تو مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس غفلت اور عیش کوشی کے باوجود تم زندہ کس طرح رہے- میں تو مدت سے تم کو اور اپنے آپ کو مردہ خیال کرتا ہوں اور عرصہ ہوا میں اپنے آپ سے اس کی تعزیت بھی کر چکا ہوں- تمھاری اس حالت کو دیکھ کر میں دہلی اور لکھنوتی دونوں حکومتوں کو مائل بزوال سمجھ رہا ہوں - خصوصا" اس دن تو مجھے اس سلطنت کے زوال کا مکمل یقین ہوگیا تھا جس دن تم نے میرے باپ کے وفادار اور پروردہ امیروں کا ناحق خون کیا- اس ظلم اور خونریزی سے ایک تو یہ بے نظیر امیر اپنی جان سے گئے اور ساتھ ہی دوسرے ارکان سلطنت بھی ان بے گناہوں کی موت کو دیکھ کر تم سے برگشتہ اور خوفزدہ ہوگئے - اب مجھے اس سلطنت کی خوشحالی اور بقا کی کوئی امید نہیں ہے- میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے تم اس سے بالکل بے خبر ہو- تمھارے کان بہرہ اور آنکھیں نا آشنا ہیں- ذرا غور کرو کہ میرے بڑے بھائی نے جو ولی عہد تھا ایک ہی بیٹا یادگار چھوڑا تھا اور خود باپ کے سامنے ہی وفات پاگئے تھے- اس کا بیٹا کیخسرو ہر طرح سے سلطنت کا حقدار تھا اور تمھارا بازو تھا مگر خود غرض امیروں اور دوستوں کے کہنے پر تمھارے ظلم کا شکار ہوگیا- ان فسادیوں اور بدخواہوں کا تو مقصد ہی یہی ہے کہ کیخسرو کے بعد تمہیں بھی ختم کر ڈالیں اور بلبنی خاندان کو ختم کرکے یہ بد اصل خود سلطنت پر قابض ہونا چاہتے ہیں- تمھیں اگر اپنی جوانی پر رحم نہیں آتا تو اپنی اولاد اور متعلقین ہی پر رحم کرو- اس غفلت کی نیند سے اٹھو اور اپنی حفاظت خود آپ کرو- یہ میری چار نصیحتیں ہیں ان پر ہمیشہ کاربند رہو-

نصیحتیں

(1) اپنی صحت اور جان کا خیال رکھو اور علاج معالجے کی طرف پورا دھیان دو- ذرا آئینے میں اپنی صورت تو دیکھو یہ چہرہ کبھی گلاب کے پھول کی طرح تازہ اور شاداب تھا اور اب جوانی کی غلط کاریوں کی وجہ سے لکڑی کی طرح خشک اور زرد ہے- عیاشی نے تمہیں کمزور اور

ضعیف کر دیا ہے ان عادات کو بالکل ترک کر دو- کیوں کہ جب تمھاری جان ہی سلامت نہیں دنیاوی لذتوں سے کس طرح لطف اندوز ہو سکو گے-

(۲) اب اپنے امیروں اور حاکموں کی خونریزی سے اجتناب کرو تاکہ تمھارے خیر خواہ تم پر کچھ بھروسہ کر سکیں- ان امیروں یعنی ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو ناراض مت کرو یہ تجربہ کار اور دور اندیش ہیں- اپنے پختہ کار امیروں میں سے دو اور امیروں کو منتخب کر کے اپنا شریک کار بناؤ- ان چاروں امیروں کو ایوان سلطنت کے چار ستون سمجھو- ایک کو وزارت دوسرے کو رسالت تیسرے کو دیوانی اور چوتھے کو انشا کا عہدہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرو اور ہر کام میں ان کا مشورہ لو- ان کے مرتبے ان کے عہدے کے لحاظ سے کم و بیش ضرور ہوں گے- اس لیے ان میں سے کسی کو بھی دوسروں پر اتنی فوقیت نہ دو کہ انھیں سرکشی اور بغاوت کا موقع ملے-

(۳) اگر کسی راز کو فاش کرنا منظور ہو تو وہ ان چاروں ہی کے گوش گزار کرنا- ایسا نہ کرنا کہ صرف کسی ایک ہی کو بتانا ورنہ باقی تینوں تجھے قابل اعتماد نہ سمجھیں گے اور تجھ سے ناراض ہو جائیں گے

(۴) نماز اور روزے کی پوری پوری پابندی کرنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ان فرائض کو ترک کر کے دنیا اور آخرت میں ناکام و محروم رہے- مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض عالموں نے حیلہ گری سے تجھے اس شرط پر رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت دی ہے کہ تو روزانہ ایک غلام کو آزاد کر دے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے- تجھے انہوں نے بتایا ہے کہ اس طرح روزے کا کفارہ ادا ہو سکتا ہے (میں نے سنا ہے کہ) تو اس فتوے پر عمل کرتا ہے- لیکن اے میرے بیٹے عالموں کے قول و فعل سے تمھارا الگ رہنا ہی اچھا ہے- دینی مسائل کو ایسے عالموں سے نہ پوچھنا چاہیے جنھوں نے لالچ اور ہوس میں مبتلا ہو کر دنیا پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہو- مذہب کے بارے میں ایسے برگزیدہ عالموں سے مشورہ لینا چاہیے جنھوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہو اور جن کی نگاہوں میں دنیا کی تمام دولت کی وقعت ایک ذرے کے برابر بھی نہ ہو

بغرا خاں کی واپسی

بغرا خاں نے بیٹے کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد زار زار رونا شروع کر دیا- اور غلبہ محبت سے مجبور ہو کر اس نے کیقباد کو اپنے آغوش میں لے لیا اور اس کے کان میں بڑی آہستگی سے کہنا شروع کر دیا' تجھے لازم ہے کہ جس قدر بھی جلد ہو سکے ملک نظام کو موت کے گھاٹ اتار دے- ورنہ اگر اسے کوئی موقع مل گیا تو وہ فوراً" تیری جان لے لے گا- بغرا خاں' کیقباد کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے گھر آگیا- اس تجربہ کار باپ کو اپنے بیٹے کے انجام (اور اس کی موجودہ حالت) کا کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ اس نے اس دن کھانا تک نہ کھایا اور اپنے درباریوں سے کہا- "میں آج دہلی اور اپنے بیٹے' دونوں ہی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر آیا ہوں"- بغرا خاں نے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ ہمیشہ کے لیے بادشاہ دہلی کا فرمانبردار رہے چنانچہ اس نے اسی پر عمل کیا- بلبنی حکومت کی تباہی کے بعد بھی بغرا خاں نے جلال الدین خلجی' علاو الدین اور قطب الدین کی پوری پوری اطاعت گزاری کی اور خود مختاری و حکمرانی کا خیال دل سے نکال کر دوسرے امراء کی طرح سلطنت دہلی کا فرماں بردار رہا- مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان تغلق بنگالہ گیا تو بغرا خاں نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بادشاہ کا استقبال کیا اور اس کی خدمت میں بہت گراں قدر تحائف پیش کیے- تغلق نے بھی بغرا خاں کی بہت عزت افزائی کی اور اسے لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم مقرر کیا اور چتر و دورباش عطا کیا-

کیقباد کا عارضی "زہد"

سلطان معز الدین کیقباد اپنے باپ بغرا خاں سے ملاقات کرنے کے بعد دہلی واپس آگیا- کچھ دنوں تک تو اس جواں سال بادشاہ نے اپنے باپ کی نصیحتوں پر عمل کیا اور عیش کوشی اور دیگر عیاشانہ تفریحات سے الگ تھلگ رہا' لیکن یہ عالم زیادہ دیر تک نہ رہ سکا- کیقباد

کی حسن پرستی اور گرمی محفل کی شہرت چاروں طرف ہو چکی تھی۔ خوبصورت عورتوں اور حسینوں کے پرے کے پرے اس کی بارگاہ میں ہروقت آتے رہتے تھے۔ یہ دل کو موہ لینے والے اور سحر طراز معشوق طرح طرح کے بناؤ سنگار کر کے اپنے حسن کو مختلف طریقوں سے ابھار ابھار کر کیقباد سے ملنے کے لیے آتے اور اس کے دروازے پر پڑے رہتے چونکہ کیقباد فطرتاً" حسن پرست تھا۔ اس لیے وہ ہر صورت ان لوگوں سے مہربانی اور التفات سے پیش آتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا۔

ایک فتنہ روزگار

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے ایک حسین و جمیل دوشیزہ جو اپنے حسن میں لاثانی تھی' زرنگار قبا زیب تن کیے ہوئے ایک عراقی گھوڑے پر سوار ہو کر کوچ کے وقت بادشاہ کے سامنے آئی۔ شاہی چتر و دورباش کے پاس پہنچ کر اس فتنہ روزگار نے دل نشین اداوں اور بے حد سریلی آواز کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد
دیدہ دررہ مے نہم تا میروی

یہ شعر پڑھنے کے فوراً" ہی بعد اس آفت جان نے کیقباد سے اس غزل کا مطلع پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ کیقباد نے اجازت دے دی تو اس حسینہ دلفریب نے کہا۔

سرد سیمنا بہ صحرا میروی
نیک بد عہدی کہ تنہا میروی

کیقباد اس حسینہ کے حسن و جمال پر کچھ ایسا ریجھا اور اس کی اداؤں کا کچھ ایسا گھائل ہوا کہ عشق کا دم بھرتے ہوئے پھر صنم پرستی کی طرف مائل ہوگیا۔ اس نے اپنے باپ کی نصیحتوں کو نظرانداز کر دیا وہیں راستے ہی میں ٹھہر کر اس حسینہ کو یہ شعر سنایا۔

فغاں کیں لولیان شوخ وشیریں کار شہر آشوب
چناں پرند صبرازدل کہ ترکان خوان یغمارا

یہ شعر پڑھنے کے بعد کیقباد گھوڑے سے اتر پڑا اور اسی جگہ خیمہ شاہی لگوا کر اس آفت جاں سے غزلیں سننے اور اس کا رقص دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلا۔

شب زے تو بہ کنم از بیم ناز شاہداں
بامداداں روئے ساقی باز درکار آورد

اس سراپا شوخی نے بادشاہ کی زبان سے یہ شعر سن کر اسی زمین اور ردیف اور قافیہ میں یہ شعر پڑا

غمزہ زاہد فریبم عابد صد سالہ را
موئے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

کیقباد اس خوبصورت عورت کی حاضر جوابی' شیریں کلامی اور برجستہ گوئی دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور اسے مجلس کا ساقی مقرر کر دیا۔ اس پروردہ صد فتنہ نے شراب کا جام بھر کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے جذبات محبت سے مغلوب ہو کر شراب کا جام اس کے ہاتھ سے لے لیا اور شراب نوشی شروع کر دی۔ امراء اور اراکین دولت نے بھی اپنے حکمران کی تقلید کی اور شاہی خیمے کے قریب ہی اپنی اپنی محفلیں آراستہ کیں اور تمام دن اور رات عیش و عشرت کے ہنگامے برپا کرتے رہے۔

بے راہ روی اور بیماری

کیقباد کی عاقبت نا اندیشی اور جوانی کی بے راہ روی نے پھر وہی پہلا سا عالم اختیار کیا۔ اور اس کا تمام وقت حسن پرستی اور شراب نوشی میں صرف ہونے لگا۔ رعایا نے بھی اسی روش کو اپنایا اور شہر کے ہر گلی کوچے میں بادہ نوشی کھلم کھلا ہونے لگی۔ حکمران اور رعایا دونوں ہی اپنے انجام سے بے خبر ہو کر داد عیش دینے لگے سب کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے چند دن اس عالم میں گزرے، شراب نوشی اور عیش کوشی کی کثرت کی وجہ سے بادشاہ کی صحت کو نقصان پہنچا اور وہ کمزور و نحیف ہو کر بستر مرگ پر جا پڑ گیا۔

ملک نظام کا خاتمہ

اب اس عالم میں اسے باپ کی نصیحتیں یاد آئیں۔ اس نے اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے لیے ملک نظام الدین کے خاتمے کو ضروری سمجھا۔ بیماری کی وجہ سے کیقباد کا دماغ سخت پریشان تھا اس لیے وہ ملک نظام کو کسی معقول اور مناسب طریقے سے علیحدہ نہ کر سکا اور غصے اور مخالفت سے کام لینے لگا اور ملک نظام کو ملتان جانے اور وہاں کی حکومت کی حالت کو درست کرنے کا حکم دیا۔ ملک نظام سمجھ گیا کہ بادشاہ اسے اپنے پاس سے دور کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس نے پس و پیش سے کام لیا مختلف بہانوں سے معذوری کا اظہار کیا۔ حکومت کے اکابر اور درباری امراء بادشاہ کے مقصد کو تاڑ گئے اور انھیں معلوم ہوگیا کہ کیقباد ملک نظام سے اب خوش نہیں اور اسے علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ درباری امراء میں سے اکثر ملک نظام کے ہاتھوں پریشان تھے لہٰذا ان میں سے چند نے کیقباد کے اشارے سے ملک نظام کو زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

ملک نظام کے انتقال کے بعد کیقباد نے میر جاندار اور نائب سمانہ ملک جلال الدین فیروز بن ملک یغرس خلجی کو سمانہ سے بلایا اور اسے شائستہ خاں کا خطاب دے کر "عارض ممالک" کے عہدے پر سرفراز کیا۔ برن کا صوبہ اسے جاگیر میں عطا کیا گیا۔

کیومرث کی تخت نشینی

بادشاہ کا مرض روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا اور اس نے لقوہ اور فالج کی صورت اختیار کر لی۔ اب کیقباد بالکل ہی صاحب فراش ہوگیا اور سلطنت کے کاموں میں برائے نام بھی حصہ لینے کے قابل نہ رہا۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر امراء بادشاہت کے خواب دیکھنے لگے ہر امیر کے سر میں حکمرانی کا سودا سما گیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر چند معزز اراکین حکومت نے یہی مناسب سمجھا کہ کیقباد کے بیٹے کیومرث کو سلطان شمس الدین کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا۔ کیومرث کی عمر اس وقت تین سال تھی۔

فتنہ و فساد

اب شاہی امراء دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک گروہ خلجی امراء کا تھا جو جلال الدین فیروز کی وفاداری کا دم بھرتا تھا اور اسی کے ساتھ بہادر پور میں مقیم تھا۔ دوسرا گروہ ترکی سرداروں کا تھا۔ یہ گروہ ملک ایتمر کچن اور ملک ایتمر سرخہ کے زیر اثر تھا اور کیومرث کا حامی تھا اس گروہ کا قیام چبوترہ ناصری کے قریبی میدان میں تھا۔ کیقباد کوشک کیلوکھری میں بیمار اور لاچار پڑا تھا۔ شاہی اطبا اس کے ساتھ رہتے تھے اور اس کے علاج میں مصروف تھے۔ جب کبھی اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں تو ملک کے امن و امان کو ضرور نقصان پہنچتا ہے اور طرح طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں اور آپس کا اتفاق و اتحاد خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اب یہاں بھی طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہو گئے اور ہر گروہ دوسرے کا شدید مخالف نظر آنے لگا۔ ترکی امراء اس کوشش میں نظر آنے لگے کہ کیومرث کو جو کہ ان کے قبضے میں ہے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے جلال الدین فیروز اور دوسرے خلجی امراء کو جو غیر ترکی ہونے کی وجہ سے سلطنت و حکمرانی کے اہل نہیں ہیں، ہلاک کر دیا جائے اور خود حکومت پر غلبہ حاصل کر لیا جائے اس ارادے کے پیش نظر ترکی امراء نے خلجی امیروں اور سرداروں کی ایک فہرست تیار کی اور سرفہرست جلال الدین فیروز خلجی کا نام لکھا۔ جب جلال الدین کو ترکی امراء کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو اس نے

اپنے تمام ہم قوم امراء اور سرداروں کو اکٹھا کر کے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنا ہم راز بنایا۔

کیومرث کی گرفتاری

انھیں دنوں ملک اتیمر کچن، جلال الدین کے پاس بہادر پور اس ارادے سے گیا کہ اسے چبوترہ ناصری تک لے کر آئے اور پھر اس کا کام تمام کر دے۔ جلال الدین کو ملک اتیمر کے ارادے کی خبر مل چکی تھی۔ لہٰذا جس وقت ملک اتیمر بہادر پور پہنچا تو جلال الدین کے حواریوں نے غصے اور غضب میں آ کر اس ترکی امیر کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد جلال الدین کے بیٹے جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے، پانچ سو (۵۰۰) سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کیومرث کی فوج کی طرف بڑھے اور ترکوں پر حملہ کرتے ہوئے بادشاہی خیمے تک جا پہنچے۔ خیمے کا پردہ چاک کر کے انھوں نے کیومرث اور ملک فخر الدین کوتوال کے بیٹوں کو حراست میں لیا اور انھیں اپنے ساتھ لے کر واپس بہادر پور میں اپنے باپ جلال الدین کے پاس پہنچے۔ ملک اتیمر سرخہ نے ان لوگوں کا پیچھا کیا لیکن جلال الدین کے بیٹوں نے راستے ہی میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دہلی کے تمام باشندے خلجیوں کے اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے اہل دہلی کا ایک بہت بڑا گروہ کیومرث کی مدد کے لیے خلجیوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ لوگ بدایوں دروازے پر آ کر جمع ہو گئے۔ ملک فخر الدین کوتوال کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خلجی اس کے گرفتار شدہ بیٹوں کو ہلاک نہ کر دیں اس لیے اس نے بڑی مشکلوں سے اس مجمع کو منتشر کیا۔

کیقباد کی موت

دہلی کے امراء کی ایک بڑی تعداد اسی دن جلال الدین کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئی۔ جلال الدین نے ان ترک بچوں کو، جن کے باپ کیقباد کے ہاتھوں مارے گئے۔ کیقباد سے بدلہ لینے کے لیے کیلوکھری کے محل کی طرف روانہ کیا۔ ان ترک بچوں نے کیقباد کو، جو بیماری کی وجہ سے پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا اور صرف سانس کا رشتہ باقی تھا، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دو چار ضربات لگائیں اور لاش کو دریائے جمنا میں بہا دیا۔

اس کے بعد جلال الدین خلجی نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا اور غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کو جو حکومت کا دعوے دار تھا، کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ روانہ کر دیا۔ جلال الدین نے شاہی نجومی کے مشورے کے مطابق مبارک گھڑی میں کیلوکھری کے محل میں قیام اور کیومرث کا جوا گلے سے اتار کر آزادی اور خودمختاری سے حکومت کے فرائض انجام دینے لگا۔

کیقباد کے انتقال کے بعد سلطنت، غور کے ترکی نژاد غلاموں کے ہاتھ سے نکل کر خلجیوں کے قبضے میں آ گئی۔ مندرجہ بالا واقعات ۶۸۷ھ کے اواخر میں پیش آئے۔ کیقباد نے تین سال سے کچھ مدت زیادہ تک حکمرانی کی۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی

(مشہور مورخ) نظام الدین احمد بخشی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "ایک معتبر تاریخ کے مطالعہ سے یہ امر بایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ خلجیوں کا طبقہ چنگیز خاں کے داماد قالج خاں کی نسل سے ہے۔" اس مورخ نے قالج خاں کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے، جو چنگیز خاں کی بیٹی تھی، کسی وجہ سے ناراض ہوگیا۔ لیکن اس نے، چنگیز خاں کے خوف کی وجہ سے اپنی ناراضگی کو ظاہر نہ کیا۔ اس لیے وہ بظاہر تو ہر طرح سے اپنی بیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہتا، لیکن بباطن اپنے لیے کسی اور ہی جائے پناہ کو ڈھونڈتا ہوا نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ جب چنگیز خاں دریائے سندھ کے کنارے سلطان جلال الدین خوارزمی کی تباہی میں مصروف ہوا، اور ایران و توران کی مہمات سے فارغ ہو کر اپنے وطن میں واپس پہنچا۔ قالج خاں نے چنگیز خاں کی غیر موجودگی میں غور اور جرجستھان کے پہاڑی علاقوں کا بغور جائزہ لیا اور اس علاقے کی مضبوطی اور استحکام سے پوری پوری واقفیت حاصل کرلی۔ ایک روز موقع پاکر قالج خاں نے اپنے بیوی بچوں اور اہل قبیلہ کو، جو تعداد میں تقریباً تیس ہزار (۳۰) تھے، ساتھ لے کر چنگیز خاں سے جدا ہوا اور اس پہاڑی علاقے کی طرف فرار ہوگیا اور وہاں مستقل قیام اختیار کرلیا۔ کچھ ہی دنوں میں قالج خاں نے بہت قوت حاصل کرلی، چنگیز خاں کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں نے قالج خاں کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قالج کی اولاد اور اس کے قبیلے کی قوت اور اقتدار میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

لفظ خلجی کی اصل

جب غوری فرمانرواؤں اور ان کے پروردہ غلاموں نے ہندوستان فتح کیا تو خلجیوں کے گروہ ہندوستان آکر شاہی ملازمتیں اختیار کرنے لگے۔ ان خلجیوں میں سے بعض افراد نے بہت اقتدار اور رسوخ حاصل کیا اور وہ شاہی امراء اور اراکین سلطنت کے معزز عہدوں تک پہنچے۔ ان مقتدر امرائے خلجی میں سلطان جلال الدین فیروز شاہ اور سلطان محمود خلجی مندوی کے باپ بھی تھے۔ متذکرہ بالا مورخ کا بیان ہے کہ قالج خاں کی نسبت سے ان امراء کو عام طور پر قالجی کہا جاتا تھا کثرت استعمال سے "الف" گر گیا اور "ق" کاخ سے تبادلہ ہوگیا اور یوں "قالجی" سے "خلجی" بن گیا۔ لیکن تاریخ سلجوقیاں کے مصنف کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ترک بن یافث کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج تھا، خلجی اسی کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ مورخ فرشتہ بھی اسی رائے کو صحیح تسلیم کرتا ہے اس لیے کہ اگر نظام الدین کے بیان کو مان لیا جائے تو پھر خلجیوں کا وجود چنگیزی عہد کے بعد ثابت ہوتا ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ معتبر تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ناصر الدین اور سلطان محمود غزنوی کے بہت سے امیر خلجی کہلاتے تھے اور یہ بات مسلم ہے کہ یہ دونوں حکمران چنگیز سے پہلے گزرے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قالج خاں خود بھی خلجی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور سلطان جلال الدین دہلوی اور سلطان محمود مندوی اس کی نسل سے ہوں۔

قصہ مختصر جلال الدین خلجی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بہادر پور سے کیلو کھری آیا، کچھ دنوں تک تو اس نے سلطان شمس الدین کو تخت پر بٹھا کر خود اس کے نائب کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن ۶۸۸ ھ میں اس نے شمس الدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر (۷۰) سال تھی۔ گزشتہ حکمرانوں کے دستور العمل کے خلاف جلال الدین نے چتر شاہی کا رنگ سرخ کی بجائے سفید قرار دیا اور ظلم و شقاوت سے کنارہ کشی اختیار کر کے لطف و کرم کو اپنا شعار بنایا۔ ان صفات کو اس

نے پوری طرح اپنایا اور زندگی بھر کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائی- جلال الدین کو اہل دہلی پر پورا پورا اعتماد نہ تھا' اس لیے اس نے کیلو کھری کو اپنا مستقر قرار دیا اور ان عمارتوں کو' جن کی تعمیر معزالدین نے شروع کروائی تھی مکمل کروایا-

شہر نو کی تعمیر

جلال الدین نے دریائے جمنا کے کنارے ایک بڑا خوبصورت باغ لگوایا اور اس باغ کے اردگرے پتھراور چونے کی ایک فصیل کھنچوائی- وہ اپنے امراء اور ہوا خواہوں کو ہمیشہ عمارات تعمیر کروانے کی ترغیب دیتا رہتا تھا- جلال الدین نے کیلو کھری میں مسجدوں اور بازاروں کا ایک خوبصورت سلسلہ تعمیر کروا کے اس شہر کو "شہر نو" کے نام سے موسوم کیا-(کیلوکھری میں بادشاہ کے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اسی شہر میں آنے لگے) امیروں نے بادشاہی محل کے آس پاس اپنے محلات تعمیر کروائے- رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دہلی کا قدیم شہرویران سا ہوگیا- امیر خسرو نے اسی حصار کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا-

شہادر شہر نوکر دی حصارے
کہ رفت از کنگرہ تادر قمر سنگ

انتظامات حکومت

جلال الدین نے اپنی تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں ملک گیری کی طرف توجہ کی اور سلطنت کے امور کی انجام دہی میں سیاست سے بھی کام لیا- اس نے بلبن کے بھتیجے ملک چھجو (ابن کشلی خاں) کو کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ روانہ کیا اور اپنے بھائی کو "عارض ممالک" بنا کر "یغرمش خاں" کا خطاب دیا اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو خطابات سے نوازا- بڑے کو اختیارالدین خانخاناں' منجھلے کو ارکلی خاں اور سب سے چھوٹے کو قدر خاں کا خطاب دیا- ان میں سے ہر ایک کو جاگیر بھی عطا کی- جلال الدین نے شہاب الدین مسعود کے بیٹوں کو یعنی اپنے بھتیجوں کو بھی بادشاہی عنایات سے نوازا- علاؤ الدین اور الماس خاں (جو بعد میں الغ خاں کے نام سے مشہور ہوا) کو پرورش کیا- علاؤ الدین کو اپنے امراء میں شامل کیا اور الماس بیگ کو آخر بیگ بنایا- جلال الدین نے اپنے بھانجے ملک احمد حبیب کو "باربک" اور ملک خرم کو "میرور" کے عہدے پر سرفراز کیا- خواجہ خطیر کو وزیر الممالک اور امیر الامراء ملک فخرالدین کو کوتوال مقرر کیا-

قدیم دہلی میں ورود

جب جلال الدین کے لطف و کرم کی عام شہرت ہوئی اور یہ فرمانروا اپنی اعلیٰ خصوصیات کی بنا پر لوگوں میں ہر دلعزیز ہوگیا تو دہلی کے قدیم اور مشہور و معزز خاندانوں کے اراکین جو ساٹھ (۶۰) سال تک ترکی نژاد بادشاہوں کی ملازمت میں رہ چکے تھے اور خلجیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو اپنی توہین سمجھتے تھے' دہلی سے شہر نو میں آئے- ان سب نے بڑے خلوص' عقیدت اور محبت کے ساتھ جلال الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے ہمدردوں میں شامل ہوگئے- جب جلال الدین نے یہ دیکھا کہ عام و خاص بھی لوگ مطمئن ہیں اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہے تو وہ کیلوکھری کا محل چھوڑ کر قدیم دہلی میں آیا- جب وہ دہلی کے بادشاہی محل کے قریب پہنچا تو اس نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور دہلی کے بادشاہوں کے تخت پر رونق افروز ہوا- تخت شاہی پر بیٹھ کر جلال الدین نے بلند آواز سے کہا- "میں سوچتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کروں ایک وہ دن تھا کہ جب میں اسی تخت کے سامنے زمین بوس ہو کر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا اور آج خود اس تخت پر بیٹھا ہوں اور بہت سے میرے عزیز اور ہمدرد جو ہر لحاظ سے مجھ سے .... بہتر ہیں' دست بستہ میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں-" تخت شاہی پر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد جلال الدین نے غیاث الدین بلبن کے خاص محل "کوشک لعل" کا رخ کیا- بارگاہ سلطانی کے قریب پہنچ کر وہ اپنی عادت کے مطابق گھوڑے سے اترا- جلال الدین کو گھوڑے سے اترتے دیکھ کر ملک حبیب احمد نے فوراً کہا اب یہ محل آپ کی ملکیت ہے- اپنے خاص محل میں شاہی آداب کو ملحوظ رکھنا آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا-" جلال

الدین نے جواب دیا اپنے آقائے ولی نعمت کی عزت و حرمت کرنا ہر انسان کا فرض اولین اور فعل مستحسن ہے۔" ملک حبیب احمد نے کہا۔ "اب حضور کو اسی محل میں قیام کرنا چاہیے۔"

جلال الدین نے جواب میں کہا "سلطان مرحوم نے اس محل کو' اس زمانے میں' جبکہ وہ امراء کی صف میں شامل تھے' اپنے ذاتی روپے سے بنوایا تھا' اس لیے اس محل کے مالک غیاث الدین کے وارث ہیں' نہ کہ میں۔ اس پر ملک احمد نے کہا۔ "ملکی انتظامات کے پیش نظر ایسی احتیاط کو ملحوظ رکھنا مناسب نہیں ہے۔" جلال الدین نے کہا "میں اس زندگی مستعار کے لیے اسلامی شرع کے احکام کی خلاف ورزی کرنا پسند نہیں کرتا۔" اس کے بعد جلال الدین پیادہ پا کوشک میں داخل ہوا۔ اس محل کے ایسے مقامات پر' جہاں غیاث الدین بلبن بیٹھتا تھا' جلال الدین نے حفظ مراتب کو پیش نظر وہاں پاؤں نہ رکھا بلکہ اسی چبوترے پر بیٹھا جس پر بلبن کے زمانے میں امراء اور اراکین سلطنت بیٹھا کرتے تھے۔

جلال الدین نے اپنے امراء کو مخاطب کر کے کہا۔ خدا ابتر کچن اور ابتر سرخہ کو تباہ و برباد کرے کہ انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور میں نے اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر اس عظیم الشان بار (بادشاہت) کو اپنے ناتواں کندھوں پر لادا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ جب باوجود اس تزک و احتشام' رعب داب' کثرت امراء ملازمین کے سلطنت نے غیاث الدین بلبن کے ساتھ وفا نہ کی اور اس کے آنکھیں بند کرتے ہی اس کی اولاد تباہ و برباد ہوگئی تو میرے بعد میری اولاد کا کیا حشر ہوگا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے بعد میرے وارث کیا کریں گے اور زمانہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے گا یا نہیں؟ بادشاہ کی اس تقریر سے بیشتر حاضرین جو دانشمند اور تجربہ کار تھے' بہت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ بعض ایسے درباری جو جوانی کے نشے میں سرشار اور قدرے بیباک تھے آپس میں سرگوشیاں کر کے بادشاہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ ان نوجوانوں نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ جلال الدین نے آج ہی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور آج ہی سے اپنے زوال کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ جب ابھی سے اس کا یہ عالم ہے تو اس سے قہر و سیاست' جو حکومت کی بنیاد ہوتے ہیں' کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

عصر کے بعد جلال الدین کوشک محل سے دہلی واپس آیا۔ اس کے بعد اس نے دہلی میں ایک بہت عظیم الشان جشن مسرت منایا اور اپنی ایک بیٹی کی' جو حسن و جمال میں لاثانی تھی۔ علاؤ الدین خلجی کے ساتھ شادی کی اور دوسری بیٹی کو الماس بیگ الغ خاں سے بیاہا۔

جلال الدین کی شخصیت اور کردار

جلال الدین بہت ہی نیک طبیعت' خوش اخلاق اور پسندیدہ عادات کا مالک تھا۔ یہ بادشاہ قدر شناسی و حق گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس کسی کو ایک بار جاگیر عطا کرتا تھا' پھر اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرتا تھا۔ امراء اور اراکین سلطنت سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ معاف کر دیتا' خطاکاروں کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرتا' ظالم و شقی بادشاہوں کی طرح لالچ' ظلم اور سختی سے اسے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ محفل بادہ پرستاں میں اپنے ہم نشینوں کے ساتھ برابری و مساوات کا سلوک کرتا۔ ایسی محفلوں میں عام طور پر ملک تاج الدین کوچی' ملک اعزالدین غوری' ملک قرابیگ' ملک نصرت' ملک حبیب' ملک کمال الدین ابوالمعالی' ملک نصیرالدین کہراص اور ملک سعد الدین منطقی وغیرہ اس کے ساتھ شرکت کرتے۔ یہ تمام لوگ اپنی عادات و اخلاق' شجاعت' موزونی طبیعت اور آداب مجلس کے لحاظ سے اپنے وقت کے بہترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

ان امراء کے علاوہ تاج الدین عراقی' امیر خسرو' خواجہ حسن' موید جرجانی' موید دیوانہ' امیر ارسلان کلامی' اختیار الدین باغی' اور باقی خطیب وغیرہ بادشاہ کے مصاحبین خاص تھے۔ ان میں سے ہر ایک شاعری اور علم تاریخ کا ماہر تھا اور اپنے زمانے کا بہترین استاد تھا۔ بادشاہی مجلس میں اعلیٰ درجے کے فن کار موجود رہتے تھے۔ مثلاً امیر خاصہ اور حمید راجہ جیسے اعلیٰ گویے' حبیب خاں اور نظام خریطہ کے بیٹے جو لر

باساقی تھے' محمد شاہ چنگی' فتوخاں' نصیر خاں اور بہروز وغیرہ بے مثل مطرب' یہ سب لوگ شاہی مجلس کی گرمی کا باعث تھے۔ امیر خسرو ہر روز تازہ غزلیں کہہ کر لاتے' مجلس میں پیش کرتے اور روزانہ ہی شاہی انعامات سے سرفراز ہوتے۔ جلال الدین جس زمانے میں "میر جامداری" کے عہدے سے ترقی کر کے "عارض ممالک" کے مرتبہ پر فائز ہوا تھا' امیر خسرو اسی زمانے میں اس کے ملازم ہو گئے تھے۔ جلال الدین خسرو کا بڑا قدر دان تھا اور انھیں بہت معقول تنخواہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جلال الدین' امیر خسرو سے اس حد تک خوش ہوا کہ انھیں اپنا جامہ خاص عنایت کیا۔ جب جلال الدین تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے امیر خسرو کی بہت بڑھ چڑھ کر عزت افزائی کی اور انھیں اپنے خاص ندیموں میں شامل کر کے "مصحف داری" کا منصب عطا کیا۔ جلال الدین نے امیر خسرو کو جامہ اور سفید کمر بند عطا کر کے امراء کے گروہ میں بھی شامل کر لیا تھا۔

ملک چھجو سے معرکہ آرائی

جلال الدین کی تخت نشینی کے دوسرے سال سلطان غیاث الدین کے بھتیجے ملک چھجو نے اودھ کے حاکم امیر علی جامدار کی مدد اور پشت پناہی سے کڑہ میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر لیا اور سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے سارے اودھ کا خود مختار فرماں روا بن بیٹھا۔ اس علاقے کے تمام امراء نے ملک چھجو کا ساتھ دیا اور وہ ایک زبردست لشکر اپنے ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جلال الدین کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ایک بہت بڑے لشکر کا سردار بنا کر سلطان مغیث الدین (ملک چھجو) کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور خود بھی ایک جرار لشکر لے کر ارکلی خاں کے پیچھے پیچھے بارہ کوس کے فاصلے سے روانہ ہوا۔ ارکلی خاں جلد از جلد راستہ طے کرتا ہوا ملک چھجو کے سر پر جا پہنچا اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ ارکلی خاں کے لشکر نے بہت بہادری اور جرات کا ثبوت دیا اور دشمن کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ ملک چھجو حواس باختہ ہو کر اپنی فوج کے ہمراہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ ارکلی خان نے دشمن کا پیچھا کیا اور کچھ دور پہنچ کر امیر علی جامدار اور دیگر مشہور بلبنی امراء کو گرفتار کر لیا۔ ارکلی خاں نے ان قیدیوں کی گردن میں دو شاخے لٹکا دیئے اور انھیں اونٹوں پر سوار کر کے سلطان جلال الدین خلجی کے پاس لایا۔ جب یہ قیدی جلال الدین کے سامنے آئے تو اس نیک طبیعت اور رحم دل بادشاہ نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور بلند آواز سے کہا۔ "یہ کیا ظلم ہے ان معزز اور صاحب حشم امراء کی یہ حالت کس نے بنائی ہے۔" یہ کہہ کر جلال الدین نے حکم دیا کہ فوراً ان امراء کو اونٹوں سے اتار لیا جائے اور ان کی گردنوں سے دو شاخے علیحدہ کر لیے جائیں۔ ان قیدیوں میں بعض ایسے امراء بھی شامل تھے جو سلطان غیاث الدن کے دربار میں بہت ہی معزز اور محترم عہدوں پر فائز تھے۔ جلال الدین نے ایسے تمام امراء کو حمام میں بھجوا دیا اور انھیں خلعت خاص سے سرفراز کیا۔ (نہا دھو کر جب یہ امراء واپس آئے تو) جلال الدین نے انھیں اپنی خاص مجلس میں شریک کیا اور عطر و پان وغیرہ سے ان سب کی تواضع کی گئی۔ مجلس میں جب شراب آئی تو جلال الدین نے ان امراء کی پوری پوری خاطر و مدارات کی۔ جلال الدین ان قیدی امراء کی جس قدر خاطر مدارات کر رہا تھا یہ مغرور قیدی اسی قدر شرم و ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ جب جلال الدین نے یہ دیکھا کہ ندامت کی وجہ سے ان امراء کا بہت برا حال ہے تو اس نے ان سے کہا۔ "آپ لوگ اس قدر شرمندہ کیوں ہو رہے ہیں آپ میرے ملازم تو تھے نہیں کہ جو میں آپ کی بغاوت کو نمک حرامی سے تعبیر کروں بلکہ ایک حیثیت سے تو آپ سب حضرات قابل قدر ہیں۔ کہ آپ نے اپنے مالک کا حق نمک پوری پوری طرح ادا کیا ہے اور اسی کا ساتھ دیا کہ جس کے نمک خوار تھے۔ آپ لوگوں کی یہ کوشش ہر لحاظ سے مناسب اور بجا تھی کہ بادشاہت کا منصب آپ کے آقا سلطان غیاث الدین کے خاندان سے باہر نہ جائے' لیکن اس کا کیا علاج کہ خداند تعالے کی مرضی آپ کے ارادہ کے خلاف تھی۔ آپ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور بادشاہت اس بڑھاپے میں میرے ہاتھ آئی۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ وہی لوگ ہیں کہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اگر کبھی مجھ سے ہنس کر بات بھی کر لیا کرتے تھے تو میں

خوشی سے دیوانہ ہو جاتا تھا اور اپنے ساتھیوں سے آپ کی اس معمولی مہربانی کو بڑے فخر سے بیان کرتا تھا۔"

امیروں کے ساتھ تو سلطان جلال الدین نے اس طرح کا لطف آمیز برتاؤ کیا اور ملک چھجو کا یہ حال ہوا کہ اس نے ارکلی خاں سے بچنے کے لیے اس علاقے کے ایک زمیندار کے گھر پناہ لی۔ اس زمیندار نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پاس حق نمک اور ملک چھجو کو گرفتار کر کے جلال الدین خلجی کے پاس بھجوا دیا۔ جلال الدین نے ملک چھجو کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے ایک محافے میں سوار کروا کے ملتان روانہ کر دیا۔

جلال الدین نے ملتان کے حاکم کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ "ملک چھجو کو مع اس کے بال بچوں کے ایک عمدہ مکان میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس کے لیے تمام شاہانہ سامان مہیا کیا جائے اور اس کی خاطرداری اور تواضع پوری پوری طرح کی جائے۔"

ملک حبیب احمد دیگر خلجی امراء جلال الدین کی اس رحم دلی اور نرمی سے بہت رنجیدہ ہوئے اور ملک چھجو جیسے دشمن اور اس کے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات دیکھ کر دل ہی دل میں بہت جلے۔ ان امراء نے جلال الدین سے عرض کی "حضور ان واجب القتل امراء پر جو مہربانیاں فرمائی ہیں وہ جہاں داری اور فرمانروائی کے دستور اور قواعد کے خلاف ہیں۔ غیاث الدین بلبن نے اپنے باغیوں کو جو جو سزائیں دی تھیں' وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ ان باغیوں کو معاف نہ کیا جائے اور اگر ملک چھجو کی جان نہ لیجائے تو کم از کم ان کی آنکھوں میں سلائیاں ضرور پھروا دی جائیں تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی اس قسم کی جرائت نہ کر سکے اور ملک میں کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔" جلال الدین نے ان امراء کو جواب دیا تم لوگوں نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے' لیکن میں کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میری عمر ستر (۷۰) سال کی ہے آج تک میں نے کسی مسلمان کی جان نہیں لی تو بھلا اس عمر میں کیسے یہ کام کروں۔ اگر میں ان لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہوتا اور یہ مجھے قتل کر دیتے۔ تو قیامت کے روز ان لوگوں کو جواب دینا پڑتا نہ کہ مجھے' میں نے کئی سال سلطان غیاث الدین کا نمک کھایا ہے اب اس کے امراء اور وارثوں کو قتل کرنا مجھے زیب نہیں دیتا اور یہ فعل میری نمک حرامی کی دلیل ہوگا۔" الغرض جلال الدین نے اپنے امراء کی گفتگو کا کوئی اثر نہ لیا اور ان سے یہ درویشانہ باتیں کر کے انھیں رخصت کر دیا اور یہ امیر بوڑھے اور رحم دل بادشاہ کی بے موقع نرمی سے رنجیدہ ہو کر اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یہ امیر حق بجانب تھے۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ سلطنت و حکومت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک نرمی اور دوسرے قہر۔ ان دونوں میں سے اگر کسی ایک میں کمی ہوتی ہے تو سلطنت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

سماجی ابتری

ملک چھجو سے نبٹنے کے بعد جلال الدین نے بدایوں سے دہلی کی طرف کوچ کیا دہلی پہنچ کر اس نے کڑہ کی حکومت اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد جلال الدن نے سپاہیوں کی دلجوئی اور ملک کی آبادی و سرسبزی کو اپنی تمام توجہات کا مرکز بنا لیا۔ اس نے قہر و غضب سے کوئی کام نہ لیا حالانکہ انھیں بادشاہت کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ جلال الدین نے ست روی اور نرمی کو اپنا شعار بنایا اس طریق کا یہ نتیجہ نکلا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو کھلی چھٹی مل گئی۔ ملک کے ہر حصے میں چوری ڈکیتی اور لوٹ مار وغیرہ کی وارداتیں عام ہونے لگیں۔ اول تو مجرموں کو پکڑا ہی نہ جاتا تھا اور اگر کسی کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا جاتا تو نیک دل بادشاہ اس سے گزشتہ جرائم پر توبہ کروا کے اور آیندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ لے کر چھوڑ دیتا۔ جلال الدین کی اس نرمی کی وجہ سے خلجی امراء اس سے بہت ہی برگشتہ ہو گئے اور کھلے بندوں بادشاہ کو ملامت کرنے لگے۔ جلال الدین ان امراء کی باتیں سنتا اور یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتا کہ "مے خوار کبھی کبھی زیادہ شراب بھی پی جاتے ہیں لہٰذا نشے کے عالم میں وہ جو کچھ بکتے ہیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔" ان امراء نے جب یہ دیکھا کہ ان

کی ملامت بھی بادشاہ کو سختی اور غضب سے کام لینے پر نہیں اکساتی' تو وہ آپس میں جلال الدین کی معزولی کے مشورے کرنے لگے- ان امراء نے یہ طے کیا کہ اگرچہ جلال الدین کی بہادری اور جرات میں کوئی شک نہیں اور اس نے اپنے عہد جوانی میں بارہا مغلوں کے مقابلے پر ہمت کے جوہر دکھائے ہیں- لیکن اب چونکہ وہ ضعیف العمر ہوگیا ہے اور اسے شعر کہنے اور سننے اور شطرنج کھیلنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں رہ گیا اس لیے اسے معزول کر کے ملک تاج الدین کوچی کو بادشاہ تسلیم کر لینا چاہیے-

امراء کی سازش

اس مشورے کے بعد ان امراء نے ملک تاج الدین کوچی کی قیام گاہ پر بادہ نوشی کی ایک محفل منعقد کی اور خوب پی کر عالم مستی میں اول فول بکنے لگے- ایک نے کہا "جلال الدین خلجی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے-" دوسرے نے کہا "میں اپنے نیم شکار سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا-" تیسرا یوں گویا ہوا میں اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالونگا-" غرض کہ اس محفل میں ان امراء نے خوب جی بھر کے بکواس کی انھیں امیروں میں سے ایک نے تمام باتیں جلال الدین خلی تک پہنچا دیں- یہ باتیں سن کر جلال الدین اگرچہ ان امیروں کے برا بھلا کہنے سے پریشان تو نہ ہوا- البتہ ان کے ارادوں سے مغموم ہو کر اسی وقت ایک قاصد بھیج کر ان سب کو اپنے سامنے طلب کیا- جب یہ امیر بادشاہ کے سامنے آئے تو اس نے ان کا امتحان لینے کے لیے اپنی تلوار میان سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور ان سے کہا- "میں اس وقت بالکل نہتا ہوں' میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے تم میں سے جس شخص کو بھی بہادری کا دعویٰ ہو وہ اٹھے اور میری ہی تلوار سے میری گردن اڑا دے تاکہ میں یہ سمجھ سکوں کہ تم واقعی کسی مصرف کے ہو اور کوئی کام تمہارے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے-" جلال الدین امراء سے اسی انداز سے باتیں کرتا رہا اور وہ ندامت سے سر جھکائے بیٹھے رہے- جب بادشاہ اچھی طرح دل کی بھڑاس نکال چکا اور اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو ملک نصرت نامی ایک امیر جس نے متذکرہ بالا محفل شراب میں سے زیادہ بکواس کی تھی- جلال الدین کے سامنے آیا اور مزاحیہ انداز میں کہنے لگا- "حضور کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ شرابی شراب کے نشے میں ہرزہ سرائی کیا ہی کرتے ہیں اگر ہم آپ جیسے آقا کو' جس نے ہمیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا ہے' کوئی گزند پہنچائیں گے تو پھر ایسا شفیق مالک ہمیں کہاں سے ملے گا- اگر حضور ہمارے جیسے نمک خوا بیٹوں کو کوئی سزا دیں گے تو پھر ہم جیسے جاں نثار آپکو کہاں سے ملیں گے-" جلال الدین ملک نصرت کی یہ باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس کا سارا غصہ کافور ہوگیا اور اپنے ہاتھ سے شراب کے پیالے بھر بھر کر ان امراء کو دینے لگا اور کہا- "میری جگہ اگر کوئی اور بادشاہ ہوتا تو وہ تمہیں بری طرح قتل کرتا' لیکن میں اس بڑھاپے میں غصے اور ظلم سے کنارہ کشی اختیار کر چکا ہوں میں تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں کہ تمہیں شراب نوشی اور عیش کوشی سے بالکل فرصت نہیں ہے کہ دوسرا کام کر سکو- کجا تم اور کجا شمشیر زنی- یہ سب تمہارا زبانی جمع خرچ ہے تم جیسے لوگوں سے صف شکنوں کے سے کارنامے کا سر زد ہونا ناممکن ہے- تم لوگوں کو میں اب معاف کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ سب اپنی اپنی جاگیروں پر چلے جاؤ اور جب تک میں نہ بلاؤں یہاں مت آنا اور وہیں قیام کرنا-

مولانا سراج الدین ساٸی کا واقعہ

مورخین کا بیان ہے کہ جن دنوں جلال الدین خلجی (غیاث الدین بلبن کی بادشاہت کے زمانے میں) میر جامداری کے عہدے پر فائز تھا اور سمانہ کی جاگیر اس کے تصرف میں تھی' ان دنوں مولانا سراج الدین ساٸی' جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے شاعر تھے' سمانہ کے ایک موضع کے معافی دار تھے- جلال الدین نے دستور و قانون کے مطابق ان سے ان کے موضع کی مال گزاری طلب کی- مولانا سراج الدین اس پر بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے غیاث الدین بلبن کی مدح میں ایک مثنوی لکھی اور اس عمال حکومت کی سخت شکایت کی- جلال الدین کو مختلف کاموں کی وجہ سے اس مثنوی کے پڑھنے کا موقع نہ ملا- مولانا نے ایک دوسری مثنوی جلال الدین کی ہجو میں لکھی اور اس

کا نام "خلجی نامہ" رکھا۔ جلال الدین نے اس مثنوی کو پڑھا۔ مولانا سراج الدین، جلال الدین کے خوف کی وجہ سے سمانہ کی سکونت ترک کر کے کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ جلال الدین، ایک روز منداہرائی کے دیہاتوں میں سے کسی ایک دیہات کو لوٹ رہا تھا کہ منداہرائی نے تلوار کا وار کر کے جلال الدین کے چہرے پر ایک زخم لگایا۔ جس کا نشان تمام عمر جلال الدین کے چہرے پر باقی رہا جب جلالی الدین تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو مولانا سراج الدین ساتی اور منداہرائی دونوں ہی سخت پریشان ہوئے اور انھیں یہ خوف لاحق ہوا کہ جلال الدین ان کو پکڑ کر ضرور انتقام لے گا۔ جب ان دونوں کو کوئی جائے فرار نظر نہ آئی تو وہ اپنی اپنی گردنوں میں پگڑیاں لٹکا کر (مجرموں کی طرح) جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے فوراً ان دونوں کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ جب یہ دونوں جلال الدین کے سامنے آئے تو وہ اٹھ کر مولانا سراج الدین سے بغل گیر ہوا اور انھیں انعام و خلعت سے سرفراز فرمایا اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ تاکہ مولانا دوسرے معزز امراء کی طرح دربار شاہی میں حاضر ہو کر آداب بجا لائیں۔ جلال الدین نے منداہرائی کو بھی طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے نوازا۔

المجاہد فی سبیل اللہ کا لقب

جلال الدین کی نیک طبعی اور پاک نفسی کی طرح طرح کی حکایات مشہور ہیں۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک بار جلال الدین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس نے غیر مسلم مغلوں کے ساتھ بارہا جنگ کی ہے اور مسلمانوں کو ان کے ظلم و تعدی سے بچایا ہے۔ اس لیے اگر مساجد کے امام منبر پر اسے "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے یاد کریں تو کچھ نامناسب نہ ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر ایک روز جلال الدین نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا۔ "جب کسی مبارک باد کے موقع پر علماء اور قاضی یہاں حاضر ہوں تو تم ان کے پاس کسی آدمی کو بھیجکر کہنا کہ جمعہ کے خطبوں میں وہ مجھے "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے یاد کریں۔" اتفاق سے انھیں دنوں سلطان معزالدین کیقباد کی بیٹی کا عقد شاہزادہ قدر خان سے قرار پایا۔ حسب دستور تمام علماء اور قاضی مبارک باد دینے کے لیے بادشاہ کی بارگاہ پر حاضر ہوئے۔ ملکہ جہاں نے جلال الدین کی ہدایت کے مطابق ان علماء سے متذکرہ بالا درخواست کی۔ ملکہ کا یہ پیغام سن کر تمام قاضیوں اور علماء نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ بادشاہ کو "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے خطبوں میں یاد کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

مہینے کی پہلی تاریخ کو جب یہ قاضی اور علماء کی جماعت بادشاہ کی دست بوسی کے لیے حاضر ہوئی تو علماء کے سردار قاضی فخرالدین ناقلہ نے بادشاہ سے درخواست کی۔ "ہم تمام علماء قاضیوں اور مفتیوں کی یہ خواہش ہے کہ چونکہ آپ نے بارہا غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی ہے اس لیے آپ کے نام کے ساتھ خطبوں میں "المجاہد فی سبیل اللہ" کا اضافہ کر دیا جائے۔" بادشاہ اس درخواست کو سن کر رونے لگا اور اس نے کہا۔ "ملکہ جہاں کو میں نے ہی اس طرف متوجہ کیا تھا اور اس نے میرے ہی ایما پر آپ سے یہ درخواست کی تھی، لیکن ملکہ سے بات کرنے کے بعد جب میں نے اپنے ارادے پر غور کیا تو مجھے بڑی ندامت ہوئی میں اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس لقب کا مستحق نہیں سمجھتا۔ میں نے اب تک جتنی بھی جنگیں کی ہیں ان میں کوئی بھی جنگ ایسی نہیں تھی جو خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی، شوق شہادت یا کلمہ اسلام کو بلند کرنے کے لیے کی گئی ہو۔ میں نے ہر لڑائی اس مقصد کے پیش نظر کی کہ میری شہرت میں اضافہ ہو اور میرا آقا غیاث الدین بلبن مجھ پر زیادہ زیادہ اعتبار کرے اور عزیز رکھے۔ علماء کرام نے ہرچند جلال الدین کے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی اور متذکرہ بالا لقب کے استعمال کی اجازت طلب کی لیکن جلال الدین نے ان کی ایک نہ سنی اور یہ لوگ مایوس کر واپس لوٹ آئے۔

سیدی مولہ

اس نیک طبیعت بادشاہ کے زمانے کا دوسرا مشہور واقعہ سیدی مولہ نامی ایک بزرگ کا قتل ہے۔ جس کی تفصیل مورخ برنی اور صدر

جہاں گجراتی نے اپنی کتب تاریخ میں بیان کی ہے- یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب ملک الامراء فخرالدین کوتوال کا کہ جس کا ذکر بارہا کیا جا چکا ہے' انتقال ہوا تو غیاث الدین بلبن کے عہد کے وہ تمام امیر جو تباہ حال ہو کر فخرالدین کی عنایات کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے معذور' لاچار اور پریشان حال ہو گئے- اسی طرح بارہ ہزار حافظ جو روزانہ ایک ہزار قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے' بے روزگار ہو کر بھٹکنے لگے ہزارہا سپاہی اور شاگرد پیشہ جو ملک فخرالدین کے پروردہ پرداختہ اور ملازم تھے دانے دانے کو ترس گئے- ان سب پریشان حال افراد نے سیدی مولہ کی خانقاہ پر پناہ لی-

شیخ عین الدین بیجاپوری نے ملحقات طبقات ناصری میں سیدی مولہ کے حالات اس طرح بیان کیے ہیں کہ وہ جرجان سے فقیروں کے لباس میں ملک مغرب میں آئے اور وہاں کے درویشوں اور صوفیوں سے ایک طویل عرصے تک فیضان قلبی حاصل کرتے رہے- یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد وہ پھر اپنے وطن جرجان واپس چلے گئے- جرجان میں کچھ دن انھوں نے گزارے تو انھیں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا- اس سلسلے میں انھوں نے حضرت فرید گنج شکرؒ سے اجازت چاہی- حضرتؒ نے اجازت دیدی اور سیدی مولہ دہلی آئے اور یہاں قیام پذیر ہوئے- جس زمانے میں سیدی مولہ اجودھن میں قیام پذیر تھے تو حضرت گنج شکرؒ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہاری خواہش ہے کہ دہلی جا کر خلق خدا سے ربط پیدا کرو اور اپنے آستانے کو لوگوں کا ملجا بناؤ- نیز فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کرو- مجھے تمہارے اس ارادے سے کوئی اختلاف نہیں ہے- البتہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے زیادہ میل جول پیدا نہ کرنا اور ان سے تعلقات بڑھانے سے پرہیز کرنا- کیونکہ امیروں سے تعلقات پیدا کرنے میں درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ ہی نقصان پہنچتا ہے- بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی ہماری موت کا سبب بن جاتی ہے-"

خیرات و مبرات

سیدی مولہ نے دارالسلطنت دہلی میں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کروائی اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کی روٹی کپڑے سے مدد کرنے لگے- مسافر اور غریب غرباء روزانہ ان کی خانقاہ میں آتے اور اپنی اپنی ضروریات پوری کرتے- سیدی مولہ کا یہ دستور تھا کہ وہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں نہ جاتے تھے بلکہ اپنے گھر ہی میں تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے- وہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی طرح جماعت کی پابندی نہیں کرتے تھے' لیکن ریاضت اور مجاہدہ میں ان کا جواب نہ تھا- ایک چادر کے علاوہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا غذا کے معاملے میں بھی بہت ہی سادہ تھے- ان کی خانقاہ میں اگرچہ ہر طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن خود ان کا یہ عالم تھا کہ چاول کی روٹی کو پانی میں تر کر کے کھاتے تھے- خدمت کے لیے کوئی لونڈی یا منکوحہ عورت گھر میں نہ تھی- وہ کبھی خواہشات نفسانی کو ابھرنے نہ دیتے تھے' کبھی کسی سے نذرانہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے- لیکن خیرات' اور صدقات خوب جی کھول کر کیا کرتے تھے- سیدی مولہ کے روزانہ اخراجات کو دیکھ کر اہل دہلی کو یہ شک گزرنے لگا کہ وہ کیمیا بناتے ہیں-

غیاث الدین بلبن کے بعد جب کیقباد کی حکمرانی کا دور آیا تو یہ ایک طرح سے بیخبری اور غفلت کا دور تھا- سیدی مولہ کے اخراجات میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا- صدقات بھی وہ پہلے سے زیادہ دینے لگے- ان ایام میں سیدی مولہ نے حضرت فرید شکر گنج کی نصیحت کو فراموش کر دیا اور امراء اور دیگر بڑے بڑے لوگوں سے گہرے مراسم پیدا کر لیے- اس زمانے میں ان کی بخشش اور جود وسخا کی یہ کیفیت تھی کہ شہر کے شرفا اور مشاہیر کو ایک ایک ملاقات میں دو دو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتے تھے- دسترخوان کی وسعت بھی اپنا جواب آپ تھی- ان کے گھر میں امراء اور نوابین کے لیے ہر وقت اعلیٰ اعلیٰ کھانے اور نفیس شربت وغیرہ موجود رہتے تھے- اس دسترخوان کی وسعت کے سامنے بادشاہی دسترخوان بھی ماند نظر آتا تھا- اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک ایک دن میں ایک ہزار من میدہ' چالیس من شکر' چالیس من گڑ' پانچ سو من گوشت اور کئی من گھی ان کے باورچی خانے میں صرف ہوتا تھا- ان کا یہ عام قاعدہ تھا کہ

جب کسی شخص کو کچھ دینا ہوتا تھا تو اس سے یہ کہتے تھے کہ فلاں بوریے یا فلاں پتھر کو اٹھاؤ اس کے نیچے اتنی چاندی سونا یا اشرفیاں ہیں وہ تم لے لو۔ جب اس بوریئے یا پتھر کو اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے وہی کچھ نکلتا جو سیدی مولہ کے منہ سے نکلا ہوتا۔ ان روپے یا اشرفیوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی ٹکسال سے ڈھل کر آئی ہیں۔

جب عنان حکومت خلجیوں کے ہاتھ میں آئی اور جلال الدین تخت شاہی پر رونق افروز ہوا۔ تو سیدی مولہ کی خانقاہ میں عوام کا ہجوم بھی پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا خان خاناں ان کا بےحد معتقد تھا۔ یہاں تک کہ اس نے سیدی مولہ کو اپنا منہ بولا باپ بنالیا اور ہر روز ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ خان خاناں کے علاوہ دوسرے امرا اور معززین بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے دسترخوان سے ایسی ایسی نعمتیں کھاتے جو ان کو اپنے گھروں میں بھی نصیب نہ ہوتی تھیں۔ جب ملک الامراء ملک فخرالدین کوتوال کا انتقال ہوا تو مرحوم کے تمام متعلقین نے سیدی مولہ کی خانقاہ میں پناہ لی۔ یہ تمام لوگ سیدی مولا کے باورچی خانے سے کھاتے اور ان کی عام بخشش کے مطابق بوریوں اور پتھروں کے نیچے سے چاندی سونے اور اشرفیوں کے ڈھیر حاصل کر کے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے۔

سیدی مولہ کا حکمرانی کا خواب

انھیں ایام کا ذکر ہے کہ ایک فتنہ انگیز اور فسادی امیر قاضی جلال الدین کاشانی نے سیدی مولہ سے تعلقات بڑھائے اور اپنی عیاری اور تیز گفتاری سے کچھ ایسا جادو کیا کہ سیدی مولہ اسے اپنا بہترین دوست سمجھنے لگے۔ قاضی کاشانی نے اس حد تک مراسم پیدا کیے کہ وہ ان کی خانقاہ میں تین تین چار چار روز تک مہمان رہتا اور سیدی مولہ کو بادشاہ بننے کی ترغیب دیتا رہتا۔ قاضی کاشانی نے ان سے کہا۔ ''خداوند تعالے نے آپ کو یہ قدرت اس لیے دی ہے کہ آپ اس کے بندوں سے رحم اور مہربانی سے پیش آئیں اور حکومت کو جو خدا کی نیابت ہے' ظالموں کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے قبضے میں کریں اہل دنیا کو خدا اور اس کے رسول صلعم کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔ اگر آپ اس عظیم الشان عہدے کو حاصل کرنے سے کنارہ کشی کریں گے تو پھر کل قیامت کے روز آپ خدا کو کیا جواب دیں گے۔'' سیدی مولہ بشریت کے تقاضے سے مجبور ہوگئے اور قاضی کاشانی کی باتوں میں آکر سلطنت حاصل کرنے کے سامان فراہم کرنے لگے۔ سید صاحب نے پوشیدہ طور پر اپنے ہر مرید کو خطابات اور مناصب سے نوازنا شروع کر دیا اور بادشاہت کو حاصل کرنے کے لیے یہ طے پایا کہ سید صاحب کے دو نمایاں مرید برنجن کوتوال اور نتھائی پہلوان' جن پر سید صاحب کے بے شمار احسانات تھے۔ جمعہ کے روز بادشاہ کی سواری تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیں اور سید صاحب کے دس ہزار مرید اسی وقت ان سے بیعت کر کے ان کی بادشاہت تسلیم کر لیں۔

سیدی مولہ کا امتحان

سید صاحب کا آخری وقت آچکا تھا' اس لیے یہ تجویز ابھی عملی جامہ پہننے بھی نہ پائی تھی کہ ایک مرید نے مخبری کر کے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کر دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت سیدی مولہ اور قاضی کاشانی کو اپنے حضور میں طلب کیا اور سازش کی بابت دریافت فرمایا۔ ان لوگوں اور ان کے ساتھیوں نے اس قسم کے کسی بھی معاملے کے وجود سے صاف صاف انکار کیا۔ بادشاہ نے طرح طرح کے سوالات کیے لیکن مجرموں نے اپنے جرم کا اقرار نہ کیا۔ بادشاہ کو جرم ثابت کرنے کے لیے کوئی معقول ثبوت بھی نہ ملا۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ بہادر پور کے جنگل میں ایک بہت بڑی آگ روشن کی جائے اور سیدی مولہ' قاضی کاشانی' و برنجن کوتوال اور نتھائی پہلوان ننگے پیر اس پر سے گزریں۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ شاہی حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور جلال الدین اپنے مصاحبوں اور لشکر کے سرداروں کے ساتھ آگ کے قریب ایک خیمے میں ٹھہر گیا۔ جس وقت تمام مجرمین نے کلمہ شہادت باآواز بلند پڑھ کر آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو جلال الدین خلجی کو ان پر رحم آگیا اور اس نے اس بارے میں علماء سے استصواب کیا تمام علماء نے بالاتفاق جواب دیا۔ کہ ''جلانا آگ

کی فطرت میں ہے۔ کوئی بھی شخص، خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا، اگر وہ آگ میں کودنے گا تو آگ اس کو جلا دے گی۔ اس قسم کے معاملات کا فیصلہ آگ کے ذریعہ کرنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔" یہ سن کر جلال الدین اپنے ارادے سے باز آگیا اور اس نے آگ بجھانے کا حکم دے دیا۔

سیدی مولہ کا قتل

جلال الدین نے قاضی جلال کو بدایوں کا قاضی مقرر کر کے دہلی سے روانہ کر دیا اور دیگر بلبنی امراء کو خارج البلد کر دیا۔ دونوں کوتوالوں کو جنھوں نے بادشاہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی تھی، قتل کر دیا گیا اور جلال الدین سیدی مولا کو اپنے ہمراہ لے کر کوشک محل کی طرف لوٹا بادشاہ خود تو کوشک میں قیام پذیر ہوا اور سیدی مولہ کو کوشک کے پاس ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ جلال الدین نے متذکرہ سازش کے بارے میں سید صاحب سے کچھ سوالات کیے۔ جن کے جواب سید صاحب نے بہت جرائت مندی اور دلیری کے ساتھ دیے۔ سیدی مولہ پر شرع اور قانون، کسی بھی لحاظ سے سازش کا جرم ثابت نہ ہو سکا، لیکن بادشاہ کے نزدیک ان کا وجود خطرے کا باعث تھا اس لیے اس نے شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو اور دیگر درویشوں کو جو حیدری کے ساتھ یہاں دہلی میں آئے تھے، کوشک کے قریب بلایا اور ان سے کہا۔ "ذرا دیکھو تو سہی کہ اس درویش سیدی مولہ نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور میرے ملک میں بدامنی اور فساد پھیلانے کے کیا منصوبے تیار کیے ہیں۔ میں انصاف کو تم لوگوں کے ہاتھ میں دیتا ہوں، تم جو مناسب سمجھو فیصلہ کرو اور مجھے مطمئن کرو۔ بادشاہ کا یہ کہنا ہی تھا کہ سنجری نام کے ایک مرد درویش نے، جس پر بادشاہ کے بہت احسانات تھے، حق نمک ادا کیا۔ یہ درویش اپنی جگہ سے اٹھ کر سیدی مولہ پر جھپٹا اور استرے اور سوئے سے (جو اس کے پاس تھے) سید صاحب کے جسم پر کئی گھاؤ لگائے۔ اس پر سیدی مولہ نے بلند آواز سے فریاد کی اور کہا...... "میں اپنی موت سے ہراساں نہیں ہوں، مجھ کو جلد میری اصلی قیام گاہ پر پہنچا دو۔" اور پھر وہ بادشاہ سے یوں مخاطب ہوئے۔ "مجھے اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں لیکن تم یہ یاد رکھو کہ میرا لہو ایک نہ ایک دن رنگ لا کر رہے گا اور اس کا وبال تم پر اور تمہاری اولاد پر ضرور پڑے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ درویشوں کو تنگ کرنا کسی طرح بھی اچھا نہیں ہے" جلال الدین ان کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اس نے اس سلسلے میں پس و پیش کیا تو ارکلی خاں آگے بڑھا۔ ارکلی خاں اپنے بڑے بھائی خان خاناں کی عقیدت اور منہ بولا بیٹا بننے کی وجہ سے سیدی مولا سے بہت ناراض تھا۔ اس لیے اس نے کوشک کے اوپر سے فیل بان کو اشارہ کیا یہ اشارہ پاتے ہی فیل بان نے اپنے مست ہاتھی کو سید مولہ پر چھوڑ دیا۔ اس دیوپیکر جانور نے آناً فاناً سیدی مولہ کو کچل کر رکھ دیا۔

سیاہ آندھی

علامہ ضیاء الدین برنی، مؤلف تاریخ فیروز شاہی جو اس قسم کی مروایتوں کو بیان کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو صادق القول سمجھتا ہے، سیدی مولہ کے قتل کے بعد کے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے کہ "جس روز سیدی مولہ کو قتل کیا گیا۔ میں اس روز دہلی ہی میں تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قتل کے بعد ایک بہت ہی سیاہ آندھی اٹھی اور سارا شہر تاریک ہو گیا۔ یہ تاریکی اتنی مہیب تھی کہ شہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور دہلی کے باشندے ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس آندھی کے بعد دہلی اور سوالک میں ایک زبردست قحط پڑا۔ اس قحط کی مشکلات و مصائب کی تاب نہ لا کر ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ دریائے جمنا میں غرق ہو گیا۔

شہزادہ خان خاناں کی وفات

سیدی مولہ کے قتل کے بعد ہی جلال الدین کے زوال کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے اور اس کی بادشاہت کا سفینہ ڈگمگانے لگا، نظام سلطنت بالکل منتشر ہو کر رہ گیا۔ ہر روز طرح طرح کے مہیب اور خطرناک واقعات پیش آنے لگے۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد سب سے بڑا حادثہ جو وقوع پذیر ہوا وہ خود جلال الدین کے بڑے بیٹے کی وفات تھی۔ اس سانحے نے بادشاہ کو زندگی بھر خون کے آنسو رلائے۔

اختیار الدین خان خاناں بڑا ہی سعادت مند شاہزادہ تھا' اقبال اور حکمرانی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ اس کے رعب دار سیاست کا یہ عالم تھا کہ دوست ہو یا دشمن کسی کو اس کے عدول حکمی کی ہمت نہ تھی' جس دن سیدی مولہ کو قتل کیا گیا تھا' اسی روز اس شہزادے کی طبیعت ناساز ہوئی اور وہ بیمار پڑ گیا۔ کچھ ہی دنوں میں اس بیماری نے طول پکڑا اور شاہزادہ بالکل صاحب فراش ہو گیا۔ ملک کے تمام اعلیٰ اور تجربہ کار طبیبوں نے پوری توجہ کے ساتھ علاج کیا لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور شہزادہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

رنتھبنور پر حملہ

سیدی مولہ کے قتل کے بعد اسی سال جلال الدین نے رنتھبنور پر حملہ کیا اور اپنے دوسرے بیٹے ارکلی خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے شاہی لوازمات سے سرفراز کیا۔ جلال الدین نے ارکلی خاں کو تو دہلی کی طرف روانہ کیا اور خود رنتھبنور کی طرف بڑھا وہاں پہنچ کر جلال الدین کو معلوم ہوا کہ قلعہ بہت ہی مضبوط اور پائیدار ہے' یہ دیکھ کر اس نے قلعے کی تسخیر کا خیال ترک کیا اور جھاین کی طرف بڑھا۔

جلال الدین نے جھاین کو فتح کیا اور وہاں سے بے شمار ہتھیار اور مال غنیمت لیتا ہوا اور مالوے کے مندروں کو تباہ و برباد کرتا ہوا دہلی کی طرف واپس ہوا۔ راستے میں جب جلال الدین کا گزر رنتھبنور سے ہوا تو وہاں کے راجہ نے اس بار بھی جلال الدین کی اطاعت سے انکار کیا۔ بادشاہ راجہ کی خود سری سے بہت ناراض ہوا اور فوراً خیمے نصب کرنے اور ڈیرے ڈالنے کا حکم دیا' لیکن پھر اس نے کچھ سوچ کر یہ حکم منسوخ کیا اور آگے چلنے کا حکم دیا بادشاہ نے اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا' "میں نے پہلے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس قلعے کو تسخیر کروں۔ لیکن جب میں نے اپنے اس ارادے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ بے شمار مسلمانوں کی جانوں کی قربانیاں دیئے بغیر قلعے کو سر کرنا مشکل ہے میں اس قلعے کی خاطر مسلمانوں کے خون کو اتنا ارزاں نہیں کرنا چاہتا اس لیے اپنے ارادے سے ہاتھ اٹھانا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔" بادشاہ کی یہ تقریر سن کر معزز شاہی مصاحب ملک حبیب احمد نے جلال الدین سے کہا۔ "مہمات سلطنت کو انجام دیتے ہوئے سپاہیوں کی جان کا خیال رکھنا آئین جہاں گیری کے خلاف ہے۔ اگر راجہ رنتھبنور کو سرزنش نہ کی تو وہ یہ سمجھے گا کہ ہم اس کے مقابلے پر کمزور ہیں لہٰذا وہ آئندہ فتنہ و فساد کا بازار گرم کرے گا۔" بادشاہ کو ملک حبیب احمد کی یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے رنجیدہ ہو کر ملک احمد سے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں آئین جہانگیری سے ناواقف ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اکثر بادشاہوں کو ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی قیمتی جانوں کا کوئی خیال نہیں رہتا لیکن ہر بادشاہ اسی طرح کا نہیں ہوتا۔ جو بادشاہ سچے مسلمان ہوتے ہیں اور جنہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن انھیں خدا اور اس کے رسول صلعم کو منہ دکھانا ہے تو وہ مسلمانوں کی جانوں کی قدر کرتے ہیں اور ملک گیری کے لیے دینداروں کا خون بہانا پسند نہیں کرتے میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں اپنی زندگی کے آخری دور میں فرعون اور نمرود کی روش پر چلنا پسند نہیں کرتا' مجھے کوئی ایسا کام پسند نہیں ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم ہو کر رہ جائیں۔" جلال الدین نے رنجیدگی کے عالم میں یہ باتیں کیں اور دہلی واپس آ گیا۔

مغلوں کا حملہ

۶۹۱ھ میں ہلاکو خاں کے ایک رشتہ دار نے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر ہندوستان پر حملہ کیا یہ لشکر دس "تمن" پر مشتمل تھا (ایک تمن میں دس ہزار سپاہی ہوتے ہیں) جلال الدین کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی ایک زبردست فوج لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا' ہرام کے نواحی علاقے میں دونوں طرف اپنے اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ ایک بہت بڑے میدان کو جنگ کے لیے منتخب کیا گیا' لڑائی کا آغاز دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی ۔۔ فریقین کی افواج نے دریا کے دونوں لشکروں کے قرا دلوں کی باہمی معرکہ آرائی سے ہوا۔ اس میں بے شمار لشکریوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ ایک دن دونوں فوجوں کے قلب لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوئے اور گھمسان کا رن پڑا۔ خلجیوں نے بڑی بہادری سے کام لیا اور آخرکار انھیں فتح نصیب ہوئی۔ بیشمار مغل سردار موت کے گھاٹ اتارے گئے

دو ہزار مغل امراء اور چند نامی گرامی سرداروں کو زندہ گرفتار کیا گیا- اس دوران میں کچھ صلح پسند لوگوں نے فریقین کے درمیان صلح کی بات چیت اٹھائی- یہ بات چیت کامیاب رہی اور جلال الدین خلجی نے مغل سردار کو "بیٹا" کہہ کر یاد کیا اور اس نے جلال الدین کو "باپ" کہا- یہ دونوں اگرچہ دوری کیوجہ سے آپس میں مل نہ سکے (کیونکہ درمیان میں دریا پڑتا تھا) لیکن دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ ضرور لیا- فریقین کی طرف تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور مغلوں کا لشکر اپنے ملک کو واپس چلا گیا-

اس واقعہ کے بعد چنگیز خاں کا نواسہ، جس کا نام الغو خاں تھا' اپنے لشکر کے ساتھ مشرف باسلام ہوا اور جلال الدین نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی- بعد ازاں بادشاہ نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ملتان لاہور اور سندھ کا حکمران بنایا اور خود دہلی واپس آگیا- الغو خاں اور اس کے ساتھیوں نے "نو مسلموں" کے خطاب سے شہرت پائی اور انھوں نے موضع غیاث پور کو' جہاں حضرت شیخ نظام الدین اولیا آرام فرماتے ہیں' اپنا مستقر قرار دے کر اس مقام کو مغل پورہ کے نام سے موسوم کیا-

۶۹۲ھ میں جلال الدین خلجی نے مندو کے قلعے پر حملہ کیا اور اس شہر کو خوب جی کھول کر برباد و تاراج کیا- اسی سال ملک علاؤ الدین حاکم کڑہ نے تہاسہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی بادشاہ نے اجازت دے دی- علاؤ الدین نے تہاسہ پر حملہ کیا اور خوب تباہی اور لوٹ مار مچائی' یہاں سے وہ بہت سا مال غنیمت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا- یہاں سے دو مشہور بت اس نے حاصل کر کے بدایوں کے دروازے میں ڈال دیے تاکہ آتے جاتے لوگوں کے پاؤں کے نیچے آکر پامال ہوں- جلال الدین کو علاؤ الدین کی یہ خدمات بہت پسند آئیں اور اس نے علاؤ الدین کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے اودھ کے صوبے کا حاکم مقرر کر دیا علاؤ الدین نے جب بادشاہ کو اپنے حال پر اس قدر مہربان پایا تو اس نے درخواست کی- "چندیری کے آس پاس کے علاقوں میں بہت سے دولتمند ہندو راجہ آباد ہیں اگر اجازت ہو تو میں اپنی جاگیر کی آمدنی سے ایک نیا لشکر تیار کروں اور پھر نئے اور پرانے لشکروں کی مدد سے ان راجاؤں کو شکست دے کر ان کی دولت شاہی خزانے میں جمع کر دوں-" جلال الدین نے لالچ میں آکر بغیر سوچے سمجھے علاؤالدین کو اجازت دے دی اور یہ غور نہ کیا کہ اس ارادے سے علاؤالدین کا مقصد کچھ اور ہے- علاؤالدین یہ چاہتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے وہ ملکہ جہاں کے اثرات سے بچنے کے لیے دہلی سے دور رہے اور دور دراز مقامات کا سفر کرتا رہے- بات یہ تھی کہ جلال الدین خلجی پر ملکہ جہاں کا بہت اثر تھا' وہ بادشاہ کے مزاج میں اس حد تک دخیل تھی کہ علاؤالدین اپنے فائدے کی کوئی بات بادشاہ سے نہیں کہہ سکتا تھا- علاؤالدین کا یہ خیال بھی تھا کہ اگر موقع ملے تو وہ دہلی سے دور کوئی مقام تجویز کر کے وہاں رہائش اختیار کرے-

دیوگڑھ کی فتح

۶۹۳ھ میں علاؤالدین نے جلال الدین کی اجازت سے کڑہ کا سفر کیا اور ملک چھجو کے ملازمین اور دیگر بلبنی امراء کو' جو تلاش معاش میں مارے مارے پھرتے تھے' اپنی ملازمت میں داخل کیا- علاؤالدین کو معلوم ہوا کہ دکن کے راجہ رام دیو کے پاس ایک بہت بڑا خزانہ ہے جو نسلا بعد نسل چلا آ رہا ہے اسے یہ بھی خبر ملی کہ یہ خزانہ اس قدر معمور ہے کہ سلاطین دہلی میں سے بھی کسی کے پاس کبھی ایسا خزانہ نہیں رہا- علاؤالدین سات آٹھ ہزار سواروں کا لشکر لے کر چندیری کو لوٹنے کے لیے روانہ ہوا- یہ ۶۹۴ھ کا واقعہ ہے اور اس نے جنگل کی راہ سے سفر طے کیا تاکہ جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ سکے- اگرچہ علاؤالدین کی یہ توقع عقل و فہم سے بہت دور تھی لیکن اقبال مندی نے اس کا ساتھ دیا اور قسمت نے اس کے اس مشکل خیال کو بھی ممکن کر دکھایا- ایلچپور سے نکل کر علاؤالدین آرام کرنے کے لیے دو روز کے واسطے ایک مقام پر ٹھہرا اور اس کے بعد دیوگڑھی کی طرف روانہ ہوگیا- رام دیو اپنے بیٹے کے ساتھ (کسی کام کی وجہ سے) دیوگڑھ سے بہت دور گیا ہوا تھا- جب اسے یہ معلوم ہوا کہ علاؤالدین دیوگڑھ کی حدود میں آگیا ہے- تو وہ اپنے امراء اور لشکر کو ساتھ لے کر علاؤالدین کے مقابلے پر آیا- علاؤالدین نے اس کو شکست دے کر دیوگڑھ فتح کر لیا-

"ملحقات طبقات ناصری" کا مولف' جو خلجی حکمرانوں کا ہم عصر تھا' اس نے لکھا ہے کہ علاؤالدین کڑہ سے نکل کر ایک طرف روانہ ہوا۔ سارے راستے وہ شکار کھیلتا رہا اور اسی عالم میں منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں اسے ہندوؤں کی کئی چھوٹی حکومتیں ملیں' لیکن اس نے کسی سے تعرض نہ کیا۔ علاؤالدین کا اصل ارادہ کیا تھا؟ اس سے سوائے اس کے چند خاص رفقاء کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ دو مہینے کے بعد دفعتاً" دکن کے ایک مشہور شہر ایلچپور میں پہنچا اور یہاں اس نے یہ مشہور کیا کہ دہلی کا ایک امیر علاؤالدین کسی بنا پر بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر یہاں آگیا ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ تلنگانہ کے راجہ راج مندری کی خدمت میں پہنچ کر اس کی ملازمت اختیار کرے۔ یہ افواہ مشہور کرنے کے بعد علاؤالدین نے اسی رات کو ایلچپور سے کوچ کیا اور بڑی سرعت کے ساتھ دیوگڑھ پہنچ کر حملہ کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ راجہ رام دیو کی رانی اور اس کا لڑکا کسی مندر کی زیارت کے لیے دیوگڑھ سے باہر گئے ہوئے تھے اور خود راجہ گرفش دوراں سے بے خبر ہو کر دیوگڑھ ہی میں موجود تھا۔ راجہ کو جب علاؤالدین کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے دو تین ہزار سپاہی' جو اس وقت موجود تھے' مقابلے کے لیے روانہ کیے۔ یہ سپاہی دیوگڑھ سے دو کوس کے فاصلے پر علاؤالدین کے لشکر کے سامنے آموجود ہوئے فریقین میں لڑائی ہوئی۔ دکن کے ہندو' مسلمانوں کے طریقہ جنگ سے ناواقف تھے' اس لیے یہ لوگ مسلمانوں کی تلوار زنی اور تیراندازی سے گھبرا کر' پہلے ہی حملے میں فرار ہوگئے اور سیدھے دیوگڑھ پہنچے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کا تعاقب کیا۔ راجہ اس تعاقب سے سخت حواس باختہ ہوا اور اس نے دیوگڑھ کے قلعے میں پناہ لی یہ قلعہ خندق اور دیگر دفاعی سامان سے مضبوط نہ تھا۔

کافروں کی بدبختی

اس واقعے سے چند روز قبل دیوگڑھ کے کچھ سوداگر' نمک کے دو یا تین ہزار بورے کوکن سے لے کر آئے تھے۔ سوداگران بوروں کو قلعے کے پاس چھوڑ کر کہیں بھاگ گئے تھے۔ راجہ کے متعلقین نے نمک کے ان بوروں کو غلے کے بورے سمجھا اور اٹھا کر اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گئے۔ علاؤالدین نے دیوگڑھ کے تمام بڑے بڑے سوداگروں کو اور رعایا کو فرار ہونے کا قطعاً موقع نہ دیا اور شہر میں داخل ہو کر اس نے سوداگروں اور دوسرے شہریوں کو گرفتار کر لیا اور خوب جی کھول کر شہر کو لوٹا۔ علاؤالدین نے چالیس ہاتھی اور کئی ہزار خاصے کے گھوڑے بھی گرفتار کیے اور یہ مشہور کیا کہ مسلمان سواروں کا ایک دوسرا لشکر بھی فلاں راستے سے آرہا ہے۔ علاؤالدین نے دیوگڑھ کی سرزمین کو' جس نے ہزارہا سال سے کسی حملہ آور کے گھوڑوں کی ٹاپیں نہ سنی تھیں۔ بڑی بری طرح تباہ کیا اور لوٹا۔ بعدازاں اس نے قلعے پر چڑھائی کی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ رام دیو نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں اس لیے اس نے یہ طے کیا کہ اس سے پہلے کہ مسلمانوں کا دوسرا لشکر پہنچے' علاؤالدین سے صلح کر کے اسے واپس کر دینا مناسب ہوگا۔ راجہ نے اس خیال کے پیش نظر اپنے چند خاص مقربین کو' جن میں سے اکثر برہمن قوم سے تعلق رکھتے تھے' علاؤالدین کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "اس شہر میں تمہارا آنا' حکمت دور اندیشی اور احتیاط سے بہت دور ہے۔ اس وقت ہمارا شہر چونکہ لشکر سے خالی ہے اس لیے تم نے غلبہ پا کر جو چاہا کر لیا لیکن اپنی اس فتح پر تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ آس پاس کے علاقوں سے عنقریب ہمارا عظیم الشان لشکر جو تعداد کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے۔ دیوگڑھ پہنچ کر تمہیں درست کر دے گا اور تم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا اور اگر اتفاق سے تم اس لشکر کی گرفت میں نہ آسکے تو مالوہ کا راجہ جس کے پاس چالیس ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر عظیم ہے اور خاندیس اور گونڈ واڑہ کے راجگان جو بڑے بڑے لشکر رکھتے ہیں تمہارے ارادوں سے باخبر ہو کر راستے ہی میں تمہیں دبوچ لیں گے اور تمہارے لشکر کے پرخچے اڑا دیں گے تمہارے لیے اب یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے کہ ہندو راجہ تمہارے ارادوں سے باخبر ہو کر تمہارے خلاف کوئی کاروائی کریں' تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے ہمارے جن مہاجنوں اور رعایا کو گرفتار کیا ہے ان سے "نعل بہا" (آزاد کرنے کا معاوضہ) لے کر انھیں چھوڑ دو۔"

علاؤالدین نے عاقبت اندیشی اور احتیاط سے کام لے کر راجہ کی شرائط مان لیں اور قیدیوں سے پچاس من سونا، کئی من موتی اور بیش قیمت کپڑے لے کر یہ طے کر لیا کہ وہ اپنے داخلے کے پندرھویں (۱۵) روز صبح کے وقت قیدیوں کو رہا کر کے دیوگڑھ سے رخصت ہو جائے گا۔

اتفاق سے رام دیو کے بڑے بیٹے کو ان حالات کا علم ہوگیا اس نے اپنے لشکر کو علاؤالدین کی روانگی کے وقت دیوگڑھ سے تین (۳) کوس کے فاصلے پر کھڑا کر دیا (علاؤالدین سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا) رام دیو کو جب اپنے بیٹے کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے ایک معتمد شخص کو بیٹے کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا "جو کچھ ہماری قسمت میں لکھا تھا، وہی ہوا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رعایا پر واقعی ظلم ہوا ہے۔ تم اس کا خیال نہ کرو، اس کی تلافی کر دی جائے گی ہمارے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ عجیب جنگجو قوم ہے، اس سے مقابلہ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔" رام دیو کے بیٹے نے اپنی فوج کی دگنی تعداد اور دیگر راجاؤں کی مدد کی توقع پر مغرور ہو کر باپ کی بات نہ مانی اور علاؤالدین سے جنگ کرنے کے ارادے پر قائم رہا۔ اس کنور راجپوت نے علاؤالدین کو یہ پیغام بھیجا "اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً وہ مال و متاع جو تم نے ہماری غیر موجودگی میں ہماری رعایا سے حاصل کیا ہے، واپس کر دو اور اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اور اسی کو غنیمت سمجھو۔" یہ سن کر علاؤالدین سخت غصے میں آگیا اور اس نے رام دیو کے بیٹے کے قاصد کا منہ کالا کر کے اس کو سارے شہر میں گھمایا۔

غیبی امداد

علاؤالدین نے ملک نصرت کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلعے کے محاصرے میں چھوڑا اور خود بقیہ فوج کو لے کر ہندوؤں کے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے کے لیے نکل پڑا دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور لڑائی کا بازار گرم ہوگیا۔ ہندوؤں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، دوسرے یہ لوگ بڑی جانبازی اور جرات سے لڑ رہے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے لگے، عین ممکن تھا کہ مسلمان سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جاتے کہ ملک نصرت اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آ پہنچا۔ ہندوؤں نے جب ملک نصرت کی فوج کو دیکھا تو وہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کا وہی لشکر ہے کہ جس کے آنے کی خبر گرم تھی۔ اس خیال کے تحت ہندوؤں کی حالت دگرگوں ہوگئی وہ بہت سہم گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے فرار ہوگئے علاؤالدین کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد اس نے از سر نو قلعے کا محاصرہ کیا اور محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ علاوالدین نے بہت سے مہاجن اور برہمن قیدیوں کو قتل کیا اور بقیہ قیدیوں کو جو رام دیو کے رشتہ دار تھے ان کے پاؤں میں زنجیریں اور گردنوں میں طوق ڈال کر قلعے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ رام دیو نے اپنے خاص مقربین سے مدافعت کا مشورہ کیا اور گلبرگہ، خاندیس، مالوہ اور تلنگانہ کے راجوں سے مدد طلب کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اسی دوران میں اسے معلوم ہوا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اور وہ بورے جو قلعے میں لائے گئے تھے، ان میں غلہ نہیں، نمک ہے۔ اہل قلعہ میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ وہ مسلمانوں کی مدافعت کرتے پھر ان سے غلہ کیسے حاصل کیا جا سکتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رام دیو کو بہت تشویش ہوئی۔ آخر کار بہت غور فکر کے بعد غلے کے نہ ہونے کا حال تو چھپا لیا اور علاؤالدین کے نام خط بھیجا جس میں یہ درج تھا "آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس جنگ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میرے بیٹے نے جہالت اور جوانی کے غرور کے نشے میں آکر جنگ کی تھی، مجھے امید ہے کہ بیٹے کی غلطیوں کی سزا مجھے نہ دی جائے گی۔" جو ایلچی یہ خط لے کر روانہ ہوئے ان سے رام دیو نے پوشیدہ طور پر یہ کہہ دیا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اگر مسلمانوں نے تین چار روز تک اور محاصرہ جاری رکھا تو اہل قلعہ فاقوں کی وجہ سے مرجائیں گے اس لیے تم یہ کوشش کرنا کہ صلح آج کل ہی میں ہو جائے، لیکن علاؤالدین پر غلے کی کمی کا راز فاش نہ ہو۔ راجہ کے قاصد علاؤالدین کے پاس پہنچے اور اسے راجہ کا خط دیا۔ علاؤالدین کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قلعے میں غلہ بالکل

نہیں ہے اس لیے اس نے صلح کرنے میں بہت دیر لگائی- آخرکار راجہ کے قاصدوں نے بڑی خوشامد درآمد کر کے اس شرط پر صلح کی کہ رام دیو اس وقت چھ (۶) سو من سونا' سات (۷) من موتی' دو (۲) من لعل' یاقوت' الماس اور زمرد ایک ہزار من چاندی' چار ہزار ریشمی کپڑے اور بہت سی دوسری اشیاء جن کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں اور جس کو عقل تسلیم کرنے سے قاصر ہے علاؤالدین کے حوالے کرے گا- نیز ایلچپور کا صوبہ بھی علاؤالدین کے قبضے میں دے گا اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہے تو اس صوبے کا سالانہ محصول سال بسال کڑہ روانہ کرتا رہے گا- ان تمام اشیاء اور نذرانوں کے عوض علاؤالدین سارے ہندو قیدیوں کو آزاد کر دے گا اور وہ لشکر جو دہلی سے دکن کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا ہے اسے راستے ہی سے واپس کر دے گا- نیز وہ جلال الدین اور رام دیو کے درمیان صلح کروا کے ایسے مضبوط تعلقات قائم کروا دے گا کہ پھر دونوں سلطنتوں میں کبھی جنگ نہ ہوگی- غرضیکہ علاؤالدین نے متذکرہ بالا گراں قدر نذرانے حاصل کیے اور ہندو قیدیوں کو آزاد کر کے محاصرے کے پچیسویں (۲۵) روز وہاں سے روانہ ہوا- اس کے ساتھ اتنے جواہرات' مال و اسباب اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ تھے کہ اتنی دولت کبھی کسی بادشاہ دہلی کے پاس جمع نہ ہوئی تھی-

جو اہل نظر ہیں وہ دنیا کے احوال سے پوری طرح واقف ہیں اور انھوں نے تمام بادشاہوں کے حالات کتب تاریخ میں پڑھے ہیں- یہ بالکل صحیح ہے کہ اکثر اوقات غیبی امداد کا ظہور ہوا اور اس طلسمات جہاں میں اکثر اقبال مندوں کے ناممکن منصوبے بھی ان کی خوش قسمتی سے ممکن بن کر رہ گئے- لیکن قدرت نے جس طرح علاؤالدین کی مدد کی اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی- جتنی دولت اس کے قبضے میں آئی' اتنی شاید ہی کسی اور کو میسر ہوئی ہو- یہ تو ظاہر ہی ہے کہ کڑہ سے لے کر دیوگڑھ تک کتنی طویل مسافت ہے' اتنی طویل مسافت کو طے کرنا ہی بہت بڑا کام ہے- دوسرے مالوہ' گونڈواڑہ اور خاندیش وغیرہ کے راجوں' جیسے طاقتوروں کے ہاتھوں صحیح سلامت نکل آنا' خوبی قسمت کی بہت بڑی دلیل ہے- اس کے علاوہ دیوگڑھ میں دشمن کا نمک کے بوروں کو غلہ سمجھ کر قلعے میں لے جانا اور علاؤالدین کا تھوڑے سے دنوں میں اتنی بے شمار دولت کو حاصل کر لینا' پھر انھیں دشمنوں کے درمیان سے صحیح و سلامت نکلنا اور ان تمام مشکلات کو جھیل کر ہندوستان کے تخت حکومت پر رونق افروز ہونا کوئی معمولی اور آسان بات نہیں-

علاؤالدین کی تخت نشینی کے تفصیلی حالات

سلطنت ہندوستان کے تخت پر علاؤالدین کے بیٹھنے کا تفصیلی احوال یہ ہے کہ جب علاؤالدین نے دیوگڑھ کا سفر اختیار کیا تو ایک عرصے تک بادشاہ دہلی جلال الدین خلجی کو علاؤالدین کی کوئی خبر نہ ملی- البتہ علاؤالدین کا نائب' جو اس کی عدم موجودگی میں کڑہ کی حکومت کے فرائض انجام دے رہا تھا کبھی کبھار بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کے عرائض روانہ کر دیتا تھا کہ علاؤالدین آج کل چندیری کی غارتگری میں مصروف ہے اور عنقریب وہ اپنے حالات کی تفصیل بادشاہ دہلی کو بھجوائے گا- چھ ماہ اسی طرح گزر گئے اور اس دوران میں علاؤالدین کا ایک خط بھی بادشاہ کی خدمت میں نہ آیا- اسی زمانے میں علاؤالدین کی بغاوت کی افواہ ایک پیشین گوئی کی طرح دہلی کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آئی- جلال الدین کو اپنی بیوی ملکہ جہاں اور علاؤالدین کی باہمی ناراضگی کی کیفیت معلوم تھی- لیکن یہ نیک طبیعت اور رحم دل بادشاہ علاؤالدین کی طرف سے قطعاً بدگمان نہ ہوا- ۶۹۵ھ کی ابتدا میں جلال الدین شکار کے لیے گوالیار گیا- چند ماہ تک اس نے گوالیار میں قیام کیا اور وہاں ایک بہت بڑا بلند گنبد تعمیر کروایا اور ایک چبوترہ بنوایا- جلال الدین نے ایک رباعی خود کہہ کر اس گنبد کے سامنے کندہ کروائی-

اسی زمانے میں غیر سرکاری اطلاعات بادشاہ کو موصول ہوئیں کہ علاؤالدین نے دیوگڑھ کو فتح کر لیا ہے' لیکن خود علاؤالدین کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی- جلال الدین کو یہ اطلاع بھی ملی کہ دیوگڑھ کی فتح سے علاؤالدین کو اتنا مال و اسباب اور دولت ہاتھ آئی ہے کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہوئی- جب علاؤالدین کڑہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا تو جلال الدین کو بہت خوشی ہوئی اور اس نے

علاؤالدین کی اقبال مندی اور خوش طالعی کو اپنی رفعت و شان سمجھا۔ لیکن بادشاہ کو وہ مقربین جو عاقبت اندیش' دور رس اور بالغ نظر تھے ان کی نگاہیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ ملکہ جہاں اور علاؤالدین میں رنجش ہے۔ نیز یہ امران کی نگاہوں میں تھا کہ علاؤالدین نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر دکن کی مہم کو سر کر کے کثیر دولت حاصل کی ہے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ ان حالات کو علاؤالدین کی جلد از جلد ظہور پذیر ہونے والی بغاوت کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے لیکن وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بادشاہ کے سامنے نہ کر سکے۔

علاؤالدین کے بارے میں مشورے

ایک دن جلال الدین نے اپنے خاص مصاحبوں مشیروں سے تنہائی میں مشورہ کیا کہ علاؤالدین دیوگڑھ سے اس قدر مال و دولت اور سازو سامان وغیرہ لے کر آ رہا ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے میں اپنی جگہ خاموش رہوں یا آگے بڑھ کر اس کا استقبال کروں؟ ملک حبیب احمد نے جو اپنے شعور اور عقل و فہم کی وجہ سے باقی حاضرین میں سب سے آگے تھا' بادشاہ سے درخواست کی۔ "مال و دولت اور لشکر کی کثرت ہمیشہ بغاوت اور سرکشی کا سبب بنتی ہے۔ یہ اچھی طرح ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ملک چھجو کو بہلا پھسلا کر بادشاہ کی اطاعت سے منحرف کر دیا تھا۔ آج وہی لوگ علاؤالدین کے اردگرد بھی جمع ہیں اور انھیں لوگوں کے مشورے سے علاؤالدین نے شاہی اجازت کے بغیر دکن کی مہم سر کی ہے۔ اس سلسلے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اب ملک علاؤالدین کا کیا ارادہ ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ بادشاہ کا چندیری تک کا سفر کرنا ہر لحاظ سے مناسب اور بہتر ہے کیونکہ یہ مقام علاؤالدین کے راستے میں واقع ہے۔ جب علاؤالدین کو شاہی لشکر کی آمد کی خبر ملے گی تو وہ ان وجوہ کی بنا پر کہ اس کی فوج ایک دور دراز ملک کی مہم سر کر کے اپنے وطن کی طرف واپس آ رہی ہے اور سارا لشکر مال و اسباب اور دولت سے لدا پھندا ہوا ہے۔ ہر لشکری وطن کے دیدار کا مشتاق اور معرکہ آرائی سے بیزار ہے' نیز ہاتھیوں اور باربرداری کے سامان کی وجہ سے جلد از جلد سفر کرنا یا کسی مصلحت کی بنا پر کوہستان کے علاقے میں کچھ دنوں قیام کرنا ناممکن ہے۔ علاؤالدین کو اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آئے گا کہ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو اور جو مال و اسباب اور دولت دیوگڑھ سے وہ لایا ہے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ بادشاہ کو یہ چاہیے کہ نقد دولت اور ہاتھیوں کو خود قبول فرمائے کیونکہ یہ چیزیں شاہی لوازمات میں سے ہیں۔ بقیہ تمام مال و اسباب اور اشیاء علاؤالدین کو بخش دی جانی چاہئیں۔ اس کے بعد بادشاہ کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ وہ ملک چھجو اور ملک فخرالدین کوتوال کے مفسد اور فتنہ پرداز مصاحبوں کو جو سیدی مولہ کے قتل کے واقعے کے بعد سے علاؤالدین کے اردگرد جمع ہو گئے ہیں' انھیں علاؤالدین سے علیحدہ کر کے دوردراز ممالک میں بھیج دیا جائے اور علاؤالدین کی جاگیر میں معقول اضافہ کر کے اسے پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ چاہے تو علاؤالدین کو کڑہ جانے کی اجازت دے اور چاہے تو اپنے پاس دہلی میں رکھے۔ ایک اور امر بھی قابل غور ہے اور وہ ہے ملکہ جہاں اور علاؤالدین کی ناراضگی۔ اس سلسلے میں بادشاہ پوری طرح باخبر ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ کبھی بھی شاہی مجلس میں زیر بحث نہیں آیا ہے' لیکن شاہی خاندان کے ان دونوں افراد کی باہمی رنجش اب اس نوبت تک پہنچ گئی ہے کہ علاؤالدین نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ دارالسلطنت دہلی میں نہ رہے اور کسی دور دراز کے مقام پر قیام پذیر ہو۔ بادشاہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی ناراض شخص سے غافل ہو کر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر بادشاہ نے اس معاملے کو معمولی بات سمجھ کر نظرانداز کر دیا اور اس کی اصلاح نہ کی اور دہلی واپس چلا گیا اور علاؤالدین اپنے خزانے' ہاتھیوں اور دیگر اسباب کے ساتھ' جو شاہی لوازم ہیں' کڑہ پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ کچھ اچھا نہ ہوگا۔ اس صورت حال میں یہ سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے زوال کی بنیاد رکھی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کا آغاز کیا۔

ملک حبیب احمد کی یہ تقریر طویل ملک فخرالدین کوچی کے نزدیک اگرچہ حقائق سے پر تھی' لیکن اس نے بادشاہ کی مرضی نہ پاکر اس سلسلے میں کوئی رائے نہ دی اور کہا۔ "ابھی یہ بات پوری طرح پایہ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ علاؤالدین اس طرف آ رہا ہے اور اس نے بہت

ساماں و اسباب اور دولت فراہم کی ہے۔ اس لیے جب تک ان معاملات کی پوری پوری تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اس سلسلے میں غور و فکر کرنا بے کار ہے اور جب ان خبروں کی تصدیق ہو جائے گی تو ہم اپنے لشکر کے ذریعے اسے راستے ہی میں روک دیں گے۔ چونکہ علاؤالدین نے بغیر شاہی اجازت کے سفر کیا ہے اس لیے وہ ہماری لشکر کشی سے خائف ہو کر جہاں تک پہنچ گیا ہو گا وہیں سے پلٹ جائے گا اور جدھر منہ اٹھے گا وہیں جا کر قیام پذیر ہو گا۔ اس برسات کے موسم میں اس کا تعاقب کرنا ہمیں مناسب نہ ہو گا۔ لہٰذا وہ جہاں جائے' اسے جانے دینا چاہیے۔ مشہور مثل ہے کہ پانی تک پہنچنے سے پہلے جوتا اتارنا نہیں چاہیے۔ ہمیں بھی اسی طرح عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر علاؤالدین تمام مال و اسباب کے ساتھ کڑہ پہنچ گیا اور اس کی بدنیتی ظاہر ہو گئی تو ہم ایک ہی حملے سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

ملک حبیب احمد کو ملک فخرالدین کوچی جیسے تجربہ کار اور معاملہ فہم شخص کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بہت غصہ آیا اور اس نے ملک کوچی سے کہا۔ "خدا کے لیے ضرورت سے زیادہ تن آسانی سے کام نہ لو' ورنہ وقت ہم لوگوں کو دھوکہ دے جائے گا۔ مجھے سب سے پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ جب علاؤالدین بادشاہوں کی سی شان و شوکت کے ساتھ کڑہ پہنچ کر لکھنوتی پر حملہ کرے گا اس وقت تم اس کے مقابلے پر کامیاب ہو گے یا نہیں؟" بادشاہ ملک حبیب کی تمام باتیں غور سے سنتا رہا اور اس سے رنجیدہ ہو گیا اور اسے "خود غرض" کے لقب سے خطاب کر کے کہنے لگا۔ "تم تو ہمیشہ ہی علاؤالدین سے بدگمان رہتے ہو۔ میں نے اسے اپنی آغوش میں پالا ہے اور ہمیشہ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میرے حقیقی بیٹے میرے مقابلے پر اتر آئیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ ملک علاؤالدین مجھ سے بغاوت کرے۔" بادشاہ کی زبان سے یہ کلمات سن کر ملک حبیب بہت رنجیدہ ہوا اور بغیر کوئی مزید بات کیے خاموشی کے ساتھ افسوس کرتا ہوا شاہی مجلس سے اٹھ کر چلا آیا۔ باہر نکل کر ملک حبیب نے بادشاہ کی حالت پر بہت افسوس کیا اور دل ہی دل میں کہا۔ "یہ احمق بادشاہ خود اپنے ہاتھوں' اپنے لیے گڑھا کھود رہا ہے' خدا جانے اس کا کیا انجام ہو۔" جلال الدین خلجی نے ملک فخرالدین کوچی کی بہت تعریف کی اور دہلی واپس ہوا۔

علاؤالدین کا خط

ابھی جلال الدین دہلی پہنچا ہی تھا کہ کڑہ سے علاؤالدین کا ایک خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں اکتیس ہاتھی' تمام قیمتی گھوڑے اور گراں قدر ساز و سامان' جواہرات اور ریشمی کپڑے وغیرہ' جو کہ میرے ہاتھ آئے ہیں' بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ میں ایک مدت سے حضور سے جدا ہوں اور دوری اور راستوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ مراسلت بھی قطع رہا ہے' اس لیے میں اور میرے ساتھی شاہی عتاب کے خوف سے بڑے پریشان ہیں۔ اگر بادشاہ سلامت اپنے قلم خاص سے ایک فرمان میرے اور میرے ہمسفروں کے نام لکھ کر بھجوا دیں تو بڑی عنایت ہو گی۔ اس کے بعد میں بڑے شوق سے بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو کر تمام مالِ و اسباب اور دولت حضور کی خدمت میں پیش کروں گا۔" علاؤالدین کا یہ خط پڑھ کر جلال الدین خلجی' اس کی مکاری کے دام میں بری طرح پھنس گیا اور اس کی محبت اور خلوص کا پہلے سے کہیں زیادہ شکار ہو گیا۔ اس زمانے میں علاؤالدین لکھنوتی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا اور اس نے ظفر خان کو اودھ بھیج کر آب سرد کے کنارے کشتیاں مرتب کرنے کا کام شروع کروا دیا تھا۔ علاؤالدین کا یہ ارادہ تھا کہ جب بادشاہ کڑہ کے لیے روانہ ہو تو وہ خود لکھنوتی پہنچ کر جلال الدین خلجی کی مخالفت کا اعلان کر دے۔

جلال الدین نے علاؤالدین کی خواہش کے مطابق ایک محبت بھرا فرمان لکھ کر اپنے دو خاص ملازمین کے ہاتھ علاؤالدین کے پاس کڑہ روانہ کیا۔ یہ دونوں قاصد جب کڑہ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ علاؤالدین بالکل باغی ہو رہا ہے اور اس کے تمام ساتھیوں کی حالت بھی اس جیسی ہے۔ یعنی سب جلال الدین خلجی کے خلاف تھے' علاؤالدین نے ان قاصدوں پر بڑا سخت پہرہ لگا دیا۔ تاکہ جلال الدین تک کسی قسم کی کوئی اطلاع نہ پہنچ سکے اس وجہ سے بادشاہ اصل حالات سے بالکل بے خبر رہا۔ اس دوران میں علاؤالدین کا بھائی الماس' جو بادشاہ کا داماد تھا' جلال الدین کے دل میں اپنے بھائی علاؤالدین کی محبت کے نقوش گہرے کرتا رہا وہ بادشاہ سے بار بار کہتا۔ "بادشاہ سے علاؤالدین کی

ناراضی کی خبر بہت مشہور ہوگئی ہے اس لیے مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں میرا بھائی ندامت کی وجہ سے خودکشی نہ کر لے بادشاہ کی اجازت کے بغیر علاؤالدین کا دیوگڑھ جانا اور وہاں سے کوئی عریضہ نہ ارسال کرنا خود علاؤالدین کے نزدیک ایک بہت بڑا جرم ہے۔" الماس بیگ کی ان باتوں کا بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ انھیں دنوں علاؤالدین کا ایک خط الماس بیگ کے نام پہنچا جس میں اسی قسم کے خیالات بیان کیے گئے تھے۔ "مجھ پر بادشاہ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر میں انھیں لکھنا چاہوں تو لکھ نہیں سکتا۔ بادشاہ میرا چچا نہیں بلکہ باپ بھی ہے اور میری جان کا مالک بھی۔ بادشاہ کی ناراضگی کی وجہ سے زندگی میرے لیے ایک عذاب بن کر رہ گی ہے۔ اگر تمھیں یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا ہو کہ بادشاہ میری جان کا دشمن ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو فوراً مجھے لکھو تاکہ میں زہر کھا کر' جسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں' اپنی زندگی ختم کرلوں یا کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔"

الماس بیگ نے یہ خط جلال الدین کو دکھایا' اور ایسی خوشامدانہ گفتگو کی کہ بادشاہ کو علاؤالدین کے خط کی باتوں پر پورا پورا یقین آگیا۔ علاؤالدین نے ایک علیحدہ خط پوشیدہ طور پر الماس بیگ کے نام اس مضمون کا بھی لکھا تھا کہ "اگر بادشاہ دولت حاصل کرنے کے لالچ میں گرفتار ہو کر کسی طرح اس طرف تنہا چلا آئے تو ہمارا کام بن جائے۔" اس ہدایت کے مطابق الماس بیگ نے اپنی آنکھوں میں آنسو لا کر بادشاہ سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ حضور اکیلے ہی کڑہ کا سفر اختیار فرمائیں اور اس سے پہلے کہ میرا بھائی خودکشی کرے یا کسی غیر ملک میں چلا جائے' آپ وہاں پہنچ کر اسے سمجھائیں اور تسلی دیں اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم جاں نثار پہلے سے بھی زیادہ آپ کے ممنون احسان ہوں گے۔" جلال الدین' الماس بیگ کی باتوں میں آگیا اور غور و فکر اور کسی سے مشورہ کیے بغیر ہی اس نے الماس بیگ سے کہا۔ تم جلد از جلد کڑہ روانہ ہو جاؤ اور وہاں پہنچ کر علاؤالدین کو میری طرف سے دلاسا دو اور اطمینان دلاؤ۔ تم اسے خودکشی کرنے نہ دینا اور نہ ہی کسی اور ملک میں جانے دینا تم کڑہ پہنچو اور میں بھی جلد از جلد وہاں پہنچوں گا۔"

الماس بیگ بادشاہی حکم کے مطابق اسی وقت کشتی میں سوار ہو کر کڑہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سات روز کے سفر کے بعد وہ منزل مقصود تک جا پہنچا (دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی) الماس نے علاؤالدین کو مبارکباد دی اور کہا خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تیر نشانے پر بیٹھا علاؤالدین کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ اس نے الماس بیگ سے مشورہ کیا کہ اب لکھنوتی کا سفر ضروری ہے یا نہیں کڑہ ہی میں قیام کیا جائے۔ اس وقت علاؤالدین کے دیگر بہی خواہ بھی موجود تھے انھوں نے یہ رائے دی کی فی الحال لکھنوتی جانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ مال و دولت کے لالچ میں بادشاہ اکیلا ہی یہاں آئے گا۔ مناسب یہی ہے کہ سب سے پہلے بادشاہ کا کام تمام کیا جائے۔ اس کے بعد جب ارکلی خاں تخت نشین ہو کر ملکی انتظامات کی طرف توجہ کرے گا۔ ہم لکھنوتی پر لشکر کشی کر کے بنگالہ پر قبضہ کرلیں گے اور پھر پوری دلجمعی اور استقلال کے ساتھ فرماں روائی کے جھنڈے گاڑ دیں گے۔" علاؤالدین نے اس رائے کو پسند کیا اور کڑہ ہی ٹھہرا رہا۔

جلال الدین کا کڑہ کا سفر

جلال الدین خلجی' جس کی زندگی پر موت کا سایہ منڈلا رہا تھا' دولت کے لالچ میں بری طرح حواس باختہ تھا اس نے کسی امیر اور مشیر کی رائے کی پروانہ کی اور کڑہ کے سفر کا پورا پورا ارادہ کر لیا۔ جلال الدین کو دراصل یہ خدشہ تھا کہ اگر علاؤالدین لکھنوتی چلا گیا تو اس کے پاس جو مال و دولت اور زر و جواہر ہیں وہ پھر کسی طرح نہ مل سکیں گے۔ جلال الدین صرف پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر کشتی کے ذریعے روانہ ہوگیا اور ملک احمد حبیب کو یہ حکم دیا کہ وہ لشکر کو اپنے ساتھ لے کر خشکی کے راستے کڑہ پہنچے۔ علاؤالدین کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے دریائے گنگا کے پار اتر کر مانک پور کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے ڈالے۔ رمضان کی سترھویں (۱۷) تاریخ کو بادشاہی چتر دور سے پانی پر نظر آیا۔ اسے دیکھ کر علاؤالدین کے لشکر نے بظاہر شان و شوکت کے اظہار کے لیے اور بباطن کسی اور مقصد

کو پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو مسلح اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ علاؤالدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے استقبال کے لیے روانہ کیا اور اسے ہدایت کی جس طرح بھی ممکن ہو بادشاہ کو اس کے ساتھیوں سے الگ کر کے تنہا کنارے پر لایا جائے۔ الماس بیگ' اسی وقت روانہ ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور اس سے عرض کی۔ "اگر میں کڑہ میں ایک دن کی بھی تاخیر سے پہنچتا تو علاؤالدین خودکشی کر چکا تھا۔ میں نے یہاں آ کر اسے اچھی طرح سمجھایا بجھایا' لیکن ابھی تک اس کے دل میں خوف باقی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ان لوگوں کو دیکھ کر یہاں سے فرار ہو جائے اور کسی دوسرے ملک میں پناہ لے لے۔" یہ سن کر جلال الدین نے حکم دیا کہ جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں' وہ کشتیوں ہی میں بیٹھیں اور پھر بادشاہ اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ آگے بڑھا۔

جلال الدین نے ابھی تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا تھا کہ الماس بیگ نے ایک دوسری چال چلی اور کہا کہ میرا بھائی اب بہت قریب آگیا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے ان چند مسلح مصاحبوں کو بھی علیحدہ کر دیں' ورنہ علاؤالدین ان لوگوں کو دیکھ کر کسی خطرے کا گمان کر کے آپ کی عنایات سے مایوس ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے ساتھی ملازموں کو ہتھیار اتار ڈالنے کا حکم دیا۔ جب کشتی کنارے کے قریب پہنچی تو بادشاہ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ علاؤالدین ہتھیار بند ہو کر استقبال کے لیے آرہا ہے ان لوگوں کو علاؤالدین کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور وہ الماس بیگ کے مکرو فریب سے پوری طرح واقف ہو گئے۔ ایک امیر ملک خرم رکیک نے الماس بیگ سے کہا۔ "ہم لوگ تمہاری خواہش کے مطابق یہاں تک بالکل نہتے آئے ہیں اور ہم نے اپنے تمام ہتھیار اتار ڈالے ہیں' لیکن تم سب لوگ مسلح ہو اور لڑائی کے لیے تیار معلوم ہوتے ہو۔" الماس بیگ نے جواب دیا میرے بھائی کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے لشکر کو آراستہ اور مسلح کر کے بادشاہ کے معائنے کے لیے پیش کرے اور خود حاضر خدمت ہو کر آداب بجالائے۔" ان تمام باتوں کو دیکھ کر بھی جلال الدین خلجی پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ مشہور مثل "ازجاء القدر عمی البصر" (جب موت آتی ہے تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے) کے مصداق الماس بیگ کی چالاکی اور عیاری کو سمجھ نہ سکا صرف اتنا کہا "میں تو اس قدر دور دراز کا سفر طے کر کے آیا ہوں۔ اس وقت روزہ سے ہوں اور علاؤالدین سے ملنے جا رہا ہوں' لیکن اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ کشتی میں بیٹھ کر تھوڑی دور تک میرے استقبال کے لیے آتا۔" الماس بیگ نے جواب دیا۔ "میرا بھائی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ خالی ہاتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو اسکی یہ خواہش ہے کہ بیش قیمت سازوسامان گراں قدر جواہرات اور قیمتی گھوڑے اور ہاتھی لے کر آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کرے۔" علاؤالدین نے آپ کے لیے افطار کا اہتمام بھی کیا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ اپنی بزرگانہ شفقتوں سے نواز کر اس کے گھر میں روزہ افطار فرمائیں گے تاکہ یہ اعزاز حاصل کر کے وہ اپنے ساتھیوں میں فخر کے ساتھ سر اونچا کر سکے۔"

جلال الدین کا قتل

جلال الدین خلجی کشتی میں بیٹھا ہوا کلام مجید کی تلاوت کرتا رہا۔ عصر کے وقت کشتی کنارے سے لگی بادشاہ کشتی سے اترا' علاؤالدین نے آگے بڑھ کر بادشاہ کا استقبال کیا اور اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ جلال الدین نے پیار سے اس کے گال پر ایک ہلکی سی چپت ماری اور بڑے لطف آمیز لہجے سے کہا۔ "میں نے تجھے بڑے پیار اور لاڈ سے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے اور اپنے حقیقی بیٹوں سے زیادہ تجھے عزیز رکھا ہے۔ تیرے بچپن کی بو اب تک میرے کپڑوں سے نہیں گئی' پھر بھلا تیرے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں تیرے خلاف ہوں اور تیرا برا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے علاؤالدین کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لے کر کشتی کی طرف روانہ ہوا۔ علاؤالدین نے اس موقع پر ان لوگوں کو اشارہ کیا جو بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے متعین کیے گئے تھے۔ سامانہ کے ایک ذلیل سپاہی نے جس کا نام محمود بن سالم تھا' بادشاہ پر تلوار کا ایک وار کیا۔ بادشاہ زخم کھا کر کشتی کی طرف دوڑا اور کہا۔ "اے بدبخت علاؤالدین تو نے یہ کیا کیا ابھی جلال الدین کشتی تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اختیارالدین اس کی طرف لپکا اختیارالدین جو جلال الدین کا پروردہ نعمت تھا اس نے بادشاہ کو پچھاڑ کر اس کا سر کاٹ

لیا۔ اس وقت غروب آفتاب کا وقت تھا بادشاہ کا سر لے کر اختیار الدین علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کے وہ ہمراہی جو کشتی میں بیٹھے تھے (یعنی ملک خرم وغیرہ) انھیں بھی علاؤالدین کے حواریوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جلال الدین کے سر کی تشہیر

قاتلوں نے جلال الدین خلجی کے سر کو نیزے پر لٹکا کر کڑہ اور مانک پور کی گلیوں میں اس کی تشہیر کی اور پھر وہاں سے اودھ لے گئے گویا یہ قاتل زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہے جو اس بے وفا دنیا پر عاشق ہو اولاد اور رشتہ داروں سے قوت حاصل کر کے ہزاروں مشکلوں سے ان کی دیکھ بھال کرے اور اپنا خون جگر پلا پلا کر ان کو پالے پوسے؛ جو شخص ہزار ہا تمناؤں کے ساتھ لالچ اور حرص کی بنجر زمین میں پھولوں کا بیج بوتا ہے وہ پھول کی جگہ کانٹے ہی چنتا ہے اور جو شخص بھی اس دنیا سے نیکی کی امید رکھتا ہے اس کی آنکھوں میں جفاؤں اور بے وفائیوں کی دھول جھونکی جاتی ہے۔ جو شخص اپنے ہاتھوں سے برائی کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے وہ ایک لمحے کے لیے بھی آرام سے سو نہیں سکتا' ایسا شخص سوئے ہوئے فتنے جگا کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد کر لیتا ہے یہ صحیح ہے کہ آرے کے دانت جمشید کا گوشت کھا رہے ہیں لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ ضحاک کے بدن کا ہر رو گٹا فریدوں کے ڈر سے سانپ کی طرح خود اسی کو ڈس رہا ہے۔ اگر ایرج کا سر کٹا ہوا پیروں کے نیچے گرا پڑا ہے۔ تو منوچہر بھی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سلم و تور سے انتقام لینے کے لیے اس کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ اگر ایرج کا سر تھالی کے اندر رکھا ہوا ہے تو دشت لالہ بھی افراسیاب کے لہو سے سیراب ہے۔ اگر دارا اپنے ہی نمک خواروں کی تلواروں کی ضربات کا شکار ہے تو ان قاتلوں کے سروں پر بھی سکندر کی تلوار لٹک رہی ہے۔ خسرو اگر مٹی اور لہو میں لتھڑا پڑا ہے تو شیرویہ کی حالت بھی خراب ہو رہی ہے اگر سلطان معزالدین کیقباد خون کے دریا میں نہا رہا ہے تو گنگا کا پانی بھی جلال الدین خلجی کے خون سے رنگین ہو رہا ہے۔

علاؤالدین کی تخت نشینی

معتبر لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب جلال الدین خلجی کڑہ کی طرف آ رہا تھا تو علاؤالدین نے کڑہ کے مشہور درویش حضرت خواجہ کرگ" کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے مدد کا طالب ہوا خواجہ صاحب نے علاؤالدین کی طرف دیکھ کر جواب دیا:۔

ہر کس کہ کند باتو جنگ
سر در کشتی تن در گنگ

غرضیکہ مقتول بادشاہ جلال الدین کا چتر علاؤالدین خلجی کے سر پر سایہ فگن ہوا اور سارے شہر میں اس کی تخت نشینی کی منادی کر دی گئی۔ علاؤالدین کے تمام ساتھی' جو جلال الدین کے قتل کی سازش میں شریک تھے' بہت ہی جلد اس خون ناحق کی سزا میں بری طرح موت سے ہمکنار ہوئے۔ محمود بن سالم ایک سال کے بعد کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتا رہا۔ اختیار الدین پاگل ہو گیا اور اپنے ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھا۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ بیہوشی کے عالم میں زور زور سے چلاتا تھا کہ جلال الدین خلجی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے۔ الماس بیگ اور دوسرے مجرم تین چار سال کے اندر اندر' علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت ہی میں اس طرح برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

علاؤالدین نے اگرچہ کچھ عرصے تک بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی لیکن آخر کار اس کا بھی انجام بہت برا ہوا اور اس کا خاندان خود اس کے اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں وغیرہ کو نظر بند کر دیا اور اپنے قابل اعتماد ہمراہیوں اور درباریوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ علاؤالدین کے غلاموں اور ملازموں نے علاؤالدین کی زندگی ہی میں اس کے بیٹوں اور اہل خاندان وغیرہ پر جو ظلم و ستم ڈھائے ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

جلال الدین خلجی کے امیر ملک احمد حبیب نے' جو خشکی کے راستے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق کڑہ روانہ ہوا تھا' جب بادشاہ کے قتل کی خبر سنی تو وہ راستے ہی سے لوٹ آیا۔ جلال الدین کی بیوی ملکہ جہاں نے اس وقت بڑی عاقبت نااندیشی سے کام لیا چونکہ اس وقت ولی عہد شہزادہ ارکلی خاں ملتان میں تھا۔ اس لیے ملکہ جہاں نے کسی سے مشورہ کیے بغیر اپنے چھوٹے بیٹے شہزادہ رکن الدین ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا یہ شہزادہ بالکل ہی نوعمر اور سلطنت و حکومت کے معاملات سے قطعاً ناواقف و بے خبر تھا۔ ملکہ جہاں نے کیلوکھری سے دہلی آ کر کوشک سبز میں قیام کیا اور امراء میں عہدے اور جاگیریں وغیرہ تقسیم کیں۔ ارکلی خاں' جو سلطنت کا اصل وارث تھا' اپنے بھائی کی تخت نشینی کی خبر سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور اس نے ملتان ہی میں قیام کر لیا۔ علاؤالدین کا پہلے تو لکھنوتی پر حملہ کرنے کا خیال تھا لیکن اب اس نے ارکلی خاں اور ملکہ جہاں کی باہمی ناراضگی سے فائدہ اٹھانے کی سوچی' اس نے جب تخت دہلی پر ایک نوعمر لڑکے کو براجمان پایا تو اس کے دل میں بادشاہ بننے کا خیال پیدا ہوا۔ علاؤالدین نے برسات کے زمانے میں آگرے سے دہلی تک کا سفر اختیار کیا اور اپنے ارادے میں کامیاب ہوا۔ جلال الدین خلجی نے سات سال سے کچھ زیادہ عرصے تک حکومت کی۔

علاؤالدین خلجی

جلال الدین خلجی کے قتل کے بعد علاؤالدین کے لیے حکومت کے نظم و نسق کو درست کر کے ایک مضبوط سلطنت قائم کرنا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی سوچ غلطاں رہتا تھا ایک دن اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا اور ان سے کہا۔ "اس وقت سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی لیے میرے سامنے دو تجویزیں ہیں' تم لوگ غور و فکر کر کے مجھے بتاؤ کہ کس تجویز پر عمل کیا جائے۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ لکھنوتی پر حملہ کر کے بنگالہ تک کا علاقہ قبضے میں کر لیا جائے اور دوسری تجویز یہ ہے کہ کڑہ' مانک پور ہی میں قیام کیا جائے اور یہیں رہ کر سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی جائیں۔" تمام امیروں نے بالاتفاق جواب دیا۔ "شہزادہ ارکلی خاں بہت ہی بہادر اور جنگ جو انسان ہے۔ ان فطری صفات کے ساتھ ساتھ لشکر کشی کے قواعد و ضوابط اور حکمرانی کے اصولوں سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ ارکلی خاں اور اس کی ماں ملکہ جہاں' جلال الدین خلجی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے معرکہ آرائی کریں گے۔ اور یہ لوگ سب سے پہلے مقتول بادشاہ کے قاتلوں ہی کو سزا دینے کی کوشش کریں گے اس صورت حال کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ حضور فی الحال کڑہ ہی میں قیام فرمائیں اور چیدہ سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر ملک ہزبرالدین کی نگرانی میں لکھنوتی روانہ کر دیا جائے اس سلسلے میں کسی قسم کی تاخیر نہ کی جائے اور اسی برسات کے زمانے میں لشکر بھیج دینا مناسب ہو گا۔ تاکہ یہ لشکر بنگالہ کے علاقے کے تمام فتنہ و فساد کو فرو کر کے اس علاقے میں حضور کی حکومت کو مضبوط کر سکے اگر شہزادہ ارکلی خاں نے دہلی سے روانہ ہو کر ہمارے لشکر سے جنگ کرنے کی ٹھانی اور ہمیں اس امر کا اندازہ ہو گیا کہ بغیر جنگ کے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے تو پھر ہم بھی ستارہ سہل کے طلوع ہونے کے بعد جبکہ دریا کا پاٹ بہت کم ہو جاتا ہے' دریا کے پار اتر کر جلد از جلد بنگالہ اور لکھنوئی پہنچ جائیں گے اور پھر ارکلی خاں سے جنگ کریں گے۔

علاؤالدین کو اپنے امراء کی یہ رائے بہت پسند آئی اور اس نے اس رائے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ علاؤالدین ابھی ہزبر الدین کو لکھنوتی کے لیے روانہ کرنے کی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ملکہ جہاں نے امراء اور ارکان سلطنت کے مشورے کے بغیر ہی شاہزادہ قدر خاں کو سلطان رکن الدین ابراہیم شاہ کا خطاب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملکہ جہاں کے اقدام سے تمام امراء اور معززین اس سے رنجیدہ ہو گئے ہیں اور ان میں سے بیشتر نے ملکہ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ یہ اطلاعات پاتے ہی علاؤالدین نے اپنی رائے بدل دی اور سارے ہندوستان کا بادشاہ بننے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد علاؤالدین نے اپنے دارالسلطنت کے گرد و پیش کے تمام علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے امراء اور درباریوں کو اعزاز و خطابات سے سرفراز فرمایا۔ الماس بیگ کو الغ خاں' ملک نصرت جالیسری کو نصرت خاں اور ملک ہزبرالدین کو ظفر خاں کے عظیم الشان خطابات دیئے اور اپنے ایسے بہی خواہوں کو' جو امیر نہ تھے' امراء کی صف میں شامل کیا نیز دوسرے امراء کی جاگیروں اور مراتب میں معقول و مناسب اضافے کیے۔ علاؤالدین نے اپنے برادر نسبتی سنجر کو جو اس کی محفل کا امیر تھا' "الپ خاں" کا خطاب دیا۔ الغرض علاؤالدین نے اپنے امراء کی خوب اچھی طرح حوصلہ افزائی کی اور اس کے بعد اپنے لیے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔

دہلی کو روانگی

ان واقعات کے فورا بعد علاؤالدین' برسات ہی کے زمانے میں' دیوگڑھ سے حاصل کی ہوئی دولت ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ

ہوا۔ علاؤالدین نے اس سفر کے دوران میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا اور اپنے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات کیں۔ وہ ہر روز اپنی بارگاہ میں بیٹھ کر نصرت خاں کی رائے کے مطابق ہر خاص و عام سے ملاقات کرتا۔ اس کی سخاوت اور بخشش کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں اور قیمتی اونٹوں کی' گراں قدر سامان سے لدی ہوئی قطاروں کی قطاریں لوگوں کو تحفے میں دے دیتا تھا۔ مختصر یہ کہ کرم و بخشش میں وہ کسی قسم کی کمی نہ کرتا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ شاہی سراپردہ کے قریب ایک ترازو لٹکا دیا گیا تھا اور اس میں ہر روز صبح شام (۵) من روپے اور اشرفیاں تول کر لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ علاؤالدین کی اس سخاوت کا شہرہ دور دور تک ہوا۔ اور گردو پیش کے علاقوں سے لوگوں کے لشکر کے لشکر اس کی بارگاہ پر آکر جمع ہونے لگے۔ جب علاؤالدین اپنے ساتھیوں اور لشکر کے ساتھ بدایوں پہنچا تو سلطان رکن الدین ابراہیم نے بہت ہی ناتجربہ کاری اور ایک لحاظ سے حماقت سے کام لیا۔ وہ خود تو علاؤالدین سے جنگ کرنے کے لیے آگے نہ بڑھا بلکہ اس نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ امراء اور اراکین سلطنت رکن الدین ابراہیم شاہ کے حامی نہ تھے۔ اس لیے وہ فوراً علاؤالدین کے طرفدار ہو گئے اور اس کے لشکر سے مل گئے۔ علاؤالدین نے ان پر دولت کی بوچھاڑ کر دی اور یہ لوگ اسی کی جان نثاری کا دم بھرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں علاؤالدین کے لشکر میں مزید ساٹھ (۶۰) ہزار افراد کا اضافہ ہوگیا۔ اس کے بعد وہ بدایوں سے آگے بڑھا۔

ملکہ جہاں کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے پریشان ہو کر ایک شخص کو ملتان روانہ کیا تاکہ وہ ارکلی خاں اور الغ خاں کو اپنے ہمراہ دہلی لائے۔ ارکلی خاں نے جواب دیا۔ "اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے فوج دشمن سے مل گئی شاہی خزانے میں اتنی دولت نہیں رہی کہ سپاہیوں کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی دی جائے۔ اس صورت حال میں میرے آنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔" علاؤالدین کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے دہلی پہنچنے میں بڑی سرعت سے کام لیا اور جلد از جلد دریائے جمنا کو پار کر کے "باغ جود" (یہ پرانی دہلی کا ایک مشہور باغ ہے) والے دروازے کے سامنے باغ اور دریا کے درمیانی میدان میں خیمہ زن ہوا۔ سلطان ابراہیم رکن الدین عجیب کسمپرسی کے عالم سے دوچار ہوا۔ تاہم اس نے بڑی ہمت کر کے اپنے لشکر کو ساتھ لیا اور علاؤالدین کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔ جب رکن الدین نے اپنے آپ کو علاؤالدین کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ دیکھا تو وہ مجبوراً واپس لوٹا اور دہلی میں شہربند ہوگیا۔ اسی رات جلال الدین خلجی کے عہد کے بہت سے امیر رکن الدین کا ساتھ چھوڑ کر علاؤالدین سے جا ملے اب رکن الدین کے لیے سوائے فرار کے کوئی اور چارہ کار نہ رہا۔ لہٰذا اس نے اپنی ماں' بہنوں اور خزانے کا تھوڑا بہت روپیہ ساتھ لیا اور ملک حبیب احمد' ملک قطب علوی اور امیر جلال تلنگانی کے ہمراہ ملتان کی طرف روانہ ہوگیا۔ علاؤالدین نے سیری کے جنگل میں قیام کیا اور اپنے لشکر کو بھی وہیں ٹھہرایا۔ رکن الدین کی روانگی کے بعد شہر کے تمام شرفاء اور روسا علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے علاؤالدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا اور تمام شاہانہ رسوم ادا کی گئیں

ہنگامہ عیش و عشرت

۶۹۶ھ کے آخر میں علاؤالدین بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور تخت شاہی پر رونق افروز ہوا۔ تخت نشینی کے بعد وہ کوشک لعل میں گیا اور اسے اپنا دارالخلافت قرار دے دیا اور پھر ایک جشن مسرت منعقد کیا جو تین (۳) روز تک جاری رہا۔ رعایا نے بھی اس خوشی میں حصہ لیا اور شہر کو سجا کر اور عیش و عشرت کی محفلیں برپا کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا دہلی کے ہر گلی کوچے میں شراب کی سبیلیں کھولی گئیں اور چاروں طرف عیش کوشی کا دور دورہ ہوا۔ علاؤالدین نے بھی خوب جی کھول کر عیش و عشرت کے اس ہنگامے میں حصہ لیا اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا کہ ان کے دلوں سے جلال الدین خلجی کی بے گناہی کی موت کا غبار جاتا رہا۔ اس ہنگامے کے بعد علاؤالدین نے امراء درباریوں اور ساتھیوں کی طرف توجہ کی اور ان میں سے بہت سوں کو کسی نہ کسی کام پر لگایا اور خطاب سے سرفراز کیا۔

خواجہ خطیر جو اپنی اچھی عادتوں اور نیک طبیعت کی وجہ سے بہت مشہور تھا اسے وزیر الممالک کا عہدہ دیا گیا۔ قاضی صدر الدین جو صدر

جہاں کے لقب سے مشہور تھے انھیں قضا و خطابت کا عہدہ دیا گیا "سید اجل شیخ الاسلام" کے خطاب سے نوازا گیا۔ عمدۃ الملک ملک حمید الدین اور ملک اعزالدین کو منصب انشا تفویض کیا گیا۔ ملک اعزالدین چونکہ اپنی ذات کی گوناگوں خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس لیے علاؤالدین نے اسے اپنے خاص مقربین کے گروہ میں شامل کر لیا۔ نصرت خاں' نائب ملک کو شہر کا کوتوال مقرر کیا گیا۔ ملک فخرالدین کوچی کو دود بیگی' ظفر خان کو عارض ممالک' ملک ابو جلال الدین کو اخور بیگ اور ملک برن کو نائب باربک بنایا گیا۔ ضیائے برنی کے چچا'ملک علاؤالدین کو کڑہ اور اودھ کا جاگیردار اور ملک جونا کو نائب وکیل دار مقرر کیا گیا۔ ضیائے برنی کو قصبہ برن کا نائب اور خواجہ مقرر کیا گیا۔

جلال الدین کی اولاد کی تباہی

علاؤالدین نے اوقاف کی آمدنی' اس کے حقداروں کو دے کر انھیں بھی خوش کیا۔ تمام شاہی ملازمین کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ دی گئی اور دیگر انعامات وغیرہ سے نوازا گیا۔ ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد علاؤالدین نے جلال الدین خلجی کی اولاد کی تباہی بربادی کی طرف توجہ کی اور الماس بیگ اور ملک ظفر خاں کو انیس (۱۹) ذوالحجہ جلوس یعنی ۶۹۶ھ کو چالیس ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ کیا۔ ان امراء نے ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا دو مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد اہل ملتان اور ملتانی لشکر نے ارکلی خان اور رکن الدین کا ساتھ چھوڑ دیا اور علاؤالدین کے امیروں کے ساتھ مل گئے۔ اس صورت حال سے ارکلی خان اور رکن الدین بہت پریشان ہوئے اور ان دونوں بھائیوں نے مجبور ہو کر حضرت شیخ رکن الدین کے ذریعے الماس بیگ سے قول و قرار لے کر ملاقات کی۔ الماس بیگ نے ان دونوں بھائیوں کی بہت عزت کی اور اپنے سراپردہ کے قریب انھیں جگہ دی۔ اس دوران میں الماس بیگ نے اپنے تیز رفتار قاصدوں کے ہاتھ فتح نامہ علاؤالدین کے پاس روانہ کیا۔ جب یہ فتح نامہ دہلی میں پہنچا تو تمام مسجدوں میں پڑھ کر سنایا گیا سارے شہر کو دلہن کی طرح سجا کر خوشیوں کی محفلیں منعقد کی گئیں۔ فتح نامہ دہلی بھیجنے کے بعد الماس بیگ مع جلال الدین خلجی کے تمام امراء اور اولاد کے دہلی روانہ ہوا۔ راستے میں اس قافلے سے ملک نصرت الدین کوتوال بھی ملا اسے دہلی سے روانہ کیا گیا تھا۔ الماس بیگ نے جلال الدین خلجی کے بیٹوں اور داماد الغو خاں (جو چنگ خاں کا نواسہ تھا) کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیاں پھیریں۔ ملک احمد حبیب نائب امیر حاجب کو بھی پکڑ لیا گیا۔ ملک نصرت نے ان لوگوں کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور جلال الدین کے دونوں مظلوم و مجبور بیٹوں کو ہانسی کے قلعے میں قید کر دیا ارکلی خاں کے دو بیٹوں کو قتل کیا۔ ملک احمد حبیب' جلال الدین خلجی کی بیویوں اور بہوؤں کو مع ملکہ جہاں کے دہلی لا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

علاؤالدین نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ملک نصرت خاں کو وزیر مقرر کیا۔ ملک نصرت خاں نے یہ عہدہ حاصل کرتے ہی جلال الدین خلجی کی امیروں اور درباریوں سے وہ مال و اسباب واپس لینا شروع کر دیا جو علاؤالدین نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں سیاسی مصالح کی بناء پر دہلی کی طرف آتے ہوئے ان لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔ یہ سارا مال جمع کر کے شاہی خزانے میں داخل کیا گیا۔ ملک علاؤالدین کڑہ سے تمام خزانہ اور مال دہلی لے کر آیا۔ اسے علاؤ الملک کا خطاب دیا گیا اور دہلی کا کوتوال بنایا گیا۔

مغلوں کا حملہ

اسی سال ماوراء النہر کے حاکم دوا خاں نے ایک لاکھ مغل سپاہیوں کا لشکر ہندستان کی طرف بھیجا تاکہ پنجاب اور لاہور کو فتح کیا جا سکے۔ مغلوں کے اس زبردست لشکر نے دریائے سندھ کو عبور کر کے لوٹ مار شروع کر دی اور یہ پورا علاقہ تباہ و برباد کر دیا۔ علاؤالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے الماس بیگ اور ظفر خان کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مغلوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ لاہور کی حدود میں مغلوں اور علائی لشکروں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ ان کے تقریباً بارہ (۱۲) ہزار سپاہی قتل کیے گئے اور بہت سے مغل

امراء و سردار گرفتار ہوئے۔ ان قیدیوں کو عبرت ناک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ الغ خاں نے ان مقتول مغل امیروں کے سر اور ان کے بیوی بچوں کو دہلی روانہ کیا۔

جلالی امراء پر عتاب

جلال الدین خلجی کی اولاد کی گرفتاری اور مغلوں کی شکست کی وجہ سے علاو الدین کا بول بالا ہوا اور اس کی عظمت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ آس پاس کے علاقوں کے امیر اور حکمران اس کے نام سے تھرانے لگے۔ علاو الدین کی فوج جس طرف بھی رخ کرتی' اسے کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی۔ اس کے بعد علاو الدین نے اپنے بھائی الغ خاں کے مشورے سے ان تمام امراء کی طرف توجہ کی جنھوں نے لالچ اور طمع میں آکر جلال الدین خلجی کی اولاد سے بے وفائی کر کے اپنی عاقبت اور دنیا' دونوں ہی خراب کر لی تھیں۔ ایسے تمام نمک حرام امیروں کو گرفتار کیا گیا بیشتر کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیریں گئیں اور بہت سوں کو مختلف قلعوں میں قید کر دیا گیا۔ ان تمام امیروں کے مال و دولت پر قبضہ کر کے تقریباً ایک کروڑ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کیا گیا۔ جلال الدین خلجی کے دربار کے امراء میں سے ملک قطب الدین' ملک نصیر الدین' شمند پیل اور ملک جلال الدین سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی گئی کیونکہ ان امیروں نے جلال الدین خلجی کی اولاد کے ساتھ کوئی بے وفائی نہ کی تھی اور نہ ہی علاو الدین سے اس سلسلے میں کوئی معاوضہ یا صلہ لیا تھا۔ یہ تینوں امیر زندگی بھر عزت و شادمانی کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔

گجرات کی فتح

۶۹۷ھ کی ابتداء میں علاؤالدین نے الماس بیگ اور نصرت خاں کو دیگر امرائے دہلی اور سندھی لشکر کے ہمراہ گجرات کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے نہروالہ اور گجرات کے سارے علاقے میں تباہی و غارت گری کا بازار گرم کر کے اسے فتح کر لیا۔ حاکم نہروالہ راجہ رائے کرن' دکن کے حکمران راجہ رام دیو کے پاس پناہ گزین ہوا۔ کچھ دنوں بعد رائے کرن' رام دیو کی مدد سے گجرات کے ایک صوبے بگلانہ میں مقیم ہوا۔ یہ صوبہ گجرات اور دکن کی سرحد پر واقع ہے۔ علاؤالدین خلجی کے امراء نے راجہ رائے کرن کی رانیوں (جن میں سب سے زیادہ قابل توجہ کنولا دیوی تھی) اور اس کے خزانے اور ہاتھیوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گجرات میں ایک مشہور بت تھا' جو سومنات کا ہم نام ہی نہیں' ہم مرتبہ بھی سمجھا جاتا تھا مسلمانوں نے اس بت کو یہاں سے اٹھوا کر دہلی بھجوا دیا تھا۔ تاکہ یہ آنے جانے والوں کے پاؤں کے نیچے آکر پامال ہو۔ ملک نصرت خاں گجرات سے روانہ ہو کر کنبایت پہنچا اور اس علاقے کے باشندوں سے اس نے بہت سا مال و دولت حاصل کیا۔ نیز اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو اس کے آقا سے زبردستی چھین لیا۔ (ملک کافور کو بعد میں علاؤالدین نے نائب ملک کے عہدے پر سرفراز کر کے ملک نائب کا خطاب دیا تھا) ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد الماس بیگ اور ملک نصرت نے گجرات کے تباہ و برباد شہر کو چند قابل اعتبار امیروں کے سپرد کیا اور خود بے شمار زر و جواہر اور سامان لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

نو مسلم مغلوں کی بغاوت (شاہی لشکر میں پھوٹ)

جب یہ امراء قلعہ جالور (ریاست جودھپور) کے قریبی علاقے میں پہنچے تو انھوں نے اپنے لشکریوں کو' مال غنیمت کا پانچواں حصہ لینے پر شدید باز پرس کی۔ الماس بیگ اور ملک نصرت نے اس سلسلے میں بڑی سختی سے کام لیا اس وجہ سے بعض نو مسلم مغل لشکری' جن کا سردار محمد شاہ تھا' بڑے برہم ہوئے۔ انھوں نے بہت سے دوسرے لشکریوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور اچھی خاصی قوت فراہم کر کے ملک نصرت اور اعز الدین برادر الماس بیگ پر حملہ کر دیا۔ مغلوں نے اعز الدین کو قتل کرنے کے بعد الماس بیگ کے خیمے کا رخ کیا چونکہ الماس بیگ کا برا وقت ابھی نہ آیا تھا اور خداوند تعالیٰ کو اس کا زندہ رہنا منظور تھا اس لیے وہ دوسری طرف سے خیمے سے باہر نکل گیا اور بھاگتا ہوا نصرت خاں کے خیمے میں پہنچا۔ باغیوں نے علاؤالدین کے بھانجے کو الماس بیگ سمجھ کر قتل کر دیا۔ ملک نصرت نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے فوراً

جنگ کا نقارہ بجوا دیا۔ نقارے کی آواز سن کر لشکری یہ سمجھے کہ جالور کے راجہ یا کسی اور دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ ان لشکریوں نے اس خیال کے پیش نظر جلد از جلد جنگ کی تیاری کر لی اور سارے لشکری باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے نصرت خاں کی خیمے کی طرف بھاگے باغی تتر بتر ہو کر فرار ہو گئے ملک نصرت اور الماس نے ان کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب سے تنگ آ کر کچھ دنوں کے بعد رنتھنبور کے حاکم ہمیر دیو (جو اجمیر کا حاکم تھوراے کا پروتہ تھا) کے پاس پناہ لی۔ الماس بیگ اور نصرت بیگ نے بھی اب باغیوں کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور مال غنیمت، ہاتھیوں اور قیدیوں وغیرہ کو لے کر دہلی روانہ ہوئے۔

وحشیانہ سزائیں

علاؤالدین نے راجہ رائے کرن کی رانی کنولا دیوی کو، جو صورت، اخلاق و عادت، شیریں کلامی و خوش گفتاری اور دلبرایانہ اداؤں کی وجہ سے اپنا جواب آپ تھی مسلمان کرکے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ کافور "ہزار دیناری" علاوالدین کو بہت پسند آیا اور وہ اس غلام کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ اس کی نگاہوں میں اس غلام کے مقابلے پر دین و دنیا کی کسی چیز کی کوئی وقعت نہ رہی۔ اس کے عشق میں مبتلا ہو کر علاؤالدین نے عقل و فہم اور مذہب کا بھی کچھ پاس نہ کیا۔ علاؤالدین نے جالور کے (مغل) باغیوں کو بھی گرفتار کیا اور انھیں سزا دینے کے لیے ملک نصرت کے حوالے کر دیا۔ ملک نصرت نے ان لوگوں سے کہ جنھوں نے اس کے بھائی کو قتل کیا تھا، بہت بری طرح انتقام لیا۔ اس نے ان لوگوں کے بچوں اور عورتوں کو خاکربوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں اور بہنوں کے سروں پر پتھروں کی طرح اس وقت تک مارا جائے جب تک یہ بچے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس حکم پر عمل کیا گیا اور یہ بچے دھنکی ہوئی روئی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد عورتوں کو بازار میں ذلیل و خوار کر کے انھیں ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا۔ اس وقت سے پہلے دہلی میں یہ دستور نہ تھا کہ خطاکاروں کی جگہ ان کے متعلقین کو سزا دی جائے۔

سیوستان کا محاصرہ

اسی سال جبکہ لشکر دہلی، گجرات کو فتح کرنے میں مصروف تھا چلدی نام کے ایک مغل نے اپنے بھائی کی مدد سے سیوستان پر قبضہ کر لیا۔ علاؤالدین نے ظفر خاں کو بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ چلدی کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ ظفر خاں نے سیستان کا محاصرہ کر لیا اور کچھ ہی عرصے میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اس نے چلدی، اس کے بھائی اور اس کے دیگر ہمرائیوں کو گرفتار کر لیا۔ عورتوں اور بچوں کے علاوہ ان لوگوں کی تعداد ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) تھی، ان لوگوں کو پابہ زنجیر کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا اور ظفر خاں خود بھی جلد از جلد دہلی پہنچا۔

اس واقعے سے ظفر خاں کی بہادری اور شجاعت کا بڑا چرچا ہوا جسے دیکھ کر علاؤالدین کے دل میں ظفر خاں کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔

قتلق خواجہ مغل کا حملہ

اسی سال کے آخر میں دوا خاں کا بیٹا قتلق خواجہ بیس (۲۰) تمن یعنی دو لاکھ مغل سواروں کو ساتھ لے کر ہندوستان فتح کرنے کے ارادے سے ماوراالنہر پہنچا۔ اس نے دریائے سندھ کو عبور کر کے، ان قصبوں اور دیہاتوں کو جو راہ میں آباد تھے، اپنی ملکیت سمجھ کر، ان پر کسی قسم کا کوئی حملہ نہ کیا اور جلد از جلد راستہ طے کرتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے جا پہنچا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ قتلق نے دہلی کا محاصرہ کر لیا مغلوں کے خوف کی وجہ سے دہلی کے آس پاس کے علاقوں کے بےشمار لوگ دہلی میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اس لیے اس شہر کی آبادی میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا۔ گلی کوچے اور مسجدیں وغیرہ خلق خدا سے اس حد تک بھر گئی تھیں کہ اللہ کی پناہ! دہلی کے اصل باشندے اس ہجوم سے بہت گھبرا گئے اور اس وجہ سے آنے جانے اور رسد رسانی کے راستے بند ہو گئے۔ شہر میں اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو گیا اور رعایا کی حالت بہت ہی خراب ہونے لگی۔ علاؤالدین نے امراء اور اراکین سلطنت کو بلا کر ان سے مشورہ کر کے

اپنے لشکر کی قوت کا اندازہ کیا۔ بعض امراء نے علاؤالدین کو جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا اور ہندوستانی لشکر کی کمزوری کو مناسب طریقے سے بیان کر کے اشارتاً یہ بھی کہہ دیا کہ جنگ میں شکست و فتح دونوں ہی ممکن ہیں لیکن علاؤالدین نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ عظیم الشان بادشاہوں کے لیے جنگ سے خوفزدہ ہونا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

علاؤالدین نے شہر' اپنے حرم اور خزانے کی حفاظت کا فرض بہدۃ الملک کوتوال کے سپرد کیا اور بداؤں کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کر دیے۔ روایت صحیح کے مطابق علاؤالدین تین (۳) لاکھ سواروں اور دو ہزار سات سو (۲۷۰۰) ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے شہر سے باہر نکلا۔ کیلی کے میدان میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا دونوں نے اپنی اپنی صفیں مرتب کیں اور خونریزی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز سے لے کر اس کتاب کی تصنیف کے زمانے تک کہ جو ۱۰۱۵ھ ہے' ایسے دو عظیم الشان لشکر کبھی ایک دوسرے کے مقابل نہیں آئے۔ علاؤالدین نے اپنے لشکر کو اس طور پر ترتیب دیا کہ میمنہ پر اس عہد کے مشہور اور بہادر ترین سپاہیوں اور ملک ہزبرالدین ظفر خاں (سامنہ' پنجاب اور ملتان کا جاگیردار) کو تعین کیا۔ میسرہ میں اپنے بھائیوں الماس بیگ اور رکن خاں کو مقرر کر کے اسے مضبوط و مستحکم کیا اور خود ملک نصرت خاں اور بارہ (۱۲) ہزار بہادر اور جری سواروں اور مست ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ قلب لشکر میں کھڑا ہوا۔ اس کے علاوہ علاؤالدین نے اپنے دیگر امیروں کو مناسب اور موزوں جگہوں پر متعین کیا۔ سب سے پہلے ملک ہزبر الدین ظفر خاں نے اپنے سامنے کے دشمن کے لشکر کے حصے پر حملہ کیا اور مست ہاتھیوں اور تلواروں کی ضربوں سے اسے تہس نہس کر دیا۔ اس کے بعد دیگر علائی امراء نے مقابل کے غنیم کے لشکر پر حملہ کیا۔ ظفر خاں کے اس دلیرانہ حملے سے دشمن کی فوج میں کھلبلی مچ گئی اور مغلوں کی لاشوں سے میدان جنگ بھر گیا۔ ظفر خاں نے بہادری اور جانبازی کے ایسے جوہر دکھائے کہ مغلوں کا لشکر حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس نے اٹھارہ (۱۸) کوس کے فاصلے تک مغلوں کا تعاقب کیا۔ الماس بیگ ظفر خاں سے کبیدہ خاطر تھا اور اس سے دشمنی کے جذبات رکھتا تھا اس لیے اس نے ظفر خاں کا ساتھ نہ دیا اور اسے اکیلا ہی چھوڑ دیا۔

ظفر خاں کا قتل

مغلوں کے میسرہ کا سردار' ایک ترک گھات میں بیٹھا ہوا تھا' اس نے ظفر خاں کو اکیلا آتے ہوئے دیکھا اور یہ معلوم کر لیا کہ ظفر خاں کے پیچھے امدادی لشکر نہیں ہے اس ترک کو حملہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ اس نے کمین گاہ سے نکل کر پیچھے کی طرف سے حملہ کیا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس حملے کی وجہ سے ظفر خاں پیادہ پا ہو گیا اور تیر چلا چلا کر دشمنوں کو ہٹانے اور قتل کرنے لگا۔ مغلوں کے سردار قتلق خواجہ نے ظفر خاں کو یہ پیغام دیا۔ "تو اپنے تیروں کو ترکش میں رکھ اور میرے پاس آجا' میں تجھے تیرے موجودہ عہدہ سے کہیں زیادہ بڑا عہدہ عطا کروں گا"۔ ظفر خاں نے اس پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی اور حسب سابق تیر اندازی میں مشغول رہا آخر کار مغلوں نے اپنے سردار کے حکم سے ظفر خاں پر تیر چلانے شروع کر دیئے' اور اسی طرح اسے ختم کر دیا۔ ظفر خاں کے ساتھ چند دوسرے دہلوی امیر بھی مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

اس روز قتلق خاں ہندوستانیوں کی جنگجوئی اور جانبازی سے کچھ ایسا ڈرا کہ تیس (۳۰) کوس تک اس نے سانس نہ لیا اور برابر چلتا رہا آخر کار سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے ملک جا پہنچا۔ مغلوں پر ظفر خاں کی شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا وہ لوگ اس مرد جاں باز سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کی شجاعت ان میں ضرب المثل کی سی حیثیت اختیار کر گئی۔ اگر کبھی کسی مغل سپاہی کا گھوڑا پانی نہ پیتا تو وہ مغل اس گھوڑے سے کہتا کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے۔ علاؤالدین' ظفر خاں کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے اسے اپنے لیے خطرے کی علامت سمجھتا تھا' اس لیے جب اس کو ظفر خان کے قتل کی خبر ملی تو اس نے اس حادثے کو اپنی دوسری فتح سمجھا۔

مغلوں کو شکست دینے کے بعد علاؤالدین کیلی سے دہلی آیا اور محافل جشن منعقد کیا۔ ان امراء کو جو مغلوں کے مقابلے پر مردانگی اور بہادری سے لڑے تھے اعزاز و اکرام سے نوازا۔ ایک امیر لڑائی کے میدان سے بھاگ کر دہلی میں چھپ گیا تھا' علاؤالدین نے اس امیر کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں اس کی تشہیر کروائی۔

علاؤالدین کی خام خیالیاں

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤالدین کی تخت نشینی کے (۳) سال بعد تک اسے اپنے بیشتر منصوبوں میں پوری پوری کامیابی ہوئی اور بے شمار عورتوں کو حرم میں داخل کرنے کی وجہ سے اس کی اولاد میں بہت اضافہ ہوا۔ نیز گجرات کا ملک بھی اس کے قبضے میں آگیا سارا ملک علاؤالدین کے دشمنوں اور مدعیان سلطنت سے پاک و صاف ہوگیا۔ ان تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد علاؤالدین کے دل میں طرح طرح کے عجیب و غریب خیالات آنے لگے۔ ان خیالات میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ "جس طرح حضرت محمد صلعم نے اپنی قوت اور شوکت سے شریعت قائم کی اور ان کے چاروں خلفاء نے اس شریعت کو مضبوط بنایا' اسی طرح اگر میں بھی اپنے چاروں امراء الماس بیگ' الغ خاں' ملک ہزبر الدین ظفر خاں' ملک نصرت خاں اور سنجرا الپ خاں کی قوت اور سہارے کے بل پر ایک نیا مذہب جاری کروں تو پھر یقیناً روز قیامت تک میرا نام دنیا میں باقی رہے گا۔ "علاؤالدین محفل شراب میں اکثر و بیشتر اپنے اسی خبط کا ذکر کیا کرتا تھا اور اپنے مصاحبوں سے مشورے کیا کرتا تھا۔ وہ ان لوگوں سے یہ پوچھتا رہتا تھا کہ آخر کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ میرا جاری کیا ہوا نیا مذہب محدثین اور اہل علم کی نگاہوں میں وقار حاصل کرے اور ان کے حلقے میں یہ مروج ہو۔ علاؤالدین کا دوسرا خیال خام یہ تھا کہ چونکہ شاہی خزانے میں بے شمار دولت ہے اور ہاتھی گھوڑوں وغیرہ کی بھی کثرت ہے اس لیے علاؤالدین یہ چاہتا تھا کہ دہلی کی حکومت کسی قابل اعتبار امیر کے سپرد کر کے خود سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہو جائے۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ سب سے پہلے خراسان' ماوراالنہر اور ترکستان فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو اپنے (نئے) مذہب میں داخل کرے اور اس کے بعد دنیا کو فتح کرنے کا سلسلہ آگے بڑھائے اور روم' فارس' عراق' عرب' عجم' شام' گلستان اور حبش وغیرہ ممالک میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ کر وہاں اپنے نئے مذہب کو مروج کرے اور سکندر کی طرح اپنے جہانگیری و جہانداری کا چرچا کرے۔ علاؤالدین جب کبھی ان خیام خیالیوں کا تذکرہ اپنے امراء اور اراکین سلطنت سے کرتا تو وہ اس بد مزاجی اور درشت طبعی سے واقف ہونے کی وجہ سے' اس کی ہاں میں ہاں ملاتے اور اس کے حسب منشا جواب دیتے۔ جب علاؤالدین کے لشکر نے' دو لاکھ مغل جاں بازوں کی فوج کو جس کا سردار قتلق خاں جیسا جری شخص تھا' شکست دے دی تو علاؤالدین کا دماغ اور بھی عرش پر چڑھ گیا اور اس کے غرور کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے حکم دیا کہ خطبوں میں اس کے نام کے ساتھ "سکندر ثانی" کے لقب کا اضافہ کیا جائے۔ سکوں اور طغروں پر بھی اس نے یہ لقب نقش کروایا اور ساری دنیا کو فتح کرنے اور نیا مذہب جاری کرنے کی کوشش تیز سے تیز کر دیں۔

علاؤالدین جاہل محض تھا اس کی ساری زندگی جاہل خلجیوں میں بسر ہوئی تھی لکھنے پڑھنے سے وہ بالکل ناآشنا تھا' اجڈپن اور حیوانیت اس کی طبیعت کے جوہر تھے۔ اس بناء پر اہل علم اسے کبھی کوئی نصیحت بھی نہ کرتے تھے۔ جب بادشاہ اپنی متذکرہ خام خیالیوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو بعض حاضرین اس وقت بالکل خاموش رہتے اور بعض شوخ اور بیباک شرکائے مجلس اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے۔ یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ بادشاہ کے اس قسم کے خیالات سودائے محض کے سوا کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن وہ پھر بھی علاؤالدین کی بہادری اور مستقل مزاجی کی تعریفوں کے پل باندھ باندھ کر اسے غلط فہمی میں مبتلا کرتے رہتے تھے۔ عام مسلمان اور بزرگان دین علاؤالدین کی اس قسم کی باتوں کو سن سن کر بہت ہی رنجیدہ ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ اور خاص طور پر حضرت سلطان نظام الدین اولیاء و دیگر بزرگان دین بادشاہ کے لیے ان شیطانی خیالات سے نجات پانے اور مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

علاء الملک کوتوال کی دانشمندی

کوتوال دہلی ملک علاؤالدین عرف علاء الملک بہت زیادہ موٹا تھا اس لیے وہ مہینے میں صرف ایک بار' پہلی تاریخ کو بادشاہی خدمت میں آداب بجا لانے کے لیے بادشاہ کی محفل شراب میں شرکت کیا کرتا تھا۔ حسب معمول ایک بار وہ اس محفل شراب میں شریک ہوا علاؤالدین نے اس سے اپنے متذکرہ بالا دونوں خیالات کے بارے میں مشورہ کیا علاء الملک سچا مسلمان اور مذہبی امور سے تھوڑا بہت واقف تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اب موت کا وقت قریب ہے' چند روزہ زندگی کے لیے بادشاہ کی خوشی کی پروا کرنا اور سچی بات پر پردہ ڈالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ علاء الملک نے یہ بھی سوچا کہ اس وقت بادشاہ کے عتاب سے بالکل نہیں ڈرنا چاہیے۔ عمر کے آخری ایام میں اگر شہادت نصیب ہو گئی تو کچھ برا نہیں ہو گا۔ ان خیالات کے پیش نظر علاء الملک نے بادشاہ سے کہا "اگر اس مجلس میں بادہ نوشی کے دور کو ذرا روک دیا جائے اور مجلس کو اغیار سے خالی کر دیا جائے تو پھر یہ خادم اپنی ناقص رائے کے مطابق کچھ کہنے کی جرات کرے گا۔ اگر میری گزارش پسند آئے تو زہے نصیب' ورنہ اس ضعیف العمر غلام کو' جس کی عقل دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے' معاف فرمایا جائے"۔ بادشاہ نے علاء الملک کی درخواست قبول کی اور اسی وقت مجلس سے جام و مینا کو ہٹا دیا۔ سوائے چند خاص احباب' ملک الماس بیگ' ملک نصرت خاں' ملک سنجر الپ خاں اور غزی ملک جوانا (جو ظفر خاں کا قائم مقام مقرر کیا گیا تھا) کے اور کوئی محفل میں بیٹھا نہ رہا۔ علاء الملک نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی۔ "شریعت کا تعلق انبیائے کرام سے ہے اور ان کی نبوت وحی آسمانی سے تعلق رکھتی ہے۔ نبوت کا منصب حضرت محمد صلعم پر ختم ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے کسی نئے مذہب کے اجراء کا اعلان کیا تو تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور سارے ملک میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ میرے ناقص خیال میں یہی بہتر ہے کہ آپ اس قسم کا خیال ہرگز ہرگز دل میں نہ لائیں کیونکہ اب کسی بھی انسان کے لیے اس منصب عظیم کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ حضور کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ چنگیز خاں اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مذہب اسلام کو نیست و نابود کرنے اور اپنے مذہب کو جو ہزاروں سال سے ترکستان میں رائج تھا' جاری کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے پیش نظر انھوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا' لیکن انھیں اس سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر کار مذہب اسلام کی راستی اور استحکام نے ان دشمنوں کے دل میں جگہ پیدا کی اور ان کی پوری قوم مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس دین کی عزت و حرمت کی خاطر ان لوگوں نے بارہا کافروں سے لڑائیاں کیں۔ علاؤالدین' کوتوال کی یہ باتیں سن کی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر اس نے کہا۔ "تو نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے انشاء اللہ میں کبھی بھی اس قسم کی باتیں نہ کروں گا لیکن میرے دوسرے خیال کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟" علاء الملک کوتوال نے جواب دیا۔ "عالی جاہ آپ کا دوسرا خیال بالکل درست ہے۔ یہ معاملہ جو آپ کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی وجہ سے آپ کے پیش نظر ہے اس پر اکثر گزشتہ فرمانرواؤں نے بھی غور کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کی لیے اپنی شخصی بہادری اور جرات مندی' خزانہ اور لشکر کی مدد سے ہفت اقلیم کو فتح کرنا کچھ مشکل نہیں ہے لیکن یہاں یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ دارالسلطنت سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہو گا اور ایک طویل مدت تک غیر ممالک میں قیام کرے گا۔ تو اس وقت ایسا کون سا بہادر امیر ہو گا جب بادشاہ کی عدم موجودگی میں حکومت کے فرائض انجام دے گا۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ بھی غور کے قابل ہے کہ جو بادشاہ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد وہاں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے خود دہلی یا کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ ہو گا تو اس کی عدم موجودگی میں ہو سکتا ہے کہ اس مفتوحہ ملک کا حاکم' بادشاہ کی اطاعت گزاری سے منحرف ہو جائے کیونکہ آج کا زمانہ سکندر کے عہد سے بہت مختلف ہے۔ سکندر کے زمانے میں عہد شکنی' مکاری اور چالبازی وغیرہ کا رواج بہت کم تھا اور اس زمانے کے لوگ اپنے وعدے کے پکے ہوتے تھے اور جس بات کا وہ عہد کر لیتے تھے ہر حالت میں اس پر برقرار رہتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ سکندر کے پاس ارسطو جیسا عالی دماغ اور دانشمند وزیر تھا۔ یہ ارسطو ہی کی

دانشمندی اور عاقلانہ تدابیر کا نتیجہ تھا کہ ملک روم جیسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کے باشندے ہمیشہ سکندر سے خوش رہے اور اس کی اطاعت گزاری کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔ سکندر کامل بتیس (۳۲) سال تک اپنے ملک سے باہر رہ کر اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا رہا' لیکن اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے نظام سلطنت میں کسی قسم کی کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی۔ ساری دنیا کو فتح کرنے کی مہم سے فراغت پا کر جب سکندر اپنے ملک میں واپس پہنچا تو اس نے ہر شخص کو پہلے کی طرح اپنا سچا اطاعت گزار پایا۔ اگر حضور کو بھی اپنی رعایا اور امراء پر ایسا ہی اعتماد ہے جیسا کہ سکندر کو اپنی رعایا اور امراء پر تھا تو حضور پھر اپنے ارادے میں حق بجانب ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی مخالفت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے"۔ علاؤالدین نے اپنے ہم نام کوتوال کی تقریر بڑے غور سے سنی اور کہا "اگر میں ان رکاوٹوں کا خیال کروں جو تو نے بیان کی ہیں تو پھر مجھے دنیا کو فتح کرنے کے ارادے کو ترک کرنا پڑے گا اور میں صرف دہلی کی بادشاہت پر قناعت کر کے بیٹھ رہوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر میری یہ شان و شوکت یہ غلام اور خادم یہ بھرے ہوئے خزانے اور دفینے کس کام آئیں گے اور ساری دنیا کو مسخر کرنے کی میری خواہش کس طرح پوری ہو گی"۔

علاء الملک نے یہ بات سن کر بادشاہ کو جواب دیا۔ "اس وقت حضور کے پیش نظر دو مہمات ایسی ہیں کہ جن پر آپ کے تمام جمع کیے ہوئے خزانے کا صرف ہو جانا ممکن ہے۔ پہلی مہم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے سرحدی علاقوں کے بعض شہروں کو فتح کیا جائے۔ جنوبی علاقے میں رنتھنبور' جالور اور چندیری' مشرق میں دریائے محیط تک کا علاقہ اور شمال میں بلقان اور کابل تک کے خطے کو فتح کر کے یہ مہم سر کی جاسکتی ہے۔ اگر ان مقامات کو جو باغیوں اور سرکشوں کے اڈے ہیں' فتح کر لیا جائے تو ہندوستان ہر طرح کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائے گا۔ دوسری مہم مغلوں کے ہنگاموں کو فرو کرنے سے متعلق ہے۔ حضور کے لیے یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ دیبال پور اور ملتان جیسے سرحدی شہروں کے قلعوں کو' جو مغلوں کی لشکر کشی کے راستے میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں مضبوط اور مستحکم کیا جائے اور ہر وقت ان کی نگرانی کی جائے۔ ان دونوں عظیم الشان مہمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضور دارالسلطنت میں امن و آرام سے حکمرانی فرماسکتے ہیں اور اپنے قابل اعتبار امراء کو عظیم الشان لشکروں کی ساتھ چاروں طرف دور دراز ممالک کی تسخیر کی لیے روانہ کر سکتے ہیں۔ تاکہ یہ امراء حضور کی جہاں کشائی کے جھنڈے گاڑ کر اپنا اور آقا کا نام روشن کریں لیکن ان تمام مقاصد کو اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب حضور شراب نوشی' عیش کوشی اور سیر د شکار وغیرہ کی طرف کم توجہ فرمائیں اور تمام مہمات کی بذات خود نگرانی کریں"۔

علاؤالدین اپنے اس تجربہ کار اور سیاسی امیر کی فکر انگیز تقریر سن کر بہت متاثر و محظوظ ہوا اور اس نے علاء الملک کے عقل و شعور کی بہت تعریف کی تیز اسے جامہ زردوزی' جس پر شیر کی صورت منقش تھی' دس ہزرا تنکہ اور دو عدد مرصع زین و لگام کے گھوڑے انعام میں دیئے۔ بقیہ حاضرین بھی علاء الملک کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور ہر امیر نے کئی کئی ہزار تنکے اور دو دو گھوڑے بطور تحفہ اسے دیئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

رنتھنبور پر حملہ

علاء الملک کے مشورے کے مطابق علاؤالدین خلجی نے ہندوستان کے زمینداروں اور راجوں کو راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا۔ اس نے سمانہ کے حاکم الماس بیگ اور کڑہ کے حاکم نصرت خاں کو دہلی میں بلوا بھیجا اور ان دونوں امراء کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ رنتھنبور کے قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ رنتھنبور کا راجہ دہلی کے ایک قدیم راجہ کی نسل سے تھا اور ملک دکن میں بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ علاؤالدین خلجی کے امیروں نے سب سے پہلے جھائن کا قلعہ تسخیر کیا اس کے بعد رنتھنبور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک روز حصار کے قریب پہنچ کر ملک نصرت دمدمہ بنانے لگا۔ اچانک حصار کی اندر سے منجنیق کا ایک پتھر آیا اور نصرت کو لگا اس پتھر سے اسے کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ اس واقعے کے دو تین روز بعد اس حصار کو سر کر لیا گیا۔ رنتھنبور کا راجہ مسمی ہمیر دیو

موقع پاکر دو لاکھ سواروں کے ساتھ قلعے سے جنگ کے ارادے سے باہر نکلا۔ الماس بیگ نے اس وقت معرکہ آرا ہونا مصلحت کے خلاف سمجھا اور وہ محاصرے سے دستبردار ہو کر جھائن کے قلعے میں مقیم ہو گیا۔ الماس بیگ نے ان تمام حالات سے علاؤالدین کو مطلع کیا۔ علاؤالدین ان حالات سے واقف ہوا تو وہ سخت غیظ و غضب کے عالم میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دہلی سے جھائن کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ تلپیت (تلپت) کے مقام پر پہنچا تو چند روز وہاں قیام کیا۔ علاؤالدین کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر روز جنگل میں قمرغہ (شکار گاہ) کا شکار کرنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ حسب عادت شکار کے لیے گیا لیکن معمول کے مطابق رات کو وہ اپنی قیام گاہ پر واپس نہ آیا بلکہ رات بھر شکار گاہ ہی پر قیام کیا۔ دوسرے روز علاؤالدین نے حکم دیا کہ سب لوگ سورج نکلنے سے پہلے ہی قمرغہ کے اندر شکار کھیلیں، اور وہ خود اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ کر قمرغہ کی تیاری کا انتظار کرنے لگا تاکہ اس کے بعد شکار کھیلے۔

علاؤالدین کے قتل کی ناکام کوشش

سلیمان شاہ، علاؤالدین خلجی کا بھتیجا تھا اسے "راکت خاں" کا خطاب ملا ہوا تھا اور وہ وکیل در کے عہدے پر سرفراز تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ علاؤالدین کو قتل کر کے عنان حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لی جائے بالکل اسی طرح کہ جس طرح علاؤالدین، اپنے چچا کو قتل کر کے بادشاہ بنا۔ یہ سوچنے کے بعد سلیمان اپنے ایک سو (۱۰۰) قدیم نو مسلم ملازموں کو ساتھ لے کر، اس بلند جگہ پر پہنچا جہاں علاؤالدین قمرغہ کی تیاری کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ سلیمان شاہ اور اس کے ملازمین نے علاؤالدین پر تیر برسانے شروع کر دیئے کچھ دیر تک علاؤالدین ان تیروں سے اپنے آپ کو بچاتا رہا لیکن پھر بھی اس کے بازو پر دو زخم آ ہی گئے۔ اس موقع پر اس نے ایک چال چلی اور جان بوجھ کر مردوں کی طرح زمین پر گر گیا سلیمان شاہ یہ دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور علاؤالدین کا سر قلم کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ سپاہیوں کی ایک جمعیت سلیمان شاہ کے گرد جمع ہو گئی اور اس کی اطاعت گزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ علاؤالدین مر چکا ہے۔ سلیمان شاہ نے ان سپاہیوں کی بات کا اعتبار کر لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بارگاہ شاہی میں پہنچا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اس نے سارے لشکر میں اعلان کروادیا کہ میں نے علاؤالدین کو قتل کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اہل لشکر کو اس اعلان کا یقین آ گیا اور ہر شخص نے اپنے مرتبے کے مطابق سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارک باد دی اور اس کی بیعت کی۔ نقیبوں نے مبارک سلامت کا شور بلند کیا، قاریوں نے کلام مجید کی تلاوت شروع کی اور مطربوں نے طرب و مسرت کے نغمے گانے شروع کیے۔ سلیمان شاہ راکت خان ناتجربہ کار اور بے صبرا تھا اس لیے اس نے اسی وقت شاہی حرم سرا میں داخل ہونے کا ارادہ کیا جب وہ حرم سرا کے دروازے پر پہنچا تو خواجہ سراوں کے سردار ملک دینار حرمی نے جو اپنی مسلح جماعت کے ساتھ حرم سرا کی حفاظت کر رہا تھا، سلیمان شاہ کو روکا اور کہا کہ جب تک ہم بادشاہ علاؤالدین کا کٹا ہوا سر نہ دیکھ لیں کسی کو حرم سرا میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

ادھر علاؤالدین کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے زخموں کو باندھا اس کا خیال تھا کہ سلیمان شاہ نے اس پر یہ حملہ امراء کے مشورے اور اعانت سے کیا ہے لہٰذا اس نے اپنی پچاس ساٹھ سواروں کی جماعت کے ساتھ الماس بیگ کے پاس جھاین پہنچنے کا ارادہ کیا اور وہی کچھ کرنے کی سوچی کہ جس کا الماس بیگ مشورہ دے، لیکن علاؤالدین کے مقرب خاص ملک حمید الدین بن عمدۃ الملک نے اسے اس ارادے پر عمل کرنے سے روکا اور کہا، بہتر یہی ہے کہ حضور اس وقت شاہی سراپردے کی طرف چلیں۔ سلیمان شاہ کا رنگ ابھی پوری طرح جما نہیں ہے، اس لیے توقع ہے کہ آپ کے قدیم سپاہی، چتر شاہی دیکھتے ہی آپ کی طرف لپکیں گے۔ اس طرح سلیمان شاہ کی ساری کامیابی خاک میں مل جائے گی اور اگر اس سلسلے میں اب ذرا سی بھی تاخیر ہو گئی تو پھر حالات کو سنوارنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ علاؤالدین کو ملک حمید کی یہ تجویز پسند آئی اور وہ اسی وقت سوار ہو گیا اور چتر شاہی جو جنگل میں پڑا تھا، اسے کام میں لایا گیا۔ علاؤالدین بڑے آرام اور سکون کے ساتھ شاہی سراپردے کی طرف روانہ ہوا راستے میں جس سوار کی نظر بھی پڑتی تھی وہ اسی کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ یہاں تک

کہ سراپردے تک پہنچتے پہنچتے تقریباً پانچ سو (۵۰۰) سپاہی علاؤالدین کے ساتھ ہو گئے- علاؤالدین ایک بلند مقام پر چڑھ کر چترِ شاہی کو نمایاں انداز سے منظر عام پر لایا اس کو دیکھتے ہی سارا لشکر علاؤالدین کی طرف دوڑ آیا اور سلیمان شاہ کا دربار درہم برہم ہو گیا- تمام سائیس اور فیل بان، جنھوں نے گھوڑے اور ہاتھی تیار کر کے سلیمان شاہ کی خدمت میں پیش کیے تھے انھوں نے جب شاہی چترِ سفید کو دیکھا تو وہ تمام لوازمہ شاہی کے ساتھ سلیمان شاہ کی طرف سے اٹھ کر علاؤالدین کی طرف آ گئے- سلیمان شاہ اب تنہا رہ گیا اور اس تنہائی سے حواس باختہ ہو کر اس نے افغان پور کی طرف بھاگ جانے ہی میں خیریت دیکھی- علاؤالدین متذکرہ بالا بلند مقام سے نیچے اترا اور اپنی بارگاہ میں اس نے دربار عام منعقد کیا نیز سپاہیوں کی ایک جماعت سلیمان شاہ کے تعاقب میں روانہ کی- ان سپاہیوں نے افغان پور میں پہنچ کر سلیمان کو گرفتار کر لیا اس کا سر قلم کر کے علاؤالدین کی خدمت میں پیش کیا گیا- علاؤالدین کے حکم سے یہ سر سارے شہر میں پھرایا گیا اور الغ خاں اور دیگر امراء کے نام فتح نامے جاری کیے گئے- سلیمان شاہ کے بھائی قتلغ خاں کو بھی مع اس کے ساتھیوں کے موت کے گھاٹ اتارا گیا-

رنتھنبور میں ورود

جب علاؤالدین کے زخم بھر گئے تو وہ تلپت سے رنتھنبور آیا- الماس بیگ نے بادشاہ سے ملاقات کی، الماس بیگ قلعہ رنتھنبور کا محاصرہ تو پہلے ہی سے کیے ہوئے تھا اب اس نے بادشاہ کے حکم سے محاصرے میں شدت کر دی اور اہل قلعہ پر اور زیادہ سختیاں کرنے لگا- ہر روز راجپوت قلعے پر سے پتھر اور آگ پھینکتے تھے اور اس طرح بہت سے بندگان خدا کی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں- مسلمانوں کا لشکر نقب زنی وغیرہ کے ذریعے اہل قلعہ پر مزید سختیاں کرتا رہا- مسلمانوں کے لشکر کے سردار راجپوتوں کے ملک میں جا جا کر تباہی و غارت گری کا بازار گرم کرتے تھے- مسلمانوں کے ان اقدامات سے راجپوتوں کی حالت کمزور ہوتی جا رہی تھی-

اودھ اور بدایوں کے حاکموں کی بغاوت

جب اس محاصرے کو کافی دن ہو گئے تو اودھ اور بدایوں کے حکمران امیر عمرو اور منکو خاں نے جو علاؤالدین کے بھانجے تھے، بغاوت کا پرچم لہرایا ان دونوں نے اچھا خاصا لشکر اپنے ساتھ کر کے بادشاہ کے احکامات کی خلاف ورزی شروع کر دی ان کی بغاوت کی وجہ سے حالات اور بگڑ گئے- اس صورت حال کے پیش نظر علاؤالدین نے متذکرہ علاقوں کے امراء کے نام فرامین جاری کر کے انھیں ان دونوں کی بغاوت کو کچلنے کا حکم دیا- ان امیروں نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور اپنی متفقہ قوتوں سے باغیوں کو شکست فاش دی- عمرو اور منکو کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا گیا اور ان کے ساتھیوں اور ہمراہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا- علاؤالدین نے قلعہ رنتھنبور کے نیچے عمرو اور منکو کو سزا دی- پہلے تو ان دونوں کی آنکھیں نکالی گئیں اور پھر بہت بری طرح، تکالیف دے دے کر ان کو قتل کر دیا گیا- ان اقدامات کے باوجود بھی فتنہ و فساد کی آگ نہ بجھ سکی اور ابھی یہ ہنگامہ پوری طرح ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک نیا فساد پیدا ہو گیا-

حاجی مولیٰ کی بغاوت

انھیں دنوں ملک امراء ملک فخر الدین کوتوال کے ایک غلام حاجی مولیٰ نامی کے حوصلے بڑھے یہ شخص سلطان جلال الدین خلجی کے زمانے میں دہلی کا داروغہ تھا- اس نے دیکھا کہ علاؤالدین ایک مدت سے رنتھنبور کے محاصرے میں مصروف ہے اور ملک علاؤالدین بھی اس کے ہمراہ ہے، اہل شہر موجودہ کوتوال دہلی بایزید سے، جو شہر سے باہر ایک چبوترے پر اپنا اجلاس کرتا ہے، رنجیدہ اور ناخوش ہیں اس لیے اگر کوئی مصیبت پڑے گی تو اہل شہر اس کوتوال کا بالکل ساتھ نہ دیں گے، تو اس نے ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے وقت گزار رہے تھے، فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا سب سے پہلے تو حاجی مولیٰ، بایزید کوتوال کے گھر گیا اور اس سے کہا بادشاہ کا ایک پیغام آیا ہے بایزید یہ سنتے ہی اپنے گھر سے باہر آیا- حاجی مولیٰ نے اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور ان

لوگوں نے فوراً بایزید پر حملہ کر کے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ حاجی مولیٰ نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ بایزید کو شاہی حکم کے مطابق قتل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حاجی مولیٰ نے دربانوں کو شہر کے دروازے بند کر لینے کا حکم دیا۔ نیز ایک شخص کو حصار نو کے کوتوال علاؤالدین ایاز کے پاس بھیجا گیا کہ بادشاہ کا فرمان آیا ہے اسے آکر سن جاؤ۔ ایاز، حاجی مولیٰ کے ارادوں سے واقف ہو گیا تھا اس نے اپنے لشکر کو جمع کر کے شہر نو کا دروازہ بند کر لیا۔ حاجی مولیٰ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوشک لعل میں گیا اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر کے تمام اسلحہ، گھوڑے اور خزانہ وغیرہ ان میں تقسیم کر کے انھیں اپنے ساتھ لیا۔ اس کے بعد حاجی مولیٰ نے علوی نامی ایک شخص کو جبراً کوشک لعل میں شاہی تخت پر بٹھا دیا۔ علوی سلطان شمس الدین التمش کی اولاد میں سے تھا اور اسے عام طور پر "شہنشاہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حاجی مولیٰ نے شہر دہلی کے تمام امراء اور روساء کو علوی کی بیعت کرنے پر مجبور کیا۔

حاجی مولیٰ کا قتل

رنتھمبور میں علاؤالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بالکل خاموش رہا اس نے اس بات کو عام لوگوں کے کانوں تک پہنچنے نہ دیا اور قلعے کو سر کرنے کی کوششوں کو تیز سے تیز کر دیا۔ علوی کی تخت نشینی کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ملک حمید الدین کو کابداین دروازہ کھول کر شہر کے باہر نکل گیا۔ اس کے ہمراہ اس کے بیٹے بھی تھے، جن میں سے ہر ایک اپنی شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ ملک حمید الدین نے ہر چہار طرف کے لوگوں کو جمع کیا اور ملک ہزبرالدین ظفر خاں کے ملازموں کی کثیر تعداد کو ساتھ کر لیا۔ یہ لوگ امروہہ سے جائزہ اور عرض لینے کے بعد یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان سب لوگوں کے ہمراہ ملک حمید الدین غزنی دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ نہند دروازے کے قریب حاجی مولیٰ سے اس کا آمنا سامنا ہوا اور فریقین میں لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ ملک حمید الدین نے بہادری کا ثبوت دیا وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر حاجی مولیٰ سے لپٹ گیا اور اسے گھوڑے سے اتار کر زمین پر گرا دیا اور خود اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اس موقع پر حاجی مولیٰ کے ساتھیوں نے حمید الدین کو مارنے کی بہت کوشش کی اور اسے زخمی بھی کیا لیکن اس نے حاجی مولیٰ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس کا سر نہ کاٹ لیا۔ حاجی مولیٰ کو قتل کرنے کے بعد حمید الدین کوشک لعل میں آیا اور علوی کو قتل کر کے اس کا سر ایک نیزے پر لٹکا کر سارے شہر کے گلی کوچوں میں پھرایا۔ اس کے بعد حمید الدین نے علوی کا سر اور فتحنامہ علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاؤالدین نے الماس بیگ الغ خاں کو دہلی روانہ کیا تاکہ مجرموں کو ان کے افعال کی پوری پوری سزائیں دی جائیں۔ ملک فخرالدین کے بیٹوں کو، اگرچہ وہ باغیوں کے ساتھ نہ تھے محض اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ حاجی مولیٰ ان کے باپ کا پروردہ پرداختہ تھا اور یوں ان بے گناہوں کے گھروں کو برباد و تاراج کیا گیا۔

علاؤالدین نے ایک سال یا ایک دوسری روایت کے مطابق تین سال کے اندر اندر آس پاس کے علاقوں سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے اپنے فوجیوں میں خریطے تقسیم کیے۔ ہر شخص نے اپنے خریطے میں ریت بھری اور اسے ایک درے میں جسے رن کہا جاتا تھا پھینکنا شروع کیا۔ ان ریت سے بھرے ہوئے خریطوں سے درہ پٹ گیا اور ایک سرکوپ تیار ہو گیا اور اس سرکوپ کے ذریعہ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اہل قلعہ کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور یوں قلعہ فتح ہو گیا۔ راجہ ہمیر دیو کو مع اس کے اہل و عیال کے قتل کیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ میر محمد شاہ اور اس کے لشکریوں کی جماعت جالور سے فرار ہو کر رنتھمبور میں پناہ گزین ہوئی تھی۔ رنتھمبور کی فتح کے بعد بے شمار مغلوں کو قتل کیا گیا۔ میر محمد شاہ کو بھی میدان جنگ میں بہت زخم آئے اور وہ ایک طرف گر گیا۔ علاؤالدین نے جب اسے اس حالت میں دیکھا تو اسے بہت رحم آیا۔ علاؤالدین نے میر محمد شاہ سے پوچھا۔ "اگر ہم تمہارا علاج کروا کے تمہیں موت کے ہاتھوں سے بچا لیں تو صحت یاب ہونے کے بعد تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے" میر محمد نے جواب دیا "اگر میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تجھے قتل کر کے رنتھمبور کی حکومت راجہ ہمیر دیو کے بیٹوں کے سپرد کروں گا"۔ علاؤالدین یہ جواب سن کر بہت غصے میں آیا اور اس نے میر محمد کو ہاتھیوں

کے پاؤں سے پامال کروادیا- اس کے بعد علاؤالدین کو میر محمد کی بہادری اور اپنے آقا کے ساتھ وفاداری کا احساس ہوا تو اس نے حکم دیا کہ میر محمد کی تجہیز و تکفین کر دی جائے- ان حالات سے فرصت پانے کے بعد علاؤالدین نے راجہ ہمیر دیو کے نمک حرام ملازموں کی طرف توجہ کی اور اس کے تمام خادموں کو یہ کہہ کر قتل کروایا کہ جب ان لوگوں نے اپنے آقا ہی کی ساتھ بے وفائی کی تو ہمارے ساتھ کس طرح اچھائی کریں گے- مجرموں کو سزا دینے کے بعد علاؤالدین قلعے میں داخل ہوا- اس قلعے میں بے اندازہ دولت تھی علاؤالدین نے یہ دولت مع قلعے اور اس علاقے کی حکومت الماس بیگ کے سپرد کی اور خود واپس وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا- اس واقعہ کے پانچ چھ ماہ بعد الماس بیگ بیمار پڑ گیا- اسی بیماری کے عالم میں دہلی کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے ہی میں موت کی ظالم ہاتھوں نے اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کر دیا-

بغاوتوں کو روکنے کی تدابیر

اس زمانے میں علاؤالدین امراء کی ہنگامہ خیزیوں سے بہت ڈر گیا تھا اس لیے اس نے اپنے مخصوص معاملہ فہم امیروں سے یہ مشورہ کیا کہ اسے ایسی کون سی تدابیر اختیار کرنی چاہیں جن پر عمل کر کے بغاوت و سرکشی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کیے جائیں- ان امراء نے جواب دیا-

ہنگامہ خیزی اور بغاوت کا سبب عام طور پر چار چیزیں ہوا کرتی ہیں جو یہ ہیں-

اول - بادشاہ کا رعایا سے بالکل بے خبر رہنا اور اس کی بھلائی یا برائی کی پرواہ نہ کرنا-

دوم - ملک میں شراب نوشی کا عام رواج ہونا- شراب نوشی کی وجہ سے انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے' اس کی بدطینتی کا مادہ ابھرنے لگتا ہے- انسان نشے کی عالم میں اپنے آپ سے باہر نکل کر اپنی خواہشات کو تسکین پہنچانے کے لیے طرح طرح کی حرکات کرتا ہے- اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر ہم خیالی کی بدولت آپس میں مل جل کر ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں-

سوم - امراء اور اراکین سلطنت کا آپس مین گہرے مراسم رکھنا-جب امراء آپس میں شیر و شکر ہوتے ہیں تو اس وقت ان میں سے اگر کوئی ایک کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو باقی تمام اس کا ساتھ دیتے ہیں-

چہارم - مال و دولت کی فراوانی- جب کم ظرفوں اور کمینوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ روپیہ مل جاتا ہے تو وہ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں- ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں' وہ ہر چیز پر قابض ہونے کی تمنا کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی حریص نگاہیں زمام حکومت کو بھی ہاتھ میں لینے کے لیے تڑپنے لگتی ہیں-

خفیہ خبر رسانی کا انتظام

علاؤالدین کو اپنے اراکین سلطنت کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور اس نے ان خرابیوں کو دور کرنے کا ارادہ کرلیا- رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے علاؤالدین نے چاروں طرف معتبر جاسوس مقرر کیے اور خفیہ خبر رسانی کے محکمے کو اس قدر ترقی دی کہ اسے ملک کے تمام اچھے برے حالات کی خبریں ملنے لگیں- نوبت یہاں تک پہنچی کہ امراء اور اراکین سلطنت رات کے وقت اپنے گھروں میں اپنے اہل و عیال سے جو باتیں کیا کرتے تھے' ان کی اطلاع بھی بادشاہ کو ہو جایا کرتی تھی- صبح کے وقت جب کوئی امیر بادشاہ کے حضور میں آتا تو بادشاہ اس کے سامنے گزشتہ رات کی اس کی گفتگو کی رپورٹ اس کے سامنے رکھ دیتا- امیر اس تحریر کو پڑھ کر انگشت بدنداں ہو جاتا' کیوں کہ اس رپورٹ میں ایک ایک بات بالکل صحیح طریقے سے لکھی ہوئی ہوتی تھی- اس کاروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگے- اپنے گھروں میں بھی لوگ آدھی آدھی رات کے وقت زور سے بولتے ہوئے جھجکتے تھے' عام طور پر تمام

گفتگو اشاروں کنایوں سے ہوتی تھی- اس صورت حال کی وجہ سے ملک میں چاروں طرف امن و امان کا دور دورہ ہو گیا- تمام راستے پرامن ہو گئے سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ بغیر کسی خوف و خطر کے راتوں کو سفر کیا کرتے تھے دریائے شور کے کنارے تک' بنگالہ کے راستے تلنگانہ اور مالا بار تک سندھ اور گجرات کی راہ گزاریں' کابل اور کشمیر تک لاہور کی سڑکیں ایسی پرامن ہو گئیں کہ جیسی دہلی اور سیری کی گلیاں' مسافر جس قدر مال و اسباب چاہتے اپنے ساتھ رکھتے- راستے کے جنگلوں میں وہ ڈاکوؤں اور چوروں وغیرہ سے بالکل بے خطر ہو کر' راتوں کو چین کی نیند سوتے اور ان کا تمام مال و اسباب ان کے پاس پڑا رہتا- مسافر' دروان سفر میں جس گاؤں سے بھی گزرتے وہاں کا چودھری ان کی پوری توجہ سے آؤ بھگت کرتا-

شراب نوشی پر پابندی

دوسرا مشورہ شراب نوشی کی ممانعت سے متعلق تھا اس سلسلے میں علاؤالدین نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ خود کھلے بندوں میں شراب پینی بند کر دی اور یوں محفل بادہ نوشی کا انعقاد ختم ہو گیا' عیش و عشرت کی محفلیں برباد ہو گئیں- بدایوں دروازے کے پاس شراب کے کتنے ہی مٹکے خاک میں ملا دیئے گئے- ساغروں اور صراحیوں کو پاش پاش کر کے پھینک دیا گیا شراب پینے کے لیے جو سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے جاتے تھے' ان کو گلا ڈالا گیا اور ان سے سکے ڈھال کر شاہی خزانے میں داخل کر دیئے گئے- شہر میں عام اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ نے شراب نوشی سے توبہ کر لی ہے لہٰذا جو شخص شراب پئے یا بیچے گا' اس کو سخت سزا دی جائے گی- تمام مقبوضہ علاقوں میں اس قسم کے فرامین بھیجے گئے اور لوگوں نے بسرو چشم شاہی حکم کی تعمیل میں اپنے گھروں سے شراب نکال کر سڑکوں اور شاہراہوں پر بہا دی- کہا جاتا ہے کہ شاہی حکم کے بعد سڑکوں اور گلیوں میں اتنی شراب لنڈھائی گئی کہ برسات کے موسم کی طرح ہر طرف کیچڑ کیچڑ نظر آتی تھی- بادہ خوار حسرت بھری نظروں سے یہ منظر دیکھتے اور زبان حال سے "یالیتنی کنت ترابا" (اے کاش میں مٹی ہوتا) کا ورد کرتے- شہر کے چوکیدار بڑی چوکسی اور تندہی سے اس امر کا خیال رکھتے کہ شراب کا کوئی برتن شہر کے اندر نہ جانے پائے- اگر کبھی کوئی شخص گھاس' لکڑیوں یا دیگر سامان کے اندر شراب کا برتن چھپاکر' شہر میں' لے جانے کی کوشش کرتا تو اسے اپنی اس کوشش میں ناکامی ہوتی- چوکیدار فوراً اس قسم کے مجرموں کو تاڑ لیتے اور شراب حاصل کر کے بحکم سرکار ضبط کر لی جاتی- یہ ضبط کی ہوئی شراب شاہی فیل خانے میں بھجوا دی جاتی اور ہاتھیوں کو پلوا دی جاتی اس عہد کی ہاتھیوں کی زندگی قابل رشک تھی' کہ انھیں پینے کے لیے شراب مل جاتی تھی اور وہ اپنی زندگی کے ایام عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے- ان تمام حفاظتی تدابیر اور شدید احکامات کے باوجود کچھ لوگ کسی نہ کسی بہانے اور چالاکی سے شراب لے ہی آتے تھے' اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر ساغر و مینا سے اٹھکیلیاں کرتے تھے ان بادہ پرستوں کو قید و بند اور ذلت و رسوائی کی قطعاً پروا نہ تھی اور وہ ہمیشہ سرشار بادہ رہتے- جب بادشاہ کو ان لوگوں کی حرکت کا علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ بدایوں دروازے کے پاس جو' عام راستے پر واقع ہے' ایک کنواں کھودا جائے' اور جو لوگ حکم امتناع شراب نوشی کی خلاف ورزی کریں' انھیں اس کنویں میں قید کر دیا جائے- (اس حکم پر عمل کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو اس کنوئیں میں قید کیا گیا) اس کنوئیں کے اکثر قیدی تو دوران اسیری ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے' اور جو لوگ اس قید سے رہائی حاصل کرتے تھے' ان کی صحت ایسی خراب ہوتی کہ برسوں تک وہ علاج معالجہ کرواتے رہتے' تب کہیں جا کر تندرستی کی نعمت میسر آتی- جب علاؤالدین نے دیکھا کہ ملک میں شراب نوشی کی لعنت تقریباً" ختم ہو چکی ہے اور اس سلسلے کے احکامات پر پوری طرح عمل کیا جانے لگا ہے تو اس نے اس قدر نرمی ضرور برتی کہ یہ اجازت دے دی کہ اگر امراء و رؤسائے شہر اپنے گھروں میں تنہا طور پر شراب پینا چاہیں تو پی سکتے ہیں-

امراء کے باہمی تعلقات پر پابندی

علاؤالدین کے مخصوص امراء نے جو تیسرا مشورہ دیا تھا' اس پر اس طرح عمل کیا گیا کہ شاہی حکم کے ذریعے امرء اور درباریوں کو

آپس میں بادشاہ کے حکم کے بغیر' رشتے ناتے کرنے پر پابندی لگادی گئی- اس کے علاوہ ایک دوسرے کی دعوتیں کرنے کا دستور بھی ختم کر دیا گیا- اس حکم پر فوراً" عمل کیا گیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اراکین سلطنت ایک دوسرے کے لیے بیگانے ہوگئے- اگر اتفاق سے کسی امیر کے ہاں کوئی مہمان آجاتا' یا کوئی امیر کسی امیر کے ہاں رشتہ کرنا چاہتا تو وہ سید خاں وزیر جسے "فتنہ انگیز" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا' کے نام ایک خط کر لکھ کر تمام حالات سے اسے آگاہ کرتا اور اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا' تاکہ سید خاں بادشاہ سے اجازت حاصل کرلے

دولت کی تحدید

چوتھا مشورہ دولت کی فراوانی کو ختم کرنے سے متعلق تھا اس پر یوں عمل کیا گیا کہ وہ تمام قصبات جو معافی یا کسی اور وجہ سے رعایا کے قبضے میں تھے' وہ شاہی تحویل میں لے لیے گئے بادشاہ نے ہر امیر اور غریب پر' جائز و ناجائز' ہر طرح کا اثر ڈال کر' اس کی تمام دولت حاصل کر کے شاہی خزانے میں جمع کر دی- اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ کھانے پینے سے بھی محتاج ہو گئے اور روزگار حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگے- انہیں اتنی فرصت ہی نہ رہی کہ وہ فتنوں اور ہنگاموں کی طرف توجہ کرتے-

مساوات کا دور دورہ

مندرجہ بالا اقدامات کے بعد علاؤ الدین خلجی نے سلطنت میں ایسے قوانین جاری کرنے کا ارادہ کیا کہ جن کی رو سے ملک میں مساوات کا دور دورہ ہو جائے' کمزوروں اور طاقتوروں میں کوئی فرق باقی نہ رہے- دیہاتوں کے مکھیوں اور چودھریوں کو' عام لوگوں کے مقابلے پر جو امتیازات حاصل ہیں انہیں ختم کر دیا جائے- اس سلسلے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ زمین کی پیمائش کی جائے اور تمام پیداوار کا نصف حصہ شاہی خزانے میں داخل کر دیا جائے- اس حکم کا اطلاق مکھیا' چودھری اور عام رعایا پر بھی کیا گیا- وہ رقم جس پر مکھیا اور چودھری اپنا حق سمجھتے تھے' وہ بھی وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کی گئی- مکھیا اور گاؤں کے دوسرے افراد پر' کھیتی باڑی کے لئے چار گائے سے زیادہ اور گھریلو ضروریات کے لیے دو بھینسوں دو گائے اور بارہ بکریوں سے زیادہ جانور رکھنے پر پابندی لگا دی گئی- چرائی کا محصول جانوروں کے مالکوں سے جانوروں کی تعداد کے مطابق لیا جانے لگا- شاہی ملازموں اور اہل کاروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ بڑی احتیاط سے اور دیانتداری کے ساتھ ان قواعد پر عمل کریں اور بددیانتی کر کے ایک جتیل بھی اپنی ذات کے لیے حاصل نہ کریں- اگر اہلکار اپنے روزینے کے علاوہ کوئی رقم وصول کرتے تھے تو پٹواری کے دفتر کا محاسبہ کیا جاتا تھا' اور اگر کسی فرد کے نام کوئی رقم زیادہ نکلتی تھی' تو وہ اسی وقت سختی کے ساتھ اس فرد سے حاصل کرلی جاتی تھی-

اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عاملوں اور اہل کاروں کو اپنے پیشے میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا اور انہوں نےیہ کام چھوڑ دیا- گاؤں کے چودھریوں کی زندگی کا نظام بالکل درہم برہم ہوگیا وہ لوگ جو انتہائی امیرانہ شان سے زندگی بسر کرتے تھے اور جن کی لحہ لحہ عیش و عشرت کی نذر ہوتا تھا' وہ اب اس حالت کو پہنچ گئے تھے کہ ان کے گھروں کی عورتیں' دوسرے خوش حال گھرانوں میں ملازمتیں کر کے گزر بسر کا سامان فراہم کرنے لگیں-

فاسد خیالات اور ان کی اصلاح

سلطان علاؤ الدین خلجی کبھی کبھی اس خیال کا اظہار کیا کرتا تھا کہ ملک کی حکمرانی اور بادشاہت کے نظام کو صرف بادشاہ کی رائے اور اس کی مصلحتوں سے تعلق ہوتا ہے- ان سیاسی کاموں سے خداوند تعالیٰ کی شریعت کو کوئی واسطہ نہیں ہے- مذہبی علماء کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مختلف قسم کے مقدموں کا فیصلہ کریں' خاندانی جھگڑوں کو ختم کریں اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کے بہترین طریقے بتائیں- اپنی اس غلط رائے پر علاؤ الدین ہمیشہ عمل کرتا تھا اور کسی معاملے پر شرعی احکام کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا' اس زمانے کے دینی علماء میں قاضی ضیاء الدین بیانوی' مولانا ظہیر لنگ مرشد کہرامی' شاہی دیوان خانے میں آتے رہتے تھے اور بادشاہ کی بارگاہ کے باہر امراء کے ساتھ شریک طعام

ہوا کرتے تھے، لیکن قاضی مغیث الدین بیانوی کو بادشاہ کی پوری پوری قربت حاصل تھی، وہ اپنے زمانے کے بہترین عقلمندوں میں سے تھے، کیونکہ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ علاؤ الدین بالکل پڑھا لکھا نہیں ہے۔ جب شاہی گماشتوں کے مراسلے بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے لگے تو اس وقت بادشاہ کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے اس طرف توجہ کی کوشش کر کے اس نے اتنی استعداد پیدا کر لی کہ خط شکستہ کی عبارت باآسانی پڑھنے لگا۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے فارسی کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا اور علماء سے علمی معاملات میں گفتگو کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے فاسد خیالات اصلاح پذیر ہوئے اور اسے اس بات کا یقین آگیا کہ علماء اور قاضی نیک نیت اور پاک باطن لوگ ہیں۔ یہ لوگ دنیاوی فوائد کے لالچ میں گرفتار ہو کر مسائل گھڑا نہیں کرتے عقائد کی اس تبدیلی کے بعد علاؤ الدین کبھی کبھی علماء کی مجلس میں شرکت کرتا اور ان سے شرعی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتا تھا۔

قاضی مغیث سے بادشاہ کی گفتگو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ نے قاضی مغیث الدین بیانوی سے کہا میں تم سے چند مسائل کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ چونکہ علاؤ الدین نے زندگی بھر کبھی علماء سے کوئی بات چیت نہ کی تھی اور ہمیشہ انہیں مطلب پرست اور دغاباز سمجھ کر ان سے کسی قسم کا کوئی مشورہ نہ کیا کرتا تھا۔ اس لیے قاضی صاحب بادشاہ کو یہ بات سن کر دل ہی دل میں خائف ہوئے کہ خدا جانے کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ انہوں نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی "حضور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا وقت اب قریب آچکا ہے، اس لیے آپ کوئی مسئلہ پوچھنے کی زحمت نہ فرمائیں بلکہ شاہی ملازمین کی یہ حکم دیں کہ ابھی، اسی وقت میرا سر قلم کر دیں"۔ بادشاہ نے قاضی صاحب سے اس ڈر اور خوف کی وجہ پوچھی۔ قاضی صاحب نے کہا حضور مجھ سے جو کچھ بھی دریافت فرمائیں گے میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا، اگر یہ جواب حضور کی مرضی کے خلاف ہوا تو پھر میرا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر میں نے آپ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے غلط جواب دیا اور پھر آپ نے بعد میں دیگر علماء سے میرے جواب کی تصدیق فرمائی تو پھر مجھ پر جھوٹ بولنے کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی میرا حشر وہی ہو گا کہ جو پہلی صورت میں ہوتا۔ یہ جواب سن کر علاؤ الدین مسکرایا اور اس نے قاضی صاحب سے کہا میں جو کچھ تم سے دریافت کروں تم اس کا جواب اسلامی شریعت کے مطابق دو اور یہ یقین رکھو کہ سچ بولنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا، اس کے بعد بادشاہ نے قاضی صاحب سے کچھ سوالات کیے اور قاضی صاحب نے ان کی تسلی بخش جوابات دیئے یہ سوالات و جوابات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

سوال: اسلامی شریعت کی رو سے کس ہندو کو ذمی اور خراج گزار کہا جا سکتا ہے؟

قاضی صاحب کا جواب: مذہب اسلام کی رو سے ان غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے جو اسلامی حکمران کے عاملوں کے طلب کرنے پر بغیر کسی حیل و حجت کے مال اور خراج ادا کر دیں۔ اگر بادشاہی عامل ان غیر مسلموں کی کوئی بے عزتی بھی کریں تو انہیں صبر کے ساتھ برداشت کرنی چاہیے اور مال کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ علمائے مذہب اسلام نے غیر مسلموں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ یا تو وہ مذہب اسلام قبول کر لیں یا قتل کر دیئے جائیں۔ احادیث صحیح سے بھی اسی فتوے کی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی نے غیر مسلموں کو قتل کرنے سے منع کیا اور اس کی جگہ جذیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے غیر مسلموں سے سخت گیری کے ساتھ جزیہ وصول کرنا چاہیے تاکہ یہ تشدد اور سخت گیری قتل کے قائم مقام ہو سکے۔ یہ جواب سن کر علاؤ الدین مسکرایا اور کہا۔ "تم نے جو کچھ بیان کیا وہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے، لیکن میں نے اپنے ذاتی غور و فکر سے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہی ہے اور میں غیر مسلموں سے ایسا ہی سلوک کرتا ہوں"۔

دوسرا سوال: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہی اہل کار لوگوں سے رشوت کے طور پر کچھ رقم حاصل کر لیتے ہیں کیا اس طریق کار کو

چوری کے مترادف سمجھنا جائز ہے اور رشوت لینے والوں کو وہی سزا دی جاسکتی ہے جو چوروں کو دی جاتی ہے۔

جواب: شاہی اہل کار اپنی معمولی تنخواہ کے علاوہ' جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو' اگر کوئی رقم وصول کریں تو بڑی سختی کے ساتھ وہ رقم ان سے واپس لے لینی چاہیے' لیکن چوروں کے لیے جو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے' وہ ان لوگوں پر جاری نہیں کی جاسکتی۔ بادشاہ نے قاضی مغیث الدین کا یہ جواب سن کر کہا۔ "میں نے بھی سزا کا یہی قانون رائج کیا ہے۔ شاہی اہل کار جو رقم بددیانتی سے وصول کرتے ہیں میں بڑی سختی کے ساتھ ان سے واپس لے لیتا ہوں تاکہ لالچی اور ظالم اہل کار رعایا کو تنگ نہ کریں اور رشوت لینے کا رواج ختم ہو جائے۔"

تیسرا سوال: بادشاہ نے تیسرا سوال یہ کیا۔ میں نے اپنی امارت کے زمانے میں دیوگڑھ سے جو مال دولت حاصل کیا ہے اس پر کس کا حق ہے؟ میرا یا رعایا کا۔ وہ میری ملکیت ہے یا بیت المال کی امانت۔

جواب: قاضی مغیث الدین نے کہا۔ "اس تمام مال و دولت میں آپ کا حق اتنا ہی ہے کہ جتنا ان لوگوں کا جنھوں نے یہ سب کچھ حاصل کرنے میں آپ کی مدد کی"۔ بادشاہ کو یہ جواب پسند نہ آیا اور اس نے کہا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جو رقم میں نے اپنی امارت کے زمانے میں حاصل کی اور جسے شاہی خزانے میں داخل نہیں کیا گیا' وہ کس طرح بیت المال کی امانت ہو سکتی ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے جواب دیا۔ بادشاہ اپنی ذاتی کوشش اور قوت و محنت سے جو کچھ حاصل کرتا ہے' اس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہوتا' لیکن جو دولت اسلامی لشکر کی مدد سے بادشاہ حاصل کرے اس پر اس کا حق اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ ایک عام لشکری کا۔

چوتھا سوال: لشکر اسلام کی مدد سے جو دولت حاصل کی جائے اس میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا۔ "اب محسوس ہو رہا ہے کہ میری موت آگئی ہے آپ کو میرا پہلا جواب بھی پسند نہیں آیا تھا' اور یہ جواب تو کچھ زیادہ ہی ناپسندیدہ ہو گا۔ علاؤ الدین نے یہ سن کر کہا تم میرے سوال کا صحیح صحیح جواب دو اور اپنی جان کو بالکل محفوظ و ممنون سمجھو"۔

قاضی مغیث الدین نے کہا۔ "اس سلسلے میں تین (۳) مختلف طریقوں پر عمل کیا جاسکتا ہے اگر ازروئے انصاف دیکھا جائے اور خلفائے راشدین کی تقلید کی جائے۔ تو اس طرح حاصل کی ہوئی دولت سے بادشاہ کو اسی قدر حصہ لینا چاہیے جتنا کہ ایک عام مسلمان کو اور اگر میانہ روی سے کام لیا جائے تو بادشاہ کو ان امیروں کے برابر حصہ لینا چاہیے کہ جنھیں زیادہ حصہ ملتا ہو اور اگر ملکی و سیاسی مصلحتوں کا خیال کیا جائے (جیسا کہ عام طور پر علماء ضعیف روایتوں کے سہارے بادشاہوں کو اس کا شرعی جواز بنا دیتے ہیں) تو بادشاہ امراء کے حصے سے کچھ زیادہ حصہ لے سکتا ہے تاکہ بادشاہ اور عام امراء کے مرتبے میں امتیاز کیا جائے اور شاہی رعب کو برقرار رکھا جائے۔ اس سے زیادہ حصہ لینا بادشاہ کے لیے کسی طور پر بھی جائز نہیں ہے۔ بادشاہ کی اولاد کا حق امراء اور مسلمانوں کے برابر ہونا چاہیے"۔ یہ جواب سن کر علاؤ الدین بہت خفا ہوا اور اس نے کہا۔ "اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ میرے حرم اور دیگر سلسلوں میں جو رقم صرف ہوتی ہے تم اس کو ناجائز قرار دیتے ہو؟" قاضی مغیث نے جواب دیا۔ حضور نے مجھ سے شرعی مسائل کے بارے میں پوچھا تھا' میں نے سب جوابات ازروئے شرع دیئے ہیں لیکن اگر ملکی مصلحت اور سیاسی ضروریات کے پیش نظر میری ذاتی رائے پوچھی جائے تو میں یہ کہوں گا کہ حضور کا عمل بالکل صحیح ہے' بادشاہ کے وقار اور اس کے رعب و داب کو قائم رکھنے کے لیے جس قدر دولت بھی صرف ہو گی اسے ملکی انتظامات کے اخراجات میں شمار کرنا چاہیے۔

پانچواں سوال: علاؤ الدین نے کہا۔ "میرا یہ معمول ہے کہ جو لشکری ضرورت کے وقت حاضر نہیں ہوتا میں اس سے' سزا کے طور پر' تین (۳) سال کا معاوضہ واپس لے لیتا ہوں۔ باغیوں' مفسدوں اور سرکشوں کو میں ان کے ساتھیوں' ہمراہیوں اور بیوی بچوں سمیت

موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ایسے مجرموں کی تمام دولت حاصل کر کے شاہی خزانے میں داخل کر دیتا ہوں۔ باغیوں سے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کرتا اور ان کا نام و نشان مٹا کر ملک میں امن و امان کی فضا پیدا کرتا ہوں۔ شرابیوں کا بدکاروں اور چوروں کو میں شدید سزائیں دیتا ہوں' میرا خیال ہے کہ تم ان سب باتوں کو شرع اسلام کے خلاف کہو گے ؟ قاضی صاحب یہ باتیں سن کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے' ایک کونے میں جاکر اپنے سر کو ہاتھوں پر رکھ کر زمیں بوس ہوئے اور بڑے ادب کی ساتھ بادشاہ کو جواب دیا۔ "حضور نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ شریعت کے احکام کے خلاف ہیں۔" بادشاہ یہ جواب سن کر بہت ہی سٹ پٹایا اور بوکھلا کر حرم سرا کی طرف چلا گیا۔

قاضی صاحب بھی پریشانی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوئے اور جلد از جلد اپنے گھر پہنچے انہیں اپنی زندگی کا اب کوئی یقین نہ تھا' انہوں نے اپنے اہل و عیال سے ہمیشہ کے لیے رخصت طلب کی اور اپنے قتل کے شاہی فرمان کا انتظار کرنے لگے۔ وہ اسی انتظار میں خدا سے لو لگائے بیٹھے تھے کہ دوسرے دن علاؤ الدین نے انہیں دربار میں بلایا اور خلاف توقع و امید انہیں شاہی لطف و کرم سے نوازا گیا۔ خاصے کا جامہ زردوزی اور ایک ہزار تنکہ بطور انعام دیا۔ علاؤ الدین نے قاضی صاحب سے فرمایا۔ "اگرچہ میں علم سے بالکل ناآشنا اور شرعی مسائل سے قطعاً ناواقف ہوں لیکن مسلمان اور مسلمان کا بیٹا ہوں' میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے' لیکن دنیا کے معاملات اور خاص طور پر ہندوستان کی مہمات صرف شرعی مسائل پر عمل کرنے سے حل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک سیاست کے شدید ترین قواعد سے کام نہ لیا جائے ملک میں امن و امان قائم رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے میرا خیال ہے کہ محض مذہبی وعظ اور نصیحتوں سے اس زمانے کے لوگ سیدھے راستے پر نہیں آسکتے۔ یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فاسق اور بدکار لوگ زناکاری کے والہ و شیدا ہیں' غصہ' قید اور مارپیٹ سے یہ لوگ بدکاری سے توبہ نہیں کرسکتے ایسے لوگوں کی عبرت کے لیے ان میں سے چند کو ناکارہ کر دیتا ہوں۔ تاکہ ملک میں بدکاروں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ میری نیت نیک اور صاف ہے' میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق امن چین اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرے چونکہ اللہ کی رحمت کا دروازہ ہروقت کھلا رہتا ہے اس لیے مجھے پوری پوری امید ہے کہ خداوند تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔"

قلعہ چتوڑ کی فتح

کچھ عرصہ بعد علاؤ الدین نے بنگالہ کے راستے ایک لشکر تلنگانہ کے مشہور علاقے ورنگل کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا اور خود ایک زبردست فوج لے کر قلعہ چتوڑ کی طرف بڑھا جو آج تک کسی مسلمان بادشاہ سے فتح نہ ہوا تھا۔ علاؤ الدین نے کامل چھ (٦) ماہ تک اس قلعے کا محاصرہ جاری رکھا اور آخر کار ٧٠٣ھ میں محرم کے مہینے میں اس قلعے کو تسخیر کر ہی لیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ اپنے بڑے بیٹے خضرخاں کے حوالے کیا اور اس کا نام "خضر آباد" رکھا۔ قلعے کے پاس ہی ایک بڑے میدان میں علاؤ الدین نے ایک محفل جشن کا انعقاد کیا اور خضر خان کو چترلعل عنایت کر کے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

مغلوں کا حملہ

علاؤ الدین کے اس سفر کی خبر ماوراء النہر تک پہنچی اور وہاں کے باشندوں نے یہ خیال کیا کہ اس دور دراز سفر سے لوٹنے میں بادشاہ کو ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ اس خیال کے پیش نظر طرغی نامی مغل سردار کی نگرانی میں مغلوں کا ایک لشکر ہندوستان کو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے کے لیے اپنے ملک سے روانہ ہوا۔ علاؤ الدین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ مغلوں کا لشکر علاؤ الدین کے ورود دہلی کے ایک ماہ بعد دہلی کے قریب پہنچا اور دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہوا یہ لشکر ایک لاکھ بیس ہزار (١٢٠٠٠٠) سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ اس زمانے میں علاؤ الدین کی فوج کا بہترین حصہ دکن میں ورنگل کی مہم پر گیا ہوا تھا' اور اکثر امراء

اپنی جاگیروں میں تھے' اس لیے علاؤ الدین کو مغلوں کا مقابلہ کرنا ذرا مشکل نظر آیا وہ اپنے انجام کی طرف سے متفکر ہوا۔ تاہم اس سے جس طرح بھی ہو سکا وہ دہلی سے سیری چلا آیا۔ علاؤ الدین نے اپنی فوج کے چاروں طرف خندق کھدوائی اور لشکر گاہ کے آس پاس خار بندی کرا کے تمام راستوں کو اچھی طرح سے بند کر کے اپنے امراء کی آمد کا انتظار کرنے لگا مغلوں نے دہلی کے نواحی علاقے پر قبضہ کر کے آس پاس کی حدود کو پوری طرح مستحکم کر لیا۔ اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو امراء کول اور برن میں مقیم تھے وہ علاؤ الدین تک نہ پہنچ سکے۔ مغلوں کی دست درازیاں اس حد تک بڑھیں کہ انہوں نے چند مرتبہ خاص دہلی شہر پر چھاپہ مارا اور غلہ وغیرہ اٹھا کر لے گئے۔ اسی طرح انہوں نے شاہی لشکر پر بھی حملہ کر کے بہت سوں کو ہلاک اور زخمی کر لیا۔ اس قسم کی مصیبتوں کی وجہ سے دہلی کے لوگوں کا ناک میں دم آ گیا۔ علاؤ الدین بھی سخت پریشان ہوا اور اس نے حضرت نظام الدین اولیاء سے مدد طلب کی اور اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس رات کرغی کے جی میں خدا جانے کیا آئی کہ راتوں رات اس نے محاصرہ' جو دو مہینے سے قائم تھا بغیر کسی خاص وجہ سے اٹھا لیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ واپس اپنے ملک لوٹ گیا۔ اس مصیبت کا ٹل جانا ایک معجزہ تھا اور اسے لوگوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی کرامت سمجھا۔ اس سانحے سے علاؤ الدین نے یہ سبق لیا کہ سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھنا ایک غلط بات ہے اصل کام تو یہی ہے کہ دارالسلطنت میں بیٹھ کر بیرونی حملہ آوروں کے ہنگاموں اور شورشوں کو فرو کر کے سلطنت کی بنیادوں کو محفوظ کیا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے۔

ضروریات زندگی کی ارزانی

علاؤ الدین نے سیری کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور ہزار ستون اور دیگر عالی شان عمارتوں کی بنیاد ڈالی' حصار دہلی کو بھی نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ مغل جن راستوں سے آیا کرتے تھے ان کے قلعوں کو مستحکم و مضبوط کیا گیا' تجربہ کار امراء کو ان قلعوں کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا۔ علاؤ الدین نے یہ ارادہ کیا کہ دارالسلطنت میں اتنا لشکر رکھا جائے جو مغلوں کے حملے کو روکنے کے لیے کافی ہو اور جس سے مقبوضات کا انتظام بھی کیا جا سکے۔ لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے بہت زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ شاہی خزانے میں جس قدر روپیہ تھا وہ لشکر کی تنخواہ اور دوسرے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے صرف پانچ یا چھ سال تک کام آ سکتا تھا۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے اپنے خاص اور قابل امراء سے جن کا سردار ملک خطیر الدین تھا' مشورہ کیا۔ بادشاہ نے ان امراء سے پوچھا کہ لشکر کی تعداد میں کس طرح اضافہ کیا جائے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ چنگیزیوں اور دیگر حکمرانوں کی تقلید میں سپاہیوں کی تنخواہ میں کمی کر دی جائے امراء نے جواب دیا۔ "حضور کا مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے کہ جب ضروریات روزمرہ کی اشیاء سستے داموں بکیں۔ نیز گھوڑوں' ہتھیاروں' سامان اسلحہ وغیرہ میں بھی مناسب کمی کر دی جائے اس ارزانی کی وجہ سے سپاہیوں کو اپنی تنخواہوں میں کمی محسوس نہ ہو گی"۔ علاؤ الدین نے اس مشورے کو بہت پسند کیا اور اپنے ارا کین سلطنت کی مدد سے چند قواعد ایسے مرتب کیے جن پر عمل کرنے سے اشیاء کی قیمتوں میں خاطر خواہ کمی ہو گئی اور بادشاہ کا مقصد پورا ہوا۔

قاعدہ نمبر ۱ (غلے سے متعلق)

غلے کا نرخ حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا۔ تاجروں کو اس نرخ میں کمی بیشی کرنے کا حق نہ تھا' غلے کا جو بھاؤ دہلی میں تھا' وہی ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی مروج ہوا' یہ نرخ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ایک من گیہوں	ساڑھے سات جیتل
ایک من جو	چار جیتل
ایک من چنا	پانچ جیتل

ایک من دھان	پانچ جیتل
ایک من ماش	پانچ جیتل
ایک من موٹھ	تین جیتل

علاؤ الدین خلجی کے تمام عہد حکومت میں یہی نرخ قائم رہے۔ البتہ جب بارش کم ہوتی یا کسی وجہ سے غلہ کم پیدا ہوتا تو ان نرخوں میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا یہ حقیقت ہے کہ نرخ کا تعین علاؤ الدین کا ایک عجیب و غریب کارنامہ ہے جو اس کے عہد سے پہلے عمل میں نہیں آیا اور نہ ہی اس کے بعد اس کی کوئی توقع ہے۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے کچھ اہم اقدامات بھی کیے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اقدام نمبر(۱): ضابطہ دار ملک قبول کو بازار (منڈی) کا کوتوال مقرر کیا گیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ بازار کے نرخوں پر کڑی نظر رکھے اور کسی چیز کی قیمت میں کمی بیشی نہ ہونے دے۔

اقدام نمبر(۲): علاؤ الدین نے یہ حکم دیا کہ خالصہ شاہی میں دیوانی کا جو حصہ ہے اس کے تبادلے میں غلہ لیا جائے اور یہ غلہ قصبوں میں جمع کیا جائے تاکہ اگر بازار میں غلے کی کمی ہو جائے تو وہ جمع شدہ غلہ منڈی میں لا کر شاہی نرخ کے مطابق بیچا جائے۔

اقدام نمبر(۳): بادشاہ نے ملک قبول کو حکم دیا کہ سارے ملک کے غلہ فروشوں کو جمع کر کے دریائے جمنا کے کنارے آباد کیا جائے۔ تاکہ ملک کے غلے کی تمام پیداوار ایک ہی جگہ جمع کی جا سکے اور اسے شاہی نرخوں کر مطابق بیچا جا سکے۔ نیز غلہ فروشوں سے یہ تحریری عہد لیا جائے کہ وہ بادشاہی احکام کی پوری پوری تعمیل کریں گے۔

اقدام نمبر(۴): تاجر پیشہ لوگ عام طور پر یہ کرتے ہیں کہ غلہ جمع کر کے اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور جب ملک میں غلہ کم ہو جاتا تو اپنے جمع شدہ ذخیرے کو منگے داموں پر فروخت کرتے علاؤ الدین نے اس کی بڑی سختی سے ممانعت کر دی اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی شخص نے اس نیت سے غلہ جمع کر رکھا ہے تو وہ غلہ بحکم سرکار ضبط کر کے شاہی ذخیرے میں جمع کر دیا جاتا اور اس شخص پر جرمانہ کیا جاتا۔

اقدام نمبر(۵): لوگوں کو حکم دیا گیا کہ کھیتوں میں ان کی ضروریات سے زاید جس قدر غلہ پیدا ہو اس کو کھیت کے اندر ہی فروخت کر دیا جائے اور ذاتی ضروریات سے ایک دانہ بھی زیادہ نہ رکھا جائے۔ عاملوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ کھیت ہی میں مال حاصل کر کے وہیں قیمت ادا کر دیں اور کسی کو اس کی ضرورت سے نہ لے جانے دے۔ اس صورت سے ذخیرہ اندوزی کا سدباب ہو گیا۔

اقدام نمبر(۶): روزانہ منڈی کے نرخوں اور دیگر معاملات کی تفصیل سے بادشاہ کو آگاہ کیا جائے۔ اگر اس حکم کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی جاتی تو منڈی کے اہل کار اور نظماء کو سخت سزائیں دی جاتیں۔

قحط کے زمانے میں یہ حکم تھا کہ ہر شخص صرف اپنی ضروریات کے مطابق ہی غلہ خریدے اور اس کے علاوہ آدھ سیر بھی زاید غلہ اپنے گھر نہ لے کر جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بھی سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس قسم کے معاملات میں تحقیقات کرنے کے لیے شاہی اہل کار مقرر کیے جاتے تھے جو اپنے فرائض کی انجام دہی میں بڑی سخت گیری سے کام لیتے تھے۔ بادشاہی جاسوس بھی بڑی مستعدی سے بازار کے حالات سے باخبر رہتے اور بادشاہ کو مطلع کرتے رہتے۔ ان انتظامات کی وجہ سے کسی شخص کی بھی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ غلے کی قیمت میں آدھے جیتل کی بھی کمی بیشی کر سکے۔

قاعدہ نمبر۲ (کپڑے کے متعلق)

نئے نئے قوانین رائج کرنے والے بادشاہ علاؤ الدین نے ہر قسم اور نوعیت کے اعلیٰ اور روزمرہ کی معمولی استعمال کے کپڑوں کو بذات خود ملاحظہ کیا اور ان کی مناسب قیمتیں مقرر کیں جو قیمتیں دہلی میں مقرر ہوئیں انہیں کو تمام مقبوضات میں بھی مروج کیا گیا۔

کپڑوں کے جو نرخ مقرر کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

چیر دہلی	سولہ (۱۶) تنگہ
چیر کو مکہ	چھ (۶) تنگہ
سیری صاف عمدہ	پانچ (۵) تنگہ
سیری صاف متوسط	تین (۳) تنگہ
سیری صاف ادنیٰ	دو (۲) تنگہ
سلائی اعلیٰ	چار (۴) تنگہ
سلائی متوسط	تین (۳) تنگہ
سلائی ادنیٰ	دو (۲) تنگہ
کرپاس اعلیٰ بیس گز	ایک تنگہ
کرپاس متوسط تیس گز	ایک تنگہ
کرپاس ادنی چالیس گز	ایک تنگہ
کرپاس سادہ	دس جیتل

کپڑوں کی ان قیمتوں کو مروج کرنے کے لیے کچھ ضابطے بھی بنائے گئے جو یہ ہیں۔

ضابطہ نمبر۱: بدایوں دروازے میں ایک بہت بڑی سرائے تعمیر کروائی گئی اور وہ "سرائے عدل" کے نام سے موسوم کی گئی۔ علاؤ الدین کا حکم تھا کہ چاروں طرف سے کپڑے لا کر اس سرائے میں فروخت کیے جائیں۔ کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے گھر میں یا کسی اور بازار میں کپڑے کی خرید و فروخت کا کاروبار کر سکے۔ کپڑے کی اس منڈی کا دروازہ صبح نماز کے وقت کھلتا تھا اور ظہر کی نماز کے وقت بند ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص مقررہ اوقات سے پہلے یا بعد میں دوکان کھولتا یا بند کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔

ضابطہ نمبر۲: علاؤ الدین نے حکم دیا کہ شہر دہلی اور دیگر علاقوں کے عام سوداگران پارچہ کے نام سرکاری دفتر میں درج کر لیے جائیں اور ان سب سے کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ اپنا مال سرائے عدل میں لا کر مقرر کردہ سرکاری قیمتوں پر فروخت کریں۔

ضابطہ نمبر۳: امراء اور معززین شہر میں سے اگر کسے کو قیمتی کپڑا خریدنا ہوتا تو اسے پہلے رئیس بازار سے پروانہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ اس طریق کار کی یہ وجہ تھی کہ کہیں کوئی سوداگر قیمتی کپڑا سرائے عدل سے خرید کر کسی دوسرے شہر میں مہنگے داموں فروخت نہ کر سکے۔

ضابطہ نمبر۴: بادشاہ کے حکم سے ملتانی سوداگروں کو شاہی خزانے سے بیس (۲۰) لاکھ تنگہ ادا کیا گیا تاکہ وہ اس رقم سے قیمتی کپڑے اور اسباب وغیرہ خرید کر لائیں اور انہیں سرائے عدل میں مقررہ سرکاری نرخوں پر فروخت کریں۔

قاعدہ نمبر۳ (گھوڑوں کے متعلق)

علاؤ الدین نے بذات خود پوری طرح تحقیق کرنے کی بعد ہر قسم کے گھوڑوں کی قیمتیں مقرر کیں۔ دوسرے علاقوں میں بھی انہیں قیمتوں کو پیش نظر رکھا گیا۔

ان قیمتوں کے استحکام کے لیے حسب ذیل ضابطے مقرر کیے گئے۔

درجہ اول کا گھوڑا	۱۰۰ تا ۱۲۰ تنگہ
درجہ دوم کا گھوڑا	۸۰ تا ۹۰ تنگہ
درجہ سوم کا گھوڑا	۶۵ تا ۷۰ تنگہ

ٹنو ۱۲ تا ۲۰ تنگہ

ان قیمتوں کے استحکام کے لیے حسب ذیل ضابطے مقرر کیے گئے۔

ضابطہ نمبرا: علاؤ الدین نے حکم جاری کیا کہ شہر کے کیسہ دار سوداگروں سے گھوڑے نہ خریدیں بلکہ شاہی بازار ہی میں گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو گی۔ اس ضابطے کی پابندی کے لیے خریدار اور تاجر دونوں ہی سے وعدہ لیا گیا۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ کو اطلاع ملی کہ کیسہ دار گھوڑوں کو کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت پر بیچنے کی عادت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی' لیکن وہ باز نہ آئے تو بادشاہی حکم سے ایسے لوگوں کے لیے موت کی سزا دی گئی اور کچھ کو خارج البلد کر دیا گیا۔

ضابطہ نمبر۲: اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ ایک گھوڑا بھی مقررہ قیمت سے زیادہ پر بکا ہے تو شہر کے کوتوالوں سے باز پرس کی جاتی اور مجرموں اور بے گناہوں سے یکساں سلوک کیا جاتا۔

ضابطہ نمبر۳: ہر ماہ گھوڑے کی قسم اور قیمت اور دلالوں کے کام کی جانچ پڑتال کی جاتی۔ اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ ذرا سی بھی شاہی احکام کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو تمام دلالوں کو سزا دی جاتی۔

قاعدہ نمبر۴ (غلاموں اور کنیزوں سے متعلق)

علاؤ الدین نے لونڈیوں اور غلاموں کی حسب ذیل قیمتیں مقرر کیں۔

درجہ اول	۱۰۰ تا ۲۰۰ تنگہ
درجہ دوم	۲۰ تا ۴۰ تنگہ
درجہ سوم	۵ تا ۱۰ تنگہ

قاعدہ نمبر۵ (گائے' بھینسوں' اونٹ' بکریوں وغیرہ سے متعلق)

ان جانوروں کی قیمتیں بھی اس زمانے کے لحاظ سے مناسب اور معقول طور پر مقرر کی گئیں اور اس سلسلے میں بھی وہی ضابطے عمل میں لائے گئے جو گھوڑوں کی خرید و فرخت کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔

منڈی کے دن بھر کے تمام حالات ایک روزنامچے کی صورت میں ضبط تحریر میں لائے جاتے تھے۔ منڈی والوں کے حالات کی نگہداشت کے لیے شاہی جاسوس بڑی مستعدی سے اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ اگر بادشاہ کو معلوم ہو جاتا کہ اہل کاروں اور گماشتوں نے روزنامچے میں کوئی غلط واقعہ یا بات لکھی ہے تو ایسا کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں' بازار میں جس چیز کی خرید و فروخت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اس کی قیمت علاؤالدین خود مقرر کرتا تھا۔ کسی چیز کو حقیر یا ناقابل التفات سمجھ کر قیمت متعین کیے بغیر نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سوئی' کنگھی' جوتے اور مٹی کے برتنوں تک کی قیمتیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ سوکھی روٹی سے لے کر تافتان تک' حلوے سے لے کر ریوڑی تک اور پودینے سے لے کر پان تک غرض ہر چیز کی قیمت علاؤالدین خود مقرر کرتا تھا اور تحریری طور پر اس کے متعلق لوگوں کو اطلاع دے دی جاتی تھی۔ اہل دہلی کی ضروریات کے پیش نظر روزمرہ کے استعمال کی بعض دوسری اشیاء کی قیمتیں بھی مقرر کر دی گئی تھیں۔ مثلاً

مصری ایک سیر	۲ جیتل
سفید شکر ایک سیر	ایک جیتل
سرخ شکر ایک سیر	ایک جیتل
تلوں کا تیل ایک سیر	ایک جیتل

روغن ستور ایک سیر — نصف جیتل
نمک پانچ سیر — ایک جیتل

منڈی والوں کے حالات اور اشیاء کے نرخوں سے بادشاہ کی واقفیت ہمیشہ تازہ ہوتی تھی' اس کو تین مختلف طریقوں سے اطلاعات پہنچتی تھیں۔ اول کوتوال اور دوم رئیس بازار اپنی اپنی عرض داشتیں بادشاہ کے ملاحظے کے لیے روزانہ پیش کرتے۔ تیسرے بادشاہ کے جاسوس تمام حالات کی تحقیق کر کے بادشاہ سے سب کچھ بیان کر دیتے تھے۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی علاؤالدین کو اطمینان نہ ہوتا تھا اور وہ دوکانداروں اور تاجروں وغیرہ کا امتحان لینے کے لیے چھوٹے چھوٹے بچوں کو رقوم دے کر بازار بھیجتا تاکہ وہ حسب منشا بازار سے چیزیں خرید خرید کر لائیں اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں۔ یہ بچے خرید کر لاتے اور بادشاہ ان سے قیمت اور وزن وغیرہ کی بابت پوچھتا۔ اگر کبھی کہیں فرق نظر آ جاتا تو متعلقہ دوکاندار کو سخت سزا دی جاتی اس قسم کے مجرموں کو ادنیٰ سے ادنیٰ جو سزا دی جاتی وہ یہ تھی کہ ان کی ناک یا کان کاٹ دیے جاتے تھے۔

ملحقات کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک خوش مزاج اور رنگین طبیعت درباری نے علاؤالدین کو خوش دیکھ کر عرض کی۔ "حضور نے تمام ضروریات زندگی کا تو نرخ مقرر کر دیا ہے۔ لیکن ایک چیز جو سب سے ضروری اور اہم ہے اس کی طرف ابھی تک حضور نے کوئی توجہ نہیں کی۔" علاؤالدین نے اس چیز کا نام پوچھا تو درباری نے کہا۔ "بازاری عورتیں کہ جن کی وجہ سے ملک کے نوجوان اور فوج کے سپاہی تباہ و برباد ہو رہے ہیں یہ عورتیں پہلے کی طرح اب تک اپنی مرضی کی مالک ہیں اور ان کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی گئی۔" بادشاہ یہ بات سن کر مسکرایا اور کہا۔ "فکر نہ کرو تمہاری خاطر میں ادھر بھی توجہ کرتا ہوں۔" اس کے بعد بادشاہ نے کوتوال شہر کو بلایا اور اس سے کہا۔ "پیشہ ور عورتوں اور سازندوں کو فوراً باخبر کر دو کہ وہ مقررہ شاہی نرخوں سے زیادہ ایک پیسہ بھی وصول نہ کریں ورنہ انہیں سخت سزا دی جائے گی۔"

علاؤالدین نے طوائفوں کو صورت اور رقص و سرور کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا اور ہر طرح کی طوائفوں کے نرخ مقرر کیے۔ جب اشیاء کی مقررہ قیمتوں پر باقاعدگی سے عمل ہونے لگا تو علاؤالدین نے حکم دیا کہ سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ سرائے عدل کے علاوہ دیگر بازاروں میں بھی خرید و فروخت کر سکتے ہیں' بشرطیکہ مقررہ شاہی نرخوں کی پابندی کی جائے جیسا کہ سرکاری بازار میں ہوتا ہے۔ ان سوداگروں کو ہدایت کی گئی کہ اگر انہیں درجہ اول کا کوئی عراقی یا عربی گھوڑا یا کوئی عمدہ خطائی' چرکی یا ترکی' یا کسی دوسرے ملک کا بردہ ملے اور وہ اسے سرائے عدل میں لا کر فروخت نہ کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا مال پہلے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے اس مال میں سے بادشاہ جو چیز خود نہ خریدے' اسے امیر کے ہاتھ فروخت کیا جائے جس کے لیے بادشاہ اشارہ کرے۔

عہد علائی کے سکے

علاؤالدین خلجی کے زمانے میں تنکے کا وزن ایک تولہ تھا یہ سکہ چاندی اور سونے دونوں دھاتوں سے بنایا جاتا تھا۔ سونے کے تنکے کو "تنکہ طلائی" اور چاندی کے تنکے کو "تنکہ نقرہ" کہا جاتا تھا۔ ایک تنکہ نقرہ کی قیمت پچاس (۵۰) جیتل تھی' جیتل کا وزن بھی پونے دو تولے تھا۔ علاؤالدین کے زمانے کا من چالیس (۴۰) سیر کا اور سیر چوبیس (۲۴) تولے کا ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا تحریر میں جہاں کہیں تنکے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس سے چاندی کا ایک تولے کا وزنی سکہ مراد ہے۔

ضروریات زندگی اور آلات سپاہ گری کو ارزاں کرنے کے بعد علاؤالدین نے فوج کی تنخواہ کے تعین کی طرف توجہ کی اس سلسلے میں اس نے حسب ذیل درجے قائم کیے۔

درجہ اول — ۲۴۰ تنکہ سالانہ

درجہ دوم ۱۵۶ تنگہ سالانہ

درجہ سوم ۷۸ تنگہ سالانہ

تنخواہ کی اس کثرت کی وجہ سے فوج میں بڑا اضافہ ہوا اور چار لاکھ پچھتر ہزار (۴۷۵۰۰۰) سواروں کا ایک لشکر جرار تیار ہوگیا۔ سپاہیوں کی اس کثرت کی وجہ سے مغلوں کی شورشیں اور ہنگامہ خیزیاں ختم ہو کر رہ گئیں اور سارے ملک میں امن و امان قائم ہوگیا۔ مغل خود بھی علائی لشکر کی کثرت سے خائف ہوگئے اور انہوں نے غارت گری کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اگر اتفاق سے مغلوں کی کوئی جماعت کبھی ہندوستان میں داخل ہوتی تو اس جماعت کا ہر فرد قتل کر دیا جاتا یا سزائے قید بھگتتا۔

مغلوں کا حملہ

۷۰۴ھ میں خواجہ ترپال اور چنگیز خاں کے نواسے نے آپس میں مل کر ہندوستان پر حملہ کیا۔ مغلوں نے کوہ سالک پر قبضہ کر لیا اور امروہہ تک سارے ملک میں غارت گری کا بازار گرم کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔ علاؤالدین نے ملک نائب اور غازی ملک تغلق کو مغلوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں امیر ایک زبردست لشکر لے کر مغلوں کے سر پر جا پہنچے۔ علاؤالدین نے ان دونوں کو ہدایت کی کہ مغلوں کی تباہی اور قتل میں پوری جانفشانی سے کام لیا جائے اور ان کے کسی آدمی کو بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔ ملک نائب اور ملک غازی نے واقعی جانفشانی سے کام لیا اور امروہہ میں مغلوں کو شکست دی اور ان کے بے شمار سپاہیوں کو اپنی تلواروں کا لقمہ بنایا اور جو باقی بچے ان کو گرفتار کر لیا۔ علی بیگ اور خواجہ ترپال کو بھی زندہ گرفتار کیا گیا۔ ملک نائب اور غازی ملک بیس ۲۰۰۰۰ ہزار گھوڑے اور قیدیوں کی جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس روز علاؤالدین نے نئے شہر سے باہر نکل کر چبوترہ سبحانی پر دربار عام منعقد کیا۔ بادشاہ کے تخت سے لے کر اندر پرست تک دونوں طرف لشکر کے سپاہی کھڑے کیے گئے اور اس وقت علی بیگ اور خواجہ ترپال کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان دونوں مغل امیروں کو ہاتھیوں کے پیروں میں ڈال کر کچلوا دیا۔ اور گرفتار شدہ مغل لشکریوں کو قتل کروا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت لوگوں کی اتنی بھیڑ جمع ہوگئی تھی کہ بیس ۲۰ جیتل اور نصف تنگہ نقرہ میں بھی پانی کا ایک پیالہ نہ ملتا تھا۔ علاؤالدین نے مغلوں سے حاصل کیے ہوئے گھوڑے اپنے امیروں میں تقسیم کر دیے۔ ان دنوں شہر سیری کے نئے برج تعمیر ہو رہے تھے۔ علاؤالدین نے حکم دیا کہ ان برجوں کو پتھر اور اینٹوں کی جگہ آٹھ (۸) ہزار مقتول مغلوں کے سروں سے تعمیر کیا جائے۔

علاؤالدین نے غازی ملک پر پہلے سے بھی زیادہ نوازشیں اور عنایتیں کیں اور اسے پنجاب کا حاکم مقرر کر دیا۔ راکت خاں کو گجرات کا امیرالامراء بنا کر ایک عظیم الشان لشکر کے ہمراہ اس طرف روانہ کر دیا۔

مالوہ اور اجین وغیرہ کی فتح

علاؤالدین نے عین الملک ملتانی کو ایک بہت بڑے لشکر کا سردار مقرر کیا اور اسے مالوہ، اجین، چندیری اور جالوہ کی فتح کے لیے دہلی سے روانہ کیا۔ عین الملک مالوہ پہنچا وہاں راجہ کوکا چالیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی زبردست فوج لے کر عین الملک کے مقابلہ پر آیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ کوکا شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ عین الملک نے ۱۰ جمادی الاول ۷۰۴ھ کو اجین، مندو دھارا نگری اور چندیری پر قبضہ کر کے علاؤالدین کی خدمت میں فتح نامہ روانہ کیا۔ دارالسلطنت دہلی میں اس فتح کی بڑی خوشی منائی گئی۔ سات دن اور رات تک عیش و عشرت اور مسرت کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور سارے شہر میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ قلعہ جالور کے حاکم کاتردیو نے راجہ کوکا کا انجام دیکھ کر عین الملک کے توسط سے امان نامہ حاصل کیا اور علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہی امراء میں شامل ہوا۔

پدمنی کا قصہ، راجہ رتن سین کی رہائی

اسی زمانے میں راجہ رتن سین حاکم قلعہ چیتور نے جو ایک قید خانے میں اسیری کی زندگی بسر کر رہا تھا ایک غیر معمولی انداز سے اس قید سے نجات حاصل کی۔ اس راجہ کے آزاد ہونے کی تفصیلی روداد یہ ہے کہ راجہ کے قید ہونے کے ایک عرصے بعد علاؤالدین کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ کی عورتوں میں ایک پدمنی نام کی عورت بھی ہے جو بلا کی حسین اور تمام صفات محبوبی کا مجموعہ ہے۔ علاؤالدین نے راجہ رتن سین کو پیغام بھجوایا کہ اگر اسے آزادی کی خواہش ہو تو وہ رانی پدمنی کو بادشاہ کے ملاحظے کے لیے پیش کرے راجہ نے یہ شرط منظور کی اور اپنے چند معتبر آدمیوں کو کوہستان روانہ کیا تاکہ وہ اس کے بال بچوں اور رانی پدمنی وغیرہ کو لے کر آئیں' راجہ کے رشتہ دار جو راجپوت نسل سے تھے انہوں نے اس بات پر راجہ کو بڑی لعنت ملامت کی اور زہر دے کر اس کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے خاندان کی عزت و آبرو کو بچایا جا سکے۔ راجہ رتن سین کی بیٹی عقل و دانش میں اپنوں اور بیگانوں سبھی میں ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ اس نے اپنے رشتہ داروں کے ارادے سے مطلع ہو کر ان سے کہا میری سمجھ میں ایک تجویز آئی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو میرے باپ کی جان اور خاندان کی عزت' دونوں ہی کو بچایا جا سکتا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ راجپوت جانبازوں کا ایک گروہ مسلح ہو کر دہلی جائے۔ جب رات ایک پہر گزر جائے تو یہ گروہ دہلی میں داخل ہو کر یہ مشہور کرے کہ رانی پدمنی دہلی میں اپنے متعلقین کے ساتھ چلی آئی ہے تاکہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ قید خانے کے پاس پہنچ کر راجپوت جانباز اپنی تلواروں کو نیاموں سے باہر نکالیں اور قید خانے پر حملہ کر دیں۔ وہاں کے پاسبانوں کو قتل کر کے میرے باپ کو نکال کر ایک گھوڑے پر سوار کر کے جلد از جلد اپنے ملک کا راستہ لیں۔ راجپوت سرداروں کو لڑکی کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے اسی پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔

راجپوتوں کا ایک مسلح گروہ پالکیوں میں سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ دہلی میں قید خانے کے قریب پہنچ کر ان لوگوں نے قید خانے پر حملہ کر دیا۔ دربان اور محافظوں کو قتل کر کے ان لوگوں نے راجہ رتن سین کو قید سے نکال لیا اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر بٹھا کر کوہستان کی طرف روانہ کر دیا۔ شاہی لشکر کے سواروں نے ان راجپوتوں کا پیچھا کیا اور راستے میں کئی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ راستے میں بہت سے راجپوت سپاہی موت کے گھاٹ اتارے گئے لیکن راجہ رتن سین کسی نہ کسی طرح مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے بال بچوں تک پہنچ گیا۔ رتن سین کو اپنی بیٹی کی دانشمندی اور حسن تدبیر کی وجہ سے رہائی نصیب ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر کے چیتور کے قلعے کے گرد و نواح کے علاقوں میں لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کرنا شروع کر دیا۔ علاؤالدین نے جب یہ عالم دیکھا تو اس نے مصلحتاً قلعے کی حکومت خضر خاں سے واپس لے لی اور حصار کی حکومت راجہ رتن سین کے بھانجے کے سپرد کر دی۔ رتن سین کا بھانجا اس وقت شاہی ملازمین میں شامل تھا اور وہ ہمیشہ بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ اس ہونہار اور عقلمند راجہ نے کچھ ہی عرصے میں اپنا اقتدار ایسا بڑھالیا کہ سارے راجپوت اس کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ یہ راجہ اپنی عمر کے آخری لمحوں تک علاؤالدین کی اطاعت پر قائم رہا اور ہر سال اپنے ملک سے بہترین تحفے تحائف اور ہدیے لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور گھوڑے اور خلعت وغیرہ سے سرفراز ہو کر اپنے ملک واپس جاتا۔ راجہ کو جس معرکے پر نامزد کیا جاتا وہاں پانچ ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کا ایک لشکر لے کر حاضر ہوتا اور جاں نثاری کا پورا پورا حق ادا کرتا۔

مغلوں کا نیا حملہ

۷۰۵ھ میں مغل امراء ترپال اور علی بیگ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے' دواخاں کے ایک معزز امیر گنگ نامی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ گنگ ملتان کے اطراف و جوانب سے ہوتا ہوا سوالک میں پہنچا۔ ادھر غازی ملک بھی اپنی فوج تیار کر کے مغلوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مغل مختلف شہروں کو لوٹتے ہوئے گرمیوں کے زمانے میں دریائے سندھ کے

کنارے پہنچے۔ یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ چشمہ چناب دشمن کے قبضے میں ہے۔ مغلوں نے ہندی لشکر سے معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ کیا اس جنگ میں انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور ان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ گنگ کو شاہی لشکر نے زندہ گرفتار کر لیا۔ جو مغل سپاہی میدان جنگ سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے وہ جنگل میں بھوک اور پیاس کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ مغلوں کے بیوی بچوں کو گرفتار کیا گیا' ان لوگوں پر ایسی مصیبت پڑی کہ پچاس ساٹھ ہزار میں سے تین چار ہزار سپاہی بچے ہوں گے۔ اس فتح و کامیابی کی وجہ سے غازی ملک کے نام کا ڈنکا سارے ملک میں بجنے لگا۔ غازی نے گنگ اور اس کے قیدی ساتھیوں کو علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاؤالدین نے کوشک ہزار ستون کے سامنے ان سب لوگوں کو ہاتھیوں کے پیروں کے نیچے کچلوا دیا اور مقتولوں کے سروں سے بدایوں دروازے کے قریب جنگل میں ایک برج تعمیر کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس برج کے نشانات اب تک باقی ہیں۔ مغلوں کے قیدی بیوی بچوں کی سارے ملک میں غلاموں کی طرح خرید و فروخت کی گئی۔

مغلوں کا ایک اور حملہ

کچھ عرصے بعد مغلوں کا ایک سردار جس کا نام اقبال مند تھا' ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف آیا اور تباہی و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ غازی ملک نے اقبال مند کا بھی مقابلہ کیا اقبال کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا اس لیے اسے اس کے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ غازی ملک نے بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھجوا دیا تاکہ وہاں انہیں ہاتھیوں کے نیچے ڈال کر کچلوا دیا جائے۔ اقبال کے حشر کو دیکھ کر مغلوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے ایک مدت تک سرزمین ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سلطان قطب الدین کے زمانے تک سرزمین ہندوستان مغلوں کے حملوں اور ان کی غارت گری سے محفوظ و ممنون رہی۔

علاؤالدین کی کامیابیوں کا راز

غازی ملک کا مستقل قیام دیبالپور میں رہتا تھا لیکن وہ ہر سال کابل' قندھار' غزنی اور گرم سیر پر لشکر کشی کر کے ان ممالک کو برباد و تاراج کیا کرتا تھا اور ان علاقوں سے خراج لے کر اپنے ملک واپس آیا کرتا تھا۔ متذکرہ بالا پیہم شکستوں کی وجہ سے مغلوں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ غازی ملک کے مقابلے پر آ کر اپنی سرحد کی حفاظت کرتے۔ مغلوں کی سرکشی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ہندوستان کے اکثر شہر جو مغلوں کے قبضے میں آ چکے تھے' شاہی حکومت کے زیر اثر آ گئے اور مالوہ کا علاقہ فسادیوں اور شورش پسندوں سے کچھ ایسا پاک ہوا کہ آنے جانے کے تمام راستے کھل گئے۔ تاجر اور دیگر پیشہ وروں کو آزادانہ تجارت اور کاروبار کا موقع ملا۔ ملک میں پورے طور امن و امان ہو گیا اور علاؤالدین خلجی دہلی میں اپنے تخت پر بیٹھ کر دور دراز ملکوں کو فاتحانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ علاؤالدین جس علاقے کی طرف نظریں اٹھاتا اسے فتح کر لیتا اور جس غیر ملک کو پسند کرتا اسے بغیر کسی محنت کے اپنے قبضے میں کر لیتا۔ علاؤالدین نے جس انداز سے اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیابی حاصل کی اور مختلف مہمات میں جس طرح حسن اتفاق سے قسمت نے اس کی یاوری کی' انہیں دیکھ کر تو بعض لوگ اس کی کرامت کے دل و جان سے معتقد ہو گئے اور اس کے ارادوں کو کشف و الہام کا درجہ دینے لگے۔ کچھ لوگوں نے بادشاہ کی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو ایک لحاظ سے بادشاہ کا امتحان سمجھا ایک بڑی جماعت ان کامیابیوں کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے فیضان کا نتیجہ سمجھتی رہی۔

دکن پر حملہ

دیوگڑھ کے حاکم راجہ دیو نے تین سال سے خراج ادا نہ کیا تھا۔ اور اس کے افعال و کردار سے بغاوت کی بو آنے لگی تھی۔ علاؤالدین نے ملک نائب کافور ہزار دیناری کو بہت سے نامی گرامی امراء کے ساتھ جنوبی ممالک کی فتح کے لیے جنہیں اہل ہند کی زبان میں دکن کہا جاتا ہے' روانہ کیا۔ بادشاہ ملک نائب کو دل جان سے چاہتا تھا اور اس کو بہت پسند کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ یہ مناسب نہ سمجھتا تھا کہ ملک

کافور پر ایسی نوازشات کی جائیں کہ بقیہ امراء میں جو کہ اسکے ساتھ جائیں وہ ممتاز و نمایاں نظر آئے- تاکہ اس کے تمام ہمراہی اس کا زیادہ سے زیادہ لحاظ کریں اور اس کی ہربات مانیں- علاؤالدین نے ملک نائب کو سایہ بان اور سراپردہ جو صرف بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ دوران سفر میں ہرامیر اور درباری روزانہ ملک نائب کی خدمت میں آداب بجالانے کے لیے حاضر ہو نیز جتنے بھی کام ہوں وہ ملک ہی کے حکم سے سرانجام پائیں- امراء کو یہ حکم دیا کہ ملک نائب کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور جو کچھ وہ کہے اس پر عمل کریں- نائب عرض ممالک خواجہ حاجی کو' جو بہت ہی نیک طبیعت اور پاکیزہ نفس انسان تھا' ملک نائب کے ہمراہ روانہ کیا گیا- خواجہ حاجی کو مال غنیمت کی حفاظت اور لشکر کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا گیا- غرض علاؤالدین نے ان دونوں کو مع لشکر کے بڑے تزک و احتشام سے روانہ کیا- "تاریخ جہاں آرا" کے مولف قاضی احمد غفاری کی روایت کے مطابق علاؤالدین نے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو ۷۰۶ھ کے شروع میں ایک لاکھ سواروں کے ساتھ روانہ کیا- مالوہ کے حاکم عین الملک ملتانی اور گجرات کے حاکم الغ خاں کے نام اس مضمون کے شاہی احکام بھیجے گئے کہ ملک نائب کی ہر طرح مدد کریں اور ہر موقع پر اس کا ساتھ دیں' نیز جو وہ رائے دے اسی کے مطابق عمل کریں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے ملک نائب یا اس کے ہمراہی امراء کو شکایت کا موقع ملے-

دیولدی کا قصہ

اسی دوران میں رانی کنولا دیوی نے جو اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی بادشاہ سے عرض کی- "میری دو بیٹیاں میرے ساتھ ہی راجہ رائے کرن کے محل میں پرورش پاتی تھیں میں تو حضور کے حرم میں داخل ہوگئی لیکن میری دونوں بیٹیاں حسب سابق رائے کرن کے محل ہی میں رہیں- مجھے اب یہ معلوم ہوگیا ہے کہ میری بڑی بیٹی کا انتقال ہو چکا ہے' البتہ چھوٹی لڑکی' جسے میں چار برس کا بچہ چھوڑ کر آئی تھی اور جس کا نام دیولدی ہے' زندہ ہے-" کنولا دیوی نے اپنی بیٹی کی جدائی کے درد سے علاؤالدین کو آگاہ کیا اور اس سے التجا کی کہ "جس طرح بھی ہو سکے' میری بیٹی دیولدی کو میرے پاس پہنچایا جائے تاکہ اس کے دیدار سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے-" کنولا دیوی کی یہ التجا سنتے ہی علاؤالدین نے ملک نائب اور الغ خاں کے نام حکم بھیجا کہ جس طرح بھی ہو دکن کے مشہور راجہ رائے کرن کی بیٹی دیولدی کو جلد از جلد میرے پاس بھیجا جائے- اس سلسلے میں چاہے سختی سے کام لیا جائے چاہے نرمی سے' لیکن یہ کام بہرحال ہونا چاہیے-" ملک نائب دکن سے مالوہ پہنچا اور اس نے بادشاہ کا پیغام رام دیو راجہ کرن اور دیگر راجگان دکن کے نام بھجوایا-

"ملحقات" کی عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے ندربار اور سلطان پور کے قصبات اسی زمانے میں آباد کیے گئے- متذکرہ بالا راجاؤں نے بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا- ملک نائب نے سلطان پور سے کوچ کیا اور سرحد دکن میں داخل ہوا- الغ خاں بھی گجرات سے ایک زبردست لشکر کے ساتھ بگلانہ کی طرف بڑھا- راجہ رائے کرن نے اپنے علاقے کو فوج اور دیگر حفاظتی تدابیر سے مضبوط کر لیا- الغ خاں اور راجہ کرن میں کئی لڑائیں ہوئیں' راجہ نے ہرلڑائی میں بڑی جانبازی سے کام لیا اور ہربار بغیر شکست کھائے ہوئے واپس ہوا- رام دیو کا بیٹا سنگدیو' دیولدی کا عاشق زار تھا اور اس سے شادی کرنے کا خواہاں تھا' وہ قوم کا مرہٹہ تھا- اس لیے رام دیو کو یہ پسند نہ تھا کہ راجپوت گھرانے کی لڑکی مرہٹوں کے گھر میں جائے- اس لیے وہ سنگدیو کی درخواست کا صاف صاف جواب نہ دیتا تھا- سنگدیو نے اس شورش اور ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر اپنے باپ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے بھائی بھیم دیو کو اعلیٰ درجے کے تحفے تحائف کے ساتھ راجہ کرن کے پاس روانہ کیا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "مسلمانوں اور ہندوؤں میں مذہب کی بناء پر جو دشمنی ہے' وہ ظاہر ہے- بہتر یہی ہے کہ تم اپنی بیٹی کو' کہ جس کی وجہ سے یہ فساد ہو رہا ہے' میرے ساتھ بیاہ دو- اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان مایوس ہو کر تم سے جنگ نہ کریں گے اور واپس اپنے ملک چلے جائیں گے-" رائے کرن' رام دیو سے مدد کا خواہاں تھا- اس نے مجبوراً" سنگدیو کی درخواست قبول کرلی اور گویا ایک پری کو دیو کے ساتھ بیاہنے کی حامی بھرلی اور اپنی لڑکی کو بھیم دیو کے ساتھ دیوگڑھ بھجوانے کا ارادہ کر لیا- الغ خان کو جب تمام حالات

معلوم ہوئے تو وہ بہت پریشان ہوا اور علاؤالدین کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے فوراً ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا ابھی دیولدی یہیں موجود ہے اسے کہیں اور لے جایا نہیں گیا۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی پوری قوت صرف کر کے اس حسینہ دلربا کو ہندوؤں سے زبردستی چھین لیں اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں اس سرزمین کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دینا چاہیے تاکہ ہم بادشاہ کو اپنا منہ نہ دکھا سکیں۔

راجہ رائے کرن سے معرکہ

تمام امیروں نے الغ خاں کی اس رائے سے اتفاق کیا اور یہ تمام خدا پرست ایک "بت" کے لیے مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے۔ الغ خاں اور اس کے سارے ساتھی کوہستان میں داخل ہوگئے اور ہندوؤں سے جنگ کرنے لگے۔ جس کے نتیجے میں رائے کرن کو شکست ہوئی اور وہ جنگ کے میدان سے دیوگڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ الغ خاں نے اس کے تمام مال و اسباب اور ہاتھیوں وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کے تعاقب میں نکل پڑا۔ الغ خاں جنگلوں اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا برق کی سرعت سے رائے کرن کا پیچھا کرتا رہا اور ایک دن کے سفر کے بعد دیوگڑھ جا پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اسے رائے دیو اور دیولدی کی کوئی خبر نہ ملی۔

دیولدی کا ملنا

الغ خاں بہت مایوس ہوا لیکن اچانک اس مایوسی کے تاریک افق پر امید کی روشنی نمودار ہوئی اور دیولدی ایک انوکھے طریقے سے الغ خاں کے ہاتھ آئی۔ لوگوں نے اس واقعے کو علاؤالدین کے کشف و کرامت کا نتیجہ سمجھا اور علاؤالدین کے اقبال کی دعائیں مانگنے لگے۔ یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب باوجود تعاقب کے رائے کرن اور دیولدی' الغ خاں کے ہاتھ نہ آئے تو وہ مایوس ہو کر دو روز تک دریا کے کنارے مقیم رہا۔ اسلامی لشکر کے کچھ سپاہیوں کو ایلورہ کی سیر کی سوجھی تقریباً تین چار ہزار سپاہی الغ خان سے اجازت لے کر اس عجیب و غریب مقام کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ ان لشکریوں کو ایک دکنی فوج دور سے نظر آئی انہوں نے سمجھا کہ دیورائے کی فوج کا ایک حصہ ان پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے۔ مسلمان سپاہی یکجا ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اتفاق سے یہ نووارد فوج بھیم دیو کی تھی' جو رائے کرن سے دیولدی کو لے کر دیوگڑھ کو جا رہی تھی۔

دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوگئے ہندو مسلمانوں کے سینہ شگاف تیروں کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اسی دوران میں ایک تیر اس گھوڑے کو بھی لگا جس پر دیولدی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس تیر نے گھوڑے کو بالکل بیکار کر دیا اور مسلمان لشکریوں کی ایک جماعت اس کے قریب پہنچ گئی اور دیولدی کو تلاش کرنا شروع کر دیا دیولدی کی ایک ملازمہ یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ "اس کی عزت کرو یہ رانی دیولدی ہے اور اسے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔" مسلمانوں نے جونہی دیولدی کا نام سنا وہ اسے اپنی سردار الغ خاں کے پاس لے گئے۔ الغ خاں' دیولدی کو پا کر خوشی سے دیوانہ ہوگیا اس نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فوراً گجرات کی طرف روانہ ہوگیا۔

الغ خاں نے دیولدی کو ایک پالکی میں بٹھا کر دہلی کی طرف روانہ کر دیا۔ ۷۰۶ھ کے آخر میں دیولدی علاؤالدین کے پاس پہنچی۔ دیولدی کی ماں کنولا دیوی اپنی بیٹی کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی۔ علاؤالدین کو خضر خاں کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ دیولدی کے حسن پر فریفتہ ہو چکا ہے لہٰذا اس نے انصاف سے کام لے کر دیولدی کو اس کے حوالے کر دیا۔ حضرت امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی "خضر خانی و دیولدی" میں ان دونوں کے عشق کے قصے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ناظرین کرام اس کتاب کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔"

دیوگڑھ کی تسخیر

دکن پہنچ کر ملک نائب نے اس علاقے کی حکمرانی اپنے ہاتھوں میں لی اور اس عمدگی کے ساتھ مختلف امور کو سلجھایا کہ چھوٹے سے

لے کر بڑے تک کسی کو کسی قسم کی زحمت نہ ہوئی۔ ملک نائب نے حسن تدبیر سے کام لے کر اپنی فیاض طبعی کے جوہر دکھائے اور ہر حاجت مند کی حاجت کو پورا کیا۔ اس طرح اس نے لشکر اور رعایا دونوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جب ملک نائب کو انتظامات حکومت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوگیا تو اس نے مرہٹواڑی کو اپنے امراء میں تقسیم کیا اور خود دیوگڑھ کے قلعے کو جو اس زمانے سے دولت آباد کے نام سے مشہور ہے، تسخیر کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دیوگڑھ کے والی راجہ رام دیو کو اپنی جان خطرے میں نظر آئی تو وہ اپنے بڑے بیٹے سنگل دیو کو قلعے ہی میں چھوڑ کر خود اپنے عزیزوں' بیٹوں اور ساتھیوں وغیرہ کے ساتھ ملک نائب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے ساتھ بیش بہا تحفے تحائف بھی لیتا گیا۔ ملک نائب نے پہلے تو فتحنامہ دہلی روانہ کیا اور پھر خود رام دیو کو مع اس کے پیش کردہ تحائف اور سترہ ہاتھیوں کے ہمراہ دہلی کی طرف چل پڑا۔

رام دیو کی عزت افزائی

ملک نائب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا علاؤالدین اس کی کارگزاری سے بے انتہاء خوش ہوا اور اس کا مرتبہ پہلے سے دس گناہ زیادہ کر دیا الغرض ملک نائب کے مرتبے میں کوئی فرق نہ رہا۔ چونکہ رام دیو کو ملک نائب سے بہت لگاؤ تھا اس لیے ملک نائب ہمیشہ علاؤالدین سے رام دیو کی خلوص اور محبت کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ علاؤالدین پہلے ہی سے رام دیو کی طرف التفات کی نظروں سے دیکھتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ رام دیو ہی کا خزانہ اس کے کام آ رہا ہے اور اب جبکہ ملک نائب نے اس کی سفارش کرنی شروع کی تو علاؤالدین' رام دیو پر اور زیادہ مہربان ہوا اور اسے چتر سفید اور رائے رایاں کا خطاب عطا کیا۔ دیوگڑھ اور دیگر قدیم ممالک کی حکومت اس کے سپرد کی۔ نیز گجرات کا قصبہ نوساری بھی اسے بطور تحفہ عطا کیا۔ علاؤالدین نے راجہ اور اس کے بیٹوں اور رشتہ داروں کو ایک لاکھ تنگہ دے کر بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ رام دیو اپنے وطن واپس ہوا اور علاؤالدین کے عطا کردہ علاقوں پر حکمرانی کرنے لگا۔ رام دیو جب تک زندہ رہا' علاؤالدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرتا رہا۔

قلعہ سیوانہ پر حملہ

جس زمانے میں ملک نائب نے دکن پر حملہ کیا تھا' ان دنوں علاؤالدین نے سیوانہ کے قلعہ پر چڑھائی کی تھی یہ قلعہ دہلی کے جنوب میں واقع ہے اور اسے فوج دہلی کئی سال تک محاصرہ رکھنے کے باوجود فتح نہ کر سکی تھی۔ علاؤالدین نے اس قلعے کو سختی کے ساتھ چاروں طرف سے گھیر لیا اور اہل قلعہ کی زندگی اجیرن کر دی۔ حاکم سیوانہ' راجہ ستیل دیو نے جب کوئی راہ نجات نہ دیکھی تو اس نے اپنا ایک سونے کا بت بنوایا۔ اسکے گلے میں ایک سنہری رسی ڈال کر' یہ بت اس نے علاؤالدین کے پاس بھیج دیا اس سے اس کی مراد اپنی عاجزی کا اظہار تھا۔ اس کے بت کے ساتھ ستیل دیو نے ایک سو ہاتھی اور دوسری بہت سی نادر اور گراں قدر چیزیں بھی علاؤالدین کی خدمت میں بھجوائیں اور اپنے قصور کی معافی کا طالب ہوا۔ علاؤالدین نے خوش مذاقی کے طور پر اس بت کو تو قبول کر لیا اور راجہ کو یہ کہلوا بھیجا کہ "جب تک تم خود حاضر نہ ہوگے کوئی بات نہ مانی جائے گی۔"

راجہ ستیل دیو یہ جواب سن کر مجبوراً" قلعے سے باہر نکلا اور علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے قلعے کی تمام اشیاء یہاں تک کہ سوئیاں اور چاقو تک ضبط کر لیے۔ اس ضبط شدہ سامان میں جو اشیاء قیمتی تھیں' انہیں تو بادشاہ نے شاہی استعمال کے لیے رکھ لیا اور باقی اشیاء کو سپاہیوں اور دیگر کارکنوں میں تقسیم کر دیا۔ علاؤالدین نے سیوانہ کو تو امراء میں بطور جاگیر کے تقسیم کر دیا اور خالی قلعے کا انتظام ستیل دیو کے ذمے رہنے دیا۔

قلعہ جالور کی فتح

اسی زمانے میں قلعہ جالور کی فتح بھی عمل میں آئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ جالور کا راجہ' جس کا نام کانیر دیو تھا' علاؤالدین سے ملنے کے

لیے دہلی آیا ہوا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے کہا۔ "اب ہندوستان کے کسی راجہ میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ وہ میرے لشکر کے ساتھ جنگ کر سکے۔" کانیر دیو اس وقت بادشاہ کے دربار میں موجود تھا۔ اس نے علاؤالدین کا یہ جملہ سن کر کہا۔ "اگر میں آپ سے مقابلہ کروں اور فتح حاصل نہ کروں تو پھر میں زندہ رہنا پسند نہ کروں گا۔" علاؤالدین کو راجہ کی یہ بات بہت بری لگی اس وقت تو اس نے راجہ سے کچھ نہ کہا اور چند روز بعد راجہ کو جالور کے لیے رخصت کر دیا۔ دو تین ماہ کے بعد علاؤالدین نے اپنی قوت کا مظاہرہ اس طور سے کیا کہ ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا' فوج کے ساتھ جالور روانہ کیا۔ گل بہشت نے جالور پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور بڑی بہادری کے ساتھ راجہ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اس کی حالت تباہ کر دی۔ اہل قلعہ محاصرے کی شدت کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے عین قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جاتا کہ گل بہشت بیمار پڑ گئی اور چند روز کے بعد اسی بیماری کے ہاتھوں راہی ملک بقا ہوئی۔ گل بہشت کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہین نے اپنی ماں کی جگہ سنبھالی اور اسی کے نقش قدم پر چل کر اہل قلعہ کا جینا عذاب کر دیا۔

کانیر دیو کا قتل

کانیر دیو' علاؤالدین کے مزاج کی درشتی سے پوری طرح واقف تھا' اس نے تمام امور کو نظرانداز کیا اور اپنے رشتہ داروں اور فوج کو ساتھ لے کر قلعے سے باہر نکلا۔ کانیر دیو اور شاہین ایک دوسرے کے مقابل آئے' دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں شاہین مارا گیا۔ دوسرے شاہی امراء بھی کانیر دیو کا مقابلہ نہ کر سکے اور چند منزل پیچھے ہٹ گئے۔ علاؤالدین کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت غصے میں آیا اور اس نے ایک شخص کو جس کا نام کمال الدین تھا' ایک زبردست لشکر کے ساتھ سیوانہ روانہ کیا۔ کمال الدین نے بڑی مردانگی اور بہادری کے ساتھ قلعہ تسخیر کر لیا اور کانیر دیو کو مع اس کے ہمراہیوں اور رشتہ داروں وغیرہ کے قتل کر دیا اور خود اس کے خزانے پر قابض ہو گیا۔ جب فتح نامہ دہلی پہنچا تو اہل دہلی خوشی میں اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔

درنگل کی تسخیر کا عزم

علاؤالدین نے کچھ عرصہ قبل ایک فوج بنگالہ کی راہ سے درنگل بھیجی تھی' لیکن یہ فوج بغیر کوئی کارنامہ سرانجام دیے ہوئے' پریشان و خستہ حال ہو کر واپس آ گئی تھی۔ اس وجہ سے علاؤالدین نے ۷۰۹ھ میں دوسری فوج' جو قوت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی' ملک نائب کی نگرانی میں درنگل روانہ کی۔ ملک نائب جب فوج کے ہمراہ روانہ ہونے لگا تو بادشاہ نے اسے تاکید کی۔ "اگر درنگل کا راجہ لدر دیو دولت و مال اور ہاتھی نذر کر کے سال بسال خراج ادا کرنے کا عہد کرے تو اسے منظور کر لینا چاہیے اور پھر معاملے کو آگے بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں اور حکومت تلنگانہ کی فتح اور قلعہ درنگل کی تسخیر میں جان و مال کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں چاہیے کہ اس معاملے میں خواجہ حاجی کے مشورے پر عمل کرو اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر امراء کو سزا نہ دو۔ اگر جنگ میں کسی لشکری کا گھوڑا بیکار ہو جائے' یا کوئی چور لے جائے یا کسی اور وجہ سے گھوڑا کام کے قابل نہ رہے تو تم اس سپاہی کو لشکر سے گھوڑا دے دینا۔"

راجہ رام دیو کی مہمان نوازی

ملک نائب اور خواجہ حاجی جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دیو گڑھ پہنچے رام دیو نے ان امراء کا بہت شاندار طریقے سے استقبال کیا' بہت سے تحفے تحائف ملک نائب کی خدمت میں پیش کیے' نیز شاہی لشکر کی بڑے اچھے طریقے سے مہمان داری کی۔ جب ملک نائب آگے بڑھا تو راجہ رام دیو نے اپنی فوج اور منڈی کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا اور پنساریوں اور دیگر تاجروں کو ہدایت کر دی کہ وہ تمام اشیاء شاہی نرخ کے مطابق فروخت کریں۔ خود راجہ روزانہ سایہ بان لعل کے پاس آ کر حق خدمت ادا کرتا۔ جب ملک نائب دیو گڑھ سے تلنگانہ کی طرف روانہ ہوا تو راجہ رام دیو کچھ دور تک اس کے ساتھ گیا۔ اور بہت سے سوار اور پیادے غلے کے ذخیرے کی حفاظت اور راستے کی رہبری کے لیے چھوڑ کر' خود ملک نائب سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔ واپسی کے وقت بھی راجہ نے اپنے تاجروں اور

سوداگروں کو اچھی طرح نصیحت کر دی کہ غلہ اور ضروریات کی دیگر اشیا باقاعدگی کے ساتھ لشکر کو فراہم کرتے رہیں اور اس امر کا پورا پورا خیال رکھیں کہ اہل لشکر کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

بیرونی قلعے کی فتح

ملک نائب نے تلنگانہ کے سرحدی علاقے یعنی قصبہ اندور میں قدم رکھتے ہی تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا بہت سے لوگوں کو قتل کردیا اس قتل و غارت گری نے اندور کے باشندوں کو بہت خوفزدہ کر دیا۔ آس پاس کے راجہ مسلمانوں کی فوج سے ڈر کر راجہ لدر دیو کے پاس چلے گئے اور جونہی مسلمانوں کی فوج لدر دیو کے قریب پہنچی وہ درنگل کے قلعے میں جو پتھر کا بنا ہوا تھا' مقیم ہوگیا۔ دیگر راجاؤں نے اس کچے قلعے میں جو شہر کے باہر واقع تھا اور بہت وسیع تھا قیام کیا۔ ملک نائب نے قلعے کا محاصرہ کر کے آنے جانے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلے پر کمر باندھی اور روانہ ہزاروں ہندو سپاہی مسلمانوں سے معرکہ آراء ہو کر اپنی جانوں کو کھونے لگے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود بیرونی قلعہ ہندوؤں کے قبضے میں نہ رہ سکا اور اسے مسلمانوں نے تسخیر کر ہی لیا۔ مسلمانوں نے اکثر ہندو راجاؤں کو مع ان کے بال بچوں کے قید کر لیا اور بہت سے ہندو سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

لدر دیو کی اطاعت

بیرونی قلعے کی تسخیر سن کر راجہ لدر دیو کی ہمت پست ہوگئی' اوسان خطا ہوگئے اور اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اطاعت گزاری کا اعلان کر دیا جائے۔ لدر دیو نے تین سو ہاتھی' سات ہزار گھوڑے اور بے حد و بے شمار دولت اور زر و جواہر وغیرہ ملک نائب کی خدمت میں پیش کیے اور ہر سال خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ ملک نائب یہ تمام مال و اسباب ساتھ لے کر دہلی واپس آیا۔ علاؤالدین نے جب اس کامیابی کی خبر سنی تو وہ فوراً خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور اس خوشی میں فتح کے شادیانے بجوائے۔ فتح نامہ سر منبر پڑھوا کر سنایا گیا۔ ملک نائب کی آمد کے بعد علاؤالدین نے شہر سے نکل کر چبوترہ ناصری پر جو بدایوں دروازے کے قریب واقع ہے' جلوس کیا۔ ملک نائب نے تمام مال غنیمت بادشاہ کی خدمت میں ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ بادشاہ نے یہ سب کچھ دیکھ کر مالک نائب پر پہلے سے زیادہ شاہی عنایات کیں۔

ڈاک کا انتظام

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤالدین جب کہیں اپنی فوج کو روانہ کرتا تھا تو وہاں سے لشکر کی فرودگاہ تک ڈاک چوکی بٹھائی جاتی تھی' جسے قدیم زمانے کے لوگ "بام" کہتے تھے۔ ہر ایک کوس کے فاصلے پر دو پیادے کھڑے کیے جاتے تھے۔ جنہیں ہندی میں "پایک" کہا جاتا تھا۔ اس راستے کے تمام قصبوں اور شہروں میں وقائع نویس مقرر کیے جاتے تھے' تاکہ میدان جنگ کے حالات روزانہ ضبط تحریر میں لائے جا سکیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ جس زمانے میں ملک نائب نے درنگل پر لشکر کشی کی' ان دنوں تلنگی سواروں کی کثرت اور ان کے جا بجا گھومنے پھرنے کی وجہ سے راستے غیر محفوظ ہوگئے تھے اور شاہی تھانوں کا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ ان حالات کی وجہ سے چند روز تک علاؤالدین کو اپنے لشکر کے حالات کا علم نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اسے بہت پریشانی ہوئی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد

آخر کار بادشاہ نے قاضی مغیث اور ملک قرابیگ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ کہلوایا "مذہب اسلام کا خیال حضور کو مجھ سے زیادہ ہے اگر آپ کو اپنے کشف باطن کی وجہ سے لشکر اسلامی کا حال معلوم ہو تو ازراہ عنایت مجھے بھی اس سے آگاہ فرمائیں۔ درنگل کی طرف جو لشکر روانہ کیا ہے اس کی خیر خیریت کی کوئی خبر نہیں ملی' اس وجہ سے میں سخت پریشان ہوں۔" علاؤالدین نے قاضی مغیث کو تاکید کر دی تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء جواب میں جو کچھ فرمائیں وہ بغیر کسی کمی بیشی کے اس کے

روبرو بیان کیا جائے۔ قاضی مغیث اور ملک قرابیگ شاہی حکم کے مطابق حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کا پیغام ان سے کہا انہوں نے جواب میں پرانے زمانے کے ایک بادشاہ کی فتح کی داستان بیان کی اور اس کے ساتھ یہ کہا اسکے علاوہ مزید فتوحات کی بھی خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے۔" قاضی مغیث اور ملک قرابیگ حضرت محبوب الٰہیؒ سے رخصت ہو کر علاؤالدین کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ حضرتؒ نے کہا تھا وہ حرف بحرف بادشاہ سے بیان کر دیا علاؤالدین حضرت محبوب الٰہی کی گفتگو سن کر بے حد خوش ہوا اور اسے یقین ہوگیا کہ ورنگل کا معرکہ سر ہوگیا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی سے عقیدت

خدا کی قدرت کہ اسی روز عصر کے وقت قاصد آئے اور انہوں نے ورنگل کا فتح نامہ علاؤالدین کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علاؤالدین، حضرت محبوب الٰہی کی روحانی بلندی کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا۔ علاؤالدین نے اگرچہ محبوب الٰہیؒ سے کبھی ملاقات نہیں کی، لیکن ان سے خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا اور اپنے خطوط میں ہمیشہ خلوص و محبت کا اظہار کر کے ان کے انوار باطنی سے طالب مدد رہا۔

علاؤالدین کی سلطنت جب کابل و سندھ کی سرحد سے لے کر بنگالہ، دکن اور گجرات کی حدود تک پہنچ گئی اور سارے ہندوستان کے شہر اور علاقے اور تمام راجاؤں کے محل اور خزانے بادشاہ کے قبضے میں آگئے اور سارے ہندوستان میں کہیں دس بیگہ زمین بھی ایسی نہ رہی جہاں علاؤالدین کے نام کا خطبہ و سکہ جاری نہ ہو تو اس نے کچھ اور اونچی فضاؤں میں اڑنے کی سوچی اس کی ہمت بڑھی اور وہ دریائے عمان کے ساحلی علاقوں اور دکن کے دور دراز سرحدی خطوں کی طرف متوجہ ہوا۔

دھور سمندر اور مصبر کی فتح

۷۱۰ھ میں علاؤالدین نے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو دھور سمندر اور مصبر کے علاقوں کی فتح کرنے کے لیے روانہ کیا ان علاقوں کے مندر اعلیٰ درجے کے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے اور یہاں کے راجوں کی امارت سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔ جب ملک نائب اور خواجہ حاجی دیوگڑھ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ رام دیو کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کے بیٹے نے باپ کی جگہ سنبھالی ہے۔ ان امراء کو یہ اطلاع بھی ملی کہ رام دیو کا بیٹا باپ کی طرح علاؤالدین کی اطاعت اور فرمان برداری کو پسند نہیں کرتا۔ ملک نائب نے بطور احتیاط اپنے ایک امیر کو جالنہ پور نامی ایک قصبے میں، جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے، مقرر کیا اور خود آگے بڑھا۔ اس بار ملک نائب نے غیر مسلموں کے قتل و غارت گری میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے کام لیا اور اسی قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ تین ماہ کے عرصے کے بعد وہ مذکورہ بالا ساحلی علاقوں تک جا پہنچا ملک نائب نے کرناٹک کے راجہ بلا دیو کو گرفتار کر لیا، اس کی سلطنت کو پوری طرح تباہ و برباد کیا۔ تمام مندروں کو مسمار کیا اور بیش قیمت جواہر پر قبضہ کر لیا مسلمان امراء نے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی، چونے اور پتھر سے تعمیر کی اور اس مسجد میں اذان دے کر علاؤالدین کا خطبہ پڑھا یہ مسجد اب تک بندر رامیسر کے قریب کے علاقے میں موجود ہے اور "علائی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دھور سمندر جو دریائے عمان کے کنارے واقع تھا، اس زمانے میں سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ہندوؤں نے مسجد کے تقدس کا خیال رکھا اور اس کو مسمار نہیں کیا، لیکن دوسروں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام شہر بلکہ روئے زمین کے تمام قصبے اور علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے، اس لیے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں نے اس مسجد کو ڈھانے کا فتویٰ نہیں دیا۔

مال و دولت کی فراوانی

الغرض ملک نائب نے ان تمام بندرگاہوں کے تمام خزانوں اور دفینوں پر قبضہ کر لیا اور واپسی کا ارادہ کرنے لگا۔ جس دن ملک نائب کو

روانہ ہونا تھا' اس سے ایک رات پہلے' برہمنوں کی ایک جماعت میں' جو مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کر چکی تھی' کچھ جھگڑا سا ہوگیا جھگڑا اس دفینے کی تقسیم کے سلسلے میں ہوا جو کہ مندروں کے نیچے گڑا ہوا تھا۔ جب برہمن آپس میں ایک دوسرے سے تکرار کرنے لگے اور ان کی آوازیں بلند ہوئیں تو ایک مسلمان سپاہی نے یہ سب کچھ سن لیا' اس سپاہی نے شہر کے کوتوال کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور کوتوال نے ان ہندوؤں کو گرفتار کر کے ملک نائب کے حوالے کر دیا۔ برہمن پہلے ہی سے ملک نائب کی حکمت عملی سے مرعوب تھے اس لیے انہوں نے اس کے قہر و غضب سے خوفزدہ ہو کر متنازع فیہ دفینے سے جو کچھ حاصل کیا تھا' وہ ملک نائب کی خدمت میں بطور ملاحظہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ چھ اور دفینوں کا پتہ دیا جو جنگل میں مختلف جگہوں پر گڑے ہوئے تھے' ملک نائب نے ان دفینوں کو بھی حاصل کر لیا اور اس طرح بے شمار مال و دولت اس کے ہاتھ میں آئی۔ یہاں سے وہ مالابار پہنچا اور بیشمار دولت لے کر واپس ہوا۔

علاؤالدین کی بخشش

۷۱۱ھ میں ملک نائب دہلی پہنچا' اس نے کوشک ہزار ستون کے سامنے بادشاہ کے ملاحظے کے لیے مال غنیمت پیش کیا جو تین سو بارہ ہاتھیوں' بیس ہزار گھوڑوں' چھیانوے من سونا' (جو تقریباً دس کروڑ تنگہ کی مالیت کا تھا) اور بے حد و حساب اشرفیوں اور موتیوں وغیرہ کے صندوقچوں پر مشتمل تھا۔ بادشاہ اس خزانے کو دیکھ کر جس کے سامنے پرویز اور دارا کے خزانے بھی ہیچ تھے' بہت خوش ہوا۔ اس مرتبہ اس نے معمول کے خلاف اس خزانہ کا منہ کھول دیا۔ امراء میں سونا تقسیم کیا' کسی کو دس من اور کسی کو پانچ من' اسی طرح دوسرے لوگوں' مستحقین اور مشائخ کو بھی ڈیڑھ من یا اس سے کم' حسب حیثیت سونا عنایت کیا' جو سونا باقی بچا اس کی علائی اشرفیاں اپنے سامنے ڈھلوائیں اور شاہی خزانے میں داخل کیں۔

کرناٹک مہم میں جو چاندی ملک نائب کے ہاتھ آئی اس کا کسی مورخ نے تذکرہ نہیں کیا۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس ملک میں چاندی کی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں اس علاقے میں سونا ہی لین دین اور کاروبار کی بنیاد تھا۔ کرناٹک کے غرباء بھی چاندی کے استعمال کو اپنے لیے باعث شرم سمجھتے تھے' پھر بھلا امراء کس طرح چاندی کا استعمال کرتے' وہاں کے متوسط طبقے کے لوگ اب بھی سونے کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔

نو مسلم مغلوں کا قتل

سب سے عجیب اور انوکھا واقعہ جو علاؤالدین کے آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوا وہ نو مسلم مغلوں کا قتل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ علاؤالدین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نو مسلم مغلوں کو ملازمت سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے حکم دیا کہ نو مسلم مغلوں کو ملازمت سے علیحدہ کیا جاتا ہے اور ان میں جس کا جی چاہے وہ امراء کی ملازمت اختیار کر لے اور اگر کوئی اسے ناپسند کرے تو جہاں چاہے چلا جائے۔ اس فرمان کے بعد بعض مغل تو شاہی ملازمت ترک کر کے امراء کی ملازمتوں میں چلے گئے' لیکن بعض نے امراء کی ملازمت کو اپنے لیے عار سمجھا اور وہ شاہی ملازمت ترک کرنے کے بعد بھی دہلی میں ہی مقیم رہے۔ اس دوسرے گروہ نے کچھ عرصے بعد کم تنخواہوں پر شاہی ملازمت اختیار کر لی اور اسی میں اپنی گزر بسر کرنے لگے اور علاؤالدین کے آیندہ عنایات کا انتظار کرنے لگے۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس واقعے کو ایک زمانہ گزر گیا ہے' لیکن علاؤالدین نے ان کی طرف قطعاً توجہ نہ کی' ان مغلوں کے ایک گروہ نے جو غربت کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا اور جس کے سب ارکان کمینہ' اور دوں فطرت تھے' یہ ارادہ کیا کہ جب بادشاہ شکار کھیل رہا ہو اس وقت اسے قتل کر دیا جائے۔ ان کی بدقسمتی سے علاؤالدین کو مغلوں کے اس ارادے کی خبر ہوگئی چونکہ وہ ملکی مصالح کے پیش نظر اپنے عزیز سے عزیز شخص یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کی بھی رعایت نہ کرتا تھا اور رحم و کرم سے بیگانہ ہو کر ایسے موقعوں پر مجرموں کو

سخت ترین سزائیں دیتا تھا' اور شرع کا بھی کوئی لحاظ نہ کرتا تھا' اس لیے اس نے حکم دیا کہ مغلوں کو قتل کر دیا جائے جو شخص بھی کسی مغل کو کہیں بھی دیکھے اسے قتل کر ڈالے۔ دہلی کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی یہی حکم دیا گیا۔ الغرض سارے ملک میں یہ فرمان جاری ہوگیا اور مغلوں کے خون کو جائز قرار دے کر قاتلوں کو مقتولوں کے مال و اسباب کا مالک بنا دیا گیا۔ اس حکم کے سنتے ہی شریف' رزیل' اور سپاہی وغیرہ سبھی ہاتھوں میں تلواریں لیے گھومنے لگے' بادشاہی خوف اور مال و دولت کے لالچ میں مغلوں کو قتل اور ان کے خاندانوں کو تباہ کیا جانے لگا۔ پورے مقبوضات علائی میں تقریباً" چودہ پندرہ ہزار مغلوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ان کا مال غصب کر لیا گیا اور ان کی بیوی بچوں کو بھی تہ تیغ کیا گیا الغرض ہندوستان میں مغلوں کی پوری نسل تباہ کر دی گئی۔

اباحیوں کا قتل

اس وجہ سے علاؤالدین کے عہد کے کارناموں کو فرعون اور ضحاک کے سیاسی مظالم سے بھی آگے سمجھا جاتا ہے' جس سال نو مسلم مغلوں کے قتل کا حادثہ پیش آیا اسی سال علاؤالدین کو اطلاع ملی کہ اباحیوں کا ایک گروہ دہلی میں آگیا ہے جو اپنے دستور اور رواج کے مطابق سال میں ایک مرتبہ جشن مسرت منعقد کرتے ہیں اور اس رات تمام محرمات شرعی یعنی ماں بہن وغیرہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ علاؤالدین نے اس جماعت کے قتل کر حکم دے دیا اور گویا اس طرح اپنے سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ علاؤالدین کے حکم کی وجہ سے اباحیوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ کے رہ گیا۔

عادات و خصائل

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے علاؤالدین بہت ہی تند خو انسان تھا۔ اس لیے کسی درباری یا مقرب کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی مجرم یا بے گناہ کی بادشاہ سے سفارش کرے۔ اس بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ اگر وہ کسی سے ایک بار رنجیدہ ہو جاتا تو پھر تمام عمر اس سے گفتگو نہ کرتا اور کبیدہ خاطر رہتا۔ اپنے ابتدائی زمانے میں تو علاؤالدین سلطنت کے انتظامی امور میں لوگوں سے مشورہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا اور چند امراء اس کی سیاسی حکمت عملی میں دخل بھی دیتے تھے' لیکن آخری عہد میں (جبکہ اسکی فتوحات کے دامن نے ہندوسان کے ہر خطے کا احاطہ کر لیا تھا) اس کے غرور و تکبر کی انتہا نہ رہی اور اس نے امراء سے مشورہ کرنے کی عادت ترک کر دی۔

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤالدین خلجی کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئیں' اتنی ہندوستان کے کسی اور حکمران کو نصیب نہ ہوئیں۔ اس نے جس کثرت سے مسجدیں' تالاب' سرائیں' خانقاہیں اور قلعے وغیرہ تعمیر کروائے اتنے کسی اور بادشاہ نے نہیں بنائے اہل فن اس کے زمانے میں بہت بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ان کا اتنا بڑا گروہ کسی اور بادشاہ کے زمانے میں جمع نہیں ہوا۔ علاؤالدین کے عہد میں انصاف اور سچائی کا جو بول بالا ہوا' اطاعت و فرمانبرداری کا جو نام اونچا ہوا' اور بغاوت و سرکشی کا جس طرح قلع قمع ہوا' اس کی مثال کسی اور بادشاہ کے عہد میں نہیں ملتی۔

بزرگان دین

اسی طرح اس دور میں اولیاء اللہ علمائے کرام اور مشائخ کا جیسا گروہ تھا' ویسا مقدس گروہ دہلی میں کسی اور زمانے میں جمع نہیں ہوا۔ ان مشائخ میں حضرت شیخ الاسلام نظام الدین اولیاءؒ بھی تھے جو اپنے تقدس و بزرگی کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ حضرت شیخؒ علاؤالدین کے عہد میں اپنے انوار باطنی سے خلق خدا کو فیض یاب کرتے رہے۔ ہر سال محرم کی پانچویں سے لے کر دسویں تک حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا عرس ہوتا تھا جس میں ہندوستان کے ہر گوشے اور مقام کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ اس مقدس محفل میں اہل اللہ اور صاحبان دل کے مستانہ نعروں سے در و دیوار گونج اٹھتے تھے۔ اس عہد کے دوسرے نامی گرامی بزرگ حضرت شیخ علاؤالدین تھے جو حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے تھے۔ آپ قصبہ اجودھن کے سجادہ نشین اور

بڑے متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ آپ عبادت میں اس حد تک مشغول و مصروف رہتے تھے کہ لوگ اس پر آپ کو "فرشتہ سیرت" کہنے لگے۔

علاؤالدین خلجی کے عہد کے تیسرے قابل ذکر بزرگ مولانا رکن الدین بن شیخ صدر الدین عارف تھے۔ آپ ملتان میں طالبان حق کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ملتان اور اوچھ کے لوگ آپ ہی کے آستانے سے فیض حاصل کرتے تھے اور آپ ہی کی ہدایات پر عمل کر کے دینی اور دنیاوی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف اگرچہ ولی کامل تھے لیکن جود و سخا میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ آپ کو اپنے والد بزرگوار سے جو کثیر دولت میراث میں ملی تھی' اس کے علاوہ بے شمار نذرانے بھی ان کی خانقاہ میں پہنچتے تھے۔ اتنی دولت کے باوجود بھی جود و سخا کی وجہ سے ان کی زندگی قرض ہی میں بسر ہوتی تھی۔ ان بزرگوں کے علاوہ سید تاج الدین بن سید قطب الدین بھی تھے۔ آپ ایک مدت تک بدایوں کے قاضی رہے' سخاوت علم و فضل اور دیگر کمالات انسانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید رکن الدین صاحب قاضی کڑہ بھی اپنے بھائی کی طرح خاص و عام میں مقبول تھے۔ سادات کمل (کھیتل) میں سید نجیب الدین اور ان کے بھائی سید مغیث الدین دونوں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بہت مشہور و ممتاز تھے۔ ان بزرگوں کو عام طور پر سادات نوایتہ کہا جاتا تھا۔

علمائے کرام

مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ علاؤالدین خلجی کے عہد میں دیگر سادات کرام اور بزرگان دین بھی اس قدر کثیر تعداد میں موجود تھے کہ ان کا تفصیلی تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔ ان حضرات میں قاضی صدر الدین عارف الملک المخاطب بہ صدر جہاں بالخصوص قابل تذکرہ ہیں۔ آپ کے بعد قاضی جلال الدین قاضی الممالک ہوئے اور مولانا ضیاء الدین بیانوی' صدر جہاں مقرر کیے گئے۔ علاؤالدین خلجی کے آخری زمانے میں ملک افتخار حمید الدین ملتانی کو عہدہ قضا پر سرفراز کیا گیا۔ ان بزرگان کے علاوہ چھیالیس دیگر علمائے باکمال جو تمام علوم پر حاوی تھے' اس ملک کو اپنے علمی ذوق سے مستفید کرتے رہے اور ان کی وجہ سے درس و تدریس کا مقدس فریضہ جاری رہا۔ ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قاضی فخرالدین ناقلہ
۲۔ قاضی فخرالدین کرمانی
۳۔ مولانا نصیرالدین غنی
۴۔ مولانا تاج الدین مقدم
۵۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی
۶۔ قاضی زین الدین ناقلہ
۷۔ مولانا ظہیرالدین لنگ
۸۔ مولانا ظہیرالدین بھکری
۹۔ مولانا شرا کتی
۱۰۔ مولانا نصیرالدین رازی
۱۱۔ مولانا علاؤالدین صدر شریف
۱۲۔ مولانا میراں بابک
۱۳۔ مولانا نجیب الدین بیانوی
۱۴۔ مولانا شمس الدین
۱۵۔ مولانا صدر الدین
۱۶۔ مولانا علاؤالدین لاہوری
۱۷۔ قاضی شمس الدین کارزوئی
۱۸۔ مولانا شمس الدین بخشی
۱۹۔ مولانا شمس الدین
۲۰۔ مولانا صدر الدین یادہ
۲۱۔ مولانا معین الدین نولوی
۲۲۔ مولانا افتخار الدین رازی
۲۳۔ مولانا معین الدین پہیتی
۲۴۔ مولانا نجم الدین انتشار

۲۵- مولانا حمید الدین بلھوری
۲۶- مولانا علاؤالدین گرگ
۲۷- مولانا حسام الدین سادہ
۲۸- مولانا محی الدین کاشانی
۲۹- مولانا کمال الدین کولوی
۳۰- مولانا وجہ الدین کابلی
۳۱- مولانا منہاج الدین
۳۲- مولانا نظام الدین کلاتی
۳۳- مولانا نصیرالدین کڑھی
۳۴- مولانا نصیرالدین صدبونی
۳۵- مولانا علاؤالدین تاجر
۳۶- مولانا کریم الدین جوہری
۳۷- مولانا محب ملتانی
۳۸- مولانا حمید الدین مخلص
۳۹- مولانا برہان الدین بھکری
۴۰- مولانا افتخارالدین برنی
۴۱- مولانا حمید الدین ملتانی
۴۲- مولانا گل محمد شیرازی
۴۳- مولانا حسام الدین سرخہ
۴۴- مولانا شہاب الدین ملتانی
۴۵- مولانا فخرالدین ہانسوی
۴۶- مولانا فخرالدین شقاقلی

قاری اور واعظ

علاؤالدین خلجی کے آخری زمانے میں مولانا علیم الدین ملتانی' جو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور علم و فضل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے' دہلی تشریف لائے اور انہوں نے معقولات اور منقولات کی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ مولانا نشاطی' جو علم قرات کے اساتذہ میں سے تھے' اور جنہوں نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا' جو بے حد مقبول و مشہور ہے' اسی بابرکت عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا علاؤالدین اور خواجہ زکی (حضرت شیخ حسن بصری کے بھانجے) بھی علاؤالدین خلجی کے عہد میں علم قرات کے مستند اساتذہ تھے واعظوں کی جماعت میں مولانا حسام الدین درویش اور ان کے بھائی مولانا جلال الدین اور مولانا شہاب الدین جلیلی اور مولانا کریم اپنے عہد کے مستند خطیبوں میں شمار ہوتے تھے۔

ندیم اور مصاحب

بادشاہ کے ندیموں اور مصاحبوں میں تاج الدین عراقی سپہ سالار' خداوند زادہ چاشنی گیر نبیرہ بلبن بزرگ' ملک رکن الدین' ملک اعزالدین نقال خاں اور نصیرالدین نور خاں جیسے اعلیٰ درجے کے لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ بادشاہ کے ساتھی اور ہم صحبت تھے۔

شعرائے کرام

علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کے شعراء کی شیریں کلامی' جدت طبع اور بلند خیالی پر صرف اہل دہلی ہی نہیں' بلکہ پورا ہندوستان فخر کرتا تھا۔ ان کی سخن دانی کی دل کش اور دل ربا آوازوں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونجتا تھا۔ ان شعرائے عالی مقام میں سے بعض دارالسلطنت دہلی ہی میں مقیم تھے اور شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔

امیر خسرو

درباری شعراء کے گل سرسبز حضرت امیر خسرو تھے۔ آپ کو فن شاعری پر پوری پوری قدرت حاصل تھی اور جدت طرازی اور معنی آفرینی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ خسرو کے کمالات محتاج تعارف نہیں ہیں ان کے فضل و کمال کی شہادت ان کی تصانیف نظم و نثر سے مل سکتی ہے۔ فن شاعری کے علاوہ امیر خسرو بہت بڑی صوفی اور صاحب وجد و حال تھے۔ ان کے وقت کا بیشتر حصہ عبادات یعنی روزہ' نماز وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔ عشق حقیقی کے علاوہ عشق مجازی سے بھی آپ کو رغبت تھی اور عشق و محبت کے مزے سے خوب واقف تھے۔

الغرض خاک ہند سے ان کے درجے کا انسان اب تک نہیں اٹھا۔ امیر خسرو کو شاہی خزانے سے ہر ماہ ایک ہزار تنگہ ملتا تھا۔

حسن سنجریؒ

دوسرے معزز درباری شاعر حضرت حسن سنجریؒ تھے۔ آپ کا کلام سلاست اور لطافت بیان کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ آپ کے کلام کی سادگی، شستگی اور پختگی کی وجہ سے آپ کو عام طور پر "حسن سنجری سعدیؒ" کہا جاتا تھا۔ قناعت، گوشہ نشینی، ترک دنیا اور تہذیب الاخلاق میں آپ اپنے عہد میں بے نظیر تھے۔ حضرت حسنؒ کو سلطان الاولیاء نظام الدین سے خلافت ملی تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ مریدی میں سلطان الاولیاء کی زبان سے جو کچھ سنا اسے یک جا کر کے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام "فوائد الفواد" ہے۔ اس کتاب کے علاوہ حضرت حسن کی اور بھی بہت سی تصانیف نظم و نثر، دونوں میں موجود ہیں جو آپ کے فضل و کمال کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔

دیگر شعراء

امیر خسرو اور حضرت حسن سنجریؒ کے علاوہ علاؤالدین کے عہد میں صدر الدین عالی اور فخرالدین قواس، حمیدالدین راجہ، مولانا عارف عبدالحکیم اور شہاب الدین صدر نشین جیسے شیریں بیان شاعر بھی موجود تھے، اور علاؤالدین کی علم پرور طبیعت کی بخشش و سخاوت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ان شعراء کرام میں سے ہر ایک اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے مخصوص انفرادیت کا حامل تھا، جس کا بھرپور اندازہ ان شعراء کے دواوین سے ہو سکتا ہے۔

مورخین اور اطباء

عہد علائی میں چند عدیم المثال مورخ بھی موجود تھے، جو واقعات نویسی میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ طبیبان مسیحا نفس میں مولانا بدرالدین دمشقی کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ انہیں اپنے فن میں اس قدر مہارت حاصل تھی کہ اگر چند جانوروں کا پیشاب ایک ہی برتن میں ملا کر ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو حکیم صاحب فوراً بتا دیتے کہ اس برتن میں فلاں فلاں جانور کا پیشاب ہے۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ چونکہ یہ صاحب بہت بڑے صوفی بھی تھے۔ اس لیے روحانی قوت کے بل پر اس قسم کی بات کہہ دینا ان کے لیے بہت آسان تھا، ورنہ محض علم طب کی رو سے اس قسم کا حکم لگانا بہت دشوار ہے۔

اس عہد میں رمال اور منجم بھی تھے۔ جو اپنے فن پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ پیشین گوئی کرنے اور دلوں کی باتیں بتانے میں انہیں واقعی کمال حاصل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جادو کر رہے ہوں۔ ان کے علاوہ مطربوں، گویوں اور دیگر ارباب طرب اور ارباب ہنر کی بہت کثرت تھی۔ افسوس کہ اس مختصر کتاب میں ایسے لوگوں کے تفصیلی تذکرے کے لیے گنجائش نہیں نکل سکتی۔

علاؤالدین کا زوال

جب علاؤالدین ایک عرصے تک کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت کر چکا اور اس کی خوش قسمتی اپنے عروج کو پہنچ گئی تو مشہور مثل "ہر کمالے را زوالے" کے مصداق اس کے برے دن بھی نزدیک آنے لگے۔ علاؤالدین سے بہت سے ایسے کام سرزد ہونے لگے جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے اور حکومت کے استحکام کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوئے۔

ملک نائب کی محبت

علاؤالدین کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس نے ملک نائب کا والہ شیدا ہو کر حکومت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ ملک نائب کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہوا کہ ملکی مہمات کی انجام دہی میں بھی وہ ملک نائب کی خاطرداری کا پورا پورا لحاظ رکھتا اور اس کی ہر بات کو، خواہ وہ کتنی ہی نامعقول کیوں نہ ہو، بغیر حیل و حجت کے مان لیتا تھا۔

بیٹوں کی تربیت کی طرف سے بے توجہی

علاؤالدین کے زوال کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں کی اچھی طرح تعلیم و تربیت نہ کی اور انہیں ادب و اخلاق سے پوری طرح آگاہ کرنے سے پہلے ہی حرم خانے سے نکال کر مطلق العنان کر دیا۔ شہزادہ خضر خاں کی صلاحیتوں کا اندازہ کیے بغیر ہی اسے چتر عنایت کر کے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ علاؤالدین نے کسی تجربہ کار معلم و استاد کو خضر خاں اور دوسرے شاہزادوں کی نگہداشت اور تربیت کے لیے مقرر نہ کیا تاکہ لڑکوں کو عیاشی اور عیش کوشی سے روکا جا سکے اور بری عادتوں سے بچایا جا سکے۔

راجہ تلنگانہ کا خط

اسی زمانہ میں تلنگانہ کے راجہ نے علاؤالدین کی خدمت میں بیس ہاتھی مع ایک خط کے روانہ کیے۔ راجہ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ "میں نے سایہ بان لعل کے سامنے جو ملک نائب سے وعدہ کیا ہے اس پر اب تک قائم ہوں۔ اس سلسلے میں ایک اقرار نامہ لکھ کر ملک نائب کے حوالے کر چکا ہوں۔ اس اقرار نامے کی رو سے مجھے جو کچھ دینا ہے وہ حاضر کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس کے لیے بھی آپ فرمائیں میں بادشاہی نذرانہ اس کے حوالے کر دوں اور اپنا فرض پورا کروں۔" جونہی راجہ کا خط ملا ملک نائب نے، جو خضر خاں اور ملکہ جہاں سے رنجیدہ اور دل ہی دل میں خوف زدہ تھا۔ علاؤالدین سے کہا کہ یہ خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ ملک نائب نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ میں تلنگانہ کے راجہ سے چند سال کا خراج وصول کر کے دکن کی طرف سے ہوتا ہوا آؤں گا۔ تاکہ رام دیو کے بیٹے کو، جو باپ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا ہے، اور حضور کی اطاعت سے انکاری ہے، خبر لوں اور دوسرے سرکشوں اور باغیوں سے علاقہ دکن کو پاک و صاف کروں۔"

ملک نائب کی مہم دکن

علاؤالدین خلجی نے ملک نائب کی درخواست قبول کر لی اور ۷۱۲ھ میں چوتھی بار دکن کی مہم کے لیے روانہ کیا۔ ملک نائب دیوگڑھ پہنچا اور اس نے راجہ رام دیو کے باغی اور سرکش لڑکے کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ملک نائب نے مرہٹواڑی کے اکثر شہر گلبرگہ اور رائے جور کی حدود تک، دشمنوں سے پاک و صاف کر دیے اور کرناٹک کے مشہور شہروں تلنگ، دبل، جیور، دھور سمندر وغیرہ کو ہندو حکمرانوں کے قبضے سے نکال لیا اور ان کے قلعوں کو فتح کر کے دشمنوں کو ایسا درست کیا کہ پھر کسی کو بغاوت یا سرکشی کی جرات نہ ہوئی۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ملک نائب نے دیوگڑھ میں قیام کیا اور کرناٹک اور تلنگانہ کے راجاؤں سے نذرانہ کی رقم وصول کر کے علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کی۔ ملک نائب نے کچھ ہی عرصے میں کرناٹک اور مالابار کے راجاؤں کو اپنی حکمت سے بادشاہی خراج گزار کر دیا۔

علاؤالدین خلجی کی بیماری

اسی زمانے میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کی وجہ سے بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ خضر خاں اور ملکہ جہاں اپنے اپنے طور پر مجلس آرائیوں اور عیش و عشرت میں مشغول رہے، انہیں اسی قسم کی مصروفیات نے بادشاہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی اور انہوں نے بادشاہ کے علاج اور تیمارداری کی مطلق پروا نہ کی۔ علاؤالدین نے جب اپنی بیوی اور بیٹے کو اپنی حالت سے بے پروا دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا اور اس نے اپنی بیماری کو انہیں دونوں کی غفلت کا نتیجہ سمجھا۔ ہر روز خضر خاں اور ملکہ جہاں سے ضرور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی تھی، جس کی وجہ سے علاؤالدین، ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ بدگمان ہوتا چلا گیا۔

ملکہ جہاں اور خضر خاں کی نامعقولیت

خضر خاں کو ان دنوں محفلیں آراستہ کرنے، شراب پینے اور گانا سننے وغیرہ سے قطعاً فرصت نہ ملتی تھی، وہ ان مشاغل میں سرتاپا غرق

ہو کر رہ گیا تھا۔ چوگان بازی اور ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے سے اسے بہت دلچسپی تھی' اور وہ اپنا وقت اس سلسلے میں بھی صرف کرتا۔ ملکہ جہاں کا یہ عالم تھا کہ اسے بیٹوں کی شادی' پوتوں کے عقیقوں اور ختنوں اور دیگر رسوم میں مصروف رہنے کے علاوہ اور کچھ نہ بھاتا تھا۔ وہ ہر وقت اسی قسم کی تقریبات عشرت میں مصروف رہتی تھی۔ الغرض دونوں کو سوائے علاؤالدین کی بیماری کے اور سب کچھ یاد تھا اور وہ شب و روز انہیں غیر اہم کاموں میں الجھے رہتے تھے۔

علاؤالدین خلجی نے جب اپنے بیٹے اور بیوی کا یہ حال دیکھا تو اس نے دکن سے ملک نائب اور گجرات سے الغ خاں کو بلوایا۔ یہ دونوں شاہی حکم کی تعمیل میں جلد از جلد دہلی پہنچ گئے۔ بادشاہ ان دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے ملک نائب کو تنہائی میں بلا کر اس سے خضر خاں اور ملکہ جہاں کی لاپروائی کی شکایت کی۔ ملک نائب نے اس وقت تک بادشاہت کے خواب دیکھنا شروع کر دیے تھے۔ للٰذا اس موقع کو غنیمت جان کر اس نے بادشاہ سے کہا۔ "میں ان حالات کے پیش نظر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خضر خاں' ملکہ جہاں اور الغ خاں' جو تینوں ہی شاہی خاندان کے افراد ہیں' آپ کی موجودگی انہیں بھلی معلوم نہیں ہوتی' اس لیے وہ تہ دل سے آپ کی موت کے خواہاں ہیں۔"

خضر خاں کی امروہہ کو روانگی

بادشاہ اور ملک نائب میں ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ملکہ جہاں کو جشن مسرت منانے کی ایک نئی تدبیر سوجھی اور اس نے علاؤالدین سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ شہزادہ شادی خاں کو الغ خاں کی بیٹی سے بیاہ دیا جائے۔ یہ سن کر ملک نائب کو بادشاہ کے کان بھرنے کا ایک اور نادر موقع ملا اور اس نے ادھر ادھر کی باتیں لگا کر بادشاہ کو ان لوگوں کی طرف سے اور زیادہ بدگمان کر دیا۔ علاؤالدین نے سوچ بچار کے بعد بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے خضر خاں کو شکار کے بہانے سے امروہہ کی طرف روانہ کر دیا اور چلتے وقت اس سے کہا کہ جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تمہیں بلواؤں گا۔ خضر خاں نے اس وقت یہ منت مانی کہ اگر علاؤالدین صحت یاب ہو گیا تو وہ (خضر خاں) امروہہ سے دہلی تک مشائخ کی زیارت کے لیے پیدل چل کر آئے گا۔"

خضر خاں کی واپسی

جب خضر خاں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی صحت کچھ اچھی ہو رہی ہے تو اس نے اپنی منت پوری کی اور اپنے لشکر خاصہ کے ساتھ امروہہ سے دہلی تک پا پیادہ آیا۔ ملک نائب کو معلوم ہوا تو اس نے بادشاہ کے کان بھرے اور کہا۔ "شہزادہ آپ کی اجازت کے بغیر دارالسلطنت میں آیا ہے اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ کہیں امیروں کے ساتھ مل کر یہ سازش نہ کرے اور کوئی نیا فتنہ نہ پیدا ہو۔" علاؤالدین کو ملک نائب کی اس بات کا اعتبار نہ آیا اور وہ خضر خاں کو بلا کر اس سے ہم آغوش ہوا اس کے سر اور آنکھوں کو چوما اور اسے اجازت دی کہ حرم سرا میں جا کر اپنی ماں اور بہنوں سے ملاقات کرے۔

خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری

کچھ دنوں بعد خضر خاں پر وہی پہلے کی سی غفلت طاری ہو گئی اور وہ دربار میں حاضری کا بھی پابند نہ رہا۔ ملک نائب نے اس بار بھی خضر خاں کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور اس قسم کی باتیں کیں کہ بادشاہ کو خضر خاں سے بالکل بدگمان کر دیا اور یہ یقین دلایا کہ خضر خاں فلاں فلاں اشخاص سے سازش کر کے' جن میں شادی خاں بھی شریک ہے' آج کل ہی میں بادشاہ کی جان لینے والا ہے۔ ملک نائب نے مکاری اور عیاری سے چند جھوٹے غلاموں کی گواہی بھی پیش کر دی اور بادشاہ سے خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری کا فرمان جاری کروا دیا۔

بغاوتیں

ملک نائب نے ان دونوں شہزادوں کو گوالیار کے قلعے میں قید کروا دیا اور ملکہ جہاں کو محل سے نکلوا کر پرانی دہلی میں نظر بند کر دیا۔ اس

کے ساتھ ساتھ ملک نائب نے بادشاہ سے الغ خاں کی موت کا فرمان جاری کروا لیا۔ الغ خاں جو خضر خاں اور شادی خاں کا خالو تھا اور ابھی حال ہی میں گجرات سے آیا تھا' ملک نائب کی عیاری سے مارا گیا۔ اس کے علاوہ ملک نائب نے سید کمال الدین کرک کو بادشاہ کے حکم کے مطابق جالور روانہ کیا تاکہ وہ جالور کے حاکم نظام الدین کو' جو الغ خاں کا بھائی تھا' قتل کرے۔ خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری اور الغ خاں اور اس کے بھائی نظام الدین کے قتل سے ملک میں ایک انتشار سا پھیل گیا اور کئی سوئے ہوئے ہنگامے از سرنو جاگ اٹھے۔ گجرات کی فوج نے علم بغاوت بلند کیا اور سارے ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا۔

علاؤالدین کا انتقال

گجرات کی بغاوت کو کچلنے کے لیے بادشاہ نے ملک نائب کی رائے سے سید کمال الدین کرک کو روانہ کیا' لیکن الغ خاں کے حمائتیوں اور طرف داروں نے کمال الدین کو پکڑ کر بڑی بری طرح موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جیتپور کے حاکم نے بھی بغاوت کی اور شاہی ملازموں کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر انہیں قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ دکن میں ہرپال دیو نے' جو رام دیو کا داماد تھا' ہنگامہ کھڑا کیا اور بہت سے شاہی تھانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ علاؤالدین ان خبروں کو سن سن کر دل ہی دل میں بل کھا کر رہ جاتا۔ غم و الم کی اس فضا میں اس کی صحت کی دیوار گرتی ہی چلی گئی اور آخر کار ۶ شوال ۷۱۶ھ کی رات کو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بے شمار زر و جواہر اور دولت جو محمود غزنوی کو بھی میسر نہ ہوئی اور جسے علاؤالدین نے بڑی محنت سے جمع کیا تھا' دوسروں کے لیے چھوڑ گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ کی موت زہر خورانی سے ہوئی تھی' ملک نائب نے اسے زہر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ علاؤالدین خلجی کے زمانے میں چوراسی (۸۴) چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں اور ہر لڑائی میں یہ اقبال مند بادشاہ کامیاب و کامران رہا۔ علاؤالدین کی شان و شوکت کا اندازہ محض اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کے دربار میں ستر ہزار شاگرد پیشہ ملازم تھے۔ ان میں سات ہزار معمار' بیل دار اور گلکار تھے جو بڑی بڑی عمارت بھی دو ہفتے میں تیار کر لیتے تھے اور چھوٹی چھوٹی عمارتیں تو دو تین دن ہی میں تعمیر ہو جاتی تھیں۔ عمارت کی تعمیر کے لیے بادشاہ جتنے عرصے کا تعین کر دیتا تھا اس میں ایک لمحہ کی کمی بیشی نہ ہوتی تھی۔ علاؤالدین پہلا شخص ہے جس نے ہاتھی پر عماری رکھی اور اس پر سوار ہوا' علاؤالدین نے بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حکمرانی کی۔

شہاب الدین عمر بن علاؤ الدین خلجی

خاندان علائی پر ظلم

علامہ صدر جہاں گجراتی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ علاؤ الدین خلجی کے انتقال کے دوسرے روز ملک نائب نے تمام امرا اور ارکان سلطنت کو جمع کیا اور مرحوم بادشاہ کا وصیت نامہ پڑھ کر سب کو سنایا۔ خلجی کا وصیت نامہ یہ تھا "میں اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو اپنی ولی عہدی سے معزول کرتا ہوں اور اس کی جگہ اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔" ملک نائب نے شہزادے شہاب الدین کو تخت حکومت پر بٹھادیا اور خود اس سات سالہ فرماں روا کا نائب السلطنت بن بیٹھا۔ ملک نائب نے علاؤ الدین کے امراء کو اپنا ہم خیال سمجھا' جو کہ اس کی عاقبت نا اندیشی تھی۔ جلوس کے پہلے ہی دن ملک نائب نے ملک سہیل کو بارکبی کی عہدے پر مقرر کر کے گوالیار کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ خضر خاں اور شادی خاں کو اندھا کر دے۔ اس نمک حرام نے مرحوم بادشاہ کی عنایات کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور دونوں شہزادوں کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیں پھیر دیں اور ان کی ماں ملکہ جہاں کو قید میں ڈال دیا۔ اس مردود نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ شہاب الدین کی ماں سے نکاح بھی کر لیا۔

شیخ نجم الدین کا فیضان روحانی

ملک نائب یہ چاہتا تھا کہ خضر خاں اور شادی خاں کی طرح شہزادہ مبارک خاں کو بھی اندھا کر دے تاکہ وہ خود (ملک نائب) زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ شہزادہ مبارک کی والدہ بی بی مالک نے ایک شخص کو حضرت نجم الدین کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نجم الدین' حضرت شیخ احمد جامؒ کے بیٹوں میں بہت ہی ممتاز اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ بی بی مالک شیخ صاحب سے امداد کی طالب ہوئی۔ شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "تم کوئی فکر نہ کرو اور غیبی امداد کا انتظار کرو۔" یہ کہہ کر شیخ صاحب نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اسے الٹ کر دوبارہ اپنے سر پر رکھ لیا اور کہا "اب میں اس ٹوپی کو اسی وقت سیدھا کروں گا جب مبارک شاہ تخت حکومت پر بیٹھے گا۔"

ملک نائب کے عزائم

ملک نائب کا معمول تھا کہ وہ ہر روز تھوڑی سی دیر کے لیے شہاب الدین عمر کو محل سے لا کر ہزار ستوں کے کوٹھے پر تخت شاہی پر لا بٹھاتا اور امراء و ارکان دولت کو حکم دیتا کہ صف در صف ہاتھ باندھے ہوئے بادشاہ کے سامنے کھڑے رہیں۔ جب دربار ختم ہو جاتا تو ملک نائب شہاب الدین عمر کو اندر محل میں اس کی ماں کے پاس بھجوا دیتا' اور خود ایک خیمے کے اندر' جو ہزار ستون پر نصب کیا گیا تھا' خواجہ سراؤں کی ساتھ چوسر کھیلنے میں مشغول ہو جاتا۔ ملک نائب ہر وقت علاؤالدین خلجی کے خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے منصوبے باندھتا رہتا اور اپنے ساتھیوں سے اسی سلسلے میں مشورے کرتا رہتا۔

شہزادہ مبارک کے قتل کی کوشش

ایک رات ملک نائب نے چند خواجہ سراؤں کو' جو اس رات ہزار ستون کی حفاظت کے لیے متعین تھے' خفیہ طریقے سے مبارک شاہ کی مجلس میں بھیجا تاکہ یہ لوگ مبارک شاہ کو قتل کر دیں۔ جب یہ خواجہ سرا' مبارک شاہ کے پاس پہنچے تو شہزادے نے اپنے گلے سے جڑاؤ گلوبند اتار کر ان کو دیا اور انہیں اپنے باپ کی مہربانیاں یاد دلائیں۔ شہزادے کی گفتگو سے خواجہ سرا بہت نادم ہوئے اور اپنے ارادے سے باز آ گئے اور جیسے گئے تھے ویسے ہی لوٹ آئے۔ واپس آ کر انہوں نے اپنے سرداروں بشیر اور مبشر سے سارا قصہ کہا اور شہزادے کا

جڑاؤ گلوبند ان کے حوالے کر دیا۔ چونکہ مبارک شاہ کی قسمت میں بادشاہت لکھی تھی' اس لیے بشیر اور مبشر اور ان کے تمام ساتھی شہزادے کے قصے سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مبارک شاہ کے دشمنوں کو اسی رات موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ملک نائب کا قتل

جب رات اپنے شباب پر آگئی اور تمام لوگ ادھر ادھر چلے گئے اور بادشاہی محل کے تمام دروازے بند ہوگئے تو بشیر اور مبشر ملک نائب کی خواب گاہ میں جا گھسے اور انہوں نے ملک نائب اور اسکے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ علاؤ الدین خلجی کی وفات کے پینتیس (۳۵) روز بعد پیش آیا۔ ملک نائب کے قتل کے بعد ان خواجہ سراؤں نے مبارک کو قید سے آزاد کیا اسے شہاب الدین عمر کی نیابت پر مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے دو (۲) ماہ تک تو اپنے چھوٹے بھائی کی نیابت کی' لیکن آخر کار اس نے امراء اور ارکین سلطنت سے مشورہ کر کے شہاب الدین عمر کو بادشاہت سے معزول کر دیا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

مبارک شاہ نے شہاب الدین عمر کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور اسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ شہاب الدین عمر نے تین مہینے سے کچھ زیادہ عرصے تک حکمرانی کی۔ جس زمانے میں علاؤالدین خلجی کی اولاد پر اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں مظالم ہو رہے تھے ان دنوں کسی شخص نے شیخ بشیر مجذوب سے سوال کیا۔ علاؤالدین خلجی کے خاندان کی تباہی و بربادی کا سبب کیا ہے؟ بشیر مجذوب نے جواب دیا "یہ سب اسی نمک حرامی کا وبال ہے جو علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا اور مہربان آقا جلال الدین خلجی سے کی تھی۔"

قطب الدین مبارک شاہ خلجی

قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی ۸ محرم ۷۱۷ھ کو عمل میں آئی- ملک نائب کے قتل کے بعد بشیر اور مبشر نے جو خواجہ سراؤں کے سردار تھے' میدان خالی پا کر بڑی شورش بپا کی اور ان خود سروں سے کچھ ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوئیں کہ مبارک شاہ نے مجبور ہو کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے ساتھیوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر ان کی جماعتی قوت کو منتشر کر دیا- خواجہ سراؤں کے ہنگامے سے نجات حاصل کرنے کے بعد مبارک شاہ نے امرا و اراکین سلطنت کو اپنا بنانے کی کوشش کی- اس نے ہر امیر کو اس کی حیثیت کے مطابق خلعت اور انعام سے سرفراز کیا اور بہت سوں کو طبل و علم سے بھی نوازا' مبارک شاہ نے اپنی قدیم نمک خواروں کو ان کی پرانی خدمتوں پر حسب سابق بحال رکھا اور ان کو بھی جاگیریں وغیرہ عطا کیں-

خطابات اور عہدوں کی تقسیم

اس کے بعد مبارک شاہ نے امراء میں خطابات اور عہدے تقسیم کیے- ملک دینار شحنہ پیل کو "ظفر خاں" کا خطاب دیا گیا- مبارک شاہ کے چچا محمد مولائی کو "شیر شاہ" اور مولانا شہاب الدین کے مشہور بیٹے مولانا ضیاء الدین کو "صدر جہاں کے خطابات دیے گئے- ملک قرابیگ کو مبارک شاہ نے اپنا مقرب خاص بنایا- پردار قوم کے ایک شخص کو جس کا نام حسن تھا اور جو گجرات کا مشہور پہلوان تھا- اس پر بادشاہ نے عنایت کی خاص نظر کی- نیز ملک شادی' نائب خاص جو علاؤالدین خلجی کا پروردہ پرداختہ تھا' اسے "خسرو خاں" کا خطاب دیا گیا- مبارک شاہ حسن پر بہت مہربان ہوا اور اس سے ایسی محبت کرنے لگا کہ اسے بڑے بڑے اعزازات سے نوازا اور یہ دیکھے بغیر کہ اس نوجوان شخص میں انتظامی امور کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے بھی یا نہیں' وزارت کا اہم عہدہ بھی اسی کے سپرد کر دیا-

قیدیوں سے ہمدردی

قطب الدین مبارک شاہ کی زندگی کا ابتدائی حصہ چونکہ قید خانے میں بسر ہوا تھا اور اس وقت اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا' اس لیے جب اس نے عنان حکومت سنبھالی تو اسے قیدیوں سے خاص ہمدردی پیدا ہوئی- نیز وہ اپنی رعایا اور اراکین سلطنت کے ساتھ انتہائی مہر و مروت اور اخلاق کے ساتھ پیش آتا- مبارک شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ حکم دیا کہ ستر (۷۰) ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے- جلال الدین خلجی کی جو تھوڑی بہت اولاد باقی رہی تھی' مبارک شاہ نے اسے ملک کے چاروں اطراف سے طلب کیا اور ان لوگوں کو گراں بہا عطیوں اور وظیفوں سے نوازا- اس نے اپنے تمام ملازمین اور خدمت گزاروں کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی-

رعایا پر لطف و کرم

مبارک شاہ نے امراء اور باجگذاروں فرمانرواؤں کے مناصب اور ان کی جاگیروں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا- جو لوگ غربت و ناداری کی وجہ سے در در بھیک مانگتے پھرتے تھے' ان پر شاہی عنایات اس قدر ہوگئیں کہ وہ خود صاحب بخشش بن گئے- الغرض ایک مدت کے بعد لوگوں نے دولت کا منہ دیکھا' ضرورت مند لوگ بادشاہ کی خدمت میں تحریری گزارشات پیش کرتے' بادشاہ ان عرضیوں کو پڑھ کر لوگوں کی ضروریات پوری کر دیتا- علماء و فضلاء اور صوفیوں' درویشوں وغیرہ کے روزینوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا- علاؤالدین خلجی کے عہد میں جن دیہاتوں کو زمینداروں اور جاگیرداروں کی ملکیت سے نکال کر شاہی ملک بنا دیا تھا' مبارک شاہ نے انہیں اصل مالکوں کو واپس کر دیا- خراج اور دیگر مطالبات کی زیادتی جو علاؤالدین کے عہد سے چلی آ رہی تھی اسے ختم کر دیا گیا- جاہ و منصب کی محبت اور دنیاوی

لذائذ کی ہوس، جو علاؤالدین کی سخت گیری کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی، اسے نئی زندگی ملی۔ الغرض مبارک شاہ نے اپنے باپ کے قائم کردہ تمام سخت قاعدوں کو اپنی نرمی سے ختم کر دیا۔

علاؤالدین خلجی نے (جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے) ملکی مصالح کے پیش نظر ہر چیز کا نرخ مقرر کر دیا تھا، لیکن مبارک شاہ کے عہد حکومت میں ایسا نہ ہو سکا اور اشیاء کے نرخوں کا سرکاری طور پر تعین نہ کیا جا سکا۔ بظاہر شراب نوشی ممنوع تھی، مگر چونکہ خود بادشاہ کی محفل شراب و ساقی سے گرم رہتی تھی اس لیے رعایا کو بھی اس ممانعت کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی۔ کیا امیر اور کیا غریب، سبھی فسق و فجور میں مبتلا تھے، شرع کے خلاف عمل کرنے میں علاؤالدین خلجی نے جو کمی کی تھی، مبارک شاہ نے اس کی پوری پوری تلافی کر دی۔

گجرات میں بغاوت

اسی زمانے میں گجرات کا واقعہ پیش آیا اس تمام علاقے میں بغاوت پھیل گئی اس بغاوت کو کچلنا بہت ضروری تھا ورنہ سلطنت کا استحکام خطرے میں تھا۔ مبارک شاہ نے عین الملک ملتانی کو جو علاؤالدین خلجی کے معتبر سرداروں میں سے تھا، ایک زبردست فوج کا سردار بنا کر گجرات روانہ کیا۔ عین الملک نے علائی عہد میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے۔ اس نے گجرات پہنچ کر باغیوں کو شکست دی اور نہروالہ اور گجرات کے علاقوں کو از سر نو مبارک شاہ کی سلطنت میں شامل کیا۔ اس علاقے کے قرب و جوار کے زمینداروں کو بادشاہ کا اطاعت گزار بنا کر عین الملک واپس دہلی آیا۔

عین الملک کی واپسی کے بعد قطب الدین مبارک شاہ نے ظفر خاں کی بیٹی سے شادی کر لی اور ظفر خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ ظفر خاں نے گجرات پہنچ کر تین چار ماہ کے اندر ہی تمام فسادوں اور فتنہ انگیزوں کے چھکے چھڑا دیے اور انہیں ایسا تباہ و برباد کیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ ظفر خاں نے اس علاقے کے راجاؤں اور زمینداروں سے بے شمار زر و جواہر اور مال حاصل کیا اور یہ سب مال و دولت شاہی غنیمت خانے میں بھجوا دیا۔ علاؤالدین کی وفات کے بعد راجہ رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے دکن کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر مرہٹواڑی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مرہٹ پر قابض ہو جانے کے بعد ہرپال دیو نے شاہی عہدہ داروں کو شہر سے نکال دیا اور خود دیوگڑھ کے قلعے کے محاصرے میں مشغول ہو گیا۔

دیوگڑھ پر حملہ

قطب الدین مبارک شاہ کو جب ہرپال دیو کی ان ناشائستہ حرکات کا علم ہوا تو اس نے ایک دانشمند غلام بچے کو، جس کا نام شاہین تھا۔ "وفا بیگ" کا خطاب دیا اور اسے اپنا نائب بنا کر دہلی میں چھوڑا اور خود ایک زبردست لشکر لے کر دیوگڑھ پر حملہ آور ہوا۔ یہ واقعہ مبارک شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال کا ہے۔ جب شاہی فوج دیوگڑھ کے قریب پہنچی اور ہندوؤں نے اسلامی فوج کی کثرت اور متعلقہ سامان کی فراوانی کا حال سنا تو ہرپال دیو اور اس کے ساتھی، بادشاہ کے مقابلے کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ مبارک شاہ نے جب میدان خالی دیکھا تو اس نے اپنے چند امراء کو ہندو راجاؤں کے پیچھے دوڑایا، ان امیروں نے بڑی محنت اور کوشش سے ہندوؤں کی بھاگتی ہوئی فوج کو قتل کیا اور ہرپال دیو کو زندہ گرفتار کر کے مبارک شاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہرپال کی کھال کھینچ کر اس کا سر دیوگڑھ کے قلعے کے دروازے میں لٹکا دیا جائے۔

خسرو خاں کا اعزاز

اسی دوران برسات کا موسم آ گیا اور مبارک شاہ کو مجبوراً کچھ عرصہ تک دیوگڑھ ہی میں ٹھہرنا پڑا، بادشاہ نے اپنے دوران قیام میں مرہٹواڑی پر پوری طرح قبضہ کر لیا اور دیوگڑھ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی جو آج تک موجود ہے۔ گلبرگہ، ساغر، دسور اور سمندر وغیرہ مشہور شہروں پر بادشاہ نے پاسبانوں کے پہرے بھی بٹھائے اور ملک بیگ لکھی ("بیگ لکھی" غلط ہے "یک لکھی" ہونا چاہیے) کو جو

علاؤالدین کے ممتاز غلاموں میں سے تھا' دکن کا سپہ سالار مقرر کیا- اس کے بعد مبارک شاہ نے مرہٹواڑی کو اپنے امراء میں بطور جاگیر تقسیم کیا اور اپنے باپ کی طرح معشوق پرستی میں مشغول ہو کر خسرو خاں کے ناز اٹھانے لگا- مبارک شاہ نے خسرو خاں کو لوازمات شاہی یعنی چترو دورباش وغیرہ عطا کر کے اور اپنے معتبر امراء کا سردار بنا کر مالا بار کی طرف روانہ کیا اور خود دہلی واپس روانہ ہوا-

قتل کی سازش

راستے میں مبارک شاہ نے خوب جی بھر کر شراب نوشی کی اور اپنی اس عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ جان و مال سے لاپروا' مستی و کیف میں غفلت کی زندگی گزارنے لگا- علاؤالدین کے چچا زاد بھائی ملک اسدالدین نے جب بادشاہ کو اس عالم میں دیکھا تو اس کے دل میں بادشاہت کا خیال آیا اور وہ اسی کے خواب دیکھنے لگا- اس نے بادشاہی چوبداروں سے مل کر سازش کی اور یہ طے پایا کہ جب مبارک شاہ کاتی ساگون سے گزر کر حرم سرا میں داخل ہونے لگے تو اس وقت اس کو قتل کر دیا جائے- جب بادشاہ حرم سرا میں داخل ہونے لگا تو اس وقت کوئی محافظ اور چوبدار ساتھ نہ ہوگا ایسے عالم میں اسے قتل کرنا آسان ہوگا- جس رات بادشاہ کاتی ساگون سے گزرنے والا تھا' اسی رات ملک اسدالدین کے ایک اہم راز دار نے ساری بات بادشاہ کو بتا دی اور سازش کا تمام پول کھول دیا- اسی وقت بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دیا واقعہ سچا تھا اس لیے مبارک شاہ پر واضح ہوگیا کہ مخبر نے صحیح اطلاع دی ہے- اسدالدین کو گرفتار کر کے بادشاہی حکم سے قتل کیا گیا- اس کے علاوہ بیس دوسرے افراد بھی' جو اس کے ساتھی تھے' موت کے گھاٹ اتارے گئے- ان لوگوں میں کچھ بے گناہ بھی تھے اور وہ دہلی سے کبھی باہر بھی نہ نکلے تھے-

شہزادوں کا قتل

مجرموں کو سخت سزائیں دینے کے بعد مبارک شاہ نے کاتی ساگون کا سفر کیا اور جھائن پہنچا- یہاں پہنچ کر بادشاہ نے سلاحداروں کے سردار شادی کہنہ کو گوالیار کی طرف روانہ کیا- شادی کہنہ نے گوالیار پہنچ کر دونوں اندھے شہزادوں خضر خاں اور شادی خاں اور ملک شہاب الدین کو قتل کیا' اور ان کے بیوی بچوں کو لے کر دہلی آگیا- خضر خاں کی بیوی دیولدی (جس کا قصہ بیان کیا جا چکا ہے) مبارک شاہ کے حرم میں داخل کی گئی-

مبارک شاہ کی عاقبت نااندیشی

جب مبارک شاہ نے دیکھا کہ گجرات اور دکن' بلکہ تمام ہندوستان اس کے قبضے میں آگیا ہے- تمام امراء اور باجگذار حاکم اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرنے لگے ہیں اور حکومت کے تمام مدعی قتل کیے جا چکے ہیں تو اس نے احتیاط اور عاقبت اندیشی کا دامن چھوڑ کر بے احتیاطی اور غفلت کو اپنا شعار بنایا- شراب اور غرور کے نشے میں وہ کچھ ایسا مست ہوا کہ اسے کسی کی پروا نہ رہی- نہ کسی ہمدرد اور بہی خواہ کے کسی مشورے پر عمل کرتا اور نہ ہی کسی وفادار امیر کی کوئی گزارش سنتا- اگر کوئی امیر بادشاہ کی خیر خواہی میں کوئی بات بادشاہ کی رائے کے خلاف کہتا تو مبارک شاہ نہ صرف یہ کہ اس کی رائے کو رد کر دیتا بلکہ اسے خوب جی بھر گالیاں بھی دیتا- اس بنا پر کسی حاشیہ نشین کو یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ محض اشارے کنائے ہی سے بادشاہ کی خیر خواہی کا دم بھر سکے-

بے گناہوں پر ظلم

الغرض مبارک شاہ نے ایک دم اپنی تمام اچھی عادتوں کو ترک کر دیا اور ان کی جگہ قبیح عادات اختیار کر لیں' اس کا غصہ اور ظلم پسند سرشت اپنے شباب پر آگئی اور اپنے باپ کی طرح اس نے بھی بے گناہوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیے- گجرات کا حاکم ظفر خاں' جو حکومت کا ایک اہم ستون تھا' بے گناہ مارا گیا- اس کے بعد ملک شاہین کے برے دن آئے یہ وہی امیر تھا جسے خود مبارک شاہ نے "وفا بیگ" کا خطاب دیا تھا' افسوس کہ اسے بھی مطلب پرستوں نے چغلیاں کھا کر مبارک شاہ کے فرمان سے قتل کروا دیا- مختصر یہ کہ

بادشاہ کا ہر عمل اس کے زوال کا پیش خیمہ نظر آنے لگا۔

حضرت محبوب آلہیؒ سے عداوت

مبارک شاہ کو حضرت محبوب آلہیؒ سے بھی عداوت ہوگئی' اس کی وجہ یہ تھی کہ مبارک شاہ کے مقتول بھائی خضر خاں کو حضرت محبوب آلہیؒ سے بڑی عقیدت تھی' مبارک شاہ حضرتؒ کی شان میں گستاخانہ حرکتیں کرنے لگا۔ شیخ زادہ جام کو بادشاہ نے اپنے مقربین خاص میں شامل کر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ زادہ جام حضرت محبوب آلہیؒ کے مخالفین میں سے تھے۔ شیخ زادہ جام کی درخواست پر حضرت رکن الدین کو ملتان سے بلوایا گیا وہ جب آئے تو شاہی دربار میں ان کی بہت عزت کی گئی۔

بازاری عورتوں کی فراوانی

مبارک شاہ کی بری حرکتیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ وہ اکثراوقات عورتوں کی طرح زیور پہن لیتا تھا اور اسی عالم میں مجمع میں آکر لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں بازاری اور گھٹیا عورتیں ہروقت جمع رہتی تھیں اور بادشاہ کے اشارے سے عین الملک اور قراء بیگ جیسے نامی گرامی اور ممتاز معزز امراء سے ہنسی مذاق کر کے ان کی بے عزتی کیا کرتی تھیں۔ مبارک شاہ اس انداز سے اپنے امراء کو ناراض کر کے بہت خوش ہوتا تھا۔ یہ عورتیں مبارک شاہ کی حکومت اور اس کے خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے تمام اسباب مہیا کرتی تھیں۔

حسام الدین کا حاکم گجرات ہونا

ظفر خاں کے قتل کے بعد گجرات کی حکومت حسام الدین کے سپرد کی گئی' جو ماں کی طرف سے خسرو خاں کا بھائی تھا۔ اپنے بھائی کی طرح حسام الدین بھی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑا رسوخ پاگیا۔ جب کبھی خسرو خاں موجود نہ ہوتا تو اس کی جگہ حسام الدین ہی بادشاہ کا دل خوش کرتا۔ جب حسام الدین گجرات پہنچا اور اس کے رشتہ دار اور بہی خواہ پٹن اور دیگر علاقوں سے آ آکر اس کے گرد جمع ہونے لگے تو اس کے ذہن میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ گجرات کے اراکین سلطنت کی مخالفت کرنے لگا۔ ان امراء کے اقتدار اور قوت میں چونکہ ابھی تک کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی' اس لیے وہ حسام الدین کی مخالفت برداشت نہ کر سکے' ان سب نے آپس میں مل کر حسام الدین کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ حسام الدین اسی قید کی حالت میں شاہی دربار میں پہنچا۔ بادشاہ کی نظر جونہی اس کے چہرے پر پڑی تو بادشاہ کے دل میں محبت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس نے اسی وقت حسام الدین کو رہا کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مبارک شاہ حسام الدین سے پوچھ گچھ کرتا لیکن اس نے اس کی بجائے اسے عنایات شاہی سے سرفراز کیا اور گجرات کے امراء کی شکایات کو نظرانداز کر دیا۔ گجراتی امراء کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مبارک شاہ کے حالات پر بہت افسوس کیا۔ حسام الدین کے بعد گجرات کا حاکم ملک وجیہ الدین قریشی کو بنایا گیا۔

ملک قریشی کو اگرچہ گجرات کی حکومت کا بندوبست کرنے اور ملک میں امن و امان بحال کرنے میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پھر بھی اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور گجرات ایک بار پھر امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔

دکن میں بغاوت

انہیں ایام میں خبر ملی کہ دکن میں ملک بیگ لکھی نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے چند قابل امراء کی نگرانی میں ایک زبردست فوج ملک بیگ لکھی کی سرزنش کے لیے دیوگڑھ روانہ کی۔ ان امراء نے بڑی ہمت اور محنت سے کام لیا اور ملک بیگ لکھی اور دوسرے باغیوں کو زندہ گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے۔ بادشاہ نے ملک بیگ کو تو یہ سزا دی کہ اس کے کان اور ناک کاٹ کر اسے رہا کر دیا' لیکن اس کے ساتھیوں کو بڑی بری طرح اذیتیں دے دے کر قتل کیا۔

ملک بیگ کو ٹھکانے لگانے کے بعد مبارک شاہ نے دیوگڑھ کی حکومت عین الملک ملتانی کے سپرد کی اور ملک تاج الدین ابن خواجہ علاؤالدین کو اس صوبے کا مشرف مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے ملک وجیہ الدین کو گجرات سے بلا کر "تاج الملک" کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے وزیر السلطنت بنایا۔

خسرو خاں کا مالا بار پہنچنا

خسرو خاں جب مالا بار پہنچا تو وہاں کے حاکم شاہی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور اپنا خزانہ و مال و اسباب لے کر کسی سمت فرار ہوگئے۔ ایک سوداگر جس کا نام علی نقی تھا وہ کہیں نہ گیا اور اس خیال سے کہ شاہی فوج کا سردار مسلمان ہے اور لشکری بھی ہم مذہب ہیں' اس لیے وہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے' علی نقی مالا بار ہی میں رہا' لیکن بے چارے کا یہ خیال غلط نکلا۔ خسرو خاں نے اس سے زبردستی بے شمار دولت حاصل کی اور آخر میں اسے تہ تیغ کر دیا' مالا بار سے شاہی لشکر تلنگانہ پہنچا۔

حاکم تلنگانہ پر تشدد

راجہ تلنگا بھی شاہی لشکر کے مقابلے پر نہ آ سکا اور قلعہ بند ہوگیا۔ خسرو خاں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگا۔ جب خسرو خاں کا تشدد حد سے بڑھ گیا تو راجہ نے مجبور ہو کر ایک سو ایک ہاتھی اور دیگر گراں قدر تحائف خسرو خاں کی خدمت میں بھیج کر اپنی اور اپنی رعایا کی جان بچائی۔ تلنگانہ سے خسرو خاں کتلی کی طرف آیا اور یہاں سے بھی ایک (چھ) درم وزن کا الماس اور بیس ہاتھ حاصل کرتا ہوا مالا بار واپس پہنچا۔ برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا' خسرو خاں نے یہ پورا موسم یہیں بسر کیا۔

خسرو خاں کا خیال خام

مالا بار کے قیام کے دوران میں خسرو خاں بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا اور بغاوت و سرکشی کا سودا اس کے سر میں سما گیا۔ اس نے اپنے تمام نامی گرامی امراء کو موت کے گھاٹ اتار کر زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کی سوچی اور سارے ملک پر قابض ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے کہ خسرو خاں اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا امراء کو اس کے ارادوں کی اطلاع ہوگئی۔ گودا نامی جزیرے کے حاکم ملک تلبغہ' چندیری کے حاکم ملک تیمور اور ملک کل افغان وغیرہ نامی گرامی امراء نے آپس میں مل کر خسرو خاں کو یہ پیغام دیا کہ اس ناممکن خیال کو اپنے دل سے نکال دو اور اس سے پہلے کہ تمہارا یہ راز فاش ہو جائے تمہیں جلد از جلد دہلی واپس چلے جانا چاہیے۔ جب خسرو خاں کو یہ پتہ چلا کہ اس کا راز وقت سے پہلے ہی طشت ازبام ہوگیا ہے اور مالا بار میں اب ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے تو اس نے مجبور ہو کر یہاں کی حکومت چند امیروں میں تقسیم کی اور دہلی کی طرف چل پڑا۔ مالابار کے امراء نے یہ سوچ کر کہ بادشاہ ان کی کارگزاری اور حق شناسی کی داد دے گا' تمام حالات لکھ کر مبارک شاہ کی خدمت میں بھجوا دیے' لیکن مبارک شاہ تو خسرو خاں کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ امیروں کا معروضہ پڑھتے ہی اس نے جواب لکھا کہ خسرو خاں جس جگہ پہنچے اسے فوراً پالکی میں سوار کر کے دوسری منزل تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد دہلی پہنچ جائے۔

خسرو خاں کی عیاری

تمام امراء نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور خسرو خان کو سات روز میں دیوگڑھ سے دہلی پہنچا دیا۔ خسرو خاں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور یہ دیکھ کر کہ بادشاہ حسب سابق اس پر مہربان ہے' مکاری سے کام لیا اور زار و قطار رونے لگا اور کہا "چونکہ امراء شاہی میری شان و شوکت کو اپنی توہین کے مترادف سمجھتے ہیں' اس لیے انہوں نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے مجھ پر نمک حرامی کا زبردست الزام لگایا ہے۔ مبارک شاہ نے خسرو کے اس جھوٹ کو جوش محبت میں آ کر سچ سمجھا اور اپنے بہی خواہ امراء سے ناراض ہوگیا۔ خسرو خاں کے پہنچنے کے دو ایک روز بعد یہ امراء بھی دہلی پہنچے اور دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ ان امیروں نے بادشاہ خسرو کے فاسد خیالات اور غلط ارادوں

کی شکایت کی اور اپنی تائید میں بہت سے معتبر گواہ بھی پیش کیے' لیکن بادشاہ نے سچے امیروں کی کوئی بات نہ سنی اور الٹا ان سے لڑنے لگا۔ مبارک شاہ نے ناراض ہو کر ان امیروں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور سلسلہ سلام بند کر دیا۔

امراء پر عتاب

مبارک شاہ نے چندیری کے حاکم کو صوبہ داری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے کو حاکم چندیری مقرر کیا۔ ملک تلیغہ کی تمام جاگیر ضبط کر لی اور اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ جن لوگوں نے خسرو خاں کے خلاف گواہیاں دی تھیں' ان پر بہت مظالم توڑے گئے اور خوب مارا پیٹا گیا اور طرح طرح سے ان کی رسوائی کی گئی۔ الغرض ان تمام حالات سے یہ روشن ہو گیا کہ خسرو خاں کے خلاف منہ سے کوئی بات نکالنا اپنے آپ کو کنویں میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ درباری امراء نے جب یہ عالم دیکھا تو ان میں سے کئی امراء کسی نہ کسی بہانے سے رخصت لے کر دور دراز کے علاقوں میں چلے گئے اور بعضوں نے خسرو خاں کی حلقہ بگوشی ہی میں خیریت دیکھی اور وہ اسی ڈھنگ سے زندگی بسر کرنے لگے۔

خسرو خاں کی حرکات

مبارک شاہ کا یہ عالم تھا کہ وہ خسرو خاں کی محبت میں بالکل دیوانہ ہوا جا رہا تھا اس کے بغیر اسے ایک ایک لمحہ بھاری گزرتا تھا۔ خسرو خاں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ اس کی محبت میں بالکل اندھا ہو گیا ہے تو اس کے دل میں بادشاہت کرنے کا خیال از سرنو بیدار ہوا اور اپنے اس ارادے کی عملی تشکیل کے لیے اس نے کارروائیاں شروع کر دیں۔ بہاء الدین دبیر نے خسرو خاں کا ساتھ دیا یہ امیر بادشاہ سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ ایک بار بادشاہ نے اس کی بے عزتی اور توہین کی تھی۔ ایک روز خسرو خاں نے تنہائی میں موقع پا کر بادشاہ سے کہا۔ ''حضور کبھی کبھی مجھ نمک خوار پر مہربانی فرما کر دور دراز کے ممالک کی فتح کا اہم فریضہ سونپتے ہیں' اس قسم کی مہمات میں چونکہ یہ خادم لشکر کا سردار ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر درباری امراء اپنی شرافت نسبی اور عالی خاندانی کے پیش نظر میری سرداری کو اپنی توہین سمجھتے ہیں' اگر حضور اجازت دیں تو میں اپنے خاندان کے ان گنت لوگوں کو جمع کر کے ایک زبردست لشکر تیار کر لوں جو میری ماتحتی میں اس قسم کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے سکے۔''

خسرو خاں کی قوت

مبارک شاہ نے خسرو خاں کی درخواست کو بڑی محبت کے ساتھ اسی وقت منظور کر لیا۔ اس کے بعد خسرو خاں نے گجرات کے بے شمار خانہ بدوش ہندوؤں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے لشکر میں بھرتی کر لیا۔ اس نے بیس (۲۰) ہزار گجراتیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر لیا۔ اسنے اپنے جمع کردہ روپے سے اس لشکر کے گھوڑے اور سامان اسلحہ وغیرہ خریدا اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ ان گجراتیوں کے علاوہ خسرو خاں کے دوسرے بہی خواہ اور ہمدرد بھی اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس طرح اس کا لشکر چالیس (۴۰) ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہو گیا۔

یوسف صوفی کا مشورہ

خسرو خاں نے قمرہ قمارا اور یوسف صوفی جیسے دہلی کے بدمعاشوں اور مفسدوں کو اپنے ساتھ ملا کر مبارک شاہ کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا۔ انہیں دنوں بادشاہ سیر سادہ کی طرف شکار کھیلنے کے لیے گیا۔ خسرو خاں نے سوچا کہ اس موقع پر اپنا مقصد پورا کیا جائے اور بادشاہ کو عین شکار گاہ میں قتل کر دیا جائے لیکن یوسف صوفی نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا ''اگر ہم نے راستے میں بادشاہ کو قتل کیا تو شاہی لشکر ہمارے خلاف ہو جائے گا اور ہمیں تباہ و برباد کر دے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی روز موقع پا کر بادشاہ کو شاہی محل ہی میں موت کے گھاٹ اتاریں اور تمام امراء کو اپنے پاس بلا کر نظر بند کر لیں۔ اگر یہ امراء بادشاہ کے خون کا انتقام نہ لیں اور ہماری اطاعت کے دائرے میں

داخل ہو جائیں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے' ورنہ انہیں بھی بادشاہ کی طرح قتل کر دیا جائے۔"

ایک نئی تدبیر

یوسف صوفی کا یہ مشورہ خسرو خاں کو بہت پسند آیا اور اس نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوششوں کا آغاز کر دیا۔ قطب الدین شکار سے واپس آیا اور حسب عادت عیش پرستی اور لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ خسرو خاں اس سے جو بات بھی کہتا تھا وہ فوراً بلاچون وچرا مان لیتا تھا۔ ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا "میں اکثر اوقات بہت رات گئے تک حضور کے ساتھ رہتا ہوں جب رخصت ملتی ہے تو اس وقت اپنے مکان پر جانا بہت مشکل نظر آتا ہے' اس لیے مجبور ہو کر میں حضور کے محل کے کسی کونے میں پڑا رہتا ہوں اور رات کا باقی حصہ بسر کر دیتا ہوں۔ میرے عزیز اور رشتہ دار جو مجھ سے ملاقات کرنے اور مجھے دیکھنے کے لیے دور دراز مقامات سے یہاں آتے ہیں وہ کئی کئی دن میرا انتظار کرتے ہیں' مگر پھر بھی ان سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ اگر حضور اس امر کی اجازت دیں کہ میرے ملاقاتی رات کے وقت بغیر کسی روک ٹوک کے شاہی قصر میں چلے آیا کریں تو بڑی نوازش ہوگی' اگر ایسا ہو گیا تو پھر میں بھی تمام رات حضور کی خدمت میں حاضر رہا کروں گا۔"

خسرو خاں کا شاہی حرم سرا کی چابیاں حاصل کرنا

قطب الدین نے بغیر کسی حیل وحجت کے اس درخواست کو منظور کر لیا اور شاہی حرم سرا کی چابیاں خسرو خاں کے سپرد کر دیں اور اس سے کہا "بھلا تجھ سے اور تیرے ہم قوم جوانوں سے بڑھ کر میرے لیے اور کون صاحب اعتبار ہو سکتا ہے میں آج سے شاہی دولت خانے کے تمام انتظام تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔" شاہی حرم سرا کے دروازوں کے چابیاں حاصل کرتے ہی خسرو خاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ شاہی تخت پر بیٹھنے کے دن اب قریب آ گئے ہیں۔ جب شاہی بارگاہ پوری طرح خسرو خاں کے قبضے میں آ گئی تو اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گروہ کے گروہ اسلحہ سے آراستہ ہو کر رات دن خسرو خاں کے شبستان میں چکر لگانے لگے۔ بادشاہ کی بہی خواہوں اور ہمدردوں نے خسرو خاں کے تیور پہچان لیے' لیکن کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ بادشاہ سے کچھ کہہ سکے۔ کیونکہ سبھی کو معلوم تھا کہ خسرو خاں کی محبت میں بادشاہ بالکل اندھا ہو چکا ہے اور وہ اس کے خلاف کوئی بات سننے پر تیار نہ ہوگا۔

قاضی خاں کی حق گوئی

جب یہ خطرناک فضا پوری طرح جم گئی اور بادشاہ کے قتل میں دو روز باقی رہ گئے تو قاضی ضیاء الدین عرف قاضی خان نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ قاضی خاں اپنے علم و فضل کی وجہ سے سارے ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کی بہت عزت کی جاتی تھی وہ مبارک شاہ کے استاد ہونے کا فخر بھی رکھتے تھے۔ وہ شاہی حرم سرا کے اندرونی اور بیرونی دروازوں کے کلید بردار بھی تھے' انہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بادشاہ کے حضور میں درخواست کی کہ "خسرو خاں کے دغا باز اور اس کے مفسدانہ ارادوں سے تمام اہل دربار پوری طرح واقف ہو گئے ہیں۔ ہم بھی خواہاں سلطنت کی یہ خواہش ہے کہ حضور اس بات کی تحقیقات فرمائیں۔ اگر ہمارا بیان غلط ہو تو خسرو خاں کے مرتبے اور اعزاز میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیجیے' لیکن اگر ہم جان نثاروں کا کہنا درست ہو تو پھر آپ اپنی جان کی حفاظت کیجیے۔ سلطنت کے انتظامات احتیاط اور دور اندیشی کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتے۔ چونکہ ان دنوں خسرو خاں ہر وقت حضور کے پاس موجود رہتا ہے اس وجہ سے حضور اپنے انجام سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔" قاضی صاحب نے اگرچہ بڑی خوش اسلوبی سے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کیا تھا لیکن بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے قاضی صاحب کی کوئی بات نہ مانی بلکہ ان کو سختی سے ڈانٹ دیا۔

اسی دوران میں خسرو خاں عورتوں کا لباس پہنے ہوئے بادشاہ کے سامنے آیا۔ قاضی صاحب تو مایوس ہو کر بادشاہ کے سامنے سے چلے گئے اور مبارک شاہ نے سارا واقعہ خسرو خان سے بیان کر دیا یہ سن کر خسرو خاں نے چالاکی سے کام لیا اور مکر سے رونے لگا اور کہا۔

"چونکہ حضور کی عنایات میرے حال پر بہت زیادہ ہیں' اس لیے تمام درباری مجھ سے حسد کرنے لگے ہیں اور اس وجہ سے میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک یہ درباری میری جان نہ لے لیں گے اس وقت تک انہیں چین نہ آئے گا۔" خسرو خاں کو روتا دیکھ کر بادشاہ کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔ بادشاہ نے خسرو خاں کو گلے سے لگالیا اور کہا "تم بالکل فکر نہ کرو اور اپنی جگہ مطمئن رہو۔ میں اپنی تمام شان و شوکت' مال و دولت اور سلطنت تیرے ایک ایک موئے بدن پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میں ان چغل خور امراء کی بدگوئی کو قطعاً خیال میں نہیں لاتا۔" اس گفتگو کے بعد مبارک شاہ نے خسرو خاں کو رخصت کر دیا اور خود شاہی حرم سرا میں داخل ہوگیا۔

قاضی خاں کا قتل

اس واقعے کی دوسری رات خسرو خاں کے تمام نمک حرام ساتھی' دربار شاہی کے انعقاد کے بہانے سے ہزار ستون میں آئے اور کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب رات کچھ گزر گئی اور ہر طرف ایک سناٹا سا چھا گیا اور ہر شخص سونے کے لیے اپنے بستر پر دراز ہوگیا اور ان امراء کے علاوہ کہ جن کی پاسبانی ہزار ستون پر تھی' اور کوئی محافظ نہ رہا تو قاضی خاں پاسبانوں کی حاضری لینے کے لیے ہزار ستون میں داخل ہوئے۔ صندل نام کے ایک شخص نے جو خسرو خاں کا چچا تھا' قاضی صاحب کو باتوں میں لگالیا اس نے قاضی صاحب کو اپنے ہاتھوں سے ایک گلوری پان کی دی' چونکہ قاضی صاحب کا آخری وقت آن پہنچا تھا اس لیے وہ اس عیار شخص کی باتوں میں آگئے اور ہر قسم کے خطرات سے غافل ہو کر اس سے گفتگو کرتے رہے۔ قاضی صاحب کے قتل کی تجویز پہلے سے باقاعدہ سوچی سمجھی تھی' جاہر نام کا ایک پرواری شخص اس کام پر متعین تھا' جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ جاہر کمین گاہ سے نکل کر آیا اور اس نے پیچھے کی طرف سے قاضی صاحب پر حملہ کر دیا۔ اس نے تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ قاضی صاحب پر مارا کہ ان کا جسم دو ٹکڑے ہوگیا قاضی صاحب لڑکھڑا کر گر پڑے۔ ان کی زبان سے صرف یہ الفاظ ادا ہوئے۔ "بس مکاری ظاہر ہوگئی" وہ دو تین شخص جو قاضی صاحب کے ساتھ تھے یہ منظر دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ "پرواریوں نے قاضی صاحب کو قتل کر دیا۔" یہ شور سن کر دوسرے پہرے دار تحقیقات کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے۔ خسرو خاں کے آدمیوں نے جونہی یہ ہنگامہ دیکھا وہ پہلے کی سوچی سمجھی تجویز کے مطابق تلواریں سونت کر کمین گاہ سے باہر آئے اور ہزار ستون میں داخل ہوگئے اور اس طرح قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔

ہنگامہ

اس وقت قطب الدین مبارک شاہ اپنے خلوت خانے میں خسرو خاں کے ساتھ عیش و عشرت کے ہنگامے میں مصروف تھا اس نے یہ شور شرابہ سنا اور خسرو خاں سے اس کا سبب پوچھا۔ خسرو خاں بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا' اور چند لمحے باہر کھڑا رہ کر واپس اندر آگیا اور بادشاہ سے کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں' نوبت کے وہ گھوڑے جو ہزار ستون میں آئے تھے' جلوہ داروں کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں لوگ ان کو پکڑنے کے لیے دوڑ رہے ہیں اور اسی بناء پر یہ شور ہو رہا ہے۔" اسی اثناء میں جاہر اور اس کے ساتھی ہزار ستون کے دروازے سے کوٹھے پر پہنچے اور ان ظالموں نے خاص شاہی چوبداروں کو بھی اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا جب محل کے خاص چوبدار ابراہیم اور اسحاق مارے جا چکے تو شور اور بلند ہوا۔

مبارک شاہ کا قتل

اب ہنگامہ شاہی خلوت گاہ کے بہت قریب پہنچ چکا تھا اس لیے بادشاہ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور یہ سمجھ گیا کہ فضا بگڑ چکی ہے۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے حرم سرا کی طرف بھاگنا چاہا جب خسرو خاں نے بادشاہ کو اس طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ اگر بادشاہ حرم سرا میں چلا گیا تو پھر اس کو قتل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس خیال کے پیش نظر نمک حرام خسرو خاں بادشاہ کی طرف بڑھا اور بڑی ہمت و جرات کے ساتھ اس نے بادشاہ کے بال پکڑ لیے۔ بادشاہ نے جب خسرو خاں کو یہ حرکت کرتے

ہوئے دیکھا تو اس نے خسرو خاں کو اپنی بغل میں دبوچ لیا۔ لیکن اس بدکردار نے بادشاہ کے بال اپنی گرفت سے نہ نکالے اور اسی دوران خسرو خاں کے باغی ساتھی بھی خلوت گاہ میں داخل ہوگئے۔ خسرو خاں نے جب اپنے ساتھیوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا۔ "جلدی آؤ اور مجھے اس سے چھڑاؤ۔" جاہر نامراد شقی نے قریب آکر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ بادشاہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ جاہر نے بادشاہ کی لاش کو سر کے بالوں گھسیٹ کر خسرو خاں کے سینے سے علیحدہ کیا اور زمین پر پھینک دیا اس بے مذہب بادشاہ کا سر تن سے جدا کر کے ہزار ستون سے نیچے پھینک دیا گیا۔

بادشاہ کے بیٹوں کا قتل

چوکیداروں اور چوبداروں وغیرہ نے جب بادشاہ کا سر دیکھا تو وہ خوف کے مارے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ حسام الدین اور جاہر شاہی حرم سرا میں داخل ہوئے اور وہاں انہوں نے بادشاہ کے بیٹوں فرید خاں' عمر خاں اور علی خاں کے علاوہ دیگر نوجوان لڑکوں اور فرید خاں کی ماں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان ظالموں نے خوب جی بھر کر اہل حرم کی بے عزتی اور توہین کی۔

امراء کی گرفتاری

خسرو خاں نے اس کے بعد اسی وقت روشنی کروائی' چراغ اور مشعلیں جلائی گئیں۔ اپنے آدمیوں کو امراء کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ عین الملک ملتانی' جو اس زمانہ میں دیوگڑھ سے آیا ہوا تھا' ملک جونا جو بعد میں محمد شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔ وجیہ الدین قریشی اور قرابیگ کے بیٹوں وغیرہ نامی گرامی امراء کو اس واقعے سے بالکل بے خبر تھے اور اپنے گھروں میں سو رہے تھے' گرفتار کر کے ہزار ستون میں لایا گیا۔ خسرو خاں نے ان امراء کو بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے پاس نظربندی کی حالت میں رکھا' الغرض جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے ساتھ علاؤالدین خلجی نے جس طرح بے وفائی اور نمک حرامی کی تھی' اس کا وبال علاؤالدین خلجی کے خاندان پر ایسا پڑا کہ اس خاندان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ قطب الدین کے قتل کا واقعہ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ کو پیش آیا۔

خسرو خاں کی تخت نشینی

قطب الدین کے قتل کے دوسرے روز ہمدردوں اور پرداروں کی ایک بہت بڑی تعداد خسرو خاں کے گرد جمع ہوئی۔ خسرو خاں نے اس موقع پر گرفتار امراء کو بھی طلب کیا اور ان سب لوگوں کے سامنے سلطان ناصرالدین کا لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ اس رذیل و کم ظرف پرداز بچے نے بڑے بڑے معزز امراء کو جن میں عین الملک اور ملک جونا بھی شامل تھے' اپنے سامنے مودب کھڑا رکھا۔ زمام حکومت سنبھالتے ہی خسرو خاں نے گزشتہ دو بادشاہوں علاؤالدین خلجی اور قطب الدین مبارک شاہ کے ہمدردوں اور معتبر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گجرات کے ہندوؤں کے حوالے کر دیا۔

خسرو خاں نے اپنے بھائی کو خان خاناں کا خطاب دیا اور علاؤالدین خلجی کی بیٹی اس کے حوالے کی اور قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی کو اپنے محل میں داخل کر لیا۔ علاؤالدین خلجی اور مبارک شاہ کی بیویوں اور ان سے متعلقہ عورتوں کو خسرو خاں اور اس کے لشکریوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ قاضی خاں اور مبارک شاہ کے قاتل جاہر کو بے شمار زر و جواہر عطا کر کے مالا مال کر دیا گیا۔ مندل کو "رائے رایاں" کا خطاب دے کر قاضی خاں کی تمام جاگیر اور مال و اسباب کا مالک بنا دیا گیا۔

ملک مسرت کا قتل

تخت نشین ہوتے ہی خسرو خاں نے علاؤالدین خلجی اور قطب الدین مبارک شاہ کے خزانوں کو بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے تمام ملازموں اور خدمت گزاروں کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی۔ خسرو خاں نے ان بدمعاشوں اور دوں فطرت لوگوں کو بھی قتل کروا دیا۔ جو محض روپے پیسے کے لالچ میں اس کے ہمدرد اور بہی خواہ بن گئے۔ علاؤالدین خلجی کا بھانجہ ملک مسرت جو ایک عرصے سے

تارک الدنیا ہو کر ایک گوشے میں زندگی کے دن گزار رہا تھا' خسرو خاں کے ہاتھوں وہ بھی نہ بچا۔ خسرو نے اسے قتل کر کے خاندان خلجی کا چراغ گل کر دیا۔

مذہبی حالت

اس زمانے میں مذہب کی بہت بری حالت تھی۔ غیر مسلموں کے حوصلے اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ وہ قرآن پاک سے وہی کام لیتے تھے (نعوذ باللہ) جو بیٹھنے کی کسی جگہ سے لیا جاتا' وہ اس مقدس کتاب کو زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھا کرتے تھے' علاؤالدین کے عہد کے امیروں میں سے پسر قمرہ کو "قمار اعظم الملک شائستہ خاں" کے خطاب سے نوازا گیا' اور عارض ممالک مقرر کیا گیا۔ عین الملک ملتانی کو "عالم خانی" کا خطاب ملا اور اسے امیرالامراء کا مرتبہ دیا گیا۔ ملک وجیہ الدین کو تاج الملک کا خطاب ملا اور اسے وزیر مملکت بنا لیا گیا اسکے بیٹوں کو بھی مختلف عہدے دیے گئے۔ خسرو خاں ملک جونا کا بہت خیال کرتا تھا یہاں تک کہ اسے اخور بیگی کا منصب دیا گیا' اور بے شمار دولت و مال سے نوازا گیا۔ ملک جونا کو اعزاز و اکرام سے نوازنے سے خسرو خاں کا مقصد یہ تھا کہ اس کا باپ' غازی ملک جو لاہور اور دیپالپور کا حاکم تھا' اپنے بیٹے کی عزت افزائی دیکھ کر خسرو خاں کے حلقہ اطاعت میں آ جائے گا۔

ملک فخرالدین جونا کا فرار

ملک فخرالدین جونا خاں بظاہر تو خاموش نظر آتا تھا لیکن بباطن وہ خسرو خاں کی نمک حرامی دیکھ دیکھ کر جی ہی جی میں جلا جاتا تھا' غازی ملک بھی ایک وفادار اور عاقبت اندیش امیر تھا' اس نے بھی خسرو خاں کی ناشائستہ حرکات دیکھ کر یہ ارادہ کر لیا کہ خسرو خاں سے قطب الدین مبارک شاہ کا انتقام لیا جائے۔ خسرو خاں کو زمام اقتدار سنبھالے ہوئے ابھی دو تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ جونا خاں موقع پا کر ایک روز آدھی رات کے وقت بھاگ نکلا اور اپنے چند قابل اعتبار ملازموں اور خدمت گاروں کو ساتھ لے کر دیپالپور جا پہنچا۔ ملک جونا کا فرار خسرو خاں کے لیے بڑی پریشانی کا باعث ہوا اور اسے اپنے زوال کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے قمرہ قمار اور اپنے دیگر نامی گرامی امراء کو ملک جونا کے پیچھے دوڑایا' لیکن یہ کم ہمت اور بزدل امیر ملک جونا کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور سرستی کے قصبے کے قریب تک جا کر مایوس و نامراد واپس لوٹ آئے۔

ملک جونا اور غازی ملک کی ملاقات

غازی ملک بڑا عاقبت اندیش اور راست فہم انسان تھا۔ اس نے اس واقعے سے دو روز قبل ہی اپنے دو سو سوار سرستی کے قلعے میں متعین کر دیے تھے۔ ملک جونا نے ان سواروں میں سے چند نوجوانوں کو اپنے ہمراہ لیا اور دیپالپور کی طرف چل پڑا۔ دیپالپور پہنچ کر ملک جونا نے اپنے باپ سے ملاقات کی۔ غازی ملک اپنے بیٹے کی آمد سے بہت خوش ہوا۔ جب غازی ملک کو اپنے بیٹے کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے خسرو خاں سے قطب الدین مبارک شاہ کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں اور آس پاس کے علاقوں کے امراء اور صوبہ داروں کو خطوط لکھے اور انہیں علاؤالدین خلجی کے خاندان کی عنایات کا حق ادا کرنے کے لیے اکسایا۔ تقریباً" تمام امیروں نے اس کار خیر میں غازی ملک کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔

حاکم ملتان کا قتل

ملتان کے حاکم نے' جس کا نام مغلطی تھا' غازی ملک کا ساتھ نہ دیا اور جواب میں غازی ملک کو لکھا۔ "تو دیپالپور کا امیر ہے اور میں ملتان کا حاکم ہوں۔ ہم دونوں کو اپنی حیثیت سے اور حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ بادشاہ دہلی خسرو خاں کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔" غازی ملک کو جب حاکم ملتان کا یہ جواب ملا تو اس نے اپنے ایک قابل دوست کو جس کا نام بہرام تھا' اس مضمون کا خط لکھا کہ "تم مغلطی کو موت کے گھاٹ اتار کر ملتانی لشکر کو اپنے قبضے میں کر لو اور اس لشکر کو ساتھ لے کر میری مدد کے لیے جلد از جلد

دیپالپور پہنچو۔" بہرام نے ایسا ہی کیا اور حاکم ملتان کو قتل کر کے اس کے لشکر کو اپنے قابو میں کر لیا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

ملک بیگ لکھی کا حشر

ملک بیگ لکھی نے بھی غازی ملک کا ساتھ نہ دیا اور باوجود اس کے کہ قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں خسرو خاں کے حکم سے اس کا ناک اور کان کاٹ دیے گئے تھے' اس نے غازی ملک کا خط خسرو کے پاس بھیج دیا اور خود اپنے لشکر کے ہمراہ غازی ملک پر حملہ کر دیا۔ چونکہ غازی ملک سچائی پر تھا' اس لیے ملک بیگ لکھی کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور سمانہ میں پناہ گزین ہوگیا۔ ملک بیگ کی خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح خسرو خاں کے پاس پہنچ جائے' مگر سمانہ کے زمینداروں نے اس کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

خسرو خاں کے لشکر اور غازی ملک میں جنگ

خسرو خاں نے اپنے بھائی خان خاناں کو چتر و دور باش عطا کیا اور یوسف صوفی کو جسے صوفی خاں کا خطاب دیا گیا تھا' اپنے جان نثاروں کے ایک قابل اعتماد گروہ کے ساتھ غازی ملک کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اسی اثناء میں ملک بہرام ابیہ ایک زبردست لشکر لے کر اچھ اور ملتان کے علاقوں سے ہوتا ہو غازی ملک سے آ ملا۔ سرستی کے میدان میں طرفین کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ غازی ملک اور اس کے تمام ساتھی تجربہ کار تھے اور انہیں معرکہ آرائیوں کے آئین سے پوری واقفیت تھی۔ اس کے برعکس خسرو خاں کے خدمت گار بالکل ناتجربہ کار تھے' اس سبب سے غازی ملک پہلے ہی حملے میں کامیاب ہوا اور خسرو کے دون فطرت طرفدار حواس باختہ ہوگئے اور شکست کھا کر میدان جنگ سے ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ یہ لوگ اپنا تمام خزانہ اور ہاتھی اور گھوڑے میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئے۔ غازی ملک نے اس کامیابی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جو مال غنیمت ہاتھ آیا اسے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر کے بڑی شان و شوکت کے ساتھ منازل سفر طے کرتا ہوا دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

غازی ملک کا دہلی آنا

غازی ملک کی آمد کی خبر سن کر خسرو خاں بہت پریشان ہوا اس نے دہلی سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے علائی حوض کے قریب ہی ایک جگہ پر قیام کیا۔ اس کے پیچھے کی طرف قلعہ تھا' اور سامنے باغات اس جگہ کو وہ خوب مستحکم کر کے غازی ملک کی راہ تکنے لگا۔ غازی ملک بڑی شان و شوکت سے دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خسرو خاں نے غازی ملک کے آنے کی خبر سن کر اپنے سپاہیوں کو پیشگی تنخواہیں دیں۔ کسی کو چار سال کی اور کسی کو تین یا اڑھائی سال کی' فوجیوں کے علاوہ مشائخ کو بھی اس نے بہت کچھ دیا۔ مختصر یہ کہ خسرو خاں نے اس قدر فراخ دلی سے کام لیا کہ اپنے خزانے میں ایک کوڑی بھی باقی نہ رہنے دی' جواہرات بھی سپاہیوں میں تقسیم کر دیے۔

غازی ملک اور خسرو خاں کی جنگ

جس روز جنگ ہونا تھی' اس سے ایک رات پہلے عین الملک ملتانی نے خسرو خاں کو خیرباد کہا اور منڈو کی طرف روانہ ہوگیا۔ عین الملک کی روانگی سے خسرو خاں کا دل ٹوٹ گیا اور اس کی پریشانی حد سے تجاوز کر گئی' لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس نے اندرپت کے میدان میں غازی کا مقابلہ کیا۔ خسرو خاں کے لشکر کا مقدمہ یعنی تلیغہ ناگواری اور شائستہ خاں نے بڑی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائے اور آخر کار مارے گئے۔ یہ حادثہ کچھ کم نہ تھا' لیکن خسرو خاں نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا اور عصر کے وقت تک مقابلہ جاری رکھا' لیکن کب تک؟ آخر کار تھک کر پرواریوں کے ایک گروہ کے ساتھ میدان جنگ سے تلپت کی طرف بھاگ نکلا اس کے ساتھیوں نے راستے میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے خسرو خاں' غازی ملک کے ہاتھ آگیا۔ ہوا یوں کہ ساتھیوں سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ

رات بھر تنہا ادھر ادھر چھپنے کی کوشش میں پھرتا رہا اور آخر کار اپنے پرانے آقا ملک شادی کے پاس پناہ گزین ہوا۔ دوسرے روز لوگوں نے گرفتار کر کے اس کو غازی ملک کے سپرد کر دیا' غازی ملک نے اسے قتل کر دیا۔ خسرو خاں کے بھائی خان خاناں کو بھی' جو باغ میں چھپا ہوا تھا' غازی ملک نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

غازی ملک کی فتح اور تخت نشینی

اس واقعہ کے دوسرے روز یعنی یکم شعبان ۷۲۱ھ کو شہر کے تمام امراء روٗسا اور معززین غازی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے اسے اس کی فتح و کامیابی پر مبارک باد دی اور شہر کے تمام دروازوں کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ غازی ملک سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا اور ہزار ستون کے قریب پہنچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ غازی ملک نے سلطان قطب الدین کے بیٹوں کی تعزیت کے بعد حاضرین سے بلند آواز میں کہا۔ "میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک امیر ہوں' خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے نمک حراموں سے اپنے آقا کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اگر ہمارے آقاؤں کی نسل سے کوئی فرد موجود ہو تو آپ اسے بلا تکلف تخت سلطنت پر بٹھا دیں' ہم سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھریں گے اور اگر علائی خاندان' بالکل تباہ ہو چکا ہو اور اس کا کوئی فرد باقی نہ رہا ہو تو آپ لوگ جس کو چاہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں' میں بھی تہہ دل سے اس کی اطاعت کروں گا۔" یہ سن کر حاضرین نے یک آواز ہو کر کہا۔ "شاہی خاندان بالکل تباہ و برباد ہو چکا ہے تم ایک عرصے سے مغلوں کے ہم نشین چلے آ رہے ہو پہلے بھی تم نے کئی بار اہل ہندگی سپر بن کر ان پر احسانات کیے ہیں اب جبکہ تم نے ہمارے بادشاہ کا بدلہ لے کر ہم پر اور زیادہ احسان کیا ہے ایسی صورت میں تم سے زیادہ بادشاہت کا کوئی اور حقدار نہیں ہے۔" یہ کہنے کے بعد امیروں نے غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت شاہی پر بٹھا دیا اور سلطان غیاث الدین کے نام سے اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔

قطب الدین مبارک شاہ نے چار سال چار ماہ تک حکومت کی۔ خسرو خاں کی مدت حکمرانی کچھ دن کم پانچ ماہ ہے۔

خاندان تغلق

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ

ہندوستان کے نئے اور پرانے مورخین میں سے کسی نے بھی خاندان تغلق کے حسب و نسب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی اور نہ ہی اس نامور خاندان کے آباؤاجداد کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب سلطان عصر ابراہیم عادل شاہ نے مورخ فرشتہ کو بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے ابتدائی دور حکومت میں لاہور بھیجا تو اس نے وہاں کے ان اہل علم اور باذوق لوگوں سے جو خاندان شاہی سے متعلق رہے تھے اور دلچسپی رکھتے تھے خاندان تغلق کے حسب و نسب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں۔ لیکن اسے بھی صرف یہی معلوم ہو سکا کہ کسی تاریخ میں بھی اس خاندان کا حال مفصل طور پر نہیں لکھا گیا۔ یہ عام روایت ہے کہ ملک سلطان غیاث الدین بلبن کا ترکی غلام تھا اور غیاث الدین تغلق اس کا بیٹا' ملک تغلق نے خاندان بھٹ سے رشتہ ازدواج قائم کیا اور اسی خاندان کی لڑکی سے شادی کی جو غیاث الدین کی ماں تھی۔

لفظ تغلق کا ماخذ

جیسا کہ "ملحقات ناصری" میں بیان کیا گیا ہے کہ لفظ "تغلق" ترکی لفظ قتلغ سے نکلا ہے بلکہ یہ کہہ دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہندوستانیوں نے کثرت استعمال سے قتلغ لفظ کو توڑ موڑ کر تغلق بنا دیا اور بعض لوگ اس لفظ کا تلفظ "قتلو" ادا کرتے ہیں۔

غیاث الدین کا کردار

غیاث الدین' خسرو خاں اور اپنے ولی نعمت کے دیگر قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود تخت پر بیٹھا۔ ہندوستان (جو اندرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگیا تھا) میں غیاث الدین نے اپنی خوش انتظامی سے زندگی کی نئی لہر دوڑا دی اور عوام کے دلوں میں بھی اسی وجہ سے اپنے لیے جگہ پیدا کرلی۔ یہ بہت ہی خدا ترس' نیک اور پرہیز گار تھا۔ سنجیدگی' حلم اور بردباری اس کی طبیعت کے نمایاں جوہر تھے' عقل و فہم اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قوانین مذہب کی پابندی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ ملکی انتظام میں بڑی مہارت رکھتا تھا' دیوان عام میں بیٹھ کر رعایا کے حالات سنتا' ان کی معاشی بدحالی کی طرف توجہ کرتا اور ان کی معاشی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرتا' یہ عام بادشاہوں کی طرح "مسند نشینی" کا قائل نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو رعایا کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا تھا۔

علائی خاندان کے پسماندگان کی عزت کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا اس نے ان لوگوں کو بھی سخت سزائیں دی تھیں جنھوں نے قطب الدین کی زوجہ کا نکاح ثانی خسرو خاں سے زمانہ عدت کے اختتام سے پہلے ہی کر دیا تھا۔

جاگیریں اور عہدے بخشنا

اس کے پانچ بیٹے تھے جنھیں اس نے اونچے عہدوں اور خطابات سے سرفراز کیا۔ بڑے بیٹے ملک فخرالدین جونا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اس کو الغ خاں کا خطاب دیا' اس کے علاوہ اپنے دوسرے بیٹوں کو بہرام خاں' ظفر خاں' محمود خاں اور نصرت خاں کے خطابات سے سرفراز کیا اور اپنے منہ بولے بیٹے کو "تاتار خاں" کا خطاب اور ظفر آباد جاگیر میں دیا۔ اپنے منہ بولے بھائی بہرام ابیہ کو کشلو خاں کا

خطاب اور ملتان کی حکومت عطا کی' اپنے بھتیجے ملک اسدالدین کو باربک کی جاگیر دی اور ملک بہاء الدین کو عارض مملکت مقرر کیا اور "سمانہ" بطور جاگیر عطا کیا' عہدہ وزارت پر ملک شادی کا تقرر کیا جو اس کے داماد کا بھائی تھا' قتلغ خاں کو دیوگڑھ کی وزارت عطا کی اور قاضی صدر الدین کو "صدر جہاں" مقرر کیا اور دہلی میں قاضی شہر کے عہدہ پر قاضی سماء الدین کو رکھا۔ گجرات کا نائب عارض الممالکت ملک تاج الدین جعفر کو مقرر کیا۔ غرض یہ کہ ہر شخص ذہنی اور عقلی اپج اور استعداد و قابلیت کے لحاظ سے عہدے دیے گئے۔ غیاث الدین کی یہ خصوصیت ناقابل فراموش ہے کہ وہ عہدوں کی تقسیم میں ذاتی اہلیت کا بہت خیال رکھتا تھا اور حسب استعداد عہدے عطا کرتا تھا۔

غیاث الدین کے پاس جب کوئی فتح نامہ آتا یا اور کوئی خوشی کی تقریب شادی' بیاہ' بچہ کی ولادت وغیرہ ہوتی تو دل کھول کر روپیہ خرچ کرتا۔ علماء' مشائخ' ارکان دولت اور امرائے سلطنت کو انعام و اکرام اور خلعت شاہانہ سے ہمیشہ سرفراز کرتا' گوشہ نشین فقیروں اور درویشوں کی نہ صرف فکر رکھتا تھا بلکہ ان کے حالات معلوم کرتا اور انہیں ہر طرح کا آرام پہنچاتا' رعایا کی بدحالی کو حتی الوسع دور کرتا۔ اس نے مغلوں کے حملوں کا مکمل طور پر سدباب کیا۔ غیاث الدین کے عہد حکومت میں کبھی مغلوں نے ہندوستان کا رخ نہ کیا۔ غیاث الدین کو تعمیرات کا بھی شوق تھا' تغلق آباد کا مشہور قلعہ اور سربفلک ایوانات اس کے بلند ذوق کا بین ثبوت ہیں' اس کو شراب نوشی سے سخت نفرت تھی اور ملک میں شراب پینے کی بہت سختی سے ممانعت تھی' اپنے خاندان والوں' غلاموں اور پرانے نوکروں سے اس کا جو سلوک امارت اور خانی کے زمانہ میں تھا' وہی بدستور حکمرانی کے عہد میں قائم رکھا۔ علائی امیروں کی بہت عزت کرتا اور انہیں باقاعدہ جاگیریں عطا کیں۔ ملک اختیار الدین مصنف "بساتین الانس" جس کا راقم الحروف فرشتہ نے خلاصہ کیا ہے اس کو منصب انشا عطا کیا گیا۔ سابق بادشاہوں کے حاشیہ نشین اور ارکان دولت مثلاً خواجہ خطیر' ملک انور جنیدی اور خواجہ مہدی کو شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا اور ان بزرگوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی عزت عطا فرمائی۔ وہ قوانین اور ضابطے جو پرانے بادشاہوں نے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے منضبط کیے تھے۔ غیاث الدین ان بزرگوں سے معلوم کرتا اور پھر انہیں پر عمل پیرا ہوتا۔ جو امیر عوام کو تکلیف پہنچاتا۔ غیاث الدین اس کا مطلق لحاظ نہیں کرتا تھا اور جس کو اپنی اور رعایا کی فلاح کی فکر میں دیکھتا اس کو اعلیٰ عہدہ عطا کرتا۔ جو شخص کوئی اہم کارنامہ سرانجام دیتا اس پر لطف و کرم کر کے اس کو ہم چشموں میں ممتاز کرتا۔

ملکی انتظام اور قوانین سلطنت بروئے کار لانے میں بہت میانہ روی سے کام لیتا' احکامات و قواعد میں کبھی کوئی افراط و تفریط نہ ہوتی' پریشانی اور مصیبت کے زمانہ میں خسرو خاں نے علائی خزانے سے بہت سا روپیہ لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔ غیاث الدین نے حسن تدبیر اور سلیقہ مندی سے یہ روپیہ واپس لے لیا اور خزانہ کو حسب سابق معمور کردیا۔ رعایا پر جو حکومت کی طرف سے بقایا رقم ہوتی غیاث الدین اس کے وصول کرنے میں کبھی کوئی سختی نہ کرتا۔ عاملوں کو یہ سختی سے ہدایت تھی کہ وہ مزدوروں اور رعایا پر کبھی ظلم نہ کریں۔

الغ خاں کا تلنگانہ پر پہلا حملہ اور اس کے اسباب

غیاث الدین کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال لدر دیو حاکم ورنگل نے خراج (چوتھ) دینے سے انکار کر دیا اور دیوگڑھ میں بھی نظام حکومت میں بہت ابتری پھیل گئی۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر الغ خاں کو اپنے چند قدیم رفیقوں کے ہمراہ تلنگانہ پر لشکر کشی کرنے کے لیے بھیجا۔ الغ خاں' چندیری' بدایوں اور مالوہ کا لشکر عظیم لے کر بڑی شان و شوکت سے تلنگانہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا لدر دیو بھی ہٹنا نہ تھا اس نے بھی الغ خاں کے مقابلہ پر ڈٹ کر کئی خونریز لڑائیاں لڑیں۔ راجہ نے خلاف عادت لشکر دہلی کا پے در پے مقابلہ کیا اور اپنی پچھلی ناکامیوں کی تلافی کرنی چاہی لیکن لدر دیو کا یہ وار بھی خالی گیا اور مجبور ہو کر قلعہ ورنگل میں پناہ لی۔ راجہ نے چونکہ قلعہ کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا اس لیے محاصرہ قلعہ کے بعد بھی وہ باز نہ آیا اور برابر آمادہ پیکار رہا اور مفت میں رعایا کا خون ہوتا رہا۔

الغ خاں نے عاجز آ کر ایک طرف قلعہ میں نقب زنی کا حکم دیا دوسری طرف حملہ شروع کر دیا اب راجہ کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا اسے قلعہ ورنگل ہاتھ سے نکلتا ہوا معلوم ہوا تو اس نے دوسری تدبیر کی اور الغ خاں کی خدمت میں ہاتھی اور بیش بہا جواہرات اور تحفہ تحائف بھیجے اور وعدہ کیا کہ جو رقمیں اور ہدیے وغیرہ علاؤالدین خلجی کی عہد حکومت میں دیا کرتا تھا وہ بدستور جاری رکھے گا۔ لیکن الغ خاں نے ان شرائط کو منظور نہ کیا اور قلعہ ورنگل کی فتح میں اور سرگرمی دکھائی' لیکن جیسے ہی محاصرے پر سختی ہوئی اور اضافہ ہوا تو قرب جوار کی آب و ہوا خراب ہوگئی گندگی بڑھ گئی اس سے مسلمانوں کی فوج میں بیماری پھیل گئی ہاتھی اور بے شمار سپاہی اس وبا کی نذر ہوگئے۔

جھوٹی افواہیں اور فوج میں بدامنی

فوجی سپاہی ان پریشانیوں سے گھبرا گئے اور آخر کار عاجز آ کر وحشتناک خبریں اور جھوٹی افواہیں لشکر میں پھیلانا شروع کیں۔ اس کے علاوہ راستہ بند ہونے کی وجہ سے مسلسل ایک مہینہ تک دہلی سے بادشاہ کی طرف سے کوئی خبر نہ ملی' ڈاک بالکل بند تھی ورنہ اس سے قبل ایک ہفتہ میں دو مرتبہ ڈاک دہلی سے آتی تھی۔ الغ خاں کے مصاحبین شیخ زادہ دمشقی اور عبید شاعر نے (جو نئے نئے ہندوستان آئے تھے اور اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے) یہ خبر اڑا دی کہ غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوگیا ہے اور دارالسلطنت دہلی میں فتنہ و فساد بپا ہے اور تخت دہلی پر ایک دوسرے حکمران نے قبضہ کر لیا ہے۔ ان بدطینت امیروں نے نہ صرف اسی بات پر اکتفا کی بلکہ نامی امرائے لشکر ملک تیمور' ملک گل افغان' ملک کافور مہرداد اور ملک تگین وغیرہ سے بھی بہت سی باتیں اپنے دل سے گھڑ کر بیان کیں کہ دہلی میں افراتفری پھیل رہی ہے اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ الغ خاں انہیں اپنا علاقائی مشیر سمجھ کر ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور گرفتار کر کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ چاروں امیران کی وحشتناک گفتگو سن کر سراسیمہ ہوگئے۔ سارے لشکر اسلامی پر خوف و دہشت طاری ہوگیا اور ہر ایک کو اپنی جان کی فکر ہوئی ہر ایک نے راہ فرار اختیار کی۔ الغ خاں لشکر کی افراتفری سے پریشان ہوگیا اور واپس دیوگڑھ آ گیا۔ ادھر قلعہ بندوں کا محاصرہ ختم ہوگیا اور انہوں نے پھر مسلمانوں کا تعاقب کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

اسی دوران میں دہلی سے ڈاک جسے اصطلاح میں "آلاغ" کہتے ہیں پہنچی۔ شاہی فرمان سے بادشاہ کی صحت و سلامتی و دہلی کی بحالی کا حال معلوم ہوا اور الغ خاں بھی مطمئن ہو کر اپنا بکھرا ہوا لشکر جمع کرنے کی فکر میں دیوگڑھ پہنچا اور لشکر جمع کیا۔ اس کے چاروں سردار جو بھاگ گئے تھے ایک ساتھ نہ رہے' بلکہ ان کا انجام بھی بہت برا ہوا۔ ان کا سارا مال اور اسلحہ جات وغیرہ ہندوؤں کے ہاتھ آئے حتیٰ کہ انہیں زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ ملک تیمور تلنگانہ پہنچا اور مع اپنے ہمراہیوں کے وہیں فوت ہوگیا۔ ملک تگین کو مرہٹواڑی کے ہندوؤں نے قتل کیا اور اس کی کھال الغ خاں کے پاس بھیج دی' ملک گل افغان' عبید شاعر' ملک کافور اور دوسرے سرکش سرداروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ الغ خاں نے بھی ان امیروں کو اسی طرح حراست میں دہلی بھیجا۔ جہاں غیاث الدین نے انہیں زمین میں زندہ گاڑ کر ان کی خوش طبعی کا پورا پورا صلہ انہیں عطا کیا۔ ان کے وارثوں کو ہاتھی کے پیر کے نیچے روند ڈالا۔ الغ خاں دو یا تین ہزار سواروں کا لشکر لے کر دہلی واپس آیا۔

تلنگانہ پر دوسرا حملہ اور فتح

الغ خاں نے چار مہینے کے بعد لشکر عظیم لے کر دیوگڑھ کے راستہ پھر ورنگل پر چڑھائی کی۔ پہلے بیدر کا قلعہ فتح کیا جو تلنگانہ کی سرحد اور راجہ ورنگل کے زیر حکومت تھا اور راستے کے دیگر قلعے بھی فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ ان مقبوضہ قلعوں کی حکومت کی باگ ڈور اپنے معتمد امراء اور سرداروں کے ہاتھ میں دی اور راستہ کا انتظام ٹھیک کر کے خود نہایت خوش اسلوبی سے ورنگل پہنچا۔ بہت کم مدت میں اس نے ورنگل کا قلعہ فتح کر لیا اور جوش انتقام میں بہت سے ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ لدر دیو کو مع اسکے بیٹے اور بیوی کے قید کیا اور

راجہ کے کوہ پیکر ہاتھیوں اور لا تعداد خزانہ ملک بیدر الخاطب بہ قدر خاں اور خواجہ حاجی نائب عارض مملکت کی سرکردگی میں دہلی بھیجا اور اپنی فتح کی خبر بھی۔ دہلی میں فتح تلنگانہ کی بہت خوشی منائی گئی' چراغاں ہوا اور سارے شہر میں آئینہ بندی ہوئی۔ اس کے بعد اس نے تلنگانہ کی حکومت بھی اپنے معتمد امراء کے ہاتھ میں دے دی۔ درنگل کا نام بدل کر سلطان پور رکھا اور خود سیر و سیاحت کرتا ہوا جاج نگر پہنچا اور وہاں کے راجہ سے بھی بطور ہدیہ چالیس ہاتھی وصول کر کے باپ کی خدمت میں روانہ کر دیے اس کے بعد خود شہر درنگل واپس آیا اور یہاں کا انتظام حکومت حسب مرضی درست کر کے دہلی واپس آ گیا۔

لکھنوتی اور سنار گاؤں کی بغاوتیں

۷۲۴ھ میں لکھنوتی اور سنار گاؤں کے باشندوں نے دہلی میں یہ عرضیاں بھیجیں کہ وہاں کے حاکم رعیت پر ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ غیاث الدین تغلق نے الغ خاں کو دہلی میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود مشرقی ہندوستان کی طرف روانہ ہوا بادشاہ ترہٹ پہنچا۔ لکھنوتی میں سلطان ناصر الدین جو سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا تھا' حکمرانی کر رہا تھا۔ یہ اپنی سلامت روی اور مصلحانہ تدابیر کی وجہ سے علائی عہد میں بھی بدستور اسی عہدہ پر قائم تھا۔ یہ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتا تھا لہٰذا اس میں غیاث الدین تغلق سے مقابلہ کرنے کی سکت کہاں تھی' اس نے تحفے تحائف بطور نذرانہ پیش کیے۔ غیاث الدین نے اپنے منہ بولے بیٹے تاتار خاں کو سنار گاؤں کا حاکم مقرر کیا اور یہاں کے پرانے حاکم و جاگیردار بہادر شاہ کو (جو علائی عہد میں سنار گاؤں کا حاکم تھا اور غیاث الدین تغلق سے ہمیشہ برسرپیکار رہتا) گرفتار کر لیا۔ ناصر الدین بغرا خاں کو چتر و دور باش عطا کیا اس کو بحیثیت حاکم لکھنوتی میں چھوڑا۔ یہی نہیں بلکہ سنار گاؤں کی حفاظت اور بنگالہ کی حکومت کی ذمہ داریاں بھی اس کے کاندھوں پر ڈالیں۔

قلعہ ترہٹ کی فتح

"فتوح السلاطین" میں لکھا ہے کہ واپسی پر غیاث الدین پھر ترہٹ سے گزرا بادشاہ کے خوف سے یہاں کا راجہ جنگل میں جا چھپا۔ بادشاہ نے بھی جنگل میں اس کا پیچھا کیا جنگل کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا اس کی دیکھا دیکھی سارے سپاہی اسی کام میں مصروف ہو گئے' دیکھتے ہی دیکھتے سارا جنگل ایک چٹیل میدان بن گیا۔ تین دن کی مسلسل تگ و دو کے بعد ترہٹ تک پہنچا۔ وہاں کے قلعے کے گرد سات خندقیں لبالب پانی سے بھری ہوئی نظر آئیں۔ بادشاہ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری قلعہ تک پہنچنے کا راستہ صرف ایک باریک خط کی صورت میں نمودار ہو رہا تھا۔ دو تین ہی ہفتوں میں قلعہ کو غیاث الدین نے فتح کر لیا اور راجہ کو قید کر لیا۔ ترہٹ کی حکومت ملک تلیغہ کے بیٹے احمد خاں کے سپرد کی اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ چند منازل طے کر کے لشکر تو راستہ میں چھوڑا اور خود دارالسلطنت کی طرف نہایت تیزی سے بڑھا۔ بادشاہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کو دہلی کی طرف موت کشاں کشاں لیے جا رہی ہے۔

غیاث الدین تغلق کی وفات

الغ خاں نے جب سنا کہ اس کا باپ مع لشکر کے دہلی واپس آ رہا ہے تو اس نے افغان پور کے پاس ایک نیا محل بنوایا یہ محل صرف تین دن کے عرصے میں تیار کرایا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا باپ اسی محل میں رات بسر کرے اور اس وقت جبکہ شہر میں اس کی آمد کی خوشی میں ہر طرف آئینہ بندی ہو جائے۔ طرح طرح کے لوازمات مسرت فراہم کر لیے جائیں تب اس کا باپ بڑی شان و شوکت سے شہر میں داخل ہو۔ غیاث الدین تغلق افغان پور کے نزدیک پہنچا اور نئی عمارت کے بنوانے کا سبب پوچھا اور جب بیٹے کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو اس کا دل رکھنے کے لیے اسی محل میں مقیم ہو گیا۔ تغلق آباد میں اس کی آمد پر شادیانے بجے اور سارے شہر میں خوشیاں منائی گئیں۔ دوسرے روز الغ خاں مع اپنے ارکان دولت کے بادشاہ کی قدم بوسی کے لیے آیا۔ بادشاہ مع استقبالیوں کے اسی کے دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھانے کے بعد تمام حاضرین یہ سمجھ کر باہر آ گئے کہ بادشاہ اسی وقت دارالخلافہ جائے گا اور ان سب نے اسی عجلت میں ہاتھ بھی نہیں

دھوئے۔

الغ خاں جس کی زندگی باقی تھی وہ بھی گھوڑوں' ہاتھیوں اور دوسرے لوازمات شاہی کی ترتیب کے لیے باہر چلا آیا جنہیں وہ بادشاہ کی خوشنودی کے لیے لایا تھا۔ الغ خاں کے باہر آتے ہی اس کمرے کی چھت گر پڑی جہاں غیاث الدین مع اپنے مصاحبین کے بیٹھا تھا وہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ اس کی وفات کا باعث کیا ہوا۔ بہرکیف یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ غیاث الدین کی موت کا باعث اس کا بیٹا نہیں ہے کیونکہ یہ الزام پوری طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے عمداً" اس قسم کا محل بنوا کر اپنے باپ کی جان لی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ چھت بالکل نئی تھی اور ہاتھیوں کے دوڑنے کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور گر پڑی۔ اس کے برعکس بعض کا خیال ہے کہ الغ خاں کا اتنی کم مدت میں محل تعمیر کرانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قصداً" باپ کی جان لی۔

مورخ برنی جو عصر فیروز شاہی کا ایک معزز رکن اور سلطان محمد تغلق (الغ خاں) کا دل سے معتقد تھا اس نے قصداً" اس ذکر کو چھوڑ دیا۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ کا خیال ہے کہ جو لوگ الغ خاں کو غیاث الدین کی موت کا باعث سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ وہ خود دسترخوان پر باپ کے ساتھ موجود تھا۔ اس میں یہ کرامت کہاں سے آئی کہ اس کے باہر نکلتے ہی چھت نیچے آ رہی اور بادشاہ کی موت واقع ہوئی۔ صدر جہاں گجراتی اپنی تاریخ میں اور ہی حیرت انگیز طریقے سے اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ الغ خاں نے یہ محل جادو کے زور سے بنوایا تھا اور یہ طلسمی اثر ہی تھا کہ اس کے باہر آتے ہی چھت گر پڑی۔ حاجی محمد قندھاری لکھتے ہیں کہ بادشاہ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو رہا تھا کہ آسمان سے بجلی گری اور چھت کو توڑتی ہوئی بادشاہ کے سر پر آ رہی۔ مورخ قندھاری کا بیان اگر ٹھیک ہے تو یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بادشاہ کی وفات ۷۲۵ھ میں ہوئی اس نے کچھ مہینے چار سال تک حکومت کی۔ امیر خسرو جو علائی عہد میں ایک ہزار تنگہ ماہوار پاتے تھے۔ غیاث الدین کے عہد حکومت میں اور بھی زیادہ خوشحال اور فارغ البال زندگی گزارتے تھے انہوں نے تغلق نامہ اسی بادشاہ کے نام سے معنون کیا جو اب مشکل سے ملتا ہے۔

سلطان محمد شاہ تغلق

تخت نشینی

غیاث الدین تغلق کی وفات کا غم تین دن تک دارالسلطنت میں منایا گیا اور بیٹے نے چوتھے دن کے بعد تاج و تخت سنبھالا ہر طرف خوشی اور مسرت کے شادیانے بجائے گئے۔ الغ خاں نے اپنے کو محمد شاہ کے نام سے موسوم کیا اور جب تخت نشینی کو پورے چالیس دن ہو گئے' تو وہ نیک گھڑی میں تغلق آباد سے دہلی آیا۔ دہلی میں بچہ بچہ خوشیاں منا رہا تھا' قدم قدم پر آرائش و زیبائش سے ایک عجیب ہی عالم تھا' ہاتھیوں پر روپیہ اور اشرفیاں لادی گئی تھیں۔ امراء بادشاہ کے دوش بدوش چل رہے تھے' راستہ میں روپیہ اور اشرفیوں کو بادشاہ پر سے صدقہ کر کے ہر گلی' کوچے اور کوٹھوں پر پھینکا جاتا تھا۔ عام روایت ہے کہ اس قدر روپیہ اور اشرفیاں اس بادشاہ کے اوپر سے نچھاور کی گئیں تھیں کہ فقیروں نے بھیک مانگنا چھوڑ دیا تھا۔

سلطان محمد شاہ تغلق کا کردار

محمد تغلق بہت ہی بلند ہمت حکمران تھا اس کی یہ خواہش تھی کہ ساری دنیا کے باشندے اس کے زر خرید غلام ہو جائیں اور اس کے احکامات کی تعمیل کریں مذہب اسلام بھی اس کو سلطنت کی طرح ورثہ میں ملا تھا۔ ورنہ شاید یہ بادشاہ بھی فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا اور اپنی خدائی کا بول بالا کرتا۔ وہ بہت زیادہ سخی تھا ایک معمولی فقیر کو اپنا شاہی خزانہ دے کر مطمئن نہ ہوتا اور یہی سمجھتا کہ ابھی کچھ نہیں دیا ہے۔ حاتم کی سخاوت اس کے سامنے بے حقیقت نظر آتی تھی جب وہ سخاوت پر اتر آتا تو امیر' غریب' ادنیٰ' اعلیٰ اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرتا۔

مراعات اور عطائے جاگیر

محمد تغلق نے تاتار خاں کو "بہرام خاں" کا خطاب دیا۔ یہ غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بھائی اور سنار گاؤں کا حاکم تھا اس کو سو زنجیر ہاتھی' ایک ہزار گھوڑے' ایک ہزار اشرفیاں اور چتر و دورباش مرحمت کر کے سنار گاؤں اور بنگالہ کا حاکم مقرر کیا اور بہت ہی تعظیم و تکریم سے اس کو رخصت کیا۔ ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ اور ملک الملوک عمادالدین ریحانی کو ستر لاکھ اور مولانا عضدالدین کو جو اس کا استاد تھا چالیس لاکھ ٹنکے ایک ہی مرتبہ دے دیئے۔ ملک الندماء مولانا ناصرالدین کو ہر سال لاکھوں ٹنکے دیا کرتا تھا۔ قاضی غزنین کو بھی ہر سال حوصلے سے زیادہ انعام و اکرام دیتا تھا۔ نظام الدین احمد بخشی نے بہت تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ ٹنکے سے مراد چاندی کا ایک سکہ ہوتا ہے جس میں کچھ تانبہ بھی شامل تھا اور جس کی قیمت سولہ پول مٹی کے برابر سمجھی جاتی تھی۔

علم نوازی

محمد تغلق کے دور حکومت میں یہ سلسلہ برابر جاری رہا کہ عراق خراسان' ماوراء النہر' ترکستان' روم اور عرب سے علماء فضلا اور باکمال لوگ' نیز غربت زدہ مسافر جب انعام و اکرام کے لیے اس کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ اپنے حوصلے سے زیادہ پاتے تھے۔ بیواؤں' کمزوروں' محتاجوں اور فقراء کو بھی اس کے دربار سے برابر مالا مال کیا جاتا تھا۔ مسافروں میں سے جو لوگ اپنے وطن جانا نہیں چاہتے تھے اور یہیں کی سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے ان کو دربار سے وظیفہ ملتا تھا۔ محمد تغلق بہت اچھا مقرر تھا اس کی تقریروں میں شیرینی اور فصاحت ہوتی۔ عربی اور فارسی میں خطوط اور مراسلے فی البدیہہ لکھتا اور ان میں اپنی علمیت کے دریا بہا دیتا کہ بڑے بڑے انشاء پرداز اور ادباء ان

کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ یہ اتنا خوشنویس تھا کہ چوٹی کے کاتب بھی اسکی پاکیزہ خطاطی اور خوشنویسی کا لوہا مانتے تھے۔ انتظام سلطنت اور وضع قوانین میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا' فہم و ادراک کی تیزی اور ذکاوت میں یہ اپنے تمام ہم عصر حکمرانوں میں امتیاز رکھتا تھا۔ مردم شناس تنا کہ صورت دیکھتے ہی اچھائی اور برائی بتا دیتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ سائل کی صورت دیکھ کر اس کے دل کی بات بتا دی اور سائل سے دریافت کرنے پر بادشاہ کا خیال بالکل صحیح نکلا' اس کا حافظہ غضب کا تھا۔ ایک بار جو بات سن لیتا اس کو کبھی نہ بھولتا تھا' اس کو تاریخ سے صرف دلچسپی ہی تھی بلکہ وہ علم تاریخ کا بہت بڑا ماہر تھا' شاہ نامہ کے تمام قصے' ابو مسلم اور امیر حمزہ کی داستانیں اس کو ازبر تھیں' منطق اور معقولات سے بھی دلچسپی تھی۔

اس کے علاوہ اسے طب' حکمت' نجوم اور ریاضی سے خصوصیت کے ساتھ لگاؤ تھا اور وہ خود ان علوم کا بڑا ماہر تھا۔ اکثر اوقات بیماروں کی تشخیص اور علاج کرتا اور بعض اوقات علماء طب سے بحثیں کرتا اور انہیں قائل کر دیتا تھا۔ دوران حکومت میں بھی زیادہ وقت معقولات کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ اس کے ہم صحبت اور جلیسوں میں سعد منطقی اور عبید شاعر' نجم الدین انتشار اور علیم الدین شیرازی وغیرہ مشہور علماء' حکم اور طبیب تھے۔ راقم الحروف فرشتہ کا خیال ہے کہ اس شاعر عبید سے مراد عبید شاعر نہیں جو تمام دنیا میں مشہور تھا بلکہ کوئی دوسرا عبید ہے۔

محمد تغلق کو منقولات سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ اسی باعث فقیہوں اور منقولی علماء کو اس کے دربار میں رسائی نہ تھی' منقولات کا جو مسئلہ علم معقول کے مطابق ہوتا اس کو محمد تغلق ہمیشہ مان لیا کرتا وہ خود بھی فارسی کا بہت اچھا شاعر تھا' قدیم استادوں کے کلام کو خوب سمجھتا اور ہر شعر کی جی بھر کر داد دیتا تھا' یہ بہت جری اور بہادر تھا۔ اسی لیے ہر وقت تسخیر ممالک کا خیال دل میں رہتا۔ یہی سبب ہے کہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ لشکر کشی اور جنگجوئی میں گزرا ہے۔ مورخین اس کو "عجائب المخلوقات" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے۔ اس کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیک وقت نیکی اور بدی دونوں صفتوں کا مالک تھا۔ ایک طرف اس کی خواہش تھی کہ بادشاہت کے ساتھ مرتبہ نبوت بھی اس کو مل جائے۔ دوسری طرف اس کی یہ حالت تھی کہ اسلام کے قوانین اور احکامات پر پوری طرح عمل کرتا۔ مسکراہٹ سے دور بھاگتا تھا' فسق و فجور سے ہمیشہ الگ رہتا۔ حرام چیزوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا' لیکن طرفہ یہ کہ اس کو بندگان خدا کا ناحق خون کرنے میں اور ان پر طرح طرح کے ظلم توڑنے میں کوئی برائی نظر نہ آتی تھی۔ ایسے کام کرتے ہوئے نہ اس کے سامنے معقولات کے مسائل رہتے تھے اور نہ شرع ہی ان افعال بد میں مانع ہوتی' طبیعت کی دو رنگی کا یہ عالم تھا کہ جہاں بخشش و کرم میں حاتم و معن سے بھی آگے بڑھ جاتا' وہاں ظلم و ستم میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور کوئی ہفتہ ایسا نہ جاتا کہ جس میں مشائخ و سادات' صوفی' قلندر' اہل قلم اور سپاہی اسکی سیاسی حکمت عملی کا شکار نہ ہوتے ہوں۔

محمد تغلق نے اپنی حکومت کے ابتدائی عہد میں اپنے امیروں اور مددگاروں کو جو اس کی رائے پر چلتے تھے ہمیشہ حسب دلخواہ عہدے اور جاگیریں عطا کیں۔ اپنے چچا زاد بھائی ملک فیروز کو باربک کا نائب مقرر کیا اور شاہ ناصرالدین کی وفات کے بعد ملک بیدار خلجی کو قدر خاں کا خطاب دے کر لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور وکیل داری کا عہدہ اپنے استاد قتلغ خاں کو دیا جنھوں نے اس کو قرآن شریف حفظ کرایا تھا اور کچھ فارسی کی کتابیں پڑھائی تھیں۔ ملک مقبول کو عماد الملک کا خطاب دے کر وزیر المالک کا عہدہ دیا۔ گجرات کا سپہ سالار احمد ایاز کو مقرر کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب بھی دیا۔ ملک مقبل خاں کو "خاں جہاں" کا خطاب دیا۔ گجرات کی وزارت سپرد کی اور گجرات کے ایک حصہ کا جاگیردار بنایا۔ قتلغ خاں کا بیٹا محمد خاں "الپ خاں" کے خطاب سے نوازا گیا' ملک شہاب الدین "ملک افتخار" کے نام سے نوساری کا صوبہ دار بنایا گیا۔

مغلوں کا حملہ

محمد تغلق کے ابتدائی دور حکومت میں جبکہ ابھی اس کے قدم اچھی طرح نہ جمے تھے' ایک مسلمان حاکم جس کا نام ترمہ شیریں تھا اور جو داؤد خاں کا بیٹا تھا' اپنے دور کا ایک جری اور باہمت انسان تھا۔ اس کی سخاوت بھی بہت مشہور ہے' اس نے ایک بڑا لشکر لے کر ہندوستان پر چڑھائی کی ۷۲۷ھ میں اس چغتائی حکمران نے لمغان اور ملتان سے لے کر دہلی دروازے تک بعض مقامات کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اور بعض شہروں پر قابض ہوگیا' نیز حوالی شہر کو اپنی لشکر گاہ بنالیا۔ محمد تغلق میں مقابلہ کی تاب نہ تھی لہٰذا وہ بہت عاجزی اور نیاز مندی سے پیش آیا اور اپنے امراء کے ذریعہ نقد' جواہرات' بیش قیمت تحائف اس کو بھیجے اور اس صورت سے اپنی اور اپنی رعایا کی جان بچائی۔ ترمہ شریں خاں نے دہلی اور اطراف میں تو کچھ نہ کیا' لیکن دہلی سے لوٹتے ہوئے چونکہ گجرات کا شہر راستہ میں پڑتا ہے۔ اس لیے اس نے خوب جی بھر کر گجرات کو تاخت و تاراج کیا اور بہت سا مال غنیمت اور لاتعداد قیدی گرفتار کر کے سندھ اور ملتان سے ہوتا ہوا اپنے وطن پہنچا۔

ترمہ شیریں کے اس حملے کے بعد محمد تغلق نے سلطنت کے انتظام اور فوج کی ترتیب و تنظیم کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔ اس نے قرب و جوار کے تمام ملکوں کو فوج اور اسلحہ جات سے آراستہ کیا اور دھور سمندر' کنپلہ' ورنگل' لکھنوتی' حبیب گاؤں' سنار گاؤں اور دہلی کے کئی مقامات کو خوب مستحکم اور مضبوط بنایا۔ اسی زمانہ میں دریائے عمان تک کرناٹک کے تمام ملکوں پر قبضہ کر لیا اور کرناٹک کے بعض حصے بلاواسطہ سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔ بعض جگہوں کے حکمران خود بخود مغلوب ہوگئے اور تغلقی خراج گزار بن کر ہر سال رقم مقررہ شاہی خزانے میں جمع کرنے لگے۔ بادشاہ کی خوش انتظامی کی وجہ سے کوئی شخص دیوانی علاقے کے ایک پیسہ کی بھی بے ایمانی نہیں کر سکتا تھا اور نہ رقم ادا کرنے سے انکار کر سکتا تھا۔ وہ تمام ممالک جو بادشاہ کے تحت آ گئے تھے ان کے راجہ' چودھری اور زمیندار بادشاہ کے فرمانبردار ہو کر رقم مقررہ شاہی خزانہ میں داخل کرنے لگے۔ اس انتظام مالیات کی وجہ سے محمد تغلق کی دن رات کی بخشش اور عنایات کے باوجود بھی خزانہ ختم نہ ہوتا تھا۔ تھوڑے عرصے تک تو یہ کیفیت رہی کہ جیسے دارالسلطنت میں ہن برس رہا ہے' لیکن پھر خزانہ میں کمی ہونے لگی اور فوج کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے امور سلطنت میں بدانتظامی پیدا ہونے لگی۔ چنانچہ محمد تغلق کے عہد حکومت کے درمیانی اور آخری حصہ بہت ہی بد انتظامی اور اندرونی خلفشار کا گزرا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علاوہ گجرات اور کوئی حصہ سلطنت کے ماتحت نہ رہا۔

زوال سلطنت کے اسباب

۱۔ دو آب کے درمیان خراج (چوتھ) بہت وصول کیا جاتا تھا۔

۲۔ سونے اور چاندی کے سکوں کے بجائے تانبے اور پیتل کے سکے استعمال ہو رہے تھے۔

۳۔ خزانہ علائی کے خالی ہو جانے کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ خراسان اور ماوراء النہر کو فتح کرنے کے لیے تین لاکھ ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر مرتب کیا گیا تھا۔

۴۔ کوہ ہماچل کے فتح محمد تغلق نے اپنے بھانجے خسرو ملک کی سرکردگی میں ایک لاکھ سوار تیار کر کے بھیجے۔

۵۔ بلا تفریق مذہب قتل عام کا رواج بھی اس کا ایک سبب تھا۔

ان وجوہات کی تفصیل یہ ہے۔

خراج کی زیادتی: خراج زیادہ وصول کرنے کے بارے میں تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ محمد تغلق نے محض چند خیالی باتیں اپنے ذہن میں تخلیق کیں اور انہیں کے تحت درمیان دو آب کا خراج دس سے تیس اور تیس سے چالیس تک بڑھا دیا۔ اس زیادتی سے عوام میں

بغاوت کے جذبات پیدا ہوگئے' کاشتکاری میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی' کاشتکاری کے کاموں میں خلل پڑتے ہی قہر خداوندی بھی نازل ہوا' بارش اتنی کم ہوئی کہ دو تین سال تک برابر قحط پڑتا رہا' قحط سالی سے ہزاروں گھر برباد ہوگئے اور فوجی لشکر کا شیرازہ بکھر گیا۔

خزانے کی تباہی: تانبے اور پیتل کے سکے رائج کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ محمد تغلق کو سکندر کی طرح ہوس ملک گیری نے ہفت اقلیم کو فتح کرنے کا شوقین بنا دیا تھا وہ ساری دنیا میں اپنا بول بالا کرنا چاہتا تھا۔ دہلی کا موجودہ خزانہ ان فضول اخراجات کے لیے کافی نہ تھا اس نے تسخیر ممالک کے نظریہ کو سامنے رکھا اور موروثی سلطنت کی تباہی و بربادی کا خیال دل سے نکال کر اس کی حفاظت اس طرح کرنی چاہی کہ خزانہ سونے اور چاندی کے سکوں سے معمور ہوگیا اور ملک میں تانبے اور پیتل کے سکوں کا رواج کر دیا۔ محمد تغلق نے اپنی حد تک تو یہی سوچا کہ وہ چین کی پیروی کر رہا ہے اور جیسے چین میں کاغذ کا سکہ رائج ہے اسی طرح ہندوستان میں تانبے اور پیتل کے سکوں کا رواج ہوگیا۔ چین کے سکہ کا نام جاو ہے جو کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے اور جس کے اوپر چین کے بادشاہوں کے القاب نقش کر دیے جاتے ہیں۔ چین کے لوگ اپنے روزانہ کے کاروبار میں یہی کاغذی سکے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستان میں یہ طریق کار کامیاب ثابت نہ ہوا اور یہاں کے ہندو بے حساب تانبہ اور پیتل دارالضرب میں لانے لگے اور اس سے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں سکے ڈھلوا کر ان سے سامان اور ہتھیار خریدنے لگے اور پھر اس مال کو دوسرے ملکوں میں چاندی اور سونے کے سکوں کے عوض فروخت کرتے اور اسی طرح سنار بھی شاہی سکہ کی ہوبہو نقل کر کے اپنے گھروں میں سکے ڈھالنے لگے۔ اس بد انتظامی کی وجہ سے بادشاہی فرمان دور دراز ملکوں میں اپنی اہمیت قائم نہ رکھ سکا اور منسوخ ہوگیا اور لوگ بغاوت و سرکشی کرنے لگے۔ یہ سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ خود دارالسلطنت اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں تانبہ اور پیتل کے سکے کوڑیوں کے بھاؤ بھی نہ خریدتے تھے۔

بادشاہ کو اس بغاوت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے حکم دیا کہ تمام تانبہ اور پیتل کے سکے خزانہ شاہی میں جمع کر دیے جائیں اور اس کے عوض چاندی اور سونے کے سکے لوگوں کو دے دیے جائیں۔ بادشاہ نے اس خیال کے تحت یہ حکم نافذ کیا تھا کہ شاید اس طرح پیتل اور تانبہ کے سکوں کی لوگ قدر کرنے لگیں لیکن اس کا اثر بادشاہ کی توقع کے خلاف الٹا ہوا اور لوگ بوریوں میں بھر بھر کر تانبہ اور پیتل کے سکے لاتے اور خزانہ شاہی میں داخل کر دیتے اور اس کے عوض سونے چاندی کے سکے وصول کر لیتے۔ اس تبادلے سے رعیت تو مالا مال ہوگئی لیکن خزانہ شاہی تانبہ اور پیتل کے سکوں کی آماجگاہ بن گیا' خزانہ کی تباہی کا اثر انتظام سلطنت پر پڑنا لازمی تھا۔ نتیجہ میں سلطنت کا نظام بگڑ گیا اور ملک میں ابتری پھیل گئی۔

ملک گیری کا سودا: بادشاہ کے سر میں ملک گیری کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امیر نوروز (ترمہ شیریں خاں کا داماد جو چغتائی نسل کا شاہزادہ تھا) بہت سے امیروں کے ساتھ ہندوستان آیا۔ محمد تغلق کے دربار میں رسائی حاصل کی اور ملازم ہوگیا۔ اس کے علاوہ ایران اور خراسان کے بھی کچھ شاہزادے' امرا اور اراکین دولت اپنے اپنے وطن سے بیزار ہو کر ہند میں آئے اور بادشاہ سے قربت حاصل کی۔ دربار میں ان کا عمل دخل شروع ہوگیا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ ایران و توران کو سر کرنا بہت آسان ہے۔

محمد تغلق نے جہاں گیری کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ان ایرانی اور خراسانی امراء اور شاہزادگان کو بادشاہ نے انعام و اکرام اور خلعت شاہانہ سے سرفراز کرنا شروع کیا تاکہ وہ حکومت سے بد دل نہ ہوں۔ لشکر میں سرحدی فوج کے علاوہ تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا اضافہ کیا اور ان فوجیوں کے لیے گھوڑے اور دیگر ساز و سامان فراہم کیا۔ پہلی مرتبہ تو ان نئے سپاہیوں کو سالانہ تنخواہ خزانہ شاہی سے دی گئی لیکن مستقل طور پر ان سپاہیوں کو مطمئن کرنا بہت دشوار تھا۔ کیونکہ انہیں جس مقصد کے تحت رکھا گیا تھا وہ پورا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا ان ملازمین سے کوئی کام بھی نہ لیا گیا اور جب نئے ملک تسخیر نہیں کیے گئے تو مال غنیمت بھی نہیں ملا ان وجوہ کی بنا پر سپاہیوں کے حسابات چکانا مشکل

ہو گیا۔ اخراجات کے بوجھ سے خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ ساری فوج میں بد انتظامی پھیل گئی اور سیاسی بساط بالکل ہی پلٹ گئی۔

کوہ ہماچل کی تسخیر کا ارادہ: بادشاہ نے کوہ ہماچل کو فتح کرنے کے لیے ایک لشکر عظیم روانہ کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کو چین اور ہماچل (جو ہندوستان اور مملکت چین کے مابین واقع ہے) فتح کرنے کی دھن سمائی لہٰذا اس نے اپنے بھانجے خسرو ملک کی سرکردگی میں ۷۳۸ھ میں ایک لاکھ تجربہ کار سوار' درباری امراء اور اراکین دولت کو اس مہم پر روانہ کیا۔

خسرو ملک کو بادشاہ نے بطور خاص ہدایت و تنبیہہ کر دی تھی کہ پہلے ہماچل کو تسخیر کرے اور جہاں کہیں ضرورت ہو قلعہ بنوائے اور اس حصار کی حفاظت کے لیے فوجیوں کا تعین کرے۔ بعد ازاں چین کی حدود میں داخل ہو کر اس کی سرحد پر بہت ہی مضبوط اور پائیدار قلعہ بنوائے اور وہیں رہے۔ وہاں پہنچ کر تمام تفصیلات بادشاہ کی خدمت میں بھیجے اور اس عریضہ کے جواب کا انتظار کرے۔ جب بادشاہ کا جواب اور دارالسلطنت دہلی سے کمک بھی پہنچ جائے' تب سرحد سے ہوتا ہوا شہر میں قدم رکھے اور رفتہ رفتہ ممالک چین کو اپنے قبضے میں لائے۔ اراکین دولت نے بارہا اشارۃ" بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ کام مشکل ہے کیونکہ آج تک کسی بادشاہ ہند نے چین پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی' لیکن محمد تغلق کا ارادہ بڑا ہی مستحکم تھا اور اس نے اس سے سر مو تجاوز نہ کیا۔ آخر کار مجبورا" خسرو ملک اور اس کے ساتھی کمربستہ ہوئے اور دہلی سے چل کر کوہ ہماچل پر جا پہنچے۔ خسرو ملک نے بادشاہ کی ہدایات پر عمل کیا۔ بعض مقامات پر قلعے بنوائے اور کچھ لشکر وہاں چھوڑ کر آگے چل کھڑا ہوا۔ جب خسرو ملک مع لشکری چین کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کی آبادی' امرا چین کی شوکت و عظمت' جاہ و جلال' شہر کے قلعوں کی اونچائی' راستوں کی تنگی' رسد رسانی کی مشکلوں کا تصور کر کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور یہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ بغیر لڑائی کیے ہوئے ہی واپس لوٹ جائے۔

آلام و مصائب کی یورش: اسی دوران برسات کا موسم آ گیا تھا اور اس سفر میں مسلمان جن راستوں سے سرحد تک پہنچے تھے وہ بارش کی وجہ سے مٹ گئے ان کی نشاندہی مشکل تھی۔ اس لیے اسلامی لشکر کو واپسی میں بے حد مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ دامان کوہ کا سہارا لیتے ہوئے سرگرداں اور پریشان حال سپاہی راستہ تلاش کرتے ہوئے چل رہے تھے پہاڑی لوگوں کو بھی موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے اسلامی لشکر میں قتل و غارت گری شروع کر دی اور طرفہ ستم یہ کہ قحط کی بلا نے آ گھیرا اور اس طرح مصیبتوں اور تکلیفوں کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک ہفتہ کی تگ و دو کے بعد خدا خدا کر کے اس بلائے ناگہانی اور سیلاب کی مصیبت سے نجات حاصل ہوئی اور اسلامی لشکر اسی میدان میں پہنچا کہ جس کو تہہ کرتا ہوا یہ لڑائی کے لئے روانہ ہوا تھا اس جگہ کو غنیمت جانا اور سپاہی آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔ مگر آلام و مصائب نے ابھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اسی رات بہت زوروں کی بارش ہوئی اور سیلاب نے سارے لشکر کو اس بری طرح سے گھیر لیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنا اور تیرنا بھی دشوار ہو گیا۔ تمام فوج مسلسل پندرہ دن سے بھوک سے پریشان ہو کر راہی ملک عدم ہوئی۔ گنتی کے چند سپاہی اور بعض وہ لوگ جو لشکر سے تھوڑی دور نکل آئے تھے زندہ بچے اور اس بلائے ناگہانی سے بچ کر ہندوستان واپس لوٹ آئے۔

دہلی کی تباہی اور بربادی

چونکہ محمد تغلق کے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کا ذکر گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں تفصیل سے آ چکا ہے اس لیے اس کو ایک خاص عنوان کے تحت بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اب دہلی کی تباہی و بربادی کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

بغاوتیں

ملک بہاء الدین کی بغاوت

یہ محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا اور اس کا لقب گرشاسپ تھا۔ جو تغلق کے عہد حکومت میں ایک مشہور امیر اور دکن کے صوبیداروں میں ولایت ساغر (ساغر کا مقام گلبرگہ میں اب بھی موجود ہے) کا جاگیردار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ ایک طرف تو محمد تغلق سے رعایا بیزار ہوگئی ہے اور نفرت کرنے لگی ہے اور دوسری طرف سلطنت کے انتظام کا ڈھانچہ بالکل بگڑ رہا ہے تو اسے ہوس ملک گیری اور حکمرانی نے ستانا شروع کیا، مگر گرشاسپ نے اپنے قلعہ ساغر کو بہت مضبوط کرلیا اور لشکر کی تنظیم میں حد درجہ سرگرمی دکھانے لگا۔ اس نے خود کو محمد تغلق کی سیاسی گرفت سے علیحدہ سمجھا اور بادشاہ سے باغی ہوگیا۔ دکن کے دیگر امراء کو اپنا ہم خیال بنا کر ملک کے بہت سے حصوں پر قبضہ کرلیا۔ جو امراء اس کی حکمت عملی پر نہ چلے انہیں وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا کیونکہ اس کا اقتدار شدت سے بڑھتا جا رہا تھا۔ ان امراء نے مندو اور سادی میں جا کر سر چھپایا۔ محمد تغلق نے جب ملک گرشاسپ کی سرکشی کی خبر سنی تو دارالسلطنت کے نامی امراء اور گجرات کے تمام لشکر کو بھیجا تاکہ اسے کیفر کردار تک پہنچائیں اس نے بھی ہمت نہ ہاری اور لشکر شاہی کے مقابلہ میں اپنی فوج بھیجی اور خواجہ جہاں سے لڑائی شروع کی۔ جنگ کے دوران میں ملک بہاء الدین کا ایک فوجی سردار خضر بہرام نامی خواجہ جہاں سے آ ملا اور اپنے حاکم کیخلاف ہوگیا۔ خضر بہرام کے منحرف ہونے سے ساری فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ خواجہ جہاں کی فوج کو اس سردار کی بغاوت سے بہت مدد ملی۔ گرشاسپ کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور دیوگڑھ سے جا کر ساگر میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد اس کو خبر ملی کہ خواجہ جہاں اسے قتل کرنے کے لیے ساگر کی طرف بڑھ رہا ہے لہٰذا یہ لشکر شاہی کے عتاب سے ڈر گیا اور ساگر سے اپنے بال بچوں سمیت کرناٹک کے مشہور شہر کنپلہ جا پہنچا یہاں کا راجہ اس کا طرف دار تھا۔ اسی دوران میں محمد تغلق بھی دولت آباد تک پہنچ گیا اور اس نے خواجہ جہاں کی سرکردگی میں ایک لشکر شاہی تیار کر کے کنپلہ روانہ کیا۔ خواجہ جہاں کو گرشاسپ نے دوبارہ شکست دی لیکن جب تیسری بار دیوگڑھ سے اس کو کمک پہنچ گئی تو اس نے بہ آسانی فتح پالی اور کنپلہ کے راجہ کو بھی پکڑ لیا گیا۔ گرشاسپ نے بلال دیو کے پاس پناہ چاہی مگر بلال دیو کو معلوم تھا کہ شاہی لشکر اس کا پیچھا کر رہا ہے لہٰذا وہ بہت ڈرا اور اس نے گرشاسپ کو پکڑ کر خواجہ جہاں کے پاس بھیجا اور خود بادشاہ کا اطاعت گزار بن گیا۔ خواجہ جہاں نے گرشاسپ کو قیدی بنا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ محمد تغلق نے حکم جاری کیا کہ "اس باغی کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھرا جائے اور تمام شہر میں اس کی شہرت اور منادی کرا دی جائے کہ حکومت کے سیاسی باغیوں اور مجرموں کا یہی انجام ہوتا ہے"

مرکز کی تبدیلی

مندرجہ بالا واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے بادشاہ کو اچانک یہ خیال آیا کہ غالباً" سارا ہندوستان دہلی کی شہنشاہیت سے منحرف اور باغی ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اب پایہ تخت کے لیے کسی ایسے مقام کو منتخب کیا جائے جو ان ملکوں کے جن پر بادشاہ کا قبضہ و تصرف تھا' نزدیک ہو۔ اور ان ملکوں اور پایہ تخت وہی تعلق رہے جو دائرہ کے خطوط کو اپنے مرکز سے' اس میں خاص مصلحت یہ پوشیدہ تھی کہ سلطنت کے خراب اور اچھے تمام حالات سے بادشاہ کو خبر ہوتی رہے اور ساری رعایا کی حفاظت بوجہ احسن ہو سکے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ ہر نئے حادثے کی اطلاع بادشاہ کو فوراً" ہو جائے اور رونما ہوتے ہی اس کے سدباب کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔ عقلمند امرائے سلطنت نے اجین کو پایہ تخت منتخب کرنے کی صلاح دی۔ اس جماعت نے یہ دلیل پیش کی کہ شہر اجین طول و عرض کے لحاظ سے ہندوستان کے بالکل وسط میں واقع ہے اور ہند کے مشہور حکمران کھتری راجہ بکرماجیت نے اسی خیال کو مدنظر رکھ کر اجین کو اپنا پایا تخت بنایا تھا۔

چند ارکان سلطنت نے دیوگڑھ کی طرف بادشاہ کا رجحان دیکھ کر اسے مرکز سلطنت بنانے کا مشورہ دیا بادشاہ پہلے ہی سے دیو رھ کا دل

سے گرویدہ تھا لہٰذا اسے ان امراء کا مشورہ پسند آیا اور فرمان جاری کر دیا کہ وہ دلی جس پر مصر بھی رشک کرتا تھا ویران اور سنسان کر دی جائے اور تمام شہری عورتیں' مرد' بچے' بوڑھے اور جوان سب دیوگڑھ منتقل ہو جائیں۔ جو غریب ہوں اور جن کے پاس سفر خرچ نہ ہو انہے خزانہ شاہی سے روپیہ دیا جائے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ دہلی سے لے کر دیوگڑھ تک ہر ہر منزل پر مسافروں کے لیے سرائیں بنائی جائیں اور سڑک کے آس پاس سایہ دار درخت لگائے جائیں تاکہ مسافر سایہ دار درختوں کے نیچے آرام سے سفر طے کریں۔ دیوگڑھ کا نام "دولت آباد" رکھا اور اس میں بہت عظیم الشان عمارتیں بنوانا شروع کیں۔ قلعہ دیوگڑھ کے آس پاس خندق کھود کر دولت آباد گھاٹ اور یلورہ کے پاس بڑے بڑے حوض بنوائے اور خوبصورت باغات لگوائے۔

نقل مرکز سے رعیت کی حالت بھی بدلی اور سلطنت کی مہمات میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی زمانہ تغیر و تبدل میں خواجہ حسن بصری دہلوی کا انتقال ہوگیا اور ان کا مدفن بھی دولت آباد ہوا۔ جس کی آباد کاری کی کہیں اور مثال نہیں ملتی' اس طرح دنیا میں اور کوئی شہر آباد نہ کیا گیا ہوگا۔ اگرچہ آب و ہوا کے لحاظ دولت آباد اچھا شہر ہے لیکن سب سے بڑی مشکل یہ کہ ایران و توران سے بہت دور تھا۔ محمد تغلق کو جب گرشاسپ کی بغاوت سے نجات ملی اور ادھر تمام دہلی کی رعیت منتقل ہو کر دولت آباد آ گئی تو بادشاہ نے کندہانہ پر حملہ کرنا چاہا۔

قلعہ کندھانہ کی فتح

ناک نایک نامی سردار نے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا اور تغلق جیسے عالی مرتبت بادشاہ کے ساتھ صف آرا ہو کر ایسی جانبازی سے لڑا کہ دوست اور دشمن سب بے ساختہ اس کی تعریف کرتے لگے۔ کندہانہ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور اس قدر مضبوط اور مستحکم بنایا گیا تھا کہ اسے فلک البروج سے تشبیہ دینا نامناسب نہ ہوگا۔ بڑے سے بڑے عالی رتبہ اور بلند ہمت بادشاہ کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس فلک نما قلعہ کے کنگرہ کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ محمد تغلق نے مسلسل آٹھ ماہ تک قلعہ کو گھیرے رکھا اور قلعہ کے آس پاس ساباط بنانے میں اتنا مصروف ہوا کہ ناک نایک اس کی ہمت شاہانہ سے بہت مرعوب ہوا اور بدحواس اور پریشان ہوگیا اور قلعہ محمد تغلق کے قبضہ میں دے کر جان کی امان طلب کی اور بادشاہ کے درباریوں میں شامل ہوگیا۔ بادشاہ کامیاب ہوکر خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا دولت آباد واپس لوٹا اور نہایت عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

بہرام ابیہ کی بغاوت

تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد تغلق کو اطلاع ملی کی بہرام ابیہ سرکش ہوگیا ہے اور پنجاب و ملتان کے مقامات میں لوٹ مار کر رہا ہے۔ اس نے اچھی خاصی فوج فراہم کر لی تھی اور حکمرانی کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوگیا تھا۔ اس کی سرکشی کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ نے دولت آباد کو پایہ تخت بناتے ہی تمام امراء اور حکمرانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال بچوں کے لیے دولت آباد میں نئے مکانات بنوائیں اور مستقل سکونت اختیار کریں۔ اس فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے علی نام کا ایک مغل بہرام ابیہ کے اہل و عیال کو لینے کے لیے ملتان پہنچا اور جیسا کہ مغل فرقہ کی عادت ہے کہ وہ بہرام ابیہ اور اس کے رشتہ داروں سے بہت بد اخلاقی سے پیش آیا اور انہیں بادشاہ کے غیظ و غضب کے خود تراشیدہ قصے سنا سنا کر ڈرایا۔ ایک دن بہرام ابیہ کا داماد مکان سے دیوانخانہ جا رہا تھا علی نے اس کے نزدیک جا کر کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اپنے بال بچوں کو دولت آباد کیوں نہیں بھیجا۔ کیا تم حکومت سے نمک حرامی اور غداری کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر اس کا داماد آگ بگولا ہوگیا اور کہا تم گالی کیوں دے رہے ہو۔ علی نے جواب دیا کہ بے شک تم گالیوں کے لائق ہو کیونکہ اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے ہو اور بادشاہ کے فرمان کی تمہیں پرواہ نہیں ہے۔ دونوں میں ذرا بلند آواز سے بحث ہونے لگی اور بہرام ابیہ کے داماد کے بال علی نے پکڑ لیے۔ لڑائی ہونے لگی اس نے علی کو زمین پر گرا دیا اور ایک ملتانی سلاحدار نے علی کا سر تن جدا کر دیا۔ اس قتل کی وجہ سے بہرام ابیہ عتاب شاہی کا تصور کر کے کانپ اٹھا اور اپنی جان بچانے کی خاطر شاہی باغیوں میں شامل ہوگیا۔

بادشاہ نے جب اس کی بغاوت کا حال سنا تو سوچا کہ اس وقت تک ملتان اور پنجاب کی آگ مدہم نہ پڑے گی جب تک بادشاہ خود بنفس نفیس نہ جائے گا لہٰذا یہ سوچ کر وہ ملتان کی طرف روانہ ہوگیا اور ادھر بہرام ابیہ بھی ایک بڑا لشکر لے کر بادشاہ کے مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ جنگ میں ہزاروں بندگان خدا کا خون بہا اور لاکھوں بے گناہ مارے گئے۔ بہرام ابیہ بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا وہ شکست کھا کر میدان چھوڑ کر بھاگا اور بادشاہ نے قتل عام کا حکم جاری کرنے کا ارادہ کیا' لیکن حضرت شیخ رکن الدین نے اہل ملتان کے لیے سفارش کی اور بادشاہ ان کے خیال سے اپنے اس ارادے سے باز آیا۔ اب ملتان کا حاکم قوام الملک کو بنایا گیا اور وہ لوگ جو بہرام ابیہ کا ساتھ دے رہے تھے ان کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ محمد تغلق بہرام کے فتنہ کو ختم کر کے اطمینان سے دہلی واپس آیا چونکہ وہ دولت آباد نیا نیا آباد ہوا تھا اس لیے یہاں بہت گڑ بڑ تھی اور خاص توجہ شاہی کی ضرورت تھی۔ اس لیے محمد تغلق نے مسلسل دو سال تک دہلی میں قیام کیا اور نئے پایہ تخت کو آباد کرانے کے کوشش میں لگا رہا۔ اسی دوران میں بادشاہ نے اپنی ماں مخدومہ جہاں کو امراء اور افواج اور حرم و محلات کے ہمراہ دولت آباد بھیج دیا۔ بادشاہ کو دولت آباد کو آباد کرنے کی دھن میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ بعض لوگوں کے لیے وہاں کی آب و ہوا ٹھیک نہ ہوگی اور بلا تامل سب کو دولت آباد جانے کا حکم دے دیا۔ ادھر دہلی ویران و بیابان ہوگئی چاروں طرف علاوہ جنگلی جانوروں کی آوازوں کے کسی انسان کی آواز کانوں میں نہ آتی تھی۔

علاقہ دو آبہ میں بغاوت

چونکہ اسی عرصہ میں بادشاہ نے میان دو آبہ کی رعیت سے بڑی سختی سے لگان طلب کیا تھا اس لیے رعیت نے تنگ آ کر اپنے گھروں اور کھیتوں اور کھلیانوں میں آگ لگا دی۔ اپنے مویشیوں کو لے کر جنگل کی طرف نکل گئے اور سنسان جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنے لگے۔ میان دو آبہ کی رعایا کی یہ حرکت بادشاہ نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھی اور ضلع داروں کو حکم دے دیا کہ قتل و خونریزی سے کام لے اور آگ لگانے والے لوگوں میں جو جہاں ملے اس کو وہیں پر قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ کے اس فرمان سے میان دو آبہ کا زرخیز خطہ بالکل ویران اور غیر آباد ہوگیا۔ راستہ پر امن نہ پا کر مسافروں نے سفر کرنا چھوڑ دیا اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ جن فوجیوں کے اہل و عیال دولت آباد میں تھے وہ بے چین اور پریشان ہوگئے۔

قتل و غارت گری کا شوق

محمد تغلق کے دور حکومت کا احوال عجیب و غریب ہے کسی بادشاہ کے حالات میں ایسے واقعات نہ لکھے گئے جیسے اس کا اعمالنامہ سیاہ ہے' یہ صرف غیاث الدین کے اس عجب الخلقت جانشین ہی کا حصہ ہے۔ بادشاہ نے انہیں دنوں خود شکار کھیلنے جاتا تھا اور بجائے جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کے ہزاروں انسانوں کے خون سے اپنے تیر و خنجر کی پیاس بجھاتا اور پھر ان تمام مقتولوں کے سر کاٹ کر حصار کے کنگرہ پر لٹکاتا اس سے بھی دل نہ بھرا۔ اپنی سفاکی اور ظلم دکھاتا ہوا قنوج پہنچا اور حدود قنوج سے لے کر مہوبہ تک قتل و غارت گری' خونریزی کا بازار گرم کیا اور بے گناہوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔

فخرالدین کی بغاوت

ادھر لکھنوتی میں پھر بغاوت کا بازار گرم ہوا اور بہرام خاں کے بعد قدر خاں کے ملازم نے سرکشی کی اس کا نام ملک فخرالدین تھا۔ اس نے قدر خاں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود لکھنوتی کے خزانہ کا مالک بن بیٹھا۔ ابھی بادشاہ کے ہاتھ قنوج کی رعایا کے خون سے رنگے ہی ہوئے تھے کہ مالا بار سے بغاوت کی یہ خبر آئی کی سید ابراہیم خریطہ دار کا باپ سید حسین سرکش باغی ہوگیا ہے اور امیروں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود حکمران بن گیا ہے۔ بادشاہ نے لکھنوتی کی بغاوت کو فرو کرنے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا اور شہر پہنچ کر سید ابراہیم خریطہ اور سید حسین کے تمام رشتہ داروں کو قید کر لیا۔ پھر ایک لشکر عظیم کے ساتھ ۷۴۲ھ میں مالا بار کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ دیوگڑھ پہنچا

اور وہاں کے لوگوں سے شاہی مطالبات بہت سختی سے لینا شروع کر دیے۔

بعض غریبوں نے اس سختی سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ بادشاہ نے یہاں بھی خراج کی رقم بہت زیادہ مقرر کر دی اور بہت ہی ظالم، سفاک گماشتوں کو خراج وصول کرنے کے کام پر مامور کیا۔ یہاں سے فرصت پا کر بادشاہ نے خواجہ جہاں کو تو دہلی جانے کا حکم دیا اور خود سید حسین کو قتل کرنے کی نیت سے مالا بار کی طرف چل دیا۔ تلنگانہ ہوتے ہوئے مالا بار کا سفر کیا اور پہلے ورنگل پہنچا۔ ورنگل میں بادشاہ کے پہنچنے سے دس دن پہلے ہی سے بیماری پھیلی ہوئی تھی اور اس بیماری نے فوجیوں پر بھی اپنا اثر کرنا شروع کیا۔ کئی بہادر اور مشہور امراء اس وبا کا شکار ہو گئے، اور خود بادشاہ کی طبیعت بھی خراب ہو گئی۔ اس نے مجبوراً سفر کرنے کا ارادہ ترک کیا۔ ملک نائب و عماد الملک کو تو ورنگل ہی میں رہنے دیا اور خود دولت آباد کا رخ کیا۔

بادشاہ جب بیر تک پہنچا تو اس کے دانتوں میں سخت درد اٹھا اور ایک دانت گر بھی گیا۔ دانت کا مدفن وہیں بنایا اور اس پر گنبد بنوایا جو آج بھی "گنبد دندان تغلق" کے نام سے مشہور ہے اس کے بعد آگے چلا اور پٹن میں قیام کیا اور اپنے علاج کی طرف توجہ کی۔ پٹن کے قیام ہی میں شہاب الدین کو نصرت خاں کا لقب عطا کیا اور بیدر کی صوبہ داری مرحمت فرمائی۔ بیدر کے گرد و نواح کی تمام جاگیریں ایک کروڑ ٹکے پر ٹھیکہ میں دے دیں اور شہاب الدین کے سپرد کر دیں اور اپنے استاد قتلغ خان کو دولت آبا اور مرہٹواڑی کے سارے علاقہ کا حاکم بنایا۔ ادھر شاہو افغان کے باغی ہونے کی خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ لہٰذا بادشاہ نے اپنے اچھے ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور اسی طرح بیماری کی حالت میں پالکی میں سوار ہو کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ روانہ ہوتے ہوئے عام منادی کرا دی کہ دہلی کے باشندوں میں سے جو چاہے وہ دولت آباد میں رہے اور جس کی مرضی ہو وہ بادشاہ کے ساتھ چلا جائے۔

ویرانی و تباہی کا دور دورہ

اس منادی کے فوراً بعد ہی کچھ لوگ تو بادشاہ کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے۔ ایک گروہ کو مرہٹواڑی کا مقام اتنا پسند آیا کہ وہ لوگ وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس سفر میں محمد تغلق نے صوبہ مالوہ اور دوسرے مقامات کو جو راستے میں تھے بالکل ویران اور تباہ و برباد پایا، بارش کی کمی کی وجہ سے ہر طرف خوش سالی چھائی ہوئی تھی۔ محمد تغلق کو یہ بھی احساس ہوا کہ تھانے اور چوکی کے پیادوں کو بھی ہٹا دیا گیا ہے اور اس طرح سارے ملک میں ایک عام انتشار پھیلا ہوا ہے۔ یہ سب کرشمے دیکھتا ہوا دہلی تک گیا یہاں کا عالم اور بھی عبرت انگیز تھا ہر طرف ویرانی اور ادبار کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ نکبت اور مفلسی نے دہلی کو گھیر لیا، قحط کی ہمہ گیری نے ہزاروں جانیں لے لی تھیں اور یہ عالم تھا کہ سترہ روپیہ کو بھی ایک سیر غلہ نہ ملتا تھا، جانور اور انسان سب بھوکوں مر رہے تھے۔

سلطنت کی یہ بربادی دیکھ کر بادشاہ نے اپنی توجہ اس طرف کی اور چند دنوں کے لیے تلوار کو میان میں رکھا اور بندگان خدا کے حال خراب کو سدھارنے کی سعی میں لگ گیا، بادشاہ نے رعایا کو خزانہ شاہی سے روپیہ دیا، کسانوں کو تاکید کی گئی کہ کنوئیں کھودیں اور ہل چلائیں چونکہ لوگ بہت خستہ حال ہو رہے تھے۔ لہٰذا انہیں جو تقاوی وصول ہوئی وہ تمام کی تمام کھانے پینے میں صرف ہو گئی اور زندگی کی نجی ضروریات سے جو تھوڑا بہت روپیہ بچا وہ کاشتکاری پر لگایا۔ بارش بالکل نہ ہوئی تھی اور خشک سالی ملک کو برباد کر رہی تھی۔ اسلیے کنوئیں کا پانی بھی کاشت کاری کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں بھی بادشاہ کی سیاسی حکمت عملی کی بدولت ہزاروں جانیں ختم ہو گئیں۔

دارالخلافہ کے گرد و نواح میں حقیقی اور مجازی دونوں خداؤں کی تلواریں نیام سے باہر تھیں غیظ و غضب کا شکار سارا ملک ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں سرزمین ملتان بھی انسانوں کے خون کی پیاسی ہوئی۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بہزاد نائب ملتان کو شاہو افغان نے پنجاب میں بغاوت کر کے قتل کر دیا ہے اور قوام الملک کو شہر سے باہر کر کے وہ خود مختار بن بیٹھا ہے۔ بادشاہ دہلی کا لشکر منظم کر کے ملتان کی طرف چلا راستہ

ہی میں خبر ملی کی اس کی ماں جن کا لقب مخدوم جہاں تھا ان کا انتقال ہوگیا' ان کے دم سے شاہی خاندان کا انتظام قائم تھا۔ بادشاہ کو ماں کی وفات کا بہت غم ہوا' مگر اس نے سفر جاری رکھا اور حکم دیا کہ قاعدے کے مطابق ایصال ثواب کی تمام رسمیں ادا کی جائیں۔ محمد تغلق ملتان کے نزدیک پہنچ گیا اور شاہو نے بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سنتے ہی خوفزدہ ہو کر ایک عریضہ شاہی خدمت میں بھیجا۔ اس میں لکھا کہ "میں اپنے پچھلے جرموں پر بہت شرمندہ ہوں۔" بعد ازاں وہ ملتان کو چھوڑ کر افغانستان بھاگ گیا۔ اس صورت میں بادشاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور دہلی کی طرف مراجعت کی یہاں کا حال اس کو پہلے سے بھی زیادہ خراب ملا۔ سارے شہر پر نکبت و ادبار چھایا ہوا تھا قحط بہت بڑھ گیا تھا آدمی آدمی کے خون کے پیاسے تھے' لیکن پھر بھی پیٹ کی آگ نہ بجھتی تھی۔ ایک بار پھر بادشاہ نے دریائے سخاوت جاری کیا' خزانہ شاہی سے رقمیں دیں۔ کھیتی باڑی کرنے کی خاص ہدایت کی لیکن پھر بھی سکون نہ ملا۔

سمانہ کی بغاوت

رعایا کی پریشانی اور کاہلی' دوسرے قحط اور بارش کی کمی سے جلال شاہی عتاب میں آیا بادشاہ پھر ایک بار خون کا پیاسا ہوگیا۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ اسی عرصہ میں ہنام اور سمانہ کی رعایا نے بغاوت کی اور شہر کو خالی کر کے جنگل کے ویرانہ میں جھونپڑیاں بنائیں۔ یہ لوگ شاہی مالگذاری دینے سے بالکل منحرف ہوگئے۔ بادشاہ نے ان کو راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی اور بہت جلد ان کی جھونپڑیوں کو جنہیں اس زمانہ میں منڈل کہا جاتا تھا گرانے کا حکم دے دیا اور اس گروہ کو پریشان کرنا شروع کیا تاکہ وہ لوگ شہر میں آباد ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ان لوگوں کے سرداروں کو دہلی میں آباد کیا گیا۔

ملک جندر کی بغاوت

گھکروں کے سردار ملک جندر نے ۷۴۳ھ میں سرکشی کی اور وہاں کے حاکم ملک تاتار خاں کو موت کے گھاٹ اتارا اور تمام صوبہ کا حاکم بن بیٹھا۔ بادشاہ نے خواجہ جہاں کی سرکردگی میں اپنی فوج بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجی' خواجہ جہاں نے گھکروں کو تباہ و برباد کر کے اس سرکشی کو ٹھنڈا کیا اور ملک میں سکون ہوا۔

خلعت خلافت عباسیہ ۷۴۴ھ

محمد تغلق کو مدتوں سے یہ خیال ستا رہا تھا کہ کسی طرح سے خلیفہ عباسی کے دربار سے پروانہ حکمرانی حاصل کر لے کیونکہ اس کے خیال میں خلیفہ عباسی کی اجازت کے بغیر حکومت کرنا بالکل جائز نہیں تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ ملکی سیاسی مصلحت کے تحت مصری حکام نے عباسی خاندان کے ایک شہزادے کو مسند خلافت پر بٹھا دیا ہے۔ کمال الملک کی رائے سے متفق ہوتے ہوئے بادشاہ نے یہ سنتے ہی اس خلیفہ کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کی اور سکہ شاہی پر اپنے نام کی بجائے اسی عباسی خلیفہ کا نام کندہ کرایا اور ملک میں منادی کرا دی کہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بالکل ختم کر دی جائیں۔ اس کے بعد دو تین ماہ تک مسلسل دربار خلافت میں قاصد بادشاہ کے اجازت نامے کے لیے عریضہ لے کر جاتے رہے۔ ۷۴۴ھ میں حاجی سعید حریری خلیفہ کے ایلچی کے ساتھ منشور حکومت اور خلعت لے کر دہلی پہنچا تو بادشاہ نامہ کے استقبال کے لیے اپنے علماء مشائخ اور امراء کے ساتھ پانچ چھ کوس تک گیا۔ منشور خلافت کو آنکھوں سے لگایا' سر پر رکھا اور حاجی سعید حریری کے قدموں کو بوسہ دیا اور چند قدم اس کے جلوس کے ساتھ پیدل چلا۔ سارا شہر سجایا گیا اور آئینہ بندی کے بعد بادشاہ نے سر سے نامہ خلافت اتارا اور پھر اشرفیاں صدقہ کی گئیں۔ نماز جمعہ و عیدین کی اجازت پھر دے دی گئی۔ خلیفہ کا نام بھی خطبہ میں شامل کر دیا گیا اور ان تمام شاہان دہلی کے نام نیز اپنے باپ کا نام بھی دعانامہ مغفرت سے نکال ڈالا کیونکہ ان سب نے خلیفہ بغداد سے اجازت لیے بغیر حکومت کی تھی۔ محمد تغلق نے تمام زربفت کے کپڑوں اور مسجدوں کے منبر کے قبوں پر خلیفہ بغداد کا نام کندہ کرایا۔ اپنے ہاتھ سے ایک نہایت مخلصانہ عریضہ اور ایک نفیس بے مثل موتی اظہار تشکر کے طور پر حاجی رجب کے ہاتھ خلیفہ کی

خدمت میں بھیجا۔ جانداران شاہی کے سردار ملک کبیر کو خلیفہ عباسی کی۔ملک گردانتے ہوئے ملک قبول کا خطاب دیا۔ یہ بہت بہادر، با اخلاق، عابد و زاہد تھے وہ بہادری اور جرات وہمت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

کشنانایک کی بغاوت

بادشاہ ابھی اسی خوشی سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہوا تھا کہ اسے کشنانایک کی بغاوت سر کرنا پڑی یہ لدر دیو کا بیٹا تھا اور ان دنوں ورنگل میں رہتا تھا۔ اس نے کرناٹک کے طاقتور راجہ بلال دیو کی پناہ چاہی اور درخواست کی کہ مسلمانوں نے کرناٹک اور تلنگانہ کے حدود اربعہ پر قبضہ کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ سارے غیر مسلموں کو موت کے گھاٹ اتار دیں اس لیے اب ہمیں بھی خاموش نہ رہنا چاہیے۔ اپنی حفاظت ہمارا فرض ہے بلال دیو نے تمام امراء سلطنت کو بلایا اور اس بارے میں رائے طلب کی۔ بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بلال دیو اپنے تمام ماتحت ملکوں کو پیچھے رہنے دے اور اس مقام پر معرکہ آرائی کرے جو مسلمانوں کے آنے جانے کا خاص راستہ ہے اور مالابار، دھور سمندر اور کنپلہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے چھین کر اپنے تصرف میں لے آئے۔ ساتھ ہی ساتھ کشنانایک کو بھی مشورہ دیا گیا کہ وہ جوانمردی دکھائے اور ورنگل کو بادشاہ دہلی کے تصرف سے نکال کر خود اس کا مالک بن جائے۔ بلال دیو نے پہاڑی سرحد کے نزدیک ہی اپنے بیٹے بھجن رائے کے نام پر ایک دشوار گزار جگہ پر ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام بھجن نگر رکھا۔ کثرت استعمال سے اب یہی لفظ "بیجانگر" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

بلال دیو نے کشنانایک کی کمک کے لیے لاتعداد سوار اور پیادے دیے۔ اس نے پہلے ورنگل پر قبضہ کیا اور یہاں کے وزیر عماد الملک نے بھاگ کر دولت آباد میں پناہ لی۔ بلال دیو نے کشنانایک کو دوبارہ فوجی مدد دی اور اس نے مالابار اور دھور سمندر کے راجاؤں کو جو ہمیشہ سے کرناٹک کے حکمرانوں کے باجگذار تھے، شہنشاہ دہلی کے سرداروں کی ماتحتی سے نجات دلا کر آزاد کیا۔ غرض یہ کہ فتنہ و فساد ہر طرف بپا ہو گیا اور گجرات و راجگڑھ کے سوا کوئی اور دور دراز ملک بادشاہ کے قبضہ میں نہ رہا۔ بادشاہ تغلق یہ حالات دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور طیش میں ایسے سیاسی احکامات نافذ کرتا کہ رعایا کانپ جاتی۔ بادشاہ کی سختیاں اور عتاب دن رات سہتے سہتے رعایا کا دل بادشاہ کی طرف سے کھٹا ہو گیا تھا۔ نئے فتنے بیدار ہونے لگے۔

بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہنوز خشک سالی باقی تھی۔ اس باعث بادشاہ کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، جو اس نے زراعت کے باب میں کی تھیں۔ اس نے مجبوراً یہ حکم دے دیا کہ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں اور جو لوگ جبر و تشدد سے شہر بند ہیں انہیں بھی جہاں چاہیں وہیں جانے کی آزادی دی جائے۔ جن لوگوں میں قحط و آلام و مصائب کا سامنا کرنے کے باوجود بھی زندگی کی رمق تھی، وہ مع اہل و عیال بنگالہ کی طرف چلے گئے۔ بادشاہ خود بھی قدرت کی ستم ظریفی سے عاجز آ گیا اور قحط کو بلائے آسمانی تصور کرتے ہوئے اس کا سدباب کرنے کی بجائے خود دہلی سے نکل آیا اور پٹیالی اور کنپلہ سے ہوتا ہوا دریائے گنگا کے ساحل پر جا پہنچا اور لوگوں کو حکم دیا کہ یہیں پر مقیم ہوں۔ اس کا نام "سرکدواری" رکھا گیا اور یہاں پر یہ انتظام تھا کہ کڑہ اور اودھ سے غلہ برابر پہنچتا رہا۔ شہر کے مقابلہ میں اس انتظام کے بعد سرکدواری میں غلہ کچھ ارزاں ہو گیا۔ صوبہ دار عین الملک (جو ظفر آباد اور اودھ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنی جاگیر میں رہتا تھا) جنس اور غلہ اور ضروریات زندگی کی دوسری چیزیں سرکد واری بھیجتا رہتا۔ بادشاہ جب "سرکد واری" میں رہا۔ عین الملک نے غلہ اور دیگر اشیاء کی شکل میں تقریباً آٹھ لاکھ ٹنکے کی مالیت کا سامان بادشاہ کو بھیجا۔ بادشاہ عین الملک کے حسن سلیقہ اور انتظام کا دل سے معتقد ہو گیا اور اس کی خدمات پر بہت تحسین و آفرین بھیجی، جن دنوں بادشاہ "سرکدواری" میں رہتا تھا اسی دوران میں تین فسادات اور ہنگامے بپا ہوئے لیکن وہ بہت جلد ختم کر دیے گئے۔

نظام مائیں کی سرکشی

پہلا فساد نظام مائیں کا تھا جو "کڑے" میں بپا ہوا- نظام مائیں ایک پنچ اور خراب آدمی تھا اس نے جو شرطیں بادشاہ سے کی تھیں انہیں پورا نہ کیا اور ۷۴۵ھ میں سرکش ہوگیا اور اپنا نام سلطان علاؤالدین رکھ کر خود کو بادشاہ مشہور کر دیا لیکن قبل اس کے کہ بادشاہ اس فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کرے عین الملک نے خود ہی فوج لے کر اس پر چڑھائی کی اور اسے قید کر کے کیفر کردار کو پہنچایا اور سر قلم کر کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا- محمد تغلق کی بھانجی کے شوہر شیخ زادہ نظامی کو اس جنگ میں مامور کیا گیا تھا- شیخ زادہ نے نظام مائین اور اس کے راز داروں اور حاشیہ نشینوں کو سخت سزائیں دیں اور اس ہنگامہ کو بہت کم وقت میں ختم کر دیا-

ہنگامہ دکن

دوسرا فتنہ دکن میں بپا ہوا اس ہنگامہ کا اجمالی بیان یہ ہے کہ کسی زمانہ میں نصرت خاں نے بیدر کا ٹھیکہ ایک لاکھ ٹنکے پر لیا تھا- وہ ٹھیک وقت مقررہ پر رقم شاہی خزانے میں نہ پہنچا سکا- لہٰذا اس نے بچاؤ کی یہی صورت دیکھی کی باغی ہو کر بیدر کے حصار میں قلعہ بند ہو جائے- دیوگڑھ کے سردار قتلغ خاں کو نصرت خان کا سر قلم کرنے کا حکم دیا گیا اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے دیگر امرائے سلطنت کو بھی نامزد کیا گیا- قتلغ خاں نے آن کی آن میں قلعہ بیدر پر فتح پالی اور نصرت خان کو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا-

علی شاہ کی بغاوت

نصرت خاں کے ہنگامہ کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ علی شاہ جو امرائے صدہ میں سے تھا اور ظفر علی خان علائی کا بھانجہ تھا وہ شاہی مالگزاری وصول کرنے کے لیے دیوگڑھ سے گلبرگہ آیا اور چہار طرف کہیں بھی کوئی شاہی عامل نہ ملا- اس نے اپنے تمام امرائے صدہ کو جمع کیا جن میں حسن گنگوہی بھی شامل تھا اور سب نے مل کر مہرین کو جو گلبرگہ کا حاکم تھا ۷۴۶ھ میں کسی بہانے سے قتل کر دیا اور اس کے مال و متاع کو برباد کر کے بیدر کا رخ کیا- نائب صوبہ دار کو بھی اپنی تلوار کا نشانہ بنایا' ملک پر قابض ہوگیا بادشاہ کو جب تمام حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے علی شاہ کی سرکوبی کے لیے قتلغ خاں کو بھیجا- علی شاہ نے قتلغ خاں کا مقابلہ کیا لیکن پھر ہزیمت پا کر قلعہ بیدر میں جا چھپا- قتلغ خاں کے عہد و اقرار کے بعد علی شاہ نے صلح کر لی اور تمام باغیوں کو قلعہ سے نکال کر بادشاہ کے حضور میں برکد واری پہنچا- بادشاہ نے علی شاہ اور اس کے ہمراہی سپاہیوں کو دیس نکالا دیا اور غزنی روانہ کر دیا لیکن چونکہ یہ خونی امیر غزنی سے بادشاہ کی اجازت کے بغیر باسار واپس چلے آئے' اس لیے بادشاہ نے عین الملک نیز اس کے دیگر ساتھیوں کو دولت آباد بھیج کر درنگل کی فتح کا سہرا اس کے سر ہی باندھنا چاہا- کیونکہ عین الملک مندرجہ بالا واقعات کی وجہ سے بادشاہ کا پسندیدہ حاکم تھا اور اسی لیے بادشاہ نے درنگل کی مہم پر اس کو بھیجنا چاہا اور محمد تغلق نے دیوگڑھ سے قتلغ خاں کو اپنے پاس بلا لیا-

بادشاہ کے تغیر و تبدل نے عین الملک کو طرح طرح کے وہموں میں گرفتار کر دیا- اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بادشاہ نے اپنے استاد قتلغ خاں کو بے خطا کیوں معزول کر دیا حالانکہ اس نے ہی دکن کی تمام بغاوتوں کو ختم کیا اور وہاں کی رعایا کو بادشاہ کی اطاعت گزار اور فرمانبردار بنایا تھا- اس کے علاوہ عین الملک کو دورہ مہم پر بھیجنا بھی اس کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا- غالباً" اس کا یہی مقصد ہو گا کہ بادشاہ اسے جاگیر سے الگ رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اتنی بڑی مہم پر بھیجنے کا مطلب یہی ہے کہ اسے دشمنوں کے منہ میں دے رہا ہے- اس تغیر و تبدل سے چند دن پہلے بادشاہ نے گماشتوں کی ایک جماعت کو خیانت الزام میں پکڑ کر اپنی سیاسی حکمت عملی کے جوہر دکھائے تھے- یہ جماعت گرانی کا حیلہ کر کے دہلی سے بھاگ گئی تھی- اودھ اور ظفر آباد میں جا کر عین الملک کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی گزار رہی تھی-

عین الملک کی بغاوت

عین الملک کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ شاہی مخبروں کو پناہ دینے سے بادشاہ کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے لہٰذا عین الملک کے سامنے بغاوت کرنے کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار نہ تھا۔ اس نے دل میں باغی ہونے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر ظاہرا" بادشاہ کے سامنے فرمانبردار بنا رہا اپنے بھائیوں کو لشکر سمیت اودھ اور ظفر آباد سے بلوایا۔ ابھی یہ لشکر راستہ ہی میں تھا کہ عین الملک سرکدواری سے فرار ہو کر راہ میں اپنے بھائیوں سے جاملا۔ اس کے بھائی بہت ہی جلدی کر کے سرکدواری پہنچے اور بادشاہ کے ہاتھی اور گھوڑے جو چراگاہوں میں چر رہے تھے سب کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بادشاہ ان واقعات سے اچانک گھبرا گیا اور امروہہ' سامانہ' کول' ہرن سے فوجوں کو فورا" طلب کیا۔ خواجہ جہاں بھی بادشاہ کے حضور میں آیا۔ محمد تغلق نے لشکر کی ترتیب و تنظیم دی اور ادھر عین الملک اور اس کے بھائیوں نے بھی دریائے گنگا کو پار کر کے شاہی لشکر کے مقابلہ میں اپنے قدم جمائے۔ ان سرکش امراء کا یہ خیال تھا کہ رعیت چونکہ بادشاہ سے بیزار ہے لہٰذا ان سے مل جائے گی۔ قنوج کے میدان میں جنگ چھڑی اور بادشاہ اس خیال سے خود اس جنگ میں شامل ہوا تاکہ تمام امراء کو ایک ساتھ ختم کر دے۔ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے جب سیاست اور غیظ و غضب کے سب سے بڑے مجسمہ کو بہ نفس نفیس میدان جنگ میں دیکھا تو لرزہ براندم ہوگئے اور تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی فرار ہوگئے۔ عین الملک زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس کا ایک بھائی میدان کارزار میں مارا گیا اور دوسرا بھائی شہراللہ نامی زخمی ہوگیا اور دریا میں ڈوب کر مرگیا۔ سرکشی کرنے والوں کے بہت سے سپاہی مع ساز و سامان' مال و متاع دریا میں ڈوب کر ختم ہوگئے اور باقی ماندہ لب دم جب دریا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچے تو وہ عتاب شاہی کا شکار ہوگئے۔ بادشاہ نے بعد میں کہا کہ عین الملک فطری طور پر کینہ پروری اور بغض و عناد رکھنے اور پھیلانے والا نہیں ہے اور اس سے جو غلطی ہوئی معاف کر کے اس کو دربار میں بلا کر خلعت شاہانہ عطا کیا اور سلطنت کے بہت سے اہم معاملات کا اس کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ بادشاہ سرکدواری سے عازم بہرائچ ہوا اور حضرت سپہ سالار مسعود غازی کے مقبرہ کی زیارت کی۔ حضرت مسعود سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور آل محمود کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کے ہاتھوں جام شہادت پایا تھا۔ بادشاہ نے سپہ سالار کے مزار اقدس پر نذر چڑھائی اور خانقاہ مسعودی کے مجاوروں کو مالا مال کیا۔

بادشاہ نے خواجہ جہاں کو بہرائچ سے آگے بھیج دیا تاکہ عین الملک اور اس کے دیگر سپاہی لکھنوتی نہ پہنچنے پائیں اور جو لوگ قہر شاہی یا قحط سالی سے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر آباد ہوگئے ہیں اور اودھ اور ظفر آباد میں مقیم ہوگئے ہیں۔ ان سب کو ان کے اصلی وطن بھیجا جائے۔ خواجہ جہاں کو فتح حاصل کرنے کے لیے بھیج کر بادشاہ دہلی واپس لوٹ آیا اور تھوڑی مدت میں خواجہ جہاں بھی اپنی سپرد کردہ خدمات کو انجام دہی کے بعد دارالسلطنت دہلی پہنچ گیا۔ اس درمیان میں حاجی رجب اور شیخ الشیوخ مصر سے فرمان نیابت خلافت مع علم امارت لے کر بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ بہت سے درباریوں اور امراء شہر کو لے کر ان کے استقبال کے لیے چھ سات کوس تک گیا اور خلعت و فرمان خلافت کو سر پر رکھا اور کوشک تک پیدل آیا۔ خلیفہ بغداد کی بھیجی ہوئی حدیث کی کتاب مشارق اور قرآن مجید و فرمان امارت کو سامنے رکھ کر خلیفہ کی بیعت اپنے ہاتھ پر لینے لگا اور بادشاہ جو حکم دیتا تھا وہ خلیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور بادشاہ کو اپنے ہر فرمان میں لکھ پڑتا کہ امیرالمومنین خلیفہ بغداد کا یہ حکم ہے۔ شیخ الشیوخ بصری کو بیش قیمت انعامات و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔ ساتھ ہی ساتھ خلیفہ کے لیے نہایت بیش بہا ہیرے جواہرات اور بے شمار دولت خدمت خلیفہ میں از راہ تشکر روانہ کی۔ اسی زمانہ میں خلفائے بنی عباس کے خاندان کا ایک شہزادہ دہلی آیا۔ محمد تغلق قصبہ پالم تک اس کا استقبال کرنے گیا ایک پرگنہ دولاگھ تنگ سفید کوشک سیری اور باغات کی تمام آمدنی شہزادہ کی معاشی مدد میں صرف کر دی اور جب یہ شہزادہ بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے دربار میں آتا تھا تو بادشاہ بہ نفس نفیس تخت شاہی سے نیچے آتا اس کو اپنے ساتھ لے کر اپنے برابر بیٹھاتا۔

قتلغ خاں کی معزولی

بادشاہ ابھی نیابت شاہی کی خوشیوں سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کو مرہٹواڑی کے علاقہ کی تباہی اور بربادی کا حال معلوم ہوا یہ علاقہ قتلغ خاں کی حکمرانی میں تھا- اس کے گماشتہ عوام کو بہت پریشان کر رہے تھے- کہا گیا ٹیکسوں کی وصولیابی کا یہ عالم ہے کہ دس کی جگہ ایک بھی مشکل سے ملتا ہے- بادشاہ نے ان افواہوں کا یقین کر لیا اور قتلغ خاں کو اپنے پاس دہلی بلا لیا مع اس کے بھائی کے حالانکہ قتلغ خاں انصاف پروری' سیاسی حکمت عملی میں اپنے دور کا بہترین صوبیدار تھا اس کا بھائی مولانا نظام الدین' جس کا لقب عالم الملک تھا' وہ منصرم مقرر ہوا اور انتظام میں مملکت میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں- جس زمانہ میں احکامات صادر ہوئے قتلغ خاں حوض بنوانے میں مصروف تھا جو آج تک "قلتو حوض" کے نام سے مشہور ہے- اس نے حوض کا تمام انتظام اپنے بھائی کے سپرد کیا اور چونکہ راستہ خطرناک تھا اس لیے اپنا مال و متاع بھی قلعہ وصارا گڑھ میں رکھا- اس قلعہ سے مطلب حصار بالائے کوہ ہے- یہ حصار پہاڑ کے دامن میں اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑ سے بنا تھا اور باقی تین اضلاع چونے اور پتھر سے بنائے گئے تھے- دولت آباد سے مراد وہ قلعہ ہے جو پہاڑ کے اوپر بنایا گیا ہے- جب خلیفہ کی طرف سے بادشاہ کو منشور نیابت شاہی مرحمت فرما دیا گیا ہے تو بادشاہ نے شرع کی رو سے بھی اور عقل و شعور سے بھی یہی سمجھا کہ اب حکومت کرنا اور مسند خلافت پر بیٹھنا اس کا پیدائشی حق ہے- لہٰذا اس نے تمام امور سلطنت پر دوبارہ غور و خوض کرنا شروع کر دیا-

قتلغ خاں کے آتے ہی نئے سرے سے حکومت کے انتظامات ہونے لگے اور دکن کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ضلع ایک امیر کی نگرانی میں دے دیا گیا اس امیر کو شقدار کہتے تھے- محمد تغلق نے اس وقت کے سب سے بہادر اور جری عامل اور مشیر عماد الملک کو دکن کا سپہ سالار مقرر کیا اور سردار الملک اور یوسف بغرا جیسے امراء معتمد کو ان کے ساتھ دولت آباد بھیجا- بادشاہ نے سات کروڑ زر سفید پر دکن کے خالصے کا ٹھیکہ دے دیا اور پرگنوں کا انتظام بھی انہیں امراء کے ہاتھ میں دے دیا اور نئے مقرر شدہ افسروں کو تاکید کر دی گئی کہ عالم الملک کے مشورے سے ہر کام کریں- اس انتظام سے بھی اہل دکن سکون نہ حاصل کر سکے اور حالات سازگار نہ ہوئے- اہل ملک قتلغ خاں کے معزول ہونے اور نئے ضلعداروں کی خراب حرکتوں سے پریشان تھے- دکن کے باشندوں میں سے بہت لوگ خانماں برباد ہوگئے اور باقی ماندہ لوگوں نے باغی ہو کر سرکشی شروع کر دی انتظام ملک کا شیرازہ بکھر گیا-

اسی طرح عزیز حمار نام کے ایک ذلیل اور پنچ قوم کے آدمی کو مالوے کا سردار بنا دیا- اس کو مالوے بھیجتے وقت بادشاہ نے کہا کہ وہاں کے تمام نئے نئے فسادات کی ذمہ داری امراء صدہ پر ہے لہٰذا ان امیروں کی سرکشی کو ختم کرنے کی پوری پوری ہدایت کی اور یہ کہ انہیں ہمیشہ اپنے رعب و داب میں رکھے- بادشاہ دکن اور مالوے کی بد انتظامیوں اور بغاوتوں کا خاطر خواہ انتظام کر کے پھر سرکد واری واپس آیا اور اس کے بعد ملک میں زرعی خرابیوں کو دور کرنے اور کاشتکاری کو ترقی دینے میں بہت سرگرمی دکھائی- اس نے ملک کو سرسبز کرنے اور آبادی بڑھانے کے لیے کئی قوانین بھی بنائے- یہ قانون اسلوب کے نام سے مشہور ہوئے اور انہیں امیر کوئی کا لقب دیا گیا- (کوئی ترکی میں آبادی کو کہتے ہیں' میرکوئی سے مراد حاکم آبادی ہے)-

قوانین امیر کوئی

ان نئے وضع کیے ہوئے قوانین میں سے ایک یہ تھا کہ زمین کے ایک حصے کو ایک مرکز سمجھ لیا جائے اور ہر ایک شخص کو اس شرط پر یہ مرکز دیا جائے کہ اگر اس کی زمین قابل کاشت نہ بھی ہو تب بھی وہ اس کو قابل کاشت بنائے اور اگر زمین زرخیز ہے تو معمولی پیداوار سے زیادہ پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے- اس خدمت کی انجام دہی کے لیے تقریباً سو (شقدار) حکمران رکھے گئے- ملک کے بہت سے باشندے جو آوارہ وطن اور بے یار و مددگار ہوگئے تھے ان کی توجہ کھیتی باڑی کی طرف مبذول ہوگئی تھی- ان غریبوں کے ماسوا بعض

کھاتے پیتے اچھی حیثیت کے لوگ بھی لالچ میں آکر اس اصول پر کاربند ہوگئے۔ یہ نیا زراعت کرنے والا گروہ انعام و تقاوی کے صلہ میں کبھی کبھار بادشاہ کے خزانے سے رقم وصول کرتا رہتا اور شاہی عطیات کا بہت سا حصہ اپنی نجی ضروریات زندگی پر خرچ کر بیٹھتا تھا اور یقین تھا کہ رحم و کرم کے بعد جلال شاہی بھی نازل ہوگا اور اس کی تاب لانا مشکل ہوگا ہر ایک اسی عتاب کا انتظار کر رہا تھا۔ اس ضمن میں ستر لاکھ ٹنکے خرچ ہوگئے اور دو سال ہی کے اندر اگر بادشاہ ٹھانہ کی مہم میں ختم نہ ہو جاتا تو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس جدید زراعت کرنے والے گروہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رکھتا۔ محمد تغلق کے دور حکومت میں دوبارہ قحط پڑا اور ہر قحط کا سلسلہ تین تین سال تک جاری رہا اور لوگوں کے لیے طوفان بن کر آیا۔

غرض یہ کہ عزیز حمار بادشاہ سے رخصت ہو کر دھارا پہنچا اور ملک کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ عزیز حمار نے ایک دن امرائے صدہ کی ضیافت کی اور تقریباً ستر امراء کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلا کر پھر اس نامعقول حکمران نے تمام امرائے صدہ کو کسی بہانے سے موت کے گھاٹ اتارا اور اس کارہائے نمایاں کی انجام دہی کی اطلاع بادشاہ کے نیاز میں بھیجی۔ بادشاہ نے عزیز حمار کی اس بزدلانہ حرکت اور جلد بازی سے قتل کرنے کی مثال کو شاہی وفاداری کا اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہوئے اسے خلعت شاہانہ اور اسپ خاص مرحمت فرمایا اور اس طرح اپنی خوشنودی ظاہر کی اور اس کی ہمت افزائی کی۔

عزیز کو بادشاہ نے خود بھی خلعت انعام و اکرام دیا تھا اور ہر حکمران کو ہدایت کی کہ تمام امراء عزیز حمار کی لائق خدمت کے صلہ میں اس کو انعامات تحفہ تحائف بھیجیں اور ہمت کو فی الامکان بڑھائیں۔ عزیز حمار کے اس کارہائے نمایاں نے بادشاہ کی نگاہوں میں رزیلوں اور پنچ لوگوں کو بڑھا دیا اور وہ ان کی تربیت پر فریفتہ ہوگیا اور وہ سفلہ لوگ جو بادشاہ کے احکام سے ذرا پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے اب بادشاہ کے مشیر خاص بن کر دربار میں جگہ پانے لگے اور سلطنت کے اہم امور پر مقرر کیے گئے اور خاندانی امیروں سے بھی ان کا مرتبہ بڑھ گیا۔ نجیاں گویے کا بیٹا تھا یہ گجرات، ملتان اور بداؤں کا امیر بنایا گیا اور مالی کا بیٹا جس سے زیادہ بدطینت آدمی دارالسلطنت میں نہ تھا، اسے وزارت کے عہدے پر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ سلطنت کے اہم کاموں پر ایسے لوگوں کو مامور کیا گیا اور انہیں قربت شاہی بھی حاصل ہوئی۔ مثلاً فیروز حجام، میکا نابنائی اور شیخ بابو بابک جولاہا۔ اس کے علاوہ گجرات کا وزیر مقبل نامی ایک غلام کو بنایا گیا جو شکل و صورت اور سیرت دونوں میں اپنے گروہ کا سردار تھا اور سب سے خراب آدمی تھا۔ بادشاہ کی اس کینہ پروری کی توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ شریف امراء اسکے احکامات کی تعمیل نہیں کرتے تھے اور نہ کرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ بادشاہ بعض احکامات ایسے صادر کرتا جو اس کے غیض و غضب کے آئینہ دار ہوتے اور اگر ان پر واقعی عمل کیا جاتا تو رعایا کا خون ناحق ہوتا اور ملک کی بربادی اور رعایا کے استیصال کا باعث ہوتا۔ لہٰذا وہ امراء اپنی عاقبت اندیشی اور فرزانگی سے ان احکامات کو ٹال جاتے اور بادشاہ اسے ان کی نااہلیت پر محمول کرتا لہٰذا اس کے دل میں سفلہ پروری کے جذبات جڑ پکڑتے گئے۔ بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ شریف زادے ہیں لہٰذا یہ بادشاہ کے احکامات کی قدر نہیں کرتے اور کمینوں کی فطرت ہی چونکہ غلامانہ ہوتی ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے احکام کو حکم خداوندی سمجھ کر بجالانے لگے۔ غرض یہ کہ عزیز حمار کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور ملک کے ہر گوشہ سے تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں تو ملک کے تمام امیران صدہ طیش میں آکر اکٹھا ہوئے اور موقع کا انتظار کرنے لگے۔

اسی عرصہ میں ملک مقبل جس کا خطاب "خان جہاں" تھا اور اسی زمانہ میں گجرات کا وزیر مقرر کیا گیا تھا وہ صوبے کا تمام خزانہ اور پائیگاہ کے گھوڑے جو گجرات میں اکٹھا کیے گئے تھے لے کر دیوی اور بروڈا کے راستہ سے دہلی چلا۔ ان اطراف میں جو امیران صدہ تھے سب نے مل کر اس کا مال و متاع لوٹ لیا۔ خان جہاں اسی ابتر حالت میں نہروالہ پہنچا۔ بادشاہ نے یہ سارے حالات سنے، بہت ہی طیش میں آیا اور گجرات جانے کی تیاریاں بہت ہی سرگرمی کے ساتھ کرنے لگا۔ ضیائے برنی جنہوں نے فیروز شاہی کی تالیف کی ان کے ذریعہ تغلق

خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ڈبھوی اور بروڈا کے فسادات اتنے اہم نہیں کہ جس کے سر کرنے کے لیے بادشاہ بہ نفس نفیس تشریف لے جائے اور اپنے لیے کہا کہ بادشاہ کی رہبری میں اس کو اتنی ہمت و جرات پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اس فتنہ کو بہ آسانی فرو کر کے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے یہ بھی شبہ تھا کہ بادشاہ کے اس مہم پر جانے سے کہیں، دیگر فتنہ خوابیدہ نہ جاگ اٹھیں اور پھر ان کا سدباب مشکل ہو جائے۔

بادشاہ نے قتلغ خاں کی اس پیش کش کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور اپنے چچا زاد بھائی ملک فیروز کو اپنا نائب بنایا اور امور سلطنت میں مدد دینے کے لیے خان جہاں اور ملک کبیر کو چھوڑا اور خود ۷۴۸ھ میں دہلی سے روانہ ہوا کر سلطان پور میں قیام کیا جو شہر سے پندرہ کوس دور تھا تاکہ پوری فوج علم شاہی کے تلے جمع ہو کر عازم مہم ہو۔ اسی اثناء میں اسے عزیز حمار کی طرف سے عرضی وصول ہوئی کہ چونکہ امیران صدہ نہایت فتنہ و فساد برپا کرنے کے عادی ہیں اور خود عزیز حمار ان سے بہت ہی نزدیک مقام پر رہتا ہے۔ لہٰذا وہ دھار کے سپاہیوں کی تنظیم کر کے ان کو سرکشی کی سزا دینا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے یہ عبارت دیکھی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کو معلوم تھا کہ عزیز حمار کو آداب جنگ و جدل سے اتنی آگاہی نہیں اور آئین جنگ کی اسے کیا خبر۔ عجیب نہیں کہ جلدی ہی اس کے قتل کی خبر سننا پڑے اور بادشاہ کا یہ خیال غلط ثابت نہ ہوا۔ سرکشوں کے سامنے عزیز حمار بدحواس ہوگیا اور گھبرا کر گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ دشمنوں نے وہیں پکڑ کر تلوار کے گھاٹ اتارا۔

محمد تغلق کی "سیاست"

بادشاہ سلطان پور سے روانہ ہوگیا دوران سفر میں بادشاہ نے ایک دن ضیائے برنی سے کہا کہ عام خیال ہے کہ ملک میں ریشہ دوانیاں بادشاہ کی سیاست سے پھیلتی ہیں، لیکن بادشاہ نے کہا کہ وہ اپنا ہاتھ بیکار نہیں رکھنا چاہتا۔ اس نے تاریخ دان ضیائے برنی سے دریافت کیا کہ تم نے تاریخ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ بتا سکتے ہو کہ کن کن موقعوں پر بادشاہ کی سیاست درست اور حق بجانب ہوتی ہے۔ علامہ برنی نے جواب دیا کہ تاریخ کسروی میں رقم ہے کہ بادشاہ کے پاس سات مواقع ایسے ہیں جب وہ اپنی سیاسی حکمت عملی سے کام لے سکتا ہے اور یہ ساتوں جرائم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دین حق سے ہٹ جانا (مرتد ہو جانا)

۲۔ جان بوجھ کر خون ناحق کرنا۔

۲۔ شادی شدہ مرد کا شوہر والی عورت کے ساتھ زنا کرنا۔

۳۔ بادشاہ وقت کے ساتھ سرکشی کرنا۔

۵۔ کسی ہنگامہ اور بغاوت کا سردار بن کر فساد بپا کرنا۔

۶۔ جب رعایا سرکشوں باغیوں سے مل جائے اور اسلحہ و روپیہ پیسہ سے ان کی مدد کرے۔

۷۔ بادشاہ کے احکام سے پھر جانا اور مکمل طور پر اس پر عمل نہ کرنا۔

محمد تغلق نے دریافت کیا کہ حدیث صحیح سے کن کن جرائم کے متعلق ثابت ہوتا ہے۔ اس پر علامہ برنی نے فرمایا کہ پہلی تین قسموں کے بارے میں صحیح حدیثیں موجود ہیں یعنی ارتداد، زنا اور قتل وغیرہ کے بارے میں فقہ کے مسائل اور حدیثوں کی تفصیل میں صاف لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ باقی چار جرائم ملک کی فلاح اور اصلاح مملکت کے خیال سے مخصوص بادشاہوں کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

محمد تغلق نے اس پر یہ جواب دیا کہ پرانے زمانہ کی رعایا فرمانبردار تھی، اس کے اعمال و اقوال میں شرافت اور صداقت تھی لیکن اس دور میں اچھائیاں برائیوں میں تبدیل ہوگئیں اور گردش لیل و نہار کی وجہ سے بادشاہ کو خود مخلوق خدا کے خون سے ہولی کھیلنا پڑتی ہے۔

لہٰذا بادشاہ کے خیال میں اس کے مظالم کا خاتمہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یا تو رعایا ان افعال بد سے باز آجائے' یا وہ دنیا سے اٹھ جائے ورنہ اسی سیاست پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسرے بادشاہ کے پاس کوئی ایسا دانشمندانہ وزیر بھی نہیں جو امور سلطنت میں مدد دے اور رعایا کو برہم نہ ہونے دے۔ بہرکیف بادشاہ مزیدار اور رنگین کہانیاں سناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور گجرات کے نزدیک ابوگڈھ پہاڑ تک پہنچ گیا اور اپنے ایک قابل اعتماد امیر شیخ معزالدین کو سرکشوں کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ معزالدین ڈبھوی کے آس پاس تک ہی پہنچا تھا کہ خواجہ جہاں بھی اس سے مل گیا۔ بغاوت کرنے والوں اور شاہی امراء میں باہم قتل و غارت گری شروع ہوگئی اور اس میں شاہی سرداروں نے فتح پائی اور بغاوت کرنے والے شکست کھا کر میدان چھوڑ کر بھاگے اور بادشاہ ابوگڈھ سے لوٹ کر پھر بھروچ آیا اور وہیں رہ پڑا۔ ملک قبول اور وزیرالمالک عمادالملک کو امیران صدہ کی گرفتاری کے لیے پیچھا کرنے کو بھیجا۔ دریائے نربدا کے ساحل پر پہنچ کر عمادالملک نے بہت سے سرکشوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان کے صلاح کاروں کو پکڑ لیا۔ سرکش امراء میں جو باقی بچے تھے انہوں نے حاکم بگلانہ ماندیو کی راجدھانی میں پناہ لینا چاہی مگر ماندیو بادشاہ کے غیظ و غضب سے خوب واقف تھا اس نے ان امیروں کو پناہ دینے کی بجائے تباہ و برباد کر دیا اور بدحال اور پریشان کر دیا اور اس صورت سے گجرات میں فساد و بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہوئی۔ عمادالملک چند روز بھروچ میں ٹھہرا رہا اور بادشاہ کے فرمان کے مطابق بہت سے باغیوں کو قتل و غارت کیا اور جو لوگ اس کی تلوار کا شکار نہ ہو سکے وہ آس پاس پریشانی و خستہ خالی کی صورت میں پھرتے رہے۔ بادشاہ بھی تھوڑے دنوں تک بھروچ میں رہا اور کینایت نیز دوسرے گجرات کے شہروں کا مال و متاع' خزانہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور زبردستی چھین کر داخل خزانہ شاہی کیا اور گجرات کے لوگوں میں سے جس پر ذرا بغاوت کا شبہ ہوا اس کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

ابھی اس فساد کی آگ ٹھنڈی بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرا اس سے بھی بڑا فتنہ خوابیدہ جاگ اٹھا۔ محمد تغلق نے زین الدین زند کو جو مجد الدین کے لقب سے مشہور تھا اور رکن الدین تھانیسری کے بیٹے کو جو اس دور کا سب سے بڑا فساد ڈھانے والا تھا ان کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ دولت آباد کے جتنے شرانگیز امراء خواہ وہ امیران صدہ ہوں یا کوئی اور انہیں گرفتار کر کے واصل جہنم کیا جائے' لیکن اپنا حکم نامہ صادر کر کے پھر بادشاہ پچھتا رہا تھا۔ اب اسے اس کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا کہ تمام سرکشوں کو اپنے سامنے بلا کر تلوار کے گھاٹ اتارے اور مجدالدین وغیرہ کے بعد بادشاہ نے ملک علی افسر جاندار اور ملک احمد لاچین کو جو امیر خسرو کے قریبی رشتہ دار تھے ان کو قتلغ خاں کے بھائی عالم الملک کے پاس اپنا حکم نامہ دے کر بھیجا' اور عالم الملک کو تحریر کیا کہ وہ اس گرد و نواح کے امیران صدہ کو ایک ہزار پانچ سو سواروں کی جمعیت سے ملک علی اور ملک احمد کے ساتھ بادشاہ کے نیاز میں بھیجے۔ عالم الملک نے رانچور' بدگل' گلبرگہ' گنگاوتی' گنجوتی' ابیاغ' کلہر' بیکری' بزار' رام گیر وغیرہ مشہور شہروں کے امیران صدہ کو دولت آباد بلوا بھیجا۔ مقبوضہ ممالک کے امیروں کو بادشاہ کی سیاسی حکمت عملی اور قتل و غارت گری کی بہت سی مثالیں اور واقعات معلوم تھے اور ہر شخص اپنی جگہ پر خوفزدہ تھا۔

عالم الملک نے علی اور احمد لاچین کو عامل بنا کر ان امیران صدہ کے لانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں امیروں نے بمشکل تمام نصیرالدین تغلچی' قزلباش حاجب' حسام الدین' اسمٰعیل مخ اور حسن گانگو وغیرہ نامی گرامی امراء کو گلبرگہ میں جمع کیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر دولت آباد کی طرف بڑھے۔ جب یہ قافلہ درہ مانک یونج پہنچا جو گنج اور "دون" کے درمیان واقع ہے تو تمام امیران صدہ نے ایک مشاورتی مجلس کو تنظیم دیا کیونکہ وہ محمد تغلق کے ظلم اور تشدد سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا اس انجمن میں یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ کا اس طرح طلب کرنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اور انہوں نے سوچا کہ خود کو بھیڑ بکریوں کی طرح قصائی کے حوالہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہ صلاح کر کے عین روانگی کے وقت باغی ہوگئے اور شاہی عاملین پر حملہ کر دیا۔ احمد لاچین کو تہ تیغ کر کے اس کا مال اسباب لوٹ لیا۔ ملک علی جاندار نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی اور بھاگتا ہوا رام گیر جا پہنچا۔ امیران صدہ فوراً ہی واپس چلے آئے

اور آکر دولت آباد پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا تمام خزانہ اور خدام ان کی ملکیت ہوگیا۔ عالم الملک کے اچھے اخلاق کا ہر ایک گرویدہ تھا اسلیے اس کو کچھ ضرر نہ پہنچایا گیا' لیکن دیگر شاہی عاملین کو موت کے گھاٹ اتارا۔ رکن الدین تھانیسری کے بیٹے کو بھی مار ڈالا اور سارا خزانہ آپس میں بانٹ لیا اور محمد تغلق کی سیاست سے بالکل بے خوف ہو کر بیٹھ رہے۔ گجرات کے باقی ماندہ امیران صدہ جو قہر سلطانی اور جلال شاہی سے ڈر کر جنگلوں میں صحراؤں میں چھپے ہوئے تھے اپنے دکنی بھائیوں کی دلیری کا حال سنکر نکل آئے اور ان میں شامل ہو گئے۔ ان تمام امیروں نے اسمٰعیل مخ کو جو بہت زیادہ عقل مند' جری اور بہادر تھا سردار بنا کر نصیرالدین اسمٰعیل کا لقب دے کر اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ محمد تغلق کو ان تمام واقعات کا حال معلوم ہوا اور وہ اسی وقت بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لے دکن کی طرف چلا۔

اسی سال بھروچ سے دولت آباد آیا۔ امیران صدہ بھی مقابلہ پر آئے ان امیروں نے بادشاہ کی فوج کے مقابلہ میں ایسی مردانگی اور شجاعت دکھائی کہ بادشاہ کی دائیں بائیں کا لشکر درہم برہم ہوگیا (میمنہ اور میسرہ) اور نزدیک تھا کہ بادشاہ کو بھی صدمہ پہنچے کہ امیران صدہ کی فوج کا افسر اعلیٰ شاہی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوگیا اور اس امیر کے قتل ہوتے ہی چار ہزار سوار میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس دوران میں رات کی سیاہی بڑھ گئی تھی اور تمام لوگ ایک دوسرے کے حال سے بے خبر ہو کر جدھر سینگ سمائے ادھر بھاگے اور ہر فریق نے میدان جنگ کے آس پاس ہی خیمہ لگا لیا۔ امیران صدہ نے ایک بار پھر مشاورتی مجلس کا انعقاد کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اسمٰعیل مخ قلعہ کے تحفظ کے لیے تھوڑا سا لشکر لے کر دولت آباد میں ٹھہرے اور دیگر باقی ماندہ امیر گلبرگہ جا کر اپنی اپنی جاگیروں کا انتظام کریں اور جب محمد تغلق دولت آباد سے واپس آکر دکن کی سرحد کے باہر ہو جائے تب یہ لوگ پھر اکٹھے ہو کر مہم کو دوبارہ سر کریں۔

اس تجویز کے مطابق محمد اسمٰعیل قلعہ دھارا میں' جہاں ضروریات زندگی کی تمام اشیاء فراہم تھیں ٹھہر گیا اور دیگر امیران صدہ میں حسن گانگو بھی شامل تھا اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ عماد الملک جو امیران صدہ سے ہار کر ندر بار سلطان پور میں زندگی کے بقیہ دن گزار رہا تھا اس کو محمد تغلق نے دوسرے مشہور امراء کے ساتھ امیران صدہ کے تعاقب میں گلبرگہ بھیجا اور خود دولت آباد کے محل خاص میں قیام کیا۔ دولت آباد کے کچھ باشندوں کو امیر نوروز گرگین کے ہمراہ دہلی روانہ کر دیا اور اس کے ذریعہ فتح نامہ بھی اہل دہلی کے لیے بھیجا اور اراکین دولت کو حکم دیا کہ اس فتحنامہ کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر بلند آواز سے پڑھ کر سب کو سنا دیا جائے اور سارا شہر خوشی منائے۔

قلعہ دھارا کی تسخیر

محمد تغلق نے اب قلعہ دھارا کو فتح کرنے کا خیال کیا اور لا تعداد سپاہیوں اور پیادوں کو ساتھ لے کر قلعہ دھارا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ روزانہ چھوٹی چھوٹی لڑائیں ہوتی رہتیں اور تین مہینہ مسلسل قلعہ کے اندر اور باہر خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ انہیں حالات میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ ملک طغی نے جو صفدر الملک کا غلام ہے' فساد برپا کیا ہے اور خود بھی احمد خواجہ جہاں کا غلام تھا اور انہیں امیران صدہ کو اپنا ساتھی بنایا ہے جو پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مل کر اپنے قدم بڑھائے ہیں اور نہروالہ کو اپنا منبع بنایا اور ملک مظفر نائب شیخ معزالدین جو گجرات کا حاکم تھا اور اس کو قتل کر کے عاملوں کو گرفتار کر لیا۔ کنبایت کو بالکل برباد کر کے اب بھروچ کے قلعہ کے نیچے خیمہ لگا کر ٹھہرا ہوا ہے۔ بادشاہ کو یہ بات معلوم کر کے بہت پریشانی ہوئی۔ بادشاہ نے خداوند زادہ قوام الدین کو شیخ برہان الدین بلگرامی اور ظہیرالجیوش جیسے نامور امیروں کے ساتھ دولت آباد کے محاصرہ کے لیے چھوڑا اور خود جلد ہی گجرات کی طرف چل پڑا۔ دولت آباد میں رہنے والے دوسرے لوگوں کو بھی بادشاہ اپنے ساتھ دہلی لے چلا۔ دکن کے لوگوں نے بادشاہ کے لشکر کا پیچھا کیا اور چند ہاتھی نیز خزانہ لوٹ کر بادشاہ کے بہت سے سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بادشاہ دریائے نربدا کو پار کر کے بھروچ پہنچا طغی کو جب بادشاہ کے بھروچ پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ بھروچ سے کنبایت آگیا۔ بادشاہ نے ملک یوسف بقرا کو اس کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا۔

کنبایت کے پاس ہی بقرا اور طغی میں لڑائی ہوئی اور یوسف دوسرے نیک اور قابل اعتماد لشکریوں کے ہمراہ میدان جنگ میں مارا گیا اور

یوسف کے باقی بچے ہوئے سپاہیوں نے جا کر بادشاہ کے لشکر میں پناہ لی۔ طغی کی بغاوت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور اس نے معزالدین نیرہ اور اس کے عاملین کو قید خانے سے نکال کر اپنے خنجر کی پیاس بجھائی۔ بادشاہ اس حرکت سے غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا اور کنبایت چل دیا۔ اساول جواب احمد آباد کے نام سے موسوم ہے۔ طغی بھاگ کر یہاں چھپا بادشاہ بھی اسی کے نقش قدم پر چلتا رہا اور بہت جلد احمد آباد پہنچ گیا' طغی نے پھر احمد آباد کو چھوڑ کر نہروالا میں قیام کیا۔ بارش کی زیادتی کی وجہ سے پورا ایک مہینہ احمد آباد میں بادشاہ کو ٹھہرنا پڑا۔ اسی دوران میں خبر ملی کہ طغی نے اچھی خاصی فوج اکٹھی کر لی ہے اور نہروالا سے احمد آباد کی طرف جا کر گڑھی (یہ مقام احمد آباد سے پینتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے) میں ٹھہرا ہوا ہے اور خیمہ لگایا ہے اور آمادہ پیکار ہے۔ محمد تغلق بارش کے زمانہ ہی میں اساول سے چل کر کڑی پہنچا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو طغی اور اسکے ہمراہی نشہ شراب میں چور محبان وطن کی طرح بادشاہ کی فوج کے مقابلہ پر ڈٹ گئے' لیکن چونکہ ان سرمست سپاہیوں کے ہاتھی قطار در قطار کھڑے تھے لہذا یہ لوگ کچھ نہ کر سکے اور بالآخر ہار کر درختوں کی جھنڈ میں چھپ گئے اور جھاڑیوں کے راستہ ہی چھپے ہوئے نہروالہ جا پہنچے۔ اس دارو گیر میں جو پانچ سو سپاہی بچ رہے تھے وہ بادشاہ کے حکم کے مطابق پکڑے گئے اور سزائیں دی گئیں۔ محمد یوسف نے یوسف بغرا کے بیٹے کو باغیوں کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا اس طرح یوسف کو پورا دن ہوگیا اور رات کو وہ ایک جگہ ٹھہر گیا۔ طغی کو فوراً موقع ہاتھ آیا اور وہ مع اپنے متعلقین اور بال بچوں کے آگے بڑھ گیا اور نہروالہ پہنچ گیا۔ حوض سہنک کے کنارے شاہی خیمہ لگایا گیا اور بادشاہ خود گجرات کو سرسبز اور شاداب کرنے میں مشغول ہوگیا۔

صوبہ گجرات کے تمام حکمران اور راجے مہاراجے بادشاہ کے پاس آتے اور تحفہ و تحائف سے اپنی وفاداری اور نیاز مندی کا ثبوت پیش کرتے رہے ہر ایک شاہی پیش کش سے بھی مشرف کیا جاتا۔ محمد تغلق کی سعی پیہم سے گجرات کی بدحالی بالکل دور ہوگئی اور ملک میں خوشحالی اور شادابی نظر آنے لگی۔ طغی کے چند مشہور فوجی جو اپنے سردار سے جدا ہوگئے تھے اور رانہ منڈل کے دامن میں پناہ لی تھی۔ ان راجاؤں نے ان کے سر بھی کاٹ کر بادشاہ کے نیاز میں بطور خوشنودی روانہ کر دیئے۔ محمد تغلق گجرات کی یہ ریشہ دوانیاں ختم کرنے کی کوشش ہی میں لگا ہوا تھا کہ اس نے سنا کہ دکن کے ان امراء نے جو بادشاہ سے ہار کر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے' پھر یک جا ہو کر حسن گانگو کی سرکردگی میں بغاوت کی آگ بھڑکائی ہے اور شاہی مشیر عمادالملک کو تلوار کے گھاٹ اتار کر خداوند زادہ قوام الدین اور ملک جوہر اور ظہرالجیوش تمام سرکاری عاملوں کو خستہ حال اور پریشان کر دیا ہے اور وہ مالوے کی طرف فرار ہوگئے ہیں۔ اسماعیل فخ نے بھی دولت آباد کے قلعے کو چھوڑ دیا اور ان امراء کے گروہ میں شامل ہوگیا۔ اسمٰعیل نے حکمرانی کی ذمہ داری سے استعفیٰ دے دیا اور امیران صدہ نے حسن گانگو کو سلطان علاء الدین کا لقب دے کر دکن کا حکمران مان لیا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی مگر وہ بخوبی سمجھ گیا کہ یہ چند روزہ سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے جس نے نہروالہ میں بادشاہ کے ظالم ہاتھوں کو رعایا کے خون سے ہولی کھیلنے پر مجبور کیا۔

محمد تغلق نے چند روزہ سیاسی حکمت عملی سے پناہ مانگی اور باز آیا۔ ملک فیروز' خواجہ جہاں' ملک غزنین' صدر جہاں اور امیر رفیعہ وغیرہ مشہور اراکین سلطنت کو انکے لشکروں کے ساتھ حسن گانگو کو تہہ تیغ کرنے کے لیے دہلی سے اپنے پاس بلایا' مگر محمد تغلق کو دکن کے اخبارات سے یہی اطلاعات موصول ہوئیں کہ حسن گانگو نے ایک بہت بڑی جمعیت اکٹھا کر لی ہے اور بہت طاقتور ہوگیا ہے۔ ان خبروں نے بادشاہ کو خوفزدہ کر دیا اور اس نے امراء کا اس معرکہ کو سر کرنے کے لیے بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور پکا ارادہ کر لیا کہ گجرات کی مہم سر کر کے اور کرنال کو فتح کر کے پھر خود ہی حسن گانگو کو تہہ تیغ کرنے کے لیے جائے گا۔ گجرات میں بادشاہ دو سال تک ٹھہرا رہا۔ پہلا سال تو فوج کو منظم کرنے اور نئے سپاہیوں کو فوج میں رکھنے کا کام کرتا رہا اور دوسرے سال کرنال کو فتح کر لیا۔ کرنال کے تمام مکھی' باج گزار بھی بادشاہ کے فرمانبردار ہوگئے۔ کنکار دیو جو کچھ کا راجہ تھا' وہ بادشاہ کی ماتحتی میں آگیا۔ اسے شاہی مہربانیوں سے مشرف کیا گیا۔ نظام الدین احمد کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق نے کرنال کے صوبہ پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور آس پاس کے راجاؤں کو اپنا باجگذار بنا لیا تھا'

لیکن یہ بات درست مانی جاتی ہے کہ محمود شاہ گجراتی کے علاوہ کسی اور حاکم وقت نے کرنال کے قلعہ کو فتح نہیں کیا' بلکہ محمد تغلق نے بھی راجہ کی فرمانبرداری ہی کو غنیمت سمجھا اور اسے فتح کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

علامہ ضیاء الدین برنی کہتے ہیں کہ اسی دوران میں ایک دن محمد تغلق نے ان سے کہا کہ اس کی سلطنت کے ہر عضو میں طرح طرح کے امراض پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر ایک مرض کا علاج کیا جاتا ہے تو دوسرا مرض بڑھ جاتا ہے' چونکہ مولانا برنی نے بہت سی تاریخی کتب کا مطالعہ کیا تھا للذا بادشاہ نے ان سے اس کا جواب چاہا۔ مورخ برنی نے جواب دیا کہ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ اگر کسی حکمران سے اس کی رعیت نفرت کرے اور ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جائے تو بادشاہ کے لیے چارہ کار یہی ہے کہ بھائی یا اپنے بیٹے کو جانشین کر دے اور خود گوشہ گیر ہو جائے۔ اگر وہ مسند حکومت چھوڑنا مناسب نہ سمجھتا ہو تو ان باتوں سے دور رہے جو رعایا میں نفرت کے جذبات کو اجاگر کرتی ہیں۔ بادشاہ نے ضیائے برنی کو جواب دیا اس کا نہ کوئی بیٹا ہے جو جانشینی کے فرائض انجام دے سکے اور نہ وہ خود ہی ملکی سیاست سے الگ ہو سکتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے اس کی اس کو پروا نہیں۔

شود شود نشود گو مشوچہ خواہد شد

المختصر کونڈل میں بادشاہ بیمار پڑا جو کرنال سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے اس سے پہلے کہ بادشاہ کونڈل پہنچے اس کو معلوم ہوا کہ ملک کبیر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس نے خواجہ جہاں اور عماد الملک وزیر کو دہلی بھیج دیا اور مخدوم زادہ نیز دیگر اراکین سلطنت کو دہلی سے اپنے پاس بلا لیا۔ بادشاہ کونڈل پہنچا اور دہلی کے امراء مع اپنے خدام و مال و متاع شاہی کے بادشاہ کے نیاز میں آئے۔ اس نے دکن کا معرکہ سر کرنے کے لیے لشکر سجایا اور صحت یاب بھی ہوگیا۔ محمد تغلق نے دیپالپور' ملتان' اچھ' سیوستان سے کشتیاں ٹھٹھ کی طرف لگائیں اور کونڈل ہوتا ہوا لب دریا تک پہنچا۔ طغی کو تہ تیغ کرنے کے لیے دریا کے کنارے دوسری طرف آیا اور مع لشکر اور ہاتھیوں کے دریا کے دوسرے کنارے خیمہ نصب کیا۔ امیر فرغن نے پانچ ہزار مغل سپاہیوں کی فوج محمد تغلق کی مدد کے لیے التون بہادر کے ہاتھ بھیجی وہ اسی عرصہ میں پہنچ گیا۔ امراء اور سپاہیوں پر شاہانہ کرم کی بارش ہوئی اور سومرہ کے گروہ کو جنھوں نے طغی کو پناہ دی تھی' سمجھانے کے لیے ٹھٹھ بھیجا۔ بادشاہ نے پینتیس کوس ہی کا راستہ طے کیا تھا کہ عاشورہ کا دن آگیا۔ بادشاہ نے عادت کے موافق روزہ رکھا اور افطار کے وقت تازہ مچھلی کھائی اور پرانا مرض بخار عود کر آیا۔ بادشاہ نے بخار کی مطلق فکر نہ کی اور کشتی میں سوار ہو کر سفر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب ٹھٹھ کا چودہ کوس کا فاصلہ رہ گیا تو بادشاہ ٹھہر گیا۔ مرض رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا بخار کی گرمی سے بے چینی اور پریشانی بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اکیس محرم ۷۵۲ھ کا آخری دن تھا اور محمد تغلق ساحری' پر ہیبت' شان و شوکت رکھنے والا حکمران ختم ہوگیا۔ اس نے عین نزع کے وقت یہ اشعار کہے۔

بسیار دریں جہاں چشیدیم بیسار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند بر نشستیم ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط و آخر چوں قامت ماہ نو خمیدیم

اس بادشاہ نے ستائیس سال تک حکمرانی کی۔

فیروز شاہ تغلق

سیاسی ابتری

مورخین کا خیال ہے کہ فیروز شاہ محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا محمد تغلق کا ہمیشہ سے ہی یہی خیال تھا کہ فیروز شاہ کو جانشین بنائے گا۔ محمد تغلق کے دوران حکومت میں فیروز شاہ نے دل و جان سے اس کی تیمارداری کی اور اپنی وفا شعاری اور ہمدردی سے بادشاہ کے بیمار دل میں جگہ قائم کر لی۔ بادشاہ کا تصور یقین تک پہنچ گیا اور اس نے علالت کے زمانہ میں ہی اپنی زبان سے فیروز شاہ کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ محمد تغلق کی وفات کے بعد فوج میں بہت بد انتظامی بڑھ گئی' لیکن فیروز شاہ اور دیگر خیر خواہان سلطنت نے اپنے اچھے انتظام سے فوجی بدنظمی کو دور کر دیا۔ سلطنت کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو ختم کرنے میں مصروف ہوگئے۔ سب سے اول تو ان لوگوں نے قزغن سے جو شاہی کمک آئی تھی اس کو واپس جانے کا حکم دے دیا کہ التون بہادر اس کی فوج اور امراء کا ہندوستان میں زیادہ قیام کرنا مناسب نہیں' کیونکہ ایسا نہ ہو کہ ہندی اور قزغنی سپاہیوں میں باہم کچھ بدمزگی پیدا ہو جائے اور پھر اس کا سدباب بہت مشکل ہو۔ ان حلیف امراء کو سمجھا دیا گیا کہ شاہی لشکر کے مہم پر جانے سے قبل ان کا اپنے وطن کی طرف چلا جانا بہت ضروری ہے اور یہی مصلحت اندیشی ہے۔

نو روز گرگین کی بغاوت

التون بہادر نے بھی اس صلاح کو مصلحت آمیز سمجھ کر خیمہ اور ڈیرے اٹھائے اور وہاں سے چل کر پانچ کوس کے فاصلہ پر ٹھہر گیا تو مبشر خان کا داماد جو محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا تھا اور آکر شاہی امرا میں شامل ہوگیا تھا وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر التون بہادر کے پاس جا پہنچا کیونکہ اس پر بغاوت اور سرکشی کا بھوت سوار تھا۔ اس نے التون بہادر سے کہا کہ یہ حقیقت عیاں ہے کہ ہندی حکمران اب دنیا میں نہیں ہے اور لشکر ہند بے دولھا کی بارات معلوم ہو رہا ہے۔ بادشاہ محمد تغلق کا ولی عہد کوئی اب تک نہیں مقرر کیا گیا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں بے حد سرگرداں ہیں۔ سپاہیانہ شان تو یہی ہے کہ کل جب دہلی کی فوج روانہ ہو ہم شاہی خزانہ تک پہنچ کر زر و مال اور نقدی جو ہاتھ لگے وہ حاصل کر لیں۔ التون بہادر اس کی مکارانہ گفتگو میں شامل ہوگیا۔ دوسرے دن جب لشکر شاہی سچ مچ بے حکمران کی فوج بن کر آگے بڑھی تو طے شدہ منصوبہ کے تحت التون اور نوروز نے شاہی لشکر پر حملہ کر دیا اور خزانے کے چند صندوقوں کو جو اونٹ پر لد کر جا رہے تھے انہیں اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیا۔ بہت سے لونڈی اور غلام بھی ان باغیوں نے پکڑ لیے' خونریزی اور قتل عام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ تغلقی امراء نے بہت مشکلوں اور خوف و ہراس میں راستہ ختم کیا اور جیسے تیسے کوشش کر کے سیوستان جس کو عام طور پر سہوان کے نام سے پکارا جاتا ہے' پہنچے۔ اس برباد شدہ قافلہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور خزانے کو بچانے میں ایسے لگے کہ اپنے آپ پر کھانا اور سونا حرام کر لیا۔ دوسرے دن مخدوم زادہ عباسی اور حضرت شیخ نصیر الدین محمد چراغ اور دیگر علماء اور اولیاء نیز اراکین سلطنت کی ایک جمعت باہم صلاح و مشورہ کر کے ملک فیروز باربک کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

فیروز تغلق کی جانشینی

ان بزرگان نے مرحوم سلطان کے منتخب کردہ ولی عہد سے کہا کہ محمد تغلق نے اپنے مرتے وقت ہی فیروز شاہ تغلق کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا تھا اب اس وقت یہی وقت کا تقاضا ہے کہ سلطنت کے کاموں کو معرض التواء میں نہ ڈالا جائے اور بادشاہ کا ولی عہد تخت پر مسند نشین ہو کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ تاکہ ملک میں سکون اور آرام پیدا ہو جائے۔ فیروز تغلق نے سفر حجاز اور زیارت حرمین

شریفین کا عزم ظاہر کیا اور مسند نشینی سے انکار کر دیا۔ اس نے بتیرا انکار کیا لیکن ان امراء و علما نے اس کی ایک نہ سنی اور اس پاک طینت، نیک نیت حکمران کو مجبور کر دیا۔

۲۴ محرم ۷۵۲ھ میں فیروز شاہ نے علماء اور اراکین سلطنت کے اصرار پر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ مسند نشینی کے وقت بادشاہ تقریباً پچاس سال کا تھا۔ تخت نشینی کے پہلے ہی دن بادشاہ نے ہزاروں مخلوق خدا کو جو ٹھٹھہ میں نظربند تھے ان کو روپیہ لے کر مول لے لیا اور تخت نشینی کے تیسرے دین بہت تزک و احتشام سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلا۔ راہ میں مغلوں اور ٹھٹھ کے باغی گروہ جلوس شاہی کو روکتے تھے لیکن جیسے ہی یہ حملہ کرتے شاہی سپاہی انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ چنانچہ مغل سرداروں کے لاتعداد سپاہی قتل کر دیے گئے۔ امیر نوروز اور التون بہادر نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی اور مزید ٹھہرنے کی قوت نہ پا کر جلدی ہی اپنے وطن چلے گئے۔ قوم ٹھٹھ کا وہ گروہ جو طغی کی سرکردگی میں فساد و بغاوت کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اپنی بساط کو سمجھ گیا اور قدم بڑھانے سے باز آیا۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی رعایا کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہوئی۔ سلطنت میں فارغ البالی اور رعایا کو آرام ملا۔ بادشاہ سفر کی منازل طے کرتا ہوا سیوستان کھکھر پہنچا۔ درویشوں، امیروں اور اراکین سلطنت کو انعام میں شمشیر و خلعت واسپ عطا کیے۔ باشندگان کھکھر بھی بادشاہ کے الطاف و کرم سے شادماں ہوئے۔

فیروز محمد تغلق نے پہلے بادشاہوں کے تمام فرمان کو اسی حالت میں رہنے دیا اور انہیں کو ملک میں رائج کیا۔ جو لوگ قندھار، سیستان، خراسان، عراق، مصر اور بغداد سے سلطان محمد تغلق کے دربار سے وظائف اور مالی امداد کی خواہش لے کر آئے تھے، بادشاہ نے ان لوگوں کو حسب دلخواہ انعام و اکرام دیا اور وطن واپس بھیج دیا۔ خداوند عماد الملک اور امیر علی غور نافرمانبردار طغی کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجے گئے بادشاہ خود اچھ چلا گیا۔ وہاں کے علمائے کرام اور مشہور مستحق لوگوں کو شاہانہ تحفہ تحائف اور انعامات دیے۔ اسی دوران میں اس کو پتہ چلا کہ خواجہ جہاں جو محمد شاہ تغلق کا خسر اور نوے سال کا بڈھا آدمی تھا۔ اس نے ایک چھ سال کے معمولی خاندان کے لڑکے کو غیاث الدین کا خطاب دے کر اور سلطان محمد تغلق کا صلبی فرزند تصور کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ خواجہ جہاں نے اراکین شہر اور عمائدین کو اپنی صلاح میں شامل کر لیا اور اپنے لیے مددگاروں کا ایک اچھا خاص گروہ بنایا۔ بادشاہ نے ان کی اس حرکت کو بڑھاپے پر محمول کیا کہ بڑھاپے میں آدمی سٹھیا جاتا ہے اور ایک معافی نامہ خواجہ جہاں کے نام سے لکھ کر ہاتھیوں کے کوتوال کے ہاتھ دہلی بھجوایا اور خواجہ جہاں کو ملامت کی۔ کہ آیندہ ایسی خود سری نہ کرے جو رعیت کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔ بادشاہ آگے قدم بڑھاتا ہوا چلا اور سفر کی منازل طے کر کے دیپالپور میں ٹھہرا۔ دیپالپور سے ایک ایک منزل طے کرتا ہوا اور آرام کرتا ہوا اجودھن پہنچ گیا۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جبیں سائی کرتا فیض یاب ہوتا ہوا حضرت بابا صاحب کے جانشینوں ان کے متعلقین اور خدام کو انعام و اکرام اور دوسری شاہانہ کرم فرمائیوں سے سرفراز کرتا ہوا فیروز شاہ اجودھن سے چل پڑا اور راستہ میں ملک قبول عمال الملک وزیر سلطنت نے اپنی جاگیر سے بادشاہ کا نیاز حاصل کیا۔

فیروز شاہ نے عماد الملک کو جڑاؤ خلعت، عہدہ وزارت اور خان جہاں کا لقب مرحمت فرمایا اور اس کی عزت کو بہت بڑھا دیا۔ بادشاہ ہانسی کے گرد و نواح میں پہنچا اور سید احمد ایاز نے ان اراکین کو اپنا ایلچی بنا کر فیروز شاہ کے نیاز میں بھیجا۔ جن کے نام یہ ہیں۔ سید جلال ترندی، ملک حمید الدین کچھی، مولانا نجم الدین اور داؤد خان خانہ زاد وغیرہ اور بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ حکومت کو آج بھی خاندان تغلق سے تعلق ہے۔ لہٰذا اگر جہاں پناہ خود حکمرانی چھوڑ کر سلطنت محمد تغلق کے ولی عہد کے ہاتھ میں دے دیں اور خود صرف نائب کی حیثیت سے کام کریں تو عین خوشی اور مسرت کا باعث ہوگا۔ فیروز شاہ نے محمد تغلق کے تمام امراء اراکین سلطنت کو جمع کیا اور کہا کہ تم لوگوں کو ہمیشہ بادشاہ کا قرب حاصل رہا ہے اور تم اس کا ہر راز جانتے ہو۔ مجھے صحیح طور پر بتاؤ کہ بادشاہ نے اپنا کوئی تخت نشین چھوڑا ہے یا نہیں۔ کہ میں

خود تخت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اپنا فرض سمجھوں۔ تمام درباریوں نے یک زبان ہو کر کہا بادشاہ کے کوئی بیٹا نہیں ہے اور وراثت اور وصیت کی رو سے دونوں طرح فیروز تغلق سلطنت کا حقدار ہے۔ اس مجلس میں شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی' مولانا کمال الدین سمانہ اور مولانا شمس الدین بخرزی جیسے مشہور زمانہ علماء اور مشائخ موجود تھے۔ بادشاہ نے ولی عہدی کے متعلق ان بزرگوں سے بھی گفت و شنید کی۔ مولانا کمال الدین نے جواب میں فرمایا جس کے ہاتھوں کام کا آغاز ہوا وہی کام کو انجام پر پہنچائے تو بہت ٹھیک ہے۔ مولف فرشتہ کا کہنا ہے کہ علماء کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ جہاں نے جس بچے کو تخت پر جانشین بنا کر بٹھایا تھا' وہ قطعی بادشاہ کا بیٹا ہوگا۔ اس لیے کہ ان علماء نے محمد تغلق کے لاولد ہونے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا اور نہ گواہی دی بلکہ ایک دوسرے ہی مسئلہ کو چھیڑا اور بات ختم۔

جانشینی کا فیصلہ

الختصر فیروز تغلق نے احمد ایاز کے قاصدوں کو گرفتار کر لیا اور ملازموں کی جماعت میں سے داؤد خان زاد اور مولانا زادہ کو خواجہ جہاں کے پاس تنبیہہ کے لیے روانہ کیا کہ وہ اس فعل سے الگ رہے۔ داؤدخان زادہ کے بعد اکثر امراء جن میں ملک نتھو حاجب اور ملک حسن ملتانی وغیرہ جو خواجہ جہاں کے رفیق بھی رہ چکے تھے اور جو اس کی صلاح بندی کے سلسلہ میں اس سے روپیہ بھی وصول کر چکے تھے' فیروز تغلق کے پاس آکر اس کے درباریوں میں شامل ہوگئے۔ اسی عرصہ میں طغی مارا گیا اور اس کے قتل کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

فتح خان کی ولادت

تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ کے گھر میں تخت و تاج کے وارث نے جنم لیا اور شہزادہ فتح خاں کی پیدائش نے بادشاہ کے اقبال کو بڑھایا اور اس کو سربلند کیا۔ خواجہ جہاں کو اب خیال ہوا کہ اس کی اس حرکت کا انجام اچھا نہ ہوگا لہٰذا وہ بہت نادم ہوا اور بادشاہ کے حضور میں بازیابی کا پکا ارادہ کر لیا۔ خواجہ جہاں نے اشرف الملک خلجی اور ملک حسین مرزا کو اپنے گناہوں کو معاف کرانے کے لے بادشاہ کے نیاز میں بھیجا۔ بادشاہ نے جان بخشی کی اور خواجہ جہاں مع اپنے ساتھیوں کے سر منڈا ہوا ننگا بدن' پگڑی گلے میں لٹکائے ہوئے دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کو ہانسی کے کوتوال کے ہاتھ میں دے دیا اور ایک ساتھی کو جلاوطن کر کے سرہند بھیج دیا اور دوسرے بھی خواہ شیخ زادہ بسطامی کو دیس سے نکالا ہی دے دیا۔

فیروز تغلق کا کردار

اس قصہ کے بعد دوسری رجب ۷۵۲ھ میں سلطنت دہلی کے تخت پر بیٹھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے نہایت کامیاب حکمران کی طرح حکومت کی۔ عدل و انصاف اس کے خاص جوہر تھے۔ اس کے دور حکومت میں ساری رعیت کی خواہشیں پوری ہوگئیں۔ ملک میں خوشحالی اور شادابی پھیل گئی۔ بادشاہ نے تمام امراء اور اراکین سلطنت کو حسب مقدور عہدے اور القاب دیے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے شیخ صدر الدین کو شیخ الاسلام کا لقب عطا فرمایا۔ خداوند زادہ قوام الدین کو خداوند حالی کا لقب دیا گیا۔ اور وکیل داری کا عہدہ عطا کیا اور سیف الملک کو داروغہ شکار گاہ مقرر کیا اور خداوند زادہ عماد الملک کو داروغہ اسلحہ جات بنایا گیا۔ اس زمانہ میں ان شہزادوں کو خداوند زادہ کہتے تھے جو سلاطین غور کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وہ شاہی امراء جو خلفائے عباس کی نسل سے تھے انہیں مخدوم زادہ کا لقب دیا گیا۔ عین الملک کو "مشرف دیوان" مقرر کیا گیا اور ملک حسین کو عہدہ مستوفی الملک عطا کیا گیا۔ ۵ صفر ۷۵۳ھ کو بادشاہ سرمور پہاڑ کی طرف گیا۔ اس سفر کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا بلکہ شکار کے لیے کیا تھا۔ سرمور اور اس کے آس پاس کے اکثر زمیندار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی اطاعت قبول کر لی۔

ولادت محمد خاں

اسی سال نہ جمادی الاول کو بروز دو شنبہ دہلی میں شہزادہ محمد خاں کی ولادت ہوئی۔ بادشاہ نے عیش و عشرت کے شادیانے بجوائے اور جشن منائے گئے۔ ۷۵۴ھ میں بادشاہ شکار کھیلتا ہوا کلانور پہاڑ کی وادی میں جا پہنچا اور دریائے سرستی کے ساحل پر اونچی اونچی عمارتیں بنوائیں۔ شوال ۷۵۴ھ میں بادشاہ نے سلطنت کے تمام اختیارات مع نیابت شاہی عطا کر کے دہلی میں چھوڑا اور خود حاجی الیاس کو قتل کرنے کے لیے لکھنوتی کی طرف بڑھا۔

مہمات

حاجی الیاس نے بادشاہ سے بغاوت کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بنارس تک حکمرانی کر رہا تھا۔ بادشاہ گورکھ پور پہنچا وہاں کے راجہ ادوے سنگھ نے شاہی ملازمت حاصل کر لی اور بادشاہ کو دو زنجیر فیل اور دوسرے قیمتی تحائف دیے۔ رائے کپور نے بھی تمام بقایا خراج ادا کیا اور دونوں رئیس بھی بادشاہ کے ہمراہ لکھنوتی کے معرکہ پر روانہ ہوگئے۔ فیروز شاہ منزل بہ منزل سفر طے کرتا ہو پنڈوہ کے گرد و نواح میں پہنچا۔ یہ مقام حاکم بنگالہ کی راجدھانی تھی حاجی الیاس بادشاہ کے پہنچنے پر بہت گھبرایا اور پنڈوہ چھوڑ کر ایک موضع میں بھاگ گیا یہ قصبہ "کدالہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور چونکہ کدالہ کے ایک طرف جنگل اور دوسری طرف پانی تھا۔ لہٰذا یہ جگہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے سر چھپانے کے لیے بہت مناسب تھی۔ بادشاہ نے پنڈوہ کی رعایا کو بالکل نہ چھیڑا اور شہر کو سابقہ حالت پر چھوڑ کر ساتویں ربیع الاول کو کدالہ پہنچ گیا۔ اسی دن قتل، غارت گری کا بازار گرم ہوا جنگ عظیم ہوئی اور ۲۹ ربیع الاول کو بادشاہ کے لشکر نے دریائے گنگا کے ساحل پر اپنا خیمہ نصب کیے۔ پانچویں ربیع الاخر کو بادشاہ نے لشکر گاہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور وہاں گندگی اور غلاظت سے بیزار ہو کر خود دوسری جائے قیام کی تلاش میں نکلا۔ حاجی الیاس کو شمس الدین کے نام سے پکارا جاتا ہے اس نے اس خیال سے شاہی لشکر پر حملہ کر دیا کہ شاید بادشاہ واپس جا رہا ہے اور چند عجیب و غریب پریشان کن حرکتیں کر کے پھر حصار قلعہ میں واپس چلا گیا۔ حاجی الیاس کے چوالیس ہاتھی، چتر و علم اور دوسرے لوازم بادشاہ کے قبضہ و تصرف میں آ گئے۔ حاجی کی فوج کے بہت سے سپاہی تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے اور بہت سے سپاہی گرفتار کر لیے گئے۔ بادشاہ نے فتح حاصل کر کے وہیں قیام کیا اور لکھنوتی کے قیدیوں کی رہائی کے لیے حکم نامہ جاری کر دیا۔

چونکہ بارش کا موسم آ گیا تھا اور بنگال میں اس کثرت سے بارش ہوتی تھی کہ کاشتکاری کے تمام کام بند ہو جاتے تھے لہٰذا بادشاہ نے بھی زیادہ دنوں تک قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ خیال کر کے کہ دشمن کے ساز و سامان پر قبضہ بھی تو ایک طرح کی فتح ہوتی ہے۔ اس سال اسی پر اکتفا کی اور کہا کہ آئندہ سال سرکش کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا' دہلی کے لیے عزم سفر کیا۔

۷۵۵ھ میں دہلی کے نزدیک دریائے جمنا کے ساحل پر فیروز آباد بسایا۔ سات شعبان ۷۵۵ھ کو شکار کھیلنے کی غرض سے دیپالپور گیا۔ اس نے دریائے ستلج سے ایک نہر نکالی اور اور جھجھر کے قصبہ تک جو نہر نکلنے کی جگہ سے اڑتالیس کوس ہے اس شاخ کو لے آیا اور ۷۵۷ھ میں دریائے جمنا سے ایک شاخ سرمور پہاڑ اور بند دی کی طرف نکالی اور اس شاخ میں سات نہریں ملا کر اس وسیع نہر کو ہانسی تک لے گیا۔ ہانسی سے یہ نہر البین لائی گئی اور یہاں پر ایک بہت مضبوط قلعہ بنوایا گیا اور بادشاہ کے نام پر "قلعہ فیروز" اس کا نام رکھا گیا۔ اس قلعہ کے نیچے ایک تالاب بنوایا گیا جو اسی نہر کے پانی سے ہر وقت بھرا ہوا رہتا ہے دریائے گھاگھرا سے ایک ندی نکالی گئی یہ نہر سرستی کے قلعہ سے ہوتی ہوئی نہر سرکتھرا میں جا کر مل گئی۔ ان دونوں نہروں کے سنگم پر ایک نیا شہر بسایا گیا جس کا نام فیروز آباد رکھا گیا۔ اس کے علاوہ جمنا کے پانی سے ایک نئی شاخ نکالی گئی اور فیروز آباد کے تالاب میں اس نئی نہر کا پانی گرایا گیا۔

خلیفہ عباسیہ کا فرمان نیابت

ذی الحجہ کے مہینہ میں ۷۵۷ھ میں خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ ابوبکر بن ابی ربیع بن ابی سلیمان مصر کے حکمران کی طرف سے خلعت

نیابت اور فرمان سلطنت بادشاہ کے نام آیا۔ اسمیں مصر کے حکمران نے شاہان بہمنیہ دکن کی فیروز شاہ سے بہت سفارش کی تھی اسی عرصہ میں حاجی الیاس جس کا نام شمس الدین تھا۔ لکھنوتی کے حکمران کے ایک عریضہ کے ساتھ بیش قیمت تحفہ تحائف لے کر فیروز تغلق کے حضور میں آیا۔ اس عریضہ میں حاکم لکھنوتی نے صلح و آشتی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بادشاہ نے حاجی الیاس کی درخواست منظور کرلی اور اس دن سے دکن اور بنگالہ شاہان دہلی کے اقتدار سے باہر ہوگئے اور صرف تحفہ تحائف بھیجنے کی حد تک تعلقات کا انحصار رہا۔ ۷۵۸ھ میں ظفر خاں فارسی سنار گاؤں سے آکر نائب مقرر ہوگیا۔ ۷۵۹ھ میں شمس الدین شاہ لکھنوتی نے چند پیغامبر بادشاہ کے حضور میں روانہ کیے اور ان قاصدوں کے ذریعہ قیمتی تحفہ تحائف اور ہدیے بھیجے۔ بادشاہ نے ان پر خلوص تحفوں کو بہت خوشی سے منظور کرلیا اور اس کے عوض حاجی الیاس کو ترکی اور تازہ گھوڑے نیز ریشمی کپڑے روانہ کیے۔ لیکن یہ تحفے ابھی بردار بہار ہی میں تھے کہ حاجی الیاس کے انتقال کی خبر سنائی دی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بدلہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوگیا اور لکھنوتی کا حاکم مان لیا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ گھوڑے تو بہاری فوج کو ان کے مواجب کے صلہ میں دے دیے جائیں اور دوسرے بیش قیمت تحائف شاہی دربار میں واپس کردیے جائیں اسی سال بادشاہ نے شکار کھیلنے کے لیے دیپالپور کا سفر اختیار کیا۔ شکار گاہ ہی میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ مغلوں کا ایک گروہ دیپالپور کے نزدیک آگیا ہے۔ بادشاہ نے ملک قبول کو ان لوگوں کی تنبیہہ کے لیے بھیجا مگر ابھی وہ منزل مقصود پر پہنچا بھی نہ تھا کہ مغل ملک لوٹ کر تباہ و برباد کر کے لوٹ گئے۔

۷۶۰ھ میں فیروز شاہ نے خاں جہاں کو اپنا نائب بنا کر دہلی چھوڑا اور خود لکھنوتی روانہ ہوا۔ تاتار خاں اس دور میں سرحد غزنی کا سب سے معزز حاکم (عامل) مقرر کیا گیا۔ بادشاہ ظفر آباد پہنچا تو برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا بادشاہ بدرجہ مجبوری یہاں ٹھہر گیا تھا۔ اسی دوران قیام میں شیخ زادہ بسطامی جس کو پہلے دیس نکالا دیا گیا تھا۔ خلیفہ مصر سے خلعت لے کر پھر واپس لوٹا تھا بادشاہ نے شیخ زادہ کو اعظم الملک کا خطاب دیا۔ فیروز شاہ ابھی ظفر آباد ہی میں قیام پذیر تھا کہ اس نے ایک پیغامبر سکندر خاں حاکم لکھنوتی کے پاس بھیجا۔ شاہی پیغامبر پانچ زنجیر فیل اور دیگر تحفہ تحائف لے کر بادشاہ کی خدمت میں واپس آیا۔ سکندر خاں کے ان تحفوں اور ہدیوں کا بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوا بارش ختم ہوتے ہی وہ لکھنوتی کی طرف روانہ ہوگیا۔

شہزادہ فتح خاں کی تعلیم و تربیت

بادشاہ نے اپنے فرزند شہزادہ فتح خاں کو سراپردہ سرخ اور ہاتھی عطا کیا۔ اس کے نام کا خطبہ' سکہ اور گرز جاری کر کے اس کا مکتب الگ قائم کر دیا۔ بادشاہ نے صاحبزادے کو فرش خانہ چترلعل اور تمام سرمایہ سلطنت عطا کر کے امراء اور منصبداروں کو اسکے لیے رکھا اور اتالیق اساتذہ اور انتظام کرنے والے جو نہایت باادب ہوں بادشاہ نے شہزادے کے لیے مقرر کیا۔ شہزادہ فتح خاں گو بہت چھوٹا تھا مگر پھر بھی اپنا وقت کھیل تماشوں میں برباد نہ کرتا اور صبح سے لے کر دس بجے دن تک اور شام سے رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتا۔ مجلس علم میں بہت سنجیدہ اور سواری میں بہت تیز تھا' بڑے سے بڑا اہم اور مشکل کام اس کے مصاحب اس کے سامنے رکھتے اور یہ نو عمر شہزادہ ان مقدمات کا اس خوبی سے فیصلہ کرتا کہ دربار کے بڑے بڑے عقلا حیرت میں انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

شہزادے کے صبر و تحمل کی مثال ہے کہ ایک دن اس کو صبح نیند آنے لگی۔ شہزادہ مدرسے سے محل کی طرف چلا راستے میں ایک ضعیفہ نے فریاد کی کہ اس کا شوہر اور بیٹا سنار گاؤں سے کچھ مال اسباب خرید کر لا رہے تھے کہ فتنہ گروں نے ان کا مال لوٹ لیا اور یہ دونوں اسی تباہ شدہ حالت میں شاہی لشکر تک پہنچے' لیکن شاہی سپاہیوں نے انہیں جاسوس سمجھ کر گرفتار کر کے نظربند کر دیا۔ بوڑھی عورت نے اپنی درد بھری کہانی سنائی اور داد چاہی۔ شہزادہ نے بوڑی عورت سے کہا کہ وہ اپنے دعوی کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایسے دو شاہد لائے جو قابل اعتماد ہوں۔ ضعیفہ نے کہا کہ گواہ تو بہت ہیں لیکن انہیں شہزادے تک لانے کے لیے جانے اور پھر واپس آنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔

پھر دوبارہ شہزادے تک آنا بہت دشوار ہو جائے گا۔ شہزادہ ہنسا اور کہا کہ تم جا کر گواہ لاؤ میں یہیں کھڑا ہوا ہوں' بڑھیا اطمینان کے ساتھ چلی گئی سلطنت ہند کا نگہبان تخت و تاج کا حکمران کڑی دھوپ میں تپتے ہوئے میدان میں کھڑا رہا۔ لوگوں نے بار بار کہا کہ کسی درخت کے سایہ میں آرام کریں' شہزادے نے جواب دیا کہ ضعیفہ اسی جگہ پر آئے گی اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے لہٰذا اس جگہ سے سرمو تجاوز کرنا وعدہ خلافی ہوگی اور ایفائے عہدہ نہ کرنا بادشاہوں کے لیے سب سے بڑا عیب ہے۔ مختصر یہ کہ شہزادہ اسی صورت دھوپ میں کھڑا رہا کہ ضعیفہ اپنے گواہ کو لے کر حاضر ہوئی۔ گواہوں کے بیان سے ضعیفہ کے وعدہ کی سچائی ظاہر ہوگئی۔ شہزادہ گواہوں اور بڑھیا کو لے کر اپنے باپ کے دربار میں داد خواہی کے لیے حاضر ہوا۔

دربار میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ ہنوز آرام فرما رہا ہے۔ شہزادے نے بادشاہ کے بیدار ہونے کا انتظار کیا کافی دیر بعد بادشاہ جاگا اور شہزادے نے بڑھیا کا سارا حال بیان کیا اس کے خاوند اور بیٹے دونوں کو قید سے رہائی دلائی اس قصہ کو پورا کرا کے شہزادہ محل میں آیا۔ دس بجے دن کا کھانا اس نے سہ پہر کے وقت کھایا۔ فیروز شاہ ظفر آباد سے پنڈوہ پہنچ گیا۔ سکندر خاں بھی باپ کے نقش قدم پر چلا اور اکدالہ میں قلعہ بند ہوگیا بادشاہ نے قلعہ کو گھیر لیا۔ سکندر خاں نے پریشان ہو کر اڑتالیس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت تحفے تحائف بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور صلح چاہی۔ بادشاہ نے سکندر خاں سے صلح کر کے اکدالہ سے جونپور کی طرف کوچ کیا۔ دوسری برسات کا پورا موسم یہیں رہ کر گزار دیا۔ جونپور سے فیروز شاہ جاجنگر روانہ ہوا۔ یہاں سے سنکرہ پہنچا اور شہر کو فتح کر لیا۔ وہاں کا حکمران راجہ سرودمن اس سے ڈر کر بھاگ گیا اور بہت دور جا کر ایک مقام پر ٹھہرا۔ راجہ کی بیٹی شکر خاتون گرفتار ہوئی۔ بادشاہ نے اس کو اپنی منہ بولی بیٹی بنا لیا اور امن و امان سے اس [illegible]کھا اور آگے بڑھا۔ دریائے سندری کو پار کر کے جاجنگر کے صدر مقام بنارس شہر میں پہنچا۔ راجہ جاجنگر تلنگانہ کی طرف فرار ہوگیا اور بادشاہ بھی وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ راستہ میں بادشاہ نبیر تھان کی راجدھانی میں ہو کر گزرا اس نے سینتیس ہاتھی مع عمدہ عمدہ تحفوں کے پیش خدمت کیے اور جان کی پناہ چاہی۔ بادشاہ نے اس کی خواہش پوری کر دی اور پھر وہاں سے پدماوتی پہنچا۔ یہ جنگل خاص ہاتھیوں کے رہنے کا تھا بادشاہ نے یہاں دو ہاتھیوں کو جان سے مار ڈالا اور تینتیس ہاتھیوں کو زندہ ہی پکڑ لیا۔ ۷۶۳ھ میں بادشاہ سلامتی کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ پدرو کے پاس ایک پہاڑ ہے جس سے پانی نکل کر دریائے ستلج میں گرتا ہے۔ دریائے سرستی کے کنارے ایک ندی بہتی ہے اس کو "سلیم" ندی کے نام سے پکارا جاتا تھا ایک بڑا ٹیلہ دریائے سرستی اور سلیمہ ندی کے درمیان حائل ہے۔ اگر یہ ٹیلہ کھود ڈالا جائے تو اس ندی کا پانی سرستی میں گرے گا اور اس سے ندی کا سیلاب سرہند اور منصور پور کو سیراب کرتا ہوا سامانہ تک پہنچ جائے گا۔ بادشاہ یہ بات معلوم کر کے پدرو کی طرف چل پڑا حکم دیا کہ پچاس ہزار بیلدار جمع کیے جائیں جو اس درمیانی ٹیلہ کو کھود کر ندی اور دریا کو باہم ملا دیں۔ فوراً" اس حکم کے مطابق کام شروع ہوگیا اس کے اندر آدمیوں اور ہاتھیوں کی ہڈیاں تھیں آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی تھیں اور ان میں سے بعض تو پتھر کی ہوگئی تھیں اور بعض ہڈیاں اپنی اصلی صورت میں تھیں۔ بادشاہ نے سامانہ کے حدود سے سرہند کو جدا کر لیا اور سرہند کے رقبہ میں دس کوس زمین اور ملا دی اور ملک شمس الدین اور ضیاء الدین والدین ابو رجا کے ہاتھ میں وہاں کی عنان حکومت سپرد کی۔

سرہند میں بادشاہ نے ایک نیا قلعہ بنوایا اور اس کا نام فیروز پور رکھا پھر خود نگر کوٹ چلا گیا فیروز شاہ نگر کوٹ پہاڑ کی وادی میں پہنچا۔ جیسے ہی وہاں پہنچا لوگ اس کی خاطر مدارت میں برف لے کر حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو یہ دیکھ کر محمد تغلق کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ جس وقت اس کے آقا محمد تغلق کا یہاں سے گزر ہوا تو لوگ اس کے پاس خاطر کے لیے برف کا شربت بنا کر لائے۔ لیکن اس وقت چونکہ فیروز تغلق موجود نہ تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کی غیر موجودگی میں شربت پینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس کو فیروز تغلق سے دلی لگاؤ اور تعلق تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے فیروز تغلق نے حکم دیا کہ لشکر کے ساتھ جتنی شکر ہاتھیوں اور اونٹوں پر لدی آئی ہے اس کا شربت بنایا جائے اور

اس کو برف میں ٹھنڈا کیا جائے۔ پھر محمد تغلق کی یادگار کے طور پر ساری سپاہ کو شربت پلایا جائے۔ تھوڑے سے محاصرہ اور جنگ کے بعد نگر کوٹ کا راجہ اپنے درباریوں کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں آیا اور بادشاہ نے اس پر رحم و کرم کی بارش کی۔ نگر کوٹ کا نام "محمد آباد" محمد تغلق کی یادگار کے طور پر رکھا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سکندر ذوالقرنین کی یہاں آمد پر ہندو برہمنوں نے نوشابہ کا مجسمہ بنا کر اپنے گھروں میں رکھ لیا تھا۔ اب شہر میں اسی بت کی پوجا کی جاتی ہے' یہ بھی سنا کہ بت خانہ میں ایک ہزار تین سو کتابیں موجود ہیں اور اس بت خانہ کو جالا مکھی کہتے ہیں۔ وہاں کے برہمن عالموں' فاضلوں سے ان کتابوں کا حال بادشاہ نے دریافت کیا اور ان میں سے کچھ کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ عہد فیروز شاہی کے مشہور شاعر اعزالدین خالد ثانی نے حکمت طبعی' شگون اور فال کی کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنی اس تالیف کو "دلائل فیروز شاہی" کا نام دیا ہے۔ یہ بات ناقابل تردید ہے کہ یہ تالیف اور علمی حکمت کے لحاظ سے ایک بلند ترین کتاب ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کی فیروز شاہ نے نگر کوٹ میں محمود کی یاد کو از سر نو زندہ کیا اور بت شکنی کے فرائض انجام دے کر گائے کا گوشت توبروں میں بھر کر برہمنوں کی گردنوں میں لٹکایا اور اس بدہیئت و حالت میں ان کو سارے لشکر میں گھمایا۔

ان مورخین کا کہنا ہے کہ فیروز شاہ نے نوشابہ کے بت کو ایک لاکھ تنگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا تھا تاکہ یہ مجسمہ مدینہ الرسول کی عام رہگذر پر رکھ دیا جائے اور جو زائرین وہاں جائیں ان کے پیروں تلے یہ بت روندا جائے اور روپیہ مدینے کے غرباء' فقراء اور محتاجوں کو بانٹ دیا جائے۔

نگر کوٹ پر اپنا قبضہ کر کے فیروز شاہ سندھ کو فتح کرنے کی نیت سے ٹھٹھ کی طرف بڑھا۔ جام مالی بن جام غفرہ جو ہمیشہ سے بادشاہ کا نہایت فرمانبردار رہا تھا اچانک باغی ہوگیا اور قلعہ خوب مضبوط کر کے اس کے اندر بیٹھ گیا۔ تھوڑے عرصہ تک تو بادشاہ نے قلعہ پر گھیرا ڈالا' لیکن جب غلہ اور چارہ' ہیرے جواہرات کے بھاؤ بکنے لگا تو بادشاہ نے محاصرہ کا ارادہ ختم کر دیا اور گجرات چلا گیا۔ گجرات ہی میں برسات کا پورا زمانہ گزارا۔ بارش کا موسم ختم ہوتے ہی بادشاہ نے ظفر خان کو گجرات کا حاکم بنایا۔ خود سفر کی منازل طے کرتا ہوا ٹھٹھ پہنچا۔ اس دفعہ جام مالی نے بادشاہ سے معافی مانگ لی اور خود شاہی ملازمین میں شامل ہوگیا۔ فیروز شاہ جام مالی اور اس کے تمام حاشیہ نشینوں کو دہلی لے کر آیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان پر نظر عنایت ہوئی اور ان کو رہا کر کے ٹھٹھ بھیج دیا گیا۔ ۷۷۴ھ میں مقتول خان جہاں کا انتقال ہوگیا اس کا بڑا بیٹا "خان جہاں" کے لقب سے اپنے باپ کا ولی عہد بنا اور ۷۷۵ھ میں ظفر خاں کا خطاب ملا۔ صفر کی بارہ تاریخ کو ۷۷۶ھ میں بادشاہ کے فرزند اکبر شہزادہ فتح خاں کا انتقال ہوگیا۔ اس سے تاجدار دہلی کے دل پر ایسا زخم لگا جو ناقابل اندمال تھا۔ بادشاہ کو اس لائق ولی عہد کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور اس صدمے سے بادشاہ بہت نڈھال ہوگیا' لیکن ایسے حالات میں سوائے صبر کے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی لہٰذا بادشاہ نے بھی یہی مشیت ایزدی تصور کرتے ہوئے ضبط و صبر سے کام لیا۔ بیٹے کو شاہی قبرستان (خطیرے) میں دفن کر دیا۔ اس غم نے اس کو چند دنوں تک امور سلطنت کی طرف بالکل توجہ نہ دینے دی۔ بادشاہ رات دن خون کے آنسو روتا یہ حال دیکھ کر اراکین و امراء سلطنت نے بادشاہ کو دلاسا دیا کہ خدا کی مرضی کے سامنے کوئی چارہ کار نہیں۔ رعایا اور امور سلطنت کی طرف سے بے التفاقی بالکل غلط ہے۔

بادشاہ نے ان باتوں کو منظور کیا اور سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ دی۔ غم غلط کرنے کے لیے شکار کھیلنا شروع کیا اور نئی دہلی کے آس پاس ایک چار دیواری بنا کر اس کو اپنی شکار گاہ بنا لیا۔ اس شکار گاہ کے کچھ نشانات اب تک فیروز شاہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ۷۷۸ھ میں خواجہ شمس الدین دمغانی نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ گجرات کے عاملین اپنا خراج وصول کرنے میں بہت سستی کر رہے ہیں۔ اس بے توجہی کا کوئی خاص جواز دیوان شاہی میں نہیں پیش کرتے ہیں۔ اگر اس کی حکمرانی میرے سپرد کر دی جائے تو میں سو ہاتھی' چالیس لاکھ تنگہ اور چار سو حبشی و ہندی غلام' دو سو عربی اور عراقی گھوڑے یہ سب مقررہ خراج کے علاوہ بادشاہ کے نیاز میں پیش کروں گا۔

بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ اگر شمس الدین ابو رجا جو غفر خاں کا نائب ہے دمغانی کی پیش کی ہوئی شرائط کو پورا کرنے کے لیے تیار ہے تو وہ گجرات کا صوبہ دار قائم رکھا جائے گا ورنہ یہاں کی صوبیداری کا حق شمس الدین دمغانی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ دمغانی کو فیروز شاہ نے سنہری پٹکا خلعت و انعام اور مع ایک پالکی عطا کر کے گجرات روانہ کر دیا۔ چونکہ دمغانی اپنی مقررہ شدہ شرائط پوری نہ کر سکا لہٰذا بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ گجرات کی رعایا بھی اس کے ہاتھوں حیران و پریشان تھی اور خون کے گھونٹ پی رہی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے موقع پا کر دمغانی کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس کا سر بارگاہ سلطان میں بھیج دیا۔ مورخین کا خیال ہے کہ صرف یہی ایک سرکشی کا واقعہ سارے عہد فیروز شاہی میں ظہور پذیر ہوا۔ دمغانی کے قتل کے بعد بادشاہ نے ایک تربیت یافتہ امیر ملک مفرح کو فرحت الملک کا لقب دے کر گجرات کی صوبہ داری اس کے سپرد کی۔ اس قصہ کے بعد سرحد کے تمام شہروں میں اپنے قابل اعتماد عاملوں کو رکھا۔ کڑہ' مہوبہ اور اس کے گرد و نواح کی حکومت ملک شمس الدین سلیمانی بن ملک مروان دولت کے ہاتھ میں دے دی۔ بروده' سغدیہ اور کول کی صوبیداری حسام الملک کے سپرد کی۔ اس صورت سے جونپور اور ظفر آباد ملک بہروز کی ماتحت میں دیے گئے اور نصر الملک ولد مروان دولت کی نگرانی میں پنجاب سے سرحد کابل تک کا حصہ دیا گیا۔

قصہ مختصر فیروز شاہ کے دور حکومت میں آخر تک اس کے کسی غلام نے اپنے مالک کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ ۷۷۹ھ میں پرگنہ اٹاوہ کے مکھیوں اور چودھریوں نے سرکشی کی۔ بادشاہ ان سرکشوں سے بہت نالاں ہوگیا خود ان کی سرکوبی کے لیے دہلی سے چل پڑا۔ ان سرکشوں نے بھی بادشاہ کے سامنے صف آرائی کی ہمت کی' لیکن جلال شاہی کے سامنے ایک نہ چلی اور ہار کر بھاگ گئے۔ ان میں سے اکثر تو موت کے گھاٹ اتارے گئے اور بعض اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے گرفتار ہو کر آئے۔ بادشاہ نے اٹاوہ' اکھل' نیلائی' جیسے مشہور جگہوں پر بہت مضبوط قلعے بنوائے اور قلعوں کی حکمرانی اپنے محنتی امراء کے ہاتھ میں دے کر خود کامرانی کے ساتھ دہلی واپس آگیا۔ ۷۸۱ھ میں بادشاہ نے سمانہ کا رخ کیا۔ جونا شاہ خان جہاں نے بادشاہ کی خدمت میں بہت ہی بیش بہا تحفے بھیجے اور خود بھی شاہانہ کرم فرمائیوں کا مرکز بنا۔ بادشاہ سمانہ سے چل کر انبالہ اور شاہ آباد ہوتا ہوا سارن پور کے پہاڑ کے دامن میں جا پہنچا۔ وہاں راجہ مور اور گرد و نواح کے دیگر راجاؤں سے بھی خراج اور دیگر تحفہ تحائف وصول کیے اور دارالسلطنت واپس آگیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ کنٹھرا کے چودھری کھرکو نے سید محمود جو بداؤں کا حکمران تھا اور اس کے بھائی سید علاء الدین اور سید محمود تینوں سرداروں کو اپنے گھر مہمان بلایا اور اس حیلہ سے قتل کر دیا۔

بادشاہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ نہایت طیش کی حالت میں سامان سفر درست کر کے بداؤں کی طرف چل پڑا۔ ۷۸۲ھ میں فیروز شاہ کا لشکر کنٹھر کے قرب و جوار میں پہنچا۔ شاہی فرمان کے مطابق فوجی سپاہی ہر گھر کو تباہ و برباد کرنے لگے۔ شہر کے باسیوں کو تہہ تیغ کیا اور اس قدر زیادہ تعداد میں ہندو مارے گئے کہ خود ان سادات کی روحیں ان کی سفارش کرنے لگیں۔ کھرکو فرار ہو کر کمایوں کے پہاڑ میں جا چھپا۔ شاہی سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور وہاں کے لوگ بھی شاہی فوجیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے اور اندازاً" تیئیس ہزار ہندو گرفتار کیے گئے۔ کھرکو پہاڑوں کے غار میں ایسا چھپا کہ یہ تک پتہ نہ چل سکا کہ زندہ ہے یا ختم ہو گیا۔

برسات کا موسم بھی نزدیک آگیا تھا اور بادشاہ نے واپسی کا عزم کر لیا اور دہلی کے لیے روانہ ہوگیا۔ چلتے وقت ملک داؤد افغان کو سنبھل کا حکمران بنا کر بلند درجہ پر پہنچایا اور اس کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر سال کٹھرہ آئے اور یہاں کے باشندوں اور ملک کو تاراج کیا کرے۔ فیروز شاہ خود بھی ۷۸۷ھ تک ہر سال شکار کھیلنے کی لیے دہلی سے سنبھل آتا اور داؤد افغان سے جو کمی تباہ و برباد کرنے میں رہ جاتی اس کی تکمیل بادشاہ خود کرتا۔

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ بادشاہ کے اس غیظ و غضب کے دور میں گجرات میں ایک جریب زمین پر بھی کھیتی باڑی نہ ہو سکی اور

عرصہ دراز تک شہر کے باسی چین و آرام کی نیند نہ سو سکے۔ غرض یہ کہ تین سیدوں کی موت ہزاروں ہندوؤں کے قتل کے باعث ہوئی اسی سال بادشاہ نے موضع بسولی میں جو بداؤں سے سات کوس پر آباد ہے ایک بہت مستحکم قلعہ بنوایا۔ اس حصار کو فیروز پور کا نام دیا لیکن ملک کے شرپسندوں نے اس حصار کو "آخر پور" کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ یہ ایسی بدفال منہ سے نکلی کہ اس کے بعد فیروز شاہ نے کوئی حصار نہ بنوایا اور وہی ہوا جو لوگ چاہتے تھے۔ آج تک لوگ اس کو آخر پور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی سال بادشاہ نے بڑھاپے کا ضعف محسوس کرنا شروع کیا اور خان جہان اب نائب کے درجہ سے بادشاہت کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ کیونکہ امور سلطنت میں اس کا عمل دخل ہونے لگا اور جو کچھ وہ کہہ دیتا بادشاہ اس سے سرمو تجاوز نہ کرتا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ ۷۸۹ھ میں وہ اس حد تک بادشاہ پر غالب آ گیا تھا کہ اس نے بادشاہ کو سمجھا دیا کہ شہزادہ محمد خاں، ظفرخاں، سماء الدین، ملک یعقوب اور ملک کمال وغیرہ امراء سے ساز باز کر کے بادشاہ کے متعلق بد خیال اپنے دل میں رکھنے لگا ہے۔ بادشاہ کو اس بات پر اعتماد ہوگیا اور شاہزادے کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ خان جہاں نے ظفرخاں کو کچھ حساب و کتاب سمجھنے کے بہانے سے اپنے گھر میں مقید کر لیا اور شہزادہ کو گرفتار کرانے کی تدابیر کرنے لگا۔ شہزادہ اس کی چالوں سے واقف ہوگیا اور اپنے مکان پر مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں گوشہ نشین ہوگیا۔

خان جہاں نے اس کو دربار میں بلانا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کے پھندے میں نہ آیا۔ ایک روز شہزادہ نے اپنے آپ کو مسلح کیا اور پالکی میں سوار ہو کر چلا۔ پالکی میں پردے لگوا دیے تاکہ بظاہر یہ معلوم ہوا کہ شہزادے کے حرم کی بیگمات شاہی محلات میں ملنے کے لیے جا رہی ہیں۔ دربار سے ہوتا ہوا محافہ شاہی حرم میں داخل ہوا۔ بیگمات شاہی نے جب شہزادے کو مسلح دیکھا تو بہت خوفزدہ ہوئیں اور چیخنے چلانے لگیں اور کہنے لگیں کہ شہزادہ اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے محل میں گھس آیا ہے مگر اس نیک نیت شہزادے نے کچھ نہ کیا اور سیدھا بادشاہی محل میں گیا اور اسی طرح مسلح بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور باپ کی قدم بوسی کی اور دست بستہ گزارش کی کہ خان جہاں نے اس پر غلط الزامات لگائے ہیں تاکہ بادشاہ شہزادے سے ناراض ہو جائے اور کہا کہ کسی بیٹے نے آج تک باپ کو قتل نہیں کیا اور اگر کسی نالائق بیٹے نے ایسا فعل بد انجام دیا ہے تو اس نے اپنی جوانی سے کبھی اچھا پھل نہ پایا۔ اس نے بادشاہ کو سمجھایا کہ خان جہاں چاہتا ہے کہ شہزادے اور دیگر خواہان سلطنت کے قدم درمیان سے ہٹ جائیں اور وہ سلطنت ہند پر قبضہ و تصرف کرے۔ بادشاہ کو بیٹے کی بات کا یقین آ گیا اور اس نے کہہ دیا کہ وہ جیسے چاہے خان جہان کو قتل کر کے ظفرخاں کو نظربندی سے رہائی دلائے۔

شہزادہ محمد خاں

شہزادہ محمد خاں نے تمام ہاتھیوں اور شاہی گھوڑوں کو تیار کرایا اور دس بارہ ہزار کی تعداد میں فیروز شاہی غلاموں کے ساتھ خاں جہاں کے گھر کو گھیر لیا۔ خان جہاں کو اس حصار کی خبر معلوم ہوئی اس نے ظفرخاں کو فوراً قتل کردیا اور خود تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ مکان سے باہر نکلا اور دشمن سے جنگ کی لیکن زخم لگنے سے بہت کمزور ہوگیا اور پھر خانہ نشین ہوگیا۔ پھر مکان کے دوسرے دروازے سے نکل کر میوات بھاگ گیا۔ کوکا چوہان کے گھر میں پناہ لی لیکن شہزادہ محمد خاں نے اس کے گھر کو بھی تباہ و برباد کر دیا اسکے حاشیہ نشینوں اور طرف داروں کو تلاش کر کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ اور خان جہاں کو کیفر کردار تک پہنچا کر خانماں برباد کر دیا۔ پھر باپ کی خدمت میں پہنچا۔

شہزادہ محمد خاں کی تخت نشینی

چونکہ بادشاہ اب بہت کمزور اور ضعیف ہوگیا تھا اس لیے اس نے شہزادہ محمد خاں کو ناصرالدین محمد کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود خانہ نشین ہو کر عبادت الٰہی میں معروف ہوگیا۔ ناصرالدین محمد نے شعبان ۷۸۹ھ میں سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور امور سلطنت کو انجام دینے لگا۔ ناصرالدین نے فرمان جاری کیا کہ جمعہ کو خطبہ میں دونوں بادشاہوں کی فتح مندی کی دعا کی جائے دونوں کے

نام پر خطبہ پڑھا جائے۔ ناصرالدین نے اراکین سلطنت میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور بدستور قائم رکھا سب کو خلعت و انعام عطا کیے۔ ملک یعقوب اختر بیگ سکندر خاں کے خطاب سے گجرات کا حکمران بنا دیا گیا۔ ملک راجو کو بہادر خاں اور کمال عمر کو مفتی الملک مقرر کر کے ان دونوں کی عزت بڑھائی۔ ملک یعقوب سکندر خاں میوات کے قریب پہنچا اور کوکا چوہان جس نے خان جہاں کو پناہ دی تھی' بہت خوفزدہ ہوا۔ لہٰذا کوکا چوہان نے بادشاہی اطاعت کی نیت ظاہر کرتے ہوئے خان جہاں کو پابہ زنجیر یعقوب خاں کے روبرو پیش کیا۔ ملک یعقوب نے خان جہاں کو تہہ تیغ کر کے اس کا سر دہلی بھیج دیا اور خود گجرات کی طرف رخ کیا۔ ۷۸۹ھ میں ناصرالدین محمود خود کوہ پایہ سرمو کی طرف شکار کھیلنے کے لیے گیا۔ دو ماہ وہاں پر قیام کیا تھا کہ اس کو پتہ چلا کہ فرحتہ الملک اور امیران صدہ نے باہم مل کر بغاوت کی آگ روشن کر لی ہے اور ملک یعقوب نے سکندر خاں کو قتل کر کے اس کے مال و متاع پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا ہے۔ ناصرالدین یہ خبر ملتے ہی دہلی چلا گیا ابھی وہ زمانہ کی اونچ نیچ سے دوچار نہ ہوا تھا اس نے گجرات کے فتنہ و فساد کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور اپنی زندگی عیش و عشرت میں گزارنے لگا۔ اس عاقبت نااندیش حکمران نے باپ کے قدیم اور وفادار درباریوں کو قعرمذلت میں ڈال کر اپنے نئے اور نوعمر حاشیہ نشینوں کو درباری بنا لیا۔ چونکہ فیروز شاہ ابھی عین حیات تھا اس کے بہی خواہوں کو بادشاہ کا یہ فعل بد بہت برا معلوم ہوا۔

سکندر خاں ملک یعقوب کے واقعہ کو تقریباً" پچاس دن گزرے ہوں گے کہ فیروز شاہ کے بھتیجے ملک بہاء الدین اور ملک کمال الدین نے باہم سازش کی اور فیروز شاہ کے غلاموں کو جن کی تعداد بقول مورخ "تاریخ مبارک شاہی" ایک لاکھ تھی' اپنے ساتھ ملا کر ناصرالدین سے بغاوت کر لی۔ ناصرالدین نے ملک ظہیرالدین لاہوری کو بغاوت کی آگ ٹھنڈا کرنے کے لیے بھیجا۔ ملک ظہیرالدین اسی میدان میں پہنچا جہاں فیروز شاہی لشکر جمع تھا۔ فیروز شاہ کے غلاموں نے اس پر پتھر برسانے شروع کر دیے' ملک ظہیرالدین زخمی ہو کر واپس لوٹ آیا' ناصر الدین سے ساری کیفیت بیان کی' ناصرالدین نے بہ نفس نفیس ان کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ شاہی لشکر مرتب کر کے باغیوں کے سر پر پہنچا' جنگ و خونریزی کے بعد ناصر کو کامرانی حاصل ہوئی' ادھر شاہی غلام بھاگ کر فیروز شاہ کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے کی غرض سے پہنچ گئے اور غلاموں نے دربار فیروزی کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور ناصرالدین کے سامنے دوبارہ قدم جمانے کی نیت کی۔ دارالسلطنت میں دو دن تک خون کی ندیاں بہتی رہیں' لیکن اس قتل و غارت گری کے باوجود بھی کوئی جماعت فریقین میں سے میدان چھوڑ کر نہ بھاگی' تیسرے دن غلاموں نے یہ ہوشیاری کی کہ بادشاہ کو محلسرائے سے باہر لا کر پالکی میں بٹھایا اور میدان کارزار میں لے آئے۔ شاہی فیل بانوں کو فیروزی چتر و اثاثہ دکھائی دیا تو وہ سمجھے کہ بادشاہ ناصرالدین کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے لیے بذات خود آمادہ ہو کر آیا ہے۔ تمام فیل بان شہزادے سے منحرف ہو کر بادشاہ کی طرف آ گئے۔

ناصرالدین کی شکست

ناصرالدین یہ حال دیکھ کر جنگ سے علیحدہ ہو گیا۔ کوہ پایہ سرمور کی طرف چلا گیا' اس کا سارا مال و متاع تباہ و برباد ہو گیا۔

غیاث الدین تغلق شاہ کی جانشینی

بادشاہ کے حواس ضعف نے مختل کر دیے تھے۔ اس نے غلاموں کے بے جا دباؤ سے مجبور ہو کر فتح خاں کے فرزند ارجمند اپنے پوتے غیاث الدین تغلق شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اپنے داماد امیر سید حسن کو جو ناصرالدین کا طرف دار تھا اس کو غلاموں کے بھڑکانے سے قتل کرا دیا۔ تغلق شاہ نے دادا کی زندگی میں سب سے پہلا حکم یہ صادر فرمایا کہ ناصرالدین کے حاشیہ نشینوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ تغلق شاہ نے ملک سلطان شہ خوش دل کو جو امراء فیروز شاہی میں بہت بلند مرتبہ آدمی تھا اس کو یہ حکم دے کر سمانہ روانہ کیا کہ ناصرالدین محمد کے دست راست یعنی عالی خاں حاکم سمانہ کو پکڑ کر اپنے ساتھ دہلی لائے اور سمانہ کی حکومت محمد شاہ کے ہاتھ میں دے دے۔

فیروز شاہ کی رحلت

تیرھویں رمضان ۷۹۰ھ میں فیروز شاہ تغلق نے تقریباً نوے سال کی عمر میں انتقال فرمایا' اس بادشاہ نے چالیس سال تک حکمرانی کی یہ بہت عالم و فاضل تھا۔ عدل اس کے کردار کی نمایاں خوبی تھی۔ رحم و بردباری اس کی شخصیت کا نمایاں جوہر تھے۔ اس کی رعیت اور سپاہ دونوں ہی ساری زندگی اس سے خوش رہے' اسکے دور حکومت میں کسی متنفس کو سرکشی اور بغاوت' جور و استبداد کی اجازت نہ تھی۔

فتوحات فیروز شاہی

بادشاہ کے خود تحریر کردہ حالات ایک تصنیف میں پائے جاتے ہیں جو فتوحات فیروز شاہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پہلا حکمران ہے جس نے افغانوں پر رحم و کرم کی بارش کی۔ جو افغانی امراء محمد تغلق کے دور حکومت میں ایک صدی منصب دار تھے ان کو ایک ہزاری امراء میں داخل کیا اور سرحد کے تحفظ کے لیے بھی انہیں امراء کو مقرر کیا۔ فیروز شاہ سے پہلے افغانی امیروں میں سے کسی نے یہ رتبہ حاصل نہیں کیا تھا۔ اس بادشاہ نے ۳۸ سال ۹ ماہ تک حکومت کی وفات فیروز اس حکمران کی تاریخ رحلت ہے۔ یہ امیر تیمور صاحبقران کا ہمعصر تھا۔ علامہ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی کی تصنیف اسی حکمران کے عہد میں کی۔ اسی فرمانبروا کے نام سے یہ کتاب موسوم کی' نظام الدین احمد اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے کہ بہت سے قوانین اور آئین عدل و انصاف فیروز شاہی کے ہی دور حکومت میں وضع کیے گئے' جن کی وجہ سے تمام رعایا اور مخلوق خدا نے چین و امن سے زندگی گزاری ان تمام قوانین میں سے تین ضابطہ قابل قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔

پہلا ضابطہ : بادشاہ نے سیاست کو جو حکمرانی کا عظیم حصہ ہے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے عہد حکومت میں کسی ذمی یا غیر مسلم کو کسی طرح کی سزا نہیں دی۔ اس بلند ہمت فرمانبروا نے اپنی سخاوت و دریا دلی سے حکومت پر جو سیاست کے سیاہ داغ پڑ گئے تھے انہیں دھو دیا۔ دفتر حکمرانی سے سیاست کو پاک کیا' وہ صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ مربی بھی تھا' ساری رعایا اس کی شیدائی تھی' ملک کا بچہ بچہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

دوسرا ضابطہ : رعایا کی حیثیت اور استطاعت کا لحاظ کر کے خراج وصول کرتا' خراج میں زیادتی کرنا بالکل بند کر دیا تھا' وہ کسی کی چغلی اور شکایت بالکل نہ سنتا یہی وہ قانون تھا جس نے فیروز شاہ کے عہد حکومت کو بلند اقبالی کی برکتیں عطا کی تھیں۔

تیسرا ضابطہ : ہمیشہ خدا ترس' رحم دل اور نیک لوگوں کو عامل مقرر کرتا' کسی بدطینت اور خراب شخص کو کبھی حکمرانی کا درجہ نہ دیتا تھا۔ چونکہ بادشاہ خود مجسمہ محاسن تھا اسی باعث تمام امراء اور حاکموں میں بھی اس کی انہیں خوبیوں کا عکس نظر آتا ہے۔ فیروز شاہ کی بخشش و کرم اور سخاوت کا پلہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں ہمیشہ بھاری رہا۔ اس عادل حکمران نے اپنی تصنیف فتوحات فیروز شاہی کی ساری عبارت فیروز آباد کی مسجد کے آٹھوں گنبدوں پر کندہ کرائی۔ اس کتاب میں وقائع فیروز شاہی کو آٹھ اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ بادشاہوں کا کلام سارے کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی خیال کے تحت فیروز شاہی کی مختصر عبارت تبرک کے طور پر تحریر کی جا رہی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اس سے اس بلند ہمت اور رحم دل بادشاہ کی نیک نیتی اور ستودہ صفاتی سے قارئین اور اہل نظر پوری طرح واقف ہو جائیں۔

پہلی فصل مسجد کے اوقاف اور اس کے اخراجات کے بارے میں نصیحت کی ہے اور وصیت کے بیان میں ہے۔ دوسری فصل میں فیروز شاہ تحریر کرتا ہے کہ قدیم زمانہ میں معمولی سے جرائم کی بھی سزائیں بہت سخت ہوا کرتی تھیں۔ بے خطاؤں کا خون بہانا اور دیگر ہیبت انگیز عذاب نازل کرنا مثلاً ناک' کان' ہاتھ' پاؤں کاٹ ڈالنا' آنکھیں نکلوا دینا' ہڈیوں کو لوہے کی سلاخ سے توڑنا' زندہ آگ میں جلا دینا' ہاتھ اور پیر میں لوہے کی میخیں ٹھونکنا' کھال اتروا دینا' پیر کاٹ ڈالنا' جسم کے دو ٹکڑے کر دینا یا اسی طرح کی اور بہت سی وحشتناک سزائیں تجویز

کرنا۔ سیاسی حکمت عملی کے لیے بہت ہی آسان کام تھا اور خداوند رب العزت نے مجھے یہ توفیق عطا کی کہ ان تمام سزاؤں کو یک قلم ختم کر دیا۔ پرانے بادشاہ جن کی عالی ہمتی اور جانفشانی سے ہندوستان مسلمانوں کا دارالسلطنت بنا ختم ہونے کے بعد رعایا کے دلوں میں ان کی یاد بھی باقی نہ رہی ان کے نام خطبات سے نکال دیے گئے تھے۔ میں نے اپنے عہد حکومت میں ان شاہان سلف کے نام خطبہ میں از سر نو داخل کرائے تاکہ دلوں میں ان کی یادگار قائم رہے اور ان کی روح کو ثواب پہنچتا رہے۔ رقم کی بہت سی مدیں محض ظلم و استبداد کے تحت رعیت سے وصول کی جاتی تھیں اور خراج کے ساتھ شاہی خزانہ میں جمع کر دی جاتی۔ مثلاً رقومات چرائی' گل فروشی' نیل گری' ماہی فروشی' ندافی' ریسماں فروشی' نخود بریاں گرمی دوکانانہ' خمار خانہ' دادبیگی' کوتوالی اور احتساب وغیرہ۔ میں نے ان تمام رقومات کو وصول کرنا بالکل بند کر دیا اور یہ عہد کر لیا کہ جو مال سنت رسول اللہ کے خلاف ہے وہ خزانہ فیروز شاہی میں ہرگز داخل نہ کیا جائے گا۔ میرے عہد سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ سپاہیوں کو بانٹ دیا جاتا تھا اور باقی تین حصے خزانہ شاہی میں داخل ہو جاتے۔ میں نے اس رسم کو بھی موقوف کر دیا اور پانچواں حصہ جیسا کہ شرع میں جائز ہے خزانہ میں رکھا جاتا اور چار حصے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے جاتے۔ بدمذہبوں' بدعہدوں' ملحدوں اور کافروں' بدعت کرنے والوں کو اپنی راجدھانی سے نکال دیا جو خدا کی مخلوق کو گمراہ کر رہے تھے۔ ان فرقوں کی کتابوں کی عبارتیں رسم و رواج کو بھی یک قلم منسوخ کر دیا۔ مردوں میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے اور ریشمی لباس پہننے کا رواج عام ہو گیا تھا میں نے ان تمام عادتوں کو سرے سے ختم کیا۔ مسلمان اور ضرورت مند عورتیں مزاروں اور بت خانوں میں جاکر شور و شر کا سبب ہوتی تھیں میں نے حکم دیا کہ ایسے اجتماع میں عورتیں ہرگز ہرگز شرکت کے لیے نہ جائیں۔ بت خانوں کے بدلے مسجدیں بنوائیں۔ پرانے بادشاہوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں' خانقاہیں' مدرسے' کنوئیں اور پل اور مقبرے جو بہت بوسیدہ ہو گئے تھے ان کی از سر نو تعمیر کرائی اور ان کے لیے الگ الگ اوقاف مقرر کر دیے۔ جن اشخاص کو میرے مالک و سلطان محمد تغلق شاہ نے اپنی آہنی سیاست کے شکنجہ میں جکڑ کر ان کے بدن کے اعضا کٹوائے تھے۔ میں نے ان تمام اعضاء بریدہ لوگوں کے وارثوں اور جانشینوں کو تلاش کر کے ان کا وظیفہ اور انعام و اکرام مقرر کیا اور ان سب سے مرحوم کے نام الگ الگ معافی نامہ لکھوائے اور تمام کاغذات پر شہر کے شرفا اور عمائدین کے دستخط کرا کے تمام نوشتے مرحوم بادشاہ کے مقبرہ میں رکھوا دیے۔ جہاں کہیں بھی میں سنتا کہ کوئی درویش اور گوشہ نشین فقیر آیا ہے' وہاں آتا فوراً" اس کی خدمت میں حاضری دیتا اور خدمت کرتا۔ جو سپاہی اور امراء ضعیف ہو چکے تھے ان کو نصیحت کرتا تھا کہ وہ اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں اور دوبارہ گناہوں سے باز آئیں اور ان کے وظائف مقرر کر دیے تاکہ فکر معاش نہ کریں اور پوری تندہی سے خدا کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ ان واقعات کے بعد بادشاہ لکھتا ہے کہ مجھے دو مرتبہ زہر دیا گیا اور میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے زہر کا پیالہ پی لیا لیکن خدا نے زہر کو اپنا کام نہ کرنے دیا اور میں محفوظ رہا۔ مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ چونکہ تاریخ فیروز شاہی کے تمام واقعات مفصل طور پر وہ خود لکھ چکا ہے اس لیے کتاب کی اصل عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

اس نیک نفس حکمران کے عہد میں جو نئے محلات اور رعیت کی فلاح و بہبود کے لیے عمارتیں بنوائی گئیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) بندھ	۵۰ عدد	(۶) دارالشفاء	۵ عدد
(۲) مسجدیں	۴۰ عدد	(۷) مقبرے	۱۰۰ عدد
(۳) مدرسے	۳۰ عدد	(۸) حمام	۱۰ عدد
(۴) خانقاہیں	۲۰ عدد	(۹) کنویں	۱۵۰ عدد
(۵) محل اور قصر	۱۰۰ عدد	(۱۰) پل	۱۰۰ عدد

ان کے علاوہ رعیت کی رفاہ اور ملک کی فلاح کے لیے لاتعداد باغات بنوائے تھے۔ بادشاہ نے ہر عمارت تعمیر کرا کے اس کے اخراجات کے آمدنی وقف کر دی اور ہر وقف کا ایک نوشتہ لکھ کر اس کے اجرا کے لیے حکم نافذ کر دیا۔

غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خاں

تغلق شاہ سلطان فیروز کے انتقال کے بعد فیروز آباد کے قلعہ میں تخت شاہی پر بیٹھا اور اپنے آپ کو سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے نام سے موسوم کیا۔ تغلق شاہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ ملک فیروز علی جو ملک تاج الدین پردہ دار کا بیٹا تھا' خاں جہاں کے خطاب سے مشرف ہوا اور وزیرالمالک مقرر کر دیا گیا۔ غیاث الدین ترمذی کو داروغہ اسلحہ مقرر کیا گیا اور فرحت الملک کو بدستور گجرات کا صوبہ دار اور حاکم ہی رکھا گیا۔ تغلق شاہ نے خاں جہاں اور بہادر ناہر کو ایک لشکر عظیم کے ساتھ ناصرالدین کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے بھیجا ناصرالدین نے سرمور میں دہلی کی فوج کے آنے کی اطلاع سنی تو اس نے بدرجہ مجبوری اپنے بچے اور بیوی کو پہاڑ کے ایک مضبوط حصہ میں چھوڑ دیا اور خود تغلق شاہ کی سپاہ سے صف آرا ہوا۔ دشمن سے شکست کھا کر آخر میدان چھوڑ دیا۔ یہاں وہاں مارا مارا پھرتا رہا حتیٰ کہ نگرکوٹ کے قلعہ میں جا کر پناہ لی۔ نگرکوٹ کا حصار بہت پائدار اور مستحکم تھا۔ شاہی سپاہ نے اس کو سر کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور دارالسلطنت واپس چلی گئی۔

تغلق شاہ کا کردار

تغلق شاہ جوانی کے نشہ میں سرمست اپنی زندگی نہایت عیش و عشرت میں گزارنے لگا' عدل و انصاف سے بالکل الگ ہو گیا۔ ملک میں جور و استبداد پھیل گیا' تغلق شاہ نے اپنے سگے بھائی سالار شاہ کو قید کر دیا۔ اس کا سگا چچا زاد بھائی تغلق شاہ سے خوف کھا کر خانہ نشین ہو گیا اور بادشاہ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ فیروز شاہی غلام جو سب درباریوں کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ انہوں نے ابوبکر شاہ کا ساتھ دیا یہ ساری جماعت شاہی دیوان خانہ میں داخل ہو گئی اور ان لوگوں نے تغلق شاہ کے امیرالامراء ملک مبارک کبیر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ غیاث الدین کو اس فتنہ کی اطلاع ہو گئی تو وہ محل کے اس دروازے سے جو دریائے جمنا کی طرف کھلتا تھا بھاگ نکلا۔ ملک رکن الدین کو تغلق شاہ کے فرار ہونے کی اطلاع مل گئی اور اس نے غلاموں کے ایک گروہ کے ہمراہ بادشاہ کا پیچھا کیا بھاگے ہوئے لوگوں کو پکڑ کر خان جہاں اور تغلق شاہ کو تلوار کا نشانہ بنایا۔ تغلق شاہ اکیسویں صفر ۷۹۱ھ کو تہ تیغ کیا گیا اور اس نے کچھ اوپر پانچ مہینہ فرمانروائی کی۔

ابوبکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ تغلق

اراکین سلطنت نے غیاث الدین کو قتل کر کے ابوبکر شاہ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا' ملک رکن الدین نائب وزیر بنایا گیا تھوڑے ہی عرصے میں ملک رکن الدین کا سارے دربار میں بول بالا ہوگیا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ابوبکر شاہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر تغلق شاہ کے برابر موت کی نیند سلا دے۔ ابوبکر شاہ کو اس کے بد ارادے کی خبر ہوگئی' اس سے پہلے کہ رکن الدین اپنے عزم کو پورا کرے بادشاہ نے پہل کر کے رکن الدین اور اس کے حاشیہ نشینوں کو ختم کر دیا۔ اس سیاست عملی نے ابوبکر کی حکومت کو تھوڑی بہت طاقت بخشی لیکن بادشاہ کی بدنصیبی سے اسی زمانہ میں سمانہ کے امیران صدہ باغی ہوگئے۔ ان امراء نے ابوبکر شاہ کے فرمانبردار حاکم ملک سلطان شہ خوشدل کو تہ تیغ کر کے اس کا سر ناصر الدین محمد کے پاس نگرکوٹ بھیج دیا اور معزول بادشاہ سے سمانہ آنے کی درخواست کی۔ ناصر الدین محمد جالندھر کی راہ سے سمانہ پہنچا اور وہاں کا حکمران بن کر دہلی کی سلطنت پر چھاپہ مارا۔ ناصر الدین کو کئی بار شکست ہوئی' لیکن بالاخر دشمن پر حاوی ہوگیا اور بیسیوں ذی الحجہ ۷۹۲ھ میں ابوبکر شاہ کو قتل کر کے خود سلطنت دہلی پر قابض ہوگیا۔ اس کے کارناموں اور لڑائیوں کا مفصل بیان خود اس کے حالات کے باب میں لکھا جائے گا۔ ابوبکر شاہ نے ایک سال چھ ماہ تک حکومت کی۔

ناصرالدین محمد بن سلطان فیروز شاہ باربک (تغلق)

تخت نشینی

یہ اپنے باپ کی زندگی میں پہلی دفعہ چھ شعبان ۷۸۹ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ امیران صدہ نے ملک سلطان شہ خوشدل کو تہ تیغ کر کے ناصرالدین کو سمانہ بلوا بھیجا' تو جلدی جلدی سمانہ جا پہنچا۔ سمانہ پہنچ کر امراء نے اپنی حکومت کی بیعت لی اس کے ساتھ ہی امیران دہلی بھی ابوبکر سے منحرف ہو کر ناصرالدین محمد سے مل گئے۔ چشم زدن میں بیس ہزار سوگواروں کا گروہ اس کے پاس اکٹھا ہوگیا ناصرالدین سمانہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں پچاس ہزار اور سوار اس کے اطاعت گزار ہوگئے۔ پانچویں ربیع الاخر ۷۹۲ھ میں زبردستی دہلی میں داخل ہو کر قصر جہاں نما میں قیام کیا۔ ابوبکر شاہ نے بھی فیروز آباد ہی میں اپنے لشکر مرتب کیا اور دوسری جمادی الاول کو ناصرالدین سے آمادہ بہ پیکار ہو کر اپنا خیمہ نصب کیا۔ جنگ کے دوسرے روز بہادر ناہر ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ فیروز آباد واپس لوٹا۔ ابوبکر شاہ کو ناہر کے پہنچنے سے بہت ڈھارس ہوئی اور ناہر کے پہنچنے کے ایک دن کے بعد بادشاہ فیروز آباد سے نکل کر ایک وسیع میدان میں ناصرالدین سے جنگ کے لیے نکل آیا' ابوبکر شاہ کو کامرانی حاصل ہوئی۔ ناصرالدین محمد دریائے جمنا کو عبور کر کے دوآبہ میں پناہ گزین ہوا۔ ناصرالدین نے اپنے منجھلے بیٹے ہمایوں خاں کو ملک ضیاء الملک ابورجاء رائے کمال اور رائے خلجی بھٹی کے ساتھ سمانہ بھیج دیا اور خود جالیسر میں دریائے گنگا کے ساحل پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ چونکہ فیروز شاہی غلاموں نے شروع سے آخر تک ناصرالدین کے ساتھ دغا کی تھی لہٰذا اس نے عام حکم نشر کرا دیا کہ جہاں کہیں ان کا ایک گروہ یا فرد نظر آجائے اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور فوراً موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ اس طرح رعایا اور غیر رعایا کے ہاتھوں فیروز شاہی غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ ادھر ملک کی تمام رعایا ابوبکر شاہ کی مخالف ہوگئی تھی۔ خراج اور چوتھ دینے میں لیت و لعل کرتی تھی اسی دوران میں ملک سرور جو فیل خانہ کا کوتوال تھا اور ملتان کا حاکم ملک نصیر الملک حاکم بہار خواص الملک' رائے سرور اور دیگر امراء و اراکین سلطنت ناصرالدین کے ساتھ شامل ہوگئے اور اس کے پاس پچاس ہزار سواروں کا لشکر تیار ہوگیا۔

ناصرالدین نے ملک سرور کو قلمدان وزارت عطا کر کے خاں جہاں کے لقب سے سرفراز کیا' ملک نصرالملک کو امیر الامراء بنا کر اسے خضر خاں کا خطاب عطا کیا' خواص الملک کو خواص خاں کا لقب ملا اور رائے سرور کو رائے رایاں کے خطاب سے دل شاد کیا۔ اسی طرح دیگر نامی گرامی امراء کو اونچے اونچے عہدے اور خطابات دیے گئے اور ان سب کو اپنا مطیع بنا کر دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ابوبکر شاہ بھی اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم کر کے دہلی سے باہر آیا۔ موضع کندنی میں دونوں فوجیں نبرد آزما ہوئیں۔ فریقین نے خون کی ہولی کھیلی ناصرالدین کی قسمت میں ابھی گردش باقی تھی۔ لہٰذا ابوبکر شاہ کی جیت ہوئی اور ناصرالدین جالیسر میں جا چھپا۔ ابوبکر شاہ کی سپاہ نے اس کا پیچھا کیا تمام مال و متاع برباد کر کے فتح مندی کا شادیانہ بجاتا ہوا دارالسلطنت واپس آیا۔

ہمایوں خاں

ہمایوں خاں نے اپنے باپ اور ابوبکر شاہ کی باہم آویزش کا حال سن کر سمانہ سے دارالسلطنت دہلی پر حملہ کر دیا دہلی کے آس پاس کے شہروں کو خوب لوٹا اور برباد کیا۔ ابوبکر نے ملک شاہین کو ہمایوں خاں کا مقابلہ کے لیے بھیجا۔ پانی پت میں دونوں لشکر آمادہ بہ پیکار ہوئے ہمایوں خاں ہار کر سمانہ بھاگ گیا گو کہ لشکر شاہی کو ہر مرتبہ فتح اور کامیابی ملتی تھی' لیکن چونکہ فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنے والے دارالسلطنت

کے امراء ہی تھے اور پوشیدہ طور پر ناصرالدین سے ساز باز کر رہے تھے۔ اس لیے ابوبکر شاہ تخت شاہی کو چھوڑ کر دشمن کا پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا' لیکن اس مرتبہ ہمایوں خاں کے فرار ہونے سے ابوبکر شاہ نے بہت دلیری دکھائی اور امرائے سلطنت کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بہ نفس نفیس ناصرالدین کو تہ تیغ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دہلی شہر سے بیس کوس کے فاصلہ پر قیام کیا' ابھی بادشاہ جالیسر جانے کا سامان ہی کر رہا تھا کہ ناصرالدین نے کوتوال اور دیگر امراء سے ساز باز کر کے اپنے بیوی بچے جالیسر ہی میں چھوڑے اور خود چار ہزار سواروں کی فوج لے کر ابوبکر شاہ سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ ناصرالدین دہلی کے نزدیک پہنچ گیا بجائے اس کے کہ ابوبکر شاہ کی راہ میں رکاوٹ بنے وہ دہلی پر حملہ کر بیٹھا۔ ابوبکر شاہ کے آدمیوں نے اس کو روکنا چاہا' مگر اس نے بداؤں دروازے میں آگ لگا دی۔ خود قصر ہمایوں میں قیام پذیر ہوا شہر کے تمام عمائدین اور امراء ناصرالدین کی خدمت میں حاضری کے لیے آئے اور اس کی فتح و کامرانی پر مبارک باد دی۔ ابوبکر شاہ کو اس قصہ کی خبر ہوئی اور وہ بھی اسی روز دہلی میں داخل ہو اور ملک بہاؤالدین خنگی جو ناصرالدین کے حکم کے بموجب دربانی کر رہا تھا اس کو تہ تیغ کیا اور قصر ہمایوں کی طرف بڑھا۔ ناصرالدین کے حاشیہ نشین ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس لیے وہ ابوبکر کا مقابلہ نہ کرسکا اور حوض خاص کے دروازے سے نکل کر جالیسر میں پناہ لی۔ ناصرالدین کے بعض امراء مثلاً خلیل خاں امیر باربک' آدم اسمٰعیل خاں' بادشاہ کا بھانجا وغیرہ ابوبکر شاہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

اسی سال رمضان کے مہینہ میں غلامان فیروز شاہی کا سب سے بڑا رکن مبشر حاجب جو اسلام خاں کے لقب سے مشہور تھا ابوبکر شاہ سے باغی ہوگیا۔ اور غلامان شاہی کے ایک گروہ کو اپنا لیا اور ناصرالدین محمد کو محبت آمیز خط لکھا اور اس کو دہلی بلوایا۔ ابوبکر شاہ کو پتہ چل گیا کہ ملک کا بہت بڑا حصہ اس کا دشمن اور ناصرالدین محمد کا دلدادہ ہوگیا ہے اور ناصرالدین محمد نے پھر اپنی جگہ چھوڑی ہے۔ اس لیے ابوبکر شاہ مجبوراً اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دہلی چھوڑ کر بہادر ناہر کے پاس میوات روانہ ہوگیا۔ ابوبکر ملک شاہین صفدر خاں اور ملک بحری کو دہلی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ ناصرالدین اسی سن میں رمضان کے مہینے میں دہلی میں پہنچا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اسلام خاں کو وزیر الممالک مقرر کیا۔ ناصرالدین نے اپنی حالت ٹھیک کر کے شاہی ہاتھیوں کو غلامان فیروزی سے چھین کر اپنے خاص فیل بانوں کے سپرد کر دیا۔ ناصرالدین کی اس حرکت سے غلامان فیروز شاہی بہت نالاں اور رنجیدہ ہوئے اور مع اپنے بال بچوں کے رات کو بھاگ کر ابوبکر سے جا ملے۔ ناصرالدین نے بقیہ غلاموں کو جو بادشاہ گری کی فرائض انجام دے رہے تھے درالخلافت سے نکال دیا۔ یہ روایت مشہور ہے کہ ناصرالدین نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ غلامان فیروز شاہی تین دن کے اندر اندر دہلی سے باہر نکل جائیں ورنہ ان کا مال و متاع سب شہریوں کو دے دیا جائے گا۔ غلاموں کی ایک جماعت تو دارالسلطنت سے جلا وطن کر دی گئی اور باقی غلاموں نے اپنے تیئں چھپا کر خود کو شرفاء کے حلقہ میں شامل کر لیا۔ ناصرالدین نے ان خود ساختہ شرفاء کا امتحان اس طرح لیا کہ لفظ کھرا کھری کا تلفظ کرایا' مگر یہ لوگ بادشاہ کی طرح اس لفظ کا صحیح تلفظ نہ کر سکے اور بنگالیوں اور پوربیوں کی طرح اس لفظ کو ادا کیا اور یہ بنے ہوئے شرفاء موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ حد یہ ہوئی کہ بہت سے شریف زادے بھی اپنی پوربی بولی کی وجہ سے مارے گئے اور شاہی غلو کا شکار ہوگئے۔

ناصرالدین کی حکمرانی

ناصرالدین نے سلطنت کی عنان ہاتھ میں لے کر اطراف و جوانب سے لشکر اکٹھا کیا۔ اسی عرصہ میں اس کا بیٹا ہمایوں خاں بھی سمانہ سے دہلی مراجعت کر آیا۔ ناصرالدین کو فرزند کی آمد سے بہت تقویت ہوئی اب ناصرالدین ابوبکر شاہ کو تاخت و تاراج کرنے پر کمربستہ ہوا اور ہمایوں کو نامی گرامی امراء اور عمائدین مثلاً اسلام خاں' عادل خاں' رائے کمال الدین اور رائے خلجی وغیرہ کے ہمراہ ابوبکر کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ہمایوں کی سپاہ کوٹلہ پہنچی اور محرم کے مہینہ ۷۹۳ھ میں ابوبکر شاہ نے بہادر ناہر اور فیروز شاہی غلاموں کی مدد سے ہمایوں کے لشکر پر شب خون مارا اور اس چھاپہ سے ہمایوں کے لشکر کے سپاہی زخمی ہوگئے۔ شہزادے نے ہمت نہ ہاری اور ابوبکر شاہ کے مقابلہ میں صف

آراء ہوگیا۔ اسلام خاں کو بھی فوراً" ہی خیال آگیا اور وہ شہزادے کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ ابوبکر شاہ تھوڑی دیر تک تو برسرپیکار رہا' مگر جلدی ہی مجبوراً" کوٹلے کے قلعہ میں جا چھپا۔ ناصرالدین محمد شاہ نے یہ خبر سنی اور فوراً" میوات پہنچ گیا۔ ابوبکر شاہ اور بہادر ناہر کے سامنے سوائے اطاعت قبول کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ دونوں خادم اور مخدوم بہت جلد ناصرالدین محمد کے سامنے حاضر ہوئے۔ ناصرالدین نے بہادر ناہر کو رخصت کر دیا اور ابوبکر شاہ کو پھر اپنی ساتھ لے کر کنڈی آیا اور قلعہ میوات جہاں پہلے بھی وہ پناہ لے چکا تھا وہیں نظربند کر دیا۔ ابوبکر شاہ کی وفات زمانہ قید ہی میں ہوگئی۔ ناصرالدین محمد شاہ اب دہلی آیا اور معلوم ہوا کہ گجرات کا صوبہ دار فرحت الملک سرکش ہوگیا ہے۔ بادشاہ نے فرحت الملک کی جگہ ظفرخاں کو حاکم گجرات مقرر کر دیا۔ ناصرالدین نے جس تزک و احتشام کے ساتھ ظفرخاں کو گجرات روانہ کیا تھا اس کی مفصل داستان شاہان گجرات کے سلسلہ میں بیان کی جائے گی۔

۷۹۴ھ میں رائے نرسنگ' سردار دھوں راٹھور اور بیر بہاں بھنسور کا چودھری جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ جری تھا اور پشت پر مددگار بھی بہت تھے وہ بادشاہ سے باغی ہوگیا۔ ناصرالدین نے جب ان کی سرکشی کا واقعہ سنا تو اسلام خاں کو شورپشتوں کے سردار' رائے نرسنگھ کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے شاہی فوج کے سامنے صف آرائی کی اور برسرپیکار ہوا' مگر پھر اس کی فوج کو شکست ہوئی اور رحم و کرم کا طلبگار ہوا' صلح کے بعد ناصری حلقہ بگوشوں میں شریک ہوگیا۔ اسی عرصہ میں ناصرالدین کو پتہ چلا کہ اٹاوے کے چودھری نے قصبہ "تلارام" کے آس پاس کے پرگنوں کو برباد کرنا شروع کردیا ہے۔ بادشاہ ان باغیوں کو ختم کرنے کے لیے خود آگے بڑھا اور اٹاوے کے قلعہ کو برباد کر کے قنوج آیا۔ اس کے اطراف و جوانب کو فتح کر کے جالیسر پہنچا۔ بادشاہ جالیسر کی سرزمین کو اپنے لیے مبارک سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے اس شہر میں ایک قلعہ بنوایا اور اس کا نام "محمد آباد" رکھا۔ اسی دوران میں خواجہ جہاں کا ایک عریضہ بادشاہ کے نام پہنچا کہ اسلام خاں کی نیت ٹھیک نہیں ہے بہت جلد وہ حرص و طمع کی آگ بجھانے کے لیے لاہور پہنچ کر بغاوت پھیلانے والا ہے۔

بادشاہ فوراً" دہلی پہنچا اور سلام خاں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ اسلام خاں نے واقعہ کی حقیقت سے صاف انکار کیا' جاجو نام کے ایک ہندو اور خود اسلام خاں کے بھتیجے نے جو پہلے سے اس کے دشمن تھے جھوٹی گواہی دے کر بادشاہ کو اسلام خاں کی طرف سے متنفر کر دیا۔ بادشاہ پہلے ہی خوفزدہ تھا ان گواہوں کی بات کو سچ سمجھ کر اسلام خاں کو تہ تیغ کیا اور خواجہ جہان کو وزارت کا عہدہ دیا۔ خواجہ جہاں اب بادشاہ کا دست راست بن گیا اور ملک مقرب الملک محمد آباد کی حکومت پر مسند آرا کیا گیا اور اپنے صوبہ کو چلا گیا۔ ۷۹۵ھ میں سردار دھن راٹھور اور بیربھان نے پھر سرکشی کی۔ ملک مقرب نے شاہی حکم پاتے ہی محمد آباد کی فوج کو لے کر سرکشوں پر حملہ کیا اور فتنہ کو ختم کرنے کر کے اپنے صوبہ میں واپس آیا۔ ناصرالدین نے شوال ۷۹۰ھ میں میوات کا سفر کیا اور میوات کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دور تک چلا گیا۔ جالیسر پہنچ کر ناصرالدین بہت سخت بیمار پڑا اس بیماری کی حالت میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بہادر ناہر نے نافرمانی کی ہے اور دہلی کے بعض پرگنوں کو خوب لوٹا اور برباد کیا ہے۔ بادشاہ نے باوجود بیماری کے جالیسر سے میوات کا سفر کیا۔ بادشاہ کوٹلے تک پہنچا تھا کہ بہادر ناہر مقابلہ پر آ گیا ناہر کو شکست ہوئی پہلے تو وہ حصار کوٹلے میں قلعہ بند ہوگیا' لیکن یہاں اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھا اور پنجھر بھاگ گیا۔

ناصرالدین اس عمارت کی تکمیل کے لیے پھر جالیسر آگیا جس کی بنیاد ڈالی تھی۔ یکم ربیع الاول ۷۹۶ھ میں بادشاہ نے ہمایوں خاں کو جو اس دوران دہلی میں ٹھہرا ہوا تھا شیخا کھکھر کو تہ تیغ کرنے کے لیے حصار لاہور روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔

ناصرالدین کی رحلت

بیٹے نے ابھی دارالسلطنت سے قدم باہر نہیں نکالے تھے کہ بادشاہ نے آخرت کا سفر کیا۔ اس کی علالت روز بروز زور پکڑتی گئی اور مرض میں یہ کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آخر کار ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی لاش دہلی لائی گئی اور ناصرالدین بھی حوض خاص کے کنارے فیروز شاہ کے برابر ہی دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ و راجعون اس بادشاہ نے چھ برس سات مہینے تک حکمرانی کی۔

سکندر شاہ بن ناصرالدین محمد شاہ

ناصرالدین محمد کی وفات کے بعد ہمایوں خاں ۱۹ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں مسند نشین ہوا اور اپنے کو سلطان سکندر شاہ کے نام سے مشہور کیا۔ سکندر شاہ نے اپنے باپ کے عاملوں اور حکماء کو ان کی پرانی خدمات پر مامور رکھا۔ ابھی اس کو ایک ماہ بھی حکومت کرتے نہ گزرا تھا کہ صحت نے جواب دے دیا اور مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ بیماری شروع ہونے کے پورے پندرہ دن بعد اس نے بھی حوض کے کنارے اپنے باپ اور دادا کے پاس ہی اپنی جگہ بنالی۔ اس نے ایک ماہ پندرہ دن حکمرانی کی۔

ناصرالدین محمود بن ناصرالدین محمد

سکندر کی وفات کے بعد جانشینی کا معاملہ معرض التواء میں پڑا رہا اور پندرہ دن تک تخت دہلی خالی پڑا رہا اس بارے میں اختلاف آراء تھا۔ بالآخر خواجہ جہاں کی کوشش سے ناصرالدین محمد کا سب سے چھوٹا فرزند محمود حکمرانی کے لیے چنا گیا۔ امراء نے اس کو تخت پر بٹھا کر اس کا لقب بھی ناصرالدین ہی رکھا اور تمام اراکین و امراء نے محمود کی حکومت پر بیعت کی اور اس کے آگے اطاعت شعاری کا عہد کیا۔ خواجہ جہاں حسب سابق عہدہ وزارت پر قائم رہا۔ مقرب خاں کو مقرب الملک کا خطاب اور وکیل سلطنت و امیرالامراء بنا دیا گیا۔ دولت خاں کو دبیر عارض مملکت مقرر کیا گیا۔ سعادت خان باربکی کے عہدہ پر رکھے گئے' سارنگ خاں کو دیپالپور کا حاکم بنا دیا گیا۔ دہلی میں مختلف ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ایک طرح کا انقلاب آ چکا تھا' سلطنت کی مضبوطی اور طاقت ختم ہو رہی تھی' ملک میں چاروں طرف بغاوت و سرکشی کی آگ پھیل رہی تھی' ہندو ہر طرف خوابیدہ فتنوں کو بیدار کرنے میں مصروف تھے۔ خصوصاً مشرقی ہندوؤں نے خوب فتنہ پردازی شروع کی تھی۔

خواجہ جہاں کو ناصرالدین محمود نے سلطان الشرق کا لقب دے کر بیس عدد ہاتھی اور ایک لشکر عظیم کے ساتھ قنوج اور بہار کے ہندوؤں کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجا۔ خواجہ جہاں نے سلطنت کے مشرقی حصہ میں امن و امان قائم کر کے جونپور تک کا دورہ کیا اور بنگال کے حکمرانوں سے بقایا چند سال کا خراج اور ہاتھیوں کی مقرر شدہ تعداد وصول کی۔ حاکم دیپالپور سارنگ خاں نے ملتان اور اس کے آس پاس کی فوج جمع کی اور شیخا کھکھر سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا۔ شیخا کھکھر نے بھی اپنا لشکر منظم کیا اور اجودھن سے چلا' لاہور سے بیس کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے۔ فریقین میں جنگ عظیم ہوئی جسے زمانہ یاد رکھے گا۔ کھکھر کو شکست فاش ہوئی وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کھکھر لاہور آیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر کوہ جموں میں جا کر پناہ لی۔ سارنگ خاں نے لاہور کی حکومت کی عنان اپنے چھوٹے بھائی عادل خاں کے ہاتھ میں دی اور خود دیپالپور واپس آ گیا۔ اسی زمانہ میں ناصرالدین محمود نے مقرب الملک کو سو عدد ہاتھی اور تربیت یافتہ فوج کے ساتھ دہلی میں چھوڑا اور خود گوالیار اور دیبانہ کی طرف چل پڑا۔

سعادت خاں باربک بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ بادشاہ گوالیار کے نزدیک پہنچا۔ مبارک خاں پسر ملک راجو ملوخاں برادر سارنگ خاں اور ملک علاؤالدین دہار والہ نے سعادت خاں کو قتل کی سازش کی۔ سعادت خاں ان کی سازش کو سمجھ گیا اور دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا مگر ملو خاں اس سے بچ کر دہلی بھاگ گیا۔ ناصرالدین محمود اس فساد کے بعد دہلی واپس آیا۔ مقرب الملک نے بادشاہ کا استقبال کیا' لیکن شاہی دربار کا رنگ اپنے خلاف دیکھ کر بہت فکر مند ہوا اور ملوخاں جیسے فاسد اور باغی کو پناہ دینے کی وجہ سے بہت نادم ہوا۔ مقرب الملک جلد از جلد شہر میں داخل ہو گیا اور قلعہ بند ہو کر اس نے جنگ کرنا شروع کر دی۔ تین مہینہ تک مسلسل لڑائی کا سلسلہ چلتا رہا کبھی کبھی اندرونی اور بیرونی فوجوں میں تلواریں بھی چل جاتیں۔ بادشاہ کو خوب معلوم تھا کہ یہ سارا فساد سعادت خاں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ناصرالدین محمود اپنے درباریوں اور ساتھیوں کی سعی پیہم سے محرم ۷۹۷ھ میں شہر کے اندر داخل ہوا اور مقرب خان سے جا ملا۔ مقرب خاں دوسرے ہی دن اہل شہر کا ایک لشکر عظیم تیار کر کے سعادت خاں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نکل آیا۔ مقرب الملک کو شکست ہوئی اور مجبوراً پھر اس نے شہر میں جائے پناہ تلاش کی برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ حصار دہلی بہت پائیدار تھا۔ سعادت خاں نے شہر کے گرد و نواح میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور مع اپنے لشکر جرار فیروز آباد کی طرف چلا گیا۔ سعادت خاں نے دوسرے امراء کی مدد سے اور صلاح سے نصرت

خان بن فتح خاں بن سلطان فیروز تغلق کو میوات سے فیروز آباد بلوایا اور ناصرالدین نصرت شاہ کا لقب دے کر اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔

نصرت شاہ

سعادت خان نے بادشاہ کو کٹھ پتلی بنا کر تمام سلطنت کی مہموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سعادت خاں کے اس طرح قبضہ و تصرف سے دیگر امراء اور غلامان فیروز شاہی اس سے متنفر ہوگئے اور ان لوگوں نے فیل بانوں کو بھی سعادت خاں کے خلاف کر دیا۔ امیروں اور غلاموں نے بادشاہ نصرت شاہ کو بھی سعادت خاں سے برگشتہ کردیا۔ اسے یہ لوگ ہاتھی پر بٹھا کر سعادت خاں کی مدافعت کے لیے بڑھے' سعادت خاں کو ان حالات کی بالکل خبر نہیں تھی اس لیے اس میں مقابلہ کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ نصرت شاہ کے مقابلہ سے بھاگ کر خود اپنے ہاتھوں موت کا شکار ہوا۔ سعادت خاں نے مقرب الملک سے امان چاہی اور اس کے پاس چلاگیا' لیکن چند روز کے بعد ہی اس کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور فیروز آباد کے امراء نے نئے سرے سے نصرت شاہ کی اطاعت قبول کی اور حلف اٹھایا اور بہت سے شہروں پر اپنا قبضہ و تصرف کرلیا۔

اس فساد نے سلطنت دہلی کے دو حکمران بنا دیے اور اس طرح سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔

دو بادشاہوں کی حکمرانی

اب امراء بھی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے کچھ لوگ جن میں تاتار خاں گجراتی' شہاب ناہر اور فضل اللہ بلخی شامل تھے' نصرت شاہ کے ساتھ تھے۔ ناصرالدین محمود کے طرفداروں میں مقرب الملک اور اس کے ساتھی تھے۔ سیری کے قلعہ کا حاکم ملو خاں' اقبال خاں اور بہادر ناہر ان دونوں حکمرانوں سے بالکل الگ رہے اور نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر فریقین میں تخت کے لیے کشمکش جاری تھی' کبھی فیروز آباد کی فوجیں دہلی کی طرف آ جاتیں اور کبھی دہلی کی سپاہ فیروز آباد پہنچ جاتی نوبت یہاں تک پہنچی کہ فریقین میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا اس تگ و دو میں رعایا کا خون ہو رہا تھا۔ اور کوئی نتیجہ خیزبات سامنے نہ آتی تھی اسی دوران میں دیپالپور اور ملتان کے حاکموں' سارنگ خاں اور خضر خاں میں ۷۹۸ھ میں بدظنی شروع ہوئی آپس میں خوفناک جنگ ہوئی۔ نتیجہ میں سارنگ خاں کو فتح ہوئی اور ملتان بھی اسکے قبضہ میں آگیا۔ ۷۹۹ھ میں سارنگ خاں نے سانہ پر چڑھائی کی اور صوبہ دار عالی خاں کو جلا وطن کر کے خود سانہ پر بھی قابض ہوگیا۔

نصرت شاہ نے یہ واقعہ سن کر پانی پت کے صوبہ دار تاتار خاں اور ملک الیاس کو اس کے ساتھ کر کے سارنگ خاں کی تنبیہہ کے لیے بھیجا۔ محرم ۸۰۰ھ میں ان کے ہاتھوں سارنگ خاں نے شکست کھائی اور اس کے بعد ملتان چلاگیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ مرزا پیر محمد امیر تیمور کے صاحبزادے نے دریائے سندھ کے پل پر کشتیاں باندھ کر پل کو پار کرلیا ہے اور اوچھ کا محاصرہ کر رہا ہے۔ اس لیے سارنگ خاں نے فوراً ہی ایک لشکر عظیم کے ساتھ ملک تاج الدین اور دوسرے امراء کو حاکم اوچھ کی مدد کے لیے روانہ کر دیا' لیکن مرزا پیر محمد کو ان لوگوں کے آنے کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے دریائے بیاس کے ساحل پر پہنچ کر اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا اس طرح ان کی فوج بکھر گئی۔ اس کے کثرت سے سپاہی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ ملک تاج الدین تو فرار ہو کر ملتان گیا اور سارنگ خاں ہراساں ہو کر قلعہ بند ہوگیا۔ مرزا پیر محمد ملک تاج الدین کے تعاقب میں ملتان پہنچ گیا۔ سارنگ خاں کہاں تک قلعہ بند رہتا۔ جب کھانے پینے کی مشکلات شروع ہوئیں تو وہ مجبوراً" باہر آیا اور پیر محمد کا مطیع ہوگیا۔ پیر محمد نے سارنگ خاں اور اس کے تمام ساتھیوں کو پکڑ لیا اور ملتان پر قبضہ کر لیا' لیکن سارنگ خاں نے بہت جلد آزادی حاصل کر لی اور ملتان کو پھر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اسی عرصہ میں اقبال خاں اور مقرب الملک میں کچھ اَن بن ہوگئی۔ اقبال خاں بجائے ناصرالدین کے نصرت شاہ سے مل گیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پہنچ کر دونوں نے حلف وفاداری اٹھایا۔ اس کے بعد اقبال خاں اور نصرت شاہ مع لشکر و سپاہ قلعہ جہاں نماں میں آ گئے۔ ناصرالدین محمود مع مقرب الملک اور بہادر ناہر پرانی دہلی میں ٹھہرا رہا۔ یہ عہد و پیمان زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا تیسرے دن ہی اقبال خاں نصرت شاہ کے خلاف ہوگیا جیسے ہی نصرت شاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی اس نے حصار سیری سے نکلنے کا ارادہ کر لیا اور کامیاب ہوگیا۔ اقبال خاں

نے اس کا پیچھا کیا اس کے تمام مال و متاع اور سپاہ و لشکر پر قبضہ کر لیا' نصرت شاہ اپنے وزیر تاتار خاں کے پاس پانی پت چلا گیا۔

مقرب الملک کا قتل

اقبال خاں نے فیروز آباد پر قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی اور مقرب الملک کی باہمی آویزش کا بھی آغاز ہوا۔ مسلسل دو مہینہ تک دونوں ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کی کوشش میں لگے رہے۔ آخر کار امراء اور بادشاہ نے مل کر ان کی باہمی کشمکش کو دور کیا' لیکن اقبال خاں پھر بھی اپنی وفاداری کا عہد نہ نبھا سکا اور دنیا کا کچھ خیال کیے بغیر ایک دن مقرب الملک کے گھر پہنچا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس حرکت کا ناصرالدین محمود پر بھی اثر ہوا۔ اقبال خاں نے ناصرالدین محمود کو اپنے رعب سے بالکل اپنے بس میں کر لیا جو چاہتا کرا لیتا۔ اس نے اسیری میں تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑا اور خود ناصرالدین محمود کو ساتھ لے کر تاتار خاں کو قتل کرنے کے لیے پانی پت روانہ ہوا۔ ادھر تاتار خاں نے اپنے ساز و سامان اور سپاہ کو پانی پت کے قلعہ میں چھوڑا اور خود دوسرے راستے سے فرار ہو کر دہلی پہنچا۔ اقبال خان نے قلعہ کو سر کر لیا۔ اور تمام سامان قبضے میں لے کر دہلی واپس آ گیا۔ تاتار خاں اس عرصہ میں قلعہ دہلی پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا اور ڈر کر اپنے باپ ظفر خاں کے پاس گجرات پہنچ گیا۔ اقبال خاں دہلی میں رہ کر امور سلطنت کو انجام دینے میں مصروف ہو گیا ابھی اس کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ امیر تیمور کے حملہ کی اطلاع ملی پتہ چلا کہ وہ دریائے سندھ کو پار کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

امیر تیمور کا ہندوستان پر حملہ ۸۰۰ھ

امیر تیمور نے جب یہ سنا کہ ہندوستان میں ہنگاموں اور شورشوں کا بازار گرم ہے تو اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور بہت جلد دریائے سندھ پار کر کے حملہ کر دیا۔ اس نے چول جلالی کے کنارے (جو جلال الدین منگ برنی کے وہاں رہنے کی وجہ سے اسی نام سے مشہور ہے) اپنا ڈیرا ڈالا۔ پہاڑ کے دامن میں رہنے والے بہت سے زمیندار صاحب قران کی ملازمت میں آ گئے اور شہاب الدین دریائے بھیت کی آس پاس اپنے شہروں کی حفاظت کرتا رہا۔ تیموری شہزادہ مولیاں جانے کی تیاری کرنے لگا ادھر مرزا پیر محمد نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تیموری شہزادے کے جانے پر شہاب مبارک نے مرزا پیر محمد کی ملازمت کر لی۔ مرزا نے اس کے ساتھ بہت مہربانی کی' مگر اس نے دغا کی اور اس کا مخالف ہو گیا۔ امیر تیمور نے اس کی تنبیہہ کے لیے شیخ نورالدین کو بھیجا اس کے ساتھ ایک کثیر تعداد سپاہیوں کی بھی روانہ کی۔ شہاب سے اطاعت گزاری کے لیے کہا گیا مگر اس کو اپنے قلعہ پر بہت ناز تھا۔ اس نے قلعہ کے آس پاس ایک گہری خندق کھدوا دی اور اس میں آب نیلاب ڈالدیا۔ شیخ نورالدین نے پہلے ہی آ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ شہاب کا ارادہ شبخون مارنے کا تھا مگر اس کو کامیابی نہ ہوئی دونوں میں خوب جنگ ہوئی قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ جس کے نتیجے میں شہاب ہار گیا اور مع اپنے بال بچوں کے کشتیوں پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔ امیر نورالدین بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ادھر امیر تیمور امیر نورالدین کو بھیجنے کے بعد خود اس کے پیچھے چل پڑا تھا یہ دونوں جموں اور چناب کے سنگم پر پہنچے تو ایک سربفلک قلعہ نظر آیا جس کا نام قلعہ تلنبہ تھا۔ امیر تیمور کے حکم کے مطابق نہر پر پل باندھ دیا گیا ساری فوج اس کو پار کر کے تلنبہ کے میدان میں آ گئی یہیں خیمے لگائے گئے لشکر میں غلہ کی بہت کمی تھی۔ لہٰذا شہر کو امیر تیمور کے حکم سے برباد کر دیا گیا۔ جہاں کہیں غلہ اور مال و متاع نظر آیا اس کو قبضہ میں کر لیا گیا' یہاں سے یہ لشکر شہر شاہنواز کے نواح میں جا پہنچے اور چونکہ یہاں پر اناج بہت تھا۔ فوج نے اپنی ضرورت کے مطابق تو لے لیا باقی کھلیانوں میں آگ لگا دی یہاں کے لوگوں کا جرم یہ تھا کہ جب شہزادہ پیر محمد یہاں سے گزرے تو اس کی اطاعت نہیں کی تھی۔ امیر شاہ اور ملک شیخ محمد نے لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر قتل و غارت گری کا وہ منظر پیش کیا جسے تاریخ کے اوراق کبھی نہ بھول سکیں گے صرف علماء سادات اور مشائخ اس آگ سے بچے تھے۔

دوسرے دن دریائے بیاس کے کنارے لشکر قیام پذیر ہوا۔ تیسرے دن دریائے بیاس سے آگے بڑھا ملتان کو فتح کرنے کے بعد بارش

بہت زیادہ ہوئی جس سے گھوڑے مرگئے مجبور ہو کر شہزادہ قلعہ بند ہوگیا۔ اس کے دشمن جو گرد و نواح میں تھے چوری چھپے راتوں کو آتے اور شہزادہ کا مال و متاع جو چاہتے لوٹ کر لے جاتے۔ ان حالات میں شہزادہ بہت پریشان ہوگیا تھا اس کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنے پیادہ لشکر کو لے کر یہاں سے نکل جائے۔ یہ اس شش و پنج میں تھا کہ اس کو پتہ چلا کہ امیر تیمور دریائے بیاس کے ساحل سے گزر رہا ہے۔ چودھویں صفر جمعہ کے دن اس نے مع اپنی فوج امیر تیمور کی خدمت میں حاضری دی اور اس نے وہ تمام تحفے و سامان جو ہندوستان سے اسے ملے تھے۔ امیر کے سامنے رکھ دیے اور سارا سامان امرائے لشکر میں تقسیم کر دیا امیر تیمور نے بھی تین ہزار گھوڑے شہزادے کی فوج میں بانٹ دیے۔

شہزادے کو حاکم بھیٹز سے شکایت تھی اس لیے تیمور نے اس حاکم کی سرکوبی ضروری سمجھی اور اجودھن پہنچ گیا۔ اجودھن کے باشندے بہت خوف زدہ ہوئے بہت سے تو حصار بھیٹز میں روپوش ہوگئے اور بہتوں نے شہر ہی میں رہنا مناسب سمجھا۔ امیر تیمور نے اجودھن میں سب سے پہلے حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر حاضری دی اور بھیٹز کے باشندوں کی جان بخشی کر کے قلعہ بھیٹز کی طرف چل پڑا یہ سارا سفر امیر تیمور نے ایک ہی دن میں طے کر لیا۔

قلعہ بھیٹز کی فتح

یہ قلعہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے بہت مشہور تھا یہاں پر آج تک کوئی دشمن نہ پہنچ سکا تھا امیر پہلا مسلمان تھا جس نے یہ جرات کی تھی۔ اس کی آمد سے اجودھن اور دیپالپور کے باشندوں میں ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ آس پاس کی ساری رعیت اس قلعہ میں پناہ لینے کے لیے بھاگی کیونکہ اس سے زیادہ مستحکم اور کوئی حصار دور دور تک نہ تھا۔ جو لوگ قلعہ بند نہ ہو سکے وہ خندق کے پاس پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے۔ امیر تیمور جب قلعے کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے بیرون قلعہ کے تمام لوگوں کو تہ تیغ کیا اور پھر قلعہ کی جانب قدم بڑھائے یہاں کا حاکم خلجی راؤ تھا۔ یہ بہت جری اور بہادر تھا اس وقت کے ہندو حکمرانوں میں سب سے زیادہ قوی' وہ کمر ہمت باندھ کر باہر آیا۔ اس کو لشکر کشی اور قلعہ کے تحفظ کا بہت تجربہ تھا۔ ہندی میں "راؤ" کا مطلب ہی بہادر ہوتا ہے اور یہ اسم بامسمی تھا۔ اس نے اپنی فوجیں آراستہ کیں اور برسرپیکار ہوا مگر ناکامی ہوئی تو مجبوراً" قلعہ میں جا چھپا تیمور پیچھے ہٹنے والا نہ تھا۔ اس نے ہمت نہ ہاری اور ایک خونریز لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا۔ قصہ مختصر شام ہوتے ہوتے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ مال غنیمت بہت ہاتھ آیا اس کے بعد تیمور نے قلعہ پر نظر کی۔ اس نے قلعہ میں ایک نقب لگانے کا حکم دیا۔ چنڈ دل رائے بہت خوفزدہ ہوگیا اور عاجز آ کر بادشاہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ایک قاصد کو تیمور کی خدمت میں بھیج کر استدعا کی کہ صرف ایک دن کی مہلت اس کو مل جائے اس کے بعد دوسرے دن وہ خود قلعہ کو چھوڑ دے گا۔ امیر نے اس کی بات کا اعتماد کر کے وعدہ کر لیا لیکن راجہ دوسرے روز باہر نہ نکلا اور وعدہ خلافی کی۔

تیمور کو اس کی حرکت پر بہت غصہ آیا اور نقب زنی کا حکم دے دیا اس پر لوگوں نے اندر سے قلعہ کے برجوں پر آ کر رونا چلانا شروع کر دیا اور داد و فریاد کر کے امان چاہی۔ چنڈول رائے حضرت فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزدے (جو بھیٹز میں قیام پذیر تھے) کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر آیا اور مع ان کے امیر تیمور کے سامنے گیا۔ راؤ نے بہت سے جانور قیمتی اور عمدہ عمدہ تحفے تحائف' ریشمی کپڑے اور تین سو عراقی گھوڑے بطور تحفہ امیر کی خدمت میں پیش کیے۔ امیر تیمور نے ان تحائف کو قبول کر لیا اور اس کی جان بخشی کے ساتھ ہی ساتھ شاہانہ خلعت عطا کیا۔ امیر سلیمان شاہ اور امیر الہ داد کو قلعہ کی پاسبانی پر مقرر کیا تاکہ لوگوں کو قلعہ کے اندر سے نکالا جا سکے۔ ان کے سپرد دوسرا یہ کام گیا تھا کہ جس آدمی نے پیر محمد کے نوکر حسین کو بڑی تلوار سے سزا دی جائے پناہ گزینوں سے کہا گیا کہ وہ امانت کا مال داخل کر کے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ امیر کی حکمت عملی رائے چنڈول اور اس کے بیٹے دونوں کو پسند نہ آئی' لہٰذا بغاوت کر دی۔ امیر کو ان کے منشاء کا حال معلوم ہوا اور اس نے رائے چنڈول کو نظر بند کر دیا' شہر میں لڑائی شروع ہوگئی۔ شہر کے لوگ امیر کے

پاس آئے جان کی امان چاہی۔ شیخ نورالدین اور امیر الہ داد نے اس سختی سے جزیہ وصول کیا کہ ہندو مسلمان سب ان امراء سے عاجز آ گئے۔ لوگوں نے اپنے مال و متاع کو برباد' بال بچوں کو قتل کر دیا اور خود کشی کر لی۔ اسی بہادر گروہ نے تیموری فوج کے ایک حصہ کو بھی ختم کر دیا۔ امیر اس شہر کو مکمل طور پر برباد کر کے پھر سرستی پہنچا یہاں کے بھاگے ہوئے لوگوں کو چن چن کر قتل کیا' ان کا تمام مال و اسباب چھین لیا پھر فتح آباد چلا گیا۔ یہ شہر بھی امیر تیمور کے ہاتھوں مسمار ہو گیا۔ اس کے ساتھ توہنہ اور اہرونی کے قلعے بھی تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اس کے بعد امیر نے سامان باربرداری تو سامانہ بھیج دیا اور خود وہاں کے جنگلات پر قبضہ کرنے کی فکر کرنے لگا۔ جٹائی قوم کے ڈاکوؤں اور لٹیروں کو قتل کر کے وہاں کے سیدوں سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ پھر سامانہ سے ۵ میل کی فاصلہ پر کیتھل میں مقیم ہوا۔ تمام امراء اور شہزادے اپنی اپنی لڑائیں ختم کر کے یہیں آ کر بادشاہ کے پاس جمع ہو گئے۔

قلعہ لونی پر قبضہ

اس کے بعد بادشاہ نے فوج کو بتورہ جانے کی ہدایت کی اور خود پانی پت پہنچ گیا۔ تمام سپاہیوں کو سردی کی وجہ سے جبہ پہننے کی ہدایت کر دی۔ پھر دریائے جمنا کو عبور کرتا ہوا میان دو آبہ پہنچ گیا۔ وہاں کے قلعہ لونی پر اپنا قبضہ کیا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔ لونی کا قلعہ جمنا اور ہنڈن کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈن بہت گہری ندی ہے جس کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دریائے کالپی سے کاٹ کر لونی میں جمنا سے ملایا۔ لونی کے اکثر باشندے آتش پرست تھے۔ تیمور نے لونی کے قلعہ کو فتح کیا اور دریا کے ساحل پر "جہاں نما" میں قیام کیا اور دریا کی گزرگاہوں کی حفاظت کرنے لگا۔ امیر سلیمان شاہ اور امیر جہاں کو دہلی کی تباہی کے لیے بھیجا خود سات سو مسلح فوجی سپاہیوں کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر کے جہاں نما کی عمارتوں کی سیر کرنے لگا۔ امیر تیمور ابھی دریائی راستوں اور جنگ و جدل کے بہترین موقعوں کی تلاش میں تھا کہ ناصرالدین محمود اور اقبال خاں پھر اس کی فوج کو دیکھ کر پانچ ہزار سوار اور پیادے اور ستائیس ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی فوج لے کر شہر سے باہر آئے۔ محمود سیف نے تیمور کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا اس پر تیموری فوج بہت برا فروختہ ہوئی۔ اس کی قراول کے تقریباً" تین سو افراد دشمن کے مقابلہ پر آ گئے۔ بہادر اور امیر الہ داد بھی امیر تیمور کے حکم سے ان تیمور قراولوں کی مدد کے لیے میدان میں آ گئے۔ وہ لشکر عظیم کے ساتھ دریا کے اس طرف پہنچے اور تیر چلانا شروع کیے۔ ملوخاں اس مقابلہ سے گھبرا گیا اور میدان جنگ سے بھاگا۔ امیر نے اس امر کو اپنے لیے نیک شگون سمجھا اور لونی کے مغرب کے بجائے مشرق میں آ کر قیام کیا جو نواح دہلی سے نزدیک تھا۔ یہاں بھی اس کے دیگر امراء اور لشکری جمع ہو گئے۔ امراء نے بتایا کہ دریائے سندھ کے ساحل سے لے کر لونی کے مشرقی حصہ تک فتوحات کے سلسلہ میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ قیدی بنائے گئے تھے۔ وہ اس روز بہت خوشیاں منا رہے تھے۔ جب ناصرالدین اور ملوخاں امیر تیمور کی فوج کے ساتھ برسرپیکار تھے اور دشمنوں کی فتح کی دعائیں کر رہے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب قیدی آپس میں مل کر امیر تیمور کے خلاف ہو جائیں۔

یہ سب قیدی زیادہ تر ہندو تھے۔ لہٰذا امیر تیمور نے یہ بات سن کر حکم عام دے دیا کہ کوئی فوجی اپنی خدمت کے لیے پندرہ سال کے بعد کا قیدی نہ رکھے اگر پورے پندرہ سال قید کے پورے ہو گئے ہیں تو اس کو تہ تیغ کیا جائے' ورنہ خدمت لینے والا سپاہی قتل کیا جائے اور اس سپاہی کے مال و متاع کا مالک وہ شخص ہو گا۔ جو سپاہی نافرمانی کی اطلاع بادشاہ کو دے گا اس حکم کے مطابق ایک دن میں ایک لاکھ قیدیوں کی جان لی گئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی قاعدہ بنا دیا گیا کہ ہر دس سپاہیوں میں سے ایک سپاہی نو عمر غیر مسلم قیدیوں کی حفاظت کرے تاکہ وہ کوئی فساد نہ بپا کر سکیں۔ پانچویں جمادی الاول کو تیموری فوج دریائے جمنا عبور کرتی ہوئی فیروز آباد کے میدان میں آ کر ٹھہری۔ فوجی افسروں نے لشکر کے آگے ایک بہت بڑی خندق کھودی اور اس میں گائے' بھینسوں کے پاؤں اور گردنیں ڈال دیں' سپاہی رات کو لشکر کی رکھوالی کرتے۔ ساتویں جمادی الاول کو امیر تیمور نجومیوں کی رائے کی مخالفت کے باوجود اپنے تمام لشکر کو درست کر کے دشمن کے مقابلہ پر

ڈٹ گیا۔ اقبال خاں اور ناصرالدین محمود دونوں کو اس بات کی خبر ہوئی وہ لوگ سو ہاتھی اور اور ایک لشکر جرار لے کر میدان میں آگئے۔
تیموری سپاہیوں کی بہادری کے سامنے ہاتھیوں کی فوج بھی مات کھا گئی اور "آناً فاناً" سارے ہاتھی تیر اور نیزوں کا شکار ہو گئے۔

ناصرالدین محمود کی شکست

دشمن کے سپاہی اپنے آپ میں مقابلہ کی ہمت نہ پاکر میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے، مگر اب ناصرالدین محمود اور اس کا خادم ملوخاں بھی گھبرا گئے اور انہیں بھی راہ فرار کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ تھوڑی سی فوج کے ساتھ لڑائی کے میدان سے نکل کر شہر میں پہنچ گئے۔ امیر تیمور نے شہر کے دروازے تک ان فراریوں کا پیچھا کیا اور کامیاب و کامران واپس آیا، تیمور نے حوض خاص کے پاس اپنا خیمہ لگایا۔ ناصرالدین اور ملوخاں چھوٹی سی جمعیت لے کر شہر میں داخل ہوئے تھے، وہ اسی رات وہاں سے فرار ہو گئے۔ ناصرالدین گجرات چلا گیا۔ ملوخاں نے برن میں پناہ لی۔ امیر نے فرار کی خبر پاتے ہی ان کا پیچھا کرنے کے لیے اپنے آدمی دوڑائے، امیر تیمور کے سپاہیوں نے مفروروں کے ساتھیوں کو تو راستہ ہی میں ختم کر دیا اور ملوخاں کے بیٹوں سیف الدین اور خداداد دونوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ امیر تیمور نے اب عید گاہ کے میدان میں قیام کیا۔ بڑے بڑے عالم فاضل اور مشائخ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جان کی امان چاہی۔ امیر نے سب کو مالا مال کیا جمعہ کے دن جامع مسجد کے خطبہ میں امیر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

سولھویں جمادی الاول کو کچھ امراء مال غنیمت کا حساب کر رہے تھے اور کچھ لوگ مجرم باغیوں کو جو شہر میں چھپ گئے تھے تلاش کر رہے تھے۔ اس وجہ سے شہر میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا حالانکہ تیموری امراء نے سپاہیوں کو خاطر خواہ نصیحت کی تھی اور شہر میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے کہا تھا، مگر فوجیوں کے لیے ان کی نصیحت بیکار ثابت ہوئی اور اسی طرح لوٹ مار جاری رہی۔ ہندوؤں نے اپنے بال بچوں کو خود ہی مار ڈالا اور سامان میں آگ لگا دی ادھر امیر تیمور پانچ دن کے لیے خلوت نشین ہو گیا تھا لہٰذا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے تخلیہ میں خلل اندازی کر سکے اور بادشاہ کو اس ہنگامہ کی خبر دے۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے تاکہ باہر سے لٹیرے اور باغی شہر میں نہتے سپاہیوں پر حملہ نہ کریں۔ رات بھر باغی اور لٹیرے حملے کرتے رہے صبح شہر کا دروازہ کھلا یہ سب اندر داخل ہو گئے۔ سپاہیوں نے ۱۰۰ سے زیادہ باغیوں کو گرفتار کیا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کیا۔ مال و متاع اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے۔ طرح طرح کے قیمتی ہیرے، جواہرات، الماس، یاقوت، مروارید وغیرہ تیموری سپاہیوں کے ہاتھ آئے۔ بادشاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہونے کی روایتیں مختلف ہیں۔ راقم فرشتہ کا خیال ہے کہ ہندوؤں کی ایک جماعت جامع مسجد میں لڑ جھگڑ رہی تھی کہ تیموری سپاہیوں نے اس جمعیت کو گرفتار کر لیا۔ لیکن نظام الدین احمد وغیرہ نے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ تیموری عامل لگان کی وصولی کر رہے تھے۔ لوگ ان کی سختی اور دست درازی سے بہت تنگ آ گئے تھے۔ انہوں نے رقم دینے سے انکار کر دیا اور چند عاملوں کو قتل بھی کر دیا۔ بادشاہ نے اس بات سے برہم ہو کر حکم دیا کہ سادات، علماء اور مشائخ کو چھوڑ کر باقی سب کا خون معاف ہے۔ یہ سنتے ہی تیموری سپاہی بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے اور خوب دل کھول کر لوٹ مار کی۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ کسی اور بادشاہ کے عہد میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ امیر نے ایک سو بیس ہاتھیوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہ فیروز شاہ کے وقت کے پروردہ تھے اس کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں اس کو محمد تغلق کی بنائی ہوئی رنگین مسجد بہت پسند آئی۔ اس نے سمرقند میں ایسی ہی مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ دہلی کے سنگتراش سمرقند بھیجے گئے اور وہاں ایسی ہی مسجد تعمیر کی گئی۔

امیر تیمور کی ہندوستان سے واپسی

امیر تیمور نے کل پندرہ دن دہلی میں قیام کیا اس کے بعد اپنے وطن کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت سپاہیوں کی ایک جماعت کو علماء اور مشائخ کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ خود شہر سے فیروز آباد چلا گیا بادشاہ ابھی فیروز آباد ہی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ راجہ بہادر ناہر نے اس کو تحفہ

دو سفید ہاتھی بھیجے اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ امیر تیمور نے سید شمس الدین ترمذی کو اس کے پاس بھیجا' بہادر ناہر نے انہیں کی وساطت سے امیر تیمور کی ملازمت حاصل کر لی۔ خضر خان جو ناصرالدین محمود اور امیر تیمور کی باہمی کشمکش کے زمانہ میں میوات کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا تھا اب باہر نکلا اور اس کو بھی الطاف شاہانہ سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ فیروز آباد سے پانی پت پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے امیر شاہ ملک اور دیگر امیراء کی ایک طاقتور جماعت کو میرٹھ کے قلعے کی فتح کے لیے بھیجا۔ یہ قلعہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مضبوط تھا' امیر شاہ میرٹھ پہنچا اور تیمور کو اطلاع دی کہ قلعے کے لوگ لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے فتح کرنے والے بہت سے آئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ امیر تیمور کو ان لوگوں کی خود سری بہت ناگوار گزری اس نے بہ نفس نفیس حملہ کرنے کی ٹھانی۔ تیموری سپاہیوں نے قلعہ میں سرنگ کھودنا شروع کر دی بہت جلد دس پندرہ گز کی نقب تیار ہوگئی۔ الیاس اعوان عالی اور مولانا احمد تھانیسری کے صاحبزادے نیز ملک صفی کبیر وغیرہ جو جان ہتھیلی پر رکھ کر مقابلہ کے لیے تیار تھے میدان میں آگئے۔ مگر تیموری سپاہی کمند کے ذریعہ قلعہ کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ نقب مکمل ہونے سے پہلے ہی ان بہادر تیموری سپاہیوں نے اہل قلعہ کو تہ تیغ کر دیا اور قلعہ پر فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔

اس دوران میں نقب بھی تیار ہوگئی اور قلعہ کی چار دیواری اور اس کے برج توپ سے اڑا دیے گئے۔ غرضیکہ جو حال بھٹیر کے قلعہ کا ہوا تھا وہی حشر میرٹھ کے قلعہ کا ہوا۔ اتنی بلند عمارت منٹوں میں مسمار ہوگئی اس سے تیموریوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ فاتحین کو اس پر بڑا ناز ہوا۔ امیر تیمور سوالک پہاڑ کی طرف بڑھا اور اس پہاڑی سلسلہ کے جتنے آباد شہر تھے سب کو جی بھر کر برباد و تاراج کیا پھر وہ دریائے گنگا کو پار کرتا ہوا دوآبہ پہنچا اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو لوٹ مار کر ختم کر دیا ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ اس خطہ میں محمود غزنوی بھی گیا تھا ان لوگوں کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا اس فتح کے بعد تیمور واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں رتن نام کے ایک زمیندار کو قتل کر کے اس کا مال اسباب اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جموں تک پہنچتے پہنچتے چھوٹے بڑے بہت سے قلعے فتح کر لیے۔ جموں کے راجہ نے بھی خود سری کا ارادہ کیا' لیکن بادشاہ کے رعب کے سامنے اس کی ایک نہ چلی' وہ بادشاہ کی دعوت پر مسلمان ہوگیا۔

شیخا کھکھر نے اپنے چھوٹے بھائی جیرت کھکھر کو جو خوف سے بڑے بھائی کے پاس چھپ گیا تھا تیمور سے مقابلہ کرنے پر بہت لعنت ملامت کی۔ وہ سارنگ خان کے بالکل خلاف ہو کر اپنے وطن کی طرف چلا اور تیمور کی بارگاہ میں کامیابی حاصل کر لی شیخا کھکھر بادشاہ کی ناک کا بال ہوگیا خلعت شاہانہ سے سرفراز ہوا۔ امراء تیموری میں سے کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس کے خلاف ایک کلمہ بھی اپنے منہ سے نکالے۔ مگر شیخا کھکھر کا آفتاب بہت جلد گہنا گیا۔ تیمور اپنے وطن واپس گیا تو شیخا کھکھر موقع پا کر لاہور کے قلعہ کا مالک بن بیٹھا۔ اس نے مورخ فرشتہ کے بزرگوں میں سے ایک شخص ہندو شاہ (جو شاہی خزانچی تھا) اور ماوراءالنہر کے نامی بزرگ مولانا عبداللہ صدر کے ساتھ اپنے پرانے خلوص کو بالائے طاق رکھ کر بہت برا سلوک کیا۔ اس کا غرور اتنا بڑھ گیا کہ تیمور جب پنجاب سے گزرا تو اس سے ملاقات تک کرنے کو نہ آیا۔ امیر تیمور کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے معتبر امراء اور شہزادے کو اس کی سرکوبی کا حکم دیا۔ لاہور کے قلعہ کو ان لوگوں نے فتح کر کے شیخا کو گرفتار کر لیا۔ تیمور نے اس کو قتل کر کے لاہور' دیپالپور اور ملتان کی حکومت خضر خاں کو دے دی۔ خود کابل کے راستہ سے سمرقند چلا گیا' دہلی اور سیری دونوں مقامات دو ماہ تک ویران پڑے رہے۔ پھر ان شہروں کو قدرتی وبا نے بھی گھیر لیا' قحط نے ان شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ نصرت خاں' ملواقبال خاں کے خوف سے دوآبہ میں پناہ گزین تھا وہ موقع پا کر میرٹھ پہنچا۔ عادل بھی اپنی فوج اور چار ہاتھیوں کے ساتھ اس سے جا ملا۔ نصرت شاہ کو عادل خاں پر اعتماد نہ تھا لہٰذا اسے میرٹھ پہنچتے ہی قید کر لیا گیا۔ اس کے مال و متاع پر قبضہ کر کے دو ہزار سواروں کی فوج لے کر نصرت شاہ فیروز آباد پہنچا دہلی کی تباہ و برباد زمین پر قبضہ کر لیا۔ شہاب خاں اپنے لشکر اور دس عدد ہاتھیوں کو ساتھ لے کر مع الماس خاں کے میواتی سپاہیوں کے نصرت شاہ کے پاس آگیا۔ نصرت شاہ نے شہاب خاں کو اقبال ملوخان کی تباہی

و بربادی کے لیے برن روانہ کیا۔

ادھر ملو خاں نے وہاں کے باشندوں کو خوب اشتعال دلایا شہریوں نے شہاب خاں کو قتل کر ڈالا۔ ملو خاں نے شہاب کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور نئی طاقت حاصل کر کے پھر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ اس کے مقابلہ پر ٹھہر نہ سکا اور میوات چلا گیا۔ ملوخاں دوسری دفعہ دہلی کا حاکم ہو گیا اور قلعہ سیری میں قیام کیا۔ اب دہلی میں کچھ اطمینان ہوا اور جو لوگ تیمور سے خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے وہ سب واپس آ گئے اور یہ ویران جگہ کچھ آباد نظر آنے لگی۔ پرانی دہلی میں وہی ویرانی اور کھنڈرات نظر آتے تھے نئی دہلی خوب ترقی کر رہی تھی۔ میان دو آبہ پر اقبال خاں کا قبضہ ہو گیا اور جو مقامات دور تھے وہاں جس نے چاہا قبضہ کر لیا۔ گجرات کا حاکم خاں عالم ظفر خاں بن بیٹھا' مالوہ پر دلاور خاں نے قبضہ کر لیا' جونپور' قنوج' اودھ اور کڑہ پر سلطان اشرف خواجہ جہاں کا قبضہ ہو گیا۔ امیر تیمور کے حکم کے مطابق لاہور' ملتان' دیپالپور کا حاکم خضر خاں مقرر ہو گیا غالب خاں کو سمانہ کا حاکم بنایا گیا۔ بیانے پر شمس الدین اوحدی کا قبضہ ہوا ہر ایک اپنے اپنے علاقے میں خود مختار بن بیٹھا کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔

ملو خاں کا دہلی پر حملہ

۸۰۳ھ جمادی الاول میں ملوخاں نے دہلی سے بیانہ پر حملہ کیا اور شمس خاں سے جنگ کر کے حکومت اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے کھیٹر کی طرف چلا اور وہاں کے راجہ نرسنگھ سے پیشکش وصول کر کے پھر دہلی چلا آیا یہاں پہنچتے ہی اس کو معلوم ہوا کہ سلطان اشرف جہاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کا بیٹا واصل خاں مبارک شاہ کے لقب سے حکومت کا وارث بن بیٹھا ہے۔ یہ سنتے ہی ملوخاں نے ایک مہینہ کے اندر ہی اندر سلطان مبارک شاہ پر حملہ کر دیا۔ شمس خاں (جو بیانہ کا حاکم تھا) مبارک خاں اور بہادر ناہر' ان سب نے ملواقبال خاں کا ساتھ دیا۔ وہ دریائے گنگا کے ساحل پر قصبہ پٹیالی پہنچا یہاں رائے سمیر اور دوسرے زمیندار حاکم اس سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے' مگر میدان سے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کے بعد ملوخاں قنوج پہنچا اور ابھی جونپور اور لکھنؤ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ مبارک شاہ ایک لشکر عظیم لے کر اس سے لڑنے کے لیے آیا دونوں فوجوں کے بیچ دریائے گنگا حائل تھا۔ لہٰذا دو ماہ کی تگ و دو کے بعد جب پانی کو عبور کرنے کی ہمت فریقین میں سے کسی کو نہ ہوئی تو مجبوراً" اپنے اپنے خیمے اکھاڑ کر واپس چلے گئے۔ ملوخاں چونکہ شمس خاں اور مبارک خاں سے بدگمان ہو گیا تھا اسی باعث ان دونوں ہی کو راستہ میں قتل کر ڈالا۔

۸۰۴ھ میں سلطان ناصرالدین محمود جو ظفر خاں کے برے برتاؤ سے بہت نالاں تھا مالوہ آ گیا اور جب ملو اقبال خاں نے اس کو دہلی بلایا تو چلا آیا مگر ملو اقبال کے ڈر سے گوشہ نشین ہو گیا اور مہمات سلطنت کا خیال بھولے سے بھی دل میں نہ لایا حکومت سے بھی بالکل دست کش رہا۔ اتفاق سے اسی سال مبارک شاہ کا جونپور میں انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی شاہ ابراہیم حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر بیٹھا۔ ملو اقبال کو موقع ہاتھ آیا اور ناصرالدین محمود کو ساتھ لے کر قنوج پر حملہ کیا۔ شاہ ابراہیم نے مشرقی سپاہیوں کے ساتھ بڑے کروفر سے اس کا مقابلہ کیا اور اپنے ملک کو اس کے قبضے میں کسی طرح نہ آنے دیا۔ ادھر ناصرالدین کے ذہن میں یہ بات آئی کہ چونکہ ابراہیم شاہ اس کا پروردہ اور خانہ زاد ہے لہٰذا وہ خیال کرے گا اور حکومت کی عنان اس کے ہاتھ میں دے کر خود اس کی اطاعت کرے گا مگر اس کا خیال غلط نکلا۔ ناصرالدین ایک رات شکار کھیلنے کا بہانہ کر کے ابراہیم شاہ کے پاس پہنچا' ابراہیم شاہ نے اس کے آنے کا مقصد سمجھ لیا اور معمولی خاطر مدارت جو اس کا فرض تھا وہ بھی نہ کی۔ ناصرالدین مایوس واپس آیا اس نے ابراہیم شاہ کے نائب کو قنوج سے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا۔ شاہ ابراہیم جونپور واپس چلا آیا اور ملوخاں نے دہلی کی راہ لی۔

ملوخاں کا قلعہ گوالیار پر حملہ

۸۰۵ھ میں ملوخاں نے گوالیار کے قلعہ پر حملہ کیا یہ قلعہ پر آشوب تیموری زمانہ میں راجہ نرسنگھ کے قبضہ میں آ گیا تھا اور اس وقت

اس کا بیٹا پرم دیو اس قلعہ کا حکمران تھا۔ لہٰذا پرم دیو کی قوت اور قلعہ کی مضبوطی نے ملوخاں کو اس ارادے میں ناکام رکھا۔ دوسری بار اس نے پھر قلعہ پر دھاوا بولا۔ اس بار پرم دیو نے قلعہ سے باہر آ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر پھر قلعہ میں جا چھپا۔ اس دفعہ بھی ملوخاں نے اس کے آس پاس کی مقامات میں خوب لوٹ مار کی اور دہلی واپس چلا گیا۔ ۸۰۷ھ میں اٹاوہ پر اقبال خاں نے پھر حملہ کیا۔ رائے سمیرد اور رائے جھالہ وغیرہ جو اٹاوہ میں موجود تھے' ان سب سے پیشکش وصول کی اور چار ماہ مسلسل لڑنے کے بعد واپس ہوا۔ اس کے بعد ملوخاں کی ہمت اور بڑھ گئی اس نے پورے طور پر ناصرالدین سے ٹکراہی کی اور قنوج پر حملہ کیا جہاں ناصرالدین حکمرانی کر رہا تھا۔ ناصرالدین قلعہ بند ہوگیا ملو اقبال نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور عرصہ تک لڑتا رہا لیکن قلعہ کی مضبوطی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ ناکام رہا۔ محرم ۸۰۸ھ میں اقبال خاں سمانہ کی طرف بڑھا۔ بہرام خاں جس کو فیروز شاہ نے پال پوس کر بڑا کیا تھا اور اس کا غلام تھا وہ ان دنوں سارنگ خاں کے خلاف ہوگیا تھا اور سمانہ میں مقیم تھا وہ بھی ملوخاں سے بہت خوفزدہ ہوا اور بھاگ کر قلعہ دھور میں چھپ گیا۔ ملو اقبال نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ کے درے تک پہنچ گیا یہاں حضرت علیم الدین جو سید جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے تھے انہوں نے بمشکل تمام دونوں کی صلح کرائی۔ بہرام خاں کو ساتھ لے کر ملوخاں دہلی کی طرف چل پڑا تاکہ خضر خاں کو ختم کر کے دہلی کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرے۔ ملو اقبال تکونڈی پہنچا اور رائے داؤد' کمال بھشتی' اور رائے ہبو کو گرفتار کر لیا۔ بہرام خاں سے بھی اس کو خطرہ تھا لہٰذا اس کو بھی مروا دیا اور اپنے وعدے کا بالکل خیال نہ کیا پھر اجودھن کے آس پاس اپنے خیمے نصب کیے۔

خضر خاں کو دشمن کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی اس نے پنجاب' ملتان' دیپالپور وغیرہ کے لشکر تیار کیے۔ میدان جنگ میں دونوں حریف صف آراء ہوئے۔ ۱۹ جمادی الاول کو جنگ شروع ہوئی۔ اقبال خاں پر بد عہدی اور وعدہ شکنی کا بھوت سوار تھا لہٰذا قدرت نے بھی اس کو ویسا ہی صلہ دیا اس کا گھوڑا بیچ میدان میں زخمی ہوگیا اور وہ اسلام خاں لودھی کے ہاتھوں قتل ہوگیا اسلام خاں لودھی کے سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر خضر خاں کی خدمت میں پیش کیا اس نے یہ سر اس کے وطن بھجوا دیا۔ فتح پور میں اس کا سر شہر کے صدر دروازے پر لٹکایا گیا۔ خضر اور ملو اقبال کی اس جنگجوئی کا حال دہلی میں دولت خاں لودھی اور اختیار خاں نے سنا ان امراء نے سلطان ناصرالدین کو قنوج سے بلوا بھیجا۔ ناصرالدین ۸۰۸ھ میں تھوڑی سی جمعیت لے کر دہلی پہنچا اور تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ لیکن اب اقبال شاہی سلطنت دہلی سے جا چکا تھا۔ ناصرالدین نے پنجاب اور ملتان کی مہموں کو زیادہ اہمیت نہ دی اور بہرام خاں کو دولت خان کی تباہی اور بربادی کے لئے بھیجا بھی فیروز شاہ کے پروردہ غلاموں میں سے تھا اور بہرام خان کی موت کے بعد سمانہ پر حکومت کر رہا تھا۔ ناصرالدین نے دولت خاں کو تو ادھر بھیجا اور خود قنوج پر دھاوا کر دیا۔ شاہ ابراہیم نے خوب جی کھول کر مقابلہ کیا بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ مگر ناصرالدین حریف کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور مہم کو بیکار سمجھ کر واپس چلا آیا۔ فیروز شاہ کے وقت کے امراء اور ملازمین جو موجود تھے وہ بادشاہ کی جنگجوئی اور فوج کشی سے نہایت آزردہ ہو گئے۔ لہٰذا وہ بادشاہ کو بغیر بتائے ہوئے اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ سلطان ابراہیم شرقی نے یہ حالات سنے اور دریائے گنگا کو عبور کرتا ہوا قنوج پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر دہلی کی طرف بڑھا وہ منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ خاں اعظم ظفر خاں گجراتی نے منڈو کے حکمران الپ خاں کو گرفتار کر کے مالوے پر قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ جونپور پر بھی حملہ کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم شرقی نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جونپور واپس چلا گیا۔

ابراہیم لودھی اور بیرم خاں کا معرکہ

۸۱۰ھ میں رجب کے مہینہ میں دولت خاں لودھی اور بیرم خاں سمانے سے دو میل کے فاصلہ پر صف آراء ہوئے' بیرم خاں ہار گیا اور قلعہ بند ہوگیا پھر جان کی پناہ چاہی اور دولت خاں سے جا کر مل گیا' لیکن اس صلح و جنگ کو ابھی بہت کم ہی دن گزرے تھے کہ خضر خان

نے سمانہ کے گرد و نواح پر قبضہ کر لیا اور دولت خاں لودھی واپس آ گیا۔ ۸۱۰ھ ذیعقد میں ناصرالدین محمود کے مقرر کیے ہوئے برن کے حاکم ملک میر ضیاء پر ابراہیم شرقی نے حملہ کر دیا ملک میر ضیا قلعہ سے نکل کر ناصرالدین محمود کے مقابلہ پر آیا لیکن پہلے ہی حملے میں شکست کھا گیا اور قلعہ کے اندر جا کر چھپ گیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ناصرالدین کے سپاہی بھی قلعہ میں داخل ہو گئے اور حریف کو قتل کر ڈالا۔ پھر ناصرالدین سنبھل جا پہنچا سنبھل کا حاکم تاتار خاں بغیر جنگ و جدل کے ہی میدان چھوڑ گیا۔ ناصرالدین نے اسد خان کو سنبھل میں چھوڑا اور خود دہلی واپس چلا آیا۔ ۸۱۱ھ میں قلعہ فیروز پور کے حاکم قوام خاں پر ناصرالدین نے حملہ کر دیا۔ پہلے تو قوام خاں قلعہ بند ہو گیا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو گراں قیمت تحفے تحائف کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کی۔ ناصرالدین نے اس کی خطا معاف کی اور دہلی واپس چلا آیا۔ خضر خاں کو بھی یہ حالات معلوم ہوئے اور وہ فتح آباد پہنچا۔ اس نے ان تمام لوگوں کو بہت تکلیفیں دیں جو ناصرالدین کے طرف دار تھے اور ملک تحفہ کو حکم دے دیا کہ دو آبہ کے درمیان ناصرالدین کی حکومت کو تباہ و برباد کر دے اور خود رہتک ہوتا ہوا دہلی پہنچا۔ ناصرالدین کو اتنی عقل نہ تھی' وہ خضر خاں کی آمد کی اطلاع پاتے ہی فیروز آباد میں قلعہ بند ہو گیا۔ خضر خاں نے قلعہ کو گھیر لیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں غلہ' چارہ اور اشیائی خوردنی کی کمی سے گھبرا کر محاصرہ ختم کیا اور فتح پور چلا آیا۔ ۸۱۲ھ میں بیرم خاں' خضر خاں سے ناراض ہو کر دولت خاں سے مل کر آ گیا۔ دولت خاں اس زمانہ میں دریائے جمنا کے ساحل پر اپنے خیمے لگائے ہوئے تھا۔ بیرم خاں نے اپنے اہل و عیال کو پہاڑ پر بھیج دیا اور خود دولت خاں کے پاس پہنچ گیا۔ خضر خاں نے بھی بیرم خاں کا تعاقب کیا اور جمنا کے ساحل پر پہنچ گیا۔

بیرم خان اپنی ناعاقبت اندیشی پر بہت شرمندہ تھا اور خضر خاں کی خدمت میں بہت عجز و انکساری سے معافی کا طلبگار ہوا۔ خضر خاں نے اس کو پھر حاکم بنا کر اس کے پرگنہ پر بھیج دیا۔ ۸۱۳ھ میں خضر خاں ملک ادریس پر حملہ آور ہوا۔ اس کو محمد شاہ نے رہتک کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ملک ادریس قلعہ میں جا چھپا مگر چھ ماہ بعد پریشان ہو کر اپنے بیٹے کو بیش قیمت پیشکش کے ساتھ خضر خاں کی بارگاہ میں بھیجا اور صلح کر کے اس کی اطاعت منظور کی۔ خضر خاں رہتک سے چل کر سمانے کے راستے سے فتح پور پہنچا۔ ۸۱۴ھ میں ان مقامات پر حملہ کیا جو رہتک کے آس پاس تھے اور جن پر ناصرالدین محمود قابض تھا۔ ملک ادریس اور مبارز خاں اس کے استقبال کے لیے آئے اس کی عنایتوں اور انعامات سے مالا مال ہوئے پھر اقلیم خاں اور بہادر خاں کی جائدادوں کو تارکول میں تہ و بالا کیا اور اس کے بعد دہلی پہنچا۔ سلطان ناصرالدین سیری کے قلعہ میں ٹھہرا ہوا تھا خضر خاں نے اس کے قلعہ کو گھیر لیا۔ اختیار خاں فیروز آبادی نے ناصرالدین محمود کی زوال آمادہ حکومت کا اچھی طرح اندازہ لگا لیا اور اسی باعث خضر خاں کی طرف چلا گیا۔ اختیار خاں خضر خاں کو فیروز آباد لے کر آ گیا اور دو آبہ کے درمیان قبضہ کر کے غلہ' اجناس' اور چارے کی بہم رسانی کے تمام راستے اہل دہلی پر بند کر دیے۔ مگر ناصرالدین کی قسمت میں ابھی حکمرانی باقی تھی۔

ناصرالدین محمود کی وفات

قحط کی وجہ سے خضر خاں دو آبے سے واپس لوٹا اور فتح پور چلا گیا۔ رجب کے مہینہ میں ناصرالدین نے کیتھل کا سفر کیا اور شکار کھیلنے میں لگ گیا شکار گاہ سے لوٹ رہا تھا کہ ذیقعدہ کے مہینہ میں بیمار پڑ گیا اور چند دنوں کے بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ ناصرالدین محمود کے انتقال کے ساتھ ہی گویا شہاب الدین غوری کے غلاموں کی حکومت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور غلامان ترک کے ہاتھ سے حکمرانی جاتی رہی۔ ناصرالدین محمود نے باوجود بے شمار مشکلات کے بیس سال دو مہینہ تک حکومت کی۔ ناصرالدین کے انتقال کے بعد عوام نے دولت خاں لودھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور ۸۱۶ھ میں وہ تخت پر بیٹھ گیا۔

دولت خاں لودھی کی تخت نشینی

۸۱۶ھ میں اس کو بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا۔ ملک ادریس اور مبارز خاں' خضر خاں کے مخالف ہو گئے

اور دولت خاں کے طرف داروں میں شامل ہوگئے- دولت خاں جس مہینہ میں تخت پر بیٹھا اسی مہینہ میں کہنتیر کی طرف چلا' رائے نرسنگھ اور دیگر امراء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے- دولت خاں قصبہ پٹیالی میں گیا اور وہاں مہابت خاں بدایونی بھی اس کی خدمت میں آیا اور اس کا ملازم ہوگیا- اسی زمانہ میں پتہ چلا کہ ابراہیم شاہ شرقی نے قادر خاں بن محمود خاں کو کالپی میں گھیر لیا ہے- قادر خاں کے پاس اتنا لشکر نہ تھا کہ وہ ابراہیم کے مقابلہ پر صف آرا ہو لہٰذا وہ پیچھے ہٹ گیا اور دہلی بھاگ گیا- خضر تو ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتا تھا' یہ خبر سنتے ہی فوراً" دہلی پر حملہ کر کے فتح کرنے کی نیت سے آگے بڑھا اطراف و جوانب سے لشکر جمع کیا تقریباً" ساٹھ ہزار سواروں کو جمع کر کے ذی الحجہ کے مہینہ میں (۸۱۶ھ میں) میں دہلی پہنچ گیا- خضر خاں کے پہنچتے ہی دولت خاں لودھی سیری کے قلعہ میں چھپ گیا یہ محاصرہ چار مہینہ تک مسلسل رہا اور قلعہ کے لوگ مصائب و آلام سے گھبرا گئے- آخر کار پندرہ ربیع الاول ۸۱۷ھ کو دولت خاں حصار سیری سے باہر آیا اور خضر خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اسے گرفتار کر کے فیروز آباد کے قلعہ میں قید کر دیا گیا-

دولت خاں کا انتقال

اسی طرح قید کی حالت میں اس کا انتقال ہوا دولت خاں نے ایک سال تین مہینے حکومت کی اس کے بعد خضر خاں نے عنان حکومت سنبھال لی-

ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ

دوم

ترجمہ: عبدالحئی خواجہ (مشفق خواجہ)

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

فہرست جلد دوم

افغانوں کی حکومت 462

شیر شاہ افغان بن حسن سور 462

سلیم شاہ سوری 475

ہمایوں شاہ بہمنی 621

نظام شاہ بہمنی 629

محمد شاہ ثانی بن ہمایوں شاہ ظالم 636

سلطان محمد شاہ بہمنی 657

خاندان سادات

سید خضر خان بن ملک سلیمان

امارت

"طبقات محمود شاہی" اور تاریخ "مبارک شاہی" دونوں کتابوں کے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ خضر خاں خاندان غور کا فرزند تھا قوم کا سید تھا۔ خضر خاں ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ملک سلیمان کو فیروز شاہ بار بک کے امیر ملک مردان دولت نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ ملک مردان کا انتقال ملتان میں ہوا اور وہاں کی حکومت کی باگ دوڑ اس کے صلبی پسر ملک شیخ کے ہاتھ میں دے دی گئی' لیکن ملک شیخ کا بہت جلد انتقال ہو گیا۔ اور ملتان کا حاکم ملک سلیمان ہو گیا۔ جو اپنے آپ کو سید بتاتا تھا۔ ملک سلیمان کی وفات کے بعد فیروز شاہ کے حکم کے مطابق اس کا بیٹا خضر خاں حکومت کا مالک بنا' لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہے خضر خاں کو سارنگ نے شکست دی اور اسے ملتان کی حکمرانی سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد جب امیر تیمور کی فتوحات اور ریشہ دوانیوں کا دور دورہ تھا تو خضر خاں امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنے خلوص' وفاداری اور خدمت گزاری کے بدلہ میں اس کو ملتان اور پنجاب کی حکمرانی مل گئی تھی۔ حتی کہ اسی تیموری فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نے اس کو ایک دن سلطنت دہلی کا تاجدار بنا دیا' اس کا برتاؤ رعایا کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

خضر خاں کا حسب و نسب

منصف تاریخ مبارک شاہی نے خضر خاں کے خاندان اور حسب و نسب کے بارے میں دو بین ثبوت پیش کیے ہیں اور ان کی صحت کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں۔ لہٰذا ان دلائل کا تذکرہ اس کتاب میں کرنا ضروری ہے۔

(۱) جس زمانہ میں خضر خاں کا باپ سید ملک سلیمان مردان دولت کے یہاں تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا تو اس دوران میں ایک بار سید جلال الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ ملک مردان کے یہاں بطور مہمان کے تشریف لائے۔ جب دستر خوان بچھا اور سب کھانے پر بیٹھے تو سید ملک سلیمان لوٹا اور طشت لے کر مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کے لئے آیا۔ حضرت مخدوم بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ سیدوں کو ایسے کاموں پر مقرر کرنا بہت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس سے پہلے ملک سلیمان نے کبھی سید ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ الفاظ ایک ولی کامل اور بزرگ کے منہ سے نکلے تھے لہٰذا ملک سلیمان قطعی سید ہو گا اور خضر خاں بھی اس طرح سید کہلانے کا مستحق ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ خضر خاں کا کردار' اخلاق' برتاؤ اور دیگر صفات ایسی تھیں جو آنحضرت صلعم کی صفات پاکیزہ سے مشابہت رکھتی تھیں لہٰذا یہ بات بھی خضر خاں کے سید ہونے کو تقویت بخشتی ہے۔

عہدے اور مراتب

خضر خاں نے ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دیا اور اس کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ملک سلیمان کے منہ بولے بیٹے عبد الرحیم کو علاؤ الملک کا خطاب دے کر ملتان و فتح پور کا حکمران بنایا۔ اختیار خاں کو میان دو آبہ کا شقدار بنایا اور سید عالم کا عہدہ بڑھا کر اس کو تھان پور' برند اور

دوسرے حصوں کا حکمران مقرر کیا۔ اسی طرح اپنے دوسرے خیر خواہوں کو بھی خطابات دیئے اور اونچے عہدوں پر سرفراز کیا۔ خضر خاں اگرچہ خود مختار حاکم تھا' مگر اس نے امیر تیمور کا ہمیشہ ادب اور لحاظ کیا۔ اسی باعث اپنے آپ کو کبھی شاہ کے لقب سے مشہور نہیں کیا۔ اور اعلیٰ القاب سے اپنے آپ کو سربلند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے عہد حکومت کے شروع میں ملتان میں امیر تیمور اور دہلی میں شاہرخ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور سکے بھی انہیں کے نام کے چلتے تھے' لیکن آخر میں خضر خاں کا نام بھی خطبوں میں لیا جانے لگا۔ خضر خاں اکثر و بیشتر مرزا شاہرخ کی خدمت میں عمدہ اور قیمتی نذرانے بھیجا کرتا تھا۔

خضر خاں نے تخت نشین ہوتے ہی اسی سال تاج الملک کو باقاعدہ ایک لشکر کے ساتھ کینتھر بھیجا۔ تاج الملک نے دریائے گنگا اور جمنا کو عبور کرکے کینتھر اور اس کے آس پاس کے مقامات کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ کینتھر کے راجہ نرسنگھ نے جو خوفزدہ ہو کر پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گیا تھا نکل کر آیا اور تاج الملک کو تحفے تحائف دینے کے بعد اس کا اطاعت گزار ہو گیا۔ مہابت خاں جو بداؤں کا حاکم تھا وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تاج الملک کینتھر سے کہو کنبھل اور چندوار پہنچا اور وہاں کے لوگوں سے چند سالوں کا واجب الادا خراج وصول کیا۔ بعد ازاں جالیسر کو بھی فتح کرکے اس نے خضر شاہی حکومت میں شامل کیا اور چندوارے کے راجپوتوں کو شکست دی۔ تاج الملک جالیسر سے اٹاوہ پہنچا وہاں کے مکھیوں کو تنبیہہ کی اور دہلی چلا آیا۔

جمادی الاول کے مہینہ میں (تخت نشینی کے سال) اس کو معلوم ہوا کہ بیرم خاں کی قوم کی ایک جماعت نے شاہزادہ مبارک خاں کے ایک عامل ملک سدھو کو تہ تیغ کرکے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے زیرک خاں اور ملک داؤد کو ایک فوج کثیر کے ساتھ ان باغی ترکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ترکوں نے دریائے ستلج کو پار کرکے پہاڑی علاقے میں پناہ لی۔ زیرک خاں بھی ان سرکشوں کا پیچھا کرتا ہوا پہاڑوں میں جا گھسا۔ ان اطراف کے پہاڑ نگر کوٹ اور اس کے آس پاس کے پہاڑوں سے ملے ہوئے تھے' وہاں کے زمینداروں نے بہت قوت حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا زیرک خاں اور داؤد خاں کی کوششیں بالکل بیکار ثابت ہوئیں اور یہ لوگ ان کا بال تک نہ بیکا کر سکے۔

۸۱۹ھ میں خضر خاں کو معلوم ہوا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی ناگور آ گیا ہے اور اس علاقے پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خضر خاں نے وہاں پہنچنے کی کوشش کی تاکہ احمد شاہ کے قدم ناگور میں نہ جمنے پائیں' مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سلطان احمد شاہ وہاں سے مالوہ روانہ ہو گیا۔ خضر خاں سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا جالور پہنچا۔ الیاس خاں جو شہر نو کا حاکم تھا (یہ شہر عروس جہاں کے لقب سے مشہور تھا اس کو سلطان علاؤ الدین خلجی نے بسایا تھا) وہ خضر خاں کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور شاہی نوازشوں سے سرفراز ہوا۔ اس نے جالور سے گوالیار کا سفر کیا اور نذرانے کی رقم گوالیار کے راجہ سے وصول کرتا ہوا بیانے جا پہنچا۔ اور شمس خاں اوحدی کے بھائی کریم الملک سے بھی خراج وصول کیا۔

۸۲۰ھ میں ملک طغا ترک کی سرکشی کی اطلاع ملی یہ ملک سدھو کے قاتلوں کا سردار تھا۔ زیرک خاں کو ایک کثیر فوج دے کر طغا خاں کو تہ تیغ کرنے کے لئے بھیجا۔ زیرک خاں سرکشوں کے نزدیک پہنچا اور طغا اور اس کے ہمراہیوں نے سرہند کے محاصرے کا خیال چھوڑ دیا اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ ملک کمال الدین نے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور دہلی چلا گیا۔ زیرک خاں ملک طغا کا تعاقب کرتا پائل تک پہنچ گیا اور چار و ناچار ملک طغا نے اطاعت قبول کی اور نذرانے کی رقم دینے کا پکا وعدہ کر لیا۔ ملک طغا نے اپنے فرزند کو یرغمال کے طور پر خضر خاں کے پاس چھوڑا۔ ملک سدھو نے قاتلوں کو ختم کیا جو تمام فتنہ و فساد کی جڑ تھے۔ زیرک خاں نے طغا کے سپرد جالندھر کی حکومت کی اور سمانے کے گرد و نواح میں جا کر نذرانے وصول کیے بغیر ملک طغا کے بیٹے کو خضر خاں کی خدمت میں بھیج دیا۔

۸۲۱ھ میں خضر خاں نے تاج الملک کو کینتھر کے راجہ رائے نرسنگھ کی تنبیہہ کے لئے روانہ کیا۔ تاج الملک نے دریائے گنگا کو پار کیا

اور نرسنگھ اپنا ملک چھوڑ کر ٹولہہ کے جنگل میں جا کر چھپ گیا۔ شاہی فوجیوں نے اس کو تلاش کیا وہ وہاں سے بھاگ گیا مگر اس کے گھوڑے اور مال اسباب فوجیوں کو مل گیا۔ ان سپاہیوں نے ہمایوں پہاڑ تک ان کا پیچھا کیا اور چار روز تک ہندوؤں کے تعاقب میں رہے، مگر پانچویں روز لوٹ آئے اور اپنے لشکر سے مل گئے۔ تاج الملک کیتھر کو فتح کر کے بداؤں آیا۔ اور دریائے گنگا کو عبور کر کے مہابت خاں حاکم بداؤں (جو ناصرالدین محمد کے مشہور امرا میں سے تھا) سے ملاقات کرتا ہوا اٹاوے چلا گیا۔ رائے سمیر اٹاوہ میں قلعہ کے اندر چھپ گیا۔

تاج الملک نے شہر کو خوب لوٹا آخر کار راجہ نے نذرانے کی رقم دے دی اور صلح کر لی۔ اس کے بعد خضر خاں دہلی واپس آیا اور کتیھر میں فساد کرنے والوں کی تنبیہہ کے لئے اسی طرف روانہ ہوا۔ خضر خاں نے کول کے باغیوں کو خاموش کیا پھر دریائے گنگا کو عبور کر کے سنبھل کو برباد کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور دہلی پہنچا۔ ۸۲۱ھ ذیقعد میں بادشاہ بداؤں پہنچا۔ خضر خاں نے قصبہ پٹیالی کے آس پاس دریائے گنگا کو پار کیا۔ بادشاہ کے اس راستہ سے سفر کرنے پر مہابت خاں کو بہت خوف معلوم ہوا اور وہ بداویں کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا، چھ مہینے تک مسلسل یہ محاصرہ قائم رہا۔ ادھر خضر خاں کو معلوم ہوا کہ بہت سے امراء جن میں قوام خاں، اختیار خاں لودھی اور دیگر محمود شاہی خانہ زاد بھی شامل تھے، اور جماعت بادشاہ کی طرف سے اپنے دل میں برا خیال رکھتی ہے۔ ان امراء کی بدنیتی کا خیال کر کے اس نے محاصرہ سے ہاتھ اٹھایا اور دار الحکومت کی طرف روانہ ہو گیا۔ آٹھ جمادی الاول ۸۲۲ھ کو خضر خاں نے دریائے گنگا کے کنارے راستہ میں قیام کیا۔ اور ان باغی امراء کو کسی بہانے سے جمع کر کے تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد خضر خاں دہلی پہنچا اس کو وہاں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ماچھیواڑہ (۱) میں اپنے آپ کو سارنگ خاں کے نام سے مشہور کر کے ایک بڑی فوج اپنے گرد جمع کر لی ہے۔ سارنگ تو امیر تیمور کی فتوحات کے زمانہ ہی میں ختم ہو گیا تھا۔ خضر خاں نے اسلام خاں ملک شہ لودھی کو اس نقلی سارنگ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اور سرہند میں لشکر شاہی سے نقلی سارنگ نے لڑائی کی مگر اسلام خاں سے ہار کر آس پاس کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا۔ اسلام خاں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور تعاقب کرتا رہا۔ اسی عرصہ میں ملک طغا امیر جالندھر سمانہ کا حاکم زیرک خاں اور ملک خیرالدین (جو دو آبہ کا حاکم تھا) وغیرہ خضر خاں کے کہنے پر اسلام خاں کی کمک کے لئے آ گئے۔

چونکہ نقلی سارنگ پہاڑ میں چھپ گیا تھا اس لئے تمام امراء بھی اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔ موقع پا کر سارنگ خاں پھر باہر نکلا اور ملک طغا سے عہد و پیمان کر کے اس سے جا ملا، لیکن ملک طغا نے اس کو دھوکا دیا اور مال و متاع کے لالچ میں نقلی سارنگ خاں کو قتل کر دیا، اس کے بعد وہ خود بھی خضر خاں سے برہم ہو گیا۔ طغا نے قلعہ سرہند کو گھیر کر آس پاس کے علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور پایل و منصور پورہ (۲) تک پہنچ گیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں اور خیرالدین کو طغا خاں کی تباہی و بربادی کے لئے نامزد کیا۔ طغا نے ان امیروں کا مقابلہ کیا لیکن ہمت ہار کر دریائے ستلج کو عبور کر کے شیخا کھکھر کے بھائی جیرت کھکھر کے ملک لوہانے کے نزدیک پہنچا۔ زیرک خاں کو جالندھر کا حکمران بنا دیا گیا اور خیرالدین اسی طرح دہلی واپس چلا آیا۔ ۸۲۴ھ میں خضر خاں میوات کی طرف بڑھا۔ بہت سے میواتی حکمران تو اس کی خدمت میں آئے، مگر بعض کوٹلہ بہادر ناہر میں جا کر قلعہ بند ہو گئے، لیکن یہ سرکش امراء زیادہ دن تک وہاں چھپے نہ رہ سکے اور آخر کار پہاڑوں میں پناہ لینے کے لئے نکلے۔ خضر خاں نے قلعہ فتح کر لیا اور حصار کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی عرصہ میں تاج الملک نے وفات پائی اور اس کی جگہ پر ملک الشرق سکندر نے (جو اس کا بڑا بیٹا تھا) قلمدان وزارت سنبھالا۔ خضر خاں کوٹلہ سے گوالیار پہنچا اور وہاں سے تحفے تحائف حاصل کر کے اٹاوہ کا سفر کیا۔ یہاں رائے سمیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ خضر خاں نے اس کے بیٹے سے نذرانے وصول کیے۔

خضر خاں کا انتقال

خضر خاں کی زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے، وہ راستہ ہی میں بیمار ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا دہلی تک پہنچ گیا۔ اور ۱۷ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو اس نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس نے سات سال چار مہینے تک حکمرانی کی یہ عدل و انصاف میں بہت پکا تھا۔ اس کی ایمانداری

اور سچائی ایک ضرب المثل بن چکی تھی، بہت زیادہ سخی بھی تھا اس کی رعیت بہت ہی زیادہ خوشحال تھی۔ اس کے انتقال پر شہر کے بچے بچے نے اس کا غم منایا اور اس کی موت کے تیسرے دن رعایا اور عوام نے ماتمی لباس بدلا۔ تین دن تک نہایت باقاعدگی سے اس کا غم مناتے رہے۔ خضر خاں کے بعد اس کا فرزند اکبر مبارک شاہ تخت نشیں ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ دریائے ستلج کے بالائی حصہ میں جنوبی ساحل پر واقع ہے
۲۔ پایل ریاست پٹیالہ میں واقع ہے

معزالدین ابو الفتح مبارک شاہ بن خضر خاں

دوران علالت ہی میں خضر خاں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کا وقت بہت قریب آگیا ہے اور یہ مرض الموت ہے اس سے نجات نہ ہو گی۔ لہٰذا اس نے عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے مبارک شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ مبارک شاہ نے اپنے باپ کے مرنے کے تین دن کے بعد تاجپوشی کی رسم ادا کی اور حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ اس نے اپنا لقب معزالدین ابو الفتح مبارک شاہ رکھا۔

جاگیریں اور عہدے

مبارک شاہ نے اپنے پرانے امراء اور مشائخ کے عہدوں کو حسب سابق بحال رکھا اور ان کی جاگیریں وظیفے بھی وہی رہے۔ بعض لوگوں کو جو روزینہ ملتا تھا اس میں اضافہ بھی کر دیا۔ اپنے بھتیجے ملک بدر کے عہدے کو بڑھا دیا اور اس کو فیروز آباد اور ہانسی کا صوبہ دار بنا دیا۔ ملک رجب جو سدھو نادری کا بیٹا تھا اس کو ہانسی اور فیروز آباد سے ہٹا کر پنجاب اور دیپالپور کا صوبہ دار بنا دیا۔ ۸۲۳ھ جمادی الاول میں کشمیر کے بادشاہ سلطان علی ٹھٹھ کو مسخر کیا۔ اور وہاں سے واپسی پر سفر کی منازل طے کرتا ہوا فوج سے الگ ہو گیا۔ ادھر جیرت کھکھر جو اپنے بھائی شیخا کھکھر کے انتقال کے بعد اب اپنے قبیلہ کی سرداری کر رہا تھا اور قوت بھی حاصل کر لی تھی وہ سلطان علی سے برسرپیکار ہو گیا اور کشمیر کے حکمران کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس نے بیشمار مال و دولت حاصل کی۔ اس کے بعد اس کی ہمت بڑھی اور دہلی کو فتح کرنے کا سودا اس کے سر میں سمایا۔ اس نے ملک طغا کو (جو خضر خاں کے خوف سے پہاڑوں میں پناہ گزین تھا) بلا کر اپنے ہاں وزارت کا عہدہ دے کر امیر الامراء مقرر کیا۔ اس طرح جیرت لاہور پنجاب کا حاکم بن گیا' جیرت نے لاہور کو تباہ و برباد کر کے پھر دریائے ستلج کو پار کیا اور شہر تلونڈی جو رائے کمال کی جاگیر تھی اس کو خوب لوٹا۔ تلونڈی کا زمیندار شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور دریائے جمنا کے ساحل پر پناہ گزین ہوا۔ جیرت لدھیانے پہنچا اور لدھیانے کے بالائی حصہ تک تباہی و بربادی کا بازار گرم کرتا ہوا چلا گیا' اس نے دریائے ستلج کے دوسرے ساحل تک جا کر جالندھر کے قلعہ کو گھیر لیا۔ حصار کا حاکم زیرک خاں پہلے خود قلعہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد جیرت کا مقابلہ کرنے لگا۔ جیرت نے چالبازی سے کام لے کر صلح کی بات چیت کی دونوں میں یہ عہد ہوا کہ زیرک خاں جالندھر کو طغا کے حوالے کر دے۔ اور طغا کے بیٹے کو قیمتی تحائف نذر کر کے مبارک شاہ کے پاس بھیج دے۔ دوسری جمادی الاول ۸۲۴ھ زیرک خاں نے قلعہ سے نکل کر جیرت کے لشکر سے تین کوس دور دریائے سرستی کے ساحل پر قیام کیا۔ جیرت اپنے عہد پر قائم نہ رہا۔ اور اس نے زیرک خاں پر حملہ کر کے اس کو زندہ گرفتار کر لیا اور لدھیانے واپس چلا آیا۔ بیسویں جمادی الآخر ۸۲۴ھ میں اسلام خاں حاکم سرہند پر لشکر کشی کی اور اسلام خاں بھی قلعہ میں چھپ گیا۔

مبارک شاہ کی فتوحات

جیرت کی اس جرات کی خبریں بادشاہ تک پہنچیں اور باوجودیکہ برسات کا موسم تھا' مگر بادشاہ نے عزم سفر کیا۔ مبارک شاہ اسی سال دوسری رجب کو سرہند کے آس پاس پہنچ گیا بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سن کر جیرت لدھیانے روانہ ہو گیا۔ زیرک بھی جیرت کی قید سے آزاد ہو گیا۔ اور سمانے پہنچ کر بادشاہ سے ملاقات کی۔ مبارک شاہ بھی لدھیانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جیرت نے دریائے ستلج کو پار کر کے دوسری طرف ساحل پر اپنے خیمے نصب کیے اور بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ تمام کشتیاں جیرت کے پاس تھیں اور دریا میں بہت سیلاب آ رہا تھا مجبوراً مبارک شاہ بھی دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گیا جب دریا کا بہاؤ کچھ کم ہوا تو مبارک شاہ قبول پور کی طرف سے

روانہ ہو کر کنارے کنارے منزلیں طے کرنے لگا۔ جیرت بھی نہایت جرات کے ساتھ مقابلہ پر سفر کرتا رہا۔ اور تقریباً ہر روز کھکھروں کا لشکر دریا کے دوسرے ساحل پر خیمہ زن ہوتا رہا۔ گیارہ شوال ۸۲۴ھ کو بادشاہ نے اپنے چند امراء کو جن میں ملک سکندر تحفہ وزیر الممالک، زیرک خاں، محمود حسن اور ملک کالو وغیرہ نامی گرامی امراء شامل تھے دریا پار کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ایک لشکر عظیم اور چھ ہاتھی اپنے ساتھ لیے اور ایک پایاب جگہ سے دریا کو پار کیا بادشاہ بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا۔ اب جیرت کی جسارت کام نہ آئی اس میں مبارک شاہ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لشکر شاہی نے ان لوگوں کا تعاقب کیا اور ان کی جماعت کثیر کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ جیرت نے مصیبت زدہ لوگوں کی طرح دریائے چناب کو پار کیا اور کوہستان میں جا کر پناہ لی۔

جموں کے حاکم رائے بھیم نے جیرت کو پکڑنے میں مبارک شاہ کی رہبری کی اور شاہی لشکر جیرت کے سب سے زیادہ مشہور اور مضبوط مقام مابن تبل میں پہنچ گیا۔ جیرت وہاں سے بھی فرار ہو گیا اور اس بار بھی اس کے بہت سے ساتھی مبارک شاہی تلوار کا نشانہ بنے اور ان کا مال و متاع بھی برباد ہوا۔ ۸۲۵ھ میں مبارک شاہ لاہور آیا اور اس نے اس تباہ شدہ شہر کو آباد کیا اور ملک اشرف امیر حسن کو لاہور کا حاکم بنا دیا۔ جیرت کو مبارک شاہ کے لاہور سے جاتے ہی پھر موقع ملا اور اس نے اپنا لشکر تیار کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ جیرت نے قلعہ کے پاس میدان میں اپنا خیمہ نصب کیا یہ محاصرہ مستقل ایک ماہ اور پانچ دن تک جاری رہا۔ اور بارہا کھکھروں نے قلعہ لاہور پر حملہ کیا مگر ان کی کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔ قلعہ کو چھوڑ کر پھر جیرت کلانور روانہ ہوا تاکہ رائے بھیم سنگھ سے اپنا بدلہ لے۔ بھیم پر حملہ کیا مگر اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اسی طرح جیرت وہاں سے بھی واپس آیا اور اپنی فوج اکٹھا کرنی شروع کی۔ جیرت دریائے بیاس کے ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اتفاق سے انہیں دونوں ملک سکندر تحفہ، ملک محمود حسن کی مدد کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ بھی اس گھاٹ سے گزرا۔ اس جگہ دیپالپور کا حکمران ملک رجب علی اور سرہند کا حکمران اسلام خاں لودھی بھی سکندر سے آ آ کر مل گئے۔ اب جیرت میں ان امراء کا مقابلہ کرنے کی تاب کہاں تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور مع اپنے بال بچوں اور مال و متاع کے پہاڑیوں میں جا کر چھپ گیا۔ بارہ شوال ۸۲۵ھ کو ملک سکندر لاہور واپس آیا۔ اور ملک محمود حسن نے اس کا بہت شاندار استقبال کیا۔ ملک سکندر نے بھی دریائے راوی کے ساحل کو فتح کر لیا اور کلانور جا پہنچا۔

ملک سکندر جموں کی سرحد پر پہنچا راجہ بھیم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ملک سکندر نے جن جن مقامات کے لئے سنا کہ وہاں کھکھروں نے پناہ لی ہے ان تمام مقامات کو تہ و بالا کر دیا۔ باغیوں کو ختم کر کے لاہور واپس آ گیا اسی عرصہ میں بادشاہ نے حکم بھیجا کہ محمود حسن جالندھر جا کر اپنے لشکر کی قوت میں اضافہ کرے اور پھر دہلی واپس آئے اور پھر ملک سکندر لاہور میں ٹھہر کر اس شہر کا پورا پورا انتظام کرے۔ ۸۲۶ھ میں مبارک شاہ نے ملک سکندر کو عہدہ وزارت سے ہٹا دیا اور سردار الملک کو وزیر الممالک بنا دیا۔ بادشاہ نے ہندوؤں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے سردار الملک کو بھیجا اور اس کے پیچھے پیچھے فوراً کینتھر پہنچا۔ مبارک شاہ نے کینتھر کے مکھیوں اور چودھریوں کو تنبیہہ کی۔ خراج وصول کیا اور فساد کرنے والوں کو تہ تیغ کر دیا۔ بدایوں کا سردار مہابت خاں جو قلعہ بند ہو کر خضر خاں مرحوم سے خوب لڑتا رہا وہ مبارک شاہ کے سامنے کچھ نہ کر سکا اور مجبوراً باہر آیا۔ مبارک شاہ سے معافی مانگی اور اس کے ساتھ مل گیا بادشاہ کے حکم کے مطابق دریائے گنگا کو پار کر کے راٹھور قوم کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا اور بہت سے راٹھور قیدی پکڑ لیے۔ اٹاوہ کا راجہ جو اس سے پہلے مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا بھاگ کر دریائے گنگا کے کنارے سے اٹاوہ پہنچ گیا۔ شاہی فوج نے راجہ کا پیچھا کیا، لیکن وہ لوگ راجہ کو تو نہ پکڑ سکے مگر اٹاوہ پہنچ کر سپاہیوں نے اٹاوہ کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اس دوران میں مبارک شاہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ راجہ راجپوتوں کی بہت بڑی جمعیت لے کر قلعہ بند ہو گیا اور مبارک شاہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ بہت جلد اس محاصرہ سے

پریشان ہو گیا اور دوبارہ پھر اپنے بیٹے کو نذرانہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اس کے بعد بادشاہ دہلی آ گیا۔

اسی عرصہ میں ملک محمود حسن بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور بخش گیری کے عہدہ پر جس کو اس زمانہ میں عارض (۱) کہتے تھے اس پر مقرر ہو گیا۔ اسی سال جیرت اور رائے بھیم میں خوب لڑائی ہوئی راجہ میدان جنگ ہی میں ختم ہو گیا۔ اور جیرت کو بیشمار دولت ہاتھ لگی۔ اس کے بعد جیرت کے گرد دس بارہ ہزار کھکھروں کی فوج جمع ہو گئی اس نے دہلی پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے دیپالپور اور لاہور کے گردونواح کو خوب لوٹا اور برباد کیا اور اس طرح لوٹ مار سے جمعیت کثیر اور بیشمار دولت جمع کر لی۔ ملک سکندر تحفہ' جیرت کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھا اور دریائے چناب کو عبور کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور ملک سکندر واپس لوٹ آیا۔ جیرت کھکھروں کے ملک میں پہنچا اور لشکر و اثاثہ شاہی کی ترتیب و تنظیم میں لگ گیا۔ جیرت نے مرزا شاہرخ کے ایک امیر سے دوستی پیدا کی جو کابل میں رہتا تھا اور اس کا نام شیخ علی تھا۔ جیرت نے کابلی سردار کو سیوستان بھکھر اور ٹھٹھہ کی تباہی و بربادی کے لئے آمادہ کیا۔ جیرت کی اس سے یہ مراد تھی کہ بادشاہ کو چاروں طرف سے فساد اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر اس میں الجھا دیا جائے۔ اور پھر اپنا مقصد پورا کر لیا جائے۔ اسی زمانہ میں حاکم ملتان ملک علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا اور ادھر امیر شیخ علی کابلی کے حملہ کی خبر ہر طرف سنائی دی۔ مبارک شاہ نے ملک محمود حسن کو بھکھر' ملتان اور سیوستان کا حکمران بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر بھی روانہ کیا۔ ملتان کا قلعہ جو تیموری دارو گیر میں بہت خراب حالت کو پہنچ گیا تھا اس کی مرمت از سر نو کرائی۔ بعد ازاں لشکر فراہم کر کے مغلوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اسی سال مالوہ کا حاکم جس کا نام سلطان ہوشنگ تھا اس نے گوالیار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مبارک شاہ اہل قلعہ کی مدد کے لئے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ جب بیانے تک گیا تو اس کو معلوم ہوا کہ امیر خاں نے جو بیانہ کا حاکم ہے اپنے چچا مبارک خاں کو مار ڈالا ہے۔ شہر کو بالکل تاخت و تاراج کر دیا ہے اور بادشاہ سے سرکشی کر کے پہاڑ میں جا کر قلعہ میں چھپ گیا ہے۔

مبارک شاہ نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اب بادشاہ اور امیر خاں میں خط و کتابت کے ذریعہ بات چیت شروع ہوئی اور آخر یہ معاہدہ ہوا کہ امیر خاں وقت مقررہ پر خراج وغیرہ ادا کیا کرے۔ بادشاہ نے اس کی اطاعت منظور کی مبارک شاہ بیانے سے گوالیار چلا گیا۔ سلطان ہوشنگ نے دریائے چنبل کے گھاٹ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ مبارک شاہ ایک دوسرے راستے سے روانہ ہوا اور بہت جلد اس کے لشکر کے سرداروں نے سلطان ہوشنگ کی فوج کے ایک حصہ کو تباہ کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کیا' لیکن یہ تمام قیدی مسلمان تھے لہٰذا ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ سلطان ہوشنگ نے صلح کرنا چاہی۔ مبارک شاہ نے اس کو منظور کر لیا اور بادشاہ کو بہت سے پیش قیمت نذرانے پیش کیے ہوشنگ پھر دھار کی طرف چلا گیا۔ مبارک شاہ چنبل کے ساحل پر ٹھہرا اور پرانے قاعدے کے طور پر ہر ایک سے خراج وصول کرتا ہوا ۸۲۷ھ میں دہلی پہنچ گیا۔

۸۲۹ھ میں بادشاہ نے کیتھر پر یورش کی۔ کیتھر کے حاکم راجہ نرسنگھ نے دریائے گنگا کے کنارے آ کر بادشاہ کی اطاعت و ملازمت قبول کر لی اس کو تین سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے مقررہ خراج نہیں ادا کیا تھا' مگر رقم جیسے ہی اس نے ادا کر دی اس کو رہا کر دیا گیا۔ بادشاہ نے پھر دریائے گنگا کو پار کر کے وہاں کے باغیوں کو برباد کر دیا اور دہلی واپس آ گیا۔ اسی عرصہ میں میواتیوں کی بغاوت کی خبر پہنچی لہٰذا بادشاہ میوات کی طرف چل پڑا۔ اور وہاں پہنچ کر ملک کو خوب لوٹا میوات کے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر کوہ جہرہ (۲) میں جا کر چھپ گئے۔ مبارک شاہ نے ان کا محاصرہ نہ کیا کیونکہ ایک تو غلہ اور چارہ کی کمی تھی دوسرے دشمن کا قلعہ بہت مستحکم اور مضبوط تھا۔ اسی باعث محاصرہ کو اس نے بیکار سمجھا اور دہلی چلا آیا امراء کو اجازت دیدی کہ وہ اپنی اپنی جاگیروں میں چلے جائیں اور خود عیش و عشرت کے دن گزارنے لگا۔

میوات پر حملہ

۸۲۹ھ میں اس نے پھر میوات پر حملہ کیا۔ بہادر ناہر کے پوتے جلو اور قدو اپنے خیر خواہوں اور امراء کے ساتھ الور کے پہاڑ پر مقیم ہو گئے اور عرصہ دراز تک شاہی لشکر سے بر سرپیکار رہے' لیکن آخر کار شاہی لشکر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا دونوں ہار کر بادشاہ کے سامنے آئے اور معافی طلب کی۔ بعد ازاں دونوں بھائیوں نے بھاگنا چاہا بادشاہ کو ان کی مرضی معلوم ہوئی اور دونوں قید کر دیئے گئے۔ بادشاہ نے پھر میوات پر حملہ کیا اور وہاں کے باغیوں کو سزا دیتا ہوا آگے بڑھا اور بیانہ پہنچ گیا۔ امیر خاں مر چکا تھا اس کا بھائی محمد خاں پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ بادشاہ کی فوج سے پندرہ دن تک وہ مقابلہ کرتا رہا۔ جنگ کے دوران میں محمد خاں کے بہت سے خیر خواہ مبارک شاہ سے مل گئے۔ لہٰذا محمد خاں کے پاس اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ وہ گلے میں رسی ڈال کر نہایت انکساری کے ساتھ بادشاہ کے سامنے آیا۔ گھوڑے ہتھیار' بیش قیمت تحفہ تحائف خدمت میں پیش کئے قلعہ کی بیش قیمت اشیاء دے دیں۔ بادشاہ نے قلعہ سے محمد خاں کے بال بچوں کو باہر نکالا اور انہیں نظر بند کر کے دہلی بھیج دیا۔ مقبل خاں کو بیانہ کی حکومت دے دی' ملک خیر الدین تحفہ کو سیکری کی حکومت دی۔ جو آج تک فتح پور کے نام سے مشہور ہے' وہاں سے گوالیار پہنچا۔

گوالیار کے راجہ سے خراج اور نذرانہ وصول کیا اور دہلی آیا۔ ملتان اور اس کے آس پاس کے مقامات کی حکمرانی ملک حسن کے قبضہ سے نکال کر ملک رجب نادری کو دی اور حصار فیروزہ کا حاکم ملک حسن کو بنا دیا۔ مبارک شاہ نے فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے قلعہ "جہاں نما" میں محمد خاں کو ٹھہرایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے یا نہ کرنے پر غور و خوض کرنے لگا لیکن محمد خاں نے بہت جلد بازی سے کام لیا اور مع اپنے بال بچوں کے قلعہ سے بھاگ کر میوات پہنچا وہاں ایک بار پھر لوگوں کو جمع کر کے اچھی خاصی فوج تیار کر لی۔ محمد خاں کو ادھر جب یہ معلوم ہوا کہ مقبل خاں قلعہ بیانہ میں ناصر الدین کو چھوڑ کر خود چھاون چلا گیا ہے تو اس نے بیانے پر حملہ کر دیا اور شہر کے زمینداروں کی مدد سے اس نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ملک ناصر الدین قلعہ کی حفاظت کی ہمت نہ رکھتا تھا اس نے محمد خاں سے جان کی امان طلب کی اور دہلی واپس آ گیا۔ اب مبارک شاہ نے ملک مبارز کو بیانہ کا حاکم بنا کر بھیجا تاکہ وہ محمد خاں کو تہہ تیغ کرے۔ محمد خاں میں ملک مبارز سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ قلعہ بند ہو گیا۔ محمد خاں کے ہاتھ سے شہر ملک مبارز کے پاس آ گیا۔ پھر محمد خاں نے قلعہ چند قابل اعتماد امراء کے ہاتھ میں دیا اور خود جلد از جلد سلطان ابراہیم شرقی کے پاس پہنچا۔ سلطان ابراہیم اس دوران میں کالپی پر اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں تھا۔ کالپی کے سردار قادر شاہ نے بادشاہ دہلی سے کمک طلب کی لہٰذا مبارک شاہ نے بیانے کو فتح کرنے کا خیال فی الحال دماغ سے نکال دیا۔ اور سلطان ابراہیم کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ سلطان شرقی کی فوجوں نے بھوگاؤں کو بالکل تہ و بالا کر دیا اس کے بعد بداؤں کا رخ کیا۔ مبارک شاہ نے بھی جمنا کو پار کیا۔ اور موضع حمرتولی کو جو اس علاقے کا بہترین اور خوبصورت شہر تھا تباہ و برباد کر دیا اور پھر وہاں سے اتردلی کی طرف بڑھا ادھر مخلص خاں (سلطان شرقی کا بھائی) اٹاوہ کو فتح کرنے آ رہا تھا۔ اتردلی پہنچ کر بادشاہ نے پہلا کام یہ کیا کہ ملک محمود حسن کو دس ہزار فوجیوں کے ساتھ مخلص خاں کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے بھیجا۔ مخلص خاں میں ملک محمود سے مقابلہ کرنے کی تاب کہاں تھی فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا اور اپنے بادشاہ کے پاس واپس چلا گیا۔

ملک محمود چند روز ٹھہر کر پھر اپنے لشکر سے آ کر مل گیا۔ ابراہیم شرقی نے دریا کے کنارے پر پناہ لی اور برہان آباد کے اطراف میں پہنچا۔ مبارک شاہ بھی اتردلی سے واپس ہو کر قصبہ مالی کوٹہ کی طرف چل پڑا۔ ابراہیم شاہ نے شاہی رعب داب کی تاب نہ لا کر جنگ سے منہ موڑا اور ۸۳۰ھ میں قصبہ راپری کی طرف چلا گیا۔ دریائے جمنا کو پار کر کے بیانے پہنچا اور دریائے کینتھر کا رخ کیا اور اس دریا کے ساحل پر قیام کیا۔ مبارک شاہ نے چندوار کے نزدیک سے دریائے جمنا کو پار کیا اور ابراہیم شرقی کی فوج سے پانچ کوس کے فاصلے پر اپنے خیمے نصب کیے۔ فریقین نے اپنے اپنے لشکر کے سامنے گہری خندق کھدوائی اور بائیس دنوں تک مسلسل معرکہ آرائی جاری رہی۔ مبارک شاہ کی فوج

ہر روز دشمن پر لشکر کشی کرتی یہ سپاہی دشمن کو تنگ کرتے ان کے جانور چرا لاتے اور ان کے سپاہیوں کو پکڑ لاتے آخر کار سات جمادی الآخر ۸۳۰ھ کو ابراہیم شرقی مقابلہ کے لئے میدان میں صف آرا ہوا- ادھر مبارک شاہ نے بھی اپنے امرا ملک محمود' خان اعظم بن فتح بن سلطان گجراتی' زیرک خاں' اسلام خاں' ملک چمن فرزند فیروز خاں' ملک کالو' اور ملک احمد مقبل خاں وغیرہ کو سردار الملک اور وزیر سید سالم کی سرکردگی میں شرقی کی فوج کے مقابلہ میں بھیجا فریقین میں خوب خونریزی ہوتی رہی' لیکن جب رات ہو گئی تو سب نے بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ہوئے جنگ بند کر دی- دوسرے روز آٹھ جمادی الآخر کو پھر میدان میں آئے' لیکن سلطان شرقی میدان جنگ چھوڑ کر جونپور چلا گیا- مبارک شاہ تل کھاٹ کے راستہ سے گوالیار چلا گیا اور گوالیار کے راجہ سے نذرانے وغیرہ وصول کرکے بیانے پہنچا- محمد خاں اوحدی جو ہنوز قلعہ بند تھا بہت پریشان ہو گیا اب اس کو ابراہیم شرقی کی طرف سے بھی کمک کی امید نہ رہی تھی- لہٰذا بدرجہ مجبوری اس نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا دیا اور جان کی امان چاہی- بادشاہ نے جان بخشی کی اور مال و متاع سب دے کر کہہ دیا کہ جہاں اس کا جی چاہے جا کر رہے وہ میوات چلا گیا- بیانے کے شہر اور قلعہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے بادشاہ نے محمود حسن کو مقرر کیا اور خود ۱۵ شعبان ۸۳۱ھ کو کامرانی کا ڈنکہ بجاتا ہوا دہلی آیا-

ملک فدوی کی گرفتاری

شوال ۸۳۱ھ میں بادشاہ نے ملک فدوی کو گرفتار کر لیا کیونکہ وہ شرقی کے خیر خواہوں میں شامل ہو گیا تھا اور ملک سردار الملک وزیر کو میوات کی جاگیر کا انتظام کرنے کے لئے مقرر کیا- اس شہر کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو خالی کرکے خوف کی وجہ سے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے تھے- فدوی کے بھائی جلال الدین خاں' احمد خاں' ملک فخر الدین قلعہ اندور میں اکٹھے ہوئے اور ملک سردار الملک خراج حاصل کرکے شہر کی طرف چلا آیا- ذیعقد کی آٹھ تاریخ کو معلوم ہوا کہ جیرت نے کلانور کو گھیر لیا ہے- لاہور کے حاکم ملک سکندر تحفہ نے اس کا مقابلہ کیا مگر ناکام رہا اور لاہور واپس چلا آیا- جیرت نے دریائے بیاس کو پار کرکے قلعہ جالندھر پر حملہ کیا چونکہ قلعہ فتح نہ ہو سکا- لہٰذا اس نے مجبوراً قلعہ کے گرد و نواح کو خوب لوٹا اور بہت سی لونڈیاں غلام پکڑ کر کلانور واپس چلا آیا- ان خبروں کو سن کر مبارک شاہ نے حکم دیا کہ زیرک خاں جو سامانہ کا حکمران ہے اور اسلام خاں جو سرہند کا سردار ہے دونوں بہت جلد ملک سکندر کی کمک کے لئے پہنچ جائیں- اس سے پہلے کہ کمک پہنچے ملک سکندر نے راجہ کلانور سے صلح کر لی اور اس نے جو مال لوٹ سے حاصل کیا تھا سب راجہ سے واپس لے لیا اور لاہور واپس آ گیا-

۸۳۲ھ میں ملک محمود بیانے کی ریشہ دوانیوں کو دور کرکے دہلی واپس آ گیا اسی عرصہ میں پتہ چلا کہ ملتان کے حکمران ملک رجب نادری کا انتقال ہو گیا ہے- لہٰذا بادشاہ نے گوالیار کا رخ کیا اور گوالیار کی چپقلش ختم کرکے تل کھاٹ پہنچا- یہاں کا راجہ رائے تل کھاٹ ہار کر کوہ پایہ میں چھپ گیا- بادشاہ نے تل کھاٹ کو خوب تباہ و برباد کیا بہت سے لونڈی غلام پکڑ لیے اور راہری آ گیا- حسین خاں کے بیٹے راہری کو حکومت سے الگ کرکے ملک حمزہ کو وہاں کا حکمران بنا دیا اور دہلی واپس چلا آیا- راستہ میں سید السادات سید سالم کا انتقال ہو گیا لہٰذا بادشاہ نے ان کے بیٹوں کو سید خاں اور شجاع الملک کا لقب عطا کیا یہ مسلم امر ہے کہ سید سالم بہت نامی گرامی امراء میں سے تھے- خضر خاں کے ساتھ اپنی زندگی کی تیئس منزلیں بسر کی تھیں اور بطور حکمران ملک کے بہترین حصوں پر ان کا قبضہ تھا سید سالم نے پترہندہ (۳) میں بہت سا خزانہ اور قلعہ داری کا مال اسباب جمع کیا تھا- اور پترہندہ کے علاوہ امروہہ سرتی اور دوآبہ کے بھی کچھ حصے اس کی جاگیر میں شامل تھے- سید صاحب مرحوم کو روپیہ جمع کرنے کا بہت شوق تھا بادشاہ نے ان کا سارا خزانہ جو خزانہ شاہی کی ہمسری کرتا تھا اور تمام جاگیریں بجنسہ ان کے بیٹوں کو دے دیں' مگر ان کے بیٹوں نے مراعات شاہانہ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا اور سید صاحب کے ایک ترکی غلام فولاد کو پترہندہ کے قلعہ کی طرف بھیجا اور مبارک شاہ کی مخالفت کرنے پر خوب زور دیا- ان کو یہ گمان تھا کہ شاید مبارک شاہ فولاد کے

اس فتنہ و فساد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انہیں دونوں بھائیوں کو بھیجے گا اور یہ دونوں اس سے مل کر سرکشی کریں گے۔

بادشاہ کو ان کی بدنیتی معلوم ہو گئی لہٰذا سید سالم کے دونوں بیٹے گرفتار کر لئے گئے اور ملک یوسف رائے بھوبھی کو فولاد کی سرکشی کی سزا کے لئے اور سونا، چاندی حاصل کرنے کے لئے پترہندہ بھیجا۔ فولاد نے صلح کرنے کا خیال ظاہر کیا اور سپاہی جب اس سے غافل ہو گئے تو صبح سے قبل قلعہ سے باہر نکل آیا اور شاہی فوج پر شب خون مارا۔ مبارک شاہی سپاہی تجربہ کار تھے ان کے سامنے فولاد کی ایک نہ چلی اور وہ پھر قلعہ بند ہو گیا۔ فولاد نے دوسری رات پھر شاہی فوج پر حملہ کیا اور قلعہ کی برجیوں پر سے شاہی فوج پر توپ و تفنگ (۴) سے حملہ کیا۔ شاہی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور فوج بکھر گئی سپاہی سرستی کی طرف بھاگ نکلے۔ فولاد نے چونکہ زیادہ قوت حاصل کر لی تھی لہٰذا وہ اس قوت پر نازاں ہو کر اور زیادہ ہنگامہ کرنے لگا۔ مبارک شاہ نے خود بہ نفس نفیس پترہندہ کا سفر کیا تمام امراء و سردار بھی بادشاہ کے پاس پہنچنے لگے۔ عماد الملک جو ملتان کا حکمران تھا وہ بھی حکم پاتے ہی بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ خود تو پہلے سرستی میں ٹھہرا رہا اور قلعہ پترہندہ کی طرف چند امراء کو بھیجا۔ انہوں نے پترہندہ پہنچ کر قلعہ کو گھیر لیا۔ فولاد نے کہا کہ اس کو عماد الملک پر پورا اعتماد ہے اگر وہ جان بخشی کرے تو وہ قلعہ سے آ کر بادشاہ کا نوکر ہو جائے گا۔

عماد الملک کو بادشاہ نے پترہندہ بھیج دیا اور وہ فولاد سے ملا پھر یہ معاہدہ ہوا کہ دوسرے دن فولاد مبارک شاہ سے ملاقات کرے۔ اور اس کی ملازمت کا شرف حاصل کرے لیکن چند مخبروں نے فولاد کو بتایا کہ عماد الملک تو خیر بہت ہی زیادہ راست باز اور ایماندار ہے لہٰذا وہ اپنے قول سے سرمو تجاوز نہ کرے گا، لیکن مبارک شاہ اپنی سیاسی حکمت عملی کو مدنظر رکھتے ہوئے عماد الملک کی سفارشوں کو نہ مانے گا۔ اور دوسروں کے لئے ایک سبق مہیا کرنے کی خاطر اس کو ضرور کیفر کردار کو پہنچائے گا۔ اس پیغام سے فولاد کا خون خشک ہو گیا اور اپنے معاہدہ پر شرمندہ ہوا۔ دوسرے اس کے پاس تمام اسلحہ جات اور قلعہ داری کا سامان موجود تھا۔ لہٰذا اسے بادشاہ سے جنگ کرنے میں کوئی مضائقہ نظر نہ آیا اور عماد الملک کو نامراد واپس آنا پڑا۔ کیونکہ قلعہ پترہندہ کو فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو تو ملتان جانے کی اجازت دے دی اور اسلام خاں، لودھی کالی خاں رائے فیروز وغیرہ کو پترہندہ کے قلعہ کے محاصرہ کے لئے بھیجا۔ خود بھی پترہندہ پہنچا اور امراء کو ان کی جگہوں پر متعین کر کے خود ملتان چلا آیا۔ ان امراء نے قلعہ فتح کرنے کی بہت کوشش کی اور نزدیک تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے کیونکہ فولاد خاں بہت عاجز آ گیا تھا۔ اس نے بے حد پریشان ہو کر اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہی ترکیب سوچی کہ امیر شیخ علی کابل کے حاکم سے مدد حاصل کرے۔ اس نے اپنے چند خیر خواہوں کو خاطر خواہ رقم دینے کا وعدہ کر کے کابل کی طرف روانہ کیا۔ مبارک شاہ نے پہلے ہی اپنے باپ کی روایات کہنہ کو قائم نہ رکھتے ہوئے شاہرخ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تھا لہٰذا امیر شیخ کابل سے فوراً چل پڑا اور کھکھروں کی فوج بھی اس سے راستہ میں مل گئی۔ اس نے دریائے بیاس کو پار کیا اور ان امراء کی جاگیریں تباہ و برباد کرنا شروع کر دیں جو پترہندہ کے قلعہ کے محاصرہ میں مصروف تھے آگے بڑھ کر پترہندہ کے نواح میں آ گیا۔ امراء نے اس کی آمد کی خبر سنتے ہی محاصرے سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور اس سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ فولاد باہر نکلا اور دو لاکھ تنگہ زریں امیر شیخ کی خدمت میں پیش کیا اور اپنے بال بچوں کو بھی اس کی امان میں دے دیا اور خود قلعہ کو اور زیادہ پائدار بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

دریائے ستلج کو پار کر کے امیر شیخ علی نے خوب لوٹ مار قتل و غارتگری شروع کی اور جتنی رقم اس کو فولاد نے دی تھی اس کی ۱۰۰ سو گنی مالیت کی رقم لوٹ مار سے حاصل کر کے اپنے بھوکے سپاہیوں کو مطمئن کیا اور پھر لاہور کی طرف چلا۔ ملک سکندر نے اپنی سالانہ رقم امیر شیخ علی کو دی اور اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کی۔ شیخ علی لاہور سے دیپالپور چلا اور ہر آباد جگہ کو ویران اور برباد کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں تقریباً چالیس ہزار بے گناہ غیر مسلم قتل ہوئے اور بہتوں کو پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیا۔ اس کا اب کوئی حریف نہ تھا جو مقابلہ کی طاقت رکھتا ہو اسی باعث اس نے جنگجوئی، خونریزی اور جور و استبداد میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ عماد الملک نے اس فساد کی

آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہا قصبہ طلنبہ (۵) تک آیا- امیر علی جنگ سے الگ ہو کر پھر خطیب پور پہنچا- اسی عرصہ میں بادشاہ نے حکم دیا کہ عماد الملک طلنبہ سے فوراً ملتان پہنچ جائے- عماد الملک ملتان پہنچا ادھر امیر شیخ نے دریائے راوی کو پار کیا اور دریائے جہلم کے معمولی پرگنوں کو تباہ کرکے ملتان سے دس کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا- عماد الملک نے بہلول لودھی جو اسلام خاں کا چچا تھا اس کو امیر شیخ کی تنبیہہ کے لئے بھیجا- راستہ میں دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور ایک عظیم جنگ کے بعد اسلام خاں ہار گیا اس کے بہت سے لشکری مارے گئے- اور کچھ بکھر گئے اور جہاں سینگ سمائے وہیں جا کر پناہ لی- خود عماد الملک بہت دور جا کر خیر آباد میں پناہ گزین ہوا- چوتھی رمضان کو دوسرے دن شیخ علی خیر آباد پہنچ گیا- عماد الملک نے شہر کے پیادوں کو قلعہ سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا تاکہ وہ شیخ علی کے لشکر سے چھیڑ چھاڑ کریں- اس دن شیخ علی کو ناکامی ہوئی اس نے عرصہ دراز تک برابر حملے کیے اور بے گناہ کابلیوں کی جانیں تلف کرتا رہا-

فتح خاں کی موت

یہ تمام خبریں مبارک شاہ کے کانوں میں پہنچیں اور فتح خاں بن مظفر خاں گجراتی کو زیرک خاں، ملک کالو داروغہ فیل خانہ، ملک یوسف کمال اور رائے بھورا جیسے قابل اعتماد امراء کے ساتھ عماد الملک کی مدد کے لئے بھیجا چھبیس شوال کو یہ لوگ ملتان کے نزدیک پہنچے- عماد الملک کو ان لوگوں کی آمد کی خبر سن کر ذرا تقویت ہوئی اور وہ کابلی امیر کے مقابلہ میں صف آرا ہو گیا- فتح خاں اس جنگ میں مارا گیا مگر مبارک شاہ کی فوج کی فتح ہوئی اور امیر شیخ ہار کر بھاگ گیا اس کے بہت سے سپاہی قتل ہو گئے اور باقی ماندہ سپاہی دریائے جہلم میں ڈوب کر مر گئے- امیر شیخ نے ہندوستان میں جو لوٹ مار کرکے مال متاع نقد و جنس جمع کی تھی وہ سب تباہ و برباد ہو گئی اور وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کابل واپس چلا گیا- عماد الملک اور اس کے ساتھیوں نے قلعہ سیور (۶) تک اس کا پیچھا کیا پھر وہاں سے ملتان واپس آ گئے- شیخ علی نے اپنے بھتیجے ملک مظفر کو اسلحہ جات اور فوج سے آراستہ کرکے قلعہ سیور کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود کابل چلا گیا- مبارک شاہی امراء جو عماد الملک کی کمک کے لئے گئے تھے سب دہلی واپس آ گئے- مبارک شاہ کو عماد الملک کی طرف سے بھی شک ہوا کیونکہ اب اس نے بہت زیادہ اقتدار حاصل کر لیا تھا لہٰذا اس نے دیگر امراء کے ساتھ اس کو بھی دہلی بلا لیا-

ادھر جیرت نے بھی پھر جب موقع دیکھا تو وہ ۸۳۵ھ ربیع الاول کے مہینہ میں دریائے جہلم، راوی اور بیاس کو پار کرتا ہوا جالندھر جا پہنچا- ملک سکندر تحفہ جو کسی خاص کام سے لاہور گیا ہوا تھا واپس آیا اور اپنی فوج کو آراستہ کیا اور جیرت سے برسرپیکار ہوا- میدان جنگ ہی میں ملک سکندر کا گھوڑا ایک دلدل میں پھنس گیا اور وہ زندہ گرفتار ہو گیا- اس کا تمام نقد و مال و متاع بھی جیرت کے ہاتھ لگا اور اس نے لاہور پہنچ کر فوراً ہی شہر کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کے انتظام و امور میں مشغول ہو گیا- جیرت کی تجویز کے مطابق شیخ علی تو انتقام لینا ہی چاہتا تھا لہٰذا یہ بھی کابل سے چل کر ملتان پہنچ گیا اور اس نے قصبہ طلنبہ کو گھیر لیا اگرچہ اس قصبہ پر قبضہ کرتے وقت کسی طرح کا لڑائی جھگڑا نہیں ہوا، لیکن پھر بھی بہت سے لوگ تلوار کے گھاٹ اتارے گئے اور کتنے ہی لونڈی غلام گرفتار کر لئے گئے قلعہ کو مسمار کرکے زمین کی سطح کے برابر کر دیا گیا اسی عرصہ میں فولاد خاں بھی پترہندہ سے آ گیا- اور سائے فیروز کی راجدھانی پر دھاوا کرکے رائے کو موت کے گھاٹ اتارا- مبارک شاہ کو یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں اور ۸۳۵ھ میں اس نے سرخ رنگ کا شاہی سراپردہ لاہور اور ملتان بھیجا اور اپنے وزیر ملک سرذار الملک کو بلوا کر سپہ سالار مقرر کیا اور اس کو ملتان بھیج دیا- اس کی آمد کی خبر سنتے ہی جیرت پائین قلعہ سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپا- امیر شیخ بھی کابل چلا گیا اور فولاد غلام بھی پترہندہ جا پہنچا- اب بادشاہ نے لاہور کی سلطنت سے ملک اشرف سردار الملک کو ہٹا کر نصرت خاں گرگ انداز کو وہاں کی حکمرانی دے دی اور خود جمنا ندی کے ساحل کے نزدیک ہی ایک جگہ پر اپنی فوج کے ساتھ ایک عرصہ تک ٹھہرا رہا- بادشاہ نے عماد الملک کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ باغی زمینداروں کی سرکشی ختم کرنے کے لئے بیانہ اور گوالیار بھیجا-

ملک اشرف، سرور الملک، اسلام خاں اور زیرک خاں وغیرہ نامی امیروں کو قلعہ پترہندہ فتح کرنے کے لئے بھیج کر بادشاہ خود دہلی واپس چلا گیا۔ ۸۳۵ھ میں ذی الحجہ کے مہینے میں جیرت نے لاہور میں پھر داخل ہونے کی ہمت کی اور نصرت خاں کے مقابلہ پر آیا، مگر شاہی فوج کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور خوفزدہ ہو کر اپنے ملک چلا گیا۔ ۸۳۶ھ میں مبارک شاہ نے پھر پترہندہ پر حملہ کیا اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا چاہا۔ وہ دہلی سے سمانہ جا پہنچا راستہ میں اپنی والدہ مخدومہ جہاں کے انتقال کی خبر سنی لہٰذا تنہا واپس لوٹ آیا اور ان کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر کے پھر اپنی فوج سے آ کر مل گیا، لیکن اب اس نے پترہندہ کی مہم کا خیال دل سے نکال دیا اور میوات کی طرف بڑھا۔ لاہور اور جالندھر کی صوبہ داری سے نصرت خاں کو الگ کر کے الہ داد لودھی کو لاہور کا حکمران بنا دیا۔ جیرت نے بادشاہ کو پترہندہ کی مہم یوں معرض التوا میں ڈالتے دیکھ کر پھر جسارت کی اور نصرت خاں سے جالندھر چھین لیا۔ اس کے بعد الہ داد لودھی کے ساتھ معرکہ آرا ہوا وہ اس مہم میں کامیاب ہوا۔ اب جیرت کی اس حرکت سے سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو گئے۔ مبارک شاہ نے ادھر میوات میں جلال الدین سے لگان کی بقایا رقوم اور نذرانے وغیرہ حاصل کر کے دہلی مراجعت کی۔

امیر شیخ کا حملہ

اسی دوران میں امیر شیخ کے حملہ کی پھر اطلاع ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ کابلی امیر فولاد خاں کی مدد کے لئے آ رہا ہے۔ لہٰذا مبارک شاہ نے بدرجہ مجبوری دوبارہ پنجاب کا رخ کیا۔ ۸۳۶ھ میں دہلی سے چل کر سب سے پہلے ان امراء کو عماد الملک کی مدد کے لئے بھیجا جو پترہندہ کے محاصرہ میں مشغول تھے۔ امیر شیخ کے سپاہی عماد الملک کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے لہٰذا انہوں نے پترہندہ کا ارادہ ترک کر دیا اور لاہور کی طرف چلے۔ ادھر ملک یوسف اور ملک اسمٰعیل جو مبارک شاہ کی طرف سے لاہور کے حکمران تھے انہیں شہر کے لوگوں کی مخالفت کی اطلاع ہوئی اور وہ راتوں رات شہر چھوڑ کر لاہور سے دیپالپور پہنچ گئے۔ شیخ امیر نے ان دونوں امراء کے پیچھے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجا۔ کابلی سپاہیوں نے بہت سے شاہی سپاہیوں کو پکڑ لیا اور بہتوں کو نظر بند کر دیا۔ امیر شیخ نے حصار لاہور پر قبضہ کر کے قتل و غارت گری میں کوئی کمی نہ کی اور لاہور کے قلعہ میں جہاں جہاں مرمت کی ضرورت تھی اس کو درست کرایا اور قلعہ کو دو ہزار سپاہ کے حوالہ کیا۔ قلعہ کے تمام امور کو باقاعدہ منظم کر کے خود دیپالپور چلا گیا۔

اب ملک اسمٰعیل اور ملک یوسف جو پہلے سے بھاگ کر دیپالپور میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے اب امیر شیخ کا ارادہ معلوم کر کے دیپالپور چھوڑنا چاہا مگر عماد الملک نے منع کر دیا اور سرہند سے اپنے بھائی کو ان دونوں امراء کی کمک کے لئے بھیج دیا۔ امیر شیخ کو ایک بار شکست کا چرکہ لگ چکا تھا لہٰذا وہ دیپالپور سے بھاگ گیا اور دیپالپور و لاہور کے تمام درمیانی قصبوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ تلونڈی پہنچا اور حکم دیا کہ عماد الملک اور اسلام خاں پترہندہ سے آ کر شاہی ملازمت اختیار کر لیں اور باقی دیگر امراء پترہندہ کے قلعہ کو گھیرے رہیں۔ امیر شیخ نے جیسے ہی سنا کہ بادشاہ بہ نفس نفیس تشریف لایا ہے وہ دریائے جہلم کو عبور کر کے سیور کے قلعہ میں اپنے بھتیجے کو چھوڑ کر خود کابل روانہ ہو گیا۔ ملک سکندر تحفہ جس نے اپنی جان کی امان پانے کے لئے جیرت کو رقم کثیر دی تھی مبارک شاہ نے اس کو شمس الملک کا خطاب دے کر دیپالپور، جالندھر اور لاہور کا حاکم بنا دیا۔ شمس الملک ایک بہت بڑی فوج لے کر لاہور پہنچا اور امیر شیخ کے سپاہیوں نے اس کی اطاعت قبول کی اور شیخ قلعہ شمس الملک کے حوالہ کر کے خود کابل چلا گیا۔ بادشاہ نے ملتبہ کے کنارہ جا کر دریائے راوی کو پار کیا اور سیور کو گھیر لیا ایک مہینہ تک تو مظفر خاں نے دشمن کے غلبہ سے بچنے کی کوشش کی اور مقابلہ کرتا رہا، لیکن مجبور ہو کر اپنی بیٹی اور ایک بڑی رقم بادشاہ کو نذر کر کے وہ سیور سے واپس چلا آیا۔

بادشاہ نے اپنی فوج کو تو دیپالپور کے گرد و نواح میں چھوڑ دیا اور خود اپنے چند خاص درباریوں کے ساتھ ملتان چلا آیا اور یہاں اولیائے کرام کی زیارت کی اس کے بعد پھر اپنی فوج کے پاس چلا گیا۔ اس نے صوبہ پنجاب کی حکومت اور دیپالپور کا صوبہ شمس الملک کے ہاتھ

سے لے کر عماد الملک کو دے دیا اور خود دہلی چلا گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اشراف اور وزارت کے دونوں عہدے سنبھالنا اکیلے سرور الملک کے بس کا کام نہیں ویسے بھی بادشاہ کو سرور الملک پر زیادہ اعتماد نہ تھا للٰذا بادشاہ نے اشراف کا عہدہ ملک کمال الدین کو دے کر یہ کہہ دیا کہ اب دونوں امراء باہم ملک میں جو ریشہ دوانیں اور جنگیں ہو رہی ہیں ان کو فرو کرنے کی سعی کریں۔ ملک کمال الدین چونکہ بہت سنجیدہ، تجربہ کار اور با اخلاق امیر تھا اس لئے صاحب اختیار ہو کر اس نے بہت قوت حاصل کر لی۔ اب سرور الملک چونکہ اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کم رتبہ محسوس کرنے لگا تھا اور جاگیروں میں بھی تغیرات ہو گئے تھے۔ للٰذا وہ بہت بد دل ہو گیا اور بغاوت پر آمادہ ہوا۔ اس نے کانگو کھتری کے بیٹے سدران اور گنجو کھتری کے بیٹے سدپال کو اپنے ساتھ بادشاہ کے خلاف سازش میں ملا لیا۔ اس کے علاوہ حاجب خاص قاضی عبد الصدر اور میراں صدر نائب عارض الملک کو بھی ساز باز کر کے بھڑکایا اور اپنا ہم نوا بنا لیا۔ یہ سب بادشاہ کے مخالف ہو کر بغاوت کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے۔

مبارک آباد کی بناء

اسی عرصہ میں ۸۳۷ھ میں مبارک شاہ نے ایک نئے شہر کی ربیع الاول کی سترہ تاریخ کو بنیاد ڈالی اور اس کا نام مبارک آباد رکھا۔ بعد ازاں شکار کھیلنے کے لئے سرہند کی طرف چلا گیا اور بہت کم مدت ہی میں بادشاہ نے آس پاس کے لوگوں کو اپنا اطاعت گزار بنا لیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کے حضور میں پترہندہ کا فتحنامہ اور فولاد غلام کا سر پیش کیا گیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ مبارک آباد آیا اور یہاں آ کر اس نے سنا کہ سلطان ابراہیم شرقی اور سلطان ہوشنگ دونوں کالپی پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے صف آرا ہیں۔ سلطان مبارک شاہ نے جو مشرقی ممالک کی فتح کا خواہشمند تھا اس موقع کو غنیمت جانا اور فوج کو جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ اور یہ فرمان جاری کیا کہ سراپردہ شاہی بطور نشان اعلان جنگ دہلی سے باہر سیرگاہ کے نزدیک چبوترہ پر لگا دیا جائے۔ چند دن فوج کو جمع ہونے میں لگ گئے بادشاہ کا برتاؤ تمام امراء سے بہت اچھا تھا۔ علاوہ جاگیروں میں کچھ تبدیلی کے سوا بادشاہ نے اور کوئی برا سلوک کسی سے نہ کیا تھا۔ سرور الملک کی طرف سے بھی بادشاہ کو کافی اطمینان ہو گیا تھا یہ سب بے تکلفی کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ سیر و تفریح اور شکار کے لئے جاتے تھے۔

مبارک شاہ کا قتل

۹ رجب ۸۳۷ھ کو بادشاہ حسب سابق چند خاص درباریوں کے ساتھ مبارک آباد گیا اور عمارتوں کی سیر و تفریح کر کے جمعہ کی نماز کے لئے تیاری کرنے لگا۔ اس وقت اس کے نمک خوار غلاموں نے نمک حرامی کی اور یہ جماعت جس میں میراں صدر اور قاضی عبد الصدر اور کانگو کا بیٹا سدران شامل تھا یہاں آئے۔ ہندوؤں کی ایک مسلح جماعت کے ساتھ میراں صدر اور قاضی الصدر تو اندر چلے گئے اور سدران مع کچھ لوگوں کے باہر رہا تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کو ہتھیار بند دیکھا مگر اس کے دل میں کوئی برا خیال نہ گزرا اور وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ یہ لوگ بادشاہ کے نزدیک پہنچے اور سدپال نے تلوار کھینچ کر ماری اور بادشاہ کے سر پر کاری ضرب لگی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے ہمراہیوں نے بادشاہ پر پے در پے کئی وار کیے جس سے بادشاہ شہید ہو گیا۔ افسوس کہ اس موذی جماعت نے ایک مدبر اور منصف مزاج بادشاہ کو ختم کر دیا۔ میراں صدر کی یہ جرات کہ بادشاہ کی خون میں بھری ہوئی لاش وہیں رہنے دی اور خود فوراً سرور الملک کے پاس گیا اور کہا کہ وعدے کے مطابق میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ سرور الملک نے تو محمد شاہ کو بادشاہ بنانے کا منصوبہ پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ سلطان مبارک شاہ اچھا اور کامیاب حکمران تھا اس نے تیرہ سال تین مہینے اور سولہ دن تک حکومت کی۔ یہ نہایت ہی عقلمند اور با اخلاق تھا اس نے اپنے عہد حکومت کے پورے عرصہ میں اپنے منہ سے کوئی بد کلمہ نہ نکالا۔ کبھی کسی کو گالی تک نہ دی، مکروہات سے بہت دور بھاگتا تھا، سلطنت کے سارے کاموں کو خود سرانجام دیتا اور خود ان کی تحقیق کرتا تھا، ذمہ داری کا کام امراء پر کبھی نہ چھوڑتا اور "تاریخ مبارک شاہی" اسی نامی گرامی بادشاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عارض اور بخشی سے مراد معتمد فوج ہوتا ہے۔ مگر یہ عہدہ دار خود بھی فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے۔
۲۔ غالباً اس سے فیروزپور جھرکہ مراد ہے۔ جو میوات میں ہے اور الور سے پچاس ساٹھ میل دور اور شمال کی جانب واقع ہے۔
۳۔ پترہندہ سے ہر جگہ بٹھنڈہ مراد ہے۔
۴۔ توپ و تفنگ کے استعمال کرنے کی روایت کسی اور تاریخ میں موجود نہیں نویں صدی ہجری کے آغاز میں اس کا استعمال خلاف قیاس ہے۔ جدید اسلحہ جات اس وقت کہاں استعمال کیے جاتے تھے۔
۵۔ طلنبہ کی بجائے یہاں پر "تلنبہ" ہونا چاہیے۔
۶۔ یہاں لفظ "شور" چاہیے۔ جس کی تاریخی اہمیت کی وجہ اور قلعہ کی شہرت کی بنا پر یہ جگہ شورکوٹ کہلاتی ہے۔ یہ مقام ضلع جھنگ کے نزدیک واقع ہے۔

محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں

محمد شاہ کی تخت نشینی

دنیا کا دستور ہی یہی ہے کہ ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا لہٰذا مبارک شاہ کے شہید ہوتے ہی اسی دن محمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ سرور الملک جیسے نمک حرام امیر کو خاں جہانی کا لقب دیا اور اسے مبارک شاہی خزانے' فیل خانے اور قور خانے (ا) کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس کے بعد سرور الملک اس کوشش میں لگ گیا کہ پرانے نمک خواروں اور وفادار امیروں کو ختم کرکے ان کی جگہ نئے امراء اپنی مرضی کے مطابق مقرر کرے اور پھر محمد شاہ کو بھی ختم کرکے پھر اسے سلطان مبارک شاہ کے پاس ہی آرام کی نیند سلا دے اور خود دہلی کا حکمران بن جائے۔ کمال الملک اور مبارک شاہ کے دوسرے نہایت وفادار امراء جو سراپردہ شاہی کے پاس خیمہ ڈالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب مجبوراً محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آئے اور بظاہر اس کے مطیع ہو گئے' مگر ان کے دلوں میں اپنے آقائے قدیم کی محبت موجزن تھی۔ انہوں نے مبارک شاہ کے بیگناہ خون کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کر لیا۔

سرور الملک ادھر اپنے کام میں لگ گیا اور مبارک شاہ کے قاتلوں سدپال اور سدہارن کو بیانہ' نارنول' امروہہ' کہرام اور دوسرے چند پرگنے عطا کیے۔ میراں صدر کو معین الملک کا لقب دیا اور جاگیر دی۔ سید سالم کے بیٹے کو خان اعظم سید خاں کا خطاب دیا اور بہت سے زرخیز ملک اور جاگیریں عطا کیں تاکہ وہ سرور الملک سے خوش رہے۔ سب سے زیادہ قابل نفریں حرکت یہ کی کہ مبارک شاہ کے وفادار امراء کو محمد شاہ سے بیعت لینے کے بہانہ اندر بلا کر بہتوں کو قتل کر دیا اور بہتوں کو نظربند کر دیا گیا۔ اور ان کی جاگیروں اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ نیز اپنے غلام رانوشہ کو سمانہ بھیجا تاکہ وہ خراج وصول کرکے لائے۔

رانوشہ محرم کی (۱۲) بارہ تاریخ کو سمانہ پہنچا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا' مگر جیسے ہی اس کا ارادہ یوسف خاں اوحدی کو معلوم ہوا وہ فوراً سمانہ پہنچ گیا دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ رانوشہ نے یوسف کے بال بچوں کو قید کر لیا اور اسی وقت پھر ملک چمن حاکم بدایوں' ملک الہ داد لودھی حاکم سنبھل' ملک امیر علی گجراتی' اور کنک ترک بچہ وغیرہ سب سے مل کر کھلم کھلا مخالفت کا اعلان کر دیا۔ اب سرور الملک نے خان اعظم سید خاں' سدارن اور اپنے بیٹے یوسف کو کمال الملک کے ساتھ مبارک شاہی امراء کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس وقت کمال الملک نے چاہا کہ اس کے بیٹے یوسف اور سدارن کو قتل کرکے آقا کے خون کا بدلہ لے۔ ملک الہ داد کو کمال الملک کا ارادہ معلوم ہو گیا۔ لہٰذا وہ اہار (۲) ہی میں ٹھہرا رہا اور اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھا۔

ملک سرور الملک پر بھی کمال الملک کا ارادہ ظاہر ہو گیا اور اس نے اپنے ایک غلام ملک ہشیار کو کمال الملک کے پاس کمک کے بہانہ سے ایک لشکر عظیم کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اس کا مقصد تھا کہ ہشیار کمال الملک کے پاس پہنچ جائے اور یوسف کی مدد کرے۔ اسی عرصہ میں ملک چمن ملک الہ داد کے پاس پہنچا۔ سدارن اور ہشیار جو کمال الملک سے بہت ڈرتے تھے دونوں رات کے وقت دہلی فرار ہو گئے۔ کمال الملک کو ان کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی اور اس نے فوراً آدمی بھیج کر ملک الہ داد اور ملک چمن کو بلایا یہ دونوں وفادار امیر فوراً ہی آ گئے۔ ان کے علاوہ دوسرے وفادار امراء بھی ملک کمال کے پاس اکٹھا ہو گئے اور یکم رمضان کو کمال ایک لشکر عظیم کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔ خاں جہاں ملک سرور الملک قلعہ سیری میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ مسلسل تین مہینہ تک آویزش جاری رہی گرد و نواح کے امراء کمال الملک کے پاس جمع ہوتے گئے۔ فوج کی تعداد بڑھتی گئی اور اہل قلعہ پر روز بروز سختیاں بڑھتی گئیں۔ ادھر محمد شاہ بادشاہ بھی سرور الملک کی غداری

کا خوب نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لہٰذا وہ اس موقع کی تاک ہی میں تھا کہ کسی طرح یا تو وہ خود جا کر کمال الملک سے مل لے' یا پھر سرور الملک کو کسی طرح تہ تیغ کرے۔ سرور الملک کو بادشاہ کی نیت کا حال معلوم ہو گیا اور اس نے ہی پہل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

سرور الملک کا قتل

آٹھ محرم ۸۳۸ھ کو میراں صدر کے فرزندوں اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سرور الملک بادشاہ کو قتل کرنے کے ارادے سے چلا اور سراپردہ شاہی میں داخل ہوا' مگر بادشاہ اپنی حفاظت میں مبارک شاہ کی طرح کبھی غفلت نہ کرتا تھا بلکہ محافظوں کو ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ لہٰذا جیسے ہی سرور الملک اندر داخل ہوا اس کو بادشاہ کے درباریوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ شاہی درباریوں سے جان چھڑا کر بھاگنا ہی چاہتا تھا' کہ اس پر درباریوں نے بھرپور وار کیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ میراں صدر کے بیٹوں کو بھی کیفر کردار کو پہنچایا گیا۔ سرور الملک کے دوسرے خیر خواہ ان واقعات کے بعد اپنے اپنے گھروں میں اس غرض سے ہتھیار بند ہو کر بیٹھ رہے کہ سرور الملک کے خون کا بدلہ لیں گے۔

بادشاہ نے ان حالات سے کمال الملک کو آگاہ کیا اور اس کو فوراً اپنے پاس بلا بھیجا۔ کمال الملک اور بداؤں کا حاکم صدر دروازے سے شہر میں داخل ہوئے ادھر سدپال نے اپنی جان خطرے میں دیکھ کر ہندو رسم و رواج کے مطابق گھر میں چتا روشن کی اور اپنے بال بچوں کو اس دھکتی آگ میں ڈال کر ختم کر دیا۔ خود دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہو گیا بعد ازاں لڑتے لڑتے قید ہو گیا۔ پھر سلطان مبارک شاہ شہید کے مقبرے کے نزدیک اسے قتل کر دیا گیا۔ ملک ہشیار اور ملک مبارک وغیرہ جو سرور الملک کے خیر خواہ تھے انہیں بھی لعل دروازے کے پاس قتل کیا گیا۔ جب سرور الملک کے دوسرے بہی خواہوں نے اپنے اپنے گھروں میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور لڑنے جھگڑنے پر تیار ہو کر بیٹھ گئے تو بادشاہ نے حکم دے دیا کہ بغدادی دروازہ کو کھول دیا جائے۔ اور کمال الملک نیز سلطنت کے دوسرے خیر خواہوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی جائے۔ لہٰذا کمال الملک اور دوسرے امراء اندر آئے اور آتے ہی باہمی آویزش اور سرکشی کو ختم کیا۔ دشمنوں کو تہ تیغ کر کے بادشاہ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی۔ کمال الملک کمال خاں کے خطاب سے سلطنت کا وزیر بنا دیا گیا۔ ملک چمن کو غازی الملک کا لقب عطا ہوا' ملک الہ داد لودھی نے خود کوئی خطاب لینا پسند نہ کیا' مگر اپنے بھائی کو دریا خاں کا لقب دلایا۔

جاگیریں اور عہدے

خان اعظم کو سید خاں مجلس عالی کا لقب ملا اور یوں وہ اپنے ہم سروں سے ممتاز ہو گیا۔ حاجی صندلی المشہور بہ حسام خاں کو کوتوال شہر بنا دیا گیا اور وہ اپنی جاگیر کا حسب سابق مالک رہا۔ سلطان محمد شاہ کو اب دہلی کی ریشہ دوانیوں سے فراغت حاصل ہوئی اور وہ سیر و تفریح کے ارادے سے نکلا اور ملتان کی طرف چلا یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ بادشاہ مبارکپور میں ٹھہرا اور تمام امراء کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بعض امراء آنے میں پس و پیش کر رہے تھے کہ عماد الملک کی آمد کی خبر سن کر سب حاضر ہو گئے۔ فوج کے بعض سردار مثلاً اسلام خاں لودھی' یوسف خاں اوحدی' اقبال خاں وغیرہ بادشاہ کے ملازم ہو گئے بادشاہ نے انہیں خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بادشاہ اولیائے کرام کے مزاروں پر زیارت کرنے چلا اس سے فرصت پا کر اس ملک کا تمام انتظام اپنے ایک قابل سیاستدان امیر کے ہاتھ میں دیا اور خود دہلی واپس چلا گیا۔

مہمات

۸۴۰ھ میں بادشاہ سمانہ کی طرف چلا۔ جیرت کھکھر کے ملک پر چڑھائی کی۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی راجدھانی کو تہ و بالا کر دیا جائے۔ اس کے بعد مطمئن ہو کر دہلی چلا آیا وہ یہاں عیش پرستی میں ایسا مصروف ہوا کہ دنیا کی خبر نہ رہی اس کا اثر امور سلطنت پر بہت برا پڑا۔ ملک بہلول جو سلطان شہ ملقب بہ اسلام خان کا بھتیجا تھا اور سرہند کا حاکم بنا دیا گیا تھا اس نے اس غفلت سے فائدہ اٹھایا۔ دیپالپور اور

لاہور سے لے کر پانی پت تک کے تمام مقامات پر بادشاہ کے حکم کے بغیر قبضہ کر لیا۔ محمد شاہ نے جیسا کہ آئندہ اوراق میں مفصل طور بتایا جائے گا اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لئے حسام خاں کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حسام خاں ہار کر دہلی واپس آ گیا۔ بہلول لودھی نے کہا کہ اگر حسام الدین خاں قتل کر دیا جائے تو وہ اطاعت شاہی قبول کر لے گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے حسام خاں کو قتل کرا دیا اور حمید خاں کو وزیر مقرر کیا اور ایک دوسرے آدمی کو حسام خاں کا لقب دے کر نائب وزیر بنا دیا۔ گرد و نواح کے امراء بادشاہ کی قوت کو گھٹتے ہوئے دیکھ کر خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے۔ زمینداروں نے مقررہ لگان اور خراج کی رقم دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر بادشاہ نے سرکشوں اور باغیوں کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی اس لاپرواہی کا برا نتیجہ نکلا اور یہ زہریلے عناصر سارے ملک میں پھیل گئے بہت سے پرگنوں پر ابراہیم شرقی نے قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود خلجی کا حملہ

۸۴۴ھ میں سلطان محمود مالوی نے دہلی پر حملہ کرنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا اسے پورا کرنے کے لئے شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کیے۔ محمد شاہ بہت پریشان ہو گیا اور اس نے بہلول لودھی کے پاس پیامبر بھیجا اور اس کو مدد کے لئے فوراً بلایا۔ ملک بہلول بیس ہزار ہتھیار بند فوجیوں کے ساتھ دہلی پہنچا۔ محمد شاہ کی فوج حالانکہ بہت زیادہ تھی اور کافی مدد حاصل ہو گئی تھی پھر بھی یہ خود میدان جنگ میں نہ آیا بلکہ اپنے امراء کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں بھیج دیا۔ ملک بہلول کی سرکردگی میں مغل اور افغان تیراندازوں کی فوج معرکہ آرا ہوئی۔ سلطان محمود کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ بہ نفس نفیس جنگ میں شامل نہیں ہوا تو وہ خود بھی نہ گیا۔ اور اپنے بیٹوں غیاث الدین اور قدر خاں کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ فریقین میں شام تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ بہلول نے اپنی جانبازی اور بہادری سے دشمن کے پاؤں میدان جنگ میں نہ جمنے دیئے۔

سلطان محمود خلجی نے اسی رات ایک بہت خوفناک خواب دیکھا اور سویرے اٹھ کر یہ سنا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی سندھ کی جانب آ رہا ہے یہ سن کر محمود شاہ نے صلح کرنا چاہی مگر ذلت و رسوائی کی وجہ سے صلح کا لفظ منہ سے نہ نکال سکا۔ اس سلسلہ میں محمد شاہ بادشاہ نے ایک ایسا کام کیا جس کی مثال کسی بادشاہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نے بغیر کسی امیر سے مشورہ کیے ہوئے اور بغیر کسی سبب کے خود ہی فضول توہمات کا شکار ہو کر چند مذہبی لوگوں کی ایک جماعت کو محمود شاہ کے پاس صلح کے لئے بھیج دیا۔ سلطان محمود تو خود ہی یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح صلح کا لفظ درمیان میں آ جائے لہٰذا اس نے صلح کرنے کی ذمہ داری محمد شاہ کے سر تھوپی اور خود میدان چھوڑ کر چلا گیا۔ بہلول نے بادشاہ کی اس عاقبت نااندیشی پر بہت پیچ و تاب کھایا اور دشمنوں کا تعاقب کیا۔ اس نے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور بیشمار مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ الغرض اس طرح بہلول نے لشکر شاہی کی لاج رکھ لی بادشاہ بہلول لودھی سے بہت خوش ہوا۔ اس کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اسے خان خاناں کے لقب سے سرفراز کیا مگر یہی صلح کی درخواست بادشاہ کے زوال کا باعث ہوئی۔ محمد شاہ کی کوئی عزت و تعظیم عوام کی نگاہوں میں نہ رہی۔ ۸۴۵ھ میں محمد شاہ سامانہ چلا گیا۔ بہلول کو دیپالپور اور لاہور کا حکمران بنا دیا نیز اس کو حکم دیا کہ جیرت کھکھر کو تہ تیغ کرے۔ بہلول نے لاہور میں ایک مستحکم حکومت قائم کر لی بہت سے افغان اس کے پاس جمع ہو گئے۔ جیرت بھی بہلول کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا اور اس کو بھڑکایا کہ وہ تخت دہلی کا حکمران بننے کی کوشش کرے۔ اس ترغیب سے ملک بہلول کے سر میں بھی دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا سودا سما گیا۔ اس نے بڑے کروفر سے محمد شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے دہلی پر حملہ کر دیا اور اس شہر کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا' مگر بہلول کا یہ دھاوا بالکل بیکار گیا۔ بادشاہ کی حکومت بہت کمزور ہونے لگی حتیٰ کہ وفادار خیر خواہ امراء بھی بادشاہ کی نافرمانی کرنے لگے۔ بیانہ کے زمیندار باغی ہو کر سلطان محمود خلجی سے مل گئے۔

محمد شاہ کا انتقال

اسی دوران میں محمد شاہ سخت بیمار پڑ گیا اور ۸۴۹ھ میں اس نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین تخت پر بیٹھا۔ محمد شاہ نے تقریباً بارہ سال اور چند مہینے حکومت کی۔

حوالہ جات

۱۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اسلحہ جات رکھے جاتے تھے اور فوج کا دفتر ہوتا تھا۔
۲۔ اہار بلند شہر کے نزدیک ایک بہت مشہور تاریخی قصبہ ہے۔

سلطان علاؤ الدین بن سلطان محمد شاہ

کردار

جب یہ تخت پر بیٹھا تو بہلول لودھی کو چھوڑ کر تمام امراء نے اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دینے کے لئے دربار میں حاضری دی اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ۸۵۰ھ میں پتہ چلا کہ جونپور کا بادشاہ سلطنت دہلی پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ علاؤ الدین اس وقت بیانہ جا رہا تھا یہ خبر سنتے ہی واپس لوٹ آیا۔ حسام الدین وزیر الملک کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ صرف ایک افواہ سن کر اپنے سفر کو ملتوی کر دینا آداب شاہانہ کے بالکل خلاف ہے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے اظہار ناگواری بھی کیا لیکن اس کی اس حرکت سے رعایا کو معلوم ہو گیا کہ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ عاقبت نا اندیش اور معاملات سلطنت سے بے بہرہ ہے۔

مہمات

۸۵۱ھ میں علاؤ الدین بدایوں کی طرف روانہ ہوا یہاں کی آب و ہوا اس کو بہت پسند آئی اور یہ عرصہ دراز تک یہیں مقیم رہا۔ اس نے دہلی آ کر بدایوں کی آب و ہوا کی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ حسام خاں وزیر جو بادشاہ کے ساتھ ہی تھا اس نے ہرچند روکا اور نصیحتیں کیں، مگر بادشاہ کے دل سے بدایوں کا خیال نہ نکل سکا وہ نادانوں کی طرح بدایوں کا فریفتہ رہا۔ ہندوستان میں اس وقت خانہ جنگیوں کی وجہ سے بہت افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ دکن، گجرات، مالوہ، بنگالہ، غرضیکہ ہر جگہ حکمران اپنا سکہ چلا رہے تھے اور خودمختار بن بیٹھے تھے۔ پنجاب، دیپالپور، سرہند سے پانی پت تک تو بہلول لودھی کی حکمرانی تھی، سنبھل پر دریا خاں حکمرانی کر رہا تھا۔ کول میں ترک بچہ عیسیٰ اپنا قبضہ جما کر بیٹھا تھا۔ احمد خاں میواتی، مہرولی سے سرائے لاڈو تک (جو دہلی سے بہت نزدیک تھا) قابض تھا۔ رابڑی سے قصبہ بھوئیگانوں تک قطب خاں افغانی حکمرانی کر رہا تھا۔ کپتل پٹیالی میں رائے پرتاب اور بیانہ میں داؤد خاں اوحدی حکومت کر رہے تھے۔ دار السلطنت دہلی اور چند دیگر علاقے علاؤ الدین کے پاس باقی بچے تھے انہیں پر اس حکومت کا دارومدار تھا۔ ملک بہلول لودھی نے، جس نے محمد شاہ سے بے وفائی کی تھی اسی طرح اس سبق کو علائی عہد حکومت میں بھی دہرایا اور بادشاہ سے باغی ہو کر دہلی فتح کرنے کے خیال سے لشکر کو لے کر آگے بڑھا لیکن اس کا یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔

استحکام سلطنت کی تجاویز

اب سلطان علاؤ الدین نے سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی اور قطب خاں، عیسیٰ خاں اور رائے پرتاپ سے مشورہ کیا۔ یہ امراء تو چاہتے ہی تھے کہ بادشاہ کو بد سے بدتر حالت میں دیکھیں لہٰذا ان لوگوں نے یہ صلاح دی کہ حمید خاں کو اگر عہدہ وزارت سے معزول کر دیا جائے تو حالات درست ہو جائیں گے کیونکہ رعیت اس سے بہت ناراض ہے۔ سلطان علاؤ الدین کو عقل و فہم اور دور اندیشی سے واسطہ نہ تھا۔ اس نے ان امراء کا یقین کر لیا اور حمید خاں کو قید کرا دیا اور بدایوں جا کر وہاں رہنے کی خواہش جو مدتوں سے اس کے دل میں پرورش پا رہی تھی پوری کرنا چاہی۔ حسام خاں نے اس دفعہ پھر یہی سمجھایا کہ دہلی پایہ تخت ہے اب اس کو بدایوں منتقل کرنا بالکل نامناسب ہے۔ مگر بادشاہ نے کسی صورت سے اس کی بات نہ سنی بلکہ دل میں حسام خاں کی طرف سے رنجیدہ ہوا۔ بادشاہ حسام خاں سے علیحدہ ہو گیا اس کے دو سالے تھے ان میں سے ایک کو دہلی کا کوتوال بنا دیا اور دوسرے کو امیر دیوان مقرر کیا اور خود ۸۵۲ھ کے آخر میں بدایوں چلا گیا۔

اس عرصہ میں بادشاہ کے دونوں نسبتی بھائیوں میں لڑائی ہوئی ایک لڑائی میں کام آیا دوسرے کو حسام خاں نے قصاص میں دے دیا۔ بادشاہ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا تھا اس کو ان واقعات کا علم تو ہوا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ قطب خاں اور رائے پرتاب دنوں حمید خان کے مخالف ہو رہے تھے پرتاب کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ حمید خان کے باپ فتح کان نے پرتاب کے ملک کو تباہ و برباد کرکے اس کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا لہٰذا وہ اپنے بیٹے سے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اگر حمید خاں کو قتل کر دیا جائے تو ہم لوگ چالیس لاکھ کے پرگنہ بادشاہ کی سلطنت میں شامل کر دیں گے۔" اس کے علاوہ یہ بھی کہا کہ "ساری رعیت حمید خاں سے بالکل عاجز آ گئی ہے۔" بادشاہ عاقبت اندیش تھا ہی نہیں لہٰذا اس نے فوراً حمید خاں کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے۔ اس پر حمید خاں کے بھائی اور اس کے دیگر خیر خواہ بہت برہم ہوئے اور بدقت تمام یہ لوگ حیلے بہانے سے حمید خاں کو چھڑا کر لے گئے اور دہلی پہنچے۔ جمال خاں جو حمید خاں کی نگہبانی پر مامور تھا اسے اس کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی اور تعاقب کرنا شروع کیا۔ حمید خاں کی تلاش میں وہ اس کے گھر تک پہنچا دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور جمال خاں ایک تیر لگنے سے زخمی ہو گیا۔ حمید خاں شاہی حرم میں داخل ہو گیا۔ بیگمات شاہی اور دیگر لوگوں کو حصار شاہی سے باہر نکالا اور بہت بے عزت کیا تمام اسباب شاہی پر قابض ہو گیا۔

بادشاہ کو اب بھی ذرا احساس نہ ہوا اس نے برسات کے موسم کا بہانہ کرکے حمید سے بدلہ نہ لیا۔ حمید خاں موقع غنیمت جان کر کسی اور کو بادشاہ بنانے کی فکر کرنے لگا۔ سلطان محمود شرقی جو جونپور کا حکمران تھا وہ علاؤ الدین کا رشتہ دار تھا۔ سلطان محمود خلجی بادشاہ مندو بہت دور تھا لہٰذا حمید خاں نے ان دونوں کو حکمران بنانے کا خیال چھوڑ دیا اور لودھی جو سب سے قریب تھے ان میں سے اس نے ملک بہلول لودھی کو منتخب کیا اور تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے بلایا۔ اس سے حمید خاں کا مقصد یہ تھا کہ وہ برائے نام بہلول لودھی کو بادشاہ بنائے اور خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ ملک بہلول تو ایسے سنہری موقع کا منتظر ہی تھا اس نے علاؤ الدین کو لکھا کہ وہ حمید خاں کو برباد کرنے کے لئے دہلی جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بادشاہت کرنے کے لئے آ رہا تھا اس نے جلد از جلد دہلی آ کر عنان حکومت سنبھال لی۔ بہلول نے آگے چل کر یہ کیا کہ درمیان سے حمید خاں کو ہٹا دیا اور خود کو سلطان بہلول لودھی کے نام سے مشہور کیا۔ بہلول لودھی نے خطبہ میں علاؤ الدین کا نام بھی شامل کرا دیا۔

دیپالپور کا سفر

۸۵۴ھ میں علاؤ الدین نے اپنے بڑے بیٹے خواجہ بایزید کو امراء کے ایک گروہ کے ساتھ دار السلطنت دہلی میں چھوڑا اور خود نزاکت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیپالپور پہنچ گیا اور افغانوں کو جمع کرنے اور ملک کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ بہلول لودھی نے سلطان علاؤ الدین کو لکھا کہ میں نے سلطنت کے تمام امور سنبھال لیے ہیں اور حمید خاں کا کام تمام کر دیا ہے اور آپ کا نام بھی خطبہ سے نہیں نکالا۔ علاؤ الدین نے جواب میں کہا کہ میرے باپ نے تمہیں اپنا بیٹا بنایا تھا لہٰذا میں تم کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔" علاؤ الدین نے بڑی خوشی سے اپنی سلطنت بہلول لودھی کو دے دی اور خود بدایوں کی حکومت پر قناعت کرکے بیٹھ رہا۔ اس طرح بہلول لودھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا کیونکہ اس کی یہی خواہش تھی۔ علاؤ الدین ایک عرصہ تک بدایوں میں گمنامی کی زندگی گزارتا رہا۔

علاؤ الدین کا انتقال

۸۸۳ھ کے آخر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے دہلی کے تخت پر تقریباً سات سال تک حکومت کی اور اٹھائیس سال تک بدایوں کا حاکم رہا۔

سلطان بہلول لودھی

۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ کو سلطان بہلول لودھی مستقل طور پر دہلی کا حکمران تسلیم کر لیا گیا اس نے علاؤ الدین کا نام خطبہ سے ہٹا دیا اور صرف اپنا نام رکھا۔

لودھی خاندان

اس خاندان کی اصلیت یہ ہے کہ لودھی فرقے کے بہت سے افغانی گروہ کے گروہ ہندوستان میں تجارت کرنے آتے تھے۔ اسی افغانی گروہ میں ایک شخص جس کا نام ملک بہرام تھا اور یہ بہرام لودھی کا دادا تھا۔ وہ اپنے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان چلا آیا اور سلطان فیروز شاہ باربک کے زمانہ میں وہیں رہ پڑا۔ ملک بہرام نے ملک مردان دولت (جو ملتان کا حاکم تھا) کی ملازمت کر لی۔ بہرام کو خدا نے پانچ بیٹے دیئے۔ جن کے نام یہ ہیں' ملک سلطان شاہ' ملک کالا' ملک فیروز' ملک محمد' ملک خواجہ' یہ پانچوں بھائی باپ کے بعد بھی ملتان ہی میں رہے۔ سلطان فیروز شاہ کے دور میں خضر خاں ملتان کا حکمران بن گیا اور ملک سلطان شہ خضر خاں کی ملازمت کر کے افغانوں کے ایک گروہ کا سردار ہو گیا۔ سلطان شہ کی قسمت اچھی تھی خضر خاں اور اقبال ملو کی جنگ میں ملو اقبال اور سلطان شہ کا مقابلہ ہو گیا۔ اقبال کا زوال شروع ہو چکا تھا لہٰذا وہ سلطان شہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلطان شہ خضر خاں کے مقربین خاص میں شامل ہو گیا اور اسلام خاں کے لقب سے سرفراز ہوا۔ سرہند کا حاکم بنا دیا گیا' بہرام لودھی کے باقی چاروں بیٹے بھی اپنے بھائی کے پاس رہنے لگے' ملک کالا بہلول کا باپ اپنے بھائی کی خاص توجہ سے دوراله کا حاکم مقرر ہوا۔ ملک بہلول کی ماں جو ملک کالا کی چچا زاد بہن بھی تھی' حاملہ تھی اتفاق سے مکان گر پڑا اور یہ بدقسمت عورت گھر کے نیچے دب کر مر گئی۔ چونکہ بچے کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا تھا لہٰذا اس کا پیٹ چاک کر کے فوراً بچہ نکال لیا گیا یہی بچہ بہلول لودھی تھا اس کی حفاظت اور دیکھ بھال بہت اچھی طرح کی جانے لگی۔ اس کے بعد ملک کالا اور نیازی افغانوں میں جھگڑا ہو گیا جس میں ملک کالا مارا گیا اور ملک بہلول جو اس وقت ملو کے نام سے پکارا جاتا تھا اپنے چچا اسلام خاں کے پاس سرہند چلا گیا اور وہیں تربیت پائی۔ جب اس کی بہادری کے جوہر کھلے تو چچا نے اپنی بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دی اور اپنے داماد کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھنے لگا۔

اسلام خاں کا اقتدار

اسلام خاں نے دھیرے دھیرے ایسا اقتدار حاصل کر لیا کہ بارہ ہزار افغانی جس میں اس کے رشتہ دار بھی شامل تھے اس کے اطاعت گزار ہو گئے۔ اگرچہ اسلام خاں کے اپنے بیٹے موجود تھے مگر اس نے انتقال کے وقت یہی وصیت کی تھی کہ اس کا جانشین ملک بہلول لودھی مقرر کیا جائے۔ اسلام خاں نے محمد شاہ کے زمانہ ہی میں انتقال کیا۔ اسلام خاں کے بعد اس کے ماننے والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ افغانوں نے تو اسلام خاں کی وصیت کی پوری پوری پابندی کی اور ملک بہلول کے خیر خواہ رہے اور بعض لوگ فیروز خاں (جو اسلام خاں کا بھائی تھا) کی طرفداری کرنے لگے۔ کچھ لوگ قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اس کی خیر خواہی کرنے لگے۔ ان تین وارثوں میں سے ملک بہلول ہی کو جانشین بنایا گیا یہ اچھا جانشین ثابت ہوا اور دھیرے دھیرے اس نے پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ ملک فیروز نے قطب خاں کو بالکل کمزور کر دیا اور قطب خاں اسی جھگڑے کی وجہ سے سرہند سے سلطان محمد شاہ کے پاس دہلی چلا گیا۔ قطب خاں نے درباری امیروں کے ذریعہ سے محمد شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سرہند افغانی پٹھانوں کا مرکز ہو کر رہ گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ ملک میں

شورش اور فساد بپا ہو جائے گا۔

محمد شاہ نے ملک سکندر تحفہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قطب خاں کی سرکردگی میں سرہند بھیجا تاکہ ملک سکندر افغانوں کو دہلی بھیج دے اگر وہ بغاوت کریں تو انہیں سرہند سے جلا وطن کر دیا جائے۔ محمد شاہ نے جیرت کھکھر کے نام بھی اسی طرح کا ایک حکمنامہ بھیجا۔ افغانوں کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو وہ سب پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ جیرت کھکھر اور ملک تحفہ نے افغانوں سے کہلا دیا کہ تم نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا ہے جو اِدھر اُدھر خوفزدہ ہو کر پھرو اس پر افغانوں نے عہد نامہ مانگا۔ ملک تحفہ اور جیرت کھکھر نے ایمان کی قسم کھا کر اپنے عہد کو سچا ثابت کیا۔ تب ملک فیروز لودھی اپنے فرزند شاہین خاں اور اپنے بھتیجے ملک بہلول کو اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر خود قابل اعتبار شاہی امراء جیرت کھکھر اور ملک سکندر کے ہمراہ آ گیا۔ ملک سکندر اور جیرت نے ملک قطب خاں کے بھڑکانے سے اپنا وعدہ توڑ دیا اور ملک فیروز کو قید کر دیا۔ نیز دوسرے افغانوں اور ان کے بال بچوں کو قتل کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ شاہین خاں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا افغانوں کے بہت سے سپاہی تو شاہین خاں کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔ اور جو باقی رہے وہ زندہ گرفتار کر لیے گئے جو افغان مارے گئے تھے ان کے سر سرہند لائے گئے۔ ملک فیروز خان' جیرت کھکھر کو مقتولوں کے سر دکھا کر ان کے نام بتاتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ فیروز کی نگاہیں اپنے بیٹے شاہین خاں پر پڑیں اس نے جیرت پر ظاہر نہ کیا کہ شاہین اس کا بیٹا ہے اور کہہ دیا کہ وہ اسے نہیں پہچانتا۔ جیرت کے ملازموں نے جب کہا کہ یہ نوجوان بہت بہادر تھا اس نے جنگ میں بہت ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ یہ سن کر فیروز خاں رونے لگا اس پر جیرت نے رونے کا سبب پوچھا۔ تب فیروز خاں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میں نے اس خیال سے اس کو اپنا فرزند ظاہر نہ کیا کہ شاید اس نے جنگ میں بزدلی دکھائی ہو لہٰذا اب جب یہ پتہ چل گیا کہ اس نے بہت جسارت اور بہادری سے کام لیا ہے تو مجھے اس کو اپنا فرزند کہنے میں کوئی شرمندگی نہیں۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ ملک بہلول اس جنگ میں شامل نہ تھا اور وہ ایک روز ان بے گناہوں کا بدلہ ضرور لے گا۔ جیرت نے سرہند ملک سکندر کو دیا اور خود پنجاب پہنچ کر اسیران جنگ کو دہلی بھیج دیا۔ جیرت کے جانے کے بعد ملک بہلول نے اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے روپیہ قرض لے کر افغانوں میں بانٹ دیا اور خود ایک گروہ کو لے کر لوٹ مار اور رہزنی کرنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مغلوں اور افغانوں کے بہت سے گروہ بہلول لودھی کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی عرصہ میں ملک فیروز بھی دہلی سے بھاگ کر بہلول سے آ کر مل گیا اور قطب شاہ بھی اپنی پرانی حرکتوں پر بہت پشیمان ہوا اور بہلول کا دوست بن گیا۔ بہلول نے دوبارہ سرہند پر اپنا قبضہ جمایا۔ محمد شاہ نے اس دفعہ حسام خاں وزیر الملک کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بہلول کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے بھیجا۔ موضع گڑھ میں جو خضر آباد اور شاہپور میں شامل تھا۔ ملک بہلول لودھی نے جنگ کی اور حسام خاں کو شکست دے کر بہت قوت حاصل کر لی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک بار لودھی اپنے چچا اسلام خاں کے ساتھ دو دوستوں کو لے کر سمانہ میں ایک بہت نیک بزرگ اور صوفی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان درویش کے سامنے ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ مجذوب نے اپنی زبان سے کہا کہ "کوئی شخص ہے جو دہلی کی حکومت کو دو ہزار تنگے میں خرید تا ہے۔" ملک بہلول نے ایک ہزار چھ سو تنگے جو اس وقت موجود تھے اپنی جیب سے نکال کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہدیا کہ اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مجذوب نے اس کا یہی نذرانہ قبول کیا اور کہدیا کہ جا تجھ کو دہلی کی سلطنت کی حکمرانی مبارک ہو۔ اس پر ملک بہلول کے دوست اس کا مذاق اڑانے لگے اس پر بہلول نے جواب دیا کہ میری خدمت کسی طرح ضائع نہ ہو گی اگر درویش کا قول سچا ہے تو پھر کوڑیوں کے مول جواہرات ملیں گے۔ اور اگر سچا نہ بھی نکلا تو فقیر کی خدمت کرنا بھی کار ثواب ہے۔ ملک بہلول نے اپنے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں اور عزیزوں کی مدد سے ایک بڑی جمعیت تیار کر لی اور ان کے ہمراہ پانی پت تک تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بہلول نے اپنے دشمن حسام خاں کو شکست دی اور حسن عقیدت ظاہر کرنے کے لئے ایک عریضہ سلطان محمد شاہ

کی بارگاہ میں بھیجا اور اس میں لکھا کہ میں صرف حسام خاں کی وجہ سے سلطنت سے دور ہوں اگر بادشاہ حسام خاں کو قتل کرا دے اور وزارت کا عہدہ حمید خاں کو مل جائے تو مجھ کو بادشاہ کی فرمانبرداری میں کوئی قباحت محسوس نہ ہو گی۔

ادھر حسام خاں قتل کرا دیا گیا اور بہلول بہت ہی زیادہ خلوص کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں آیا اور سرہند نیز اس کے آس پاس حکومت کرتا رہا غرضیکہ اس کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ اور جب سلطان محمود خلجی حاکم مندو نے دہلی پر حملہ کیا تو بہلول لودھی کو محمد شاہ نے بلوایا۔ لودھی بیس ہزار افغانوں اور مغلوں کی فوج لے کر سرہند سے آیا اور دشمن کو بھگا کر دم لیا' خاں خاناں کا لقب حاصل کر کے واپس گیا۔ اس نے اپنی قوت و اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ بادشاہ کے حکم کے بغیر لاہور' دیپالپور' سنام وغیرہ اور دیگر پرگنوں پر قبضہ کر لیا یہی نہیں بلکہ اس نے بادشاہ کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور اس کو محصور رکھا مگر باقاعدگی سے وہاں کا حکمران نہ بن سکا۔ بعد ازاں سرہند آ کر اپنی قوت بڑھانے کی فکر میں لگ گیا۔ خطبہ اور سکہ بھی اپنے نام کا نہ چلایا اور اس کو دہلی کی فتح تک کے لئے اٹھا رکھا۔ ادھر محمد شاہ بادشاہ کا انتقال ہوا اور تخت دہلی کا وارث علاؤ الدین ہوا جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد بہلول کو حمید خاں نے ۸۵۵ھ میں دہلی بلوا کر حکمران بنا دیا تھا۔اس وقت بہلول لودھی کے نو بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں خواجہ بایزید نظام خاں جس نے بہلول کے بعد سکندر شاہ کے نام سے باپ کی جانشینی کی' مبارک خاں' عالم خاں جس کا لقب علاؤ الدین خاں ہوا اور جو دہلی کا بادشاہ بنا۔

اس کے علاوہ یعقوب خاں' فتح خاں' موسیٰ خاں' جلال خاں تھے۔ ان بیٹوں کے علاوہ دربار میں قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اور خاں جہاں لودھی' دریا خاں' تار تار خاں' دریا خاں کا فرزند' مبارک خاں لوہانی' یوسف خاں' خاصہ خیل' عمر خاں شروانی' قطب خاں فرزند حسین خاں' افغان احمد خاں میواتی' یوسف خاں جلوانی' علی خاں ترک بچہ' شیخ ابو سعید قرملی' احمد خاں نیستانی' خاں خاناں قرملی' خاں خاناں لوحانی' شمشیر خاں' وزیر خاں پسر اسد خاں' شیخ احمد شروانی' نہنگ خاں' لشکر خاں' شہاب خاں دبیر' مبارز خاں منہ' رستم خاں' جونا خاں' فرزند غازی خاں' ملک چمن فرزند خاں جہان' عماد الملک اقبال خاں' میاں فرید قرملی' شیخ جمال شیخ عثمان' رائے پرتاپ' رائے لکھمن اور رائے کرن یہ تمام چونتیس مشہور و معروف امراء موجود تھے جن میں سے بہت سے اراکین تو بادشاہ کے خاص رشتہ دار ہی تھے۔

اس دور میں حمید خاں کا بہت بول بالا تھا کیونکہ اس کی طاقت بڑھ گئی تھی لہٰذا بہلول نے بھی حمید خاں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے ہی میں مصلحت دیکھی کیونکہ ملک اور سلطنت کی فلاح و بہبود کے لئے اس سے میل ملاپ ہی مناسب تھا اس کے گھر پر برابر جاتا تھا۔ بہلول ایک دن حسب عادت حمید خاں کے گھر مع اپنے چند ساتھیوں کے گیا اور جانے سے پہلے تمام افغانوں کو سکھا دیا کہ وہ حمید خاں کے سامنے مضحکہ خیز حرکتیں کریں تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ قوم بہت بیوقوف اور عاقبت نا اندیش ہے اور ان کی طرف سے کچھ بدگمانی نہ کرے۔ ایک افغانی جماعت حمید خان کے گھر گئی اور ویسی ہی عجیب عجیب مضحکہ خیز حرکتیں شروع کیں بعض نے فرش پر آتے وقت جوتیاں کمر سے باندھ لیں۔ بعض لوگوں نے اس طاق پر اپنے جوتے رکھ دیئے جو حمید خاں کے سر کے اوپر تھے۔ اس کی وجہ دریافت کرنے پر افغانوں نے یہ بتائی کہ احتیاطاً" ایسا کیا ہے تاکہ کوئی جوتیاں چرا کر نہ لے جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ افغان حمید خاں سے بولے کہ آپ کا فرش تو مختلف رنگ کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔ اگر آپ اس کمبل کا ایک ٹکڑا ہم لوگوں کو عنایت کریں تو ہم اس کی ٹوپیاں بنوا کر اپنے بال بچوں کو بھیج دیں تاکہ اس تحفہ سے ہمارے گھر والوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ ہم خان والا شان کے ملازم ہیں۔

حمید خاں نے ہنس کر جواب دیا کہ ٹوپیاں بنانے کے لئے تم لوگوں کو زربفت اور مخمل دے دیا جائے گا اس کے بعد عطر کی کشتیاں اور پان محفل میں آئے۔ بعض افغانوں نے عطر کی پھریری پان میں لگا کر چبانا شروع کی۔ بہتوں نے پان کا چونہ نہ چھڑایا اور اسی طرح پان کھا لیا بعض لوگوں نے پان سے چونا چھڑا کر کھانا شروع کیا۔ جب منہ پھٹ گیا تو پاگلوں کی طرح رونے دھونے لگے۔ حمید خاں ان کی حرکات و سکنات پر بہت ہنسا اور کہا کہ یہ قوم تو بالکل اجڈ ہے جو ایسی عجیب و غریب حرکتیں کرتی ہے۔ اس پر بہلول نے جواب دیا کہ جاہل ہیں ان

کو اچھا ماحول نہیں ملا۔ للذا ان لوگوں کو سوائے پیٹ بھر لینے اور آرام کرنے کے کوئی کام نہیں آتا۔

حمید خاں کی گرفتاری

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بہلول معمول کے مطابق حمید خاں کے گھر اپنے چند امراء کے ساتھ گیا۔ بہلول کے ساتھیوں کو قاعدہ کے مطابق اندر جانے نہیں دیا گیا للذا بہلول تو اندر چلا گیا اور اس کے ساتھی جیسا کہ بہلول انہیں سمجھا بجھا کر لایا تھا۔ انہوں نے چیخنا چلانا شروع کیا اور بہلول کو گالیاں دینا شروع کیں کہ اگر بہلول حمید خاں کا ملازم ہے تو ہم بھی ہیں وہ اگر آزادانہ حمید خاں سے مل سکتا ہے تو ہمیں بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے تاکہ ہم بھی حمید خاں کو سلام کرکے آئیں اور اس کی عنایتیں ہم پر بھی ہوں یہ کہہ کر دربانوں سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ اس پر حمید خاں نے ان کی آوازیں سن کر کہلوا دیا کہ ان سب کو اندر آنے دیا جائے اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کی جائے۔ یہ حکم پاتے ہی سب کے سب افغان اندر آ گئے اور حمید خاں کو سلام کرکے اس کے محافظوں کے پاس دو دو کی تعداد میں کھڑے ہو گئے۔ قطب خاں نے اب کام شروع کیا اور زنجیر نکال کر حمید خاں کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ تم گوشہ نشین ہو کر خدا کی عبادت کرو تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے۔ محض اس لیے کہ تم ہمیشہ وفادار رہے ہو یہ کہہ کر اس کو گرفتار کر لیا گیا اور اپنے آدمیوں کو دے دیا۔ اب ملک بہلول نے ملک میں اپنا خطبہ اور سکہ چلایا۔

مہمات

۸۵۵ھ میں بہلول لودھی نے دہلی کی حکومت تو اپنے بڑے بیٹے بایزید کے سپرد کی اور اس کے ساتھ دوسرے قابل اعتماد امراء کو بھی چھوڑا اور خود پنجاب ملتان کے امور سلطنت میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے دیپالپور چلا گیا۔ سلطان علاؤ الدین کے بہت سے خیر خواہ جو افغانوں کی حکمرانی پسند نہ کرتے تھے انہوں نے جونپور سے سلطان محمود شرقی کو بلایا۔ یہ ۸۵۶ھ میں ایک جرار لشکر لے کر دہلی آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ خواجہ بایزید اور دوسرے امراء بھی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ سلطان بہلول یہ خبر سنتے ہی دیپالپور چلا آیا اور موضع بیرہ میں دہلی سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر ٹھہر گیا۔

بہلول لودھی کے سپاہی محمود شرقی کے جانور گائے اونٹ وغیرہ پکڑ کر لے آئے۔ محمود شرقی نے فتح خاں دہری کو تیس ہزار سواروں اور تیس ہاتھیوں کے ساتھ سلطان بہلول سے معرکہ آرائی کے لیے بھیجا۔ اسلام خان کا فرزند قطب خاں لودھی جو بہت اچھا تیر انداز تھا اس نے دشمن کے ہاتھی کو جو بہت آگے بڑھ کر حملہ کرتا تھا چشم زدن میں زخمی کر دیا۔ افغانوں کی فوج لڑنے کے لئے تین حصوں میں تقسیم تھی۔ دریا خاں لودھی سلطان شرقی سے مل گیا۔ قطب خاں نے بہت اونچی آواز میں پکار کر دریا خاں سے کہا کہ تمہیں اس کی بھی غیرت نہیں آتی کہ تمہاری ماں بہنیں قلعہ شاہی میں ہیں اور تم دشمن کی طرف سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو اس پر دریا خاں شرمندہ ہوا اور کہا کہ اگر اس کا پیچھا نہ کیا جائے تو وہ میدان چھوڑنے پر راضی ہے۔ قطب خاں نے تعاقب نہ کرنے کی قسم کھائی تب دریا خاں، فتح خاں سے الگ ہو گیا۔ اس کے علیحدہ ہوتے ہی فتح خاں دشمنوں کے ہاتھوں قید کر لیا گیا۔ فتح خاں نے کبھی کسی لڑائی میں رائے کرن کے بھائی بھورا خاں کو قتل کیا تھا للذا رائے کرن کو انتقام کا اچھا موقع ملا اور اس نے فتح خاں کا سر کاٹ کر بہلول لودھی کی خدمت میں پیش کیا۔ فتح خاں کے ختم ہوتے ہی سلطان محمود کی ہمت نے بھی جواب دے دیا اور وہ نامراد جونپور واپس آیا۔

وسعت سلطنت کی تدابیر

اس فتح نے بہلول لودھی کے اقتدار کو اور تقویت دی اور اس نے دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کے خواب دیکھنا شروع کیے۔ سب سے پہلے میوات کی طرف بڑھا۔ احمد خاں میواتی نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اس کا فرمانبردار ہو گیا۔ سلطان بہلول نے صرف سات پرگنے اس کی جاگیر سے نکالے اور باقی سب اس کی ملکیت میں رہنے دیئے۔ جب یہ برن پہنچا تو دریا خاں لودھی جو سنبھل کا حکمران تھا اس

نے بادشاہ کی اطاعت قبول کی اور سات عدد ہاتھی اس کی نذر کیے۔ پھر کول آیا اور عیسیٰ خاں کو کول کا حکمران بنایا۔ اس کے بعد برہان آباد جا پہنچا۔ سلہٹ کے حکمران مبارک خاں لوہانی نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ پھر سلطان بہلول بھوئیں گاؤں آیا۔ رائے پرتاپ کو یہاں کا حکمران بنایا۔ جب بادشاہ رابری پہنچا تو قطب خاں بن حسین خاں افغان قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ نے قلعہ فتح کر لیا خاں جہاں قلب خاں کو مطمئن کر کے بادشاہ کے حضور میں لایا گیا۔ بادشاہ نے رابری کی جاگیر اسی کے تحت رہنے دی۔

اس کے بعد بادشاہ اٹاوے پہنچا اور یہاں کا حاکم بھی حسب سابق اپنی جاگیر کا حکمران رہا۔ اسی عرصہ میں جونا خاں بادشاہ سے منحرف ہو کر سلطان شرقی سے جا ملا اور شمس آباد (ا) کا حکمران بنا دیا گیا۔ اب سلطان شرقی نے دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس نے اٹاوہ کے گرد و نواح میں اپنے خیمہ نصب کیے پہلے ہی دن بہت زور کی معرکہ آرائی ہوئی۔ دوسرے دن قطب خاں اور رائے پرتاپ نے بیچ میں آ کر صلح کرا دی۔ یہ طے ہوا کہ جو ملک مبارک شاہ بادشاہ کے زیر نگیں تھا اس پر بہلول لودھی قابض رہے اور حکومت کا جو حصہ سلطان ابراہیم بادشاہ جونپور کے پاس تھا سلطان محمود شرقی کی ملکیت قرار دیا جائے۔ سلطان بہلول نے جو سات ہاتھی لیے تھے وہ سلطان محمود کو واپس کر دیئے اس قرارداد میں یہ بھی تھا کہ جونا خاں شمس آباد کو خالی کر کے سلطان بہلول کے سپرد کر دے۔ لہٰذا بہلول نے جونا خاں کے نام فرمان بھیجا کہ وہ فوراً شمس آباد خالی کر دے۔ جونا خاں فوراً یہ حکم نہ بجا لایا تو بہلول لودھی نے لشکر کشی کر کے اس کی قوت کو ختم کیا۔ شمس آباد کی حکومت رائے کرن کے حوالے کی اور اس کے گرد و نواح کا بہت اچھا انتظام کیا۔

محمود شاہ شرقی کو جب یہ اطلاعات موصول ہوئیں تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور دوبارہ شمس آباد پر قبضہ کرنے کے لئے شہر کے آس پاس پڑاؤ ڈالا۔ قطب خاں لودھی اور دریا خاں لودھی نے محمود شاہ کے لشکر پر شب خون مارا۔ اتفاقاً قطب خاں کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا دشمنوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ سلطان محمود نے اس کو نظر بند کر کے جونپور بھیج دیا۔ سلطان بہلول نے اب شاہزادہ جلال خاں شاہزادہ سکندر اور عماد الملک کو سلطان کی فوج سے معرکہ آرائی کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ جا کر رائے کرن کی مدد کریں جو قلعہ بند ہے۔ خود سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اسی دوران میں محمود شاہ شرقی کا انتقال ہو گیا' محمد شاہ اس کا ولی عہد مقرر ہوا۔ محمد شاہ کی ماں کے حسن سلیقہ اور تدابیر نے ان جھگڑوں کو ختم کرا دیا فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ محمد شاہ اپنے باپ کی ملکیت کا بدستور مالک رہے اور جو حصہ بہلول لودھی کی سلطنت میں شامل ہے حسب سابق اسی کی ملکیت رہنے دیا جائے۔

جونپور کا سفر

اس صلح کے بعد محمد شاہ جونپور واپس چلا گیا۔ بہلول لودھی دہلی واپس آ گیا۔ قطب خاں کی بہن شمس خاتون نے اسے کہلا بھیجا کہ جب تک میرا بھائی سلطان شرقی کی قید میں ہے اس وقت تک تم پر کھانا پینا حرام ہے۔" سلطان پر اس بات کا بہت اثر ہوا اس نے راستے ہی سے سفر کی باگ جونپور کی طرف موڑ دی۔ بہلول پہلے شمس آباد آیا اور جونا خاں کو جو اس کی اطاعت کرنے پر تیار ہو گیا تھا یہاں کا حکمران بنا دیا۔ ادھر بہلول شاہ سے لڑنے کے لئے محمد شاہ نے بھی اپنی فوجیں تیار کیں۔ اور دریائے سرستی کے کنارے جنگ شروع ہوئی۔

اسی دوران میں محمد شاہ شرقی کا چھوٹا بھائی حسین شرقی اس سے بے حد خوفزدہ ہوا اور بہلول لودھی سے جنگ کرنے کا بہانہ کر کے اپنے بھائی سے جدا ہو گیا۔ تھوڑی سی سپاہ بھی اپنے ساتھ لے لی وہ راستہ سے قنوج کی طرف چل دیا۔ سلطان بہلول کو ان باتوں کی اطلاع ملی اور اس نے ایک فوجی جمعیت سلطان حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ شاہزادہ جلال خاں جو اپنے بھائی حسین خاں کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اس سے بہلول کی فوج برسرپیکار ہوئی اور جلال خاں کو گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان بہلول اس خدائی مدد سے بہت ہی خوش ہوا اور قطب خاں کے بدلہ میں جلال خاں کو اپنے پاس قید کر لیا۔ اسی عرصہ میں محمد شاہ سے جونپور کی رعیت بہت منحرف ہو گئی اور اس کو قتل کر کے حسین خاں کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اب حسین شرقی سے سلطان بہلول کی اس بات پر صلح ہوئی کہ چار سال تک فریقین آپس میں چھیڑ چھاڑ نہ

کریں۔ حسین خاں کا خطبہ اور سکہ ملک میں جاری ہو گیا تھا۔

رائے پرتاب جو اس گرد و نواح کا زمیندار تھا سلطان بہلول سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ اور محمد شاہ شرقی سے جا کر مل گیا چونکہ سلطان بہلول اور حسین شرقی میں صلح کا معاہدہ ہو چکا تھا لہٰذا حسین شرقی سے رائے پرتاب الگ ہو کر سلطان بہلول کی خدمت میں آ گیا۔ اس صلح و آشتی کے دو ہی تین دن بعد سلطان حسین شرقی نے قطب خاں کو مسلسل سات ماہ کی قید کے بعد آزاد کر کے سلطان بہلول کے پاس بھیج دیا۔ اس کے معاوضہ میں سلطان بہلول نے شہزادہ جلال خاں کو بھی قید سے رہا کر کے حسین شرقی کی خدمت میں روانہ کیا اور خود دہلی چلا آیا۔

شمس آباد میں ورود

کچھ عرصہ بعد جب قول و قرار کا زمانہ گزر گیا تو سلطان بہلول شمس آباد جا پہنچا اور جونا خاں سے شہر واپس لے کر پھر رائے کرن کو اس کا حکمران مقرر کر دیا۔ شمس آباد میں رائے پرتاب کے فرزند نرسنگھ نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ چونکہ رائے پرتاب نے دریا خاں لودھی سے ایک نیزہ جو اس زمانہ میں علم سرداری سمجھا جاتا تھا' چھینا تھا لہٰذا اب اس نے اس بات کا انتقام لینا چاہا۔ اور قطب خاں لودھی کے بھڑکانے سے رائے پرتاب کے فرزند نرسنگھ کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ سے قطب خاں فرزند خاں افغان' مبارز خاں اور رائے پرتاب بہت رنجیدہ ہوئے اور شاہ حسین کے پاس جا کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان بہلول کو اب دشمن سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور دہلی واپس چلا آیا۔ چند دنوں کے بعد سلطان بہلول حاکم ملتان کی بغاوت دور کرنے اور پنجاب کے صوبہ کا انتظام سلطنت درست کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اور قطب خاں و خاں جہاں کو اپنا نائب بنا کر چھوڑا تاکہ دارالسلطنت کا انتظام نہ خراب ہو راہ میں اس کو پتہ چلا کہ سلطان حسین شرقی ہتھیار بند فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ دہلی پر دھاوا کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ موضع چند وارہ میں دونوں فوجیں باہم برسرپیکار ہو گئیں اور مسلسل سات دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ اسی دوران میں احمد خاں میواتی اور رستم خاں جو کول کا حکمران تھا دونوں حسین شاہ سے جا کر مل گئے اور تاتار خاں لودھی نے بہلول کی طرف ہو کر اس کا ساتھ دیا۔ لڑائی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ ہر ایک لڑائی سے ہراساں ہو گیا۔ اراکین دولت نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ان شرائط پر صلح کرائی کہ تین سال کے عرصہ تک دونوں بادشاہ اپنی اپنی ملکیت پر قناعت کریں اور ایک دوسرے کو کسی طرح کوئی زک نہ پہنچائیں۔ اس معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی حسین شاہ نے اٹاوہ کا محاصرہ کیا۔ اور شہر کے حاکم کو جو بہلول لودھی کا رشتہ دار تھا اسے کچھ سمجھا دیا۔ اس نے بے چون و چرا اپنی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ رفتہ رفتہ اس نے احمد شاہ میواتی اور کول کے حاکم رستم خاں کو بھی اپنی طرف کر لیا۔ احمد خاں حلوائی حاکم بیانہ پر بھی حسین شاہ کا ایسا جادو چلا کہ اس نے بیانے میں حسین شاہ شرقی کا خطبہ پڑھوا دیا۔ ان واقعات کے گزر جانے کے بعد حسین شاہ ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر عظیم اور ایک ہزار ہاتھیوں کی فوج لے کر اٹاوے سے دہلی کی طرف چلا۔ ایسے بدتر حالات کے باوجود سلطان بہلول نے ذرا بھی پس و پیش نہ کیا اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے فوراً نکل آیا۔ تھواڑے (۲) کے مقام پر دونوں مخالف ایک دوسرے سے مقابلہ کے لئے تیار رہے اور یہ مقابلہ عرصہ تک چلتا رہا۔ آخر خاں جہاں نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرائی اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ واپس آ گیا۔ سلطان شرقی نے پھر دھاوا کیا سلطان بہلول بھی مقابلہ پر آیا اور سنکھرہ کے آس پاس چند بار لڑائی ہوئی مگر پھر صلح ہو گئی۔ سلطان حسین اٹاوہ چلا گیا اور بہلول دہلی روانہ ہو گیا۔

حسین شرقی کی والدہ کا انتقال

اسی کشمکش کے زمانہ میں سلطان حسین شرقی کی والدہ بی بی راجی کا اٹاوہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ گوالیار کا حکمران اور قطب خاں دونوں تعزیت کے لئے حسین شاہ کے پاس گئے۔ قطب خاں لودھی نے بہلول کی مخالفت میں سلطان حسین شرقی کو حد سے بڑھا ہوا پایا اور اس

سے خوشامد اً کہنے لگا کہ بہلول کی کیا ہستی ہے کہ وہ آپ کا مقابلہ کرے اس کی حیثیت آپ کے نوکروں سے زیادہ نہیں- اپنے لیے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک آپ کے نام کا سکہ سارے ہند پر نہ بٹھا لوں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا- قطب خاں اس بہانے سے حسین شاہ کے ہاتھوں سے آزاد ہوا اور یہاں آکر سلطان بہلول سے کہا کہ میں نے بہت سی سیاسی چالوں سے تو سلطان حسین شاہ سے نجات پائی ہے اور کہا کہ سلطان تمہارا جانی دشمن ہے لہٰذا تم اپنی جان کی حفاظت میں کبھی غفلت نہ کرنا- اسی دوران میں خضر خاں کے پوتے سلطان علاؤ الدین نے بدایوں میں انتقال کیا حسین شرقی تعزیت کے بہانے سے اٹاوے سے بدایوں آیا اور علاؤ الدین کے بیٹوں سے بدایوں کی ملکیت چھین لی- اس کے بعد سلطان حسین سنبھل جا پہنچا اور حاکم سنبھل مبارک خاں کو قید کرکے وہاں سے مال و اسباب سمیٹا اور ایک لشکر لے کر دہلی کی طرف رخ کیا- ۸۸۳ھ میں حسین شاہ نے گزر کچھ کے نزدیک دریائے جمنا کے ساحل پر اپنے خیمہ لگائے- سرہند میں سلطان بہلول کو یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں اور اس نے حسین خاں فرزند خاں جہاں کو میرک (۳) کا انتظام درست کرنے کے لئے بھیجا اور خود دہلی چلا آیا-

عرصہ دراز تک دونوں فوجیں مقابلہ کرتی رہیں- سلطان حسین شرقی کی فوج کو کثرت اسلحہ و سپاہ کی وجہ سے بہت غلبہ حاصل تھا- قطب خاں لودھی نے اس وقت سلطان حسین شرقی کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وقت میں قید میں پڑا ہوا تھا اس وقت..... آپ کی والدہ راجی بی بی کے مجھ پر بے حد احسانات ہیں اور انہوں نے زمانہ قید میں طرح طرح کی مہربانیاں کی ہیں لہٰذا اس وقت یہی ٹھیک ہے کہ آپ میدان جنگ سے واپس چلے جائیں اور موقعہ و محل کا انتظار کریں- اور اس وقت یہی مناسب ہے کہ دریائے گنگا کے اس پار کا ملک اپنے قبضہ میں رکھیے- اور گنگا کے دوسری طرف کے علاقوں پر بہلول لودھی ہی کو قابض رہنے دیں- غرضیکہ ان شرائط پر دونوں راضی ہو گئے اور آپس کا خلفشار مٹ گیا- سلطان شرقی نے اس صلح و آشتی پر بھروسا کیا اور اپنا بہت سا مال اسباب چھوڑ کر چلا گیا' مگر سلطان بہلول نے اس اعتماد کو دھوکا دیا اور خود اس موقع کو غنیمت سمجھ کر سلطان حسین کا پیچھا کیا اور اس کا قیمتی مال و متاع جو اونٹوں پر لدا ہوا جا رہا تھا اپنے قبضہ میں کر لیا- اور حسین شاہ کے بہت سے امراء جو تقریباً تیس یا چالیس ہوں گے پکڑ لیے گئے- ان میں قتلغ خاں اور ملک بدھو نائب عرض بھی شامل تھے- قتلغ خاں کو پکڑ کر قطب خاں کے سپرد کیا گیا اور خود سلطان لودھی آگے بڑھتا رہا- حسین شاہ کے بہت سے پرگنوں پر قبضہ کر لیا- کنپل' شمس آباد' سیکٹ' مارہرہ' جالیسر پر اپنا قبضہ جما کر اپنی طرف سے حاکم بھی مقرر کر دیئے-

حسین شاہ نے جب یہ دیکھا کہ کسی طرح پیچھا کرنے سے بہلول لودھی باز نہ آئے گا تو فوراً خود بھی مقابلہ کے لئے تیار ہوا اور موضع رام پنچھرہ میں ٹھہر گیا- سفر ملتوی کیا اور دشمن سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا- لیکن آخر میں پھر میل ملاپ ہو گیا- اور یہ طے پایا کہ موضع دھوپا دونوں حکمرانوں کی سرحد مقرر کیا جائے- حسین شاہ شرقی رابری چلا گیا اور بہلول دہلی واپس آ گیا- ایک مدت کے بعد حسین شرقی نے پھر جمعیت عظیم لے کر بہلول لودھی پر دھاوا بولا- موضع سنیارن میں بہت ہی خونریز جنگ ہوئی- سلطان حسین کو اس جنگ میں شکست ہوئی اور بہت سا مال و متاع لودھیوں کو مل گیا اس سے ان کی فوج کو تقویت حاصل ہو گئی- سلطان حسین رابری کی طرف روانہ ہو گیا- بہلول لودھی دھوپا ہی میں مقیم رہا اسی دوران میں خاں جہاں کے انتقال کی خبر دہلی سے آئی- سلطان بہلول نے اس کے فرزند کو خان جہاں کا خطاب دے کر باپ کے عہدہ پر مقرر کر دیا- اس کے بعد رابری میں سلطان حسین پر حملہ کیا وہاں بھی میدان بہلول کے ہی ہاتھ رہا-

سلطان حسین شرقی کا گوالیار جانا

سلطان حسین شرقی شکست کھا کر گوالیار کی طرف چلا گیا- یہاں کا راجہ بہت حسن اخلاق سے پیش آیا اور کئی لاکھ نقد تنگے' خیمہ' سراپردہ اور ہاتھی گھوڑے یہ سب حسین شرقی کو بطور نذرانہ دیئے اور اس طرح اس کا خیر خواہ بن گیا اور کالپی تک حسین شرقی کے ساتھ ساتھ آیا- ادھر اسی عرصہ میں سلطان بہلول اٹاوہ پہنچا- یہاں حسین شرقی کے بھائی ابراہیم خاں اور ہیبت عرف کرکر دونوں اس سے ڈر کر

اٹاوہ کے قلعہ میں بند ہو گئے مگر سلطان بہلول برابر حملہ کرتا رہا۔ آخر ان لوگوں نے جان کی امان چاہی اور اٹاوہ اس کے سپرد کر دیا۔ سلطان بہلول لودھی نے اٹاوہ ابراہیم خاں لوہانی کو دے دیا اور اٹاوہ کے رائے کو چند پرگنے دے دیئے تاکہ اس کو معاشی مشکلات نہ درپیش ہوں اور ایک لشکر عظیم لے کر حسین شاہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان بہلول کالپی کے آس پاس موضع راگانوں میں پہنچ گیا۔ سلطان حسین بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ دریائے جمنا کے ساحل پر مسلسل کئی مہینہ تک جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا اسی عرصہ میں کھتھرا کا حاکم رائے تلوک چند سلطان لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کو ایک مناسب راستہ سے جہاں پانی کم تھا وہاں سے دریا پار کرا دیا۔ اب حسین شاہ میں اس حملہ کو سر کرنے کی تاب نہ تھی بہت ہراساں ہوا اور جونپور کی طرف چلا گیا۔ ٹھٹھہ کے حکمران راجہ نے سلطان حسین کی بہت آؤ بھگت کی اور کئی لاکھ تنکے اور نذرانہ پیش کیے اور نہایت ہی انسانیت کا برتاؤ اس کے ساتھ کیا اپنی فوج بھی اس کو دے دی تاکہ فوج جونپور تک بادشاہ حسین شاہ کے ساتھ جائے۔ ادھر بہلول لودھی نے جونپور کی طرف تعاقب کے ارادے سے اپنے قدم بڑھائے۔ سلطان حسین شاہ نے جونپور چھوڑ کر بہرائچ کا راستہ اختیار کیا اور وہاں سے قنوج پہنچا۔ بہلول بھی قنوج ہی کی طرف چل پڑا اور دریائے رہت (۴) کے ساحل پر دونوں طرف کی فوجوں میں خوب لڑائی ہوئی مگر چونکہ شکست کھانا سلطان حسین شاہ کے مقدر ہو چکا تھا للذا وہ اس جنگ میں بھی ہار گیا۔ حسین شرقی کا سارا مال و متاع لودھیوں کے قبضہ میں آگیا اور اس کی بیوی خوترہ جو سلطان علاؤ الدین فرزند خضر خاں کی بیٹی تھی اس کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا اور بہلول لودھی نے اس خاتون کی عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے محافظوں کو رکھا اس کے بعد دہلی آیا۔ اس لڑائی کے کچھ عرصہ بعد سلطان بہلول نے ایک عظیم لشکر جمع کیا اور جونپور جو عرصہ سے دہلی کے دار السلطنت سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کو بہلول نے دوبارہ پایہ تخت دہلی میں شامل کرنے کی تدبیر سوچی اور حملہ کر کے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا اور جونپور کی حکومت مبارک خاں لوحانی کے سپرد کر دی۔ قطب خاں لودھی اور دیگر امراء کو قصبہ مجھولی (۵) میں چھوڑ کر خود بدایوں چلا گیا۔ سلطان حسین موقع دیکھ کر پھر جونپور پہنچ گیا یہاں کے امراء اس سے بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور سارے امراء جونپور سے قصبہ مجھولی قطب خاں کے پاس چلے گئے، مگر حسین شرقی کی خیر خواہی کا دم اس وقت تک بھرتے رہے جب تک انہیں بہلول لودھی سے مدد نہ ملی۔ سلطان بہلول ان واقعات کو سنتا ہوا قصبہ ہلدی جا پہنچا اور قطب خاں کے انتقال کی خبر سنی۔

اس نے کچھ دن تو تعزیت میں گزارے اس کے بعد جونپور چلا آیا۔ سلطان بہلول نے سلطان شرقی کو بہت دور بھگا دیا اور از سرنو جونپور کو فتح کر لیا۔ سلاطین شرقیہ کے تخت پر اپنے فرزند باربک شاہ کو بٹھایا اور خود کالپی پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ کالپی کی حکومت خواجہ بایزید کے بیٹے اور اپنے پوتے خواجہ اعظم ہمایوں کے سپرد کی اور چند وار ہوتا ہوا دھولپور پہنچا۔ یہاں کے راجہ نے خوفزدہ ہو کر کئی من سونا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور خود اس کے اطاعت گزاروں میں شامل ہو گیا۔ یہاں سے الہ پور پہنچا یہ شہر نتھنبور کے نواح میں واقع ہے۔ اس شہر کو تباہ برباد کر دیا اور کامیاب حکمران کی طرح دہلی آیا یہ اب بہت ضعیف ہو چکا تھا۔ للذا اس نے تمام ملک اور جاگیریں سب رشتہ داروں اور بیٹوں میں تقسیم کیں۔ جونپور کی حکمرانی تو باربک شاہ نے اپنے فرزند کو دی۔ الہ پور کی حکومت شہزادہ عالم خاں کو دی، بھرائچ اپنے بھانجے شیخ محمد قرملی عرف کالا پہاڑ کو عنایت کیا، لکھنؤ اور کالپی خواجہ اعظم ہمایوں کو دیا اس کا باپ خواجہ بایزید خاں کچھ ہی عرصہ پہلے اپنے ایک ملازم کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ بدایوں کی حکومت اپنے ایک عزیز خاص خان جہاں کو عنایت کی، دوآبہ کے درمیان کے بہت سے ملک شاہزادہ نظام خاں یعنی سلطان سکندر لودھی کو دیئے اور اس کو اپنا جانشین بنایا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بہلول گوالیار کی طرف گیا وہاں کے راجہ سے اسی لاکھ تنکے وصول کیے۔ حکومت اسی راجہ کے ہاتھ میں دے دی اور اٹاوہ سکیٹ (۶) سنگھ کے بجائے کسی اور حکمران کے سپرد کیا۔

بہلول کی بیماری

راستہ میں بہلول کی طبیعت خراب ہو گئی بہت سے امراء نے مل کر بادشاہ کو یہ رائے دی کہ وہ اعظم خاں ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دے۔ بہلول میں اب اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان امراء کی رائے سے مخالفت کرے لہٰذا سلطان سکندر لودھی کو بلانے کے لئے بہت سے قاصد دہلی کو روانہ ہوئے۔ عمر خاں شروانی ان دنوں مختار کل تھا چونکہ بادشاہ کے اعضاء میں قوت نہ تھی لہٰذا تمام امور سلطنت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ان امراء کے صلاح و مشورہ کو بھانپ گیا سلطان سکندر کی والدہ بھی اس سفر میں بادشاہ کے ہمراہ تھیں انہوں نے عمر خاں کو مشورہ دیا کہ ایک آدمی سکندر خاں کی خدمت میں بھیج کر اس کو کہلوا دیں کہ بادشاہ اور امراء نے اس کو نظر بند کرنے کی غرض سے بلایا ہے لہٰذا وہ اپنی روانگی کو معرض التوا میں رکھے اور اپنے لئے یہی بہتر سمجھے اس پیغام کے مطابق سلطان سکندر جانے میں تاخیر کرنے لگا۔ اس پر بہلول لودھی نے غصہ میں کہلوا بھیجا کہ اگر تم نہیں آنا چاہتے ہو تو میں خود تمہارے پاس آتا ہوں۔ سلطان سکندر اس حکم سے خوفزدہ ہوا اور چلنے کی تیاری کرنے لگا مگر سب اراکین مخالفت کرتے رہے اس پر سکندر سلطان نے قتلغ خاں جو حسین شرقی کا وزیر تھا اور قید میں پڑا ہوا تھا اور رائے دینے میں اس کو کافی ملکہ حاصل تھا اس نے کہا سراپردہ شاہی نصب کر کے کوچ کا اعلان کر دیا جائے اور سامان سفر کی درستی میں تاخیر کی جائے تاکہ کچھ عرصہ اس طرح ٹل جائے سلطان سکندر نے اسی کی رائے پر عمل کیا۔

بہلول لودھی کا انتقال

اتفاق سے اسی عرصہ میں بادشاہ بہلول لودھی کا مرض بہت بڑھتا گیا اور ۸۹۴ھ میں سکیٹ کے نواح قصبہ بھداؤنی میں بہلول لودھی نے دنیا کو خیرباد کہا۔ بہلول لودھی نے اڑتیس سال آٹھ ماہ اور سات دن حکمرانی کی اس کی ظاہری خوبیاں ناقابل بیان ہیں۔ مذہب اور شرع کا بہت پابند تھا۔ زیادہ تر سفر سیاحت میں فقراء اور درویش صفت لوگوں کی خدمت میں رہتا اور انہیں کی صحبت میں زندگی گزارتا۔ اپنے افغان بھائیوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا اور ان افغانی امراء کے سامنے کبھی تخت پر جلوہ افروز نہ ہوتا بلکہ مساوات کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں کے ساتھ ہمیشہ فرش پر جلوہ نشیں ہوتا۔ دہلی فتح کر کے سابق بادشاہوں کی جو ملکیت اور خزانہ ہاتھ آیا وہ تمام افغانی امراء میں برابر تقسیم کیا اور خود بھی ایک ہی حصہ اپنے لئے رکھا اپنے گھر میں کبھی کھانا نہ کھاتا۔ طویلہ خاص کے شاہی گھوڑوں پر کبھی سواری نہیں کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ میرے لیے صرف سلطنت کا نام ہی کافی ہے۔ مغل سپاہ کی بہادری پر بڑا اعتماد تھا یہی وجہ تھی کہ مغل شاہزادوں' بادشاہوں اور سپاہیوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہو گئی تھی جہاں کہیں کسی مقام کے لئے سن لیتا کہ یہاں پر کوئی بہادر نوجوان موجود ہے اس کو فوراً بلاتا اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بادشاہ بہت زیادہ عقلمند' دلیر' شجاع تھا۔ آئین جہانداری اور حکومت کے امور میں اس کو ملکہ حاصل تھا کبھی جلد بازی سے کام نہیں لیتا تھا ہمیشہ رعایا پروری اور عدل و انصاف میں اپنی زندگی گزاری۔

حوالہ جات

۱- یہ مقام "یاکھور" کے نام سے ضلع فرخ آباد میں ہے۔
۲- "تھواڑہ" لفظ کتابت کی غلطی ہے۔ منتخب التواریخ میں "بھوارہ" لکھا ہے۔
۳- میرک کتابت کی غلطی ہے یہاں پر اصل لفظ میرٹھ ہونا چاہیے۔
۴- "رہت" لفظ ہی غلط لکھا ہے۔ یہاں پر "آب رہب" ہونا چاہیے۔ جو کالی ندی کا نام ہے۔ یہ قنوج کے نزدیک دریائے گنگا سے مل جاتی ہے۔
۵- اس نام کا کوئی قصبہ نہیں ملتا۔ البتہ "مہولی" اور مجولی نام کے کئی قصبے تھے۔
۶- یہ مقام دور اکبری میں قنوج کے راجہ کے تعلقہ میں شامل تھا۔ یہاں بلبن کے زمانہ کی تعمیر شدہ ایک مسجد ہے۔ اب یہ مقام ضلع لوٹیہ میں ہے۔

سلطان عادل نظام خاں سکندر لودھی

تخت نشینی

سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد تمام اراکین سلطنت نے باہم مشورہ کیا اور جانشینی کے لئے ولی عہد کا انتخاب کرنے لگے۔ بعض لوگوں نے بادشاہ مرحوم کے پوتے ہمایوں اعظم کی ولی عہدی پر زور دیا۔ بعض لوگوں نے اس کے بڑے بیٹے باربک شاہ کو جانشین بنانے کی رائے پیش کی۔ اس وقت سلطان سکندر کی ماں جس کا نام زیبا تھا اس نے امراء سے کہا کہ میرا بیٹا ہر طرح تخت حکومت کے لائق ہے اور تم لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بھی ہمیشہ اچھا ہی رہے گا۔ عیسیٰ خاں جو سلطان بہلول مرحوم کا چچا زاد بھائی تھا اس نے نہایت ترش لہجہ میں گالی دے کر کہا کہ سنار کا بیٹا دہلی کا تاجدار بننے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ خان خاناں قرلی نے یہ سن کر بہت غصہ میں کہا کہ ابھی کل تو بادشاہ کا انتقال ہوا ہے اور آج ہی سے ہم ان کی بیوی اور بیٹے کی یوں بے حرمتی شروع کریں یہ کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ اس بات کے جواب میں عیسیٰ خاں نے کہا کہ تمہارا مرتبہ ایک ملازم سے زیادہ نہیں لہٰذا تم ہم رشتہ داروں کے معاملات میں دخل دینے کی ہمت نہ کرو۔ خان خاناں کو بہت طیش آیا اس نے کہا کہ میں سوائے سلطان سکندر کے اور کسی کا ملازم نہیں ہوں یہ مجلس سے اٹھا اور اپنے ہم خیال امراء کے ہمراہ بادشاہ کا جنازہ لے کر قصبہ جلالی (ا) میں جا پہنچا اور سلطان سکندر کو لے کر ایک بلند جگہ جو بیاس کے ساحل پر واقع ہے اور کوشک فیروز شاہ کے نام سے مشہور ہے وہاں سلطان سکندر لودھی کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان سکندر نے اپنے والد کی لاش کو تو دہلی بھیج دیا اور خود عیسیٰ خاں پر حملہ کرنے کے لئے پہنچا۔ عیسیٰ خاں اس سے پہلے شکست کھا گیا اور سکندر سلطان نے اس کے گناہ بخش دیئے اور خود دہلی چلا آیا۔ سلطان سکندر کا کردار بھی بہت اچھا تھا باپ کی طرح یہ بھی حسن اخلاق کا مجسمہ تھا۔ ہر ایک افغان سے بہت اچھا برتاؤ کرتا اپنا بھائی سمجھتا۔ بادشاہ تمام امرائے دولت اور اراکین کے سامنے تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کے چھ بیٹے تھے۔ ابراہیم خاں، جلال خاں، اسمٰعیل خاں، حسین خاں، محمود خاں، اعظم ہمایوں خاں۔

امرائے سلطنت

سکندر سلطان کے دربار میں ترپن امراء تھے جن کی فہرست یہ ہے خاں جہاں لودھی، احمد خاں فرزند خاں جہاں بن خان خاناں قرلی، شیخ زادہ قرلی، خانخاناں لوحانی، اعظم خاں شروانی، دریا خان فرزند مبارک خاں لوحانی جو بہار کا حکمران تھا، عالم خاں لودھی، جلال خاں پسر محمود خاں لودھی نائب کالپی، شیر خاں لودھی، مبارک خاں موحی، خلیل خاں لودھی، احمد خاں لودھی حاکم اٹاوہ، ابراہیم خاں شروانی، محمد شاہ لودھی، بابو خاں شیروانی، حسین خاں قرلی، نائب سارن، سلیمان خاں پسر دوم خاں خاناں قرلی، سعید خاں فرزند مبارک خاں، شیخ زادہ محمد خاں ملقب بہ کالا پہاڑ فرزند خاں قرلی، شیخ جمال، ولد شیخ عثمان قرلی، لودھی اسمٰعیل خان لوحانی، تاتار خان قرلی، عثمان خاں قرلی، شیخ جان پسر مبارک خاں لودھی، شیخ احمد قرلی، آدم خاں لودھی، حسین خان برادر آدم خان لودھی، کبیر خاں لودھی، مقبر خاں لوحانی، غازی خاں لودھی، تاتار خاں حاکم پنجارہ میاں چمن کنبوہ، حجاب خاص مجرد الدین حجاب خاص، شیخ ابراہیم حجاب خاص، شیخ عمر حجاب خاص، قاضی عبد الواحد پسر طاہر کابلی حجاب خاص، بھورہ خاں فرزند خواص خاں، شیخ عثمان حجاب خاص، شیخ صدیق حجاب خاص، خواجہ نصر اللہ، مبارک اقبال خاں حاکم قصبہ بادی، اصغر خان فرزند قوام الملک حاکم دہلی، شیر خاں برادر مبارک خاں لوحانی، عماد الملک کہنول، عزیز مبارک خاں لوحانی، عالم خاں لودھی، کبیر خاں لودھی، بھکن خاں لودھی، ظہیر خاں لودھی، عمر خاں شیروانی اور سنار خاں جلوانی۔

جاگیریں اور عہدے

تخت نشینی کے تھوڑے دنوں بعد ہی سکندر خاں رابری کی طرف چلا گیا۔ عالم خاں جو سلطان علاؤ الدین کے نام سے مشہور تھا کچھ دنوں تک چند واڑہ میں مقیم رہا لیکن بالآخر چندواڑہ سے بھاگ کر عیسیٰ خاں کے پاس جا پہنچا اور پٹیالی میں مقیم ہوا۔ سکندر لودھی نے رابری کی حکومت کی باگ ڈور خاں خاناں قرملی کے ہاتھ میں دی اور خود اٹاوہ چلا گیا۔ یہاں بادشاہ پورے سات مہینہ ٹھہرا رہا اور عالم خاں جس کا لقب علاؤ الدین تھا اسے اعظم ہمایوں کے پاس سے لے کر اپنے ساتھ لے آیا اور اس کو اٹاوہ کا حکمران بنا دیا۔

مہمات

اس کے بعد اٹاوے سے بادشاہ پٹیالی چلا گیا۔ ادھر عیسیٰ خاں نے پٹیالی پر دھاوا بول دیا اور اپنی فوج سکندر لودھی کے مقابلہ میں آراستہ کی مگر منہ کی کھانی پڑی۔ اور مجبوراً میدان چھوڑا اس جنگ میں عیسیٰ خاں کو ایک کاری ضرب لگی پھر یہی ضرب اس کی موت کا باعث ہوئی۔ اس کے بعد سکندر لودھی نے اپنے بڑے بھائی کو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ وہ بادشاہ کا نام بھی اپنے نام کے ساتھ خطبہ اور سکہ میں شامل کرے اور بادشاہ کی اطاعت کا اعلان کرے۔ رائے گیلن جو پہلے باربک شاہ کا بہی خواہ اور مشیر تھا وہ سکندر لودھی سے آکر مل گیا اس کو پٹیالی کی حکمرانی عطا کی۔ باربک شاہ نے سکندر لودھی کی فرمانبرداری کرنے سے انکار کیا بادشاہ نے اس پر چڑھائی کر دی۔ بادشاہ بھی کالا پہاڑ کے ہمراہ قنوج چلا دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں اور کالا پہاڑ بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہو کر لشکر کی طرف بڑھا اس نے سکندر لودھی کی فوج پر حملہ کیا' لیکن قلب لشکر میں پہنچتے ہی اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ کے سامنے لایا گیا بادشاہ اس کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے آیا بہت ادب سے کالا پہاڑ سے مصافحہ کیا اور کہا تم میرے باپ کی طرح ہو مجھے بھی اپنا بیٹا سمجھو اس گفتگو سے کالا پہاڑ بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ اس احسان کے بدلہ میں اس کے سوا اور کوئی کام نہیں کہ میں اپنی جان آپ پر نچھاور کر دوں اور فرمائش کی کہ ایک گھوڑا دیا جائے تاکہ وہ باربک شاہ سے مقابلہ کرے۔ اس کے حملہ کرتے ہی باربک میدان چھوڑ کر چلا گیا اور بداؤں کی طرف جا نکلا شاہزادہ مبارک کو پکڑ لیا گیا۔ بادشاہ نے باربک کا پیچھا کیا اور بداؤں کو گھیر لیا۔ باربک شاہ نے پریشان ہو کر بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی اور اس کو ملازمت بھی دے دی گئی۔

بادشاہ اس کو بڑے ادب اور احترام سے اپنے ساتھ جونپور لایا اور اس کو جونپور کی راجدھانی عطا کی۔ سلطان شرقی ابھی بہار کے گرد و نواح میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ سکندر لودھی نے اپنے قابل اعتماد حاکم مضافات جونپور میں مقرر کیے اور کچھ باربک شاہ کے پاس چھوڑے۔ جونپور کے بہت سے پرگنے اپنے امراء کو تقسیم کر دیئے اور اس کے بعد جونپور سے کالپی چلا گیا۔ کالپی کی جاگیر اعظم ہمایوں سے لے کر محمود خاں لودھی کو دے دی۔ بادشاہ کالپی سے جتھرہ آیا۔ تاتار خاں جو جتھرہ کا حکمران تھا وہ بہت فرمانبرداری سے پیش آیا۔ بادشاہ نے جتھرہ کی حکومت اسی کے نام رکھی۔ خواجہ محمد قرملی کو خلعت خاص دے کر گوالیار کے حاکم راجہ مان سنگھ کے پاس بھیجا راجہ بہت محبت اور خیال سے پیش آیا۔ اس نے اپنے بھتیجے کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا وہ بیانہ تک بادشاہ کے ساتھ گیا۔ بیانہ کے حکمران سلطان شرف نے بھی بہت حسن اخلاق کا ثبوت دیا اور بادشاہ سے شرف نیاز حاصل کیا اور اطاعت قبول کی۔ سکندر نے سلطان شرف سے کہا کہ وہ بیانہ کی حکومت چھوڑ دے تاکہ اس کو جالیسہ' چند واڑہ' مارہرہ' سیکٹ کی جاگیریں اور حکمرانی عطا کر دی جائے اس پر سلطان شرف خاں اپنے ساتھ عمر خاں شیروانی کو لے کر گیا تاکہ قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے سپرد کر دی جائیں' مگر بیانہ پہنچ کر سلطان شرف کی نیت بدل گئی اس نے قلعہ کو زیادہ مضبوط کر لیا اور بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

بادشاہ نے اس عہد شکنی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سلطان شرف کا بہی خواہ اور فرماں بردار ہیبت خاں جلوانی تھا' مگر اس نے سرکشی کی اور آگرہ کے قلعہ پر اپنا قبضہ کر کے قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور قلعہ کا محاصرہ کر کے چند امراء کو وہاں چھوڑا۔

اور خود بیانہ واپس چلا آیا۔ سکندر لودھی نے بہت ہی غصہ اور طیش کی حالت میں قلعہ کے لوگوں کو ستانا شروع کیا۔ عرصہ دراز کے بعد سلطان شرف بھی پریشان ہو گیا اور مجبوراً امان چاہی۔ ۸۹۷ھ میں بیانہ فتح کر لیا گیا۔ بیانہ کی حکومت خاں خاناں قرملی کے ہاتھ میں دے دی۔ سکندر لودھی نے سلطان شرف کو گوالیار کی طرف بھیج کر جلا وطن کیا اسی عرصہ میں گوالیار کا قلعہ بھی فتح کر لیا گیا۔ بادشاہ کامیاب ہو کر دہلی آ گیا۔ اسی دوران میں پتہ چلا کہ جونپور کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی تعداد میں جمع ہو کر شیر خاں جو مبارک خاں لوحانی کا بھائی اور کڑہ کا حکمران تھا اس کو شہید کر ڈالا ہے۔ اور مبارک خاں لوحانی خود کڑہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن پرسی (۲) بیال کے گھاٹ پر دریائے گنگا کو عبور کر رہا تھا کہ رائے شہریو ٹھٹھ (۳) کے راجہ نے اس کو گرفتار کر لیا۔ باربک شاہ بھی دشمنوں کے اجتماع سے گھبرا کر جونپور سے فرار ہوا اور بہرائچ میں کالا پہاڑ کے پاس آ کر دم لیا۔ بادشاہ کو حالانکہ ابھی صرف چوبیس ۲۴ دن ہی گزرے تھے مگر وہ جونپور کی طرف روانہ ہوا بادشاہ دریائے گنگا کو عبور کر کے دہلپور (۴) گیا۔ یہاں باربک شاہ بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس پر نوازش شاہانہ کی بارش ہوئی۔ رائے شہریو بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سن کر بہت ہراساں ہوا اس نے فوراً ہی مبارک خاں کو قید سے آزاد کر دیا۔ اور اس کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ بادشاہ یہاں سے کاٹھ گڑھ چلا گیا یہاں کے زمیندار یکجا ہو کر بادشاہ کے ساتھ معرکہ آرائی پر آمادہ ہوئے۔ اس جنگ میں زمینداروں کو شکست فاش ہوئی اور سپاہیوں کو خوب مال غنیمت ملا۔

یہاں سے بادشاہ پھر جونپور پہنچا اور باربک شاہ کو جونپور میں چھوڑ کر خود واپس چلا آیا۔ آس پاس کے مقامات میں بادشاہ نے تقریباً ایک مہینہ سیر و شکار میں گزارا۔ اسی دوران میں مخبروں نے بتایا کہ باربک شاہ جونپور میں زمینداروں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس پر بادشاہ نے احکامات جاری کیے کہ کالا پہاڑ' اعظم ہمایوں' شیروانی اور خانخاناں لوحانی اودھ ہو کر مبارک خاں کڑہ کے راستہ سے جونپور تک جائیں۔ اس کے گرد و نواح کے انتظامات درست کر کے باربک شاہ کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیں۔ باربک شاہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ سلطان سکندر نے اس کو ہیبت خاں لوحانی اور عمر خاں شروانی کے ہاتھوں میں دے دیا۔ بادشاہ خود جونپور کے گرد و نواح میں ہوتا ہوا جونپور سے قلعہ چنار کی طرف چل دیا۔ حسین شاہ شرقی کے بہت سے امراء جو وہاں پر موجود تھے وہ سب بادشاہ کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے آ گئے' مگر سب ہار گئے اور قلعہ بند ہو گئے۔ قلعہ چونکہ مستحکم اور پائدار تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کا محاصرہ کرنا بیکار سمجھا اور چنار سے پٹنہ کے مضافات میں ہوتا ہوا کٹھہ (۵) کی طرف چلا۔ یہاں کے راجہ نے اس کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور رائے بہلور سکندر کی اطاعت پر بھی مجبور ہو گیا۔ سلطان نے کٹھہ کی راجدھانی اسی راجہ کو دے دی اور خود اریل (۶) چلا گیا۔ اسی درمیان میں رائے بہلا' سکندر سے بہت خوفزدہ ہو گیا وہ تمام اسباب جاہ و حشمت وہیں چھوڑ کر پٹنہ کی طرف روانہ ہو گیا' لیکن بادشاہ نے اس کا تمام مال و اسباب جاہ و حشم اس کے پاس پٹنہ بھیج دیا۔

شمس آباد کا سفر

سلطان سکندر نے مبارک خاں لوحانی کے بھائی شیر خاں کی زوجہ سے نکاح کیا اس کے بعد شمس آباد روانہ ہو گیا۔ قصبہ دیو تاری جو چوروں' لٹیروں اور باغیوں کا اڈہ تھا اس کو بادشاہ نے حتی الامکان تاخت و تاراج کیا بہت سے سرکش پکڑے اور مارے گئے۔ کچھ لوگوں نے وزیر آباد میں جا کر پناہ ڈھونڈی سکندر سلطان وہاں بھی پہنچا اور وزیر آباد والوں کو قتل و غارت کر کے پھر شمس آباد چلا گیا برسات کا سارا موسم یہیں ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد ۹۰۰ھ میں رائے بھلدر کی سرکشی دور کرنے اور سمجھانے بجھانے کے لئے پٹنہ چلا گیا۔ راستہ میں یہاں کے سرکشوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد کھارن اور کہانی پہنچا۔ بھلدر کے فرزند نرسنگھ رائے نے بادشاہ سے معرکہ آرائی کی اور ہار کر پٹنہ بھاگا۔ سلطان سکندر بھی پٹنہ کی طرف چلا رائے بھلدر سر کچھ چلا' مگر راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ سلطان کچھ سے شمدیور کی طرف چلا جو پٹنہ کے گرد و نواح میں ہے یہاں پر مہنگائی بہت تھی۔ کوکنار' افیون گھی' نمک بہت گراں تھے۔ بادشاہ یہاں سے

جونپور چلا گھوڑے مسافرت میں بہت تھک گئے تھے جس کے پاس دس گھوڑے تھے اس میں سے نو مر گئے کلم چند جو بھلدر کا بیٹا تھا اس نے سلطان حسین شرقی کے پاس پیغام بھیجا کہ سلطان سکندر کا لشکر گھوڑوں سے خالی ہے۔ سامان اسپ بالکل ختم ہو گیا ہے لہٰذا اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ فوراً سلطان سکندر پر حملہ کر دیا جائے یہ سنتے ہی حسین شرقی اپنا لشکر لے کر بہار سے چل کھڑا ہوا۔

ادھر سکندر سلطان نے بھی کنتت کے گھاٹ سے دریائے گنگا کو جلد جلد پار کیا اور حسین شرقی کے مقابلہ کے لئے پہنچ گیا۔ بنارس سے اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر فریقین نے آپس میں دست و گریباں ہونے کی ٹھانی۔ سلطان سکندر نے خانخاناں کو رائے بھلدر کے بیٹے سالباہن (۷) کے پاس روانہ کیا کہ وہ اس کو تسلی دے کر آئے اور خود حسین شرقی سے آمادہ پیکار ہوا۔ سالباہن راہ ہی میں مل گیا اور ایک عظیم لڑائی اور خونریزی کے بعد حسین شرقی ہار گیا اور پٹنہ کی طرف رجوع کیا۔ بادشاہ نے اپنا لشکر اسی جگہ چھوڑا اور جیسا کہ عام روایت ہے ایک لاکھ سپاہ کو اپنے ہمراہ لے کر سلطان شرقی کا پیچھا کرنے کے لئے چلا۔ راہ میں معلوم ہوا کہ حسین شرقی بہار واپس لوٹ گیا لہٰذا بادشاہ بھی نو دن تک ٹھہر کر پھر واپس اپنی سپاہ سے مل گیا اور بہار کی طرف چل پڑا۔ حسین شرقی کو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لہٰذا اس نے ملک کھندو کو تو بہار کے قلعہ میں چھوڑا اور خود کھل گاؤں (۸) جو لکھنوتی کے گرد و نواح میں واقع ہے وہاں چلا گیا۔

بادشاہ بنگالہ سلطان علاؤ الدین نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور اس کے لئے آرام و آسائش کا سارا سامان مہیا کر دیا۔ اس نے حکمرانی کے خواب دیکھنا چھوڑ دیے اور باقی ماندہ زندگی وہیں بہت عیش کے ساتھ گزاری۔ حسین شرقی نے جیسے ہی خانہ نشینی اختیار کی ویسے ہی جونپور کے بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ سلطان سکندر نے دوبارہ سے ایک لشکر عظیم لے کر ملک کھندو کے سر پر متعین کیا۔ ملک کھندو گھبرا کر بھاگ گیا اور بہار کی حکومت سلطان سکندر کے ہاتھ میں آ گئی۔ بادشاہ نے محبت خاں کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ بہار میں چھوڑا اور خود درویش پور جا پہنچا۔ سلطان سکندر نے خاں جہاں فرزند خانخاناں قرملی کو فوج میں چھوڑا اور خود ترہٹ کی طرف چل دیا۔ یہاں کا راجہ بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور کئی لاکھ ٹنکے خراج دینا منظور کیا۔ بادشاہ نے مبارک خاں لوحانی کو خراج کی رقومات وصول کرنے کے لئے ترہٹ میں ہی رہنے دیا اور خود درویش پور چلا آیا۔ خاں جہاں فرزند خاں خاناں قرملی کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے خسرو خاں کو ہمایوں اعظم کا لقب دیا اور پھر وہاں سے بہار کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شیخ شرف الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا اس قصبہ کے فقراء اور مساکین کو انعام و اکرام دے کر پھر درویش پور آ گیا۔

حاکم بنگالہ پر حملہ

اس کے بعد بادشاہ علاؤ الدین حاکم بنگالہ پر حملہ کیا' سلطان سکندر کا لشکر بہار کے نواح میں قصبہ قتلغ پور پہنچا۔ علاؤ الدین نے اپنے بیٹے دانیال کو سلطان سکندر سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے بھیجا۔ سلطان سکندر نے بھی محمود خاں لودھی' مبارک خاں لوحانی کو مقابلہ کے لئے متعین کیا۔ موضع بارہ میں فریقین ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے' لیکن اس شرط پر صلح ہو گئی کہ کوئی گروہ ایک دوسرے کی ولایت کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ ایک دوسرے کے دشمن کو اپنے پاس پناہ دے۔ محمود خاں لودھی اور مبارک خاں لوحانی دونوں واپس آ گئے' لیکن بہار کے نواح قصبہ پٹنہ میں مبارک خاں لوحانی کا انتقال ہو گیا۔ سکندر لودھی بھی قتلغ پور سے درویش پور آیا۔ چند ماہ تک یہیں ٹھہرا چونکہ مبارک خاں لوحانی نے یہیں انتقال کیا تھا لہٰذا اس کے بیٹے اعظم ہمایوں کو یہاں کی حکمرانی عطا کر دی گئی اور بہار کی حکمرانی دریا خاں جو مبارک خاں کا فرزند تھا اس کو دے دی گئی۔

اس زمانہ میں چونکہ بادشاہ نے اناج کی بہت کمی محسوس کی لہٰذا اس نے فلاح عام کے لئے غلہ کی زکوۃ بالکل بند کر دی اور تمام دار السلطنت میں اس کا یہ فرمان جاری ہو گیا۔ اسی زمانہ سے غلہ کی زکوۃ دینا ہر ایک نے موقوف کر دی۔ بادشاہ اس عرصہ میں قصبہ سارن چلا

گیا اور قصبہ کے گرد و نواح کے پرگنہ جو زمینداروں کے قبضہ میں تھے ان سے لے کر ان کو لودھی امراء کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اس کے بعد یہ مچھلی گڑھ ہوتا ہوا جونپور گیا یہاں چھ ماہ تک قیام کیا۔ بادشاہ نے چونکہ سالباہن کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا مگر اس سے سالباہن نے انکار کر دیا لہٰذا بادشاہ کو ناگوار گزرا تھا وہ اب بدلہ لینے کے لئے پٹنہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی آبادی کا دور دور تک نشان نہ ملا اور سکندر لودھی کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ سکندر لودھی باندو گربہ (۹) کے گرد و نواح میں جو سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور حاکموں کا صدر مقام تھا وہاں پہنچا لودھی نوجوان نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے، لیکن پھر بھی قلعہ کا استحکام بادشاہ کی فتح یابی میں مانع ہوا۔ بادشاہ اس کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال کر جونپور واپس آ گیا یہاں آ کر بادشاہ نے مہمات سلطنت کو سرانجام دینے میں باقاعدگی سے کام لینا شروع کیا۔ اسی عرصہ میں مبارک خاں موجی کا محاسبہ درپیش ہوا اور باربک شاہ کو گرفتار کر کے جون پور کی حکومت کی باگ ڈور مبارک خاں کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔

مبارک خاں سرکاری مال ہضم کر کے یہ چاہتا تھا کہ چند روز بہانہ کر کے اس معاملہ کو ٹال دیا جائے مگر بادشاہ نے حکم دے دیا کہ اس سے تمام پچھلا محصول وصول کر لیا جائے۔ بادشاہ کے اس حکم سے افغان امراء بہت رنجیدہ ہوئے اسی عرصہ میں حسن اتفاق سے بادشاہ چوگان بازی کے لئے چلا راستہ میں ہیبت خاں شیروانی کی چوگان سے سلیمان خاں فرزند دریا خاں کی چوگان ٹکرا گئی اس سے سلیمان کے سر پر کاری ضرب لگی اور اس واقعہ کے بعد دونوں امراء کے درمیان سخت جھگڑا ہو گیا آپس میں رنجش بھی پیدا ہو گئی۔ خضر نے ہیبت خاں کے سر پر جان بوجھ کر چوگان ماری اس کی اس حرکت سے ایک شور بپا ہو گیا۔ محمود خاں لودھی اور خان خاناں ہیبت خاں کو تسلی دے کر گھر لائے۔ بادشاہ بھی میدان سے محل کی طرف چلا چار دن کے بعد بادشاہ پھر چوگان بازی کے لئے نکلا راستہ میں شمس خاں جو ہیبت خاں کا رشتہ دار تھا بہت غصہ میں کھڑا تھا۔ خضر خاں کو دیکھتے ہی اس نے اس کے سر پر چوگان مار دی بادشاہ بھی غیظ و غضب میں بھر گیا۔ شمس خاں کو جوتوں اور لاتوں سے مار مار کر پھر محل کی طرف چلا۔ ان پیہم واقعات کے بعد بادشاہ اپنے امراء کی طرف سے بددل ہو گیا جن اراکین و امراء کو اپنا بہی خواہ اور طرفدار سمجھتا تھا ان کو پاسبانی کے لئے مقرر کیا چنانچہ یہ امراء ہتھیار بند ہو کر رات بھر پاسبانی کرتے تھے۔ اسی عرصہ میں ہیبت خاں شروانی اور دیگر امراء نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے شاہزادہ فتح خاں فرزند سلطان بہلول لودھی کے پاس پیغام بھیجا کہ بعض فوجی حکام سکندر لودھی کی حکمرانی سے نالاں ہیں اور تم کو اپنا سردار اعلیٰ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اگر تم چاہو تو سکندر لودھی کو درمیان سے ہٹا کر تمہیں سلطنت دہلی کا تاجدار بنا دیں۔ شہزادہ فتح خاں نے طاہر کابلی اور اپنی ماں سے یہ بات کہہ دی۔ دونوں نے شہزادے کو نصیحت کی کہ یہ بیوفا اور عاقبت نا اندیش امراء ہیں تم یہ راز جا کر سلطان سکندر کو بتا دو چنانچہ شہزاد فتح خاں نے ایسا ہی کیا اور سلطان سکندر نے ان بدخواہ سرکش باغیوں کو کسی نہ کسی طرح جلا وطن کر کے اور مختلف سزائیں دے کر تباہ و برباد کر دیا۔

سنبھل میں قیام

۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل کی طرف چلا اور وہاں مستقل چار سال تک چوگان بازی اور سیر و سیاحت میں لگا دیئے یہیں پر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ دہلی کا حاکم اصغر بدکرداری اور بداعمالی پر اتر آیا ہے۔ اس نے ماچیواڑہ کے حکمران خواص خاں کو حکم دیا کہ وہ دہلی جائے اور اصغر کو گرفتار کر کے لائے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے، لیکن اس سے پہلے کہ خواص خاں وہاں پہنچے اصغر شنبہ کی رات ۹۰۷ھ کو قلعہ سے نکل کر سنبھل چلا گیا مگر وہاں پر بھی اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ خواص خاں دہلی کا حکمران بن بیٹھا اور حکومت کرنے لگا۔ اسی زمانہ کا یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک دن ایک ہندو جس کا نام بودھن تھا اور وہ موضع کاتین کا رہنے والا تھا اس نے ایک دن ایک مسلمان کے سامنے کہہ دیا کہ مسلمانوں کا مذہب سچا ہے اور ہندو مذہب بھی حق پر ہے اس ہندو کا یہ مقولہ پورے شہر میں پھیل گیا۔ قاضی پیارے و شیخ بدر نے ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ یہ لوگ لکھنوتی ہی میں تھے اعظم ہمایوں بن خواجہ بایزید لکھنوتی کے حکمران نے ان شیخ اور قاضی

نیز اس ہندو کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ بادشاہ کو علمی مباحث سننے کا بہت شوق تھا اس نے چار اطراف سے نامی گرامی مشہور عالموں کو اپنے دربار میں بلوایا ان کے نام یہ ہیں۔ میاں قادر بن خواجہ شیخ' میاں عبد اللہ بن اللہ داد طلتی' سید محمد بن سعید خاں دہلوی' ملا قطب الدین اور ملا اللہ داد صالح سرہندی اور سید امان' سید ماہان' سید احسن قنوجی مذکور الصدر علماء کو چھوڑ کر شاہی دربار کے علماء اور فضلا و مثلاً صدر الدین قنوجی میاں عبد الرحمٰن جو فتح پور سیکری کے رہنے والے تھے اور میاں عزیز اللہ سنبھلی وغیرہ جو بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے سب نے مل کر ایک مجلس مباحثہ کی بنیاد ڈالی ان تمام علماء نے یہ ہی رائے دی کہ یودھن کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے۔ اگر وہ منکر ہو تو پھر قید کر دیا جائے اور موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس نے جب انکار کیا تو یودھن کو قتل کر دیا گیا کیونکہ علماء نے فتویٰ بھی یہی دیا تھا۔ بادشاہ نے تمام علماء کو شاہی نوازشوں سے مالا مال کیا اور سب واپس چلے گئے۔

حاکم بیانہ کا انتقال

خواص خاں نے اپنے بیٹے اسمٰعیل خاں کو شاہی حکم کے مطابق لکھنوتی کا حاکم بنا دیا اور خود بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اسی دوران میں سعید خاں شیروانی بھی لاہور سے شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس کو بھی بادشاہ نے نوازشات سے مالا مال کیا۔ چونکہ یہ شیروانی بھی بدخواہوں میں سے تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کو مع تاتار خاں قرلی' محمد شاہ لودھی اور باقی ماندہ غداروں کے گجرات کے اطراف و جوانب میں غربت کی زندگی گزارنے کے لئے جلا وطن کر دیا۔ اسی سال یعنی ۹۰۷ھ میں گوالیار کے راجہ رائے مان سنگھ نے ایک ایلچی نہال سنگھ کو بہت سے نذرانے اور تحفوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے بھیجا۔ یہ بحیثیت ان کے ایلچی کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ خواجہ سرا بہت بدزبان اور خراب آدمی تھا بادشاہ اس سے خوش نہ ہوا اور اس کو واپس کر دیا۔ پھر بادشاہ نے راجہ کو حملہ کرنے اور قلعہ فتح کرنے کی دھمکی دی۔ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ بیانے کے حکمران خان خاناں قرلی کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا بادشاہ نے کچھ عرصہ کے لئے عارضی طور پر بیانے کی حکومت احمد اور سلیمان یعنی خانخاناں کے پوتوں کے ہاتھ میں دے دی' لیکن چونکہ بیانہ کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور اس کی سرحد بھی بہت پائدار تھی اس لئے یہ جنگ و فساد اور بغاوت کا سرچشمہ بنا رہا۔ بادشاہ نے احمد اور سلیمان سے وہاں کی حکومت لے کر خواص خاں کے ہاتھ میں دے دی اس کے بعد صفدر خاں جو بیانے کے گرد و نواح کا انتظام کر رہا تھا اس کو آگرہ کا منتظم بنا کر بھیج دیا گیا۔ احمد اور سلیمان بیانے سے سنبھل آ گئے۔ پھر وہ شمس آباد' جالیسہ' کنپل اور شاہ آباد کے پرگنوں کے مالک بنا دیئے گئے۔ بادشاہ نے میوات کے حاکم عالم خاں کو اور خانخاناں جواہری (۱۰) کا حکمران تھا دونوں کے نام یہ حکم نامہ جاری کیا کہ دونوں مل کر دھولپور کی مہم کو سر کریں۔ اس قلعہ کو آسے (۱۱) رائے بنایک دیو کے ہاتھ سے نکال لیں مگر رائے نے ان امراء کا مقابلہ کیا اور خواجہ بین جو شاہی امراء میں سب سے زیادہ جری اور طاقتور تھا اس کو اسی جنگ میں شہادت کا درجہ ملا۔ اس کے علاوہ شاہی سپاہ کے گروہ کے گروہ اس جنگ میں کام آنے لگے۔

بادشاہ کو جب ان تمام حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ جمعہ کے دن ۹۰۵ھ کو سنبھل سے روانہ ہو کر دھولپور کی طرف چلا۔ بادشاہ دشمن کے نزدیک پہنچا اور بنایک دیو نے بادشاہ کی سپاہ اور رعب سے خوف کھا کر قلعہ اپنے خیر خواہوں کے سپرد کیا اور خود گوالیار چلا گیا۔ مگر اس کے متعلقین بھی سکندر سپاہ کے مقابلہ کی تاب اپنے آپ میں نہ پا کر قلعہ رات ہی کو خالی کر کے فرار ہو گئے اور بادشاہ صبح ہوتے ہی قلعہ کے اندر گیا۔ دو رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی اور فتحمندی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ ادھر سکندری سپاہ نے دھولپور اور اس کے گرد و نواح کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا وہاں کے باغات جو سات کوس تک پھیلے ہوئے تھے ان کو بالکل ختم کر دیا۔ مسلسل ایک ماہ تک دھولپور کو تاخت و تاراج کر کے بادشاہ واپس آیا۔ آدم خاں لودھی کو چند دیگر امراء کے ساتھ وہیں چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ خود چنبل ندی کو پار کر کے آسی ندی کے ساحل پر جو میدکی کے نام سے مشہور ہے وہاں ٹھہرا اور اپنے خیمہ نصب کیے۔

بادشاہ نے دو ماہ تک مسلسل یہاں قیام کیا اس کی سپاہ میں پانی کی خرابی کی وجہ سے بیماری پھیل گئی ہیضہ اور طاعون سارے لشکر میں پھیل گیا۔ گوالیار کے حکمران کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا اور صلح کرنی چاہی۔ ساتھ ہی راجہ نے سعید خاں' بابو خاں اور رائے کنبس کو جو بادشاہ سے بغاوت کرکے راجہ کے پاس پناہ گزین تھے' اپنے یہاں سے نکال دیا اور اپنے فرزند اکبر بکرماجیت کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان سکندر نے اس کو شاہی نوازشات سے نوازا اور خود واپس چلا آیا۔ بادشاہ اس کے بعد دھولپور چلا گیا۔ یہاں بنایک دیو کو دھولپور کا حکمران بنایا اور پھر آگرہ آ گیا۔ آگرہ مسلمانوں کا یا ہندوؤں کے دور حکمرانی میں ابھی تک پایہ تخت نہیں بنا تھا اب بھی بیانہ ہی کے تحت میں تھا۔ سلطان سکندر نیدر اور گوالیار کو فتح کرنے کے خیال سے اٹھا اور حصار سیری جو نئی دہلی کا نام تھا اس کو اب پایہ تخت کی حیثیت سے چھوڑ دیا گیا اور آگرہ کو دار الخلافہ بنا دیا گیا۔ بادشاہ نے برسات کا موسم یہیں گزارا اور ۹۱۰ھ میں جب ستارہ سہیل نے نکل کر نوید کامرانی دیا۔ تب بادشاہ مندایل (۱۲) کا قلعہ فتح کرنے کے ارادے سے آگرہ سے چلا۔ ایک ماہ تک دھولپور کے آس پاس رہا۔ گوالیار و مندرایل کے گرد و نواح مقامات میں خوب لوٹ مار کی۔ اس کے بعد قلعہ مندرایل کو خود جا کر فتح کر لیا۔ اہل قلعہ نے محاصرہ کے خوف سے گھبرا کر خود ہی قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ بادشاہ نے مندرایل کے سات بت خانے تباہ و برباد کرکے مسجدیں بنوائیں اور ایک معتمد کے ہاتھ میں قلعہ کا انتظام سپرد کرکے خود دھولپور چلا گیا۔ دھولپور کی حکومت کی باگ ڈور شیخ فخر الدین کے سپرد کرکے بادشاہ آگرہ واپس آیا تمام امراء کو اپنی اپنی جاگیروں پر جانے کی اجازت دے دی۔ تین صفر ۹۱۱ھ کو اتوار کے دن آگرہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا زلزلہ آیا اس سے قبل کبھی ایسا زلزلہ نہ آیا تھا پہاڑ ہل گئے۔ عمارتیں گر پڑیں اور زندہ لوگوں کے لئے گویا قیامت آ گئی۔ مردوں کو احساس ہوا کہ جیسے حشر کا روز آ گیا اس کے بعد یا پہلے ایسے قیامت انگیز زلزلہ کا پتہ نہیں ملتا اسی دن ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی زلزلہ آیا۔

غیر مسلموں کی تباہی و بربادی

ستارہ سہیل کے نکلنے کے بعد بادشاہ گوالیار کی طرف چلا۔ دھولپور میں ڈیڑھ مہینہ رہنے کے بعد چنبل ندی کے ساحل کوکھ گھاٹ پر اپنے خیمے نصب کیے۔ تھوڑے دنوں تک اس گھاٹ پر مقیم رہا اس کے بعد شہزادہ جلال اور ابراہیم کو دیگر قابل اعتماد امراء کے ہمراہ یہاں چھوڑ کر خود ہندوؤں اور دیگر غیر مسلمانوں کو تخت و تاراج کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ تمام ہندو جو جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے تھے سب کو تلاش کرکے تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان سب سے سکندری سپاہ نے بہت سا مال و متاع پایا چونکہ اب بنجاروں نے آنا ترک کر دیا تھا اور سکندری فوج میں اناج کی بہت کمی محسوس ہوئی لہٰذا بادشاہ نے اعظم ہمایوں' احمد خاں لودھی اور مجاہد خاں کو غلہ کی فراہمی کے لئے روانہ کیا۔ گوالیار کے راجہ نے ان امراء کو راستہ میں روکا مگر تھوڑی سی کشمکش کے بعد راجہ کو ناکامی ہوئی اور غلہ سکندری سپاہ میں پہنچ گیا۔ بادشاہ سیر و تفریح کرتے کرتے گوالیار کے قصبہ ہنور میں جا پہنچا اور یہاں پر اس نے طلایہ کو لشکر سے دس کوس آگے فوج کی نگہبانی کے لئے مقرر کیا۔ لشکر دشمن کی طرف بڑھا طلایہ نے فوج کی حفاظت میں بہت محنت شاقہ سے کام لیا۔ واپسی پر راجہ گوالیار کی سپاہ نے اپنی جائے رہائش سے نکل کر بادشاہ کی فوج پر حملہ کیا اور بہت زور کا معرکہ ہوا۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں اس میں خان جہاں بن خان خاناں قرلی کے دونوں بیٹوں احمد اور داؤد نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں بہت سے راجپوت کام آئے اور بہتوں کو سکندر نے قید کر دیا۔ واپسی پر بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں کو نوازشات شاہی سے مالا مال کیا۔ داؤد خاں کو ملک داؤد کا لقب دے کر پھر آگرہ لوٹ آیا۔ یہیں برسات کا موسم گزارا ۹۱۲ھ میں بادشاہ قلعہ اوویت (۱۳) نگر کی طرف چلا۔ یہاں سے سکندر شاہ دھولپور پہنچا اور یہاں قیام پذیر ہو کر عماد خاں قرلی اور مجاہد خاں کو کئی ہزار سوار اور سو ہاتھیوں کے ہمراہ یہیں قلعہ اوویت نگر فتح کرنے کے لئے مقرر کیا۔ حاجب کا عہدہ قاضی عبد الواحد کو دیا جو شیخ طاہر کابلی کے فرزند تھے۔ یہ قصبہ تھانیسر کے رہنے والے تھے ان کے ساتھ اس کام پر شیخ ابراہیم بھی تھے۔ محمود خاں کے انتقال کے بعد کالپی کی حکمرانی ان کے بیٹے

جلال خاں کے ہاتھ میں دے دی۔

جلال خاں کے دونوں بھائی مکھن خاں اور حاجی خاں اس سے معرکہ آرا تھے۔ لہٰذا بادشاہ نے کالپی کی حکمرانی جلال خاں سے لے کر فیروز ادغان کو دے دی اور وہ اس شہر کا حکمران مقرر ہو گیا۔ ادغان نام کا ایک قبیلہ ہے جو افغان سے مشابہت رکھتا ہے۔ سکندر بادشاہ نے مجاہد خاں کو تو دھولپور ہی میں رہنے دیا۔ خود چنبل ندی کے کنارے اپنا خیمہ لگایا۔ یہاں پر خواص خاں اور مکھن خاں بادشاہ کے حضور دربار میں داخل ہوئے ان کو شاہی مراعات سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ خود اُدویت نگر جا پہنچا اور پہنچتے ہی اس نے قلعہ کو گھیر لیا وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس قلعہ کو فتح کر لیا تو پھر گوالیار کو فتح کرنا اور اس کے قلعہ پر قبضہ کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اور اپنی تمام سپاہ کو سکندر نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اب جان کے ایثار کا وقت ہے لہٰذا جان اور مال و متاع کا خیال کیے بغیر ہی قلعہ کو فتح کرنے میں اپنی مجاہدانہ کوششیں دکھائیں۔ جوتشیوں نے جو گھڑی مقرر کی تھی اسی نیک ساعت میں سکندر لودھی نے میدان کارزار میں قدم رکھا چہار اطراف سے دھاوا کیا سکندری سپاہ ٹڈی دل کی طرح قلعہ پر چھا گئی ہر سپاہی نے ہمت بہادری کے جوہر دکھائے۔ فتح سکندر کے ہاتھ رہی۔ ملک علاؤ الدین کی طرف کی دیوار ٹوٹ گئی اس راستے سے بادشاہ کی فوجیں قلعہ کے اندر گھس گئیں قلعہ والوں نے لاکھ اپنے آپ کو بچانے کے جتن کیے مگر کارگر نہ ہوئے اور قلعہ فتح کر لیا گیا۔ ہندو راجپوت خود اپنے گھروں میں آگ لگا رہے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو قتل کرتے تھے بہت سے راجپوت اس جنگ میں کام آئے۔ اتفاقاً ایک تیر ملک علاؤ الدین کی آنکھ میں لگا اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ بادشاہ نے شکر خدا ادا کیا اور پھر شہر کے بت خانے مسمار کر کے ان کی جگہ پر مسجدیں بنوائیں۔ اس قلعہ کی حکمرانی مجاہد خاں کے بیٹے مکھن خاں کے ہاتھ میں دیدی' لیکن اس کے بارے میں جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس نے ہنونت کے راجہ سے رشوت لے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ بادشاہ کو واپس بھیج دے گا۔ تو اسی وجہ سے ۹۱۳ھ میں اس کے خیر خواہ ملاچمن صاحب کو تو قید کر کے تاج الدین کنبوہ کے ہاتھ میں دے دیا اور حکم صادر کیا کہ مجاہد خاں کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ بادشاہ خود دھولپور ہی میں قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف چلا راستہ بہت خراب تھا اور راستہ کے نشیب و فراز اور پانی کی قلت کی وجہ سے کئی سو انسان اور جانور ختم ہو گئے۔ لاشوں کی تعداد شمار کرنے پر تقریباً آٹھ سو ہو گئی تھی اور ایک آب خورہ پانی کے دام پندرہ تنکے ہو گئے تھے۔ بادشاہ یہاں سے پھر دھولپور کی طرف بڑھا اور تھوڑے دن وہاں ٹھہر کر پھر آگرہ واپس چلا آیا اور برسات کا سارا موسم وہیں گزارا۔

قلعہ نرور کی تسخیر

۹۱۴ھ میں جب ستارہ سہیل طلوع ہوا تو بادشاہ نے نرور کے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے جلال خاں جو کالپی کا حکمران تھا اس کے پاس بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جا کر نرور کے قلعے کو گھیر لے اور اگر اہل قلعہ صلح و آشتی کے متمنی ہوں تو ان کی خواہش منظور کر لی جائے۔ حکم پاتے ہی جلال خاں نے نرور کے قلعہ کو گھیر لیا اور اس کے پیچھے ہی سکندر لودھی خود بھی پہنچ گیا اور دوسرے دن قلعہ کو دیکھنے کے لئے نکلا۔ جلال خاں نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ میں پیدل سپاہ دوسرے میں ہاتھیوں کو رکھا اور تیسرے حصہ میں اسپ سوار اس طرح فوج کو ترتیب دے کر بادشاہ کے مجرا کے لیے راستہ میں کھڑا کیا بادشاہ کو جلال خاں کی فوجی طاقت پر کچھ شک ہوا اور اس نے سوچا کہ اس طاقت کو رفتہ رفتہ کم کرنا چاہیے لہٰذا اس نے قلعہ نرور کو جس کا رقبہ آٹھ کوس تھا ایک سال تک گھیرے رکھا اور اس عرصہ میں ہزاروں سپاہی ختم ہو گئے۔ ابھی آٹھ مہینے گزرے تھے کہ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ قلعہ کے لوگوں سے شاہی امراء کے کچھ ساز باز ہوئی ہے جو ظاہر ہے کہ سکندر لودھی کے خلاف ہو گی اور شاہی سپاہ کے کچھ قابل اعتماد امراء نے اہل قلعہ سے کسی بات کا عہد کر لیا ہے۔ بادشاہ کو بھی اس سازش کی اطلاع اس صورت سے ہوئی کہ ایک دن بادشاہ محل کی چھت پر کھڑا ہوا باہر کا نظارہ کر رہا تھا کہ قلعہ کے اندر ایک شگاف ہوا اور پھر اس کو اہل قلعہ نے فوراً ہی بند کر دیا۔ بادشاہ اس حرکت کو اپنے امراء کی سازش ہی سمجھا اس کا رد

عمل یہ ہوا کہ پہلے تو جلال خاں کے بہترین اور قابل اعتماد امراء کو اپنے قبضہ میں کیا- اس کے بعد دو احکامات صادر کیے- ایک فرمان میں جو ابراہیم خاں لوحانی' سیمانی خاں قربلی اور ملک علاؤ الدین جلوانی کے نام تھا- جس میں یہ حکم تھا کہ جلال خاں کو فوراً گرفتار کر لیا جائے اور میاں بھورا خاں سعید خاں اور ملک آدم کے نام دوسرا حکم تھا کہ وہ شیر خاں کو نظربند کر لیں لہٰذا ان شاہی احکامات کے مطابق دونوں کو گرفتار کر کے ہنونت گڑھ کے قلعہ میں بھیج دیا گیا- یہی امراء ان قیدیوں کی حفاظت خود کرنے لگے- اس واقعہ کے بعد اہل قلعہ پانی اور اناج کی قلت کی وجہ سے بہت ہراساں ہو گئے- بادشاہ کے حضور میں معافی مانگی اور قلعہ کے لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے بادشاہ نے قبضہ کر کے چھ مہینے میں یہ تبدیلیاں کیں کہ بت خانے توڑ ڈالے اور بہت سی مسجدیں بنوائیں- اور علماء خطیب اور مفتی مقرر کیے طلباء کے وظائف مقرر کیے اور وہاں ان لوگوں کو مستقل سکونت کے لئے وظیفے بھی دیئے-

شہاب الدین شہزادہ مالوہ کی آمد

اسی دوران میں مالوہ کے بادشاہ سلطان ناصر الدین کا بیٹا شہاب الدین اپنے باپ سے ناراض ہو کر سکندر لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا- شہزادہ مالوہ کے نواح یعنی قصبہ سیری (۱۴) میں پہنچا- بادشاہ نے اس کو اسپ شاہی اور خلعت شاہانہ بھیج کر کہلایا کہ اگر شاہزادہ چندیری کو سکندر کے سپرد کر دے تو سکندر لودھی اس کی اتنی مدد کرے گا کہ اس کا باپ کبھی اس پر غالب نہ آ سکے گا- لیکن شہزادہ شہاب الدین چند مجبوریوں کی وجہ سے اپنے باپ کی ملکیت سے باہر قدم نہ رکھ سکا- ۹۱۴ھ میں سلطان سکندر نرور سے چلا اور یہاں سے سند (۱۵) کے کنارے پہنچا اور سوچا کہ اگر اتفاقاً" کسی دشمن نے قبضہ کر لیا تو پھر قلعے کا ہاتھ آنا مشکل ہے اس خیال کے آتے ہی بادشاہ نے قلعہ کے آس پاس ایک اور حصار بنوایا اور قلعہ کو اور بھی زیادہ مضبوط کر دیا-

بادشاہ نے اب اپنے عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہا اور قصبہ بہار میں جا کر ایک مہینہ تک ٹھہرا رہا یہاں پر قطب خاں لودھی کی بیوی نعمت خاتون جس نے شہزادہ جلال کی بچپن میں پرورش کی تھی بادشاہ کی خدمت میں آئی بادشاہ ان لوگوں کی ملاقات کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لے گیا اور ان کو مطمئن کر کے کالپی کی جاگیر شہزادہ کو دی اس کے علاوہ ایک سو بیس گھوڑے' پندرہ ہاتھی اور کچھ نقد روپیہ دیا اس کے بعد شہزادے کو مع نعمت خاں کالپی چلے جانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی- ۹۱۵ھ میں بادشاہ نے دار الحکومت جانے کا قصد کیا اور بلکھاٹ (۱۶) چلا گیا- یہاں کے سرکشوں اور باغیوں کو بالکل ختم کیا اور جگہ جگہ پولیس چوکی بٹھا کر آگرہ واپس آ گیا- اسی عرصہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مبارک خاں لودھی کا فرزند احمد خاں جو لکھنوتی کا حکمران تھا ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر مذہب اسلام کے بالکل خلاف ہو گیا ہے- اس پر بادشاہ نے برہم ہو کر اس کے بھائی محمد خاں کو لکھا اور محمد خاں نے احمد خاں کو پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا- اب بادشاہ نے لکھنوتی کی حکمرانی احمد خاں کے منجھلے بھائی سعید خاں کو دے دی- اسی دوران میں سلطان ناصر الدین مالوی کے بیٹے محمد خاں نے اپنے دادا سے ڈر کر بادشاہ کے پاس آ کر پناہ لی- بادشاہ نے محمد خاں کو چندیری کی جاگیر دیدی اور شہزاد جلال کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر طرح اس کی مدد کرتا رہے اور مالوی سپاہ سے اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے-

دھولپور کو روانگی

بادشاہ کو سیر و تفریح کا خیال آیا اور اسی مقصد سے دھولپور کی طرف روانہ ہوا- آگرہ سے دھولپور تک پورے راستہ میں اس نے بہت سی عمارتیں بنوائیں- اسی دوران میں محمد خاں ناگوری اپنے رشتہ داروں علی اور ابو بکر خاں پر غالب آیا- ان کی باہمی آویزش ایک عرصہ سے جاری تھی اور اس کے عزیز محمد خاں ناگوری کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے لہٰذا محمد خاں ناگوری نے عقلمندی کا ثبوت یہ دیا کہ دشمنوں کو سکندر لودھی جیسے مدبر اور عاقبت اندیش حکمران کے سپرد کیا' بادشاہ کی خدمت میں تحفہ تحائف اور عریضے بھی بھیجے اور بادشاہ کی خوشنودی کے لئے اپنے ملک میں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا جاری کیا- اس کے جواب میں بادشاہ نے محمد خاں کو شاہی نوازشات سے مالا

مال کیا خلعت شاہی بھی روانہ کی اور خود آگرہ چلا آیا- یہاں پر تھوڑے دن سیر و تفریح اور باغات وغیرہ سے لطف اندوز ہونے میں گزرے پھر دھولپور روانہ ہو گیا- قرلی خانخاناں کے چھوٹے بیٹے میاں سلیمان کے پاس بادشاہ نے حکم نامہ بھیجا کہ وہ مع اپنی سپاہ کے ہنونت گڑھ چلا جائے- اور حسین خاں جو نومسلم ہے اس کی ہر طرح مدد کرے- سلیمان نے جواب میں کہہ دیا کہ وہ بادشاہ کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا بلکہ بادشاہ کے نزدیک ہی رہنا چاہتا ہے- اس کا یہ جواب سن کر بادشاہ بہت برہم ہوا اور اس کو حکم دے دیا کہ وہ سلطنت کی حدود سے بالکل باہر چلا جائے اپنے مال و اسباب دولت و ثروت کے ذخیرہ میں سے جتنا لے جا سکے وہ لے جائے- اور لشکر گاہ سے فوراً نکل جائے اس کی جاگیر کے طور پرگنہ ربڑی اس کو بادشاہ کی طرف سے دے دیا گیا للہذا حکم شاہی کے مطابق ربڑی چلا گیا پھر یہیں سکونت اختیار کر لی-

چندیری میں خطبہ و سکہ

بہجت خاں چندیری جو اپنے باپ دادا کے وقت سے ہی مالوہ کے بادشاہوں کا نہایت خیر خواہ اور بہی خواہ رہا تھا اس نے سلطان محمود مالوی کی فوجی کمزوری اور سلطنت کو نہایت غور سے دیکھا اور دوسری طرف سکندر لودھی کے مقربین خاص میں شامل ہونے کے لئے اس کو تحفہ تحائف اور نذرانے روانہ کیے- بادشاہ نے عماد الملک پدہ کو جس کا اصلی نام احمد تھا اسے چندیری بھیجا تاکہ وہ اور بہجت خاں دونوں مل کر چندیری اور اس کے گرد و نواح میں سکندر لودھی کے نام کا خطبہ پڑھوائیں- اس واقعہ کے بعد بادشاہ آگرہ چلا آیا اور یہاں اپنے تمام مقبوضہ ممالک میں ہر چار طرف بہجت خاں کی فرمانبرداری اور خیر خواہی نیز چندیری کے اکناف و اطراف میں اپنے نام کا خطبہ جاری ہونے کی خبر فرمانوں کے ذریعہ مشتہر کر دی- اس طرح تمام دنیا میں یہ بات شہرت پا گئی اسی درمیان میں چند مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بادشاہ نے بہت سے امراء اور ان کی حکمرانی کے مقامات میں تغیر و تبدل کر دیا- سعید خاں مبارک لودھی کے منجھلے بیٹے' شیخ جمال قرلی- راجہ جگر سین کچھواہہ خضر خاں اور احمد خاں ان سب کو چندیری بھیج دیا- ان امراء نے چندیری کی حکومت کو بالکل اپنے قبضہ میں کر لیا' پوری طرح اس پر غالب آ گئے- اور سلطان ناصرالدین مالوی کے فرزند شہزادہ محمد خاں کو شاہی احکامات کے مطابق قلعہ بند کر کے اس کے ملک کی حکومت اس کے لئے برائے نام چھوڑ دی- ادھر بہجت خاں نے جب یہ حالات دیکھے تو اپنا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا' بدرجہ مجبوری بادشاہ کے دربار میں پھر حاضر ہوا-

اس عرصہ میں بادشاہ سے حسین خان قرلی جو سارن (۱۷) کا حاکم تھا' برگشتہ ہو گیا تھا- للہذا بادشاہ نے حاجی سارنگ کو بھیجا تاکہ وہ جا کر حسین قرلی کے لشکر سے سازباز کر کے اس کو گرفتار کر لے- سارنگ نے جا کر سازش شروع کر دی- اس کی نیت کسی طرح حسین قرلی کو معلوم ہو گئی اور وہ اپنے چند بہی خواہوں کو لے کر لکھنوتی کی طرف بھاگا- بنگالہ کے حکمران علاؤ الدین کی پناہ میں آ گیا- ۹۲۲ھ میں علی خاں ناگوری نے جو سیو (۱۸) پور کا حکمران تھا' سلطان محمود مالوی کے ایک ہوا خواہ حاکم رٹپورا (۱۹) شہزادہ دولت خاں سے دوستی بڑھالی اور اس کو سکندر لودھی کی فرمانبرداری کرنے کی ترغیب دی- علی خاں نے شہزادہ دولت خاں سے یہ معاملہ طے کیا کہ شاہزادہ پہلے بادشاہ سے ملاقات کا شرف حاصل کرے اس کے بعد قلعہ اس کے ہاتھ میں دیدے- علی خاں کا اسی مضمون کا ایک خط سکندر لودھی کی خدمت میں پہنچا- بادشاہ اس پیغام کو پا کر خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اسی طرف چل دیا- یہاں بیانہ کے آس پاس چار مہینہ تک سیر و تفریح اور شکار میں گزارے- اس کے علاوہ اولیائے کرام اور مشائخ کبار کی خدمت میں بھی حاضری دی- مخصوص سید نعمت اللہ اور شیخ حسینی کی صحبت میں رہ کر مکاشفہ اور عرفانیت کے بہت سے معجزے دیکھے یہ بزرگ انہی باتوں کی وجہ سے مشہور تھے ان کی صحبت میں بھی رہا- اسی عرصہ میں شہزادہ دولت خاں اور اسکی ماں کو جو رٹپورہ کے قلعہ کے مالک تھے بادشاہ نے وہ سبز باغ دکھائے کہ وہ بادشاہ کے شیدائی بن گئے اور دولت خاں فوراً ہی بادشاہ کے نیاز میں جا پہنچا-

سلطان سکندر نے تمام امراء کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا یہ امراء اسے بہت عزت تزک و احتشام کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں

لے کر آئے۔ جب وہ لشکر گاہ میں آیا بادشاہ نے اس سے بالکل اپنے بیٹوں کی طرح برتاؤ کیا۔ اور نوازشات شاہانہ سے نوازا بہت سے ہاتھی عطا کیے اور اس سے قلعہ رنپورا کو لینے کی درخواست کی لیکن ادھر دولت خاں کو علی خاں ناگوری نے خوب سمجھا دیا کہ قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں نہ دے کیونکہ وہ بادشاہ سے منحرف ہو گیا تھا۔ بادشاہ پر بھی یہ بات بہت جلد آشکار ہو گئی۔ سیو پور کی جاگیر علی خاں سے لے کر اس کے بھائی ابوبکر خاں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے کوئی اور سختی اس پر نہ کی۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ تھانگر (۲۰) کے راستہ سے قصبہ باڑی پہنچا۔ راس پرگنہ کو مبارک خاں کے بیٹوں سے لے کر اس کو شہزادہ بھیکن کے ہاتھ میں دے دیا اور خود دار الحکومت واپس چلا آیا آگرہ پہنچ کر بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق فتح نامہ کے فرمان ہر چار اطراف میں مشتہر کرا دیئے اور بہت سے سرحد کے امراء کو بلا کر یہ ہدایت کر دی کہ جیسے بھی ممکن ہو اس قلعہ کو جا کر فتح کریں۔

سکندر لودھی کا انتقال

بادشاہ کو ایک بہت ہی خطرناک مرض ہوا دنیا نے اپنے دستور کے موافق سکندر لودھی کو بھی آرام کی نیند سلانا چاہا لہٰذا بادشاہ کا مرض بڑھتا گیا۔ بادشاہ نے شرم و غیرت کی وجہ سے کسی کو اپنا مرض نہ بتایا اور اسی حالت میں امور سلطنت انجام دیتا رہا اور دربار عام بھی کرتا رہا۔ لیکن انجام کار مرض اتنا بڑھ گیا کہ بادشاہ کے حلق کے نیچے نوالہ جانا دشوار ہو گیا اور سانس لینا مشکل ہوا۔ اسی حالت میں ذیقعد کی سات تاریخ کو ۹۲۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور راہی ملک عدم ہوا۔

سکندر لودھی کا کردار شخصیت

نظام الدین احمد اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ سکندر لودھی کی زندگی کے حالات لکھنے میں مورخوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور خاص کر اس کی تعریف کرنے میں مغالطہ کیا ہے۔ بہرکیف جو کچھ مورخین نے لکھا ہے اس کا اجمالی اور قابل ذکر تذکرہ یہ ہے کہ سکندر لودھی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی خوبیوں سے مالا مال تھا اس کا شہرہ دور دور تک تھا اس کے دوران حکومت میں ہر چیز کی قیمت بہت کم تھی۔ اور رعایا نہایت سکون و آرام کی زندگی گزارتی تھی یہ ہر روز دربار منعقد کرتا اور عوام کی ایک ایک فریاد سنتا۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ بادشاہ امور سلطنت سرانجام دینے میں صبح و شام تک مصروف رہتا یہ پانچوں وقت کی نماز ایک ہی مجلس میں پڑھ لیتا۔ اس کے دور حکومت میں زمیندار بہت کم سرکشی کرتے تھے اور سب نے بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی تھی۔ بادشاہ امیر' غریب' توانا اور کمزور' بڈھے جوان سب کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ کرتا اور انصاف و عدل سے کام لیتا' خدا سے بہت ڈرتا تھا' خلق خدا پر رحم و کرم کی بارش کرتا' خواہشات نفسانی کو ترجیح نہیں دیتا تھا۔

روایت ہے کہ جس زمانہ میں سلطان سکندر لودھی اپنے بھائی باربک شاہ سے جنگ میں مصروف تھا اس وقت ایک فقیر آیا اس نے سلطان سکندر کا ہاتھ دیکھ کر کہا کہ تیری فتح ہو گی۔ اس پر بادشاہ نے غصہ میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا کہ جب دو مسلمانوں میں معرکہ آرائی ہو رہی ہو تو کبھی یک طرفہ فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ کہنا درست ہے کہ خدا کرے ایسا ہو جس میں اسلام کی بھلائی ہو۔ سکندر لودھی ہر سال میں دو مرتبہ فقراء اور غرباء اور درویشوں کی فہرست منگاتا پھر حسب ضرورت ہر ایک کو وظائف اور عطیات دیا کرتا' اور چھ مہینے کے بعد ہر ایک کو وظیفہ دیا کرتا' سردیوں میں شالیں اور گرم کپڑے عطا کرتا' ہر جمعہ کو شہر کے تمام فقراء کو روپیہ تقسیم کرتا' روزانہ اناج اور کچھ کھانا پکوا کر غریبوں میں بانٹتا' اس کے علاوہ تقریباً ہر سال فتوحات کا حیلہ کر کے کثیر تعداد میں روپیہ فقیروں اور غریبوں کو دیتا تھا۔ سکندر لودھی کے دربار کا جو امیر اور درباری راہ خدا میں روپیہ دیتا اور خیرات وغیرہ کرتا' غریبوں کو وظیفہ دیتا بادشاہ اس سے بہت خوش رہتا اور کہتا کہ تم نے خیر و برکت کی بنیاد رکھی ہے اس لیے امور دنیا میں کبھی ناکامی نہ ہو گی ایسے لوگ بادشاہ کی نگاہوں میں اپنی عزت بڑھانے کے لیے شرع کے موافق اپنا مال مستحقین کو بھجواتے اور بادشاہ ایسے لوگوں سے بہت خوش رہتا تھا۔

شیخ بہاؤ الدین سے عقیدت

مورخین لکھتے ہیں کہ جب سلطان بہلول لودھی کا انتقال ہوا اور لوگوں نے سکندر لودھی کو جانشینی کے لئے طلب کیا تو پہلے سلطان سکندر دہلی میں شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں گیا یہ بہت بڑے ولی کامل تھے' تاکہ یہ اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے کتاب میزان پڑھوں یہ کہہ کر کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کر دی۔ جب استاد نے جملہ پڑھا بداں اسعدک اللہ فی الدارین جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تجھ کو دین و دنیا میں نیک بخت کرے۔ بادشاہ نے استاد سے اس جملہ کی تکرار کے لئے کہا اور استاد نے اس کو تین بار پڑھا اس کے بعد سلطان نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا وہاں سے روانہ ہو گیا اور استاد کی اس بات کو نیک فال قرار دیا۔ سلطان سکندر مذہب اور شرع کا بہت پابند تھا اور عورتوں کو اس کے دور حکومت میں مزارات پر جانے کی سخت ممانعت تھی۔ مملکت کی تمام مسجدوں اور مزاروں پر جھاڑو دینے والے اور خطیب و قاری بادشاہ نے خاص طور پر مقرر کیے تھے اور ان کے نام باقاعدہ وظیفے اور تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ سلطان سکندر نے علوم و فنون کو بھی ترقی دی اور سرپرستی بھی کی۔ اس کے عہد میں ہر طبقہ کے لوگ مثلاً امراء' اراکین اور سپاہی ہر ایک مختلف طرح کے علوم حاصل کرنے کی طرف متوجہ تھے بلکہ اس کے زمانہ میں ہندو بھی علم کی طرف مائل ہوئے اور فارسی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اس سے پہلے لوگ اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتے تھے فن سپہ گری کو بھی بہت ترقی ہوئی۔

جو شخص بادشاہ کے پاس ملازمت کرنے کے لئے آتا۔ بادشاہ پہلے اس کا حسب و نسب دریافت کرتا اس کے بعد حسب مراتب اس کو عہدہ دیتا اگر کسی کے پاس گھوڑا' سواری اور سامان نہ ہوتا تو اس کو جاگیر عطا کر دیتا تاکہ وہ اپنی معاشی حالت اور حیثیت درست کرے۔ اس کو رعایا کے ایک ایک احوال کی خبر رہتی تھی اور اندرونی اور ذاتی حالات تک اس کو معلوم تھے۔ اکثر بادشاہ جب لوگوں سے ان کے حالات بتا دیتا تو لوگ انگشت بدنداں ہوتے کہ شاید بادشاہ کا کوئی جن مطیع ہے جو گھروں کی اطلاع بادشاہ تک پہنچاتا ہے۔ جب کوئی سپاہ لشکر کشی کے لئے روانہ ہونے والی ہوتی تو بادشاہ دو احکامات نافذ کرتا۔ ایک حکم صبح کے وقت صادر ہوتا جس میں یہ مذکور ہوتا کہ فوج کہاں پر قیام کرے۔ اور دوسرا حکم نامہ جو ظہر کے وقت بھیجا جاتا اس میں یہ لکھا ہوتا کہ فوج کس طرح اپنا کام انجام دے۔ بادشاہ کے اس پروگرام میں کبھی ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ روز ڈاک لے جانے والے سپاہی اور ان کے گھوڑے ہر وقت پا بہ رکاب رہتے تھے۔

جس سرحد کے امیر کے نام حکم نامہ صادر کیا جاتا وہ اس کو چبوترے کے نیچے اتر کر لیتا اور سر پر رکھتا۔ اگر بادشاہ کا فرمان ہوتا تو فرمان وہیں پڑھ کر سنایا جاتا ورنہ پھر اس کے حکم کے مطابق مسجد میں منبر پر پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ اگر کوئی راز کی بات ہوتی تو فرمان پوشیدہ طور پر پڑھا جاتا۔ اس کے دربار میں جیسا کہ علاؤ الدین خلجی کے دربار کا دستور تھا روزانہ اناج کے بھاؤ اور وہ ممالک جن پر بادشاہ کا قبضہ تھا ان کے واقعات سب روزانہ دربار میں پڑھ کر سنائے جاتے اگر بادشاہ کے حکم سے سرمو تجاوز کیا جاتا تو بادشاہ فوراً اس کی روک تھام کرتا اور قوانین پر چلنے کی ہدایت کرتا۔ بادشاہ زیادہ اوقات جھگڑے چکانے' فیصلے کرنے اور رعایا کی فلاح و بہبود میں صرف کرتا' اس کے علاوہ اس کی دانشمندی اور عقل فہم و ادراک کے بارے میں بھی بہت سی باتیں نقل کی گئی ہیں۔

سکندر کی دانشمندی کا ایک واقعہ

گوالیار کے رہنے والے کوئی دو بھائی تھے دونوں اپنی غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے معاشی بدحالی کا شکار تھے لہٰذا ایک بار دونوں بھائی ایک فوج میں ملازم ہو کر کسی مہم پر اسی فوج کے ہمراہ چلے گئے اور جب جنگ میں بہت سا مال غنیمت اور قیمتی کپڑے اور دو لعل ان کے ہاتھ آ گئے تو ان لوگوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ اب یہ مال مل گیا ہے گھر چل کر اطمینان سے زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اب زیادہ تگ و دو کی ضرورت نہیں مگر بڑا بھائی نہ مانا اور اس نے کہا کہ جب صرف ایک بار کی کوشش سے اس قدر زیادہ مال غنیمت ہاتھ آ سکتا

ہے تو آگے اور بھی کوشش کر کے قسمت آزمانا چاہیے۔ یہ سوچ کر سارا مال دونوں بھائیوں نے باہم تقسیم کر لیا۔ ایک ایک لعل بھی ملا چھوٹا بھائی تو اسی مال غنیمت پر قناعت کر کے وطن جانے لگا تو بڑے بھائی نے اپنے حصہ کا مال غنیمت بھی اس کو دے دیا اور کہا گھر جا کر میری بیوی کو دے دینا۔ چھوٹا بھائی جب سارا سامان گھر لایا تو اس کی نیت بدل گئی اس نے علاوہ لعل اور سارا سامان اپنی بھاوج کو دے دیا۔ جب بڑا بھائی دو سال کے بعد گھر واپس آیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ مال غنیمت دکھاؤ۔ بیوی نے سب چیزیں جو چھوٹے بھائی نے لا کر دی تھیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ بڑے بھائی نے دیکھا تو اس سامان میں لعل نہیں تھا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ لعل کہاں ہے؟ بیوی نے کہا کہ تمہارے بھائی نے لعل دیا ہی نہیں تھا۔ بڑا بھائی ناراض ہو کر چھوٹے بھائی کے پاس گیا اور کہا میرا لعل کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے تمہاری بیوی کو دے دیا ہے۔ مگر بیوی نے مسلسل انکار کیا مگر دونوں بھائی بیوی کو ہی چور سمجھتے رہے۔ بیوی نے کہا اچھا میں تم لوگوں کو کل جواب دوں گی۔ اس لیے وہ شہر کے بڑے قاضی بھورے میاں کے پاس پہنچی مگر بھورے میاں نے بھی ان کی کوئی خاص مدد نہ کی اور عورت وہاں سے بھی مایوس ہو کر چلی آئی کیونکہ گواہ جو ان لوگوں نے مہیا کیے تھے انہوں نے عورت کے خلاف گواہی دی اس لیے یہ ناکام رہی۔

اب سکندر لودھی کو ان باتوں کی اطلاع ہوئی اور اس نے عورت اور دونوں بھائیوں کو دربار میں بلایا اور کہا کہ تینوں موم پر لعل کی صحیح صحیح تصویر بنا کر پیش کریں اس پر دونوں بھائیوں اور گواہوں نے اس کی تصویر بنائی۔ عورت سے بھی کہا گیا کہ تم بنا کر دو اس نے بنانے سے انکار کر دیا کہ جو چیز دیکھی نہیں اور اس کے نقش بھی ذہن میں نہیں ہیں اس کو موم پر کیسے اتار سکتی ہے اور گواہوں نے جو شکل بنائی تھی وہ بھی ان دونوں بھائیوں سے بالکل مختلف تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ گواہ جھوٹے ہیں بادشاہ نے ان تمام تصویروں کو اپنے پاس رکھا۔ پھر بھورا خاں سے کہا کہ وہ گواہوں سے کہے کہ اگر ان لوگوں نے سچ نہ بولا تو جان لے لی جائے گی۔ گواہوں نے جب جان کا خطرہ دیکھا تو جھوٹ بولنے سے گریز کیا اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اس کے بعد چھوٹے بھائی پر بھی نہایت سختی کی تب اس نے بھی ٹھیک بات بتا دی' اس طرح غریب عورت پر جو چوری کا الزام لگ رہا تھا اس سے نجات ملی سکندر لودھی کی عقل و فراست کی یہ ایک مثال تھی۔

علمی ذوق

سکندر کو شعر و شاعری سے بھی بہت تعلق تھا وہ ایک ستھرا مذاق رکھتا تھا بہت زیادہ باذوق تھا' طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی' عمدہ عمدہ پاکیزہ اشعار لکھا کرتا تھا' اس کا تخلص گلرخی تھا اس کا خاص مصاحب اور مقرب شیخ جنابی کنبوہ تھا۔

اسی بادشاہ کے دور حکومت میں "فرہنگ سکندری" اور دوسری علمی و ادبی کتابیں لکھی گئیں۔ فرہنگ سکندری کا مصنف لکھتا ہے کہ سکندر لودھی نے اٹھائیس سال پانچ مہینہ حکومت کی۔

حوالہ جات

۱- یہ ضلع علی گڑھ میں واقع ہے۔ یہاں بھی آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں اور بلبن کے عہد کی بنوائی ہوئی مسجد بھی موجود ہے۔
۲- "پرسی سیال" غلط ہے۔ یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے مراد الہ آباد ہے۔
۳- "شہرو" بھی کتابت کی غلطی ہے طبقات اکبری میں "رائے نہند راجہ پتھہ ہے۔
۴- "دلہپور" لفظ درست نہیں۔ یہاں پر دلمئو ہونا چاہیے جو اودھ کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے۔
۵- یہاں پر کٹبہ لکھنا غلط ہے۔ کیونکہ اصل لفظ کتت ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ یہ مقام گنگا کے ساحل سرحد کے پاس موجود ہے۔
۶- یہ مقام اریل الہ آباد کے نزدیک واقع ہے۔
۷- خیال تو یہی ہوتا ہے کہ سالباہن وہی ہیت ہے جس کو فرشتہ نے ایک جگہ شہرو کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور یہ راجہ نندیا نہند کا بیٹا تھا۔
۸- ضلع بھاگل پور میں یہ ایک گاؤں ہے۔
۹- باندو گرہ اصل میں باندھو گڑھ ہے جو کہ ایوان کی ریاست کا بہت ہی قدیم قلعہ ہے اور اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت ہے۔
۱۰- یہاں پر اپری غلطی سے لکھ دیا گیا۔ اس سے مقصد یقیناً اپری ہوگا۔ جس کا ذکر آگے آچکا ہے۔
۱۱- "آسے" سے مراد مید کی ہے۔ اور یہ اسوندی کی عرفیت ہے۔ یہ ندی گوالیار سے تین میل کے فاصلہ پر گزرتی ہے۔
۱۲- اس کا اب نشان نہیں ملتا۔ لیکن اکبر کے زمانہ میں منڈلائر ایک سرکاری ضلع کا نام تھا۔ اور وہ شاید ریاست گوالیار کا جنوب مغربی حصہ ہے۔ اب یقیناً مندرایل سے مراد وہی منڈلائیر ہے۔
۱۳- اودیت نگر غلط لکھا ہوا ہے۔ آگے چل کر اسی کو ہونت گڑھ لکھا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ منتخب التواریخ میں اس پر اونت گڑھ لکھا گیا ہے۔ اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔
۱۴- سیری سے مراد سیپیری ہے جو آجکل شیوپوری کے نام سے مشہور ہے۔
۱۵- مشرقی مالور کی ندی ہے اور سرونج کے نزدیک سے نکلتی ہے اور سیپیری و نرور میں ہوتی ہوئی دریائے جمنا سے آکر مل جاتی ہے۔
۱۶- بلکھاٹ کی جگہ "پرہتکانت" لکھنا چاہیے تھا۔
۱۷- سارن بہار کا مغربی ضلع ہے
۱۸- سیوپور کی بجائے "شیوپور" ہونا چاہیے تھا۔ جواب ریاست گوالیار میں ہے۔
۱۹- رنپور کی جگہ رنتھنبور ہونا چاہیے۔
۲۰- تھان گر۔ تھنگر یا بیانہ مراد ہے۔

ابراہیم لودھی بن سلطان سکندر لودھی

تخت نشینی

سلطان سکندر لودھی کا انتقال آگرہ میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا فرزند ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے اعزا اور اقرباء سے جو برتاؤ کیا وہ اس کے باپ اور دادا کی روش کے بالکل خلاف تھا۔ اس نے ہر ایک افغانی پٹھان سے صاف کہہ دیا کہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں اور اگر بالفرض رشتہ داری ہے بھی تو ہر ایک شخص بادشاہ کا نوکر ہے لہٰذا عزیزوں' رشتہ داروں کو بھی نوکروں کا درجہ ملا اور وہ افغانی امراء جو سلطان سکندر اور اس کے باپ کے وقت میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اب وہ دربار شاہی میں کھڑا رہا کرتے۔ اس سے تمام افغانی امراء ابراہیم لودھی کے خلاف ہو گئے کیونکہ شہزادہ ابراہیم نے بجائے خلوص کے یہ ناروا برتاؤ قائم رکھا۔ اب تمام امراء نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم لودھی دارالحکومت دہلی سے جونپور تک حکمرانی کرے اور جونپور میں شاہزادہ جلال حکمران ہو اور ممالک شرقیہ اس کی نگرانی میں ہوں۔ یہ معلوم کرکے شاہزادہ جلال ان امراء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے جونپور اور کالپی کے اراکین کو ہمراہ لے کر ممالک شرقیہ گیا اور جونپور کے تخت پر بیٹھا اس نے گرد و نواح کے تمام امراء اور عاملین کو اپنا فرمانروا اور بہی خواہ بنالیا۔

ادھر خاں جہاں لوحانی رابری سے ابراہیم کے دربار میں پہنچا تمام امراء سلطنت کو لعنت ملامت کی کہ سلطنت ہند کو دو حصوں میں تقسیم کرنا بڑی عاقبت نااندیشی ہے اور دو حکمران مقرر کرنا بھی فاش غلطی ہے۔ اب اراکین سلطنت نے اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہی اور یہ سوچا کہ شہزادہ جلال کی حکومت چونکہ ابھی پختہ نہیں ہوئی ہے لہٰذا اس کو جونپور سے دہلی بلالیا جائے اور شہزادہ کو دہلی بلانے کے لئے ہیبت خاں گرک انداز کو پیامبر بنایا گیا اس کے ہاتھ بادشاہ نے شہزادہ جلال کو ایک بہت محبت آمیز خط لکھا کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ تم جلد از جلد دہلی آ جاؤ' مگر ہیبت خاں کی فریب آمیز اور چاپلوسی کی گفتگو سے شہزادہ جلال سمجھ گیا کہ یہ اس کو دھوکا دے رہا ہے لہٰذا اس نے اپنی آمد کو معرض التواء میں ڈالنا شروع کیا۔ ہیبت خاں نے سارا ماجرا بادشاہ کو لکھ دیا۔ اس کے جواب میں ابراہیم لودھی نے شیخ زادہ محمد قرملی فرزند شیخ سعید قرملی' ملک اسماعیل فرزند ملک علاؤ الدین حلوانی' قاضی مجد الدین حجاب اور سعید حجاب وغیرہ کو شہزادہ جلال کے پاس بھیجا۔ مگر ان امراء کی بھی شہزادہ جلال کے سامنے ایک نہ چلی وہ دہلی آنے پر کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ مجبوراً یہ واپس آ گئے ادھر بادشاہ نے سلطنت کے دوسرے اراکین سے صلاح و مشورہ کرکے ممالک شرقیہ کے تمام امراء کے نام فرمان جاری کر دیئے۔

ہر فرمان ہر امیر کے عہدہ کے مطابق تھا اور ہر ایک میں یہی درج تھا کہ سب شاہزادہ جلال سے الگ رہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کریں۔ اس کے علاوہ بہت سے اعلیٰ مراتب کے امراء جو تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار سواروں کے مالک تھے مثلاً دریا خاں لوحانی بہار کا حاکم اور نصر خاں حاکم غازی پور' شیخ زادہ محمد قرملی جو اودھ کا حاکم تھا ان سب کو خلعت شاہانہ' گھوڑے اور شمشیر و خنجر بھی معتبر اور خفیہ ذرائع سے بھیجے اور ان سب امراء کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جیسے ہی ان امراء کے پاس شاہی فرامین پہنچے ان سب نے شہزادہ جلال کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں سلطان ابراہیم نے ایک جواہرات اور ہیرے کا جڑاؤ تخت بنوایا اس کو پندرہ ذی الحجہ ۹۲۳ھ کو شاہی دیوانخانے میں نصب کرایا۔ اس پر مسند نشین ہو کر ایک دربار عام کیا۔ جس میں تمام شاہی ملازمین امراء اور اراکین کو انعام و اکرام' خلعت شاہانہ' شمشیر و خنجر اور اسپ شاہی سب دے کر پوری طرح رعایا کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اراکین شاہی کو ان کے عہدوں کے موافق سرفراز کیا' غربا' فقرا اور یتامی و مساکین کے بھی خیرات' وظیفے مقرر کیے گئے۔ بزرگوں کے

پرانے وظیفوں میں اضافہ کر دیا اور متوکلین و گوشہ نشین بزرگوں کو بہت سے عطیات بھیج کر اپنی حکومت کی بنیادوں کو از سر نو استوار کیا۔

شہزادہ جلال کی بغاوت

ادھر شہزادہ جلال نے ابراہیم لودھی کے جاہ و جلال اور عظمت و شان سے یہ اندازہ لگا لیا کہ تمام امراء اس کی طرف ہیں اور اب شہزادہ کا سلطان ابراہیم کے تحت رہنا دشوار ہے لہٰذا وہ جونپور سے کالپی پہنچا اور بادشاہ کی بغاوت کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ اپنے چند خیر خواہوں کی جماعت کا سہارا لے کر کالپی پر قبضہ کیا اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اپنی فوج کی حفاظت' نیز زمینداروں کی دلجوئی میں اپنا وقت صرف کرنے لگا۔ اور خود کو بادشاہ جلال الدین کے نام سے شہرت دی۔ اب شہزادہ جلال نے اعظم ہمایوں' جس نے شہزادے جلال کے تحت ہی قلعہ کالنجر کا محاصرہ کر رکھا تھا اس کے نام ایک عریضہ روانہ کیا کہ ابراہیم لودھی اپنا عہد توڑ کر اب میرے آباؤ اجداد کی موروثی جائیداد مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اور مجھ کو میری مملکت سے یکسر محروم کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے لہٰذا میں آپ کو بحیثیت اپنے باپ اور چچا کے سمجھتا ہوں۔ میرا کوئی مددگار نہیں لہٰذا مجھ مظلوم کی مدد کر کے حق اور انصاف کا ساتھ دو۔ ادھر اعظم ہمایوں ابراہیم لودھی سے خوش نہیں تھا اس نے کچھ تو شہزادہ جلال کی فریاد اور کچھ اپنے انحراف کی وجہ سے قلعہ کالنجر کے محاصرہ کا خیال ترک کر دیا پھر شہزادہ جلال سے آ ملا۔ اعظم ہمایوں اور شہزادہ جلال میں کچھ عہد و پیمان ہوئے۔ پہلے جونپور اور اس کے آس پاس کے شہروں پر قبضہ کرنے کی ترکیب سوچی گئی۔ اس کے بعد دوسرے مقامات کو سر کرنے کا خیال کیا لہٰذا یہ لوگ بعجلت تمام سفر کی منازل طے کرتے ہوئے سعید خاں مبارک خاں کے فرزند جو اودھ کا حاکم تھا اس کے پاس پہنچے۔ ان کا حملہ سعید کے لئے ناقابل برداشت تھا لہٰذا وہ دار السلطنت سلطان ابراہیم کو اطلاع دینے کے لئے پہنچ گیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے حالات بیان کر دیئے ابراہیم لودھی نے ایک مختصر سے لشکر کو لے کر یہ سرکشی فرو کرنا چاہی۔ امراء کی صلاح لے کر اپنے قیدی بھائیوں کو آزاد کیا اور اسمٰعیل خاں' محمود خاں' حسین خاں وغیرہ قیدی شہزادوں کو آزاد کر کے دولت خاں کے سپرد کر دیا۔ ہر شہزادے کے لئے دو دو حرم کیے گئے اور ان کے آرام و آسائش اور طعام و قیام کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

ممالک شرقیہ کو روانگی

ان تمام حالات کو درست کر کے بادشاہ ممالک شرقیہ کی طرف چوبیس ذی الحجہ ۹۲۳ھ کو بروز پنج شنبہ روانہ ہوا' مگر اس کو راہ ہی میں معلوم ہو گیا کہ اعظم ہمایوں شہزادہ جلال سے منحرف ہو گیا اور اپنے بیٹے فتح خاں کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو گیا۔ اب ابراہیم سلطان کے دربار میں آ رہا ہے۔ ابراہیم لودھی نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا۔ جب اعظم دار السلطنت کے نزدیک پہنچا تو بہت سے اراکین و امراء کو اس کی خدمت میں استقبال کے لئے بھیجا۔ جب یہ دربار میں آیا تو اس کو انعام و اکرام و خلعت شاہانہ اور دیگر نوازشات سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ مع اعظم ہمایوں آگے بڑھا اسی دوران میں چترتولی پرگنہ کول کے ایک زمیندار جے چند نے سکندر خاں سور کے بیٹے عمر خاں سے لڑائی کی اور اس کو مار دیا۔ اس لئے سنبھل کے حاکم جے چند پر حملہ کیا اس کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس اچانک بیدار ہونے والے فتنہ کو سلا کر وہ قنوج میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس درمیان میں قنوج کے نواح کے دیگر امراء مثلاً سعید خاں اور شیخ زادہ قرلی وغیرہ بھی بادشاہ کے نیازمندوں میں شامل ہو گئے۔ ابراہیم لودھی نے اعظم ہمایوں شروانی' احمد خاں لودھی اور نصر خاں لوحانی کو ایک لشکر عظیم اور اسپ و فیل کی فوج گراں کے ساتھ جلال شہزادے کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ شہزادہ جلال ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی نعمت خاں' قطب خاں لودھی کے بہی خواہوں اور اپنے خیر خواہوں عماد الملک اور ملک بدر الدین کو کالپی کے قلعے میں چھوڑ کر تیس ہزار تجربہ کار سواروں اور ہاتھیوں کی ایک فوج لے کر آگرہ کی طرف چلا۔

ادھر شاہی امراء نے کالپی کے قلعے کو گھیر لیا تھا۔ اب شہزادہ نے کہا کہ کالپی کا بدلہ لینے کے لئے وہ آگرہ کے قلعے کو تباہ و برباد کرنا شروع

کرے، لیکن اسی عرصے میں ملک آدم جو بادشاہ کی طرف سے قلعہ آگرہ کی حفاظت کے لئے متعین کیا گیا تھا وہ آگرہ کے آس پاس پہنچ گیا۔ ملک آدم نے جلال خاں سے کچھ ایسی چاپلوسی کی باتیں کیں کہ وہ آگرہ کو برباد کرنے کا خیال چھوڑ بیٹھا۔ ملک آدم کے بعد علاؤ الدین جلوانی کا بیٹا ملک اسمٰعیل اور کبیر خاں لودھی بہادر خاں لوحانی اور دیگر امراء بھی لشکر جرار کے ساتھ آگرہ آگئے اور ان کی وجہ سے ملک آدم کی ہمت افزائی ہوگئی اور اب اس نے جلال خاں سے صاف بات یہ کی کہ اگر شاہانہ لوازمات چتر شاہی اور تخت و تاج کی لالچ کو دل سے نکال دو اور صرف کالپی کی حکمرانی پر قناعت کرو تو بادشاہ ابراہیم سے تمہارا قصور معاف کرا دیا جائے۔ شہزادہ جلال اس صلح پر راضی ہو گیا اس نے اپنا سارا سامان بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور اس کو سارے حالات سے آگاہی ہوئی اس عرصے میں بادشاہ نے کالپی کو فتح کر لیا تھا اور وہ اٹاوے میں قیام پذیر تھا۔ بادشاہ نے اس مشورے کو قبول نہ کیا وہ شہزادے جلال کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے چلا۔ ادھر شہزادہ نے پریشان ہو کر راجہ گوالیار کے پاس جا کر پناہ لی۔ بادشاہ نے آگرہ میں قیام کیا اور سلطان سکندر کے بعد آگرہ کی سلطنت کمزور ہو گئی تھی۔ اس کی از سر نو تنظیم کی امراء نے مخالفت کو ختم کر کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی اور ہمیشہ کے لئے بادشاہ کے ملازموں میں شامل ہو گئے۔

گوالیار کی طرف روانگی

بادشاہ نے ہیبت خان گرگ انداز' کریم داد توغ' دولت خاں اندار یہ کو دہلی کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ادھر شیخ زادہ جھو کو اطلاع دی کہ وہ چندیری کا محافظ ہے اور شہزادہ محمد خاں کو سلطان ناصر الدین مالوی کے نواسے کی خدمت میں وکیل سلطنت کی حیثیت سے بھیجا۔ اسی دوران میں بادشاہ ابراہیم اپنے باپ کے زمانے کے مشہور قاضی اور نامی امیر بھورا میاں سے خواہ مخواہ خفا ہو گیا تھا۔ ادھر میاں بھورا نے اپنی سابقہ خدمات کا حوالہ دے کر گلو خلاصی کی بھی کوشش نہیں کی لہٰذا اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ میاں بھورا کو قید کر کے ملک آدم کو دے دیا گیا اور اس کی جگہ پر اس کے بیٹے کو مقرر کر دیا اور خود گوالیار کا قلعہ فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔

قلعہ گوالیار کی فتح

اعظم ہمایوں کڑہ کے حکمران کو تیس ہزار سواروں اور تین سو ہاتھیوں کی جمعیت میں گوالیار بھیجا اس کے بعد آٹھ امراء اور دیگر فوجی سپاہ کو شروانی کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ شہزادہ جلال خاں بہت خوفزدہ ہو گیا وہ وہاں سے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں مالوہ چلا گیا۔ شاہی لشکر نے گوالیار پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کیا۔ گوالیار کا راجہ مان سنگھ بہت شجاع اور بہادر تھا اس کا انتقال ہو چکا تھا اب اس کی جگہ اس کا بیٹا بکرما جیت تخت نشین تھا۔ اس نے قلعہ کو مضبوط کرنے کی بہت کوشش کی' اس نے قلعہ کے نیچے ایک خوبصورت عمارت بنوائی تھی اور اس کے آس پاس ایک چار دیواری بنا کر اس مکان کو سادل گڑھ کا نام دیا تھا ایک عرصے کی کوشش کے بعد مسلمانوں نے اس راستہ سے نقب لگانا شروع کیا اس میں بارود بھر کر قلعہ کی دیوار کو اڑا دیا دیوار کے گرتے ہی مسلمان سپاہیوں نے اس عمارت پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ پر ایک گائے کی مورتی نصب تھی۔ ہندو جس کی پرستش کرتے تھے اس کو شاہی فرمان کے مطابق قلعہ آگرہ میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے وہاں سے اسکو دہلی روانہ کر دیا اور دروازہ بغداد پر نصب کر دی گئی۔ اکبر بادشاہ کے عہد تک یہ مورتی اسی جگہ پر نصب رہی۔

شہزادہ جلال کا قتل

اسی عرصہ میں شہزادہ جلال پھر مالوہی کے برتاؤ سے دل برداشتہ ہو گیا وہ وہاں سے بھی فرار ہو کر راجہ گوالیار بریا (۱) کے پاس پہنچا۔ یہاں گونڈوں کا ایک گروہ شہزادہ جلال کو پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں لائے اور بادشاہ نے اس کو ہانسی کے قلعہ میں بھیجا' مگر راستہ ہی میں لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے باپ کے وقت کے امراء سے بھی بدگمان ہوا اور ابراہیم لودھی نے بہت سے امراء کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد اعظم ہمایوں اور اس کا بیٹا فتح خاں جو عنقریب قلعہ فتح کرنے والے تھے دونوں کو بلوا کر قید کر لیا۔ اور اعظم ہمایوں کا دوسرا بیٹا جو

کڑہ کا حاکم تھا اور اسلام خاں کے نام سے موسوم تھا اس کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کر دیا گیا۔ باپ کے قید ہونے کی خبر سن کر وہ بہت ناراض ہوا اور بہ بانگ دہل مخالفت شروع کر دی۔ اسلام خاں نے احمد خاں شقدار پر بھی قابو پا لیا۔ اسی دوران میں گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا اور تقریباً پورے سو سال کے بعد یہ ہندوؤں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمان حکمران کے ہاتھ میں آ گیا۔

سعید خاں اور اعظم ہمایوں کی بغاوت

بادشاہ اب کڑہ کی بغاوت کو دور کرنے کی تدبیر کرنے لگا اسی عرصہ میں مبارک خاں کے لڑکے سعید خاں اور اعظم ہمایوں لودھی نے بغاوت شروع کر دی۔ یہ لوگ اپنی جاگیروں سے لکھنؤ پہنچے اور اسلام خاں سے بذریعہ خط و کتابت سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔ اس طرح بغاوت کی آگ کو اور ہوا دی بادشاہ نے ان حالات کا مطالعہ کرکے آس پاس سے تمام لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اعظم خاں ہمایوں لودھی کے بھائی احمد خاں پر شاہانہ نوازشات کرکے اس کی سرکردگی میں بہت مشہور امراء کو اس بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر قنوج کے نزدیک قصبہ بانگر مئو میں پہنچا۔ اقبال خاں جو اعظم ہمایوں کا غلام تھا پانچ ہزار مسلح ہاتھی اور بہت سی فوج لے کر احمد خاں کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اقبال خاں نے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور بہتوں کو زخمی کر دیا پھر میدان سے بھاگ نکلا۔ بادشاہ نے شاہی لشکر کی یہ بے حرمتی سنی تو بہت ناراض ہوا اور ان امراء کے پاس پیغام بھیجا کہ جب تک تم سب یہ بغاوت دور کرکے نہ آؤ گے تم میری نگاہ میں بھی سرکش اور باغی بنے رہو گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک اور لشکر جرار مدد کے لئے روانہ کر دیا۔

دشمنوں نے بھی فوجی سپاہ کثیر تعداد میں قائم کر لی اور مقابلہ کے لئے ایک دوسرے کے سامنے آئے نزدیک تھا کہ یہ فریقین آپس میں معرکہ آرا ہوں کہ شیخ راجو بخاری جو زمانہ کے بہت بڑے پیشوا تھے وہ درمیان میں آ گئے اور دونوں لشکروں کو جنگ جوئی سے باز رکھنے کی صلاح دی۔ دشمنوں نے کہا کہ اگر بادشاہ ہمایوں اعظم کو قید سے چھوڑ دے تو پھر ہم بھی ابراہیم لودھی سے معرکہ آرا نہ ہوں اور کسی دوسرے حکمران سے جنگ کریں گے، مگر بادشاہ نے یہ شرط منظور نہ کی اور دو امراء یعنی نصیر خاں لوحانی اور شیخ زادہ قرلی کے پاس فرمان بھیجا کہ وہ بھی احمد خاں کی کمک کے لئے مہم پر روانہ ہوں اور دشمن کو تباہ و برباد کرنے کی پوری پوری سعی کریں۔ ادھر دشمن جلال شاہی اور اس کی خوش بختی کا اندازہ کیے بغیر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور ایک خونریز جنگ کے بعد شکست کھا کر سرکشوں کو میدان جنگ سے منہ موڑنا پڑا۔ اقبال خاں لڑائی میں مارا گیا اور سعید خاں پکڑا گیا اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی۔ ان کی تمام ملکیت اور مال و متاع بادشاہ کے قبضہ میں آیا۔ مگر اس کے بعد بھی بادشاہ کا دل اپنے امراء کی طرف سے صاف نہ ہوا اور ان سے مخالفت بڑھتی ہی گئی۔ بادشاہ نے قیدی امراء کو نہ چھوڑا جب اعظم خاں ہمایوں اور میاں بھورا جیسے نامی گرامی امیر حالت قید ہی میں ملک عدم کو سدھارے تو اس سے سلطنت کے امراء کے دل پر چوٹ لگی۔ حاکم بہار دریا خاں لوحانی' خاں جہان لودھی' میاں حسن قرلی وغیرہ نے بادشاہ کی خیر خواہی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے ہی ایما سے حاکم چندیری حسن قرلی کو' شیخ زادوں نے ایک رات قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے امراء کو اور برگشتہ کیا اور ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی اب بادشاہ سے تمام امراء بالکل ناامید ہو گئے۔

تھوڑے عرصے بعد دریا خاں لوحانی کا انتقال ہو گیا۔ اس کا فرزند بہادر خاں باپ کا جانشین ہوتے ہی ابراہیم لودھی سے منحرف ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سلطان محمد کے نام سے مشتہر کیا اس نے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا دیگر امراء جو بادشاہ سے بد دل اور منحرف ہو گئے تھے وہ سب کے سب محمد شاہ سے آ کر مل گئے۔ محمد شاہ تقریباً ایک لاکھ کی جمعیت اور سپاہ کا مالک بن بیٹھا اس کی ملکیت میں بہار سے لے کر سنبھل تک سب شامل ہو گئے۔ اسی دوران میں غازی پور کا حکمران نصیر خاں بھی شکست کھا کر محمد شاہ سے جا ملا اور کئی ماہ تک مسلسل اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری رہا۔ شاہی امراء سے بارہا یہ لوگ برسرپیکار ہوئے مگر ہر بار شاہی سپاہ کو شکست ہوئی اور محمد شاہ غالب آیا۔ اسی عرصہ میں دولت خاں لودھی کا بیٹا غازی خاں لاہور سے بادشاہ کے نیاز میں حاضر ہوا' مگر اس سے منحرف ہو کر باپ کے پاس

چلا گیا- مگر دولت خاں کے لئے بادشاہ کے عتاب اور غیظ و غضب سے بچنا محال تھا اسی باعث اس نے حضرت فردوس مکانی سے جو کابل میں تھے درخواست کی کہ وہ ہندوستان کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں اور ہندوستان کا رخ کریں- دولت خاں نے سب سے پہلے ابراہیم لودھی کے بھائی علاؤالدین (۲) کو بہت منت سماجت کر کے اپنے پاس بلوایا وہ اس وقت بابری مقربین میں شامل تھا اور پھر اپنے بہت سے ملازمین اعزاء اور اقرباء کے ساتھ علاؤ الدین کو دہلی روانہ کیا-

سلطان جلوانی اور دیگر لودھی امراء جو ابراہیم لودھی سے یک قلم مایوس ہو گئے تھے وہ سب علاؤ الدین سے آ کر مل گئے- یہ چالیس ہزار کا لشکر یکجا ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر شہر کو گھیر لیا- بادشاہ کو اس واقعہ کی جیسے اطلاع ہوئی اس نے ایک جماعت کو مقابلہ کے لئے بھیجا جب چھ کوس کا فاصلہ رہ گیا- تو علاؤ الدین نے شاہی سپاہ پر شبخون مارا اور صبح ہونے تک تمام شاہی سپاہ کو منتشر کر دیا- ابراہیم لودھی کے بعض امراء اسی رات علاؤ الدین کی حمایت میں اس کی طرف آ گئے، مگر ابراہیم لودھی نے ہمت نہ ہاری اور سراپردہ شاہی کے نزدیک کھڑے ہو کر معرکہ آرائی میں مشغول رہا- جب صبح ہوئی تو علاؤ الدین کے لشکر نے جیسے ہی لوٹ مار شروع کی اسی وقت ابراہیم نے فوراً حملہ کر دیا پہلے ہی حملہ میں حریف بھاگ گیا- اب سلطان علاؤ الدین اور باقی ماندہ سپاہ شکست کھا کر پنجاب کی طرف روانہ ہوئی اور ابراہیم لودھی دہلی میں مقیم رہا-

۹۲۳ھ میں فردوس مکانی نے ہندوستان پر حملہ کیا' پانی پت کے میدان میں خونریز معرکہ آرائی ہوئی جیسا کہ آگے مفصل طور پر بیان کیا جائے گا دونوں میں شدید مقابلہ ہوا- بابر کو فتح حاصل ہوئی اور ابراہیم لودھی میدان جنگ میں مارا گیا- دہلی کی حکومت صاحبقران امیر تیمور کی اولاد کے پاس منتقل ہو گئی-

ابراہیم لودھی کا انتقال

ابراہیم لودھی بابر کے ساتھ معرکہ آرائی کرتے ہوئے پانی پت کے میدان میں کام آیا اور اس طرح اس خاندان کی تاریخ مکمل ہو گئی اس نے بیس (۳) سال تک حکومت کی-

حوالہ جات

۱- گذبریا- گذھ کشکہ اصل میں گوڈوانے کو کہتے ہیں-

۲- یہ فرشتہ کی غلطی ہے علاؤ الدین یا عالم خاں لودھی سلطان ابراہیم لودھی کا چچا تھا-

۳- یہ کاتب یا مورخ کی غلطی ہے- سلطان ۹۲۲ھ کے آخر میں تخت نشین ہوا- ۹۳۲ھ کے وسط میں مارا گیا اس لئے کچھ کم نو سال-

سلاطین مغل

سلاطین مغل کے حالات

ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ غازی

ابتدائی حالات

سلطان ابو سعید مرزا عراق میں جب شہید ہو گیا تو اس نے اپنے پیچھے گیارہ بیٹے چھوڑے جو اپنی عقلمندی اور شجاعت کے لئے بہت مشہور تھے۔ ان کے نام یہ ہیں سلطان احمد مرزا' سلطان محمد مرزا' سلطان مراد مرزا' سلطان عمر مرزا اور سلطان مرزا۔ ان تمام بھائیوں میں سے صرف چار نے حکمرانی کی' باپ کے حین حیات ہی میں مختلف ممالک کے حکمران بن گئے اور خودمختاری حاصل کی۔ الغ بیگ مرزا کابل کا حاکم تھا' سلطان احمد مرزا سمرقند کا حکمران تھا۔ سلطان محمد مرزا حصار (۱) و قندوز اور بدخشاں پر حکمرانی کرتا تھا۔ اور عمر شیخ مرزا اندجان اور فرغانہ (۲) کا فرمانروا تھا۔ مغولستان کے حاکم یونس خاں نے الغ خاں کے علاوہ سب کو اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

بابر کی پیدائش

عمر شیخ مرزا فرغانہ کا عادل اور منصف حکمران تھا جب وہ یہاں نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا اس وقت یعنی ۸۸۸ھ میں اس کی بیوی قتلق نگار خانم بنت یونس خاں کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس بلند اقبال بیٹے کا نام باپ نے بابر مرزا رکھا۔ اس کی تاریخ پیدائش حسامی فراکوی نے کہی۔ ''اندر شش محرم زاد آں شہ مکرم۔ تاریخ مولدش ہم شش محرم۔

ابو سعید مرزا کا سلسلہ حسب و نسب امیر تیمور صاحبقراں گورگانی (۳) تک اس طرح پہنچتا ہے کہ ابو سعید مرزا بن سلطان عمیر مرزا بن میراں شاہ میرزا ابن امیر تیمور صاحبقراں زماں۔

محمد بابر کی تخت نشینی

چار رمضان دو شنبہ کے دن ۸۹۹ھ محمد بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کبوتر خانہ کی چھت پر سے گر کر جاں بحق ہوا۔ بابر مرزا نے بارہ سال کی عمر میں اندجان کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اراکین سلطنت کے صلاح و مشورہ سے اپنے آپ کو ظہیرالدین کے لقب سے شہرت دی اور فرغانے کے تخت پر اپنے باپ کا ولی عہد بن کر بیٹھا۔

باہمی خلفشار اور آویزش

عمر شیخ کے وفات پاتے ہی سلطان احمد مرزا سلطان محمد جو یونس خاں کا بیٹا تھا' محمد بابر کا حقیقی ماموں اور احمد مرزا محمد بابر کا حقیقی چچا تھا۔ دونوں نے اچانک فرغانہ پر حملہ کر دیا کیونکہ عمر شیخ ہمیشہ اپنی بہادری اور ہمت سے ان لوگوں کے حملوں کو روکتا رہا' خودان کے ملکوں کو اپنی قوت سے تباہ و برباد کرتا رہا تھا لہذا اب ان لوگوں کے لئے یہ اچھا موقع تھا۔ عمر شیخ مرزا کے امیر طغا شیرم نے سوچا کہ اس باہمی کشمکش میں کہیں بابر کو کچھ نقصان نہ پہنچے لہذا اس کو آوار کند (۴) کے پہاڑوں میں لے جا کر چھپا دے اور وہیں پناہ لے۔ تاکہ اگر اراکین سلطنت اور امراء دولت ہند کسی طرح بغاوت کر کے سلطان احمد مرزا کا ساتھ بھی دینے لگیں تب بھی اس نو عمر حکمران کو کوئی نقصان نہ پہنچے' لیکن

مولانا قاضی جو اندجان کے شرفاء کے خاندان سے تھے اور شیخ برہان الدین بلمنی کی یادگار تھے انہوں نے امیر شیرم کو اس ارادے سے باز رکھنے کو کہا اور محمد بابر کے ساتھ اندجان کے قلعے میں بند ہو گیا۔ اور تمام اراکین سلطنت نے قلعے کو دشمن کے حملے سے بچانے کے لئے حصار قلعہ کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا۔ اسی درمیان میں حسین یعقوب اور امیر قاسم قوجین جو قرغستان کو فتح کرنے کے لئے مقرر کیے گئے تھے وہ مہم سے واپس آئے اور نہایت خلوص و محبت سے بادشاہ فردوس مکانی کی خدمت سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

اسی عرصہ میں اندجان کا ایک مشہور فقیر جو فردوس مکانی کے دربار سے معتوب ہوا تھا سلطان احمد مرزا جو فردوس مکانی کا چچا تھا اس نے خجند اور فرغانہ کو قبضے میں کر لیا تھا۔ فردوس مکانی نے مولانا قاضی زوزن حسن اور خواجہ حسین کو سلطان احمد مرزا کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ظاہر ہے کہ سلطان احمد مرزا خود کو اندجان میں رہ کر حکمرانی نہ کریں گے لہٰذا اگر اس کی حکومت میرے ہی پاس رہنے دی جائے تو کیا نقصان ہے کیونکہ میں بحیثیت آپ کے بیٹے کے ہوں میں ساری زندگی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا رہوں گا۔ سلطان احمد مرزا کا دل اس درخواست سے خوش ہوا اس نے اس کو کلیتہ" قبول کرنا چاہا' مگر اس کے اراکین سلطنت اور امراء نے اس کی مخالفت کی اور قلعہ اندجان کو فتح کرنے کی سعی لا حاصل میں مصروف ہو گئے۔ اسی عالم پریشانی میں بابر کے نیک بخت نے اپنا اثر دکھایا۔ سمرقندیوں کی فوج میں گھوڑوں کی بیماری پھیل گئی جس سے ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے مر گئے اور طویلے کے طویلے خالی ہو گئے اب گھوڑوں کی تعداد میں کمی ہونے کی وجہ سے سپاہی اور لشکر کے لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ سمرقندیوں کے لشکر کا انتظام منتشر ہو گیا۔ اب سلطان احمد مرزا نے صلح و آشتی کا پکا ارادہ کر لیا اس کی طرف سے امیر درویش محمد اس کام کے بارے میں گفتگو کرنے پر مقرر کیا گیا اور فردوس مکانی کی طرف سے حسن یعقوب کے سپرد یہ خدمت کی گئی۔

دونوں امراء عیدگاہ کے میدان میں جمع ہوئے اور صلح کے بارے میں تمام معاملات طے پا گئے۔ سلطان احمد نہایت اطمینان کے ساتھ سمرقند روانہ ہو گیا' لیکن خدا کا حکم کہ راستے ہی میں راہی ملک عدم ہوا۔ اب دوسری طرف سلطان محمد بن یونس نے حملہ کیا۔ سلطان محمود اخسی (۵) گیا۔ یہاں فردوس مکانی کے بھائی جہانگیر مرزا نے اپنے آپ میں مقابلے کی ہمت نہ دیکھی اور اپنے ان امراء درویش علی مرزا قلی کو کلتاش' محمد باقر' شیخ عبد اللہ بیگ' آقا اویس لاغری' مہر غیاث الدین طغائی وغیرہ قابل اعتماد لوگوں کو لے کر کاسان کے قصبے کی طرف بھاگا۔ کاسان اویس لاغری کا پرگنہ تھا یہاں کا حاکم فردوس مکانی کا سب سے چھوٹا بھائی ناصر مرزا تھا۔ محمود خاں نے جہانگیر مرزا کا تعاقب کیا ان دونوں بھائیوں جہانگیر اور ناصر نے اسی میں اپنی سلامتی دیکھی کہ کاسان کا پرگنہ سلطان محمود کے ہاتھ میں دے دیں۔ سلطان محمود کاسان اپنے قبضے میں کر کے پھر اخسی کی طرف واپس آ گیا' مگر یہاں اس کی تدابیر سے کام نہ نکلا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کو ایک بیماری بھی ہو گئی یوں مجبوراً وہ اپنے ملک کی طرف واپس لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں کاشغر اور ختن کے حاکم شیخ ابوبکر نے آوزکند کے حدود میں حملہ کیا۔ جی بھر کر شہر اور شہر کے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی نامی گرامی اور بہادر امراء مولانا قاضی کی سرکردگی میں روانہ ہوئے یہ بھی مقابلے کی تاب نہ لا کر دوسروں کی طرح صلح و دوستی کر کے پھر اپنے وطن چلا گیا۔ اب فردوس مکانی فرغانہ آیا اور حسن یعقوب کے سپرد اندجان کی حکومت کر کے اسے مالک کل بنا دیا۔ ۹۰۰ھ میں حسن یعقوب کی باتوں اور اس کے پیدا کردہ حالات سے کچھ سرکشی اور بغاوت کے آثار نمایاں ہونے لگے لہٰذا فردوس مکانی اندجان کی طرف ایک لشکر عظیم کے ساتھ روانہ ہوا۔

مہمات

اندجان پہنچنے پر فردوس مکانی کو معلوم ہوا کہ حسن یعقوب شکار کھیلنے کے لئے سرت گیا ہوا تھا' مگر بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر وہ سمرقند سے باہر نکل گیا۔ بادشاہ نے امیر قاسم قوجین کو حسن یعقوب کی جگہ پر مقرر کر دیا۔ بادشاہ کی سپاہ کا ایک گروہ حسن کا پیچھا کرنے کے لئے گیا

حسن نے اخسی کے گرد و نواح میں اس تعاقب کرنے والے گروہ پر شب خون مارا مگر یہ اپنے ہی ایک نوکر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا- اسی سال قلعہ اشیرہ کے حکمران ابراہیم سارو (۶) نے بھی بغاوت کی اور اس نے بائیسنقر مرزا بن سلطان محمود مرزا کو اشیرہ کا حکمران بنا دیا اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا- اس پر فردوس مکانی نے اشیرہ پر حملہ کیا اور قلعہ اشیرہ کو گھیر لیا- چالیس دن کی قلعہ بندی کے بعد ابراہیم سارو ہتھیار بند ہو کر قلعے سے باہر آیا بادشاہ اس کا جرم معاف کرکے اشیرہ سے خجند روانہ ہو گیا- خجند کے حکمران نے بغیر کچھ کہے سنے اپنا قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں دے دیا- خجند سے بادشاہ شاہرخیہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنے ماموں سلطان محمود سے ملاقات کرے جو اخسی سے واپس آکر اب شاہرخیہ میں قیام پذیر تھا- محمود نے کھڑے ہوکر بھانجے کی تعظیم کی اور اس کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھا اور بہت لحاظ رکھا اور اس کی خاطرداری جی کھول کر کی- دو تین دن کے بعد فردوس مکانی پھر اوزندان واپس آیا-

بائیسنقر مرزا کی بابت یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ سمرقند کا حکمران ہو گیا ہے مگر زمانے نے اس کے ساتھ بیوفائی کی اور اس کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا- یہ اسی پریشانی کے عالم میں تھا کہ بادشاہ نے اراتیہ (۷) پر حملہ کر دیا- یہ صوبہ پہلے بادشاہ کے باپ عمر شیخ کی ملکیت میں شامل تھا مگر جب باہمی آویزش اور داروگیر ہو رہی تھی اس وقت اس صوبے پر بائیسنقر نے قبضہ کر لیا تھا- شیخ ذولنون کو بائیسقر مرزا نے یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا- اس نے قلعہ بند ہو کر اپنے آپ کو بچانا چاہا اور اس مدافعت نے بہت دن لگا دیئے- یہاں تک کہ موسم سرما شروع ہو گیا- اور اجناس کی کمی ہوئی اس کی وجہ سے فردوس مکانی نے قلعے کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور اندجان چلا آیا- لیکن دوسرے ہی سال پھر سمرقند پر حملہ کیا- لیکن بادشاہ یہاں بائیسنقر مرزا کے بھائی سلطان علی مرزا سے ملا اس کو بھی جنگجوئی اور طاقت پر بہت ناز تھا- لہٰذا دونوں حاکموں میں باہم یہ طے پایا کہ اگلے سال دونوں مل کر یعنی فردوس مکانی اور سلطان علی مرزا مل کر سمرقند کو بائیسنقر مرزا کی حکمرانی سے چھین لیں- یہ عہد کرکے دونوں حکمران اپنے اپنے ملک واپس آ گئے-

سمرقندیوں سے معرکہ آرائی

۹۰۲ھ موسم بہار کے آغاز میں دونوں دشمن پھر سمرقند پر حملہ آور ہونے کی غرض سے چل پڑے- سلطان علی میرزا فردوس مکانی سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا- بائیسنقر مرزا نے بھی بھائی کے مقابلے میں صفیں آراستہ کیں اسی دوران میں فردوس مکانی بھی نزدیک پہنچ گیا- سمرقندیوں نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ کھلے میدان میں حملہ نہ کریں بلکہ راتوں رات میدان جنگ سے بھاگ کر شہر کی طرف چل دیئے- اتفاق سے راستہ میں اس کو خواجہ التون مغل مل گیا اس نے بہت سے لوگوں کو زخمی کیا اور راستہ میں قلعہ اشیرہ پر قبضہ کر لیا- اس کے بعد فوراً ہی سمرقند چلا گیا اسی دن جنگ شروع ہوئی اور خواجہ مولانا صدر جو خواجہ جلال بیگ کے بھائی تھے ان کے ایک تیر لگا اور اس فاضل شخص نے اسی تیر سے وفات پائی- سمرقندیوں نے بھی بہت کوشش کی اور دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے- ابھی اس جنگ کا مکمل طور پر فیصلہ نہیں ہونے پایا تھا کہ خریف کی فصل آ گئی- سلطان علی میرزا بخارا چلا گیا- فردوس مکانی میدان جنگ سے آکر خواجہ دیدار کے قلعے میں ٹھہر گیا اور اسی قلعے میں قشلاق (۸) کرکے موسم سرما گزرنے کے بعد نواح سمرقند پر چڑھائی کرنے کے خیال سے شہر کا محاصرہ کر لیا- اس فرصت کے دنوں میں بائیسنقر مرزا نے مدد حاصل کرنے کے خیال سے ترکستان کے حاکم شیبانی (۹) کے پاس دوبارہ اپنا پیغامبر بھیجا اور مدد کی خواہش کی اور شیبانی خاں اس کی مدد کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا- ترکستانی لشکر خواجہ دیدار کے نزدیک پہنچا بادشاہ نے اس لشکر سے معرکہ آرائی کرنا چاہی، لیکن شیبانی خاں راستہ کترا کر دوسری طرف سے نکل گیا اور سمرقند جا پہنچا- لیکن بائیسنقر مرزا کے خراب برتاؤ سے بہت جلد دل برداشتہ ہو گیا اور وہاں سے واپس ترکستان چلا آیا- اب بائیسنقر مرزا شیبانی خاں کی کمک سے بالکل ہی مایوس ہو گیا اور دو تین سو سواروں کو لے کر خسرو خاں جو قندھار کا حاکم تھا اس کے پاس چلا گیا- فردوس مکانی کو بائیسنقر کے یہ تمام حالات معلوم ہو گئے اور اس نے سمرقند پر چڑھائی کر دی-

سمرقند کی فتح

آخر کار آخر ربیع الاول ۹۰۳ھ میں بابر سمرقند کے تخت پر بیٹھا اور اپنے قدیم رفیقوں اور اراکین کو شاہانہ نوازشات بخشیں۔ جس میں سلطان تنبل کو سب سے زیادہ انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ چونکہ بغیر جنگ کیے ہی سمرقند ہاتھ آگیا تھا لہٰذا سپاہیوں کو مال غنیمت کی شکل میں بہت کم ملا۔ سپاہی اِس ناکامی کی وجہ سے بالکل بے سروسامان ہو گئے تھے اور فوجیوں کے بہت سے گروہ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ سب سے پہلے مغلوں نے فوج کی نوکری سے علیحدگی اختیار کر لی ان کا سردار ابراہیم بیگ تھا۔ خان علی اور سلطان احمد بھی تنبل چلے گئے اور روزن حسن جو اخسی کا حکمران تھا اس کے ساتھ بھی مل کر جہانگیر مرزا کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ بابر شاہ کو یہ پیغام بھیجا گیا کہ چونکہ اخسی اب بابری حلقہ سلطنت میں شامل ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ یہ جہانگیر مرزا کو عنایت کر دیا جائے' مگر فردوس مکانی اس پیغام سے بہت برہم ہوا اور ان لوگوں کی امید کے خلاف ایسے کلمات منہ سے نکالے جو بالکل نا مناسب تھے۔ اب روزن حسن اور سلطان احمد بھی جہانگیر کے ساتھ موافقت کرکے اندجان پر حملہ آور ہوئے۔ محمد بابر شاہ نے خواجہ التون مغل کو ان لوگوں کی تنبیہہ کے لئے روانہ کیا مگر دشمنوں نے راستہ ہی میں خواجہ محل کو قتل کر ڈالا۔

علی دوست طغائی اور مولانا قاضی نے اندجان کو خوب اچھی طرح مضبوط کرکے پھر فردوس مکانی کو اطلاع دی اس دوران میں فردوس مکانی کی طبیعت خراب ہو گئی اور ضعف کی یہ حالت ہو گئی کہ پانی تک پینا محال ہو گیا۔ روئی کے پھاہے سے ہونٹوں پر پانی ٹپکایا جانے لگا' مگر بادشاہ کو اس بیماری سے نجات ملی۔ صحت پاتے ہی اس نے اندجان سے آئی ہوئی تمام عرضیاں منگائیں۔ سمرقند کا خیال چھوڑ کر بادشاہ اندجان کی طرف چل پڑا راستہ میں اس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی بیماری کی نازک حالت سن کر علی دوست طغائی اور مولانا قاضی نے ملک دشمنوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ دشمنوں نے مولانا قاضی کو قتل کرکے جہانگیر مرزا کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا ہے۔ فردوس مکانی چونکہ ابھی جلدی ہی سمرقند کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کو ہاتھ سے چھوڑ چکا تھا۔ اب اندجان کے جانے سے اور بھی ہراساں ہوا۔ امیر قاسم قوچین کو اپنے ماموں سلطان محمود کے پاس تاشقند روانہ کیا تاکہ وہ اس کی مدد کرنے کے لئے اندجان آئے۔ ادھر فردوس مکانی بھی آگے بڑھا اور چلکہ آہنگران (۱۰) میں سلطان محمود سے جا کر مل گیا۔ دونوں بادشاہ اندجان کی طرف چل پڑے اسی دوران میں جہانگیر مرزا کا سفیر بھی سلطان محمود کی خدمت میں آیا جہانگیر کے قاصدوں نے اراکین سلطان محمود کو ایسی پٹی پڑھائی کہ محمود بھانجوں کو آویزش میں چھوڑ کر خود تاشقند چلا آیا۔ اس زمانے میں بادشاہ سے بھی بہت سی سپاہ برگشتہ ہو گئی تھی لہٰذا بادشاہ کے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی۔ بادشاہ نجند سے واپس آیا یہاں ارایتہ سے محمد حسین گورگانی کے پاس ایک قاصد دوغلات روانہ کیا' لکھا کہ میرے پاس نجند میں ٹھہرنے کا موقع نہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ جاڑوں کا موسم قریہ ساغر (۱۱) میں گزاروں محمد حسین نے ان کی یہ خواہش منظور کر لی اور ساغر میں بابر کی فوج نے اپنا ڈیرہ ڈالا۔

یہاں سے بادشاہ کی فوج میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد شاہی امراء ایلاق (۱۲) کی طرف چلے گئے لہٰذا فردوس مکانی نے کچھ قلعے اپنے قبضے میں کیے مگر اس کی قسمت یونہی خوابیدہ رہی۔ بادشاہ اسی مایوسی کی حالت میں تھا کہ علی دوست کا پیغامبر قریہ ساغر خوشی اور مسرت کا پیغام لے کر پہنچا۔ علی دوست نے خط میں یہ لکھا تھا کہ میں اپنے پچھلے گناہوں پر بہت شرمندہ ہوں اور دست بستہ خواستگار معافی ہوں۔ فرغنستان (۱۳) کا قلعہ اس وقت میرے قبضے میں ہے اگر بادشاہ سلامت ادھر تشریف لائیں تو قلعہ قبضہ شاہی میں دے دیا جائے اور وہ خود بادشاہ کی خدمت میں مامور ہو جائے۔ بادشاہ اس خط کو اور قلعہ فرغنستان کو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ سمجھ کر فرغنستان چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ علی دوست طغائی دروازہ پر بادشاہ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ علی دوست نے بادشاہ کی ملازمت کر لی خود بادشاہ قلعے کا مالک ہو گیا اس کے علاوہ دیگر بیش قیمت اشیاء بھی بادشاہ کو دے دیں۔ بادشاہ نے امیر قاسم قوچین کو کوہستان اندجان کی طرف بھیجا اور ابراہیم سارو ویس

کو اخسی کے آس پاس روانہ کر دیا- ان امراء کے سفر کا یہ مقصد تھا- کہ عوام کو بادشاہ کے حالات و واقعات سے خبردار کریں تاکہ وہ بادشاہ کے فرمانبردار اور مطیع ہو جائیں-

بادشاہ کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اندجان کی رعایا بابرشاہ کی خیر خواہ اور فرمانبردار ہو گئی- ابراہیم سارو اور اویس لاغری نے قلعہ باب اور نزدیک قلعے اور بھی اپنے قبضہ میں کر لیے- اسی عرصے میں سلطان محمود کی فوجی کمک بھی فردوس مکانی کے پاس پہنچ گئی- روزن حسن اور سلطان احمد تنبل کو فرغنستان کی فتح اور لشکری امداد کی اطلاع ہوئی- بابر کے یہ دونوں دشمن جہانگیر مرزا کے پاس فرغنستان چلے گئے- دونوں نے قلعہ فرغنستان کو فتح کرکے ایک فوجی جمعیت کو اخسی بھیج دیا- اس گروہ اور سلطان محمود کے لشکر سے باہم آویزش شروع ہو گئی- جہانگیر مرزا کے سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد اس جنگ میں کام آئی صرف پانچ یا چھ آدمی زندہ بچے- روزن حسن اس خبر کو سن کر بہت گھبرایا چونکہ اس کے اپنے سپاہی بھی بابر کی طرف جھک رہے تھے لہٰذا وہ جہانگیر مرزا کو لے کر اندجان کی طرف چل پڑا- ناصر بیگ جو روزن حسن کا قریبی رشتہ دار تھا وہ اندجان کا حکمران تھا' ناصر بیگ نے قلعہ اندجان کو مضبوط اور مستحکم کرکے دور اندیشی کا ثبوت دیا کیونکہ وہ جلال شاہی سے واقف تھا لہٰذا بادشاہ کے پاس بلاوے کا پیغام بھیجا- اب دشمن بادشاہ کے اس جاہ و جلال سے خوفزدہ ہو گئے- جہانگیر مرزا اور سلطان احمد تنبل اوش(۱۴) کی طرف چلا گیا- روزن حسن نے اخسی کی راہ لی- فردوس مکانی اندجان میں داخل ہو گیا- اور ناصر بیگ نیز دوسرے اراکین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا-

اس واقعے سے دار الملک فرغانہ جو بہت دنوں سے حریفوں کے ہاتھ میں تھا اب ذیقعد ۹۰۴ھ میں پھر بادشاہ کے قبضے میں آگیا- چوتھے دن فردوس مکانی فرغانہ سے اخسی چلا گیا اور روزن حسن جان کی امان پا کر قلعے سے باہر آیا اور حصار روانہ ہو گیا- فردوس مکانی نے قاسم عجب کو اخسی کا داروغہ بنا دیا اور اند جان واپس چلا آیا- روزن حسن کے بہت سے نوکر بھی اس سے منحرف ہو گئے اور فردوس مکانی کے ہمراہ چلے گئے- اراکین سلطنت نے کہا کہ اکثر بہی خواہوں کو ایسی جمعیت نے ختم کیا ہے اور مولانا قاضی جیسے جانثاروں کو قتل کیا ہے- اب اگر ان کو بادشاہ نے جان کی امان دے دی ہے مگر ان سے مال و متاع تو واپس لے لیا جائے جو انہوں نے لوٹ کر لیا تھا- اس درخواست پر بابر نے حکم دے دیا کہ جو بابری سپاہی اپنا مال و متاع کسی روزنی سپاہی کے پاس دیکھے اس کو فوراً ضبط کر لے مگر اس حکم سے مغل سپاہی بہت ناراض ہو گئے اور سارا گروہ پھر فردوس مکانی سے ناراض ہو کر کند روانہ ہو گیا-

اندجان پر دشمنوں کا حملہ

ان مغلوں نے جو غیظ و غضب کی حالت میں تھے انہوں نے سلطان احمد سے اپنی ناراضگی بیان کی اور جہانگیر مرزا شہر سلطان احمد تنبل بابری مخالفوں کے پاس پہنچے اور سب نے مل کر اندجان پر حملہ کر دیا- بابر شاہ نے قاسم قوچین کو حریفوں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا اور ایک خونریز جنگ ہوئی- امیر قاسم قوچین کو شکست فاش ہوئی- فردوس مکانی کے بہت سے امراء مارے گئے اور بہت سے قید ہو گئے- اس طرح دشمنوں نے بابری فوج کو برباد کرکے اندجان کے گرد و نواح میں داخل ہو گئے- ایک مہینے تک قلعے کو گھیرے رکھا اور میدان میں جمے رہے' لیکن جب رسائی نہ ہوئی تو پھر اوش واپس چلے گئے- ۹۰۵ھ میں فردوس مکانی نے ایک فوج تیار کی اور اوش پر دھاوا کیا- دشمن میں مقابلہ کی تاب نہ تھی اس لئے وہ دوسرے راستے سے اندجان چلے گئے- شہر کے تمام موضعوں کو تباہ و برباد کر دیا- ادھر جب فردوس مکانی کی فوج نے ترقی کرکے ایک مستحکم قلعے پر حملہ کر دیا- اس قلعے کا نام بادورد (۱۵) تھا- یہاں سلطان احمد تنبل کا بھائی سلطان خلیل حکمرانی کرتا تھا- سلطان خلیل نے مقابلے میں اپنی تمام قوت ختم کر دی' مگر ناکام رہا اور بہت خونریز جنگ کے بعد آخر اس کو مجبوراً امان طلب کرنی پڑی- قلعہ فردوس مکانی کے ہاتھ میں دے دیا سلطان فردوس مکانی نے اپنے قیدیوں کے بدلے میں اب سلطان خلیل اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کرکے اندجان بھیج دیا- اس دوران میں سلطان احمد تنبل اندجان کے آس پاس پہنچا اور چاہا کہ زینوں سے قلعے کے

اندر چلا جائے لیکن قلعے کے لوگ اس کے اس ارادے سے خبردار ہو گئے اور سلطان احمد تنبل اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ اسی عرصے میں فردوس مکانی بھی اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر آکر ٹھہر گیا۔ اب سلطان احمد تنبل نے فردوس مکانی کے پہنچتے ہی اندجان سے بھاگ کرندی کے کنارے اپنے خیمے نصب کیے بادشاہ نے بھی اس کے مقابلے میں اپنے خیمے نصب کیے۔ عرصے تک فوجیں میدان میں پڑی رہیں، چالیس دن کے بعد قریہ خوبان میں دونوں دشمنوں میں بہت خونریز جنگ ہوئی خون کے دریا بہا دیئے گئے۔ اس جنگ میں فردوس مکانی کو فتح حاصل ہوئی۔ جہانگیر مرزا اور سلطان احمد تنبل میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ فردوس مکانی مظفر و منصور اندجان میں داخل ہو گیا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سلطان محمود کی سپاہ پانچ چھ ہزار سواروں کی جمعیت میں جہانگیر مرزا کی مدد کے لئے آ رہی ہے اور کاسان کے قلعے کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ بادشاہ نے عین سردیوں کے موسم میں جبکہ سردی سے بدن میں خون جم رہا تھا اور زمین پر پانی جم کر برف بن جاتا تھا اور اس وقت کاسان کا رخ کیا۔ امدادی لشکر جو جہانگیر مرزا کے پاس جا رہا تھا فردوس مکانی کی آمد کی خبر سن کر ہی واپس چلا گیا۔ ادھر سلطان احمد تنبل مغل سپاہ سے ملنے آ رہا تھا اس کو معلوم نہ تھا کہ سپاہی فردوس مکانی سے خوفزدہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اور وہ بے خیالی میں فردوس مکانی کے لشکر کے پاس چلا آیا اور دشمن کی فوج میں آکر پھنس گیا۔ اب سوائے جنگ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا لہٰذا اس نے سوچا کہ صبح معرکہ آرائی کرے گا، مگر یہ اتنا بدحواس اور ہراساں تھا کہ رات ہی میں وہاں سے بھاگ گیا، فردوس مکانی نے اس کا پیچھا کیا۔

سلطان احمد تنبل قلعہ پشخار (۱۶) کے نیچے ٹھہرا اور اس کے مقابلے کے لئے بادشاہ نے بھی اپنے خیمے وہیں لگا دیئے۔ تین چار دن کے بعد علی دوست طغائی اور قنبر علی جو دونوں فوج کے بہت اہم افسر تھے اور سب سے زیادہ معزز اور نیک دل تھے، مگر دل سے فردوس مکانی کے قائل نہ تھے لہٰذا صلح کی بات چیت شروع ہوئی اور ان امراء کی کوشش سے یہ طے پایا کہ جہانگیر مرزا دریائے خجند سے اخسی تک حکومت کرے۔ اور اندجان و کند کے مقامات پر فردوس مکانی کا قبضہ رہے اور جب بادشاہ سمرقند کو فتح کر لے تب اندجان بھی جہانگیر مرزا کی حکمرانی میں دے دے۔ یہ معاملات طے کر کے سلطان احمد تنبل اور جہانگیر مرزا فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں طرف کے قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس واقعے کے بعد فردوس مکانی اندجان چلے آئے اور یہاں پر علی دوست طغائی جو جاہ و حشم اور دولت و ثروت کی وجہ سے بہت مغرور ہو گیا تھا اس نے اب سرکشی بھی کرنا شروع کی تھی۔ لہٰذا بادشاہ کو اطلاع دیئے بغیر امیر خلیفہ کو شہربدر کر دیا۔ اور ابراہیم سارد اور اویس لاغری سے بھی بہت سخت طریقے پر باز پرس کی۔ اس کے بیٹے دوست محمد نے اپنے طور طریقے سب شاہانہ اختیار کیے۔ فردوس مکانی نے اس کے آس پاس لوگوں کی جمعیت اور فوج و قوت دیکھ کر اس کو تنبیہہ کرنا درست نہ سمجھا۔

محمد مرید ترخان

اسی عرصے میں سلطان علی میرزا کا ایک قابل اعتماد امیر محمد مرید ترخان اپنے بادشاہ سے ڈر کر سلطان محمود مرزا کے بیٹے جان میرزا سے جا کر مل گیا۔ محمد مرید ترخان نے جان میرزا کو بہت سبز باغ دکھائے حتیٰ کہ اس کو سمرقند کے میدان جنگ میں لا کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گیا، مگر جان میرزا ہار گیا اور محمد مرید ترخان میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ اس مرتبہ شکست کے بعد مرید خان نے فردوس مکانی کو سمرقند فتح کرنے کی ترغیب دی اور بابر شاہ نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور شہر پر دھاوا کیا، راستہ میں اس سے ترخان بھی مل گیا۔ پھر بادشاہ نے دیگر امراء کے مشورے سے ایک قاصد خواجہ قطب الدین یحیٰ قدس سرہ کے پاس بھیجا جن کے ہاتھ میں سمرقند کی عنان حکومت تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب بابری فوج سمرقند کے آس پاس آ جائے گی اس وقت بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام ہو جائے گا۔ ادھر ایسا اتفاق ہوا کہ فردوس مکانی کا ایک معتمد امیر اس سے منحرف ہو گیا اور سمرقند پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے خواجہ یحیٰ کے ارادے کا حال بتا دیا لہٰذا بادشاہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر فردوس مکانی کے کچھ امراء اس سے منحرف ہو گئے تھے وہ علی دوست طغائی کی وجہ

سے سرکش ہو گئے تھے اب آ کر بادشاہ سے مل گئے اور ان پرانے نمک حلال ملازموں سے علی دوست کے متعلق بادشاہ کو ایسی ایسی ناقابل توقع باتیں سنائیں کہ بادشاہ یک لخت علی دوست سے سخت ناراض ہوا اور بادشاہ نے اس کو اپنے دائرہ مقربین سے بالکل علیحدہ کر دیا۔ پھر علی دوست اپنے بیٹے محمد دوست کو ساتھ لے کر سلطان احمد تنبل کے دربار میں مقرب خاص ہو کر چلا گیا' مگر خدا کی مرضی کہ وہ اس کے بعد جلدی ہی ختم ہو گیا۔

سمرقند پر شیبانی خاں کا قبضہ

جب شیبانی خاں نے بخارا کو فتح کر کے سمرقند پر نظر کی تو سلطان علی مرزا نے اپنی ماں کے مشورے سے بغیر کسی جنگ و جدل کے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ فردوس مکانی کو راستہ میں یہ بات معلوم ہوئی اور وہ بلدہ کش (۱۷) روانہ ہو گیا اور کش سے پھر حصار پہنچا۔ محمد مرید خان اور دیگر امراء نے اب سمرقند کو فتح کرنے کی خواہش چھوڑ دی اور فردوس مکانی کے پاس سے علیحدہ ہو کر خسرو شاہ کے پاس چلے گئے۔ یہ لوگ جغانیاں پر بادشاہ سے الگ ہو گئے تھے اب فردوس مکانی کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر خدا پر بھروسا کر کے ملک خسرو کے پاس سے ہوتے ہوئے سرماق (۱۸) کی طرف چلا۔ اس سفر میں فردوس مکانی بہت دقتوں اور مشکلات سے ایلاق تک پہنچا' بہت سے اونٹ اور گھوڑے مر گئے چونکہ بادشاہ کے پرانے ملازم اس سے جدا ہو گئے تھے لہٰذا تھوڑی سی فوج تقریباً دو سو چالیس سوار رہ گئے تھے لہٰذا بادشاہ نے اراکین سلطنت کے ساتھ ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ شیبانی خاں نے ابھی ہی سمرقند پر قبضہ کیا ہے لہٰذا اہل سمرقند ازبکوں سے اچھی طرح مانوس نہ ہوئے ہوں گے۔ اب اگر فردوس مکانی خفیہ طور پر سمرقند میں داخل ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کو بتائے کہ سمرقند بابر کا موروثی ملک ہے تو شاید وہاں کے باشندے اس سے موافقت کریں اور اگر وہ دوست نہ بن سکے تو ظاہر ہے کہ دشمنی بھی نہ کر سکیں گے پھر اگر خداوند کریم نے کامرانی بخشی تو تمام واقعات پھر اسی طرح ظہور پذیر ہوں گے۔

فردوس مکانی اس خیال کو عملی جامہ پہنانے پر مستقل ہو گیا اور راتوں رات حملہ کر دیا اور یورت خاں (۱۹) میں پہنچ گیا۔ پھر یہ معلوم کر کے کہ شہر کے لوگوں کو بابر شاہ کے آنے کی خبر ہو گئی ہے تو شہر سے کچھ دور جا کر قیام کیا۔ اسی رات فردوس مکانی نے خواب دیکھا کہ خواجہ ناصرالدین عبد اللہ قدس سرہ بابر کے دربار میں آئے ہیں اور بابر نے ان کا شاندار استقبال اور ان کو صدر مجلس بنا کر بٹھایا۔ اس کے بعد ان کے سامنے ایک ایسا دستر خوان بچھایا گیا جو ان کے مناسب حال نہ تھا لہٰذا خواجہ صاحب کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے بابر شاہ کی طرف دیکھا' بادشاہ نے اشارے سے ان سے معافی مانگی اور انہیں یقین دلا دیا کہ یہ خواں سالار کی غلطی ہے۔ حضرت خواجہ نے بابر شاہ کی غلطی کو قبول کر کے معاف کیا اور بابر شاہ کو گود میں اٹھا لیا اور زمین سے اتنا اونچا کیا کہ بادشاہ کے پاؤں زمین سے قدرے بلند ہو گئے۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ سمجھ گیا کہ اب دل کا مطلب حاصل ہو گیا لہٰذا اس نے فوراً سمرقند پر حملہ کیا اور آدھی رات گئے مغاک کے پل پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسی (۸۰) سپاہیوں کو آگے بھیج دیا۔ اور اس کے آگے جانے والی سپاہ نے غار عاشقاں کی طرف سے فصیل تک زینے لگا دیئے اور شہر کے اندر داخل ہو گئی یہ لوگ دروازہ فیروز تک جا پہنچے۔

ترخان نیز دیگر محافظ قتل کر کے ان لوگوں نے شہر میں جانے کا راستہ ہموار کر لیا۔ فردوس مکانی دو سو چالیس سواروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ ہر گلی کوچہ میں شور و غل بپا ہو گیا۔ جو لوگ بیدار تھے انہوں نے فردوس مکانی کا اچھی طرح استقبال کیا۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ سمرقند کا مورث اعلیٰ آ پہنچا ازبکوں کو لوگوں نے جہاں پایا وہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بابر کی کامیابی اور اسکے اسباب

شہر کا حکمران خان وفا ازبکوں کے ایک گروہ کے ساتھ باہر نکلا تمام ازبک غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے یہ سب خواجہ قطب الدین یحییٰ کے مکان سے باہر نکلے تھے اور شیبانی خاں سے جا کر مل گیا۔ جو تقریباً سات آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ دیدار میں مقیم تھا' اس

نے سارا واقعہ شیبانی خاں کو سنا دیا- شیبانی خاں نے فوراً ہی حملہ کر دیا ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ علی الصبح آہنی دروازے پر پہنچ گیا- مگر یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ اب وقت گزر چکا ہے- اور کوشش بھی بیکار ہو گی لہٰذا مایوسی کے عالم میں واپس چلا آیا- سمرقند کے تمام امراء اور اراکین سلطنت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے فتح و کامرانی پر مبارک باد دی- مولانا شائی جو شیبانی خاں کے نوکر تھے اب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- خواجہ ابو البرکات سمرقندی جو آخر وقت میں دکن میں آکر شاہ طاہر کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے تھے اور اپنے فضل و کمال اور آداب مجلس کی وجہ سے عالگیر حیثیت رکھتے تھے وہ فردوس مکانی کی بارگاہ میں مشرف ہوئے- واقعات بابری جو ترکی زبان میں خود فردوس مکانی کی تصنیف ہے- اس میں لکھا ہے کہ جس طرح وہ خود چپکے سے سمرقند پر قابض ہو گیا اسی طرح حسین مرزا نے ہرات پر قبضہ کیا تھا لیکن ارباب بصیرت کو معلوم ہے کہ میری اور حسین مرزا کی فتح میں بہت فرق ہے- بادشاہ نے اپنی کامیابی کے یہ اسباب بیان کیے ہیں-

(۱) حسین مرزا بہت تجربہ کار اور جنگجو فرمانروا تھا-

(۲) اس کا حریف یادگار محمد خاں ناتجربہ کار اٹھارہ سالہ نوجوان تھا جو دنیا کے حالات سے اتنی واقفیت نہ رکھتا تھا-

(۳) حسین مرزا کو خود امیر علی میر آخور جو دشمن کے پاس تھا اس نے ہی حملہ کرنے کی دعوت دی تھی-

(۴) جس وقت حسین مرزا نے حملہ کیا تو یادگار محمد باغ زاغاں میں شراب و کباب میں مصروف تھا اور تین محافظ جو صدر دروازے پر تھے وہ بھی اپنے بادشاہ کی طرح مست اور سرشار تھے-

(۵) حسین مرزا نے پہلے ہی حملے میں حریف کو غافل پایا اور شہر پر قبضہ کر لیا-

بادشاہ لکھتا ہے کہ حسین مرزا کے ان حالات سے میرے حالات کا مقابلہ کیا جائے تو بہت فرق ہو گا میں اس وقت ایک انیس سالہ نوجوان تھا- اور میدان جنگ میں بھی طفل مکتب اور میرا دشمن تجربہ کار آدمی شیبانی خاں تھا- نہ بادشاہ کو سمرقند کے حالات کی اطلاع تھی اور نہ وہاں کے لوگوں نے بادشاہ کو سمرقند فتح کرنے کی دعوت ہی دی تھی- گو کہ اہل سمرقند بابر شاہ کی طرف رجوع ہونے کی خواہش رکھتے تھے، مگر شیبانی خاں کی وجہ سے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ دو حرف منہ سے نکالے- اور پھر جب بابر شاہ قلعہ میں داخل ہوا تو جان وفا جو بہت جنگجو تھا اور رستم سہراب سے بھی خود کو زیادہ سمجھتا تھا وہ خونخوار ازبکوں کے گروہ کے ساتھ قلعے میں موجود تھا- بابر نے عین حفاظت کے وقت محافظوں کو ختم کر کے قبضہ کیا اور جان وفا کو باہر نکالا- پہلی دفعہ جب بادشاہ نے سمرقند پر حملہ کیا تھا تو لوگوں کو خبر ہو گئی تھی اب دوسری مرتبہ لوگوں کی باخبری نے بڑا کام کیا اور کچھ خدا کی مہربانی کہ اس کو کامرانی حاصل ہوئی- بادشاہ کہتا ہے کہ اس عبارت سے محض حقیقت حال کا بیان منظور ہے کسی کو نیچا دکھانا مقصود نہیں جو بات صحیح تھی وہ زبان قلم سے ادا ہو گئی-

فرشتہ کا خیال ہے کہ بابر شاہ کو جس طرح سمرقند پر فتح حاصل ہوئی وہ امیر تیمور صاحبقران کی ایک فتح سے مشابہت رکھتی ہے یعنی شہر قرشی کو بھی امیر تیمور نے اسی انداز سے فتح کیا تھا- کیونکہ صرف دو سو ستالیس سواروں کی فوج امیر تیمور کے پاس تھی اس نے اس مہم کو صرف ایک ہی رات میں جیت لیا تھا، لیکن بابر شاہ نے امیر تیمور کا پاس و ادب کرتے ہوئے اس کی مہم کا ذکر نہیں کیا- کیونکہ امیر تیمور نے جب فتح کیا تو اس وقت کوئی حکمران شہر کے اندر موجود نہ تھا- قرشی کے امراء سلطنت میر موسیٰ اور میر حسین سب شہر سے باہر تھے اور شہر میں میر موسیٰ کا کم عمر بچہ محمد بیگ موجود تھا ظاہر ہے کہ اس صورت میں صاحبقران کا قرشی کا ختم کر لینا کوئی کمال نہیں تھا- اسی باعث فردوس مکانی سے اپنی فتح سمرقند سے فتح قرشی کا موازنہ بھی نہیں کیا ورنہ شاید امیر تیمور صاحبقران کی تحقیر کا امکان تھا-

شیبانی خاں کے خلاف اقدامات

غرضیکہ جب فردوس مکانی نے سمرقند پر قبضہ کر لیا- شیبانی خاں بخارا چلا گیا اور محمد مرید خاں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور قلعہ (۲۰)

قرشی اور خضار کو ازبکوں کے ہاتھ سے لے لیا۔ ادھر ابو الحسن مرزا نے مرو اور کش سے حملہ کر کے قراکول پر قبضہ کر لیا۔ بابر شاہ نے حسین مرزا اور دیگر حکمرانوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور ان سے کمک مانگی تاکہ پھر شیبانی خاں کو ماوراء النہر سے باہر نکال دیا جائے۔ سلطان حسین مرزا بدیع الزمان مرزا اور خسرو خان وغیرہ نے بادشاہ کے پیام کا کچھ پاس ادب نہ کیا اور بقیہ حکمرانوں نے جو مدد بھیجی وہ اس لائق نہ تھی کہ فردوس مکانی اس کو لے کر شیبانی خاں جیسے فرمانروا کے مقابلے میں جائے۔ سردیوں کے موسم میں شیبانی خاں نے تھوڑی فوج جمع کر کے قراکول اور اس کے گرد و نواح کے موضعوں پر قبضہ کر لیا۔ اب مجبوراً فردوس مکانی کو آگے بڑھنا پڑا اور بادشاہ نے ۹۰۶ھ شوال کے مہینے میں اپنی فوج درست کی اور باقی امدادی فوج لے کر شیبانی خاں سے معرکہ آرا ہونے کے لئے سمرقند سے چل کھڑا ہوا کاروزن (۲۱) کے پاس دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ دونوں فوجوں نے حد سے زیادہ کوشش اور جانبازی دکھائی۔ اب جہانگیر' حسین مرزا اور محمود خاں بن یونس خاں کی بھیجی ہوئی امدادی فوج ادھر ادھر بکھر گئی۔ اور فردوس مکانی کے پاس صرف دس یا پندرہ آدمی میدان کار زار میں باقی بچے۔ لہٰذا انہوں نے خود جنگ کو طول نہ دیا اور سمرقند واپس چلے آئے۔

فردوس مکانی کے بہت سے باعزت مصاحبین اور مقربین اس معرکے میں شہید ہو گئے۔ مثلاً ابراہیم خان' ابراہیم سارد' ابو القاسم' حیدر قاسم' میر قاسم قوچین' غدائی ردی۔ سلطان احمد تنبل کا بھائی' سلطان خلیل وغیرہ۔ شیبانی خاں نے سمرقند کے قلعے کے نیچے ڈیرا ڈالا اور اس کے بعد لڑائی کا آغاز کیا۔ فردوس مکانی نے الغ بیگ مرزا کے مدرسے میں ٹھہرنا مناسب سمجھا تاکہ جس طرف مدد کی ضرورت ہو اسی طرف خبر لی جائے بعض اوقات قلعے کے لوگوں اور شیبانی جمعیت میں لڑائی بھی ہو جایا کرتی تھی اس جنگ میں فوج بیگ' تواماں کو کلتاش اور کل نظر طغائی جیسے بابری سرداروں نے بڑی ہمت اور شجاعت دکھائی۔ شیبانی خاں نے اسی طرح تین چار مہینے گھیرے رکھا اور قلعے کے لوگوں کو جی بھر کر پریشان کیا۔ اس محاصرے سے قلعے میں بیماریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شہر کے لوگ قحط سے تنگ آ گئے دانہ دانہ کی مصیبت ہو گئی' اجناس اور گھی وغیرہ بالکل نایاب ہو گیا' زمین خشک تھی غلہ کا نام نہ تھا۔ گھوڑوں کا چارہ بھی میسر نہ آتا تھا اور سپاہی سوکھی لکڑیوں کو آری سے چھیلتے تھے اور لکڑیوں سے جو برادہ نکلتا تھا وہی پانی میں نرم کر کے گھوڑوں کو کھلاتے تھے حالانکہ اس دوران میں جبکہ محاصرہ اپنے شباب پر تھا' فردوس مکانی نے امراء خراسان' قندز' بقلان' مغلستان کے پاس پیغامبر بھیج کر کمک کی درخواست بارہا کی لیکن ان لوگوں نے ان درخواستوں پر کان نہ دیئے۔

تاشقند کو روانگی

۹۰۷ھ کے آغاز میں ایک اندھیری رات میں جبکہ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا چھایا ہوا تھا بادشاہ نے اپنے مقربین خاص خواجہ ابو المکارم کے ہمراہ سمرقند سے اندجان ہوتا ہوا تاشقند چلا گیا۔ اس کے ساتھ تقریباً سو آدمی تھے۔ اس وقت جہانگیر مرزا بھی سلطان تنبل سے جدا ہو کر اپنے بھائی سے آ کر مل گیا۔ فردوس مکانی پہلے تاشقند پہنچے میاں سلطان محمود فرزند یونس خاں نے اراپتہ کا شہر فردوس مکانی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ موسم سرما وہیں گزاریں۔ موسم بہار میں شیبانی خاں اراپتہ کے گرد و نواح میں آ گیا لوٹ مار کرنا شروع کر دی اس دوران میں فردوس مکانی اپنی زندگی بہت تنگدستی میں گزار رہے تھے لہٰذا اراپتہ میں بھی زیادہ نہ ٹھہرے اور سلطان محمود اور اس کا بھائی احمد خاں' بالچہ خاں دونوں فردوس مکانی کی مدد کے لئے روانہ ہوئے تاکہ دونوں مل کر فرغانہ کو سلطان احمد تنبل کے چنگل سے نکال کر بابر شاہ کے ہاتھ میں دیدیں۔ سلطان احمد جہانگیر مرزا کو برائے نام فرغانہ کا فرمانروا سمجھتا تھا۔ اس کی ہی حکمرانی چلتی تھی۔ لہٰذا اس نے خاموشی سے فرغانہ دے دینے سے انکار کیا اور میدان کارزار میں معرکہ آرا ہوا۔

مغل حکمرانوں نے فردوس مکانی کا ساتھ دیا اور سلطان احمد تنبل کو اوش کی طرف بھگا دیا اوش بھی بابر شاہ کے قبضے میں آ گیا۔ اس کو سر اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا' اوش اور فرغانہ پر قبضہ کر کے بابر شاہ اندجان کی طرف چل پڑا۔ سلطان احمد تنبل نے یہ خبر سنی اور مغل سردا...

ایک جنگجو لشکر لے کر چلا اور اندجان کے راستہ ہی میں دونوں لشکروں کے سرداروں کی مڈبھیڑ ہو گئی- سلطان احمد نے یہیں پر جنگ شروع کر دی دونوں سردار معرکہ آرا ہوئے' لیکن اس جنگ میں فردوس مکانی کو شکست ہو گئی اور وہ اوش کی جانب چل دیئے- سلطان احمد تنبل بہت سکون و اطمینان کے ساتھ اندجان کی طرف بڑھا- قلعہ اندجان کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی فکر میں لگ گیا فردوس مکانی کے وہ تمام سردار جو سلطان احمد تنبل کا پیچھا کر رہے تھے وہ اندجان کے نواح میں آ کر ٹھہر گئے اب بابر شاہ بھی بہت جلد وہیں پہنچ گیا-

اخسی کی حکمرانی

کچھ عرصے بعد اخسی کے باشندوں نے فردوس مکانی کو طلب کیا اور اخسی کی حکومت بادشاہ کے سپرد کر دی اور ادھر مغل سردار نواح اندجان کو چھوڑ کر ایک مناسب اور محفوظ جگہ پر آ کر ٹھہر گئے- اسی عرصے میں شیبانی خاں ایک لشکر جرار لے کر اخسی کی طرف بڑھا' بابر شاہ اپنے بھائی کے ساتھ باہر نکلا اور دوسرے سردار بھی آ کر مل گئے- سب مل کر شیبانی خاں کی قوت کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھے دونوں میں بہت خونریز جنگ ہوئی- اس جنگ میں بابر شاہ کو ہار نصیب ہوئی اور سلطان محمود خاں اور اس کا بھائی احمد خاں دونوں شیبانی خاں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے- بابر شاہ مغولستان چلا آیا اور اس جنگ کو فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں کی قوت اور ہمت و استقلال انتہائی کمال پر پہنچ گئی اب تاشقند کا حکمران بھی وہی تھا- تھوڑے دنوں بعد شیبانی خاں کو پرانے احسانات یاد آ گئے اور انہوں نے سلطان محمود اس کے بھائی احمد خاں کو رہائی دے دی- سلطان محمود اپنے ملک واپس چلا آیا گھر پہنچ کر سلطان محمود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا- اس پر امرائے خاص نے کہا کہ شاید شیبانی خاں نے آپ کو زہر دیا ہے جو ان امراض کا باعث ہے لہٰذا اب تریاق کا استعمال کرنا ضروری ہے تاکہ زہر کا اثر ختم ہو جائے- سلطان محمود نے جواب دیا کہ شیبانی خاں نے اس کو ایسا زہر دیا ہے جس کا تریاق ناممکن ہے اس نے کہا کہ شیبانی خاں نے زہر کا پیالہ پلایا ہے مگر معمولی زہر نہیں ہے اس زہر کا تو تریاق ہی نہیں مل سکتا کیونکہ یہ زہر کیا کم ہے کہ شیبانی پلک جھپکنے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا- ہم دونوں بھائیوں کو پہلے تو قید میں رکھا اس کے بعد بغیر کسی دلیل و حجت کے رہا کر دیا کیا یہ امر باعث شرم نہیں- گویا یہی سم قاتل ہے جو سارے دل و دماغ میں سرایت کر گیا ہے- اسی فکر نے ان مختلف بیماریوں کا شکار بنا رکھا ہے اب اگر ان امراض کے لئے جو میرے ذہن اور دماغ پر چھائے ہوئے ہیں کوئی تریاق مل سکے تو لاؤ میں نہایت خوشی سے کھانے کے لئے تیار ہوں-

امر محمد باقر حاکم ترمذ سے ملاقات

بابر شاہ مغلستان سے خضار اور پھر شامان آیا اور پھر یہاں سے مدینۃ الرجال یعنی شہر ترمذ کو چلا گیا- امیر محمد باقر جو ترمذ کا فرمانروا تھا اور ازبکوں کی لوٹ مار سے بہت پریشان تھا اس نے فردوس مکانی کے قدم رنجہ فرمانے کو برکت و رحمت کا سبب سمجھا' نہایت خلوص سے بادشاہ کی بارگاہ میں آیا اور بیشمار قیمتی تحفہ تحائف بطور نذرانہ دیئے- بابر شاہ نے محمد باقر سے اپنی مستقبل کی فتوحات کا ذکر کیا اور مشورہ بھی لیا' پھر خود ہی کہا کہ اب تک میں زمانے کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا قسمت کا لکھا پورا کرتا رہا دشمنوں کے تعاقب سے یہاں وہاں چھپتا چھپاتا رہا- کسی نہ کسی صورت اپنی عزت کی حفاظت کرتا رہا ہوں' لیکن اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ سوائے پریشانی اور مشکلات کے اور کچھ نہیں ہوا اور تقدیر کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا ہوں- بادشاہ نے محمد باقر سے نہایت سچا اور مخلصانہ مشورہ کیا اور کہا کہ شاید تمہارا مشورہ ہی میرے لیے نیک فال کا باعث ہو- اب خلوص دل سے جو مشورہ دو گے اسی پر عمل کیا جائے گا- محمد باقر نے نہایت ادب و لحاظ سے مشورہ دیا کہ چونکہ شیبانی خاں نے ماوراء النہر پر قبضہ کر لیا ہے اور اسی کی فتنہ و فساد کی آگ میں آپ کے دل و دماغ کا سکون جل کر رہ گیا ہے لہٰذا اب یہ کیا جائے کہ کسی دوسرے ملک میں جا کر قسمت کو آزمائیں-

کابل کا سفر

یہاں سے کابل کو فتح کر کے ازبکوں سے پیچھا چھڑائیں- بابر شاہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور ۹۱۰ھ میں وہ کابل کی طرف چل پڑا- راہ میں

بابر شاہ خسرو شاہ کی قیام گاہ کے پاس سے گزرا۔ اب خسرو شاہ اپنے پچھلے گناہوں کو معاف کرانے کے لئے ان سے ملنے آیا ادھر بابر شاہ نے چپکے ہی چپکے خسرو شاہ کی تقریباً آٹھ ہزار فوج کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اب خسرو شاہ کو جب اپنے سپاہیوں کی سرکشی کی اطلاع ملی تو بہت چکرایا' سارا مال و اسباب وہیں چھوڑ کر دو تین لوگوں کے ساتھ بدیع الزمان کے پاس آیا اور یہیں پر پناہ لی۔ تین چار ہزار مغل گھرانے جو پہلے خسرو شاہ کی رعایا تھے اب بابر شاہ کی رعیت ہو گئے۔ بابر شاہ کو تین چار اونٹ بیش قیمت جواہرات اور ساز و سامان سے لدے ہوئے جو خسرو شاہ کی ملکیت خاص تھے وہ بھی مل گئے۔ اب جب خدا نے ان کو دولت و حشمت اور شاہی لوازمات دیئے تو فردوس مکانی کابل میں داخل ہوا۔

حاکم گرم سیر کا کابل پر حملہ

ابو سعید مرزا کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق کابل کا شہر الغ بیگ مرزا کے زیر حکومت تھا۔ الغ خاں کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا اور ایک بچہ عبد الرزاق اپنا جانشین چھوڑ گیا۔ جو اپنے باپ کا جانشین ہوا اور سلطنت کا سارا انتظام ایک مغل سردار ذکی کے ہاتھ میں آ گیا۔ کابل کے امراء ذکی سے ناراض ہو گئے اور اس کو عین بقر عید کے دن قتل کر ڈالا اس شور و شغب میں کابل کا انتظام سلطنت بہت ابتر حالت میں پڑ گیا۔ امیر ذوالنون کے چھوٹے بیٹے محمد مقیم حاکم گرم سیر (۲۲) نے ہزارہ اور تکدور کا ایک عظیم لشکر لے کر پھر کابل پر حملہ کر دیا۔ عبد الرزاق میرزا محمد مقیم کا مقابلہ نہ کر سکا اور کابل چھوڑ کر لمغان کے آس پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ محمد مقیم نے کابل پر قبضہ کر لیا پھر الغ بیگ مرزا کی لڑکی سے شادی کر لی۔

بابر کا کابل پر حملہ

بہر کیف بابر شاہ نے اس خدائی امداد کے ساتھ کابل پر حملہ کر دیا۔ ادھر محمد مقیم قلعے میں چھپ گیا' لیکن پھر بدرجہ مجبوری بابر شاہ کے سامنے پڑا اور جان کی پناہ مانگی اور اپنا قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں بے چون و چرا دے دیا۔ فردوس مکانی نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ کابل کو بالکل نئے سرے سے آباد کیا۔ ۹۱۱ھ محرم کے مہینے میں بابر شاہ کی ماں قتلق نگار خانم نے وفات پائی۔ اس کے علاوہ اسی سال یہ بلائے ناگہانی نازل ہوئی کہ ایک مہینے تک مسلسل روزانہ زلزلہ آتا رہا اور اس کی وجہ سے شہر کے بہت سے مکانات اور اونچی عمارتیں گر گئیں۔ بادشاہ نے ان سب کی تعمیر کے لئے بہت کوشش کی اور از سر نو بنوائیں اس طرح بھی بہت خوشحالی اور ترقی ہو گئی۔ فردوس مکانی نے قلعہ قلات کو بھی جو قندھار کے زیر حکومت تھا اس پر حملہ کر کے ارغون اور اس کے خیر خواہوں کے ہاتھ سے نکالا اور اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ بدیع الزمان مرزا سے جو ارغون کی اولاد اور خیر خواہوں کی امداد کے لئے آیا تھا اس سے صلح و آشتی سے پیش آیا' اس کے بعد پھر کابل واپس چلا آیا۔

اسی سال بادشاہ نے قشلاقات (۲۳) اور ہزار جات پر حملہ کیا اور وہاں کے باغیوں کو پوری طرح زیر کر کے دار الخلافہ کی طرف لوٹا' اس کے بعد بادشاہ نے جہانگیر مرزا کو غزنی کی حکومت دے دی۔ مگر تھوڑے عرصے بعد وہ بھائی کی جدائی کا بہانہ کر کے پھر کابل آ گیا۔ بابر شاہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری کیونکہ اس طرح باغیوں اور سرکشوں کے سر اٹھانے کا خدشہ تھا۔ جہانگیر مرزا بابر شاہ کی ناراضگی سے دل برداشتہ ہو کر کابل سے باہر چلا گیا اور غزنی کے آس پاس میں ہزار جات اور ادیماقات (۲۴) کے درمیان جا کر رہنے لگا اور بقیہ زندگی کے دن وہیں گزارنے کا ارادہ کیا۔

خراسان کا سفر

۹۱۲ھ محرم کے مہینے میں بادشاہ کابل کی طرف چلا' حسین مرزا جو شیبانی خاں کی قوت اور استحکام سے بہت ہراساں ہو رہا تھا اور اپنی پچھلی لاپرواہیوں پر بہت شرمندہ بھی تھا اس نے پیغامبر بھیج کر اپنے بیٹوں اور سارے خاندان والوں کو بلوا بھیجا۔ بادشاہ کے لئے بھی چونکہ

انتقام لینا ضروری تھا لہٰذا وہ بھی کابل سے خراسان کی طرف چلا۔ راہ میں اس نے سوچا کہ جہانگیر مرزا کا بھی احوال معلوم کریں۔ لہٰذا اس نے ادھر کا رخ کیا۔ احتشام کے باشندوں نے جہانگیر مرزا کی کچھ پروانہ کی اور سب کے سب آ کر بابر شاہ کے خیر خواہوں میں شامل ہو گئے۔ جہانگیر مرزا یہ حالات دیکھ کر بہت گھبرایا اور مجبوراً خود بھی بابر شاہ کے ساتھ ہو گیا۔ خراسان کے سفر میں بادشاہ کا ہمراہی بن گیا۔ بادشاہ یہاں سے شہر نیموز پہنچا اور یہاں پر معلوم ہوا کہ حسین مرزا کا انتقال ہو گیا ہے۔ واقعات بابری میں بادشاہ لکھتا ہے کہ اس خبر کو معلوم کر کے بھی میں نے خاندان حسین مرزا کی رعایت کو نہ چھوڑا اور خراسان کی طرف ہی بڑھتا رہا' لیکن ساتھ ہی ساتھ حسین مرزا کے وارثوں کے پاس سے برابر قاصد پر قاصد چلے آ رہے تھے اور مجھے خراسان آنے کی دعوت دے رہے تھے حالانکہ اس سفر میں میری خود غرضی بھی شامل تھی۔ ادھر فردوس مکانی کو خود ازبکوں سے جنگ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا لہٰذا اس نے مرغاب (۲۵) جو ازبکوں کا مرکزی اجتماعی مقام تھا۔ اس کی طرف رخ کیا اور آٹھویں جمادی الآخر کو لشکر گاہ تک پہنچ گیا۔ مظفر حسین مرزا اور ابو الحسن مرزا بادشاہ کے استقبال کے لئے بدیع الزمان مرزا کے حکم کے مطابق آگے بڑھے' بابر شاہ دونوں شہزادوں کے ہمراہ لشکر گاہ میں آیا اور بدیع الزماں سے ملاقات کی۔

چند دنوں تک تو شہزادوں نے بادشاہ کی خوب خاطر مدارات کی اور دن نہایت عیش و عشرت میں بسر ہوئے۔ اس کے بعد سردیوں کا موسم آتے ہی دونوں شہزادے تو قشلاق کا بہانہ کر کے چلے گئے اور پھر ازبکوں سے معرکہ آرائی تھوڑے دنوں کے لئے موقوف کر دی' مگر شہزادوں کے جانے کے بعد بابر شاہ بدیع الزمان کے ساتھ ہی ہرات تک آیا اور سردی بڑھتے ہی پھر کابل واپس چلا گیا۔ چونکہ برف باری کا زمانہ تھا اور تمام راہیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں لہٰذا بادشاہ نے راستہ بہت دقتوں سے طے کیا اور بمشکل تمام ہزارہ پہنچا۔ یہاں سرکشوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا پھر آگے بڑھا اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں محمد حسین گورگانی اور سنجر برلاس نیز دیگر افغانی امراء نے بادشاہ کے چچا زاد اور خالہ زاد بھائی جان مرزا کو کابل کا حکمران مان لیا ہے اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ بابر شاہ نے راستے ہی میں اہل کابل کو اپنی بہ سلامت واپسی کی اطلاع دے دی۔ اہل کابل سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ فردوس مکانی کو حسین مرزا کی اولاد نے قلعہ اختیار میں قید کر لیا ہے۔ اب جو یہاں کے لوگوں کو بادشاہ کا خط ملا اور اس کے صحیح و سلامت واپس آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ سب بہت خوش ہوئے۔ اور جو لوگ کہ قلعہ اراک میں نظر بند تھے وہ اس خبر سے ایک نئی طاقت حاصل کر کے باہر نکل آئے۔ بابر شاہ کے کابل پہنچتے ہی یہ نظر بند گروہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس جمعیت نے بادشاہ کے ساتھ مل کر بہت ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ مرزا حسین گورگانی کو گرفتار کر لیا گیا مگر بابر شاہ نے خلوص و مروت کو مد نظر رکھ کر ان لوگوں کو رہائی دی اور کہا کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

جان مرزا تو امیر ذوالنون کے بیٹوں کے پاس چلا گیا اور محمد حسین گورگانی نے فراہ (۲۶) اور سیستان کا رخ کیا۔ اس واقعے کے بعد بابر شاہ کا سب سے چھوٹا بھائی جو بدخشاں کا حاکم تھا اور جس کا نام ناصر مرزا تھا وہ شیبانی خاں سے شکست کھا کر کابل پہنچا۔ چونکہ جہانگیر مرزا خراسان سے واپس ہوتے ہوئے خونی دستوں کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کی جگہ پر ناصر مرزا کو مقرر کر دیا۔

خلجیوں سے آویزش

۹۱۳ھ میں بابر شاہ خلجی افغانوں کے قبیلوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا ان کے گروہوں کو خوب خوب تباہ و برباد کیا' ان کا مال و متاع بھی بابر شاہ کے ہاتھ آیا۔ ایک لاکھ بکریاں اور دیگر متعدد اشیاء ملیں۔ اس کے بعد بادشاہ کابل واپس آیا اسی دوران میں ارغون کے امراء ازبکوں کے حملوں سے بیحد پریشان ہو گئے۔ اہل ارغون نے بادشاہ سے نہایت خادمانہ انداز میں خواہش کی کہ اگر فردوس مکانی مدد کے لئے آ جائیں تو ارغونی قندھار کی سلطنت بھی ان کے سپرد کر دی جائے گی۔ بادشاہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ بادشاہ امراء ارغون کی مدد کے لئے روانہ ہوا' قلات سے جب گزرا تو خان مرزا نے بادشاہ کی دست بوسی کی' بادشاہ نے بھی اس سے خلوص کا برتاؤ کیا اور آگے بڑھ

گیا۔ تھوڑی دور پہنچ کر بادشاہ نے محمد مقیم ارغون اور شاہ بیگ وغیرہ کو اطلاع دی کہ میں تم لوگوں کا بلایا ہوا آیا ہوں تم لوگوں کا فرض ہے کہ خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور میرے پاس فوراً آؤ۔ ارغونی امراء پہلے تو اپنے بلانے اور درخواست پر شرمندہ ہوئے اور پھر قلعہ بند ہو گئے لیکن بدرجہ مجبوری میدان میں آئے اور قریہ خنک کے گرد و نواح میں معرکہ آرا ہوئے۔ قندھار کے قریب جنگ چھڑ گئی اور دونوں بھائی فردوس مکانی سے شکست کھا کر چلے گئے چونکہ شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہونے کا موقع نہ ملا اس لئے شاہ بیگ سیاول (۲۷) کی طرف چلا گیا اور محمد مقیم داور کی طرف بھاگا۔

قندھار پر قبضہ

قندھار کا قلعہ بھی بادشاہ کے ہاتھ میں آ گیا' امیر ذوالنون کا بہت سامال و متاع اور ہیرے جواہرات بھی بابر شاہ کے ہاتھ آئے۔ فردوس مکانی نے وہ تمام مال غنیمت امراء میں تقسیم کر دیا۔ قندھار اور زمین داور کی حکومت ناصر مرزا کے ہاتھ میں دے دی خود مظفر و منصور کابل واپس آئے۔ محمد مقیم زمین داور سے شیبانی خاں کی قیام گاہ داوری میں پہنچا۔ شیبانی خاں محمد مقیم کے اغواء سے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ ناصر مرزا حصار بند ہو گیا اور تمام حالات لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے جواباً بادشاہ نے یہ لکھ دیا کہ جہاں تک ہو سکے قلعے کی حفاظت ضروری ہے۔ اس کو دشمن کے حملے سے بچا کر رکھا جائے' لیکن اگر دشمن پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو مناسب اقرار کے بعد صلح عمل میں لائی جائے۔ ناصر مرزا کو کابل اس لئے واپس بلا لیا تاکہ تمام قوت بحیثیت مجموعی سرزمین ہند کو فتح کرنے میں لگا دی جائے۔

ادھر شیبانی خاں کا زور بہت بڑھ رہا تھا' فردوس مکانی اپنے آپ میں اس سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے تھے لہٰذا بابر شاہ نے اپنے امرائے سلطنت سے صلاح کی کہ شیبانی خاں کی یلغاروں سے کیسے محفوظ رہا جائے۔ بظاہر اس کی ایک ترکیب یہ بھی تھی کہ بدخشاں کو فتح کر کے وہاں رہائش اختیار کر لی جاتی یا پھر سرزمین ہند پر اپنا قبضہ و تصرف کر کے اطمینان کی زندگی گزارتا کیونکہ ان حالات نے شیبانی خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے کابل میں پیر جمانا تو کیا اطمینان سے دو گھڑی بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ اراکین سلطنت میں سے کچھ لوگوں نے بدخشاں فتح کرنے کی صلاح دی اور بعضوں نے تسخیر ہند کی طرف بابر شاہ کی توجہ مبذول کرائی۔ ادھر بادشاہ نے بھی ہند کی طرف رجوع کرنے والوں کی رائے سے ہی اتفاق کیا۔

ہندوستان پر بابری حملہ

بابر ہندوستان کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ بادشاہ کو توران سنگھار (۲۸) میں ٹھہرنا پڑا' اسی بے سرو سامانی کی وجہ سے ہندوستان کی مہم کو تھوڑے عرصے تک اور معرض التواء میں رہنے دیا لہٰذا بابر شاہ پھر کابل واپس چلا آیا' ناصر مرزا بھی قندھار کا قلعہ دشمنوں کے ہاتھ میں دے کر خود اپنے بھائی کے پاس چلا آیا' لیکن اس کو چند ایسی خبریں ملیں کہ وہ عبد اللہ سلطان اور امیر ذوالنون کی اولاد کو محاصرے ہی میں چھوڑ کر خود خراسان واپس چلا آیا۔ اسی دوران میں قلعہ قندھار پھر ارغونیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ عبد اللہ سلطان اپنے ملک کو مراجعت کر گیا اور باشندگان کابل پھر چین کی نیند سونے لگے۔

ہمایوں کی ولادت

اسی سال چار ذیقعد کو منگل کی رات ۹۱۳ھ میں ارک کابل کے قلعے میں شہزادہ ہمایوں پیدا ہوا۔ "شاہ فیروز بخت شد تاریخ"۔ سن ولادت کا تاریخی مصرعہ ہے۔ اس کی ولادت کے ایک سال بعد ۹۱۴ھ میں بادشاہ نے مہمندی افغانوں پر حملہ کیا۔

عبد الرزاق مرزا کی تخت نشینی کا فتنہ

اس زمانے میں بہت سے مغل سرداروں نے خسرو شاہ کی طرف سے مطمئن ہو کر عبد الرزاق مرزا فرزند سلطان الغ بیگ مرزا کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا تھا اور اس کی سپاہ میں تقریباً تین یا چار ہزار آدمی تھے اور اس طرح ملک میں ایک نئے فتنے نے جنم لیا۔ ادھر بادشاہ کے

پاس پانچ سو سے زیادہ سپاہی نہ تھے- عبد الرزاق مرزا کے خیر خواہ کابل کی طرف بڑھے مگر اس پریشانی اور مشکل میں بھی بابر شاہ نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور بہت جلد کابل پہنچ کر دشمنوں کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا- اس جنگ میں بابر شاہ نے ایسے جوہر شجاعت دکھائے کہ لوگ افراسیاب و اسفندیار کی داستانیں بھول گئے- فردوس مکانی نے اپنے دست و بازو سے وہ زبردست کام کر دکھایا کہ دنیا کے بڑے بڑے بہادر ان کے سامنے مات کھا گئے- علی شب کور' علی سیستانی' نظر بہادر' ازبک یعقوب' منیر چنگ اور ازبک بہادر وغیرہ جو دشمنوں کے نامی گرامی بہادر تھے ان کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا-

ان بہادروں کے قتل کے بعد دشمنوں کی فوج میں کھلبلی بپا ہو گئی اور بابر شاہ نے میر عبد الرزاق کو گرفتار کر لیا- بادشاہ نے اس وقت تو اس کو قتل نہ کیا مگر جب بعد میں اس نے سرکشی کی اور فتنہ و فساد بپا کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا- اس کا مفصل بیان آگے کیا جائے گا-

جب خسرو شاہ کی سلطنت بھی ازبکوں کے قبضے میں آ گئی تو بدخشاں کے باشندوں نے شور و غل مچانا شروع کیا اور بدخشاں کے ہر گوشے میں ایک ایک خود مختار پیدا ہو گیا- ان خود ساختہ سرداروں میں زبیر نام کا بھی ایک آدمی تھا اس کا لقب راعی تھا یہ سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ثابت ہوا- جان میرزا نے اپنی بڑی ماں شاہ بیگم کے مشورے پر سلطنت کا سودا کیا اور بادشاہ سے الگ ہو کر بدخشاں کی طرف چل دیا- جان میرزا کی والدہ قدیم شاہان بدخشاں کی نسل سے تھی وہ بدخشاں کے گرد و نواح میں پہنچی' پہلے اپنے بیٹے جان میرزا کو راعی کے پاس بھیجا اس کے بعد خود بھی بدخشاں روانہ ہوئی راستہ میں میرزا ابابکر کاشغری کا لشکر آ رہا تھا- اس کے سپاہیوں نے شاہ بیگم کو پکڑ کر ابابکر کاشغری کے حضور میں بھیج دیا- ادھر جان میرزا زبیر راعی کے پاس پہنچا' زبیر راعی نے اس کے پاس ایک آدمی چھوڑ دیا' قیدیوں کی طرح اس کو اپنے تحت رکھا- مرزا کے پرانے نوکر یوسف علی کو کلتاش نے سترہ آدمیوں سے ساز باز کی اور ایک رات زبیر راعی پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا- اور جان میرزا کو بدخشاں کا فرمانروا بنا دیا-

واقعات بابری میں لکھا ہوا ہے کہ شاہ بیگم کے آبا و اجداد یعنی بدخشاں کے قدیم بادشاہ اپنے آپ کو سکندر فیلقوس کی نسل سے بتاتے ہیں-

شیبانی خاں کی حکومت کی وسعت

دیکھتے ہی دیکھتے ۹۱۶ھ میں شیبانی خاں کی حکومت اتنی وسیع ہو گئی کہ اس کی سلطنت اور شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران کی حکومت کے ڈانڈے آپس میں مل گئے- اوزبکی سپاہی برابر قزلباشوں کے کاموں میں اور آمدورفت میں رکاوٹ ڈالتے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے- شاہ ایران نے شیبانی خاں کو خط لکھا کہ سرزمین عراق کو تباہ و برباد کرنے سے باز آئے اور خط میں یہ شعر لکھا-

نہال دوستی بنشاں کہ کام دل بیار آرد   درخت دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد

اس خط کے جواب میں شیبانی خاں نے شاہ صفوی کو لکھا کہ بادشاہت کا دعوی کرنا اور حکمرانوں کے مقابلے پر آ کر ان سے خط و کتابت کرنا اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کے آباؤ اجداد بھی حکمران رہے ہوں- آق خونیلو قبیلے کے ترکمانوں سے قرابت حاصل کر کے سلطنت کا داعی ہونا بالکل غلط ہے- ہاں تمہاری راجدھانی کا ڈنکا بھی سارے جہان میں اس وقت بج رہا ہوتا اگر میرا سا حکمران اور مدعی سلطنت تمہارے سر پر موجود نہ ہوتا- اس عبارت کے ساتھ ایک عصائے فقیری اور کاسہ گدائی بھی شاہ اسمٰعیل صفوی کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیے اور کہلا بھیجا کہ تمہارا ورثہ اور باپ دادا کی جائداد یہی ہے تم بھی گدائی کا پیشہ اختیار کرو اگر اپنی حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو تلوار کے گھاٹ اترنا پڑے گا-

عروس ملک کسے درکنار گیرد چست   کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

شاہ اسمٰعیل صفوی نے جواب میں شیبانی خاں کو لکھا کہ اگر سلطنت کسی کی میراث ہی ٹھہری تو پیشدادیوں سے کیانیوں تک اور کیانیوں

سے گھر گھر پھرتی ہوئی چنگیز کے ہاتھ تک نہ پہنچتی اور خود تجھ کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوتا میرا وظیفہ بھی وہی شعر ہے۔ جو تو نے اپنے خط میں لکھا ہے۔

عروس ملک کسے درکنار گیرد چست   کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

اس کے بعد لکھا کہ میں تیرا سر قلم کرنے کے لئے آ رہا ہوں اگر تجھ میں ہمت و شجاعت ہے اور تو میرے سامنے آیا تو بقیہ باتوں کا جواب زبانی دوں گا۔ میں تیرے لیے چرخہ اور سوت بھیجتا ہوں تاکہ تو اپنا پیشہ نہ بھول جائے ان چیزوں کو قبول کر اور جو تیرا اور تیرے آباو اجداد کا پیشہ ہے اسی کو اختیار کر۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   باآل نبی ہر کہ درافتاد و برافتاد

شیبانی خاں کے خط کا جواب لکھ کر پھر اسمٰعیل شاہ صفوی خود بھی جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ سرحد کے باہر قدم رکھتے ہی اسمٰعیل شاہ نے ازبک حاکموں کو خراسان سے نکال باہر کر دیا۔ مرو تک یہ سلسلہ جاری رہا بڑے بڑے امراء نکال دیئے گئے۔ شیبانی خاں نے اس وقت شاہ صفوی سے معرکہ آرائی مناسب نہ سمجھی۔ مرو کے قلعہ میں جا کر بند ہو گیا لیکن جب اس کو صفوی شاہ کا خط ملا تب اسے بہت شرمندگی ہوئی اور وہ جنگ کے لئے آمادہ ہو کر باہر نکل آیا' مگر اس جنگ میں اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا وہ پانچ سو ہاتھیوں کی جمعیت کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ ہاتھی سوار سب امراء اور امیرزادے تھے ایک ایسی جگہ جا کر یہ لوگ پوشیدہ ہوئے جہاں پر سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ چار دیواری بالکل بند تھی اس کے بعد قزلباشی سپاہیوں نے فوراً ہی چار دیواری کے اندر گھس کر تمام جمعیت معہ شیبانی خاں کے تہہ تیغ کر دی۔ جان مرزا نے بادشاہ کو بدخشاں میں ان حالات کی خبر دی اور خود قندوز چلا گیا۔ جان مرزا نے یہ بھی لکھا تھا کہ وقت کو یوں ہاتھ سے جانے دینے کا موقع نہیں ہے بلکہ جلد از جلد وہاں پہنچ کر اپنی موروثی جائداد فرغانہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

شیبانی خاں کی خضار کو روانگی

۹۱۷ھ میں شیبانی خاں نہایت تیزی سے خضار روانہ ہوا۔ اور جان مرزا کے ہمراہ دریا کو پار کر کے خضار کے گرد و نواح میں داخل ہو گیا ادھر ازبکوں نے خضار کو بہت مستحکم اور مضبوط کر لیا تھا۔ بابر شاہ کسی بات کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا اور قندوز میں قدم رکھا۔ یہاں اس کی بہن خانزادہ بیگم جو محاصرہ سمرقند میں شیبانی خاں کے ہاتھ لگ گئی تھی اور شیبانی خاں نے ان سے شادی کر لی تھی وہ اپنے بھائی کے پاس فوراً آ گئیں۔ بادشاہ نے انہیں نہایت تعظیم و تکریم سے مرو سے قندز بھجوا دیا۔ اس کے بعد بابر شاہ نے شاہ صفوی کی خدمت میں جان مرزا کے ہاتھ بیش قیمت تحفہ تحائف دے کر ہرات روانہ کیا اور بادشاہ سے مدد مانگی خود خضار واپس لوٹ آیا۔ اس زمانے میں نخشب جواب قرشی کے نام سے مشہور ہے یہاں ازبکوں کا بہت مجمع تھا للذا بابر شاہ نے ان لوگوں سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ درمیانی ملکوں میں داخل ہو گیا اور کچھ عرصے بعد جب لشکر اچھا خاصا جمع ہو گیا تو بادشاہ نے اوزبکوں پر حملہ کر دیا اور ان کو شکست دی۔

بابر شاہ نے مہدی سلطان اور حمزہ سلطان کو جو لڑائی میں نظر بند ہو کر آئے تھے انہیں یاسا بھجوا دیا اور جان میرزا پر بڑی نوازش کی کیونکہ اس نے اوزبکوں کے معرکے میں بہت جانفشانی سے کام لیا تھا۔ اسی عرصے میں احمد سلطان' صوفی علی' علی قلی خاں' شاہرخ' خاں افشار' شاہ اسمٰعیل صفوی کے بھیجے ہوئے یہاں فردوس مکانی کی مدد کے لئے آئے۔ ان سرداروں کی فوجی کمک کی وجہ سے خضار' قندوز اور بقلان فتح ہو کر بادشاہ کے قبضے میں آ گئے۔ اور اب فردوس مکانی کے پاس تقریباً ساٹھ ہزار کی فوج جمع ہو گئی اور اس نے بخارا پر حملہ کر کے عبد اللہ خاں اور جانی بیگ سلطان جیسے نامی گرامی اوزبکی سرداروں کو شکست دی اور انہیں بخارا سے باہر کر کے خود وہاں کا بھی حکمران بن بیٹھا۔ بادشاہ رجب کے مہینے کے وسط میں بخارا سے سمرقند آیا اور اب کے تیسری مرتبہ سمرقند میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرایا۔ فردوس مکانی نے سمرقند میں آٹھ ماہ بسر کیے۔ ناصر مرزا کو کابل کی حکومت دے کر شاہ اسمٰعیل کے لشکر کو بہت عزت اور تزک و احتشام کے

ساتھ رخصت کیا۔ خزاں کا زمانہ ختم ہو گیا اور موسم بہار آ گیا' اوزبکوں کا جو لشکر ترکستان گیا ہوا تھا وہ پھر ایک نئی زندگی' نئے دم خم کے ساتھ بادشاہ کے مقابلے کے لئے آیا اور شیبانی خاں کا قائم مقام امیر تیمور خاں عبد اللہ اور جانی بیگ سلطان کو اپنے ہمراہ لے کر بخارا کی طرف چلا۔ بابر شاہ نے ان امراء کا پیچھا کیا اور وہ خود بھی بہت جلد بخارا پہنچ گیا۔ بخارا کے ہی آس پاس صفیں بچھ گئیں اور معرکہ آرائی ہوئی بابر شاہ ہار گیا اس کے بعد بخارا شہر میں پناہ گزین ہوا۔ مگر ازبکوں کے تعصب اور حسد کی وجہ سے بادشاہ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکا اور بخارا سے سمرقند پھر سمرقند سے خضار اور شادمان آکر ٹھہرا۔

نجم الثانی کا ارادہ تسخیر بلخ

جب یہ واقعہ ہوا تقریباً اسی دوران میں قزلباشوں کا سردار نجم الثانی اصفہانی بلخ کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے آیا ہوا تھا وہ بھی شہر کے پاس ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ فردوس مکانی اس سردار سے ملا اور پھر اپنے موروثی ملکوں کو اپنے قبضے میں کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ نجم الثانی نے تھوڑی سی کوشش کی اور قراش (۲۹) کا قلعہ اوزبکوں کے قبضے سے نکال کر پھر قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور تقریباً پندرہ ہزار آدمی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس داروگیر اور قتل عام کی لپیٹ میں شاعر مولانا ثنائی بھی آکر شہید ہوئے۔ اس فتح کے بعد نجم الثانی بہت شان اور کروفر کے ساتھ بابر شاہ کے ہمراہ غجدوان (۳۰) پہنچا اور قلعہ کو گھیر لیا۔ اوزبکوں کی تمام سپاہ بخارا سے غجدوان سمت کر آئی اور اصفہانی کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئی۔ نجم الثانی خود بھی مارا گیا اس کے بہت سے قزلباش سردار بھی مارے گئے اور فردوس مکانی اپنے لشکر کے ہمراہ خضار اور شادمان واپس آئے۔ مغل امراء جو فردوس مکانی کے ہی ساتھ تھے انہوں نے بھی بادشاہ سے بیوفائی کی اور ایک رات موقع دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ ننگے پاؤں ننگے بدن خیمے سے باہر نکل آیا اور دشمنوں کو تلاش کرنے کی بجائے وہ خود قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ دشمنوں نے لشکر گاہ کی تمام اشیاء لوٹ کر رکھ لیں اور پھر بھاگ گئے۔ اس واقعے کے بعد فردوس مکانی نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس نواح میں مزید قیام کریں اور کابل چلے آئے۔ بادشاہ نے غزنی کی حکومت ناصر مرزا کے ہاتھ میں دیدی اور خود ۹۲۴ھ میں سوا دو بجور (۳۱) کو جو یوسف زئی افغانیوں کا ملجا و مسکن تھا ادھر کی طرف چل دیا۔ ان افغانوں نے اطاعت سے انکار کر دیا اور فردوس مکانی نے باغیوں کو قتل و غارت کر کے ان کی بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا وہاں کی حکومت خواجہ کلاں کے ہاتھ میں دے کر خود کابل چلا آیا۔

ہندوستان کے حالات

اس دوران میں ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ سلطان سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا فرزند ابراہیم لودھی ہندوستان کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا۔ لودھی کے افغانی امراء جو اقتدار حاصل کر چکے تھے اور ان کی قوت بڑھ گئی تھی وہ بادشاہ سے منحرف رہتے تھے اور حسد کرتے تھے اور جیسا کہ لازم تھا بادشاہ کی اتنی اطاعت نہ کرتے تھے۔ ان افغانوں کے انحراف اور غرور کی وجہ سے سلطنت کے کاموں میں بہت ابتری اور بدانتظامی ہو گئی تھی۔ فردوس مکانی کے لئے یہ موقع اچھا تھا اس نے ہندوستان فتح کرنے کا یہ بہترین موقع دیکھا اس نے مسلسل چار مرتبہ ہندوستان پر دھاوا کیا لیکن پانچویں مرتبہ اس کو کامیابی نصیب ہوئی اور دار الملک دہلی کا شہنشاہ کہلایا۔

بابر کے ہندوستان پر حملے

پہلا حملہ

۹۲۵ھ میں بابر شاہ نے دریائے سندھ کے کنارے تک جو آج کل تلاب کے نام سے مشہور ہے اس کی فاتح کی طرح سیر کی اور اس نواح کے جن لوگوں نے اس کی فرمانبرداری سے انکار کیا ان کو موت کے گھاٹ اتارا بعضوں کو سزائیں بھی دیں پھر دریائے سندھ کو پار کرکے پنجاب کے ایک بہت مشہور پرگنے تک اپنی فتح کرنے کی تگ و دو کو جاری رکھا چونکہ یہ مقام پہلے آل تیمور کے تحت رہ چکا تھا۔ اس لئے اس کو فتح کرنے میں بابر شاہ کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہاں کی رعایا نے بھی نہایت خوشی خوشی بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی۔ اس طرح قتل و غارت گری اور تاخت و تاراج ہونے سے بچ گئی۔ اس فتح سے بھی بابر شاہ کو بہت فائدہ پہنچا اس نے اپنے خزانے میں چار لاکھ شاہرخی جمع کیں۔ اس کے بعد ایک پیغامبر کو ابراہیم لودھی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ یہ تمام ممالک جن پر بادشاہ نے قبضہ کیا ہے زیادہ تر آل تیمور کی جائداد تھے اور ان پر صاحبقران گورگانی یا اس کی اولاد کا قبضہ رہا تھا اس لیے یہی مناسب ہو گا کہ پرگنہ پہرہ کو مع اس کے گرد و نواح کے قصبوں کے بابر شاہ کے ہاتھ میں دے دے۔ ان فتوحات کے زمانے ہی میں بابر شاہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے ہندوستانی فتوحات کی رعایت سے بیٹے کا نام ہندال مرزا رکھا۔ پھر جن حصوں پر قبضہ کیا تھا ان کی حکومت کی باگ ڈور حسین (۳۲) بیگ اتکہ کے ہاتھ میں دیدی، خود کھکھروں کے باشندوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ہاتی کھکھر نے پر ہالہ (۳۳) میں قلعہ بند ہو کر جنگ شروع کی اور سورج کے غروب ہونے کے وقت ایک ایسے مقام پر صف آرا ہوا جہاں ایک سوار سے زیادہ کے گزرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہاتی نے بابر شاہ کے ایک سردار دوست بیگ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ قلعے میں ہاتی کو دوبارہ جانے کا موقع نہ ملا لہٰذا وہ پہاڑوں میں چھپتا رہا اور اس کا تمام مال و متاع، خزانہ اور دولت سب بابر شاہ کے ہاتھ آئی، بابر شاہ نے سندھ اور پرہ کے درمیان کے ممالک کی فرماں روائی محمد علی خنگ کے سپرد کی اور خود کابل واپس چلا آیا۔

دوسرا حملہ

۹۲۵ھ میں بابر شاہ نے لاہور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا کابل سے چلنے کے بعد بابر شاہ کو خیال آیا کہ یوسف زئی قبیلے کی تنبیہہ کر دی جائے تاکہ سرکشی نہ کرے۔ لہٰذا ان کی کھیتی باڑی برباد کر دی اور خوب لوٹا۔ آگے جا کر بادشاہ نے ابھی ارادہ نہیں کیا تھا کہ دریائے سندھ کو پار کر کے لاہور پر دھاوا کر دے، مگر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ سلطان سعید کاشغر بدخشاں کو فتح کرنے کے لئے آ رہا ہے بادشاہ نے اب لاہور کی مہم سے ہاتھ اٹھایا۔ اور مرزا محمد سلطان بن سلطان اویس بانقرائی بن منصور بن عمر شیخ بن امیر تیمور گورگانی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ لاہور روانہ کیا اور خود کابل چلا گیا لیکن راستے ہی میں بابر شاہ کو اطلاع ہوئی کہ سلطان شاہ واپس چلا گیا اب بادشاہ نے نہایت سکون و اطمینان سے خضر خیل کے افغانوں پر قبضہ کیا اور یہاں سے بہت سا مال اسباب حاصل کیا اس قبیلے نے لوٹ مار اور غارت گری اپنا پیشہ بنا رکھا تھا اس کے بعد بادشاہ کابل چلا گیا۔

تیسرا حملہ

۹۲۶ھ میں بابر شاہ نے پھر نہایت جرات اور ہمت سے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سفر کے دوران میں بابر شاہ باغی اور سرکش افغانوں کو تلاش کر کے سزائیں دیتا اور تباہ و برباد کرتا تھا۔ اسی کروفر سے بادشاہ سیالکوٹ پہنچا، سیالکوٹ کے باشندوں نے بادشاہ سے جان کی پناہ مانگی۔

اس طرح وہ لوگ تاخت و تاراج سے بچ گئے- اب بابر کا لشکر پرگنہ سیدپور (۳۴) پہنچا یہاں کے باشندوں کی شامت آئی تھی لہٰذا انہوں نے بادشاہ سے مقابلہ کیا- خوب قتل و غارتگری ہوئی یہ لوگ بالکل تباہ و برباد ہو گئے- اس قبیلے کے تیس ہزار لونڈی اور غلام گرفتار ہو کر بادشاہ کی فوج میں داخل ہو گئے اس کے علاوہ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ لگا- اور سیدپور کے غیر مسلم باشندوں کا چودھری جو افغانی امراء سے ملا ہوا تھا اور بادشاہ کی فرمانبرداری کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا اس کو بھی گرفتار کر کے تہ تیغ کیا گیا- ان تمام واقعات کے بعد بابر شاہ دار السلطنت واپس آیا تھوڑے دن بعد بادشاہ نے قندھار فتح کرنے کا عزم کیا اور اس قلعے کو گھیر لیا- اس محاصرے کے دوران میں میرزا خاں کی وفات کی اطلاع پہنچی-

بابر شاہ نے بدخشاں کی حکومت شہزادہ ہمایوں کے ہاتھ میں دیدی اور گرم سیر کے تمام گرد و نواح پر اپنا قبضہ کر لیا- اس زمانے میں شہزادہ طہماسپ کے ہاتھ میں خراساں کی حکومت تھی اور شہزادے کا اتالیق تھا شاہ بیگ ارعون نے بابر شاہ کے مقابلے میں شہزادہ طہماسپ کو اہمیت دی اور اس کی فرمانبرداری کا اظہار کیا- امیر خان نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے شاہ بیگ کی مدد کرنے کے خیال سے بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ ترک کرنے کی درخواست کی' مگر بابر شاہ نے اس کی ایک نہ سنی اور برابر تین سال تک قلعے کو گھیرے رکھا- آخر مسلسل محاصرے سے عاجز ہو کر شاہ بیگ باہر نکلا اور سندھ کے گرد و نواح بھکر میں جا کر پناہ لی- ۹۲۸ھ میں قندھار بھی مع آس پاس کے ممالک کے بابری حلقہ حکومت میں شامل ہو گیا- اسی دوران میں دولت خاں لودھی ابراہیم لودھی سے بہت برگشتہ ہو گیا اس نے اپنے چند قابل اعتماد امراء اور خیر خواہوں کو بابر شاہ کی خدمت میں روانہ کر کے اس سے ہند پر حملہ کرنے کی درخواست کی اپنے آپ کو حلقہ بابری کا خیر خواہ اور اطاعت گزار بنایا-

چوتھا حملہ

۹۳۰ھ میں بابر شاہ چوتھی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا دارالسلطنت سے چل کر کھکھروں سے ہوتا ہوا لاہور سے چھ کوس کی دوری پر اپنے خیمے نصب کیے- نیاز خان' مبارک خاں لودھی' بھکن خاں لوحانی جو پنجاب کے امراء تھے انہوں نے بابر شاہ سے بہت پر زور طریقے پر مقابلہ کیا اور مقابلے کے لئے انہوں نے پنجاب میں شور و قیامت بپا کر دیا- یہ امراء اپنے قیامت خیز لشکر لے کر بابر شاہ کی طرف بڑھے- بہت جوش کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کی ایک سخت لڑائی اور خونریزی کے بعد پنجاب کے امراء کو شکست ہوئی وہ سب میدان چھوڑ کر بھاگے- بابر شاہ نہایت شاداں و فرحاں لاہور میں داخل ہو گیا- چنگیزوں کی رسومات کے مطابق نیک شگون کے لئے شہر میں آگ لگائی- اور بابر شاہ تین چار دن ٹھہر کر دیپالپور کی طرف چلا بادشاہ نے یہ قلعہ بھی سر کیا' بہت سے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا- دولت خاں لودھی جو بلوچیوں کے پاس پناہ گزین تھا اور ابراہیم لودھی سے باغی ہو گیا تھا وہ اپنے بیٹوں علی خاں' غازی خاں' دلاور خاں کے ساتھ فردوس مکانی کے حضور میں حاضر ہوا- دولت خاں سلطان پور' جالندھر کے پرگنوں کا صوبہ دار بنا دیا گیا اور حلقہ بابری میں شامل ہو گیا-

دولت خاں لودھی

فرشتہ لکھتا ہے کہ میں نے وطن کے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ دولت خاں لودھی اسی دوست خاں لودھی کی نسل سے تھا جس نے دہلی پر چند دنوں ۸۱۶ھ میں اپنی حکومت کا سکہ جمایا تھا- دولت خاں نے ایک دن بابر شاہ سے کہا کہ اسمٰعیل جلوانی اور بنن جلوانی وغیرہ دوسرے افغانوں کے ساتھ ہو کر بغاوت اور سرکشی کے لئے آمادہ ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑی سی سپاہ بھیج کر ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے- ابھی بادشاہ اس فوج کو بھیجنے ہی والا تھا کہ دولت خاں کے چھوٹے فرزند دلاور خاں نے بادشاہ کو بتا دیا کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں مل کر بادشاہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جب فوجی سپاہ بادشاہ سے دور ہو جائے تب بادشاہ کو بے دست و پا پا کر حملہ کریں-

بادشاہ نے اس واقعے کی چھان بین کی اور یہ بات ٹھیک نکلی تب بادشاہ نے دولت خاں اور اس کے بیٹے غازی خاں دونوں کو قید کر دیا

اور خود بابر شاہ دریائے ستلج کو پار کر کے نوشہرہ پہنچا اور یہیں ٹھہر گیا- تھوڑے دنوں بعد دونوں قیدیوں کی تقصیر معاف کر دی اور سلطان پور جس کو دولت خاں نے ہی آباد کیا تھا اور اس کی جائے رہائش تھی' دوست خاں کی جاگیر میں دے دیا اور اس کے بعد یہ دونوں قیدی چھوٹ کر سلطان پور چلے گئے اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر کوہ لاہور کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے- دلاور خاں کو خانخاناں کا لقب دے کر غازی خاں اور دولت خاں دونوں کی جاگیریں اسی کو دے دیں- دوست کی فتنہ انگیزی اور سرکشی سے بابر شاہ آگے نہ بڑھ سکا- سرہند سے لاہور واپس آ گیا یہاں پر عبد العزیز امیراخور کو لاہور کا داروغہ مقرر کیا- خسرو کو کلتاش کی حکومت میں سیالکوٹ دیا- دیپالپور کی حکومت کو بابا قشقہ مغل اور سلطان علاؤ الدین لودھی (۳۵) جو حال ہی میں باریاب ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ان دونوں کے سپرد کیا- اس کے علاوہ کلانور کی حکومت محمد علی خنگ کے ہاتھ میں دیدی اور خود کابل واپس چلا آیا-

دلاور خاں کی گرفتاری

بابر شاہ کی عدم موجودگی سے دولت خاں لودھی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا- دونوں باپ بیٹوں نے مل کر حیلہ بہانے سے دلاور خاں کو گرفتار کر لیا اور پھر علاؤ الدین لودھی اور بابا قشقہ مغل سے فیروزپور کے میدان میں جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے- اور بابر کے ان امراء کو شکست فاش دی ان امراء میں سے سلطان علاؤ الدین نے کابل اور بابا قشقہ مغل نے لاہور میں پناہ لی- دولت خاں نے پانچ ہزار افغانی سرداروں کو سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے لئے مقرر کیا- عبد العزیز امیر آخور اور لاہور کے دوسرے امراء کو اس کی اطلاع مل گئی اور یہ سب کے سب خسرو کو کلتاش کی امداد کرنے کے لئے لاہور روانہ ہو گئے- ان امراء نے دولت خاں کو شکست دی اور کامیاب و کامران لاہور واپس چلے آئے-

اسی دوران میں ابراہیم خاں کی فوج جو دولت خاں اور غازی خاں کی سرکوبی کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ آ پہنچی اس نے سندھ کے پاس ہی اپنے خیمے نصب کیے- دولت خاں اب مغل امراء سے مقابلے کے بغیر لودھی کی فوجوں سے مقابلے کرنے کے لئے بڑھا- اس نے ابراہیم لودھی کی فوج کے پیچھے اپنے خیمے ڈالے اور اپنی سیاسی حکمت عملی سے شاہی لشکر کے افسر کو اپنے ساتھ ملا لیا- فوج کے دوسرے امراء کو اس بات کا پتہ چل گیا اور آدھی رات کو پوری فوج کوچ کر کے دہلی آ گئی- بادشاہ کی خدمت میں امراء نے ساری سرگزشت بیان کر دی- اسی وقت سلطان علاؤ الدین لودھی جو کابل میں پناہ لیے ہوئے تھا وہ مغل امیروں کے نام ایک عریضہ ایک مضمون کا لے کر آیا کہ بابر شاہ کی فوج علاؤ الدین کی سرکردگی میں دہلی آئے اور پھر ابراہیم لودھی سے مقابلہ کر کے سلطنت حاصل کر لے اور شہر دہلی علاؤ الدین کے قبضہ میں آ جائے- دولت خاں اور غازی خاں نے بھی فرمان کا مضمون سنا وہ اس بات کی تہہ کو پہنچ گئے- انہوں نے بابر شاہ کی خدمت میں ایک پیغامبر کو بھیجا- اور کہلایا کہ علاؤ الدین لودھی ہمارا شہزادہ ہے- اور ہماری اجتماعی کوششوں کا یہی مقصد ہے کہ یہ تخت دہلی پر حکمرانی کرے اور ہماری یہی درخواست ہے کہ اس شہزادے کو ہماری نگرانی میں دیدیا جائے- تاکہ ہم اس کو دار السلطنت دہلی کا حکمران بنائیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس ملک سے لے کر سرہند تک کے تمام شہر بابر شاہ کی حکمرانی میں خوشی خوشی چھوڑ دیں گے-

چونکہ اس درخواست میں غازی خاں اور دولت خاں نے بہت سی قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیاں کیا تھا للذا اسی مضمون کی ایک اور دستاویز تیار کی گئی اور اس پر شہر کے امراء اور قاضیوں نے دستخط کیے اور مہر صداقت ثبت کی گواہوں کے بھی دستخط کرا کے قاصد کو بابر شاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا- لاہور کے امراء اراکین نے دولت خاں کی بات کو سچ سمجھ کر علاؤ الدین لودھی کو غازی خاں کے پاس بھیج دیا- غازی خاں نے اس بات کو اپنے لیے بہت بڑا اعجاز سمجھا' اپنے بھائیوں کو چند افغانی امراء کی سرکردگی میں دہلی روانہ کر دیا اور خود دور اندیشی سے کام لے کر پنجاب ہی میں ٹھہرا رہا- علاؤ الدین لودھی نے ابراہیم لودھی کا مقابلہ کیا اور اس کے سامنے معرکہ آرا ہوا- مگر دشمن کے ہاتھوں شکست کھا کر ہراساں ہوا اور پنجاب واپس لوٹ آیا-

غازی خاں کی عہد شکنی

غازی خاں نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور اپنا لشکر لے کر کلانور (۳۶) پر دھاوا کر دیا- محمد علی خنگ میں اس کے حملہ کو برداشت کرنے کی قوت نہ تھی اور وہ بھاگ کر لاہور میں پناہ گزین ہو گیا- غازی خاں نے کلانور پر قبضہ کر لیا اور بیر سرور (۳۷) میں ٹھہرا- لیکن جب اس کو بابر کی فوج کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملوٹ (۳۸) کی طرف بھاگا- اپنے بال بچوں کو تو یہیں ملوٹ میں چھوڑ دیا اور خود بھاگ کر دہلی میں ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا- اس کے بعد پھر کبھی غازی خاں دہلی سے باہر نہ آیا اور آخر جب سلطان ابراہیم لودھی اور بابر شاہ کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی یہ اسی جنگ میں تہہ تیغ کیا گیا- جب یہ تمام واقعات ہو رہے تھے اور داروگیر تھی تو بابر شاہ کابل ہی میں موسم بہار کا لطف لے رہا تھا اور عیش و عشرت کے نشہ میں مخمور تھا-

بابر کا ہند پر پانچواں حملہ

ادھر بادشاہ کو پھر نشہ حکومت اور تسخیر ہند نے ستانا شروع کیا اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان علاؤ الدین نے ابراہیم لودھی کے مقابلے میں شکست کھائی ہے اور غازی خاں نیز دیگر افغانی امراء ملک میں خود سری پر اتر آئے ہیں اور ایک ہنگامہ بپا کر رکھا ہے لہٰذا اس نے صفر کی پہلی تاریخ جمعہ کے دن ۹۳۰ھ کو کابل سے چل کر قریہ یعقوب میں قیام کیا- بابر شاہ کے پہنچتے ہی خواجہ حسین دیوان جو لاہور کا خزانچی تھا اور خالصات کا محصول بابر شاہ کی خدمت میں برابر بھیجا کرتا تھا وہ حاضر خدمت ہوا- شہزادہ ہمایوں بھی باپ کی مدد کے لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ بدخشاں سے یہاں پہنچ گیا- خواجہ کلال بیگ جو بابر کے مقربین خاص میں سے تھا اور بہت اعلیٰ پایہ کا امیر تھا وہ غزنی سے آ کر بادشاہ سے ملا- ان سب کے پہنچنے کے بعد بابر شاہ نے ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا ہر مستحق کو نیز خوشی کے طور پر بھی انعامات و تحفہ تحائف دیئے اور خطابات وغیرہ سے بھی سرفراز کیا- اس طرح سب کو خوش و خرم چھوڑ کر قریہ یعقوب سے لاہور آیا- راستہ میں سب کو کرکدن کا شکار کرنے کا شوق ہوا کیونکہ خود بابر شاہ اور دوسرے خراسان کے امراء نے کرکدن کا نام تو سنا تھا مگر اس جانور کی صورت کبھی نہیں دیکھی تھی لہٰذا سب کے سب بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلنے میں مصروف ہو گئے بہت سے کرکدن زندہ پکڑے اور بہتوں کو تلوار اور بندوق سے زخمی کر کے پکڑا-

عبور دریائے سندھ

۹۳۰ھ پہلی ربیع الاول کو بابر شاہ نے دریائے سندھ کو عبور کیا لشکر کے افسران نے پیدل اور سوار' منصبدار اور خاصے کی فوج سب کا شمار کر کے بادشاہ کو بتایا کہ تقریباً دس ہزار کی جمعیت ہمراہ ہے- بابر شاہ دریائے بھٹ عبور کر کے سیالکوٹ پہنچا' سلطان علاؤ الدین بادشاہ کے نیاز میں حاضر ہوا- بادشاہ نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی' محمد علی خنگ اور خواجہ حسین بھی سیالکوٹ میں بادشاہ سے آ کر مل گئے- ادھر دولت خان اور غازی خاں جو اپنے آپ کو ابراہیم لودھی کا بہی خواہ اور طرفدار سمجھتے تھے وہ سب تقریباً چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ لاہور کے پاس دریائے راوی کے ساحل پر صف آرا ہوئے- اب جو دولت خان اور غازی خاں کو بابر شاہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے ادھر ادھر چلے گئے- دولت خاں اپنے بیٹے علی خاں کے ہمراہ ملوٹ کے قلعے میں چھپ کر بیٹھ گیا اور غازی خاں کوہ پایہ کی طرف بھاگ گیا- فردوس مکانی نے ملوٹ کو گھیر لیا اب دولت خاں کے پاس اس کے سوا اور کوئی طریقہ کار نہ تھا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان طلب کرے لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا پہلے دولت خاں بابر شاہ سے جنگ کرنے کے لئے دو تلواریں رکھتا تھا-

جب یہ بابر شاہ سے ملنے کے لئے آنے لگا تو فردوس مکانی کے ملازموں نے بجائے کمر میں باندھنے کے یہی دونوں تلواریں اس کے گلے میں لٹکا دیں- اور دوسری بات یہ کہ بادشاہ کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھنے میں دولت خاں اپنی ہتک محسوس کرتا تھا' لیکن بابر شاہ کے نوکروں نے اس کو زبردستی بادشاہ کے سامنے ادب سے بٹھا دیا- بابر شاہ نے اس سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہیں مگر اس پر جلال

شاہی اتنا غالب تھا کہ بابر شاہ کے سامنے کچھ بول نہ سکا- اور بادشاہ نے باوجود یکہ اس کی خطائیں ناقابل معافی تھیں پھر بھی اس کو معاف کر دیا- اس کے بعد ہی بابر کا لشکر افغانیوں پر ٹوٹ پڑا قلعے کے اندر اور باہر قتل و غارت گری اور لوٹ مار شروع کر دی- اہل قلعہ کے لئے باہر نکلنا دشوار ہو گیا بابر شاہ کو افغانوں کی عزت و حرمت کا بہت پاس تھا- لہٰذا وہ خود سوار ہو کر آیا اپنے ہی ہاتھ سے چند تیر اپنے سپاہیوں پر چلا دیئے- بادشاہ کے تیر سے ہمایوں کا ایک ملازم مارا گیا یہ دیکھ کر تمام سپاہ نے لوٹ مار کو بادشاہ کی مرضی کے خلاف تصور کیا سب واپس چلے گئے اور افغانوں کے بال بچے سلامتی سے قلعے سے باہر نکل آئے-

غازی خاں کا کتب خانہ

بادشاہ قلعے کے اندر داخل ہوا تو بہت سے بیش قیمت تحفہ تحائف اس کے ہاتھ لگے لیکن بادشاہ کو یہاں جو سب سے زیادہ انمول خزانہ ملا تھا وہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا- غازی خاں کو ادب سے لگاؤ تھا' شاعری کا بھی بلند مذاق رکھتا تھا- اس نے بہت سی خوشخط کتابیں جمع کی تھیں- اور بہت منتخب ذخیرہ کتابوں کا تھا' بابر شاہ نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لئے مخصوص کر لیں اور کچھ شہزادہ ہمایوں کو بھیج دیں اور باقی کامران مرزا کو کابل روانہ کر دیں اس تقسیم کے بعد دوسرے ہی دن بابر شاہ غازی خاں کا پیچھا کرنے کے لئے چل پڑا- اسی دوران میں دلاور خاں جو اپنے بھائی اور باپ کی بداعمالیوں کی وجہ سے قیدی کی زندگی گزار رہا تھا اپنے آپ کو قید سے آزاد کیا اور کسی صورت سے بابر شاہ کی خدمت میں پہنچ گیا- بادشاہ نے اس کی بہت قدر و منزلت کی اور شاہانہ نوازشات کے بعد اس کو اپنی ملازمت میں لے لیا- بادشاہ کی پیدل سپاہ آگے آگے چل رہی تھی غازی خاں کی سپاہ پر باربار چھاپہ مارتی تھی- غازی خاں اس مسلسل یورش سے تنگ آ گیا راستے میں کہیں بھی آرام نصیب نہ ہوا لہٰذا وہ بحالت مجبوری ابراہیم لودھی کی خدمت میں پہنچا اسی دوران میں دولت خاں لودھی کا انتقال ہو گیا-

اب بادشاہ کو کلی طور پر یقین ہو گیا کہ افغانی فوج تباہی اور بربادی کا شکار ہو رہی ہے اور اپنے حکمرانوں سے برگشتہ ہے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اس نے ہند کی طرف پھر رخ کیا- اسی دوران میں شاہ عماد الملک شیرازی' مولانا محمد مذہب اور لودھی کے خان خاناں کا پیغامبر بن کر فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہوا- ان عریضوں میں بھی بادشاہ کو ہندوستان فتح کرنے پر اکسایا گیا تھا اور ترغیب دی گئی تھی- اس طرح بادشاہ کا عزم اور بھی مصمم ہو گیا- بادشاہ کابل سے چل کر دریائے کھگر کے ساحل پر پہنچا وہاں پہنچ کر بابر شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ قلعہ فیروزہ کا حاکم حمید خاں بابر کی فوج کو روکنے کے لیے راہ میں حائل ہے- بابر شاہ نے شہزادہ ہمایوں کی سرکردگی میں انفار کے تمام امراء' خواجہ کلاں' سلطان محمد دولدی' جان بیگ' خسرو بیگ' ہندو بیگ' عبد العزیز' محمد علی خنگ وغیرہ کو حمید خاں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا- حمید خاں ان سرداروں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ کھڑا ہوا- شہزادہ ہمایوں کامیاب ہو کر بابر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا چونکہ شہزادہ ہمایوں کی زندگی کی یہ سب سے پہلی فتح تھی لہٰذا بادشاہ نے اس موقعے پر اپنے بیٹے کو فیروزہ کا قلعہ اور جالندھر کے تمام قصبے عنایت کر دیئے-

اس واقعے کے دو یا تین ہی دن کے بعد بمن افغان جلوانی جو ابراہیم لودھی کے قابل اعتماد امراء میں سے تھا وہ دو تین ہزار کی جمعیت لے کر بابر شاہ سے آ کر مل گیا- نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ حلقہ بابری میں شامل ہو گیا' اب لشکر کشور اور شاہ آباد کے مابین صرف دو منزل کا فاصلہ رہ گیا- بابر شاہ کو معلوم ہو گیا کہ سلطان ابراہیم لودھی اپنی تمام فوجی سپاہ کے ہمراہ دہلی سے مقابلہ کرنے کے لئے چل چکا ہے- داؤد خاں اور حاتم خاں ستائیس ہزار سوار لے کر بادشاہ ابراہیم لودھی کے آگے آگے آ رہے ہیں- تاکہ بابر شاہ کی فوج کے آگے بڑھنے میں مزاحمت کریں- فردوس مکانی نے حسین تیمور' سلطان مہدی خواجہ' محمد سلطان مرزا' عادل سلطان مرزا کو مع تمام جرانغار کے سرداروں سلطان جنید برلاس اور شاہ حسین برلاس وغیرہ کو دشمن کی سپاہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آگے بھیجا- صبح سویرے ہی دشمنوں کے سر پر فوج پہنچ گئی ایک خونریز جنگ کے بعد ابراہیم لودھی کی فوج کو شکست ہوئی- حاتم خاں اس جنگ میں کام آیا-

ہندی سپاہیوں کی ایک جمعیت اور سات عدد بہت بلند قامت ہاتھی مغلوں کو بطور مال غنیمت ملے۔ بابر شاہ کی فوج یہ تمام مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بابر شاہ نے دوسروں کی عبرت کے لئے یہ کیا کہ ان قیدیوں کو مختلف طریقوں سے قتل کرایا۔ ان امراء کی فتح گاہ میں کچھ دن قیام کر کے استاد علی قلی خاں کو حکم دے دیا کہ رومیوں کے طریقوں کے مطابق ارابوں کو رسیوں سے باندھ کر توپچی پیادوں کے لئے ایک قلعہ بنا دیا جائے۔

ابراہیم کے لشکر کی تعداد قریب قریب ایک لاکھ سپاہیوں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے ساتھ ایک ہزار جنگی ہاتھی اور برعکس اس کے بابر شاہ کے پاس صرف بارہ ہزار سوار تھے وہ پانچ ہزار سوار ابراہیم لودھی کے پیش دستہ سے مقابلہ کرنے کے لئے جا چکے تھے۔ لودھی کو اس بات کی خبر ہو گئی اور بابر شاہ کا پیش دستہ اسی طرح ناکام واپس آیا۔ اس واقعے نے ابراہیم لودھی کو اور دلیر بنا دیا وہ اپنے لشکر کی تنظیم کر کے پھر بہت سرعت کے ساتھ پانی پت روانہ ہو گیا بابر شاہ نے بھی اپنی فوج مرتب کی۔

پانی پت کی جنگ

بابر شاہ اور ابراہیم لودھی

بادشاہ اور ابراہیم لودھی نے اپنی اپنی فوجیں مرتب کیں پانی پت کے میدان میں صف آرا ہوئے۔ بابر شاہ دشمن سے چھ کوس کے فاصلے پر ٹھہرا اور اپنے خیمے نصب کیے' جیسے ہی ابراہیم لودھی کو خبر ملی کہ بابر شاہ مقابلے پر آ گیا ہے اس نے اسی وقت پیش قدمی کی' دوسرے روز دسویں (۳۹) رجب کو بابر کی فوج بھی مقابلے پر آ گئی۔ فردوس مکانی نے برانغار میں تو شہزادہ ہمایوں' خواجہ کلال بیگ' سلطان محمد دندی' ہندو بیگ' ولی بیگ اور پیر علی شیبانی کو مقرر کیا اور برانغار کی حفاظت محمد سلطان مرزا' مہدی خواجہ' غازی خاں' امیر چند برلاس کے ہاتھوں میں دے دی اور پھر دائیں طرف حسین تیمور مرزا' مرزا مہدی کو کلتاش' شاہ منصور اور دوسرے نامی گرامی مشہور سردار مقرر کیے گئے۔ اور بائیں طرف میر خلیفہ تردی بیگ' محب علی خلیفہ وغیرہ رکھے گئے۔ خسرو کو کلتاش اور محمد علی خنگ خنگ میرزا' سلیمان بن خان مرزا کے تحت میں مقدمہ لشکر رکھا گیا۔ عبد العزیز میر آخور چند وغیرہ دوسرے امرا اور ولی قراول کے ساتھ برانغار کے اوپر رکھے گئے اور قراقوزی بہادر جرانغار پر مقرر ہوئے۔ ملک قاسم تیولقہ کو جرانغار بنایا گیا اور علی بہادر تیولقہ کو جرانغار مقرر کیا گیا ادھر اس طرح لشکر کی ترتیب و تنظیم کی گئی اور ادھر سلطان ابراہیم کی فوج بھی میدان میں اتر آئی۔

ابراہیم لودھی کی شکست

دونوں فوجیں باہم دست و گریباں ہو گئیں' لودھی کی فوج نے پہلے تو بہت سرعت اور تیزی دکھائی' لیکن رفتہ رفتہ اس کی قوت سلب ہوتی نظر آئی فوج میں بے قاعدگی پیدا ہو گئی خونریزی بڑھتی گئی اور شام ہوتے ہوتے صرف تلواروں کی آوازیں آتی رہیں۔ زمین پر خون کی ندیاں بہتی رہیں آخر میں بابر شاہ کے جاہ و جلال اور بخت بیدار نے اس جنگ کو اختتام پر پہنچایا۔ ابراہیم لودھی مع اپنی پانچ چھ ہزار کی فوج کے اس جنگ میں ختم ہو گیا۔ لودھی کی فوج نے میدان چھوڑنا چاہا مگر بابری سپاہی کسی طرح سے بھی ان کا تعاقب کر کے اور گروہ کے گروہ قتل کر کے اور ہاتھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنے لشکر میں لے آئے۔ اس وقت تک چونکہ ابراہیم لودھی کا قتل مشکوک تھا لہٰذا جو سپاہی ملتا موت کے گھاٹ اتارا جاتا۔

بابر شاہ آگے بڑھ کر دریائے جمنا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا تاکہ لودھی کی سلطنت کی وسعت اور مال و متاع کا اندازہ ہو سکے۔ یہاں ابراہیم کا بیٹا بادشاہ کے سامنے آیا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس جنگ میں سولہ ہزار افغان مارے گئے اور ہندی پچاس ہزار کی تعداد میں کام آئے۔ جس میں پانچ ہزار کی سپاہ تو ابراہیم لودھی کے ساتھ فنا ہو گئی۔ شہزادہ محمد ہمایوں' خواجہ کلال' شاہ منصور اور ولی خازن

بہت سرعت کے ساتھ خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے آگرہ چل دیئے اور محمد سلطان مرزا' مہدی خواجہ اور سلطان جنید برلاس مال و متاع کے تحفظ کے خیال سے دہلی روانہ کیے گئے۔ رجب کی بارہ تاریخ سہ شنبہ کے دن دہلی آئے اور شیخ زین صدر نے بابر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا بادشاہ نے سارے شہر کو خوب دیکھا بھالا' سیر کی اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کی اور اس کے بعد آگرہ چلا گیا۔

بابر کا آگرہ میں ورود

بائیس رجب جمعرات کے دن بادشاہ دار السلطنت (۴۰) آگرہ میں پہنچا۔ آگرہ کا قلعہ ابھی سلطان ابراہیم لودھی کے مقربین کے ہاتھ میں تھا بابر شاہ نے قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ بکرماجیت کے ملازم موجود تھے راجہ ابراہیم لودھی کے ساتھ اس جنگ میں ختم ہو چکا تھا راجہ کے نوکر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک الماس جس کا وزن آٹھ مثقال تھا ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا یہ الماس ان لوگوں کو سلطان علاؤ الدین خلجی مالوہی کے خزانے سے ملا تھا۔ جوہریوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا کی ایک دن کی آمدنی کے برابر اس کی قیمت ہے۔ ہمایوں نے یہ الماس بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بابر نے ہمایوں کا تحفہ قبول کر کے یہ قیمتی تحفہ پھر شاہزادے کو واپس دے دیا۔ آگرے کے قلعہ بند دادو گرانی' فیروز خاں سورما اور مادر سلطان ابراہیم لودھی وغیرہ نے بادشاہ سے امان چاہی اور محاصرے کے پانچویں دن قلعہ بابر کے حوالے کر دیا۔ بابر نے اپنی کتاب واقعات بابری میں لکھا ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اس وقت تک تین فرمانروائے اسلام ہندوستان آئے اور اس ملک پر قبضہ کیا۔ اول سلطان محمود غزنوی کیونکہ عرصے تک اس بادشاہ کی اولاد ہندوستان کی حکومت کرتی رہی۔ دوسرے سلطان شہاب الدین غوری جس کے لے پالک بیٹوں نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی اور تیسرا میں لیکن میرا حال میرے دونوں پیشرو حکمرانوں سے بالکل مختلف ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت وہ ماوراء النہر' خوارزم اور خراسان کا بھی حاکم تھا اور غزنوی فوج کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔ دوسرے ہندوستان کی حالت بھی ٹھیک نہ تھی یہاں کوئی عظیم الشان بادشاہ نہ تھا' جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے راجے حکومت کرتے تھے۔ اگرچہ سلطان شہاب الدین غوری خراسان کا بادشاہ نہ تھا تاہم اس کا بھائی بادشاہ تھا اور سلطان غوری ایک لاکھ بیس ہزار سوار لے کر ہندوستان آیا تھا۔ غزنوی سلطان کی طرح غوری کے وقت میں بھی ہندوستان میں طوائف الملوکی تھی لیکن میرا حال یہ ہے کہ جب میں پہلی بار ہندوستان آیا تو ڈیڑھ دو ہزار سوار میرے ہمرکاب تھے۔ بدخشاں' کابل اور قندھار کی حکومت میری تھی' لیکن ان شہروں سے نصف خراج بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مملکت کے بعض حصے ایسے تھے کہ دشمن کے قریب ہونے کی وجہ سے مدد کے محتاج تھے۔ ہندوستان میں بہرہ سے بہار تک افغانوں کا تسلط تھا۔ ہند کی طاقت کو دیکھتے ہوئے میرے ساتھ پانچ لاکھ فوج ہونی چاہیے تھی۔ ابراہیم کا لشکر ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا اس کے علاوہ ایک ہزار جنگی ہاتھی بھی اس کی فوج میں تھے۔ اس سے زیادہ یہ بات تھی کہ اوزبک جیسے زبردست حریف کو اپنے پیچھے چھوڑ کر لودھی جیسے خونخوار دشمن سے میں نے ٹکر لی' لیکن خدا کا بھروسا اور فضل کام آیا اور ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی مجھے کامیابی ہوئی اور ہندوستان میرے قبضے میں آگیا۔ میں اس کو صرف اپنی کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ فتح محض خدا کی عنایت اور کرم کی وجہ سے مجھے نصیب ہوئی یہ میرا ایمان ہے۔

شاہان ہند کے خزانوں کا معائنہ

انتیس رجب کو بابر نے شاہان ہند کے دفینوں کا معائنہ کیا۔ بادشاہ نے ساڑھے تین لاکھ روپیہ نقد اور ایک سربمہر خزانہ ہمایوں کو عنایت فرمایا۔ محمد سلطان میرزا کو ایک کمربند اور مرصع شمشیر اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے۔ اسی طرح دوسرے امیروں اور میرزادوں اور لشکریوں کو بلکہ طالب علموں اور سوداگروں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے علاوہ بابر نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جو سمرقند و خراسان' کاشغر اور عراق میں تھے تحفے اور ہدیے روانہ کیے۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ' کربلائے معلے۔ نجف اشرف' مشہد مقدس اور دوسری متبرک

جگہوں و مزاروں پر نذریں چڑھائیں، فقراء اور حاجتمندوں کے لئے روپے تقسیم کرنے کے لئے بھیجے۔ کابل کے تمام باشندوں کو شاہی انعام سے نوازا۔ ہر شخص کے لئے ایک شاہرخی جس کا وزن ایک مثقال چاندی کے برابر تھا فی کس کے حساب سے روانہ کی۔ المختصر پرانے بادشاہوں کی برسوں کی جمع شدہ دولت اس فقیر منش بادشاہ نے ایک ہی محفل میں لٹا دی اور اپنی بے نیازی کا سکہ دلوں پر بٹھایا۔

ہندوستانیوں کی نافرمانی

ہندوستان کے باشندے مغلوں کی سیاست اور حکومت سے ڈرے ہوئے تھے اس لئے وہ بابر کے ابتدائی ایام میں اطاعت گزاری کی طرف مائل نہ ہوئے بلکہ ہر کوئی اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے پوری طرح بادشاہ کی مخالفت کی فکر میں رہتا تھا۔ چنانچہ قاسم خاں سنبل میں، علی خاں قرلی میوات میں، محمد زیتون دیپالپور میں، تاتار خاں بن مبارک خاں گوالیار میں، حسین خاں لوحانی رابری میں، قطب خاں اٹاوہ میں، عالم خاں کالپی میں اور نظام خاں بیانہ میں خودمختاری کا اعلان کرنے لگے۔ دریائے گنگا کے اس پار کے علاقے پر طاقتور افغان امیر نصیر خاں لوحانی اور معروف خاں قرلی قابض ہو گئے تھے۔ گویہ امیر ابراہیم لودھی کے مطیع و فرمانبردار نہ تھے تاہم مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے پانی پت کے معرکے کے بعد انہوں نے بہار خاں ولد دریا خاں لودھی کو سلطان محمد کا لقب دے کر اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔

یہ ایک لشکر جرار لے کر قنوج سے آگرہ کی طرف بڑھے اور دو تین منزلیں طے کرنے کے بعد ایک جگہ خیمہ زن ہو گئے۔ اس دوران میں ملن خاں جلوانی شہنشاہ بابر سے ناراض ہو کر سلطان محمد سے جا ملا۔ شہروں اور قصبوں کے باشندے مخالفت کرنے لگے۔ نوبت یہاں پہنچی کہ لوگوں کو اناج اور مویشیوں کا چارہ مشکل سے دستیاب ہونے لگا۔ خلاف معمول اس سال گرمی بھی زیادہ پڑی۔ گرمی کی شدت اور لو سے مغل سردار ہلاک ہونے لگے۔ ان واقعات کے پیش نظر خواجہ کلاں اور دوسرے معزز سرداروں نے بابر سے کہا کہ مصلحت اس میں ہے کہ جلد سے جلد کابل واپس ہو جائیں اور اس فتح کو غنیمت سمجھیں۔ بادشاہ یہ سن کر بے حد غضب ناک ہوا اور کہا کہ محنت و مشقت سے فتح کیے ہوئے ملک کو چھوڑ کر کابل جا کر شاہ شطرنج کی طرح بیٹھنا میرے فتوحات کے منصوبوں کے خلاف ہے۔ ارکان سلطنت نے بااین ہمہ اس پر اصرار کیا بادشاہ نے تمام امیروں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں قیام کرنے کا ہے جس کا جی چاہے میرے ساتھ ہند میں ٹھہرے اور جو جانا چاہے بصد اشتیاق کابل کی راہ لے۔ امیروں کو جب بادشاہ کا ارادہ معلوم ہو گیا کہ وہ پورا قبضہ کیے بغیر افغانستان کا رخ نہ کرے گا تو انہوں نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔ ان امیروں میں خواجہ کلاں ہندوستان سے بیزار ہو چکا تھا گو کامیابیوں میں اس کا بڑا حصہ تھا، لیکن آب و ہوا کی ناموافقت اور بیماری کی وجہ سے یہ امیر کابل واپسی پر قطعی آمادہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا کابل اور غزنی کی حکومت خواجہ کلاں کے سپرد کر کے اسے افغانستان روانہ کیا۔ خواجہ نے چلتے وقت دہلی کی ایک عمارت پر یہ شعر لکھ دیا۔

اگر بخیر و سلامت گزرز سند کنم سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند کنم

بابر کے تیور دیکھتے ہوئے کہ یہ شیر دل حاکم اپنے جد امیر تیمور کی طرح ہندوستان چھوڑ کر اپنی موروثی سلطنت پر قناعت نہ کرے گا ہندی صوبہ داروں نے حلقہ اطاعت میں آنا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے شیخ گھورن دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ میان دو آب سے آگرے آیا اور شاہی ملازمت اختیار کی۔ علی خاں قرلی اپنے بیٹوں کے بلانے سے جو بابر کے قیدی تھے میوات سے آگرے آگیا اور بابر کے امراء میں شامل ہو گیا۔ نوبت، نقارہ اور دوسرے سامان شان و شوکت سے سرفراز ہو کر اپنے ہم نشینوں میں امتیاز حاصل کیا۔ علی قرلی اپنے موٹاپے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور پان کا بہت شوقین تھا ہر وقت منہ لال رہتا، کمر سے ہر وقت شمشیر بندھی رہتی، قرلی اس کو کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔ علی قرلی کے بعد فیروز خاں اور شیخ بایزید قرلی اپنے اپنے لشکروں سمیت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں جاگیروں اور منصب سے نوازا۔ محمود خاں لوحانی اور قاضی

حبیب بھی بابر کے سلسلہ ملازمت میں داخل ہو کر صاحب منصب و جاگیر ہوئے- ان سرداروں کے حلقہ بگوش ہونے کی وجہ سے کچھ حالات سدھرے' امن بحال ہوا- بہت سے پرگنے اور قصبے بادشاہ کی سلطنت کا جزو بنے- ان ہی دنوں میں خان افغان نے سنبل کے قلعے کا محاصرہ کر لیا- قاسم سنبل نے بادشاہ سے اپنی اطاعت کا اظہار کیا اور مدد کی درخواست کی- بابر نے میرزا مہدی کو کلتاش کو قاسم کی مدد کے واسطے بھیجا- مہدی نے دریائے جمنا کو عبور کیا اور بہن سے جا ٹکرایا اسے شکست دی اور سنبل کی حدود سے باہر نکالا- قاسم سنبل نے اس احسان کے بدلے میں قلعے کو کوکلتاش کے سپرد کیا خود بابر کے امراء میں شامل ہو گیا- بابر نے سنبل شہزادہ ہمایوں کے سپرد کیا اور مشرق کے افغانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا-

ہمایوں کی روانگی

ہمایوں قنوج کے حوالی میں پہنچا افغان جن کی تعداد چالیس ہزار تھی' بغیر لڑے بھڑے جونپور کی طرف بھاگ گئے- ان افغان امیروں میں فتح خاں شیروانی شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا- شہزادہ نے شیروانی کو تسلی دی اور اسے مہدی خواجہ کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا- بادشاہ فتح خاں پر بے حد مہربان ہوا اسے مجلس نشاط میں بلا کر اپنا خاص لباس عطا کیا اور اچھی جاگیر بخشی- بابر کے اس مہربان برتاؤ نے افغانوں کو گرویدہ کر لیا- وہ ایک ایک کر کے چغتائی خاندان کے اطاعت گزار بن گئے- نظام خاں حاکم بیانہ بھی جو رانا سانگا سے خوفزدہ تھا بادشاہ کا مطیع ہو گیا- بابر خاں نے نظام خاں سے قلعہ حوالے کرنے کو کہا مگر نظام خاں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا- بادشاہ نے بابا قلی بیگ کو قلعے کی مہم پر بھیجا اور مندرجہ ذیل قطعہ لکھ کر نظام خاں کے پاس روانہ کیا-

با ترک ستیزہ بکن اے مہربانہ چالاکی و مردانگی ترک عیاں است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش آں جا کہ عیانست چہ حاجت بیان است

نظام خاں کی سرکشی

نظام خاں نے اطاعت نہ کی قلعے سے باہر نکل کر بابا قلی بیگ سے برسرپیکار ہوا اور اسے شکست دے کر پھر قلعہ بند ہو گیا- رانا سانگا اطلاع ملتے ہی نظام خاں کی تباہی کی سوچنے لگا اور اس موقع کو غنیمت سمجھا- اب نظام خاں نے عاجزانہ طور پر بابر سے اپنے اس قصور کی معافی مانگی بادشاہ نے معاف کر دیا- نظام خاں نے قلعہ بادشاہ کے امیروں کے سپرد کر دیا اور خود بادشاہ کی ملازمت میں آ گیا- اسے میان دو آب کے محاصل سے بیس لاکھ تنک کے منصب سے سرفرازی ملی-

اس دوران میں، منکٹ رائے جو گوالیار کے قدیم راجاؤں کے خاندان میں سے تھا ایک باغی خاں جہاں کی موافقت سے گوالیار پر حملہ آور ہوا اور تاتار خاں کا محاصرہ کر لیا' تاتار خاں قلعہ گوالیار کا حاکم تھا- اس نے زمینداروں کی باغیانہ روش دیکھ کر بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کر لیا اور بابر سے مدد مانگی- بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ قلعہ بادشاہ کے امیروں کے حوالے کر دے گا- بابر نے رحیم داد اور شیخ گھورن کو تاتار خاں کی مدد کو بھیجا- ان امیروں نے تاتار خاں کو منکٹ رائے سے نجات دلائی بعد میں تاتار خاں نے بدعہدی کی اور شاہی امیروں کو قلعے میں آنے کی اجازت نہ دی-

حضرت شیخ محمد غوث گوالیار کے مشہور بزرگ اور صاحب ارشاد تھے ان کے مریدوں کی بہت بڑی جماعت تھی انہوں نے رحیم داد کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی طرح سے قلعے کے اندر آ جائیں- پھر تاتار خاں کا معاملہ آسانی سے حل ہو جائے گا- رحیم خاں نے حضرت شیخ کے کہنے کے مطابق تاتار خاں کو کہلا بھیجا کہ شاہی فوج منکٹ رائے کے شبخون کی وجہ سے خطرے میں ہے اگر اجازت مل جائے تو رحیم داد اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعے کے اندر آ کر پناہ لے لے اور لشکر قلعے کے باہر ہی رہے' رحیم داد اس کا تمام عمر احسان مند رہے گا- اگر اس کی درخواست قبول کر لی جائے تاتار خاں نے رحیم داد کا کہنا مان لیا' رحیم داد چند آدمیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا- اپنے ایک خادم کو

تاتار خاں کے کہنے کے مطابق دربانوں کے پاس چھوڑ دیا تاکہ وہ رحیم داد کے خاص آدمیوں کو پہچان کر قلعے کے اندر لے آئے۔ تاتار خاں پر غرور کا نشہ سوار تھا اس رات وہ احتیاط اور ہوشیاری کو بھول کر نہایت غافل ہو کر سویا قلعے کے اکثر دربان جو حضرت شیخ گوالیاری کے مرید تھے، رحیم داد کے پیادہ سپاہیوں سے مل گئے اور بعض چند ضروری اشیاء لانے کا بہانہ کر کے اسی رات قلعے سے باہر چلے گئے اور اچھی خاصی تعداد میں سپاہیوں کو اندر لے آئے۔ صبح ہونے پر تاتار خاں پر حقیقت واضح ہو گئی اب اس کے لئے سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا وہ قلعہ حوالے کر کے آگرہ پہنچ گیا اور امراء کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ بادشاہ کی طرف سے بیس لاکھ تنکے انعام حاصل کیا۔

محمد زیتون بھی دھولپور سے آکر امراء کے گروہ میں داخل ہوا۔ حمید خاں سارنگ خاں، اور دوسرے افغان سرداروں نے حصار فیروزہ کے نواح میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ حسین تیمور سلطان اور ابو الفتح ترکمان نے حصار پہنچ کر ان باغیوں کو سزا دی۔

زہر خورانی کا واقعہ

خواجگی اسد عراق میں شاہ طہماسپ صفوی کے پاس کابل کا ایلچی ۹۳۳ھ میں سلیمان ترکمان کے ساتھ واپس لوٹا بہت سے سوغات ایران سے لایا ان میں دو کنواری کنیزیں بھی تھیں۔ بادشاہ کو ان کے ساتھ بیحد محبت ہو گئی۔ اس دوران میں بادشاہ ابراہیم کی ماں نے جو بہت اقتدار حاصل کر چکی تھی اور مقرب تھی۔ احمد چاشنی گیر اور دوسرے باورچیوں سے مل کر جو حقیقتاً بادشاہ ابراہیم کے ملازم تھے سازشیں کی۔ بادشاہ کے کھانے میں جو اس دن خشکہ اور خرگوش کے گوشت کے سالن پر مشتمل تھا زہر ملا دیا۔ کھانا کھاتے کھاتے بادشاہ کا دل کچھ دھڑکنے لگا چنانچہ بادشاہ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر بار بار قے کر کے زہر کو پیٹ سے خارج کیا اور اس مصیبت سے نجات پائی۔ واقعے کی تحقیقات کی گئی۔ چاشنی گیر اور باورچیوں نے سب کچھ بتا دیا۔ کھانے کا امتحان کیا گیا اس میں سے چند لقمے ایک کتے کو ڈالے گئے کھاتے ہی کتے کا سارا جسم پھول گیا۔ غریب ایک دن اور رات اپنی جگہ پر پڑا رہا۔ اس کے علاوہ وہ ملازموں نے بھی آزمائش کے طور پر تھوڑا کھانا کھایا تھا بڑی مشکل سے بیچاروں کی جان بچی بادشاہ کے حکم سے چاشنی گیر کی کھال کھینچی گئی دوسرے باورچی تہہ تیغ کیے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کا گھر لوٹا گیا اور بیگم کو قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ بادشاہ نے سلطان ابراہیم کے لڑکے کو کامران مرزا کے پاس روانہ کیا اور اس طرح کچھ اطمینان ہوا۔

شاہزادہ ہمایوں جونپور پر قبضہ کرنے گیا ہوا تھا اس نے اپنا کام پورا کر کے شہر کو جنید برلاس کے سپرد کیا اور خود آگرہ کی طرف لوٹ آیا۔ جب شہزادہ کالپی پہنچا تو عالم خاں حاکم کالپی ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کے ساتھ آگرے پہنچا۔ عالم خاں بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوا۔

رانا سانگا

رانا سانگا ہندوستان کے ہندو راجاؤں میں سب سے بڑا راجہ تھا۔ ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے بہت پہلے سے حکومت اور امارت اس کے خاندان میں چلی آ رہی تھی یہ راجہ میوات کا حاکم تھا۔ دہلی اور اجمیر کے راجے جو سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے رانا سانگا کے قبیلے میں سے تھے۔ دو چار پشتوں کے بعد ان کا سلسلہ نسب آپس میں مل جاتا ہے۔ بابر کے حملے کے وقت تقریباً ایک لاکھ راجپوت رانا کے تابع تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ابراہیم لودھی کے بہت سے امیر جو بابر کے مخالف تھے اور حلقہ اطاعت میں اب تک داخل نہیں ہوئے تھے رانا سانگا کے خیر خواہ تھے۔ محمود خاں سلطان سکندر کا بیٹا بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سے مل گیا۔ مارواڑ کے تمام راجے پرم دیو، نرسنگی دیو، میدنی رائے، راجہ چندیری، راولدیو ولد واوسنگ، راجہ دونگر پور رائے چندر بھان چوہان، مانک چند چوہان اور رائے دلیپ وغیرہ بھی پچاس یا ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر رانا سانگا سے آ ملے۔ حسن خاں میواتی بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سانگا کی مدد کے لئے آ پہنچا الغرض یہ تمام سردار دو لاکھ سواروں کا لشکر عظیم لے کر بابر سے جنگ کرنے اور ہندوستان کو مغلوں کی حکومت

سے بچانے کے لئے آگرہ روانہ ہوئے۔

بابر کی آگرہ سے روانگی

بابر کو بعض ہندوستانی امراء پر اعتماد نہ تھا اس لئے اس نے اس قسم کے امراء کو سرحدی شہروں کی فتح اور ان کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ادھر ادھر روانہ کر دیا۔ اور خود اپنے مغل لشکریوں جنہیں وہ کابل سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اور چار ہندوستانی امیروں یعنی سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں کمال خاں اور جلال خاں اور علی قزلی خاں اور بیانہ کے حاکم نظام خاں کے ساتھ آگرہ سے روانہ ہو گیا۔

جب بابر بیانہ کے مضافات میں کانوہ نامی قصبے میں پہنچا تو اس نے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ شہزادہ ہمایوں نے ابھی تک شراب کبھی نہ پی تھی' بابر نے اسے شاہی محفل میں طلب کیا۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک جام بھر کر اسے دیا۔ بیانہ کے نواح میں فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ شاہی فوج کے دستے جو خبر رسانی کے لئے گئے ہوئے تھے زخمی ہو کر اور شکست کھا کر لوٹے۔ بیانہ کے قلعے کے رہنے والے بھی چار دیواری سے نکل کر جنگ و جدل میں شریک ہوئے اور دشمن کے ہاتھوں شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گئے۔ الغرض لوگ طرح طرح کے توہمات اور شک و شبہ میں مبتلا ہو کر سہم گئے۔ ہیبت خاں نیازی سنبھل کے علاقے کی طرف فرار ہو گیا۔

اس زمانے میں ایک بہت فاضل اور تجربہ کار منجم محمد شریف تھا۔ لوگ اس کی بیان کردہ پیشگوئیوں کا بہت اعتبار کرتے تھے اور اسی سبب سے چاروں طرف ایک خوف و ہراس سا پھیلا رہتا تھا اس نجومی کا یہ کہنا تھا کہ مریخ مغرب کی طرف سے طالع ہے اور کوئی بھی اس طرف سے حملہ آور ہو گا اسے اپنے مقابل کے ہاتھوں شکست ہو گی۔ بادشاہ نے اپنی مجلس مشاورت کی اور جنگ کے بارے میں مشورہ کرنے لگا۔ اکثر درباریوں نے یہ رائے دی کہ دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت پوری طرح سامنے ہے بہتر یہی ہے کہ بادشاہ بڑے بڑے قلعوں کو امراء کے حوالے کر کے خود پنجاب کی طرف روانہ ہو اور وہاں غیبی امداد کا انتظار کرے۔

ترک بادہ نوشی

بابر نے یہ بات سنی اور پھر قدرے غور اور تامل کے بعد کہا "میری اس بزدلی اور کمزوری پر دنیائے اسلام کے فرماں روا مجھے کیا کہیں گے۔ یہ روشن ہے کہ سبھی یہی کہیں گے کہ میں نے محض جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ درجہ شہادت حاصل کرنے کا خیال دل میں لے کر مردانگی اور بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہوں۔" اہل محفل نے بابر کی یہ بصیرت افروز تقریر سنی اور سبھی نے بالاتفاق جہاد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بادشاہ کی اس تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ سبھی نے اس کی رائے کو تسلیم کیا اور کہا شہادت سے بڑھ کر اور کون سی سعادت ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اپنی مثال آپ ہے کہ مارا تو غازی مرے تو شہید۔ ہم سب حلفیہ وعدہ کرتے ہیں کہ کبھی بھی میدان جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔" اس کے بعد امراء نے بادشاہ کے مزید اطمینان کے لئے باقاعدہ حلف اٹھایا۔ بابر نے کہ جسے شراب کے بغیر ایک لمحہ بھی گراں گزرتا تھا حالات کے اقتضاء کو سمجھتے ہوئے شراب نوشی اور دیگر مکروہات یہاں تک کہ داڑھی کترانے سے بھی توبہ کر لی اور ممالک محروسہ کے مسلمانوں کو تمغہ عطا کیے اور اس سلسلے میں پوری سلطنت میں فرمان جاری کر دیا۔

جمادی الآخر کی ۹ تاریخ بروز سہ شنبہ جو نو روز کا دن تھا لشکر کی صفیں مرتب کی گئیں اور اہل روم کے طریقہ جنگ کے مطابق بارود کے ارابے لشکر کے آگے نصب کیے گئے۔ بابر دشمن کی طرف جو تین کوس کے فاصلے پر مقیم تھا' روانہ ہوا۔ ایک کوس کا سفر طے کرنے کے بعد بادشاہ نے اثنائے راہ میں قیام کیا۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ مغل کی نگرانی میں چغتائی سورماؤں نے' جن کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے' دشمن کے جاسوس دستوں کو بڑی خوش اسلوبی سے مار بھگایا۔ جمادی الآخر کی ۱۳ تاریخ کو بابر نے اس مقام سے بھی کوچ کیا اور ایک کوس کے فاصلے پر سابق دستور کے مطابق قصبہ کانوہ میں' جو بیانہ کے مضافات سے تھا مقیم ہوا۔ مغل لشکر کے فراشوں نے ابھی خیمے پوری

طرح لگائے بھی نہ تھے کہ دشمن کی فوج، کیڑوں، مکوڑوں کی طرح، زبردست ہاتھیوں کو ساتھ لے کر سامنے کی طرف سے نمودار ہوئی۔

طرفین کا آمنا سامنا

اس موقع پر نجومی محمد شریف نے بادشاہ کو ایک بار پھر جنگ کرنے سے روکا اور اپنے دعوے کے دلائل پیش کیے، لیکن بابر نے اس کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی فوج کی صفوں کو جو چوبیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی پانی پت کے معرکے کے انداز میں مرتب کرنے کا حکم دیا۔ جو غیر مسلم راجہ اور امراء بابر سے جنگ کرنے کے لئے آئے تھے ان میں سے ہر شخص ہندوستان کے کسی نہ کسی حصے کے ہندوؤں کی جماعت کا سردار تھا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنی فوجیں مرتب کیں اور فوج کے میمنہ، میسرہ اور قلب کو ترتیب دے کر مرنے مارنے کے جذبات لیے ہوئے میدان جنگ میں اتر آئے۔

بابری لشکر کی ترتیب

مسلمانوں کی فوج کو مرتب کرنے کا کام نظام الدین علی خلیفہ کے سپرد کیا گیا۔ نظام الدین نے بڑی جان فشانی اور محنت سے یہ فریضہ انجام دیا اور یہ انتظام کیا کہ بادشاہ کا قیام قول (۴۱) میں ہو۔ قول کی داہنی طرف حسین تیمور سلطان، سلیمان شاہ، خواجہ دوست خازن، یونس علی بیگ، شاہ منصور برلاس، درویش محمد ساربان، عبد اللہ کتاب دار اور دوست بیگ کو متعین کیا گیا۔ قول کی بائیں طرف عالم خاں بن سلطان بہلول لودھی، شیخ زین صدر، محب علی، تردی بیگ شیر افگن۔ آرائش خاں، خواجہ حسن دیوان وغیرہ کو مقرر کیا۔ جرانغار (۴۲) کی نگرانی شہزادہ ہمایوں کے سپرد کی گئی۔ ہمایوں کی داہنی طرف شیخ قاسم حسین سلطان، احمد یوسف، ہندو بیگ، خسرو کو کلتاش ملک قاسم، بابا قشقہ مغل، قوام بیگ ولد شاہ ولی خازن، میرزا قنبر علی، پیر قلی شیبانی، خواجہ پہلوان بدخشی، عبد الشکور، سلیمان آقا ایلچی عراق اور حسین خاں ایلچی سیستان کو مناسب مقام پر کھڑا کیا گیا۔ جرانغار کی بائیں طرف میر شاہ محمد کو کلتاش، خواجگی اسد سرجاندار خان خاناں ولد دولت خاں لودھی، ملک داؤد کرانی اور شیخ گھورن وغیرہ کو متعین کیا گیا۔

ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوا جرانغار کی نگرانی سید خواجہ کے سپرد کی گئی اور سید خواجہ کے دائیں بائیں محمد سلطان میرزا، عادل سلطان، عبد العزیز امیر آخور، محمد علی خنگ خنگ، قتلق قدم، امیر خانچی میرزائی مغل، جان بیگ آتکہ، جلال خاں اور کمال خاں (بادشاہ علاؤ الدین کی یادگاریں) علی خاں شیخ زادہ قرلی اور نظام خاں بیانوی کو مقرر کیا گیا۔ تردی بیگ موض بیگ آتکہ اور رستم ترکمان، تینوں بہادروں کو ایک گروہ کے ساتھ تولقمہ (۴۳) جرانغار کا محافظ بنایا گیا اور لقمہ جرانغار بھی دیگر منصب داروں اور امراء کے سپرد کیا گیا۔ سلطان محمد بخشی لشکر، تواچیوں اور یسادلوں (۴۴) کے ساتھ سلطانی احکامات سننے کے لئے بابر کے سامنے کھڑا ہوا۔

جنگ کا آغاز

ابھی دن کا ایک پہر اور دو گھڑیاں ہی گزری تھیں کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے معرکہ آرائی کے لئے آگے بڑھے۔ فریقین کی شان و شکوہ اور جاہ و حشمت سے زمین اور آسمان میں ایک ہلچل سی پڑ گئی۔ سب سے پہلے ہندوؤں نے بڑی شان سے مسلمانوں کے جرانغار پر چڑھائی کی اور خسرو کو کلتاش اور ملک قاسم پر حملہ آور ہوئے۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی حسین تیمور سلطان جرانغار کی مدد کے لئے آگے بڑھا اس نے ہندوؤں کو ان کے عقب لشکر تک پیچھے دھکیل دیا اور میدان اسی کے ہاتھ میں رہا۔

ہندوؤں کی شکست

اس کے بعد بابر نے مغلوں کے طریقے کے مطابق چاروں طرف سے لڑائی کی ابتدا کر دی جس طرف مدد کی ضرورت ہوتی، فوج کا زیادہ حصہ اسی طرف مصروف کار ہو جاتا۔ استاد علی قلی رومی اور دیگر ہنر مندوں نے آتش بازی اور بارود کے آلات سے بھی خوب خوب کام لیا اور اپنی ہنرمندی کا مظاہرہ کیا۔ معرکہ کارزار تقریباً چار بجے دن تک جاری رہا۔ ہندی سپاہی بھی بڑی ثابت قدمی کے ساتھ میدان

جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ دشمن کی ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھ کر بابر نے اپنے قول لشکر کو ساتھ لے کر دشمن پر زبردست حملہ کیا ایک خونریز اور زبردست جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی ان کا لشکر میدان جنگ سے منہ موڑنے لگا۔ حسین خاں میواتی جس کے باپ دادا دو سو برس سے حکمرانی کرتے چلے آ رہے تھے ایک نیزے کی ضرب سے جاں بحق ہوا۔ رائے راول دیو' چندر بھان چوہان مانک چند چوہان اور کرم سنگھ راجپوت جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر عالی جاہ اور گردوں مرتبت امیر تھا' میدان جنگ میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

دشمنوں کے سروں سے مینار کی تعمیر

رانا سانگا جو اپنی قوت اور غرور کے نشے میں بڑی شان دکھاتا ہوا میدان جنگ میں آیا تھا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اس عظیم الشان اور یادگار فتح کے بعد سب لوگ بابر کو غازی کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ "فتح بادشاہ اسلام" سے اس تاریخی معرکے کی تاریخ نکالی گئی۔ بابر نے حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو لڑائی کا میدان واقع ہے وہاں دشمنوں کے سروں سے ایک مینار تعمیر کروایا جائے۔ بابر نے نجومی محمد شریف کو اس کی بیہودہ گوئی اور جھوٹی پیشین گوئی پر بے حد لعنت ملامت کی اور اسے ایک لاکھ تنگہ انعام میں دے کر اپنے مقبوضات سے شہر بدر کر دیا۔

محمد علی خنگ خنگ' عبد الملک قورچی اور شیخ گھورن جو اپنی اپنی جاگیروں پر مقیم تھے انہوں نے آپس میں مل کر الیاس خاں کا مزاج درست کرنے کا فیصلہ کیا۔ میاں دوآب کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں اس نے علم سرکشی بلند کر رکھا تھا۔ ان امراء نے الیاس خاں کو مسل دیا اور میوات فتح کرنے کے لئے پیش قدمی کی۔ ماہر خاں ولد حسن خاں میواتی نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ بادشاہ کی اطاعت گزاری کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا اس نے شہر خالی کر دیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بابر نے میوات اور اس کے گرد و نواح کی حکومت حسین تیمور کے حوالے کی اور اسے میوات کی طرف روانہ کر دیا۔

سرکشوں کی سرکوبی

آگرے کی طرف واپسی کے وقت بابر نے شہزادہ ہمایوں کو کابل اور بدخشاں کے انتظام اور بلخ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ محمد علی خنگ خنگ کو چندروار' رابری اور اٹاوہ کے باغیوں اور سرکشوں یعنی حسین خاں' دریا خاں اور قطب خاں کی سرزنش کے لئے مقرر کیا۔ حسین خاں تو جنگ کیے بغیر ہی فرار ہو گیا اور دریائے جمنا کو پار کرتے وقت ڈوب گیا۔ دریا خاں جنگلوں کی طرف نکل گیا اور وہاں کی خاک چھاننے لگا۔ ببن افغان کی سرکوبی کے لئے محمد سلطان میرزا قنوج پہنچا' لیکن یہ باغی و سرکش افغان قنوج سے فرار ہو گیا۔

قلعہ ارک کی فتح

۹ ذی الحجہ ۹۳۴ھ میں بادشاہ سیر و شکار کے لئے کول اور سنبھل کی طرف روانہ ہوا ان علاقوں میں سیر و تفریح کرنے کے بعد واپس آیا۔ اس اثنا میں بابر کو بخار آنے لگا لیکن کچھ دنوں بعد وہ صحت یاب ہو گیا۔ اس کے بعد بابر چندیری کی طرف روانہ ہوا تاکہ میدنی رائے کو تباہ و برباد کرے۔ میدنی رائے کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ دوسرے راجپوتوں کے ساتھ ارک کے قلعے میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمان فوج نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ دوسرے ہی روز قلعہ تسخیر کر لیا گیا اور تقریباً پانچ چھ ہزار راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ہندوؤں کی ایک جماعت اپنے بیوی بچوں اور ہم قوموں کے ساتھ میدنی رائے کے مکان میں جو قلعے کے اندر واقع تھا پناہ گزین ہو گئی۔ ان ہندوؤں نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا اس بناء پر لڑائی شروع ہو گئی۔ راجپوتوں نے جب یہ دیکھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے تو ان میں سے ہر ایک نے قدیم دستور کے مطابق ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی گردن آپ ہی اڑا ڈالی۔ میدنی رائے کا حشر بھی یہی ہوا اور یوں ارک کے قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

میدنی رائے نے اپنے اقتدار کے زمانے میں چندیری، سارنگپور، رنتھنبور اور راسین کی مساجد کو اصطبلوں اور جانوروں کے رہنے کی جگہوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ نیز ان مقدس مقامات کو گوبر سے لیپ پوت دیا تھا بابر نے ان مساجد کو از سر نو بحال کیا۔ اور شیخ زین صدر نے ان عبادت گاہوں کو نجاست سے پاک کروایا۔ بابر نے ان مساجد میں موذن اور جاروب کش مقرر کیے اور ان کے اخراجات کے لئے وظائف عطا کیے۔ غرض اس طرح تمام مفتوحہ شہروں میں بابر نے اسلام کا بول بالا کیا۔ شیخ زین صدر نے اس تاریخی واقعے کی تاریخ "فتح دار الحرب" سے نکالی۔ بابر نے اس کو ذیل کے دو شعروں میں منظوم کر دیا۔

بود چندے مقام چندیری پر زکفار دوار حربی ضرب
فتح کردم بہ حرب قلعہ آں گشت تاریخ "فتح دار الحرب"

بابر نے چندیری کی حکومت اس کے قدیم وارث احمد شاہ بن محمد شاہ کے سپرد کی جو اس وقت بابر کے ساتھ تھا۔

شرقی افغانوں کی بغاوت کا خاتمہ

اسی زمانے میں بابر کو معلوم ہوا کہ شرقی افغانوں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے امراء کے جس گروہ کو روانہ کیا گیا تھا وہ دشمن سے بلاضرورت جنگ کر کے شکست کھا چکا ہے۔ بابر یہ خبر سنتے ہی جلد از جلد قنوج کی طرف روانہ ہوا رابری کے مقام پر شکست خوردہ امراء بھی بادشاہ سے آ ملے۔ بابر دریائے گنگا کے کنارے پہنچا اور دریا پر تیس چالیس کشتیوں کا پل باندھا اور حسین تیمور سلطان اور دیگر امراء نے دریا پار کرنا شروع کر دیا۔ افغانوں نے جب دیکھا کہ اب ٹھہرنا مصلحت کے خلاف ہے تو وہ بھاگ نکلے۔ حسین تیمور سلطان نے ان کا تعاقب کیا اور ملک سے باہر کر دیا۔ ان کے بال بچے بابر کے ہاتھ آئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ گنگا کے قرب و جوار میں بابر شکار کھیل کر واپس آ گیا۔

بابر کا گوالیار جانا

بابر نے محمد زمان میرزا بن بدیع الزمان میرزا کو جو بلخ سے فرار ہو کر آگرہ آ گیا تھا حاکم اکبر آباد مقرر کیا اور خود ۵ محرم ۹۳۵ھ کو بڑے اطمینان کے ساتھ گوالیار روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر اس نے گوالیار کے قلعے، سنگی ہاتھی، بکرماجیت اور مان سنگھ کی تباہ شدہ اور ویران عمارتوں کی سیر کی جو قلعے کے اندر واقع تھیں۔ نیز باغ اور رحیم داد کے بنوائے ہوئے حوض کو دیکھا اس باغ میں بابر کو سرخ رنگ کے گلاب کا پھول، جو بہت ہی نایاب ہے، نظر آیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس پودے کی ایک شاخ آگرے میں بھی لگائی جائے۔ کیونکہ آگرے میں گلاب کا پھول شفتالو کے رنگ کا ہوتا تھا، یہ سرخ، آتشی رنگ کا پھول نظر نہیں آتا تھا۔ بابر نے گوالیار میں سلطان شمس الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی زیارت بھی کی اور بار بار سلطان کی مغفرت کی دعا کی اس کے بعد وہ گوالیار سے لوٹ آیا۔

بیماری

"واقعات بابری" میں خود بابر نے یہ تحریر کیا ہے کہ ۲۳ صفر ۹۳۵ھ کو مجھے اپنے بدن میں ایسی حرارت محسوس ہوئی کہ میں نے نماز جمعہ مسجد میں بڑی مشکلوں سے ادا کی۔ اس کے تیسرے روز یعنی یک شنبہ کو مجھے سردی لگ کر بخار آ گیا۔ اس زمانے میں میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالے "ولدیہ" کو نظم کا لباس پہنا رہا تھا میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر میری یہ خدمت حضرت شیخ کی بارگاہ میں سرفراز ہوئی تو مجھے اپنے موجودہ مرض سے ضرور نجات مل جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح "قصیدہ بردہ" کے مصنف نے اپنی طویل نظم کی مقبولیت سے اپنے مرض سے شفا پائی۔ میں نے اس رسالے کو اسی وزن میں نظم کیا کہ جس میں حضرت مولانا جامی کا سبحہ ہے۔ یعنی بحر رمل مسدس مجنون میں(۴۵)"

صحت یابی اور جشن مسرت

میری فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ جب بھی کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو وہ تیس چالیس روز سے پہلے میرا پیچھا نہیں چھوڑتا' لیکن اس بار ایسا نہ ہوا اور میں آٹھویں ربیع الاول کو ہی صحت یاب ہو گیا- اور خداوند تعالے کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا اس خوشی میں میں نے باغ ہشت بہشت میں ایک جشن مسرت منایا اور اس جشن میں آس پاس کے تمام ایلچی قزلباش اور ازبک اور ہندو شریک ہوئے- میں نے کشتی بھر بھر کر سونا اور چاندی ان لوگوں میں تقسیم کیے ان کے علاوہ دیگر حقداروں کو بھی اسی طرح فیضیاب کیا-

مشہور کتاب "حبیب السیر" کے مصنف اخوند میر' مولانا شہاب الدین معمائی اور میرزا ابراہیم قانونی جو اپنے اپنے فن میں بے نظیر تھے وہ لوگ ہرات سے نئے نئے ہندوستان میں آئے تھے- انہوں نے بھی جشن مسرت میں شرکت کی بابر نے ان پر نوازشات کی بارش کر کے انہیں مالا مال کر دیا اور اپنے مقربین میں شامل کر لیا- بادشاہ کے علاوہ امراء اور سرداروں وغیرہ نے بھی خوب جی کھول کر خوشیوں کی مجلسیں منعقد کیں-

اسی سال ملتان سے شہزادہ عسکری بابر کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ملک نصرت پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ ملک نصرت نے اپنا پیامبر بھیج کر بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی- اسی سال یعنی ۹۳۵ھ میں احمد نگر کے حکمران برہان نظام شاہ بحری نے بابر کو اس کی گزشتہ اور حالیہ فتوحات اور کامیابیوں پر مبارک باد کا ایک عریضہ روانہ کیا- اسی سال بابر کو اطلاع ملی کہ سلطان سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کر لیا ہے نیز ملتان میں بلوچوں نے آپس میں اتحاد کر کے بغاوت و سرکشی کا بازار گرم کر رکھا ہے-

بہار کو روانگی

بابر نے ملتان کی طرف جانے کا ارادہ تو چند دنوں کے لئے ملتوی کیا اور بہار کی طرف روانہ ہو گیا- جب وہ کڑہ پہنچا تو جلال الدین شاہ شرقی نے بادشاہ کی خوب خاطر تواضع کی اور شاہی بارگاہ میں نذر پیش کر کے شاہی الطاف سے بہرہ ور ہوا- بابر نے محمد زمان میرزا کو بہار کی مہم سر کرنے کے لئے روانہ کیا- محمد زمان میرزا جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سلطان محمود کے پاس جا پہنچا- سلطان محمود اپنے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ گیا- کچھ دنوں بعد افغانوں نے بہار میں پھر ایک زبردست لشکر تیار کر لیا اور جنگ کی نیت سے دریائے گنگا کے کنارے پر جمع ہو گئے-

افغانوں کا فرار

بابر نے شہزادہ عسکری کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ گزر بیدی کی طرف روانہ کیا تاکہ شہزادہ دریا کو پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہو سکے- بابر نے خود بھی دریا کو پار کرنے کا ارادہ کیا' سب سے پہلے حسین تیمور سلطان اور توختہ توغا خاں ساٹھ ستر سپاہیوں کو ساتھ لے کر گنگا کو پار کر کے دشمن کے سامنے پہنچ گیا- یہ عالم دیکھ کر افغانوں کی ہمت جواب دے گئی ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے فرار ہی میں سلامتی دیکھی-

حضرت شیخ یحییٰ کے مزار کی زیارت

نصرت شاہ نے بادشاہی اطاعت کے دائرے میں قدم رکھ کر اس علاقے کے افغانوں کی سرکشی کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا- اسی زمانے میں برسات کا موسم بھی آ گیا لہٰذا بابر نے افغانوں کے گروہ کی طرف بذات خود کچھ زیادہ توجہ نہ کی- اس علاقے کا تمام انتظام سلطان جنید برلاس کے حوالے کر کے آگرے کی طرف واپس ہوا- بابر جب منیر نامی قصبے میں پہنچا تو اس نے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے والد حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کی اور وہاں خوب جی کھول کر خیرات کی اور کامیاب و کامران آگرہ پہنچا-

سلطان سعید کا بدخشاں پر حملہ

آگرہ پہنچ کر بابر نے بدخشاں سے شہزادہ ہمایوں کو بلایا۔ ہمایوں نے بدخشاں کی حکومت اپنے بھائی ہندال میرزا کے حوالے کی اور خود بابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی اثناء میں آور کند کے حاکم سلطان سعید نے موقع پا کر بدخشاں کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سلطان سعید نے پہلے میرزا حیدر دوغلات کو روانہ کیا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ہندال میرزا نے اسی میں عافیت دیکھی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ سلطان سعید نے قلعے کا محاصرہ کر لیا' لیکن اسے اپنی کوششوں میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ اہل بدخشاں نے بھی جنہوں نے سلطان سعید کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی' اس کی کوئی مدد نہ کی اس صورت حال سے سعید بہت پریشان ہوا۔ اس نے غصے میں آ کر شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا پھر اپنے وطن کو واپس روانہ ہو گیا۔

سلطان میرزا کا امیر بدخشاں مقرر ہونا

سلطان سعید کی واپسی کی خبر ابھی آگرے پہنچی بھی نہ تھی کہ بابر نے بدخشاں کی حکومت میرزا خاں کے بیٹے میرزا سلیمان کے حوالے کر دی اور سلطان سعید کو لکھا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ ایسی کونسی بات ہوئی کہ تم نے یوں مخالفت پر کمر باندھ لی ہے۔ ہم دونوں کے بہت سے پرانے اور نئے حقوق ایک دوسرے پر واجب ہیں اگر تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ہندال بدخشاں کا حاکم ہو تو میں سلیمان میرزا کو' جو میرا اور تمہارا دونوں کا بیٹا ہے بدخشاں کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ مجھے پوری پوری توقع ہے کہ تم سلیمان میرزا کی ویسی ہی مدد کرو گے جو مجھے منظور ہے۔" سلیمان میرزا جب بدخشاں پہنچا تو دشمن کا لشکر وہاں سے رخصت ہو چکا تھا اس لئے میدان خالی پا کر اس نے بغیر کسی رکاوٹ اور محنت کے بدخشاں کی حکومت کی عنان ہاتھ میں لے لی ہندال واپس ہندوستان آ گیا اس وقت سے اب تک بدخشاں کی حکومت سلیمان میرزا کی اولاد میں وراثتاً چلی آ رہی ہے ان لوگوں کے حالات کسی مناسب جگہ پر قلم بند کیے جائیں گے۔

بابر کا انتقال

۹۳۶ھ میں رجب کے مہینے میں بابر بیمار پڑ گیا۔ اس کی یہ بیماری روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی علاج معالجہ کیا گیا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس مرض کو ترقی ہوتی چلی گئی آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ بابر اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ان دنوں شہزادہ ہمایوں کالنجر کے قلعے کی تسخیر کے لئے گیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے واپس دار السلطنت میں بلایا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ ۵ جمادی الاول ۹۳۷ھ کو بابر نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کی وصیت کے مطابق لاش کابل روانہ کر دی گئی جہاں اسے حضرت محمد صلعم کی قدم گاہ میں دفن کر دیا گیا۔

عادات و خصائل

"بہشت روزی باد" سے بابر کے سال وفات کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ بابر بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور اس نے اڑتیس سال تک حکومت کی' جود و سخا اور انسانی ہمدردی اس کی طبیعت کی نمایاں خصوصیات تھیں' اس کے ملازموں نے کئی بار اس کے ساتھ بددیانتی اور بے وفائی سے کام لیا' یہاں تک کہ اس کی جان لینے تک سے دریغ نہ کیا لیکن اس انسان دوست حکمران نے ان پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود بھی ان سے کسی قسم کا انتقام نہ لیا بلکہ اس کے برعکس انعام و اعزاز سے سرفراز کیا۔ بابر حنفی المذہب اور مجتہد تھا۔ اس نے کبھی نماز ترک نہیں کی ہر جمعے کے روز وہ روزہ رکھتا تھا موسیقی' شاعری' املاء اور انشا وغیرہ علوم میں وہ مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اس کے اپنے عہد حکومت کے واقعات ترکی زبان میں ایسی عمدگی اور شائستگی سے لکھے ہیں کہ اس زبان کے بڑے بڑے علماء نے اس کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔ جلال الدین اکبر کے عہد میں بیرم خاں کے بیٹے خان خاناں نے اس کتاب کا ترکی سے فارسی ترجمہ کیا جو آج تک مروج ہے۔

شخصیت

بابر شکل و صورت اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے ایک دلکش اور خوب صورت شخصیت کا مالک تھا۔ خوش بیانی اور خندہ روئی نے اس

کے حسن میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ بابر ذہانت اور فطانت میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ جب شیخ زین صدر نے اس سے ملاقات کی تو بابر نے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا "آج سے سات سال قبل میں چالیس سال کا تھا اس سے دو سال پہلے بھی میرے پاس چالیس (۴۰) تھے اور اس وقت بھی میں چالیس (۴۰) کا مالک ہوں۔ "بابر نے فوراً شیخ زین صدر کا اصل مطلب سمجھ لیا اور اس کی بہت تعریف کی۔"

انصاف پسندی

بابر کی منصف مزاجی بھی اعلیٰ درجے کی تھی اس کے انصاف کا یہ حال تھا کہ ایک بار شہر اندجان میں ملک خطا کا ایک قافلہ آیا۔ اس قافلے پر بجلی گری اور سوائے دو افراد کے تمام اہل قافلہ لقمہ اجل ہو گئے۔ بابر کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے خدمتگاروں کو اس قافلے کے تمام مال و اسباب کو جمع کرنے کا حکم دیا اگرچہ اس وقت مال و اسباب کا کوئی وارث موجود نہ تھا' لیکن بابر نے تمام سامان اپنے پاس بڑی احتیاط سے رکھا۔ آس پاس کے علاقوں میں اپنے آدمی بھیج کر مرحومین کے وارثوں کو بلوایا۔ یہ وارث کامل دو سال کے بعد بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے بابر نے تمام سامان جو اس کے پاس محفوظ تھا' ان کے حوالے کر دیا۔

عیش کوشی و حسن پرستی

بابر کی ساری زندگی اگرچہ میدان جنگ میں گزری اور اس کا بیشتر حصہ معرکہ آرائیوں ہی میں بسر ہوا' لیکن وہ عیش و عشرت سے مجتنب نہ رہا اس کی محفل میں پری چہرہ حسینوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بابر نے کابل میں ایک جنت مثال مرغزار میں پتھر کا ایک حوض بنوایا تھا۔ اسے شراب ناب سے پر کروا دیا۔ وہ اس حوض کے کنارے' اپنے خوش مزاج اور ذی عقل دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر عیش و عشرت کی محفلیں منعقد کرتا تھا اس نے اپنا ایک شعر اس حوض پر کندہ کروایا تھا' جو یہ ہے۔

نو روز و نو بہار و مئے دلبری خوش است　بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

زمین کی پیمائش کرنے کی وہ طناب جس سے بادشاہ کے سفر اور شکار میں اس کے پیچھے پیچھے چل کر زمین کو ناپا جاتا ہے بابر کی ایک عظیم الشان یادگار ہے۔ اس نے سو طنابوں کو ملا کر ایک طناب بنائی تھی۔ ہر طناب چالیس (۴۰) گز کی ہوتی تھی اور ہر گز نو (۹) مٹھی کا ہوتا تھا۔ بابر کے عہد حکومت سے قبل ہندوستان میں سکندری گز مروج تھا' لیکن بابر نے اسے مسترد قرار دے کر بابری گز کو متعارف کروایا۔ پھر سارے ملک میں اس کا رواج ہو گیا۔ بابری گز جہانگیر کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے تک مروج رہا۔

بابر کا نسب

اب چونکہ ہندوستان کی حکومت دست بہ دست ہوتی ہوئی مغلوں کے قبضے میں آ گئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس جگہ بابر کے نسب کی بھی تھوڑی سی کیفیت درج کر لی جائے۔ چنگیز خاں بن بیو کا بن بہادر کے چار بیٹے تھے۔ چنگیز نے اپنی زندگی ہی میں ان چاروں کے لیے امراء کے قبیلے اور ممالک مقرر کر کے چار الگ الگ قومیں بنا دی تھیں۔ اس نے ایک قانون' جسے ترکی میں "تورہ" کہتے ہیں وضع کیا تھا تاکہ اس کے بیٹوں کو ہدایت و رہنمائی ملتی رہے۔ ان چاروں بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) اوکتائی قاآن (۲) چغتائی خاں (۳) جوجی خاں (۴) تولی خاں۔

اوکتائی قاآن

اوکتائی قاآن ہرچند کہ چنگیز کا سب سے بڑا بیٹا نہ تھا لیکن اچھی عادتوں اور عدل پسندی کی وجہ سے اپنے بھائیوں میں سب سے ممتاز اور بہتر تھا۔ چنگیز کے حکم سے وہی باپ کا جانشین مقرر ہوا اور چنگیزیوں کے اصل وطن قراقرم اور کلوران میں حکمرانی کے فرائض انجام دینے لگا۔ اس بادشاہ کو شراب نوشی کی بہت عادت تھی اور اسی کی کثرت سے ۶۳۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

چغتائی خاں

چغتائی خاں چنگیز خاں کا منجھلا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اپنے چھوٹے بھائی کی فرمانبرداری اور اطاعت پورے خلوص کے ساتھ کرتا رہا۔ اوکتائی قاآن بھی اپنے بڑے بھائی کا بہت خیال رکھتا تھا اور ہر طرح اس کا ادب اور احترام ملحوظ خاطر رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے بیٹے کیوک کو چغتائی خاں کا ملازم رکھوا دیا۔ چنگیز کے حکم کے مطابق چغتائی خاں کے حصہ میں ماوراء النہر' ترکستان' بلخ اور بدخشاں کی حکمرانی آئی۔ وہ بادشاہی رعب داب اور سیاسی معاملات نیز تورہ (چنگیز خاں کا وضع کردہ قانون) کے بارے میں معلومات رکھنے کے سلسلے میں اپنے تمام بھائیوں سے آگے تھا۔ امیر تیمور کا جد پنجم (۵) قراچار نویاں' چنگیز کے حسب الحکم چغتائی خاں کا امیرالامراء تھا'

چغتائی خاں کو سیر و شکار اور عیش و عشرت سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ لہٰذا وہ انہیں مشاغل میں کھویا رہتا اس لئے قراچار نویاں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں' امور سلطنت کو پورا کرنا ملکی ضروریات کا خیال رکھنا اور چغتائی قبیلے کی نگہداشت اور نگرانی کرنا اسی کے فرائض میں شامل تھی۔

جوجی خاں

جوجی خاں چنگیز کا سب سے بڑا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق قپچاق' خوارزم خزر' بلغار' سقمین' آلان ماس' اوس اور شمالی حدود پر حکمرانی کرتا تھا۔ جوجی خاں اوکتائی قاآں اور چغتائی خاں اگرچہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے تھے لیکن تینوں میں بڑی مخالفت تھی چغتائی اور اوکتائی' جوجی کے نسب پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔ ان کی ماں کا نام بورہیہ قوچین تھا اور یہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی' جوجی نے اپنے باپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے ۶۳۴ھ کے شروع میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قپچاق کا ساتواں حکمران' اوزبک خاں اسی جوجی خاں کی نسل سے ہے۔ یہ بادشاہ بہت ہی عادل و منصف مزاج اور خدا پرست مسلمان تھا۔ ساری قوم اوزبک اسی نیک دل بادشاہ سے منسوب ہے اور اسی نے قپچاق کے صحرا میں مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کی۔

تولی خاں

چنگیز خاں کا سب سے چھوٹا اور عزیز ترین بیٹا تولی خاں تھا۔ وہ اپنے سب بھائیوں میں سب سے زیادہ حق گو تھا اور حق پسند تھا۔ اوکتائی قاآن کے عہد حکومت میں ملک خطا کے ہنگامے میں ۶۲۸ھ میں وہ مارا گیا۔ تولی خاں کا ایک بیٹا قبلا قاآن ملک خطا کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ نے خان بالیغ نامی شہر آباد کیا اور ہندوستان کی مشہور بندرگاہ زیتون سے ایک بہت بڑی نہر نکالی یہ نہر چالیس روز کا راستہ طے کر کے خان بالیغ میں بہتی تھی۔ تولی خان کا دوسرا بیٹا ہلاکو خاں اپنے بھائی منکو قاآن کے حکم کے مطابق ایران کے سیاسی حالات کی طرف متوجہ ہوا۔

چنگیز خاں کے قبیلے کے اس قدر حالات جان لینے کے بعد یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ امیر تیمور کا سلسلہ نسب قراچار نویاں تک اس طرح پہنچتا ہے۔ امیر تیمور بن امیر طراغائی بن امیر برکل بن امیر ایلنگیز بہادر بن آنچل نویاں بن قراچار نویاں ۔۔۔ قراچار نویاں کا سلسلہ نسب الانقوا تک اس طرح پہنچتا ہے۔ قراچار نویاں بن سوغو بیچی بن امیر ایچی برلاس بن ایردی برلاس بن قاچولی بہادر بن تومنائی خاں بن بائیسنقر خاں بن قیدو خاں بن توشین بن بوقائی بن بوزنجیر بن الانقو ۔۔۔ الانقو کی ماں بہرام چوبینہ کی بیٹی تھی۔ بہرام چوبینہ یلدوز کا نواسہ تھا۔ یلدوز کا تعلق قوم برلاس سے تھا۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے چنگیز خاں کا سلسلہ بھی بوزنجیر تک پہنچتا ہے۔ امیر تیمور کے چار بیٹے تھے (۱) میرزا جہانگیر جو باپ کی زندگی میں سمرقند میں فوت ہوا (۲) میرزا شاہرخ حاکم ہرات (۳) میرزا عمر شیخ حاکم اندجان (۴) میرزا میراں شاہ حاکم تخت ہلاکو خاں۔

تیمور کے ان چار بیٹوں کی وجہ سے چار مختلف تیموری خاندان قائم ہوئے۔ اور یہ چاروں بھائی اپنی موت کے وقت تک حکمرانی کرتے رہے۔ چنانچہ آج' جبکہ یہ کتاب لکھی جا رہی ہے' چوتھا خاندان میراں شاہیہ عنان حکومت سنبھالے ہوئے ہے۔ ہندوستان کابل' غزنی'

قندھار' غور اور بامیان میں اسی خاندان کی حکومت ہے۔

حوالہ جات

۱- حصار (شادماں) یہ جگہ سمرقند سے ڈیڑھ سو میل جنوب مشرق میں ہے۔
۲- فرغانہ ترکستان کا مشرقی حصہ ہے۔
۳- گوگان یہ امیر لوگوں کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور مغلوں میں زیادہ تر شاہی دامادوں کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا امیر تیمور نے جب امیر قرغن کی بیٹی سے شادی کی تو یہ لقب اسے ملا۔
۴- یہ لفظ اصل میں دوزکندیا دوز کنت ہے۔ یہ جگہ اندجان کے مشرق میں واقع ہے اور اب اس کے پہاڑوں کو' کوہستان فرغانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
۵- اخسی فرغانہ کا بہت مشہور شہر ہے۔ اندجان کی طرف واقع ہے۔
۶- صحیح نام ابراہیم سارد ہے۔
۷- صحیح نام اراتہ ہے۔ جو خجند اور زرفشاں (سمرقند) کے درمیان مشہور شہر تھا۔
۸- قشلاق اس چھاؤنی کو کہا جاتا ہے۔ جہاں سردی کا موسم گزارا جاتا ہے۔
۹- شیبانی خاں ازبک قوم کے مغلوں کا جو بحر ارال اور بحر خزر کے درمیان آباد ہو گئے تھے۔ ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے جس نے خوارزم' ماوراء النہر اور فرغانہ خراساں وغیرہ ملک فتح کر لیے تھے (ملاحظہ ہو شیبانی خاں از محمد رحیم دہلوی)
۱۰- یہ مقام خجند اور تاشقند کے درمیان واقع تھا۔
۱۱- یہ مقام فرغانہ کے جنوب میں واقع ہے۔
۱۲- وہ مقام جہاں امراء گرمی کا موسم گزارتے ہیں۔
۱۳- یہ نام غلط ہے۔ مرغنیان ہونا چاہیے۔
۱۴- اوش ایک مشہور قصبہ ہے جو اندجان کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
۱۵- بادورد فرغانہ کا کوئی قلعہ ہے جو اب لاپتہ ہے۔
۱۶- اس مقام کے بارے میں صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کہاں واقع ہے۔
۱۷- کش' حصار اور چغتانیاں' ماورالنہر کے تینوں مشہور شہر ہیں۔
۱۸- صحیح نام "سرہ تاق" ہونا چاہیے' سرماق کتابت کی غلطی ہے۔
۱۹- یورت خاں سمرقند سے تین چار میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔
۲۰- سمرقند کے جنوب مغرب میں تقریباً اسی میل کے فاصلے پر قرشی اور خضار (خزار) واقع ہیں۔
۲۱- کاروزن مرو سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ جدید نقشوں میں "کارش گن" کے نام سے ہے۔
۲۲- گرم سیر (یا گرم سیل) موجودہ افغانستان کا ایک جنوب مغربی ضلع ہے جو دریائے ہلمند کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔

۲۳- قشلاقات ہزارجات سے ہزارستان کے زیریں میدان مراد ہیں۔

۲۴- اویماقات، پہاڑی اضلاع کو کہتے ہیں۔

۲۵- مرغاب، افغانستان کے شمالی حصے خراسان میں ایک مشہور ندی اور قلعہ ہے۔

۲۶- فراہ، ہرات اور گرم سیر کے درمیان افغانستان کے مغربی علاقے کا نام ہے۔

۲۷- "سیادل" غلط ہے۔ شال یا شاول صحیح نام ہے جو کوئٹہ کا اصلی نام ہے۔

۲۸- سنگھار (شنگھڑ) ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ساٹھ ستر میل مغرب میں قندہار کے راستے پر واقع ہے۔

۲۹- قراش یا قراس غلط ہے۔ قرشی ہونا چاہیے۔

۳۰- غجدوان، سمرقند سے تقریباً دو سو میل شمال مغرب میں مشہور تاریخی قلعہ ہے۔

۳۱- "شاہرخی" امیر تیمور کے جانشین شاہرخ مرزا کا نقرئی سکہ ہے۔

۳۲- نکہ۔ کوکاتر کی زبان میں رضاعی بھائی کو کہتے ہیں۔

۳۳- قلعہ "پرہالہ" دوآبہ سندھ ساگر میں واقع تھا۔

۳۴- سید پور، لہور کا پرگنہ یا تعلقہ تھا۔

۳۵- سلطان علاؤ الدین لودھی، سلطان سکندر لودھی کا بھائی تھا اور سلطان ابراہیم لودھی اپنے بھتیجے کے مقابلے میں حکومت ہند کا دعویدار تھا۔

۳۶- کلانور ضلع گورداسپور میں مشہور مقام ہے۔

۳۷- پیر سرور غلط ہے۔ پسرور ضلع سیالکوٹ میں واقع ہے۔

۳۸- ملوٹ نام کا مشہور قلعہ ضلع ہوشیارپور تھا۔ جس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اسی نام کا ایک پہاڑی قلعہ ضلع جہلم میں واقع ہے۔

۳۹- کئی مستند تاریخوں کے بموجب یہ لڑائی ۸ رجب یوم جمعہ کو ہوئی تھی، بابر کی فتح کا باعث یہ تھا کہ اگرچہ اس کی فوج دشمن کی فوج کے آٹھویں حصے سے کم تھی۔ مگر اس کے پاس سات سو چھوٹی توپیں تھیں۔

۴۰- سلطان سکندر لودھی کے زمانے ہی سے آگرہ پایہ تخت بن گیا تھا۔

۴۱- "قول" فوج کے اس حصے کو کہا جاتا ہے۔ جو لشکر کے درمیان میں متعین ہو۔

۴۲- "جرانغار" دائیں طرف کی فوج کو کہا جاتا ہے۔

۴۳- "تیولقمہ" لشکر کے اس حصے کو کہتے ہیں جو میمنہ یا میسرہ کے ساتھ اس مقصد کے لئے رکھا جاتا ہے کہ جب حریف جنگ میں مصروف ہو تو اس پر ایک پہلو سے یا پیچھے کی طرف سے حملہ کیا جاسکے۔

۴۴- "تواچی" اور "سیادل" نقیبوں اور چوبداروں کو کہا جاتا ہے۔

۴۵- بحر رمل مسدس مجنوں کا وزن یہ ہے۔ "فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔"

نصیرالدین ہمایوں

ہمایوں کی تخت نشینی

نصیرالدین ہمایوں اعلیٰ طبیعت اور عمدہ اخلاق کا فرمانروا تھا اسے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے علاوہ علم ریاضی اور نجوم سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ ان علوم میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے عناصر اور آسمانوں کی مختلف صورتوں اور پردوں کے ساتھ کرہ ارض کا ایک نقشہ تیار کیا تھا۔ اس نقشے کے ہر حصے کو اس نے مناسب اور موزوں رنگوں سے رنگا تھا اور ہر آسمان کے ستاروں کو ان کی جگہ پر نصب کر دیا تھا۔ اسی طرح اس نے پورے ہفتے کے لئے سات محفلیں ترتیب دی تھیں۔ پہلی محفل میں جو چاند سے منسوب ہے' قاصدوں مسافروں اور پیغام بروں کا مجمع رہتا تھا۔ دوسری محفل عطارد سے منسوب تھی' اس میں مصنفین انشاپرداز اور اہل علم جمع رہتے تھے۔ اسی طرح سات رنگوں میں سے کسی ایک رنگ سے ہر محفل کو زینت بخشی جاتی تھی۔ اور ہر محفل میں حاضرین اسی محفل کے رنگ کے مطابق کپڑے پہن کر شریک محفل ہوتے تھے۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ ہر روز ایک محفل میں شرکت کرتا اور حاضرین سے گفتگو کرکے ان کی عزت افزائی کرتا اس بلند حوصلہ اور عالی ہمت بادشاہ کو ہم اپنی اس کتاب میں "جنت آشیانی" کے لقب سے یاد کریں گے۔ (۱)

الغرض بابر کی وفات کے بعد ہمایوں کے نام کا سکہ ملک میں جاری ہوا اور خطبہ پڑھا گیا۔ ہمایوں کا بھائی کامران مرزا بادشاہ کی پرسش احوال اور تخت نشینی کی مبارک باد دینے کے بہانے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اس کا اصل مقصد پنجاب پر قبضہ کرنا تھا۔ ہمایوں کی صلح پسند طبیعت نے کامران کی اس بدنیتی کو بالکل نظرانداز کر دیا کامران' کابل اور قندھار کا حکمران تو پہلے ہی تھا۔ ہمایوں نے پنجاب' پشاور اور طغان کی حکومت کا فرمان حکمرانی بھی اس کے نام لکھ کر روانہ کر دیا۔ ہندال میرزا کو میوات کا اور عسکری میرزا کو سنبھل کا حکمران مقرر کیا گیا۔

قلعہ کالنجر پر حملہ

۹۱۸ھ میں ہمایوں نے کالنجر کے قلعے پر حملہ کرکے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اسی زمانے میں سلطان سکندر لودھی کے بیٹے محمود خاں نے بن افغان کی مدد سے اور اشتراک سے جونپور پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس کے اطراف میں غارت گری و تباہی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر ہمایوں نے کالنجر کے قلعے کا محاصرہ اٹھالیا اور راجہ کالنجر سے پیشکش وصول کرتا ہوا جونپور جا پہنچا۔ ہمایوں کے لشکر اور افغانوں کی فوج کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں افغانوں کو شکست ہوئی قدیم دستور کے مطابق ہمایوں نے یہاں کی حکومت جنید برلاس کے حوالے کی اور خود آگرہ واپس آگیا۔

دار السلطنت میں واپس پہنچ کر ہمایوں نے ایک بہت بڑا جشن مسرت منعقد کیا۔ نظام الدین احمد بخشی کے بیان کے مطابق بارہ ہزار اشخاص کو مرصع اور جواہر نگار خلعت سے سرفراز کیا۔ جشن سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہمایوں نے ایک ایلچی شیر خاں کے پاس روانہ کیا اور اس سے چنار کا قلعہ واپس طلب کیا۔ شیر خاں نے قلعہ واپس دینے سے انکار کیا یہ جواب پاکر ہمایوں نے اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں بہادر شاہ گجراتی نے بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے تھے اور اس علاقے میں چاروں طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ اس لیے ہمایوں نے یہی مناسب سمجھا کہ قلعہ چنار شیر خاں کے قبضے ہی میں رہنے دیا جائے۔ بادشاہ نے مناسب شرائط پر شیر خاں سے صلح کرلی اور آگرے کی طرف واپس ہوا۔ ابھی وہ آگرہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ شیر خاں کے بیٹے قطب خاں نے جو اپنے باپ کی طرف سے بادشاہ کا

ملازم تھا' لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی' اور چنار کی طرف فرار ہو گیا۔ اسی زمانے میں سلطان حسین مرزا کے نواسے محمد زمان میرزا نے چغتائی امراء سے مل کر ہمایوں کو تخت سے اتار کر خود بادشاہت کرنے کی سازش کی۔ ہمایوں کو اس سازش کی اطلاع مل گئی۔ اس نے اس مرتبہ محمد زمان کی غداری کو معاف کر دیا اور اس سے قرآن شریف کا حلف لے کر آئندہ اس قسم کی غداری نہ کرنے کا وعدہ لے کر اسے چھوڑ دیا' لیکن اس سیاہ کار کو ہنگامہ اور فتنہ و فساد پیدا کرنا اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ اس لیے محمد زمان کی فتنہ پرداز طبیعت نے اصلاح کو پسند نہ کیا اور تخریبی کاروائیاں شروع کر دیں۔ ہمایوں نے اس مرتبہ محمد زمان کو گرفتار کر کے یادگار بیگ چغتائی کے حوالے کر دیا اور اسے حکم دیا کہ محمد زمان کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا جائے۔

محمد سلطان اور نخوت سلطان دونوں سلطان حسین مرزا کے نواسے تھے۔ یہ دونوں نامی گرامی امیر اور مغل شہزادے تھے چونکہ انہوں نے محمد زمان کا ساتھ دیا تھا اور سازش میں اس کے شریک رہے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دینے کا حکم صادر ہوا۔ جس شخص کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا اس نے نخوت سلطان کو تو اندھا کر دیا' لیکن محمد سلطان کو اس نے کچھ نہ کہا۔ محمد زمان میرزا قلعہ بیانہ کے ملازمین کے ساتھ سازش کر کے قلعے سے نکل گیا اور گجرات کی طرف چلا گیا۔ محمد سلطان جو بناوٹی اندھا بنا ہوا تھا اس نے بھی قلعے والوں کے ایک گروہ کے ساتھ سازباز کر لی اور اپنے بیٹوں الغ میرزا اور شاہ میرزا کو ساتھ لے کر قنوج کی طرف بھاگ نکلا۔ محمد سلطان میرزا نے قنوج کے ایک چھوٹے سے حصے پر قبضہ کر لیا اور تقریباً پانچ چھ ہزار مغل اور راجپوت سپاہیوں کا سردار بن گیا۔ ہمایوں نے پہلے تو اپنا ایک آدمی بہادر شاہ کے پاس بھیجا اور محمد زمان میرزا کو طلب کیا۔ بہادر شاہ نے شاہی حکم کو بجا لانے کی بجائے غرور کے نشے میں سرشار ہو کر ایسی باتیں کیں جن سے بادشاہ کی بے ادبی و توہین ہوتی تھی۔ ہمایوں نے ایسے بے ادب کو سزا دینا ضروری خیال کیا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

بہادر شاہ کی ہنگامہ خیزی

اسی زمانے میں بہادر شاہ نے چتوڑ کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ حصار کا حاکم رانا بکرماجیت سے مدد کا خواہاں ہو کر اس کے دامن میں پناہ گزین ہوا۔ ہمایوں رانا کی مدد اور بہادر شاہ کی سرزنش کے لئے دہلی سے روانہ ہو گیا۔ جب وہ گوالیار پہنچا تو وہاں کچھ ایسے امور پیش آئے کہ اسے دو ہفتے تک گوالیار میں ٹھہر کر واپس آنا پڑا۔ رانا بکرماجیت جب ہمایوں کی مدد سے مایوس ہو گیا تو اس نے بہت سے تحائف اور تاج مرصع بہادر شاہ کو نذر کر کے قلعے کو محاصرے سے بچایا۔ شہر مندو اور چتوڑ کو فتح کرنے کے بعد بہادر شاہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی خیال کرنے اور محمد زمان میرزا کی عزت بھی بہت کرنے لگا۔ بہادر شاہ نے اپنی حکمت عملی سے سکندر لودھی کے بیٹے علاؤ الدین کی بھی بہت ہمت افزائی کی اور اسے دہلی فتح کرنے کے خواب دکھائے۔

ہمایوں نے تاتار خاں ولد علاؤ الدین کو چالیس ہزار افغانوں کا سردار بنا کر ان ممالک کو فتح اور تاراج کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کچھ ہی دنوں میں بیانہ فتح کر لیا گیا اور اس شہر سے لے کر آگرہ تک سارا علاقہ افغانوں کے قبضے میں آ گیا۔ ہمایوں نے مغل امراء کی ایک جماعت کے ساتھ میرزا ہندال کو تاتار خاں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا۔ مغل فوج کی آمد کی خبر سن کر دشمن کے لشکر کے بیشتر سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ تاتار خاں کے لئے سوائے معرکہ آرائی کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا لہٰذا وہ مجبوراً دس ہزار لشکریوں کے ساتھ میرزا ہندال کے مقابلے پر آیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی ہندال کو فتح ہوئی اور تاتار خاں میدان جنگ میں تین سو افغانوں کے ساتھ کام آیا۔ ہندال میرزا نے موقع پا کر بیانہ کو بھی فتح کر لیا اور کامیاب و کامران واپس آیا۔

چتوڑ کی فتح کا ارادہ

۹۴۰ھ میں بہادر شاہ نے دوبارہ چتوڑ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے لشکر کو اس مقصد کے لئے روانہ کیا۔ ہمایوں نے احتیاطی تدابیر کے

پیش نظر دریائے جمنا کے کنارے ایک نہایت ہی مضبوط اور مستحکم قلعہ تعمیر کروایا اور اسے "دین پناہ" کے نام سے موسوم کیا۔ اس قلعے کی تکمیل کے بعد ہمایوں نے اپنے معتمد امراء کو حاکم مقرر کیا اور خود سارنگ پور کی طرف روانہ ہوا۔ سارنگ پور بہادر شاہ گجراتی کے مقبوضات کا ایک حصہ تھا۔ ہمایوں نے ذیل کے دو اشعار منظوم کرکے بہادر شاہ کے پاس بھیجے۔

اے کہ ہستی غنیم شہر چتوڑ کافراں راچہ طور می گیری
بادشا ہے رسید بر سر تو تو نشستہ چتوڑ می گیری

بہادر شاہ نے بھی اسی انداز اور اسی لہجے میں جواب منظوم دیا۔

منکہ ہتم غنیم شہر چتوڑ کافراں را بجور می گیرم
ہر کہ بکند ہمایت چتوڑ تو بہ بیں کش چہ طور می گیرم

کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ نے یہ درشت جواب ہمایوں کو بھیجنے کے بعد اپنے ارا کین حکومت سے لڑائی کے متعلق مشورہ کیا اکثر امراء نے یہ مشورہ دیا کہ ہمایوں ایک بہت بڑا فرماں روا ہے پہلے اس سے فراغت حاصل کر لی جائے تو بہتر ہو گا۔ چتوڑ کو بعد میں دیکھا جائے لیکن بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہمایوں بڑا مذہبی اور پابند شریعت انسان ہے وہ کافروں کی طرفداری کرنے کی بدنامی کبھی نہ لے گا اور غیر مسلموں کا ساتھ دے کر ہمارے مقابلے پر نہ آئے گا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ پہلے کافروں کے ساتھ معرکہ آرائی کی جائے اور جس قلعے کا محاصرہ ہم ایک عرصے سے کیے ہوئے ہیں اس کو جلد از جلد فتح کیا جائے۔ اس کو فتح کرنے کے بعد ہی کسی دوسرے کام میں ہاتھ ڈالنا مناسب ہو گا۔ بہادر شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اہل قلعہ پر محاصرے کی سختیاں پہلے سے کہیں زیادہ کر دیں۔ ہمایوں کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے سارنگ پور میں بہادر شاہ کے قلعے کو فتح کرنے تک توقف کیا۔

بہادر شاہ اور ہمایوں میں جنگ

بہادر شاہ کے برے دن آچکے تھے اس نے کسی طرح بھی اپنے کو جھکنے پر آمادہ نہ کیا اور ہمایوں جیسے عظیم المرتبت بادشاہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۹۴۱ھ میں اس نے ہمایوں کے لشکر کی طرف رخ کیا اور اپنے آپ کو متعدد مشکلات اور مصائب میں گرفتار کیا۔ ہمایوں بہادر شاہ پر ہر طرح کے احسانات کر چکا تھا اسے بہادر شاہ کی طرف سے ایسی بے مروتی اور احسان ناشناسی کا گمان بھی نہ تھا۔ ہمایوں کو بہت غصہ آیا وہ اس بے وفا بہادر شاہ کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ مندرسور کے نواحی علاقے میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ بہادر شاہ نے ایک بہت بڑا توپ خانہ جمع کر لیا تھا اس نے اپنے توپ خانہ کے سردار رومی خاں کی مدد سے اپنے لشکر کے اردگرد خندق کھدوا کر اس میں بارود بھر دیا تھا۔ بہادر شاہ اپنی اس قوت پر بے حد نازاں تھا دو مہینے تک ہر روز چغتائی لشکر سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ بہادر شاہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح چغتائی فوج کو اپنے توپ خانے کی زد پر لا کر تباہ و برباد کر دے۔ ہمایوں بہادر شاہ کے اس ارادے سے پوری طرح باخبر تھا اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ توپ خانوں کے سامنے نہ جائیں۔

اس کے علاوہ ہمایوں نے پانچ چھ ہزار تیر انداز سپاہیوں کو گجرات کے آس پاس کے علاقوں میں تباہی و بربادی پر متعین کر رکھا تھا۔ یہ لوگ بہادر شاہ کی فوج تک غلہ اور چارہ وغیرہ نہ پہنچنے دیتے تھے۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہادر شاہ کے لشکر میں زبردست قحط پڑ گیا۔ گھوڑے، اونٹ، ہاتھی اور انسان، غرض سبھی بھوک کی وجہ سے مرنے لگے۔ بہادر شاہ پر پوری طرح ظاہر ہو گیا کہ اس جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا اب موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ایک رات پانچ سو آدمیوں کے ساتھ بہادر شاہ ہمایوں بادشاہ کے خیمے کے پیچھے سے ہو کر شاہ آباد اور مندو کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ برہان پور کا حاکم مبارک شاہ فاروقی اور مالوہ کا حاکم قادر شاہ بھی تھا۔ جب گجراتی لشکر کو اپنے بادشاہ کے فرار ہونے کا پتہ چلا تو وہ بھی افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ہمایوں نے مندو کی سرحد تک گجراتیوں کا برابر

پیچھا کیا۔ جو بھی گجراتی سپاہی ملا چغتائی تلوار سے بچ نہ سکا۔ بہادر شاہ نے قلعہ مندو میں پناہ لی۔ ہمایوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور ایک عرصے تک محاصرہ جاری رکھا۔ ہمایوں نے مورچل تقسیم کر کے محاصرے کی تنظیم کی کچھ دنوں کے بعد تین سو مغل ایک رات قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے گجراتیوں پر مغلوں کا خوف اس طرح چھایا ہوا تھا کہ بغیر یہ جانے ہوئے کہ کتنے مغل سپاہی قلعے میں داخل ہوئے ہیں۔ گجراتی ان کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہادر شاہ بھی خواب غفلت سے بیدار ہوا اور بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر خود بھی بھاگ نکلا۔ پانچ یا چھ ہزار سواروں کے ساتھ جاپانیر جو گجرات کا دار الخلافہ تھا کا رخ کیا۔ صدر جہاں بادشاہ کا امیر الامراء اور اپنے وقت کا فاضل اشائے تعاقب میں زخمی ہو چکا تھا اس لئے وہ بھاگ نہ سکا اور حصار سے باہر نکل کر قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ ہمایوں تعاقب کے دوران میں اس فاضل امیر کی شجاعت اور بہادری دیکھ چکا تھا۔ بادشاہ نے صدر جہاں کو اپنے خاص مقربوں میں شامل کر کے اسے نوازا۔

گجراتیوں پر حملہ

صدر جہاں کا بیان ہے کہ جس وقت ہمایوں بہادر شاہ کا تعاقب کر رہا تھا اور سیلاب کی طرح بڑھتا جا رہا تھا اسے بہادر شاہ کی فوج نظر آئی۔ ہمایوں نے اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ گجراتیوں پر حملہ کر دیا۔ صدر جہاں نے بہادر شاہ کی ڈھال بن کر ایسی ہمت اور استقلال سے کام لیا کہ اس کا آقا صحیح و سلامت میدان جنگ سے بچ کر نکلا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مقابلے میں ہمایوں نے خود بھی صدر جہاں سے مقابلہ کیا اور اسے زخمی کر کے سامنے سے بھگا دیا۔

بہادر شاہ کا تعاقب

ہمایوں نے مندو کے بلند قلعے کو اپنے ساتھیوں کے سپرد کیا اور تیسرے دن بہادر شاہ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ بہادر شاہ جس قدر مال و دولت جاپانیر سے لا سکا محمد آباد کے قلعے میں لے آیا۔ پھر وہاں سے احمد آباد کی طرف بھاگ نکلا۔ بادشاہ نے جاپانیر کو تاخت و تاراج کر کے قلعہ محمد آباد کا محاصرہ خواجہ برلاس کے سپرد کیا پھر احمد آباد کا رخ کیا۔ بہادر شاہ ہمایوں کے تعاقب کی خبر سن کر کھمبایت پہنچ گیا' بادشاہ نے بھی ادھر کا رخ کیا۔

بہادر شاہ یہ خبریں سن کر بے حد مضطرب ہوا اور جزیرہ دیو میں جا کر پناہ لی ہمایوں نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ جس دن بہادر شاہ فرار ہوا اسی دن کمبایت جا پہنچا۔ وہاں دو دن قیام کیا۔ وہاں سے یہ معلوم کر کے کہ گجراتیوں کا سب مال و دولت اور خزانہ قلعہ جاپانیر میں ہے پھر اسی طرف رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے گجراتی حاکم اختیار خاں نے بڑی ہوشیاری سے حفاظت کی اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ باوجود اس کے کہ قلعے میں اس قدر سامان تھا کہ برسوں کے لئے کافی ہوتا پھر بھی قلعے کے ایک طرف سے جنگل کے راستے گرد و نواح کے زمینداروں کی مدد سے روشن' غلہ اور چارہ طنابوں کے ذریعے قلعے میں منگواتا رہا۔ ایک دن ہمایوں قلعے کے گرد پھر رہا تھا کہ ایک جماعت نظر آئی جو جنگل سے قلعے کی طرف آ رہی تھی' یہ لوگ فوجی سپاہیوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور جنگل میں روپوش ہو گئے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو ان کی تلاش میں روانہ کیا۔ سپاہی چند آدمیوں کو گرفتار کر لائے قلعہ دار کا راز فاش ہو گیا۔ بادشاہ نے بذات خود اس مقام کو دیکھا جہاں سے غلہ قلعے کے اندر کھینچا جاتا تھا۔ ہمایوں اس مقام کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد خوب سوچ سمجھ کر لشکر کو واپس لے آیا۔

قلعے پر قبضہ

بادشاہ نے بیشمار فولادی میخیں تیار کرائیں۔ مہینے کی چودھویں رات کو قلعے پر ہر طرف سے حملہ کیا۔ خود تین سو سواروں کے ساتھ اس جگہ پر گیا۔ فولادی میخیں پہاڑ میں مضبوطی سے گڑوائیں اہل قلعہ اس طرف سے بالکل مطمئن تھے۔ ہمایوں کی تدبیروں سے قطعاً آگاہ نہ ہو سکے جب سب کچھ مکمل ہو گیا تو سب سے پہلے انتالیس آدمی جن میں سب سے آخری جانباز بیرم خاں تھا قلعے کے اوپر چڑھے اس کے بعد بادشاہ بھی سوار ہوا۔ صبح تک تین سو سوار قلعے کے اوپر پہنچ چکے تھے۔ ان سواروں کے قلعے پر پہنچتے ہی فوج نے ہر طرف سے حملہ کیا۔

ہمایوں کی فطری بہادری کی مثال مشکل سے دوسرے فرمانرواؤں کے کارناموں میں ملتی ہے۔ بہ آواز بلند تکبیر کہی اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ایسے مضبوط اور سربفلک قلعے کو آسانی کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے فتح کر لیا اور یہ فتح ایک یادگار بن گئی۔ اختیار خاں اور اس کے متعلقین کو چھوڑ کر جو قلعہ ارک موسوم بہ مویسہ میں آ گئے تھے باقی سب اہل قلعہ قتل ہو گئے۔ اختیار خاں بھی ہمت ہار بیٹھا جان کی امان مانگ کر قلعے سے باہر آیا۔ اختیار خاں گجراتیوں میں علم و فضل کی وجہ سے ممتاز تھا لہٰذا ہمایوں نے اس کی سرپرستی کی اور اپنے خاص حلقے میں شامل کر لیا۔ گجرات کے شاہوں کا خزانہ جو کئی سالوں سے جمع تھا چغتائیوں کے قبضے میں آ گیا۔ تمام رومی، فرنگی، خطائی اور ہندی کپڑے اور مال و دولت جو خزانہ میں اکٹھا تھا، لوٹا گیا۔ بہادر شاہ بندر دیو میں پہنچا اس نے چنگیز خاں مقتول کے باپ عماد الملک چرکس کو مالیہ اور دوسرے محصول وصول کرنے کے لئے اور لشکر جمع کرنے کو احمد آباد روانہ کیا۔ عماد الملک نے کچھ قیام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پچاس ہزار سپاہی اکٹھے کر لیے، مالگزاری بھی وصول کرنا شروع کی۔ دن بدن قوت میں اضافہ ہونے لگا۔

احمد آباد پر قبضہ

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمایوں نے قلعہ جاپانیر اور گرد و نواح کا انتظام تردی بیگ مغل کے سپرد کیا۔ اور خود احمد آباد روانہ ہو گیا۔ قلعہ محمود آباد کے گرد و نواح میں چغتائی لشکر کے مقدمتہ الجیش مرزا عسکری اور عماد الملک میں آمنا سامنا ہوا۔ عماد الملک کو شکست ہوئی۔ بادشاہ احمد آباد جیسے خوبصورت شہر میں داخل ہوا۔ احمد آباد کی حکومت مرزا عسکری کو عطا کی۔ گجرات کو امیروں کی جاگیر میں تقسیم کیا۔

برہان پور کو روانگی

گجرات کے بعد ہمایوں برہان پور فتح کرنے کے لئے آگے روانہ ہوا۔ برہان نظام شاہ اور عماد شاہ وغیرہ دکن کے حاکموں نے پریشان ہو کر بادشاہ کے حضور میں عریضے روانہ کیے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کا علاقہ چغتائی سواروں کی آماجگاہ نہ بنے۔ ان حاکموں کے عریضے ابھی پہنچے بھی نہ تھے کہ شیر شاہ کی بغاوت کی خبریں ملیں۔ بادشاہ برہان پور کے قریب پہنچا اس علاقے پر قبضہ کر لیا اسی دوران میں "حبیب السیر" کتاب کا مولف جو بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ اسہال کی وجہ سے انتقال کر گیا اس کی وصیت کے مطابق لاش دہلی لائی گئی اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو کے قریب دفن کی گئی۔

عماد الملک اور دوسرے امیروں نے دوسری مرتبہ لشکر تیار کیا اور پھر احمد آباد روانہ ہوئے۔ یادگار ناصر مرزا پٹن کا حاکم اور قاسم حسین سلطان حاکم بھروچ کنھ اور قوم کے سلاطین میں سے تھے۔ یہ دشمن کے غلبے کی وجہ سے تنگ آ کر عسکری مرزا کے پاس آ گئے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایک رات عسکری مرزا شراب کے نشے میں مست تھا اس نے اسی حالت میں یہ جملہ کہہ دیا کہ "ہم بادشاہ ظل اللہ ہیں" مہدی قاسم خاں کے بھائی غضنفر میرزا کے کوکہ نے آہستہ سے کہا کہ ہاں مگر خود نہیں ہو" حاضرین اس جملے پر ہنس پڑے۔ میرزا نے اپنے جلیسوں کو ہنستے دیکھ کر غضنفر کوکہ کو نظربند کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد کوکہ رہائی حاصل کر کے بادشاہ کے پاس جزیرہ دیو چلا گیا۔ اس نے بہادر شاہ کو احمد آباد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور بتایا کہ میں مغلوں سے واقف ہوں وہ مشورے کر رہے ہیں اور طے کر لیا ہے کہ دشمن کا حملہ ہوتے ہی شہر سے بھاگ جائیں گے اب وہ صرف بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ تم مجھے قید میں رکھو اور مغلوں پر حملہ کر دو اگر وہ میری بات کے مطابق فرار ہونے کی بجائے مقابلے میں آ گئے تو تم مجھے سزا دینا۔"

بہادر شاہ نے سورت کے زمینداروں سے مل کر اچھی خاصی جمعیت تیار کر لی پھر احمد آباد کا رخ کیا۔ اسی زمانے میں امیر ہندو بیگ نے میرزا عسکری سے کہا کہ ملک میں خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری کرو اور خود مختاری کا اعلان کر دو۔ تمام فوجی جو کسی نہ کسی کرم اور نوازش کے امیدوار ہیں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ گو یہ بات میرزا عسکری کے دل کو بھائی لیکن اس وقت میرزا نے پسند نہ کیا بلکہ مشیر کو برا بھلا کہا۔ میرزا اپنے امیروں کے ہمراہ احمد آباد سے روانہ ہوا۔ اساول کے پیچھے کی طرف اور سیرکچ کے سامنے اپنے لشکر کو خیمہ زن کیا۔ اتفاق

سے میرزا کے لشکر میں ایک توپ چل گئی جس کی وجہ سے بہادر شاہ کی بارگاہ سرنگوں ہو گئی۔ بہادر شاہ کو بہت غصہ آیا اس نے غضنفر کو کہ کو سزا دینے کے لئے سامنے طلب کیا۔ غضنفر نے التجا کی کہ صف آرائی تک میری جان بخشی کی جائے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرزا آج ہی رات یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ رات کی تاریکی اچھی طرح چھا گئی میرزا نے قلعہ جاپانیر کا اس ارادے سے رخ کیا تاکہ وہاں کے شاہی خزانے پر قبضہ کر کے گجرات میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر سکے۔ گجرات کے سابق حاکم بہادر شاہ نے دو تین روز تک عسکری میرزا کا تعاقب کیا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ اس کے بھتیجے تردی بیگ کو عسکری میرزا کے ارادوں کا پتہ چلا۔ تردی بیگ نے عسکری میرزا کے مقابلے کر کے اس کو اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ عسکری میرزا مایوس ہو کر آگرہ روانہ ہوا اور سامان جنگ و لشکر فراہم کرنے لگا۔
ہمایوں نے اس خیال کے تحت کہ عسکری میرزا آگرہ پہنچ کر بڑا فتنہ نہ کھڑا کر دے۔ مندو کے انتظام سے دستبردار ہو کر آگرہ کا رخ کیا۔
عسکری میرزا نے جب دیکھا کہ بادشاہ ادھر ہی آ رہا ہے تو وہ اپنی نفسانی لغزشوں اور شیطانی منصوبوں پر نادم ہو کر یادگار ناصر مرزا اور قاسم حسین سلطان و دیگر امراء کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں عرض کی کہ وہ گجرات کا انتظام کرنے سے قاصر رہا اس لئے جان بچا کر آگرہ چلا آیا۔ ہمایوں نے چشم پوشی کرتے ہوئے کچھ نہ کہا۔ تردی بیگ نے بہادر شاہ سے صلح کر لی اور جاپانیر کا قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔ پھر خود بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ مالوہ اور گجرات کے علاقہ جات جو ہزار دقتوں اور پریشانیوں کے بعد قبضے میں آئے تھے ہاتھ سے جاتے رہے۔ سلطان کی عظمت میں بھی فرق آ گیا۔ ان ایام میں افیون کے زیادہ استعمال کی وجہ سے بادشاہ کی خلوت نشینی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور دربار میں بیٹھنا کم ہو گیا بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر تاک میں لگے ہوئے دشمنوں نے سر اٹھایا اس دوران میں سلطان جنید برلاس حاکم جونپور نے انتقال کیا یہ مقتدر امیر تھا۔ تمام مشرق کے افغانوں کو تلوار سے اور حسن تدبیر سے جیسا موقع ہوتا دبا دیتا۔ جنید برلاس نے ۹۴۳ھ میں رحلت کی۔

شیر خاں

شیر خاں نے (جو شرقی افغانوں کا سرغنہ تھا) بڑی شان و شوکت پیدا کر لی اور بے حد شوخیاں کرنے لگا۔ ہمایوں نے اس کی تنبیہہ کے لئے خود سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۸ صفر ۹۴۴ھ میں اس نے جون پور کا رخ کیا ان دنوں شیر خاں بنگال گیا ہوا تھا۔ ہمایوں نے چنار کے قلعے کے پاس قیام کر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ غازی خاں سور، قلعے کے ضابطہ دار نے بادشاہ کی مدافعت کی پورے چھ مہینے تک محاصرہ جاری رہا بہت سے سپاہی مارے گئے۔ ہمایوں نے رومی خاں کو منتخب کر کے چنار کی مہم اس کے سپرد کی۔ رومی خاں بہادر شاہ گجراتی سے جدا ہو کر ہمایوں کی خدمت میں آیا تھا اس نے قلعہ کی اطراف کا معائنہ کیا۔ معلوم ہوا کہ تین اطراف سے قلعہ خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ ان ہی اطراف سے یہ اس قدر زیادہ مضبوط ہے کہ مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ چوتھی سمت دریائے گنگا کا ساحل تھا۔ رومی خاں نے اس سمت کو پسند کیا ایک بڑی کشتی بنوائی اس پر سرکوب اٹھانا شروع کیا۔ جب یہ کشتی بوجھ نہ اٹھا سکی تو اس کے ادھر ادھر اور دوسری کشتیاں باندھ دیں اور سرکوب کو اور زیادہ بلند کیا جب بوجھ زیادہ ہوا تو اسی طرح دوسری کشتیوں کا اضافہ کرتا گیا یہاں تک کہ سرکوب کو قلعہ کی دیوار سے ملا دیا اس تدبیر سے قلعے کو آسانی سے فتح کر لیا۔ بادشاہ نے رومی خاں کو اس کے صلے میں بے حد نوازا۔

بنگال کا رخ

اسی دوران میں سلطان محمود حاکم بنگالہ، جلال خاں ولد شیر خاں کے مقابلے میں میدان جنگ سے زخمی ہو کر بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے ہمایوں سے بنگالہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ سلطان محمود نے عاجزانہ طور پر اس قدر اصرار کیا کہ ہمایوں نے ۹۴۵ھ کے شروع میں بنگالے کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس طرف کا رخ کیا۔ شیر خاں کو اس کی اطلاعات ملیں اس نے اپنے بیٹے جلال خاں کو جو خواص خاص کے ساتھ گڑھی کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔ یہ گڑھی بنگال کے راستے میں ہے جو مملکت بنگالہ اور بہار کے درمیان ایک

مضبوط مقام ہے۔ گڑھی کے ایک طرف بلند پہاڑ ہے جس میں نہایت گنجان اور خطرناک جنگل ہے۔ دوسری طرف گنگا بہتی ہے جس کے پاس اترنا نہایت مشکل ہے۔ ہمایوں نے راستہ ہی میں جہانگیر بیگ مغل کو گڑھی کی مہم پر اور ہندال میرزا کو محمد سلطان اور اس کے بیٹوں کے فتنوں کو دبانے کے لئے روانہ کیا۔ جب جہانگیر بیگ گڑھی پہنچا اسی دن جلال خاں اور خواص خاں اس کے سر پر پہنچ گئے۔ جہانگیر بیگ زخمی اور پریشان وخستہ حال شاہی لشکر میں آکر پناہ گزیں ہوا۔ بادشاہ خود فوراً گڑھی پہنچ گیا۔

جلال خاں و خواص خاں حملے کی تاب نہ لا کر کور کی طرف چلے گئے۔ ہمایوں اطمینان کے ساتھ گڑھی سے گزر گیا شیر خاں نے جب یہ سنا تو بہت پریشان ہوا۔ وہ شاہان کو رو بنگالہ کا وہ خزانہ جو حال ہی میں اسے ملا تھا اپنے ساتھ لے کر جھار کھنڈ کے پہاڑوں کی طرف چلا۔ ہمایوں بنگال کے دار الخلافے کور میں داخل ہوا۔ فتح کے بعد اس کے غیر دلکش نام کو بدل کر جنت آباد رکھا۔ بادشاہ نے یہاں تین ماہ تک قیام کیا یہاں کی خراب آب و ہوا' اور سفر کی تکان کی وجہ سے بہت سے گھوڑے اور اونٹ ضائع ہو گئے۔ سپاہی بھی تندرست نہ رہے غرضیکہ عجیب حالت رونما ہوئی۔

انہی ایام میں ہندال میرزا نے محمد سلطان میرزا کی مہم سے علیحدگی اختیار کی اور سیدھا آگرہ پہنچا۔ ہندال میرزا کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا۔ شیخ بہلول ہمایوں کے پیر و مرشد تھے۔ انہیں یہ بہانہ بنا کر کہ وہ افغانوں سے ملے ہوئے ہیں تہ تیغ کیا سب سے پہلے یہی کام کیا۔ پھر آگرہ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا پھر دہلی کو فتح کرنے کے ارادے سے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔

بادشاہ کو ہندال کے تکلیف دہ رویے سے بڑا صدمہ اور پریشانی ہوئی۔ بنگالے کی مہم دو مشہور مغل امیروں جہانگیر بیگ اور ابراہیم بیگ کے سپرد کرکے بادشاہ خود آگرے روانہ ہوا۔ راستے میں محمد زمان میرزا جو بہادر شاہ گجراتی کے اشارے سے سندھ اور لاہور ہو کر واپس گجرات جا رہا تھا بادشاہ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ محمد زمان میرزا کا قصور معاف کر دیا گیا۔

کامران میرزا کا خواب حکمرانی

شیر شاہ افغان ہندال میرزا کی مخالفت اور چغتائی لشکر کی بے سرو سامانی سے باخبر ہو کر ایک لشکر جرار کے ساتھ رہتاس سے روانہ ہوا۔ شاہی لشکر چوسا پہنچا شیر شاہ پورے تین مہینے تک بادشاہ کے مقابلے میں خیمہ زن رہا اور راستہ روکے یا اس دوران میں وہ جو نقصان پہنچا سکتا تھا پہنچاتا رہا اور ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ کامران میرزا بادشاہ کو اس مصیبت میں گھرا دیکھ کر دہلی کی حکومت کرنے کا خواب دیکھنے لگا لہذا ہمایوں کی مدد کا بہانہ کر کے دس ہزار سواروں کے ہمراہ تیزی سے راستہ طے کرتا ہوا دہلی جا پہنچا ہندال میرزا جو پہلے سے وہیں تھا اور محاصرہ کیے ہوئے تھا اس سے مل گیا۔ کامران میرزا نے بھی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ فخر الدین کوتوال قلعے سے باہر کامران میرزا کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میں اپنے آقا سے نمک حرامی نہیں کروں گا بہتر یہ ہے کہ آپ پہلے سلطنت مغلیہ کے دار الخلافہ آگرہ کو فتح کریں۔ دہلی اس طرح خود بخود آپ کے قبضے میں آ جائے گی۔ ہندال میرزا کو کوتوال کی یہ بات پسند آگئی لہٰذا وہ کامران میرزا کو ساتھ لے کر آگرہ روانہ ہو گیا۔ آگرہ کے قریب پہنچ کر کسی طرح دونوں بھائیوں میں اختلاف ہو گیا۔ ہندال میرزا پانچ ہزار سپاہیوں اور تین سو ہاتھیوں کو لے کر الور چلا گیا۔ کامران میرزا نے آگرے میں آکر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اس سے ہمایوں کی پریشانی بڑھی۔ اس نے اپنے بھائیوں کے نام کئی دفعہ اس مضمون کے خطوط لکھے کہ "اس فتنے کا بانی شیر خاں پوری قوت اور بے حد ساز و سامان کے ساتھ مقابلے میں ڈٹا ہوا ہے اور حالت خراب ہو رہی ہے لہٰذا اس وقت یہ ضروری ہے کہ ہم سب بھائی مل کر شیر خان کو بھگائیں تاکہ ہندوستان کی حکومت جسے ہمارے باپ نے انتہائی مصیبتوں اور مشکلات سے حاصل کیا تھا اس طرح ضائع نہ ہو اور چغتائی خاندان کی تباہی نہ ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دشمن کو کچلنے کے بعد ہندوستان کی حکومت ہم آپس میں تقسیم کر لیں گے اور میں تم بھائیوں کی مرضی کے خلاف ہرگز کچھ نہ کروں گا۔" ہمایوں کی باتیں بدنصیب میرزاؤں پر بے اثر ثابت ہوئیں کہنے لگے کہ شیر خاں کا بادشاہ پر غالب آنا ہماری سلامتی کا باعث ہو گا اور ہماری حکمرانی

کی نوید ہو گا۔ ہمایوں کا قدم درمیان سے اٹھنے کے بعد ہم شیر شاہ کو آسانی کے ساتھ پامال کر لیں گے اور پھر دونوں بھائی اطمینان اور سکون کے ساتھ پورے ہندوستان پر حکومت کریں گے۔

صلح کی گفتگو

اس دوران میں شیر شاہ نے اپنے پیر و مرشد خلیل درویش کو فریب دے کر بادشاہ کی خدمت میں صلح کی درخواست دے کر بھیجا۔ ہمایوں نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس شرط پر صلح کر لی کہ رہتاس اور بنگالے پر شیر شاہ کا قبضہ رہے گا اس سے زیادہ کی وہ ہوس نہیں کرے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی شرط ہو گی کہ شیر شاہی مقبوضات میں خطبہ و سکہ ہمایوں کا جاری رہے گا۔ شیر شاہ نے ان شرطوں کو مان لیا اس نے کلام اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ وہ ہمیشہ ان شرطوں پر کاربند رہے گا اور اس عہد کو نہیں توڑے گا اس عہد و پیان کے بعد مغل سپاہ میں اطمینان و سکون ہو گیا۔

بد عہدی

دوسرے دن ۹۴۶ھ میں شیر خاں نے مغل لشکر پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ شاہی لشکر کو صف آرائی کی بھی مہلت نہ ملی افغان فوج چاروں طرف سے حملہ آور ہوئی۔ شیر خاں نے دریا کے تمام گھاٹ جہاں جہاں کشتیاں لنگر انداز تھیں بالکل بند کر دیئے۔ اس پریشانی کے عالم میں ہر شخص بلا امتیاز و لحاظ افغان فوجوں کے تعاقب سے بدحواس ہو کر دریائے گنگا پر پہنچا اور بے اختیار پانی میں کود گیا۔ روایت کے مطابق ہندوستانیوں کے علاوہ سات یا آٹھ ہزار مغل سپاہی دریا میں غرق ہو گئے ان میں محمد زمان میرزا بھی شامل تھا دریا میدان قیامت کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ بادشاہ بھی پانی میں کود پڑا اور ایک شخص نظام سقہ کی مدد سے بڑی مشکل سے ساحل پر پہنچا اور اس مصیبت سے نجات پائی' ہمایوں نے اس سقے سے وعدہ فرمایا کہ آگرہ پہنچ کر آدھے دن کی بادشاہت عطا کروں گا۔ ہمایوں نے اپنے قول کو پورا کیا۔ نظام نے آدھے ہی روز میں بادشاہی کر کے اپنی قوم کو دولت سے مالا مال کر دیا۔ غرضیکہ جن سپاہیوں کی زندگی باقی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح دریا پار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہمایوں بچے کھچے لشکر کے ساتھ آگرہ روانہ ہوا۔ کامران میرزا یہ جانکر کہ ہمایوں آگرہ کے قریب پہنچ چکا ہے ہندال میرزا کے پاس الور چلا گیا۔ افغانوں کے غلبے کی وجہ سے ان دونوں بھائیوں کو الور کے گرد و نواح میں چین و سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ یہ دونوں اپنی خطاؤں سے نادم اور پشیمان ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جہانگیر بیگ اور ابراہیم بیگ بھی بنگالے سے آ گئے۔ باغی محمد سلطان میرزا مع اپنے بیٹوں کے قنوج سے پہنچ گیا یہ سب اپنے اپنے علاقے دشمن کے حوالے کر کے مفلس اور قلانچ ہو کر آئے ان سب کے پہنچنے پر مشورہ شروع ہوا۔

کامران میرزا کی طبیعت ابھی تک راستی پر نہ تھی اور ابھی تک اس کا دل نفاق سے سیاہ اور غبار آلودہ تھا مجلس کا انعقاد بھی بے فائدہ ثابت ہوا۔ کامران مرزا دشمنی اور غداری پر تلا بیٹھا تھا اور تہیہ کیے ہوئے تھا اس نے اپنی ساری کوشش اس پر صرف کر دی کہ بادشاہ اسے لاہور جانے کی اجازت دے دے۔ خواجہ کلاں بیگ چغتائی فوج کا بہترین افسر ہمایوں سے رخصت لے کر کابل چلا گیا تھا۔ اور پھر کامران میرزا کے ہمراہ ہندوستان آ چکا تھا۔ بار بار یہ کہتا تھا کہ اگر ہم مل کر شیر خاں افغان کو زیر نہ کریں گے تو اس دفعہ اس کے ہاتھوں سب کو نقصان پہنچے گا۔ بادشاہ کی یہ بات بھی کارگر نہ ہوئی اور اسی حیل و حجت میں چھ مہینے گزر گئے۔

کچھ عرصے کے بعد کامران میرزا بد پرہیزی اور کھانے پینے کی بداحتیاطی کی وجہ سے اچانک بیمار ہو گیا مرض نے سوء القینہ کی صورت اختیار کر لی۔ کامران اپنی بدنیتی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ ہمایوں کے اشارے سے اسے زہر دیا گیا ہے اور اسی زہر نے اسے بیمار کر دیا ہے اسی وہم میں کامران واپسی پر اور زیادہ مصر ہوا۔ ہمایوں نے مجبور ہو کر اس شرط پر منظور کر لیا کہ میرزا تنہا لاہور جائے گا اس کی فوج کا بہترین حصہ بادشاہ کی مدد کے لئے آگرہ ہی میں رہے گا۔ کامران مرزا نے یہ بہانہ کر کے خواجہ کلاں بیگ کو اپنے جانے سے پہلے ہی روانہ کر دیا کہ

وہ اپنی جاگیر سے اس مہم کے اخراجات کا بندوبست کرے گا۔ ساتھ ہی اپنی فوج کا بیشتر حصہ اس بہانے سے کہ یہ خواجہ کلاں بیگ کے ملازم ہیں علیحدہ کر لیا۔ ایک ہزار سپاہیوں کو سکندر سلطان کی ماتحتی میں دے کر آگرہ چھوڑ کر کچھ دنوں بعد لاہور روانہ ہو گیا۔ اس کوتاہ اندیش شہزادے نے ایسے نازک وقت میں فوج میں اس قدر بے چینی پھیلا دی کہ ہمایوں کے اکثر سپاہی جو افغانوں کے خوف سے سہمے ہوئے تھے کامران میرزا کے ساتھ چلے گئے میرزا کامران کے ملازموں سے میرزا صدر دوغلات نے ہمایوں کی ملازمت اختیار کر لی اور شاہی مقرب بن گیا۔ میرزا صدر بیشتر مہموں میں اعلیٰ افسر رہا۔

شیر خاں کو جب بھائیوں کے نفاق اور نااتفاقی کا پتہ چلا تو فوراً ایک جرار لشکر لے کر دریائے گنگا کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ اپنے بیٹے قطب خاں کو بہت بڑی فوج دے کر گنگا کے پار اتار دیا اس طرح اس طرف کے ساحلی شہر بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ ہمایوں نے یہ اطلاعات سن کر قاسم حسین کو یادگار ناصر میرزا اور سکندر سلطان کے ساتھ اس مہم پر مقرر کیا۔

لشکر کی ابتری

کالپی کے گرد و نواح میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں سخت خونریزی کے بعد مغلوں کو فتح ہوئی۔ قطب خاں اور بہت سے افغان میدان جنگ میں مارے گئے۔ قاسم حسین سلطان نے مقتول سردار کا سر آگے روانہ کر دیا اور شیر خاں کی فتنہ پردازی کو ختم کرنے کے لئے ہمایوں سے آنے کی درخواست کی۔ ہمایوں سفر کا سامان تیار کر کے ایک لاکھ سوار لے کر آگرہ سے روانہ ہوا اور قنوج کے قریب دریائے گنگا کے پار شیر شاہ کے لشکر کے سامنے پورا ایک مہینہ تک خیمہ زن رہا۔ شیر شاہ کی فوج میں پچاس ہزار سوار تھے۔ اس وقت بھی محمد سلطان میرزا اور اس کے بیٹوں نے بیوفائی کی اور لشکر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہمیشہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ ماتھے پر لگوایا۔ ان کے بھاگنے کی وجہ سے لشکر میں بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ کامران میرزا کے سارے آدمی لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ ہمایوں کے سپاہی جنہیں پہلا واقعہ ابھی بھولا نہیں تھا اور جو بھاگنے کا سبق سیکھ چکے تھے موقع ملتے ہی لشکر سے فرار ہونے لگے۔ ادھر سپاہ کا یہ عالم ادھر برسات کا موسم آپہنچا سلطانی لشکر گاہ میں پانی بھر گیا خیمے تنکوں کی طرح تیرنے لگے طے یہ پایا کہ یہ جگہ چھوڑ دی جائے اور کسی اونچی جگہ خیمے نصب کیے جائیں۔ عاشورہ ۹۴۷ھ کا دن روانگی کے لئے مقرر ہوا۔

ہمایوں کا فرار

ابھی شاہی لشکر اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہ تھا کہ شیر خاں نے حملہ کر دیا۔ شدید لڑائی ہوئی شیر خاں اس مرتبہ بھی غالب ہوا اس دفعہ پھر سب دریا کی طرف بھاگے۔ گنگا کا ساحل تین میل کے فاصلے پر تھا یہ لوگ دشمن کے تعاقب کے خوف سے بغیر دم لیے ہوئے دریا میں کود گئے۔ جن کی زندگی ابھی باقی تھی وہ صحیح و سلامت ہمایوں کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور پھر آگے پہنچے۔ جب دشمن اور نزدیک آ گیا تو آگرہ چھوڑ کر لاہور چلے آئے۔ غرہ ربیع الاول ۹۴۷ھ میں تمام چغتائی میرزا اور قبیلوں کے سردار لاہور جمع ہو گئے۔ شیر شاہ نے یہاں بھی نہ بیٹھنے دیا جیسے ہی شیر شاہ نے سلطان پور کو پار کیا بادشاہ غرہ رجب میں دریائے لاہور کو پار کر کے ٹھٹ اور بھکر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں قصبہ لہری میں ٹھہر کر ایک قاصد کو مع خلعت اور اسپ کے ٹھٹ کے حاکم شاہ حسین ارغون کے پاس بھیجا اور مدد طلب کی۔ ہمایوں کا ارادہ شاہ حسین ارغون کے ساتھ مل کر گجرات پر قبضہ کرنے کا تھا۔ میرزا شاہ حسین نے پانچ مہینے بہانہ سازی میں گزار دیئے اس طویل ٹال مٹول میں شاہی سپاہی بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے۔ میرزا ہندال ساتھ چھوڑ کر قندھار چلا گیا اس کے جانے کا سبب یہ تھا کہ قراچہ خاں قندھار کے حاکم نے ہندال کو عریضہ لکھ کر مدد مانگی تھی۔ اسی پریشانی کی حالت میں یادگار ناصر مرزا نے بھی ساتھ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں نے اسے تسلیاں دے کر بھکر بھیجا طے یہ ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرے گا اور بادشاہ خود سہوان کا رخ کرے گا۔ یادگار ناصر مرزا بغیر لڑے ہوئے شہر پر قابض ہو گیا اس نے خاصی قوت مہیا کی۔

سہوان کا محاصرہ

بادشاہ نے سہوان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور سات ماہ تک جاری رکھا۔ حسین ارغون دریائی راستے سے رسد رسانی میں رخنہ انداز ہوا غلے اور چارے کی کمی ہو گئی۔ سپاہیوں نے جانوروں کے گوشت سے بھوک کا علاج کیا۔ ہمایوں نے یادگار ناصر مرزا کو لکھا کہ قلعے کی فتح تمہارے آنے پر ہے۔ میرزا حسین ارغوان نے یادگار ناصر کو بیٹی کا رشتہ دے دیا اور ساتھ ہی یہ سبز باغ دکھایا کہ شہر میں ناصر میرزا کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا جائے گا۔ ناصر مرزا بادشاہ کی اطاعت سے پھر گیا بادشاہ کے بلانے پر بھی نہ پہنچا۔ ناصر میرزا کو اپنے جال میں پھنسا کر حسین ارغوان کو تسلی ہو گئی لہٰذا وہ شاہی لشکر کو مزید نقصان پہنچانے لگا۔ ہمایوں نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھالیا اور بھکر واپس ہوا۔ یہاں پہنچ کر میرزا سے کشتی طلب کی میرزا نے اہالیان ٹھٹ کو کشتیاں ہٹالینے کا اشارہ کیا وہ دور ہٹ گئے۔ صبح کو میرزا نے عذر پیش کیا۔ اس طرح کئی دن تک بادشاہ کو بے کار ٹھہرنا پڑا۔ بالآخر دو تین آدمیوں نے چند غرق شدہ کشتیاں دریا سے نکالیں ہمایوں دریا کو پار کرکے کنارے پر پہنچا۔ ناصر مرزا نادم ہو کر گردن جھکائے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن اس فرشتہ خصلت بادشاہ نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ بادشاہ کی اس نرمی اور بربادی پر بھی ناصر کم بخت نے شاہ ارغون کا سکھایا ہوا سبق پڑھنا شروع کیا۔ اپنی چالوں سے شاہی سپاہیوں کو ورغلا کر اپنے جال میں پھنسانے لگا یہاں تک کہ ایک دن بغیر کسی وجہ کے لڑائی کا ارادہ کرکے سوار ہو کر میدان میں آگیا۔ مجبور ہو کر ہمایوں نے بھی ناصر کو دور کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس سے پہلے کہ دونوں میں جنگ ہوتی ایک گروہ نے میرزا کو لعنت ملامت کرکے واپس کر دیا۔

راجہ مالدیو کی بدنیتی

ہمایوں نے جب یہ دیکھا کہ سپاہی روزانہ لشکر سے علیحدہ ہو رہے ہیں اور خود بھی وہ بے سروسامانی کے عالم میں ہے دوسرے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں ناصر مرزا آئندہ نقصان نہ پہنچائے لہٰذا ہمایوں نے جیسلمیر کے راستے راجہ مالدیو کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ ہندو راجاؤں میں مالدیو سب سے زیادہ طاقتور تھا اور اکثر اس مضمون کے عریضے بھی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا کہ بادشاہ اس کے علاقے میں آئیں اور مالدیو ہر طرح سے ہندوستان فتح کرنے میں مدد اور جان نثاری کے لئے تیار ہے۔ راجہ جیسلمیر نے بیوفائی کی اور ایک گروہ بھیج کر بادشاہ کا راستہ روک لیا۔ ہمایوں نے اس گروہ کو مار بھگایا اور خود مالدیو کی سرحد تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے سرحد پر قیام کیا اور ایک قاصد مالدیو کے پاس بھیجا۔ مال دیو کو ہمایوں کی پریشانیوں اور بے سروسامانی کا حال معلوم تھا لہٰذا وہ اپنی اس دعوت پر دل ہی دل میں افسوس کرنے لگا کہ کیوں بادشاہ کو بلایا۔ اب وہ اس فکر میں ہوا کہ ہمایوں کو گرفتار کرکے شیر شاہ کے حوالے کر دے اور شیر شاہ کا اعتماد حاصل کرے۔ راجہ کے ایک نوکر نے جو کبھی ہمایوں کا کتاب دار رہ چکا تھا بادشاہ کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ ہمایوں اسی رات امرکوٹ کو روانہ ہو گیا راستے میں بادشاہ کا گھوڑا کچھ سست ہو گیا۔ ہمایوں نے تردی بیگ سے ایک گھوڑا مانگا تردی بیگ نے نہایت بے مروتی سے کام لیا اور عذر کرنے لگا۔ ہمایوں کو گھڑی گھڑی اطلاعیں مل رہی تھیں کہ مالدیو کا ایک لشکر گرفتاری کے لئے تیزی سے آ رہا ہے۔ مجبوراً اونٹ پر سوار ہوا ندیم کوکہ خود پیدل چل رہا تھا اور اپنی ماں کو گھوڑے پر سوار کیا ہوا تھا۔ اس نے ماں کو اونٹ پر سوار کیا اور گھوڑا بادشاہ کے حوالے کیا۔

یہ تمام علاقہ ریگستان کا تھا پانی کہیں ملتا ہی نہیں تھا۔ لوگ پیاسے تڑپنے لگے واقعہ کربلا کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا ہندوؤں کے تعاقب کی اطلاعات لگاتار مل رہی تھیں۔ ہمایوں نے چند سرداروں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے آئیں اور خود اہل و عیال اور اسباب کو ساتھ لے کر پچیس آدمیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔ اتفاق سے رات کے وقت یہ سردار راستہ بھول گئے اور دوسری طرف جا پہنچے۔ صبح کے ہوتے ہی ہندوؤں کا لشکر دور سے نظر آیا۔ شاہی حکم ملتے ہی امیر شیخ علی وغیرہ جن کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی کلمہ شہادت پڑھ کر جاں نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور نہایت تسلی کے ساتھ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنے لگے۔ حسن اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا پہلا تیر ہندو سردار کے لگا

اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی باقی فوج میدان سے بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے بہت سے اونٹ گرفتار کیے بادشاہ نے خدا کا شکر ادا کیا ایک کنویں کے کنارے خیمے نصب کرائے۔ کنویں میں پانی بہت کم تھا جو سردار راستہ بھول گئے تھے وہ بھی آملے۔ اس واقعے سے بادشاہ کی پریشانی کچھ کم ہوئی اگلے دن یہاں سے کوچ کیا گیا۔ تین منزل تک پانی بالکل نہ ملا پیاس کی شدت سے لوگوں کی حالت ناقابل بیان ہو گئی۔ چوتھے دن پر قافلہ ایک کنویں پر پہنچا یہ کنواں بہت گہرا تھا۔ ڈول کنویں سے نکالتے وقت ڈھول بجایا جاتا تھا تاکہ بیل جو جرس کھینچتے تھے آواز سن کر ٹھہر جائیں۔ پیاس کی شدت سے ہر مرتبہ دس دس پانچ پانچ آدمی ایک ڈول پر گر جاتے۔ اسی طرح رسی ٹوٹ جاتی اور ڈول کنویں میں گر جاتا۔ سپاہیوں کی چیخ و پکار نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ایک گروہ پیاس سے بیتاب ہو کر کنویں میں کود پڑا اور اس طرح جان دے دی۔ دوسرے دن روانہ ہو کر ایک نہر کے کنارے پہنچے' اونٹ اور گھوڑوں نے کئی دن سے پانی نہ پیا تھا وہ اس قدر پانی پی گئے کہ پیٹ پھول گیا اس طرح وہ ہلاک ہوئے۔ بڑی مشکل اور محنت کے بعد ہمایوں امرکوٹ پہنچا۔

امرکوٹ کا راجہ رانا کہلاتا تھا رانا بہت اچھی طرح سے پیش آیا اور خوب مہمان نوازی کی خدا خدا کر کے یہاں سپاہیوں کو آرام ملا۔

اکبر کی ولادت

اسی امرکوٹ میں پانچویں رجب ۹۴۹ھ شہزادہ جلال الدین محمد اکبر حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوا۔ ہمایوں نے بیٹے کی پیدائش پر خدا کا شکر ادا کیا جشن منانے کے بعد بادشاہ نے اہل و عیال کو امرکوٹ میں چھوڑا اور خود راجہ امرکوٹ کو ساتھ لے کر بھکر کی مہم پر روانہ ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں لشکریوں نے ساتھ چھوڑ دیا اس طرح کوئی کام نہ بنا۔ اس معرکے میں منعم خاں بھی فرار ہو گیا۔ چغتائی فوج کا مشہور بہادر امیر شیخ علی اسی معرکے میں شاہ ارغون کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہمایوں نے مجبوراً قندھار کا رخ کیا اس وقت تک بیرم خاں بھی گجرات سے بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا اس دوران میں کامران مرزا نے قندھار کا قلعہ ہندال مرزا سے لے کر عسکری مرزا کو وہاں کا حاکم بنا دیا تھا۔ شاہ حسین ارغون نے عسکری مرزا کو لکھا کہ بادشاہ اس وقت بہت پریشان ہے اگر تم گرفتار کرنا چاہتے ہو تو یہ بہترین موقع ہے عکسری مرزا نے نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھا اور ہمایوں پر دھاوا کر دیا۔ ہمایوں نے فوراً بادشاہ بیگم کو سوار کرایا شہزادے کو گرمی اور سفر کا خیال کر کے لشکر میں ہی چھوڑا خود بائیس آدمیوں کے ہمراہ بلا راستہ متعین کیے ہوئے خراسان روانہ ہوا اس کے ساتھ بیرم خاں بھی تھا۔

مرزا بدنصیب لشکر میں پہنچا ہمایوں کو نہ پا کر کف افسوس ملنے لگا شاہی اسباب اور مال پر قبضہ کر لیا شہزادہ جلال الدین کو اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔

ہمایوں سیستان میں

بادشاہ کو اپنے بھائیوں کی وجہ سے کسی جگہ بھی قیام کرنے کا موقع نہ ملا وہ سفر کرتا ہوا سیستان کی سرحد پر پہنچ گیا۔ سید احمد سلطان شاملو نے ہمایوں کا استقبال کیا۔ سید احمد سلطان' شاہ طہماسپ کی طرف سے سیستان کا حاکم تھا۔ سید شاملو نے کچھ دن بادشاہ کی خدمت میں گزاری کی اس نے جو کچھ بچایا ہوا تھا۔ سب کا سب ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا۔ اپنی عورتوں کو لونڈیوں کی طرح بیگم کی خدمت کے لئے مقرر کیا۔ ہمایوں نے ضرورت کے مطابق سامان اور نقد لے کر باقی سید شاملو کو واپس لوٹا دیا اور خود ہرات پہنچا۔

ہرات میں ورود

شاہ کا سب سے بڑا فرزند سلطان محمد حاکم ہرات اپنے استاد محمد خاں تکلو کے ساتھ استقبال کے لئے آیا بے حد تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی سے پیش آیا۔ سلطان محمد نے سامان سفر ایسا درست کر دیا کہ شاہ کی ملاقات تک ہمایوں کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑی۔ سیر و تفریح کے بعد ہمایوں مشہد مقدس پہنچا اور حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ پھر وہ مشہد مقدس سے

آگے بڑھا۔ شہر قزوین تک تمام راستے میں عراق کے سردار اور شرفاء استقبال کرنے کو آئے۔ شاہ ایران کی طرف سے دعوت اور مہمانداری کرتے رہے۔ ہمایوں نے قزوین میں قیام کرکے بیرم خان کو شاہ طہماسپ کے پاس روانہ کیا۔

حوالہ جات

ا۔ لیکن اس ترجمے میں "ہمایوں" ہی استعمال کریں گے جنت آشیانی طوالت کا باعث ہو گا۔

افغانوں کی حکومت

شیر شاہ افغان بن حسن سور

شیر شاہ کا نام فرید خاں تھا اور باپ کا نام حسن خاں تھا' حسن خاں افغاناں روہ کی نسل سے تھا۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں حسن سور کا باپ ابراہیم خاں ملازمت کی تلاش میں دہلی آیا۔ افغانوں کے مسکن روہ کی تعریف اس کتاب کے مقدمے میں کی گئی ہے۔ یہ وہ کوہستانی علاقے ہیں جن کا سلسلہ طول میں سواد بجور سے لے کر مضافات بکر تک اور عرض میں حسن ابدال سے لے کر کابل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں افغانوں کے مختلف فرقے آباد ہیں جن میں سے ایک قبیلے کا نام سور ہے' اس فرقے والے اپنے آپ کو سلاطین غور کی نسل سے بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک غوری شہزادہ محمد سوری اپنے وطن سے جلاوطن ہو کر کسی زمانے میں ان افغانوں میں آکر آباد ہو گیا۔ ایک افغان رئیس کو محمد سوری کے حسب و نسب معلوم ہو گیا اور باوجود اس کے کہ اس قوم میں غیر گھرانے میں لڑکی دینے کا رواج نہ تھا۔ اس افغانی سردار نے اپنی بیٹی کو محمد سوری سے بیاہ دیا اس افغانی بیوی سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ سوری افغان کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے سوری قبیلے کو تمام افغانی قبائل سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

ابراہیم خاں دہلی میں

بہلول لودھی کے زمانے میں ابراہیم خاں اپنے قبیلے سے جدا ہو کر نوکری کے لئے دہلی آیا اور ایک لودھی امیر کے ہاں ملازمت کر لی۔ ابراہیم خاں نے کچھ دن قلعہ فیروز پور میں اور کچھ دن پرگنہ نارنول میں گزارے۔ بہلول لودھی کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر بادشاہ ہوا۔ جمال خاں سکندر لودھی کا مشہور امیر جون پور کا حاکم مقرر ہوا۔ جمال نے حسن بن ابراہیم سور کی جو اس کا پرانا ملازم تھا بہت عزت افزائی کی۔ مضافات رہتاس میں سہراپور اور خواص پور ٹانڈہ حسن کو بطور جاگیر عطا کیے اور پانچ سو سواروں کا امیر مقرر کیا۔ حسن کے گھر میں آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ فرید اور نظام افغان بیوی کے پیٹ سے ہوئے' دوسرے بیٹوں کی ماں حسن کے حرم سے تھی۔ حسن کو فرید کی ماں سے انس نہ تھا' اسی لئے فرید دوسرے فرزندوں کی طرح لاڈلا نہ تھا' فرید باپ سے ناراض ہو کر جمال خاں کے پاس چلا گیا۔

حسن نے جمال خاں کو لکھا کہ فرید کو راضی کر کے واپس بھیج دے تاکہ اس کی تعلیم و تربیت پوری ہو جائے۔ جمال نے فرید کو بہت سمجھایا کہ وہ باپ کے پاس چلا جائے' لیکن فرید نہ مانا۔ کہنے لگا کہ "سہراپور سے زیادہ علماء جونپور میں موجود ہیں' میں یہیں رہ کر علم حاصل کروں گا۔" فرید ایک عرصے تک جون پور میں رہا اس زمانے کا درس گلستاں' بوستاں' سکندر نامہ پڑھ کر پھر کافیہ اور اس کے حواشی اور دوسری علمی کتابوں کو پڑھا نظم و نثر اور تاریخ میں عبور حاصل کیا دو تین برس کے بعد حسن جونپور میں آیا۔ سوری قبیلے کے دوسرے لوگوں نے مل کر باپ بیٹوں میں صلح کرا دی۔ حسن نے فرید کو اپنی جاگیر کا داروغہ بنا دیا اور اسے کام پر روانہ ہونے کو کہا۔

فرید خاں داروغہ جاگیر

فرید نے روانگی کے وقت باپ سے کہا کہ "دنیا کے ہر کام کا دارومدار خصوصاً سرداری اور امیری کا انصاف پر ہے اگر تم مجھے جاگیر پر بھیجتے ہو تو میں عدل و انصاف سے نہیں ہٹوں گا' تمہارے اکثر نوکر تمہارے قریب کے عزیز ہیں جو کوئی بھی انصاف ہاتھ سے جانے دے گا اسے ضرور سزا دوں گا۔" فرید باپ سے اس قسم کی باتیں کر کے رخصت ہو گیا اور جاگیر پر پہنچ کر کفایت شعاری سے کام لینے لگا۔ اس نے عزیزوں کے ساتھ' انصاف اور مساوات کا برتاؤ روا رکھا۔ بعض سرکش اور شورہ پشت چودھریوں کو تنبیہہ کرنے کے لئے اپنے ملازمین

سے مشورہ کیا۔ ماتحتوں نے اتفاق رائے سے یہ کہا "چونکہ لشکر آپ کے والد کے ساتھ ہے اور وہ یہاں سے بہت دور کسی مہم پر نامزد کیے گئے ہیں اس لیے ان کی واپسی تک صبر و سکون بہتر ہے۔" فرید نے حکم دیا کہ دو سو زینیں تیار کرو۔"
فرید نے ہر موضع کے مکھیا سے ایک ایک گھوڑا عاریتاً" مانگا۔ گرد و نواح میں جو بیکار سپاہی تھے ان کو بلا کر ان کی مدد کی' خرچ اور کپڑے سے ان کی ضرورت پوری کی' آئندہ کے لیے انعام کا وعدہ کیا' ان نئے بھرتی شدہ سپاہیوں کو مانگے ہوئے گھوڑوں پر سوار کیا پھر ان سرکش زمینداروں کے مسکن پر پہنچا اور ان کے گاؤں کے قریب ٹھہرا۔ فرید نے اپنے گرد حصار بنا کر ہر روز جنگل کی کٹوائی شروع کی۔ پھر سرکش زمینداروں کے قلعے تک پہنچا۔ سرکوب تیار کر کے دشمنوں پر غالب ہوا' بہت سے سرکش قتل ہوئے اور بہت سے نظر بند کیے گئے۔ اس واقعے کے بعد فرید کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی اس علاقے کے تمام شرپسند اس کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے۔ مالگزاری وقت پر ادا کرنے لگے جاگیر کے سب پرگنے آباد ہو گئے۔ اس طرح فرید کو پوری قوت حاصل ہو گئی اور وہ اپنی شجاعت اور سیاست کے لئے مشہور ہو گیا۔

حسن کی عاشقی

کچھ عرصے کے بعد حسن جاگیر میں آیا وہ فرید کے انتظام اور اس کی سرداری کے طریقے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بیٹے کی تعریفیں کیں۔ حسن کے ہاں ایک کنیز تھی جس سے دو بیٹے سلیمان اور احمد پیدا ہوئے تھے۔ حسن اس لونڈی پر بہت فدا تھا' اس نے حسن سے کہا کہ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہارے بیٹے جوان ہو جائیں گے تو پرگنوں کی داروغگی انہیں دے دی جائے گی اب چونکہ دونوں بالغ ہو چکے ہیں لہٰذا اپنا وعدہ پورا کرو۔" حسن نے یہ سوچ کر کہ فرید اس کا بڑا بیٹا ہے اور بہت نیک ہے اپنی محبوبہ کو ٹال دیا۔ فرید اس بات کو سمجھ گیا۔ لہٰذا وہ داروغگی سے علیحدہ ہو گیا۔ حسن نے جاگیر سلیمان اور احمد کے سپرد کر دی اور فرید سے کہا کہ اس تبدیلی کی وجہ محض یہ ہے کہ جس طرح تم کام کر کے تجربہ کار ہو گئے ہو اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ تمہارے بھائی بھی کام کرنے کے قابل ہو جائیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ میرے بعد میرا جانشین تمہارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے اس طرح پرگنوں کی حکومت سلیمان اور احمد کے ہاتھ میں آئی۔

فرید کا آگرہ میں قیام

فرید آزردہ ہو کر اپنے بھائی نظام کو ساتھ لے کر آگرہ آ گیا۔ یہاں آ کر سلطان ابراہیم لودھی کے مشہور امیر دولت خاں لودھی کے ہاں ملازمت کر لی۔ فرید ایک عرصے تک لودھی امیر کے پاس رہا اور اپنی خدمت سے اسے بے حد خوش کر لیا۔ ایک دن دولت خاں نے فرید سے اس کا اصل مقصد دریافت کیا۔ فرید نے اسے بتایا کہ "میرا باپ ایک ہندوستانی کنیز کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ عورت میرے باپ پر اس قدر غالب ہے کہ اس کی وجہ سے جاگیر بالکل تباہ ہو رہی ہے اور سپاہی پریشان حال ہیں اگر باپ کی جاگیر ہم دونوں بھائیوں کو مل جائے تو ہم میں سے ایک بھائی پانچ سو سواروں کے ساتھ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہے گا اور دوسرا جاگیر کی دیکھ بھال کر کے سپاہیوں کے اخراجات اور رعایا کی دیکھ بھال اور باپ کی خدمت کا کام کرے گا۔ دولت خاں نے ایک دن فرید کا معروضہ سلطان ابراہیم لودھی تک پہنچا دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ "یہ بدطینت شخص کیسا ہے جو باپ کی شکایت کرتا ہے۔" دولت خاں نے فرید کو بادشاہ کا جواب بتایا اور تسلی دی کہ "کسی مناسب وقت پھر بادشاہ سے عرض کروں گا اور تمہارا کام بناؤں گا۔" دولت خاں نے فرید کی تسلی و تشفی کے لئے اس کے یومیے میں اضافہ کر دیا۔ اس ہوشیار افغانی نے اپنی خوش خلقی اور مروت کی وجہ سے سب کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔ دولت خاں ہر بات میں فرید کا ساتھ دیتا تھا۔ جب فرید کے باپ حسن سور نے انتقال کیا تو دولت خاں نے اس کے انتقال کی خبر بادشاہ کو دی اور حسن کے پرگنوں کی داروغگی فرید اور نظام کے نام منتقل کرا دی۔

دونوں بھائیوں میں ناراضگی

فرید سہرام' خواص پور اور ٹانڈے کی حکومت کا فرمان لے کر جاگیر کو چلا- سلیمان اپنے بھائی فرید کا مقابلہ نہ کر سکا اس نے پرگنہ جونپور کے حاکم محمد خاں سور کے پاس پناہ لی اور اس سے شکایت کی- محمد خان پندرہ سو سواروں کا مالک تھا اس نے سلیمان سے کہا کہ چونکہ بادشاہ بابر ہندوستان پہنچ چکا ہے اور جلد مغلوں اور افغانوں میں معرکہ آرائی ہونے والی ہے اگر ابراہیم لودھی فتح مند ہوا تو میں تمہیں اس کی خدمت میں لے چلوں گا اور سفارش کروں گا سلیمان نے کہا کہ میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا- کیونکہ میری ماں اور ملازمین مارے مارے پھر رہے ہیں- محمد خاں نے ایک ایلچی فرید کے پاس بھیجا اور آپس میں صلح کرنے کو کہا- فرید نے جواب بھیجا کہ باپ کی زندگی میں سلیمان کو جو کچھ ملتا تھا وہ اسے دینے میں کوئی عذر نہیں' لیکن میں اسے حکومت میں حصہ دار نہیں بناؤں گا کیونکہ ایک شہر کے دو حاکم نہیں ہو سکتے بالکل ویسے ہی جیسے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں آ سکتیں- سلیمان کا مقصد حکومت میں شریک ہونے کا تھا لہٰذا وہ اس بات پر راضی نہ ہوا-

محمد خاں سور نے سلیمان کو تسلیاں دیں اور کہا کہ تم صبر کرو میں اپنی قوت سے تمہیں فرید سے حکومت چھین کر دوں گا- فرید کو بھی معاملے سے آگاہی ہوئی لہٰذا اس نے بھی غور و خوض کیا- وہ بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ کا انتظار کر رہا تھا چنانچہ اسی دوران میں بابر کی فتح کی خبر سارے ہندوستان میں پھیل گئی- فرید کو یہ خبر سن کر بڑی تشویش ہوئی وہ بہادر خاں ولد دریا خاں لوحانی کے پاس پہنچا بہادر خاں نے اس عرصے میں بہار پر قبضہ کر لیا تھا- وہ سلطان محمد کا لقب اختیار کر کے بہار کا بادشاہ بنا بیٹھا تھا- فرید نے اس کی ملازمت اختیار کر لی ایک دن سلطان محمد شکار کھیلنے شہر سے باہر گیا کہ اچانک سامنے شیر آ گیا' فرید نے شیر کا مقابلہ کیا اور اسے تلوار سے ہلاک کر دیا- سلطان محمد فرید پر بیحد مہربان ہو گیا اور اسے شیر خاں کے خطاب سے نوازا- شیر خاں نے رفتہ رفتہ سلطان کے مزاج سے واقف ہو کر اپنے لیے اس کے دل میں خاص جگہ حاصل کر لی- سلطان نے شیر خاں کو اپنے چھوٹے لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر کیا کچھ عرصے کے بعد شیر خاں رخصت لے کر اپنی جاگیر میں گیا- اتفاقاً اسے وہاں اپنی رخصت سے کچھ دن زیادہ ٹھہرنا پڑ گیا-

شیر خاں کی مخالفت

ایک دن سلطان اپنی محفل میں بیٹھا ہوا شیر خاں کی باتیں کرنے لگا کہ یہ شخص وعدے کا سچا نہیں اور ابھی تک واپس نہیں آیا- حاکم جونپور محمد خاں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ شیر خاں بڑا دغاباز اور مکار ہے' وہ سلطان محمود بن سکندر لودھی کی آمد کا منتظر ہے- اسی طرح کی باتیں کر کے حاکم جون پور نے بادشاہ کو شیر خاں کے خلاف کر دیا جب اسے یقین ہو چکا کہ بادشاہ اب شیر خاں سے ناراض ہے تو اس نے عرض کی کہ شیر خاں کی حق ناشناسی کا علاج یہ ہے کہ اس کی جاگیر اس کے بھائی سلیمان کو دے دی جائے کیونکہ سلیمان اپنے باپ حسن کی زندگی ہی میں اس کا قائم مقام ہو گیا تھا اس نے بھاگ کر میرے ہاں پناہ لی ہے- اس کاروائی سے وہ یقیناً آپ کے پاس پہنچے گا-" سلطان محمد نے شیر خاں کی خدمت کا لحاظ کرتے ہوئے بغیر جرم کے کسی قسم کی کاروائی کو مناسب خیال نہ کیا- سلطان نے محمد خاں سور سے کہا کہ وہ جاگیر کو مناسب طریقے سے بھائیوں میں تقسیم کر دے تاکہ یہ جھگڑا طے ہو جائے-

محمد خاں کا پیغام اور شیر خاں کا جواب

محمد خاں سور اپنی جاگیر میں واپس آیا اور سادی نام کے ایک غلام کو شیر خاں کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ "سلیمان اور احمد تمہارے دونوں بھائی میرے پاس مدت سے مقیم ہیں اور اپنے حصہ میراث سے محروم ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کا حصہ ان کو دو-" شیر خاں نے جواب دیا کہ "یہ سرزمین کسی کی ذاتی ملکیت نہیں یہ مملکت ہندوستان ہے- لہٰذا جاگیر اسی کے قبضے میں رہتی ہے جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے- آج تک سلاطین ہند کا یہ دستور رہا ہے کہ جو کچھ مرنے والے کا ہوتا ہے وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جاتا ہے- ان وارثوں

میں جو سرداری کے قابل ہوتا ہے حکومت اسی کو دی جاتی ہے۔ میں بھی سلطان ابراہیم لودھی کے حکم سے سہرام' خواص پور اور ٹانڈے پر قابض ہوں۔" غلام سادی واپس آگیا اور شیر خاں کا جواب محمد خاں تک پہنچا دیا۔

محمد خاں غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اس نے سادی کو حکم دیا کہ میری تمام فوج کو ساتھ لے کر سلیمان اور احمد کے ساتھ جاؤ۔ تلوار کے زور سے شیر خاں سے جاگیر چھین کر ان دونوں کے سپرد کرو اور فوج کا زیادہ حصہ ان کی حفاظت کے لئے سہرام میں چھوڑ کر واپس آ جاؤ۔" اتفاق سے ان دنوں ملک سکھ نامی غلام شیر خاں کی طرف سے خواص پور ٹانڈے کا داروغہ تھا۔ شیر خاں نے دشمن کی آمد کی خبر پا کر ملک سکھ کو لکھا کہ دشمن کے مقابلے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ سادی غلام وغیرہ خواص پور کے نواح میں پہنچے ملک سکھ ان کے مقابلے میں آیا اور مارا گیا۔ شیر خاں کا لشکر تتر بتر ہو کر سہرام واپس آگیا ان سے مقابلے کرنے کی طاقت شیر خاں میں نہ تھی چنانچہ اس نے کہیں بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ بعض آدمیوں نے رائے دی کہ پھر سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہونا بہتر ہے۔ شیر خان نے جواب دیا کہ محمد خاں سلطان کا مشہور امیر ہے لہٰذا یقیناً بادشاہ میری خاطر اس کو آزردہ نہیں کرے گا۔ شیر خاں نے اپنی سمجھ سے کام لے کر یہ طے کیا کہ اس وقت جنید برلاس کے ہاں پناہ لینی چاہیے۔

جنید برلاس بابر کی طرف سے کڑہ مانک پور کا حاکم تھا۔ شیر خاں کے بھائی نظام نے بھائی کی رائے سے اتفاق کیا چنانچہ شیر خاں نامہ و پیام اور قول و قرار کے بعد جنید برلاس کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ وغیرہ پیش کیا۔ اس طرح وہ مقربوں میں داخل ہو گیا۔ شیر خاں نے حاکم کڑہ سے فوج کی امداد لی اور اپنی جاگیر میں واپس آیا۔ محمد خاں سور شیر خاں کا مقابلہ نہ کر سکا اور وہ رہتاس کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ شیر خاں اپنے دونوں پرگنوں کے علاوہ جونپور اور اس کے گرد و نواح پر بھی قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے مددگاروں کی خوب خاطر مدارات کی' سپاہیوں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا اور ان کے ہاتھ سلطان جنید برلاس کو بھی بیش قیمت تحفے بھیجے۔ شیر خاں نے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو پہاڑوں میں جا چھپے تھے اپنے پاس بلا لیا اور ایک اچھی خاصی جمعیت بنا لی۔ اس نے محمد خاں سور کو بھی لکھا کہ میرا مقصد بھائیوں سے بدلہ لینا تھا میں آپ کو اپنے چچا کے برابر سمجھتا ہوں لہٰذا میری عرض ہے کہ آپ کوہستان کی تنگ قیام گاہ سے نکل کر اپنی جاگیر میں واپس آ جائیں اور قبضہ کریں اور میرے لیے ذاتی پرگنات اور سلطان ابراہیم کی جاگیر کا وہ حصہ جو میرے ہاتھ آیا تھا بالکل کافی ہیں۔

محمد خاں سور اپنی جاگیر میں آگیا اور شیر خاں کا ممنون و مشکور ہوا۔ اب شیر خاں کو اس کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا چنانچہ اپنے بھائی نظام کو پرگنوں کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود سلطان کی خدمت میں کڑہ چلا گیا۔ اتفاق سے سلطان بابر سے ملنے جا رہا تھا وہ شیر خاں کو بھی اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا۔ شیر خاں بابر کے حضور میں پہنچ کر خیر خواہان سلطنت میں داخل ہو گیا۔ چندیری کے سفر میں شیر خاں بھی بادشاہ کے ہمراہ تھا کچھ دن اس نے بادشاہ کے لشکر میں بسر کیے اس نے مغلوں کے طور طریقوں اور عادات سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی۔ ایک دن شیر خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال دینا بالکل آسان ہے۔ مصاحبین نے اس دعوے کی دلیل پوچھی شیر خاں نے جواب دیا کہ اس قوم کا بادشاہ سلطنت کے معاملات پر خود بہت کم توجہ دیتا ہے۔ سارے معاملات و مہمات کا انحصار وزیروں پر ہے۔ وزراء کی یہ حالت ہے کہ وہ رشوت لے کر شاہی حقوق کو بھول جاتے ہیں۔ ہم افغانوں میں یہ برائی کہ وہ ایک دوسرے کے آپس ہی میں دشمن ہیں اگر میری تقدیر یاوری کرے تو میں افغانوں کے دلوں سے نفاق کو دور کروں اور پھر اپنا کام پورا کروں۔"

اس کے دوست اس خیال پر جو ان کی نگاہ میں ناممکن تھا' ہنسے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔ ایک دن بابر کے دسترخوان پر ایک طباق ماہیچہ کا شیر خاں کے سامنے بھی رکھا ہوا تھا اس نے دیکھا کہ وہ اسطرح اس کو نہیں کھا سکتا لہٰذا سوری افغان نے ماہیچہ کو روٹی پر رکھا۔ پھر چھری سے اس کو ٹکڑے کر کے پھر پیالے میں رکھا اور کھانا شروع کیا۔ بادشاہ یہ ماجرا دیکھ رہا تھا اس نے میر خلیفہ سے کہا کہ اس پٹھان نے

آج عجیب کام کیا۔ شیر خاں نے جو کچھ محمد خاں سور کے ساتھ کیا تھا اس کی اطلاع بادشاہ کو پہلے مل چکی تھی۔ بادشاہ کے اس جملے کا اشارہ شیر خاں کی فہم و فراست کی طرف تھا۔ اس نے بھی بادشاہ اور امیر خلیفہ کی گفتگو سنی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ بادشاہ نے مجھے عبرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ وہ تو پہلے ہی توہمات میں مبتلا تھا اور بھی پریشان ہو گیا اور اسی رات شاہی لشکر سے بھاگ کر اپنی جاگیر میں جا پہنچا وہاں پہنچ کر اس نے سلطان جنید برلاس کو خط لکھا کہ محمد خاں سوری نے میرے خلاف سلطان محمد کے کان بھرے ہیں اور اس کا مقصد ہے کہ وہ میری جاگیر پر فوج کشی کرے لہٰذا میں پریشان ہو کر یہاں چلا آیا ہوں اور اسی پریشانی میں رخصت بھی نہیں لے سکا ہوں میں اب بھی بہی خواہوں میں سے ہوں۔ شیر خاں کو مغلوں سے بالکل مایوسی ہو گئی چنانچہ وہ اپنے بھائی نظام کو لے کر دوبارہ سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے شیر خاں پر مہربانی کی اور اسے دوبارہ شہزادے جلال کا اتالیق مقرر کر دیا۔ شیر خاں کو پھر وہی تقرب حاصل ہو گیا قضائے الٰہی سے سلطان کا انتقال ہو گیا اس کا کم عمر لڑکا جلال باپ کا جانشین ہوا۔

شیر خاں کا اقتدار

جلال خاں کی ماں لاڈو ملکہ نے سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ شیر خاں کی مدد سے ملکی معاملات انجام دینے لگی کچھ عرصے کے بعد جلال خان کی ماں نے انتقال کیا چنانچہ اب بہار کی حکومت پوری طرح سے شیر خاں کے قبضے میں آ گئی۔ بنگال کے حاکم کے ایک امیر مخدوم عالم حاجی پور نے شیر خاں سے دوستی اور راہ و رسم پیدا کی بنگال کا حاکم سلطان مخدوم عالم سے اس کی اس حرکت پر ناراض ہو گیا۔ اور منگیر کے حاکم قطب خاں کو بہار فتح کرنے اور مخدوم عالم و شیر خاں کو تباہ کرنے کے لئے نامزد کیا۔ شیر خاں نے بہت کوشش کی' التجائیں کیں تاکہ صلح ہو جائے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی چنانچہ اس نے افغانوں کو متحد کیا اور جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے پر تیار ہو گیا۔

حاکم بنگالہ سے جنگ

فریقین صف آرا ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی کافی خونریزی کے بعد قطب خاں مارا گیا اور شیر خاں کو فتح ہوئی۔ دشمن کے ہاتھی' خزانے اور دوسرے سامان شیر خاں کے قبضے میں آئے اب وہ پہلے سے بھی زیادہ صاحب قوت اور بااقتدار تھا۔ اس کے اس ٹھاٹھ سے لوحانی پٹھان جلنے لگے وہ اس کی جان لینے کی فکر میں رہنے لگے۔ انہوں نے جلال خاں سے جو ان کا ہم قوم تھا اپنے ارادوں سے متعلق مشورے کیے' لیکن جلال خاں کے ملازموں نے شیر خاں کو سارا حال آ کر بتا دیا۔ شیر خاں نے جلال خاں سے کہا کہ تمہارے امیر مجھ سے حسد کرتے ہیں۔ اور میرے ساتھ نفاق برتتے ہیں ان کا تدارک کرو ورنہ میں تم سے علیحدگی اختیار کر لوں گا۔" جلال خاں نے کہا کہ تم جو کہو میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔" شیر خاں نے جواب دیا "اپنے امیروں کو دو گروہوں میں تقسیم کرو۔ ایک گروہ کو مالیہ وصول کرنے کے لئے پرگنات میں روانہ کرو اور دوسری جماعت کو حاکم بنگالہ کے مقابلے پر بھیجو۔" اس کے بعد شیر خاں نے اپنی حفاظت کا اتنا اچھا بندوبست کیا کہ لوحانی پٹھان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے چنانچہ لوحانی پٹھانوں نے فیصلہ کیا کہ محمود شاہ بنگالی کی ملازمت اختیار کی جائے۔ اور اسے بہار پر قبضے کے لئے اکسایا جائے لہٰذا وہ مغلوں سے مقابلہ کرنے کے بہانے سے بہار چھوڑ کر سلطان محمود کے پاس گئے۔

ابراہیم خاں کی شکست

سلطان محمود نے ابراہیم خاں' قطب خاں کے بیٹے کو فوج دے کر شیر خاں کے مقابلے پر بھیجا۔ شیر خاں مٹی کے بنائے ہوئے قلعے میں بند ہو گیا اور روزانہ ایک گروہ کو دشمن سے جنگ کرنے کے لئے بھیجنے لگا یہاں تک کہ ابراہیم خان کو اپنے بادشاہ سے مدد طلب کرنی پڑی شیر خاں بھی اس سے باخبر ہوا۔ چنانچہ اپنے سپاہیوں کی صفیں درست کر کے صبح کو لشکر لے کر قلعے سے باہر گیا۔ بنگالی سپاہی بھی میدان میں آئے ان کے سوار اور پیادے صف بستہ ہوئے۔ شیر خاں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو دشمن کے مقابل کھڑا کیا اور سپاہیوں کے ایک گروہ کا انتخاب کر کے اسے پشتے کے پیچھے چھپا دیا اور سامنے والے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کریں اور تھوڑی دیر کے

بعد میدان جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں تاکہ دشمن ان کا تعاقب کر سکے اور اس طرح وہ اپنے توپ خانہ سمیت باہر آ جائیں چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ بنگالی سپاہیوں نے شیر خاں کی فوج کا تعاقب کیا اور وہ ان چھپے ہوئے سپاہیوں کی زد پر آ گئے۔ فوج کے اس حصے نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا اور ان کو خاک و خون میں ملا دیا۔ ابراہیم خاں بھی اپنے والد کی طرح لڑائی میں مارا گیا۔ جلال خاں جنگ سے نیم جان ہو کر بھاگا سیدھا بنگالے پہنچا۔ بنگالیوں کے ہاتھی اور توپ خانہ شیر خاں کے قبضے میں آیا۔ اس طرح بہار دشمنوں سے پاک ہوا اور شیر شاہ کو حکومت کرنے کی پوری قوت حاصل ہو گئی۔

لاڈو ملکہ

مورخ لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں تاج خاں ایک امیر قلعہ چنار پر سلطان ابراہیم کی طرف سے حکومت کرتا تھا اس کی ایک بیگم لاڈو نام کی تھی۔ اگرچہ یہ عورت بانجھ تھی مگر اس کے باوجود تاج خاں اس سے بہت محبت کرتا تھا' اس کے بیٹے جو دوسری بیگموں کے بطن سے تھے لاڈو ملکہ سے حسد کرتے تھے انہوں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک رات تاج خاں کے بڑے لڑکے نے لاڈو ملکہ پر تلوار سے وار کیا ملکہ کے گہرا زخم لگا محل میں شور و غل ہوا کہ ملکہ ماری گئی۔ تاج خاں بھی ننگی تلوار لیے ہوئے پہنچا اور بیٹے پر جھپٹا بیٹے نے یہ دیکھ کر کہ اب باپ کے ہاتھوں سے بچنا مشکل ہے' تاج خاں پر وار کیا۔ ناخلف لڑکے کا ہاتھ پورا پڑا اور تاج خاں ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد لڑکے قلعے کا انتظام نہ کر سکے۔ شیر خاں (جو ان کے پڑوس میں ہی تھا) کو بھی واقعات کا علم ہوا۔ اس نے لاڈو ملکہ کے ماموں میر احمد ترکمان کی معرفت تاج خاں کے نالائق بیٹوں کو تنبیہہ کرنے کے لئے خط و کتابت کی۔ میر احمد ترکمان تاج خاں کا بڑا معتبر ملازم تھا نامہ و پیام کے بعد طرفین میں یہ طے ہوا کہ شیر خاں لاڈو ملکہ سے شادی کر لے اور چنار کے قلعے پر قبضہ کر لے۔ شیر خاں نے ملکہ سے شادی کر کے قلعے کو قبضے میں کیا اس طرح خزانے اور دفینے بھی شیر خاں کے قبضے میں آئے۔

محمد شاہ بن سلطان سکندر لودھی نے بابر کے حملوں سے تباہ حال ہو کر رانا سانگا کے ہاں پناہ لی۔ رانا سانگا حسن خاں میواتی اور چند دوسرے زمینداروں کے ساتھ مل کر بابر کے مقابلے میں آیا۔ قصبہ جالوہ کے قریب جنگ ہوئی محمود شاہ شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگا جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ محمود شاہ جیت پور کے پاس تنہا دن گزار رہا تھا کہ لودھی پٹھانوں کے ایک گروہ نے جو پٹنہ میں جمع ہو گئے تھے' محمود شاہ کو بلایا محمود شاہ فوراً وہاں پہنچا اور دوبارہ پٹنہ کی حکومت پر قابض ہو گیا۔ محمود شاہ پٹنے سے ایک لشکر جرار لے کر بہار پہنچا۔ شیر خاں یہ دیکھ کر کہ افغان یقیناً محمود شاہ کی اطاعت کریں گے اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی جاںنثاری کا دم بھرنے لگا۔

محمود شاہ کے امیروں نے بہار کو اپنی جاگیروں میں تقسیم کر لیا شیر شاہ کے حصے میں بھی ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا۔ لودھی امیروں نے شیر خاں کو تسلی دی اور کہا جون پور کو مغلوں سے چھڑانے کے بعد پورا بہار تمہارے قبضے میں دے دیا جائے گا۔" شیر خاں نے محمود شاہ سے اس کے متعلق وعدہ لیا اور لشکر کو منظم کرنے کے بہانے سے اپنی جاگیر میں واپس آ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان محمود شاہ لودھی مغلوں سے جون پور واپس لینے کے لئے لڑائی پر آمادہ ہوا اس نے شیر خاں کو بھی بلا بھیجا' شیر خاں نے بہانہ کیا کہ میں لشکر کو درست کر کے بہت جلد بادشاہ کے پیچھے پیچھے پہنچ جاؤں گا۔ محمود شاہ کے امیروں نے مشورہ دیا۔ "چونکہ شیر خاں بڑا مکار اور بہانے باز ہے لہٰذا ہمیں جاگیر میں جا کر اسے اپنے ہمراہ لے کر چلنا چاہیے۔" محمود شاہ فوج لے کر جون پور کی طرف بڑھا ہمایوں کے جونپوری امیر محمود شاہ کا مقابلہ نہ کر سکے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جونپور کے علاقے پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا بلکہ ما کپور تک کا علاقہ ان کی آماج گاہ بن گیا۔

ہمایوں کی فتح

اس حملے کے وقت ہمایوں کالنجر میں تھا افغانوں کے غلبے کی اسے اطلاع پہنچی لہٰذا اس نے جون پور کا رخ کیا۔ ببن افغان اور بایزید ہمایوں کے مقابلے میں آئے۔ شیر خاں ان دونوں کی امیری اور سرداری سے جلتا تھا اور ان سے عزت اور وقعت میں بڑھنا چاہتا تھا۔ حالات

و واقعات کو دیکھ کر وہ مغلوں کے غلبے کا بھی اندازہ کیے ہوئے تھا چنانچہ اس نے مغلوں کے مشہور امیر اور فوج کے سپہ سالار میر مندو بیگ کو خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ میں بابر کا نمک خوار ہوں لہٰذا تم دیکھنا کہ افغانوں کو شکست میری ہی وجہ سے ہوگی۔ اپنے قول کے مطابق شیر خاں لڑائی کے دن اپنی فوج کو لے کر افغان لشکر سے علیحدہ ہو گیا ہمایوں کو فتح نصیب ہوئی محمود شاہ لودھی پریشان ہو کر پٹنہ واپس آ گیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۹۴۹ھ میں محمود شاہ اڑیسہ چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔

ہمایوں کی قلعہ چنار کو روانگی

اس فتح کے بعد ہمایوں آگرہ روانہ ہوا' امیر مندو بیگ کو شیر خاں کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ چنار کا قلعہ اس کے حوالے کر دے شیر خاں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ مندو بیگ ناکام واپس آیا ہمایوں نے قلعہ چنار کا رخ کیا امیروں کے ایک گروہ کو اپنے آگے روانہ کر دیا تاکہ قلعے کا محاصرہ کریں۔ شیر خاں نے ہمایوں کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ میں حضور بابر کی توجہ اور امداد سے اس مرتبے کو پہنچا ہوں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ افغانوں اور بایزید کے خلاف بادشاہ کی فتح کا سبب میں ہی ہوں۔ اور اگر بادشاہ چنار کا قلعہ میرے قبضے میں رہنے دیں تو میں اپنے لڑکے قطب خاں کو لشکر کے ہمراہ شاہی خدمت میں روانہ کروں گا تمام عمر اطاعت و فرمانبرداری کروں گا۔ اسی زمانے میں ہمایوں کو بہادر شاہ گجراتی کے حملوں نے پریشان کر رکھا تھا لہٰذا مصلحتاً شیر خاں کی درخواست کو منظور کیا۔ شیر خاں نے قطب خاں کو اپنے نائب کل عیسیٰ خاں حاجب کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں بھیج دیا۔

گجرات کی مہم

بادشاہ گجرات کی مہم پر روانہ ہوا قطب خاں پانچ سواروں کے ساتھ کچھ دن ہمایوں کے ہمراہ رہا پھر وہاں سے بھاگ کر شیر خاں کے پاس پہنچ گیا۔ اس دوران میں شیر خاں نے بہار کو دشمنوں اور باغیوں سے خالی کر دیا اور پھر بنگالے پر فوج کشی کی۔ بنگال کے امیر گڑھی کی حفاظت میں مصروف ہوئے ایک مہینے تک شیر خاں سے جنگ ہوتی رہی۔ فتح شیر خاں کو ہوئی چنانچہ وہ بنگال میں داخل ہوا۔ محمود شاہ بنگالی شیر خاں کے سامنے جم نہ سکا وہ قلعہ کور میں محصور ہو گیا۔ ایک عرصے تک شیر خاں نے محاصرہ جاری رکھا' لیکن یہ خبر سن کر کہ بہار میں ایک زمیندار نے فساد مچا رکھا ہے اس نے خواص خاں اور دوسرے امیروں کو بنگالہ کی فتح کے لئے وہیں چھوڑا اور خود واپس بھاگ گیا۔ شیر خاں نے بہار کے فتنہ و فساد سے فرصت پا کر سلطان محمود شاہ کا پیچھا کیا۔ سلطان کو مجبوراً شیر خاں کے مقابلے میں آنا پڑا چنانچہ وہ زخمی ہو کر بھاگا اس طرح بنگالہ شیر خاں کے قبضے میں آ گیا۔

شیر خاں کی بیخ کنی کا عزم

ہمایوں گجرات سے فارغ ہو کر آگرے پہنچا۔ بادشاہ نے شیر خاں کی بیخ کنی کرنا ضروری سمجھا چنانچہ فوج لے کر چنار روانہ ہو گیا۔ قلعے کا حاکم جلال خاں' غازی خاں سور اور دوسرے افغانی امیروں کو قلعے میں چھوڑ کر چھار کھنڈ کے کوہستانوں میں بھاگ گیا۔ محاصرے کو چھ مہینے گزر گئے رومی خاں مہتمم توپ خانہ شاہی نے دریا میں سرکوب بنا کر مغل سپاہیوں کو قلعے میں داخل کر دیا قلعہ ہمایوں کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان محمود شاہ شیر خاں کے ہاتھوں زخمی ہو کر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمایوں دولت بیگ کو قلعے میں چھوڑ کر شیر خاں سے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ شیر خاں نے یہ خبر سن کر جلال خاں اور خواص خاں کو اپنی فوج کا بڑا حصہ دے کر گڑھی کی حفاظت کے لئے بنگال کی سرحد پر روانہ کیا۔ ہمایوں نے جہانگیر قلی بیگ اور دوسرے مغل سرداروں کو آگے روانہ کیا۔ خواص خاں وغیرہ نے مغل امیروں سے جنگ کی اور انہیں پسپا کر دیا۔ ہمایوں نے دوبارہ فوج بھیجی اور پیچھے پیچھے خود بھی روانہ ہو گیا گڑھی فتح ہو گئی۔ جلال خاں گڑھی سے بھاگ گیا۔ ہمایوں وہاں سے گزرا شیر خاں شہر کور کو خالی کر کے چھار کھنڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رہتاس کے قلعے پر قبضے میں تدبیریں سوچنے لگا۔ شیر خاں کا مقصد یہ تھا کہ اس مشہور و معروف قلعے کو فتح کر کے اپنے اہل و عیال کو قلعے میں حفاظت کے ساتھ چھوڑ کر پھر سکون و اطمینان کے

ساتھ معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو جائے۔

قلعہ رہتاس پر قبضہ

شیر خاں نے محسوس کیا کہ لڑائی کر کے قلعہ فتح کرنا مشکل ہے چنانچہ اس نے راجہ کو مکر و فریب دے کر قلعہ حاصل کرنے کی تدبیر سوچی۔ اس نے ایک قاصد کو راجہ ہرکشن کے پاس بھیج اور یہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے۔ ملک بہار بہت چھوٹا ہے اس لیے میرا ارادہ یہ ہے کہ بنگال بھی فتح کروں لیکن چاروں طرف مغلوں کا دور دورہ ہے اس لیے مجھے سکون و اطمینان نہیں مجھے تمہاری دوستی پر پورا بھروسا ہے۔ میری یہ تمنا ہے کہ تم میرے اور میرے سپاہیوں کے اہل و عیال کو اپنے قلعے میں جگہ دو پھر میں آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرتا رہوں گا۔ راجہ نے شیر خاں کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ شیر خاں نے دوبارہ نفیس تحفے و تحائف اپنے باتونی ایلچیوں کے ہاتھ راجہ کو بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی اور سپاہیوں کی عورتیں اور کچھ خزانے قلعے میں بھیجوں گا۔ اگر میری قسمت میں بنگالے کی فتح ہوئی تو میں واپس آ کر اس احسان کا بدلہ دے سکوں گا۔ اور اگر خدا نہ کرے کوئی حادثہ ہو گیا تو اس حالت میں میرے اہل و عیال و مال دولت کا تمہارے پاس رہنا نسبتاً اچھا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے پرانے دشمن مغل میرے ملک پر قابض اور متصرف ہوں۔" ہرکشن تو لالچ میں شیر خاں کی بات مان ہی چکا تھا۔

شیر خاں نے ایک ہزار ڈولیاں تیار کیں اور عام رواج کے مطابق ڈولیوں پر پردہ ڈال کر (جس طرح کہ ہندوستان میں عورتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں) ہر ڈولی میں دو سپاہی بٹھائے اور پانچ سو سواروں کو مزدوروں کا لباس پہنا کر روپیوں کے توڑے ان کے سروں رکھے اور ہتھیار کی بجائے لکڑیاں اور ڈنڈے ان کے ہاتھوں میں دیئے اس صورت میں ان لوگوں کو قلعہ رہتاس کی طرف روانہ کیا پہلی چند ڈولیوں میں بوڑھی عورتوں کا ایک گروہ بٹھایا ہوا تھا۔ اور ان کے ہمراہ خواجہ سرا تھے چنانچہ راجہ اور اس کے اہل کاران کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ مزید کسی کی تفتیش نہ کی اہل و اسباب کو اپنا سمجھ کر جلدی جلدی قلعہ کے اوپر بھیجنے لگے ڈولیاں اس حویلی میں پہنچا دی گئیں جو راجہ نے ان کے لئے مقرر کی تھی چنانچہ تجربہ کار سپاہی جنہیں راجہ عورتیں سمجھ بیٹھا تھا یکدم تلواریں لیے ڈولیوں سے نکل پڑے۔ مزدوروں نے بھی لوہے کی اشرفیاں جنہیں سونے کے سکوں کی طرح اٹھایا ہوا تھا سر سے پھینک کر اپنی لاٹھیاں سنبھال لیں۔ پھر یہ لوگ قلعے کے دروازے کی طرف جھپٹے غافل راجہ اور اس کے سپاہی ان کی زد میں تھے۔ اسی اثنا میں شیر خان نے بھی جو لشکر کو تیار کیے بیٹھا تھا اور آواز کا منتظر تھا قلعے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اسے قلعے کا دروازہ کھلا ہوا ملا چنانچہ وہ بہت سے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں گھس آیا۔ راجہ ہرکشن اور اس کے سپاہیوں نے کچھ دیر مزاحمت کی مگر یہ دیکھ کر کہ اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ قلعے کے عقبی دروازے سے بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ چنانچہ اس طرح رہتاس کا بے نظیر اور مشہور و معروف قلعہ مع خزینوں اور دفینوں کے اس قدر آسانی سے شیر خاں کے قبضے میں آ گیا۔

قلعہ رہتاس

رہتاس کے متعلق یہ کہنا کچھ مبالغہ آمیز نہیں کہ یہ قلعہ مضبوطی میں بہت بے نظیر تھا۔ مولف تاریخ ہذا نے ہندوستان کے اکثر مشہور اور بڑے قلعے دیکھے ہیں، لیکن رہتاس کا دوسروں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر بہار کے صوبے سے متصل واقع ہے۔ طول و عرض میں پانچ کوس سے زیادہ ہے پہاڑ کے دامن سے لے کر قلعے کے دروازے تک ایک کوس سے زاید راستہ ہے۔ قلعہ کے اکثر مکانوں میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ قلعے میں جہاں کہیں بھی کنواں کھودا جاتا ہے زیادہ سے زیادہ دو گز کے فاصلے پر میٹھا پانی نکل آتا ہے۔ جس نے بھی اس قلعے کو دیکھا ہے۔ اسی نے خدا کی قدرت اور کاریگری کی تعریف کی ہے۔ شیر خاں سے قبل کسی بادشاہ کو اس قلعے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن شیر خاں کی خوبی قسمت سے نہایت آسانی کے ساتھ یہ قلعہ مل گیا۔

افغانوں کے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے اپنے اہل و عیال کو قلعے میں چھوڑا اور تمام بندوبست کرنے کے بعد سکون و اطمینان کا سانس لیا۔

ہمایوں شہر کور میں جسے پرانی کتابوں میں لکھنوتی کہا گیا ہے تین مہینے سے آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا اسے یہ پتہ چلا کہ ہندال میرزا نے آگرے اور میوات میں فساد برپا کیا ہے اور شیخ بہلول کو قتل کر دیا گیا ہے نیز خطبہ میرزا کے نام کا پڑھا جاتا ہے۔ ہمایوں نے جہانگیر بیگ کو پانچ ہزار چیدہ سواروں کے ساتھ شہر کور میں چھوڑا اور خود آگرے کی طرف چل پڑا۔ برسات کی شدت، کیچڑ اور گندگی کی وجہ سے شاہی لشکر میں بے سروسامانی اور تباہی مچ گئی۔

شیر خاں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور ایک جرار لشکر لے کر راہ میں آن ڈٹا اس نے جوسا کے قریب ڈیرے ڈالے اور اپنے لشکر کے گرد حصار بنا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ خط و کتابت کرنے کے بعد شیر خاں نے اپنے مرشد شیخ خلیل کو ہمایوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بہار سے لے کر گڑھی تک سارا علاقہ میں بادشاہ کے تصرف میں چھوڑتا ہوں، یہاں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا جاری کروں گا۔"

چنانچہ صلح کی شرائط طے ہو جانے کے بعد شاہی لشکر دشمن سے بے خوف ہو گیا اور انہوں نے دریائے جوسا پر پل باندھ کر پار اترنے کا ارادہ کیا۔ شیر خاں نے دیکھا کہ ہمایوں کی فوج دشمن سے بالکل غافل ہے چنانچہ رات کو اس نے لشکر پر دھاوا بول دیا۔ اور صبح کو (۹۴۶ھ میں) باقاعدہ فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ لڑائی کے میدان میں آ گیا، شاہی لشکر کو صفیں درست کرنے کا بھی موقع نہ ملا۔ اس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کو شکست ہوئی اور وہ بڑی پریشانی سے آگرے کی طرف بھاگا۔ شیر خاں بنگالے واپس آ گیا۔

جہاں گیر قلی بیگ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ کئی دفعہ شیر خاں سے مقابلہ کیا لیکن چونکہ اس کے پاس رسد کی کمی تھی لہٰذا مجبوراً اسے شیر خاں کا شکار بننا پڑا۔

شیر خاں کے نام کا خطبہ و سکہ

اب شیر خاں نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا دوسرے سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ آگرے کا رخ کیا۔ نازک وقت پر جب لوگ غیروں کو اپنا بناتے ہیں کامران مرزا بادشاہ کو چھوڑ کر لاہور چلا گیا۔ چغتائی امیروں نے بادشاہ کی مخالفت اس بنا پر شروع کی کہ ہمایوں ترکمانی شیعوں کی بہت پرورش اور عزت کرتا ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود ہمایوں آگرہ سے قنوج روانہ ہوا اور دریائے گنگا کو عبور کیا اس وقت مغلوں کا لشکر ایک لاکھ پر مشتمل تھا اور افغان پچاس ہزار تھے۔ دس محرم ۹۴۷ھ کو مغل سپاہیوں نے پیش قدمی کی اور بلندی سے نیچے اترنا شروع کیا۔ شیر شاہ فوراً ہوشیار ہو گیا، اور صفیں درست کر کے سامنے آ کھڑا ہوا مغلوں نے بغیر لڑائی کے شکست کھائی۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور بڑی مشکل سے پار پہنچا پھر لاہور کا رخ کیا۔ شیر شاہ نے لاہور تک تعاقب کیا۔ ہمایوں سندھ روانہ ہو گیا شیر شاہ نے خوشاب تک پیچھا کیا۔ اس جگہ اسمٰعیل خاں غازی خاں اور فتح خاں بلوچ دوذائی بلوچوں کے سردار، شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیر شاہ نے کوہستان نندنہ اور کوہ بالغات کے حوالی کا معائنہ کیا اور ایک جگہ پر قلعہ تعمیر کروایا اور رہتاس نام رکھا۔ اپنے غلام خواص خاں کو جس کی وجہ سے اسے ہندوستان کی سلطنت نصیب ہوئی تھی امیر الامراء مقرر کیا اور ممالک محروسہ کا دسواں حصہ اسے جاگیر میں دیا۔ خواص خاں کی بہادری اور مردانگی کا شیر شاہ کی فتوحات میں بڑا حصہ ہے۔ شیر شاہ نے خواص خاں کو ہیبت خاں نیازی اور ایک لشکر جرار کے ساتھ وہیں چھوڑا اور خود آگرہ روانہ ہوا۔ یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ خضر خاں شیروانی جو شیر شاہ کی طرف سے بنگالے کا حاکم تھا۔ سلطان محمود شاہ بنگالی کی بیٹی سے شادی کر کے شاہانہ عظمت و اقتدار کا مالک بن بیٹھا ہے۔ شیر شاہ نے یہ خیال کر کے کہ ابھرتے ہوئے کا سر کچلنا بہتر ہوتا ہے بنگالے کا رخ کیا۔ شیر شاہ کے پہنچنے پر، خضر خاں شیروانی اس کے استقبال کو آیا شیر شاہ نے

اسے نظربند کرلیا۔ اس کے بعد بنگال کو چند آدمیوں میں تقسیم کیا اور اس طرح مرکزی طاقت کو توڑا' کڑہ کے مشہور و معروف فاضل قاضی فضل کو جو نہایت دیانتدار اور پرہیزگار تھا اور عام طور پر قاضی فصیح کے نام سے مشہور تھا یہاں کا امین مقرر کیا اور اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا کر خود آگرہ آگیا۔

مالوہ پر حملہ

۹۴۹ھ میں شیر شاہ نے مالوہ پر حملہ کیا اور گوالیار پہنچا۔ شیر شاہ کے امیر شجاعت خاں افغان نے جو اس سے قبل گوالیار کے محاصرے کے لئے نامزد کیا گیا تھا' ہمایوں کے قلعہ دار ابو القاسم بیگ کو نکال کر قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔ شیر شاہ مالوے پہنچا مالوے کا حاکم ملوخاں خلجی بادشاہوں کا غلام تھا وہ صلح کا طالب ہو کر بغیر بلائے چلا آیا کچھ دنوں کے بعد ملوخاں اس قدر خوفزدہ ہو کر جس طرح آیا تھا اسی طرح بلا اجازت چلا گیا۔ شیر شاہ نے حاجی خاں کو مالوے کا حاکم بنا دیا۔ شجاعت خاں کو سیو د اس کی جاگیر دے کر دونوں کو وہاں چھوڑا اور خود رنتھنبور روانہ ہوا۔

شیر شاہ کی روانگی کے ساتھ ملوخاں مالوہ پہنچا۔ حاجی خاں اور شجاعت سے لڑا مگر شکست کھا کر بھاگا۔ اس فتح کا سہرا شجاعت خاں کے سر رہا۔ شیر شاہ نے حاجی خاں کو بلوا کر شجاعت خان کو مالوے کا حاکم بنا دیا۔

شیر شاہ نے رنتھنبور پہنچ کر چرب زبان اور باتونی ایلچیوں کو سلطان محمود لودھی کے گماشتوں کے پاس بھیجا اور ان سے صلح کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

شیر شاہ رنتھنبور سے آگرے آیا یہاں اس نے ملوخاں کے لڑنے اور بھاگنے کی خبر سنی اور فی البدیہہ مصرعہ پڑھا۔

باماچہ کرد دیدی ملوغلام گیدی

شیخ عبد الحی ولد شیخ جمالی نے دوسرا مصرعہ عرض کیا۔

قولے ست مصطفےٰ رالا خیر فی العبیدی۔

ملتان کی فتح

شیر شاہ نے یہاں ایک سال قیام کیا اور ملک اور فوج کے انتظام کو درست کیا پھر ہیبت خاں کو حکم دیا کہ ملتان کو بلوچیوں سے چھڑا کر شیر شاہ کی حکومت میں شامل کرے۔ ہیبت خاں' فتح خاں بلوچ سے معرکہ آرا ہوا اور ملتان کو فتح کر کے شیر شاہ کی سلطنت میں شامل کیا۔ شیر شاہ نے ہیبت خاں کو "اعظم ہمایوں" کے خطاب سے نوازا۔

پورن مل کی بغاوت

۹۵۰ھ میں پورن مل ولد راجہ سلہدی پورمیہ نے قلعہ رائے سین میں طاقت پکڑ کر بغاوت کی پورن مل نے اس علاقے کے اکثر پرگنات پر قبضہ کر کے دو ہزار مسلمان عورتیں اپنے حرم میں داخل کر رکھی تھیں یہ مسلمان عورتیں رقاصاؤں اور گائنوں کا کام انجام دیتی تھیں۔ شیر شاہ یہ واقعہ سن کر بہت غصے میں آیا چنانچہ اس نے رائے سین کے قلعے پر حملہ کر دیا اور محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کی طوالت کی وجہ سے شیر شاہ نے صلح کی بات چیت شروع کی۔ اس نے پورن مل سے وعدہ کر لیا کہ اس کی جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پورن مل اپنے بال بچوں اور چار ہزار راجپوتوں کے ساتھ قلعے سے باہر ایک جگہ پر قیام پذیر ہوا۔ علمائے وقت میں سے میرزا رفیع الدین صاحب نے باوجود عہد و پیمان کے پورن مل کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ شیر شاہ نے اپنے لشکر اور ہاتھی راجہ کے سر پر لا کھڑے کیے اور شاہی لشکر نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ راجپوت اس قدر بہادری سے لڑے کہ رستم اور اسفند یار کی داستانیں بھی ان کی بہادری و مردانگی کے آگے بچوں کا کھیل معلوم ہونے لگیں۔ تلواروں اور تیروں اور ہاتھیوں پر گر کر پروانوں کی طرح ساری قوم قتل ہو گئی۔

مارواڑ پر حملہ

شیر شاہ اس معرکے سے فارغ ہو کر آگرے آیا چند مہینے قیام کرکے لشکر کو نئے سرے سے منظم کیا اور پھر مارواڑ پر حملہ کر دیا۔ ہر منزل کے بعد شیر شاہ لشکر کے گرد قلعے بنواتا اور خندقیں کھدواتا چلا گیا۔ اس طرح سے احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیتا ہوا وہ ریگستان میں پہنچا یہاں قلعے بنوانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ عقلمند بادشاہوں نے بوروں میں بالو بھرنے کا حکم دیا اور بوروں کو اوپر نیچے رکھ کر قلعہ بندی کی۔ شیر شاہ کا پہلا حملہ ناگور اور جودھرکے راجہ مالدیو پر ہوا۔ یہ راجہ فوج اور شان و شوکت میں تمام ہندوستانی راجاؤں میں ممتاز تھا۔ پچاس ہزار راجپوت راجہ کے گرد جمع ہو گئے راجہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ ایک مہینے تک اجمیر کے قریب خیمہ زن رہا فریقین میں سے کسی نے پیش قدمی نہ کی۔ جب شیر شاہ کو راجہ کے لشکر کا حال معلوم ہوا تو اسے اپنے اس سفر پر قدرے افسوس ہوا۔

جعلی خطوط

راجہ مالدیو نے حکومت وراثت میں حاصل نہیں کی تھی بلکہ اس علاقے کے تمام راجاؤں کو زیر کرکے مہاراجہ بنا تھا' مظلوم راجاؤں نے موقع پا کر شیر شاہ سے پناہ مانگی۔ شیر شاہ کے مشورے سے ان راجاؤں نے مالدیو کے افسروں اور سرداروں کی طرف سے شیر شاہ کے نام ہندی زبان میں خطوط لکھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہم لوگ مجبوراً مالدیو کی اطاعت کر رہے ہیں اور ہم نے کسی غیبی امداد کے بھروسے پر راجہ کے ظلم و ستم برداشت کیے' خدا کا شکر ہے کہ آپ جیسا بادشاہ اس ملک پر حملہ آور ہوا ہے تاکہ اس ظالم سے ہمارے بدلے لے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جس وقت آپ کی فوج یہاں پہنچ جائے گی ہم مالدیو سے علیحدہ ہو کر آپ کی مدد کریں گے۔" ان خطوط کے مضمون کے مطابق شیر شاہ کا جواب بھی بادشاہ کی طرف سے اسی طرح لکھا گیا کہ "اگر خدا نے چاہا تو میں مالدیو کو شکست دے کر تمہاری دادرسی کروں گا اور تمہارے موروثی علاقے تمہیں دے کر تمہارے مراتب بلند کروں گا تم لوگوں کو چاہیے کہ صبر و سکون کے ساتھ میرا ساتھ دو۔"

مالدیو کی پریشانی

یہ جعلی خطوط کسی طرح سے مالدیو تک پہنچائے گئے راجہ ہمیشہ اپنے زمینداروں اور امیروں سے خائف رہتا تھا ان خطوط کو دیکھ کر اس کے اوسان جاتے رہے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ تین چار منزلیں طے کر چکا تھا جہاں تھا وہیں سہم کر رہ گیا۔ راجہ کے ایک کنہیا نامی سردار نے جو اپنی فوج اور ذاتی بہادری کی وجہ سے تمام امیروں میں ممتاز تھا۔ راجہ کو آگے بڑھ کر معرکہ آرائی کرنے کا مشورہ دیا۔ ان جعلی خطوط میں ایک خط کنہیا کے نام کا بھی تھا لہٰذا راجہ کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ کنہیا مصلحتاً اسے لڑائی کے لئے ابھار رہا ہے' چنانچہ اس کے وہم میں اور اضافہ ہوا اور اس نے واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کنہیا اور چند دوسرے سرداروں نے راجہ کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا ان ہندو سرداروں کو بھی ان خطوط کی اصلیت معلوم ہوئی چونکہ غداری کا جرم عام طور پر ہر مذہب میں ناقابل معافی ہوتا ہے اور خاص طور پر راجپوت" مسلمانوں کی طرح اسے بڑے شرم کی بات سمجھتے ہیں۔

اس تجویز کے بعد اس رات جبکہ مالدیو اپنے دور دراز ملک کو واپس جا رہا تھا کنہیا اور اس کے دوسرے ساتھی امیر راجہ سے رخصت ہوئے اور دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ جن کی بہادری آزمائی ہوئی تھی۔ شیر شاہ کے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے دشمن کی طرف بڑھے۔ اتفاق سے یہ سردار راستہ بھول گئے اور بجائے رات کے دن کو شیر شاہ کے لشکر کے قریب پہنچے۔ ان ہندو سرداروں نے افغانی لشکر پر جو اسی ہزار سے کم نہ تھا بڑی جرات اور بہادری کے ساتھ حملہ کیا اور افغانوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں قریب تھا کہ شیر شاہ کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ جاتے کہ اچانک ایک افغان امیر جلال خاں جلوانی جس کی شجاعت اور پختگی مشہور تھی تازہ لشکر کے ساتھ عین وقت پر پہنچ گیا' جلوانی امیر یہ حالت دیکھتے ہی راجپوتوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو منتشر کر دیا۔ کنہیا اور دوسرے سردار مارے گئے۔ شیر شاہ کو

شکست کے بعد فتح نصیب ہوئی۔ شیر شاہ نے کہا خیر گزری ورنہ ایک مٹھی بھر باجرے کے لئے ہندوستان کی سلطنت کھو بیٹھا تھا۔" بات یہ تھی کہ مالدیو کے علاقے میں ریگستان ہونے کی وجہ سے جوار اور باجرے کے سوا گیہوں' چاول' جو اور نیشکر اور ترکاریاں وغیرہ بہت کم پیدا ہوتی تھیں اس علاقے میں اکثر کھیت باجرے کے ہی ہوتے ہیں۔ مالدیو کو بھی اپنے بے گناہ امیروں کی لڑائی اور مارے جانے کا حال اور افغانوں کے مکرو فریب کا پتہ چلا تو اسے بیحد افسوس ہوا۔ وہ کوہستان جودھ پور کی طرف ناکام ہو کر بھاگ نکلا' شیر شاہ اس غیبی امداد سے کامیاب ہو کر قلعہ چتوڑ کی طرف روانہ ہوا۔

کالنجر پر لشکر کشی

چتوڑ پر صلح صفائی سے قبضہ کرنے کے بعد وہ رنتھنبور پہنچا' رنتھنبور کو شیر شاہ نے اپنے بڑے لڑکے کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ اس لیے اس کے لڑکے عادل خاں نے قلعے میں انتظام کی غرض سے چند روز کی اجازت حاصل کی۔ اس کے بعد شیر شاہ ہندوستان کے مشہور ترین اور سب سے مضبوط حصار قلعہ کالنجر کی طرف چلا۔ قلعے کا راجہ' پورن مل کے ساتھ افغانوں کی بدعہدی سے باخبر تھا لہٰذا راجہ نے اطاعت سے انکار کیا اور لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ شیر شاہ نے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا جہاں بادشاہ خود کھڑا تھا۔ اسی جگہ بارود سے بھرے ہوئے ڈبے رکھے ہوئے تھے ان کو سپاہی آگ لگا کر قلعے کے اندر پھینک رہے تھے۔ اتفاق سے ایک ڈبہ قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر الٹ گیا۔ اور دوسرے ڈبوں کے درمیان میں آگرا اس کے گرتے ہی سارے ڈبوں کو آگ لگ گئی۔ شیر شاہ مع اپنے مرشد شیخ خلیل خاں صاحب اور ملا نظام دانشمند و دریا خاں شیروانی کے جل گیا۔ شیر شاہ اسی حالت میں مورچے تک پہنچا بے ہوشی طاری تھی۔ جب کبھی سانس ٹھیک چلنے لگتی اور ہوش آ جاتا تو بلند آواز سے لشکر کو لڑنے کی تاکید کرتا اور اپنے خاص امیروں کو بڑے اہتمام اور تاکید کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر روانہ کرتا۔

اسی دن جبکہ شام ہو رہی تھی ۹۵۲ھ بارھویں ربیع الاول کو شیر شاہ نے قلعے کے فتح ہونے کی خبر سنی اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شیر شاہ نے پندرہ برس امارت اور افسری میں گزارے اور پانچ سال پورے ہندوستان پر حکومت کی شیر شاہ بڑا عقلمند اور مدبر تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے کارناموں کے پسندیدہ آثار دنیا میں چھوڑے۔ اس نے اپنے عہد میں بنگالے اور سنارگاؤں سے دریائے سندھ تک پندرہ سو میل پختہ سڑک بنوائی اور ہر کوس پر ایک سرائے' ایک کنواں اور ایک پختہ مسجد تعمیر کی گئی۔ مسجدوں میں امام' قاری اور موذن مقرر کیے گئے ان کو وظیفہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا۔

سرائے کے دو دروازے تھے ایک دروازے پر پکا ہوا کھانا و جنس اور غلہ وغیرہ مسلمانوں کو اور دوسرے پر اسی طرح ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تاکہ مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح ہر سرائے میں ڈاک چوکی کے دو گھوڑے ہر وقت موجود رہتے۔ اس حسن انتظام کی وجہ سے سندھ اور بنگالے کی خبریں روزانہ بادشاہ کو ملتی رہتی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف کھرنی' جاموں اور دوسرے میوہ جات کے درخت لگائے گئے۔ تاکہ رعایا ان کے سائے میں آرام کے ساتھ سفر طے کرے اسی طرح آگرے سے مندو تک تین سو کوس تک میوہ دار درخت سڑک کے دونوں طرف لگائے گئے۔ سرائے' مسجد اور کنوئیں وغیرہ تعمیر کرائے گئے۔ شیر شاہ کا عہد اتنا پر امن تھا کہ مسافر جنگل میں بھی بے کھٹکے اپنا اسباب سرہانے رکھ کر آرام اور اطمینان سے سوتے تھے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ایک بڑھیا بھی روپے اور اشرفیوں کا گھڑا اپنے پاس رکھ کر سوتی تو اسے پاسبان کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

شیر شاہ جب کبھی آئینے میں اپنی سفید ڈاڑھی دیکھتا تو کہتا کہ "دولت نے شام ہوئے پر میرا ساتھ دیا۔" اور پھر اس پر افسوس کرتا شیر شاہ ہندوستانی طریقے کے مضحکہ خیز شعر بھی کہتا تھا اس کی انگوٹھی پر یہ سجع کندہ تھا۔

شہ اللہ باقی ترا باد دائم

ایک شاعر نے اس کی رحلت کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

خاں شیر شہ حسن قائم سور شیر شا ہے کہ از مہابت او
شیر و بز آب راہم می خورد چوں بہ رفت از جہاں بدار بقا
گشت تاریخ اوز آتش مرد

سلیم شاہ بن شیر شاہ سوری

شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عادل خاں جو ولی عہد تھا رنتھنبور کا قلعہ دار تھا اور چھوٹا بیٹا جلال خاں پٹنہ کے مضافات میں قصبہ ریون میں تھا۔ امیروں نے یہ مشورہ کیا کہ چونکہ عادل خاں دور ہے اور بغیر حاکم کے رہنا بھی محال ہے لہٰذا جلال خاں کو بلوایا جائے جلال خاں پانچ روز میں شاہی لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔ اس نے عیسیٰ خاں حاجب اور دوسرے امیروں کی کوشش سے پندرہویں ربیع الاول ۹۵۲ھ کو کالنجر کے قلعہ میں تخت نشینی کی۔ جلال خاں نے اسلام خان لقب اختیار کیا' لیکن خاص و عام کی زبان پر بجائے اسلام شاہ کے سلیم شاہ چڑھ گیا لہٰذا وہ اسی لقب سے مشہور ہوا۔ سلیم نے تخت سلطنت پر بیٹھ کر بڑے بھائی عادل خاں کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا۔ "چونکہ تم مرحوم بادشاہ سے بہت دور تھے اور میں قریب تھا لہٰذا تمہارے آنے تک فتنہ و فساد روکنے کے لئے عنان حکومت میں نے سنبھالی ہے اور لشکر و سپاہ کی حفاظت کر رہا ہوں میں تمہارا مطیع و فرمانبردار ہوں۔" سلیم شاہ بھائی کو یہ خط لکھ کر کالنجر سے آگرہ روانہ ہوا۔ جب وہ قصبہ کور کے نزدیک پہنچا تو خواص خاں اپنی جاگیر سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور از سرنو جشن جلوس مرتب کیا۔ امیروں کے مشورے سے سلیم شاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا کر اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ سلیم شاہ نے دوسرا خط عادل خاں کے نام روانہ کیا اور اس میں بھی اپنے خلوص کا اظہار کیا اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

عادل خاں نے سلیم شاہ کے امیروں قطب خاں نائب' عیسیٰ خاں نیازی' خواص خاں اور جلال خاں جلوانی سے اپنے آنے کے متعلق پوچھا اور سلیم شاہ کو بھی لکھا کہ اگر یہ چاروں امیر مجھے مطمئن کر دیں تو مجھے آنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔"

سلیم شاہ نے ان چاروں امیروں کو عادل خاں کے پاس بھیجا انہوں نے عادل خاں سے بات چیت کے بعد یہ طے کیا کہ پہلی ملاقات میں عادل خاں کو اجازت دے دی جائے گی کہ ہندوستان کے جس گوشے میں چاہے اپنی جاگیر پسند کرے اور وہاں چلا جائے۔ عادل خان ان کے ہمراہ آگرہ روانہ ہوا۔ عادل خاں قصبہ سیکری میں جواب فتح پور کے نام سے مشہور ہے پہنچا۔ سلیم شاہ شکار گاہ میں تھا اس نے یہ خبر سنی اس جگہ کو دونوں بھائیوں کی ملاقات کے لئے تجویز کیا گیا تھا لہٰذا اسے آراستہ کیا گیا۔ وہاں دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی تھوڑی دیر دونوں وہاں بیٹھے پھر آگرہ روانہ ہوئے۔

عادل خاں

سلیم شاہ کو بھائی کی طرف سے اندیشہ تھا لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ عادل خاں کے ہمراہیوں میں سے دو تین سے زیادہ آگرے کے قلعے میں نہ رہنے پائیں' مگر سلیم شاہ کے اس حکم کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ قلعے کے دروازے پر اس کے ساتھیوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا۔ سلیم شاہ نے ملائمت اور نرمی سے کام لیا اور خوشامد سے کہا کہ "اب تک تو افغانوں کا میں نگران رہا' مگر اب سے تم ان کے سردار ہو اور اس سرکش قوم کے ذمہ دار ہو۔ میں تمہاری قوم تمہیں سپرد کرتا ہوں" یہ کہنے کے بعد عادل خاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھا دیا اور چاپلوسی کرنے لگا۔ عادل خاں عیش پسند اور آرام طلب تھا' سلیم شاہ کی مکاری کو سمجھ گیا لہٰذا وہ خود تخت سے اترا اور سلیم شاہ کو مسند شاہی پر بٹھا دیا۔ عادل نے پہلے خود سلام کیا اور مبارک باد دی پھر امیروں نے مبارک باد دے کر نچھاور اور صدقے کی رسم ادا کی۔ اس محفل میں قطب خاں اور دوسرے امیر حاضر تھے جو عادل خاں سے عہد و پیمان کر کے اسے یہاں لائے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ہمارا وعدہ یہ تھا کہ عادل خاں کو پہلی ملاقات میں رخصت کر کے بیانہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیں سلیم شاہ نے اس کو منظور

..... نے عادل خاں کو عیسیٰ خاں اور خواص خاں کے ساتھ بیانہ جانے کی اجازت دے دی۔

عادل خاں کی گرفتاری کا حکم

دو تین مہینے کے بعد سلیم نے ایک امیر غازی محلی کو جو بادشاہ کا رازدار تھا سونے کی بیڑی دے کر حکم دیا کہ عادل خاں کو قید کر کے پابہ زنجیر سلیم شاہ تک لے آئے۔

خواص خاں کی بغاوت

عادل خاں نے یہ خبر سنی اور خواص خاں کے پاس میوات میں چلا گیا اور اس سے سلیم شاہ کی وعدہ شکنی کی شکایت کی۔ خواص خاں کو عادل خاں کے حال پر ترس آیا چنانچہ اس نے غازی محلی کو بلا کر وہی بیڑی اس کے پیروں میں ڈال دی اور سلیم شاہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ خواص خاں نے دوسرے امیروں کو بھی جو سلیم شاہ کے گرد جمع تھے خط لکھ کر اپنا ہمنوا بنا لیا پھر ایک جرار لشکر لے کر عادل خاں کے ہمراہ آگرے روانہ ہوا۔

قطب خاں نائب اور عیسیٰ خاں نیازی نے سلیم شاہ سے بد دل ہو کر عادل خاں کو لکھا اور ترغیب دی کہ رات کے آخری حصے میں وہ آگرہ میں پہنچ جائے پھر ہم سب لوگ بلا روک ٹوک عادل خاں سے آملیں گے۔ عادل خاں اور خواص خاں آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر قصبہ سیکری میں پہنچے اور اس علاقے کے ایک بڑے بزرگ حضرت شیخ سلیم سے ملاقات کرنے گئے چونکہ یہ رات شب برات کی تھی لہٰذا خواص خاں کو اس رات کی نماز پڑھنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اور یہ لوگ بجائے رات کے پچھلے حصے کے چاشت کے وقت آگرہ پہنچے۔ سلیم شاہ کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی وہ پریشان ہو کر قطب خاں نائب' عیسیٰ خاں نیازی وغیرہ سے کہنے لگا اگر مجھ سے عادل خاں کے ساتھ کوئی بد عہدی کی بات ہو گئی ہے تو خواص خاں اور عیسیٰ خاں نے مجھے خبردار کیوں نہ کیا تاکہ میں اپنے برے ارادوں سے باز رہتا۔" قطب خاں نے سلیم کو پریشان دیکھ کر کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ابھی تک مرض لا علاج نہیں ہوا ہے میں اس جھگڑے کو ختم کرنے کی ضمانت دیتا ہوں۔

سلیم شاہ کی حکمت عملی

سلیم شاہ نے قطب خاں نائب اور دوسرے امیروں کو جو عادل خاں کی طرف مائل ہو چکے تھے صلح کی گفت و شنید کے لئے اس کے پاس بھیجا اور خود قلعہ چنار جانے کی تیاری کرنے لگا تاکہ خزانے پر قبضہ کر کے سامان جنگ مہیا کرے اور پھر پوری قوت سے معرکہ آرائی کر سکے۔ عیسیٰ خاں نیازی نے سلیم شاہ کو اس ارادے سے منع کیا اور اس سے کہا "اگر تم کو دوسروں پر بھروسا نہیں ہے تو کیا ان دس ہزار قرلی افغانوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے جو تمہارے شہزادگی کے زمانے سے نمک خوار ہیں اور باوجود اس کے کہ طاقت اور قوت تمہارے پاس موجود ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ تم خدا کی دی ہوئی دولت پر بھروسا نہیں کرتے اور بجائے ثابت قدم رہنے کے بھاگنے کو ترجیح دیتے ہو۔ یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اپنے امیروں کو چاہے وہ تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہوں دشمن کے پاس بھیجنا دوراندیشی اور احتیاط کا کام نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم بذات خود اپنی فوج سے چار قدم آگے میدان میں نکل آؤ اور اپنی ثابت قدمی دکھاؤ۔ اس طرح کوئی بھی تمہاری موجودگی میں دشمن کا ساتھ نہ دے گا۔

ان باتوں سے سلیم شاہ کو کچھ تسلی ہوئی اور اس میں کچھ مستقل مزاجی پیدا ہوئی اس نے ان امیروں کو جنہیں وہ عادل خاں کے پاس بھیجنے کے لئے کہہ چکا تھا بلایا اور ان سے کہا کہ "اپنے ہی ہاتھوں سے میں تمہیں دشمن کے حوالے نہیں کر سکتا ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بری طرح پیش آئیں۔" اس کے بعد سلیم شاہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا قلعے سے نکل کر میدان جنگ میں آگیا چنانچہ جن لوگوں نے عادل خاں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے سلیم شاہ کو میدان میں دیکھ کر مجبوراً اپنے ارادے بدل دیئے۔ نادم ہو کر سلیم شاہ کے

طرفداروں میں شامل ہو گئے۔

معرکہ آرائی

آگرے کے قریب جنگ ہوئی قدرت نے سلیم شاہ کا ساتھ دیا۔ خواص خاں اور عادل خاں کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی چنانچہ عیسیٰ خاں نیازی اور خواص خاں میوات کی طرف بھاگے عادل خاں اکیلا پٹنے کی طرف چلا گیا۔ پھر عادل خاں پر گمنامی کا ایسا پردہ پڑا کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ کس حال میں ہے اور اس کا انجام کیا ہوا۔

سلیم شاہ نے عیسیٰ خاں اور خواص خاں کے تعاقب میں فوج بھیجی فیروزپور میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیم شاہ کی فوج کو شکست ہو گئی۔ سلیم شاہ نے دوبارہ فوج بھیجی چنانچہ عیسیٰ خاں اور خواص خاں ان نئے سپاہیوں سے مقابلہ نہ کر سکے اور کمایوں کے پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ سلیم شاہ نے قطب خاں نائب اور دوسرے سرداروں کو ادھر روانہ کیا قطب خاں نے کوہ کمایوں میں ٹھہر کر اس کے گرد و نواح کے علاقوں کو زیر زبر کرنا شروع کر دیا اسی دوران میں سلیم شاہ نے خود چنار کا رخ کیا۔

جلال خاں کا قتل

راستے میں بادشاہ نے جلال خاں جلوانی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا ان پر یہ جرم لگایا گیا کہ انہوں نے عادل خاں کا ساتھ دیا تھا۔ سلیم نے چنار پہنچ کر خزانے کو گوالیار بھیج دیا اور خود آگرے واپس آ گیا۔

قطب خاں کی گرفتاری

قطب خاں بھی چونکہ عادل خاں کو بلانے والے گروہ میں شریک تھا لہٰذا اس کو بھی سلیم شاہ کی طرف سے خوف تھا چنانچہ قطب خاں اس وہم میں مبتلا ہو کر کوہ کمایوں سے بھاگا۔ اور ہیبت خاں نیازی اعظم ہمایوں کے ہاں لاہور میں پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ نے ہیبت خاں کو حکم دیا کہ وہ قطب خاں کو پیش کرے چنانچہ اعظم ہمایوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ سلیم شاہ نے قطب خاں کو اور چودہ دوسرے مجرموں کو قید کر کے جن میں شہباز خاں لوحانی' سلیم کا بہنوئی بھی تھا' گوالیار بھیج دیا۔ پھر اس نے مالوے کے حاکم شجاعت خاں اور اعظم ہمایوں کو طلب کیا شجاعت خاں تو حاضر ہو گیا' مگر اعظم ہمایوں نے عذر کیا' شجاعت خاں کو واپس مالوے بھیج دیا گیا۔ اور سلیم خود رہتاس کا خزانہ لانے کے لئے روانہ ہوا۔ سعید خاں اعظم ہمایوں کا بھائی ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا وہ راستے ہی سے بھاگ کر لاہور جا پہنچا۔ سلیم شاہ بھی راستے ہی سے واپس آگرے آ گیا اور اپنے لشکر کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

سلیم شاہ کی لاہور کو روانگی

شہر کا قلعہ بادشاہ ہمایوں نے بنوایا تھا۔ سلیم شاہ نے اس کی جگہ پختہ قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا' سلیم شاہ کی آمد کی خبر دہلی میں پہنچی شجاعت اس خبر کو سن کر اپنے خلوص کا اظہار کرنے کے لئے چند دوستوں کے ساتھ سلیم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلیم شاہ نے اس کو تسلی دی پھر چند دن دہلی میں رہنے کے بعد اپنے لشکر کو ترتیب دے کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔

اعظم ہمایوں کی شورش

اعظم ہمایوں بادشاہ کے مخالفین کے ہمراہ پنجابی لشکر لے کر بادشاہ سے مقابلے کے لیے آگے بڑھا یہ لشکر بادشاہ کی فوج سے دوگنا تھا اور خواص خاں بھی ان کے ساتھ تھا انبالے کے قصبے کے قریب مقابلہ ہوا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سلیم شاہ نیازیوں کی فوج کے پہنچتے ہی سواری سے اترا اور چند درباریوں کو لے کر دشمن کی سپاہ دیکھنے کے لئے چلا یہ ایک ٹیلے پر چڑھے بادشاہ نے دشمن کی فوج کو دیکھ کر کہا کہ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ باغی زندہ رہیں میں صبر نہیں کر سکتا چنانچہ فوج کو تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ لڑائی سے قبل رات کو اعظم ہمایوں' اس کے بھائیوں اور خواص خاں میں مشورے ہوئے کہ سلیم شاہ کی بجائے کس کو حاکم بنایا جائے۔ خواص خاں نے کہا کہ عادل خاں کو تلاش

کر کے اسے بادشاہ بنایا جائے۔ اعظم ہمایوں اور اس کے بھائیوں نے کہا کہ "ملک وراثت سے نہیں بلکہ تلوار سے قبضے میں آتا ہے" ان باتوں سے ان امیروں میں اختلاف ہو گیا۔

سلیم شاہ کی فتح

اگلی صبح دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں لڑائی شروع ہوئی۔ خواص خاں بغیر لڑے ہوئے میدان جنگ سے بھاگا نیازیوں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ درست ہے کہ نمک حرامی کی سزا ہمیشہ ندامت اور بدنامی ہوا کرتی ہے۔ اعظم ہمایوں اور ان کے ساتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلیم شاہ کو غیب سے مدد ملی اور فتح نصیب ہوئی۔ اعظم ہمایوں کے بھائی سعید خاں نے جو مسلح تھا اور جسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا دس ہمراہیوں کے ساتھ مبارک باد کے بہانے سے سلیم شاہ تک پہنچ کر اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک فیل بان نے اسے پہچان لیا اور اسے نیزہ مارا۔ سعید خاں ہاتھیوں کے گھیرے اور سلیم شاہ کے خاصے کی فوج سے نکل کر دائیں طرف آیا اور میدان جنگ سے نکل گیا۔ شکست کے بعد نیازی دھن کوٹ جوزدہ کے قریب چلے گئے۔ سلیم شاہ نے ان کا پیچھا کیا اور اپنے باپ کے بنائے ہوئے قلعے رہتاس تک بڑھتا گیا۔ پھر اس نے خواجہ اویس شیروانی کو فوج دے کر نیازیوں کو کچلنے کے لئے چھوڑا اور خود آگرے لوٹ آیا۔ بعد ازاں سلیم آگرہ سے گوالیار پہنچا اسی زمانے میں ایک دن شجاعت خاں قلعے کے اوپر سلیم شاہ سے آگے جا رہا تھا۔ ایک شخص عثمان' جس کا ہاتھ شجاعت خاں نے کٹوا ڈالا تھا راستے میں چھپا ہوا تھا' اور موقع کا متلاشی تھا' جوں ہی شجاعت خاں قریب پہنچا عثمان نے نکل کر شجاعت خاں پر وار کیا۔ شجاعت خاں زخمی ہو کر اپنے مکان میں لوٹ آیا۔ اسے مغالطہ ہوا کہ عثمان' سلیم شاہ کا سکھایا ہوا تھا اس چنانچہ وہ گوالیار سے آگرہ بھاگ گیا سلیم شاہ نے مندو تک اس کا پیچھا کیا۔ شجاعت بانس واڑے پہنچا۔ بادشاہ عیسیٰ خاں سور کو اجین میں چھوڑ کر واپس آگیا یہ ۹۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

خواجہ اویس شیروانی نے دھن کوٹ میں نیازیوں سے مقابلہ کیا مگر اسے شکست ہو گئی اور وہ میدان سے بھاگا اعظم ہمایوں نے نوشہرہ تک اس کا پیچھا کیا۔

نیازیوں اور کھوکھروں کی شکست

سلیم نے یہ خبر سن کر ایک منظم لشکر کو نیازیوں کے تباہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اعظم ہمایوں نوشہرہ سے لوٹا اور دھن کوٹ آگیا سلیم شاہ کا لشکر سنبلہ کے قریب پہنچا۔ نیازیوں نے شاہی فوج سے مقابلہ کیا فتح بادشاہ کے لشکر کو ہوئی۔ اعظم ہمایوں کی ماں اور بیوی بچے گرفتار ہوئے قیدی سلیم شاہ کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ نیازیوں نے کھوکھروں کے دامن میں پناہ لی اور کشمیر کے قریب ایک پہاڑ میں قیام پذیر ہوئے۔ سلیم شاہ نے دوبارہ ایک لشکر کو منظم کیا اور نیازیوں کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے خود پنجاب آیا۔ بادشاہ اور کھوکھروں میں دو سال تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی دوران میں ایک شخص نے بادشاہ پر حملہ کیا۔ سلیم شاہ مان کوٹ کے پہاڑ پر چڑھتے وقت ایک راستے سے گزر رہا تھا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا بچاؤ کیا اور دشمن کو مار ڈالا۔ بادشاہ نے دشمن کی تلوار پہچانی یہ تلوار بادشاہ نے اقبال خاں کو دی تھی بالآخر کھوکھر مغلوب ہوئے اور ان کی قوت ختم ہو گئی۔ اعظم ہمایوں اور اس کا بھائی سعید لڑائی میں مارے گئے۔ حاکم کشمیر نے ان کے سر سلیم شاہ کو بھیج دیئے۔ سلیم شاہ نیازیوں سے فارغ ہو کر واپس لوٹا اس دوران میں کامران مرزا' ہمایوں سے علیحدہ ہو کر سلیم شاہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ نے کبر و نخوت سے کام لیا اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس بدسلوکی کی وجہ سے کامران اس سے علیحدہ ہوا اور کوہ شوالک کی راہ لی پھر وہاں سے کھوکھروں کے علاقے میں چلا گیا۔

سلیم شاہ دہلی واپس چلا آیا اور کچھ دنوں تک اس نے آرام کیا۔

سلیم شاہ کی لاہور کو روانگی

مورخین نے لکھا ہے کہ جس وقت سلیم شاہ سوری کو یہ اطلاع ملیس وہ اس سلیم شاہ کو پتہ چلا کہ ہمایوں دریائے سندھ تک آگیا ہے وقت اپنے گلے میں جونکیں لگائے ہوئے خون نکلوا رہا تھا وہ فوراً دشمن سے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ پہلے دن بادشاہ نے تین کوس فاصلہ طے کیا توپخانہ بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ ان دنوں ارابے کھینچنے والے بیل پرگنوں میں بھیج دیئے گئے۔ بادشاہ کو آگے بڑھنے کی عجلت تھی چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ پیادے ارابے کھینچیں ہر توپ کو ہزار دو ہزار پیادے کھینچنے لگے اور سلیم شاہ لاہور کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہمایوں، سلیم شاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی دریا کے کنارے سے واپس ہو چکا تھا لہٰذا سلیم شاہ بھی لاہور سے لوٹ آیا اور قلعہ گوالیار میں قیام پذیر ہوا۔

مفسدوں کی حرکت

ایک دن سلیم شاہ انتری کے قریب شکار کھیل رہا تھا کہ فسادیوں کی ایک جماعت مخالفین کے بھڑکانے سے سلیم شاہ کے راستے میں حائل ہوئی۔ اتفاق سے سلیم شاہ دوسرے راستے سے لوٹ آیا مفسد کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے۔ اس واقعے کا جب بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے سید بہاء الدین، محمود اور مدار تین شخصوں کو جو اس فساد کے سرغنہ تھے قتل کر دیا اور خود گوالیار ہی میں مقیم رہا۔ سلیم شاہ اپنے امیروں میں کسی کو طاقت پکڑتے دیکھتا تو اسے گرفتار کر کے نظربند کر دیتا یا قتل کرا دیتا۔

خواص خاں کا قتل

بادشاہ کے اس رویے سے خواص خاں جو نہایت سخی اور شجاع تھا خوفزدہ ہوا۔ وہ جنگلوں اور میدانوں میں جان بچانے کے لئے آوارہ گردی کرنے لگا۔ خواص خاں اس حالت سے تنگ آ گیا۔ ۹۵۹ھ میں سنبل میں اپنے معتبر امیر تاج خاں کرانی سے امان لے کر اس کے پاس آیا۔ تاج خاں نے سلیم شاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور خواص خاں کو دھوکا دے کر قتل کر ڈالا۔ لوگ خواص خان کا جنازہ لیکر دہلی آئے اور وہاں اسے دفن کیا۔ ہندوستان کے لوگ خواص خان کو ولی سمجھتے تھے اور وہ خواص خاں ولی کے نام سے مشہور تھا۔ خواص کی موت سلیم شاہ کے لیے مبارک نہ ہوئی چنانچہ ۹۶۰ھ کے شروع میں اس کے دونوں سرین کے درمیان ایک دنبل نکلا بادشاہ نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر فصد کھلوائی اس کے بعد وہ گھر سے باہر نکلا ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا اور اس وجہ سے سلیم شاہ کا انتقال ہو گیا اس بادشاہ نے نو سال حکومت کی۔

تعمیرات

سلیم شاہ نے سندھ سے بنگالے تک شیر شاہ کی بنوائی ہوئی سراؤں کے درمیان میں ایک ایک اور نئی طرز کی سرائے تعمیر کروائی۔ اور ہر سرائے میں شیر شاہ کے طریقے کے مطابق بلا لحاظ عہد و مرتبہ پکا کھانا اور کچی جنس تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ انہی دنوں محمود شاہ گجراتی اور برہان نظام الملک بحری نے بھی وفات پائی۔ مورخ فرشتہ کے باپ نے ان تینوں حاکموں کے ایک ہی سال میں انتقال کے واقعے کا مادہ تاریخ "زوال خسرواں" نکالا تھا۔

شیخ علائی کا واقعہ

سلیم شاہ کے عہد کا سب سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ شیخ علائی کا ہے۔ شیخ علائی کے باپ شیخ حسن حضرت شیخ سلیم چشتی کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسن قصبہ بیانہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ہدایت کرتے رہتے تھے۔ شیخ حسن نے انتقال کیا تو شیخ علائی جو صاحب علم و فضل تھے اور باپ کی بہترین یادگار تھے شیخ حسن کے سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے والد کی طرح لوگوں کے باطنی تعلیم سے فیضیاب کرنے لگے اتفاق سے ایک نیازی افغان شیخ عبد اللہ جو خود بھی حضرت سلیم چشتی کا مرید تھا مکہ معظمہ سے واپس آکر مہدوی فرقہ میں داخل ہو گیا۔

اس فرقے کے لوگ اسلامی عقائد کے خلاف سید محمد جونپوری صاحب کو مہدی موعود مانتے تھے۔ چنانچہ یہ مہدوی افغان بھی بیانہ میں مقیم ہوا۔ شیخ علائی کو عبد اللہ افغان کے طریقے پسند آئے چنانچہ وہ دن رات اسی کے ساتھ رہنے لگے۔

یہ تعلق اس قدر بڑھا کہ شیخ صاحب باپ دادا کا عقیدہ ترک کر کے لوگوں کو مہدوی مشرب اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔ مہدوی فرقہ کی رسم کے مطابق شہر کے باہر شیخ عبد اللہ کے پڑوس میں خود بھی سکونت اختیار کی۔ وہ اپنے احباب اور عقید تمندوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دنیا سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ شیخ علائی ہر نماز کے بعد قرآن شریف کی تفسیر اس طرح بیان کرتے کہ سننے والا دنیا سے کنارہ کش ہو کر مہدوی فرقے میں داخل ہو جاتا اور تمام چیزوں سے توبہ کر کے سید جونپوری کا کلمہ پڑھنے لگتا اگر وہ کھیتی باڑی یا تجارت کرتا تو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا تھا۔

ایسے واقعات کثرت سے رونما ہوئے کہ باپ بیٹے سے بھائی بھائی سے اور عورت شوہر سے علیحدہ ہو کر فقر کے متوالے بن گئے۔ جو نذرانے اور پیش کش کی رقم شیخ علائی کے پاس آتی اس میں سب برابر کے شریک ہوتے اور اگر کچھ نہ آتا تو دو دو تین تین دن سارا گروہ فاقہ کشی کرتا اور شکایت کا حرف زبان پر نہ لاتا۔ اس طرح سارا دن خدا کی یاد میں گزر جاتا علائی کا ہر شیدائی تلوار سپر اور کٹار ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اسی حالت میں وہ شہر میں جاتے اور بازاروں میں گھومتے کسی کو خلاف شروع کوئی بات کرتے دیکھتے تو نرمی سے اسے سمجھاتے' اگر زبان سے کام نہ چلتا تو یہ جبراً اس کو اس کام سے روکتے' اگر وہ شخص شہر کے حاکم سے کسی نہ کسی طرح سے متعلق ہوتا تو لوگ اس کی طرف داری کرتے ورنہ کوئی ان مہدیوں کو روکنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

شیخ علائی کا عزم حجاز

شیخ عبد اللہ نیازی نے محسوس کیا کہ ان حالات میں کہیں ایسا نہ ہو کہ فساد ہو جائے۔ چنانچہ اس نے علائی کو سفر مکہ کی ہدایت کی۔ شیخ علائی اسی حالت میں تین سو ستر گھرانوں کے ساتھ عازم حجاز ہو گئے۔ جب یہ جودھپور کے قریب موضع خواص پور میں پہنچے تو خواص خاں نامی گرامی امیر شیخ کے استقبال کے لئے آیا۔ اور ان کے معتقدوں میں داخل ہو گیا' لیکن جلد ہی اس فرقے کے برے نتائج سے باخبر ہوا اور شیخ علائی سے برگشتہ ہو گیا۔ شیخ نے خواص خاں کی حالت کو تاڑ لیا چنانچہ یہ بہانہ کر کے کہ خواص اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے لئے پوری کوشش سے کام نہیں لیتا اس سے ناراضگی ظاہر کی اور اس سے علیحدہ ہو کر جودھ پور کی حدود سے باہر چلے آئے۔

شیخ مکہ معظمہ کے سفر کا ارادہ ترک کر کے واپس بیانہ لوٹے اسی زمانے میں سلیم شاہ تخت نشین ہوا تھا لہٰذا شیخ علائی بادشاہ کے حکم سے آگرہ پہنچے اور شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے درباری طریقوں اور قاعدوں کی پابندی نہ کی بلکہ صرف شرعی سلام علیک کی۔ سلیم شاہ نے بھی کراہیت کے ساتھ جواب میں علیک السلام کہا۔ شیخ علائی کا یہ طریقہ درباریوں کو برا محسوس ہوا۔ ملا عبد اللہ سلطان پوری مخدوم الملک نے شیخ علائی کی مخالفت کی اور قتل کا فتویٰ صادر کیا چنانچہ سلیم شاہ نے میرزا رفیع الدین انجو' ملا جلال حکیم دانشمند' ابو الفتح تھا نیسری اور دوسرے علمائے وقت کو طلب کیا اور یہ فیصلہ ان کے سامنے پیش کیا طے یہ ہوا کہ ایک مجلس مباحثہ سلیم شاہ کی موجودگی میں منعقد کی جائے۔

شیخ علائی کسی شخص کو تقریر سے متاثر نہ کر سکے اور نہ دبا سکے بلکہ ان کی دلیلوں کے آگے لاجواب ہو گئے اس مجبوری کے عالم میں انہوں نے قرآن کی تفسیر کے دامن میں پناہ لی اور آیات کلام اللہ کا ترجمہ اس انداز سے کیا کہ بادشاہ کے دل پر اس کا اثر پڑا۔ چنانچہ سلیم شاہ نے شیخ علائی سے کہا۔ کہ "اے خدا کے بندے اپنے جھوٹے عقیدے سے توبہ کرو میں تمہیں تمام علاقے کا محتسب مقرر کروں گا۔ اب تک تم نے میری اجازت کے بغیر لوگوں کو ممنوعات سے روکا ہے آج سے تم میرے حکم سے خدا کی مخلوق کو برائیوں سے روکنا۔" شیخ علائی نے بادشاہ کی بات منظور نہ کی بادشاہ نے پھر بھی مخدوم الملک کے فتوے پر عمل نہ کیا اور شیخ کو دکن کی سرحد پر قصبہ ہندیہ میں بھجوا

دیا۔

شیخ علائی کی مقبولیت

سلیم شاہ کا نامی گرامی امیر نیاز خاں حاکم ہندیہ اور اس کی فوج کے تمام آدمی شیخ پر فریفتہ ہو کر اس کے معتقد ہو گئے۔ مخدوم الملک نے اس بات کو بری طرح سے سلیم شاہ کے گوش گزار کیا چنانچہ علائی کو دوبارہ بلایا گیا اس مرتبہ پہلی دفعہ سے زیادہ تحقیق و تفتیش کی گئی۔ ملا عبد اللہ سلطان پوری نے کہا کہ یہ شخص خود مہدی ہونے کا دعوی کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مہدی تمام دنیا کا بادشاہ ہو گا۔ اس خیال کی وجہ سے تیرا سارا لشکر اس فقیر کا گرویدہ ہو رہا ہے۔ تیرے بہت سے عزیز چوری چھپے اس کے مذہب میں داخل ہو گئے ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ تیری حکومت اور سلطنت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔" مگر اس دفعہ بھی سلیم شاہ نے مخدوم الملک کی کوئی بات نہ سنی۔ شیخ علائی کو شیخ بڑہ طبیب کے پاس بھجوا دیا یہ بڑے سمجھ دار بزرگ تھے ان کا شیر شاہ بہت معتقد تھا وہ شیخ کی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ سلیم شاہ نے علائی کو شیخ بڑہ کے پاس اس غرض سے روانہ کیا تاکہ شیخ کے حکم کے مطابق علائی کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

علائی کا قتل

سلیم شاہ خود پنجاب چلا گیا اور مانکوٹ کے قلعے کی تعمیر کرانے لگا۔ شیخ علائی بہار میں حضرت بڑہ کے پاس پہنچے، شیخ بڑہ نے بھی مخدوم الملک کے خیال کے مطابق فتویٰ لکھ کر محضر سلیم شاہ کے پاس روانہ کیا۔ اس دوران میں ہندوستان میں طاعون کی وبا پھیلی اور شیخ علائی بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے حلق میں کافی گہرا زخم پڑ گیا ایک انگشت کے برابر بتی زخم کے اندر چلی جاتی تھی۔ اس پر سفر کی تکان نے شیخ علائی کو اور زیادہ نڈھال کر رکھا تھا۔ شیخ صاحب جب سلیم شاہ کے پاس پہنچے تو ان سے بولا نہ جاتا تھا۔ بادشاہ نے آہستہ سے ان کے کان میں کہا کہ کہو میں مہدوی نہیں ہوں اب بھی تم آزاد ہو۔" علائی نے بادشاہ کی بات نہ سنی۔ سلیم شاہ مایوس ہوا۔ چنانچہ اس نے علائی کو چند کوڑے لگانے کا حکم دیا علائی نے تیسرے ہی کوڑے میں جان دے دی۔ علائی کا واقعہ ۹۵۵ھ میں ہوا۔ "ذاکر اللہ" سے علائی کے سال وفات کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔

فیروز شاہ کی تخت نشینی اور قتل

سلیم شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ بارہ سال کی عمر میں امیروں کے اتفاق رائے سے گوالیار میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کو پورے تین دن بھی نہ ہوئے تھے کہ مبارز خاں ولد نظام خاں سور نے اپنے بھانجے فیروز شاہ کو قتل کر دیا اور خود امیروں اور وزیروں کے مشورے سے تخت پر متمکن ہوا۔ یہ شیر شاہ کا بھتیجا تھا اور سلیم شاہ کا چچیرا بھائی اور سالار تھا اس نے محمد شاہ عادل کا لقب اختیار کیا۔ خواجہ نظام الدین بخشی "تاریخ اکبری" میں لکھتے ہیں کہ سلیم شاہ نے مرنے سے پہلے اپنی منکوحہ بی بی بانی سے کئی دفعہ کہا کہ اگر تمہیں اپنے بیٹے فیروز شاہ سے محبت ہے تو مجھے اجازت دو میں تمہارے بھائی مبارز خاں کو درمیان سے ہٹا دوں یہ ذہن نشین کر لو کہ مبارز خاں تمہارے بیٹے کی راہ میں ایک بڑا پتھر ہے اگر بھائی سے محبت ہے تو بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھو فیروز شاہ کا وجود مبارز خاں کی زندگی میں خطرے میں ہے۔"

سلیم شاہ کی بیوی نے کہا کہ میرا بھائی عیش و عشرت کا دلدادہ ہے اور چنگ و رباب میں ہر وقت گزارتا ہے اس کو بادشاہی حاصل کرنے کا وہم بھی نہیں ہے۔"

سلیم نے بیوی کو اکثر اس بارے میں برا بھلا کہا، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سلیم کے انتقال کے تیسرے دن مبارز خاں اپنے حمایتوں کے ساتھ محل میں گیا اور فیروز کو قتل کرنے لگا۔ بہن نے گریہ و زاری کی اور بھائی سے بیٹے کی سفارش کی اور کہا کہ "اس کو چھوڑ دو میں اسے لے کر ایسی جگہ چلی جاؤں گی جہاں کسی کو اس کے بارہ میں کوئی علم نہ ہو سکے گا۔" مگر مبارز خاں کا دل نہ پسیجا چنانچہ اس نے بے گناہ لڑکے کو تلوار سے قتل کر ڈالا۔

محمد شاہ عادل

مبارز خاں تمام ظاہری اسباب حکمرانی کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب عادل اختیار کیا لوگوں نے الف اڑا دیا اور اسے عدلی کہنے لگے۔ عدل نے اپنی ناقابلیت کی وجہ سے کمینہ صفت لوگوں کی دستگیری کی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے ان کو دیئے ان میں ایک ہندو ہیمو نام کا تھا یہ قوم کا بقال تھا اور قصبہ ریواڑی کا رہنے والا تھا۔ سلیم شاہ نے اسے اپنے نئے منصب داروں میں داخل کر کے بازار کا کوتوال مقرر کیا تھا۔ عدلی نے بازار کے بدلے سارے ملک کی باگ ہیموں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور خود عیاشی اور شراب نوشی میں مصروف ہو گیا۔ عدلی نے محمد شاہ تغلق کی فیاضی اور سخاوت کا حال سنا ہوا تھا چنانچہ اس کوتاہ اندیش نے تغلق کی نقل کرنے کا ارادہ کیا۔ تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں خزانے کا منہ کھول دیا اور دولت لٹانی شروع کر دی۔

عدلی جب سوار ہو کر گزرتا تو کہتہ باسی (جو ایک قسم کا تیر تھا جس پر ایک تولہ سونا چڑھا ہوا ہوتا تھا۔) کمان میں رکھ کر ہر طرف پھینکتا تھا۔ یہ تیر جہاں گرتا جس کسی کے ہاتھ آتا وہ اسے دس روپے لے کر واپس بادشاہ کو دے دیتا اس طرح سے شیر شاہ اور سلیم شاہ کا جمع کیا ہوا روپیہ تھوڑے ہی عرصے میں ختم ہو گیا۔

خوش مزاج افغان، بادشاہ کے بے تکے کاموں کی وجہ سے اسے عدلی کی بجائے اندھلی کہتے تھے اندھلی ہندی میں اندھے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہیمو بقال نے بہت اقتدار حاصل کر لیا۔ افغان امیر بادشاہ کے غیر پسندیدہ کاموں کی وجہ سے ناراض ہو کر مخالف ہو گئے۔ ملک کے ہر کونے میں سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے بہت سے امیر بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف ہو گئے اور شاہی حقوق کی انہیں پروا نہ رہی چنانچہ عدلی کی قدر و منزلت اور محبت دلوں سے رخصت ہو گئی۔ شان و شوکت اور حسن انتظام اس کے عہد حکومت میں ختم ہو گیا۔

دربار عام

ایک روز عدلی نے گوالیار کے قلعے کے دیوان خانے میں دربار عام کیا تمام مشہور معروف امیر حاضر تھے۔ عدلی امیروں کو جاگیریں تقسیم کر رہا تھا اس دوران میں بادشاہ نے کہا کہ قنوج کا علاقہ محمد شاہ قرملی کی جاگیر سے علیحدہ کر کے سرمست خاں شیروانی کو دیا جائے۔ "دونوں امیر اہل قبیلہ تھے چنانچہ وہ اس تغیر و تبدل پر گفتگو کرنے لگے۔ سکندر خاں ولد محمد شاہ قرملی، نوخیز اور بہادر جوان تھا اس نے بلند آواز میں کہا کہ اب نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ہماری جاگیر شیروانیوں کو دی جانے لگی۔" اس کے بعد دوسری آوازیں بھی بلند ہوئیں۔ سکندر خاں کا باپ اسی وقت کمزور اور بیمار تھا اس نے بیٹے کو سختی سے منع کیا، مگر بیٹا اس وقت آپے سے باہر تھا۔ اس نے باپ کو جواب دیا کہ ایک دفعہ تم شیر شاہ کے ہاتھوں لوہے کے پنجرے میں قید ہو کر سلیم شاہ کی سفارش سے بچ چکے ہو اب سوری تمہاری تباہی اور بیخ کنی کا ارادہ رکھتے ہیں اور تم سمجھتے نہیں یہ لوگ ہمیں جلد از جلد تباہ کر دیں گے۔"

سرمست خاں بڑا قد آور اور قوی ہیکل تھا اس نے سکندر خاں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اے فرزند یہ جوش و غضب کس لیے ہے۔" سرمست کا ارادہ تھا کہ وہ اسی بہانے سکندر کو گرفتار کر لے۔ سکندر خاں سرمست کا مقصد سمجھ گیا چنانچہ اس نے اس کے شانے پر کاری زخم لگایا وہ اسی وقت زمین پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ دوسرے چند درباری سکندر خاں کو روکنے کے لئے بڑھے اور وہ بھی سکندر کی تلوار سے زخمی ہو گئے۔ عدلی نے دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دی۔

سکندر خاں کا ہنگامہ

اکثر امیر جو دیوان خانے میں موجود تھے تلواریں پھینک کر دربار سے بھاگ گئے سکندر خاں دیوانوں کی طرح کچھ وقت تک دربار میں پھرتا رہا اور جس طرف جاتا لوگوں کو زخمی یا ہلاک کر دیتا چنانچہ عدلی کا بہنوئی اور شیر شاہ کے چچا کا پوتا ابراہیم خاں ایک گروہ کو ساتھ لے کر آیا اور سکندر خان پر حملہ کر دیا۔ ان لوگوں نے تلواروں سے سکندر خاں کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دولت خاں لوحانی نے ایک ہی ضرب سے محمد شاہ قرلی کو بھی ہلاک کر دیا۔

عادل اور تاج خاں میں لڑائی

کہا جاتا ہے کہ اسی دن سلیم شاہ کا مشہور امیر تاج خاں کرانی قلعہ گوالیار کے دیوان خانے سے نکل کر جا رہا تھا دروازے کے قریب اس کو شاہ محمد قرلی ملا۔ قرلی نے تاج خاں سے حال پوچھا تاج خاں نے جواب دیا کہ "حالت بالکل خراب ہو گئی ہے میں ان معاملات سے کنارہ کش ہو گیا ہوں۔ تم بھی میری تقلید کرو۔" شاہ محمد نے تاج خاں کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی چنانچہ اس کے ساتھ جو ہونے والا تھا وہی ہوا۔ تاج خاں نے بنگالہ کا رخ کیا عدلی نے ایک فوج اس کے پیچھے روانہ کی چھپرامپور کے قریب طرفین میں جھڑپ ہوئی یہ جگہ آگرے سے چالیس کوس اور قنوج سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے چنانچہ تاج خاں بھاگ کر چنار کی طرف چلا گیا۔ راستے میں عدلی کے خاصے کے کارندوں کو گرفتار کیا۔ ان سے نقد و جنس جو کچھ لے سکا لیا تاج خاں نے اس کے علاوہ پرگنات سے ایک حلقہ فیل (جو سو ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا ہے) حاصل کیا۔ پھر اپنے بھائیوں سلیمان و الیاس سے جو کنار گنگ کے بعض شہروں اور ٹانڈہ' خواص پور کے حاکم تھے' جاملا اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

عدلی نے کرانیوں پر فوج کشی کی گنگا کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ہیمو بقال نے عدل سے کہا کہ اگر ایک حلقہ ہاتھیوں کا میرے ساتھ کر دیا جائے تو میں دریا پار کر کے کرانیوں پر حملہ کر دوں اور ان کو تباہ کر دوں۔" عدلی نے ہیموں کی بات مان لی چنانچہ ہیمو نے دریا پار کیا اور دشمن پر غالب ہوا۔

عیسیٰ خاں اور ابراہیم خاں میں جنگ

عدلی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے بہنوئی ابراہیم خاں کو گرفتار کرے۔ ابراہیم خاں سوران دونوں میں بہت صاحب اقتدار ہو گیا تھا۔ عدلی کی بہن کو اس بات کا پتہ چل گیا اس نے اپنے شوہر کو حقیقت سے آگاہ کر دیا چنانچہ ابراہیم خاں چنار سے بھاگا اور اپنے باپ غازی خاں سور کے پاس چلا گیا۔ عدلی نے عیسیٰ خاں نیازی کو ابراہیم خاں کے پیچھے روانہ کیا اس نے کالپی میں ابراہیم خاں کو جا گھیرا فریقین میں لڑائی ہوئی عیسیٰ خاں کو شکست ہوئی۔

ابراہیم خاں کا اقتدار

ابراہیم خاں سور نے فوج جمع کر کے دار الخلافہ دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ پھر دہلی سے آگرہ تک کے علاقے کو زیر و زبر کیا اور اکثر شہروں پر قابض ہوا۔ ابراہیم خاں نے پوری طاقت حاصل کر لی۔ مجبوراً عدلی کو کرانیوں کا خیال ترک کرنا پڑا اور چنار سے روانہ ہو کر ابراہیم خاں کی طرف متوجہ ہوا۔ عدلی دریائے گنگا کے کنارے پہنچا۔ ابراہیم خاں نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ اگر حسین خاں' بہادر خاں شیروانی' اعظم ہمایوں اور چند دوسرے امیر میرے پاس آ کر وعدہ کریں تو میں ان پر بھروسا کر کے آپ کی ملازمت کر لوں" عدلی نے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ان لوگوں کو ابراہیم خاں کے پاس بھیج دیا چنانچہ ابراہیم خاں نے ان کو اپنے طرز عمل سے اپنا لیا اور عدلی کی مخالفت پر اکسایا۔ بادشاہ کو بھی اطلاع ہوئی اور اس نے یہ سوچا کہ اس میں مقابلے کی ہمت نہیں چنانچہ وہ دہلی اور آگرہ کا خیال چھوڑ چنار کی طرف چلا گیا اور گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی قوت کی بنیادیں مستحکم کیں۔

ابراہیم کا انتظام حکومت

ابراہیم خاں سور نے ابراہیم شاہ کے نام سے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ اسی دوران میں پنجاب میں حاکم احمد خاں سور نے ابراہیم خاں کی طاقت' شان و شوکت اور عدلی کی کمزوری کا حال سنا۔ یہ بھی ابراہیم خاں کی طرح عدلی کا بہنوئی اور شیر شاہ کے چچا کا لڑکا تھا چنانچہ اسے بھی حکمرانی کا شوق ہوا۔ اس نے سلیم شاہ کے دو امیروں ہیبت خاں اور تاتار خاں کو اپنا ہمنوا بنا لیا پھر خود کو سکندر شاہ کے نام سے مشہور کر کے دس ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے آگرہ سے دس کوس کے فاصلے پر موضع فرح میں ڈیرے لگائے۔ ابراہیم شاہ بھی ستر ہزار سواروں کی فوج لے کر بڑے دبدبے کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ ان لوگوں میں دو سو مشہور و معروف امیر تھے ان میں اکثر صاحب علم تھے۔ سکندر شاہ نے دشمن کی قوت دیکھ کر اپنے آنے پر افسوس کیا۔ ابراہیم شاہ اپنے لاؤ لشکر پر ایسا مغرور ہوا کہ اس نے سکندر کی خوشامد اور عاجزی پر ذرہ بھر بھی توجہ نہ کی بلکہ صفیں درست کر کے لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔

ابراہیم کی شکست اور فرار

سکندر شاہ نے جھنڈا اپنے امیروں کو دے کر مقابلے پر کھڑا کیا اور خود چند تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ میں چھپ گیا۔ ابراہیم شاہ نے پہلے حملے میں ہی پنجاب کے لشکر کو منتشر کر دیا سپاہی لوٹ مار میں لگ گئے' سکندر شاہ نے موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ وہ کمین گاہ سے نکل کر ابراہیم کے لشکر پر عقب سے حملہ آور ہوا اور چند گھڑیوں میں دشمن پر غالب آگیا۔ ابراہیم سنبل کی طرف بھاگا' سکندر شاہ نے فاتح کی حیثیت سے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی کے بعد جب سکندر شاہ ہمایوں سے لڑنے کے لئے پنجاب گیا۔ تو ابراہیم شاہ منظم ہو کر سنبھل سے کالپی پہنچا اس دوران میں عدلی نے بھی اپنے وزیر ہیمو بقال کو مسلح فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ عمدہ توپ خانہ دے کر دہلی اور آگرہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔

بیانہ کا محاصرہ

ہیمو نے ابراہیم شاہ کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھا چنانچہ وہ کالپی کے قریب اس سے معرکہ آرا ہوا اور اسے شکست دی۔ ابراہیم شاہ اپنے باپ کے پاس بیانہ بھاگ گیا ہیمو بھی تعاقب میں بیانہ پہنچا۔ تین مہینے تک شہر کا محاصرہ کیے رہا۔

حاکم بنگالہ کی بغاوت

اس عرصہ میں بنگالہ کے حاکم محمد خاں سور نے بغاوت کر کے چنار' جون پور اور کالپی پر حملہ کر دیا۔ عدلی نے موقع دیکھ کر ہیموں کو واپس بلا لیا۔ ہیمو محاصرہ چھوڑ کر چنار روانہ ہو گیا۔ ابراہیم شاہ نے ہیمو کا پیچھا کیا' مگر پھر آگرہ سے چھ کوس کے فاصلے پر منداگھر کے مقام پر شکست کھا کر واپس باپ کے پاس بھاگا پھر کچھ دنوں کے بعد وہ پٹنہ پہنچا اور وہاں راجہ رامچند سے لڑ کر اسی کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

راجہ نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے نظر بند دشمن کو تخت پر بٹھا دیا اور خود ملازموں کی طرح ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد بیانہ کے ان افغانوں کے ساتھ (جو رائیسین کے پاس آباد ہیں) مالوہ کے حاکم باز بہادر کا جھگڑا ہو گیا چنانچہ ان افغانوں نے راجہ رام چند کے پاس آدمی بھیجا اور ابراہیم خاں کو اس سے طلب کر کے اسے اپنا بادشاہ بنا لیا پھر انہوں نے ولایت کدہ کی رانی درگاوتی سے مدد طلب کی۔ رانی نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اپنے علاقے سے روانہ ہوئی افغانوں کا ارادہ باز بہادر سے جنگ کرنے کا تھا' مگر اسی اثناء میں باز بہادر نے بھی آدمی رانی کے پاس بھیجا اور اسے افغانوں کی مدد سے باز رکھا ابراہیم شاہ نے یہ دیکھ کر کہ رانی واپس اپنے علاقے کو چلی گئی ہے مالوے میں رہنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ وہ بنگال کے سرحدی شہر اڑیسہ میں پہنچ کر زندگی کے دن بسر کرنے لگا۔

۹۷۵ھ میں سلیمان کرانی نے اڑیسہ پر قبضہ کر لیا اور ابراہیم شاہ کو اپنے پاس بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا۔

محمد خاں پر حملہ

ہیمو بقال عدلی کے پاس چنار پہنچا عدلی کو یہ اطلاع ملی کہ ہمایوں نے سکندر شاہ کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس تباہی و بربادی کے باوجود بھی افغانوں کی خود سری اور جہالت ان کو ایک پل بھر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ عدلی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دشمن سے آگرہ اور دہلی واپس لے سکے۔ اس نے محمد خاں کوریہ پر جس نے حال ہی میں بغاوت کی تھی فوج کشی کی۔ کالپی سے پندرہ کوس دور موضع چھڑکہ کے مقام پر دونوں میں جنگ ہوئی محمد کوریہ لڑائی میں مارا گیا۔ عدلی فتح مند ہو کر چنار واپس آگیا اور دہلی کو دشمن سے واپس لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس دوران میں ہمایوں نے انتقال کیا۔ عدلی نے پچاس ہزار سوار اور پانچ سو ہاتھی دے کر ہیمو کو دہلی روانہ کیا تاکہ وہ دہلی آگرہ اور پنجاب کو مغلوں سے واپس لے سکے۔ افغانوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے عدلی چنار سے کہیں جانہ سکا ہیموں آگرہ کے قریب پہنچا مغل امیر جو وہاں تھے انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ دہلی روانہ ہو گئے۔ ہیمو نے آگرہ پر قبضہ کر کے اپنے معتبر آدمیوں کے حوالے کیا اور خود دہلی روانہ ہوا۔

دہلی کے حاکم تردی بیگ نے ہیمو سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر پنجاب چلا گیا ہیمو نے دہلی پر بھی قبضہ کر لیا اور پنجاب کی طرف جانے کا ارادہ کر کے تیاری شروع کر دی۔

بیرم خاں کی پیش قدمی

اس دوران میں بیرم خاں ترکمان نے جو اکبر کا سرپرست تھا پیش قدمی کی اور خاں زماں مغل کو فوراً دہلی روانہ کیا اور خود بادشاہ کے ہمراہ پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ہیمو اطلاع پا کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ خاں زماں سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا پانی پت کے قریب ہیموں نے ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلے کے لئے صفیں باندھیں۔ ہیموں کے پرزور حملے نے مغلوں کے میمنہ میسرہ اور قلب کی فوج کو پریشان کر دیا۔ اس وقت جلال الدین محمد اکبر کے اقبال نے کام کیا افغانی فوج دشمن کو چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ اتفاق سے مغلوں کا ایک گروہ ہیمو بقال سے ٹکرا گیا انہوں نے ہیمو بقال کو پہچان لیا چنانچہ انہوں نے اس کے ہاتھی کو گھیر کر اسے زندہ گرفتار کر لیا اور اکبر کے پاس لے آئے۔ ہیمو بقال کو قتل کر دیا گیا اس کے قتل کے بعد عدلی کی طاقت ختم ہو گئی اور وہ ذلیل و خوار ہوا اس طرح افغان ایک بار پھر پریشان حال ہو گئے۔

خضر خاں کا اقتدار اور عادل کا قتل

خضر خاں ولد محمد خاں کوریہ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے ایک جماعت کو اکٹھا کیا اور پوزب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا اور اپنے آپ کو بہادر شاہ کے نام سے مشہور کیا پھر اس نے عدلی پر فوج کشی کی خونریز جنگ کے بعد عدلی مارا گیا۔ اس طرح اس کی زندگی اور حکومت دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔

سکندر شاہ

سکندر شاہ نے آگرے میں تخت نشینی کی' عیش و نشاط کی محفلیں منعقد کرنے کے بعد اس نے امیروں اور سرداروں کو طلب کیا۔ ان سے کہا کہ "میں بھی تم لوگوں میں سے ہوں۔ میں کسی طرح تم سے بزرگ و برتر نہیں سلطان بہلول نے لودھی افغانوں کو مشہور کیا اور شیر شاہ نے ہزار مصیبتوں اور تکلیفوں کے بعد ہندوستان کی سلطنت حاصل کی اس طرح سوری قبیلے کا نام دنیا میں روشناس کر دیا۔ اب اس وقت ہمایوں ہندوستان کی حکومت کا وارث وقت کے انتظار میں ہے لہٰذا تمہیں ایسے دشمن سے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اس سے بے خوفی ٹھیک نہیں اب اگر تم لوگ خوشی کے ساتھ میری حکومت کو منظور کرتے ہو تو حسد اور نفاق کو چھوڑ دو۔ باہمی کدورتوں کو ترک کرو' تاکہ اتفاق کی برکت سے سلطنت میں شان و شوکت پیدا ہو اور انتظام ٹھیک ہو جائے' اور اگر مجھے حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تو اپنی جماعت میں سے کسی اور کا انتخاب کرو جو اس عظیم الشان عہدے کا اہل ہو۔ میں بھی دل و جان سے اس کی اطاعت کروں گا اور اس کا حکم بجالاؤں گا۔" افغان امیروں نے سکندر شاہ کی تقریر سنی اور سب نے مل کر یہ کہا کہ "ہم سب نے تم کو جو شیر شاہ کے چچا کی یادگار ہے اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔" اور پھر افغانوں نے قرآن شریف کی قسم کھائی اور کہا کہ ہم تمہاری کبھی بھی مخالفت نہیں کریں گے۔"

افغانوں میں اختلاف

اس عہد و پیمان کے کچھ ہی دن بعد عہدوں' خطابوں اور جاگیروں کی تقسیم پر افغانوں میں آپس میں اختلاف پیدا ہو گئے اور وہ متحد نہ رہ سکے یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ انہیں دنوں میں ہمایوں نے پنجاب کا رخ کیا تاتار خاں رہتاس اور پنجاب سے بھاگ کر دہلی آیا چنانچہ مغلوں نے لاہور پہنچ کر افغانوں کو پامال کیا اور سرہند تک قبضہ کر لیا۔

سکندر شاہ نے پچاس ہزار یا ایک لاکھ افغان اور راجپوت سوار تاتار خاں اور ہیبت خاں کی سرکردگی میں مغلوں کے مقابلے پر بھیجے۔ افغانوں نے بری طرح شکست کھائی وہ ہاتھی اور گھوڑے چھوڑ کر ایسے بھاگے کہ دہلی جا کر دم لیا۔

سکندر شاہ افغانوں کے باہمی اختلافات اور کدورتوں کو جانتے ہوئے بھی اسی ہزار سوار ساتھ لے کر ۹۶۲ھ میں پنجاب روانہ ہوا۔ سرہند کے قریب بیرم خاں ترکمان سے جو شہزادہ اکبر کے ساتھ تھا لڑائی ہوئی جنگ میں افغانوں کو شکست ہوئی چنانچہ سکندر شاہ وہاں سے بھاگ کر شوالک کے پہاڑوں میں آ چھپا۔

سکندر کا انتقال

دارالخلافت دہلی اور آگرہ دونوں شہر دوبارہ ہمایوں کے قبضے میں آ گئے۔ سرزمین ہند دوبارہ سرسبز شاداب ہوئی۔ بیرم خاں کی کوششوں سے سکندر شاہ کوہ شوالک سے بھاگ کر بنگالہ کی طرف گیا اس کے تھوڑے سے علاقے پر کچھ دن قابض رہا پھر کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہو گیا سکندر شاہ کے بعد تاج خاں کرانی بنگال کا حاکم بنا۔

نصیر الدین ہمایوں کی آمد اور دوبارہ ہندوستان پر قبضہ

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے بیرم خاں ترکمان قزوین سے ییلاق قیدار کو گیا۔ یہ جگہ ییلاق قیدار' ابھر اور سلطانیہ کے درمیان واقع ہے (ییلاق ترکی کی زبان میں سرد اور ہوا دار جگہ کو کہتے ہیں جہاں امیر آدمی گرمیاں بسر کرتے ہیں) بیرم خاں وہاں سے خط کا جواب لایا اس میں عراق تک بخیرو عافیت پہنچنے پر مبارک باد اور ملاقات کے لئے اشتیاق ظاہر کیا گیا۔ ہمایوں قزوین سے روانہ ہوا چنانچہ جمادی الاول ۹۵۱ھ میں شاہ ایران طہماسپ صفوی اور ہمایوں کی ملاقات ہوئی۔ شاہ ایران نے اس عظیم الشان مہمان کے شایان شان خاطر تواضع کی۔ ایک دن گفتگو کے دوران میں شاہ طہماسپ نے ہمایوں سے پوچھا کہ آپ جیسے بادشاہ پر کمزور دشمن کے غالب آنے کا سبب کیا ہے۔" ہمایوں نے کہا "بھائیوں کا نفاق" شاہ ایران نے کہا کہ جو سلوک آپ نے اپنے بھائیوں سے کیا وہ مناسب نہ تھا۔" اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا شاہ ایران کا بھائی بہرام میرزا بھی وہاں دست بستہ کھڑا تھا چنانچہ وہ آیا اور طشت لے کر شاہ کے ہاتھ دھلانے لگا پھر وہ ملازموں کی طرح کام کرنے لگا۔

شاہ ایران نے ہمایوں سے کہا کہ "بھائیوں کو اس طرح رکھنا چاہیے۔" بہرام شاہ اس بات سے بیحد سنجیدہ ہوا چنانچہ جب تک ہمایوں ایران میں رہا وہ ہمایوں کا دشمن بنا رہا۔ بہرام مرزا نے ایک ایرانی گروہ کو اپنا ہمنوا بنالیا اسے جب موقع ملتا وہ زہر افشانی کرتا اور دلائل سے شاہ ایران کو ذہن نشین کراتا کہ ہندوستان جیسے پڑوسی ملک پر امیر تیمور کی اولاد کی حکومت غیر مناسب ہے۔

شاہ طہماسپ نے ییلاق قیدار کے دوران میں ہمایوں کا دل بہلانے کے لئے تین مرتبہ چرکہ کے شکار کھیلنے کا بندوبست کیا' ہر مرتبہ شاہ ایران ہمایوں کو پہلے شکار کھلواتا اس کے بعد بیرم خان کی باری آتی بیرم خاں کے بعد بہرام مرزا کی باری آتی۔ بعد ازاں امیروں اور سپاہیوں کو موقع ملتا وہ ترتیب اور قاعدے کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر شکار کے پیچھے بھاگتے اور تلوار اور خنجر سے شکار کھیلتے اور شکار گاہ کو خون سے سیراب کرتے۔

شاہ ایران ییلاق سے قزوین آیا۔ بہرام مرزا اور دوسرے درباریوں نے شاہ کو ہمایوں سے برگشتہ کر دیا' ہمایوں نے بھی احتیاط کو مد نظر رکھا اور بیرم خاں کے مشورے کے مطابق نرمی اور فروتنی کے ساتھ وقت گزارنا مناسب سمجھا۔

شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم' قاضی جہاں قزوینی' ناظر دیوان اور حکیم نور الدین جیسے امیروں نے مل کر کوشش شروع کی کہ شاہ کا دل صاف ہو جائے چنانچہ ایک دن سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی رباعی پڑھ کر شاہ ایران کو سنائی۔

ہستیم زجاں بندہ اولاد علی ہستیم ہمیشہ شادبا یاد علی
چوں سرولایت ز علی ظاہر شد کردیم ہمیشہ وردخود ناد علی

شاہ ایران یہ رباعی سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر ہمایوں اس بات کا وعدہ کرے کہ اپنے ملک کے تمام منبروں پر دوازدہ امام کے نام کا خطبہ جاری کرے گا تو میں اس کی مدد کر کے کھویا ہوا موروثی علاقہ واپس دلا دوں گا۔" سلطانہ بیگم نے ہمایوں کو شاہ کی باتیں کہلا بھیجیں۔ ہمایوں نے جواب دیا کہ "بچپن سے لے کر آج تک خاندان رسالت کی محبت میرے دل میں رہی ہے۔ چغتائی امیروں اور کامران میرزا کی ناراضگی کا بھی یہی سبب ہے۔"

شاہ نے بیرم خاں کو تنہائی میں بلایا اور ہر پہلو پر گفتگو ہوئی چنانچہ ان باتوں سے شاہ ایران کا دل ہمایوں سے بالکل صاف ہو گیا۔ اور اسی

مجلس میں حکم دیا کہ شہزادہ مراد جو اس وقت کمسن تھا اپنے سپہ سالار بداغ خاں قاچار کے ساتھ دس ہزار سوار لے کر ہمایوں کے ہمراہ روانہ ہو تاکہ وہ بھائیوں کو مناسب سزا دے کر کابل' قندہار اور بدخشاں کو فتح کر سکے۔ چند ہی دنوں میں شاہ نے تمام بندوبست کر دیا اور ہمایوں کو جانے کی اجازت دے دی۔ ہمایوں نے کہا میرا دل تبریز اور اردبیل کی سیاحت کے لئے بے چین ہے ان شہروں کو دیکھ کر شیخ صفی اور ان کی اولاد کی ارواح سے دشمن سے مقابلے کرنے کے لئے مدد مانگوں گا اور پھر اپنا کام شروع کروں گا۔" شاہ ایران نے اس بات کو پسند کیا۔ چنانچہ ان علاقوں کے حاکموں کے نام اطاعت گزاری کی ہدایت جاری کیں اور حکم جاری کیا گیا کہ وہ ہمایوں کی تعظیم و تکریم میں کمی نہ کریں۔ ہمایوں نے ان شہروں کی سیر اور مشائخین کی زیارت کی پھر شہزادہ مراد اور قزلباش امیروں کے ہمراہ مشہد مقدس کے راستے سے قندھار روانہ ہوا۔

ہمایوں کے مقبوضات

سب سے پہلے گرم سیر کے قلعے ہمایوں کے قبضے میں آئے وہاں ہمایوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ عسکری میرزا کو بھی اس کی اطلاع ہوئی چنانچہ اس نے شہزادہ اکبر کو جو نامہربان چچا کے ہاتھ میں گرفتار تھا۔ کامران میرزا کے پاس کابل روانہ کیا اور خود تمام ساز و سامان کا بندوبست کر کے قندھار میں قلعہ بند ہو گیا۔ ہمایوں بداغ خاں قاچار کے ہمراہ قلعے کے قریب پہنچا ساتویں محرم ۹۵۲ھ کو قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے چند دن تک طول کھینچا۔ ہمایوں نے بیرم خاں ترکمان کو کامران میرزا کے پاس کابل بھیجا۔ راستہ میں ہزارہ قوم کا ایک گروہ آڑے آیا مگر شکست کھا کر بھاگا۔ بیرم خاں ان پر فتح پا کر کامران میرزا کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے ہمایوں کی اطاعت کرنے اور قلعہ اور دوسرے علاقہ جات حوالے کرنے کے سلسلے میں کامران میرزا سے گفت و شنید کی' لیکن میرزا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ بیرم خاں ناکام ہو کر واپس آ گیا اور کامران کی نالائقی کا قصہ ہمایوں کو سنایا۔

قزلباش سپاہی کچھ محاصرے کے طول کی وجہ سے اور کچھ چغتائی خاندان کے نفاق سے رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اسی اثناء میں محمد سلطان میرزا' الغ میرزا' قاسم حسین میرزا' میرزا میرک' شیر افضل بیگ اور فضل بیگ (منعم خاں کا بھائی) وغیرہ کامران ان سے علیحدہ ہو کر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے علاوہ قلعے کے لوگوں کا ایک معتبر گروہ بھی باہر نکل کر ہمایوں کے پاس پہنچا۔ عسکری نے پریشان ہو کر امان چاہی اور اپنے امیروں کے ساتھ نادم و شرمندہ شاہ کے حضور میں آیا قلعہ ہمایوں کے سپرد کر دیا۔ شاہ ایران سے یہ طے ہو چکا تھا کہ قندھار کا قلعہ شہزادہ مراد کے زیر حکومت رہے گا۔ چنانچہ ہمایوں نے قلعہ شہزادہ کے سپرد کیا۔ شہزادہ بداغ خاں قاچار' ابو الفتح' سلطان افشار اور صوفی ولی شاملو سردیوں کی وجہ سے قلعے میں ٹھہر گئے۔ باقی قزلباش امیر واپس چلے گئے۔

چغتائی خاندان والوں کو قلعہ قزلباشوں کے قبضے میں جانے سے بہت رنج ہوا۔ جاڑے کی وجہ سے چغتائیوں کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہ رہی اکثر مغل سردار کابل چلے گئے۔ عسکری مرزا نے پھر فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا وہ شاہی لشکر سے بھاگ گیا ایک گروہ اس کے تعاقب میں بھیجا گیا چنانچہ وہ اسے گرفتار کر کے واپس لے آیا۔

کابل کو روانگی

ہمایوں لشکر کے ساتھ کابل روانہ ہوا کچھ دنوں کے بعد شہزادہ مراد انتقال کر گیا۔ ہمایوں نے راستے ہی سے واپس ہو کر قلعے کو واپس لینے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں نے بداغ خاں قاچار کو پیغام بھیجا کہ قلعہ قندھار چند مہینوں کے لئے عاریتہً" ہمیں دے دیا جائے اور وعدہ کیا کہ کابل و بدخشاں فتح ہو جانے کے بعد قندھار کا قلعہ واپس کر دیا جائے گا۔ بداغ خاں نے یہ بات نہ مانی ہمایوں خاموش ہو گیا' تنہائی میں بیرم خاں' الغ میرزا اور حاجی محمد سے کہا کہ کسی نہ کسی طریقے سے قلعہ فتح کرنا چاہیے۔

ایک دن اونٹوں کی ایک قطار گھاس اور دانہ لیے ہوئے شہر میں جا رہی تھی حاجی محمد نے موقع کو غنیمت سمجھا چنانچہ وہ اونٹوں کی قطار

میں چھپ کر شہر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے کے محافظین نے مزاحمت کی مگر حاجی نے انہیں قتل کر دیا۔ اسی وقت بیرم خاں اور الغ میرزا بھی اپنی فوج ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے اور قلعے میں داخل ہو گئے۔

بداغ خاں قاچار نے بے خبری کے عالم میں لڑنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ وہ اجازت لے کر عراق چلا گیا۔

ہمایوں نے قندھار کی حکومت بیرم خاں کے سپرد کی اور کابل پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔ یادگار ناصر مرزا (بابر بادشاہ کا بھائی) حسین ارغون کی بدسلوکی سے بھاگ کر کابل آ گیا تھا۔ وہ ہندال میرزا کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کابل کے باہر کامران مرزا کے مقابلے کے لیے ڈیرے ڈالے۔ اس دوران میں میرزا کے ملازمین اور خیر خواہوں کا کوئی نہ کوئی گروہ روزانہ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوتا حتیٰ کہ ایک دن کامران کا نامی گرامی امیر قیلان بیگ بھی حاضر ہو گیا۔ کامران میرزا پریشانی کے عالم میں سورج غروب ہونے کے وقت ارک کے حصار میں قلعہ بند ہو گیا ہمایوں بھی فوراً وہاں پہنچ گیا۔ کامران میرزا نے ٹھہرنا باعث ہلاکت سمجھا چنانچہ وہ غزنی بھاگ گیا۔ ہمایوں نے ہندال میرزا کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔

ہمایوں رمضان کی دسویں رات کو قلعے میں داخل ہوا شہزادہ جلال الدین محمد اکبر اس وقت چار سال کا تھا چنانچہ بیگمات کے ساتھ اسے ہمایوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ میرزا کامران نے غزنی میں بھی قیام نہ کیا بلکہ ہزارہ قوم کے پاس زمین داور چلا گیا۔ ان لوگوں نے کامران کو پناہ نہ دی لہٰذا اسے وہاں سے شاہ حسین ارغون کے پاس بھاگنا پڑا۔ شاہ حسین نے اپنی لڑکی کی شادی کامران سے کر دی وہ اس کی مدد کو آیا۔ کامران میرزا بظاہر تو خوش و خرم دن گزار رہا تھا۔ مگر در حقیقت وہ دل ہی دل میں ہر وقت فکر مند رہتا تھا۔

بدخشاں پر حملہ

ہمایوں نے اکبر کو محمد علی طغائی کی نگرانی میں کابل میں چھوڑا اور خود ۹۵۳ھ میں بدخشاں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ چلتے وقت یادگار ناصر میرزا جو متعدد بار بادشاہ کی مخالفت کر چکا تھا پھر بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔ ہمایوں کو اس بات کا پتہ چل گیا چنانچہ بادشاہ نے اس فسادی کو قتل کر دیا۔ ہمایوں کوہ ہندوکش سے گزر کر تیر گراں میں ٹھہرا۔ میرزا سلیمان بدخشاں سے فوج لے کر مقابلے پر آیا مگر پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ نے طالقان کا رخ کیا اس سفر میں ہمایوں کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ دو مہینے کے بعد اسے صحت ہوئی۔ اس دوران میں جو فتنے اور فساد پیدا ہوئے وہ خود بخود دب گئے۔ انہی دنوں میں جولی بیگم کے بھائی خواجہ معظم نے خواجہ رشید کو قتل کر دیا اور خود کابل کی راہ لی۔ خواجہ رشید، معظم کے ساتھ عراق سے آیا تھا' خواجہ معظم کو بادشاہ کے حکم سے نظر بند کر لیا گیا۔ میرزا کامران کو بادشاہ کی روانگی بدخشاں کے متعلق اطلاعات ملیں اس نے غور بند پر ایک دم حملہ کر دیا۔ راستے میں سوداگروں کے ایک قافلے کو لوٹا اور ان کا سامان چھین کر غزنی پہنچا۔ اس نے غزنی کے اوباشوں کی مدد سے غزنی کے حاکم زاہد بیگ کو قتل کیا۔ پھر کابل پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے وہ صبح کے قریب وہاں پہنچا جونہی قلعے کا دروازہ کھلا وہ اندر داخل ہو گیا اور جلدی سے قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے محمد علی طغائی کو قتل کیا جو اس وقت حمام میں تھا۔ افضل بیگ اور مہتر وکیل کو اندھا کر کے شہزادے کو مع شاہی حرم کے موکلوں کے حوالے کیا اس نے حسام الدین ولد میر خلیفہ کو بھی مار ڈالا۔

کہا جاتا ہے کہ جب کامران میرزا قلعے میں داخل ہوا اس کی ملاقات حاجی محمد سے ہوئی یہ بابر کا مسخرا تھا۔ کامران نے اس سے پوچھا کہ "دیکھا تم نے میں کس طرح گیا اور کیسے لوٹا" اس نے کہا تم رات کو گئے اور صبح پھر چلے آئے۔"

ہمایوں کو یہ اطلاعات ملیں چنانچہ بدخشاں کے سلیمان میرزا سے صلح کی قلعہ بدخشاں اس کے حوالے اور قندھار ہندال میرزا کے سپرد کیا پھر خود کابل کا رخ کیا۔ ضحاک اور غور بند کے نزدیک کامران میرزا کی فوج کا کچھ حصہ راہ میں مزاحمت کے لئے آیا ہوا تھا ہمایوں نے ان کو ادھر ادھر منتشر کیا۔ یہاں شیر افگن بیگ اور کامران کا باقی لشکر جمع تھا۔ انہوں نے ہمایوں کو گھیر لیا چنانچہ جنگ ہوئی۔ یہاں بھی

دشمنوں کو شکست ہوئی۔ شیر افگن لڑائی میں مارا گیا ہمایوں کابل کے قریب پہنچ گیا روزانہ لڑائی ہونے لگی۔

اسی دوران میں کامران کو اطلاع ملی کہ ایک بڑا قافلہ کسی موضع میں ٹھہرا ہوا ہے اور ان کے پاس بہت سے گھوڑے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک بہادر سپاہی شیر علی کو سپاہیوں کی ایک جماعت دے کر قافلے والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں گرفتار کرکے شہر کے اندر لے آئیں۔ ہمایوں کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ وہ فوراً قلعے کے نزدیک پہنچ گیا اور آمدورفت کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ شیر علی واپس آیا اس نے بادشاہ کے مقابلے کرنے کی ٹھانی مگر پھر فرار ہو گیا۔

انہیں دنوں میرزا سلمان بیگ بدخشاں سے، میرزا الغ بیگ، قاسم حسین سلطان اور بیرم خاں ترکمان کے ملازمین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قراچہ خاں اور مانوس بیگ قلعے سے بھاگ کر ہمایوں سے آملے۔ مرزا بہت پریشان ہوا اس نے مانوس بیگ کے تینوں بیٹوں کو قتل کر ڈالا وہ قلعے میں تھے۔ پھر قلعے کی دیوار سے نیچے پھینک دیا کامران نے قراچہ خاں کے لڑکے کو بھی فصیل کے اوپر قلعے کی دیوار سے باندھ دیا۔ قراچہ خاں قلعے کے قریب پہنچا اس نے چلا کر کہا "اگر میرا بیٹا مارا گیا تو یاد رکھو تم اور عسکری میرزا بھی زندہ نہ رہو گے۔"

کامران کا فرار

کامران ہر طرف سے مایوس ہو گیا چنانچہ رات کے وقت قلعے کی دیوار پھاند کر حصار سے بھاگ گیا قلعہ دوبارہ بادشاہ کے قبضے میں آ گیا۔ کامران نے کوہ کابل کے دامن میں پناہ لی۔ میرزا کو یہ مامن بھی راس نہ آیا ہزارہ قوم کا ایک گروہ وہاں پہنچا انہوں نے میرزا کا تمام اسباب جس میں کپڑے بھی شامل تھے اپنے قبضے میں کر لیا۔ بعد میں انہیں جب معلوم ہوا کہ انہوں نے کامران کو لوٹا ہے تو انہوں نے اس کی مدد کی اور اسے اس کے ملازموں کے پاس غور بند پہنچا دیا۔ وہ یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور بلخ کی طرف چلا گیا۔ حاکم بلخ شیر محمد خاں کامران کی مدد کے لئے آمادہ ہوا اس نے غور اور بغلان کے دونوں شہر کامران کے حوالے کیے۔

میرزا نے فوج جمع کر کے جلد ہی بدخشاں پر حملہ کر دیا۔ میرزا سلیمان اور اس کا لڑکا ابراہیم مرزا اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور کولاب کی طرف بھاگ گئے۔

قراچہ خاں اور مانوس بیگ نے اس دوران میں کئی منصوبے بنائے انہوں نے خواجہ بخاری وزیر کو قتل کر کے خواجہ قاسم کو اس کا جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں کو ان کی یہ باتیں پسند نہ آئیں ان امیروں نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑا اور میرزا عسکری کو لے کر بدخشاں روانہ ہو گئے۔ ہمایوں نے ان مفروروں کا تعاقب کیا مگر ان تک پہنچ نہ سکا لہٰذا واپس ہوا۔

ہمایوں نے میرزا ہندال اور میرزا ابراہیم بن سلیمان کے نام طلبی کا حکم صادر کیا ابراہیم حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ قرعلی سنقانی مفرور امیروں کی طرف سے راستے میں بیٹھ کر شاہی لشکر کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا، ابراہیم نے اس کو قتل کیا اور حاضر خدمت ہو گیا۔ میرزا ہندال نے راستے میں شیر علی کو زندہ گرفتار کیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔

کامران اور ہندال کی لڑائی

کامران میرزا قراچہ خاں کو کشم میں چھوڑ کر خود طالقان میں ٹھہر گیا تھا۔ ہمایوں نے ہندال میرزا کو حاجی محمد کوکہ کے ہمراہ کچھ سپاہی دے کر اپنے آگے کشم کی طرف روانہ کیا۔ قراچہ خاں نے کامران میرزا کو اطلاع دی۔ کامران میرزا نے کشم کی طرف پیشقدمی کی اور وہاں جا پہنچا۔ ہندال میرزا نے دریائے طالقان کو عبور ہی کیا تھا اور اس کی فوج ابھی ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی کہ کامران میرزا وہاں پہنچ گیا، لڑائی شروع ہو گئی۔ کامران نے ہندال میرزا کو شکست دی اور اس کا سارا سامان لوٹ لیا اسی اثنا میں ہمایوں بھی وہاں پہنچ گیا۔ کامران بادشاہ سے مقابلہ نہ کر سکا اور طالقان بھاگ گیا، اس نے جو کچھ ہندال میرزا سے چھینا تھا لٹیروں کے سپرد کیا چنانچہ اگلے دن وہ طالقان کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ کامران کو ازبکوں کی مدد سے مایوسی ہوئی چنانچہ اس نے میرزا سلیمان کی معرفت ہمایوں سے مکہ معظمہ کی زیارت کی

اجازت مانگی' ہمایوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ کامران اور عسکری دونوں بھائی قلعے میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ دونوں نے ابھی دس کوس فاصلہ طے کیا تھا کہ ان کو خیال ہوا کہ ہمایوں کی فوج ان کے تعاقب میں آئے گی مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ چنانچہ وہ ہمایوں کی عنایات سے شرمندہ ہو کر واپس لوٹے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمایوں نے مغل سرداروں کو ان کے استقبال کے لئے بھیجا' بادشاہ نے دونوں سے بڑی مہربانی کا سلوک کیا اور ان کو کولاب کا شہر جاگیر میں دے دیا۔ پھر ان کو کولاب کی طرف رخصت کر کے خود کابل آ گیا۔

ہمایوں نے فتح نامہ بیرم خاں کے پاس قندھار میں بھیجا اس فتح نامہ کے حاشیے پر اپنی کہی ہوئی نظم لکھی اور اپنے خاص قلم سے بیرم خاں کی جدائی کے اظہار کے لئے ایک رباعی بھی اس وقت لکھ دی۔ اس نے بھی رباعی کا مناسب جواب بھیجا' بیرم خاں کو ازبکوں کے ہاتھوں سخت تکلیفیں پہنچی تھیں۔ لہٰذا ۹۵۶ھ میں ہمایوں ہندال میرزا اور سلیمان میرزا کو لے کر بلخ پہنچا' کامران اور عسکری نے اس وقت بھی مخالفت کی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ ہمایوں کی عدم موجودگی میں کامران کابل میں پھر کوئی نیا ہنگامہ پیدا کرے گا مگر ہمایوں نے ارادہ نہ بدلا اور بلخ پہنچ گیا۔

شاہ محمد سلطان اوزبک تین ہزار سوار لے کر مقابلے میں آیا مگر اس روز بغیر فتح و شکست کے چلا گیا۔ اگلے دن پیر محمد خاں' عبد العزیز خاں ولد عبد اللہ خاں اور خصار کے فرماں روا شاہ محمد سلطان کی مدد کو آئے۔ شاہ محمد سلطان تیس ہزار سوار لے کر بادشاہ کے مقابلے پر آیا۔ سلیمان مرزا' ہندال میرزا اور حاجی محمد سلطان نے انہیں شکست دی۔ پیر محمد اوزبک یہ حال دیکھ کر شام کے وقت اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں چلا گیا۔

چغتائی لشکر کامران کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے بارے میں متفکر تھا۔ جس رات کے بعد صبح کو بلخ پر حملے کا ارادہ تھا اسی رات تمام فوج نے بادشاہ سے درخواست کی کہ بلخ کے لئے جنگ کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ درہ کنر کی طرف سے چل کر کوئی مضبوط جگہ تلاش کی جائے اور پھر اہل بلخ کی دلداری کر کے بغیر لڑے شہر پر قبضہ کیا جائے سپاہیوں نے اس پر بہت اصرار کیا۔ ہمایوں نے مجبوراً" کوچ کیا درہ کنر کابل کی جانب واقع ہے۔ چونکہ کسی کو اس مشورے کا علم نہ تھا لہٰذا سب یہ سمجھے کہ بادشاہ واپس کابل جا رہا ہے۔ چنانچہ ہر شخص فوراً" روانہ ہوا اوزبکوں کا حوصلہ بڑھ گیا انہوں نے شاہی لشکر کا تعاقب کیا۔ اوزبک سپاہیوں' نے فوج کے محافظ دستوں کو جو لشکر کے عقب میں تھے مغلوب کیا۔ سلیمان میرزا اور حسن قلی سلطان ان دستوں کی کمان کر رہے تھے چنانچہ اوزبک لشکر تک پہنچ گئے۔ ہمایوں نے پلٹ کر ایک شخص کو نیزہ مار کر گھوڑے سے گرا دیا یہ شخص ان سب سے آگے تھا۔ ہندال میرزا' تردی بیگ اور تولک خاں قوچین نے بھی خوب بہادری دکھائیں مگر چغتائی فوج کی بے نظمی کی وجہ سے کچھ فائدہ نہ ہو سکا۔

ہمایوں کا عزم کابل

ہمایوں کامران کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے کابل روانہ ہوا۔ اس نے کامران کے بہترین دوست اور خیر خواہ علی بیگ کو مرزا کا دشمن بنایا۔ میرزا نے ارادہ کیا کہ بادشاہت کو چھوڑ کر ضحاک اور بامیان کے راستے ہزارہ میں پہنچے اور پھر وہاں سے سندھ چلا جائے۔ ہمایوں نے ایک گروہ کو اس کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ قراچہ خاں اور قاسم حسین وغیرہ نے جو دو مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ میرزا کامران کو خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ شاہی لشکر کا اچھا حصہ ضحاک اور بامیان چلا گیا ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کوتل قپچاق کے راستے ہمارے پاس پہنچ جاؤ اور ہمیں اپنا خیر خواہ سمجھو۔ کامران نے ان لوگوں کی ہدایت پر عمل کیا۔ وہ بامیان سے قپچاق چلا گیا ہمایوں بھی وہاں پہنچ گیا۔ چنانچہ قراچہ خاں اور اس کے ساتھی لڑائی کے دوران میں کامران سے جا ملے۔ ہمایوں تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ استقلال کے ساتھ برابر لڑتا رہا۔ پیر محمد اختر اور احمد ولد مرزا قلی جنگ میں مارے گئے بادشاہ کے سر پر زخم آیا اور اس کا گھوڑا زخمی ہو گیا

اس حالت میں بادشاہ نیزے سے دشمن کو دور رکھنے میں کامیاب ہوا۔

کابل پر کامران کا دوبارہ قبضہ

ہمایوں نے ضحاک اور بامیان کا رخ کیا کابل پر کامران کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ ہمایوں بدخشاں پہنچا یہاں ایک قافلے کے پاس اسباب اور گھوڑے کثرت سے تھے۔ بادشاہ نے ان سے سامان جنگ بطور قرض لیا اور اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیا۔ پھر شاہ بداغ تولک خاں قوچین اور مجنوں خاں وغیرہ کو جو تعداد میں دس تھے کابل روانہ کیا۔ تاکہ وہ دیکھ بھال کر سکیں مگر سوائے تولک خاں کے کوئی واپس نہ لوٹا ہمایوں کو ان پرانے ملازمین کی بد عہدی پر بہت حیرت ہوئی۔

کابل کی فتح

سلیمان مرزا' ابراہیم میرزا اور ہندال میرزا اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچ گئے چنانچہ پانچویں دن ہمایوں نے کابل کا رخ کیا۔ کامران بھی آگے بڑھا۔ دریائے پنجتر (۱) کے کنارے جنگ ہوئی کامران ہار گیا۔ میرزا نے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوا ڈالے اور قلندروں کے روپ میں کوہ ہندوکش اور طغان کے دامن میں جا چھپا۔ فرار کے وقت میرزا عسکری گرفتار ہو گیا قراچہ خاں مارا گیا ہمایوں فاتح کی حیثیت سے کابل میں داخل ہوا۔

کامران پر حملہ

ایک سال سکون و آرام کے ساتھ بسر کرنے کے بعد ہمایوں نے سامان حرب درست کیا اور پھر کامران پر فوج کشی کی۔ اس دوران میں کامران کے گرد پھر کچھ من چلے سپاہی جمع ہو گئے اور اسطرح ایک ہزار پانچ سو آدمی اس کے پاس یک جا ہو گئے۔ حاجی محمد خاں اور بابا قشقہ بھی بغیر اجازت کے غزنی چلے گئے۔ کامران مرزا' مہمندی خلیل اور داؤد زئی افغانوں اور طغانات کے سرداروں کے ساتھ سندھ کی طرف بھاگا' ہمایوں واپس کابل آ گیا۔ کامران سندھ کی طرف سے پھر افغانوں کے پاس لوٹ آیا اور وہی فتنہ و فساد شروع کر دیا۔ ہمایوں کو دوبارہ فوج کشی کرنی پڑی' بادشاہ نے بیرم خاں ترکمان کو لکھا کہ وہ غزنی آکر حاجی محمد کا بندوبست کرے ادھر حاجی نے کامران کو پیغام بھیجا کہ "تم یہاں غزنی پہنچو اور میں تمہارا فرمانبردار ہوں۔" میرزا کامران طغائن سے بھاگ کر پشاور آ گیا تھا وہ بنگش (۲) اور گردیز کے راستے غزنی روانہ ہو گیا۔ پیشتر اس کے کہ کامران غزنی پہنچتا بیرم خاں وہاں پہنچ چکا تھا اس نے حاجی کو نرمی سے سمجھایا بجھایا اور پھر اسے کابل لے گیا' کامران مجبورا" پشاور لوٹ آیا۔ ہمایوں کابل پہنچا حاجی خوف کھا کر غزنی لوٹ گیا۔ بیرم خاں دوبارہ اسے تسلیاں دے کر کابل لے کر آیا ان ہی دنوں میں ہمایوں نے کامران کے حقیقی بھائی میرزا عسکری کو میرزا سلیمان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انتظام کر کے میرزا کو بلخ کے راستے مکہ معظمہ بھیج دے۔ عسکری میرزا نے شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک وادی میں ۹۶۱ھ میں وفات پائی۔ عسکری میرزا کی ایک بیٹی تھی جسے جلال الدین اکبر نے یوسف خاں مشہدی کے ساتھ بیاہ دیا۔

کامران کے سر پر ابھی تک حکومت کا بھوت سوار تھا چنانچہ وہ افغانوں میں رہ کر لشکر جمع کرنے کی تدبیریں کرتا رہا۔ ہمایوں نے پہلے تو حاجی محمد خاں کو تہہ تیغ کیا جو سارے فساد کی جڑ تھی اور پھر کامران کو راہ راست پر لانے کے لئے روانہ ہوا۔ خیبر کے قریب میرزا نے افغانوں کے ہمراہ ذیقعد ۹۵۸ھ میں شاہی لشکر پر شب خون مارا۔ میرزا ہندال شہید ہو گیا۔ ناسعادت مند میرزا کو بھائی کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی۔ چنانچہ وہ ناکام واپس آ گیا اور افغانوں سے جا ملا۔

افغانوں کی سرکوبی

ہمایوں نے میرزا کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم اور ہندال میرزا کے ساتھ جلال الدین اکبر کو بڑی عزت کے ساتھ روانہ کیا۔ غزنی کو ان کی جاگیر میں دیا اور پھر خود افغانوں کی بستیوں کی طرف بڑھا۔ اس دفعہ ہمایوں نے مہمندی اور خلیل زئی افغان قبیلوں کو تباہ و برباد کیا اور انہیں

اچھی طرح ذلیل و خوار کیا۔ افغان اب یہ سمجھ گئے کہ اس طرح سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں لہٰذا وہ مجبوراً کامران سے علیحدہ ہو گئے۔ کامران کو بھی ہندوستان کا رخ کرنا پڑا اور اس نے سلیم شاہ سور کے ہاں پناہ لی مگر اس نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا وہ اسے قید کرنا چاہتا تھا۔ کامران کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ کر راجہ نگر کوٹ کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ چونکہ کامران کو بھی سلطنت کا دعویدار خیال کرتا تھا لہٰذا وہ پنجاب کے تمام راجاؤں کے خلاف فوج کشی کرنے کے لئے نکلا کامران خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا اور وہاں سے سلطان آدم ککھڑ کے ہاں چلا گیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان دنوں میرزا حیدر دوغلات نے کشمیر کے زمینداروں کے سرکش ہونے کی شکایت ہمایوں سے کی اور مدد کے لئے آنے کی درخواست کی چنانچہ ہمایوں دریائے سندھ پار کرکے ہندوستان میں آ پہنچا۔ سلطان آدم نے ڈر کے مارے میرزا کامران پر پہرہ لگا دیا اور بادشاہ کو اس کی اطلاع کی۔ ہمایوں نے منعم خاں کو وہاں بھیجا وہ کامران کو وہاں سے لے آیا۔

میرزا کا اندھا ہونا

تمام چغتائی امیروں نے جو میرزا کے فتنہ و فساد کی وجہ سے اس سے بیزار تھے بادشاہ سے عرض کی کہ چغتائی قوم کی عزت اور بہتری کی خاطر میرزا کا کام تمام کر دیا جائے۔ ہمایوں اپنی نرمی طبیعت اور مروت کی وجہ سے اس پر آمادہ نہ ہوا لیکن امیروں کا دل رکھنے کے لئے حکم دیا کہ میرزا کی آنکھوں میں لوہے کی سلائی پھیر دی جائے۔

محمد مومن نے کامران کے اندھا ہونے کی یہ تاریخ نکالی۔ ''چشم پوشید زبیداد سپہر''

ہمایوں میرزا سے ملنے کے لئے گیا میرزا نے چند قدم استقبال کیا اور سعدی کا قطعہ پڑھا۔

زقدر و شوکت سلطاں نہ گشت چیزے کم ‏ ‏ ‏ زالتفات بہ غربت سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقاں برآفتاب رسید ‏ ‏ ‏ کہ سایہ برسرش انداخت چونتو سلطانے

ہمایوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ کوئی بات نہ کر سکا چنانچہ وہ وہاں سے افسوس کرتا ہوا واپس آ گیا۔ میرزا نے حج کی اجازت مانگی چنانچہ وہ سندھ کے راستے مکہ معظمہ پہنچا وہ اپنی بیوی (دختر شاہ حسین ارغون) کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ تین حج کرنے کے بعد گیارہویں ذی الحجہ ۹۶۴ھ کو میرزا کا وہیں انتقال ہو گیا۔ محلہ مز کے میں اسے دفن کیا گیا میرزا نے اپنے پیچھے تین لڑکیاں ایک بیٹا چھوڑا بیٹے کا نام ابو القاسم میرزا تھا۔

قاسم میرزا کا قتل

جلال الدین اکبر نے ابو القاسم میرزا کو ۹۶۴ھ میں گوالیار کے قلعے میں قید کیا جب اکبر نے خاں زماں پر لشکر کشی کی تو اس وقت ابو القاسم میرزا کو اکبر کے اشارے سے قتل کر دیا قاسم میرزا نے قتل کے وقت اپنا کہا ہوا یہ شعر پڑھا۔

فلک بکشتن من این قدر شتاب مکن ‏ ‏ ‏ چو خواہم از ستمت مردن اضطراب مکن

کامران کی ایک بیٹی میرزا ابراہیم حسین بن سلطان محمد کی بیوی تھی اس کے بطن سے ایک لڑکا مظفر حسین میرزا پیدا ہوا۔ کامران کی دوسری لڑکی عبد الرحمٰن مغل سے بیاہی ہوئی تھی' تیسری کا نکاح شاہ فخر الدین مشہدی رضوی کے ساتھ ہوا تھا۔

کشمیر پر لشکر کشی

ہمایوں کو میرزا کامران کے فتنہ و فساد سے نجات ملی تو اس نے کشمیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ان دنوں میں سلیم شاہ پنجاب پہنچ چکا تھا۔ اس لئے چغتائی سرداروں نے بادشاہ کی اس بات سے اتفاق نہ کیا انہوں نے کہا کہ کشمیر پہنچنے کے بعد اگر افغانوں نے تمام راستے بند کر دیئے تو بہت مصیبت پیش آئے گی۔ بادشاہ نے امیروں کی یہ بات پسند نہ کی۔ اور کشمیر کا رخ کیا۔ امیروں نے خوش طبعی کی اور بادشاہ کا

ساتھ نہ دیا۔ وہ کابل روانہ ہوئے۔ ہمایوں کو بھی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد انہوں نے بلگرام کا قلعہ تعمیر کیا۔ پھر قلعے کو سکندر خاں اوزبک کے حوالے کیا اور خود یہ لوگ کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمایوں نے شہزادے جلال الدین اکبر کو جلال الدین محمود وزیر کے ساتھ غزنی روانہ کیا۔ ۹۶۱ھ میں شہزادہ محمد حکیم مرزا کابل میں پیدا ہوا۔

بیرم خاں سے برگشتگی

اسی سال بادشاہ مفسدوں کی شرارت سے بیرم خاں سے برگشتہ ہوگیا۔ ہمایوں کو یہ خیال ہوا کہ مذہبی موافقت کی وجہ سے وہ قزلباشوں سے نہ مل جائے چنانچہ بادشاہ نے قندھار پر حملہ کرنے کی سوچی اور غزنی کے راستے قندھار جا پہنچے۔ بیرم خاں ترکمان اس الزام سے بری تھا اسے کسی معاملے کی خبر بھی نہ تھی چنانچہ وہ ہمایوں کی آمد کی اطلاع پا کر پانچ چھ معتمد امیروں کے ساتھ استقبال کو آیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے ہمایوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ محض دشمنوں کی بدگوئی تھی اور سب بہتان تھا۔

غلط فہمی کا ازالہ

ہمایوں نے بیرم خاں کی دلجوئی کے لئے قندھار میں مکمل دو مہینے آرام و سکون سے گزارے۔ ہمایوں نے فسادیوں کو ملامت کی اور بیرم خاں کو اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کیا۔ بیرم خاں نے بادشاہ سے عرض کی کہ قندھار کی حکومت منعم خاں یا کسی اور کو سپرد کر دی جائے اور خود بادشاہ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہمایوں نے بیرم خاں کی یہ بات نہ مانی مگر چلتے وقت بیرم خاں کی گزارش کے مطابق بہار خاں برادر علی قلی خاں سیستانی کو زمین داور کی جاگیر دے کر اسے وہیں چھوڑا بادشاہ کابل آ گئے۔

اس دوران میں آگرے اور دہلی سے بعض خیر خواہوں کی عرضیاں بادشاہ تک پہنچیں جن کا مضمون یہ تھا کہ "سلیم شاہ نے وفات پائی۔ اور افغان امیر آپس میں دست و گریباں ہیں یہی وقت ہے کہ بادشاہ اپنے موروثی ملک کی طرف توجہ کریں اور قبضہ کریں۔"

نیک شگون

ہمایوں کے پاس ہندوستان پر لشکر کشی کے لئے ساز و سامان نہ تھا لہٰذا وہ بیحد متردد ہوا۔ ایک دن سیر و شکار کے دوران میں بادشاہ نے چند معتبر امیروں سے کہا کہ میں ہندوستان کے سفر کے لیے اس طرح شگون لیتا ہوں کہ پہلے تین شخص جو سامنے سے نظر آئیں ان کے نام پوچھ کر ان کے ناموں سے اس سفر کی فال نکالتا ہوں۔ "چنانچہ پہلے جو نظر آیا اس کا نام دولت خواجہ تھا چند قدم کے بعد دوسرا دہقانی ملا اس کا نام مراد خواجہ تھا ہمایوں نے کہا کہ "کیا خوب ہوتا اگر تیسرے کا نام سعادت خواجہ ہوتا۔" کچھ دور جانے کے بعد تیسرا شخص ملا اس کا نام پوچھا گیا اتفاق سے اس کا نام سعادت خواجہ نکلا۔

ہندوستان کے سفر کی تیاری

ہمایوں اس نیک شگون سے بیحد خوش ہوا اور اس واقعے کو غیبی بشارت سمجھا چنانچہ اس کے باوجود کہ بادشاہ کے پاس صرف پندرہ ہزار سوار تھے اور افغان فوج لاکھ دو لاکھ سے کم نہ تھی ہندوستان کے سفر کے لئے تیار ہوگیا۔

روانگی

ہمایوں نے شہزادہ محمد حکیم میرزا کو منعم خان کی نگرانی میں کابل میں چھوڑا اور پھر صفر کے مہینے ۹۶۲ھ میں ہندوستان روانہ ہوا۔ بیرم خاں ترکمان بھی اپنے بہادر اور تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ جو سب اس کے خاندانی ملازم تھے۔ شاہی حکم کے مطابق ہمایوں سے پشاور میں آ کر مل گیا۔ بادشاہ نے دریائے سندھ کو پار کیا اور پھر بیرم خاں کو سپہ سالاری کا عہدہ عنایت فرمایا' خضر خاں' تردی بیگ خاں' سکندر سلطان اور علی قلی سیستانی اور دوسرے مشہور امیروں کو بیرم خاں کے ساتھ کر کے اس گروہ کو ہراول دستے کے طور پر آگے روانہ کیا۔ تاتار خاں افغان شیر شاہ کے قلعے رہتاس کا حاکم خود میں مقابلے کی ہمت نہ دیکھ کر دہلی روانہ ہوگیا۔ ہمایوں سفر طے کرتا ہوا لاہور تک جا پہنچا۔ افغان

امیر جو وہاں تھے بغیر لڑے ہوئے بھاگ گئے ہمایوں بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہوا۔

بیرم خاں کی کاروائیاں

بیرم خاں ترکمان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سرہند جا پہنچا اور ان علاقوں پر بغیر لڑے بھڑے قابض ہو گیا۔ سرہند کی رعایا اور زمینداروں نے بیرم خاں کی اطاعت قبول کی۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کہ افغانوں کا ایک گروہ شہباز خاں اور نصیر خاں کی سرکردگی میں دیپالپور میں جمع ہے اور کچھ گڑ بڑ کرنے والا ہے۔ ہمایوں نے اپنے منہ بولے بیٹے ترند کو سید ابو المعالی کے علی قلی سیستانی کے ہمراہ ان افغانوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ شاہ ابو المعالی نے انہیں شکست دی اور تاخت و تاراج کرنے کے بعد واپس آ گیا۔

تاتار خاں اور ہیبت خاں سے معرکہ آرائی

سکندر شاہ نے تاتار خاں اور ہیبت خاں کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ چغتائیوں سے لڑائی کے لیے بھیجا اور انہیں بڑے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا۔ بیرم خاں دشمن کی تعداد سے بالکل خوفزدہ نہ ہوا چنانچہ وہ دریائے ستلج کو عبور کر کے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ غروب آفتاب کے وقت بچواڑہ کے کنارے دشمن کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ سردیوں کا زمانہ تھا لہٰذا افغانوں نے اپنے خیموں کی گرد آگ روشن کی اور چوکس ہو کر دشمن کا خیال کرتے رہے۔ بیرم خاں یہ اطلاع پا کر بہت خوش ہوا چنانچہ وہ بغیر کسی کو بتائے ہوئے ایک ہزار خاصے کے سوار لے کر دشمن کے لشکر کے کنارے پہنچ گیا۔ افغان لشکر دور سے روشنی کی وجہ سے نظر آ رہا تھا بیرم خاں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ افغان تیروں کی بارش سے سراسیمہ ہو گئے اور اپنی فطری کم عقلی سے آگ کو زیادہ مشتعل کرنے میں اپنا بچاؤ سمجھے چنانچہ انہوں نے لشکر کی تمام لکڑیوں کو گٹھے اور جانوروں کا چارہ سب کا سب ایک دم آگ میں ڈال دیا۔ مغل اس سے اور زیادہ خوش ہوئے اور انہیں تقویت پہنچی چنانچہ تیروں کی بوچھاڑ میں اور اضافہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد علی قلی سیستانی اور دوسرے سردار اس واقعے سے باخبر ہو گئے چنانچہ وہ بھی جلد سپہ سالار سے جا ملے اور تیر اندازی کرنے لگے۔ افغان بظاہر مقابلے کے لئے سوار ہو کر نکلے مگر لشکر سے نکلتے ہی دہلی کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے چنانچہ ہر دستے نے مختلف سمتوں میں فرار ہونا شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے ان کی قوت منتشر ہو گئی۔ تاتار خاں اور ہیبت خاں نے تھوڑی دیر تو لشکر میں قیام کیا مگر اپنے لشکر کی ابتری دیکھ کر ساز و سامان، گھوڑے، ہاتھی میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مغلوں نے خوش ہو کر افغانوں کے سامان کو لوٹا اور بے حد مسرور ہوئے۔

بیرم خاں نے ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں لاہور بھیج دیئے۔ خود ماچیواڑے میں ٹھہر گیا پھر اپنے امیروں کو آگے روانہ کیا انہوں نے دہلی کے قرب و جوار کو اچھی طرح تاخت و تاراج کیا اور بہت سے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

بادشاہ اس فتح سے بےحد خوش ہوا۔ بیرم خاں کو خانخاناں اور یار وفادار، ہمدم غمگسار کے خطابات سے سرفراز کیا۔ پھر بیرم کے تمام ادنیٰ و اعلیٰ نوکروں کے نام شاہی دفتر میں لکھوائے اور ان کا رتبہ بلند کیا۔ ان ملازمین میں سے بہت سے ہوشیار جوان مستقبل میں خان و سلطان اور بہادر سمجھے گئے۔ سکندر شاہ نے تاتار خاں اور ہیبت خاں کی شکست کے بعد افغانوں سے اتحاد اور یک جہتی کی قسمیں لیں اور وعدے وعید کیے۔ پھر اسی ہزار سوار، توپوں، جنگی ہاتھیوں کو لے کر مغلوں سے لڑنے کے لئے پنجاب روانہ ہوا۔

سکندر خاں سے جنگ

بیرم خاں نوشہرہ پہنچا اس نے شہر کو مضبوط و مستحکم کیا۔ سکندر شاہ نوشہرہ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ بیرم نے ایک عریضہ ہمایوں کی خدمت میں بھیجا اور لاہور سے نوشہرہ آنے کی درخواست کی بادشاہ نوشہرے پہنچ گیا اور قلعے میں ٹھہر گیا۔ چند دن طرفین کے بہادر میدان جنگ میں اپنے اپنے جوہر دکھاتے رہے آخر ماہ رجب کی چاند رات کو ۹۶۲ھ میں افغانوں نے صفیں درست کر کے لڑائی کی تیاری کی۔ اس رات

جلال الدین اکبر کی قراولی کا دن تھا' چغتائی سپاہی بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے- ایک طرف بیرم خاں ترکمان اور اس کی مددگار سپاہی اور دوسری طرف سکندر خاں' عبد اللہ خاں اوزبک' شاہ ابو المعالی' علی قلی سیستانی' بہادر خاں' تردی بیگ خاں وغیرہ نے چنگیزی آئین جنگ کے مطابق غنیم پر حملہ کیا اور اس قدر بہادری اور شجاعت دکھائی جو قیاس سے بعید ہے خدا کی مدد ہوئی اور افغان شکست کھا گئے۔

سکندر شاہ کوہ شوالک کی طرف بھاگا ہمایوں نے اوزبک سکندر خاں کو دوسرے افسران کے ساتھ دہلی اور آگرہ روانہ کیا- انہوں نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا- بادشاہ نے ابو المعالی کو پنجاب کی حکومت دی اور سکندر شاہ کا قلع قمع کرنے کے لئے مقرر کیا- پھر رمضان کے مہینے میں دہلی پہنچ کر خدا کے فضل اور عنایت سے دوبارہ ہندوستان کے تخت پر رونق افروز ہوا- ہمایوں نے بیرم خاں کو جاگیر اور شاہانہ نوازشوں سے سرفراز فرمایا- تردی بیگ کو دہلی کا اور سکندر خان کو آگرے کا صوبے دار مقرر کیا' علی قلی سیستانی سنبھل اور میرٹھ کی حکومت کا فرمان لے کر روانہ ہوئے بیرم خاں نے اس فتح کی تاریخ پر یہ رباعی لکھی۔

منشی خرد طالع میموں علیید انشائے سخن زطبع موزوں علیید
تحریر چوکر دفتح ہندوستان را تاریخ زشمشیر' ہمایوں علیید

شاہ ابو المعالی اپنے مددگاروں اور امیروں کی قرار واقعی مدد نہیں کرتا تھا لہذا سکندر شاہ دن بدن طاقتور ہوتا جاتا تھا- ہمایوں نے بیرم خاں کو شہزادہ جلال الدین اکبر کا اتالیق بنا کر سکندر شاہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور شہزادہ کی خدمت میں بھیجا۔

ہمایوں کا انتقال

اسی دوران میں ایک شخص قنبر دیوانہ نے سنبھل میں سر اٹھایا وہ میان دوآب کے علاقے میں خونریزی کرنے لگا- علی قلی اس کی سرکوبی کے لئے پہنچا اور اس کا سر کاٹ کر پانچویں ربیع الاول ۹۶۳ھ میں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا- دو دن بعد ہمایوں کتاب خانے کے کوٹھے پر چڑھا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد نیچے اترنے لگا- بادشاہ نے ایک زینہ طے کیا تھا کہ موذن نے اذان دی- بادشاہ تعظیم میں دوسرے زینے پر بیٹھ گیا- اذان ختم ہونے کے بعد لاٹھی کے سہارے اپنی جگہ سے اٹھا لیکن قضائے الٰہی سے لاٹھی ڈگمگا کر ہاتھ سے چھوٹ گئی بادشاہ زینے سے نیچے گر پڑا- خدام بدحواس ہو کر بادشاہ کو غشی کے عالم میں محل سرا میں لے گئے- کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی اور کچھ باتیں بھی کیں- علاج شروع ہوا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا گیارہویں ربیع الاول ۹۶۳ھ کو غروب آفتاب کے وقت بادشاہ نے رحلت کی ہمایوں کی وفات کا تاریخی مصرعہ یہ ہے۔

ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

بادشاہ کو نئی دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے دفن کیا گیا ۹۷۳ھ میں ہمایوں کی قبر پر گنبد تعمیر کیا گیا اس نیک دل بادشاہ نے پچیس سال حکومت کی اس میں کابل اور ہندوستان دونوں ملکوں کے عہد حکومت شامل ہیں۔

ہمایوں فطری طور پر بہادر تھا سخاوت اور مروت سرشت میں داخل تھیں- علم ریاضی میں بہت دسترس تھی- بادشاہ ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کی صحبت کو پسند کرتا تھا- اس کی مجلس میں علمی تذکرے ہوتے رہتے تھے- ہمیشہ بادشاہ باوضو رہتا اور بلا وضو خدا کا نام کبھی نہ لیتا- ایک دن ہمایوں نے میر عبد الحی صدر کو عبدل کہہ کر خطاب کیا- پھر وضو کر کے ان سے کہا کہ "میں تخاطب کے وقت باوضو نہ تھا اور چونکہ حی نام خدا ہے اس لیے میں تمہیں تمہارے پورے نام سے نہ پکار سکا- ہمایوں کا قد میانہ اور رنگ گندمی تھا- بادشاہ کا مذہب حنفی تھا لیکن کامران اور دوسرے چغتائی امیر ہمایوں کو ہمیشہ شیعہ سمجھتے رہے ان کی بدگمانی کی وجہ یہ تھی کہ شہزادگی کے عالم سے عراقی اور خراسانی شیعہ بادشاہ کے گرد جمع تھے- بادشاہ ان کی پوری خاطرداری کرتا تھا دوسرے بادشاہ کا رفیق بھی امامیہ فرقے کا شیدائی تھا- ہمایوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے قزلباشوں اور عراقیوں کو شاہانہ نوازشوں سے مالا مال کیا اور انہیں اراکین سلطنت میں داخل کیا- در حقیقت

ہمایوں سنی المذہب تھا۔ بادشاہ کے اشعار بھی چیدہ چیدہ کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

اگر بہ پرسش عشاق می نہد قدمے ہزار جاں گرامی فدائے ہر قدمت
حقاکہ چوں ہمایوں در حال اصل بے خود بادوست در حکایت از خویش ستہ بودم
داغ عشق تو برجبین من است خاتم لعل تو نگین من است
ہر کجا شاہ و شہریارے بود ایں زماں بندۂ کمین من است

شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (اکبر اعظم)

علامہ شیخ ابوالفضل برادر شیخ فیضی نے اس پر جاہ و جلال بادشاہ کے تمام حالات اور واقعات کو اکبر نامہ میں مفصل بیان کیا ہے۔ اکبر نامہ ایک لاکھ اور ایک ہزار سطور پر مشتمل ہے۔ فرشتہ اس کتاب کا خلاصہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

جب ہمایوں زینے سے گر کر صاحب فراش ہوئے تو سلطنت کے اراکین اور افسروں نے ایک معتمد امیر شیخ جولی کو ہمایوں کے حال سے مطلع کرنے کے لیے پنجاب روانہ کیا۔ شیخ جولی نے کلانور کے مقام پر اکبر سے ملاقات کی اور سارا حال تفصیلاً بتایا ابھی شیخ جولی پہنچے ہی تھے کہ ہمایوں کی وفات کی اطلاع پہنچ گئی۔ امیروں نے تعزیت کے بعد اتفاق رائے سے شہزادہ اکبر کو دوسری ربیع الثانی ۹۶۳ھ میں کلانور میں تخت پر بٹھایا۔ اکبر کی عمر اس وقت تیرہ برس کی تھی۔

بیرم خان ترکمان سپہ سالاری اور اتالیقی کے عہدے پر ہی فائز تھا اب اسے وکیل السلطنت بھی بنا دیا گیا چنانچہ تمام مالی اور ملکی مہمات اس کے سپرد کی گئیں۔ بیرم خاںؒ نے سلطنت میں تخت نشینی کا اطلاعی فرمان جاری کیا اور سپاہ اور رعایا کی خوشنودی کی خاطر تحفہ جات راہ داری سالانہ پیشکش اور سرانہ تمام ملک میں معاف کر دیا۔ اس کے بعد شاہ ابو المعالی کو جو مخالفت پر اترا ہوا تھا' گرفتار کر لیا۔ بیرم خاں کا ارادہ تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر اکبر سید زادے کے قتل پر راضی نہ ہوا چنانچہ اس کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ اکبر نے ابو المعالی کو لاہور کے کوتوال گل گیر کے پاس بھیج دیا۔ ابو المعالی کچھ دنوں بعد قید خانے سے فرار ہو گیا گل گیر نے پشیمان ہو کر خود کشی کر لی۔

تردی بیگ خاں نے شاہی سامان ابو القاسم میرزا کے ساتھ دہلی سے بادشاہی لشکر میں روانہ کیا۔ علی قلی حاکم سنبھل آگرے کے حاکم سکندر خاں اوزبک' دیپالپور کے حاکم بہادر خاں' منعم خاں اتالیق اور محمد حکیم میرزا وغیرہ نے بادشاہ کی خدمت میں عریضے بھیجے اور اپنے خلوص اور عقیدت کا اظہار کیا۔

سکندر شاہ پر حملہ

اب سب چیزوں سے فارغ ہو کر اکبر سکندر شاہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کوہ شوالک کی طرف بڑھا ایک خونریز جنگ کے بعد سکندر شاہ پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ نگر کوٹ کا راجہ دھرام چند بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اکبر کی عنایات سے سرفراز ہوا اس کی خاندانی جاگیر اس کے نام بحال رہی ان دنوں بارش بہت ہو رہی تھی اس وجہ سے اکبر آگے نہ بڑھ سکا اور اسے مجبوراً کچھ دنوں تک جالندھر میں قیام کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلیمان میرزا نے موقع پا کر کابل و بدخشاں پر لشکر کشی کر دی۔ منعم خاں جو تجربہ کار اور معاملہ شناس امیر تھا' قلعہ بند ہو گیا اور دشمن کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے لگا۔

کابل میں شورش

اکبر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے محمد قلی برلاس' خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ اور خضر خاں کو منعم خاں کی مدد کے لیے کابل روانہ کیا۔ ان امراء میں سے بعض تو قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور بعض باہر ہی مقیم رہے۔ ان لوگوں نے چار مہینے تک بدخشانیوں کے لشکر کو طرح طرح سے مصیبتوں اور مشکلوں میں ڈال کر پریشان کر دیا۔ سلیمان میرزا نے منعم خاں کو یہ پیغام دیا "اگر خطبے میں میرا نام بھی شامل کر لیا جائے تو میں اپنے ملک کو واپس چلا جاؤں گا۔" منعم خاں نے مصلحتاً اس شرط کو قبول کر لیا۔ اور منعم خاں کابل سے بدخشاں چلا گیا۔

علی قلی خاں کی شکست

انہیں دنوں سلطان عدلی کے وزیر ہیمو بقال نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ جو تیس ہزار سواروں اور پیادوں اور دو سو ہاتھیوں پر مشتمل تھا آگرے پر حملہ کیا۔ سکندر خاں اوزبک ہیمو کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور آگرے کی سکونت ترک کر کے دلی میں آگیا۔ عدلی کے ایک دوسرے مشہور امیر شادی خاں افغان نے دریائے رہٹ کے کنارے پر اپنے خیمے لگائے۔ علی قلی خاں سیستانی جو اس زمانے میں "خاں زماں" کا خطاب حاصل کر چکا تھا دریائے رہٹ کو پار کر کے شادی خاں کے مقابلے پر آگیا۔ اس کے ساتھ مدد کے لیے مشہور امراء قاسم خاں، محمد امین اور بابا سعید قپچاقی نیز تین ہزار عراقی اور خراسانی سوار بھی تھے۔ فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں علی قلی خاں کو شکست ہوئی۔ اس کے سپاہی کچھ تو لڑائی میں مارے گئے اور باقی ماندہ دریا کو پار کرتے وقت ڈوب مرے چنانچہ تین ہزار لشکریوں میں سے دو تین سو زندہ بچے۔

ہیمو بقال اور تردی بیگ کی جنگ

ہیمو بقال نے آگرے پر قبضہ کر لینے کے بعد دہلی کا رخ کیا۔ تردی خاں نے برق رفتار ایلچیوں کو بھیج کر آس پاس کے امیروں کو اپنے پاس بلایا۔ عبد اللہ خان لعل سلطان بدخشی، علی قلی خاں اندرابی اور میرک خاں کولابی وغیرہ جلد از جلد دہلی پہنچ گئے۔ علی قلی خاں سیستانی المخاطب بہ خاں زماں اور دوسرے معاون امراء ابھی دہلی پہنچے بھی نہ تھے کہ تردی بیگ نے ہیمو بقال سے لڑائی شروع کر دی۔ ہیمو طبعاً ایک بہادر اور جان باز انسان تھا اس نے تین چار ہزار چیدہ سواروں اور چند زبردست ہاتھیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلب لشکر سے نکل کر تردی بیگ پر حملہ آور ہوا۔ جو اس کے سامنے ہی معرکہ آرائی میں مصروف تھا۔ تردی ہیمو کے حملے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گیا اسی طرح ہیمو نے دوسرے امیروں کو بھی بھگا دیا اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔

تردی بیگ اور دوسرے شکست خوردہ امراء نے علی قلی خاں سیستانی اور دیگر سرداروں کے ساتھ مل کر دشمن سے انتقام لینے یا دہلی ہی میں مقیم ہو کر بادشاہ سے تازہ مدد کی درخواست کرنے کی بجائے نوشہرہ کا رخ کیا اور دہلی کو خالی کر کے دشمن کے حوالے کر دیا۔ یہ تمام حالات علی قلی خاں کو اس وقت معلوم ہوئے جب کہ وہ میرٹھ تک پہنچ چکا تھا۔ دہلی جا کر، تنہا طور پر دشمن سے مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی اس لئے وہ بھی مجبوراً نوشہرے کی طرف چل دیا۔

بیرم خاں کا اقتدار

اکبر نے یہ تمام واقعات جالندھر میں سنے چونکہ اس وقت تک پنجاب کے علاوہ باقی تمام ہندوستان افغانوں کے قبضے میں آچکا تھا اس لئے اکبر کو یہ سب کچھ سن کر بہت افسوس ہوا۔ اکبر کی عمران دنوں کچھ اتنی زیادہ نہ تھا، کہ وہ ملکی معاملات اور سیاسی گتھیوں کو بذات خود سلجھا لیتا۔ اس لئے اس نے بیرم خاں ترکمان کو "خان بابا" کا خطاب عنایت کر کے کہا۔ "تمام ملکی امور اور سیاسی معاملات میں تمہارے سپرد کرتا ہوں جو کچھ تم مناسب سمجھو کرو، اور میری منظوری کے انتظار میں کسی کام کو موقوف نہ رکھو۔" اکبر نے بیرم خاں کو اپنے سر اور ہمایوں کی روح کی قسم دے کر مزید یہ کہا "تمہارا یہ فرض ہے کہ ملکی معاملات کو طے کرنے میں تم کسی کی دشمنی اور مخالفت کا خیال نہ کرو۔"

اکبر نے تمام امراء کو طلب کر کے مجلس مشاورت منعقد کی۔ امیروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن کے لشکر میں ایک لاکھ سوار موجود ہیں اور بادشاہی فوج بیس ہزار سپاہیوں سے زیادہ نہیں ہے تو انہوں نے کابل کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بیرم خاں نے اس ارادے کی مخالفت کی اور دشمن سے معرکہ آرا ہونے کا خیال ظاہر کیا۔ اکبر اگرچہ کم عمر تھا لیکن اس نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بیرم خاں کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی وقت خواجہ خضر خاں کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے سکندر خاں کے مقابلے کا حکم دیا۔ خواجہ خضر کاں مغل سلاطین کے

خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور بابر کی بیٹی گلبدن بیگم سے اس کی شادی ہوئی تھی خود اکبر نے ہیمو بقال سے لڑائی کرنے کی ٹھانی اور روانہ ہوا۔

تردی خاں کا قتل

نوشہرہ میں شکست خوردہ امراء بھی بادشاہ سے مل گئے۔ ایک روز جب کہ اکبر سیر و شکار میں مشغول تھا بیرم خاں نے تردی بیگ کو اپنی قیام گاہ پر بلایا اور اس کے جرائم کے پیش نظر بغیر کسی قسم کی پوچھ گچھ کے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اکبر کو شکار گاہ ہی میں اس واقعے کی اطلاع ہو گئی۔ اور جب وہ واپس آیا تو بیرم خاں نے اس سے کہا مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور تردی خاں کو اس کے جرائم کے باوجود قتل کرنے میں تامل فرمائیں گے، لیکن میں نے آپ کے حکم کے بغیر ہی تردی خاں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس ہنگامہ خیز زمانے میں جب کہ ایک طرف تو ہیمو جیسے زبردست دشمن کی فوج ہمارے قریب ہی خیمہ زن ہے اور دوسری طرف خونخوار افغان سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے ہیں، تردی خاں جیسے زبردست سیاسی مجرم کا خاتمہ نہ کرنا دانش مندی سے بہت دور ہے۔" اکبر نے بیرم خاں کی عقل مندی کی تعریف کی اور اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔

بادشاہ کی دہلی کو روانگی

بعض معتبر اشخاص کا بیان ہے کہ اگر بیرم خاں تردی خاں کو قتل نہ کرتا تو چغتائی خاندان کبھی ملک پر قابو نہ پاتا اور شیر شاہ کا قصہ دوبارہ تازہ ہو جاتا۔ اس واقعے کے بعد تمام امراء نے جن میں ہر ایک اپنے آپ کو بجائے خود ایک حکمران تصور کرتا تھا بیرم خاں کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور بغاوت اور باہمی نفاق کی آلودگیوں کو اپنے دل و دماغ سے دور کر کے اپنے آقا پر جان نثار کر دینے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ نوشہرہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ علی قلی خاں سیستانی کی ماتحتی میں سکندر خاں اوزبک، عبد اللہ خاں، علی قلی خاں اور مجنوں خاں قاشقال وغیرہ امراء، بطور ہراول کے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ساتھ حسین قلی بیگ محمد صادق خاں پر اونچی شاہ قلی خاں محرم، میر محمد قاسم نیشاپوری اور سید محمد بارہہ، جو بیرم خاں کے خاصہ کے ملازم تھے وہ بھی روانہ ہوئے۔

شاہی لشکر اور ہیمو بقال میں لڑائی

دہلی میں ہیمو بقال نے اپنے آپ کو راجہ بکرماجیت مشہور کر رکھا تھا وہ بڑے غرور و تکبر کے ساتھ خود مختار حکومت قائم کئے ہوئے تھا۔ اکبر کی آمد کی خبر سن کر اس نے شادی خاں وغیرہ افغان امراء کو اپنے ساتھ ملایا اور ایک زبردست لشکر لے کر بادشاہ کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ اس نے افغانوں کی ایک جماعت کو بہت بڑے توپ خانے کے ساتھ اکبر کے ہراول کے دستے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، بادشاہی ہراول سے اس جماعت کا مقابلہ ہوا۔ اکبری سپاہیوں نے افغانوں کو شکست دی اور ان کو توپ خانہ چھین لیا۔

ہیمو بقال پانی پت کے نواحی علاقے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ چغتائی فوج قریب آ گئی ہے ہیمو نے اپنے فوجی سرداروں میں ہاتھی تقسیم کئے تاکہ یہ سردار ہاتھیوں پر سوار ہو کر میدان کارزار میں جائیں ۲/ محرم ۹۶۴ھ کو جمعہ کے دن صبح کے وقت علی قلی خاں سیستانی نے بھی اپنے لشکر کو مرتب و منظم کر کے جنگ کی تیاری شروع کی۔ طرفین میں جب لڑائی شروع ہوئی دونوں کے تجربہ کار جنگجو بہادروں نے خوب جی کھول کر مردانگی کے جوہر دکھائے اور فتح و کامرانی کے لیے ہر ممکن کوشش کی، مغل سپاہی تردی خاں کا انجام دیکھ چکے تھے اس لئے وہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ میدان کارزار میں جمے رہے۔

اسی دوران میں "ہوائی" نام کے ہاتھی پر ہیمو سوار ہوا۔ اس نے تین چار تجربہ کار سپاہیوں کو ساتھ لیا اور اپنے قلب لشکر سے جدا ہو کر شاہی فوج کی پہلی صف پر حملہ کر دیا۔ اس صف کو منتشر کرنے کے بعد ہیمو نے شاہی فوج کے قلب پر جہاں علی قلی خاں سیستانی موجود تھا حملہ کیا بیرم خاں کے سبھی ملازم قلب لشکر میں موجود تھے انہوں نے بڑی بہادری اور جواں ہمتی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے دیکھے کی ہر

ممکن تدبیر اختیار کی اسی ہنگامے میں ایک تیر ہیموں کی آنکھ پر لگا' اگرچہ اسے کاری زخم نہیں آیا تاہم اس کی آنکھ سے خون جاری ہو گیا۔ ہیمو کی آنکھ کی سرخی افغانوں کے لیے تیرہ بختی کا پیغام بن گئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ ہیمو نے اسی حالت میں اپنی آنکھ سے تیر نکالا۔ اور اس پر رومال باندھ کر باقی ماندہ لشکر کے ساتھ اِدھر اُدھر حملہ کرنے لگا اتفاق سے اس کا سامنا شاہ قلی خاں سے ہو گیا۔ شاہ قلی خاں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہاتھی پر کون سوار ہے۔ اس نے مہاوت پر حملہ کیا مہاوت نے اپنی جان بچانے کے لیے شاہ قلی خاں کو بتا دیا کہ ہاتھی پر ہیمو بیٹھا ہوا ہے یہ سن کر شاہ قلی بہت خوش ہوا وہ ہاتھی' مہاوت اور ہیمو کو گرفتار کر کے میدان جنگ سے ایک طرف لایا اور بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا۔

ہیمو کا قتل

مغلوں نے افغانوں کا تعاقب کر کے ان گنت افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ بادشاہ اپنے لشکر سے دو تین کوس کے فاصلے پر پیچھے آ رہا تھا شاہ قلی ہیمو کو لے کر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیرم خاں نے بادشاہ سے درخواست کی "جہاد فی سبیل اللہ کو پورا کرنے کی نیت سے حضور خود اس غیر مسلم کو تلوار کے گھاٹ اتاریں۔" اکبر نے ہیمو کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا اس وجہ سے وہ غازی کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد بیرم خاں نے اپنے ہاتھ سے ہیمو کا سر تن سے جدا کیا اور کابل روانہ کر دیا۔ ہیموں کا جسم دہلی بجھوا دیا گیا اس ہنگامے میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ہاتھی مغلوں کے ہاتھ لگے۔

اکبر دہلی میں داخل ہوا اور بیرم خاں کے وکیل ملا پیر محمد شیروانی کو میوات روانہ کیا۔ اس کارروائی سے مقصد یہ تھا کہ پیر محمد شیروانی ہیمو بقال کے اہل و عیال اور خزانے پر قبضہ کرے نیز ان افغانوں کو قتل کرے جو میوات میں مقیم ہیں۔ شیروانی نے میوات پہنچ کر شاہی حکم کی تعمیل کی۔

انہیں دنوں سلطان میرزا ابن بہرام میرزا بن شاہ اسمٰعیل صفوی کی زیر نگرانی قزلباشوں کی ایک فوج نے شاہ طہماسپ کے حکم سے قندھار کے نواح میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قزلباشوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قلعے کو اپنے قبضے میں کر لیا' جو بیرم خاں کے ملازم محمد شاہ قندھاری کی تحویل میں تھا۔

اکبر کی پنجاب کو روانگی

اکبر نے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سکندر شاہ کی سرکوبی کے لیے خواجہ خضر خاں کو مقرر کیا تھا خضر خاں نے سکندر شاہ کو شکست دی اور وہ لاہور جا کر پناہ گزین ہو گیا اکبر نے عزم جہاں کشائی میں کسی تاخیر کو مناسب خیال نہ کیا اور سکندر شاہ کے خاتمے کے لیے بذات خود پنجاب روانہ ہو گیا۔ سکندر شاہ اس وقت کلانور میں تھا بادشاہی لشکر سے مقابلہ کرنے کی سکت اس میں نہ تھی اس لئے وہ مانکوٹ کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ یہ قلعہ سلیم شاہ نے ککھروں کی بیخ کنی کے لیے پہاڑی علاقے میں ایک بلند ترین مقام پر تعمیر کروایا تھا۔ اکبر مان کوٹ گیا اور وہاں اس نے تین ماہ تک قیام کیا۔

اسی اثناء میں اکبر کی والدہ اور دیگر بیگمات اور امراء و سپاہ کے اہل و عیال جو اس وقت کابل میں تھے ان امیروں کے ساتھ اکبر کی خدمت میں پہنچے جو منعم خاں کی مدد کے لیے کابل گئے ہوئے تھے محمد حکیم میرزا اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ کابل ہی میں رہا اور وہاں کی حکومت اسی کے حوالے کی گئی۔ منعم خاں کو محمد حکیم میرزا کا اتالیق مقرر کیا گیا۔

سکندر شاہ کی اطاعت

جب مان کوٹ کے قلعے کے محاصرے کو چھ ماہ گزر گئے تو سکندر شاہ نے مجبور و معذور ہو کر بڑی عاجزی کے ساتھ بادشاہ سے درخواست کی۔ "حضور اپنا کوئی معتبر امیر میرے پاس بھیجیں تاکہ میں اپنا مدعا بیان کر کے شاہی حکم کے مطابق عمل کر سکوں۔" اکبر نے خان

اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ کو سکندر خاں کے پاس بھیج دیا۔ سکندر شاہ نے خان اعظم سے کہا۔ "میرے جرائم اس قدر زیادہ ہیں کہ بادشاہ کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے، لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اپنے فرزند شیخ عبد الرحمٰن کو شاہی حضور میں بھیجوں اور خود بنگالہ روانہ ہو جاؤں میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بادشاہ کے حلقہ اطاعت سے باہر نہ نکلوں گا۔" خان اعظم نے واپس آکر سکندر شاہ کی گفتگو اکبر سے بیان کی اکبر نے سکندر شاہ کی درخواست قبول کر لی۔ شیخ عبدالرحمٰن رمضان ۹۶۴ھ میں شاہی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے چند زنجیر ہاتھی بادشاہی خدمت میں پیش کئے سکندر شاہ قلعے سے نکل کر بنگالہ کی طرف چلا گیا۔

اکبر کی بیرم خاں سے بدگمانی

اکبر نے مان کوٹ کے قلعے کی حکومت اپنے قابل اعتبار درباریوں کے سپرد کی اور خود لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں بادشاہ کو بیرم خاں سے کچھ بدگمانی ہو گئی اور اس نے کچھ دن کے لیے سفر ملتوی کر دیا۔ ایک روز بادشاہ نے دو نامی گرامی ہاتھیوں کو لڑنے کے لیے میدان میں چھوڑا۔ یہ دونوں لڑتے ہوئے بیرم خاں کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ تماشائیوں کے شور و غل سے میدان گونج اٹھا۔ بیرم خاں نے یہ سمجھا کہ مست ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے اس کے خیمے کی طرف آنا، بادشاہ کے اشارے سے عمل میں آیا ہے۔ بیرم نے ماہم آنکہ کو یہ پیغام بھجوایا۔ "مست ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے میرے خیمے کی طرف آنا کس کے اشارے سے عمل میں آیا؟ میں اس کا سبب سمجھنے سے قاصر ہوں اگر کسی چغلخور نے میری طرف سے کوئی ناگوار بات بادشاہ سے کہی ہو اور اس بنا پر بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہو تو مجھے بتایا جائے میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔" ماہم آنکہ نے جواب دیا ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے آپ کے خیمہ کے قریب پہنچ جانا محض ایک اتفاقی امر تھا اسے کسی سازش کا نتیجہ نہ سمجھئے۔" لیکن اس جواب سے بیرم خاں مطمئن نہ ہوا۔

لاہور پہنچ کر اس سلسلے میں بیرم خاں نے خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ سے گفتگو کی۔ خان اعظم سے بیرم خاں پہلے ہی بدگمان تھا خان اعظم نے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ اس نے خلوت و جلوت کسی موقع پر بھی بیرم خاں کے خلاف بادشاہ سے کوئی بات نہیں کی۔

بیرم خاں کی شادی

اکبر ۱۵/ صفر ۹۶۵ھ کو دہلی کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں شکار کھیلتا ہوا اسی سال جمادی الثانی کی ۲۵/ تاریخ کو دہلی جا پہنچا۔ راستے میں جالندھر کے مقام پر بیرم خاں کا عقد سلیمہ سلطان بیگم سے کرا دیا گیا یہ رشتہ اکبر کے حکم سے کیا گیا سلیمہ میرزا نور الدین محمد کی بیٹی جو ہمایوں کا نواسہ تھا۔

علی قلی خاں سے اکبر کی ناراضگی

اسی سال شرقی صوبے کے حاکم اور پنج ہزاری امیر علی قلی سیستانی المخاطب بہ خاں زماں سے ایک ایسی ناشائستہ حرکت ہو گئی کہ اکبر اس سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ علی قلی کا قصور یہ تھا کہ اس نے شاہم بیگ نامی لڑکے کو اپنے پاس بلا لیا یہ لڑکا بادشاہ کے ملازمین میں شامل تھا اور اس سے پہلے خوبصورت اور تنومند جوان ہونے کی وجہ سے ہمایوں کا منہ چڑھا ملازم رہ چکا تھا۔ خاں زماں نے شاہم بیگ کو اپنے ساتھ رکھ کر ماوراء النہر کے بدمعاشوں کی طرح زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ خان زماں اس انداز سے شاہم بیگ کی آؤ بھگت اور تعظیم کیا کرتا تھا کہ جیسے خادم اپنے بادشاہوں کی عزت کیا کرتے ہیں۔

لوگوں کو ان تعلقات کا علم ہو گیا ہوتے ہوتے یہ واقعہ بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچا۔ اکبر نے خاں زماں اور شاہم بیگ دونوں کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ خاں زماں نے شاہم بیگ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجنے میں تساہل سے کام لیا یہ صورت حال دیکھ کر بادشاہ نے ملا پیر محمد کے مشورہ سے خان زمان کی تنبیہہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا یہ دیکھ کر خاں زماں بہت خائف ہوا اور اپنے ایک ملازم فرجلی نامی کو عذر خواہی کے لئے دہلی روانہ کیا۔ دہلی پہنچ کر فرجلی نے سوچا کہ چونکہ ملا پیر محمد کے مشورے کے بغیر بادشاہ کوئی کام نہیں کرتا لہٰذا پہلے

اس سے ملنا چاہئے ملا پیر محمد خاں زماں کے شیعہ اور متعصب انسان ہونے کی وجہ سے اس سے بہت ناراض تھا نیز وہ خاں زماں کو بیرم خاں کا ہمدرد سمجھتا تھا جب فرجعلی پیر محمد کے پاس پہنچا تو پیر محمد نے اسے خوب مارا پیٹا اور پھر کوٹھے سے نیچے گرا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

شاہم بیگ کا قصہ

علی قلی خاں سمجھ گیا کہ بادشاہ کا ماحول اس وقت بہت بگڑا ہوا ہے اور اس کے دشمن شاہم بیگ کے قصے کو بہانہ بنا کر اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہیں علی قلی نے شاہم بیگ کو بادشاہ کے پاس دہلی روانہ کر دیا۔ شاہم سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سرور پور نامی ایک پرگنے میں داخل ہوا یہ پرگنہ عبد الرحمٰن نامی ایک شخص کی جاگیر میں شامل تھا شاہم اور عبدالرحمٰن دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ شاہم نے عبد الرحمٰن کو مغلوب کر لیا اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے عبد الرحمٰن کے بھائی موید بیگ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ ایک مسلح جماعت کے ہمراہ شاہم بیگ سے لڑنے کے لیے آیا اس لڑائی میں اتفاق سے شاہم بیگ کو ایک تیر لگا زخم بہت کاری لگا۔ اس وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔

علی قلی خاں کو جب شاہم کے انتقال کی خبر ملی تو وہ اس کا انتقام لینے کے لیے سرور پور روانہ ہو گیا اس دوران میں عبد الرحمٰن بھاگ کر بادشاہ کے پاس جا چکا تھا اس لیے علی قلی شاہم کی لاش لے کر واپس جونپور آ گیا۔

مصاحب بیگ کا قتل

انہیں دنوں خواجہ کلاں بیگ کے بیٹے مصاحب بیگ نے جو بیرم خاں کا ملازم تھا اس نے اپنے اسلاف کی پیروی نہ کی اور بیرم خاں (جو تیس ہزار سواروں کا مالک تھا) کے خلاف ہو گیا مصاحب خاں کو اس کی اس حرکت پر بارہا ٹوکا بھی گیا' لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بیرم خاں نے مجبور ہو کر اس کو دہلی میں قتل کروا دیا' مصاحب کے قتل سے چغتائی امراء بہت جزبز ہوئے خود بادشاہ کو بھی مصاحب کی موت کا افسوس ہوا۔

ملا پیر محمد کی گرفتاری

۹۶۶ھ میں اکبر دریا کے راستے سے آگرہ روانہ ہوا۔ ابھی بادشاہ کے دل میں مصاحب کے واقعے کی یاد تازہ تھی کہ ایک اور حادثہ پیش آیا پیر محمد کا اقتدار اور غلبہ بیرم خاں کو پسند نہ تھا اس لئے خاں خاناں نے ملا کے قصے کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پیر محمد بادشاہ کا استاد اور مقرب خاص تھا۔ اکثر اراکین سلطنت اور امراء اس کے گھر کے چکر کاٹتے تھے لیکن ملاقات کی نوبت نہ آتی تھی انہیں دنوں ملا بیمار پڑا اور بیرم خاں عیادت کے لیے اس کے گھر گیا۔ دربان نے بیرم خاں سے کہا جب تک ملا پیر محمد اجازت نہ دے دے آپ مکان کے اندر نہیں جا سکتے اور اس وقت تک آپ کو باہر ہی انتظار کرنا ہو گا۔" اس بات سے بیرم خاں کو بہت افسوس ہوا ملا پیر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً باہر آیا اس نے بیرم خاں سے معذرت طلب کی اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ اس کے باوجود بھی بیرم خاں اپنے ساتھ ایک سے زیادہ ملازم اندر نہ لے جا سکا اس سے وہ اور زیادہ چراغ پا ہوا۔ اور ملا پیر محمد سے پہلے سے بھی زیادہ کبیدہ خاطر ہو گیا۔ بیرم خاں نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملا پیر محمد کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا۔ اور چند روز کے بعد اسے خارج البلد کر کے بذریعہ کشتی مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ بیرم خاں نے ملا کی جگہ حاجی محمد خاں سیستانی کو وکیل السلطنت مقرر کیا۔ نیز دلی کے شاعر شیخ گدائی ولد شیخ جمالی کو (جس نے شیر شاہی ہنگامے کے دوران میں بیرم خاں کی گجرات میں بہت خدمت کی تھی) صدارت و امارت کے عہدوں پر مقرر کیا۔

قلعہ گوالیار کی تسخیر

ملا پیر محمد کے واقعے سے اکبر کے دل میں بیرم خاں کی طرف سے کچھ اور بدگمانی بڑھی بیرم خاں نے بادشاہ کے ذہن سے یہ خیال دور کرنے کے لیے بادشاہ کو قلعہ گوالیار کی فتح کی طرف متوجہ رکھا یہ قلعہ سلیم شاہ کا مسکن تھا اس کا ایک غلام سہیل نامی محمد شاہ عدلی کی

طرف سے قلعے کا منتظم تھا سہیل کو جب بیرم خاں کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے راجہ مان سنگھ کے پوتے رام شاہ کو یہ پیغام دیا تمہارے اسلاف اس قلعے کے حاکم تھے اب اکبر بادشاہ کی نظر اس قلعے پر ہے۔ میں اتنے عظیم الشان بادشاہ کے مقابلے پر قلعے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم قلعے کو اپنے قبضے میں کر لو اور اس کے معاوضے میں مجھے جو کچھ دے سکو دے دو۔"

رام شاہ نے اس خوشخبری کو غیبی امداد تصور کیا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہو گیا اس علاقے کا اکبری جاگیردار اقبال خاں بیرم خاں کے حسب الحکم رام شاہ کے راستے میں حائل ہوا اس نے بڑی محنت سے رام شاہ کو شکست دے کر اسے رانا کے علاقے کی طرف بھگا دیا اس کے بعد اقبال خاں نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا سہیل نے بیرم خاں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیج کر فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار کیا بیرم خاں نے تمام واقعہ اکبر کے گوش گزار کر کے حاجی محمد خان کو گوالیار روانہ کیا تاکہ وہ قلعے پر قبضہ کر کے سہیل کو بیرم خاں کے پاس لے آئے۔

جونپور اور بنارس کی فتح

اسی سال خان زماں علی قلی خاں سیستانی نے جو اکبر کے دل سے اپنے متعلق کدورت کو دور کرنے کا خواہاں تھا جونپور اور بنارس کے علاقے فتح کر کے شاہی مقبوضات میں شامل کئے خان زماں کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اکبر اس سے مہربانی کرنے لگا یہ علاقے ہمایوں کے عہد میں افغانوں کے قبضے میں چلے گئے تھے اکبر نے خان زماں اور اس کے بھائی کو خلعت کمر بند اور شمشیر مرصع عنایت کی۔

اسی سال ماہ رجب میں شیخ بہول کا بھائی محمد غوث جو خاندان تیموریہ کا خیر خواہ تھا اور افغانوں کے غلبے کے دنوں میں گجرات میں قیام پذیر تھا اپنے بیٹوں اور مریدوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ محمد غوث بیرم خاں سے مایوس ہو کر اپنے قدیم وطن گوالیار چلا گیا اس وجہ سے اکبر کو بیرم خاں کی طرف سے اور زیادہ بدگمانی ہوئی اور اس کو صدمہ ہوا اس بار بھی بیرم خاں نے بادشاہ کے دل کو بہلانے اور اس کی توجہات کو دوسری طرف منعطف کرنے کی کوشش کی اس نے علی قلی سیستانی کے بھائی بہادر کو جو پنج ہزاری امیر تھا طلب کیا اور اسے ایک لشکر جرار کے ساتھ مالوہ کی فتح کے لیے روانہ کیا مالوہ ان دنوں باز بہادر کے قبضے میں تھا۔

اتفاق سے انہیں دنوں بادشاہ کو شکار کا شوق ہوا۔ اکبر نے سلطنت کے تمام امور بیرم خاں کے حوالے کئے اور اسے آگرہ ہی میں چھوڑ کر خود شکار کے لیے روانہ ہوا اکبر مضافات دہلی میں سکندر آباد پہنچا بیرم خاں کے سخت ترین دشمن ماہم اتکہ اور ادہم خاں نے بادشاہ سے عرض کی۔ "حضور کی والدۂ محترم مریم مکانی ان دنوں سخت بیمار ہیں اور دہلی میں صاحب فراش ہیں۔ اگر حضور ان کی عیادت کے لیے تشریف لے چلیں تو اس سے ان کو خوشی ہو گی۔" اکبر نے اسے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دہلی کا رخ کیا۔

اکبر کا دہلی پہنچنا

صوبہ دار دہلی شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری نے جو ماہم اتکہ کا داماد تھا بادشاہ کا استقبال کیا اور بہت سے گراں قدر اور نادر تحفے اس کی خدمت میں پیش کئے شہاب الدین اور ادہم خاں دونوں نے بالاتفاق ایک روز بادشاہ سے عرض کیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دن قریب آ گئے ہیں کیونکہ بیرم خاں حضور کے اس سفر کو ہماری التجا اور درخواست کا نتیجہ سمجھ کر مصاحب بیگ کی طرح ہمیں بھی تلوار کے گھاٹ اتار دے گا اس لیے بہتر یہی ہو گا کہ حضور ہمیں مکہ معظمہ اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کی اجازت دیں تاکہ ہم خیر خواہان حکومت اپنی جان بچا سکیں اور حضور کے اقبال و عمر کی زیادتی کے لیے دعا مانگتے رہیں۔"

بیرم خاں کی مخالفت

ان دونوں کی یہ التجا سن کر اکبر بہت متاثر ہوا لیکن بیرم خاں کو ایک دم معزول کر دینا مناسب نہ تھا کیونکہ اس نے بڑی جانفشانی سے حکومت اور بادشاہ کی خدمت کی تھی تاہم بادشاہ نے بیرم خاں کے نام ایک خط لکھا کہ "میں دہلی میں محض مریم مکانی کی عیادت کے لیے

آیا ہوں۔ یہ سفر شہاب الدین اور ادہم خاں کے مشورے کا نتیجہ نہیں ہے اس لیے اگر تم ان دونوں کو ایک تسلی آمیز خط اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دو تو یہ دونوں مطمئن ہو جائیں گے۔" شہاب الدین نے اس موقع پر کھلم کھلا ایسی باتیں کیں جن سے بیرم خاں کی غداری اور سرکشی کا پتہ چلتا تھا اس طرح گویا شہاب الدین نے بادشاہ کو بیرم خاں سے پوری طرح بدگمان و برگشتہ کر دیا۔

بیرم خاں کے پاس جب بادشاہ کا خط پہنچا تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے اسی وقت بادشاہ کو یہ جواب لکھا۔ "اس قسم کی بدگمانیوں سے میں لاکھوں کوس دور ہوں یہ ناممکن ہے کہ خیر خواہان حضور اور بہی خواہان سلطنت کے متعلق کوئی برا خیال میرے دل میں آئے۔" بیرم خاں نے یہ خط اپنے قلم سے لکھا اور حاجی محمد خاں سیستانی اور ترسون بیگ کے توسط سے بادشاہ تک پہنچایا۔ بادشاہ کے حکم سے بیرم خاں کے دونوں قاصدوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان قاصدوں کی گرفتاری کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی۔ اور امراء اور منصب داروں کے گروہ کے گروہ بیرم خاں سے جدا ہو کر بادشاہ کے پاس دہلی روانہ ہو گئے۔

شاہ ابو المعالی کی گرفتاری

اسی دوران میں شاہ ابو المعالی لاہور کے قید خانے سے فرار ہو کر کمال خاں ککھر کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اس نے کمال خاں کو کشمیر کی فتح کے لیے اکسایا۔ کمال خاں نے ابو المعالی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کشمیر پر حملہ کیا' لیکن شکست کھا کر واپس آ گیا اس شکست کی وجہ سے اس نے شاہ ابو المعالی کو علیحدہ کر دیا کمال سے جدا ہو کر ابو المعالی دیپال پور آیا اور وہاں بہادر خاں کے خلاف سازش میں مصروف ہوا بہادر خاں نے اسے گرفتار کر کے سندھ کی جانب بھجوا دیا۔ یہاں سے وہ گجرات میں آیا گجرات میں اس پر ایک قتل کا الزام لگایا گیا اور اس سلسلے میں وہ جونپور میں علی قلی خاں سیستانی کے پاس بھیجا گیا۔ علی قلی خاں نے بیرم خاں کے اشارے سے ابو المعالی کو آگرہ روانہ کر دیا۔ ان دنوں بادشاہ دہلی ہی میں مقیم تھا بیرم خاں نے ابو المعالی کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا۔

بیرم خاں کے ارادے

اس واقعے کے بعد بیرم خاں سے اکبر کی برگشتگی پہلے سے زیادہ ہو گئی لہٰذا بیرم خاں نے یہ طے کیا کہ مالوہ کو فتح کر کے خود مختاری کا اعلان کر دے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بیرم خاں آگرہ سے بیانہ پہنچا بیرم خاں نے بہادر خاں اور دیگر امراء کو جو مالوہ پہنچ چکے تھے اپنے پاس بلایا اس کے بعد وہ امراء جن پر بیرم خاں کو بہت اعتماد تھا اس سے جدا ہو کر بادشاہ کے پاس دہلی چلے گئے اس سے بیرم خاں کو اپنی تباہی و بربادی کا یقین ہو گیا اور وہ اپنے سفر مالوہ سے بہت ہی نادم ہوا۔

بیرم خاں نے ابو المعالی کو آزاد کر دیا اور جونپور جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جا کر اپنے بہی خواہ علی قلی خاں سیستانی کے ہمراہ بنگالہ کے افغانوں کو زیر کر کے اس علاقے میں خود مختار حکومت قائم کرے اس ارادے کے پیش نظر اس نے جونپور کا سفر اختیار کیا لیکن ابھی وہ چند منزلیں ہی طے کر پایا تھا کہ اس کا ارادہ بدل گیا اور اس نے حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا اور ناگور کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیرم خاں کے ساتھی امراء بہادر خاں اور اقبال خاں جو اب تک اس کے ساتھ تھے انہیں بیرم خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

بیرم خاں کا عزم مکہ معظمہ

جب بیرم خاں ناگور کے قریب پہنچا تو اس کی نیت پھر بدل گئی اور اس نے بعض لوگوں کے بہلانے پھسلانے پر حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب وہ پنجاب میں آزادانہ حکومت قائم کرنے کے ارادے سے لشکر جمع کرنے لگا اکبر کو ان تمام حالات کی خبریں پہنچیں اور اس نے اپنے استاد میر عبد اللطیف قزوینی کو (جو ملا پیر محمد کے بعد بادشاہ کو استاد مقرر ہوا تھا) بیرم خاں کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا۔ "جب تک میں سیر و شکار کی طرف مائل رہا اس وقت تک میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حکومت کے تمام معاملات تم ہی سلجھاتے رہو' مگر اب میں عنان

حکومت خود اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہوں اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم دنیاوی مشاغل سے کنارے کش ہو کر مکہ معظمہ چلے جاؤ اور حرم و ہوا کو اپنے پاس بھی نہ آنے دو۔" بیرم خاں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ کار نہ پا کر علم و نقارہ اور دیر اسباب امارت بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور خود ناگور کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ گجرات کے راستے مکہ معظمہ کی طرف چلا جائے۔

بیرم خاں کے ساتھ جو لوگ رہے ان کے نام یہ ہیں بحروتی بیگ ذوالقدر' اسمٰعیل خاں (یہ دونوں بیرم خاں کے داماد تھے) شاہ قلی خاں' محرم حسین خاں تکلو' شیخ گدائی' خواجہ مظفر علی ترمذی (جو بیرم خاں کا میر دیوان تھا) اور کچھ دوسرے قابل اعتبار لوگ باقی تمام لوگ جو بیرم خاں کے پروردہ و پرداختہ تھے اور اس کی وفاداری کا دم بھرتے تھے ایک ایک کر کے بیرم خاں سے جدا ہو کر بادشاہ سے جا ملے شاہ ابو المعالی بھی انہیں لوگوں میں شامل تھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی بادشاہ کو سلام کیا اکبر کو یہ انداز پسند نہ آیا اس وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔

بیرم خاں کے خلاف کارروائی

بیرم خاں ناگور ہوتا ہوا بیکانیر پہنچا وہاں اس نے چند روز قیام کیا اس دوران میں اس کی نیت پھر بدل گئی اور اس نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ اکبر کو جب یہ خبر ملی تو وہ سخت ناراضگی کے عالم میں دہلی سے جھجھر آیا انہیں دنوں ملا پیر محمد کو جب بادشاہ کی بیرم خاں سے برگشتگی کا علم ہوا تو وہ شاہی خدمت میں حاضر ہوا اکبر نے اسے محمد خاں کے خطاب اور علم و نقارہ وغیرہ سے سرفراز کر کے بیرم خاں کے مقابلے کے لیے نامزد کیا۔ اکبر جھجھر سے دہلی واپس آ گیا اور اس نے فرمان بھیج کر منعم خاں کو کابل سے دہلی طلب کیا۔ بیرم خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ملا پیر محمد کو اس سے جنگ کرنے کے لیے نامزد کیا گیا ہے تو اسے بہت افسوس ہوا اور وہ بادشاہ سے لڑنے کے لیے پہلے سے زیادہ مستعد ہو کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

بیرم خاں کا عزم پنجاب

ملا پیر محمد خاں کا تعاقب کیا بیرم خاں سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بٹھنڈہ جا پہنچا۔ اس نے اپنا ضرورت سے زیادہ سامان وہاں کے قلعے میں چھوڑا اور خود آگے بڑھا۔ قلعہ بٹھنڈہ بیرم خاں کے ایک پرانے خدمت گزار شیر محمد کی تحویل میں تھا اس نے بیرم خاں کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا اور اس کے ملازموں کو بہت ذلت و رسوائی کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔ بٹھنڈہ سے بیرم خاں دیپالپور کی طرف روانہ ہوا اس علاقے کا حاکم درویش محمد ازبک تھا جو بیرم خاں کا ایک قدیم نمک خوار تھا۔ دیپالپور کے قریب پہنچ کر بیرم خاں نے اپنے دیوان خواجہ مظفر علی کو درویش محمد کے پاس بھیجا اور اسے بلوایا۔ درویش محمد نے بھی دوسروں کی طرح بے وفائی کی اور اس نے یہی نہیں کہ بیرم خاں کے پاس آنے سے انکار کیا بلکہ خواجہ مظفر علی کو بھی قید کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔

معرکہ آرائی اور بیرم خاں کی شکست

بیرم خاں کو درویش محمد سے بہت سی توقعات تھیں لیکن اس کی روش دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی لہٰذا وہ جالندھر کی طرف چل دیا۔ اکبر نے ملا پیر محمد کو اپنے پاس واپس بلوا لیا اور خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ کو مع اس کے بیٹوں اور بھائیوں کے پنجاب کی حکومت کے انتظامات اور بیرم خاں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ ماچھواڑہ کے قلعے کے قریب خان اعظم بیرم خاں سے جا ملا اور فریقین کے بہادر سپاہی ایک دوسرے کے خون کا دریا بہانے لگے۔ ولی بیگ اسمٰعیل قلم خاں اور اس کے بیٹے حسین خاں اور شاہ قلی خاں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور خان اعظم کے لشکر میں کھلبلی مچا دی لیکن کب تک؟ جب خان اعظم نے بیرم خاں کے قلب لشکر پر حملہ کیا تو کئی بہادر و جان باز بیرمی سپاہی جن میں ولی بیگ بھی شامل تھا قتل کیے گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر بیرم خاں میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور کوہستان سوالک کی طرف چل دیا۔

بیرم خاں کی معذرت خواہی

اس فتح کے بعد اکبر نے دہلی کے انتظامات خواجہ عبدالجید کے سپرد کئے اسے "آصف خاں" کے خطاب سے نوازا اور خود لاہور کی طرف چل دیا۔ جب بادشاہ لدھیانہ پہنچا تو وہاں منعم خاں نے کابل سے آکر بادشاہ سے ملاقات کی اکبر نے اسے "خانخاناں" کا خطاب دے کر وکالت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ اس کے بعد اکبر مع اپنے لشکر کے کوہستان سوالک میں پہنچا اکبری لشکر کی ایک جماعت بغیر کسی خوف و خطر کے پہاڑی علاقے میں داخل ہو گئی۔ سوالک کے زمینداروں نے جو بیرم خاں کے حلیف تھے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا ان زمینداروں کو شکست فاش ہوئی آخر کار بیرم خاں نے مجبور و معذور ہو کر اپنے ایک غلام جمال خاں نامی کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی سابقہ خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ بادشاہ نے بیرم خاں کی تسلی و تشفی کے لیے ملا عبد اللہ سلطان پوری المخاطب بہ مخدوم الملک کو اس کے پاس بھیجا۔

بادشاہ سے ملاقات

ربیع الثانی ۹۶۸ھ میں بیرم خاں مخدوم الملک کے ہمراہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت کو بیرم خاں کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ یہ امیر بیرم خاں کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی بیرم خاں نے اپنی پگڑی گلے میں ڈالی اور اکبر کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگا۔ بادشاہ نے بہت خلوص و محبت سے بیرم خاں کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا اور اسے اس کی پرانی جگہ پر اپنے پاس بٹھایا۔ بیرم خاں کی ندامت کو مٹانے کے لیے اکبر نے اسے خلعت سے سرفراز کیا اور کہا اگر تم کو نظم و نسق کے کاموں سے دلچسپی ہو تو میں کالپی اور چندیری کا علاقہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری مصاحبت میں رہنا چاہتے ہو تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے اور اگر تم حرمین شریف کی زیارت کی تمنا رکھتے ہو تو میں تمہیں مکہ معظمہ بھجوا دوں گا۔"

شاہانہ نوازشات بیرم خاں پر

بیرم خاں نے جواب دیا۔ "مجھے حضور کی ذات سے جو اعتقاد اور خلوص و محبت ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی مجھ سے جو حرکات عمل میں آئی ہیں ان کا منشا محض یہ ہے کہ ملازمت حاصل کر کے حضور کی خدمت بجا لاؤں۔ خداوند تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے جو کچھ میں چاہتا تھا وہی ہوا اب میری یہ آرزو ہے کہ مقامات مقدسہ میں جا کر حضور کی عمر اور اقبال کی ترقی کی دعا کروں۔" اکبر نے اسی وقت بیرم خاں کو پچاس ہزار روپے عنایت کیے اور اسے حج کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔

بیرم کا عزم گجرات

اکبر نے بیرم خاں کو رخصت کیا اور خود شکار کھیلتا ہوا حصار فیروز پور کے راستے آگرے کی طرف روانہ ہوا۔ بیرم خاں گجرات کی طرف چل دیا تاکہ وہاں کسی بندرگاہ سے بذریعہ کشتی مکہ معظمہ کا راستہ لے بیرم خاں گجرات پہنچا اور ایک نواحی علاقے میں مقیم ہوا ان دنوں وہاں کی عنان اقتدار موسیٰ خاں لودھی کے ہاتھ میں تھی ایک رات جو جمادی الاول کی چودھویں رات تھیں' بیرم خاں نے سہنیک کے نظارے سے لطف اندوز ہونے کے لیے دریا میں کشتی کی سیر کی۔ اس کے ساتھ سازندوں اور گویوں کا بھی ایک گروہ تھا۔ "سہنیک" کا مطلب یہ ہے کہ ہندی زبان میں سہن کے معنی ایک ہزار کے ہیں اور یک مندر کو کہتے ہیں چونکہ اس جگہ ایک ہزار مندر تھے اس لیے اس مقام کو "سہنیک" کہا جاتا تھا۔ رات بھر بیرم خاں دریا کی سیر اور اس مقام کے نظاروں سے محظوظ ہوتا رہا جب صبح ہوئی تو وہ کشتی سے اتر کر اپنی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

بیرم خاں کا قتل

اسی دوران میں ایک لوحانی افغان' جس کا نام مبارک خاں تھا' وہ بیرم خاں کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ ہیمو بقال میں' مبارک خاں کا باپ' بیرم خاں کے نوکروں کے ہاتھ مارا گیا تھا۔ مبارک خاں آگے بڑھا اور اس نے اپنے خنجر سے بیرم خاں پر دو تین وار کیے۔ بیرم خاں لاعلمی کی وجہ سے اپنا تحفظ نہ کر سکا۔ زخم اتنے کاری تھے' کہ وہ ان کی تاب نہ لا کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بیرم خاں کے قتل کے بعد' افغانوں نے اس کے لشکر پر چھاپہ مارا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے لگا۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور نے بیرم خاں کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو اپنے ساتھ لیا اور گجرات کی طرف بھاگ نکلے۔ عبدالرحیم کی والدہ' حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں کی بیٹی تھی۔ عبدالرحیم کی تاریخ پیدائش ۱۴ صفر ۹۶۴ھ ہے۔ گجرات کے حاکم اعتماد خاں نے عبدالرحیم کو اکبر کے پاس آگرہ بھجوا دیا۔ عبدالرحیم کا تفصیلی تذکرہ آئندہ اوراق میں آئے گا۔ الغرض بیرم خاں مغلیہ خاندان کا بڑا نامی گرامی امیر تھا۔ اس کے باپ دادا' امیر تیمور کی اولاد کی بارگاہ میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے تھے۔ بیرم خاں کا نسب نامہ یہ ہے۔ بیرم خان بن سیف علی بن یار علی بن شیر علی... شیر علی کا نسب علی شکر ترکمان بھارلو تک پہنچتا ہے۔ جس زمانے میں عراق پر زوزن حسن سلطان نے قبضہ کیا اور سلطان ابو سعید میرزا کی شہادت عمل میں آئی ان دنوں شیر علی عراق کی حدود سے بھاگ نکلا اور خضار اور شادمان میں جا کر میرزا سلطان محمد بن سلطان ابو سعید میرزا کے پاس پناہ گزین ہوا۔

بیرم خاں کے بزرگ

میرزا سلطان نے شیر علی کو قابل التفات نہ سمجھا' اس وجہ سے شیر علی کابل چلا گیا وہاں اس نے آٹھ سو (۸۰۰) تجربہ کار نوجوانوں کا ایک لشکر تیار کیا۔ اور شیراز کو فتح کرنے کے ارادے سے فارس کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سیستانی اور ترکمانی نوجوانوں کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ بھی اس کے ساتھ ہوتے گئے۔ اور جب وہ شیراز پہنچا تو اس کے ساتھ اچھا خاصہ لشکر تھا۔ زوزن حسن کے خدمت گاروں نے شیر علی کا مقابلہ کیا۔ اس معرکے میں شیر علی کو شکست ہوئی اور وہ اپنا تمام مال و اسباب تباہ کر کے بحال خراب خراسان کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں شیر علی ہر ممکن طریقے سے لشکر اور مال و اسباب جمع کرتا رہا۔ اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی دست درازیاں کرتا تھا۔ ہرات کے حاکم میرزا سلطان حسین کے خدمتگاروں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے شیر علی پر راستے ہی میں حملہ کر دیا۔ فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ شیر علی میدان جنگ میں کام آیا اور اس کی اولاد اور ملازم ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ شیر علی کے فرزند اکبر یار علی بیگ نے قندوز پہنچ کر خسرو شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ جب بابر نے خسرو شاہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا تو یار علی بیگ اور اس کا بیٹا سیف علی بیگ' بابر کے ملازم ہو گئے۔ یار علی بیگ کے بعد سیف علی بیگ باپ کا جانشین ہوا اور اسے غزنی کی جاگیر داری ملی۔ سیف علی نے جب غزنی ہی میں وفات پائی تو اس کا بیٹا بیرم خاں اس وقت بہت چھوٹا تھا اس لئے وہ اپنے عزیزوں کے پاس بلخ چلا گیا۔ بیرم کی تعلیم و تربیت بڑی اچھی طرح ہوئی اس نے متعدد علوم میں کمال حاصل کیا۔ جب وہ جوان ہوا تو کابل چلا گیا اور وہاں نصیر الدین ہمایوں' جو ان دنوں شہزادہ تھا کا ملازم ہو گیا۔ بیرم خاں نے اپنی پسندیدہ عادت موزون طبع' بلندی کردار اور فن موسیقی کی وجہ سے ہمایوں کے دل میں گھر کر لیا اور اس کا مصاحب خاص بن گیا۔ جب بیرم خاں کی عمر سولہ (۱۶) سال کی تھی۔ اس نے ایک جنگ میں بڑی بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا اور اس وجہ سے اسے بہت شہرت ملی۔ بابر نے بھی بیرم خاں کا تذکرہ سنا اور اسے اپنے حضور میں طلب فرما کر بات چیت کی۔ بابر کو جب بیرم خاں کی قابلیت کا اندازہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ شاہزادہ ہمایوں کے ساتھ وہ بھی شاہی مجلس میں حاضری دیا کرے۔

بیرم خاں کا کردار

اس کے بعد بیرم خاں نے جس طرح ترقی کی اور جن بلند عہدوں پر فائز ہوا اس کی تفصیل سے قارئین کرام پوری طرح واقف ہیں۔
بیرم خاں بڑا انسان دوست اور متقی و پرہیز گار تھا۔ اس کی مجلس میں ہمیشہ اہل علم اور صاحبان دانش کا مجمع رہتا تھا۔ باکمال مطربوں، حسین ساقیوں اور ماہر گانے والوں سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی۔ وہ مجلس آرائیوں اور آداب شاہی میں بڑا ماہر تھا۔ شعر گوئی اور انشا پردازی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے فارسی اور ترکی زبانوں کے دو دیوان موجود ہیں۔ اس نے ائمہ اہل بیت کی مدح میں جو قصیدے لکھے... وہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔

مالوہ کی فتح

اکبر نے اوہم خاں اتکہ کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ مالوہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ باز بہادر ان دنوں سارنگ پور میں عیش کوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مغلوں کی فوج اس سے دس کوس کے فاصلے پر ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اس وقت عیش و عشرت کے ہنگاموں کو خیرباد کہا اور مغلوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ سارنگ پور کے قریب ہی فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ مغلوں نے پہلے ہی حملے میں باز بہادر کو بدحواس کر دیا اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر برہان پور کی طرف ہو لیا۔ اوہم خاں نے باز بہادر کے تمام ساز و سامان اور مغنیہ لونڈیوں پر قبضہ کر کے مالوہ کو امرا میں تقسیم کر دیا۔ اوہم خاں نے مال غنیمت میں سے سوائے چند زنجیر ہاتھیوں کے بادشاہ کے لئے اور کچھ نہ بھیجا۔

اکبر نے خود بھی اس علاقے کا سفر کیا وہ کاکردن کے قصبے میں پہنچا یہاں کے قلعے کا حاکم باز بہادر کا ملازم تھا اس نے قلعہ اکبر کے حوالے کر دیا رات ہوتے ہی اکبر نے سارنگ پور کی طرف رخ کیا اور صبح کے وقت وہاں جا پہنچا۔ اوہم خاں اسی دن سارنگ پور سے کاکردن کی طرف روانہ ہوا تھا اسے جب بادشاہ کی آمد کا علم ہوا تو وہ شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بہت ندامت و معذرت کے ساتھ تمام مال غنیمت بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ اکبر نے اوہم خاں کا قصور معاف کر دیا اور آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں نرور کے علاقے میں ایک زبردست شیر شاہی قافلے کے سامنے نمودار ہوا۔ بادشاہ نے اکیلے ہی اس کا مقابلہ کیا اور تلوار کے چند وار ایسے مارے کہ شیر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ امراء اور منصب داروں نے اکبر پر سے صدقے اتارے اور اس کی سلامتی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

شیر خاں بن محمد شاہ عدلی کی شکست

اسی زمانے میں محمد شاہ عدلی کے بیٹے شیر خاں نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ جونپور کو مغلوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے دریائے گنگا کو پار کیا۔ خاں زماں علی قلی بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ خان زماں نے شجاعت و بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ شیر خاں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ علی قلی خاں کے بھائی بہادر خاں نے اس معرکے میں کئی ایسے افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا جو بزعم خود ہزار ہزار سواروں کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ اس فتح کے بعد علی قلی اور بہادر خاں کی شجاعت و دلیری کی بڑی شہرت ہوئی۔ دوسروں نے تو ان کی بہادری کو سراہا ہی تھا لیکن یہ خود بھی اپنی بہادری کے نشے میں ایسے چور ہوئے کہ انہوں نے اس معرکے کے گرفتار شدہ ہاتھیوں میں سے ایک بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کیا۔

اکبر کو ان دونوں بھائیوں کا یہ طریق کار پسند نہ آیا اور وہ کالپی کے راستے سے واپس روانہ ہوا۔ جب اکبر کڑہ مانک پور سے ایک کوس کے فاصلے پر پہنچا تو علی قلی اور بہادر خاں دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے وہ تمام ہاتھی اور تحائف جو انہوں نے شیر خاں بن محمد شاہ عدلی سے حاصل کیے تھے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ اکبر نے دونوں بھائیوں کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا سفر کی تیسری منزل پر پہنچ کر اکبر نے علی قلی اور بہادر خاں کو ان کی جاگیر کی طرف

روانہ کیا اور وہ آگرہ جا پہنچا۔ حاکم پنجاب خان اعظم نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیش قیمت تحائف پیش کیے۔ اکبر نے ملا پیر محمد الخاطب بہ پیر محمد خاں کو مالوہ کا حاکم مقرر کیا اور وکالت کا منصب خان اعظم کے حوالے کیا۔

خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت

۹۶۹ھ میں اکبر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کا قصد کیا اور آگرہ سے اجمیر کی طرف روانہ ہوا جب اکبر سنبھر (۱) نامی قصبے میں پہنچا تو اس علاقے کے بہت بڑے زمیندار راجہ پورن مل (۲) نے اپنی بیٹی کو اکبر کے محل میں داخل کیا اور ملازمین شاہی میں شامل ہوگیا۔ پورن مل کے بیٹے بھگوان داس نے بھی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلی اور اسے نامی امراء کے گروہ میں داخل کیا گیا۔ اکبر نے اجمیر پہنچ کر حضرت معین الدین چشتی کی آستانہ بوسی کی اور زیارت سے فارغ ہو کر اجمیر کے حاکم میرزا شرف الدین حسین کو قلعہ میرٹھ (۳) کی تسخیر کا حکم دیا۔

قلعہ میرٹھ کی تسخیر

میرٹھ کا قلعہ راجہ مال دیو کے قبضے میں تھا میرزا شرف الدین بادشاہ کے حکم کے مطابق میرٹھ کے قریب پہنچا۔ راجہ مال دیو کے دونوں ہندو سردار' جگ مل اور دیونداس' جو اس وقت قلعے میں موجود تھے قلعہ بند ہوگئے۔ میرزا شرف نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور نقب کی کھدائی کا حکم دیا۔ ایک روز ایک نقب میں جو برج کے بالکل نیچے تھی بارود بھر کر آگ لگائی گئی اس طرح برج تباہ ہوگیا۔ اور حصار میں ایک راستہ پیدا ہوگیا۔ مغل سپاہیوں نے قلعے کے اندر داخل ہونے کے لئے اس نئے راستے کا رخ کیا۔ راجپوتوں نے مزاحمت کی فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی لیکن جب مغلوں کو کامیابی کی توقع نہ رہی تو وہ واپس لوٹ آئے۔

مغلوں کی اس پسپائی سے راجپوتوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رات ہی رات میں یہ راستہ بند کردیا۔ مغلوں کا محاصرہ بدستور جاری رہا' راجپوتوں نے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے صلح کی درخواست کی۔ میرزا شرف نے صلح کی درخواست اس شرط پر ماننے پر آمادگی ظاہر کی کہ ہندو اپنی سواری کے گھوڑوں اور قیمچیوں کے علاوہ کوئی چیز اپنے ساتھ قلعے سے باہر نہ لے جائیں۔ ہندوؤں نے یہ شرط منظور کرلی جب یہ لوگ قلعے سے باہر نکلنے لگے تو میرزا شرف راستے میں جاکر کھڑا ہوگیا۔ جگ مل نے صلح کی شرط کا پورا خیال کیا اور اپنے متعلقین کے ساتھ خالی ہاتھ قلعے سے باہر نکل گیا البتہ دیونداس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا اس نے اپنے تمام مال و اسباب کو نذر آتش کردیا۔ اور پانچ سو راجپوت سواروں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا۔ میرزا شرف کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے دیونداس کو راستے ہی میں پکڑ لیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں اڑھائی سو راجپوت مارے گئے۔ دیونداس اس معرکے میں اس قدر زخمی ہوا کہ وہ سواری کے قابل نہ رہا آخر اسے بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

(چند سال کے بعد ایک ایسے شخص نے' جو جوگیوں کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھا یہ دعوی کیا کہ وہ دیونداس ہے۔ بعض لوگوں نے اس بیان کی تصدیق کی اور بعضوں نے اسے جھوٹا جانا یہ شخص بھی ایک لڑائی میں کام آیا) الغرض میرزا شرف نے قلعہ میرٹھ پر قبضہ کرنے کے بعد فتح نامہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کردیا۔

برہان پور میں قتل عام

ملا پیر محمد شادی آباد مندو میں قیام پذیر ہوا۔ اس نے مالوہ کے علاقے کو باز بہادر کے متعلقین اور بہی خواہوں سے بالکل پاک و صاف کردیا۔ اس نے بیجانگر (۴) کو' جو مالوہ کا سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم قلعہ تھا فتح کیا اور وہاں کے تمام سپاہیوں کو جو قلعے کی حفاظت کر رہے تھے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان دنوں باز بہادر برہان پور کے حاکم کی پشت پناہی کی وجہ سے خاندیس میں تھا۔ وہ مالوہ کے نواحی باشندوں کو اکثر تنگ کیا کرتا تھا اس صورت حال کے پیش نظر ملا پیر محمد نے خاندیس پر حملہ کیا اور برہان پور میں قتل عام کا حکم دیا۔ اس

قتل و غارت گری میں بہت سے سادات' علماء اور مشائخ بھی مارے گئے۔

ملا پیر محمد ابھی برہان پور ہی میں تھا کہ باز بہادر میراں مبارک شاہ فاروقی تغال خاں حاکم برار کو ساتھ لے کر ملا پیر محمد کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ پیر محمد کے سپاہی اس کی بداخلاقی اور ظلم کی وجہ سے اس سے دل برداشتہ ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے اس کی اجازت کے بغیر ہی دریائے نربدا کو پار کر کے مندو کی راہ لی۔ وہ امراء جو پیر محمد کی مدد کے لئے آئے تھے وہ بھی اس سے ناراض ہو کر علیحدہ ہو گئے یہ عالم دیکھ کر ملا بھی مجبوراً واپس ہو گیا۔

باز بہادر کا مالوہ پر دوبارہ قبضہ

تغال خاں نے' جو اپنے زمانے کا ایک نامی گرامی بہادر اور دلاور انسان تھا' ملا پیر محمد کا تعاقب کیا۔ ملا انتہائی پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں راستہ طے کر رہا تھا۔ جب وہ دریائے نربدا کو عبور کر رہا تھا تو اس وقت بار بردار اونٹوں کی قطار اس کے گھوڑے سے ٹکرا گئی۔ اس وجہ سے گھوڑا خشکی سے پھسلا اور دریا میں جا گرا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی جان بچانے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی اور ملا ڈوب گیا۔ عین اسی وقت تغال خاں بھی تعاقب کرتا ہوا پہنچ گیا۔ ملا پیر محمد کے لشکری جان بچا کر شادی آباد مندو پہنچے' لیکن یہاں بھی انہیں چین نہ ملا دشمن نے یہاں بھی پیچھا کیا لہٰذا وہ آگرہ روانہ ہو گئے۔ ۹۶۹ھ میں باز بہادر مالوہ پر دوبارہ قابض ہو گیا تغال خاں اور میراں مبارک شاہ فاروقی اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

باز بہادر پر حملہ اور اس کی شکست

اکبر نے کالپی کے حاکم عبد اللہ خاں اوزبک کو باز بہادر کے دفیعے کا حکم دیا۔ عبد اللہ خاں نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور باز بہادر پر حملہ کیا' باز بہادر مقابلے کی تاب نہ لا کر کمبل میر کے پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ عبد اللہ خاں نے فتح حاصل کر کے شادی آباد مندو میں قیام کیا۔

خان اعظم شمس الدین کا قتل

اسی زمانے میں معصوم بیگ کا بیٹا سید بیگ جو شاہ طہماسپ کا قریبی رشتہ دار اور وکیل السلطنت تھا سفیر ہو کر ایران سے ہندوستان آیا۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے گراں قدر تحفے بھی لایا۔ اکبر نے دو لاکھ روپے جو پانچ ہزار ایرانی تومان کے برابر ہوتے ہیں' اسے عنایت کیے۔ انہیں دنوں وکیل السلطنت کے عہدے پر خان اعظم شمس الدین محمد خان اتکہ فائز ہوا۔ اس عہدے کی وجہ سے اس نے بہت اقتدار و استحکام حاصل کر لیا۔ ادھم خاں آتکہ کو' خان اعظم کے اس اقتدار پر بہت رشک آیا۔ اس نے بیرم خاں کی طرح خان اعظم کو بھی بادشاہ کی نگاہوں سے گرانے کی کوشش کی۔ ادھم خاں نے چغل خوری اور دیگر حربوں کو استعمال میں لا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا' لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے ایک روز یہ بہانہ کر کے خان اعظم نے ادھم خاں کی تعظیم نہیں کی ایسے وقت کہ جب خان اعظم تلاوت قرآن میں مشغول تھا اسے قتل کر دیا۔

ادھم خاں کو شاہی عنایات کا بڑا بھروسا تھا اس کا یہ خیال تھا کہ بادشاہ اس سے کچھ باز پرس نہ کرے گا' اس لئے خان اعظم کو قتل کرنے کے بعد ادھم خاں ایک ایسے مکان میں جو شاہی حرم کے قریب ہی تھا مقیم ہو گیا۔ خان اعظم کے قتل کی وجہ سے چاروں طرف شور و غل برپا ہو گیا۔ بادشاہ اس وقت حرم سرا میں سو رہا تھا اس شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے اس کا سبب دریافت کیا بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا۔ وہ اسی وقت لباس شب خوابی ہی میں کوٹھے پر آیا یہاں سے اس کو شمس الدین کی لاش نظر آئی اس لاش کو دیکھ کر اکبر غصے کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔

ادہم خاں آتکہ کا قتل

اسی غصے کے عالم میں اکبر نے اپنی تلوار سنبھالی اور اس عمارت میں گیا جہاں ادھم خاں موجود تھا۔ اکبر نے ادھم خاں سے پوچھا۔ "تم نے خان اعظم شمس الدین کو قتل کیوں کیا؟" ادھم خاں نے کچھ جواب دینے کی بجائے دوڑ کر بادشاہ کے پاؤں پکڑ لئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اکبر اس بے ادبی پر اور زیادہ خفا ہوا اور اس نے غصے کے عالم میں ادھم خاں کے گال پر ایک گھونسہ مارا۔ ادھم بیہوش ہو کر فرش پر گر پڑا اس کے بعد اکبر نے حکم دیا کہ ادھم خاں کو اسی دیوانخانے کے کوٹھے سے جو زمین سے بارہ گز بلند تھا نیچے گرا دیا جائے۔ فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اس بلندی سے گرنے کے باوجود ادھم خاں زندہ رہا للذا اسے اٹھا کر کوٹھے پر لائے اور دوبارہ زمین پر پھینکا اس مرتبہ ادھم خاں مر گیا۔

ادھم خاں کے باپ ماہم آتکہ نے بیٹے کی لاش حاصل کر کے دہلی روانہ کر دی تاکہ اسے وہاں دفنا دیا جائے۔ ماہم اپنے لخت جگر کی موت سے اس قدر افسردہ دل اور خستہ حال ہو گیا کہ بیٹے کی موت کے چالیس دن بعد وہ خود بھی انتقال کر گیا۔ "آتکہ (ت سے) دائی کے شوہر اور اس کے رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ "کوکہ" (رضائی دودھ شریک) بھائی کو کہتے ہیں۔ خان اعظم شمس الدین کے قتل میں ادھم خاں کے ساتھ منعم خاں بھی شریک تھا اسی نے ادھم خاں کو یہ مشورہ دیا تھا۔ ادھم خاں کا حشر دیکھ کر وہ اپنے چچا زاد بھائی کے پاس جو کابل کا حاکم تھا چلا گیا پرگنہ لمورت کے جاگیردار میر منشی نے منعم خاں کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ اکبر نے منعم خاں کا قصور معاف کر کے اس کی عزت افزائی کی۔ اس کے بیٹے عزیز خاں کو خطاب اور آتکہ خوانی کے منصب سے سرفراز کیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ کھکھروں کی جماعت مغلوں کی فرمانبرداری اور اطاعت گزار تھی۔ اس لئے شیر شاہ سوری نے اپنے زمانے میں اس جماعت پر کئی مرتبہ حملے کئے اور کھکھروں کو تباہ و برباد کیا۔ جب یہ کھکھر کسی طرح بھی شیر شاہ کے مطیع نہ ہوئے تو شیر شاہ نے بذات خود ان کے علاقے میں پہنچ کر ان کے سردار سارنگ خاں کو دھوکا دے کر قتل کر دیا۔ نیز سارنگ خاں کے بیٹے کمال خاں کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ سارنگ کے قتل کے بعد اس کا بھائی سلطان آدم کھکھروں کا سردار منتخب ہوا وہ بھی اپنے مقتول بھائی کی طرح افغانوں کی دشمنی پر ڈٹا رہا۔ شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ نے بھی کھکھروں پر حملے کیے کھکھروں نے ہزاروں تدبیروں سے افغانوں کو ایسا ستایا کہ ان کے سپاہی اپنے لشکر سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جو افغانی سپاہی بھی اپنے لشکر سے نکلتا تھا کھکھر اسے گرفتار کر لیتے تھے۔ اور کابل' قندھار اور بدخشاں بھیج دیتے تھے اگر انہیں کسی افغانی سپاہی پر رحم آتا تھا تو اسے اپنے ہی لشکر میں فروخت کر ڈالتے تھے۔

سلیم شاہ کھکھروں کے علاقے سے ان کے ملک کو تباہ و برباد کرتا ہوا واپس لوٹا۔ وہ گوالیار پہنچا اس نے پنجاب کے امراء کو کھکھروں کی تباہی پر مامور کیا اور یہ حکم دیا کہ جس قدر کھکھر گرفتار کیے جائیں ان کو ایک مکان میں قید کر دیا جائے۔ اور پھر اس مکان کو بارود سے اڑا دیا جائے۔ اس ہدایت پر عمل کیا گیا اور اس طرح کھکھروں کا سارا قبیلہ تباہ ہو گیا۔ صرف کمال خاں بچا جو کسی نہ کسی طرح اپنے گھر کے ایک کونے میں چھپا رہا۔ سلیم شاہ کو کمال خاں کے زندہ رہنے کی مطلق خبر نہ ہوئی بعد ازاں جب اصل کیفیت معلوم ہوئی تو سلیم شاہ نے کمال خاں سے اطاعت و فرمانبرداری کا پکا وعدہ لے کر اسے پنجاب جانے کی اجازت دے دی۔

کمال خاں کا اقتدار

سلیم شاہ پنجابی امراء کے ہمراہ کھکھروں کی سرزنش اور ان کے علاقے کو فتح کرنے میں ابھی مصروف ہی تھا کہ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب ہمایوں پنجاب میں آیا تو کمال خاں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور مغل اعظم کی خدمت کرنے لگا۔ کمال خاں کو عہد اکبری میں کڑہ مانک پور میں جاگیر ملی۔ نیز اس نے خان زماں کے ساتھ مل کر افغانوں سے مقابلہ کیا۔ بڑی ہمت اور جوانمردی کا ثبوت دیا۔

کمال خاں کی اس بہادری و جرات کو دیکھتے ہوئے اکبر نے حکم دیا کہ پنجاب کے نافرمان حاکم امیر سلطان کو ہٹا کر اس کی جگہ گکھروں کا سردار بنا دیا جائے۔ پنجاب کے تمام امراء نے کمال خاں کا ساتھ دیا۔ گکھروں کا ملک فتح کرکے سلطان آدم کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ شاہی حکم کے مطابق کمال خاں گکھروں کا حاکم مقرر ہوا۔

میرزا شرف کی ہنگامہ خیزی

اسی سال ترکستان سے میرزا شرف الدین کا باپ خواجہ معین لاہور آیا وہ خواجہ ناصر الدین عبد اللہ کی اولاد میں سے تھا۔ اکبر نے میرزا شرف الدین کو لاہور جانے کا حکم دیا وہ لاہور گیا اور اپنے باپ کو ہمراہ لے کر آگرہ آیا۔ اکبر نے بذات خود خواجہ معین کا استقبال کیا اور اسے اپنے ساتھ شہر آگرہ میں لے آیا۔ اسی زمانے میں میرزا شرف الدین حسین کے دل میں کچھ وہم سا پیدا ہوا اور وہ اجمیر بھاگ گیا۔ اس علاقے میں میرزا شرف کی آمد سے کچھ فتنہ و فساد پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حسین قلی خاں ذوالقدر کو' جو بیرم خاں کا بھانجہ تھا ناگور کا حاکم مقرر کیا گیا۔ میرزا شرف نے اجمیر کا علاقہ اپنے ایک قابل اعتبار شخص کے سپرد کر دیا اور خود گجرات کی سرحد میں جالور کی طرف روانہ ہو گیا۔ حسین قلی' اجمیر پہنچا اور اس نے بغیر کسی فتنہ و فساد کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

شاہ ابو المعالی جو اکبر کی قید سے رہائی حاصل کرکے مکہ معظمہ چلا گیا تھا وہ واپس ہندوستان آیا اور اس نے میرزا شرف سے ملاقات کی۔ میرزا شرف کے ایماء پر شاہ ابو المعالی ۹۷۱ھ میں نار نول پہنچا اور وہاں شورش بپا کرنے لگا۔ حسین قلی خاں نے اپنے دو ملازموں کو جن کے نام یوسف بیگ اور احمد بیگ تھے۔ ابو المعالی کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود میرزا شرف کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ ابو المعالی نے ایک چال چلی۔ وہ احمد بیگ اور یوسف بیگ کے راستے میں ایک محفوظ جگہ پر چھپ گیا۔ جب یہ دونوں دشمن سے غافل اور بے پروا ہو کر سامنے سے گزر گئے تو ابو المعالی نے ان پر حملہ کرکے دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

شاہ ابو المعالی کا قتل

اکبر ان دنوں منوہر پور میں سیر و شکار میں مصروف تھا۔ اسے جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے امراء کی ایک جماعت کو ابو المعالی کی سرزنش کے لئے نامزد کیا۔ شاہ ابو المعالی پنجاب چلا گیا اور پنجاب سے محمد حکیم میرزا کے پاس کابل پہنچا۔ محمد حکیم میرزا نے اپنی بہن کی شادی ابو المعالی کے ساتھ کر دی اور یوں اس کا رتبہ بہت بلند و بالا کر دیا۔ ابو المعالی کے سر میں کابل کی حکومت کا سودا سمایا۔ سب سے پہلے اس نے محمد حکیم میرزا کی ماں کو جو حکومت کی مختار کل تھی قتل کروا دیا۔ اور پھر خود محمد کلیم کا وکیل بن کر حکم چلانے لگا واضح رہے کہ ان دنوں محمد حکیم مرزا بہت کم سن تھا ابو المعالی کا یہ ارادہ تھا کہ حکیم میرزا کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر کابل کا خود مختار حاکم بن جائے مگر اس کا یہ ارادہ پورا نہ ~~ہو سکا- اور~~ سلیمان میرزا نے کابل پہنچ کر ابو المعالی کو قتل کر دیا۔ میرزا شرف کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ جالور سے بھاگ کر احمد آباد چلا گیا۔

اکبر پر قاتلانہ حملہ

اکبر سیر و شکار سے فارغ ہو کر دہلی میں داخل ہوا اور "چھار سو" پہنچا۔ یہاں قتلق نامی' میرزا شرف کے ایک غلام نے بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب بادشاہ کی سواری گزر رہی تھی تو اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کا ایک جم غفیر چل رہا تھا۔ اسی ہجوم میں قتلق بھی تھا' ماہم آتکہ کے مدرسے کے قریب کھڑے ہو کر قتلق نے ہاتھ نیچا کرکے بادشاہ پر تیر چلایا لوگوں نے یہ سمجھا کہ قتلق کسی جانور کو ہدف بنا رہا ہے۔ اکبر اسی وقت ہاتھی پر سوار تھا' تیر اس کے کندھے کے قریب' ایک بالشت کے برابر اندر گھس گیا۔ لوگوں نے جو یہ عالم دیکھا تو اسی وقت قتلق کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تیر اکبر کے کندھے سے نکالا گیا اور اسے روئی کی قبا پہنا دی گئی۔ بادشاہ کے چہرے سے کسی قسم کے پریشانی اور بے تابی کے آثار نمایاں نہ ہوئے وہ اسی طرح ہاتھی پر سوار ہو کر بڑے اطمینان سے محل تک آیا۔ حکیم عین الملک گیلانی نے

علاج کیا اور ایک ہفتے کے اندر اندر بادشاہ کا زخم مندمل ہو گیا۔

اس کے بعد اکبر آگرہ پہنچا وہاں سے ہاتھی کا شکار کھیلنے کے لئے نرور کے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ آصف خاں ہروی کو کڑہ مانک پور کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا گیا۔ بادشاہ نے شکار کا شوق پورا کرنے کے لئے ایک نیا انداز اختیار کیا۔ مالوہ کے حاکم عبد اللہ خاں اوزبک نے بہت سے ہاتھی حاصل کیے تھے، لیکن اس نے ایک بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کیا تھا۔ اس لئے اکبر برسات کے موسم میں تنہا ہی مندور روانہ ہوا۔ سارنگ پور کے حاکم محمد خان نیشا پوری بادشاہ کے ملازمین میں شامل ہو گیا۔ جب اکبر اجین پہنچا تو عبد اللہ خاں اوزبک خوفزدہ ہو کر اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو لے کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر نے پچیس (۲۵) کوس تک اس کا تعاقب کیا اور اس کے ہراول نے عبد اللہ خاں کو جالیا۔ عبد اللہ خاں نے جب کوئی راہ فرار نہ دیکھی تو اس نے پلٹ کر لڑائی کا قصد کیا فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں عبد اللہ خاں کو فتح ہوئی اور وہ گجرات چلا گیا۔

اکبر مندو کی طرف چلا گیا شہر میں داخل ہو کر اس نے خلجی فرمانرواؤں کی بنوائی ہوئی عمارتوں کی سیر کی۔ برہان پور کا حاکم میراں مبارک شاہ فاروقی بادشاہ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوا اور اس نے اپنی لڑکی اکبر کے حرم میں داخل کی۔ اکبر نے مندو کی حکومت قرا بہادر خاں کے سپرد کی اور خود آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں سیری کلارس کے مقام پر اکبر کے سامنے ہاتھیوں کا ایک گروہ آیا۔ اس گروہ میں ایک مست ہاتھی بھی تھا۔ لشکریوں نے بادشاہ کے حکم کے مطابق ہاتھیوں کو گھیر کر سیری کلارس کے قلعے میں بند کر دیا۔ متذکرہ بالا مست ہاتھی قلعے کی دیوار توڑ کر باہر نکل گیا۔ شاہی خاصہ کا ایک ہاتھی اس مست ہاتھی کے مقابلے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دونوں ہاتھیوں میں لڑائی ہوئی اور اس طرح مست ہاتھی کو گرفتار کر لیا گیا۔

۹۷۲ھ میں بادشاہ کا خالو خواجہ معظم جو "جولی بیگم" کا بھائی تھا کسی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ خواجہ معظم نے اسی قید کے عالم میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سال اکبر نے آگرہ کے قلعے کو جو کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا مسمار کروا کے از سر نو سرخ پتھر سے تعمیر کروایا یہ عمارت چار سال میں مکمل ہوئی۔

اوزبکوں کی بغاوت

اوزبک عبد اللہ خاں کے متذکرہ بالا واقعے کے بعد یہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ اکبر تمام اوزبکوں کا سخت دشمن ہے اور وہ ازبکوں کی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کا خواہاں ہے۔ یہ افواہ سن کر سکندر خاں اور ابراہیم خاں وغیرہ نامی گرامی اوزبک امراء جو بہار اور جونپور کے علاقوں میں منصب دار اور جاگیردار تھے بادشاہ کے خلاف ہو گئے۔ علی قلی خاں سیستانی اور بہادر خان سیستانی بھی اس روش پر گامزن ہوئے اور باغیوں کے سردار بن گئے۔ اگرچہ ان دونوں کی ماں اصفہانی تھی اور وہ عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں اوزبکوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی گزشتہ بد اعمالیوں نیز اپنے آباد اجداد کے اوزبک ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی مخالفت پر کمر باندھی۔ آصف خاں ہروی کی جاگیر سیستانیوں کے ہمسائے ہی میں تھی لہٰذا وہ بھی باغی سیستانی امراء کے ساتھ مل گیا۔

اکبر کی تدبیر

اس طرح تقریباً تیس ہزار سواروں نے ایک ساتھ علم سرکشی بلند کیا اور جس قدر ہو سکا مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اکبر کی عادت تھی کہ وہ سیاسی امور اور مہمات کو انجام دینے میں عجلت سے کام نہ لیتا تھا۔ اس نے اوزبکوں کی بغاوت کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا اور شکار کا بہانہ کر کے بیانہ سے نرور گڑھ کی طرف روانہ ہوا۔ اکبر خود تو سیر و شکار میں مصروف ہوا اور اشرف خان منشی کو سکندر خاں اوزبک کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ سکندر کو تسلی و تشفی دے کر شاہی بارگاہ میں لے آئے لشکر خاں بخشی کو آصف خاں ہروی کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ خزانوں اور مال غنیمت میں سے بادشاہ کی پیشکش کے قابل اشیاء آصف سے لے کر آئے۔

خزانوں کا قصہ

متذکرہ بالا خزانوں کا قصہ یہ ہے کہ آصف خاں ہروی کو کڑہ مانک پور کا جاگیردار اور پنج ہزاری امیر مقرر کیا گیا۔ آصف خاں کے پڑوس ہی میں گڈھ کی سلطنت تھی جو اس وقت تک کسی مسلمان فرمانروا سے فتح نہ ہوئی تھی۔ آصف نے اس سلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ گڈھ پر ایک عورت درگاوتی نامی حکمرانی کرتی تھی۔ یہ رانی صورت و سیرت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔ آصف خاں نے اپنی فوج گڈھ کی سرحد پر روانہ کی اور اس علاقے کو تباہ و برباد کیا۔ اس کے بعد آصف نے بذات خود پانچ چھ ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ اس ملک پر حملہ کیا۔ رانی نے ڈیڑھ ہزار ہاتھیوں اور آٹھ ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر لے کر آصف کا مقابلہ کیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر رانی کی آنکھ میں لگا اس نے لڑائی سے ہاتھ اٹھایا اور اپنی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنے مہاوت سے خنجر لے کر خودکشی کر لی۔

اس طرح آصف خاں کو فتح نصیب ہوئی اور وہ گڈھ کے قلعے میں جو رانی درگاوتی کا مسکن تھا داخل ہوا۔ رانی کا کم سن لڑکا لوگوں کے ہجوم میں پیروں کے نیچے کچل کر مر گیا۔ رانی کا بہت سا مال و اسباب آصف خاں کے ہاتھ لگا۔ جواہرات' سونے کی تصاویر' گراں قدر اور مرصع اشیاء کے علاوہ اشرفیوں کے بھرے ہوئے ایک سو ۱۰۰ تھال بھی آصف کے ہاتھ آئے۔ آصف نے پندرہ سو ۱۵۰۰ ہاتھیوں میں سے صرف تین سو ۳۰۰ ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیے۔ اور باقی تمام اشیاء پر وہ خود قابض ہو گیا۔

اکبر شکار کھیلتا ہوا گڈھ کے قریب پہنچا۔ ہوا کی تپش اور موسم کی خرابی کی وجہ سے بادشاہ بیمار ہو گیا اس لئے واپس آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اشرف خان منشی اور لشکری خاں بخشی کے اقدامات سے مخالفین کو قدرے تنبیہہ ہوئی۔ اکبر کے حکم کے مطابق شاہم خاں' جلائر شاہ' بداغ خاں اور محمد دیوانہ وغیرہ کو جو اس علاقے کے جاگیردار تھے' سکندر خاں اور ابراہیم خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو بہادر خاں بھی سکندر خاں کے ساتھ آ ملا۔ شاہم خاں کو شکست ہوئی اور بداغ خاں اور محمد امین دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

اوزبکوں پر فوج کشی

اکبر کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے منعم خاں خان خاناں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ بطور ہراول لشکر روانہ کیا۔ اور پھر خود بھی ۹۷۳ھ (۵) میں شوال کے مہینے میں اس طرف روانہ ہوا۔ اکبر قنوج پہنچا اور سکندر خاں اوزبک پر جو لکھنوتی (۶) میں مقیم تھا حملہ کیا۔ سکندر کو جب اکبر کی آمد کی خبر ملی تو وہ لکھنوتی (۷) سے بھاگ کر خاں زماں کے پاس چلا گیا۔ علی قلی خاں اور بہادر خاں نرہن (۸) گھاٹ کی طرف گئے۔ اور وہیں سے گنگا کی دوسری طرف جا پہنچے۔ اکبر جون پور پہنچا وہاں آصف خاں ہروی نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور کڑہ مانک پور کے جاگیردار مجنوں خاں قاقشال کے ساتھ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اسے شاہانہ الطاف سے نوازا۔ کچھ دنوں بعد آصف سیستانی کو چند دیگر معتبر امراء کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ آصف خاں نرہن گھاٹ پہنچا اور اس نے علی قلی خاں کے لشکر کے سامنے اپنا پڑاؤ ڈالا اور اپنے افعال و اعمال سے معاملے کو ٹالنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے آصف خاں کی جاگیر میں تبدیلی کر دی۔ آصف خاں آدھی رات کے وقت اپنے بھائی وزیر خاں کو ساتھ لے کر لشکر سے علیحدہ ہوا اور گڈھ چلا گیا۔

علی قلی کا معافی مانگنا

اکبر نے منعم خان خانخاناں کو ایک زبردست لشکر دے کر آصف خاں کی جگہ روانہ کیا۔ علی قلی خاں نے دوآب کے درمیانی علاقے میں سکندر خاں اور بہادر خان کو بھیجا تاکہ وہ دونوں آگرہ تک کے تمام علاقے میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیں۔ اکبر نے مشہد کے

ایک مشہور اور معزز امیر سید میر معزالملک کی ماتحتی میں بداغ خاں' مطلب خاں (بداغ خاں کا بیٹا) اقبال خاں لنگ' حسین خاں' سعید خاں' راجہ ٹوڈر مل' محمد امین دیوانہ' محمد خاں افغان سور' محمد خاں معصوم اور لشکر خاں بخشی کو بہادر خاں سیستانی کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر علی قلی خاں نے منعم خاں خانخاناں کے توسط سے بادشاہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اس نے اپنی والدہ اور ابراہیم خاں اوزبک کو جسے وہ اپنے چچا کے برابر سمجھتا تھا بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اکبر نے علی قلی خاں کا قصور معاف کر دیا اور جونپور کو بدستور سابق اس کی جاگیر میں دیا۔

میر معزالملک اپنے لشکر کے ہمراہ' بہادر خاں اور سکندر خاں کے پاس جا پہنچا اور ان سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس موقع پر بہادر خاں نے معزالملک کو پیغام بھجوایا۔ "میرے بھائی علی قلی خاں نے اپنی والدہ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج کر معافی مانگی ہے اس لئے جب تک بادشاہ کا جواب موصول نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ کو موقوف رکھنا چاہیے۔" معزالملک نے بہادر خاں کی درخواست قبول نہ کی اور حریف کے مقدمہ لشکر یعنی سکندر خاں اوزبک پر حملہ کرکے اس کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ سکندر خاں بھاگ نکلا اس کے بہت سے ساتھی تہ تیغ کئے گئے۔

بہادر خاں اس وقت تک خاموش کھڑا تھا اور اس نے جنگ میں حصہ نہ لیا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ سکندر خاں بھاگ نکلا ہے اور اس کے لشکر کو شاہی فوج قتل کرنے میں مصروف ہے تو اس نے شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ معزالملک بہادر خاں کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور میدان جنگ سے قنوج کی طرف بھاگ نکلا۔ بہادر خاں اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی دوران میں صلح ہو گئی اکبر نے جونپور علی قلی خاں کی والدہ کو عنایت کیا اور خود قلعہ چنار اور بنارس کی سیر کے لئے چل دیا۔

علی قلی خاں کی دوسری بغاوت

علی قلی خاں نے سکندر کے اکسانے پر دریائے گنگا کو پار کرکے غازی پور اور دیگر پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ علی قلی کی اس حرکت پر اکبر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اشرف خاں کو حکم دیا کہ وہ جونپور جا کر علی قلی کی والدہ کو گرفتار کر لے۔ اکبر خود بھی جلد از جلد غازی پور کی طرف روانہ ہوا۔ علی قلی ایک بہت بڑے گنجان جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ بہادر خاں' سکندر خاں اور ابراہیم خاں رات جونپور پہنچے زینہ لگا کر وہ قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور اپنی والدہ کو قید سے نکال لائے۔ انہوں نے اشرف خاں کو قید کر لیا اور بنارس کی طرف روانہ ہو گئے۔

اکبر کی وسعت قلبی

اکبر یہ سن کر جونپور پہنچا اور اس نے اپنے تمام مقبوضات کی افواج کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ خاں زماں بہت ہراساں ہوا اس نے دوبارہ اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ اکبر بہادر خاں کو چونکہ بچپن ہی سے اپنا بھائی سمجھتا تھا اور اسے بہت عزیز رکھتا تھا نیز علی قلی خاں کی سابقہ خدمات کی وقعت بھی اس کی نظر میں تھی اس لئے اکبر نے اس بار بھی دونوں بھائیوں کا قصور معاف کر دیا اور ان کی جاگیریں انہیں عنایت کر دیں۔

مستند کتابوں میں یہ روایت درج ہے کہ پرانے زمانے کا ایک بادشاہ یہ کہا کرتا تھا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خطائیں معاف کرنے میں مجھے کیا لطف آتا ہے تو پھر لوگ خطاؤں کے تحفے لے کر میرے پاس آئیں اور خطاؤں ہی کو میری قربت کا ذریعہ بنا لیں۔" اکبر نے خان زماں کی خطا معاف کرکے اسے اپنے حضور میں آنے کا حکم دیا۔ اس نے ندامت کی وجہ سے بادشاہ کے سامنے آنا پسند نہ کیا اور کہلوا بھیجا۔ "آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں اپنے بھائی کے ہمراہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔" اکبر نے خان زماں کی معذرت قبول کر لی اور اس سے قول و قرار لے کر واپس آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

بہادر خاں اور قاسم ہروی کی جنگ

جب اکبر آگرہ پہنچا تو اس نے مہدی قاسم خاں کو آصف خاں ہروی کی سرکوبی اور گڈھ کی تسخیر کے لئے چار ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ علی قلی خاں بھی دل ہی دل میں بادشاہ کے خلاف تھا لہٰذا اس نے جونپور میں آصف خاں ہروی کو بلا کر اس سے سازباز کیا۔ آصف خاں' علی قلی خاں کے غرور اور دیگر عادات قبیحہ کی وجہ سے چھ مہینے بعد ہی اپنے بھائی وزیر خاں کے ساتھ گڈھ کی طرف چلا گیا۔ بہادر خاں سیستانی نے آصف کا پیچھا کیا دونوں میں جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں بہادر خاں کامیاب و کامران رہا۔ وزیر خاں نے موقع پا کر بہادر خاں پر دھاوا بول دیا' بہادر خاں حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔ وزیر نے اپنے بھائی آصف کو جو زخمی ہو چکا تھا بہادر خاں کی قید سے رہا کروایا اور اپنے ساتھ لے کر گڈھ جا پہنچا دونوں بھائی اس علاقے میں قیام پذیر ہوئے۔

کابل سے ایلچیوں کی آمد

اسی زمانے میں کابل سے محمد حکیم میرزا کے ایلچی ہندوستان آئے اور انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا کہ "ابو المعالی کے قتل کے بعد کابل میں سلیمان میرزا نے اپنے نام کا خطبہ جاری کر لیا ہے۔ اس نے میرزا سلطان نامی ایک شخص کو اپنی طرف سے کابل کا حاکم مقرر کر رکھا ہے اور خود بدخشاں میں مقیم ہے۔ محمد حکیم میرزا نے میرزا سلطان کو کابل سے نکال کر زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اب یہ سننے میں آ رہا ہے کہ سلیمان میرزا' کابل پر فوج کشی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اگر حضور اس وقت محمد حکیم میرزا کی مدد فرمائیں تو ذرہ نوازی ہوگی۔" اکبر نے پنجاب کے امراء کے نام احکامات جاری کیے اور ملتان کے حاکم محمد قلی خاں کو لکھا کہ "جب سلیمان میرزا کابل پر حملہ کرے تو تم فوراً وہاں پہنچ کر سلیمان میرزا کا مقابلہ کرو۔

محمد حکیم میرزا کا ماموں اور نامی گرامی شاہی امیر فریدوں کابلی' اکبر سے رخصت ہو کر کابل روانہ ہوا تاکہ وہاں پہنچ کر محمد حکیم مرزا کی مدد کرے۔ اس سے پہلے کہ شاہی فرامین امراء کے پاس پہنچتے سلیمان میرزا نے کابل پر حملہ کر دیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محمد حکیم' سلیمان کا مقابلہ نہ کر سکا' وہ کابل سے فرار ہوا اور سندھ میں آ کر پناہ گزین ہوا۔ فریدوں خاں نے دریائے سندھ کے کنارے محمد حکیم میرزا سے ملاقات کی اور اسے یہ اچھی طرح سمجھا دیا کہ "ان دنوں اکبر کی تمام توجہ علی قلی خاں اور دیگر اوزبک امراء کے ہنگامے کی طرف ہے' اس لئے اس کا لاہور آنا بہت مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم لاہور پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لو اور پنجاب کے امراء کو اپنے ساتھ ملا کر سلیمان میرزا کے دفعیے کی کوئی تدبیر کرو۔"

اکبر کا سفر لاہور

محمد حکیم میرزا لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور کے امراء قطب الدین اتکہ اور میر محمد خاں وغیرہ قلعہ بند ہو گئے اور مدافعت شروع کر دی۔ محمد حکیم میرزا نے مہدی قاسم کے باغ میں قیام کیا اور پنجاب کے امیروں سے مدد حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ لیکن کافی بھاگ دوڑ کے بعد بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اکبر نے علی قلی خاں کی سرزنش کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کیا اور آگرہ کا انتظام منعم خاں کے سپرد کر کے ۱۴ جمادی الاول ۹۷۴ھ کی رات کو لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اکبر ابھی سرہند تک بھی نہ پہنچا تھا کہ اس کے سفر کی خبر لاہور پہنچ گئی۔ قلعہ بند امراء نے خوشی کے نقارے بجانے شروع کر دیئے جب یہ نقارے بجنے لگے تو اس وقت محمد حکیم میرزا سو رہا تھا' شور سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ان شادیانوں کا سبب پوچھا انہوں نے بتایا کہ بادشاہ آ رہا ہے اور شہر کے بہت نزدیک پہنچ گیا ہے۔ حکیم نے اس کا مطلب یہ لیا کہ بادشاہ لاہور سے صرف ایک کوس کے فاصلے پر رہ گیا ہے لہٰذا وہ حواس باختہ ہو کر فوراً کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دنوں سردیوں کی ابتدا ہو چکی تھی' سلیمان میرزا کابل سے جا چکا تھا حکیم نے میدان خالی پا کر کابل پر قبضہ کر لیا۔

اکبر لاہور پہنچا اور یہاں سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ وزیر خاں نے بادشاہ سے شکار گاہ میں ملاقات کی اور آصف خاں ہروی کو معاف کرنے کا معروضہ پیش کیا۔ اکبر نے آصف خاں کا قصور معاف کر دیا اور وزیر خاں کو پنج ہزاری امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔ نیز یہ حکم دیا کہ آصف خاں ہروی' مجنوں خاں قاقشال کے ہمراہ کڑہ مانک پور میں قیام کرے اور اس علاقے کی حفاظت کرے۔

میرزاؤں کی بغاوت

اکبر نے جونہی پنجاب کے سفر کا ارادہ کیا محمد سلطان میرزا کی اولاد نے ہنگامہ آرائیاں شروع کر دیں۔ بابر کے حالات میں ہم سلطان میرزا کا نسب نامہ درج کر چکے ہیں نیز یہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ امیر تیمور کی اولاد میں سے تھا۔ سلطان میرزا سلطان حسین کا نواسہ تھا۔ حسین میرزا نے ہمایوں کے عہد حکومت میں کئی بار غداری کی تھی' لیکن بادشاہ نے ہربار اس کا جرم معاف کر دیا تھا۔ حسین میرزا کا بڑا لڑکا الغ میرزا ہزارہ کی جنگ میں کام آیا تھا' چھوٹا بیٹا فرزند شاہ طبعی موت سے مرا تھا۔ الغ میرزا کے دو بیٹے ہوئے۔ جن کے نام سکندر خاں اور محمود سلطان تھے۔ ہمایوں نے ان دونوں بیٹوں کو بالترتیب' الغ میرزا اور شاہ میرزا کے ناموں سے موسوم کر کے ان کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیئے۔ جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو محمد سلطان میرزا اپنی اولاد کے ساتھ دوبارہ ہندوستان آیا اور سنبھل کے علاقے میں آدم پور کا پرگنہ اس کی معاش کے لئے مقرر کیا گیا۔

اگرچہ آدم پور میں محمد سلطان بڑھاپے کی منزلوں سے گزر رہا تھا تاہم اس کے گھر میں چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں (۱) محمد حسین میرزا (۲) ابراہیم میرزا (۳) مسعود میرزا (۴) عاقل میرزا۔ یہ چاروں بھائی ابھی بہت کم عمر ہی تھے کہ بادشاہ نے ان کی تربیت کر کے انہیں اپنے امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔ جونپور کے ہنگامے کے بعد یہ چاروں بھائی بادشاہ سے اجازت لے کر سنبھل میں اپنی جاگیر کو روانہ ہو گئے۔ جن دنوں اکبر حکیم میرزا کے ہنگامے کو ختم کرنے کے لئے لاہور روانہ ہوا تو ان چاروں بھائیوں نے اپنے چچا زاد بھائیوں' سکندر سلطان اور محمود سلطان (جنہیں "الغ میرزا" اور "شاہ میرزا" کہا جاتا ہے) کے ساتھ مل کر علم سرکشی بلند کیا۔ ذلیل اور کمینہ لوگوں کی ایک جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی اور یہ لوگ فتنہ و فساد بپا کرنے لگے۔

اس علاقے کے جاگیرداروں نے "میرزا خاندان" کے مفسدوں سے لڑائی کی اور انہیں مالوہ کی طرف بھگا دیا ان دنوں چونکہ مالوہ میں کوئی قوی حاکم نہ تھا اس لئے یہ لوگ اس علاقے پر قابض ہو گئے۔ منعم خاں خانخاناں نے سنبھل میں محمد سلطان میرزا کو گرفتار کر کے بیانہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ محمد سلطان نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اکبر کا عزم جونپور

علی قلی خاں سیستانی' سکندر خاں اور دیگر اوزبک امراء کو جب محمد حکیم میرزا کے لاہور آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے قول و قرار کا کچھ لحاظ نہ کیا اور اپنی اپنی جاگیروں کو واپس چلے گئے ان امراء نے قنوج اور اودھ کے علاوہ دوسرے کئی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا نیز ایک بہت بڑا لشکر فراہم کر لیا اکبر ان امراء کے دفیعے کے لئے لاہور سے آگرہ پہنچا اور لشکر کو حاضری کا حکم دیا.... وہ دو ہزار ہاتھیوں اور ایک زبردست فوج کے ساتھ جونپور روانہ ہو گیا۔ ان دنوں خان زماں نے سید یوسف مہدی کو سیر گڑھ کے قلعے میں محصور کر رکھا تھا اسے جب بادشاہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ حواس باختہ ہو کر سیر گڑھ سے بھاگا اور کڑہ مانک پور میں بہادر خاں کے پاس چلا گیا۔ بہادر خاں نے کڑہ میں مجنوں خاں قاقشال کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اکبر نے خان زماں کا تعاقب کیا اور کڑہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب اکبر رائے بریلی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خاں زمان نے دریائے گنگا کو پار کر کے مالوہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ خان زماں کا مقصد یہ تھا کہ وہ محمد سلطان میرزا کی اولاد سے سازباز کر کے اس علاقے پر قبضہ کرے اور اگر اس تگ و دو میں کچھ اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ سلاطین دکن کے پاس جا کر رہے۔ اکبر رات کے وقت کڑہ مانک پور کے گھاٹ پر پہنچا اس وقت وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی اس

لئے اکبر سندر نامی ایک تیز رفتار ہاتھی پر سوار ہوا اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔ امراء اراکین سلطنت نے ہرچند بادشاہ کو منع کیا لیکن اس نے کسی کی بات نہ سنی۔ خداوند تعالیٰ کی عنایت سے دریا اس وقت پایاب تھا اس لئے ہاتھی کو تیرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ اکبر دیو ہیکل ہاتھیوں اور ایک سو سواروں کے ساتھ دریا کی دوسری طرف جا پہنچا صبح کے قریب اس نے علی قلی خاں کو جالیا۔

بہادر خان پر حملہ

آصف خاں ہروی اور مجنوں خاں ایک لشکر جرار کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علی قلی خان اور بہادر خاں بزعم خود یہ سمجھ رہے تھے کہ اکبر رات کے وقت دریا کو پار نہ کر سکے گا للذا دونوں بھائی ہر طرح کے خطرے سے بے خوف ہو کر بادہ نوشی اور عیش کوشی میں مصروف تھے۔ شاہی فوج خان زماں کے خیمے کے پاس پہنچی اور وہاں بہ آواز بلند کہا۔ "اے بے خبرو! اکبر اعظم دریا کو پار کر کے تمہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے یہاں پہنچ گیا ہے۔" خاں زماں اور اس کے ساتھیوں نے اس آواز کو آصف خاں اور مجنوں خاں کے فریب پر محمول کیا اور اسی طرح مصروف عیش و نشاط رہے۔ اس واقعے کو ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ نقارہ شاہی کی آواز آنے لگی۔ خان زماں اور اس کے ساتھی ایک دم پریشان ہو کر اٹھے اور معرکہ آرائی میں مصروف ہو گئے۔

یکم ذی الحجہ ۹۷۴ھ کو دو شنبہ کے دن صبح کے وقت فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ بادشاہی ہراول بابا خان قاقشال نے دشمن کی ایک جماعت کو جو مقابلے کے لئے اس کے سامنے آئی۔ تھوڑی ہی دیر میں پسپا کر دیا۔ بہادر خاں نے اس وقت قاقشال پر دھاوا بولا اور اس کے لشکر کو مجنوں کی صف تک دھکیل دیا۔ اگرچہ بہادر خاں کے لشکر میں انتشار پیدا ہو چکا تھا' اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے مجنوں خاں کی صف پر حملہ کر دیا۔ اس لشکر کو تتر بتر کرنے کے بعد اس نے لشکر خاصہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران میں کچھ امراء نے بہادر خاں کے حملے کو روکنے کی کوشش کی اکبر ہاتھی پر سوار تھا' اور اس کے ساتھ ساتھ خان اعظم عزیز کوکہ تھا۔ اکبر از راہ احتیاط ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

علی قلی خاں کی موت

اسی دوران میں بہادر خاں کے گھوڑے کو ایک تیر لگا اور وہ چلنے سے معذور ہو گیا۔ بہادر خاں گھوڑے سے الگ ہو گیا اب وہ پیادہ تھا۔ ابھی اس امر کی اطلاع اکبر کو نہ ہوئی تھی کہ اس نے (اکبر نے) بذات خود جنگ میں حصہ لینے کے ارادے سے اپنے ہاتھیوں کو دشمن کی فوج کی طرف ہنکا دیا۔ سب سے پہلے "ہیرانند" نام کا ایک ہاتھی علی قلی خاں کے لشکر کی طرف گیا۔ دشمن نے اس ہاتھی کے مقابلے پر اپنا ایک ہاتھی بھیجا جس کا نام "رودیانہ" تھا۔ ہیرانند نے رودیانہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس ہاتھی کے گرتے ہی طرفین آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس ہنگامے میں ایک تیر علی قلی خاں کو آ کر لگا۔ علی قلی خاں اس تیر کو اپنے جسم سے نکال ہی رہا تھا کہ ایک دوسرا تیر اس گھوڑے کو آ کر لگ گیا۔ گھوڑا اس صدمے کی تاب نہ لا کر چلنے سے معذور ہو گیا للذا علی قلی خاں گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ ایک بہی خواہ نے ایک دوسرا گھوڑا علی قلی خاں کے سامنے پیش کیا۔ علی قلی خاں اس پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اتنے میں شاہی لشکر کا نرسنگھ نامی ہاتھی آ گیا۔ اس نے علی قلی کو اپنے پیروں میں کچل ڈالا۔

بہادر خاں کا قتل

علی قلی خاں کی موت سے اس کے سپاہیوں میں ہل چل مچ گئی اور وہ حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ اسی افراتفری کے دوران میں نظر بہادر نامی ایک سپاہی نے بہادر خاں کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے حضور میں لے آیا۔ اکبر نے بہادر خان کو دیکھتے ہی اس سے سوال کیا۔ "میں نے تمہارے ساتھ کونسا برا سلوک کیا تھا جو تم نے میرے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور میرے مقابلے پر تلوار سنبھالی۔" بہادر خاں ندامت کی وجہ سے خاموش رہا اس نے صرف اس قدر کہا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخری وقت میں

حضور کا دیدار حاصل ہو گیا جو تمام گناہوں کو مٹانے کا باعث ہے۔" اکبر نے اپنی انسان دوستی سے کام لیتے ہوئے بہادر خاں کو موت کے گھاٹ نہ اتارا اور حکم دیا کہ اسے فی الحال نظربند رکھا جائے چونکہ ابھی تک علی قلی خاں کی موت کی تصدیق نہ ہوئی تھی اس لئے شاہی لشکریوں نے بہادر خاں کا زندہ رہنا مناسب نہ سمجھا اور شاہی حکم کے بغیر ہی اسے قتل کر دیا۔

اکبر کی آگرہ کو واپسی

قاسم ارسلان کے دو اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان زماں علی قلی خاں ہاتھی کے پاؤں کے نیچے آکر نہیں مارا گیا تھا بلکہ تفنگ سے زخمی ہو کر مرا تھا۔ اکبر نے علی قلی خاں کے ساتھیوں جان علی اوزبک' یار علی بیگ' میرزا بیگ خوشحال بیگ' میرزا شاہ بدخشی اور علی شاہ بدخشی وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ اکبر ان قیدیوں کو ساتھ لے کر جونپور آیا۔ یہاں پہنچ کر اکبر نے دوسرے سرکشوں کی عبرت کے لئے ان قیدیوں کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے ڈلوا کر کچلوا دیا۔ جونپور کی حکومت منعم خاں خانخاناں کے سپرد کی گئی۔ سکندر خاں اوزبک جو اودھ کے قلعے میں مقیم تھا بذریعہ کشتی گورکھپور بھاگ گیا۔ ۹۷۵ھ میں اکبر کامیاب و کامران آگرہ واپس آیا۔

رانا اودے سنگھ کی سرزنش

اس زمانے تک رانا اودے سنگھ نے اکبر کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار نہ بنایا تھا اگرچہ بادشاہ پے در پے کئی بار سفر کر چکا تھا مگر دار السلطنت پہنچنے کے کچھ ہی دنوں بعد اس نے پھر سفر کا ارادہ کیا تاکہ اودے سنگھ کو راہ راست پر لایا جا سکے اس مقصد کے پیش نظر بادشاہ قلعہ شیوپور پہنچا۔ قلعے کے محافظ نے حصار خالی کر دیا اور رنتھنبور میں اپنے آقا سورجن راجہ کے پاس چلا گیا۔ اکبر نے اس قلعے پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنے نوکروں کے سپرد کر کے آگے بڑھا اور کارکرون کے قلعے کا رخ کیا جو مالوہ کی سرحد پر واقع ہے بادشاہ کے اس طرف آنے کی وجہ سے سلطان محمد میرزا کی اولاد میں جو قلعہ مندو پر قابض تھی بڑی پریشانی پھیلی۔ الغ میرزا انہیں دنوں اپنی موت سے مر گیا۔ بقیہ "میرزاؤں" نے راہ فرار اختیار کی اور جلد از جلد گجرات کی طرف چل دیئے۔

اکبر نے مالوہ کی حکومت شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری کے حوالے کی اور کاکرون سے رانا اودے سنگھ کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ رانا نے جب اکبر کی آمد کی خبر سنی تو آٹھ ہزار جنگجو اور تجربہ کار راجپوتوں اور بے شمار ساز و سامان اور غلے وغیرہ کو چتوڑ کے قلعے میں جو پہاڑ کے اوپر واقع ہے چھوڑ کر' خود اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک محفوظ مقام پر چلا گیا۔ اکبر نے قلعے پر حملہ کیا اور پانچ ہزار بڑھئیوں' سنگتراشوں' لوہاروں' زمین کھودنے والوں' گلکاروں اور دیگر مزدوروں کو اہل ہندوستان کے رواج کے مطابق "ساباط" تیار کرنے کا حکم دیا۔

ساباط کی تیاری

"ساباط" سے مراد وہ دو ۲ دیواریں ہیں جن میں ایک تفنگ انداز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں دیواریں ایک دوسرے سے فاصلے پر بنائی جاتی ہیں۔ مزدور' لکڑی کے تختوں اور گائے کی کھال سے بنے ہوئے ٹوکروں کی پناہ میں رہ کر ان دیواروں کی تعمیر کرتے ہیں اور انہیں قلعے کی دیواروں تک پہنچاتے ہیں۔ جب یہ دیواریں تعمیر ہو جاتی ہیں تو آتش باز اور نقب کھودنے والے ان دیواروں کے وسیع راستے سے قلعے کے نیچے آن کر نقب کھودتے ہیں۔ نقب میں بارود بھر کر قلعے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

اکبر کے حکم سے جب ساباط تیار ہو گئی تو قلعے کے برج کے نیچے دو نقبیں کھودی گئیں ان میں بارود بھر کر آگ لگا دی گئی۔ اتفاق سے ایک نقب میں آگ جلد لگ گئی اور اس سے متعلق برج پاش پاش ہو گیا اور قلعے کی دیوار میں ایک بہت کشادہ راستہ پیدا ہو گیا۔ شاہی لشکر کے دو ہزار سپاہی جو موقع کے انتظار میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ دونوں نقبوں میں آگ لگ گئی ہے۔ اور حصار میں دو راستے پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا وہ لوگ دونوں راستوں سے قلعے کی طرف دوڑے۔ ایک ہزار لشکری پہلے راستے سے قلعے میں داخل ہو گئے اور

راجپوتوں سے لڑنے لگے۔ باقی ایک ہزار دوسرے راستے کی طرف گئے تو انہیں قلعے کی دیوار میں کوئی شگاف نظر نہ آیا ان میں سے کچھ تو لوٹ آئے اور کچھ راجپوتوں سے برسرپیکار ہو گئے۔

طرفین کا زبردست نقصان

عین اسی وقت دوسری نقب میں آگ لگ گئی اور برج ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا چونکہ طرفین کے سپاہی قریب ہی موجود تھے اس لئے انہیں زبردست نقصان پہنچا۔ سپاہیوں کے جسم پارہ پارہ ہو کر میدان جنگ میں ادھرادھر بکھر گئے اس حادثے میں اکبری لشکر کے پندرہ نامی گرامی امیر (جن میں سید جمال الدین بارہہ اور مردان علی شاہ بھی شامل تھے) اور پانچ سو چیدہ سوار کام آئے۔ اہل قلعہ کا بھی بہت جانی نقصان ہوا۔ اس واقعے کی وجہ سے سپاہی قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکے اس لئے اس دن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

راجپوتوں کی پست ہمتی

اس المناک حادثے کے دوسرے روز ایک اور ساباط تیار کی گئی۔ ایک دن بادشاہ اس ساباط کے پاس کھڑا ہوا جنگ کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ جئمل رائے نظر آیا۔ یہ رانا کا قریبی عزیز اور اہل قلعہ کا سردار تھا وہ تمام دن قلعے کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ عشاء کے وقت وہ خاصہ کی شاہی مورچل کے سامنے آیا۔ روشنی کی وجہ سے اس کا چہرہ دکھائی دیا تو بادشاہ نے اس وقت بندوق میں آگ لگائی گولی سیدھی جئمل (۹) کی پیشانی پر لگی اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ راجپوتوں نے جب اپنے سردار کا یہ حشر دیکھا تو ان کی ہمت پست ہو گئی اور انہوں نے لڑائی سے ہاتھ اٹھالیا۔ انہوں نے جئمل کی لاش کو حسب رواج جلایا اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ راجپوتوں نے اپنی بیوی بچوں اور مال و اسباب کو بھی نذر آتش کر دیا۔ آگ کی روشنی دیکھ کر مسلمان حصار کی طرف بڑھے کسی نے مزاحمت نہ کی اور وہ نہایت اطمینان سے قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔

قلعہ چتوڑ کی فتح

صبح کے وقت بادشاہ بھی ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے امراء کے سامنے قلعے میں داخل ہوا۔ ہندوؤں کی ایک جماعت جو اپنے گھروں اور مندروں میں پناہ گزین تھی وہ باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑنے لگی۔ ہندو بڑی سرفروشی اور جانبازی سے لڑے ان کے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے۔ بادشاہی لشکر میں سے صرف ایک آدمی' نصرت علی تواچی مارا گیا۔ تین روز کے بعد بادشاہ نے قلعے کی حکومت آصف خاں ہروی کو سونپی اور خود کامیاب و کامران واپس ہوا۔

ایک غضب ناک شیر

راستے میں ایک خونخوار شیر شاہی لشکر کے سامنے آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اس شیر کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اکبر نے خود ایک تیر چلایا جو شیر کو لگا شیر زخمی ہو کر چشمے کے نیچے چلا گیا اس کے بعد بندوق چلائی گئی اس بار شیر کو کوئی خاص زخم نہ لگا اور وہ پھر کر بادشاہ کی طرف بڑھا۔ عادل نامی ایک شخص فوراً شیر کی طرف لپکا اور اس سے مقابلہ کرنے لگا۔ اسی دوران میں دوسرے لوگ بھی شیر تک پہنچ گئے اور اسے ہلاک کر دیا۔ اہل لشکر نے بادشاہ کی سلامتی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اکبر آگرہ پہنچا کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ ابراہیم حسین میرزا اور محمد حسین میرزا' چنگیز خاں گجراتی سے ناراض ہو کر پھر مالوہ میں آ گئے ہیں۔ اور اوجین کے محاصرے میں مصروف ہیں ان کے مقابلے کے لئے قلیج خاں اندجانی اور خواجہ غیاث الدین بخشی قزوینی کو روانہ کیا۔ ابراہیم میرزا اور محمد حسین میرزا حواس باختہ ہو کر دریائے نربدا کی طرف بھاگ گئے اور دریا کو عبور کر کے گجرات جا پہنچے۔

رنتھنبور کی فتح

رجب ۹۷۶ھ میں اکبر نے رنتھنبور کے قلعے پر حملہ کیا راجہ سورجن جس نے سلیم شاہ کے غلام حجاز خاں سے یہ قلعہ خریدا تھا وہ

بادشاہ کی مدافعت کرنے لگا۔ شاہی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کرکے آنے جانے کا راستہ بند کر دیا۔ شاہی حکم کے مطابق مدن پہاڑ پر' جو قلعے کے قریب ہی تھا سرکوب تیار کرکے چند توپیں اور ضرب زن پہاڑ پر لے جائے گئے۔ اس سے پہلے اس قدر بلند پہاڑ پر کوئی بادشاہ توپیں نہ لے جا سکا تھا۔ توپوں سے کام لیا جانے لگا ایک توپ کے چلنے سے بہت سے مکان تباہ و برباد ہو جاتے تھے سورجن نے مجبور ہو کر بادشاہ سے امان طلب کی اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکل گیا۔ قلعہ مع تمام خزانوں اور ذخیروں کے اکبر کے قبضے میں آ گیا۔

شہزادہ سلیم کی پیدائش

رنتھنبور کی فتح کے بعد اکبر نے اجمیر کا رخ کیا اور خواجہ معین الدین چشتی کے آستانہ مبارک کی زیارت کے بعد آگرہ واپس ہوا۔ اس کے بعد اکبر' حضرت شیخ سلیم چشتی کی زیارت کے لئے آگرہ سے سیکری گیا۔ اس سے قبل اکبر کے ہاں کئی لڑکے پیدا ہو کر انتقال کر چکے تھے۔ حضرت سلیم نے یہ خوشخبری سنائی کہ اب بادشاہ کے ہاں ایسے بیٹے پیدا ہوں گے جو زندہ رہیں گے۔ انہیں دنوں سیکری ہی میں بادشاہ کے ہاں شہزادہ سلیم پیدا ہوا۔ یہ واقعہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۵ھ کا ہے۔ اس دن چہار شنبہ کا دن تھا اکبر نے اس خوشی میں تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس موقع پر خواجہ حسن ثنائی نے ایک قصیدہ مبارک باد' بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس قصیدے کے ہر شعر کے پہلے مصرعے سے اکبر کی تخت نشینی کی اور دوسرے مصرعے سے شہزادہ سلیم کی تاریخ پیدائش برآمد ہوتی تھی اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

للہ الحمداز پئے جاہ و جلال شہر یار

گو ہر مجداز محیط عدل آمد در کنار

اکبر نے اپنی نذر پوری کی اور پاپیادہ خواجہ غریب نواز کے آستانے پر حاضر ہوا۔ واپسی پر راستے میں اشرفیاں اور روپے خیرات کرتا ہوا اور شکار کھیلتا ہوا آگرہ پہنچا۔

کالنجر کی فتح

اسی زمانے میں قلعہ کالنجر کے حاکم راجندر نے قلعہ چتوڑ کے حادثے سے خوفزدہ ہو کر بغیر کسی حیل و حجت کے اپنا قلعہ اکبر کے سپرد کر دیا۔ واضح رہے یہ وہی قلعہ ہے جس کو فتح کرتے ہوئے شیر شاہ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ سلیم شاہ کے بعد یہ قلعہ پھر ہندوؤں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔

شہزادہ مراد کی ولادت

۳ محرم ۹۷۸ھ کو اکبر کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا اس کا نام محمد مراد اور لقب بہاری رکھا گیا اسی سال بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا اور شہر کے گرد پتھر اور چونے کا حصار بنوایا۔ بعد ازاں وہ ناگور گیا مال دیو کا بیٹا چندر سین اور بیکانیر کا راجہ رائے کلیان مل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں نے بادشاہ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف پیش کیے۔ اکبر نے راجہ بیکانیر کی لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کیا اور شکار کھیلتا ہوا اجودھن پہنچا۔ وہاں اکبر نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار کی زیارت کی اور پھر دیپال پور پہنچا۔ دیپال پور کے جاگیردار میرزا عزیز کوکہ نے ایک جشن مسرت منعقد کیا اور بادشاہ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف پیش کیے۔

اس کے بعد اکبر لاہور پہنچا۔ لاہور کے حاکم حسین قلی خاں ترکمان نے بھی بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کی۔ یکم صفر ۹۷۹ھ کو اکبر حصار فیروزہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے پھر اجمیر واپس آیا۔ خواجہ غریب نواز کی زیارت کے بعد آگرہ واپس آیا۔ اسی زمانے میں سکندر خاں اوزبک کو' منعم خاں خان خاناں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا اور اس کی خطاؤں کی معافی کے لئے سفارش کی' بادشاہ نے اس سفارش کے پیش نظر سکندر کو معاف کیا۔

فتح پور کی بناء

قصبہ سیکری کا قیام چونکہ اکبر کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا تھا اس لئے یہاں اس نے ایک بہت بڑے شہر کی بنا ڈالی اور اس کا نام فتح پور رکھا- اسی سال گجرات فتح ہوا اس فتح کی روداد سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے-

گجرات کی مہم

صفر ۹۸۰ھ میں جب گجرات میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھلا تو بادشاہ نے اس علاقے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا- اکبر کا گزر اجمیر سے ہوا تو اس نے خواجہ سید حسین خنگ سوار کی روح سے مدد طلب کی- حضرت خنگ سوار امام زین العابدینؒ کی اولاد میں سے تھے- اس کے بعد اکبر نے خاں کلاں کو ہراول لشکر بنا کر گجرات روانہ کیا- رائے سنگھ کو مال دیو کے وطن شہر جودھپور کا حاکم مقرر کیا اور خود بھی گجرات کی طرف روانہ ہوا- جب اکبر ناگور کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ دانیال کی منزل میں اس کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا ہے- اکبر نے اس کا نام دانیال رکھا یہ واقعہ ۲ جمادی الاول بروز چہار شنبہ ۹۸۰ھ کا ہے-

احمد آباد کی فتح

اکبر سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا پٹن گجرات پہنچا- گجرات کا نامی گرامی امیر' شیر خاں فولادی بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچاکر بھاگ نکلا- ایک ہفتے کے بعد اکبر نے سید احمد خاں کو پٹن گجرات کا حاکم مقرر کیا اور شاہی لشکر احمد آباد روانہ ہوا- بادشاہ ابھی تھوڑی دور ہی پہنچا تھا کہ میرزا ابو تراب' جو شیراز کا باشندہ اور گجرات کا نامی گرامی امیر تھا' سلطان مظفر گجراتی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا- دوسرے روز اعتماد خاں' سید چاند خاں' اختیار الملک ملک اشرف وجیہ الملک الف خاں حبشی اور حجاز خاں حبشی وغیرہ نے بارگاہ شاہی میں حاضری دی- چونکہ حبشیوں سے بغاوت کا اندیشہ تھا' اس لئے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور احمد آباد جیسا بہترین شہر بغیر محنت کے فتح ہو گیا-

اس زمانے میں ابراہیم میرزا' بھروچ کے علاقے میں اور محمد حسین میرزا سورت کے نواح میں مقیم تھا- اکبر نے ان دونوں کی سرزنش کی طرف توجہ کی- ان دنوں اختیار الملک' جو گجراتی امراء میں سب سے زیادہ مقتدر تھا- دریائے جمنا کی طرف بھاگ گیا تھا' اس لئے تمام گجراتی امراء کو حبشیوں کی طرح قید کر لیا گیا تھا- اکبر نے بندر کھمبایت پہنچ کر خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو احمد آباد گجرات کا حاکم مقرر کیا- یہاں اکبر کو ابراہیم حسین میرزا کی بدنیتی کا علم ہوا لہٰذا اس کی تنبیہہ کے لئے وہ جلد از جلد روانہ ہو گیا اور دوسرے روز چالیس سواروں کے ہمراہ دریائے مہندری کے کنارے پہنچ گیا- ابراہیم حسین کے پاس ایک ہزار سوار تھے' لہٰذا وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا- اکبر نے کچھ دیر تک انتظار کیا- اس دوران میں سید محمد خاں' راجہ بھگوان داس' راجہ مان سنگھ' شاہ قلی خاں محرم اور سورجن (راجہ رنتھنبور) وغیرہ امراء جو سورت کی مہم کے لئے نامزد کیے گئے تھے راستے ہی سے لوٹ کر ستر سواروں کے ہمراہ شاہی خدمت میں پہنچ گئے-

ابراہیم حسین میرزا سے جنگ

اکبر نے جنگ کی ابتداء کرنے میں عجلت سے کام لیا اور اپنے قلیل لشکر کے ساتھ جو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھا ابراہیم حسین پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا- اکبر نے راجہ مان سنگھ کو لشکر کا ہراول مقرر کیا دریا کو پار کر کے قلعے کے پاس پہنچا اور دشمن سے معرکہ آرائی شروع کر دی- ابراہیم نے حملہ کر کے شاہی تیر اندازوں کو تتر بتر کر دیا- لشکر کی کمی کی وجہ سے بادشاہ راجپوتوں کے ساتھ ایسی تنگ جگہ پر کھڑا ہوا کہ جس کے دونوں طرف زقوم کی دیوار تھی اور جہاں تین سو سے زیادہ سوار پہلو بہ پہلو کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اس جگہ بادشاہ کے پاس دشمن کے تین سوار آہستہ آہستہ آئے راجہ بھگوانداس نے برچھے سے حملہ کر کے ایک سوار کو بھگا دیا اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوا یہ سوار بھی بھاگ گیا- بادشاہ نے خود بھی تیر اندازی کی- راجہ بھگوانداس کے بھائی نے اس موقع پر بہادری کے ایسے جوہر

دکھائے کہ رستم و اسفندیار کی داستانیں اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگیں۔ اس نے بہت سے دشمنوں کو موت کے دامن میں سلا دیا۔ اور بالآخر خود بھی اس معرکے میں کام آیا۔ اس کے بعد اکبر تیراندازوں اور راجپوتوں کے ساتھ زقوم کی آڑ سے باہر آیا اور ابراہیم حسین میرزا پر حملہ آور ہوا۔

قلعہ سورت کی فتح

اکبر کی خوش بختی نے اس کا ساتھ دیا اور ابراہیم سامنے سے بھاگ نکلا۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے اکبر کی طرح ایک قلیل جماعت کے ساتھ زبردست لشکر کو خطرے میں ڈالا ہو۔ اس واقعے کے بعد اکبر اپنے لشکر میں پہنچا اور قلعہ سورت کی تسخیر کی کوشش کرنے لگا۔ میرزا کامران کی بیٹی گل رخ نے جو ابراہیم حسین میرزا کی بیوی تھی قلعہ لشکر کے سرداروں کے سپرد کیا اور اپنے بیٹے مظفر میرزا کے ساتھ دکن روانہ ہو گئی شاہی لشکر نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

ابراہیم حسین میرزا کی شکست

میرزاؤں کی جماعت پٹن میں یک جا ہوئی۔ سب نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم حسین اپنے چھوٹے بھائی مسعود حسین میرزا کے ہمراہ پنجاب جائے اور وہاں ہنگامہ آرائی کرے نیز محمد حسین میرزا اور شاہ میرزا شیر خاں فولادی سے مل کر پٹن پر حملہ آور ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس ترکیب سے سورت کا قلعہ مغلوں کے قبضے سے نکال لیا جائے۔" اس مشورے کے بعد ابراہیم حسین ناگور پہنچا جودھپور کے حاکم رائے سنگھ نے اس کا تعاقب کیا اور غروب آفتاب کے وقت اس سے جا ملا۔ ابراہیم نے اس علاقے کے پانی پر قبضہ کر لیا۔ رائے سنگھ کے لئے یہ امر تشویشناک تھا لہٰذا اس نے اسی رات حملہ کر دیا طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی بہت سے لوگ مارے گئے۔ ابراہیم کا گھوڑا زخمی ہو گیا اسے شکست ہوئی اور اس کے لشکریوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

ابراہیم میرزا تھوڑی دور تک تو پیدل ہی چلا اور پھر اپنے ایک ملازم کے گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی پہنچا۔ وہاں چند روز قیام کے دوران میں سامان حرب اور لشکر جمع کیا اور لاہور کی مہم کو ملتوی کر کے سنبھل پہنچا۔ محمد حسین میرزا' شاہ میرزا اور شیر خاں فولادی نے آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ سید احمد خاں بارہہ کا محاصرہ کر لیا۔ میرزا عزیز کوکہ اسی جگہ سے ان کے دفعیے کے لئے روانہ ہوا۔ خان اعظم پٹن سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہی گیا تھا کہ سامنے سے دشمن بھی آ گیا۔ فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی خان اعظم کے لشکر میں بہت انتشار پیدا ہوا لیکن وہ بذات خود بہت جواں مردی سے کام لیتا رہا۔

اسی دوران میں رستم خاں اور مطلب خاں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دشمن پر دوبارہ حملہ کیا انہوں نے محمد حسین میرزا کے لشکر کو حواس باختہ کر کے دکن کی طرف بھگا دیا۔ انہی دنوں قلعہ سورت کا سرکوب بھی تیار ہو گیا اور اہل قلعہ نے جان کی امان طلب کر کے قلعہ شاہی ملازموں کے سپرد کر دیا' اکبر کامیاب و کامران واپس آیا۔

شرف الدین حسین میرزا دس سال قبل ناگور سے بھاگ کر دکن چلا گیا تھا مخالفت کی وجہ سے اس کا قیام وہاں بھی مشکل ہو گیا تھا لہٰذا وہ بہارجیو کے کوہستان سے نکل کر محمد حسین میرزا کے پاس جانا چاہتا تھا کہ اسے بگلانہ کے حاکم نے جو سرحد دکن کا نامی گرامی راجہ تھا۔ گرفتار کر لیا اور اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اکبر نے شرف الدین کو کوڑے لگوائے اسے بہت بے عزت کیا اور گوالیار کے قلعے میں نظربند کر دیا۔ شرف الدین نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اکبر اجمیر کی راہ سے ۲ صفر ۹۸۱ھ کو دار السلطنت میں واپس آیا۔

ابراہیم حسین میرزا سنبھل پہنچا اسے معلوم ہوا کہ پنجاب کے امراء نے' حسین قلی خاں کے ساتھ مل کر نگر کوٹ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ابراہیم حسین نے یہ سوچا کہ اس وقت پنجاب کا علاقہ دشمن سے خالی ہے لہٰذا اس پر قبضہ آسان ہے یہ سوچ کر وہ پنجاب کی طرف

روانہ ہوا۔ حسین قلی خاں نے نگر کوٹ کا محاصرہ ترک کر دیا اور یوسف خاں اور محب علی خاں وغیرہ کے ہمراہ ابراہیم کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ٹھٹھہ کے قلعہ کے نواح میں حسین قلی اور ابراہیم حسین کا آمنا سامنا ہوا۔ ابراہیم اس وقت شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ حسین قلی نے اس کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مسعود حسین میرزا نے حسین قلی کا مقابلہ کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا وہ خود گرفتار ہوا اور اس کے لشکر کے سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔

ابراہیم حسین میرزا کا قتل

جب ابراہیم شکار گاہ سے واپس آیا اس نے جو اپنے لشکر کی تباہی دیکھی تو اسے بہت غصہ آیا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو کر دشمن کے مقابلے پر آیا۔ زبردست معرکہ آرائی کے بعد اسے شکست ہوئی اور وہ ملتان کی طرف چلا گیا۔ ملتان کے حاکم نے ابراہیم کا سر قلم کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ بادشاہ نے آگرے کے قلعے کے دروازے پر یہ سر لٹکا دیا۔ مسعود کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا اس نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔

احمد آباد میں ہنگامہ

اسی سال خان اعظم میرزا عزیز کوکہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ "اختیار الملک گجراتی اور محمد حسین میرزا نے باہم مل کر گجرات کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب یہ دونوں ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ احمد آباد آئے ہیں۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اس لئے اگر حضور خود تشریف لا کر ان کے دفعیے کی تدبیر کریں تو بہت بہتر ہوگا۔" یہ زمانہ برسات کا تھا ان دنوں کوئی بہت بڑا لشکر لے کر نکلنا مشکل تھا۔ اس لئے اکبر نے دو ہزار چیدہ بہادروں کو ہراول لشکر بنا کر روانہ کیا اور خود ان کے پیچھے پیچھے تین ہزار لشکریوں کے ساتھ جن میں بہت سے نامی گرامی امیر بھی تھے تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔

اکبر پٹن گجرات میں اپنے ہراول لشکر سے جا ملا اور لشکر کو اس طور پر ترتیب دیا کہ قلب پر میرزا عبد الرحیم ولد بیرم خاں کو مقرر کیا۔ اسی طرح میمنہ اور میسرہ اور ہراول پر بھی امراء کو مقرر کر کے خود دو سو سواروں کے ہمراہ احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جب احمد آباد دو کوس رہ گیا تو نقارے بجائے گئے۔ محمد حسین میرزا اور اختیار الملک اکبر کی لشکر کشی سے بالکل ناواقف تھے، نقاروں کی آواز سن کر وہ بہت پریشان ہوئے اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگے۔

محمد حسین میرزا نے اختیار الملک کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کے دروازے کی حفاظت کے لے چھوڑا اور خود شیر خاں فولادی کے ساتھ سات ہزار حبشی، مغل، اور راجپوت سواروں کو ہمراہ لے کر اکبر سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ اکبر نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر گجرات کے لشکر کا انتظار کیا جسے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ چونکہ شہر کے دروازے دشمن کے قبضے میں تھے اس لئے گجرات سے شاہی لشکر بادشاہ تک نہ آ سکا۔ اکبر نے دریا کو پار کیا اور میدان جنگ میں آیا۔ محمد حسین میرزا نے ڈیڑھ سو ۱۵۰ تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں کے ساتھ اکبر کے ہراول پر حملہ کیا۔ اسی کے ساتھ ہی شاہ میرزا اور گجراتیوں اور دکنیوں نے بھی شاہی جرانفار پر حملہ کر دیا۔ زبردست لڑائی ہوئی اکبر نے بڑی بہادری سے اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ محمد حسین میرزا پر حملہ کیا۔ محمد حسین بادشاہ کا نام سنتے ہی حواس باختہ ہو گیا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا لیکن وہ بادشاہی پیادوں کے ہاتھوں بچ نہ سکا اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پیادوں نے اسے بادشاہ کی خدمت مین پیش کیا ہر پیادہ یہ دعوی کرنے لگا کہ میرزا کو اسی نے گرفتار کیا ہے اس پر اکبر نے میرزا سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔" مجھے بادشاہ کے نمک کے سوا اور کسی نے گرفتار نہیں کیا۔

اکبر ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جو مشکل سے دو سو لشکریوں پر مشتمل تھی ایک جگہ گجراتی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ کہ دور سے ایک زبردست لشکر آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھ کر ہر شخص پریشان ہو گیا۔ ایک شخص کو صورت حال کی تحقیق کے لئے روانہ کیا گیا، اس

شخص نے واپس آ کر بتایا کہ اختیار الملک بادشاہ سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے- بادشاہ نے یہ سن کر اپنے تیراندازوں کو حکم دیا کہ ایسی تیر اندازی کی جائے کہ دشمن سامنے سے بھاگ جائے- جب اختیار الملک کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھی لشکر میں موجود ہے تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا-

جس زمانے میں بادشاہ اختیار الملک کے دفعیے میں مصروف تھا- رائے سنگھ نے بغیر شاہی حکم کے محمد حسین میرزا کو قتل کر دیا تھا- اس طرح اکبر کے نوکر نے اختیار الملک کو بھی قتل کر دیا- ان تمام واقعات کے بعد میرزا عزیز کوکہ کو راستہ ملا اور وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا- اکبر نے بدستور سابق خان اعظم کو گجرات کی طرف روانہ کیا اور خود اجمیر کے راستے آگرہ پہنچا-

حاکم بنگالہ کی سرکشی

اسی سال بنگالہ کے حاکم داؤد بن سلیمان افغان کرانی نے علم سرکشی بلند کیا- اکبر نے منعم خاں کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا- چند معرکہ آرائیوں کے بعد منعم اور داؤد میں صلح ہو گئی- اکبر نے اس صلح کو نامنظور کیا اور راجہ ٹوڈرمل کو بنگالہ کا حاکم مقرر کیا- راجہ ٹوڈرمل منعم خاں کے پاس روانہ ہوا تاکہ دونوں مل کر داؤد کو تباہ و برباد کریں یا اس سے خراج وصول کریں- اس وقت تو داؤد نے مصلحتاً خراج دینا منظور کر لیا لیکن بعد ازاں عہد شکنی کی اور دریائے سون کے کنارے پہنچ کر گنگا اور سون کے سنگم پر منعم خاں سے لڑائی کی' داؤد کو اس لڑائی میں شکست ہوئی- منعم خاں نے دریا کو عبور کر کے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا-

اکبر کا عزم پٹنہ

اکبر پر یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ بغیر خود گئے ہوئے قلعے کی فتح ناممکن ہے لہٰذا وہ دریا کے راستے سے بنارس پہنچا- وہاں جب خشکی کی راہ سے آنے والی فوج پہنچ گئی تو اسے ہمراہ لے کر اکبر پٹنہ روانہ ہوا- انہیں دنوں کبیر خاں نے جو بھکر کی فتح کے لئے روانہ کیا گیا تھا' بادشاہ کی خدمت میں فتحنامہ روانہ کیا- بادشاہ نے اس فتح کو فال نیک تصور کیا اور دریا کے راستے سے پٹنہ کے قریب پہنچا یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ افغانوں کا مشہور امیر' عیسیٰ خاں نیازی' قلعے سے نکل کر منعم خاں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے اور دیگر اہل قلعہ راہ فرار تلاش کر رہے ہیں-

اکبر نے خان عالم کو تین ہزار سواروں کے ساتھ حاجی پور کا قلعہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا- خان عالم نے یہ قلعہ فتح کر لیا اور فتح خاں کو شکست فاش دی- داؤد خاں یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوا اس نے قاصدوں کے ذریعے سے بادشاہ سے معافی طلب کی- بادشاہ نے اسے کہلوا بھیجا- "اگر تو بذات خود میرے حضور میں حاضری دے تو ممکن ہے میں معاف کر دوں' بصورت دیگر کوئی امید نہیں رکھنا چاہیے اور میں خود تیرا مقابلہ کروں گا-" داؤد یہ جواب پا کر بہت پریشان ہوا- اور راتوں رات بنگالے روانہ ہو گیا-

اکبر نے ہاتھی حاصل کرنے کے لئے داؤد کا تعاقب کیا' پچیس کوس تک اس کا پیچھا کرنے کے بعد چار سو ہاتھی حاصل کیے- اس کے بعد اکبر واپس آ گیا- منعم خاں کو پٹنہ کا حاکم مقرر کیا گیا اور بادشاہ کامیاب و کامران واپس آیا-

خان اعظم کی گرفتاری

انہیں دنوں اکبر اعظم کو چند مطلب پرستوں نے یہ یقین دلایا کہ خان اعظم میرزا عزیز کوکہ بدنیتی پر اترا ہوا ہے- بادشاہ نے ایک فرمان بھیج کر خان اعظم کو طلب کیا چونکہ اس کی نیت بالکل نیک تھی- اس لئے وہ بغیر کسی تاخیر کے فوراً بارگاہ شاہی میں پہنچ گیا- بادشاہ نے اس کو کچھ دنوں کے لئے قید کر دیا- شہاب الدین احمد نیشاپوری کو گجرات کا حاکم مقرر کیا گیا- اسی سال اکبر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کی-

۹۸۵ھ میں پھر اکبر حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے اجمیر گیا- مظفر خاں جس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے شاہی خدمت میں حاضر ہوا اور منصب وزارت سے نوازا گیا- اجمیر سے اکبر دہلی آیا اور دہلی سے کابل کی طرف روانہ ہو گیا- اسی

زمانے میں مغرب کی طرف سے دمدار ستارہ نمودار ہوا۔ اکبر اجودھن پہنچا اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت سے فیضیاب ہوا۔ بادشاہ نے کابل کے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے دار السلطنت جا پہنچا۔ فتح پور سیکری کی مسجد جس کی تعمیر کا کام ۹۸۱ھ میں شروع ہوا تھا مکمل ہو گئی۔ ۹۸۶ھ میں خاندیس کے حاکم نے ابراہیم کے بیٹے مظفر حسین میرزا کو جو بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کے پاس تھا قید کیا اور مع اس کی والدہ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اکبر مظفر خاں سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور اپنی بیٹی شاہزادہ خانم کو اس سے بیاہ دیا۔

بنگالہ و پنجاب کے ہنگامے

اسی سال حسین قلی المخاطب بہ خان جہاں نے جو پنج ہزاری امیر تھا بنگالہ میں وفات پائی۔ ۹۸۷ھ میں فتح پور سیکری کے فراش خانے میں آگ لگی اور بہت سا قیمتی سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ حسین قلی خاں کے انتقال کے بعد بنگال اور بہار کے افغانوں نے بہت قوت حاصل کر لی اور اس علاقے میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ اکبر نے خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو بہترین امراء کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ انہیں دنوں میں محمد حکیم میرزا نے پہلے اپنے کوکہ شادماں میرزا کو مقدمہ لشکر بنا کر ایک ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ شادمان نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پنجاب کے حاکم کنور مان سنگھ نے پیش قدمی کر کے اسے شکست فاش دی اس لڑائی میں شادمان کو بہت نقصان ہوا۔ اس کے بہت سے لشکری میدان میں کام آئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے۔

حکیم میرزا کا لاہور پر حملہ

جب محمد حکیم میرزا رہتاس کے قریب پہنچا تو کنور مان سنگھ قلعہ رہتاس کے حاکم سید یوسف خاں مشہدی کے پاس چلا گیا اور چند دنوں کے بعد لاہور آ گیا۔ یوسف خاں مشہدی نے حکیم میرزا کا ساتھ نہ دیا بلکہ اس کے حملوں کو روکتا رہا اس وجہ سے حکیم میرزا لاہور چلا گیا۔ ۱۱ محرم ۹۸۹ھ کو حکیم نے لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ سعید خاں، بھگوانداس اور راجہ مان سنگھ قلعہ بند ہو گئے۔ اگرچہ ان دونوں نے بنگالہ اور بہار میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا تھا لیکن اکبر نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور کابل کے سفر کا آغاز کر دیا۔ محمد حکیم میرزا کا خیال تھا کہ بادشاہ بنگال و بہار کے ہنگاموں کی وجہ سے پنجاب کی طرف نہ آئے گا، لیکن جب اسے بادشاہ کے سفر کابل کی اطلاع ملی تو وہ خود بھی کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اکبر کا عزم کابل

اکبر جب سرہند کے قریبی علاقے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہ منصور شیرازی اور محمد حکیم میرزا کے درمیان دوستانہ مراسلت کا سلسلہ جاری ہے۔ اکبر نے شیرازی کو پھانسی پر چڑھا دیا اور کابل کی طرف بڑھتا ہوا رہتاس تک پہنچا۔ سید یوسف خاں مشہدی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں دریا میں بہت زور کا طوفان آیا ہوا تھا اس وجہ سے دریا پر پل نہ باندھا جا سکا۔ اکبر نے شہزادوں اور لشکر کے ہمراہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کو پار کیا جونہی بادشاہ دریا کی دوسری طرف پہنچا محمد حکیم میرزا کے گماشتے جو نیشاپور اور اس کے قریب و جوار میں مقیم تھے فرار ہو گئے۔ شاہی سواری جلال آباد پہنچی تو اکبر نے شہزادہ سلیم کو وہیں چھوڑا۔ شہزادہ مراد کو پیشرو لشکر مقرر کیا اور خود آہستہ آہستہ کابل کی طرف روانہ ہوا۔

محمد حکیم میرزا کی پسپائی

شہزادہ مراد شہر کرون میں پہنچا جو کابل سے پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے۔ حکیم میرزا کے حکم سے فریدوں خاں بہادر نے سات سو سواروں کو ساتھ لے کر مراد پر شب خون مارا اور بہت سا مال و اسباب لوٹ کر لے گیا۔ دو صفر کو حکیم میرزا نے اپنے لشکر کو تیار کیا اور شہزادہ مراد کے مقابلے میں اپنی صفیں درست کیں۔ توزک خاں آتکہ اور کنور مان سنگھ نے ہاتھیوں کو آگے بڑھا کر حکیم پر حملہ کیا۔ حکیم شاہی لشکر کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور سامنے سے فرار ہو گیا۔ حکیم کا تعاقب کیا گیا اور اس کے بہت سے سرداروں کو موت کے گھاٹ

اتارا گیا۔

حکیم میرزا کی معافی

اکبر نے منزل سرخاب میں اس فتح کی خوشخبری سنی اور صفر کی سات تاریخ کو کابل جا پہنچا۔ حکیم میرزا غور بند میں پناہ گزین تھا۔ اس نے اپنے قاصد بھیج کر بادشاہ سے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ اکبر نے اسے معاف کر دیا اور اہل کابل پر اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول کر انہیں ممنون کیا۔ اسی مہینے کی چودہ تاریخ کو اکبر کابل سے واپس ہوا۔ دریائے سندھ کو عبور کیا اور اس علاقے کے انتظام کے لئے چونے اور پتھر کا ایک حصار تعمیر کروایا۔ اس قلعے کو اٹک کے نام سے موسوم کیا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق نیلاب کو عبور کرنا منع ہے لفظ "اٹک" کے معنی یہی ہیں۔

اکبر کی بیماری اور شفا

اکبر ۱۹ رمضان کو لاہور پہنچا اور پنجاب کی حکومت راجہ بھگوانداس کے سپرد کی' لاہور میں چند روز قیام کرنے کے بعد بادشاہ فتح پور سیکری واپس آ گیا۔ اکبر نے شہباز خاں کنبوہ کو جسے شک کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا رہا کیا۔ اور رمضان ۹۹۰ھ میں اسے لشکر بنگالہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ اسی زمانے میں اکبر بخار اور اسہال کے مرض میں مبتلا ہوا ہمایوں کی طرح اسے بھی افیون کی لت تھی اس لئے سبھی لوگ پریشان ہوئے کچھ ہی دنوں بعد بادشاہ کو اس مرض سے نجات مل گئی اور بہت سا روپیہ خدا کی راہ میں خیرات کیا گیا۔

شہر الہ آباد کی بناء

ماہ محرم ۹۹۱ھ میں خان اعظم عزیز کوکہ جسے بنگالہ کی مہم پر روانہ کیا گیا تھا واپس آیا۔ اس نے شاہی بارگاہ میں حاضری دی اکبر نے چند ضروری امور پر گفتگو کی اور واپس روانہ ہو گیا۔ اسی سال شوال کے مہینے میں اکبر پراگ کی نہر پر آیا جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے یہاں ایک قلعے کی تعمیر اور شہر "الہ باس" کے بسانے کا حکم دیا یہ شہر عام طور پر "الہ آباد" کے نام سے مشہور ہے۔

گجرات میں شورش

اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان مظفر گجراتی نے تمام گجراتیوں سے پیشتر اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر نیاز مندی کا اظہار کیا اور اس کے صلے میں اکبر نے اسے شاہانہ عنایتوں سے نوازا۔ مظفر گجراتی عرصے تک شاہی خدمت میں رہا اور آخر کار ملازمت چھوڑ کر گجرات بھاگ گیا۔ جب اکبر نے الہ آباد کا سفر اختیار کیا تو مظفر گجراتی نے شیر خاں گجراتی کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ اکبر نے اعتماد خاں گجراتی کو' جو ایک قابل اعتماد امیر تھا حاکم گجرات مقرر کیا اور شہاب الدین احمد نیشا پوری کو احمد آباد سے اپنے پاس بلا لیا۔ اعتماد خاں کے پہنچنے کے بعد شہاب الدین نے احمد آباد کو تو چھوڑ دیا لیکن سامان سفر کو درست کرنے کے لئے پٹن میں مقیم ہو گیا۔

مظفر گجراتی کا احمد آباد پر قبضہ

شہاب الدین کے اکثر سپاہی عیالدار تھے ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ سفر کی صعوبت برداشت کرتے لہٰذا انہوں نے اس مصیبت سے بچنے کے لئے مظفر خاں گجراتی کی پناہ لی اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظفر خاں گجراتی کے پاس بہت بڑی فوج جمع ہو گئی اور اس نے احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ اعتماد خاں' شہاب الدین کو ہمراہ لے کر احمد آباد روانہ ہوا۔ مظفر گجراتی سے مقابلہ ہوا' ان دونوں کو شکست ہوئی اور یہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اعتماد اور شہاب پٹن میں پہنچے اور ایک عریضہ لکھ کر بادشاہ کو حالات سے باخبر کیا۔

قطب الدین اتکہ کا قتل

اکبر نے عبد الرحیم ولد بیرم خاں کو جو میرزا خان کے نام سے مشہور تھا' اجمیر کے امراء کے ساتھ مظفر شاہ گجراتی کی سرزنش کے لئے

روانہ کیا۔ عبد الرحیم ابھی گجرات پہنچا نہ تھا کہ مظفر نے بھڑوچ کے جاگیردار قطب الدین خاں آتکہ کو قلعہ بند کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ مظفر کو فتح حاصل ہوئی اس نے قطب الدین کو قتل کیا اور دس لاکھ روپے کی سرکاری رقم اور تمام سرکاری مال و اسباب پر جو دس کروڑ سے زیادہ کی مالیت کا تھا قابض ہو گیا۔ اس کے بعد مظفر شاہ نے احمد آباد میں لشکر اور دیگر سامان کی فراہمی کی طرف توجہ کی۔

عبد الرحیم اور مظفر شاہ میں جنگ

میرزا عبد الرحیم پٹن پہنچا' شہاب الدین اور دیگر امراء کو جمع کر کے آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ احمد آباد روانہ ہوا۔ اور موضع سرگج میں جو شہر سے تین کوس کے فاصلے پر ہے پہنچا۔ مظفر گجراتی نے گجراتیوں اور زمینداروں سے تیس ہزار مغلوں اور راجپوتوں کا ایک لشکر لیا۔ اور ۱۵ محرم ۹۹۲ھ کو جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی دونوں طرف کے بیشمار سپاہی مارے گئے' آخر کار عبد الرحیم کو فتح ہوئی۔ مظفر شاہ میدان جنگ سے بھاگ کر احمد آباد چلا گیا۔ عبد الرحیم نے اس کا تعاقب کیا اور احمد آباد تک آیا۔ مظفر یہاں سے کسی اور طرف چلا گیا۔

مظفر شاہ کا فرار

اس دوران میں قلیچ خاں مالوہ کے امراء کے ساتھ عبد الرحیم کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دونوں امیر مظفر شاہ کے تعاقب میں کھنبایت کی طرف روانہ ہوئے۔ مظفر نے نادوت کے پہاڑی علاقے میں قیام کیا اور وہیں دشمن سے معرکہ آرا ہوا اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے لشکر کا ایک حصہ تباہ ہو گیا لہٰذا وہ نادوت سے بھاگ کر جونا گڑھ کے قریب جام کے دامن میں پناہ گزین ہوا۔ عبد الرحیم نے قلیچ خاں کو قلعہ بھڑوچ کے محاصرے کے لئے روانہ کیا اور خود احمد آباد آیا۔

نصیر خاں قلعہ بھڑوچ کا حاکم اور مظفر شاہ کا سالا تھا۔ اس نے سات ماہ تک قلعہ بند رہ کر وقت گزارا بعد ازاں وہ دکن کی طرف چلا گیا۔ اور قلعہ قلیچ بیگ کے قبضے میں آ گیا۔ مظفر شاہ نے جام اور امین خاں حاکم جونا گڑھ کی اعانت سے لشکر جمع کیا اور ایک ایسے مقام پر ٹھہرا جو احمد آباد سے ساٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ عبد الرحیم شہر سے باہر نکلا اور مظفر شاہ کی طرف بڑھا۔ مظفر شاہ خوفزدہ ہو کر ایک جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد مظفر شاہ بھیل' کولی اور کراس کی مدد سے جنگل سے باہر نکلا اور سرائے میں بادشاہی فوج سے معرکہ آرا ہوا۔ اس لڑائی میں بھی اسے شکست ہوئی اور وہ جلوارہ کے راجہ رائے سنگھ کے پاس پناہ گزین ہوا۔

عبد الرحیم پانچ ماہ بعد بادشاہی حکم کی تعمیل میں دار السلطنت پہنچا چونکہ عبد الرحیم نے مظفر شاہ کو شکست دے کر بہت نام پیدا کیا تھا' اس لئے اکبر نے اسے "خانِ خاناں" کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے واپس گجرات بھیج دیا۔ اسی سال برہان نظام شاہ بحری اپنے بھائی کے پاس سے بھاگ کر اکبر کی بارگاہ میں آیا اور ملازم ہو گیا۔ شاہ فتح اللہ شیرازی بھی' جو اپنے وقت کا بہت بڑا فاضل تھا' دکن سے ہندوستان پہنچا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ ۹۹۳ھ میں سید مرتضیٰ بزداری اور خداوند خاں حبشی' صلابت خاں ترک سے شکست کھا کر بارگاہ اکبری میں پناہ گزین ہوئے۔

دکن کی فتح کا خیال

اکبر ہمیشہ دکن کو فتح کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس نے ان امیروں کو خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کے پاس مالوہ روانہ کر دیا اور خان اعظم کو تسخیر دکن کا حکم دیا۔ فتح اللہ شیرازی کو بھی عضد الدولہ کا خطاب دے کر مہمات دکن کو سرانجام دینے کے لئے خان اعظم کے پاس مالوہ بھیج دیا گیا۔ خان اعظم مالوہ کی سرحد پر آیا اس نے جب یہ دیکھا کہ حاکم خاندیس راجہ علی خاں فاروقی اہل دکن کی دوستی کا دم بھرتا ہے تو اس نے فتح اللہ شیرازی کو خاندیس روانہ کیا تاکہ وہ والیٔ خاندیس کو نصیحت کرے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے امراء میرزا محمد تقی نظیری اور بہزاد الملک' حاکم خاندیس راجہ علی خاں کے ساتھ ایلچپور پہنچ گئے۔ خان اعظم نے اس وقت لڑنا مناسب نہ

سمجھا وہ ایک دوسرے راستے سے ایلچپور میں داخل ہو گیا۔ اس نے تین روز تک شہر کو بڑی بری طرح لوٹا اور تباہ کیا۔ میرزا محمد تقی' بہزاد الملک اور راجہ علی خاں ہندیہ سے لوٹ کر ایلچپور پہنچے' خان اعظم نے خود میں مقابلہ کی سکت نہ پائی اور ندربار سے دکن کی سرحد سے نکل آیا۔

اسی زمانے میں عبد الرحیم خان خاناں کو اکبر نے طلب کیا اور وہ گجرات سے آگرہ روانہ ہو گیا۔ اس موقع سے مظفر شاہ نے فائدہ اٹھایا۔ وہ بہزاد الملک کے پاس پہنچا (جو عام طور پر بداول الملک کے نام سے مشہور تھا) اور لشکر جمع کرنے لگا۔ مظفر نے سات ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کا لشکر جمع کر کے ادھر ادھر بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

سفر کشمیر

۹۹۷ھ میں اکبر نے کشمیر کی سیر کا ارادہ کیا اور بھنبھر کے علاقے میں پہنچا جہاں سے کوہستان کشمیر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اکبر نے شہزادہ مراد کو مع دیگر اہل حرم بھنبھر ہی میں چھوڑا اور خود سری نگر پہنچا میر فتح اللہ شیرازی بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ یہاں اس کا انتقال ہو گیا بادشاہ کو اس عالم و فاضل کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ شیخ فیضی نے شیرازی کا مرثیہ لکھا۔

اکبر کا عزم کابل

کشمیر کی سیر سے فارغ ہو کر اکبر نے کابل جانے کی تیاری کی اثنائے راہ میں دھن پور کے مقام پر حکیم ابو الفتح گیلانی کا انتقال ہو گیا اسے حسن ابدال میں دفن کیا گیا۔ اکبر اٹک سے رہتاس پہنچا اور شہباز خاں کنبو کو یوسف زئی افغانوں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا اور خود جلد از جلد کابل پہنچ گیا۔ اکبر نے کابل میں پورے دو مہینے تک قیام کیا اور یہاں کے باغات اور عمارتوں کی سیر کی۔ نیز اہل کابل کو دل کھول کر ممنون کرم کیا۔ یہیں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ راجہ بھگوانداس اور راجہ ٹوڈرمل کا انتقال ہو گیا ہے۔ اکبر نے محمد قاسم خاں بحری کو جو سہ ہزاری امیر تھا' حاکم کابل مقرر کیا اور توختہ بیگ کو اس کی مدد کے لئے چھوڑ کر خود ۲۰ صفر ۹۹۸ھ کو لاہور آیا۔

اکبر نے خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو گجرات روانہ کر دیا اور شہاب الدین احمد خاں کو مالوہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس زمانے میں عبد اللہ خاں اوزبک بدخشاں کو فتح کرنے کے بعد کابل پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اس وجہ سے اکبر نے کئی سال تک لاہور اور اس کے نواح میں قیام کیا۔ اکبر نے سندھ کے حاکم میرزا جانی کو طلب کیا' لیکن وہ اس قدر قربت کے باوجود نہ آیا۔ اس پر اکبر نے میرزا عبد الرحیم خان خاناں کو چند نامی گرامی امراء کے ساتھ سندھ کی فتح اور بلوچیوں کی تباہی کے لئے روانہ کیا۔

۹۹۹ھ میں شہاب الدین نے مالوہ میں وفات پائی۔ اکبر نے اسی سال دکن میں چار قاصد روانہ کیے۔ مشہور شاعر فیضی اسیر اور برہان پور گیا۔ خواجہ امین اللہ احمد نگر میں' میر محمد امین مشہدی' بیجاپور میں اور میرزا مسعود (۱۰) بھاگ نگر میں روانہ کیا گیا' شہزادہ مراد کو شہاب الدین کی جگہ مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اسماعیل قلی خاں کو شہزادے کا اتالیق بنا کر اس کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

جونا گڑھ کی فتح

خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو یہ معلوم ہوا کہ امین خاں کا بیٹا دولت خاں جو زخمی ہو کر جونا گڑھ چلا گیا تھا اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ خان اعظم نے جونا گڑھ کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس طرف روانہ ہوا۔ جونا گڑھ پہنچ کر اس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ سات ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد اس نے قلعے کو فتح کر لیا۔ اسی سال عبد الرحیم خان خاناں نے سیوان کا جو دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا محاصرہ کر لیا۔ والی سندھ میرزا جانی نے کشتیوں کے ذریعے عبد الرحیم کی طرف پیش قدمی کی۔

میرزا عبد الرحیم اور والی سندھ میں جنگ

ماہ محرم ۱۰۰۰ھ میں میرزا جانی دریائے سندھ کے کنارے پہنچا۔ عبد الرحیم بھی میرزا جانی کے قریب ہی صف آرا ہوا اور اس کا محاصرہ

کر لیا۔ طرفین میں پورے دو مہینے تک جنگ ہوتی رہی اور دونوں طرف کے ان گنت آدمی مارے گئے۔ انہیں دنوں سندھ کے لوگوں نے خان خاناں کے لشکر میں غلے کی ترسیل بند کر دی۔ اس صورت حال کے پیش نظر خان اعظم نے ایک گروہ کو قلعے کے محاصرے کے لئے چھوڑا اور خود ٹھٹھہ کی طرف چلا گیا۔ سندھ کے حاکم میرزا جانی نے اہل سیوان کو قلیل تعداد میں سمجھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ خان خاناں کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے سپہ سالار دولت خاں لودھی کو نامی گرامی امراء کی ایک جماعت کے ساتھ اہل سیوان کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

حاکم سندھ کی شکست

دولت خاں روزانہ اسی کوس سے زیادہ سفر نہ کرتا تھا اور اس طرح بڑے آرام و سکون کے ساتھ منازل سفر طے کرتا ہوا سیوان جا پہنچا۔ مرزا جانی اس کے لشکر کو تھکا ہوا سمجھ کر دوسرے روز پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا دولت خاں کے پاس اگرچہ دو ہزار سواروں سے زیادہ جمعیت نہ تھی' لیکن اس نے بہت ہی جواں مردی اور ہمت سے کام لیا اور جانی کو شکست دی۔

کشمیر میں بغاوت

اسی دوران میں بادشاہ کے حکم کے مطابق یوسف خاں مشہدی اپنے چھوٹے بھائی یادگار میرزا کو کشمیر میں چھوڑ کر خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یادگار میرزا نے کشمیر میں علم سرکشی بلند کیا اور خود مختار حکومت قائم کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ اکبر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً ایک شعر پڑھا۔ شعر درج ذیل کیا جا رہا ہے' اس کو پڑھتے ہوئے یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ یادگار میرزا گنجا تھا۔

کلاہ خسروی و تاج شاہی
بسر کل کے رسد حاشا و کلا

یادگار میرزا کا قتل

اکبر نے فرید بخشی کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ کشمیر کی مہم پر روانہ کیا۔ یادگار میرزا بھی ایک زبردست لشکر لے کر فرید کے مقابلے پر آیا۔ جب ایک پہر رات گزر گئی تو صادق بیگ اور ابراہیم بیگ' یادگار میرزا سے ناراض ہو کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ یادگار اس وقت اپنے خیمے میں تھا' شور و شغب سن کر وہ باہر نکلا اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ صادق بیگ اور ابراہیم بیگ نے اس کا تعاقب کیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ یادگار کا سر قلم کر کے انہوں نے شیخ فرید کے پاس بھجوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد کشمیر دوبارہ اکبری سلطنت میں شامل ہو گیا۔

اکبر دوبارہ کشمیر کی سیر کے لئے گیا اور چالیس روز وہاں مناظر قدرت سے محظوظ ہوتا رہا۔ اس کے بعد یہاں کی حکومت یوسف خاں کے سپرد کر کے بادشاہ' پنجاب اور رہتاس کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۰۰۱ھ میں عبد الرحیم خان خاناں اور میرزا جانی حاکم سندھ نے جو بادشاہ کی مخالفت سے باز آ چکا تھا ٹھٹھہ سے روزانہ ہو کر اکبر کی خدمت میں حاضری دی۔ بادشاہ نے میرزا جانی کو سہ ہزاری امراء میں شامل کر لیا اور اس طرح سندھ پر بھی بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔

مظفر شاہ گجراتی کی خودکشی

اسی سال خان اعظم میرزا نے عزیز گجرات کے سب سے بڑے زمیندار کھنکار پر (جو مظفر شاہ گجراتی کو اپنے پاس پناہ دے کر بڑے غرور سے اس علاقے پر حکومت کر رہا تھا) لشکر کشی کی۔ خان اعظم نے بڑی دانشمندی سے کام لے کر مظفر شاہ کو اپنے ساتھ لیا اور احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ مظفر شاہ نے راستے میں موقع پا کر خودکشی کر لی۔ خان اعظم نے اس کا سر قلم کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور خود احمد آباد پہنچا۔

اڑیسہ کی فتح

اسی سال راجہ بھگوانداس کے بیٹے راجہ مان سنگھ نے قتلو افغان کے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کی اور فتح حاصل کی اس نے اڑیسہ پر قبضہ کر لیا۔ افغانوں سے ایک سو بیس ہاتھی حاصل کر کے اکبر کی خدمت میں روانہ کیے۔

تسخیر دکن کا ارادہ

خان اعظم جب حج کے لئے چلا گیا تو اکبر نے شہزادہ مراد کو مالوہ سے بلوا کر گجرات کا حاکم مقرر کیا۔ اسی زمانے میں وہ شاہی قاصد جو دکن روانہ کیے گئے تھے واپس آئے۔ انہوں نے بتایا کہ دکن کے حاکم بادشاہ کے اطاعت گزار نہیں ہیں۔ اکبر نے یہ سن کر دکن کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے شہزادہ دانیال کو ۱۰۰۲ھ میں محرم کے مہینے میں دکن کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ جب دانیال لاہور سے سلطان پور پہنچا تو اکبر کا ارادہ بدل گیا۔ اور اس نے راستے ہی سے دانیال کو بلا لیا اور اس کے لشکر کے ساتھ میرزا عبد الرحیم کو دکن روانہ کیا۔

اسی سال عبد الرحیم خان خاناں مندو پہنچا برہان نظام شاہ بحری نے اس سے پہلے خود ہی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ وعدہ کیا کہ وہ برار کا قلعہ اکبر کے سپرد کر دے گا۔ اس لیے برہان نے اپنے قاصد کے ذریعے خان خاناں کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ ۱۰۰۳ھ میں برہان نظام شاہ اچانک بیمار ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا باپ کا قائم مقام ہوا لیکن وہ ایک جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد نظام شاہیوں کے پیشوا میاں منجھو خان جاگی نے احمد نامی ایک لڑکے کو تخت نشین کر دیا' امراء نے احمد کو اپنا بادشاہ تسلیم نہ کیا اس پر ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ منجھو خاں اور امیران احمد نگر میں جنگ چھڑ گئی۔

شہزادہ مراد کا عزم دکن

منجھو خاں احمد نگر کے امیروں کا مقابلہ نہ کر سکا اور احمد نگر میں قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے شہزادہ مراد کو احمد آباد میں پیغام بھجوایا کہ اس وقت دکن کی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا ہے اگر شہزادہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائے تو قلعہ احمد نگر اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ پیغام سنتے ہی مراد آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ احمد نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبد الرحیم خان خاناں ان دنوں مندو میں مقیم تھا۔ اس نے بھی اپنے امراء کے ساتھ دکن کا رخ کیا۔ دکن کے سرحدی مقام گالنہ کے نواح میں خان خاناں شہزادہ مراد سے جا ملا۔

تمام اراکین شاہی مل کر احمد نگر کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں منجھو خاں نے اپنے مخالفین کی سرزنش کر کے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا للذا وہ شہزادے کو بلانے پر شرمندہ ہوا۔ منجھو خاں نے قلعہ اور تمام ساز و سامان حسین نظام شاہ بحری کی لڑکی چاند بی بی کے سپرد کیا اور خود احمد نظام اور سرکاری توپ خانہ ساتھ لے کر عادل شاہی سرحد کی طرف بھاگا۔ شہزادہ مراد اور عبد الرحیم خان خاناں دکن پہنچے جیسا کہ شاہان دکن کے حالات میں بیان کیا جائے گا۔ ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ میں احمد نگر پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور نقب کھودنے اور سرکوب تیار کرنے لگے۔

چاند بی بی کی بہادری

چاند بی بی نے بڑی بہادری اور دلیری سے مدافعت کی اور عادل شاہ اور قطب شاہ سے مدد کی طالب ہوئی۔ تین ماہ کے اندر اندر نقب تیار ہو کر برج تک پہنچ گئی۔ اہل قلعہ کو اس کی اطلاع ہو گئی انہوں نے ایک نقب میں سے' شگاف کر کے بارود نکال لی اور دوسری نقب کو تلاش کرنے لگے۔ شہزادہ مراد اور محمد صادق خاں نے خان خاناں کو اطلاع دیئے بغیر قلعے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ فتح کا سہرا انہیں لوگوں کے سر رہے۔ ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو جمعہ کے روز یہ دونوں قلعے کے پاس پہنچے اور نقبوں میں آگ لگا دی۔ تین نقبوں میں تو بارود موجود تھی اس لئے یہ نقبیں اڑیں اور قلعے کی تقریباً پچاس ۵۰ گز دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایک بہت بڑا راستہ پیدا ہو گیا۔

یہ لوگ بقیہ دو نقبوں کے اڑنے کے انتظار میں تھے انہیں یہ علم نہ تھا کہ ان نقبوں کی بارود نکالی جا چکی ہے ادھر یہ انتظار کرتے رہے

اور ادھر چاند بی بی کو یہ موقع مل گیا وہ برقعہ اوڑھ کر دیوار قلعہ کے شگاف کے پاس آئی اس نے اس شگاف میں بہت سی بندوقیں اور توپیں لگا دیں۔ مغل سپاہیوں نے قلعے کے اندر داخل ہونے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ چاند بی بی رات بھر دیوار کے پاس کھڑی رہی قلعے کے تمام مرد اور عورتیں مل کر دیوار کے ٹوٹے ہوئے حصے کو تعمیر کرتے رہے مٹی' پتھر اور لاشوں وغیرہ سے رات کی رات میں دیوار کا شگاف پر کر دیا گیا۔

چاند بی بی اور خان خاناں میں صلح

اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ عادل شاہی لشکر کا سردار سہیل خاں خواجہ سرا' تقریباً ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر احمد نگر کی طرف آ رہا ہے۔ شاہی لشکر میں غلہ کی کمی کی وجہ سے متعدد مصیبتیں پیدا ہو گئیں' ادھر چاند بی بی بھی محاصرے کی تکالیف سے بیزار تھیں' عبد الرحیم خان خاناں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ صلح کر لی جائے۔ اس نے لڑائی بند کر دی اور صلح کا پیغام بھیجا چاند بی بی نے صلح منظور کر لی۔ اور یہ وعدہ کیا کہ برہان نظام شاہ کے اقرار کے مطابق برار پر شہزادہ مراد کا قبضہ رہے گا اور احمد نگر اور اس کے مضافات پر برہان نظام شاہ کے پوتے بہادر نظام شاہ کی حکومت رہے گی۔ صلح کے بعد خان خاناں اور شہزادہ مراد برار روانہ ہوئے انہوں نے بالاپور کے قریب ایک شہر آباد کیا اس کا نام شاہ پور رکھا اور یہیں قیام پذیر ہوئے۔

دکنیوں اور خان خاناں میں جنگ

انہیں دنوں شہزادہ مراد نے بہادر خان فاروقی کی بیٹی سے شادی کی اور برار کے پرگنے اپنے امراء میں تقسیم کیے۔ اسی زمانے میں مشہور امیر شہبانہ کنبوہ شہزادہ مراد سے ناراض ہو کر مالوہ چلا گیا۔ چاند بی بی نے بہادر نظام شاہ کو احمد نگر کا بادشاہ بنایا۔ ابھنگ خاں حبشی کے ہاتھ دوبارہ ملک کا سارا انتظام آ گیا۔ اس نے چاند بی بی کی مرضی کے خلاف عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں کی مدد سے پچاس ہزار کا لشکر جمع کیا اور مغل امیروں سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے برار روانہ ہو گیا۔ خان خاناں نے شہزادہ مراد اور صادق محمد خاں کو شاہ پور ہی میں چھوڑا اور خود شاہرخ میرزا اور حاکم برہان راجہ علی خاں فاروقی کے ہمراہ دکنیوں سے لڑنے کے لئے نکل پڑا۔ پچیس ہزار سواروں کے ساتھ وہ دریا کے کنارے سون پت کے قریب آیا۔

خان خاناں کی فتح

خان خاناں نے چند روز تک سون پت میں قیام کیا اور پھر دریا کو پار کیا۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ کو عادل شاہی لشکر کا سردار سہیل خاں ایک زبردست لشکر لے کر آیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی دونوں کے بہت سے نامی گرامی سردار اور امراء میدان جنگ میں کام آئے بالآخر قسمت نے خان خاناں کا ہی ساتھ دیا۔ سہیل خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے ملازم اپنے آقا کو اٹھا کر میدان جنگ سے باہر لے آئے۔ خان خاناں اس فتح سے بہت خوش ہوا اور کچھ دنوں کے بعد شاہ پور میں واپس آ گیا۔

اکبر کو عبد اللہ خاں اوزبک کی موت کی خبر ملی تو وہ لاہور سے آگرہ آ گیا۔ متذکرہ بالا فتح کی خبر سن کر بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اس نے خانخاناں کے لئے ایک گھوڑا اور خلعت فاخرہ بطور تحفہ روانہ کیا۔ کچھ دنوں بعد صادق محمد خاں کی وجہ سے شہزادہ مراد اور خان خاناں میں رنجیدگی پیدا ہو گئی۔ ۱۰۰۶ھ میں اکبر نے خان خاناں کو اپنے پاس بلا لیا کچھ دنوں تک وہ دشمنوں کے لگانے بجھانے کی وجہ سے خان خاناں سے ناراض رہا۔

شہزادہ مراد کا انتقال

عبد الرحیم خاناں کی واپسی کے بعد سید یوسف خاں مشہدی اور شیخ ابو الفضل نے مملکت برار میں سرتالہ' کاویل' کھرلہ کے مشہور قلعے فتح کیے۔ اسی زمانے میں شہزادہ مراد ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا یہ مرض' مرض الموت ثابت ہوا۔ ماہ شوال ۱۰۰۷ھ میں شہزادے کا انتقال

ہو گیا جنازہ دہلی لایا گیا۔ اور شہزادے کو اس کے دادا ہمایوں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس سانحہ کی تاریخ اس معرعے سے برآمد ہوتی ہے۔

از گلشن اقبال نہالے شدہ کم

اکبر کو نوجوان بیٹے کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔

دکن کی مہم

اکبر نے دکن کی تسخیر کے لئے کوشش جاری رکھی۔ نظام شاہی امراء نے قوت حاصل کر کے حاکم بئیر شیر خواجہ کو شکست دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سید یوسف حسن مشہدی اور شیخ ابو الفضل' نظام شاہیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ اکبر نے خان خاناں کی طرف لطف و کرم کی نظر کی اور اس کی بیٹی کو شہزادہ دانیال کے ساتھ بیاہ دیا اور خان خاناں اور شہزادہ دانیال دونوں کو دکن کی طرف روانہ کیا۔ اکبر نے شہزادے کی روانگی کے بعد خود بھی وسط ۱۰۰۸ھ میں دکن کا سفر کیا۔ خان خاناں اور شہزادہ دانیال دکن پہنچے انہیں معلوم ہوا کہ راجہ علی خاں فاروقی کا بیٹا بہادر خاں اپنے باپ کے برعکس بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار نہیں ہے دونوں قلعہ اسیر میں پہنچے اور مونگی پٹن کے قریب دریائے گوداوری کے کنارے قیام پذیر ہو کر بہادر خاں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنے لگے۔

قلعہ احمد نگر کا محاصرہ

اسی زمانے میں اکبر بھی مندو پہنچ گیا۔ اس نے خان خاناں اور دانیال کو قلعہ احمد نگر کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اور بہادر خاں کو تنبیہہ کا کام اپنے ذمے لیا۔ خان خاناں بیس ہزار کا لشکر لے کر احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھنگ خان حبشی اور دیگر امراء بغیر جنگ کئے بغیر فرار ہو گئے شاہی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

قلعہ اسیر کی فتح

اکبر نے پہلے تو بہادر خاں کو نصیحت کی اور اسے صحیح راستے پر چلنے کا مشورہ دیا' لیکن اس نصیحت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد اکبر مندو سے برہان پور آیا' اور شاہی امراء قلعہ اسیر کو فتح کرنے میں مصروف ہو گئے۔ محاصرہ بہت دیر تک جاری رہا اس وجہ سے قلعہ میں گندگی پھیل گئی۔ لوگ بیمار ہو ہو کر مرنے لگے' فوج کی کثرت' قلعے کے مستحکم ہونے اور غلے کی موجودگی کے باوجود بہادر خاں فاروقی بہت پریشان و ہراساں ہوا۔ جب ۱۰۰۹ھ میں احمد نگر کا قلعہ فتح ہو گیا تو بہادر خاں کی پریشانی زیادہ بڑھی اور اس نے بادشاہ سے جان کی امان طلب کی۔ اس نے اسی سال اسیر کا عظیم الشان قلعہ اکبر کے حوالے کر دیا۔ قلعے کا تمام ساز و سامان' خزانے اور جواہرات وغیرہ بھی بادشاہ کے قبضے میں آ گئے۔

خان خاناں اور شہزادہ دانیال بادشاہ کے حکم کے مطابق برہان پور آئے۔ انہوں نے وہاں مال غنیمت جو قلعہ احمد نگر سے حاصل کیا گیا تھا' بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے صلح کی درخواست کی اکبر نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور اس کی بیٹی کو شہزادہ دانیال کے لیے طلب کیا۔ اکبر نے میر جمال الدین انجو کو دلہن اور دیگر تحفے تحائف وغیرہ لانے کے لئے روانہ کیا اور اسیر' برہان پور' احمد نگر اور برار کے علاقے دانیال کے سپرد کیے' خانخاناں کو شہزادے کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد اکبر کامیاب و کامران دار السلطنت واپس آیا۔

ابو الفضل کی وفات

۱۰۱۰ھ میں اکبر آگرہ پہنچ اور اس نے تمام ممالک محروسہ میں فتح نامے روانہ کیے۔ ۱۰۱۱ھ میں شاہی فرمان کے مطابق ابو الفضل شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ نرور کے علاقے میں اورچہ کے راجپوتوں نے مال و دولت کی حرص میں ابو الفضل کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے تمام ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ صفر ۱۰۱۳ھ میں میر جمال الدین انجو جس کو بیجاپور روانہ کیا گیا تھا' وہ دلہن اور پیشکش لے کر' ابراہیم

عادل شاہ کے ایلچی کے ہمراہ واپس آیا۔ دریائے گوداوری کے کنارے مونگی پٹن کے قریب جشن شادی منعقد کیا گیا۔ اور دلہن شہزادہ دانیال کے حوالے کر دی گئی۔ اس کے بعد میر جمال آگرہ آیا اور پیشکش کی رقم بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔

اکبر کی وفات

اسی سال کے شروع میں شہزادہ دانیال شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے بیمار پڑ گیا اور اس نے جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اکبر اپنے دو بیٹوں کی بے وقت موت سے بہت ملول و حزین ہوا۔ اس وجہ سے اس کی صحت کی دیوار گرتی چلی گئی یہاں تک کہ ۱۳ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ کو اکبر کا انتقال ہو گیا۔ اکبر نے اکاون سال اور چند مہینے تک حکومت کی "فوت اکبر شاہ" سے بادشاہ کا سال وفات بر آمد ہوتا ہے۔

اکبر کا کردار

اکبر اگرچہ اچھی طرح پڑھ لکھ نہ سکتا تھا' لیکن علم سے اسے لگاؤ ضرور تھا۔ کبھی کبھی وہ شعر و شاعری بھی کیا کرتا تھا' علم تاریخ سے بڑی اچھی واقفیت تھی۔ ہندوستانی قصوں سے پوری طرح واقف تھا۔ امیر حمزہ کا قصہ' جس میں تین سو ساٹھ داستانیں ہیں' اس کو دربار اکبری کے فاضلوں نے نظم و نثر دونوں میں بیان کیا ہے۔ یہ نسخہ باتصویر طور پر مرتب کیا گیا ہے یہ انداز پیشکش اکبری کی ایجاد ہے۔

ڈاک چوکی

اکبر کے عہد میں "ڈاک چوکی" کا بھی معقول انتظام تھا' عام راستوں پر پانچ پانچ کوس کے فاصلے سے دو گھوڑے اور چند گھوڑ سوار مقرر کیے جاتے تھے' شاہی فرمان یا امراء کے معروضات جب ایک چوکی پر پہنچتے تو گھوڑ سوار انہیں دوسری چوکی تک پہنچا دیتے۔ اس طرح دن رات میں پچاس کوس کا فاصلہ طے ہو جاتا' آگرہ سے احمد آباد گجرات تک پانچ روز تک خبریں پہنچ جاتی تھیں۔ اگر کوئی شخص کسی مقام سے بادشاہ کو ملنے کے لئے آتا یا بادشاہ کے حکم کے مطابق کہیں جاتا تو وہ ڈاک چوکی کے گھوڑوں کے ذریعے ہی سفر کرتا تھا تاکہ جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے یہ گھوڑے بہت تیز رفتار ہوتے تھے۔

اکبر کا ترکہ

اکبر کے دروازے پر جتنے ہاتھی تھے اتنے کسی اور بادشاہ دہلی کے دروازے پر نہ تھے۔ یہ ہاتھی تعداد میں پانچ ہزار سے زیادہ اور چھ ہزار سے کم تھے۔ اکبر نے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) روپیہ دس کروڑ
(۲) لعل خاصہ - ایک کروڑ
(۳) سونا غیر مسکوک' دس من پختہ
(۴) چاندی غیر مسکوک' ستر من پختہ
(۵) پول سیاہ' ساٹھ من پختہ
(۶) تنگہ' پانچ ارب
(۷) گھوڑے' بارہ ہزار
(۸) ہاتھی' چھ ہزار
(۹) ہرن' ایک ہزار
(۱۰) چیتے' ایک ہزار

بعض مورخین کا بیان ہے کہ اکبر کے چیتوں کی تعداد ایک ہزار تک کبھی نہیں پہنچی' اکبر نے بارہا کوشش کی کہ ان کی تعداد ایک ہزار تک ہو جائے۔ جب تعداد نو سو کو پہنچتی تو ان میں وبا پھیل جاتی اور بہت سے چیتے ضائع ہو جاتے۔ اکبر کا قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

جلال الدین محمد شاہ اکبر زدنیا گشت سوئے خلد راہی
چوں رضواں دید حیراں شد کہ ایں کیست ندا آمد کہ یک ظل الٰہی

حوالہ جات

(۱) صحیح نام "سانبھر" ہے' یہ مقام ریاست جے پور میں واقع ہے۔
(۲) فرشتہ نے سہواً "پورن مل" لکھ دیا ہے۔ اس راجہ کا صحیح نام "بہارمل" ہے۔
(۳) یہ میرٹھ نامی مشہور شہر نہیں' بلکہ "میرٹہ یا میرٹا" ہے۔ جو ریاست جودھپور کا ایک قصبہ ہے۔
(۴) بیجانگر سہو کاتب ہے "بجے گڑھ یا بیجا گڑھ ہونا چاہیے۔
(۵) یہ سند غلط ہے اکبر نے ۹۷۲ھ میں ازبکوں پر حملہ کیا تھا۔
(۶'۷) لکھنوتی غلط ہے یہاں لکھنؤ ہونا چاہیے۔
(۸) نرہن' ضلع سارن' مغربی بہار میں تھا۔
(۹) صحیح نام "جے مل" ہے۔ جتمل نہیں۔
(۱۰) میرزا مسعود سہو کتابت ہے' دیگر مستند تواریخ میں میرزا منیر لکھا ہے۔

مقالہ سوم

○

فرمانروان دکن

و

سلاطین بہمنیہ

فرمانروایان دکن

میں نے دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھنے کے بعد سلاطینِ دکن کے حالات کی طرف توجہ کی ہے اور مختلف بادشاہوں کا ان کے عہد حکومت کے لحاظ سے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے بہمنی خاندان کی تفصیل لکھی ہے۔ حالات کی تفصیل لکھنے میں مجھے کسی طرح کے صلہ اور ستائش کی تمنا نہیں۔ خاقان اعظم ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مجھ پر یوں بھی بہت مہربانیاں ہیں اور میرا پاؤں خزانہ کے سر پر ہے۔ میں بادشاہ کے دریائے سخاوت سے ویسے بھی محظوظ ہو رہا ہوں۔ میں بادشاہ کا فرماں بردار رہ کر ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہوں جو ہر ایک کو پسند ہو اور اس میں برصغیر ہندوستان کے تمام حالات کی تفصیل آ جائے۔ میں نے کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) حسن آباد اور گلبرگہ کے بادشاہوں اور احمد آباد بیدر کے حالات بیان کیے گئے ہیں جو سلاطین بہمنیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) سلاطین بیجاپور عادل شاہیہ وغیرہ کے حالات میں۔

(۳) نظام شاہ وغیرہ شاہان احمد نگر کے بارے میں ہے۔

(۴) تلنگانہ کے فرمانرواؤں یعنی قطب شاہ وغیرہ کا بیان ہے۔

(۵) شاہان برار عماد شاہیہ وغیرہ کے حالات۔

(۶) فرمانروایان بیدر برید شاہیہ کے تمام حالات۔

میں نے ہر ایک خاندان کی الگ الگ تفصیل بھی پیش کی ہے۔ اور سب سے پہلے حسن آباد اور گلبرگہ کے حکمرانوں کے بارے میں لکھا ہے۔ جن کا ذکر تاریخ ہند میں بہمنی خاندان کے بادشاہوں کے نام سے کیا گیا ہے۔

سلاطین بہمنیہ

سلطان علاؤ الدین حسن گانگو بہمنی

حسب و نسب

اس بادشاہ کے حسب و نسب کے بارے میں مختلف مورخوں نے مختلف طرح سے خیال آرائی کی ہے- لیکن جو بات سب سے زیادہ حقیقت کا پہلو رکھتی ہے اور قرین قیاس بھی ہے- فرشتہ نے اسی پر اکتفا کی ہے اور خواہ مخواہ کے لئے تحریر کو طول دینے سے گریز کیا ہے- ہاں بر سبیل تذکرہ لکھ دیا ہے کہ بعض مورخوں کا خیال تھا کہ ایک شخص جس کا نام حسن تھا وہ دارالسلطنت دہلی میں ایک آدمی گنگو برہمن منجم کا ملازم تھا یہ منجم محمد تغلق کا اس وقت مقرب خاص تھا جب وہ زمانہ شہزادگی میں تخت دہلی کا وارث ہوا- حسن کو ہمیشہ معاشی مشکلات کا سامنا رہتا تھا اور وہ اپنی تنگدستی سے کسی حد تک پریشان بھی ہو گیا تھا- لہٰذا ایک دن تنگ آ کر اس نے گنگو برہمن سے فکر معاش کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس کو کوئی ایسی نوکری یا روزگار مل جائے جس سے وہ اپنا کفیل ہو سکے اور غربت و افلاس کا بھی خاتمہ ہو جائے- گنگو نے اس کے ساتھ یہ ہمدردی کی کہ نواح دہلی ہی میں اس کو بنجر زمین کا ایک ٹکڑہ ایک جوڑی بیل اور کام کرنے کے لئے دو مزدور دیئے تاکہ وہ اس زمین پر کھیتی باڑی کر کے اپنا پیٹ پال سکے- مزدوروں نے زمین کو کاشت کے لئے کھودنا شروع کیا-

ایک دن مزدور زمین میں ہل چلا رہے تھے کہ ہل کی نوک زمین کے اندر پھنس گئی- مزدوروں نے حسن کو جا کر بتایا اور بعد میں نکالنے پر معلوم ہوا کہ ہل کی نوک ایک زنجیر سے پھنس گئی تھی- اور زنجیر ایک بڑے برتن کے منہ سے بندھی ہوئی ہے- برتن کو کھود کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ علائی عہد کے سونے کے سکے اور اشرفیاں اس میں لبالب بھری ہوئی ہیں- حسن کی ایمانداری نے یہ قبول نہ کیا کہ آقا کی دی ہوئی زمین کے مال میں خیانت کرے- لہٰذا اس نے یہ ساری دولت اس برتن کی چادر میں باندھی اور گنگو کے مکان پر پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا- گنگو نے حسن کی ایمانداری کی تعریف کی اور صبح ہوتے ہی اس نے یہ سارا واقعہ محمد تغلق کے سامنے لفظ بلفظ بیان کر دیا- شہزادہ محمد تغلق کو حسن کی ایمانداری اور سچائی پر بہت حیرت ہوئی اور اس نے اپنے دربار میں حسن کو طلب کیا- شہزادہ کو بھی حسن کا حلیہ اس کا رنگ ڈھنگ بہت پسند آیا اور اس نے اپنے والد سلطان غیاث الدین تغلق کو یہ تمام حالات بتائے- بادشاہ غیاث الدین تغلق بھی حسن کے اچھے کردار سے بہت متاثر ہوا اور اس کو شاہانہ نوازشات سے سرفراز کیا اور یک صدی امیروں کے زمرہ میں شامل کر لیا-

لفظ بہمنی کی اصل

ایک دن گنگو برہمن نے حسن سے کہا کہ "تمہاری قسمت کا زائچہ بتاتا ہے کہ تم کسی دن بہت بلند اقبال اور باعزت بنو گے اور خدا کے کرم سے کسی اونچے عہدے پر پہنچ جاؤ گے" یہ کہنے کے بعد اس نے عہد کرا لیا "اگر خدا تجھے کوئی باعزت عہدہ دنیا میں عطا کرے تو تم میرا نام بھی اپنے نام کا جزو بنا کر لکھنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا نام بھی حیات جاوداں حاصل کر لے-" دوسرا وعدہ یہ لیا "خزانچی کے عہدہ پر مجھے اور میرے بعد میری اولاد کے سوا کسی اور کو نہ رکھنا-" حسن نے اپنے محسن کے دونوں وعدوں پر مہر صداقت ثبت کی' اور بغیر کوئی بلند عہدہ ملے ہی اس نے اپنے نام کے ساتھ گنگو بہمنی لکھنا شروع کیا اور اپنا نام حسن گنگو بہمنی لکھنے لگا-

دکن کی حکمرانی

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے آستانہ پر ایک دن ہر خاص و عام کی دعوت تھی' دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے اور اس دعوت شیراز میں ہر ایک کو شرکت کرنے کی اجازت تھی- لہٰذا شہزادہ محمد تغلق بھی اس دعوت میں شریک ہوا تاکہ تمام بزرگوں کے فیض صحبت سے مستفید ہو- جب محمد تغلق نیز دیگر مہمان کھانا کھا کر چلے گئے اور دسترخوان اٹھا دیا گیا- تب حسن گانگو حضرت شیخ نظام الدین کے آستانے پر پہنچا تاکہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کرے' لیکن اس سے پہلے ہی حضرت کو اپنے انوار باطن سے اس کے آنے کی خبر ہو گئی تھی- اس کے آنے کی اطلاع ملے بغیر ہی انہوں نے اپنے ملازم سے کہا "ایک شخص جو نہایت شریف باطن اور شکل و صورت سے بھی شرافت و نیکی کی تصویر ہے باہر کھڑا ہے اس کو بلا کر لاؤ-" ملازم حسن گنگو کو لینے کے لئے باہر گیا مگر اسے پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھ کر اس کو اعتبار نہ آیا کہ یہی وہ شخص ہو گا جس کو حضرت نے طلب فرمایا ہے- اس نے بارگاہ حضرت میں واپس آ کر عرض کیا کہ دروازے پر کوئی بھی آدمی نہیں ہے ہاں ایک مفلوک الحال اور پریشان صورت شخص البتہ کھڑا ہوا ہے- اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہاں وہی شخص ہے جو بظاہر فقیر معلوم ہو رہا ہے' لیکن درحقیقت دکن کا تاجدار ہو گا- غرضیکہ حسن گنگو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور شرف ملاقات حاصل کیا- حضرت نے حسن پر بہت مہربانی کی اور اس سے پرسش احوال کی' چونکہ کھانا ختم ہو چکا تھا لہٰذا حضرت شیخ نے اپنے افطار کے لئے جو روٹی رکھی تھی اس میں سے تھوڑی سی روٹی اپنی انگلی کے سرے پر رکھ کر حسن کو دی اور کہا یہ دکن کی حکمرانی کا تاج ہے جو بہت کشمکش' محنت اور عرصہ دراز کے بعد تیرے سر پر رکھا جائے گا-

دکن کی فتح کا خیال

حسن گنگو نے حضرت شیخ کی گفتگو کو فال نیک سمجھا اور یہ بشارت سن کر دکن کو سر کرنے کی فکر میں لگ گیا' بہت دنوں تک تو وہ موقع کے انتظار ہی میں رہا- اور یہی فکر دامنگیر رہی کہ سرزمین دکن پر حکمرانی کا موقع کیسے ملے گا وہ اس خواہش کی تکمیل میں مصروف ہی تھا کہ سلطان محمد تغلق دکن گیا اور وہاں جا کر اس نے اپنے استاد تغلق خاں کو دولت آباد کا فرمانروا بنا دیا اور یہ حکم عام کر دیا کہ جس کا دل چاہے خواہ وہ منصب دار ہو یا امیر' تغلق خاں کے ہمراہ دولت آباد میں قیام کر سکتا ہے- حسن کے لئے یہ اچھا موقع تھا اور وہ ان تمام ایک صدی امراء کے ساتھ نیز دیگر دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ دولت آباد میں جا کر رہنے لگا- حسن کو بطور جاگیر کونجی کا شہر اور رائے باغ کے کچھ حصے ملے- اسی دوران میں جیسا کہ عہد تغلق میں بیان کیا جا چکا ہے محمد تغلق نے کچھ منصب داروں پر اس لئے حملہ کیا تاکہ ایک صدی امراء کی بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کیا جائے- اور ان سرکش امیروں میں سے جو ملا اس کو فوراً قتل کر دیا گیا اور جو امراء باقی بچ گئے تھے ان کا باقاعدہ تعاقب کر کے انہیں آوارہ وطن کر دیا گیا- ان بھاگے ہوئے امراء میں سے بہت سے جا کر دکن میں رہنے لگے-

تغلق کو جیسے ہی شاہی فرمان ملا اس نے اپنے بھائی' عالم الملک کو دولت آباد کا حاکم بنا دیا اور خود بادشاہ کے پاس واپس چلا آیا- دکن کے امراء نے عالم الملک کی پرواہ کیے بغیر شاہی سرکشوں اور مجرموں کو اپنے دامن میں پناہ دی- محمد تغلق کو یہ تمام حالات معلوم ہوئے اور اس نے سوچا کہ ایک صدی امراء کا بڑا گروہ جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف شاہی مجرموں کو پناہ دے رہا ہے اسے دولت آباد سے واپس بلا کر ایک دوسرا گروہ وہاں بھیج دیا جائے لہٰذا محمد تغلق نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے احمد لاچین' قزلباش بیگ اور ملک علی وغیرہ کو عالم الملک کے پاس دولت آباد روانہ کر دیا اور تنبیہہ کے طور پر ایک فرمان بھی ان لوگوں کے ہمراہ روانہ کیا- اس فرمان کا مضمون یہ تھا کہ دکن کے تمام ایک صدی امراء گجرات میں جمع ہو جائیں کیونکہ وہاں ایک بہت بڑی جمعیت کی ضرورت ہے- عالم الملک نے فوراً ہی اس حکم کو بجا لانے کے لئے قاصدوں کو دوڑا دیا' گلبرگہ' رائچور وغیرہ قاصد پہنچ گئے- ان امراء نے مسلسل چھ مہینے تو اپنی تیاری میں صرف کیے اور اس مدت کے بعد چار ہزار مسلح فوج کے ہمراہ دولت آباد میں قدم رکھا اور عالم الملک کی اجازت کے بعد چار ہزار مسلح فوج کے ہمراہ دولت آباد

میں قدم رکھا اور عالم الملک کی اجازت کے بعد لاچین کی سرکردگی میں گجرات کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ احمد لاچین نے یہ ناسمجھی کی کہ ان امراء سے غلط قسم کی توقعات وابستہ کرلیں اور جب وہ پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئیں تو اس نے ان امراء کی غیبت شروع کی۔ اس گروہ پر یہ الزام تراشے کہ ان امراء نے اول تو یہ غلطی کی کہ چلنے میں چھ ماہ کی مدت لگادی' دوسرے یہ کہ گجرات کے سرکش اور باغی امراء کو پناہ دی۔

یہ الزامات گو کہ غائبانہ طور پر تراشے گئے تھے مگر ان امراء کے کانوں تک ان کا پہنچ جانا لازمی تھا۔ للذا ان لوگوں نے "مانک گنج" کے درہ تک پہنچ کر جو کہ دکن کی سرحد ہے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس مجلس میں تمام امراء نے شرکت کی اور کہا کہ محمد تغلق' جب بے گناہوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا کرتا ہے تو ہم لوگوں سے تو دو گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ للذا وہ گنہگار اور بے گناہ میں تمیز کیے بغیر قتل کا حکم دے دے گا۔ اس لئے بکری کی طرح خود کو قصاب کے حوالہ کرنے سے فائدہ؟ اچھا ہے کہ ہم دکن سے باہر نہ جائیں اور نہ مفت میں اپنی زندگی قصائی کے حوالہ کریں۔" یہ مشورہ کرکے تمام امراء اپنے اپنے مقامات کی طرف سرحد سے چلے گئے۔ احمد لاچین نے بہت سختی سے انہیں روکنا چاہا لیکن اس تگ و دو میں مارا گیا۔ دکن کی تمام رعایا محمد تغلق کی سخت گیر پالیسی اور غیظ و غضب سے ویسے ہی پریشان تھی اور ہر ایک اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا تھا۔ اسلئے تمام رعایا ان امیروں سے مل گئی اور جو لوگ خود نہ آسکے انہوں نے اپنے قابل اعتماد لوگوں کو ان امراء کے پاس بھیج کر اپنی ہمدردی کا ثبوت دیا۔

غرضیکہ ان تمام حالات کی وجہ سے ضحاک اور کاوہ آہنگر کا سا منظر یہاں بھی تھا اور ایک ایسی بغاوت نے جنم لیا جس کو فرو کرنا بنی نوع انسان کا کام نہ تھا۔ عماد الملک ترکمان جس کا لقب سرتیز تھا وہ اس زمانہ میں ایلچپور میں مقیم تھا۔ یہ محمد تغلق کا داماد تھا اور برار و خاندیس کا سپہ سالار بھی تھا۔ عماد الملک کو یہ خیال ہوا کہ شاید خاندیس اور برار کے اچھے اچھے امراء سرکشوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ خود عماد الملک کو بھی اپنی جان کی خیر نظر نہ آئی اور یہی شبہ ہوا کہ شاید تمام امراء اس کی حکومت سے خوش نہیں ہیں اور تعجب نہیں کہ اس کو بھی قتل کردیں۔ للذا اس نے ایلچپور میں زیادہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور شکار کھیلنے کا بہانہ کرکے اپنے کچھ قابل اعتماد امراء کو ساتھ لے کر ایلچپور سے نکل کھڑا ہوا۔ سارے راستہ شکار کھیلتا ہوا سلطان پور ندربار میں پہنچا' امراء کے گروہ کو اس کے فرار ہونے کی اطلاع ہوگئی۔ وہ لوگ اس کے مال و متاع پر قابض ہوگئے اور اس کی تمام دولت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ دولت آباد گئے اور سرکش منصب داروں سے جاکر مل گئے۔ دولت آباد کے لوگوں نے اپنی جان کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ اطاعت گزار بن جائیں۔ قلعہ کے لوگوں نے عماد الملک کو گرفتار کرلیا اور تمام خزانہ اور شاہی مال و متاع ان سرکشوں کے ہاتھ آگیا۔ غرضیکہ دکن کی حکومت جو بادشاہ محمد تغلق کے قبضہ میں تھی اور محنت شاقہ کے بعد حاصل کی گئی تھی تین ماہ کے اندر ہی اندر مملکت دہلی سے باہر ہوگئی اور پورے دکن میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو تغلق کا فرمانبردار کہلایا جاسکے۔

اسمٰعیل فتح خاں کا اقتدار

ایک صدی امراء نے جب دکن کو اپنے ہاتھ میں کرلیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اب حاکم یا سردار کے بغیر سلطنت کا کام نہ چل سکے گا۔ للذا کوئی ایسی طاقت ضروری ہے جس کے تحت سلطنت کے تمام کام انجام پائیں۔ انہوں نے اپنے گروہ میں سے کسی کو حکمران منتخب کرنے کی ترکیب سوچی اور طول طویل بحث کے بعد اسمٰعیل فتح خاں کے ہاتھ میں دکن کی سلطنت کی باگ ڈور دیدی گئی۔ اسمٰعیل محمد تغلق کا بہت بلند مرتبہ دو ہزاری منصب دار تھا' اس کا بڑا بھائی ملک گل' تغلقی امراء میں بہت ممتاز تھا اور ہر ایک اس کا احترام کرتا تھا وہ اس وقت ایک لشکر عظیم کے ساتھ مالوہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسمٰعیل فتح خاں کو حکمران بنانے میں ایک یہ نکتہ بھی تھا کہ بوقت ضرورت ملک گل اپنے بھائی کو کمک پہنچائے گا۔ غرضیکہ اسمٰعیل فتح خاں ناصرالدین شاہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور عوام نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر

لیا۔ اس کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا اور دکن میں جو مختلف طرح کے خطابات امراء کے لئے مخصوص تھے ہر ایک نے ان میں سے اپنے اپنے لئے ایک منتخب کر لیا اور دکن میں جو مختلف مقامات پر قبضہ کر کے بیٹھ رہا یہ امراء پورے دکن پر قبضہ کر کے فوج جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور محمد تغلق کی مخالفت پر متحد طور پر آمادہ ہو گئے۔ جب خطابات اور جاگیروں کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت حسن گنگو کو بھی "ظفر خاں" کا خطاب ملا۔ گلبرگہ' رائے باغ' میرچل' کلیر' ہیکری کے پرگنے اس کے قبضے میں آئے۔ حسن گنگو نے بہرون رائے کو جو گلبرگہ کا حکمران تھا اور محمد تغلق کے قابل اعتماد لوگوں میں سے تھا' مار ڈالا۔ اب وہ مکمل طور پر گلبرگہ کا حاکم ہو گیا تھا۔ ایک شخص جس کا نام نور الدین تھا اس کو خاں جہاں کا خطاب دیا گیا اور دکن کے سب سے بہترین مقامات اس کی جاگیر میں دیئے گئے۔

ناصر الدین شاہ اور محمد تغلق کی جنگ

محمد تغلق کو ان حالات کی اطلاع گجرات میں ہوئی اور وہ جلد از جلد دولت آباد پہنچنے پر آمادہ ہو گیا۔ عماد الملک اور ملک گل افغان بھی لشکر عظیم لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ناصر الدین شاہ بھی تیس ہزار افغانی امراء بہت سے مغل راجپوت اور دکنی سپاہیوں کو لے کر دولت آباد کے قلعہ سے باہر نکلا اور اسی میدان میں محمد تغلق کے مقابلہ پر صف آرا ہوا جس میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے رام دیو کے بیٹے کو شکست دی تھی۔ بہت زور کی معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ ناصر الدین شاہ نے بادشاہ کے میمنہ اور میسرہ کی سپاہ کو بہت پریشان کر دیا' قریب تھا کہ سلطنت دہلی کا تاجدار اپنی رعایا ہی کے ہاتھوں یا تو گرفتار ہو جاتا یا پھر راہ فرار اختیار کرتا کہ عذاب خداوندی دکن کی رعایا پر نازل ہوا۔ ظاہر ہے کہ اپنے حکمران سے غداری کرنا ان کو کیسے راس آتا حسن اتفاق سے نور الدین خان جہاں کے ایک ایسا تیر لگا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور خاصہ کے پورے چھ ہزار سوار میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ ناصر الدین شاہ کے علمبردار پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے جھنڈا نیچے گر پڑا۔ جب جھنڈے کو بلند نہ دیکھا تو یہ تمام سپاہی سمجھے کہ ناصر الدین نے شکست قبول کر لی۔ اس پر تمام سپاہی بھی بھاگ نکلے اور اس کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ اب چونکہ مغرب کا وقت ہو رہا تھا لہٰذا مزید جنگ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہو رہا تھا اور میدان جنگ کے نزدیک ہی محمد تغلق نے اپنے خیمے گاڑے اور زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ رات بھر اس کی سپاہ غفلت کی نیند نہ سوئی' دوسری صبح کو ناصر الدین شاہ' حسن گنگو اور دیگر امراء نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ اور آپس میں یہ گفت و شنید ہوئی کہ ناصر الدین شاہ جتنی سپاہ چاہے اپنے ساتھ لے کر دولت آباد کے قلعہ کی حفاظت کرے اور حسن گنگو جس کا لقب ظفر خان تھا وہ بارہ ۱۲ ہزار مسلح فوج کو اپنے ہمراہ لے کر گلبرگہ کے قلعہ میں نہایت ذمہ داری کے ساتھ رہے اور بادشاہ کی فوج جس طرف بڑھے یہ اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کرے۔ یہ بھی طے پایا کہ جو باقی امراء فوج میں شامل تھے وہ اپنی اپنی جاگیروں پر جا کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو جائیں اپنے پرگنوں کی حفاظت کرنے کے علاوہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں ہرگز تامل نہ کریں۔

اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے تقریباً نصف رات گزری ہو گی کہ باقی امراء اپنے اپنے پرگنوں پر چلے گئے۔ محمد تغلق نے صبح کے وقت رزمگاہ کو بالکل خالی پایا۔ اس کے بعد محمد تغلق نے حسن گنگو کا پیچھا کرنے کے لئے ایک بہت ہی ظالم اور سفاک اور جری فوج کو بھیجا اور خود دولت آباد کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بادشاہ کے درباری نجومیوں نے بتایا کہ تین دن قلعہ کا محاصرہ کرنا مناسب نہ ہو گا۔ محمد تغلق نے اس عرصہ میں اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے اہل دولت آباد پر اپنا رعب اور دبدبہ قائم رکھا اور چوتھے دن اہل قلعہ سے جنگ کا آغاز کیا۔ سرنگ کھودنے' منجنیق اور ساباط بنانے میں لگ گئے اور قلعہ کے لوگوں پر روز بروز زیادہ سے زیادہ سختی کرنا شروع کی۔

محمد تغلق کا عزم گجرات

اسی اثناء میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ طغی نام کے ایک غلام نے علم سرکشی بلند کیا ہے اور اس پر گجرات کو فتح کرنے کا خبط سوار ہے اور

اس مقصد کے لئے وہ دہلی سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر محمد تغلق نے دولت آباد کا محاصرہ کرنے کے لئے اپنی فوج کے ایک حصہ کو چھوڑا اور خود گجرات کی طرف بڑھ گیا۔ ناصرالدین شاہ کے بعض امراء کو جو پاٹودہ (۱) اور ناسک میں تھے یہ معلوم ہو گیا کہ بادشاہ دولت آباد کی طرف واپس آ رہا ہے لہٰذا وہ سب بھی دولت آباد ہی آ گئے۔ بادشاہ کا لشکر پہلے ہی محاصرہ کے لئے موجود تھا اس کے مقابلہ میں ان کا یہ لشکر بہت تھوڑا تھا اس لئے ان کی ایک نہ چلی اور وہ لوگ بادشاہ کا پیچھا کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے۔ اور دریائے نربدا کے ساحل پر پہنچ کر بادشاہ کے آگے اور پیچھے کی فوج پر حملہ کر کے تمام مال و متاع چھین لیا اور چند ہاتھیوں کو روک لیا جو سونے اور اشرفی سے بھرے ہوئے تھے ان سب کو پکڑ کر اپنی جائے قیام پر واپس آئے۔ حسن گنگو اس امداد غیبی سے باغ باغ ہو گیا اس نے فوراً ہی آس پاس کے بیس ہزار امراء کی جمعیت کو اکٹھا کیا اور اس تجربہ کار سپاہ کے ہمراہ قلعہ احمد آباد اور بیدر کی طرف چلا۔

یہاں پر عماد الملک پہلے ہی ایک عظیم فوج کے ساتھ مقیم تھا جب حسن گنگو بیدر پہنچا اس وقت عماد الملک بھی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حسن گنگو کے مقابل صف آرا ہوا اور مسلسل بیس دن تک دونوں فوجیں خندق کھدوانے میں مصروف رہیں اور اس وقت تک جنگ شروع نہ ہوئی جب تک کہ حسن کو تلنگانہ کے راجہ کی طرف سے کولاس سے پندرہ ہزار پیادوں کی کمک نہ مل گئی اس راجہ نے محمد تغلق کے ہاتھوں بہت نقصان اٹھایا۔ ادھر ناصرالدین شاہ نے بھی محمد تغلق سے لوٹا ہوا تمام مال اور پانچ ہزار سوار حسن گنگو کی مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔ اب حسن گنگو کی طاقت ظاہر ہے کہ بہت بڑھ گئی تھی لہٰذا اس نے جنگ کا اعلان کیا اور پھر ملک سیف الدین کی سرکردگی میں آگے بڑھا ادھر عماد الملک جو ہمت اور بہادری میں کسی سے کم نہ تھا اس نے بھی اپنی فوج کے میمنہ اور میسرہ کو ٹھیک کیا اور حسن گنگو کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا۔ صبح سے شام تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ فریقین کے بہادر جنگ میں کام آئے۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ دکن میں حسن گنگو کی حکومت ہو لہٰذا عماد الملک (۲) جیسا جری اور جنگجو اس معرکہ میں مارا گیا۔ اور اس کی فوج کو بھی شکست ہو گئی اور تمام سپاہ ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ بہت سے سپاہیوں نے احمد آباد اور بیدر کی راہ لی اور بہت سے قندھار (۳) کے قلعہ میں پناہ گزین ہوئے۔ بعض بیچارے بہ ہزار خرابی اپنے شہر مندو تک پہنچے ظفر خاں نے دونوں قلعوں کے محاصرے کے لئے ملک سیف الدین غوری کو یہیں رہنے دیا اور خود اپنے ساتھ وہ تمام مال و اسباب جاہ و حشم لے کر جو عماد الملک کے ہاتھ آیا تھا ناصرالدین شاہ کی کمک کے لئے دولت آباد چلا اور یہاں پر محمد تغلق کے وہ تمام امراء جو محاصرہ کیے ہوئے تھے، عماد الملک ترکمان کی موت اور شکست کی خبریں سن کر بہت ہراساں تھے وہ اپنے لشکر کی آپس میں نا اتفاقی اور حسن گنگو کے پہنچنے سے اور بھی پریشان ہو گئے اور محاصرہ سے مکمل طور پر دستبردار ہو کر دہلی و گجرات چلے گئے۔

حسن گنگو کے استقبال کے لئے ناصرالدین شاہ دولت آباد سے نظام پور تک آیا، نظام پور دولت آباد سے چند کوس کے فاصلہ پر تھا۔ دونوں امراء نے نظام پور میں چودہ دن تک قیام کیا۔ ناصرالدین شاہ نے دیکھا کہ اب حسن گنگو ہی کو عوام پر اقتدار حاصل ہو رہا ہے اور رعایا اب اس کو ہی اپنا سردار بنانا چاہتی ہے کیونکہ اس کا دبدبہ اور رعب رعایا پر قائم ہو گیا لہٰذا اس نے خود پیش قدمی کی اور نہایت دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ اس نے تمام امراء کو اکٹھا کیا اور سب سے کہہ دیا کہ ”میں اب ایک گوشہ میں سکون و آرام کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں صرف عوام کو خوش رکھنے کے لئے میں نے یہ عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اب اس سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اب مجھے اس کام کے کرنے سے معاف ہی رکھا جائے، رعایا جس آدمی کو چاہے اپنا حکمران تسلیم کرے۔

اس پر امراء نے جواب دیا کہ جس کو آپ چاہیں ہم اسے ہی اپنا حاکم تسلیم کریں گے۔ ناصرالدین شاہ نے حسن گنگو جس کا لقب ظفر خاں تھا اور جو تمام سلطنت میں نہایت اعلیٰ کردار کا نیک اور شریف شخص تھا، اس کا نام پیش کیا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی جو دکن کے ایک صدی امراء میں نہایت اعلیٰ پایہ کے امیر، منجم اور علم ریاضی کے بہت بڑے ماہر

تھے، لشکر کے ساتھ ہی تھے۔ ان مسلمان نجومیوں اور ہندو پنڈتوں میں بہت لمبی چوڑی بحث ہوگئی اس وجہ سے تخت نشینی میں بھی تاخیر ہونا لازمی تھا۔

حسن گنگو کی تخت نشینی

اس بحث و مباحثہ سے تخت نشینی کا وقت مقرر کیا گیا تھا' ہندو پنڈتوں کی رائے سے حسن گنگو نے بھی اتفاق کیا۔ سلطان قطب الدین کی مسجد میں چار ربیع الثانی ۷۴۷ھ بروز جمعہ حسن گنگو کے سر پر دکن کی سلطنت کا تاج رکھا گیا۔ چتر سیاہ جو خلفائے عباسی کا قومی نشان تھا وہ برکت کے لئے حسن کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ دکن کی مملکت میں حسن گنگو کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اس کے نام کا سکہ جاری ہوا۔ یہ بادشاہ علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ گلبرگہ کو حسن نے خیر و برکت کی جگہ سمجھا اور اس کو حسن آباد گلبرگہ' کا نام دیا اور گلبرگہ ہی کو دار الحکومت بنایا گیا۔

ملا داؤد بیدری کا بیان

تحفہ السلاطین میں ملا داؤد بیدری نے تخت نشینی کے بارے میں مختلف طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے' اس کتاب کو ملا بیدری نے فیروز شاہ بہمنی کے نام سے معنون کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تخت نشینی جو ہندو پنڈتوں کی مقرر کردہ ساعت پر ہوئی اس کے لئے صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی نے مختلف موقعوں پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ہم لوگوں کی رائے پر سلطان علاؤ الدین چلتا اور جو گھڑی ہم لوگوں نے تجویز کی تھی اس کے مطابق تخت پر جلوس کرتا تو بہت اچھا ہوتا۔ سلطان علاؤ الدین نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو بہت فکر مند ہوا اور سمجھا کہ میں نے ہندو پنڈتوں کی رائے پر عمل کیا ہے اس سے خدا معلوم کیا افتاد نازل ہو اور ایسا نہ ہو کہ دکن کی حکومت ہاتھ سے نکل جائے۔ اب صدر الشریف اور میر محمد بادشاہ کے خیال سے واقف ہو گئے۔ بادشاہ نے دونوں کو بلوا کر پوچھا کہ اس رنج و افسوس کا سبب کیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ سیاروں کی شکل اور وضع سے یہ معلوم ہوا تھا کہ جس وقت بادشاہ نے تخت پر قدم رنجہ فرمایا اس وقت کی تاثیر یہ ہے کہ اس خاندان میں بادشاہوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہوگی اور حکومت کا زمانہ بھی دو سو سال سے کم ہی رہے گا۔ جو وقت ہم لوگوں نے تجویز کیا تھا اس حساب سے سات سو سال تک اس خاندان کی حکومت دکن میں رہتی اور آپ کے خاندان کے تقریباً ایک سو پچاس (۱۵۰) حکمران اس تخت پر بیٹھتے۔ بادشاہ کو اس گفتگو کے بعد ذرا سکون قلب حاصل ہوا۔ اس نے صدر الشریف سمرقندی کو صدارت کے عہدہ پر رکھا اور قاضی لشکر میر محمد بدخشی کو بنایا۔

علاؤ الدین بہمنی کا حسن انتظام

مولف لکھتا ہے کہ ایک سو ستر برس کے بعد آل بہمنی کی حکومت ختم ہوئی اور جب حکمران بھی پورے بیس تک نہ پہنچ سکے تب ان علم نجوم کے ماہرین کی فضیلت' برتری اور سچائی ظاہر ہوگئی۔ غرضیکہ سلطان علاؤ الدین نے امور سلطنت کی طرف توجہ دی اور نہایت حسن و خوبی سے سلطنت کے کام کرنا شروع کیے اور اس میں کامیابی بھی بہت حاصل ہوئی۔ اس کی سلطنت دن بدن وسیع ہوتی گئی۔ دریائے پونا سے قلعہ اودنی (۴) کے آس پاس تک' بندر چیول اور وابل سے احمد آباد بیدر کے شہر تک علاؤ الدین حسن گنگو کے قبضے میں آ گئے۔ مورخین کا خیال ہے کہ علاؤ الدین نے جیسے ہی دکن کی سلطنت سنبھالی سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی شیخ برہان الدین دولت آبادی کے ذریعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لئے غریبوں' یتیموں اور مسکینوں کو دے دی جائے۔ سلطان علاؤ الدین حسن نے اسمٰعیل فتح خاں کو امیر الامراء بنا کر سپہ سالار مقرر کیا اور ناصر الدین شاہ کا لقب اس نے منسوخ کر دیا۔

حسن سلوک

ملک سیف الدین غوری کو وکیل سلطنت بنا دیا- یہ نہایت ایماندار' نیک اطوار و عادات کا مالک تھا اس نے بہت سے سلوک حسن گنگو کے ساتھ پہلے کیے تھے- لہٰذا علاؤ الدین نے بھی اس کے ساتھ سلوک کیا کہ سیف الدین کی بیٹی شاہ بیگم کی شادی اپنے بیٹے محمد سے کر دی- اس کے علاوہ علاؤ الدین کا قدیم ملازم جو ہر مصیبت اور رنج کے وقت اس کے ساتھ رہا تھا اس کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کیا- اس کو ملک کے بہترین حصے بطور جاگیر عطا کیے اور خطاب بھی دیا اس کے بعد قلعہ دولت آباد کو بہرام خاں مازندرانی کے ہاتھ میں دے کر خود تزک و احتشام کے ساتھ شہر گلبرگہ کی طرف چل کھڑا ہوا-

پایہ تخت

گلبرگہ کا شہر نہ تو بہت صاف تھا اور نہ وہاں پانی کی فراہمی آسانی سے ہوتی تھی- پھر بھی علاؤ الدین نے اس کو اپنے لئے نیک فال سمجھا تھا کہ گلبرگہ کو پایہ تخت بنایا- اس کا نام حسن آباد رکھا-

ایفائے عہد

علاؤ الدین نے اپنے قدیم محسن کی شرط کو بھی پورا کیا اور وعدہ کو اس طرح نبھایا کہ گانگو بہمنی کو جو محمد تغلق کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر آیا تھا- اسے دکن کے خزانہ شاہی کا مختار بنا دیا- دوسرا وعدہ یہ پورا کیا کہ اس کے نام کو اپنے نام کا جزو بنا لیا اور طغرا و شاہی فرمانوں میں ہر جگہ اس کا نام بھی لکھا جانے لگا جو کہ یہ تھا- "کمترین بندہ حضرت سبحانی علاؤ الدین حسن گانگوئے بہمنی-"

یہ قدیم بات مشہور تھی کہ اس سے قبل برہمن شاہان اسلام کی نوکری نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی عہدہ سنبھالتے تھے بلکہ گاؤں اور شہر میں کوئی ایک گوشہ عافیت تلاش کر کے علم و نجوم کی تکمیل کرتے تھے اور نہایت صبر و قناعت سے اپنی زندگی گزارتے تھے-

اکثر برہمن اپنی مختلف خوبیوں مثلاً طبابت' نجوم' وعظ' قصہ خوانی کی وجہ سے امراء کے یہاں شریک محفل ہوتے تھے لیکن وہ صرف انعام و خلعت ہی کو کافی سمجھتے اور ان کی ملازمت کبھی قبول نہ کرتے- برہمنوں کا فرقہ چونکہ مذہبی تھا لہٰذا وہ دنیا داروں کی نوکری کرنے کو تو برا سمجھتے ہی تھے' مگر مسلمانوں کے یہاں ملازمت کرنا بھی برا سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ ہر دونوں طریقوں سے نیکیاں بالکل ختم ہو جاتی ہیں اور پھر برہمن ہمیشہ کے لئے بدبختی میں مبتلا ہو جاتے ہیں- برہمنوں میں گانگو پنڈت پہلا آدمی تھا جس نے مسلمان بادشاہ کی ملازمت اختیار کی- چنانچہ اس وقت تک (۱۰۱۶ھ) شاہان اسلام دکن کا دفتر ہندوؤں کے سپرد رہا-

فتوحات

سلطان علاؤ الدین نے اپنی بہترین انتظامی قوت اور نہایت اعلیٰ تدابیر سے اور کچھ اپنی تلوار کے زور سے بہت جلد دکن کے وہ تمام حصے جو محمد تغلق کے آخری زمانہ میں تغلق امراء کے قبضے میں تھے سب پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا- اور تمام تغلق امراء جن میں مغل اور راجپوت سب ہی شامل تھے اور جو بیدر و قندھار کے قلعوں میں قیام پذیر تھے' ان کو اپنے حسن سلوک سے اپنا فرمانبردار بنا لیا- اور ان دونوں مقامات کے قلعے بھی نہایت آسانی سے لے لیے- راجہ کے ساتھ نیک اور اچھے برتاؤں میں کسی طرح کی کمی نہیں کی- گلبرگہ کا قلعہ اور مسجد جو کھنڈر ہو گئے تھے ان کی از سر نو بنیاد ڈالی اور بہت کم دنوں میں دونوں عمارتیں تیار ہو گئیں- ۷۵۲ھ میں محمد تغلق کا انتقال ہو گیا اس کے بعد علاؤ الدین حسن گنگو بہت مطمئن ہو گیا-

اب اس نے سلطنت کی فلاح و بہبود اور اس کی توسیع کی طرف توجہ دی اور سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی فکر میں لگ گیا-

فرزند کی شادی

سب سے پہلا کام اس کے بعد یہ کیا کہ ملک سیف الدین کی بیٹی سے اپنے بیٹے محمد کا عقد کیا اور شاہانہ قوانین اور اصولوں کے تحت دلھن کو دولھا کے سپرد کیا۔ مورخوں نے اس کی شادی کے بارے میں بھی ایک روایت بیان کی ہے کہ جب شادی ہو رہی تھی تو ایک دن شہزادہ کی ماں ملکہ جہاں نے آہ سرد بھر کر کہا کہ اس خوشی کے موقع پر میری بہن یعنی نوشہ کی خالہ کو ضرور موجود ہونا چاہیے تاکہ وہ بھی جشن عیش و طرب میں حصہ لیں۔ علاؤ الدین نے معلوم کرایا کہ نوشہ کی خالہ کہاں ہیں' ملکہ جہاں نے جواب میں کہا کہ وہ آجکل ملتان میں مقیم ہیں۔

بادشاہ نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا اور باہر چلا آیا۔ پھر فوراً ہی ملتان آدمی روانہ کیے تاکہ وہ شہزادہ کی خالہ کو لے کر آئیں۔ بادشاہ نے یہ تمام کاروائی نہایت خاموشی کے ساتھ کی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر انتظام کرنے والوں کو یہ حکم دیا کہ جشن کو طول دیتے رہیں اور اس میں جتنا بھی روپیہ خرچ ہو اس کی مطلق پروانہ کی جائے۔ جشن کے اخراجات ملک سیف الدین کے مکان پر شاہی خزانہ سے برابر جاتے رہے اور عرصہ تک جشن ہوتا رہا۔ خوشی و خرمی کے شادیانے بجتے رہے اور جشن شروع ہونے کے پورے چھ ماہ بعد بادشاہ کے بھیجے ہوئے پیادے خالہ کی ڈولی کو لے کر محل میں آئے۔ سلطان علاؤالدین اس خبر کو سن کر بہت خوش ہو گیا اور اس بہانہ سے اس ڈولی کو محلسرا میں بھیجا کہ ملک سیف الدین کی بہن ملنے کے لئے آ رہی ہیں۔ ملکہ جہاں نے جیسے ہی اپنی بہن کی صورت دیکھی حیران رہ گئیں اور جب انہیں ان کا پوشیدہ طور پر بلایا جانا معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئیں اور بادشاہ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اب جشن اور عیش و عشرت کی محفلیں دوبارہ منعقد کی گئیں اور خالہ کے سامنے نکاح کا خطبہ پڑھا گیا' پھر دلھن رخصت ہو کر شہزادہ کے گھر آئی۔

جشن عیش و عشرت

علاؤ الدین حسن کی حکومت کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا پھر بھی اس نے اس جشن عیش و عشرت میں دس ہزار روپیہ کی قیمت کی زربفت' مخمل اور اطلس کی قبائیں' ایک ہزار عراقی اور عربی گھوڑے' دو سو کمر' خنجر' اور قیمتی سہروں جواہرات سے سجی ہوئی تلواریں اور امراء اور ملازمین اور منصب داروں میں تقسیم کیں یہ جشن شادی پورے ایک سال تک ہوتا رہا۔ کیونکہ چند جگہوں پر منجنیقیں لگا دی گئی تھیں اور ان پر رکھ کر مٹھائی کی گولیاں جو عموماً ہندوستان میں بنتی ہیں شہر کے لوگوں پر برسائی جاتی تھیں۔ جشن چوبیس ربیع الاول کو شروع ہوا اور اس کا اختتام دوسرے سال دوئم ربیع الاول کو ہوا۔

جشن جس دن ختم ہوا اس روز طرح طرح کے تحفہ تحائف' زر و جواہرات امراء اور اراکین سلطنت نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیے۔ ملک سیف الدین غوری کو اس رشتہ کی وجہ سے چونکہ اب شاہی خاندان سے قرابت حاصل ہو گئی تھی' اس لئے اس کا مرتبہ بہت اونچا ہو گیا اور جو قربت ملک غوری کو بارگاہ خسروی میں حاصل ہوئی تھی۔ اتنا بلند رتبہ کسی امیر کو دربار میں نہ ملا نو روز کے دن جب تمام عالم' فاضل مفتی اور ارکان دولت شاہی دربار میں اکٹھا ہوئے۔ تو اس وقت صدر الشریف سمرقندی اور سید احمد غزنوی مفتی نے جیسا کہ بادشاہ کا حکم تھا ویسا ہی کیا اور ملک سیف الدین کو اسمٰعیل فتح کی جگہ سے بھی بلند جگہ پر بٹھایا' حالانکہ اسمٰعیل فتح کا شاہی دربار میں یہ مرتبہ تھا کہ جب عیدیا اور کسی مذہبی تہوار کے موقع پر دربار شاہی میں آتا تو بادشاہ خود کھڑا ہو کر اس کا استقبال کرتا تھا اور اس کے بعد دیوانخانہ میں جا کر تخت پر بیٹھتا اس کے بعد لوگوں کو حاضری کی اجازت مل جاتی۔

اسمٰعیل فتح کی سازش

اسمٰعیل فتح کو سیف الدین کا یہ بلند درجہ ایک آنکھ نہ بھایا ایک دن اس نے تخت شاہی کے سامنے جا کر شکایت کی اور آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر بادشاہ نے اس کو جواب دیا کہ "تم سپہ سالار اور امیر الامراء ہو اور ملک سیف الدین نائب السلطنت اور وکیل

سلطنت ہے' تم نے خود اپنی نگاہ سے دونوں مراتب کا فرق خوب دیکھا ہے۔ دونوں عہدوں کی عزت' قدر و منزلت میں جو فرق ہے وہ بھی تمہیں خوب معلوم ہے۔ لہٰذا تمہارا شکوہ بالکل لایعنی ہے۔" اسمٰعیل فتح اس جواب سے کسی حد تک بظاہر مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد دربار میں نہایت خوش و خرمی سے آتا اور خوشی خوشی اپنی جگہ پر بیٹھتا رہا لیکن اندر ہی اندر بادشاہ کی طرف سے اس کے دل میں نفرت اور مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس نے سازش کی اور اپنے ساتھ چند عزیزوں اور بیٹوں کو ملایا' شاہی امراء اور افغان امیر بھی اس میں شامل تھے۔ یہ چاہتا تھا کہ بادشاہ شکار یا سواری کے لئے جب نکلے تو اس کو قتل کر کے حکومت کی عنان اپنے ہاتھ میں لے' لیکن قسمت نے اسمٰعیل کا ساتھ نہ دیا۔ اور اس کو اپنی جان کی بازی لگانی پڑی۔

بادشاہ کو اسمٰعیل فتح کی سازش کا حال معلوم ہو گیا اور اس نے ایک بہت بڑا اجلاس اور اس میں شہر کے تمام خاندان' سادات' امراء منصب دار' علماء مشائخ وغیرہ کو مدعو کیا۔ اس کے بعد اسمٰعیل فتح سے اس کے ارادے اور بدنیتی کے بارے میں پوچھا اس پر اسمٰعیل فتح نے انکار کیا اور بہت قسمیں کھانا شروع کیں۔ تب حسن گنگو حاضرین مجلس سے مخاطب ہوا اور کہا کہ جن جن لوگوں کے دلوں میں میرے خلاف جذبات تھے اگر اب وہ اپنے بد ارادہ سے باز رہ کر میرے ساتھ وفادار رہنا چاہتے ہیں وہ لوگ نہایت ایمانداری سے اسمٰعیل فتح کی سازش کا انکشاف میرے سامنے کر دیں' جو کچھ اس کو کرتے ہوئے دیکھا اور جو کہتے ہوئے سنا وہ صاف صاف بتا دیں۔ صاف گو اشخاص سے کسی طرح کی باز پرس نہ کی جائے گی اور نہ کوئی سزا دی جائے گی۔" یہ اعلان سنتے ہی وہ تمام امراء اور اسمٰعیل فتح کے رشتہ دار جو خفیہ طور پر سازش میں شامل تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی سچائی کا ثبوت دینے لگے۔ جن لوگوں نے پوشیدہ طور پر اسمٰعیل فتح کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان سب نے سچ کہہ دیا اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اب بادشاہ نے گناہ ثابت ہو جانے کے بعد قتل کا فتویٰ دیا اور نہایت غصہ کی حالت میں سر محفل اسمٰعیل فتح کو قتل کرا دیا اور اس کے دوسرے ہمرازوں کا قصور معاف کیا اور کسی سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔ اسمٰعیل فتح کے بیٹوں اور عزیزوں کا بھی گناہ حالانکہ ثابت ہو گیا تھا' مگر سب کی تقصیر معاف کی گئی۔ اسمٰعیل فتح کا عہدہ اس کے بیٹے کو مل گیا اور تمام امراء کو شاہی مراعات عطا کی گئیں وہ سب کے سب نہایت درجہ مطمئن اور خوش ہو گئے۔ اسمٰعیل کے قتل اور پھر اس کے بیٹے کو وہی عہدہ دینے اور گناہگاروں کے معاف کر دینے سے حسن گنگو کی بہت شہرت ہوئی اور عوام کے دلوں پر بادشاہ نے پوری طرح غلبہ پالیا۔

رائے تلنگانہ کی اطاعت

رائے تلنگانہ جو اب تک بادشاہ کے خلاف تھا۔ بادشاہ کے حسن سلوک اور نیک برتاؤ سے بہت شرمندہ ہوا بادشاہ نے اب بہت طاقت حاصل کر لی تھی ہر ایک اس کا مداح ہو گیا۔ خاصکر رائے تلنگانہ سے بہت اچھا برتاؤ کیا راجہ جو روپیہ دہلی کے خزانہ شاہی میں بھیجا کرتا تھا' اب ہر سال خزانہ بہمنیہ میں داخل کرنے لگا۔ جب بادشاہ نے پوری طرح یہ اطمینان کر لیا کہ اب ملک میں دور دور تک کوئی مخالف نہیں رہا۔ تو اس کے سر میں جہاں کشائی کا سودا سمایا اس ارادے کے پیش نظر سلطان علاؤ الدین نے پھر اجلاس کیا اور امراء سلطنت نیز اراکین دولت کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اگر میں اس تمام لشکر کو جواب میرے قبضہ میں ہے لے کر نکلوں تو یقیناً فتح و نصرت میرے قدم چومے گی اور ارادہ ہے کہ اودنی سے بیجانگر اور سیت بن رامیسر (۵) سے ملا بار تک کا سارا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لوں بعد ازاں گوالیار کی طرف بڑھوں اور پھر مالوہ اور گجرات کو بھی اپنا لوں۔

ملک سیف الدین نے نہایت ادب اور احترام سے جواب دیا کہ کرناٹک کا علاقہ نہروں اور درختوں سے بالکل بھرا ہوا ہے اور وہاں کی ہوا میں رطوبت بھی بہت ہے اور ہمارے یہاں کے جانوروں نے ایسی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے جو کہ کرناٹک کی آب و ہوا کے بالکل خلاف ہے لہٰذا یہ جانور بہت دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے۔" اور یہ بھی بتایا کہ علاؤ الدین خلجی اور محمد تغلق کے زمانہ میں کئی بار

دھور (٦) سمندر پر چڑھائی کی گئی' مگر جانور سفر میں کبھی بھی دس دن سے زیادہ زندہ نہ رہے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بادشاہ بہ نفس نفیس حملہ کرنے کے لئے تشریف لے جائے بلکہ ایسا کیا جائے کہ ایک جمعیت پہلے کرناٹک کی سرحدوں کو فتح کرنے کے لئے جائے۔ سرحد کرناٹک کی آب و ہوا چونکہ دکن کی آب و ہوا سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے پہلے ان باغی راجاؤں کی روک تھام اور باز پرس کی جائے۔ جنہوں نے اب تک بادشاہ کے خلوص اور ہمدردی کے باوجود بھی نہ تو تحفے اور ہدیے دربار میں بھیجے ہیں اور نہ اپنی فرمانبرداری کا اظہار ہی کیا ہے۔ ان کو بہ زور شمشیر درست کیا جائے۔"

گجرات مالوہ پر لشکر کشی

اس کے بعد چونکہ سلطنت دہلی پر آج کل ادبار اور مصیبت کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اس لئے موقع ہے کہ بادشاہ خود گوالیار اور مالوہ کا سفر کرے اور ان ملکوں پر قبضہ کرے جن پر عاقبت اندیش اور بہادر حکمرانوں کی نگرانی نہیں ہے اس طرح اپنے جھنڈے کو بلند کرکے فتح و نصرت کے شادیانے بجائے۔" سلطان علاؤ الدین حسن کو ملک سیف الدین کا یہ مشورہ بہت زیادہ پسند آیا۔ اور اس نے دو امراء یعنی عماد الملک تاشقندی اور مبارک خاں لودھی کی سرکردگی میں ایک جمعیت کو کرناٹک کی مہم پر بھیجدیا۔ ان امراء نے دریائے تاولی (٧) اور بکری تک ہندوؤں کی راجدھانی کو خوب تباہ و برباد کیا اور تمام گھروں اور آبادیوں سے جو مال حاصل ہوا وہ ایک لاکھ علائی اشرفی یعنی دو سو لاکھ تولہ سونا اور بہت سے بیش بہا ہیرے' جواہرات' موتی' نقد' مال و زر دو سو مشہور ہاتھی' ایک ہزار طوائفیں اور سازندے تھے جو خراج کے طور پر وصول کیا۔ ان راجاؤں سے فرمانبردار اور وفادار رہنے کا عہد و پیمان لیا۔ اس کے بعد موسم برسات میں یہ لوگ مع راجاؤں کے ایلچیوں کے واپس آئے۔ جب یہ امراء اس مہم سے واپس آئے تو بادشاہ نے ملک سیف الدین کی صلاح لے کر سفر کی تیاریاں شروع کی اور شعبان ۷۵۸ھ میں حسن آباد گلبرگہ سے روانہ ہو کر دولت آباد پہنچے گھاٹ پر تمام لشکر کا جائزہ لیا گیا بہت سے بہادر سپاہی اور پچاس ہزار سوار موجود تھے۔ علاؤ الدین نے ارادہ کیا کہ ندربار اور سلطان پور کے راستہ سے مالوہ پہنچے۔ راجہ رائے ہرن نے اپنے قاصد کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا یہ راجہ رائے کرن کا بیٹا تھا۔ اس کے باوجود کہ گجرات میں فساد برپا تھا مگر وہ دکنی فوج کے ڈر سے بگلانہ ٹھہرا ہوا تھا اور اپنے موروثی ملک میں جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

ان قاصدوں نے اپنے راجہ کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں درخواست کی کہ گجرات کے حکمرانوں اور دکن کے بادشاہوں میں ہمیشہ میل ملاپ رہا ہے لہٰذا بادشاہ سب سے پہلے گجرات پر حملہ کرے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ یہ علاقہ راجہ کو ورثہ میں ملا تھا۔ مگر وہاں کی رعایا جاگیرداروں سے بہت تنگ آ چکی ہے اور عرصہ دراز سے وہ لوگ کسی امداد کے منتظر ہیں' اس کو فتح کر لیں۔ اور راجہ کی درخواست کے بموجب اس کو بادشاہ اپنے بہی خواہوں میں شامل کر لے اور نہایت اطمینان کے ساتھ مالوہ پر چڑھائی کرے۔ اس راجہ کے علاوہ وہاں کے عوام نے بھی علاؤ الدین حسن کی خدمت میں گجرات پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے امراء اور اراکین سلطنت سے صلاح لی پھر یہ طے پایا کہ جب دہلی کے حکمران فیروز شاہ باربک ہی سے مقابلہ کرنا ہے تو پھر مالوہ اور گجرات دونوں ہی برابر ہیں۔ اور جب گجرات کے عوام خود بھی علاؤ الدین کے بلانے کے متمنی ہیں' تو پھر کیا نقصان ہے۔ سلطان علاؤ الدین کو بھی یہ مشورہ بہت پسند آیا اور شہزادہ محمد کو بطور ہراول بیس ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اس کے بعد خود نہایت خاموشی کے ساتھ مع اپنے لشکر و علم کے گجرات کا رخ کیا۔ پہلے شہزادہ محمد نوساری پہنچا' نوساری اور اس کے آس پاس شکاری جانوروں کی بہتات تھی لہٰذا پہلے شہزادہ محمد نے شکار کھیلنا شروع کیا۔ اور اپنے باپ علاؤ الدین حسن کو بھی جو کہ شکار کھیلنے کا بہت شوقین تھا' اس علاقے کی تمام کیفیت لکھی' بادشاہ نے بھی جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کی' وہاں پہنچ کر مستقل ایک مہینہ تک سیر و شکار کا سلسلہ جاری رکھا' جس بات کا خطرہ کرناٹک میں تھا وہی یہاں پیش آیا۔ بادشاہ پر رطوبت آب و ہوا کا اثر ہوا اور بخار نے گھیر لیا' مگر بادشاہ شکار کا ایسا شیدائی تھا کہ اس نے اپنی صحت کی پروانہ کی' روز

باقاعدہ مشغلہ شکار و شراب و کباب جاری رہا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کو ہیضہ ہو گیا اور وہ بیمار ہو کر بڑی حسرت اور مایوسی کے عالم میں واپس لوٹا۔ حسن آباد گلبرگہ پہنچ کر تمام مشائخ اور علماء کو بادشاہ نے جمع کیا اور ان کی موجودگی میں صدر الشریف سمرقندی کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ اپنے استاد قتلغ خاں کی تجویز پر اس نے بھی عمل کیا اور مملکت کو پورے چار حصوں میں بانٹ دیا۔ حسن آباد گلبرگہ سے لے کر وایل رائچور (۸) اور مدکل تک کے تمام مقامات کی حکومت ملک سیف الدین کو دیدی اور دولت آباد خیبر (۹) چودل' بیٹر اور مونگی پٹن کے اضلاع جو مرہٹواڑی کے سب سے بہترین شہر ہیں وہ اپنے بھتیجے خان محمد بن علی شاہ کی حکمرانی میں دے دیئے' ملک برار اور ماہور (۱۰) صفدر خاں سیستانی کے حوالے کیے اور بیدر' قندھارا مدور' کولاس اور تلنگانہ کے تمام ممالک پر اعظم ہمایوں ملک سیف الدین کے بیٹے کو حاکم مقرر کیا۔

مرض الموت

بادشاہ چھ مہینے تک مستقل بیمار رہا اس بیماری میں اس کا بستر علالت ایک ایسی جگہ پر تھا جس کا رخ گلی کی طرف تھا صبح و شام کیا بلکہ ہر وقت ہی رعایا کو آنے کی اور بازیابی کی اجازت تھی۔ بادشاہ عوام کے تمام حالات کی پوچھ گچھ کرتا' مظلوموں کی داد سنتا' اپنے مرض الموت کے زمانہ میں یہ حکم دے دیا تھا کہ تمام قیدی علاوہ ان قیدیوں کے جو ملک کے لئے شور و شر اور آزار کا باعث ہوں' رہا کر دیئے جائیں۔ اور جو زیادہ گناہگار ہوں وہ فوراً گلبرگہ آ جائیں تاکہ ان کی تقصیر معاف ہو اس حکم کے مطابق بڑے بڑے مجرم پا بہ زنجیر دار السلطنت میں جمع ہونے لگے اور نیک دل بادشاہ نے ان سب کا قصور معاف کیا۔ ان مجرموں میں سے صرف سات ایسے تھے جن کا گناہ ناقابل عفو وہ قید ہی میں رکھے گئے۔ ان قیدیوں کو اپنے بیٹے محمد کے سپرد کیا اور کہا کہ ملک کی فلاح و بہبود کا خیال کر کے ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ بادشاہ کا مرض روز بروز ترقی کرتا رہا اور مشہور نامی گرامی حکماء حکیم علیم الدین تبریزی' حکیم نصیر الدین شیرازی اور دیگر حکیموں نے بہت علاج کیا' لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جوں جوں علاج ہوتا رہا مرض بڑھتا ہی گیا اب علاؤ الدین کو بھی یقین ہو گیا کہ آخری وقت آ پہنچا ہے۔

رحلت

موت کا یقین ہو جانے کے بعد بادشاہ نے قصداً علاج معالجے سے ہاتھ اٹھا لیا اور موت کے لئے سراپا انتظار بن کر بیٹھ گیا اسی دوران میں ایک دن حسن نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کو سامنے نہ پا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے جواب ملا کہ مکتب میں اپنا سبق پڑھ رہا ہے۔ اس کو بلوا کر بادشاہ نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو اس پر شہزادہ محمود نے جواب دیا کہ آج کل حضرت شیخ سعدی شیرازی کی بوستان پڑھ رہا ہوں۔ اس پر بادشاہ نے سوال کیا کہ کون سی حکایت پڑھ رہے ہو۔ شہزادے نے ایک حکایت پڑھی جس میں حضرت شیخ سعدی نے بادشاہ ایران کی زبان سے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا ہے۔ بادشاہ نے اس حکایت کا تیسرا شعر غور سے سنا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہر ایک نے اپنی ہمت اور بہادری سے تمام دنیا کو فتح کر لیا' مگر جب دنیا سے گیا تو خالی ہاتھ اور قبر میں اپنے ساتھ کچھ نہ لے گیا۔

بادشاہ نے جب یہ سنا تو بہ آواز بلند رونے لگا اور اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی بلوایا اور نصیحت کی کہ "اپنے بڑے بھائی کو میرا ولی عہد سمجھ کر اس کی فرمانبرداری اور اطاعت اپنا فرض سمجھنا۔" اس کے بعد خزانچی کو بلوایا اور تمام اثاثہ خزانہ شاہی سے منگوا کر اپنے بیٹوں کو دیا کہ جا کر جامع مسجد میں حنفی مذہبی علماء میں یہ تقسیم کر دو۔ شہزادوں نے اس کے حکم کے بموجب عمل کیا اور سارا مال تقسیم کر دیا اس کے بعد واپس آئے اور بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ بادشاہ نے یہ سن کر سکون و اطمینان کا سانس لیا اور اس کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔ بادشاہ نے پورے گیارہ سال دو مہینے سات دن تک حکومت کی۔ یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ کو انتقال کیا اس نے سڑسٹھ سال کی عمر پائی۔

بادشاہ کا کردار

ملفقات میں شیخ عین الدین بیجاپوری لکھتے ہیں کہ کسی نے ایک بار علاؤ الدین حسن سے سوال کیا کہ لشکر عظیم نہ ہونے کے باوجود تم نے اتنی وسیع سلطنت کیسے حاصل کر لی اور پھر اتنی کم مدت میں حکومت کو اتنی وسعت کیسے دی؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ بغیر کسی کی مدد کے عوام اور دور دراز ملکوں کے حکمرانوں اور رعایا کو اپنا فرمانبردار اور مطیع کیسے بنالیا؟ اس پر حسن علاؤالدین نے جواب دیا کہ پہلے تو میں نے مروت کو اپنا اصول بنالیا تھا اور ہر خاص و عام کے ساتھ ہمیشہ مروت سے پیش آتا تھا' دوسرے یہ کہ کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیا' ہمیشہ سخاوت کرتا رہا' سخاوت کرنے میں دوست دشمن' اپنے' پرائے' کی تخصیص نہ تھی۔ ہر ایک کے ساتھ برتاؤ بالکل برابر کا رہا' سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ہر ایک کے ساتھ احسان کیا' انہیں دو عمدہ عادتوں کی وجہ سے ہر ایک میرا مخلص' ہمدرد' مطیع اور فرمانبردار بن گیا۔

حسب و نسب

علماء اور مشائخین میں سے علاؤالدین حسن کے ہم عصر صرف دو تھے' ایک شیخ عین الدین بیجاپوری اور دوسرے شیخ محمد سراج ان دونوں علماء کے حالات بعد میں لکھے جائیں گے۔ تحفۃ السلاطین اور سراج التواریخ' اور بہمن نامہ دکنی کے مصنفین نے ان کتابوں میں علاؤ الدین حسن کے حسب نسب کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا' لیکن جب کہیں اس بادشاہ کی تعریف کی ہے تو کبھی شاہان کیان کی طرف منسوب کر دیا۔ اور کہیں یہ لکھا ہے کہ بادشاہ نے کلاہ کیانی سر پر رکھا اور قدم تخت کیانی پر رکھ کر جلوس کیا۔ انہیں تصانیف میں بعض جگہ علاؤ الدین حسن کو بہمن اور اسفندیار کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کہیں پر تو اس کو بہمنی نژاد لکھا ہے اور کہیں افروزندہ کاخ بہمنی وغیرہ جیسے مبالغہ آمیز اور پر تصنع جملوں سے اس کی تعریف کی ہے۔

ان کتابوں میں بہت سے ایسے جملے اور عبارتیں ملتی ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ علاؤ الدین حسن' اسفندیار کی نسل سے تھا۔ بہمن نامہ اور اس کے اشعار پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا' جو شعر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیے جاتے ہیں کہ بادشاہ نسل بہمن بن اسفندیار سے تھے' ان میں بھی کوئی قوی دلیل نہیں ملی اگر بہمن نامہ کے متعلق یہ بات ثابت ہو جاتی کہ واقعی اس کے مصنف شیخ آذری ہیں' تو یہ اشعار بہترین سند تھے لیکن شیخ آذری ایسے انسان ہی نہیں ہیں جو کسی بات کو بغیر تحقیق کیے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتے دوسری بات یہ بھی ہے کہ جو اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں وہ مستند نہیں' دوسرے یہ کہ کتاب کے کسی شعر میں شاعر کا تخلص نہیں پایا جاتا پھر ان باتوں کے باوجود یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ یہ معمولی' اشعار شیخ آذری کی فکر بلند کا نتیجہ ہیں۔

ایک رسالے کے بیانات کا خلاصہ

مورخ فرشتہ جس وقت شہر احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ بحری کا ملازم تھا اس عرصہ میں نظام شاہیہ کتب خانہ میں ایک رسالہ اس کی نظر سے گزرا جو علاؤ الدین حسن کے حسب و نسب کے بارے میں تھا اس رسالہ کے مصنف کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس میں یہ درج تھا کہ علاؤ الدین حسن بہمنی بہرام گور کی اولاد سے ہے اور اس کا سلسلہ حسب و نسب بہرام گور تک اس طرح پہنچتا ہے کہ علاؤ الدین حسن گانگوئے بہمنی بن کیکاؤس بن محمد بن حسن بن سام بن سیمون بن سلام بن ابراہیم بن نصیر بن منصور بن رستم بن کیقباد بن منوچہر بن نامدار بن اسفندیار بن کیومرث بن خورشید بن صحائی بن فغفور بن فرخ بن شہریار بن عامر بن سعید بن ملک داؤد بن ہوشنگ بن نیک کردار بن فیروز بخت بن نوح بن سانع اور پھر سانع کا حسب و نسب چند پشتوں کے بعد بہرام گور سے جا ملتا ہے۔ بہرام گور ساسان کی نسل سے ہے اور ساسان بہمن بن اسفندیار کی (جو کیانی خاندان کا حکمران تھا) یادگار ہے۔ اس رسالے میں بھی یہ لکھا ہے کہ علاؤ الدین اور اس کی اولاد کو بہمنی کہنا یہی معنی رکھتا ہے کہ یہ خاندان نسل بہمن بن اسفندیار سے ہے۔ فرشتہ کے خیال میں اس کی یہ رائے بالکل غلط ہے۔ بلکہ قرین قیاس یہ ہے کہ چونکہ گانگوئے بہمنی کا نام علاؤ الدین حسن کے نام کا ایک حصہ ہو گیا تھا اس لئے خود علاؤ الدین اور اس کے بعد

اس کی اولاد بہمن کے نسب سے مشہور ہو گئی- خوشامد کرنے والے شعراء اور مداحوں اور تاریخ دانوں نے مبالغے سے کام لے کر حقیقت کو بالکل مسخ کر ڈالا-

حوالہ جات

(۱) ناسک اور پاٹودہ کے قریب قریب لکھنے سے مغالطہ کا احتمال ہے- کیونکہ ناسک تو دولت آباد کے مغرب میں واقع ہے- جبکہ پاٹودہ بیٹر کے ضلع میں دولت آباد سے کوئی نوے میل جنوب میں ہے-

(۲) برہان' ماثر میں یہ روایت بالکل مختلف طریقے سے لکھی ہوئی ہے- جب سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کے قریب دکن کے باغی امیروں کو شکست دی تو اسمٰعیل فتح قلعہ دولت آباد میں محصور ہو کر بیٹھ گیا- اور علاؤ الدین حسن مع اپنی فوج کے گلبرگہ پہنچا مگر راستہ میں یہ سن کر کہ عماد الملک تیز تیز اس کے تعاقب میں آ رہا ہے- اس نے گھات لگائی اور عماد الملک پر یکایک حملہ کر دیا جس میں عماد الملک مارا گیا-

(۳) قندھار اب ضلع نانڈو میں داخل ہے منڈو سے مالوہ کا تاریخی شہر مانڈو مراد ہے-

(۴) اودنی غلط ہے اودنی یا ادھونی صحیح ہے اور یہ تنگ بھدرا کے جنوب میں مشہور تاریخی قلعہ ہے-

(۵) سیت بن رامیرانتہائے جنوب کا شہر رامیشورم ہے-

(۶) دھور سمندر سے دور سمندر مراد ہے جو قدیم زمانہ میں ایک ہندو ریاست کی راجدھانی تھا اور ریاست میسور کے شمال مغرب میں اسی ۸۰ میل کے فاصلہ پر آباد تھا-

(۷) تاول- بکری- تاولی ممکن ہے کہ تنگ بھدرا کی کوئی چھوٹی معاون ندی ہو اب اس نام کی کوئی ندی نقشہ میں نہیں- بکری غلط ہے صحیح نام ہکری یا ہکیری ہو سکتا ہے- تنگ بھدرا کی معاون ندی ہکری ہو سکتا ہے یہ رائے باغ اور مرج (بیجاپور) کے مغرب میں ابھی تک موجود ہے-

(۸) رائے چور ریاست حیدر آباد دکن کا ایک مشہور مقام ہے- مدکل بھی ریاست کا ایک مشہور مقام ہے- واویل یا وابھول ایک قدیم مشہور بندرگاہ ہے- ستارا کے مغرب میں بمبئی سے- تقریباً سو میل جنوب میں ابھی تک آباد ہے-

(۹) خیبر غلط ہے- یہ جنیر (ج ن ی ر) ہونا چاہیے- جو احمد نگر کے مغرب میں دکن کا مشہور تاریخی مقام ہے- چول یا چپول بمبئی سے تقریباً تیس میل جنوب میں اب چھوٹی سی بندرگاہ ہے- مونگی پٹن سے موجودہ پٹن (ضلع اورنگ آباد) مراد ہے-

(۱۰) ماہور جنوبی برار میں مان گنگا کے کنارے نہایت مستحکم مرکزی مقام تھا- یہاں کا قدیم قلعہ اب تک موجود ہے- اندور موجودہ نظام آباد کا پرانا نام ہے- اسی طرح بیٹر کا پرانا نام کولاسل ہے-

محمد شاہ بہمنی بن سلطان علاؤ الدین حسن گانگو

انتظام سلطنت

حسن گنگو کے انتقال کے بعد سلطان محمد شاہ نے دکن کے تخت پر قدم رنجہ فرمایا۔ محمد شاہ نہایت درجہ عقلمند بہادر اور سخی حکمران تھا۔ اس حکمران نے سامان شان و شوکت اور لوازمہ سلطنت کو مہیا کرنے میں بڑی ایمانداری سے کوشش کی اور تاج شاہی کے قبہ کو بہت قیمتی ہیرے اور جواہرات سے مرصع کیا۔ اور ایک جڑاؤ ہما اس کے اوپر لگایا اور وہ یاقوت جو راجہ بیجانگر نے سلطان علاؤ الدین حسن گانگو کو بھیجا اور جس کی قیمت کی شناخت کوئی جوہری نہ کر سکا تھا اسے اس مرصع ہما کے سر پر لگایا' چوبداروں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ امراء اور منصب داروں میں سے ہر ایک کی ذمہ داری پر ایک ایک کام چھوڑ دیا۔

لوگوں کو دربار شاہی میں داخل ہونے کی اجازت دینے اور لشکر شاہی کے حاضر کرنے کے لئے تواچیوں کو رکھا گیا اور اس جمعیت کا نام باردار رکھا گیا۔ اسی طرح یکہ جوان ہتھیار' نیزہ و علم' تیر و تبر کی حفاظت کرتے تھے ان لوگوں کا نام "سلح دار" رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یکہ جوانان خاصہ جو تعداد میں تقریباً چار ہزار تھے' خاصہ خیل کے نام سے مشہور تھے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ روز صبح پچاس ۵۰ سلحدار اور ایک ہزار خاصہ خیل دیوان خانہ میں حاضر رہا کریں۔ اور جب دوسرے دن یہ گروہ کام سے واپس جائے تو دوسرا گروہ مقرر وقت پر دربار میں حاضر ہو جایا کرے۔ بادشاہ نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ جتنے امیر و منصب دار جو مملکت میں موجود ہوں نوبت پر سلحداروں کے ساتھ موجود رہیں اور خانہ شاہی میں پہرہ دیں۔ ہر نوبت پر ایک آدمی کا تقرر ہوا اور اس کا خطاب سرنوبت دیا گیا۔ اس کے علاوہ پہلی چوکی کی سر نوبت کو بھی اسی نام سے مقرر کر کے دوسروں پر اس کو افسر بنا دیا گیا۔ اسی طرح وہ تمام ممالک جو بادشاہ کے قبضہ میں تھے۔ اس کے ہر حاکم کو الگ الگ خطابات دیئے گئے۔ مثلاً حاکم دولت آباد کو "مسند عالی" کا خطاب' حاکم برار' "مجلس عالی" کے خطاب سے موسوم کیا گیا۔ بیدر اور تلنگ کے حکمران کو "اعظم ہمایوں" کا لقب دیا اور "ملک نائب" کا خطاب حاکم پایہ تخت گلبرگہ و حسن آباد و بیجاپور کو دیا گیا' جو وکیل سلطنت بھی تھا۔ مقبوضہ ممالک کے افسر اعلیٰ کا خطاب امیر الامراء تھا اور یہ تمام خطابات و انعامات ہنوز مملکت دکن میں رائج ہیں۔

امور سلطنت کی انجام دہی کا طریقہ

جمعہ کے دن کو چھوڑ کر باقی ہر روز ایوان کے درمیان میں ایک نہایت قیمتی ریشمی فرش بچھایا جاتا' مخمل و زر بفت کے شامیانے اور دوسرے بہت قیمتی پردے لگائے جاتے تھے۔ علاؤ الدین کا چاندی کا تخت بچھایا جاتا۔ سلطان محمد ایک پہر دن گزرنے کے بعد دیوان عام میں قدم رنجہ فرماتا اور دربار میں آکر پہلے اپنے باپ کے تخت کو سجدہ کرتا اور اس کے بعد خود تخت پر بیٹھ جاتا اور امور سلطنت کو انجام دیتا۔ ظہر کی اذان سے پہلے دربار کرتا اور اذان کی آواز سننے سے پہلے ہی دربار ختم کر دیتا۔ چونکہ بہت غیرت مند تھا اس لئے باپ کے تخت کو سجدہ کرنا پسند نہ کرتا تھا جیسا کہ آگے لکھا جائے گا۔ تلنگانہ کے راجہ نے فیروزہ کا تخت بھیجا تو اس تخت کو دیوان خانہ میں بھجوا دیا اور چاندی کا تخت ہمیشہ کے لئے الگ کر کے ایک کونہ میں رکھ دیا۔ اس تخت کو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے اپنے عہد میں مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا۔ تاکہ اس کو توڑ کر اس کی چاندی سادات میں تقسیم کر دی جائے۔ جیسا کہ علاؤ الدین حسن گنگو کے زمانہ میں رواج تھا ویسا ہی محمد شاہ کے عہد میں بھی تھا کہ علاوہ ملک نائب سیف الدین غوری کے کسی دوسرے شخص کو مجلس سلطانی میں بیٹھنے کی اجازت ہی نہ تھی۔ حالانکہ ملک سیف الدین کو اس بات کا خوب احساس تھا کہ محمد شاہ کی غیرت مند طبیعت کو اس کا بیٹھنا شاق گزرتا ہے لہٰذا اس نے بادشاہ کی خدمت

میں خود گذارش کی کہ مجھے بھی دیگر بہمنی خاندان کے امراء اور اعزاء کی طرح دربار میں کھڑے رہنے کی اجازت مرحمت ہو۔ یہ بات گویا محمد شاہ کے دل ہی کی تھی اس نے فوراً منظور کر لیا اور ملک سیف الدین غوری بھی دوسرے امراء کی طرح دربار میں کھڑا رہا کرتا تھا۔

سکہ اور خطبہ

بادشاہ نے یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ سونے کا سکہ تیار کیا جائے اور روزانہ پانچ بار نوبت بجائی جائے اور جو بھی شخص دربار میں داخل ہو وہ دوزانو ہو کر بیٹھے اور پھر زمین بوس ہو۔ بہمنہ خاندان کی حکومت کے بعد حالانکہ بہت سے خاندانوں نے دکن پر حکومت کی اور ہر خاندان کا تاج اور خطبہ بالکل مختلف اور ایک دوسرے سے الگ تھا' لیکن نہ کسی نے سونے کا سکہ بنوایا اور نہ پانچ نوبتیں اپنے دروازہ پر بجوائیں۔ تلنگانہ کے حکمرانوں نے اگرچہ سونے کا سکہ نہیں جاری کیا پھر بھی انہوں نے نوبتیں اپنے دروازہ پر ضرور بجوائیں اور یہ سراسر شاہان بہمنیہ کی تقلید تھی۔ محمد شاہ بہمنی نے جو سکے سونے اور چاندی کے بنوائے تھے وہ چار طرح کے تھے جن کے اوزان بھی مختلف تھے۔ زیادہ سے زیادہ وزن دو تولہ ہوتا اور کم از کم پاؤ تولہ اس سے کم وزن کا کوئی بھی محمد شاہی سکہ نہیں تھا۔ ہر سکہ پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوتا' دوسری طرف فرمانروائے دکن کا نام اور تاریخ کندہ ہوتی۔

ہندو صرافوں اور سناروں نے مذہبی تعصب اور بیجانگر و تلنگانہ کے راجاؤں کے بھڑکانے سے خالص سکوں کو گلانا چاہا تاکہ محمد شاہی عہد سے پہلے کی طرح بیجانگر اور تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے بھی جاری رہیں۔ محمد شاہ کو ان صرافوں کی بدنیتی معلوم ہو گئی اور اس نے بار بار بہمنی سکوں کو توڑنے اور گلانے کی ممانعت کر دی اور کئی بار ان لوگوں کو تنبیہہ بھی کی لیکن جب یہ سلسلہ منع کرنے کے باوجود بھی جاری رہا تو بادشاہ نے ممالک محروسہ میں ان لوگوں کے قتل کے احکامات صادر کر دیئے تاکہ یہ گروہ ہی ختم ہو جائے۔ ماہ رجب ۷۶۱ھ کو سلطنت بہمنہ کے تمام صرافوں کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح ممالک محروسہ ان نافرمانوں سے پاک ہو گئے۔ اب صرافہ کا کام کھتریوں نے کرنا شروع کر دیا جو دکن میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بہمنی فرمانرواؤں کے آخر عہد تک تمام ممالک میں مسلمانوں کا ہی سکہ چلتا رہا۔ دکن کے قدیم صرافوں کی اولاد نے جب یہ حالت دیکھی تو سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں اپنے باپ دادا کے اعمال سے توبہ کی اور تمام روپیہ شاہی خزانہ میں جمع کر دیا اور اپنا قدیم پیشہ اختیار کر کے پھر کبھی ہندوؤں کے سکوں کی طرف توجہ نہ کی۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کی حکومت سے وسطی دور میں جبکہ دولت بہمنہ کی بنیادیں ہل گئی تھیں ان صرافوں نے پھر پرانی روش اختیار کی اور اپنے دل کے بغض کو دوبارہ زندہ کیا اور سات آٹھ سال کے عرصہ کے اندر ہی اندر اسلامی سکوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور بیجانگر اور تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے جو ہون اور پرتاپ (۱) کے نام سے مشہور تھے تمام اسلامی ملکوں میں مشہور ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت تک جب یہ تاریخ لکھی گئی (یعنی ایک ہزار سولہ ۱۰۱۶ھ ہجری) ہندوؤں کا سکہ ہی مسلمانوں کے ملکوں میں جاری ہے۔

اسلامی سکے

مورخ فرشتہ اپنی یادداشت سے فائدہ اٹھا کر لکھتا ہے کہ شاہ قلی صلابت خاں ترک جس نے مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے زمانہ میں کئی بار حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اس کی محفل میں بارہا محمد شاہ بہمنی کے عہد کے صرافوں اور ان کے قتل کے حالات کا ذکر کیا گیا حالانکہ صلابت خاں نے پوری کوشش کی کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانہ حکومت میں ہندوؤں کے سکوں کو بالکل ختم کر دے اور اسلامی سکوں کو رواج دے۔ اس نے کئی جگہ ٹکسال بنوائے اور سونے نیز چاندی کے سکے تیار کرائے جن میں حضرات ائمہ اہل بیت کے اسمائے گرامی مرقوم ہوتے اور نظام شاہ کا نام کندہ ہوتا تھا' لیکن برار کے امیر الامراء سید مرتضیٰ سمنانی جو صلابت خاں سے حسد رکھتا تھا اس نے اس چیز کو قطعی گوارا نہ کیا کہ برار ہی میں ٹکسال قائم کرا کے اور سکے ڈھلوائے یہی اثر احمد نگر کے صرافوں پر بھی ہوا اور محمد شاہی عہد کا طریقہ نظام شاہی عہد میں دہرایا گیا۔ اور صرافوں نے اپنے گھروں میں مسلمانوں کے سکوں کو گلانا شروع کیا اور ہندوؤں کے سکوں کو رواج

دنیا شروع کیا۔ شاہ قلی صلابت خاں نے بارہا صرافوں کو تنبیہہ کی اور طرح طرح کی سزائیں دیں' بہتوں کو قتل کرایا مگر پھر بھی یہ بدعنوانی ختم نہ ہوئی اور صلابت خاں کی کوششیں کار آمد ثابت ہوئیں اتفاق کی بات کہ اس دوران میں صلابت خاں وکالت کے عہدہ سے ہٹا دیا گیا اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا اب ہندو صرافوں نے اس کے سکوں کا نام و نشان تک دنیا سے مٹا دیا۔

برہان نظام ثانی کے سکے

اسی طرح برہان نظام شاہ ثانی نے ۱۰۰۱ھ میں سونے کا سکہ جاری کیا اس پر بھی حضرات ائمہ اہل بیت کے نام کندہ تھے اس کو جاری کرنے کا بھی مقصد یہی تھا کہ ہندوؤں کے تمام سکے ترک کر دیئے جائیں' لیکن چونکہ نظام شاہ کا انتقال بہت جلد ہو گیا اس لئے احمد نگر میں حکومت کا پانسہ ہی پلٹ گیا لہٰذا یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی غرضیکہ محمد شاہ نے اسلام اور شریعت کی توسیع اور تقویت میں بہت کوشش کی اور ہندوؤں کے سکوں کو اپنے ملک سے بالکل ختم کر دیا۔ تلنگانہ اور بیجانگر کے راجاؤں کو بادشاہ کے سامنے اپنی قوت بالکل ہیچ معلوم ہوئی لیکن وہ ہمیشہ خوفزدہ ہی رہے۔ ان راجاؤں نے بہت سے مسلمان امراء کو محمد شاہ کی مخالفت پر اس لئے اکسایا کہ اس نے تمام مال و زر مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا۔ بعض بہمنی امیر بھی ان راجاؤں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور ان کے نقش قدم پر چلنے لگے تھے لہٰذا بیجانگر کے راجہ نے سلطان محمد شاہ کے پاس قاصد بھیج کر یہ کہلوایا کہ قلعہ رائچور اور مدکل اور اس کے گرد و نواح کے مقامات جو دریائے کرشنا کے ساحل تک ہیں ہمیشہ سے بیجانگر کے راجاؤں کے تحت رہے اب اگر ہم لوگوں سے تعلقات کا رشتہ استوار کرنا ہے تو اپنا قبضہ ان مقامات سے ہٹا لو اور یہ مقامات ہمارے حوالے کر دو تاکہ شاہ دہلی کے خونخوار اور میرے جنگجو سپاہیوں کی زد سے یہ مقامات محفوظ رہیں۔

اسی طرح تلنگانہ کے راجہ نے جس نے کولاس علاؤ الدین حسن کے حوالے کر دیا تھا اس نے بھی موقع غنیمت جان کر محمد شاہ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا ناگ دیو قلعہ کولاس کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے اور مجھ سے اسی بات پر باغی ہو گیا ہے کہ میں نے قلعہ کیوں تاجدار دکن کے حوالے کر دیا۔ اور اب وہ کولاس کو اپنے قبضہ میں کر کے تمہاری سلطنت سے اس کو علیحدہ کرنے پر بالکل تیار بیٹھا ہے لہٰذا اب عین مناسب یہی ہے کہ تم کولاس واپس کر دو جو ہمارے اور تمہارے درمیان فساد کی بنیاد ہے تاکہ میں خود بھی تمہارا فرمانبردار اور دوست بن جاؤں اور تمہارے دشمنوں کا مخالف۔" محمد شاہ نے اس معاملہ میں بہت عقلمندی سے کام لیا' ان قاصدوں کی بہت عزت و تعظیم کی جواب دینے میں مسلسل ایک سال کا عرصہ لگ گیا اور اس عرصہ میں جو امراء بادشاہ سے بدظن ہو گئے تھے اور راجاؤں سے ساز باز کر رہے تھے ان سب کو خوب تنبیہہ کی اور ان راجاؤں کو بہت محبت آمیز خطوط لکھے۔ امراء میں سے جو قابل اعتماد تھے انہیں عہدے مرحمت فرمائے۔

ایک بہت بڑا دربار عام

ملکہ جہاں جب سفر حجاز سے واپس آئیں اور جب بادشاہ محمد شاہ کو یقین ہو گیا کہ اب عوام امراء اور راجاؤں میں مخالفت کی تاب اور سکت نہیں ہے تو اس نے ایک بہت بڑا دربار عام منعقد کیا' دربار کو خوب آراستہ کیا گیا۔ تلنگانہ اور بیجاپور کے قاصدوں کو بھی اس دربار میں بلایا۔ بادشاہ نے نہایت رعب دار اور با اثر لہجہ میں ان ایلچیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "مجھے تخت فیروزہ پر جلوس کیے ہوئے عرصہ گزر گیا اور میرے اقبال شاہی نے آسمان کی بلندیوں کو چھو لیا لیکن آس پاس کے راجاؤں اور حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ کسی نے آج تک کوئی ہدیہ کوئی پیشکش نہیں کی حالانکہ ان راجاؤں کا فرض ہے کہ ان کے پاس جو قیمتی زر و جواہر سونا چاندی' بیش بہا عطیات ہیں وہ سب ہاتھیوں پر لاد کر بارگاہ بہمنی میں روانہ کریں۔" محمد شاہ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ خزانہ شاہی کی ساری دولت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں صرف ہو گئی اور اب تاجدار دکن کو امور سلطنت کے لئے روپیہ کی از حد ضرورت ہے۔ ان قاصدوں نے دربار سے جاتے ہی تمام کیفیت لمبے لمبے خطوط میں لکھ کر اپنے راجاؤں کو روانہ کر دی۔

محمد شاہ کی دریا دلی

ملکہ جہاں کے سفر حجاز کے اخراجات کے بارے میں یہ روایت ہے کہ جب باپ کا انتقال ہوا تو محمد شاہ نے تمام دولت جی کھول کر تقسیم کی۔ باپ کا فاتحہ وغیرہ کرانے کے بعد اور تعزیت سے فارغ ہو کر حسن آباد گلبرگہ میں تخت پر بیٹھا اور امور سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ امور جہاں داری میں اس نے ذرا بھی بخل نہ کیا' ضرورتمند لوگوں کی سرپرستی کے فرمان جاری کیے اور امراء دولت آباد' برار کے لئے خلعت و انعامات بھیجے۔ ان امراء کے نام صفدر خاں سیستانی اور خان محمد تھے۔ ملک سیف الدین غوری اور اس کے بیٹے اعظم ہمایوں پر شاہانہ نوازشات کی بارش کی اور ان کے عہدوں کو انتہائی کمال پر پہنچایا۔

اس کے باپ کی قبر حسن آباد گلبرگہ کے پاس تھی وہاں مسلسل چھ ماہ تک برابر جاتا رہا۔ فقراء محتاجوں اور مساکین کو خیرات دی اور قبر پر ایک عالی شان گنبد بنوایا اس کے علاوہ کئی قصبے اور چند گاؤں قبر کے اخراجات کے لئے وقف کر دیئے تاکہ دو سو حافظ حسن گنگو بہمنی کی قبر پر ہمیشہ تلاوت کرکے اس کی روح کو ثواب پہنچایا کریں۔ ملکہ جہاں یعنی محمد شاہ کی والدہ ماجدہ نے بھی اپنی تمام دولت شوہر کی روح کو ثواب پہنچانے میں صرف کر دی۔ اور شوہر کے انتقال کے پورے ایک سال بعد حج بیت اللہ کی اجازت اپنے بیٹے سے طلب کی۔ محمد شاہ چونکہ اپنی ماں کا بھی بہت فرمانبردار تھا وہ تمام دولت جو باپ نے دنیاوی کاموں کے لئے جمع کی تھی اسے وہ مدینہ منورہ بھیج کر باپ کی روح کو ثواب پہنچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ جتنے بیش قیمت زیورات' سونا چاندی قیمتی آلات ہیں سب بادشاہ کے حضور میں پیش کیے جائیں اور اندازہ لگایا جائے کہ ان سب کی قیمت کیا ہے۔ غرضیکہ تمام مسکوک اور غیر مسکوک دولت اسی مقصد کے لئے بادشاہ کے سامنے لائی گئی۔

وزن کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سو من سونا اور سات سو من چاندی دکنی وزن کے مطابق ہے حالانکہ اس وقت اراکین دولت اور امراء سلطنت نے دنیاوی مصلحتوں کا خیال کرکے کہا کہ فیروز شاہ باربک کو لشکر کی درستگی اور ملکی اخراجات کی ضرورت ہے ہو سکتا ہے کہ وہ طلب کرے۔ لہٰذا اسی قدر مال و زر ملکہ جہاں کے ہمراہ روانہ کیا جائے جو ضرورت ہو اور بقیہ خزانہ شاہی میں محفوظ رکھا جائے تاکہ وقت پڑنے پر کام آئے۔ اس خیال سے بادشاہ بہت مضمحل ہو گیا۔ ملک سیف الدین نے بادشاہ کے چہرہ پر اضمحلال کے آثار دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی۔ محمد شاہ نے اپنی نیت اور امراء کی مخالفت کا تمام حال بیان کر دیا۔ اس پر ملک سیف الدین نے بھی جواب دیا کہ دولت کا خزانہ شاہی میں رہنا بہت ضروری ہے' لیکن جو مال و زر راہ خدا کے لئے خزانچی سے نکلوا کر رکھ لیا گیا ہے اس کا واپس کرنا بھی مناسب نہیں کہ دوبارہ اب وہ خزانہ شاہی میں جمع کرا لیا جائے۔

بادشاہ نے ملک سیف الدین کی صلاح پر عمل کرنے کا ارادہ کیا اس نے کہا کہ میرے غریب باپ کو جب خدا نے اس قدر مال و دولت کا مالک بنا دیا تھا تو اگر خدا چاہے گا تو خزانہ ہونے کی صورت میں بھی میرے ملک کو اپنی امان میں رکھے گا۔ اس کے بعد صدر الشریف جیسے قابل اعتماد لوگوں کو بلایا اور تمام سونا چاندی ان کے حوالے کر دیا۔

ملکہ جہاں کا سفر حجاز

معین خان خواجہ سرا کو چند دیگر خواجہ سراؤں کے ہمراہ کرکے خدمت کے لئے مقرر کر دیا۔ اور ملکہ جہان کو ان معتبر لوگوں کے ساتھ بندر دابل (۲) روانہ کیا۔ باعصمت اور نیک طبیعت بیگم نے اپنے تمام ضروری کام ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اور محمد شاہی کشتی جو اس زمانہ میں تیار کی گئی تھی' اس پر سوار ہوئیں۔ ملکہ کی رشتہ دار اور اعزا کے علاوہ محتاج اور غریب عورتیں تقریباً آٹھ سو بیگم کے ساتھ ہوئیں۔ صدر الشریف کو یہ ہدایت ملکہ جہاں نے کر دی تھی کہ تمام مسافروں کا نگران اور اخراجات کا ذمہ دار رہے۔ ہم سفروں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس کو سفر میں جو ضرورت ہو وہ ملکہ جہاں کے آدمیوں سے حاصل کرے کیونکہ جتنا مال اسباب ساتھ تھا وہ سب راہ خدا میں

صرف کرنے کے لئے ہی تھا- ملکہ جہاں کی کشتی طوفان اور بلاؤں سے بالکل محفوظ جدہ کی بندرگاہ پر ٹھہری اور اس کے بعد یہ سارا قافلہ بیت اللہ کی طرف چلا- ہر فرد بشر نے خانہ خدا کا طواف کیا ملکہ جہاں نے غریبوں محتاجوں اور مستحقین کو انعامات سے نوازا اور اس طرح اپنی آخرت کا سامان کر لیا- اس کے بعد ملکہ جہاں مدینہ منورہ پہنچیں یہاں انہوں نے ایک سال تک قیام کیا اور اس مقام پر چار ہزار کنواری لڑکیوں کی شادیاں کرائیں-

ملا داؤد بیدری کا بیان

تحفہ السلاطین میں ملا داؤد بیدری نے لکھا ہے کہ ملکہ جہاں روزانہ حضرت سیدہ فاطمتہ الزہراء ؓ کے مزار پر زیارت کے لئے جاتی تھیں ایک دن انہوں نے پوچھا کہ حضرت امام حسین ؓ کا مزار کہاں ہے تاکہ اس کی زیارت کی جا سکے- صدر الشریف نے جواباً کہا کہ سید الشہدا کا کربلا میں مدفن ہے- ملکہ جہاں نے اس کا سبب پوچھا کہ حضرت فاطمہ الزہراء کا مزار تو مدینہ منورہ میں ہے پھر حضرت امام حسین کو کربلا میں کیوں دفن کیا گیا- اس پر صدر الشریف نے حضرت حسین ؓ اور یزید کا قصہ بیان کیا اس پر ملکہ جہاں نے بہت گریہ و زاری کی اور کہا کہ چھوٹا بیٹا ماں کو ہمیشہ پیارا ہوتا ہے لہٰذا مجھے حضرت امام حسین کے مزار کی زیارت بھی کرنا ضروری ہے تاکہ حضرت بی بی ناراض نہ ہوں یہ سوچ کر ملکہ جہاں نے کربلائے معلی جانے کی تیاری شروع کر دی-

وہ مدینہ منورہ سے چلنے ہی والی تھیں کہ انہیں خواب میں حضرت فاطمتہ الزہراء کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے آپ سے فرمایا کہ تجھے مزار حسین پر حاضری دینے کی کوئی ضرورت نہیں میں تیرے اچھے اخلاق سے بہت ہی متاثر ہوں-" اور یہ بشارت دی کہ تو اپنے گھر چلی جا کیونکہ تیرے بیٹے تیری دید کے مشتاق ہیں' ملکہ جہاں نے اپنا یہ خواب صدر الشریف سے بیان کیا اور اس کے بعد بہت سا مال و اسباب' زر و جواہر ایک قابل اعتماد آدمی کے ذریعہ کربلائے معلی بھیجا تاکہ یہ سب علی ؓ اور حضرت فاطمتہ الزہراء سلام اللہ علیہا کے فرزندان عالی قدر کے نام سے سادات اور زائرین میں بانٹ دیا جائے- اور اس کے بعد خود جدہ کی بندرگاہ سے ہوتی ہوئی دکن کی طرف روانہ ہو گئیں- ملکہ بندر دابل پہنچیں اور ان کے استقبال کے لئے محمد شاہ روانہ ہوا کلبر کے قلعہ میں اس نے اپنی والدہ سے ملاقات کی اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا-

خلیفہ عباسی کا فرمان و خلعت

محمد شاہ نے خلیفہ عباسی کا بھیجا ہوا خلعت پہنا اور وہ فرمان بھی پڑھا گیا جس میں خلیفہ عباسی نے حاکم دکن کو اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے اور سکہ جاری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی بادشاہ نے خلعت و فرمان دونوں اپنے سر پر رکھے اور جو قاصد' امراء اور ایلچی ان تبرکات کو لے کر دکن میں لائے تھے ان پر بڑی نوازشیں ہوئیں- ملکہ جہاں کی واپسی کے بعد مسلسل دو سال تک قصبہ کلبر میں جشن شادی برپا رہا اور پھر مع اپنی والدہ کے محمد شاہ' حسن آباد گلبرگہ آیا- یہاں آنے کے بعد بھی عرصہ تک خوشی و مسرت کے شادیانے بجتے رہے- ملکہ یہاں پہنچنے کے بعد اپنے شوہر حسن علاؤ الدین گنگو کی قبر پر گئی اور بہت سا روپیہ خیرات کیا پھر اپنے سب سے زیادہ نیک اور سعادت مند بیٹے سے اجازت لے کر وہیں اپنے شوہر کی قبر کے پاس ایک حجرہ بنوا لیا اور صبح و شام شوہر کی قبر پر بغرض فاتحہ خوانی حاضری دیتی- اس کی جدائی میں گھنٹوں آہ و زاری کرتی حتیٰ کہ ملکہ جہاں کا بھی آخری وقت آ پہنچا- اور ۷۶۳ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا انہیں شوہر کے برابر ہی جگہ ملی- ملکہ کے حسن اعتقاد اور نیک اعمال کے بارے میں یہ عجیب روایت مشہور ہے کہ ملکہ کے ساتھ جتنے افراد حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ سب کے سب خانہ خدا اور خانہ رسول کا طواف کر کے زندہ و سلامت اپنے اپنے گھر پہنچ گئے- یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے جو اس باعصمت بی بی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا-

راجاؤں کی سرکشی

یہ تمام باتیں برسبیل تذکرہ آئیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب راجاؤں کے ایلچیوں نے انہیں محمد شاہ کی رائے سے آگاہ کیا تو تلنگانہ کے راجہ نے اپنے بیٹے ناگ دیو کو بہت سے سواروں اور پیادوں کے ہمراہ ورنگل سے کولاس روانہ کیا۔ بیجانگر کے راجہ نے بھی راجہ تلنگانہ کی مدد کرنا چاہی اور بیس ہزار کی تعداد میں فوج ناگ دیو کی کمک کے لئے آئی۔ محمد شاہ نے اسمٰعیل فتح خاں کے بیٹے بہادر خاں کو لشکر کا سردار کیا اور اعظم ہمایوں خاں و صفدر سیستانی کے پاس احکامات بھیجے کہ وہ لشکر لے کر بہادر خاں کی مدد کے لئے میدان میں آ جائیں۔ انہیں ہر حالت میں بادشاہ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے کی تاکید تھی۔ بہادر خاں بڑی ہمت اور دلیری کے ساتھ ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان کارزار میں آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی' انجام کار ہندوؤں کا لشکر حواس باختہ ہو کر بھاگ نکلا اور اپنے ملک میں واپس جا کر پناہ گزین ہوا۔ بہادر خاں نے ورنگل تک کے ممالک کو تباہ و برباد کیا اور وہاں کے راجہ سے ایک لاکھ ہون (سکہ) اور پچیس ہاتھی اور دیگر تحفہ تحائف' بیش بہا اشیاء لے کر حسن آباد گلبرگہ واپس لوٹ آیا۔

ناگ دیو سے پرخاش

۷۶۳ھ میں ایک دن محمد شاہ کرسی پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ کچھ سوداگر گھوڑے بیچنے کے لئے آئے ہیں محمد شاہ گھوڑوں کا بہت دلدادہ تھا۔ خاص طور پر عربی گھوڑوں کا اسے بہت شوق تھا وہیں کرسی پر بیٹھے بیٹھے سوداگروں کو بلوا لیا' گھوڑوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ان میں کوئی اس قابل نہیں کہ خریدا جائے۔ اس پر بادشاہ نے سوداگروں سے کہا کہ ایسا مال لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک جانا بیکار ہے جو بادشاہوں کے لائق نہ ہو۔ سوداگروں نے نہایت مودب ہو کر خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ شاہی سواری کے لائق عمدہ مال لے کر چلے تھے' لیکن ویلم پٹن (۳) میں ناگ دیو جو اپنے باپ کی طرف سے حکمران مقرر کیا گیا ہے اس نے ہم سے زبردستی عمدہ عمدہ گھوڑے چھین لئے۔ محمد شاہ ناگ دیو سے پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا اس واقعہ سے اور بھی ناراض ہوا اور اس کو تباہ کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ محمد شاہ نے دار السلطنت کی باگ ڈور ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دی اور اسی وقت اپنے بہادر اور جری گھوڑے کو جس کا نام شبدیز تھا اپنی کرسی کے پاس بلوایا اور اسی وقت سوار ہو کر ایک لشکر جرار کے ساتھ سلطان پور کے نزدیک ایک جگہ دس دن تک ٹھہرا رہا۔ اور پھر محمد شاہ جنیدی سے دعائیں لے کر گیارہویں دن دار الامارہ کے مست ہاتھی پر سوار ہو کر تلنگانہ کی طرف بڑھا۔ بادشاہ جب کلیانی کے آس پاس پہنچا تو اس نے اپنے ایک بے تکلف مصاحب سے پوچھا کہ ہم کتنے دن میں ویلم پٹن پہنچ سکتے ہیں اس نے گستاخانہ جواب دیا کہ اگر بادشاہ کی یہی رفتار رہی تو ہم آئندہ سال دشمن کے سر پر پہنچ سکیں گے۔

محمد شاہ نے فوراً ہی ہاتھ کو روک لیا اور چار ہزار سوار جن میں اسپہ دو اسپہ اور سہ اسپہ تھے انہیں اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں اپنے سے پہلے بھیجدیا۔ اور خود بھی خدا پر قانع ہو کر سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ بادشاہ نے تمام لشکر کو احمد آباد اور بیدر میں چھوڑا اور اتنی سرعت سے سفر شروع کیا کہ ایک مہینے کا کام ایک ہفتہ میں انجام پانے لگا۔ ایک ہزار سواروں کے ساتھ شہر ویلم پٹن کے گرد و نواح میں پہنچا۔ اور افغانوں کے ایک گروہ کو سوداگروں کے بھیس میں شہر میں بھیجا تاکہ یہ جا کر دربانوں اور نگہبانوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیں تاکہ محمد شاہ نہایت آسانی سے داخل ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ افغانی سوداگر تیر و کمان اور تلواریں لیے ہوئے پہنچے اور دربانوں سے کہا کہ ہم لوگ سوداگری کرنے کے لئے نکلے تھے ہمیں راستہ میں چوروں نے لوٹ لیا اب ہم کو اندر جانے کی اجازت دو۔

ابھی ان میں بات چیت ہو رہی تھی کہ محمد شاہ بھی مع اپنی فوج کے آگیا یہ لوگ جو دربان تھے یہ سمجھے کہ شاید ان افغان سوداگروں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی حفاظت کی خاطر اٹھے اور دروازہ کو بند کرنا چاہا' لیکن محمد شاہ کے لشکر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی' افغان سوداگروں نے نگہبانوں پر حملہ کر دیا۔

اس طرح یہ لوگ شہر کے اندر گھس آئے ادھر راجہ ناگ دیو کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس طرح محمد شاہ اچانک حملہ کر دے گا ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ محمد شاہ کی فوج اگرچہ بہت مختصر تھی پھر بھی اس نے زبردست ہنگامہ بپا کیا۔ راجہ باغ میں عیش و طرب کی محفل جمائے بیٹھا تھا وہ وہاں سے اٹھ کر فوراً محل میں چلا گیا بادشاہ نے اس فعل کو اپنی خوش نصیبی سمجھا اور اسی وقت اس قلعہ کو گھیر لیا۔ جس میں توپ (۴) و تفنگ اور آلات قلعہ داری بالکل نہیں تھے۔ اور شہر کے تمام کاریگروں کو کام سے لگا دیا اور حکم دیا کہ بہت کم عرصہ میں بہت سے چوبی زینے اور قلعے کو فتح کرنے کے دوسرے اسباب فراہم کیے جائیں۔

ناگ دیو نے محسوس کر لیا کہ مقابلہ کرنا بالکل بیکار ہے اور ہر ہندو کے دل پر مسلمانوں کا ڈر غالب آ چکا ہے اور کہیں سے مدد پہنچنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ لہٰذا جو دروازہ پتھر سے چنا ہوا تھا اس کو کھولا اور اپنے چند قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کے پیچھے سے بھاگا۔ محمد شاہ کو اس کے فرار کا حال معلوم ہو گیا اس نے فوراً ہی ناگ دیو کا تعاقب کیا' اس کو پکڑ کر محل میں لایا اور اس سے تمام خزانوں اور دفینوں کا حال معلوم کر کے ان پر اپنا قبضہ کر لیا۔ دوسرے روز صبح کو ناگ دیو دربار میں طلب کیا گیا بادشاہ کا دل اب اس کی طرف سے میلا نہ رہا تھا اور وہ اس کی جان بخشی پر تیار بھی تھا۔ اس نے ناگ دیو سے سوال کیا کہ سوداگر جو گھوڑے میرے لیے لائے تھے تو نے انہیں کیوں اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس پر ناگ دیو نے نہایت جاہلانہ اور ناعاقبت اندیشانہ جواب دیا۔ محمد شاہ اس کے جواب سے برفرادختہ ہو گیا اور حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے جو لکڑی کا انبار لگا ہوا ہے اس میں اس کی زبان کھینچ کر اس کو ڈال دیا جائے اور کہا کہ اس کو منجنیق میں بٹھا کر آگ میں پھینک دیں چنانچہ بادشاہ کے حکم کی فوراً ہی تعمیل کی گئی اس کے بعد بادشاہ نے ان ہندوؤں کو بھی نہایت سخت سزائیں دیں جو کہ مسلمانوں کو ستاتے تھے۔

محفل عیش و عشرت

مسلسل پندرہ روز تک محفل عیش و طرب جمی رہی ہر تاجر اور غیر تاجر سے بادشاہ زر و جواہر حاصل کرتا' ہر اس سپاہی کو جو بادشاہ تک پہنچنا چاہتا' پہنچنے کی اجازت نہ دی جاتی اور وہ شہر کے باہر ٹھہرا دیا جاتا تھا۔ محمد شاہ کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ یہاں پر رہ کر امور سلطنت کو انجام دینا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ لہٰذا وہ وہاں سے بہت مطمئن ہو کر دار الامارۃ کی طرف چلا۔ تلنگانہ کے عوام کے لئے یہ بات بالکل ہی عجیب تھی وہ ہر طرح سے محمد شاہ کی راہ میں حائل ہوئے' مگر محمد شاہ اس ہجوم سے بالکل نہ گھبرایا اور یہ فیصلہ دے دیا کہ بہمنی فوج کا کوئی سپاہی علاوہ زر و جواہر کے کوئی چیز ساتھ نہ لے اور خیمے' اسباب' اونٹ' گائے اور دیگر جانور وغیرہ سب کو یہیں چھوڑ دیں۔ فوج کو یہ حکم دے دیا گیا کہ لشکر ہر گاؤں سے نہایت آہستہ آہستہ گزرے اور ہر گاؤں سے اسی قدر چارہ اور غلہ وصول کرے جس کی اسی دن ضرورت ہو زیادہ ہوس کرنے کی ضرورت نہیں۔

سپاہی اگرچہ رات کو جنگل میں آرام کرتے تھے' لیکن چند گروہ باری باری حفاظت کے لئے ہشیار رہا کرتے تھے۔ باوجود اس احتیاط اور حفاظت کے تلنگوں کو جب موقع ملتا درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے چھپ چھپ کر مسلمانوں کو قتل کرتے۔ اس سبب سے چار ہزار سواروں میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سپاہی واپس اپنے گھروں کو آئے۔ راستے میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگیں ہوئیں' مگر ہر بار مسلمان ہی کامیاب ہوئے اور ایک مرتبہ ایک جنگ میں محمد شاہ کے بازو پر بھی ایک زخم آیا' لیکن اس کا اثر زیادہ نہ ہوا۔ یہ زخم کھانے کے بعد بھی بادشاہ نے نہایت سکون و آرام اور سنجیدگی سے اپنے علاقے میں قدم رکھا۔ کولاس میں کچھ عرصہ قیام کیا ملک سیف الدین غوری نے تلنگوں کے ہنگامہ کی خبریں سن کر امراء کو فوراً ہی روانہ کر دیا۔ کولاس میں وہ سب ٹھہر گئے اور بادشاہ سے ملاقات کی اور اس کے حکم سے تلنگانہ کے بہت سے شہروں کو تباہ و برباد کر دیا نیز بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا اس کے بعد بادشاہ کے ہمراہ ہی حسن آباد گلبرگہ واپس آئے۔

راجہ تلنگانہ کی بغاوت

۷۶۴ھ میں تلنگانہ کا راجہ جو اپنے بیٹے کی موت اور محمد شاہ سے شکست کھانے کے بعد بہت رنجیدہ اور مضمحل تھا۔ اس نے سلطان فیروز شاہ باربک کی خدمت میں ایک خط بھیج کر التماس کی کہ وہ محمد شاہ کی تباہی کا باعث بنے۔ محمد شاہ کے خبر رسانوں نے اس کو ان خطوط کی اطلاع فوراً ہی دے دی۔ ان خطوط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ورنگل کا راجہ تاجدار دہلی کی طرفدار اور بہی خواہ ہے اگر بادشاہ دہلی مالوہ اور گجرات کے امراء کو دکن کی حکومت واپس لے لینے کا حکم نامہ جاری کرے تو وہ خود اور راجہ بیجانگر دونوں دل و جان سے کمک کے لئے تیار ہیں۔ اور بہت کم عرصہ میں ملک دکن کو دشمنوں کی زد سے بچا کر کئی سال کا بقایا خراج اور پیشکش وغیرہ بھی دہلی کے خزانہ شاہی میں داخل کرے گا۔ دہلی میں چونکہ یہ ایک روایت بن گئی تھی کہ شاہ دہلی کا دکن پر حملہ کرنا کبھی راس نہیں آتا اسی باعث راجہ کے خطوط اور معروضات سب بالکل بے اثر ثابت ہوئے۔

محمد شاہ کا ورنگل پر حملہ

محمد شاہ نے ورنگل کی راجدھانی کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اپنے چچا زاد بھائی خان محمد کو خط لکھا کہ وہ دولت آباد کی فوج کو تیار کرے اور قتلغ خاں کے حوض کے نزدیک' بالاگھاٹ دولت آباد میں آکر ٹھہر جائے اور ان سرحدوں کی حفاظت کرے' صفدر خان سیستانی اور اعظم ہمایوں خاں کے نام بھی پیغامات بھیجے کہ یہ امراء بھی اپنی فوجیں لے کر حسن آباد گلبرگہ پہنچ جائیں اس کے بعد تمام حالات سے بادشاہ کو آگاہ کیا گیا۔ بادشاہ نے حسب دستور سابق گلبرگہ اور اس کے گرد و نواح کی حکمرانی ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دے دی اور خود اپنا لشکر لے کر مہم پر روانہ ہوا۔ بادشاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کولاس پہنچا۔ اور اعظم ہمایوں کو احمد آباد' بیدر اور ماہور کے لشکر کے ساتھ گولکنڈہ بھیج دیا' صفدر خاں سیستانی کو امرائے برار کے ہمراہ ورنگل کی لڑائی پر بھیج دیا۔ بادشاہ خود نیز بہادر خاں نہایت آہستہ آہستہ منزلیں طے کرتے ہوئے انہیں امراء کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔

اسی دوران میں بیجانگر کے راجہ کے انتقال کی خبر سنی گئی اور اس کا بھتیجا تخت کا وارث بنا اب تلنگانہ کے راجہ کو بیجانگر سے کمک کی کوئی امید باقی نہ رہی اور وہ خود بھی اب اپنے آپ میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا لہٰذا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا اور بہادر خاں کے پاس اپنے مصاحبین کو بھیجا تاکہ وہ محمد شاہ کو صلح و آشتی کی ترغیب دے۔ محمد شاہ صلح پر کسی صورت سے تیار نہ ہوا' تلنگانہ کے راجہ نے بادشاہ کی بڑھتی ہوئی ضد اور طاقت سے متاثر ہو کر ایک بار اپنے چھوٹے بیٹے کو پھر بادشاہ کی بارگاہ میں بھیجا اور کہلایا کہ "میں خود بادشاہ کے بہی خواہوں اور خیر خواہوں میں شامل ہو چکا ہوں اور اپنے پچھلے قصوروں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور اب عہد کرتا ہوں کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا اور جو حکم ہو گا' اس کی پوری پوری تعمیل کروں گا۔"

اب دوسرے بہمنی امراء نے بھی اس بات پر زور دیا کہ بادشاہ صلح کر ہی لے اسی میں مصلحت ہے۔ اس پر بادشاہ نے بہادر خاں کو اختیار کلی دے دیا کہ وہ جن شرائط پر چاہے صلح کر سکتا ہے۔ بہادر خاں نے صلح کے لیے یہ شرائط رکھیں کہ راجہ ورنگل تین سو ہاتھی' تیرہ لاکھ ہون اور دو سو گھوڑے شاہی بارگاہ میں داخل کر دے اور گولکنڈہ کا شہر مع اس کے آس پاس کے علاقوں کے بادشاہ کے ہاتھ میں دے دے۔ چونکہ مسلسل دو سال تک بہمنی لشکر تلنگانہ کو تباہ و برباد کرتا رہا تھا نیز تلنگوں کا انتظام حکومت بھی بہت خراب حالت میں تھا' راجہ کو مجبوراً تمام شرائط قبول کرنا پڑیں۔ محمد شاہ نے نواح گولکنڈہ سے واپسی کا ارادہ کیا۔ ملا بہادر خاں کولاس ہی میں مقیم رہا تاکہ صلح کی تمام شرائط مکمل ہو جائیں اور رقوم بھی وصول کر لی جائیں۔ گولکنڈہ کی حکمرانی کے فرائض اعظم ہمایوں کو سونپے گئے اور بادشاہ خود حسن آباد گلبرگہ واپس آیا' پھر احمد آباد بیدر چلا گیا۔ تین ماہ تک بیدر میں قیام کر کے تمام امراء اور سپاہیوں کو تین ماہ کی چھٹی دے کر آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔

تلنگانہ کے قاصدوں کی آمد

اسی عرصہ میں تلنگانہ کے قاصد وہ تمام خبریں لے کر جو صلح نامہ میں درج تھیں حاضر ہوئے اور بہادر خاں ان کو لے کر بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عربی گھوڑے نیز بیش قیمت تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ تلنگانہ کے قاصدوں نے اس کے بعد بہادر خاں کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر ہمیں ایک عریضہ اس قسم کا مل جائے کہ بادشاہ کی اولاد بھی ہمیشہ تلنگانہ کے راجاؤں کو اپنا بہی خواہ اور وفادار سمجھے اور ان کی سرحد کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی تو ہم لوگ بادشاہ کی خدمت میں ایک بہت بیش قیمت تحفہ پیش کریں گے جو واقعی تاجدار دکن ہی کے لائق ہے۔

محمد شاہ اس بات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے بھی اس تحفہ کو دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر ایلچیوں کو دربار میں بلایا گیا اور ان کے اصرار پر بادشاہ نے ایک فرمان لکھا جس پر تحریر تھا کہ شہر گولکنڈہ دولت بہمنی اور حکومت ورنگل کی سرحد ہے۔ اور جس وقت تک تلنگے خود بغاوت پر آمادہ نہ ہوں اس وقت تک ہماری اولاد ان کے کسی فعل میں رخنہ نہ ڈالے۔ جب قاصدوں کو یہ فرمان مل گیا تو انہوں نے وہ مرصع تخت بطور تحفہ محمد شاہ کی خدمت میں پیش کیا جو راجہ تلنگانہ نے محمد تغلق کے لئے بنوایا تھا۔ محمد شاہ اس اعزاز سے پھولا نہ سمایا اور ان قاصدوں کو عزت و تکریم سے واپسی کی اجازت دے دی اور خود حسن آباد گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ نو روز کے دن حسن آباد پہنچا اور تخت کو تخت فیروزہ کے نام سے موسوم کیا۔ اور ساعت تحویل (۵) میں اس تخت پر قدم رنجہ فرمایا۔ اس کے بعد ان فوجی افسران کو جنہوں نے اس مہم میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی تھی اور حصہ لیا تھا انہیں انعامات عطا کیے اور اپنے باپ کے چاندی کے تخت کو جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ایک طرف اندر تبرک کے طور پر رکھوا دیا۔

تخت فیروزہ

فرشتہ لکھتا ہے کہ اس نے کئی بزرگوں سے جو محمد شاہ بہمنی کے عہد میں تھے اور جنہوں نے تخت فیروزہ کو دیکھا تھا ان کی زبانی سنا تھا کہ تخت فیروزہ تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا آبنوس کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے سونے کے تختے اس طرح لگائے گئے تھے کہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے اور لے جانے میں وقت نہ ہو اور ان تختوں کو لپیٹ لیا جائے' یہ تختے آسانی سے صندوق میں بند ہو جاتے تھے۔ بہمنی خاندان کا ہر حکمران سلطان محمد شاہ کی پیروی کرتا تھا۔ اور درفش کادیانی (۶) کی طرح تخت فیروزہ میں بھی ہر دور میں ہیرے اور جواہرات کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ محمود شاہ بہمنی کے عہد میں اس تخت سے بعض جواہرات اس لئے نکال لئے گئے تھے کہ بادشاہ کی صراحی اور پیالہ رکھنے کے لئے ایک چوکی (کشتی) بنانا تھی۔

اس وقت ملک کے صرافوں اور جوہریوں نے اس تخت کی قیمت ایک کروڑ ہون بتائی تھی یہ بات آگے چل کر مفصل طور پر بتائی جائے گی کہ تخت سے جواہرات نکالنا بہت منحوس ثابت ہوا۔ فرشتہ کو جو معلومات تخت فیروزہ کے بارے میں ہو سکیں وہ یہی ہیں کہ ملا اسمٰعیل نوبتہ جن کے تمام آبا و اجداد زندگی بھر تخت فیروزہ کی حفاظت پر مقرر رہے) ان سے یہ سوال کیا گیا کہ اس تخت کا نام تخت فیروزہ کیوں رکھا گیا۔ اس کا جواب فرشتہ کو یہی ملا کہ چونکہ شروع شروع میں یہ فیروزی کانچ کا بنا ہوا تھا لہٰذا اس رنگ کی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا لیکن بعد میں اس پر اتنے جواہرات اور موتی لگائے گئے اس کا پرانا رنگ بالکل ہی مٹ گیا۔

جشن عیش و عشرت

بادشاہ جس سال تخت فیروزہ پر بیٹھا تھا اس سال چالیس روز تک عیش و طرب کی محفلیں رہیں۔ کسی شہری سے کوئی باز پرس نہ کی گئی ہر ایک کو اختیار دیا گیا کہ جو مرضی ہو وہ کرے نیز تمام امرائے سلطنت اور اراکین دولت بھی دن کو عید اور شب کو شب برات منانے لگے۔ اسی دوران میں گانے کے شوقین لوگوں نے امیر حسن اور امیر خسرو کے گیت گائے۔ دہلی سے تین سو قوال حسن آباد گلبرگہ پہنچے محمد

شاہ نے ان کی بہت عزت کی اور آخری دن ایک چھوٹا سا جلسہ منعقد کیا' ملک نائب سیف الدین غوری اور صدر الشریف کو یہ اجازت مرحمت ہوئی کہ وہ پایہ تخت کے پاس بیٹھیں۔ اسمٰعیل فتح خاں کے بیٹے بہادر خاں کو یہ عزت بخشی گئی کہ امیر الامراء کا لقب دیا گیا اور شہزادہ مجاہد کی شادی بہادر خاں کی بیٹی سے طے کی گئی اسی روز ان کا جشن شادی بھی منایا گیا۔ ملا داؤد بیدری لکھتے ہیں کہ (تحفۃ السلاطین) "میں اس شادی کے دن پورے دس برس کا تھا اور مہرداری کا کام انجام دیتا تھا۔"

وہ کہتے ہیں کہ سارا جشن محمد شاہ بہمنی کے حسن سیرت و صورت سے معمور تھا۔ حضرت خسرو کے اشعار جو بادشاہ کی مدح میں تھے ان کو قوال گا رہے تھے وہ اس محفل عیش و عشرت سے بہت حظ حاصل کر رہا تھا۔ اس نے ملک سیف الدین غوری کو بلوا کر کہا کہ تین سو قوالوں کے وظیفے کا برات نامہ جو دہلی سے یہاں تک آئے ہیں راجہ بیجانگر کے نام لکھ دو۔" سیف الدین غوری یہ سمجھا کہ شاید بادشاہ نشہ کی حالت میں یہ کہہ رہا ہے لہٰذا اس نے اہمیت نہ دی۔ محمد شاہ ملک نائب سے بدگمان ہو گیا اس نے پھر ہوشیاری کی حالت میں پوچھا کہ برات نامہ راجہ بیجانگر کے نام عاید کر دیا گیا یا نہیں۔ اس پر ملک سیف الدین کو عجیب قسم کی سبکی محسوس ہوئی۔ اس نے کہا کہ اب کیا ہو' محمد شاہ نے کہا کہ جب اطراف عالم میں میری حکمرانی کا سکہ چل رہا ہے تو یہ بات ہرگز زیبا نہیں کہ میں فضول گوئی کروں۔ میرا حکم نشہ کی حالت میں نہ تھا بلکہ عین ہوش کے عالم میں تھا ابھی فرمان لکھ کر اس پر مہر لگاؤ اور بیجانگر کے راجہ کے پاس روانہ کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بیجانگر کا راجہ بھی کچھ کم مغرور نہ تھا وہ اس روش سے بہت ناراض ہوا اور ایلچی کو گدھے پر سوار کرا کے تمام شہر میں اس کی بدنامی کرائی۔

راجہ بیجانگر کی بغاوت

راجہ بیجانگر نے بادشاہ کے ایلچی کو شہر سے نکلوا دیا' اور اس کے بعد خود سرکشی پر آمادہ ہوا۔ بیس ہزار سواروں ۹ لاکھ پیادوں اور تین ہزار ہاتھیوں کا لشکر لے کر بہت اہتمام سے دکن کی سرحد کی طرف بڑھا۔ قلعہ اودنی میں اپنے خیمے لگائے اور اپنے آدمیوں کو مسلمانوں کے ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دے دیا۔ سلطان محمد شاہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی چونکہ برار اور بیدر دونوں جگہوں کے لشکروں نے مسلسل مصیبتیں اٹھائی تھیں۔ اس لئے انہیں ذرا بھی آرام نہیں نصیب ہوا تھا۔ محمد شاہ نے اس وجہ سے ان دونوں فوجوں کو نہ چھیڑا اور خان محمد کو دولت آباد کے لشکر کے ساتھ اپنے پاس بلوایا۔ اس کے بعد دیلم ٹپن کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ شاہزادہ مجاہد کو دے کر حضرت شیخ محمد سراج کے پاس بھیجا تاکہ یہ تمام رقم غریبوں اور محتاجوں کو بانٹ دی جائے۔ نیز شہزادہ حضرت شیخ سے ہندوؤں سے جنگ کرنے کی اجازت لے۔ حضرت شیخ نے تمام علماء اور مشائخین کو وہ رقم تقسیم کی اور سب کو حسن آباد گلبرگہ کی مسجد میں جمع کیا گیا۔ سب نے لشکر اسلام کی فتح کے لئے سچے دل سے دعا کی۔

برسات کا موسم تھا اور کرشنا ندی کا پاٹ بہت چڑھا ہوا تھا پھر بھی راجہ بیجانگر نے نہایت اطمینان کے ساتھ مدکل کے قلعہ کے قریب قیام کیا' اور قلعہ کو فتح کرنے کی بہت کوشش کی۔ آٹھ سو بہادر مسلمان قلعہ کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے' لیکن ملک سیف الدین کے ایک رشتہ دار نے جو قلعہ کا حاکم تھا۔ قلعہ کے لوگوں سے کچھ سختی سے بات چیت کرنا شروع کی تو اہل قلعہ اور اس میں پھوٹ پڑ گئی... اور یوں قلعہ کی حفاظت میں سستی سے کام لیا گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر راجہ بیجانگر نے قلعہ کو فتح کر لیا اور ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے' مسلمانوں کے خاندان کے خاندان قتل کر ڈالے۔ ان میں سے ایک شخص چھپ کر قلعہ میں سے باہر نکل آیا اور دریائے کرشنا کو پار کر کے حسن آباد گلبرگہ پہنچا اور بادشاہ کو بتایا کہ آپس کی پھوٹ نے یہ حالت کر دی۔ راجہ بیجانگر نے مدکل کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کے تمام لوگ مارے گئے۔

ایک لاکھ ہندوؤں کے قتل کا ارادہ

سلطان محمد شاہ بہت غیرت مند حکمران تھا اسے یہ باتیں بہت تکلیف دہ معلوم ہوئیں اور اس نے اس غریب آدمی کو بھی قتل کا حکم

دے دیا جو جان بچا کر یہ خبر لے کر آیا تھا اور کہا کہ جس شخص کے سامنے اتنے بے گناہ لوگوں کا خون بہہ گیا وہ کیوں زندہ رہے اور اسی غیظ و غضب کی حالت میں سفر کا ارادہ کر لیا۔ جمادی الاول ۷۶۷ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ رکاب میں پاؤں رکھتے ہی یہ قسم کھائی کہ جب تک آٹھ سو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کر دوں گا اس وقت تک مجھے سکون نصیب نہ ہو گا۔ شہزادہ مجاہد کو اپنا ولی عہد اور ملک سیف الدین کو صاحب اختیار بنایا اور خود چل پڑا۔ دریائے کرشنا پر پہنچ کر کہا کہ "قسم ہے خدائے پاک کی جس نے مجھے اتنے بلند درجہ پر پہنچایا میں اس معمولی ندی سے ڈر کر واپس نہ جاؤں گا' بلکہ مدکل کے شہیدوں کا بدلہ لینا مجھ پر فرض ہے۔" تین دن میں اس نے دریا کو پار کر لیا۔ اس کے پاس صرف نو ہزار سوار تھے اور ادھر فریق مخالف کے پاس تیس ہزار سوار اور نو لاکھ پیادے موجود تھے۔

راجہ بھی محمد شاہ کے دریا کو عبور کر لینے سے حیران ہوا کیونکہ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ راجہ نے اسی پریشانی کی حالت میں جبکہ تند ہوائیں چل رہی تھیں بارش بہت ہو رہی تھی' اپنا تمام خزانہ' مال اسباب' ہاتھی وغیرہ بیجانگر بھیج دیئے اور خود اس لئے میدان میں جما رہا کہ صبح ہوتے ہی دربانوں اور اراکین سے جنگ یا صلح کے بارے میں گفتگو ہو گی۔ جو سامان اور جانور روانہ کیے گئے تھے وہ سب بارش کی شدت کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر پہنچ چکی تھی لہٰذا صرف چابک اور گھوڑے لے کر مسلمانوں نے بیجانگر پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے محمد شاہی لشکر نے ہندوؤں کو زیر کر لیا۔ ان لوگوں نے مال اسباب چھوڑ کر بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور یہ سب قلعہ اودنی کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے سارے مال پر قبضہ کر لیا اور تمام ہندوؤں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ تقریباً ستر ہزار ہندو قتل ہوئے جیسا کہ تحفۃ السلاطین میں لکھا ہوا ہے۔ دو ہزار ہاتھی' تین ہزار ارابے اور ضرب زن' سات سو عربی گھوڑے اور ایک جڑاؤ تخت بادشاہ کے قبضہ میں آیا اور بقیہ مال غنیمت پر امراء نے قبضہ کر لیا۔

محمد شاہ نے اس فتح کو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ سمجھا اور برسات کا پورا موسم قلعہ مدکل ہی میں بسر کیا۔ محمد شاہ کے پاس اب اچھی خاصی جمعیت ہو گئی تھی' ہندوؤں کو تباہ و برباد کرنے کی نیت سے اس نے قلعہ اودنی کا رخ کیا۔ راجہ بیجانگر اس دوران میں دریائے تمندرہ (۷) کو پار کر کے قلعہ اودنی ہی میں اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھے۔ اپنے بھانجہ کو یہاں کا حاکم بنایا تھا اور ممالک کے وسط میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ اس نے آس پاس کے لشکروں کو جمع کر کے خزانہ' ہاتھی اور دیگر لوازمہ شاہی دوبارہ بیجانگر سے منگا لیے۔ محمد شاہ نے خان محمد کی رائے پر عمل کیا اور قلعہ کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور حسب ضرورت فرامین جاری کر کے مقبوضہ ممالک اور قلعوں سے بہت سی توپیں اور بندوقیں منگائیں اور آتش بازی کے کارخانہ پر مقرب خاں کو جو ایک لائق اور قابل اعتماد امیر تھا نگران مقرر کیا۔ بادشاہ نے تمام رومی اور فرنگی ساتھیوں کو مقرب خاں کی ماتحتی میں دے دیا' ایک بہت بڑا توپ خانہ بنوایا۔ وہاں کے لوگوں کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی کہ وہ راتوں کو شب خون مار کر انسانوں اور جانوروں کو ختم کر دیتے ہیں لہٰذا بیجانگر کے تمام ہاتھی اور دیگر جانور حسن آباد روانہ کر دیئے گئے اور ضروری اور اہم چیزیں ہی وہاں رہنے دی گئیں۔ لشکر کے آس پاس توپ خانہ رکھ کر پوری بیداری اور عقلمندی سے مقابلہ کے لئے تیار رہے۔ محمد شاہ نے لشکر کو اس طرح آراستہ کیا اس کے بعد پھر قلعہ اودنی سے چل کھڑا ہوا اور تمندرہ ندی کو پار کر کے بیجانگر کی راجدھانی میں داخل ہوا۔

بیجانگر پر محمد شاہ کا حملہ

محمد شاہ بہمنی خاندان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے جنگ کرنے کی نیت سے سرزمین بیجاپور پر قدم رکھا اور نہایت شاندار کامیابی کے بعد واپس لوٹا وہ اپنے ارادہ میں بہت پکا تھا اور نہایت ثابت قدمی سے کشن رائے (۸) کی طرف چلا اب بہمنی فوج بیجانگر میں داخل ہوئی۔ راجہ نے فوراً اراکین سلطنت کو جمع کر کے صف آرائی کرنے کا مشورہ کیا۔ اس مجلس میں یہ طے پایا کہ بھوج مل جو ماں کی طرف سے راجہ کا رشتہ دار تھا اور فوج کا سردار بھی تھا وہ ایک دستہ لے کر پہلے میدان میں جائے۔ بھوج مل کو بہت غرور تھا اس نے نشہ غرور میں سرشار ہو

کر کہا کہ راجہ جس طرح کہے اسی صورت میں مسلمان بادشاہ کو گرفتار کر کے لا سکتا ہوں اگر مرضی ہو تو بادشاہ زندہ سلامت پابہ زنجیر راجہ کے دربار میں لا سکتا ہوں۔ یا پھر حکم ہو تو اس کا سر قلم کر کے خدمت میں حاضر کروں۔

راجہ نے جواب میں کہا کہ دشمن کا قتل کرنا ہی عین ثواب ہے اور اہم بھی۔ بھوج نے اپنی فوج اور اپنے نوکروں کو خوب تسلی دی۔ چالیس ہزار سواروں اور پانچ لاکھ پیادوں کے ساتھ بادشاہ کی طرف بڑھا۔ بھوج مل نے یہ حکم بھی دیا کہ روزانہ برہمن اور پنڈت مذہبی کتب ہندوؤں کو پڑھ کر سنائیں اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی خاص ہدایت کیا کریں اور مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کو بدظن کرنے کے لئے وہ تمام باتیں بتائیں جو ہندوؤں کی دل شکنی کا سبب ہوں۔ مثلاً بتوں کی بے حرمتی کرنا توڑنا' گائے کو ذبح کرنا اور بت خانوں کو مسمار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ جب فریقین میں صرف بارہ (۱۲) کوس کا فاصلہ رہ گیا تو سلطان محمد شاہ نے خان محمد اور سرنوبتوں کو حکم دیا کہ لشکر میں سپاہی اور پیادوں کی تعداد شمار کریں۔ اس حکم کی تعمیل کی گی تو معلوم ہوا کہ لشکر پندرہ ہزار سواروں پچاس ہزار پیادوں پر مشتمل ہے۔ اس لشکر میں دس ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں کی ایک فوج مع آتشبازی کے کارخانہ کے خان محمد کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ ذیقعد کی چودہ تاریخ کو ہندو اور مسلمان برسرپیکار ہوئے اور صبح سے سہ پہر تک خوب بہادری سے لڑتے رہے بہت سی جانیں ختم ہو گئیں۔ عیسیٰ خاں اور موسیٰ خاں جو میمنہ اور میسرہ کے محافظ تھے وہ بھی مارے گئے دونوں سرداروں کی سپاہ ادھر ادھر بکھر گئی۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوتی کہ اچانک محمد شاہ تین ہزار سوار لے کر میدان جنگ سے تین کوس کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ خان محمد کو بھی تسلی ہوئی اور منتشر لشکر پھر اس کے گرد جمع ہو گیا۔ مقرب خاں نے توپ خانہ کو سامنے کر دیا اور دشمنوں پر خوب آتش برسائی۔ ہندو سپاہ کو بری طرح پریشان کیا اس نے خان محمد کو کہلا بھیجا کہ "میں نے ہندو سپاہیوں کو خوب پریشان کر دیا ہے اب اگر حکم ہو تو میں ارابوں کے پیچھے سے نکل کر خاصہ کے نوجوانوں اور بہادروں کے ساتھ ان پر حملہ کروں۔" امراء کے ایک گروہ کو مقرب خاں کے پاس بھیج کر خان محمد نے کہہ دیا کہ لڑائی میں مصروف رہیں اور خود بھی ان امراء کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا اور بہت جلد ہی ہندوؤں کے سر پر جا پہنچا۔ ہندوؤں کو آتش بازی کے آلات سے کام لینے کا وقت نہ ملا اور مجبوراً وہ تلواروں اور خنجروں ہی سے لڑتے رہے اسی دوران میں خان محمد کا ہاتھی "شیر شکار" فیل بان کے قابو سے باہر ہو گیا اور بھاگ نکلا۔ وہ بھاگتا ہوا سیدھا بھوج مل کی فوج کی طرف گیا جو ابھی تک لڑنے کے لئے بڑھی نہ تھی۔ "شیر شکار" کو بھوج مل کے آدمیوں نے مار کر زخمی کر دیا۔

بیجانگر کی فتح

خان محمد کو جب یہ معلوم ہوا کہ "شیر شکار" کو زخمی کر دیا گیا ہے تو اسے بہت غصہ آیا اس نے پانچ سو سواروں کی جمعیت کو ساتھ جا کر اپنے ہاتھی کو پکڑ لیا اور واپس لے آیا۔ اس کے بعد ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ "شیر شکار" نے خان محمد کے پہنچتے ہی مسلمانوں کے لشکر کی پیشروئی کی اور دشمنوں کی فوج پر اچانک حملہ آور ہو گیا۔ بھوج مل کو بھی زخمی کر دیا وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور دوسرے امراء بھی اس کی دیکھا دیکھی نکل بھاگے۔ مسلمانوں کی تلواریں ابھی نیام سے باہر بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بادشاہ کا پرچم میدان جنگ میں لہرانے لگا۔ چونکہ اس فتح کا اور جنگ کا خاص مقصد یہی تھا کہ ہندوؤں کو قتل کیا جائے لہٰذا ان کا خون بے دریغ بہایا گیا' بچے اور عورتیں' جوان' بوڑھے بے تحاشا قتل کیے گئے۔ بادشاہ نے فتح کے بعد ایک ہفتہ تک وہیں قیام کیا اور اطراف و جوانب میں فتحنامے روانہ کیے۔ بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ کشن رائے کو کڑی سزا دے لہٰذا وہ کشن رائے کے لشکر کی طرف چلا۔ وہ مقابلہ کی طاقت نہ رکھتا تھا' غریب خوفزدہ ہو کر فرار ہوا اور ایک جنگل میں پناہ گزین ہو گیا۔ سلطان محمد شاہ نے مسلسل تین ماہ تک اس کا تعاقب کیا جب بھی موقع ملتا ہندوؤں کو قتل و غارت کرتا۔

کشن رائے بہت پریشان ہو گیا اور بیجانگر کا رخ کر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ بادشاہ نے بھی بیجانگر کے آس پاس اپنے خیمہ لگا لیے بادشاہ دن بھر حملہ کرتا تھا رات کو ہندو آ کر بادشاہ اور اس کے لشکر کو گالیاں دیتے تھے۔ مسلسل ایک ماہ کی کوشش کے بعد بھی کسی طرح بادشاہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار بادشاہ نے ایک تدبیر چلی اور اپنے آپ کو بیمار مشہور کیا۔ اس راز سے سوائے محمد خاں اور مقرب خاں کے کوئی دوسرا واقف نہ تھا۔ بادشاہ مع لشکر کے وہاں سے چل پڑا کشن رائے مسلمانوں کو قتل کرنے اور بدلہ لینے کے لئے بیجانگر سے باہر آیا اور محمد شاہ بہمنی کے ساتھ ساتھ ہی خود بھی نکلا۔

ہندو سپاہی مسلمانوں کی فوج پر حملہ کرتے' راتوں کو شور و شغب کرتے اور کہتے کہ برہمنوں کی دعاؤں سے تمہارا بادشاہ آخر کار ختم ہو گیا۔

حسن تدبیر

بادشاہ چونکہ تخت پر لیٹ کر چادر اوڑھ لیا کرتا تھا اس لئے شاہی لشکر بھی ہراساں ہو گیا لیکن مقرب خاں اور محمد خاں لوگوں کو تسکین دیتے ہوئے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ شاہی لشکر تمہندرا کو عبور کر کے ایک ہموار اور مسطح میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمان اسی میدان میں ٹھہر گئے اور کشن رائے نے بھی تین یا چار کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے لگا لئے۔ اب محمد شاہ کو اپنی قسمت کچھ موافق نظر آئی اس نے لوگوں کے دلوں سے شک و شبہ دور کیا اور دربار کیا اور ملازمین کا سلام و مجری لیا پھر نیند کا بہانہ کر کے دربار برخاست کیا۔ امیروں کو تخلیہ میں بلا کر سمجھایا کہ فوج کو بالکل تیار رکھیں اور لشکر کی حفاظت کریں۔

ہر امیر نے حکم کی تعمیل کی اور سلطان محمد شاہ نے لباس جنگ پہنا جب رات ایک پہر گزر گئی تو بادشاہ اسی جنگل کی طرف بڑھا اور مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ ہر امیر کے ذمہ ایک ایک کام دیا گیا اور شب خون مارنے کی نیت سے آگے بڑھے۔ کشن رائے دشمن کی کمزوری اور خستہ حالی سے بہت مطمئن تھا وہ غفلت میں رقص و شراب کی محفل میں ڈوبا ہوا تھا کہ شاہی لشکر سر پر پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے نعروں نے دل ہلا کر رکھ دیا اور کشن رائے کا لشکر بہت ہی ہراساں اور پریشان حال ہو گیا فوج جمع کرنے تک کی مہلت نہ ملی۔ راجہ نے عزت سے زیادہ اپنی جان کو اہمیت دی اور ایسا بھاگا کہ بیجانگر میں جا کر سانس لی۔ بادشاہ نے تمام خزانہ اور مال و اسباب پر قبضہ کیا۔ دس منزلوں تک دشمنوں کا پیچھا کرتا رہا۔ دس ہزار ہندوؤں کو تہہ تیغ کیا اس کے بعد بھی بادشاہ کے دل کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تو اس نے پھر چالیس کوس تک جہاں بھی آبادی دیکھی اس کو جلد از جلد تباہ و برباد کر دیا۔ رعایا یہ حالت دیکھ کر بہت نالاں ہوئی اور راجہ سے صاف کہہ دیا کہ ہندی حکومت ہمارے لئے باعث لعنت ہے اور ہماری عزت اور آبرو ختم ہو گئی ہے۔

دس ہزار برہمن خاک و خون میں مل گئے۔ کشن رائے نے کہا کہ یہی قسمت میں لکھا ہو گا اب میں تم لوگوں کے مشورے پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ امراء نے کہا کہ تیرے باپ نے بھی علاؤ الدین گنگو سے جنگ کر کے پھر صلح کی تھی اسی طرح تم بھی اب تاجدار دکن کو اپنے قبضہ میں کرو۔ کشن رائے نے اس مشورہ کو منظور کر لیا اور سلطان محمد شاہ کے پاس ایلچی بھیجے' اپنی پرانی حرکتوں پر بہت شرمندہ ہوا اور صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ کے ایک مقرب خاص نے کہا کہ حضور نے صرف ایک لاکھ ہندوؤں کو ختم کرنے کی قسم کھائی تھی اس قدر ہی قتل کرنے چاہییں تھے۔ آپ نے تو ہندوؤں کا نام و نشان تک دنیا سے مٹا دیا۔

بادشاہ نے ہنس کر جواب دیا گو کہ تعداد سے کہیں زیادہ ہندو قتل ہوئے ہیں' مگر پھر بھی جب تک بیجانگر کا راجہ قوالانِ دہلی کا برات نامہ نہ ادا کرے گا میں باقی ہندوؤں کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ ہندو قاصدوں نے اپنے راجہ کی طرف سے تمام شرائط قبول کر لیں۔ اور قوالوں کو تمام رقم بیجانگر کے خزانہ سے عطا کر دی گئی۔ محمد شاہ نے کہا کہ میری زندگی کا اصول یہ ہے کہ جو بات زبان سے نکالوں اس کو پورا کروں۔ لہٰذا شکر خدا ہے کہ میں نے جو کچھ چاہا وہ کرا کے چھوڑا۔

بے گناہوں کے قتل سے توبہ

در حقیقت ایسا حیرت انگیز واقعہ کہیں اور نہیں ملتا ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ ویلم پٹن کے حملے اور ناگ دیو کی موت سے بھی زیادہ عجیب و غریب تھا۔ ادھر قاصدوں نے جب یہ دیکھا کہ محمد شاہ اس وقت بہت خوش ہے تو انہوں نے اور کچھ خدمت میں گزارش کرنا چاہی۔ بادشاہ سے قاصدوں نے کہا' کہ یہ کسی مذہب کا شیوہ نہیں کہ گنہگاروں کے بدلے میں بے گناہوں کا خون بہایا جائے۔ عورتوں اور معصوم بچوں کا خون بہانا تو کسی طرح جائز نہیں اگر کشن رائے نے اچھا سلوک نہ کیا تھا تو اس میں فقیروں اور بے نواؤں کی کیا خطا تھی۔ اس پر محمد شاہ نے کہا کہ یہ خدا کا حکم تھا اس میں ہندوؤں کا کیا قصور۔ اس کے بعد ایلچیوں نے کہا کہ خداوند کریم نے بادشاہ کو ملک کے سب سے بہترین حصوں کا مالک بنایا ہے اور کرناٹک کا ملک بھی ممالک محروسہ میں شامل ہے اور اس بات کا بھی یقین کامل ہے کہ آپ کی بادشاہت برسوں تک وہاں قائم رہے گی اور کرناٹک کو بھی سلطنت سے قربت حاصل رہے گی۔ دنیا کے حالات اور انقلابات کا کیا ٹھکانہ لہٰذا اچھا ہے کہ محض دنیا داری کی خاطر خلق خدا کا خون نہ بہایا جائے۔ خدا کی خوشنودی اسی میں ہے کہ آئندہ ایسا برتاؤ نہ کریں کہ فقیروں اور غریبوں کو یوں تہہ تیغ کیا جائے۔

محمد شاہ پر اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اس نے عہد کر لیا کہ "کبھی کسی شخص کو قتل نہ کروں گا اور میرے بعد میری آل اولاد بھی اسی پر قائم رہے گی۔" اس واقعہ کے بعد دکن میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے انہیں قتل نہ کیا جاتا تھا اور صرف بدترین مجرموں کو ہی یہ سزا دی جاتی تھی۔

بادشاہ کی نیک چلنی

اس کے بعد قاصدوں نے یہ کہا کہ برات نامہ کی رقم ادا کر دی اور پھر محمد شاہ کو وہاں سے دوسری رقم وصول ہونے کی امید بھی نہ رہی۔ اب بادشاہ نے بھی بہت عدل و انصاف سے کام لیا اور سفر طے کرتا ہوا حسن آباد گلبرگہ کا رخ کیا۔ بادشاہ نے شیخ محمد سراج رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ پہلے بھی میں نے اپنی دولت راہ خدا میں صرف کر دی تھی۔ اب بھی مجھ کو خدا نے بہت کچھ دیا ہے آپ دعا کریں کہ میرے مقاصد پورے ہوں۔ حضرت شیخ سراج سے رخصت ہو کر پھر حسن آباد گلبرگہ آیا تقریباً پانچ دن آرام کرنے کے بعد محمد شاہی لشکر دولت آباد آ گیا۔

بغاوتیں اور فسادات

جس زمانہ میں بادشاہ نے خود کو بیمار مشہور کیا تھا تو اس کے گرد و نواح کے باشندوں نے مسلمانوں کو بہت اذیتیں دی تھیں' بادشاہ کی بیماری کی خبر سارے ملک میں مشہور ہو گئی تھی اور فتنہ برپا کرنے والوں نے چاروں طرف ایک آفت مچا رکھی تھی۔ اس کا اثر دولت آباد پر بھی ہوا تھا' چونکہ دولت آباد میں اس وقت کوئی سیاسی مدبر اور لائق حکمران نہ تھا اور مرہٹواڑی کا سارا لشکر خان محمد کے ہمراہ بیجانگر کی جنگ پر گیا ہوا تھا۔ بہرام خاں مازندرانی نے (جس کو حسن گنگو نے اپنا بیٹا بنایا تھا) کونبہ دیو (۹) مرہٹہ کے بھڑکانے پر سرکشی کی' برار کے بعض امراء نے جو بہرام خاں کے نزدیک ہی مختلف جگہوں پر آباد تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر بہرام خاں سے خط و کتابت شروع کی اور اس کی رفاقت کا دم بھرنا شروع کیا۔ راجہ بگلانہ نے بھی بہرام خاں سے دوستی کا اظہار کیا اور ہر طرح سے اس کو مدد دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ بہرام خاں کے حوصلے ان حالات میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے۔ اس نے برار اور مرہٹواڑی کے چند سالہ محصول کی رقم جو بادشاہ نے وہیں جمع کرا دی تھی اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور اس کو لشکر جمع کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔

اس نے مرہٹواڑی کے بہت سے پرگنوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے مصاحبین اور اعزہ میں یہ پرگنے بانٹ دیئے اور بارہ ہزار سوار اور پیادے اپنے گرد جمع کر لیے۔ محمد شاہ کو یہ تمام اطلاعات بیجانگر میں ملیں اور اس نے فوراً بہرام خاں کو لکھا کہ "تم نے میرے بارے میں

غلط خبریں سن کر اتنی جرات اور ہمت کر لی کہ سرکشی کرنے لگے اور تمہیں دنیاوی لالچ نے کہیں کا نہ رکھا اور ناقابل برداشت جرائم بھی تم سے سرزد ہونے لگے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی ایسی رکیک حرکتیں نہ کرو گے۔ اگر تم خود شرمندہ ہو کر میرے دربار میں اپنے گناہوں کی تلافی کے لئے حاضر ہو جاؤ گے تو مناسب ہے ورنہ پھر اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔" اور اس کے بعد یہ خط سید جلال مجید اور شاہ ملک کے ذریعہ روانہ کیا بادشاہ کا خط پاتے ہی بہرام خاں نے کونبہ دیو سے صلاح کی' اس نے کہا کہ "محمد شاہ نہایت مدبر سیاست دان اور اعلیٰ فرمانروا ہے اور ہم لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی ہے کہ ہم بادشاہ کی طرف سے بے خوف ہو کر نہیں رہ سکتے اور اب جبکہ دولت آباد کا قلعہ ہمارے قبضہ میں ہے اور برار کے امراء اور بگلانہ کا راجہ ہماری کمک پر بالکل تیار ہے۔ تو پھر ہمیں لازم ہے کہ خدا کا نام لے کر ہمت کریں اور آگے بڑھیں' جس کام کا آغاز کیا گیا ہے اسے انجام تک پہنچانا بھی ہمارا فرض ہے۔" بہرام خاں پر کونبہ دیو کا جادو چل گیا اور وہ برابر اسی طرح سرکشی کرتا رہا اور فوج وغیرہ جمع کرنے میں اور بھی زیادہ کوشش کرنے لگا۔ لہٰذا ایسی صورت میں بادشاہ کے قاصد بغیر مطلب براری کے واپس لوٹے اور انہوں نے بہرام نیز اس کے مصاحبین کے حالات بادشاہ کو سنائے۔

محمد شاہ ان حالات کو سن کر بہت غضبناک ہوا اور بیجانگر سے واپس آیا۔ مسند عالی خاں کو لشکر کا سردار بنا کر پہلے بھیج دیا اور خود شکار کھیلتا ہوا پیچھے پیچھے دولت آباد کی طرف آگیا۔ بہرام خاں' کونبہ دیو اور راجہ بگلانہ کے بعض ملازم مسند عالی خان محمد سے جنگ کرنے کے لئے قصبہ پٹن کی طرف چلے۔ اگرچہ مسند عالی خاں بہت تجربہ کار اور بلند ہمت امیروں میں سے تھا' لیکن اس نے دشمنوں سے لڑائی کرنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھا اور شیو گاؤں (۱۰) کے قریب ٹھہر گیا۔ بہرام خاں نے بہت عجلت سے کام لیا اور مسند عالی خاں کے لشکر پر شبخون مارا' لیکن چونکہ اس کا دشمن جنگ کے قوانین سے پوری طرح واقف تھا اس لئے بہرام خاں کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اور ناکام لوٹ آیا۔

اب مسند عالی خاں پر دشمن کی قوت اور فوج کی کیفیت پورے طور پر عیاں ہو گئی تھیں اور اس نے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے محمد شاہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ میں فلاں تاریخ کو آپ کے اقبال پر بھروسا کر کے جنگ کا آغاز کروں گا' لیکن مناسب ہے کہ جہاں پناہ خود بھی مع اپنے لشکر کے تشریف لے آئیں۔ سلطان محمد شاہ ان دنوں بیٹر کے آس پاس شکار کھیلنے میں مصروف تھا اس نے خط دیکھا اور قصبہ گنج سے اپنی فوج بلائے بغیر تین سو مقربین خاص کے ہمراہ روانہ ہو گیا اور بہت جلد سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ محمد شاہ کے مقربین نے کہا کہ مسند عالی خاں کے خط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے اور دشمن ارادہ کا پکا بھی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا بادشاہ عجلت سے کام نہ لیں اور دھیرے دھیرے سفر طے کریں' مگر بادشاہ اس بات پر کسی طرح راضی نہ ہوا اور یہ جواب دیا کہ مجھ کو مقررہ تاریخ پر مسند عالی خاں کے پاس بہر صورت پہنچنا ہے۔ تم لوگوں کا کہنا میرے ارادے کے خلاف ہے میں بارہ ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر تلنگانہ کے دور دراز ملکوں تک گیا تھا اور وہاں سرکشوں کو پوری طرح سزا دی تھی۔ اسی طرح راجہ بیجانگر کو جنگل اور پہاڑوں میں آوارہ اور پریشان پھرنے پر مجبور کیا' مگر ہر موقع پر خدا کے رحم و کرم سے کامیابی ہی نصیب ہوئی۔ میرے تین سو مازندرانی اور ان کے خیر خواہ ہی میرے لیے بہت ہیں۔" اس کے بعد بادشاہ اور زیادہ عجلت سے کام لینے لگا اور قصبہ پٹن سے چار کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مسند عالی محمد خاں اپنی فوج کو دشمن کے مقابلہ پر آراستہ کیے ہوئے ہے۔

بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سب کو معلوم ہو گئی اور ہر ایک شخص پریشان حال ہو گیا راجہ بگلانہ کے ملازموں نے میدان جنگ سے بھاگ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس کے علاوہ دوسرے سپاہیوں نے بھی یہی غنیمت سمجھا کہ دشمن سے اپنی جان بچائیں۔ بہرام خاں اور کونبہ دیو تو انقلاب زمانہ سے بالکل ناواقف تھے۔ لہٰذا وہ بغیر جنگ کیے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور دولت آباد کے قلعہ میں جا کر چھپ رہے۔ سلطان محمد شاہ اس وقت مسند عالی خاں کے پاس پہنچا جب کہ مسلمانوں کی سپاہ دشمنوں کو تاخت و تاراج کرنے میں بہت مصروف

تھی۔
محمد شاہ کے پاس ایک سو ستر ۱۷۰ نوجوان تھے جو سب بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اس نے رات وہیں بسر کی صبح ہوتے ہی دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ شام تک دولت آباد سے دو کوس کے فاصلہ تک پہنچ گیا اور قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا۔ بہرام خاں اور کونبہ دیو بہت پریشان ہو گئے دونوں گنہگاروں نے اپنا بھیس بدلا اور راتوں رات فرار ہو کر دولت آباد میں حضرت شیخ زین الدین کے آستانہ مبارک پہنچے اور حضرت شیخ سے پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے جواب دیا قلعہ بند ہو کر دشمن سے لڑنا غلط ہے لہٰذا اب بہتر ہے کہ اپنے لڑکوں کو ساتھ لے کر گجرات روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد کونبہ دیو نے اپنے مقربین سے کہلوایا کہ وہ لوگ بھی آکر حضرت شیخ کی روحانی قوت سے فائدہ حاصل کریں۔ وہ لوگ اپنے مالکوں کی نیت سمجھ گئے اور گھوڑوں پر زینیں لگا کر باقاعدہ پوری تیاری کے ساتھ آستانہ پر آئے۔ حضرت شیخ نے دونوں پر دست شفقت پھیرا اور کہا کہ اللہ کا نام لے کر تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ خدا نے چاہا تو دشمن کی زد سے محفوظ رہو گے یہ دونوں گجرات چلے گئے۔
سلطان محمد شاہ کو ان لوگوں کے بھاگنے کی اطلاع ہو گئی اور صبح ہی چار سو نہایت جری اور تجربہ کار سپاہیوں کو لے کر مازندرانی کے پیچھے گیا۔ وہ دشمنوں کا تعاقب کرنے میں ناکام رہا اور دولت آباد واپس لوٹ آیا اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ کی طرف سے محمد شاہ کا دل بہت کھٹا ہو گیا محمد شاہ کی تخت نشینی کے وقت تمام مشائخ اور علماء نے غائبانہ اور حاضرانہ طور پر محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر حضرت شیخ نے اس کو شغل شراب و کباب میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے قابل وہ ہے جو اسلام اور شرع کی پوری پوری پابندی کرتا ہو۔
اب مازندرانی کے واقعہ کے بعد بادشاہ بہت ہی ناراض ہو اور کہلا بھیجا کہ یا تو میرے دربار میں حاضر ہو یا پھر میرے ہاتھ پر بیعت کرو مگر اس کے جواب میں حضرت شیخ نے یہ روایت لکھ کر بھیجی کہ ایک بار تین شخص جن میں سے ایک مخنث تھا' ایک عالم دین اور ایک سید' تینوں ایک ہندو کے ہاتھوں گرفتار کر لئے گئے۔ اس نے ان لوگوں سے درخواست کی کہ بت کو سجدہ کریں اب سید اور عالم دین نے سجدہ کر لیا' مگر مخنث نے سوچا کہ میں نہ عالم دین ہوں کہ گناہوں کا کفارہ دے دوں گا' نہ دانشمند اور سید ہوں کہ خدا کو پھر راضی کر لوں گا لہٰذا اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا میری کیفیت بھی مخنث کی سی ہے' میں ہر طرح کے مظالم برداشت کرنے کو تیار ہوں' مگر نہ تمہارے دربار میں حاضری دے سکتا ہوں اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہوں۔
اس پر محمد شاہ نے کہا کہ ابھی فوراً شہر سے نکل انہوں نے اپنا مصلیٰ شانہ پر ڈالا اور چل کھڑے ہوئے اور جا کر شیخ برہان الدین کے مزار اقدس پر مصلی بچھا کر بیٹھ گئے۔ اپنا عصا وہیں مزار کے پاس زمین میں گاڑ دیا اور فرمایا کہ اب مجھ کو اس جگہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ بادشاہ نے یہ سنا اور حضرت کے جلال کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہوا اور اپنے سے یہ مصرعہ "من زان توام توزان من باش" لکھا اور یہ کاغذ صدر الشریف کے ہاتھ حضرت شیخ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت شیخ نے صاف کہلوا دیا کہ اگر سلطان شریعت اسلام کی حفاظت کرے تو درست ہے۔ بادشاہ نے یہ جواب پا کر شراب خانوں کو مسمار کروا دیا اور علماء و مشائخ کو ہدایت کر دی کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال کی طرف متوجہ کریں اور برے کاموں سے روکیں۔ سلطان محمد شاہ کو غازی کا خطاب بھی حضرت شیخ ہی نے دیا تھا لہٰذا وہ اس سے بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس نام کے ساتھ یہ لقب بھی بڑھا دیا جائے۔ اس نے حضرت شیخ سے ملاقات کیے بغیر ہی مرہٹواری کی حکومت مسند عالی خاں کے سپرد کی اور خود حسن آباد گلبرگہ کی طرف چلا گیا محمد شاہ نے اپنے تمام مقبوضہ ممالک میں شراب نوشی اور شراب کی خرید و فروخت بالکل بند کر دی۔

اسلام کی توسیع و تبلیغ

اسلام کی اشاعت کا مقدس فریضہ محمد شاہ نے حضرت شیخ کی ہدایات کے بعد ہی انجام دینا شروع کیا۔ محمد شاہ نے چوروں' قزاقوں اور لوٹ مار کرنے والوں کو بھی ملک سے نیست و نابود کیا۔ ملک میں چاروں طرف فرمان صادر کیے کہ ہر حاکم اپنے علاقے کی حدود میں ظلم و ستم کو بالکل ختم کر دے اور ظالموں کا سر کاٹ کر عبرت کے لئے پایہ تخت روانہ کر دے۔ ظالموں اور قزاقوں کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ ملا داؤد بیدری نے لکھا ہے کہ چھ مہینے کے اندر اندر تقریباً تیس ہزار چور اور ڈاکو پکڑ کر حسن آباد گلبرگہ روانہ کر دیئے گئے۔ ان لوگوں کے سر کاٹ کر شہر کے باہر ایک چبوترہ بنایا گیا تاکہ محمد شاہ کی حکمت عملی کا شہرہ پھیل جائے۔ اسلام اور شریعت پر چلنے سے راستے بالکل پر امن اور آرام دہ ہو گئے' مسلمانوں کی جان اور مال بالکل محفوظ ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ تمام کام اس لئے کئے کہ حضرت شیخ زین الدین کا دل اس کی طرف سے بالکل صاف ہو جائے۔

حضرت شیخ زین الدین بھی بادشاہ کے نیک اعمال و افعال سے بہت خوش ہوئے اور جس صورت سے سلطان محمد شاہ نہایت خلوص و عقیدت سے حضرت شیخ کو خطوط لکھتا وہ بھی اسی طرح خلوص اور شفقت سے جواب دیا کرتے تھے۔ وہ ہر حال میں بادشاہ کو نصیحت کرتے رہتے تھے اور بادشاہ بھی ان کی ہدایت پر چلنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ اس دوران میں تلنگانہ اور بیجانگر کے راجہ سب ہی تاجدار دکن کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے' جو مال بادشاہ طلب کرتا اس میں کبھی کمی نہ ہوتی ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

محمد شاہ کا آخری عہد

اب بادشاہ کا صرف یہی کام رہ گیا تھا کہ وہ سال میں چار مہینے دورہ کرتا تھا اور سیر و شکار کے بعد واپس آ جاتا تھا۔ جہاں جاتا وہاں کا حاکم تحفے تحائف اور بیش بہا چیزیں پیش کرتا وہ بادشاہ کو دارالخلافت تک پہنچائے جاتے عرضیکہ اس منصف مزاج بادشاہ کے عہد میں چھوٹے بڑے' شریف اور رذیل سب بہت اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتے تھے۔ ساری رعیت بہت خوش و خرم تھی اور بادشاہ کی ذات کو قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ سمجھتی تھی۔

محمد شاہ کا انتقال

دنیا کا یہ دستور ہے کہ اس جگہ ماتم بھی برپا ہوتا ہے جہاں خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ اس طرح محمد شاہ کا بھی آخری وقت آ پہنچا اور ذیقعد کی ۹ تاریخ کو ۷۷۶ھ میں انتقال ہو گیا' رعایا کو بہت ہی رنج ہوا۔ محمد شاہ کو باپ کے برابر ہی دفن کیا گیا۔ "سراج التواریخ" میں یہ روایت درج ہے کہ جتنی دولت اور ہاتھی محمد شاہ کے عہد میں جمع کئے گئے وہ کسی بہمنی تاجدار کو نصیب نہ ہوئے' تین ہزار خاصہ کے ہاتھی تھے' جتنا خزانہ اس بادشاہ کے پاس نکلا وہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ اسی تاریخ میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ محمد شاہ سے قبل بادشاہ دہلی یا پھر کسی بہمنی حاکم نے بھی کرناٹک پر اتنا زبردست حملہ نہیں کیا اور نہ ان راجاؤں کی دولت کو اتنی آسانی سے اپنے قبضہ میں کر سکا۔ سات سو سال کا جمع کیا ہوا مال جو راجہ کرناٹک کے پاس تھا وہ بھی اسی بادشاہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا... بادشاہ نے سترہ برس نو مہینے پانچ دن حکومت کی۔

حوالہ جات

(۱) ہون اور پرتاپ دکن کے قدیم طلائی سکے ہیں اور مختلف اوزان کے ہیں۔ ہون کا وزن ایک تولہ ہوتا تھا۔ بہمنی بادشاہوں کے زمانہ میں ہون کے چار یا پانچ وزن مقرر کیے گئے سب سے بڑا ہون دو تولہ کا تھا' پرتاپ وزن اور قیمت میں ہون کا نصف تھا۔

(۲) دابل سے موجودہ دابھول مراد ہے دکن کی مشہور بندرگاہ تھی۔

(۳) ولیم پٹن کے صحیح تلفظ اور مقام کا پتہ نہیں چلتا۔ دلم واڑا (ضلع کریم نگر) ہو سکتا ہے جو گلبرگہ سے تقریباً دو سو میل مشرق میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اور اسی کے راستہ میں کلیانی اور بدر واقع تھے۔

(۴) اس زمانہ میں بندوق یا تفنگ اول تو ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی اور اگر ایجاد بھی ہو گئی ہو تو بھی اس کا دکن میں رواج ہونا بعید از قیاس ہے۔

(۵) وہ وقت جب سورج سارے سال کا دورہ ختم کر کے برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔

(۶) درفش کاویانی۔ ایران کے ساسانی بادشاہ کا جنگی علم تھا جو لاکھوں روپے کے صرف سے تیار ہوا تھا اور ہر بادشاہ اپنے عہد میں اس کی زینت اور سجاوٹ میں ہر سال کوئی نہ کوئی اضافہ برابر کرتا تھا۔

(۷) تھمندرا اصل میں تنگ بھدرا ہونا چاہیے' مگر یہاں اس ندی سے مراد نہیں ہے بلکہ مگری ندی سے جو تنگ بھدرا کی معاون ندی ہے۔

(۸) کشن رائے غلط ہے۔ وجیا نگر کے راجہ بکا رائے سے مراد ہے جو سلطان محمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی سے پہلے راجہ ہوا اور سلطان کے کئی سال بعد تک وجیا نگر پر حکومت کرتا رہا۔

(۹) کنبہ یا کونبھ دیو ہے۔ اس کو مورخین نے گوبند دیو بھی لکھا ہے۔

(۱۰) سیو گاؤں یا شیو گاؤں آج کل بھی ضلع احمد نگر میں واقع ہے۔

مجاہد شاہ بن سلطان محمد شاہ بہمنی

سلطان مجاہد ملک سیف الدین غوری کا نواسا تھا' یہ شہزادہ شکل و صورت اور قد و قامت میں' حسن و جمال کی جیتی جاگتی تصویر تھا اور ہمت و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھا- ترکی زبان بہت اچھی طرح جانتا تھا اور اس کے مقربین بھی زیادہ تر ایسے تھے جو فارسی اور ترکی کے عاشق تھے' اس کو بچپن ہی سے تیراندازی اور کمان چلانے کا شوق تھا' وہ ہمیشہ خنجر زنی اور نیزہ بازی کی گفتگو کرتا تھا- اس کے بچپن کا ایک قصہ مشہور ہے جس سے اس کے کردار پر بہت اچھی طرح روشنی پڑ سکے گی- ایک رات اس نے قفل توڑ کر بہت سی اشرفیوں کی تھیلیاں نکالیں اور اپنے ساتھیوں کو تقسیم کر دیں- خزانچی کے ذریعہ سلطان محمد شاہ کو اطلاع ہوئی وہ بیحد ناراض ہوا- اس نے فوراً شہزادہ کو طلب کیا وہ سر جھکا کر گنہگاروں کی طرح باپ کے دربار میں آیا اس کو تنبول بردار مبارک بلا کر لایا تھا-

بادشاہ نے غصہ میں آکر شہزادے کو کوڑے مارے اور وہ زخموں سے چور ہو گیا' مگر خاموشی سے چلا آیا اور آکر اپنی ماں سے شکایت کی کہ اگر تنبول بردار مبارک مجھے اصل حقیقت بتاتا تو میں کسی صورت باپ کے غصہ کو ختم کر کے تب ان کے حضور میں جاتا مگر چونکہ اس نے بلاتے وقت کچھ بتایا نہیں لہٰذا میں چلا گیا- ماں نے جواب دیا کہ غریب تنبول بردار کی حکم شاہی کے سامنے کیا وقعت؟ شہزادہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور آہستہ سے باہر نکل آیا بظاہر تو اپنے بغض کا اظہار نہ کیا' لیکن دل میں مبارک تنبول کا دشمن بنا رہا- اس واقعہ کے پورے ایک ہفتہ بعد مجاہد شاہ نے ایک دن مبارک تنبول سے کہا' سنا ہے کہ تو بہت طاقتور پہلوان ہے- مجھ سے زور آزمائی کر یہ سن کر تنبول مبارک کے دل میں شہزادہ کی طرف سے کشتی کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ کشتی لڑنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا- دونوں آقا خادم ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے- شہزادہ اس وقت صرف چودہ سال کا تھا اور تنبول مبارک تیس سال کا' لیکن میدان شہزادہ کے ہاتھ رہا- مجاہد نے مبارک کو زمین سے اٹھا کر پھر اس طرح گرایا کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اس ضرب کو وہ برداشت نہ کر سکا اور بہت جلد انتقال ہو گیا-

تخت نشینی

انیس برس کی عمر میں مجاہد شاہ تخت نشین ہوا- تخت نشینی کے فوراً بعد ہی دولت آباد حضرت شیخ برہان الدین کے مزار اقدس پر بغرض زیارت حاضری دی- اس کے بعد شیخ زین الدین قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر حسن آباد گلبرگہ واپس لوٹا-

انتظام سلطنت

مسند عالی خان محمد کی قوت اس کے عہد میں بہت بڑھ رہی تھی اس لئے مجاہد شاہ کے دل میں اس کی طرف سے شک و شبہ ہوا لہٰذا اس نے عالی خاں کو دولت آباد کی حکمرانی سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ اعظم ہمایوں خاں کو رکھا- اس کے بعد بیجانگر کے راجہ کشن رائے کو لکھا کہ دریائے تمندرہ اور دریائے کرشنا کا وسطی علاقہ ہمارے جھگڑے کا باعث ہیں لہٰذا ایسا کیا جائے کہ دریائے تمندرہ کو سرحد مقرر کر کے دریا کے اس پار کے مقامات سیت بن رامیسر تک تمہاری ملکیت میں شامل رہیں اور دریا کے دوسری طرف کا علاقہ (مشرقی اور مغربی حصے) سلطنت بہمنیہ کے قبضہ میں رہیں- اس فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے بنکاپور (ا) اور دوسرے مقامات کے تمام قلعے ہمارے حوالے کر دو- جو چیز کہ جھگڑے اور عناد کا سبب ہے اس کو ہی ختم کر دو تاکہ دوستی کی بنا استوار ہو جائے-

اس پر کشن رائے خاموش نہ رہا اس نے کہلوایا کہ رائچور اور مدکل کے قلعے اور وہ تمام علاقے جو ساحل کرشنا تک ہیں اور ہمیشہ سے

بیجانگر کی مملکت میں رہے ہیں وہ سب ہمارے ہاتھ میں دے دو اور دریائے کرشنا کو سرحد قرار دے دو اس کے علاوہ تمہارے باپ محمد شاہ بہمنی نے حکام کنہڑ کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے جو ہمارے ہاتھی اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں وہ سب واپس کر دو تاکہ دونوں میں کینہ بالکل نہ رہے۔

بیجانگر پر حملہ

یہ تلخ جواب سن کر مجاہد شاہ بہت طیش میں آیا باپ کا خزانہ کھولا اور فوج کشی کے تمام اسباب فراہم کیے۔ مقبوضہ ممالک کا انتظام اپنے نانا ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دے دیا نیز فوج کو ایک مقام پر اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ دولت آباد' بیدر' برار کی فوجیں بہت جلد حسن آباد گلبرگہ پہنچ گئیں۔ مجاہد شاہ پانچ سو ۵۰۰ جنگی ہاتھی اور سارا خزانہ لے کر بیجانگر کی مہم پر روانہ ہو گیا۔ بادشاہ شکار کھیلتا ہوا آگے بڑھتا رہا' اور دریائے تمندرہ کو عبور کر کے قلعہ اودنی تک پہنچ گیا یہ قلعہ دکن میں اپنی مثال آپ تھا۔ مجاہد شاہ نے اس کو فتح کرنے کے ارادے سے صفدر خاں سیستانی کو روانہ کیا۔ نیز امیر الامراء بہادر خاں اور اعظم ہمایوں خان کو لشکر کا سردار بنا کر اپنے آگے روانہ کر دیا۔ ادھر بادشاہ کو خبر ہو گئی کہ کشن رائے دریائے تمندرہ کے ساحل پر پرگنہ کنکادلی (۲) میں مقیم ہے۔

بادشاہ نہایت خاموشی سے گنگاوتی کے پیچھے کے راستہ سے چلا۔ ادھر کشن رائے کو بھی مقدمہ و لشکر نیز بادشاہ دونوں کی آمد کی خبریں مل گئیں راجہ بھی مقابلہ کے لئے میدان میں آگیا۔ ادھر مجاہد شاہ سے بعض زمینداروں نے کہا کہ جنگل میں ایک شیر آ گیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو راستہ چلنا دشوار ہو گیا ہے ہر ایک کو اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ مجاہد شاہ خود اس جنگل کی طرف چلا اور لوگوں کو حکم دے دیا کہ کوئی اس جنگل کی جانب نہ آئے۔ خود سات آدمیوں کے ساتھ پیدل ہی جنگل کی طرف بڑھا شیر آدمیوں کی صورت دیکھتے ہی چنگھاڑا اور ان کی جانب رخ کیا۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو نیزہ و تلوار استعمال کرنے کو منع کیا خود شیر کے مقابل جا کر ایک تیر مارا تیر اس کے پہلو میں لگا اور اس میں جگہ سے ہلنے تک کی قوت نہ رہی۔ پھر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ جا کر دیکھو تیر کس جگہ لگا ہے' مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ شیر کا پیٹ چیر کر دیکھ سکے لہٰذا مجاہد خود ہی بڑھا اور پیٹ پھاڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تیر پہلو میں لگ کر دل و جگر کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔

کشن رائے کا فرار

بادشاہ کی بہادری کا چرچا ہر طرف پھیل گیا خاص کر وہ ہندو جو فوج لے کر مہم پر آئے انہوں نے سوچا کہ جنگلوں میں جا کر چھپ جائیں کیونکہ اتنے جری اور عالی ہمت بادشاہ سے مقابلہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بیجانگر کے سارے لوگ بادشاہ کی بہادری میں رطب اللسان تھے اور دلوں میں خوف بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اب کشن رائے نے بیجانگر کی حکومت چند معتبر امراء کے ہاتھ میں دے دی اور خود جنوبی جنگلوں کی طرف فرار ہو گیا۔ مجاہد شاہ نے سنا کہ بیجانگر بہت خوبصورت شہر ہے لہٰذا مجاہد شاہ نے بیجانگر کی فتح کا خیال دل سے نکال دیا اور کشن رائے کا پیچھا کرنے لگا۔

راجہ جنگلوں اور پہاڑوں کی کٹھن راہوں سے گزرتا ہوا سیت بن رامیسر (۳) کی طرف چلا۔ مجاہد شاہ بھی کشن رائے کے پیچھے پیچھے ہی اسی راستہ پر چل رہا تھا۔ جہاں جنگل آتے وہاں یہ پہنچ کر درختوں کو کاٹتا راستہ بناتا مجاہد شاہ کی قسمت نے یاوری کی اور کشن رائے مع اپنے خاندان کے جنگلوں میں بیمار پڑ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ جنگل کی آب و ہوا اس کو راس نہیں آئی حکیموں نے واپسی کا مشورہ دیا' حالانکہ راجہ کا خیال تھا کہ میرا تعاقب کرتے ہوئے مجاہد شاہ بیمار پڑ جائے گا اور اس کو یہ آب و ہوا موافق نہ آئے گی۔

راجہ بدرجہ مجبوری بیجانگر پہنچا' اور وہاں جا کر تمام راستوں کو بہت مضبوط کر دیا امراء اور سپاہیوں کو قلعہ میں ٹھہرایا اور خود بیجانگر کے ایک پہاڑی قلعہ میں چھپ گیا۔ مجاہد شاہ بھی سیت بن رامیسر کے گرد و نواح میں پہنچا' اس بہادر حکمران نے اپنے تمام امراء کو کشن رائے

کا پیچھا کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ خود بہادر خان اور پانچ ہزار سواروں کے ہمراہ سفر کی منازل طے کرتا ہوا قدرتی مظاہرے سے لطف اندوز ہوتا ہوا اپنی منزل تک پہنچا۔ اس نے سلطان علاؤ الدین خلجی کی بنوائی ہوئی مسجد درست کرائی وہ تمام بت خانوں کو توڑتا ہوا اور مقامات کو سنسان کرتا ہوا برابر بڑھتا رہا۔ بیجانگر میں داخل ہونے کے لئے دو راہیں تھیں ایک راستہ بہت پھیلا ہوا تھا' مگر کمین گاہ اور سرکوب کی وجہ سے بہت خطرناک تھا۔ راجہ کے تفنگی پہاڑی قلعوں میں پوشیدہ تھے دشمن کے لئے شہر میں بہ آسانی اندر جانا آسان کام نہ تھا۔ دوسرا راستہ بہت تنگ و تاریک تھا اس کو سودرہ کا نام دیا گیا تھا بادشاہ اسی راستہ سے اپنی فوج لے کر شہر کے اندر گیا اور اپنا چچا داؤد شاہ (۴) کو چھ ہزار سواروں اور سپاہیوں کی فوج کے ساتھ سودرہ کے دہانہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔

کشن رائے ادھر مجاہد شاہ کی بہادری اور دلیری کی داستانیں برابر سن رہا تھا وہ نہایت درجہ پریشان ہو رہا تھا آئے دن بہت سے سپاہی مقابلہ کے لئے پہنچ رہے تھے مگر مجاہد شاہ سب کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر کار اس جگہ تک پہنچ گیا' جس کی دوسری طرف راجہ چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ مجاہد شاہ کو ایک بت خانہ نظر آیا جو بہت مرصع اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ہندو اس بتکدہ کو شرپر نگ (۵) کہتے تھے۔ مجاہد شاہ نے اس کو توڑنا اپنا پہلا فرض سمجھا اس کو مسمار کر کے سونا' جواہرات اپنے قبضہ میں کر لیے۔ ہندوؤں نے اس کا انہدام اپنی آنکھوں سے دیکھا ان سے برداشت نہ ہوا اور رورو کے بادشاہ کے اس ظلم کی داستان جا کر راجہ سے بیان کی۔ راجہ میدان جنگ میں بہت اہتمام سے مذہبی انتقام لینے کے لئے آیا۔

مجاہد شاہ بھی ان حالات سے آگاہ ہو کر مقابلہ کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ اس نے اپنی صفیں آراستہ کیں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہونے سے پہلے بادشاہ نے اپنے سر سے تاج اتار دیا۔ دشمنوں کی کثرت اور ان کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک سلحدار کو جس کا نام محمود افغان تھا ساتھ لے کر دریا کے اس پار چلا گیا۔ مجاہد اس منظر سے محظوظ ہو رہا تھا کہ ایک ہندو بہادر سپاہی نے بادشاہ کے گھوڑے کو پہچان لیا۔

اس نے سوچا کہ اب بت خانہ کی تباہی اور بربادی کا بدلہ لینے کا وقت ہے کھنڈروں سے گزرتا ہوا بادشاہ تک کسی صورت سے جا پہنچا۔ اس نے بادشاہ کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بادشاہ کو اس کی بدنیتی کی خبر ہو گئی۔ بادشاہ نے فوراً محمود افغان کی طرف اشارہ کیا اس نے گھوڑا ہندو سپاہی کے سامنے کر دیا۔ سلحدار کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی ہندو سپاہی نے اب محمود کا کام تمام کرنا چاہا مگر بادشاہ نے پیش قدمی کی۔ ہندو نے بھی بادشاہ کے سر پر تلوار کا وار کیا اور حملہ کرتے وقت اتنے زور سے چلایا کہ سب سمجھیں کہ خدا نخواستہ تاجدار دکن کا کام تمام کر دیا حالانکہ معاملہ اس کے بالکل خلاف تھا اس کے وار نے بادشاہ پر اثر نہ کیا کیونکہ وہ آہنی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے فوراً ہندو صفت بہادر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کا گھوڑا محمود افغان کو عنایت کیا اور خود آہستہ خرامی سے ٹہلتا ہوا دریا کے ساحل تک آیا۔

دریا کے اس پار اتر کر اپنے لشکر سے جا کر مل گیا بادشاہ کی بہادری کی دوست دشمن ہر ایک تعریف کر رہا تھا۔ کشن رائے بھی دریا کے اس طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ساری فوج دریا کو پار کر کے میدان جنگ میں اپنے قدم جما رہی تھی۔ بادشاہ نے امیر الامراء بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں لشکر بھیجا اور ان کو جانیں تک قربان کر دینے کی ترغیب دی۔ مقرب خاں آتش خانہ کا حوالدار تھا وہ آتشبازی کے ارابوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا اور لڑائی شروع ہوئی۔

بیجانگر کی فتح

ایک خونریز جنگ اور کشت و خون کے بعد ہندو ہار گئے اور مسلمانوں کی فوج کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی' لیکن مسلمانوں نے ابھی پوری طرح اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا اور ہتھیار بند تھے کہ کشن رائے کا بھائی آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ پیادے اپنی جاگیر سے لے کر بیجانگر پہنچ گیا۔ اور مجاہد سے آمادہ پیکار ہوا۔ ادھر کشن رائے کو بھی بھائی کی آمد سے بہت اطمینان اور خوشی ہوئی۔ راجہ نے دوبارہ اپنی فوج کو

ترتیب دیا اور تازہ دم ہو کر میدان جنگ میں آیا فریقین میں بہت خونریز جنگ ہوئی۔ فریقین نے پوری طرح داد شجاعت دی ہزاروں خدا کے بندوں کا خون ناحق بہہ گیا۔ مقرب خاں اور دوسرے مشہور اراکین قتل ہوئے۔ بادشاہ خود بھی تلوار آزما رہا وہ جدھر جاتا دشمن کی فوج گھبرا جاتی۔ مجاہد کو دیکھ کر ہندو سپاہی اس طرح بھاگ جاتے جیسے بھیڑیے کو دیکھ کر بکری بھاگ جاتی ہے۔

داؤد خاں ایک زبردست لشکر کے ہمراہ سودرہ کے دہانہ کی حفاظت کر رہا تھا تاکہ درہ سے مسلمان آسانی سے گزر کر واپس جا سکیں اس کو معلوم ہوا کہ صبح سے جنگ کا بازار گرم ہے اور ظہر کا وقت ہو گیا ہے لیکن ابھی تک آتش حرب ٹھنڈی نہیں ہوئی اور دشمنوں کے قدم بھی نہایت مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں بلکہ دشمن تازہ تازہ ہو کر میدان جنگ میں آ رہے ہیں۔ داؤد خاں اس خبر کو سن کر پریشان ہوا اور گو کہ اس کا یہ عمل ناعاقبت اندیشی کا تھا مگر پھر بھی وہ سودرہ کو خالی چھوڑ کر سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ اسی جنگ کی آگ میں کود پڑا اس نے بہت داد شجاعت دی اگرچہ اس کا گھوڑا تین مرتبہ زخمی ہوا' لیکن اس بہادر شہسوار نے کچھ پروا نہ کی۔

اسی دوران میں بادشاہ نے داؤد شاہ کو جنگ میں دیکھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا وہ اس وقت تک بالکل خاموش رہا جب تک کہ میدان میں ہندوؤں کو شکست نہ ہو گئی۔ تب بادشاہ نے داؤد شاہ کو بلا کر گالیاں دیں اور کہا کہ سودرہ کو چھوڑ کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں اس کی حفاظت کرنا زیادہ ضروری ہے اگر درہ پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا تو پھر ایک مسلمان زندہ واپس نہ جا سکے گا۔ اس کے بعد امراء کے ایک گروہ کو درہ کی حفاظت کرنے کے لئے بھیجا اور خود دریا کے کنارے آ کر ٹھہر گیا ہندو سپاہی سودرہ کے دہانے پر پہلے ہی مقیم ہو چکے تھے۔ مجاہد شاہ کو جب یہ ماجرا معلوم ہوا تو وہ خود درہ کی طرف بڑھا یہ دیکھ کر ہندوؤں کے اوسان خطا ہو گئے۔ کشن رائے نے اگرچہ پیچھا کرنا چاہا مگر یہ جری بادشاہ دہانہ پر کھڑا ہو گیا اور اپنی تمام فوج کو نہایت آسانی سے درہ سے نکال دیا جن لوگوں نے ان واقعات کو دیکھا ہے ان کے خیال میں یہ واقعہ دنیا کے نادر واقعات میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ کنٹرہ کی مملکت جو کرشنا کے کنارے سے سیت بندرا میشر تک چھ کوس ہے اور مشرق سے مغرب تک تقریباً ایک سو پچاس کوس ہے۔ دریائے عمال کے کنارے سے تلنگانہ اور کرناٹک کی سرحد تک تمام حصہ جنگلوں اور مضبوط قلعوں سے معمور ہے اس صوبے کے عوام کنٹری زبان میں بات چیت کرتے ہیں بعض مقامات پر تلنگی بھی بولی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت بہادر اور ہمت والے ہوتے ہیں جب کبھی جنگ کرتے ہیں تو بہت جوش کے ساتھ منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے اور ایک عالم سرور و کیف میں ناچتے ہوئے میدان جنگ میں آتے ہیں لیکن جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ان کا جوش سرد پڑ جاتا ہے اور یہ ثابت قدم نہیں رہتے۔ ادھر مسلمانوں کی بہادری کا سکہ کچھ ایسا بیٹھ گیا تھا کہ شاہان بہمنہ تھوڑی سی فوج میں بڑا معرکہ سر کر لیتے تھے۔

بیجانگر وغیرہ کے راجاؤں کی نسبت دکن کے بادشاہ ہمیشہ ہی بہت باعزت رہے اور بہادر بھی۔ مثلاً جس وقت شیر دل مجاہد اس دیو صفت ہندو سے آمادہ پیکار تھا اس وقت ہندوؤں کی فوجی اور مالی حالت بہت ہی زیادہ تھی۔ اور مسلمان ان کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے۔ مجاہد کے عہد میں سارے تلنگانہ پر بھی مسلمان حکمران نہ بن سکے۔ کرناٹک پر کشن رائے کا قبضہ تھا بلکہ قلعہ تلکام اور بندر کوہ جو کرناٹک کی حدود سے بالکل باہر ہیں ان پر بھی اسی راجہ کا قبضہ تھا۔ غرضیکہ وہ ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک ہو گیا تھا اور کشن رائے کا بول بالا تھا وہ باغیوں کی طرف سے بھی بہت ملا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ رائے ملابار اور دوسرے جزیروں اور بندرگاہوں کے راجہ کشن رائے کے باجگزار تھے اور ہر سال بیش قیمت تحفے تحائف راجہ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ بیجانگر کے راجاؤں کا یہ طریقہ تھا کہ ہر راجہ اپنا موروثی خزانہ خرچ نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا کشن رائے کے خزانہ میں سات سو سال کی دولت موجود تھی اور اس کا جمع کیا ہوا خزانہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی دولت کے برابر تھا۔

بیجانگر کے بانی راجہ نے اپنا تمام روپیہ اس خیال سے زمین کے اندر دفن کر دیا تھا تاکہ بزرگوں کی روحوں کو ثواب ملے۔ اس خزانہ کو

دفن کر کے اس کے اوپر بڑے بڑے بت خانے بنوا دیئے تھے۔ جو دولت سیت بندر رامیشر میں دفن کی گئی تھی وہ علاؤ الدین خلجی کو مل گئی اور بقیہ دولت کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ یہ کسی مسلمان حکمران کو مل جائے گی اس کی تفصیل کسی مناسب موقع پر پیش کر دی جائے گی۔

غرضیکہ اس کشت و خون کے بعد مجاہد شاہ کو اعتبار آ گیا کہ بیجانگر کو آسانی سے ہاتھ میں لینا بہت مشکل ہے لہٰذا بادشاہ شہر کے گرد و نواح سے واپس آ گیا۔ باپ کی نصیحت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی ہندو کو قتل نہیں کیا صرف تھوڑے سے لونڈی غلاموں کو گرفتار کیا۔ مجاہد نے چونکہ تھوڑا سا لشکر قلعہ اودنی میں چھوڑا تھا لہٰذا وہ اسی طرف چل دیا۔ تقریباً نو مہینہ تک اس قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کرتا رہا اسی عرصہ میں گرمی کا موسم آ گیا اور ہندوؤں نے یہ سوچا کہ اب پانی کی کمی اور گرمی کی شدت ہے لہٰذا یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دینا چاہیے۔ یہ ارادہ کیے ہوئے انہیں کچھ دیر ہی گزری تھی کہ بہت زور کی بارش ہوئی ہندو اپنے ارادہ پر شرمندہ ہوئے۔ ادھر مجاہد شاہ کی فوج میں بیماری پھیل گئی قحط کی مصیبت نے بھی لوگوں کو خوب پریشان کیا ہر سپاہی کو دست اور پیچش کی شکایت ہوئی اور سب نے مل کر واپس جانے کی درخواست کی۔ نیز ملک سیف الدین جو بہت وفادار اور تجربہ کار امیر تھا اس نے کہلوا بھیجا "کہ قلعہ اودنی کے حالات میں نے سنے ہیں اور بہت تعریف بھی! میں بھی چاہتا ہوں کہ شاہی عنایات کی بارش مجھ پر ہو اور میں قلعہ کو فتح کرنے میں کچھ مدد دوں۔" بادشاہ نے ملک سیف الدین کو اجازت دیدی وہ نہایت عجلت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس نے تخلیہ میں بادشاہ کو سمجھایا کہ اس قلعہ کو جو پہاڑ پر واقع ہے اور اس طرح جنگلوں میں گھرا ہوا ہے، فتح کرنا آسان نہیں ہے۔"

جہانداری کے قوانین کا تقاضا ہے کہ پہلے میان دوآبہ کے تمام قلعوں پر جو بندر کودہ اور بلگام سے بنکاپور تک پھیلے ہوئے ہیں قبضہ کیا جائے اور اس کے بعد اس قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔" مجاہد شاہ کو ملک سیف الدین کا مشورہ دل سے پسند آیا اور اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ سیف الدین غوری نے راجہ بیجانگر سے صلح کر لی بادشاہ نے ملک نائب کو پہلے بھیج دیا اور پھر خود بھی گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی لشکر تنگ بھدرا کو پار کر کے مدگل پہنچا وہاں بادشاہ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ وہ چار سو سپاہیوں کو لے کر مقربین خاص اور دربانوں کے ساتھ شکار کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں اپنے حاکم کی بے باک طبیعت اور بے پروا فطرت سے واقف تھے لہٰذا وہ ہر وقت اس کی حفاظت کرتے۔

مجاہد شاہ شکار کھیلتا ہوا رائچور تک جا پہنچا جہاں رات ہو جاتی' شکار کھیلتے کھیلتے وہ بلا تکلف وہیں رات بسر کر لیتا۔ داؤد شاہ کو مجاہد شاہ نے جب سے گالیاں دی تھیں اس وقت سے داؤد شاہ کا دل بادشاہ کی طرف سے صاف نہ تھا اور وہ حاکم بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اس ہوس حکمرانی نے اسے بھتیجے کو شہید کرنے سے بھی باز نہ رکھا۔ مسند عالی خاں اور مسعود خاں نے جو مبارک تنبول بردار کا بیٹا تھا) داؤد خاں کا ساتھ دیا۔ مسند خاں کو اعظم ہمایوں کا اقتدار کھٹک رہا تھا اور مسعود خاں تو خیر اپنے باپ کا بدلہ لینے ہی کی دھن میں تھا لیکن ان کی کوششیں شکار گاہ میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ کیونکہ اعظم ہمایوں اور صفدر خاں بڑی توجہ اور ہوشیاری سے بادشاہ کی حفاظت کرتے رہے۔ مجاہد شاہ نے نہایت اصرار کر کے ان دونوں مقربین خاص کو بلا ضرورت برار واپس بھیجدیا۔ مجاہد شاہ لشکر گاہ کی طرف نہ آیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے کرشنا کو پار کر کے دوسرے دن مچھلیوں کا شکار کرتا رہا۔

مجاہد شاہ کا قتل

چونکہ بادشاہ کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی تھیں لہٰذا آنکھوں کے ڈھیلوں میں درد ہونے لگا اور شام ہی سے سراپردہ شاہی میں جا کر لیٹ گیا۔ داؤد خاں اور مسعود خاں دونوں اپنے ہمراز سپاہیوں کے ساتھ چوکیداری اور خبرگیری کا بہانہ کر کے خیمے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ جب دو گھڑی رات گزر گئی اور تمام محافظ اور چوکیدار ادھر ادھر چلے گئے تو داؤد خاں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ مسند عالی خاں کو

چند آدمیوں کے ہمراہ دروازہ پر چھوڑ کر خود مسعود خاں دو اور آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مجاہد شاہ نہایت آرام کی نیند سو رہا تھا ایک خواجہ سرا اور ایک حبشی غلام بچہ جو پاؤں دبانے پر مامور تھا' وہ دونوں جاگ رہے تھے ان دونوں نے داؤد شاہ کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر شور مچایا۔ مجاہد شاہ چونک پڑا اور ہر چند اس نے آنکھیں مل مل کر شور انگیز منظر کو دیکھنا چاہا مگر اس پر موت کا غلبہ چھایا ہوا تھا اس لئے کچھ نظر نہ آیا۔ داؤد شاہ نے خنجر کا ایسا حملہ کیا کہ بادشاہ کی آنتیں باہر نکل آئیں اس زخم کھانے کے باوجود بھی مجاہد شاہ نے داؤد شاہ کی کلائی مع خنجر کے پکڑ لی زخمی شیر نے قاتل کو اپنی طرف کھینچا مسعود خاں سے حبشی بچہ الجھ پڑا لیکن مسعود نے اس نہتے حبشی بچہ کو ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا اور اس کے بعد مجاہد شاہ کے کان پر اتنا سخت زخم لگایا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

داؤد خاں نے اسی وقت تمام امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کیا اور سب کو اپنے بادشاہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔

حوالہ

(۱) دھارادار میں سوانور کے قریب بنکاپور واقع ہے اس زمانہ میں یہ ایک مضبوط مرکزی قلعہ تھا۔

(۲) کنکاولی سے مراد گنگاولی ہے یہ اجودھیا نگر کے قریب دریائے تنگ جدرا کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔

(۳) ست من رامیسر سے مراد رامیشورم ہے جو جزیرہ لنکا کے مقابل پل آدم پر واقع ہے۔

(۴) داؤد شاہ علاؤ الدین گنگو کا بیٹا تھا نہ کہ پوتا

(۵) کنڑی زبان میں شرپرنگ کا مفہوم "مرصع عنبر کا ڈبہ" ہے اور اسی باعث اس بت خانہ کو یہ نام دیا گیا۔

داؤد شاہ بن سلطان علاؤ الدین حسن

داؤد شاہ نے اپنی حکمرانی تسلیم کروا لی کیونکہ مجاہد شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی جو تخت کی مالک ہوتی اس لئے تمام رعایا کو مجاہد شاہ کے قاتل ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا پڑا۔ داؤد نے ہر شخص کو وہ سبز باغ دکھائے اور ایسی ایسی امیدیں دلائیں کہ ہر ایک اس کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔ اس نے مجاہد شاہ کو شہید کر کے دوسرے دن صبح ہی صبح اس کا جنازہ گلبرگہ روانہ کر دیا اور خود اسی جگہ قیام کیا۔ بعد میں تمام لشکر جو مجاہد شاہ کے ساتھ تھا وہ داؤد شاہ کے پاس آ گیا اور وہ بہت تزک و احتشام کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ روانہ ہوا۔ مجاہد شاہ کی شہادت سترہ ذی الحجہ ۷۷۹ھ کو واقع ہوئی اس نے صرف تین سال سے کچھ زیادہ مدت تک حکومت کی۔

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ مبارک نام کا ایک شخص، محمد شاہ کے خاصہ کا تنبول بردار تھا۔ وہ شاہی عنایات سے اس حد تک سرفراز ہوا کہ امارت کے عہدے تک پہنچ گیا۔ ایک رات مبارک نے یہ دیکھا کہ مجاہد شاہ نے خزانے کا دروازہ توڑ کر، روپوں اور اشرفیوں کی چند تھیلیاں نکالیں اور اپنے ہم عمر لڑکوں میں تقسیم کر دیں۔ مبارک نے فوراً محمد شاہ بہمنی کو اس واردات سے آگاہ کر دیا۔ بادشاہ نے غصے میں آ کر شہزادے کو چند کوڑے مارے اس وجہ سے مجاہد شاہ کو مبارک سے دشمنی ہو گئی۔ مبارک کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں دار السلطنت پہنچ کر مجاہد شاہ انتقام لے کر اسے قتل نہ کر ڈالے۔ اسی لئے مبارک نے داؤد خاں سے سازش کر کے بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ مجاہد کا قاتل مبارک کا بیٹا مسعود خاں تھا۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

مجاہد شاہ بہمنی کے شہید ہوتے ہی دکن کے تمام سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے۔ صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں ابھی بیجانگر کے نواح ہی میں تھے کہ ان کو بادشاہ کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ دونوں داؤد شاہ کو مبارک باد دینے کے لئے نہ آئے بلکہ ایک ساتھ ہو کر آگے بڑھے اور بیجاپور میں تمام شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں پر قابض ہو گئے اور وہاں سے ایلچپور اور دولت آباد چلے گئے۔ ان امراء نے داؤد شاہ کے نام خطوط لکھے کہ "ہم لوگ خیل و حشم کو تیار کرنے کے لئے اپنے اپنے مقامات پر جا رہے ہیں اور شاہی حکم کے منتظر ہیں۔ جس وقت بلایا جائے گا فوراً بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔" سرحد کی حفاظت کے لئے جو فوج ملک کی حدود پر مقرر تھی اس نے مجاہد شاہ کے قتل کی خبر سنی اور فوراً ہی خوشیاں مناتی ہوئی وہاں سے آ گئی۔ اس نے دریائے کرشنا سے لے کر رائچور کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا گلبرگہ میں بھی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت داؤد شاہ کی موافقت میں تھی اور دوسری مخالفت میں۔ دوسرے فریق کا یہ مقصد تھا کہ علاؤ الدین حسن گنگو کا سب سے چھوٹا بیٹا محمود شاہ جو سلطان مجاہد کے حکم کے مطابق گلبرگہ ہی میں ٹھہرا ہوا تھا اسی کو ہی بڑے بھائی کا جانشین مقرر کیا جائے۔ ملک سیف الدین غوری نے اس موقع پر بھی نہایت درجہ دانشمندی کا ثبوت دیا اور تمام امراء کو سمجھایا کہ "اس طرح کی باتیں ہمیشہ جنگ و جدل اور فتنہ فساد کا سبب ہوتی ہیں اور سلطنت کو بھی زوال ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اب جبکہ داؤد شاہ نے اپنے سر پر دکن کا تاج رکھ لیا ہے تو ہم اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں اور ملک کی تباہی کا باعث خود ہم نہ بنیں۔" سیف الدین چونکہ خاندان بہمنیہ کا بہت اعلیٰ امیر تھا اس لئے اس کی بات کو ہر ایک نے مقدم سمجھا اور اس سے اتفاق کیا۔ اس سے صرف مجاہد شاہ کی بہن نے اختلاف کیا جو ملک سیف الدین کی نواسی تھی، وہ اپنے بھائی کے قاتل کو خوش و خرم نہ دیکھ سکی، مگر عورت کی بات پر کون عمل کرتا۔

غوری نے تمام لوگوں کو داؤد شاہ کی اطاعت پر تیار کیا اس کے بعد خطبہ پڑھوایا۔ اور پھر ایک کثیر تعداد لوگوں کی لے کر اس کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔ وہ داؤد شاہ کو بہت عزت سے لایا اور پھر تخت فیروزہ پر بٹھا کر خود وکالت کے عہدہ سے دستبردار ہو گیا۔ داؤد

شاہ نے بھی اس کے بہت اصرار پر اس کو مہمات سلطنت کے انجام دینے سے سبکدوش کر دیا- پھر خود نہایت اطمینان کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دینے اور ملکی سیاست کو سمجھنے میں مشغول ہو گیا- سب امراء اس سے بہت متاثر ہوئے اور اس کے سامنے اپنا سر جھکایا' مگر مجاہد شاہ کی بہن "روح پرور آغا" اسی طرح ناراض رہی اور اس نے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی- داؤد شاہ نے نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا مگر پھر بھی وہ کسی صورت سے نہ تو مبارک باد دینے آئی اور نہ اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہوا- اس کے دل میں بھائی کے قتل کی آگ بھڑکتی ہی رہی چونکہ یہ نہایت معزز اور صاحب اقتدار خاتون تھی- لہٰذا کسی کو کبھی جرات نہ ہوئی کہ اس سے پوچھ گچھ کرے- آخر کار روح پرور کی کوشش بار آور ہوئیں اور باکہ نامی ایک نوجوان اپنے آقا کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا وہ بہت جری اور بہادر نوجوان تھا- اسی دوران میں داؤد شاہ مسند عالی خاں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کی غرض سے (۷۸۰ھ میں) مسجد گیا- باکہ بھی بادشاہ کے تعاقب میں ساتھ ساتھ رہا- جب داؤد شاہ نماز پڑھنے لگا' اور اس سے پہلے کہ دوسرے نمازی اور حاضرین مسجد باکہ کی نیت کو بھانپ لیں اس نے ایسا کاری وار داؤد شاہ کے لگایا کہ وہ سجدہ سے اٹھ نہ سکا- مسند عالی خاں نے اپنے چچا زاد بھائی کو یوں خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے تلوار نکال کر باکہ کا کام تمام کر دیا-

داؤد شاہ نے ایک مہینہ اور پچیس دن حکومت کی-

سلطان محمود شاہ بہمنی بن سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی

داؤد شاہ کے قتل کے بعد سب نے اس کے نو سالہ فرزند محمد سنجر کو جانشین بنانے کا ارادہ کیا مگر روح پرور کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ اس کے بھائی کے قاتل کا بیٹا تخت پر رونق افروز ہو۔ اس وجہ سے محمد سنجر کو جانشین نہ بنایا گیا۔ ملک سیف الدین اور دیگر امراء نے صاف صاف کہہ دیا کہ "چونکہ ملکہ روح پرور کا اقتدار بڑھ رہا ہے لہٰذا اب جانشینی کا اختیار اسی کے ہاتھ میں دے دیا جائے ورنہ پھر فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔" قلعہ کے اندر اور باہر ہر ایک ملکہ روح پرور کا مداح تھا لہٰذا اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اس طرح سلطان محمود کو مجاہد شاہ کا جانشین بنا دیا گیا۔ ملکہ نے محمد سنجر کی آنکھیں نکلوا کر اس کو اندھا کرا دیا یہ اس کی کینہ پروری کی ادنیٰ سی مثال ہے۔

فتوح السلاطین کے مصنف نے اس بادشاہ کے نام میں دھوکا کھایا ہے اور اپنے اشعار میں اس کو محمد شاہ لکھا ہے اس کے علاوہ گجرات اور دہلی کے بعض تاریخ دانوں نے بھی اس کے نام میں غلطی کی ہے' بلکہ اکثر شاہان بہمینہ کے نام ان کی تاریخوں میں غلط درج ہیں اور بعض کے متعلق حالات غلط لکھے گئے ہیں۔

محمود شاہ کا کردار

یہ بہت نیک سیرت اور رحمدل فرمانروا تھا کسی کو تکلیف پہنچانا اس کا شیوہ ہی نہیں تھا ہر ایک سے اچھے اخلاق سے پیش آتا تھا اور ہر بات میں انصاف کرنا اس کا معمول تھا۔ وہ معاملات سیاسی اور امور سلطنت کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ان کے متعلق احکامات جاری کرتا تھا۔ تخت نشینی کے آغاز ہی میں مسند عالی خاں کو اس نے فتنہ و فساد کی بنیاد سمجھ کر ساغر(۱) کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ قید کے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس نے وہیں انتقال کیا اس کے علاوہ مجاہد شاہ کے قاتل مسعود خاں کے ہاتھ پیر کاٹ کر اسے پھانسی کی سزا دی۔ اس کے بعد ملک سیف الدین کی بہت خوشامد اور منت کی تب وہ ملک نائب کے عہدہ پر فائز ہوا۔ محمود شاہ ہر بات میں ملک سیف الدین کی رائے کے بغیر کچھ نہیں کرتا تھا یہ طریقہ باعث خیر و برکت ہوا کیونکہ اس کے باپ کا بھی ہمیشہ یہی دستور رہا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں کوئی فتنہ و فساد اور ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ اسی دوران میں صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں بھی اس کی اطاعت کرنے کے لئے آئے اور اس کو مبارک باد دی۔ راجہ بیجانگر بھی خود بخود اس کی اطاعت کرنے لگا تھا اور قلعہ رائچور کا محاصرہ ترک کر دیا تھا۔ یہ راجہ محمد شاہ کی طرح محمود شاہ کو بھی ہمیشہ خراج دیتا رہا اور بہی خواہ و فرمانبردار رہا۔ محمود شاہ قرآن کو بہت اچھی آواز سے پڑھتا تھا یہ بہت خوشخط لکھتا تھا' شاعری کا ملکہ بھی تھا اور کبھی کبھی اشعار کہتا تھا یہ اشعار اس کی یادگار ہیں۔

آنجا کہ لطف دوست دہد منصب مراد — بخت سیاہ و طالع میموں برابر است

عافیت در سینہ کار خون فاسد می کند — رخصتے اے دل کہ از الناس نشتر می خورم

خضر بدسوداست دربیع متاع عافیت — می دم ایں جنس را از جائے دیگر می خورم

محمود شاہ اپنے عہد کے تمام مروجہ علوم پر اچھی دستگاہ رکھتا تھا عربی اور فارسی بہت اچھی طرح بولتا تھا۔ اس کی طبیعت میں صبر و قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خوشی کے واقعات اسے بہت خوش کر سکتے تھے اور نہ غم بھری باتیں اس کے لئے باعث یاس ہوتی تھیں اس نے اپنی منکوحہ بیوی کے سوا کسی عورت پر نظر نہیں ڈالی یہ اس کے بلند کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

علم کی سرپرستی

محمود شاہ ہمیشہ علماء اور فضلاء کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے عہد میں عرب و عجم کے نہایت مشہور شعراء دکن آتے تھے۔ یہ انہیں انعام و اکرام عطا کرتا اور وہ لوگ مالا مال ہو کر اپنے وطن کو واپس جاتے تھے۔ ایک بار عجم کا ایک شاعر دکن آیا' اس نے دربار محمود شاہ میں آکر ایک قصیدہ بادشاہ کی مدح میں پڑھا' بادشاہ نے اسے ایک ہزار روپے کے برابر رقم کا ایک سونے کا تنگہ دیا اس کو لے کر وہ وطن واپس چلا گیا۔ بادشاہ ہر ایک کی قدر کرتا تھا اور بہت سیر چشم تھا اس کی شہرت نے اس قدر ہمہ گیری حاصل کر لی تھی کہ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی جیسے بزرگ دکن کے سفر پر آمادہ ہو گئے' لیکن خواجہ حافظ کے ارادہ میں کچھ ایسی باتیں سدراہ ہوئیں کہ وہ روانہ نہ ہو سکے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر میر فیض اللہ شیرازی نے خواجہ صاحب کے لئے سفر خرچ روانہ کیا اور عرض کیا کہ دکن تشریف لا کر یہاں کے باشندوں کو اپنے روحانی فیض اور شرف ملاقات سے خوش کریں' یہاں کا ہر باشندہ حضرت کا احسان زندگی بھر یاد رکھے گا۔" حضرت خواجہ اب سفر دکن کی طرف بڑے اشتیاق سے مائل ہوئے۔ اور دکن سے آئے ہوئے روپیہ میں سے کچھ تو اپنے بھانجوں اور بیوہ عورتوں کی مدد میں خرچ کر دیا اور کچھ اپنے قرض کو ادا کرنے میں صرف کیا۔ باقی روپے سے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور شیراز سے چل کھڑے ہوئے۔ شیراز سے لاہور پہنچے تھے کہ یہاں ان کے ایک دوست کا سارا مال و متاع برباد ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے باقی ماندہ رقم اس دوست کے سپرد کر دی اور خود بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گازرونی جو اپنے عہد کے بہت مشہور تاجر تھے اور خواجہ صاحب کے ہمراہ ہی سفر کر رہے تھے۔ خواجہ حافظ کے تمام اخراجات کی کفالت کے ذمہ دار ہوئے اور شیرازی قافلہ لاہور سے ہرموز پہنچا۔

یہاں پہنچ کر خواجہ صاحب ہمدانی اور گازرونی کی لاپروائیوں سے کچھ آزردہ ہو گئے لیکن پھر بھی کشتی پر سوار ہو کر دکن کا عزم کیا ابھی کشتی چلی بھی نہ تھی کہ ہوا کا طوفان اٹھا اور دریا میں تلاطم بپا ہو گیا۔ خواجہ صاحب کا دل سفر سے بالکل بیزار ہو گیا اور یہ بہانہ کرکے کہ ہرموز میں چند دوستوں سے مل کر ابھی آتا ہوں وہاں سے چلے آئے اور پھر شیراز واپس چلے گئے۔ صرف ایک غزل لکھ کر میر فیض اللہ کے پاس روانہ کر دی۔ میر فیض اللہ نے موقع تلاش کرکے حضرت خواجہ کا ہرموز تک آنا اور اس طرح واپس چلا جانا بیان کر دیا۔ اس پر محمود شاہ نے جواب دیا کہ جو شخص عازم دکن ہو چکا ہو اور ہرموز تک سفر طے کر چکا ہو وہ ہمارے انعام و اکرام اور تحفہ تحائف کا حقدار ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو خاندان بہمنیہ کا احسان مند اور عالم و فاضل شخص تھا اس کو ایک ہزار تنگہ طلائی عنایت کیے اور حکم دیا کہ اس سے ہندوستان کے بیش بہا عطیات خرید کر خواجہ حافظ کے لیے شیراز لے کر جائیں۔

انتظام سلطنت

تخت نشین ہونے سے پہلے محمود شاہ بہت قیمتی لباس پہنا کرتا تھا' مگر اس کے بعد نہایت سادہ لباس پہننا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ یہ بات کہا کرتا تھا کہ "بادشاہ تو خدا کے خزانہ کا امانت دار ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہیے۔ عیش و عشرت' آرام اور راحت پر روپیہ خرچ کرنا اسراف بیجا ہے۔" اس کے عہد حکومت میں ایک بار دکن میں قحط پڑ گیا اس وقت بادشاہ نے بہت ہی فیاضی کا ثبوت دیا۔ خاصہ کے ایک ہزار بیل مالوہ سے گجرات جاتے اور وہاں سے غلہ خرید کر لاتے۔ دکن میں وہ غلہ بہت سستا بیچا جاتا تھا' تمام شہروں کے لئے بڑے بڑے مدرسے قائم تھے۔ اور گلبرگہ' بیدر' قندھار' ایلچپور' دولت آباد' جنیر' جھول' وائل جیسے شہروں اور قصبوں میں معلم مقرر کیے گئے تھے جن کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے دی جاتی تھیں۔ محدثین کی بہت عزت افزائی کی جاتی ان لوگوں کے لئے وظیفے مقرر تھے۔ ملک کے تمام نابینا لوگوں کے لئے روزینہ مقرر تھا۔ اندھوں کے ساتھ یہ مراعات دیکھ کر بہت سے آنکھوں والے آدمیوں نے بھی اپنی آنکھیں پھوڑ لیں اور شاہی وظیفہ و روزینہ پر زندگی گزارنے لگے۔

مجاہد شاہ کے بالکل برعکس محمود شاہ حضرت قطب دوراں شیخ سراج جنیدی کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا ان کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی زیارت میں شریک ہوا اور فاتحہ خوانی کی۔ ان کے نام پر غرباء و مساکین کو روپیہ تقسیم کیا۔ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد کبھی بھی جنگ و جدل کا بازار گرم نہ کیا اور کسی ملک پر ایک بار بھی حملہ نہ کیا۔ اسی باعث دکن کے منچلے اس کو "ارسطو" کے نام سے یاد کرتے ہیں اس صلح پسند اور صلح کل طبیعت کے باوجود دو مہینہ اس کے عہد میں فتنہ و فساد اور جنگ کا بازار گرم رہا۔

معرکہ آرائیاں

اس جنگ کا مفصل بیان یہ ہے کہ رمضان دولت آبادی کا بیٹا بہاؤ الدین بادشاہ کا خاص مصاحب بن گیا اور ساغر پر حکومت کرنے لگا۔ اس کے دونوں بیٹے محمد اور خواجہ، شاہی بہی خواہوں میں شامل ہو گئے۔ اور امراء کے گروہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ یہ دونوں بھائی اس شاہی قربت کی وجہ سے بہت ہی ترقی کرنے لگے۔ ان کے ساتھیوں اور جلیسوں کو ان پر رشک آیا اور ان کی شکائتیں کرنا شروع کر دیں۔ اگرچہ بادشاہ نے شکایت کرنے والوں کی باتوں پر توجہ نہ دی اور انہیں حاسد سمجھا، مگر پھر بھی یہ دونوں بھائی باغی اور سرکش ہو گئے اور ایک ہزار سوار اور پیدل سپاہ لے کر اپنے باپ سے ساغر میں جا کر مل گئے۔ باپ نے بھی ان ناعاقبت اندیش بیٹوں کی وجہ سے اپنی پیشانی پر بڑھاپے میں سرکشی کا بدنما دھبہ لگایا۔ وہ بہت سی دولت اور سپاہ جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ محمود شاہ نے باوجود اپنی صلح پسند طبیعت کے دوبارہ سرکشوں کی تنبیہہ اور سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی مگر سرکشوں نے شاہی فوج کو شکست دی۔ تیسری بار محمود شاہ نے یوسف آزور کو جو بہمنی خاندان کا ترکی غلام تھا سرکشوں کے فتنہ و فساد کا انسداد کرنے کے لئے بھیجا۔ یوسف آزور ساغر کی طرف بڑھا مسلسل دو مہینہ تک اس نے قلعہ کو گھیرے رکھا۔ اس عرصہ میں کبھی خواجہ خودداد شجاعت دینے میدان میں آتا رہا اور کبھی اس کا بھائی محمد، شاہی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آتا تھا۔ چونکہ سرکشوں کے پاس چار سو مسلح نوجوان تھے اور ہمیشہ فوج کے قلب پر حملہ کرتے تھے۔ اسی لیے فتح زیادہ تر انہیں کی ہوتی تھی آزور بھی عاجز آ گیا کوئی تدبیر بھی کام نہ آتی تھی۔ ایک دن سید محمد جو "کالا پہاڑ" کے نام سے مشہور تھا اور ابھی منصبداری کے عہدہ پر محمود شاہ کی فوج میں داخل ہوا تھا وہ ایک دن محمد سے برسرپیکار ہوا۔ دونوں نوجوانوں نے ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی چونکہ مغلوبہ جنگ تھی۔ باغیوں کا کوئی سپاہی محمد کی مدد کے لئے میدان میں نہ آسکتا تھا اس لئے کالا پہاڑ کی تلوار سے محمد کا ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔

خواجہ نے بھائی کی کیفیت سنی تو ایک بار پھر جنگ کے میدان میں آ گیا اور بہادری کے جوہر دکھانے لگا ذرا دیر میں دونوں فریق مخالف الگ ہو گئے۔ دونوں بھائی خلاف عادت قلعہ کے اندر نہ گئے بلکہ خندق کے کنارے ہی ٹھہر گئے گفتگو میں مصروف رہے ادھر قلعہ کے اندر محمود شاہ کا اقبال اپنا کام کر رہا تھا۔ ایک قاصد قلعہ کے لوگوں نے محمود شاہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ "ہم لوگ بدرجہ مجبوری سرکشوں کے نرغہ میں آ گئے ہیں آج رات دونوں بھائی باہر ہی ہیں لہٰذا ہم لوگ کسی مقررہ وقت پر بہاؤ الدین کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیں گے اور شاہی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے یوسف آزور نے دو سو سپاہیوں کو منتخب کر کے یہ ہدایت کر دی کہ اگر اہل قلعہ راست گو ہیں اور واقعی بہاؤ الدین کا سر کاٹ کر تمہارے پاس بھیج دیں تو تم لوگ ان پر اعتماد کر کے قلعہ کے اندر چلے جانا ورنہ پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آ جانا۔"

جیسے ہی شاہی فوج قلعہ کے نیچے پہنچی اہل قلعہ نے بہاؤ الدین کا سر نیچے پھینک دیا۔ شاہی فوج نہایت اطمینان سے اندر داخل ہو گئی۔ خواجہ کے ساتھی ادھر ادھر بکھر گئے۔ صبح ہوتے ہی سرکشوں کی تمام فوج ہٹ گئی اور صرف چند وفادار دوست رہ گئے۔ فوج کی کمی کے باعث محمد اور خواجہ دونوں قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ کشت و خون سے زمین لالہ زار ہو گئی یہ پہلی جنگ تھی جو

اس کے عہد میں لڑی گئی اور فتح بھی حاصل ہوئی۔

محمود شاہ کی وفات

اس فتح کے کچھ دنوں بعد محمود شاہ مرض الموت میں گرفتار ہو گیا اور یکم رجب ۷۹۹ھ کو تپ محرقہ کی بیماری سے انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کی وفات کے دوسرے ہی دن ملک سیف الدین جو خاندان بہمنہ کا ایک عظیم المرتبت امیر تھا وہ بھی جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی عمر ایک سو سات برس تھی۔ اس کو بھی سلطان علاؤ الدین حسن گنگو کے مقبرہ میں دفن کیا گیا کیونکہ اس نے مرتے وقت وصیت کی تھی اس کی قبر پر پتھر کا ایک چبوترہ بنوا دیا گیا۔

محمود شاہ کے عہد میں شرع کی بہت پابندی کی جاتی تھی جو لوگ احکام شرعی سے سرمو تجاوز کرتے تھے انہیں سخت سزا ملتی تھی۔ ہر شخص خدا اور رسول کے احکام پر چلتا تھا۔ ایک دفعہ محمود شاہ کے عہد حکومت میں ایک عورت زنا کے جرم میں پکڑی گئی اور اس کو دار القضاۃ میں پیش کیا گیا۔ قاضی کے سوال کرنے پر اس نے جواب دیا کہ شرع میں ایک مرد چار عورتوں سے تعلق پیدا کر سکتا ہے لہٰذا عورت کو بھی شاید یہ حق حاصل ہو کہ وہ چار مردوں سے تعلق رکھ سکے۔ اب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بات شرع میں جائز نہیں لہٰذا میں توبہ کرتی ہوں۔" اس عورت نے اس طرح اپنا دامن بچا لیا اور قانون کی زد سے باہر نکل گئی۔

محمود شاہ نے پورے انیس سال نو مہینہ بیس دن حکمرانی کی۔

حوالہ جات

(ساغر غلط ہے۔ صحیح نام و مقام ساگر ہے (جو ضلع گلبرگہ کے نام سے مشہور ہے) مغل بادشاہوں نے اس کا نام نصرت آباد بھی رکھا تھا۔)

غیاث الدین بہمنی بن سلطان محمود بہمنی

سلطان محمود کے انتقال کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا غیاث الدین تخت کا وارث بنا اس کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی۔ اس نے ہر ہر قدم پر اپنے باپ کی تقلید کی اسی لیے محمود شاہ کے نافذ کیے ہوئے قوانین اور بنائے ہوئے ضوابط اس کے عہد حکومت میں بھی بجنسہ قائم رہے۔ رعیت کے ساتھ بھی اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ باپ کے وقت کے پرانے نوکروں پر وہ بہت مہربانی کرتا اور انہیں انعامات دیتا رہتا تھا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی صفدر خاں سیستانی کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے صلابت خاں کو جو عنایت الدین کا ہم مکتب و ہم جلیس بھی تھا۔ مجلس عالی کا لقب دیا اور باپ کا جانشین بنا دیا۔ صلابت خاں بہت کروفر کے ساتھ صوبہ برار کی طرف روانہ ہوا۔ احمد بیگ قزوینی اور محمد خاں فرزند اعظم ہمایوں کو عہدہ پیشوائی اور خدمت سرنوبتی پر رکھا اور ان کا رتبہ بلند کیا۔ محمود شاہ کے ایک قدیم غلام تغلچین کو بادشاہ کی یہ کاروائی بہت ناگوار گزری' کیونکہ وہ خود منصب وکالت پر رہنا چاہتا تھا اور اپنے بیٹے حسین خاں کو سرنوبتی کا عہدہ دلانا چاہتا تھا چونکہ اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تھی اس لئے وہ بادشاہ کا سب سے بڑا مخالف بن گیا۔ غیاث الدین تغلچین کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اکثر یہ کہا کرتا تھا "یہ بہت نازیبا حرکت ہے کہ غلاموں کو شرفاء اور سادات کے اوپر حاکم بناؤں.... اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کے خلاف باتوں پر کاربند ہو جاؤں۔" تغلچین بہت طاقتور امیر تھا اور دربار میں اس کے بھی بہت سے ہی خواہ اور طرفدار موجود تھے۔ اس نے غیاث الدین کی بیخ کنی کی تدابیر کرنا شروع کیں اور ہر صورت سے اس کو معزول کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

تغلچین کی سازش

غیاث الدین کی کمزوری یہ تھی کہ وہ تغلچین کی حسین و جمیل اور ماہر موسیقی بیٹی سے محبت کرتا تھا اور بارہا اس سے محبت کا اظہار بھی کیا تھا۔ جب تغلچین اپنی سازش کو کامیاب بنانے کی کوشش میں تھا اس نے غیاث الدین کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک دن غیاث الدین کی دعوت کی یہ ناعاقبت اندیش بادشاہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنی بیٹی اس کے سپرد کر دے گا اس خیال سے بہت شوق کے ساتھ شریک محفل ہوا اور خوب شراب و کباب کا دور چلا۔ تغلچین کے ایک قدیم اور وفادار خادم نے غیاث الدین کو نشہ شراب میں بالکل غرق کر دیا۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گیا اس کے بعد اس پر شوق دید کا دورہ پڑا۔ تغلچین بہانہ کر کے اندر گیا کہ ابھی اپنی لڑکی کو لے کر آتا ہے مگر وہ ایک تیغ آبدار کے ساتھ واپس آیا اور بادشاہ پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے ہرچند ایسی حالت میں بھی خود کو بچانا چاہا مگر اس کی پیش نہ چلی اور نشہ شراب میں چور فرش پر گر پڑا پھر سنبھل کر زینے کی طرف چلا اور گرتا پڑتا نیچے اتر گیا' لیکن بدذات غلام پیچھا کرتا ہوا آن پہنچا اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر خنجر سے اس کی آنکھیں نکال لیں جب وہ اندھا ہو گیا تو باری باری اس کے نوکروں کو بادشاہ کی طلبی کے بہانہ سے مجلس میں بلایا گیا اور اس طرح چوبیس نوکروں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

اب تغلچین نے اپنے اقتدار کی خاطر سلطان شمس الدین کو بلوایا' کیونکہ یہ بادشاہ اندھا ہو چکا تھا اور امور سلطنت انجام دینے کے لائق نہ رہا تھا اس کے تمام ساتھی اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہوئے۔ سلطان شمس الدین کو تخت پر بٹھایا' یہ واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۷۹۹ھ کو پیش آیا۔

وفات

سلطان غیاث الدین دو مہینہ قلعہ ساغر میں قید رہا' اس نے صرف ایک مہینہ حکومت کی۔

سلطان شمس الدین بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی

سلطان شمس الدین جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اس نے اپنے بھائی کا سارا حال اپنی آنکھوں سے ہی دیکھا تھا للہٰذا وہ امور سلطنت میں بہت محتاط رہا اور کسی بات میں دخل نہ دیا صرف نام اور القاب اس کا تھا باقی تمام کام تغلچین کے ہاتھ میں تھے۔ وہ ملک نائب کا خطاب پا کر امیر جملگی کے بلند عہدہ پر فائز تھا۔ بقیہ امراء اور اراکین اس کی فرمانبرداری ہی میں اپنی فلاح دیکھتے تھے سب نے اس کے آگے سر جھکا دیا۔ سلطان کی ماں جو غیاث الدین کی والدہ کی لونڈی تھی' اس کو مخدومہ جہاں کا خطاب دیا گیا۔ وہ بھی تغلچین کا حد سے زیادہ خیال رکھتی تھی اور اپنے بیٹے کو بھی ہدایت کرتی رہتی تھی کہ تغلچین کی بدولت ہی اس کو تخت دکن نصیب ہوا ہے۔ للہٰذا وہ اس کی رائے سے سرموتجاوز نہ کرے اور دوسروں کے اعتراضات کا کچھ خیال نہ کرے' تغلچین بھی روزانہ نئے نئے تحفہ تحائف مخدومہ جہاں کی خدمت میں بھیجا کرتا کہ وہ اس کے قبضہ میں رہے۔

داؤد شاہ بہمنی کے بیٹے

جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ داؤد شاہ بہمنی کے تین بیٹے تھے ایک تو ملکہ روح پرور نے اندھا کروا دیا تھا اس کا نام محمد سنجر تھا۔ دوسرا فیروز خاں تھا اور تیسرا احمد شاہ' فیروز شاہ اور احمد شاہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے تھے اور جب ان کے باپ کو قتل کیا گیا اس وقت ان کی عمریں چھ چھ سات سات برس کی تھیں۔ چچا محمود شاہ نے بھتیجوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا۔ ان کو چوگان بازی تیراندازی اور سواری کرنا الغرض سب ہی کچھ سکھایا گیا۔ اس کے علاوہ علوم متداولہ میں بھی کمال حاصل کیا جو شاہی خاندان کے بچوں کے لئے سیکھنا ضروری تھے۔ محمود شاہ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے میر فضل اللہ کو مقرر کیا تھا۔ جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید تھے۔ میر فضل اللہ نے ان کی تعلیم و تربیت پر اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ محمود شاہ کے گھر میں چونکہ کافی عرصہ تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوا للہٰذا وہ فیروز شاہ کو تخت پر بٹھا کر کہا کرتا تھا "ایسا نیک سیرت اور سعید شہزادہ کبھی پیدا نہ ہوا ہوگا۔"

تھوڑے عرصے کے بعد بادشاہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے دونوں بھتیجوں کو اپنا داماد بھی بنا لیا تھا۔ محمود شاہ نے انتقال کے وقت جب اپنے بیٹے غیاث الدین کو ولی عہد مقرر کیا تو اس کو ہدایت کر دی کہ ہمیشہ اپنے دونوں بھائیوں کا خیال کرتا رہے۔ فیروز شاہ اور احمد شاہ بھی اپنے چچا زاد بھائی سے ہمیشہ محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آتے رہے۔ جب تغلچین نے غیاث الدین کو اندھا کر دیا تو اس کی حقیقی بہنوں نے اپنے شوہروں کو تغلچین کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ دونوں بھائی تغلچین کو تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ ادھر تغلچین جو بہت بڑا سیاست دان مکار اور چالباز تھا وہ اس بچھائی ہوئی شطرنج کی بازی کو سمجھ گیا۔ اس نے شمس الدین کو دونوں بھائیوں کی مخالفت پر حد سے زیادہ ابھارنا شروع کر دیا تغلچین کے لئے ان بھائیوں کو برا کہنا ہی دین و دنیا کا تنہا کام رہ گیا خیانت کا الزام لگایا' بغاوت کرنے کا خوف دلایا اور اسی کوشش میں سرگرداں رہا کہ کسی صورت سے دونوں بھائیوں کے قتل کے احکامات شمس الدین کے ہاتھ سے لکھا لے مگر شمس الدین بھی باوجود صغر سنی کے اتنا ہیٹا تو نہ تھا وہ تغلچین کی شطرنج کی بازی کو اچھی طرح سمجھتا تھا وہ کسی صورت سے اس کے ہاتھ نہ آتا۔ جب تغلچین ادھر سے ناامید ہو گیا تو فوراً ہی مخدومہ جہاں پر اس کی نظر گئی۔

وہ اس کی باتوں کے جال میں آسانی سے آنے والی تھیں۔ للہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کو دونوں چچیرے بھائیوں کو تہ تیغ کرنے پر بالکل تیار کر لیا' مگر قسمت کی خوبی ان دونوں بھائیوں کو اطلاع ہو گئی اور وہ وہاں سے بھاگ کر قلعہ ساغر پہنچے اور یہاں پناہ گزین ہوئے وہاں کا

حاکم بہت نیک دل تھا- اس نے دونوں بھائیوں کی حسب حیثیت خاطرمدارت کی اور ٹھہرایا- ساغر کا حاکم جس کا نام سدھو تھا بہت وفادار غلام تھا- اس نے شمس الدین سلطان کو لکھا کہ تغلچین جیسے بدذات انسان کی باتوں میں آکر اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل و غارت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے- جس نے غیاث الدین کو اندھا کیا ہو اور خاندان بہمنیہ کی عزت کو مٹی میں ملا دیا ہو- ہم اس کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھانا چاہتے ہیں- تغلچین کو قتل کرنے کے بعد بھی ہم پھر تم کو ہی اپنا بادشاہ مانتے رہیں گے' اگر اس سلسلے میں آپ نے کچھ مزاحمت کی تو پھر جو ہماری مرضی ہوگی ہم وہی کریں گے-

سلطان نے تغلچین اور مخدومہ جہاں کی صلاح لی-

فیروز شاہ اور احمد شاہ کی بغاوت

سلطان شمس الدین کی طرف سے جب اطمینان بخش جواب نہ ملا تو دونوں بھائی بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے شمس الدین کو بھی اپنا دشمن تصور کیا- تین ہزار سواروں اور پیدل سپاہ کو ہمراہ لے کر انتقام کے لئے نکلے- انہیں یقین کامل تھا کہ دارالخلافہ کے عوام بھی ان کا ساتھ یہ سمجھ کر دیں گے کہ یہ غیاث الدین کا انتقام لے رہے ہیں مگر ان کی توقع کے بالکل خلاف ہوا اور جب یہ لوگ دریائے پھورا کو عبور کر کے آگے بڑھے تو دار السلطنت کا ایک باشندہ بھی ان کی طرفداری میں نہ آیا یہ دیکھ کر انہیں بہت مایوسی ہوئی دونوں پھورا کے اس پار ٹھہرے رہے اور یہ طے کر لیا کہ پہلے اصل بات معلوم کرنی چاہیے- فیروز شاہ نے شاہی تاج اپنے سر پر رکھا اور احمد شاہ بھائی کو امیر الامراء بنایا- سدھو کو سرنوبتی کا عہدہ دیا گیا اور فضل اللہ شیرازی وکالت کے عہدے پر رکھے گئے- اسی طرح اور دوسرے ساتھیوں کو بھی آئندہ منصب اور جاگیروں کی امید دلائی گئی- اب ان کی فوج پھورا سے آگے بڑھی اور گلبرگہ سے صرف چار کوس کا فاصلہ رہ گیا- جب دشمن بالکل مقابلہ پر آ گیا تو تغلچین نے خزانہ کی کنجیاں لیں- خزانہ کھولا اور امراء اراکین میں تقسیم کر دیا اور سب کو مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا- قلعہ مرتول کے پاس دونوں فوجیں برسرپیکار ہوئیں- دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر ساغر کی طرف بھاگے- اس فتح سے تغلچین اور مخدومہ جہاں کا دبدبہ اور رعب بہت بڑھ گیا اور رعایا دونوں سے بہت نفرت کرنے لگی-

بعض شاہی امراء فیروز کی طرف جھکے اور اس کے پاس پوشیدہ طور پر پیغامات بھیجے کہ اب یہی موقعہ ہے کہ فیروز شاہ شمس الدین سلطان سے جان کی امان طلب کرے اور دار السلطنت تشریف لائے- فیروز شاہ کو ان کی باتوں پر اعتماد تھا لہٰذا اس نے میر فضل اللہ شیرازی' سید کمال الدین طویل قد و دیگر سادات اور علماء کو مخدومہ جہاں اور تغلچین کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ لوگوں کے بہکانے سے ہم اس جنگ میں حصہ لینے پر تیار ہو گئے اب ہم اپنے قصور کی معافی مانگتے ہیں اور اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اگر بادشاہ کی طرف سے امان نامہ حاصل ہو جائے تو ساری زندگی بادشاہ کے زیر سایہ گزار دیں گے اور اس احسان کو نہ بھولیں گے-" مخدومہ جہاں اور تغلچین دونوں ہی اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے اور ایک تسلی آمیز تحریر بطور معافی نامہ روانہ کر دی' جو اب آ جانے کے باوجود بھی دونوں بھائی جانے سے ہچکچاتے رہے- ایک دن دونوں کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کشمیری دیوانہ گلبرگہ سے آ رہا تھا- کہنے لگا "اے فیروز خاں" روزافروں "میں تجھے بادشاہ بنانے کے لیے لینے آیا ہوں-" یہ لوگ دیوانے کی بڑکو ہی نیک فال سمجھ کر اسی وقت گلبرگہ کی طرف چل دیئے- ان لوگوں کو بھی خلعت شاہانہ عطا ہوئی مگر مخدومہ جہاں اور تغلچین دونوں ہر وقت ان سے محتاط رہتے اور خوفزدہ بھی-

دو ہفتہ بعد بیسویں صفر ۸۰۰ھ پنجشنبہ کا دن تھا فیروز خاں بارہ سلاحداروں کے ساتھ سراپردہ شاہی میں گیا فیروز کے پیچھے ہی اس کے خیر خواہ سپاہی جو تین سو کی تعداد میں تھے' وہ بھی آ گئے- احمد شاہ بھی قلعہ کے اندر بجلی کی سی تیز رفتاری سے پہنچ گیا- فیروز شاہ نے تغلچین سے کہا کہ "میرے دو تین اعزاء جاگیر سے آئے ہیں اگر سلطان شمس الدین کی اجازت ہو تو وہ لوگ شرف قدمبوسی حاصل کریں-" تغلچین نے اس کی درخواست پر اعتماد کیا اور سلطان نے بھی کہا کہ "فیروز شاہ جس کو ساتھ لانا چاہے اس کو روکنے کی کسی کو طاقت نہیں-

فیروز شاہ نے تغلچین کو تو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا لیا اور احمد شاہ کو باہر بھیجا کہ دو تین آدمیوں کو اندر لے آئے۔ احمد شاہ بارہ سلاحداروں کو اندر لایا اور چاہتا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ تک جائیں' مگر دربانوں نے کچھ شک کیا اور مزاحمت کی اس پر راز فاش ہو گیا۔ فیروز شاہ نے تلوار کھینچ لی چند لوگوں کو قتل کر کے یہ سب سراپردہ کے اندر لے گئے۔ تغلچین کے بیٹوں کو بھی قتل کر دیا بادشاہ کے وہ تمام مصاحب جنہوں نے فیروز شاہ سے وعدہ کیا تھا اب خوفزدہ ہو کر کوٹھڑیوں میں چھپ گئے تھے سلطان شمس الدین بھی ایک تہہ خانہ میں جا کر چھپ گیا' سپاہیوں نے خون کی ہولی کھیلی۔ تغلچین اور اس کے بہی خواہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سلطان شمس الدین کو قید کرا دیا۔

وفات

۸۱۰ھ میں شمس الدین نے مدینہ منورہ میں وفات پائی' اس نے ایک مہینہ ستائیس دن تک حکومت کی۔

سلطان فیروز شاہ بہمنی بن سلطان داؤد شاہ بہمنی

تخت نشینی

ان دونوں کو کیفر کردار کو پہنچا کر فیروز شاہ خود دیوان خانہ شاہی میں آیا اسی وقت ایک مجلس مرتب کی اور تخت فیروزہ پر بیٹھا۔ اس نے کشمیری دیوانہ کے دیئے ہوئے لقب کو باعث خیر و برکت سمجھ کر اپنا لقب "روزافزوں" رکھا۔ سلطان علاؤ الدین حسن کی تلوار کو اپنی کمر میں باندھا۔ اور سلطنت کے تمام کاموں میں تھوڑے ہی عرصہ میں ماہر ہوگیا۔ شمس الدین شاہ کو اندھا کر دیا اور سلطان غیاث الدین کو ساغر سے بلوایا اور تغلچین کو اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے باوجود نابینا ہونے کے ایک ہی وار میں تغلچین کو واصل جہنم کیا۔ مخدومہ جہاں اور شمس الدین نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور بندرگاہ جیسول سے سوار ہو کر بیت اللہ شریف جا پہنچے۔ فیروز شاہ پانچ ہزار فیروز شاہی اشرفیاں اور دوسرے قیمتی تحفہ تحائف ان لوگوں کے لئے بھیجا کرتا تھا۔

فیروز شاہ کا کردار

"بہمن نامہ دکنی" اور فتوح السلطان میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ اپنے قدیم بزرگوں سے بہت زیادہ سنجیدہ اور جاہ و جلال، شوکت و عظمت والا تھا اور نہ اس کے بعد ہی بہمنی خاندان کا کوئی حکمران اس کے مرتبہ تک پہنچا۔ یہ بہمنی خاندان کا سب سے مدبر اور نیک سیرت نوجوان تھا اس کی بڑائی اور جاہ و حشم اس سے ظاہر ہے کہ راجہ بیجانگر جو اپنی بیٹی غیر قوم کو دینا عیب سمجھتا تھا اس نے فیروز شاہ کو اپنا داماد بنایا حالانکہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے میں بھی اس نے کبھی کمی نہیں کی اور پوری چوبیس ۲۴ جنگیں اس نے ہندوؤں سے کیں۔ اس کے دور حکومت میں سلطنت بہمنیہ کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ بنکاپور کا قلعہ اور تلنگانہ کے بہترین حصے دار السلطنت گلبرگہ کے زیر نگیں آ گئے تھے۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے تاج شاہی کو دستار کی شکل کا بنوایا، سخاوت اس کی فطرت تھی اسی باعث اس نے اپنا نام دنیا میں چھوڑا اور موسیقی سننے اور تنہائی میں شراب پینے کے سوا کچھ نہ کرتا تھا۔ اس کے لئے یہ جواز پیش کرتا تھا کہ موسیقی سے یاد اللہ دل میں تازہ ہوتی ہے اور شراب نفس میں شر انگیزی نہیں پیدا ہونے دیتی۔ دن کا زیادہ حصہ عبادت و ریاضت میں گزارتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ یہی دو گناہ مجھ سے سرزد ہوتے ہیں، مگر خدا میری نیت سے واقف ہے وہ باز پرس نہ کرے گا۔

حاجی محمد قندھاری لکھتے ہیں کہ فیروز شاہ روزانہ کلام پاک کا چوتھائی حصہ لکھا کرتا تھا۔ عبادت الٰہی کے بعد دوسرا کام رعایا کے احوال کی خبر رکھنا تھا۔

ہر رات کو دیر تک علماء، سادات، مشائخ اور شعراء کی محفلیں جمتی تھیں اور بادشاہ ہر شخص سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب میں تخت فیروزہ پر ہوں تو تمہارا بادشاہ ورنہ بحیثیت دوست کے ہوں اور اپنے آپ کو بہمنیہ سلطنت کا حکمران نہیں سمجھتا ہوں بلکہ تم سب جیسا خاک نشین۔" دربانوں کو سختی سے ممانعت تھی کہ اس بے تکلف صحبت میں امور سلطنت کا کوئی ذکر نہ آنے پائے اور نہ ہی کوئی شخص کسی کی غیبت کرے۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ بلا تکلف اپنی خواہش کے مطابق ہر چیز منگا سکتا تھا اور اپنے گھر بھی جا سکتا تھا۔ ایک دن ملا اسحٰق سرہندی جو بہت سمجھدار اور خوش طبع بزرگ تھے انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو ہدایت کرتے ہیں کہ سب آپ سے بے تکلف دوستوں کی طرح ملیں، مگر محمود غزنوی اور منجم ابوریحان والا واقعہ اس بات کے بالکل منافی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طریقہ حکمرانوں کے لئے اچھا نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ قصہ کیا تھا اس نے پوری حکایت سنائی۔ اس پر فیروز شاہ نے

جواب دیا کہ جو لوگ عقلمند اور سمجھدار ہیں وہ کبھی ایسی باتیں نہیں کرتے درحقیقت وہ اس باب میں بہت ہی سادہ دل اور نیک تھا۔

سلطان محمود اور حکیم ابو ریحان کا قصہ

ملا داؤد بیدری نے فیروز شاہ کے متعلق ایسی بہت سی حکائتیں لکھی ہیں لیکن ان کی تفصیل کے لئے مدت چاہیے۔ لہٰذا صرف سلطان محمود اور حکیم ابو ریحان کے قصہ پر ہی اکتفا کی جاتی ہے کیونکہ ان کا ذکر آ گیا ہے۔ ابو ریحان منجم اپنے فن میں بہت مہارت رکھتا تھا اور جو بات کہتا تھا وہ بالکل درست نکلتی تھی چونکہ کامل فن تھا۔ اس لئے طبیعت میں استغناء تھا اور سلطان محمود غزنوی سے بہت بے تکلف تھا۔ غزنوی کو اس کا یہ انداز پسند نہ آیا ایک دن باغ ہزار درخت کے سامنے غزنوی کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا' ابو ریحان بھی ایک دروازہ سے اندر آیا' بادشاہ نے حکیم سے پوچھا کہ اس نشست کے بعد بادشاہ کس دروازہ سے باہر جائے گا۔

منجم نے اسطرلاب درست کیا اور ستاروں کی تقویم کرنے کے بعد حساب لگا کر جواب ایک پرچہ پر لکھا اور محمود غزنوی کے سرہانے رکھ دیا۔ اس کے بعد غزنوی نے حکم دیا کہ "محل کی مشرقی دیوار کھود کر ایک دروازہ بنایا جائے میں اسی راستے سے محل سے باہر جاؤں گا۔" بادشاہ اسی راہ سے باہر گیا اور جب ابو ریحان کا لکھا ہوا نوشتہ دیکھا تو منجم نے بالکل یہی تحریر کیا تھا جو بادشاہ عمل میں لایا۔ بادشاہ اس نوشتہ کو دیکھ کر گھبرایا اور پھر وہیں سے حکم دیا کہ حکیم کو کوٹھے سے نیچے گرا دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوٹھے سے نیچے تک کوئی چیز جال کی طرح بچھا دی گئی تھی جس کی وجہ سے حکیم کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ اب بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ حکیم نے غلام کے ہاتھ سے ایک کاغذ لے کر بادشاہ کو دیا' حکیم نے اپنے اس دن کے واقعات میں اس حادثہ کا ذکر بھی بجنسہ کیا تھا۔

بادشاہ کو ابو ریحان کی یہ بات اور بھی زیادہ بری معلوم ہوئی اور اس نے اسے زندان میں ڈلوا دیا۔ حکیم چھ ماہ تک قید کی سختیاں برداشت کرتا رہا ایک دن حکیم کا غلام بازار گیا۔ وہاں ایک فال نکالنے والے نے اس کو پاس بلا کر کہا کہ "تیرا آقا آج کل قید میں ہے مگر آج سے تیسرے دن وہ قید سے رہائی پائے گا۔" غلام نے یہ بات اپنے آقا کو سنائی اس نے لعنت ملامت کی کہ میرا غلام ہو کر تو بازاری لوگوں پر اعتبار کرتا ہے۔

اس واقعہ کے پورے تین دن کے بعد احمد بن حسن میمندی نے علم نجوم کے موضوع پر بادشاہ سے کچھ گفتگو کی اور اسی دوران میں حکیم ابوریحان کا ذکر بھی آ گیا۔ اس نے حکیم کے حال زار پر افسوس ظاہر کیا کہ اس نے ایک دن میں دو بالکل صحیح باتیں اپنے علم کے زور سے بتائیں اور بجائے انعام و اکرام کے اس کو قید خانہ ملا۔ اس پر محمود غزنوی نے جواب دیا کہ انسان وہ ہے جو شاہوں کا مزاج سمجھے اور بات وہ کرے جو ان کو معلوم ہو اگر اس روز اس کا ایک بھی حکم غلط نکلتا تو اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ بادشاہوں کا مزاج لڑکوں کا سا ہوتا ہے اگر وہ ایسا کرتا تو خلعت و انعام بھی حاصل کرتا اور اپنے برابر والوں میں اس کا سر بھی اونچا رہتا۔

غرضیکہ اسی دن حکیم کو قید سے رہا کیا گیا اور اس بازاری فال گو کی بات بھی سچی ثابت ہوئی۔ حکیم ابو ریحان نے اس سے بھی ملاقات کی اور غزنوی کے دربار میں بھی گیا' اسے ہزار دینار' کنیز اور خلعت بطور انعام ملا۔ محمود نے حکیم ابو ریحان سے کہا کہ "اگر واقعی قرب سلطانی کے خواہاں ہو تو بات ہمیشہ میرے مزاج اور طبیعت کے موافق کیا کرو۔ بادشاہوں کی خدمت میں اور ان کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے۔"

علمی سرپرستی

فیروز شاہ بندرگاہ گووہ' جیسول' وابل وغیرہ سے ہر سال جہاز منگایا کرتا تھا کیونکہ اس کا حکم تھا کہ تمام دنیا کی نادر اشیاء دکن لائی جایا کریں۔ وہ فن و کمال کا بہت قدردان تھا اور خود کہا کرتا کہ ہر ملک کا سب سے بہترین اور اعلیٰ تحفہ اس ملک کے ماہر کمال و فن اشخاص ہیں۔ وہ ہر ملک کے اہل کمال کو اپنے دربار میں جمع کرنا چاہتا تھا اور ہر صاحب کمال کی صحبت سے فیض حاصل کر کے گھر بیٹھے ہوئے دنیا کے

عجائبات کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ ساری دنیا کے اہل کمال اس کے دربار میں حاضر ہو کر انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے تھے۔

وہ دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا تھا اور ہر ملک کے باشندے سے اسی کے ملک کی زبان میں بات چیت کر سکتا تھا اس کا حافظہ غضب کا تھا۔ جو بات ایک بار سن لیتا تھا اس کو زندگی بھر نہیں بھولتا تھا۔ مستند شعراء کے اشعار اس کو نہایت اچھی طرح یاد رہتے تھے۔ خود بھی شعر کہنے کی کوشش کرتا تھا کبھی عروضی (ا) تخلص کرتا تھا اور کبھی فیروزی لہٰذا قارئین کی تفریح کے لئے بعد میں اس کے اشعار لکھے جائیں گے۔ ملا داؤد بیدری نے اس کی علمی سرپرستی اور ذوق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی اپنی کتاب "تحفۃ السلاطین" اسی کے نام معنون کی ہے۔

بادشاہ کو تمام علوم سے دلچسپی تھی خاص طور پر تفسیر، اصول حکمت، طبعی اور نظری سے دلچسپی تھی اور ان علوم میں اس کو دستگاہ بھی کافی حاصل تھی۔ صوفیائے کرام کی اصطلاحات سے بھی اس کو دلچسپی تھی ہفتے میں تین دن علم کی درس و تدریس کے لئے تھے (شنبہ، دو شنبہ، چہار شنبہ) اس کے پڑھنے کی خاص کتب زاہدی، شرح تذکرہ فن ریاضی، شرح مقاصد کلام، اقلیدس، علم ہندسہ اور علم و معانی و بیان کی تھیں۔ طلباء کو پڑھانے کا وقت اگر دن میں نہ ملتا تو رات کو پڑھاتا اور اپنے ذخیرہ معلومات سے ان لوگوں کے دلوں کو معمور کرتا۔

میر فضل اللہ شیرازی کی برکت اور آغوش تربیت میں فیروز شاہ نے تمام علوم و فنون سیکھے۔ یہ بات مسلم ہے کہ علم و دانش میں فیروز شاہ کا مرتبہ محمد تغلق سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ فیروز شاہ پہلا حکمران تھا جس نے سادات سے سلسلہ شادی و خانہ آبادی شروع کیا۔ میر فضل اللہ شیرازی کی بیٹی سے اپنے بیٹے حسن کا نکاح کیا اور اپنی بیٹی کی شادی حضرت کے فرزند شمس الدین سے کی اپنے داماد کو طرف دار دولت آباد مقرر کیا۔

تعمیرات

بادشاہ نے دریائے تھمندرہ کے کنارے ایک نیا شہر تعمیر کرایا۔ اس کا نام فیروز آباد رکھا اور اس جدید شہر کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ اس شہر میں بہت سے خوبصورت اور عمدہ عمدہ بازار تعمیر کرائے اور بازاروں کو بہترین دو کانوں سے سجایا۔ شہر کی سڑکیں بہت سیدھی چوڑی اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک نیا قلعہ بھی بنوایا اس قلعہ کا ایک سرا دریا سے بالکل ملحق تھا۔ دریائے تھمندرہ سے ایک نہر کاٹ کر محل کے اندر جاری کر دی گئی تھی اور اس قلعہ کے اندر بہترین اور عظیم الشان محل بنوائے گئے۔ ہر محل ایک حرم شاہی کے قبضہ میں دے دیا گیا۔

محلات شاہی

چونکہ محلات شاہی کی کثرت تھی اس لئے محلات کے لئے بہت سے قاعدے مقرر کر دیئے گئے تھے اور انہیں پر عمل ہوتا تھا۔ فیروز شاہ صاحب جمال اور صاحب کمال خواتین کا بہت شائق تھا۔ ایک قانون یہ تھا کہ ہر محل میں جس میں خاص بیگمات رہتی تھیں وہاں ایک بیگم کے پاس لونڈیوں کی تعداد صرف تین ہوتی تھی۔ اور اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی وہ لونڈیاں بیگمات کی ہم زبان ہوا کرتی تھیں۔ فیروز شاہ کو عربی زبان سے بہت لگاؤ تھا۔ خاص دکنی محل جو سلطان محمود شاہ بہمنی کی بیٹی کا تھا وہاں عربی بیگمات رہتی تھیں۔ یہ عرب خواتین حجاز، مکہ اور دوسرے مشہور مقامات کی تھیں اور عربی میں نہایت عمدہ گفتگو کرتی تھیں۔ ان کا محل "عربی محل" کے نام سے مشہور تھا۔ ان کے خدام سب نسل کے حبشی تھے۔ جو شکل و صورت میں اچھے ہوتے اور عربی زبان بولتے تھے۔ جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے تھے انہیں اس محل میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی تاکہ عربی خواتین کی زبان عجمی میل جول سے خراب نہ ہو جائے۔ شاہی وکیل ہر سال برابر عرب جایا کرتے تھے اگر کسی عربی بیگم کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جگہ فوراً پر کر دی جاتی۔

اسی طرح عجمی عورتیں ایک دوسرے محل میں رہتی تھیں وہ تعداد میں نو تھیں۔ ان بیگمات کی لونڈیاں بھی چرکسی، ترکی، روسی، کرجی

ہوتی تھیں جو نہایت میٹھی زبان میں فارسی بولتی تھیں ان کے علاوہ ترکی' فرنگی' خطائی' افغانی' راجپوت' بنگالی' گجراتی' تلنگی' کنٹری' مرہٹی بیگمات کا ایک طبقہ بالکل الگ تھا۔ ان میں بھی ہر خاتون کے پاس اس کے ملک اور وطن کی ہم زبان کنیزیں موجود تھیں۔ بادشاہ ہر روز ایک محل میں آرام کرتا تھا اور ہر ایک کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہر بیگم یہی سمجھتی تھی کہ بادشاہ بس اسی کا دلدادہ ہے۔

بادشاہ توریت و انجیل بہت اچھی طرح پڑھ لیتا تھا ہر ملت و قوم کے عالم' فاضل لوگ اس کے یہاں ملازم تھے۔ ہر شخص بادشاہ کے افعال و اعمال کو بہت اچھی نظروں سے دیکھتا تھا۔ لیکن اسلام کی حقانیت بادشاہ کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ جس طرح رسول اکرم تمام نبیوں پر فوقیت رکھتے تھے اور برتر تھے اسی طرح فیروز شاہ کا دین اور شریعت بھی تمام مذاہب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کا بیباکانہ مردوں سے ملنا اور شراب پینا صرف آنحضرت کے زمانہ میں ممنوع تھا۔ یہی عالم اس کے عہد میں بھی تھا اس نے ہندوؤں سے یوں تو چوبیس لڑائیاں لڑیں لیکن دو معرکے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلا معرکہ

مورخ بیدری لکھتے ہیں کہ ۸۰۱ھ میں دیو رائے بیجانگر کے راجہ نے تیس ہزار سواروں اور نوے ہزار پیدل سپاہ' کماندار' تفنگ انداز اور دوسرے پیشہ وروں کے ساتھ مدکل' رائچور اور میان دوآبہ کے دوسرے قصبوں کو فتح کرنے کے ارادے سے سلطنت بہمینہ پر حملہ کیا۔ فیروز شاہ نے جب یہ سنا تو سراپردہ شاہی کو باہر نکالا اور گلبرگہ سے چل کر ساگر تک آیا۔ بارہ ہزار سوار اس کے ہمرکاب تھے۔ ساگر کا ایک ہندو سات یا آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت لے کر ان کے راستہ میں حائل ہوا۔ ان لوگوں کو تہہ تیغ کیا گیا اور راستہ کا خطرہ دور ہو گیا۔ اسی دوران میں برار اور دولت آباد کا لشکر بھی اعانت کے لئے آگیا۔ فیروز شاہ دیو رائے کا سر قلم کرنے کے لئے بالکل تیار تھا اس کو معلوم ہوا کہ قلعہ کتھرہ (۲) کے راجہ نرسنگھ دیو نے مندو اور اسیر کے حکمرانوں کی مدد سے اور رائے بیجانگر کے بھکانے سے برار کی حکومت پر حملہ کر دیا ہے اور قلعہ ماہور کے گرد و نواح تک سارا ملک تباہ و برباد کر دیا ہے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ نرسنگھ دیو نے مسلمانوں کو تباہ و برباد اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے تو اس نے برار اور دولت آباد کی فوجوں کو نرسنگھ دیو کی تنبیہہ کے لئے بھیج دیا اور بارہ ہزار کی فوج لے کر خود دیو رائے سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

برسات کے دن تھے اور دریا کا پاٹ بھی بہت چڑھا ہوا تھا۔ دیو رائے نے بھی دوسرے کنارہ پر اپنے خیمہ لگوائے' مسلمانوں کے لئے دریا کے اس پار جانا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ فیروز شاہ نے تمام اراکین سلطنت سے صلاح کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی عقل و سمجھ کے مطابق صلاح دی۔ ان میں سے قاضی سراج نامی ایک قابل اعتماد امیر اور سلطنت بہمینہ کا بہی خواہ تھا۔ وہ تیار ہوا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر دریا کے پار جاؤں اور دیو رائے یا اس کے کسی بیٹے کا کام تمام کر دوں۔ پھر جب ہندوؤں کے لشکر میں شور و غل بپا ہو تو دریا کے پانی پر پانچ چھ ہزار آدمیوں کی مدد سے قبضہ کر لیا جائے۔ اور بعد ازاں بادشاہ بھی دریا کو پار کر کے ہندوؤں کے ملک پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد دشمنوں پر حملہ کر دے اور ان کو تباہ و برباد کر دے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس تجویز کے موافق چمڑے کے ٹوکرے بن کر آ گئے۔ قاضی سراج نے سات نوجوان آدمیوں کو فقیروں کے بھیس میں اپنے ساتھ لیا اور دریا کے اس پار اتر کر دیو رائے کے لشکر کے نزدیک ہی ایک خرابات میں قیام پذیر ہوا اور ایک بازاری عورت سے عشق کرنا شروع کر دیا اس کے ساتھ اس قدر والہانہ اور عاجزانہ محبت جتائی کہ وہ فاحشہ عورت بھی پریشان ہو گئی۔

اتفاقاً ایک دن شام کو قاضی کی معشوقہ کی سواری کہیں چلی۔ اس نے معشوقہ کو زیور و لباس سے آراستہ دیکھ کر اپنی بے تابی کا اظہار کیا اور اصرار کر کے کہنے لگا کہ تو کہاں جا رہی ہے میں بھی تیرے ساتھ ضرور چلوں گا۔ اس نے بتایا کہ راجہ کنور کے یہاں آج محفل رقص و سرود منعقد ہو گی اور اسے جا کر گانا سنانا ہے اور پھر اپنی مجبوری دکھا کر واپس جانے لگی۔ مگر اس رند اور بہروپے نے کسی طرح

اس فاحشہ کا پیچھا نہ چھوڑا اور اصرار کیا۔ فاحشہ نے کہا کہ وہاں وہی آدمی جا سکتا ہے جو سرود و نغمہ میں مہارت رکھتا ہو۔ اس پر قاضی نے کہا کہ جس طرح ہو سکے گا میں نغمہ چھیڑدوں گا۔ اس پر اس فاحشہ نے اپنا مندل قاضی کے سامنے رکھ دیا اور کہا اپنا فن دکھاؤ۔ قاضی نے اس پر ایسی نغمہ سرائی کی کہ فاحشہ خود ششدر رہ گئی اور یہ سوچا کہ ایسے کامل فن کو اپنے ساتھ لے کر چلنا باعث فخر و عزت ہے۔

اب قاضی سراج اور اس کے ساتھی فاحشہ کی وساطت سے دیورائے کے بیٹے کی محفل رقص و سرود میں پہنچے محفل حاضرین سے بھر گئی۔ پھر طوائفوں کے گروہ نے ناچنا شروع کیا۔ ادھر قاضی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنی محبوبہ سے اجازت لے کر مسخروں کے لباس میں اندر آیا۔ اور صاحب مجلس کو کرشمہ بازی اور ناز و انداز دکھانے لگا۔ ان بہروپیوں نے ایسے ایسے کرشمہ دکھائے کہ کنور رائے اور اراکین محفل ان کے گرویدہ ہو گئے۔ جب انہوں نے اچھی طرح اپنے جادو سے سب کو فریفتہ کر لیا تب مسخروں کی رسم کے مطابق کٹاریں ہاتھ میں لے کر کرتب دکھانا شروع کیے اور دکھاتے دکھاتے رائے زادہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنی کٹاریں کنور رائے کے سینے میں گھونپ دیں۔ رائے زادہ فوراً ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے ساتھی بھی اندر آ گئے اور حاضرین مجلس کو قتل کرنا شروع کیا۔ ساری مشعلیں بجھا دیں۔ اندھیرا چھا گیا اور دل کھول کر قتل و غارت گری شروع کر دی سب لوگ شراب کے نشہ میں مخمور تھے کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ بعض کہتے تھے کہ مسلمان پیادے لشکر سے جدا ہو کر دریا سے نیچے اترے اور شب خون مارا۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ کئی ہزار سوار دریا پار آئے اور رائے کنور کا کام تمام کر دیا۔

چونکہ رات بہت اندھیری تھی اور ہندوؤں کا لشکر پانچ کوس کے فاصلے تک پھیلا ہوا تھا اس لئے تمام سپاہی اپنی اپنی جگہ پر خوفزدہ ہو گئے۔ اور خیمہ سے نکل کر میدان یا دریا کی طرف نہ بڑھ سکے راجہ کے وہ تمام سپاہی جو ساحل کی حفاظت پر تھے وہ مسلمانوں کی فوج دیکھ کر ڈر گئے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے صبح سلطان فیروز شاہ باقی ماندہ فوج لے کر ہندوؤں کے سر پر آ گیا۔ راجہ بیٹے کے غم میں بہت رنجیدہ تھا وہ بیٹے کی لاش لے کر جنگ کیے بغیر میدان سے چلا گیا۔ فیروز شاہ نے راجہ کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور ہندوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے بیجانگر تک گیا۔ راہ میں تلواریں بھی چلیں میر فضل اللہ شیرازی کے حسن تدبیر سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہندو ہار گئے۔

دیو رائے بہت مشکلوں سے دار السلطنت تک پہنچا۔ اور بیجانگر کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا اس نے جنگ نہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ مگر فیروز شاہ نے خان خاناں اور میر فضل اللہ شیرازی کو جنوبی مقبوضات جو سرسبز اور آباد تھے ان کی تباہی اور بربادی کا حکم دے کر بھیجا۔ قاضی سراج کو بھی شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا اور بلند مرتبہ بھی دیا۔

ان امراء نے مل کر جنوبی شہروں کو خوب لوٹا اور بہت سے لونڈی غلام بنائے۔ ان قیدیوں میں دو ہزار برہمن زادے اور ان کی مائیں بہنیں تھیں۔ بیجانگر کے با عزت برہمنوں نے کہا کہ جتنے روپیہ کی ضرورت ہو ہم لوگ جمع کر کے دینے کے لئے حاضر ہیں۔ راجہ کو بھی مذہب اور عزت بچانا لازمی تھا۔ لہٰذا اس نے بھی کہا کہ جس قدر روپیہ مسلمان مانگیں ہم لوگ دینے پر تیار ہیں اور وہ ہمارے قیدی چھوڑ دیں۔ دیو رائے نے برہمنوں کی درخواست منظور کر لی اور کہا کہ برہمن جس صورت سے بھی چاہیں مسلمانوں سے فیصلہ کر لیں ہندوؤں کے پیغامبر فیروز شاہ کی فوج میں دوڑتے ہوئے گئے اور بڑی تگ و دو بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بیجانگر کی رعیت دس لاکھ ہون خزانہ شاہی میں جمع کر دے اور ایک لاکھ ہون میر فضل اللہ شیرازی کو اس کارنامہ عظیم کے بدلہ میں دیئے جائیں۔ اس معاہدہ کے موافق چھ لاکھ ہون رعایا نے خود جمع کیے اور پانچ لاکھ راجہ نے اپنے خزانہ سے دیئے اور پوری رقم میر فضل اللہ شیرازی کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ بادشاہ کو تمام رقم لا کر شیرازی نے دیدی بادشاہ اس کے خلوص، حسن تدبیر سے بہت خوش ہوا۔ فریقین نے عہد نامہ تیار کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ کبھی آپس میں بغض و عناد نہ پیدا ہو اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے ممالک مقبوضہ پر کبھی ہاتھ نہ بڑھائیں۔ فیروز شاہ نے اس کے بعد تمام اسیروں کو آزاد کیا اور خود اپنی سلطنت کی طرف بڑھا۔ دریائے تمہندرہ کو پار کر کے صفدر خاں سیستانی کے بیٹے فولاد

خاں کو میاں دو آبہ کی مہم پر مقرر کیا اور خود گلبرگہ پہنچ گیا- فیروز شاہ نے اس سفر کی تکان اتارنے کے لئے دو تین مہینہ آرام کیا-

دوسرا معرکہ

۸۰۲ھ میں بادشاہ کو برار کی طرف نرسنگھ کی تنبیہہ کے لئے جانا پڑا- وہ شکار کھیلتا ہوا ماہور پہنچا- ماہور کا امیر جو نرسنگھ کی قوت بازو پر مغرور ہو کر بغاوت کرنے لگا تھا- اس نے اپنی جان کی امان کے لئے شاہی امراء کے ذریعہ بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا- بہت سے قیمتی تحفہ تحائف بھی بھیجے اور مع اپنے فرزندوں کے فیروز شاہ کے ساتھ چلا- فیروز شاہ ایک مہینہ پانچ دن ماہور میں ٹھہرا اور اس کے بعد سیدھا قلعہ کنڑلہ کے گرد و نواح میں جا پہنچا- یہاں کا راجہ بھی بہت سے علاقوں کا مالک اور کوہستان گوندوارہ اور اس کے قرب و جوار کے شہروں پر بھی قابض تھا- اس نے فوراً ہی خاندیس اور مالوہ کے راجاؤں کے پاس حکم نامے روانہ کیے اور ان سے فیروز شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کمک طلب کی- مالوہ اور خاندیس کے حاکم چاہتے تھے کہ یہ مغرور راجہ تباہ و برباد ہو اسی لئے انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا- اس پر بھی نرسنگھ دیو مایوس نہ ہوا اور اس نے اپنی تمام فوج نہایت دلیری اور جرات سے آراستہ کی اور کنڑ سے دو کوس کے فاصلہ پر جان کی بازی لگانے کے ارادے سے میدان میں آ گیا-

فیروز شاہ خود ہی میدان میں جانا چاہتا تھا مگر میر فضل اللہ اور خان خاناں دونوں نے روک دیا اور ان دونوں امراء کی سرکردگی میں لشکر مقابلہ کے لئے صف آرا ہوا- پہلے ان امراء نے نرسنگھ کو ایک خط لکھا کہ وہ اطاعت کرنے پر آمادہ ہو جائے- اور جنگ و جدل سے باز رہے مگر وہ نہ مانا اور بدستور اپنے ارادے پر جما رہا- اب ان لوگوں نے بھی لشکر کو مرتب کر کے حملہ کر دیا- دونوں فوجوں نے خوب داد شجاعت دی اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی- شجاعت خاں' دلاور خاں' منعم خاں' بہادر خاں اس جنگ میں کام آئے- ہندوؤں نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ مسلمان سپاہی منتشر ہو گئے- خان خاناں فوج کے میمنہ میں تھا' میسرہ کی دیکھ بھال شیرازی کر رہا تھا- دونوں بہت ہی حیران و سرگرداں میدان جنگ میں کھڑے ہوئے تھے- کہ اسی دوران میں کسی نے خان خاناں کے قتل کی افواہ اڑائی- شیرازی نے اس پر توجہ نہ دی- وہ دو سو سواروں کو لے کر آگے بڑھا اور اس طرح شادیانے بجوا کر ڈھنڈورہ پٹوا دیا کہ فیروز شاہ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لے آیا ہے-

سپاہیوں کے تن مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور گروہ کے گروہ فضل اللہ شیرازی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے- اب شیرازی نے ہندوؤں پر زبردست حملہ کیا اور ان کو اپنے سامنے سے بھگا دیا اور پھر خان خاناں سے جا کر مل گیا- دونوں امراء نے نرسنگھ دیو کے فرزند کوسل رائے پر دھاوا کیا اور اس کو زندہ گرفتار کر لیا- ہندوؤں کی فوج حواس باختہ ہونے لگی مسلمانوں نے کنٹرلہ کے قلعہ تک ہندوؤں کا تعاقب کیا تقریباً دس ہزار ہندو تلوار کے گھاٹ اتارے گئے- نرسنگھ نے بڑی دقتوں سے اپنی جان بچائی- اور قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا- مسلمانوں نے قلعہ کو گھیر لیا- نرسنگھ دیو نے بھی مستقل دو مہینہ تکلیف اٹھانے کے بعد پھر آخر کار جان کی پناہ مانگی- دونوں امراء نے صاف کہلوا دیا کہ اس وقت تک جان کی امان پانا بالکل مشکل ہے- جب تک کہ راجہ خود بادشاہ کے روبرو حاضر نہ ہو گا-

غرضیکہ راجہ اور اس کے ساتھی ایلچپور پہنچے اور سلطانی بارگاہ میں حاضر ہوئے- نرسنگھ نے خود کو بادشاہ کا خیر خواہ ظاہر کیا اور اپنی سابقہ حرکت اور فعل پر بہت شرمندہ ہوا- پھر آپس میں صلح ہو گئی اور بادشاہ نے خلعت اور نیز کلاہ زر دوزی راجہ کو عنایت کی اور قلعہ کی حکومت بھی اس کے ہی ہاتھ میں رہنے دی- نرسنگھ دیو کی درخواست کے مطابق اس کی بیٹی کو فیروز شاہ نے اپنے محل میں رکھ لیا- نیز نرسنگھ دیو سے چالیس ہاتھی' پانچ من سونا' پانچ من چاندی اور دیگر بیش بہا تحفہ وصول کر کے قلعہ کو فتح کرنے کا خیال دل سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا- اس کے بعد فیروز شاہ دار السلطنت کی طرف روانہ ہوا- اس فتح کا سہرا بھی شیرازی ہی کے سر رہا لہٰذا اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا- اس کے عہدہ میں بھی ترقی کی گئی اور سرلشکری برار کی خدمت پر مامور کیا گیا-

امیر تیمور صاحبقراں سے تعلقات

۸۰۴ھ میں فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور نے دہلی کو فتح کر لیا ہے اور اب اس فاتح کا مقصود یہ ہے کہ دہلی کی سلطنت کسی لائق حکمران کے سپرد کر دے اور خود تمام ہندوستان کو فتح کرے۔ فیروز شاہ نے ان اطلاعات پر بڑی دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا۔ امیر تقی الدین (میر محمد فضل اللہ شیرازی کے داماد) اور مولانا لطف اللہ شیرازی کو بیش قیمت تحفہ تحائف اور ہدیے دے کر دریا کی راہ سے امیر تیمور کی خدمت میں بھیجا۔ فیروز نے ایک پر خلوص و محبت کا خط بھی ان امراء کے ہاتھ صاحبقران کی خدمت میں روانہ کیا۔ فیروز شاہ کے قاصد بارگاہ تیموری میں حاضر ہوئے۔ ان پر شاہانہ نوازشات کی خوب خوب بارش ہوئی۔ جب بہمنی امراء نے تحفہ تحائف دیئے تو وہ بہت خوش ہوا اور زیادہ مہربان و متوجہ ہوا۔

پھر قاصدوں نے چند قابل اعتماد امراء کے ذریعہ امیر تیمور کی خدمت میں عرض کیا کہ فیروز شاہ بہمنی آستانہ تیموری کا خیر خواہ ہے اور جس وقت صاحبقران دہلی کی طرف آئیں یا کسی فرزند کو اس طرف روانہ کریں تو فیروز شاہ بھی کمر ہمت باندھ کر آنے کے لئے تیار ہے۔ امیر تیمور اس دوری مسافت کے باوجود فیروز شاہ کے خلوص اور محبت کا بہت شکرگزار ہوا اور دکن و مالوہ کی بادشاہی فیروز بہمنی کو عطا کر دی اور تاج سلطنت اور دیگر لوازمات شاہی عطا کیے۔ ایک عریضہ لکھ کر فیروز شاہ کے نام روانہ کیا اور اس کو "فرزند خیر خواہ" کے القاب سے یاد کیا۔ ان امراء کو مع کمر بند، شمشیر مرصع، چہار رقبہ ملوکانہ، ایک ترکی غلام، چار نادر الوجود گھوڑے دے کر واپس دکن بھیجا۔

فرمانروایان گجرات، مالوہ، خاندیس جن کو ابھی تک خیال نہیں آیا تھا۔ کہ ان کی حکومت پر کسی اور کا قبضہ بھی ہو سکتا ہے وہ فیروز شاہ سے خوفزدہ ہو گئے اور پیغام بھیجا کہ "ہم سب دینی بھائی ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ آپس کی جو پھوٹ ہے اس کو دور کریں اور میل جول سے زندگی گزاریں تاکہ ہم صاحبقران کی تلوار اور حملوں سے دور رہیں۔" یہ حکمران ادھر تو بادشاہ سے منافقانہ گفتگو کرتے رہے اور دوسری طرف بیجانگر کے راجہ سے یہ سازش کر لی کہ جس وقت ضرورت ہو گی ہم فوراً روپیہ اور فوج سے مدد دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ دیو رائے نے بھی اپنا شعار بالکل بدل دیا تھا۔ اور تین چار سال سے خراج کی رقم خزانہ فیروز شاہی میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ مالوہ، گجرات، خاندیس کے راجہ بظاہر تو بہت خلوص سے بادشاہ سے ملتے رہے، مگر بہ باطن سلطنت بہمنیہ کے دشمن اور اس کی تباہی و بربادی کے درپے ہو گئے۔ فیروز شاہ نے بھی حالات کا اندازہ کرتے ہوئے دیو رائے کو بالکل اس کی مرضی پر چھوڑ رکھا تھا اور خراج طلب کرنے میں کسی طرح کی سختی نہ کرتا تھا۔

ایک نیا فتنہ

ملا داؤد بیدری نے ایک قصہ لکھا ہے جس نے اس سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کیا۔ دیو رائے اور فیروز شاہ کی باہمی چپقلش جاری ہی تھی کہ مدکل کے ایک غریب سنار کے گھر ایک بہت خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی۔ وہ قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی ماں باپ اس کی شکل و صورت دیکھ کر اپنی غریبی اور اپنا افلاس بالکل بھول جاتے تھے۔ جب بیٹی ذرا بڑی ہوئی تو ماں باپ نے سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی منگنی اپنے رشتہ داروں میں کرنا چاہی، مگر بیٹی نے اس سلسلے میں ماں باپ کی مخالفت کی اور کہا کہ "جس نے مجھے ایسی شکل و صورت عطا کی ہے وہ کوئی لائق شوہر ضرور عطا کرے گا، خدا پر یہ کام چھوڑ دو۔" لڑکی کنواری ہی رہی اور ماں باپ نے زبردستی بھی نہ کی، اتفاق کی بات کہ بیجانگر کا ایک بوڑھا برہمن تیرتھ یاترا سے فارغ ہو کر ادھر سے گزرا اور اسی سنار کے گھر ٹھہرا۔

میاں بیوی دونوں نے برہمن کی بہت خدمت کی۔ مگر بیٹی سامنے نہ آئی۔ اس پر برہمن نے کہا کہ مجھ سے کیا پردہ اس نے اس کی بیٹی کہہ کر آواز دی تب وہ باہر آئی۔ برہمن نے اس کو دعائیں دیں اور کہا شکل و صورت کے ساتھ ساتھ نیک سیرت بھی پائی ہے۔ خدا تیرا مستقبل روشن کرے پھر برہمن نے اس لڑکی یعنی پرتھال کو اپنے کمال موسیقی سے نوازا اور یہ فن سکھانا شروع کر دیا۔ پرتھال بہت جلد

موسیقی میں ماہر ہو گئی اور نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے استاد کی خدمت کرنے لگی- ایک سال بعد جب پرتھال فن موسیقی میں طاق ہو گئی تو برہمن اپنے وطن روانہ ہوا- برہمن کے بیجانگر پہنچتے ہی پرتھال کے حسن و جمال اور نیک سیرتی کا شہرہ پھیل گیا- دیورائے نے بھی یہ سب کچھ سنا اور برہمن کو بلا کر اس کی پوری پوری تصدیق کی اس کے بعد ایک جڑاؤ ہار اور بیشمار دولت دے کر اسے مدکل بھیجا- برہمن کو پرتھال اور سارے کنبہ کو بیجانگر کے مندر کی پوجا کے بہانے سے لانے کے لئے کہا گیا پرتھال کے گھر پہنچ کر برہمن نے پرتھال کے ماں باپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا-

پرتھال کے والدین اس پیغام سے پھولے نہ سمائے اور بیجانگر چلنے پر تیار ہو گئے- جب برہمن نے ہار نکال کر پرتھال کے گلے میں ڈالنا چاہا تو پرتھال نے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ بیجانگر کے حکمرانوں کا دستور ہے کہ جس عورت کو محل میں ڈالتے ہیں پھر ماں باپ سے اس کو ملنے نہیں دیتے ہیں- لہٰذا کیا تم لوگ مجھ سے بیزار ہو جو قید میں ڈال رہے ہو- میں اپنے آپ کو سستے داموں بیچنا نہیں چاہتی ہوں-" مگر سب نے بہت اصرار کیا- اب پرتھال نے دیکھا کہ سچ بولے بغیر چارہ نہیں تو کہا کہ "مجھے بشارت ہوئی ہے کہ میں مسلمان ہو کر کسی مسلمان کے گھر جاؤں گی تم لوگوں کو چاہیے کہ اس نیک ساعت کا انتظار کرو اور اس سونے کے لالچ میں مجھے فروخت نہ کرو- اب برہمن دل برداشتہ ہو کر یہاں سے چل پڑا اور دیو رائے کو ساری داستان سنا دی اس نے اپنے اوپر سارا عیش و عشرت آرام و سکون حرام کر لیا اور پرتھال کے فراق میں سرگردان رہنے لگا- وہ شکار کا بہانہ کر کے بیجانگر سے چلا ہزاروں سوار اور پیادے تھے اس نے پانچ ہزار پیادوں کو دریا کے اس پار مدکل کی طرف جانے کا حکم دیا' اس کا یہ حکم بھی تھا کہ بے خبری کے عالم میں پرتھال کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے پھر اس کو پکڑ کر راجہ کے سامنے حاضر کیا جائے- دیورائے نے ایک اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا تھا کہ پہلے سے اس برہمن کو سنار کے گھر بھیج کر فوج کے آنے کی اطلاع کر دی تھی تاکہ برہمن روپیہ اور سونے کے لالچ میں گھر پر ہی ٹھہرا رہے مگر سنار بیٹی کو لے کر نکل کھڑا ہوا اور کہیں جا کر چھپ گیا- دیورائے کا لشکر بہت مایوس ہوا اور جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے لوٹتے وقت فیروز شاہ کے شہروں اور قصبوں کو خوب لوٹا- فولاد جو اس نواح کا حاکم تھا وہ یہ دیکھ کر بہت غضب ناک ہوا وہ آگے بڑھا مگر ہندوؤں نے فولاد خاں کو راستہ میں روک لیا اور اس کی فوج کو بھی پسپا کر دیا' مگر فولاد خاں نے ہمت نہ ہاری اور مقابلہ کیا- ہندو فوج چونکہ ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی لہٰذا فولاد خاں کو فتح نصیب ہوئی-

دو ہزار ہندو سپاہی مارے گئے فیروز شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی- اس نے اپنی فوج کو فوراً تیار ہونے کا حکم دے دیا- اور جب یہ معلوم ہوا کہ فوج کا ہر سردار اپنی سپاہ کے ساتھ فیروز آباد کے باہر موجود ہے تو وہ خود ۸۰۹ھ میں نیک ساعت دیکھ کر گلبرگہ سے بہت شان و شوکت کے ساتھ نکلا- فیروز شاہ بیجانگر پہنچا دیورائے قلعہ میں پناہ گزین تھا- قلعہ کو فتح کرنا چاہا مگر ہندوؤں نے مدافعت سے کام لیا اور تمام راستے بند کر دیئے مجبوراً بہمنی فوج باہر ہی ٹھہر گئی- دیورائے اپنی عظمت و شوکت اور ظاہری جاہ و جلال میں اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا اس نے لشکر کو بہت دبدبہ اور رعب کے ساتھ مرتب کیا- راجہ کی فوج حصار کی پناہ میں آئی اور تیر و تفنگ کی بارش کرنے لگی- مسلمانوں کے گھوڑے بیجانگر کی پہاڑی زمین پر اچھی طرح نہ چل سکتے تھے اس لئے سوار مجبور ہو گئے اور جنگ سے ہاتھ اٹھانے لگے- اسی دوران میں ایک تیر بادشاہ کے بازو پر لگا مگر اس نے زخم کی پرواہ نہ کی اور اسی حالت میں مصروف جنگ رہا- اس کے بعد ایک میدان میں خیمہ زن ہو گیا تاکہ زخم مندمل ہو جائے-

جب بادشاہ تندرست ہو گیا تو اس نے بیجانگر کو فتح کرنے کا خیال ترک کیا اور امیر الامراء کو میاں سدھو سرنوبت کے ہمراہ کر کے بیجانگر کے جنوبی شہروں کی تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ کر دیا- نیز کرناٹک کے مشہور قلعہ کی فتح کے لئے ایک لشکر جرار کے ہمراہ شیرازی کو روانہ کیا- ان دونوں امراء کو الگ الگ مہمات پر بھیج کر فیروز شاہ اپنے لشکر کو اسلحہ جات اور دیگر سامان سے آراستہ کر کے دیورائے کا

مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ اس کے علاوہ آٹھ اور جنگیں مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان ہوئیں اور ہر جنگ میں فیروز شاہ بھمنی ہی کو فتح حاصل ہوئی۔

دیورائے نے نہایت درجہ ہراساں ہو کر پھر اپنے ایلچی گجرات بھیجے اور مدد چاہی' بادشاہ پورے چار مہینے تک محاصرہ میں لگا رہا۔ اس عرصہ میں خان خاناں نے کرناٹک کے شہروں کو خوب تباہ و برباد کیا اور فضل اللہ شیرازی نے موقع دیکھ کر قلعہ بنکاپور اور اس کے گرد و نواح کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شیرازی نے بادشاہ کے حکم سے پھر قلعہ میاں سدھو کے ہاتھ میں دے دیا اور خود بادشاہ سے آملا۔ اس کے بعد آٹھ ہزار ہندو لڑکے لڑکیوں اور بیشمار دولت کے ساتھ خان خاناں بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہر ایک پر شاہانہ نوازشات کی گئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور ان قابل اعتماد اور باعزت امراء سے رائے طلب کی کہ آئندہ کیا اقدامات کرنا چاہئیں۔ باہمی مشورے سے یہ فیصلہ ہوا کہ احمد خاں بیجانگر میں دیورائے کے مقابلہ میں ٹھہرا رہے اور کسی صورت سے اس کو سکون کی نیند نہ سونے دے اور بادشاہ و شیرازی نیز دیگر نامی گرامی امراء قلعہ اودنی کو فتح کرنے کے لئے نکلیں۔

ان امراء اور بادشاہ کے اس مشورے کی اطلاع بہت جلد دیورائے کو ہو گئی۔ اس کو یوں بھی خاندیس اور مالوہ کی طرف سے بہت مایوسی ہو چکی تھی اس لئے مجبوراً اس نے پھر فیروز شاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بادشاہ کے بیجانگر سے رخصت ہونے سے قبل اپنے چند لائق اعتماد امراء کو مسلمانوں کی فوج میں روانہ کر دیا۔ میر فضل اللہ کے ذریعہ سے ان ہندو چند لائق اعتماد امراء کو مسلمانوں کی فوج میں روانہ کر دیا میر فضل اللہ کے ذریعہ سے یہ ہندو قاصد فیروز شاہ کے پاس پہنچے پہلے تو فیروز شاہ نے انکار کر دیا مگر پھر شیرازی کی سفارش پر صلح منظور کی۔ اس میں بھی یہ شرط رکھ دی گئی کہ دیورائے اپنی دختر فیروز شاہ کے محل میں داخل کر دے۔

اس کے علاوہ دس لاکھ نقد ہون' پانچ من مروارید اور پچاس زنجیر ہاتھی اور دو ہزار گانے بجانے والیاں اور غلام' خدمت شاہ میں پیش کرے۔ اگرچہ بنکاپور کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکا تھا' مگر پھر بھی کہا گیا کہ راجہ اس کو بطور جہیز اپنی بیٹی کو دے دے تاکہ دوبارہ کبھی اس قلعہ کے لئے ملک میں کشت و خون نہ ہو۔ کرناٹک کے راجاؤں نے ابھی تک کسی غیر آدمی کو اپنی بیٹی نہیں دی تھی اور اس کے لئے صلح میں یہ شرط بہت کٹھن تھی' مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ تقریباً چالیس دن تک بیجانگر سے بادشاہ کی قیام گاہ تک محفل عیش و طرب رہی' طرح طرح کی مٹھائیاں تقسیم ہوتی رہیں۔ سات کوس تک در و دیوار' گھاٹ' بازار سجے ہوئے تھے ناچ گانے والے اپنا اپنا فن اور کمال دکھا رہے تھے۔ میر فضل اللہ اور احمد خان خاناں تمام سامان شادی لے کر بیجانگر پہنچے اور دیو رائے کی بیٹی کو بیاہ کر لائے۔ دیورائے نے بادشاہ کو اپنے اوپر مہربان دیکھ کر مطلب کی بات کرنا چاہی۔ فیروز شاہ نے ذرا ہمت سے کام لیا اور لشکر کا انتظام خان خاناں کے ہاتھ میں دے کر خود دلہن کو لے کر بیجانگر چل دیا۔

دیورائے نے بادشاہ کا بہت اچھی طرح استقبال کیا شہر کے دروازہ سے لیکر دار الامارت تک تقریباً تین کوس کا فاصلہ تھا اس راستے پر مخمل اطلس اور دوسرے قیمتی کپڑوں کا فرش بچھا ہوا تھا دونوں فرمانروا گھوڑوں پر بیٹھ کر چلے۔ فیروز شاہ شہر میں داخل ہوا۔ اور دیورائے کی طرف سے نچھاور کی رسم ادا کی گئی' حسین لڑکے اور لڑکیاں سونے کے پھولوں کے تھال لیے ہوئے پھول نچھاور کرتے رہے۔ اس کے بعد رعایا نے بھی نچھاور کیا۔ دونوں طرف کی رعیت صدقہ دیتی ہوئی دار الامارت تک پہنچی' دیورائے کی طرف سے جڑاؤ پالکی عروس و نوشہ کے لئے دی گئی۔ فیروز شاہ دو دن تک بیجانگر میں رہا۔ تیسرے دن وہاں سے چلا دیورائے بھی ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں اس نے کنٹری زبان میں کچھ مصالحت کی باتیں کیں۔ بادشاہ کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی اس نے کہا "خیر دیکھا جائے گا" یہ بات دیورائے کے کانوں تک پہنچی اس نے بہت سے ناگوار الفاظ اپنی زبان سے نکالے اس پر فضل اللہ نے کہا کہ دیورائے نے کہا تھا کہ وہ لشکر گاہ تک ساتھ جائے گا مگر وعدہ خلافی کی۔

دونوں کے دل باوجود رشتہ قائم ہونے کے صاف نہ ہو سکے۔ فیروز آباد پہنچتے ہی بادشاہ نے آدمیوں کو مدکل بھیجا وہ لوگ مدکل سے پرتھال اور اس کے والدین کو ساتھ لے کر آئے۔ پرتھال بادشاہ کے سامنے آئی بادشاہ نے جیسا سنا تھا پرتھال کو ویسا ہی پایا۔ فیروز شاہ نے اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور کہا کہ میں تو اب بڈھا ہو گیا ہوں لہٰذا اس کو شہزادہ حسن کے محل میں بھیج دیا جائے۔ بادشاہ نے بہت سی دولت پرتھال کو دی اور اسے اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا اور کہا کہ شاہانہ عظمت و شوکت سے اس کی شادی کی جائے۔ جشن ہوا اور شادی ہو گئی اور پرتھال حسن خاں کے محل میں داخل ہو گئی۔ پرتھال اپنی قابلیت کی بدولت سنار کی جھونپڑی سے نکل کر شاہی محل میں داخل ہوئی۔

گونڈواڑہ پر لشکر کشی

اس کے بعد بادشاہ نے ۸۱۰ھ میں ریاضی دانی اور علم ہندسہ میں اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دولت آباد بالا گھاٹ میں رصد قائم کی جائے۔ حکیم حسن گیلانی اور سید محمد گاذرونی جو علم ریاضی کے ماہر تھے اور دربار میں بھی ایک اونچا مقام رکھتے تھے انہیں یہ کام سپرد کیا گیا' لیکن حسن گیلانی کی بے موقع موت اور دوسرے حادثات و واقعات نے اس کام کو پورا نہ ہونے دیا۔ ۸۱۵ھ میں فیروز شاہ شکار کا بہانہ کر کے گونڈوارہ گیا اور اس علاقہ کو تباہ و برباد کر کے پھر ہندوؤں کو شکست دی اور اندازاً تین سو ہاتھی گرفتار کر کے اپنے پایہ تخت کو واپس آیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو خبر ملی کہ ایک ولی کامل دہلی سے دکن تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں دعوت دی ان کا نام حضرت گیسو دراز تھا۔ فیروز شاہ ہمیشہ ہی سے باکمال اور اہل علم کا دوست رہا تھا۔ وہ یہ خبر سن کر فوراً فیروز آباد سے گلبرگہ آیا اور تمام اعزاء اور رشتہ داروں کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کر دیا۔ سید صاحب نہایت عزت و احترام کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ فیروز شاہ حکیم طبیعت کا آدمی تھا' اور حضرت بندہ نواز نے علوم ظاہری اور مخصوص معقولات کا ظاہری اکتساب نہ کیا تھا لہٰذا اسنے کوئی خاص عقیدت نہ ظاہر کی۔ برعکس اس کے اس کا بھائی احمد خاں حضرت کا بہت دلدادہ اور معتقد ہو گیا اور ان کے لئے ایک خانقاہ بنوائی اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں جاتا اور صوفیانہ کلام سے مستفید ہوتا۔ اکثر محفل سماع میں بھی حاضر ہوتا تھا اور خانقاہ کے درویشوں کو انعامات دیا کرتا تھا۔

اکبر حسن خاں کی جانشینی

بادشاہ نے نہایت درجہ ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دے کر ۸۱۸ھ میں اکبر حسن خاں کے سر پر تاج شاہی رکھا اور تمام اراکین دولت سے بیعت لی اور اس کے بعد حضرت گیسو دراز سے بھی کہلوایا کہ وہ بھی اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ حسن کو تاج شاہی سے سرفراز کر دیا گیا تو اسے اب دنیا میں کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس پر بادشاہ نے بہت اصرار کیا تب قاصدوں کو یہ جواب دیا کہ تاج کو تو احمد خان خان خاناں کے سر پر رکھنے کا فیصلہ قدرت نے کر دیا ہے۔ لہٰذا اب مشیت ایزدی سے لڑنا بیکار ہے۔ اس بات سے بادشاہ کو بہت تکلیف پہنچی اور اس نے اس رنجش کا اظہار اس طرح کیا کہ حضرت گیسو دراز سے کہلوا کر بھیجا کہ چونکہ خانقاہ دربار شاہی سے نزدیک ہے اس لئے مریدوں کا شور و غل شاہی کاموں میں مخل ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ شہر سے کہیں باہر خانقاہ تعمیر کرائیں۔ حضرت اس حکم سے بالکل مجبور ہو گئے اور اس جگہ جا کر رہے جہاں اب ان کا مقبرہ ہے۔ اب ان کے مریدوں نے ایک بہت عالی شان اور بلند عمارت تعمیر کرا دی ہے۔

پانگل پر لشکر کشی

۸۰۰ھ میں بادشاہ نے تلنگانہ کے راجہ کے پاس ایلچی بھیجے اور کہلا کر بھیجا کہ چند سال کا بقایا خراج ادا کرے راجہ نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ بہت سا نقد مال جنس روانہ کیا کہ بادشاہ خوش ہو گیا۔ اسی دوران میں بادشاہ نے پانگل کے قلعہ کو جو نلگنڈہ کے نام سے مشہور تھا فتح کرنے کا ارادہ کیا پانگل سے اودنی تک کا فاصلہ اسی کوس کا تھا۔ بادشاہ نے چڑھائی کرتے وقت کسی طرح کی رشتہ داری اور

قرابت داری کا خیال نہ کیا اور آگے بڑھتا ہی گیا۔ اس نے دو سال تک قلعہ کو گھیرے رکھا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا لشکر میں بیماری پھیلی اور سپاہی اور جانور بیمار پڑ گئے۔ دیورائے نے فیروز شاہ کی اس ناکامی کو اپنے حق میں اچھا سمجھا اس نے ایک اچھی خاصی فوج تیار کر لی اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ راجہ تلنگانہ بھی شریک تھا۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ خود ان میں حملہ کرنے کی سکت نہیں ہے اور کامیابی بھی مشکل ہے۔ مگر بادشاہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ مقابلہ نہ کرے لہٰذا میر فضل اللہ شیرازی کی سرکردگی میں مقابلہ ہوا شیرازی نے دیورائے کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ لشکر کو درہم برہم کرے کہ اتنے میں ایک خادم نے اپنے مالک (میر فضل اللہ) سے بے وفائی کی اور ایک وار اس کے سر پر کیا وار لگتے ہی وہ ختم ہو گیا اس واقعہ سے مسلمانوں کے لشکر میں ہلچل مچ گئی اور کئی اور مسلمان امیر بھی اس معرکہ میں کام آئے' خان خاناں کی حکمت عملی سے ان لوگوں نے دیورائے سے اپنی جان چھڑائی اور اس کے بعد ہندوؤں نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ مسلمان اس کثرت سے قتل کیے گئے کہ ان کے سروں کے چبوترے بنائے گئے۔

مسلمانوں کا قتل عام

ہندوؤں نے مسلمانوں سے خوب بدلہ نکالا مسجدوں کو خوب توڑا' قتل و غارتگری میں کسی طرح کی کسر نہ اٹھا رکھی اس صورت سے گویا برسوں کا بغض نکالا' فیروز شاہ نے پریشان ہو کر گجرات سے مدد مانگی۔ احمد شاہ گجراتی کے پاس میر فضل اللہ کے بیٹے ملا غیاث الدین کو بھیجا مگر اس نے مدد نہ دی کیونکہ اس کی حکومت ابھی اس قابل نہ تھی۔ اب خان خاناں نے خزانہ کا دروازہ کھول دیا اور فوج کو جمع کر کے پھر بہمنی سرحدوں سے ہندوؤں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اسے شاہانہ عنایات سے سرفراز فرمایا اب بادشاہ اور دیگر اراکین اس شکست کا بدلہ لینے کی تدابیر سوچ رہے تھے کیونکہ فیروز شاہ کے بڑھاپے کے زمانہ میں یہ شکست ایک دھبہ تھی غیرت مند بادشاہ کو بہت ندامت تھی اس غم میں گھل گھل کر وہ بیمار ہو گیا جب مرض بڑھنا شروع ہوا تو بادشاہ کے دو غلام عین الملک اور بیدار الملک سب سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے ان کے اقتدار میں دکن کی حکومت تھی۔ اسی عرصہ میں کچھ غلاموں نے خلوت میں بادشاہ سے کہا کہ احمد خان خاناں تخت حکومت پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ غلاموں کے یہ کہنے پر فیروز شاہ کو حضرت خواجہ بندہ نواز کا قول یاد آ گیا اور اس نے مزاحمت کرنا چاہی اور بیٹی کی محبت میں حقیقی بھائی کو اندھا کرنے کی تجویز سوچی لیکن احمد خاں کو ایک دن پہلے اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اور وہ رات میں تھوڑی سی جمعیت لے کر نکل کھڑا ہوا۔ اپنے بیٹے علاؤ الدین کو ہمراہ لے کر پہلے تو حضرت گیسو دراز کے پاس گیا اور ان کو تمام واقعہ سنایا۔

انہوں نے اپنے عمامہ کو دو ٹکڑے کیا ایک باپ کے اور دوسرا بیٹے کے سر پر باندھ دیا پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کے بعد وہ گھر آیا اور سامان سفر درست کر کے راتوں رات شہر سے فرار ہو گیا۔ راہ میں خلف حسن بصری ایک سوداگر ملا جو بہت خیر خواہ تھا۔ وہ احمد شاہ کی نیت کو بھانپ گیا اور اس کو شاہانہ مجرا دیا' احمد شاہ نے کہا کہ تم اپنے گھر میں پوشیدہ ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تم بھی گرفتار بلا ہو جاؤ۔ خلف حسن بصری نے جواب دیا کہ آرام و آسائش میں تو میں آپ کے ساتھ رہا اور اب تکلیف میں الگ ہو جاؤں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں وہ بھی ساتھ ہو گیا یہ لوگ خان پور میں ٹھہرے وہاں جا کر احمد خاں نے یہ دعا کی کہ اگر مجھے سلطنت مل گئی تو اس قصبہ کو رسول آباد کے نام سے موسوم کروں گا اور اس کی آمدنی کو نجف' مکہ اور کربلا کے سیدوں کے اخراجات کے لئے وقف کر دوں گا۔"

احمد خاں سے معرکہ

احمد خاں کے فرار کی خبر نظام الملک اور عین الملک کو ہوئی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے انہوں نے جا کر بادشاہ کو خبر دی اور لشکر تیار کر کے اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ احمد خاں نے دشمنوں کو زیادہ تعداد میں دیکھ کر ارادہ کیا کہ شہر میں آ کر امراء کو اپنا ہمدرد بنائے لیکن خلف حسن بصری نے اس ارادہ سے اسے باز رکھا اور گلبرگہ' بیدر اور کلیانی روانہ کیا۔ حسن شاہ کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا

تھا اور بہت سے شاہی نوکروں اور خدمت گاروں کو اس کی بہی خواہی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ادھر احمد خاں کی فوج کی تعداد اب پہلے کی بہ نسبت بڑھ گئی۔ تب دوسری طرف عین الملک کی کمک کے لئے بھی فوج آگئی شاہی امراء نے ہر طرف سے احمد خاں پر تمام راستے بند کر دیئے۔ ان دنوں بقال (جن کو ہندی میں بنجارہ کہتے ہیں) برار سے غلہ لے کر آ رہے تھے۔ احمد خاں کو خلف حسن بصری نے صلاح دی کہ ان سے غلہ خرید لیا جائے اور ساتھ ساتھ گھوڑے اور بیل بھی جب لڑائی شروع ہو گی تو ہماری طرف سے بیل اور گھوڑوں کی فوج نمودار ہو گی دشمن یہ سمجھے گا کہ برار سے کمک آگئی مگر احمد خاں نے اس رائے کی پیروی نہ کی حالانکہ شاہی فوج اب بالکل نزدیک آگئی تھی۔

احمد خاں راہ میں جا رہا تھا تھک کر ایک درخت کے نیچے سو گیا دیکھتا کیا ہے کہ ایک بزرگ باریش فقیرانہ لباس میں ملبوس آ رہے ہیں اور ایک ہرا تاج بارہ گوشوں کا ان کی ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے اس نے ان کو بڑھ کر سلام کیا اور انہوں نے تاج سر پر رکھا اور کہا کہ یہ فقیر کی طرف سے تحفہ ہے۔ احمد خان اس کو فال نیک سمجھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے حسن بصری سے فوراً اس کا ذکر کیا اور کہا اب تک میں جنگ کرنے سے کنارہ کشی کر رہا تھا مگر اب اس بشارت نے مجھ کو آمادہ جنگ کر دیا ہے۔ اب میں تیار ہوں اس کے بعد اسی ترکیب پر عمل کیا گیا جو حسن بصری نے سوچی تھی۔ احمد دو سو سواروں کے ساتھ کلیانی پہنچا اور بقالوں سے تمام جانور خرید لیے بعد ازاں طبل جنگ بجوا دیا اور میمنہ و میسرہ کو درست کیا نیز یہ مشہور کر دیا کہ فلاں فلاں جاگیردار احمد خاں کی مدد کے لئے چل چکے ہیں اور تین کوس کے فاصلہ پر ہیں۔ عین الملک اور بیدار الملک اس خبر کو سن کر وحشت زدہ ہو گئے پھر بھی مقابلہ کیا۔ حسن بصری نے قلب لشکر پر حملہ کیا میمنہ اور میسرہ کے سردار جب پسپا ہو گئے تو ان دونوں غلاموں نے بھی جنگ سے منہ موڑا۔

بادشاہ یہ خبر سن کر بہت ہراساں ہوا اور عین الملک وغیرہ کے مشورے سے خود باوجود بیمار ہونے کے اٹھا اور حسن شاہ کے سر پر شاہی تاج رکھا پھر میدان جنگ میں آگیا اور خان خاناں کی تباہی کی فکر کرنے لگا۔ احمد شاہ بھی تیار ہو گیا گلبرگہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقابلہ ہوا ابھی جنگ کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ بادشاہ بے ہوش ہو گیا۔ اور لشکر میں اس کی موت کی افواہ مشہور ہو گئی اس کے نتیجے میں اس کے تمام لشکری احمد خاں سے مل گئے۔ بادشاہ کے دونوں غلام بہت ہراساں و پریشان ہو گئے وہ آقا کو لے کر شاہی محل میں داخل ہو گئے۔ قلعہ کے دروازہ پر پہنچ کر بادشاہ کو ہوش آیا تو اس سے غلاموں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ احمد خاں نے پاس ادب کر کے شاہی سواری کا پیچھا نہ کیا اور اس کا لشکر قلعہ کے نزدیک ہی آ کر رک گیا اس کے بعد شہزادہ حسن کی سرکردگی میں دونوں غلاموں نے گولہ باری شروع کی۔ احمد خاں کے ساتھیوں پر بھی ایک گولہ لگا ایک جماعت ختم ہو گئی۔

فیروز شاہ کا انتقال

بادشاہ کو اطلاع ہو گئی اس نے اپنے بیٹے حسن خاں کو بلایا اور کہا کہ لشکر اب احمد خاں کے موافق ہے تمام لشکر تیرے چچا کی خیر خواہی چاہتا ہے اب تجھ پر بھی لازم ہے کہ اس کی اطاعت قبول کرے یہ کہہ کر بادشاہ نے قلعہ کا دروازہ کھلوا دیا' شاہی پیادے اور چند قابل اعتماد آدمیوں کے ساتھ احمد خاں قلعہ میں آیا وہ اندر آ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور زور زور سے رونے لگا بادشاہ نے کہا کہ شکر خدا ہے کہ اپنی زندگی میں میں نے تم کو بادشاہ بنتے دیکھ لیا۔ حالانکہ شفقت پدری سے مجبور ہو کر میں نے تمہارا حق چھینا اور اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا اب تم حسن کو بھی اپنی امانت سمجھو۔ مہمات سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لو اور میری چند ساعت کی بقیہ زندگی میں مجھ کو ہراساں نہ کرو۔

احمد شاہ نے ۸۲۵ھ میں تاج شاہی جو اس کے بھائی نے بنوایا تھا سر پر رکھا اور شوال ۸۲۵ھ میں فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا۔ احمد شاہ نے بھائی کے جنازہ کو باعزت طریقے اور شاہانہ عظمت کے ساتھ اٹھایا اور باپ دادا کے پہلو میں لٹا دیا۔

فیروز شاہ نے پچیس سال سات مہینے پندرہ دن تک حکمرانی کی بعض مورخین لکھتے ہیں کہ احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کے ذریعہ

بادشاہ کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

حوالہ جات

(۱) عروضی غلط ہے۔ عروجی ہونا چاہیے۔ کیونکہ فیروز شاہ بہمنی یہی تخلص کرتا تھا۔
(۲) صحیح نام "گہیرلا" ہے یہ صوبہ براء کے شمال میں شہر بیوں کا مشہور قلعہ ہے۔

احمد شاہ بہمنی بن سلطان داؤد شاہ

تخت نشینی

احمد شاہ ۸۲۵ھ میں بھائی کے بنوائے ہوئے تاج کو سر پر رکھ کر بادشاہ بن گیا اور یوں حضرت گیسو دراز کی بشارت صحیح ثابت ہوئی- اس نے اپنے آپ کو سلطان احمد شاہ بہمنی کے نام سے مشہور کیا اور اپنے نام کا خطبہ جاری کیا-

احمد شاہ کا کردار

وہ مہمات سلطنت کو سرانجام دینے میں کبھی پہلو تہی نہیں کرتا تھا اور اس معاملہ میں اپنے بھائی کی پوری پوری تقلید کرتا وہ علماء و مشائخ اور سادات کی بہت قدر دانی کرتا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرتا- چونکہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز کی کشف و کرامات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا لہٰذا اس نے ان کی بہت خدمت کی اور تخت شاہی پر بیٹھتے ہی ان کا بندہ بے دام بن گیا- رعیت نے بھی حضرت کی بہت قدر دانی شروع کی- احمد شاہ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے خاندانی شعار کے خلاف حضرت بندہ نواز کی بیعت کی اور شیخ محمد سراج کے خاندان سے اپنی ارادت ختم کر دی- احمد شاہ نے حضرت گیسو دراز کے رہنے کے لئے ایک بہت عظیم الشان عمارت شہر کے نزدیک ہی بنوائی- اس وقت بھی جب کہ سلطنت بہمنیہ عادل شاہیہ سلاطین کے ہاتھوں میں آ گئی- احمد شاہ نے جو قصبات وغیرہ اور جاگیریں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے لئے وقف کرائی تھیں وہ ان کے خاندان کے لوگوں کو برابر ملتی رہتی ہیں-

دکن کے باشندے بھی حضرت گیسو دراز کے بہت معتقد ہیں ان کے متعلق عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ ایک بار کسی دکنی آدمی سے کسی نے پوچھا کہ "آنحضرت صلعم کا مرتبہ زیادہ اونچا ہے یا سید گیسو دراز کا-" اس نے جواباً کہا کہ "حضرت صلعم اگرچہ پیغمبر ہیں مگر حضرت گیسو دراز کچھ چیز ہی اور ہیں-" اس سے اور تو کچھ نہیں حضرت گیسو دراز سے عقیدت کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے- آج تک اس گرد و نواح کے عوام حضرت گیسو دراز کی اولاد اور عزیزوں سے دلی عقیدت رکھتے ہیں-

عطائے جاگیر اور عہدے

احمد شاہ نے خلف حسن بصری کو سلطنت کے وکیل کا عہدہ دیا اور چونکہ اس کا پیشہ سوداگری تھا اس لئے اس کو ملک التجار کا عہدہ بھی دیا آج تک یہ لقب دکن میں مشہور ہے- اس نے عین الملک اور بیدار الملک کی فرمانبرداری کا پورا پورا اعتماد کیا- عین الملک کو امیر الامراء کا لقب دے کر ہزار پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا اور نظام الملک کو دولت آباد کا سر لشکر بنا کر منصب دو ہزاری عطا کیا- مستند تاریخوں میں درج ہے کہ بہمنیہ سلاطین کے درباروں میں چار دو ہزاری منصب دار رہتے تھے اور یہ چاروں امراء سلطنت کے گرد و نواح ہی میں صوبہ دار یا سر لشکر ہوا کرتے تھے- امیر الامراء ایک ہزاری اور پانصد کا منصب دار تھا اور وکیل سلطنت کو ایک ہزار دو صدی کا منصب دیا جاتا تھا- باقی امراء اور منصب دار بھی ایک ہزاری یا اس سے زائد ہی ہوا کرتا تھا- اسے طوق و علم و نقارہ بھی سلطنت کی طرف سے ملا کرتا تھا-

شہزادہ حسن خاں

حسن خان چونکہ تخت و تاج کا مالک تھا مگر عوام اور امراء کے دلوں میں اپنے لئے جگہ نہ پیدا کر سکا کسی نے اس کو اندھا بنانے کی کوشش کی لیکن اس نے کسی کی درخواست اور مشورہ پر عمل نہ کیا- احمد شاہ نے اس کو پانصد کا منصب دے کر فیروز آباد کے قلعہ میں

رہنے کا حکم دے دیا۔ وہ عیش و عشرت کا متوالا تھا اس لئے اسے دنیا کی پرواہ نہ تھی اس کو بادشاہ کی طرف سے اجازت تھی کہ فیروز آباد سے چار کوس کے فاصلہ تک سیر و شکار کے لئے جا سکتا تھا اسے یہ زندگی تاج شاہی کی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ بہتر معلوم ہوتی تھی۔ اس نے بھی اپنے چچا کے خلاف کبھی کچھ نہ کیا اور نہ اس کے دل کو تکلیف پہنچائی حالانکہ چچا کی وفات کے بعد اس کو بہت تکلیفیں دی گئیں اسے اندھا کر دیا گیا اور قید خانہ ہی میں اس کی وفات ہوئی۔

پہلا معرکہ

احمد شاہ نے اپنے اخلاق اور بلند کردار کی وجہ سے سب کو اپنا دلدادہ بنا لیا تھا۔ اس نے گجرات کی سرحد اپنے قابل اعتماد امراء کے ہاتھ میں دی اور ادھر سے اطمینان کر کے چالیس ہزار تجربہ کار اور لائق سپاہیوں کو لے کر کرناٹک کی طرف بڑھا۔ دیورائے نے اس حملہ کو اپنی پہلی جنگ سمجھتے ہوئے لشکر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور ورنگل کے راجہ کو بھی مدد کے لئے بلوا لیا۔ غرضیکہ وہ ایک کثیر تعداد فوج لے کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے چلا اس نے دریائے تمندرہ کے ساحل پر خیمے نصب کیے۔ احمد شاہ بھی سفر طے کرتا ہوا ساحل پر پہنچ گیا اور دیورائے کا مقابلہ کرنے لگا۔ دیورائے کی فوج میں دو لاکھ توپچی اور کماندار تھے۔ یہ لوگ بہمنی لشکر پر رات کو آکر حملہ کیا کرتے تھے اور گھوڑوں اور سپاہیوں کو قتل کر کے اپنی فوج میں واپس چلے جاتے تھے۔ بادشاہ نے ملک روم کی تقلید کرتے ہوئے فوج کے چاروں طرف دو ہزار ارابے مشتعل کرائے اور مسلسل چالیس دن تک یہیں ٹھہرا رہا اس عرصہ میں دیورائے کے بہت سے قلعے اور ممالک تباہ و برباد کر دیئے۔ دیورائے نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ تلنگانہ کی فوج کو دریا کے اس پار کر کے احمد شاہ کے مدمقابل آ جائے مگر اس سے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ احمد شاہ نے اپنے تمام امراء اور منصب داروں کو بلایا اور ان سے دریا پار کرنے کی ترکیب پوچھی۔ تمام حاضرین نے حلف اٹھا کر کہا کہ وہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے میں وفادار رہیں گے اور دریا پار کر کے مقابلہ کریں گے۔ دوسرے دن یہ قافلہ دریا کو عبور کرنے والا تھا اور کشت و خون کا بازار گرم ہونے والا تھا کہ اس بات کی اطلاع راجہ تلنگانہ کو ہوئی۔ وہ راتوں رات نکل گیا مگر دیو رائے نے اپنا لشکر مقابلہ پر لا کھڑا کیا اسی عرصہ میں بہمنی خاندان کے پرانے وفادار برہان لودھی اور دلاور خاں افغان نے دریا کو عبور کر لیا۔

حسن اتفاق کہ دیورائے اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ باغ میں سو رہا تھا۔ شاہی سپاہی اسی باغ کو لوٹنے کے لئے آگے بڑھے اور وہاں راجہ کو سوتا ہوا دیکھ کر اس کو باغبان سمجھے اور گنوں کا ایک گٹھا اس کو مارا اور پھر پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر چلے۔ راجہ پہلے تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں نے اسے پہچان لیا ہے مگر پھر اطمینان ہو گیا اور اس نے راستہ ہی میں احمد شاہ کی آمد آمد اور دیورائے کے کھو جانے کا قصہ سنا مگر اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ ان سپاہیوں کے ساتھ نہایت خاموشی سے چلا جائے۔ بعد میں دیورائے کسی طرح دشمن سے جان چھڑا کر اپنی فوج سے جا ملا۔ امراء نے اس کے سر پر تاج شاہی رکھا اور فوج میں اس کے ملنے پر خوشیاں ہوئیں۔ راجہ نے اس طرح کی گرفتاری کو بدشگونی سمجھا اور بغیر جنگ کیے ہوئے واپس چلا گیا اور قلعہ بیجانگر میں جا کر رہنے لگا۔

احمد شاہ یوں آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا وہ بھی بیجانگر کی طرف بڑھا۔ ہندوؤں کی سرحد میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں کی تلوار نیام سے باہر نکل آئی اور ہندوؤں کا خون بہنے لگا۔ احمد شاہ نے محمد شاہ کی قرارداد کے بالکل خلاف خون بہانا شروع کر دیا بہت سی جانوں کو سپرد اجل کیا وہ روزانہ بہت گائیں ذبح کراتا۔ مورتیاں حضرت خواجہ بندہ نواز کے آستانہ کے نزدیک پھینک دی گئیں۔ تاکہ مریدوں کے پاؤں تلے آ کر پامال ہوں۔ وہ جس جگہ جاتا بیس ہزار ہندوؤں کو قتل کراتا اور پھر وہیں جشن عشرت مناتا اور خوشی کے شادیانے بجواتا۔

اسی دوران میں جب بازار قتل و غارت گری گرم تھا ایک دن احمد شاہ شکار کے لئے نکلا اور تنہا رہ گیا فدائیوں کا وہ گروہ جو احمد شاہ کو قتل کرنے کے لئے سرگرداں پھر رہا تھا اس نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا اور بادشاہ کا پیچھا کیا۔ ادھر بادشاہ کے تیرانداز جانوروں کا پیچھا کرنے چلے گئے تھے۔ بادشاہ ایک چار دیواری (۱) دیکھ کر اس کی طرف بھاگا فریق مخالف اور اس کے درمیان صرف ایک نالہ حائل تھا

ان لوگوں نے تیر چلانا شروع کیے۔ بادشاہ نے بھی خوب تیر برسائے اور ہندوؤں کو ہلاک کیا۔ نزدیک تھا کہ بادشاہ خود بھی تیروں کا شکار ہو جائے کہ وہ تیز انداز جو جانوروں کے پیچھے گئے ہوئے تھے' آ گئے' اور انہوں نے مقابلہ شروع کر دیا۔ احمد شاہ نے بہزار دقت خود کو نالہ سے باہر نکالا اور چار دیواری تک پہنچ گیا اور ہر ایک سپاہی جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ سید حسن بدخشی' میر فرخ بدخشی' میر علی سیتانی' میر علی کرد' عبد اللہ کابلی' خسرو' خواجہ حسن' اور ستائی خواجہ بیگ قلندر' خواجہ قاسم صف شکن وغیرہ نے اس دن ایسی داد شجاعت دی کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ ہندوؤں نے چند تیراندازوں کو مار ڈالا اور چاہا کہ مسلمان دیوار سے اتر آئیں۔ پانچ چھ ہزار ہندو خنجر اور تلواریں لے کر دیوار کو کھودنے کے لئے بڑھے اور احمد شاہ چند خاص ساتھیوں کے ساتھ دیوار کے اندر کھڑا ہوا تھا مگر اس پر سایہ ذو الجلال تھا اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔

بادشاہ چونکہ تنہا نکلا تھا اس لئے عبد القادر سر سلحدار نے جو دو صدی کا منصب دار بھی تھا یہ سوچا کہ بادشاہ بہت کم جمعیت کو ساتھ لے کر گیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کو لشکر کی ضرورت پیش آئے۔ اس لئے وہ دو تین خاصہ کے سوار لے کر اس کی تلاش میں نکلا موقعہ واردات پر پہنچ کر حقیقت حال کی خبر ہوئی۔ عبد القادر نے فوج کو ٹھیک کیا اور فدائیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا بہت شدید معرکہ ہوا اور بہمنی اقبال نے اپنا زور دکھایا اور ہندوؤں کو شکست بھی ہوئی اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل ہوئی۔ احمد شاہ کا اس صورت سے بے خوف و خطر اس خطرہ سے دوچار ہونا اور بچ کر نکل آنا ایک معجزہ سے کم نہ تھا اور ایسا واقعہ کسی بھی حکمران کے دور میں نظر نہیں آتا۔ عبد القادر کو خان جہاں کا لقب دیا گیا دو ہزاری منصب عطا کیا گیا اور برار کا سر لشکر مقرر کر کے اس کو دار السلطنت سے باہر بھیج دیا گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی نے بھی بہت ہی جاں نثاری اور سچائی کا ثبوت دیا تھا لہٰذا اس کو بھی دو ہزاری منصب ملا۔ تلنگانہ کے لشکر کی سرداری ملی اور ساتھ ہی ساتھ خان اعظم کا خطاب بھی ملا۔

انعامات و اعزازات

خاں جہاں نے لمبی عمر پائی اور مسلسل چالیس سال تک برار کا حاکم رہا اور آخر کار فتح اللہ عمادی نے جو برار کا مستقل حکمران تھا اس کو قتل کرایا یہ خاں جہاں کی اولاد کا غلام تھا۔ اس کے متعلق تفصیلی حالات بعد میں لکھے جائیں گے غرضیکہ ہر تیر انداز کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ جن لوگوں کے ساتھ بہت خصوصیت کا برتاؤ کیا ان کے نام یہ ہیں سید حسن بدخشی' میر فرخ بدخشی' میر علی سیتانی' حسن خان' فرخ خان سب کو خطابات عطا کیے گئے اور سہ صدی کے منصب دار بھی بنائے گئے۔ قاسم بیگ پانچ صدی منصبدار ہو کر گلبرگہ کا جاگیردار بنایا گیا۔ خواجہ بیگ قلندر کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور اس کو دو صدی منصبدار کا عہدہ دے کر گلبرگہ کا حاکم بنایا گیا۔ میر علی کرد نے بیجانگر کے ایک پہلوان کو تفنگ سے ختم کر دیا تھا اس کو کافر کش کا خطاب دیا گیا اور ایک ہزاری امراء کے گروہ میں شامل کیا گیا۔ عبد اللہ کابلی ایک صدی منصب دار ہو کر جنیر کا حکمران بنایا گیا۔ خواجہ حسن اور سیتانی اور خسرو بیگ اوزبک دونوں امیر صدہ مقرر کیے گئے اور انہیں ہدایت کر دی گئی کہ شہزادوں کو تیر اندازی کی تعلیم دی جائے۔ خلف حسن بصری کو یہ حکم دیا گیا کہ عراقی' خراسانی' ماور النہری' رومی' عربی تین ہزار تیر انداز ہر وقت موجود رہیں۔ بادشاہ نے تمام امراء کو ہدایت کر دی کہ وہ بھی اپنے بچوں کو تیر اندازی کی تعلیم دیں تاکہ یہ فن عام ہو جائے۔

اس کے بعد بادشاہ بیجانگر آیا اور قلعہ کو گھیر لیا اور قیدیوں پر بہت سختیاں کیں۔ دیورائے نے پھر صلح کی درخواست کی بادشاہ نے اس شرط پر صلح منظور کر لی کہ دیورائے اپنے خاصہ کے ہاتھیوں کو بیش بہا تحفہ تحائف کے ساتھ اپنے بیٹے کے ہمراہ بھیجے۔ راجہ نے اپنے خاص ہاتھیوں کو اپنے بیٹے کے ساتھ بھیج دیا۔ بادشاہ اس کے بیٹے سے بغل گیر ہوا بہت عزت و تکریم سے بٹھایا اور خلعت و انعام اور مرصع کمر د خنجر عطا کیا۔ بیس عربی اور ترکی گھوڑے' بیس بدخشی گھوڑے' پانچ ہاتھی' پانچ چیتے' نو شکاری کتے' تین شکاری باز رائے زادہ کو عنایت کیے

گئے اور احمد شاہ خود حسن آباد گلبرگہ روانہ ہوا۔

قحط سالی

اسی سال ملک میں قحط پڑا اور بہت سے انسان' جانور اور پرندے مر گئے۔ احمد شاہ نے خزانہ شاہی عوام کے لئے کھول دیا اور ایک منڈی آباد کرا دی تاکہ رعایا بھوک سے پریشان نہ ہو۔ ایک سال پورا اسی بلائے ناگہانی میں گزرا دوسرے سال بھی بارش کا ایک قطرہ نہ گرا۔ بادشاہ بہت ہراساں اور پریشان ہوا اب اس نے علماء اور مشائخ سے قحط دور ہونے کے لئے دعائیں منگوائیں' رعیت اس کے قدموں کو منحوس سمجھ کر اس سے بہت سرگرداں اور پریشان ہو گئی بادشاہ کو عوام برا بھلا کہنے لگے اس صورت کا اندازہ کر کے بادشاہ بھی بہت غمگین تھا۔ ایک دن اس نے رنجیدہ ہو کر ایک پہاڑی پر سجدہ میں گر کر دعا کی اسی وقت اس کی دعا قبول ہو گئی اور خوب زور کی بارش ہونے لگی ملک میں خوشحالی پھیل گئی بادشاہ وہیں پہاڑی پر بیٹھا رہا ہرچند لوگوں نے چلنے کو کہا مگر وہ نہ اٹھا اور کہا کہ فیض الٰہی سے بھاگ کر کہاں جاؤں لیکن جب بارش بہت ہوئی اور امراء نے بھی چلنے کی درخواست کی اور کہا کہ "اے احمد شاہ ولی تیری ولایت ہم پر منکشف ہوئی۔" اب مخلوق کا خیال کر کے واپس چلیں لہٰذا بادشاہ واپس آیا۔ اب تک بادشاہ احمد شاہ ولی بھمنی کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرا معرکہ

۸۱۸ھ میں بادشاہ کو یہ پتہ چلا کہ ورنگل کا راجہ بیجانگر کے راجہ سے کچھ ناراض ہے احمد شاہ نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ورنگل اور تلنگانہ کے دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے کی نیت کی۔ احمد شاہ تلکنڈہ پہنچا اور خان اعظم کو آس پاس کے دیگر امراء کے ساتھ پہلے ہی روانہ کر دیا۔ اعظم خاں روانہ ہونے کے ایک مہینہ اور بیس دن بعد تلکنڈہ سے چلا اور ورنگل کے آس پاس پہنچا۔ راجہ نے بھی اپنا لشکر مرتب کیا اور سوچا کہ ابھی بادشاہ نہیں آیا لہٰذا اپنا کام بنا لے اس نے اعظم خاں سے جنگ کرنا چاہی' لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ راجہ اور اس کے سات ہزار تلنگی سپاہی اسی معرکہ میں ختم ہو گئے جنگ ختم ہوئی تو احمد شاہ بھی ورنگل جا پہنچا۔ ان خزانوں اور دفینوں پر قبضہ کیا جنہیں راجہ نے بہت حفاظت سے رکھا تھا۔ سب خزانوں پر بادشاہ کا قبضہ با آسانی ہو گیا۔ اعظم خاں عبد اللطیف کو بادشاہ نے ایک جڑاؤ ہار' بیس چھوٹے ہاتھی' چار مروارید کی تسبیحیں اور چالیس ہزار نقد دینار دیئے۔ اس کے بعد اس فاتح اعظم کو دوسرے ملکوں کی مہم پر روانہ کر کے بادشاہ خود ورنگل آ گیا۔ اعظم خاں نے تین چار ماہ کی مدت میں تمام مشہور ملکوں پر قبضہ کر لیا اور جگہ جگہ تھانے' چوکیاں بنوائیں بعد ازاں اسے تلنگانہ کے ان وارثوں کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا جو پوشیدہ تھے' بادشاہ خود گلبرگہ چلا آیا۔

قلعہ ماہور پر حملہ

یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کسی ہندو زمیندار کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ ۸۱۹ھ میں احمد شاہ نے اس پر قبضہ کیا اگرچہ یہ حملہ بہت خاموشی کے ساتھ کیا گیا مگر پھر بھی کئی ہزار ہندو مع متذکرہ زمیندار کے قتل کیے گئے۔ بادشاہ نے ہندوؤں کے بیوی بچوں کو قید کر کے سب کو مسلمان کیا۔ احمد شاہ نے حصار (۲) کلم پر اپنا قبضہ کر لیا اور الماس کی کان جو حاکم گونڈ وارہ کے تحت تھی اس پر بھی قبضہ کیا۔ بہت سے مندروں کو گروا دیا اور ان کی جگہ مسجدیں بنوائیں وہاں موذن اور قاری مقرر کر کے روشنی کا خاص انتظام کیا۔ ایلچپور میں ٹھہر کر قلعہ کاویل بنوایا اور ترنالہ (۳) کے گرد و نواح کو بھی بنوایا کیونکہ قلعہ کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ امیر تیمور صاحبقران نے خاندیس' مالوہ اور گجرات کو تاجدار دکن کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ ان پر پورا قبضہ کرنے اور آہستہ آہستہ ان شہروں پر قابض ہو کر بیجانگر کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ہوشنگ شاہ جو شاہ آباد کا حاکم تھا اس کو احمد شاہ کی نیت کسی طرح معلوم ہو گئی۔ اور اس نے قلعہ کترلہ کے حاکم نرسنگ دیو کو اپنا دوست بنانا چاہا' مگر نرسنگھ دیو نے اس کی بات نہ مانی۔ ہوشنگ نے خاندیس کے حکمران کی رائے پر عمل کرتے ہوئے نرسنگھ پر دو دفعہ حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ اور اس ناکامی سے گھبرا کر پھر ایک جرار لشکر کے ہمراہ حملہ کیا۔ اور خاندیس کے امراء نے نرسنگھ کی

مملکت کو بہت بری طرح تباہ و برباد کر دیا اور شہروں اور گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ نرسنگھ نے فوج مہیا کرنے کی کوشش شروع کی اس پر ہوشنگ نے اسے تباہ و برباد کرنے کی مزید کوششیں شروع کیں۔

۸۳۲ھ میں راجہ نے ایک عریضہ احمد شاہ کی بارگاہ میں بھیجا اور اس سے کمک مانگی۔ اس نے لکھا کہ ہوشنگ ایک لشکر عظیم کے ساتھ مجھے تاخت و تاراج کرنے کی نیت سے آ رہا ہے میں سلطنت بہمنی کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھوں پر رکھ چکا ہوں۔ اسے اتار کر پھینکنا مشکل ہے لہٰذا جب میں آپ کا اطاعت گزار ہوں تو مجھے تباہی اور بربادی سے بچایا جائے۔" بادشاہ نے عریضہ ملتے ہی برار کے حاکم کو فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ راجہ کی مدد کرنے کا حکم دے دیا اور خاں جہاں کے بعد خود بھی کمک کے لئے روانہ ہوا وہ شکار کھیلتا ہوا ایلچپور پہنچا۔ ہوشنگ ابھی تک اپنے ہی ملک میں تھا۔ احمد شاہ نے اس امرا کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور لشکر ہمراہ لے کر کھترلہ کے گرد و نواح میں ٹھہرا۔ ہوشنگ شاہ نے تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا' اور قلعہ کو گھیر لیا۔ احمد شاہ بھی یہ سن کر کھترلہ پہنچا۔

اس دوران میں ملا عبد الغنی صدر اور نجم الدین مفتی اور دوسرے علماء نے بادشاہ سے کہا کہ آج تک کسی بہمنی حکمران نے کسی مسلمان پر تلوار نہیں اٹھائی۔ لہٰذا بادشاہ کو بھی اپنی تلوار مسلمان کے خون سے نہ آلودہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ہوشنگ کو صلح نامہ بھیجا کہ میں مسلمانوں کے حق میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا اور راجہ چونکہ بہمنی خاندان کا اطاعت گزار ہے اس لئے اس سے بھی جنگ کرنا مناسب نہیں۔ ہوشنگ شاہ نے اس کو احمد شاہ کی بزدلی پر محمول کر کے بہمنی فوج کا تعاقب شروع کر دیا۔ اب بادشاہ سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے کہا کہ میں علماء دین کی شریعت پر زیادہ نہیں چل سکتا کیونکہ بے غیرت بن کر جینا مشکل ہے اس نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اب جنگ کرنا ہی ہوگی۔ مسلمانوں کا خون ظاہر ہے کہ ہوشنگ شاہ کی گردن پر ہوگا۔ دوسرے دن بادشاہ نے فوج کو درست کیا اور چار سو جنگی ہاتھی ساتھ لے لیے۔ میمنہ پر خاں جہاں عبد القادر اور میسرہ پر اسمٰعیل فتح خاں کے نواسے عبد اللہ خاں کو مقرر کیا۔ شہزادہ علاؤ الدین کے سر پر چتر سیاہ رکھ کر اس کو لشکر کے بیچ میں رکھا۔ خود دو ہزار سوار لے کر دس جنگلی ہاتھیوں کے ساتھ کمین گاہ میں ٹھہرا۔

ہوشنگ شاہ کو ان حالات کی بالکل خبر نہ تھی وہ ستر ہزار سواروں کو لے کر اسی طرح تعاقب کرنے کے لئے نکلا۔ دکنی فوج سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہوا گو کہ مالوہ کی سپاہ جنگ کے لئے بالکل آمادہ نہ تھی پھر بھی مجبوراً ہوشنگ شاہ صف آرا ہوا۔ فریقین میں جنگ شروع ہو گئی بادشاہ کمین گاہ سے نکلا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ ہوشنگ کے سپاہی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جنگ سے فرار ہونے لگے' بادشاہ کے لشکری خوب خوب ہوشنگ کی سپاہ اور اسباب و سامان کی غارت گری میں مصروف ہو گئے۔ ہوشنگ شاہ کی بی بی اس کی دو بیٹیاں اور دو سو جنگی ہاتھی پکڑ لئے گئے۔

نرسنگھ کو معلوم ہوا کہ دشمن ہار گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور قلعہ سے نکلا۔ بادشاہ نے ہوشنگ شاہ کی بیوی اور بیٹیوں کو با عزت طریقے سے مالوہ بھیج دیا اور راجہ نرسنگھ نے بادشاہ کی بہت شاندار دعوت کی بہت سے تحفہ تحائف دیئے اور احمد شاہ کو کھترلہ لے گیا۔ ایک من الماس اور یاقوت اور سچے موتی پیش کیے امرائے دربار کی بہت خاطر داری کی۔ وہ قصبہ ماہور تک بادشاہ کے ساتھ آیا اور شاہی خلعت و انعامات سے سرفراز ہو کر مع اپنے بیٹوں کے کھترلہ چلا گیا۔ تاریخ مالوہ میں لکھا ہوا ہے کہ احمد شاہ نے کھترلہ پر حملہ کیا تھا اور ہوشنگ نرسنگھ کی درخواست پر اس کی کمک کے لئے آیا تھا حالانکہ انجام وہی ہوا جو اوپر لکھا گیا (واللہ اعلم بالصواب)

لومڑی کی بہادری کا واقعہ

احمد شاہ اس جنگ سے فارغ ہو کر پھر قلعہ بیدر کے قریب پہنچا اور سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ سیر کرتے ہوئے اس نے ایک وسیع میدان دیکھا جو اپنی خوبصورتی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے جنت کا نمونہ معلوم ہو رہا تھا اس جنگل میں بادشاہ کو ایک لومڑی نظر آئی جو شیطان کی خالہ ہوتی ہے چونکہ نہایت تیز طرار تھی وہ اچھلتی پھر رہی تھی اور اپنے کو شکاری کتوں کی زد سے بچا رہی تھی۔ اس جانور کی

ادائیں بادشاہ کو بہت بھلی معلوم ہوئیں- اس نے چند شکاری کتوں کو لومڑی کے پیچھے چھوڑا لومڑی نے جب موت کے فرشتوں کو سرہانے کھڑا دیکھا تو راہ فرار اختیار نہ کی بلکہ اس نے کتوں سے جنگ شروع کی اور فوراً اس کے دل میں خیال ہوا کہ جس مقام کے جانور اتنے بہادر اور شیر دل ہیں وہ جگہ کتنی اچھی ہو گی- بادشاہ نے اس سرزمین کو اپنا پایہ تخت بنانے کا ارادہ کیا- احمد شاہ نے اپنے دل کی بات درباریوں سے کہی- سب نے اس خیال کو نہایت مبارک اور نیک فال سمجھا اور کہا کہ ایک الہام غیبی ہے جو نازل ہوا ہے یہ مقام ویسے بھی دکن کا دل ہے- لہٰذا کیوں نہ اسے ہی دار السلطنت بنایا جائے آب و ہوا کے لحاظ سے بھی بہت اچھی جگہ ہے-

احمد آباد بیدر کی کیفیت

فرشتہ اپنی آنکھوں دیکھا حال لکھتا ہے کہ اس نے سرزمین ہند کے بہترین شہروں کی سیاحت کی ہے مگر لطافت خوبی اور صفائی میں یہ شہر اپنی مثال آپ ہے- یہاں کی مٹی بھی شنجرفی ہے برسات میں یہاں غلاظت اور کیچڑ نہیں ہوتا کیونکہ یہاں کی زمین سرخ ہے- یہاں پر خواجہ محمود کاواں نے اپنے عہد میں زعفران' امرود اور ہر طرح کے انگور کے درخت لگائے تھے- اس وقت اس کا کوئی خاص مالک بھی نہیں تھا- لہٰذا پایہ تخت بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی- بادشاہ نے منجم اور جوتشیوں کو بلایا اور نیک ساعت پوچھی ہر ایک نے مناسب جواب دیا- نقشہ نویسوں نے بہت اچھا نقشہ کھینچ کر بادشاہ کو دکھایا اور شہر کی بنیاد نیک ساعت میں رکھی گئی- ہنر مند اور باسلیقہ معمار اس کو بنانے لگے- پھر یہ شہر احمد آباد بیدر کے نام سے مشہور ہوا-

آج سے پانچ ہزار سال پہلے کی لکھی ہوئی- ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دکن کے حکمرانوں کا دار السلطنت بیدر تھا اور بیدر کے حکمران کے تحت تلنگانہ اور مرہٹواڑی کا سارا علاقہ تھا- رام بھیم سین جو دکن کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ منصف مزاج' بہادر اور مشہور تھا وہ بیدر کا حاکم تھا اور راجہ نل بھیم سین کی بیٹی دمن پر غائبانہ عاشق ہو گیا تھا- ان کی داستان ہندوستان کی رومانی تاریخ کا ایک بہترین نمونہ ہے- علامہ فیضی نے اکبر شاہ کے زمانہ میں اس قصہ کو فارسی زبان میں نظم کیا تھا اور مثنوی نل و دمن کے نام سے اسے موسوم کیا-

بہمن نامہ کی تصنیف

شیخ آذری اسفرائنی جو بادشاہ کے ساتھ تھا شاہ اور شہر کی تعریف لکھ کر بڑا نام حاصل کر چکا تھا نیز بادشاہ کی نگاہوں میں بھی مقبول ہو چکا تھا- اس نے بادشاہ کی اجازت سے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا اور سلطان احمد شاہ کے عہد تک کے حالات قلمبند کر چکا تب واپس جانے کی اجازت مانگی- احمد شاہ نے کہا کہ حضرت گیسو دراز کے وصال کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو تم نے کسی حد تک پر کر دیا ہے- اب اس طرح جدا ہو کر جانے سے مجھے بہت تکلیف ہو گی-" شیخ آذری نے بادشاہ کو اتنا مہربان اور مخلص پایا تو اپنی اولاد کو بھی یہیں بلا لیا- اتفاقاً اسی دوران میں دار الامارت کا محل بن رہا تھا شیخ آذری نے اس کی تعریف میں دو اشعار لکھے- ملا شرف الدین مازندانی نے اس قطعہ کو خوش خط لکھا اور اس کے بعد سنگ تراشوں نے اس کو پتھر پر کندہ کیا اور محل کے دروازہ پر لگا دیا-

ایک روز بادشاہ کی نظر اس پتھر پر پڑی اس نے پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے سب نے بتایا کہ شیخ آذری نے لکھا ہے اب موقع تھا کہ آذری بادشاہ سے کچھ کہہ سکے اس نے کہا کہ اپنے وطن جانے کا مجھ کو بے حد اشتیاق ہے- اگر بادشاہ سفر کی اجازت مرحمت کرے تو بادشاہ کو حج اکبر کا ثواب ملے گا-" بادشاہ اس بات سے بہت خوش ہوا اور فوراً اجازت دے دی- ایک تولہ چاندی کی قیمت کے چالیس ہزار تنکہ دیئے- ان عطیات کو دیکھ کر آذری نے کہا کہ آپ ہی کے باربردار ان ہدیوں کو اٹھا کر لے جا سکتے ہیں- اس پر بادشاہ نے بیس ہزار تنکہ راستہ کا خرچ اور کرایہ کے پیسے بھی عطا کیے' خلعت خاص اور پانچ ہندی غلام بھی عطا کیے- جاتے وقت آذری نے بادشاہ سے وعدہ کیا کہ وہ تادم حیات بہمن نامہ لکھتا رہے گا- چنانچہ جو آج کل بہمن نامہ موجود ہے اس میں ہمایوں شاہ بہمنی تک کے حالات لکھے ہوئے ہیں' مگر

بعد کے واقعات ملا نظیری اور وسامی نیز دیگر شعراء کے لکھے ہوئے ہیں اور دولت بہمنیہ کے تنزل تک کا افسانہ موجود ہے۔ بعض خود غرض شعرا نے اشعار میں تبدیلی کر کے تمام کتاب کو اپنی ہی تصنیف قرار دیا ان اشعار کے داخلی تضاد سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تمام کتاب ایک ہی شاعر کے غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔

مصنف بہمن نامہ شیخ آذری

چونکہ شیخ کا ذکر بارہا آیا لہٰذا مناسب ہے کہ بہمن نامہ کے مصنف کے کچھ حالات لکھ دیئے جائیں وہ اپنے دور کا بہترین شاعر تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب شیخ آذری شیخ صدر الدین اور الغ بیگ میرزا کی ملاقات کے لئے مشہد مقدس گئے۔ مرزا نے شیخ صدر الدین سے پوچھا کہ تمہارا تخلص "رواس" سین سے ہے یا ثے (ث) سے ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ میں وہ رواص ہوں جس کا املا "ص" سے ہے۔ اس پر میرزا نے کہا کہ تم وہ نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ لفظ "ص" سے کلام عرب میں منقول نہیں اس کے بعد شیخ آذری سے بھی میرزا الغ بیگ نے سوال کیا کہ تم نے آذری تخلص کس مناسبت سے رکھا ہے۔ اس پر شیخ آذری نے کہا کہ چونکہ میری پیدائش آذر کے مہینہ میں ہوئی اس لئے میرا تخلص یہ ہے۔ میرزا نے کہا کہ تم شاعر پیشہ نہیں ہو جس آذر کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے پہلے حرف پر ضمہ ہے نہ کہ فتحہ شیخ نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ ماہ آذر کی "ذال" عرصہ دراز تک ذلت و خواری میں رہی اس لئے اس کی کمر دوہری ہو گئی' لیکن اب اس کو ادراک و شعور حاصل ہوا ہے اور وہ سیدھی ہو گئی ہے۔

میرزا الغ بیگ شیخ کے جواب سے بہت مطمئن اور خوش ہوا اور اس کو اپنے مقربین خاص میں شامل کر لیا اور انعامات و اکرامات سے نوازا۔ شیخ کو بڑھاپے میں تصوف سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا وہ اسفرائن سے حجاز چلے گئے تھے۔ حج اکبر اور زیارت آستانہ رسول صلعم کے بعد ہندوستان آئے اور یہاں احمد شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ بادشاہ ان سے بہت خوش رہا زندگی بھر ان کا شیدا رہا اور انہیں ملک الشعراء کا خطاب بھی دیا۔ عرصہ دراز کے بعد وطن کی محبت نے شیخ کو ستایا' شہزادہ علاؤالدین کی کوششوں سے پھر اسفرائن واپس چلے گئے۔ انہوں نے دکن کے عطیات سے بہت سی خانقاہیں بنوائیں اور ساری زندگی عبادت خداوندی میں گزار کر ۸۶۶ھ میں راہی ملک عدم ہوئے۔

شہزادہ علاؤالدین کا جشن عروسی

احمد شاہ نے بہت دور اندیشی سے کام لے کر مالوہ کے حکمرانوں کے مشورے کے بالکل خلاف ارادہ کیا کہ اسیر کے حکمران کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کرے یہ سوچ کر اس نے اپنے ایک رشتہ دار عزیز خاں کو نصیر خاں کے دربار میں بھیجا۔ نصیر خاں مالوہ سے ہمیشہ ہی ڈرتا رہتا تھا اور اپنی مملکت خاندیس کی طرف سے ہمیشہ غیر مطمئن رہا کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس پیغام کو نعمت خداوندی تصور کیا اور جشن شادی بڑی دھوم دھام سے منعقد کر کے بیٹی کو احمد آباد بیدر روانہ کر دیا۔ دلھن کو شہر سے باہر ایک باغ میں ٹھہرایا گیا اور مسلسل دو مہینہ تک جشن عیش و عشرت منایا جاتا رہا۔ نجومیوں' جوتشیوں کی بتائی ہوئی نیک ساعت میں دلھن کو دولھا کے سپرد کیا گیا۔ اس جشن عیش و طرب کے ختم ہونے کے بعد پھر بادشاہ نے ایک اور مجلس منعقد کی اور ساری مملکت کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔

تقسیم مملکت

رام گر (۴) اور ماہور' کلم' برار کے بہت سے حصے شاہزادہ محمود خان کو دے دیئے گئے اور داؤد خاں کو تلنگانہ کا ملک عطا ہوا۔ کہ وہ اس پر حکمرانی کرے اور پرانے امراء کے ایک گروہ کو شہزادہ کے ساتھ کر دیا گیا۔ شہزادہ علاؤالدین جو کہ سب سے بڑا بیٹا تھا احمد شاہ نے اس کو اپنا جانشین بنایا۔ اور سب سے چھوٹے بیٹے محمد خان کو بڑے بھائی کا مددگار بنایا اور دونوں کو آپس میں متفق رہنے کی نصیحت کی۔ بادشاہ نے اس کام کو نہایت اہم طریقہ سے اور عاقبت اندیشی سے انجام دیا۔

احمد شاہ نے خلف حسن بصری کو دو دو ہزاری منصب دار بنایا۔ اسے دولت آباد کا سپہ سالار بنایا اور حکم دیا کہ کوکن کے حصے کو باغیوں سے بالکل پاک کرائے۔ کوکن دریائے عمال کے پاس ہے بادشاہ کا حکم تھا کہ اس مملکت کے جو راجہ اپنی حدود سے آگے بڑھ کر سر اٹھائیں ان کا سر کچل دیا جائے۔ خلف حسن بصری نے شاہی فرامین کی بجنبہ تعمیل کی اور ان سرکشوں اور فتنوں کو ختم کر کے ملک میں پر امن فضا قائم کر دی۔ بادشاہ حسن بصری کی اس خدمت سے بہت خوش ہوا اور اس کو خلعت خاص، کمر بند اور شمشیر مرصع سے نوازا۔ اتنی عنایات اس سے پہلے یا بعد میں بھی کسی شاہی ملازم پر نہ کی گئی تھیں۔ حسن بصری نے اپنا اعتماد قائم کرانے اور اعتقاد شاہی کو ظاہر کرنے کے لئے جزیرہ مہائم (۵) جو گجرات کے فرمانرواؤں کے قبضے میں تھا، فتح کیا۔ احمد شاہ گجراتی نے یہ خبر سن کر اپنے بیٹے ظفر خاں کو جزیرہ واپس لینے کے لئے روانہ کیا۔ ادھر شہزادہ علاؤ الدین بھی حسن بصری کی اعانت کے لئے آیا۔ دونوں شہزادوں کو خلیج پار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جو جزیرہ مہائم کے درمیان واقع تھی۔

شہزادہ علاؤ الدین کوکن کی خراب آب و ہوا سے بیمار پڑ گیا اور واپس چلا گیا۔ اب شہزادہ ظفر کو موقع مل گیا وہ حسن بصری سے معرکہ آرا ہوا۔ دو ہزار نوجوان گتھم گتھا ہو کر جنگ کی نذر ہو گئے۔ حسین بن حسن جو کہ حسن بصری کا بھائی تھا گجراتیوں کے ہاتھوں قید ہو گیا اور دکنیوں کو بہت بری طرح شکست نصیب ہوئی۔ سارا مال اسباب گجراتیوں کو مل گیا۔ تاریخ محمد شاہی میں لکھا ہوا ہے کہ شہزادہ علاؤ الدین نے بھی خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، لیکن ان لوگوں کو شکست ہوئی۔ اب احمد شاہ بہمنی نے تمام حالات کا اندازہ کیا اور چل کھڑا ہوا، دونوں حکمران عرصہ تک باہم کاروگیر میں مبتلا رہے، مگر کسی کو ایک دوسرے پر سبقت نہ مل سکی، یہاں تک کہ علماء اور مشائخ نے دونوں فریقین کو سمجھایا اور اس طرح آتش غیظ و غضب ٹھنڈی ہو گئی اور کہا کہ اپنی اپنی مملکت پر اکتفا کریں۔ طمع اور لالچ کی ضرورت نہیں۔

قلعہ تنبولہ کا محاصرہ

تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ احمد شاہ بہمنی ہمیشہ گجراتیوں کی بیخ کنی میں لگا رہتا تھا۔ جزیرہ مہائم کی شکست کی فکر اس کو ہر وقت رہتی تھی۔ ۸۳۵ھ میں فاتح گجرات کا بیٹا محمود خان ندربار میں آکر ٹھہرا۔ احمد شاہ نے اس وقت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور خود بھی اس علاقے میں بہت جلد روانہ ہو گیا۔ احمد شاہ گجراتی بھی اسی طرف روانہ ہوا اس وجہ سے دکنیوں نے واپس جانا ہی بہتر سمجھا اور چار منزل تک جا کر واپس لوٹ آئے۔ گجراتی بھی واپس آکر دریائے تاپتی کے کنارے ٹھہر گئے جاسوسوں نے آکر خبر دیدی کہ دکنیوں نے آکر قلعہ تنبولہ کو گھیر لیا ہے۔ گجرات کے لوگ بھی اسی طرف بڑھے اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہو گئے۔ صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی جب رات سر پر آگئی تو دونوں حاکم اپنے اپنے ملک واپس چلے گئے۔

دوسرے تاریخ دانوں نے تنبولہ کے محاصرہ کو دوسری طرح بیان کیا ہے۔ فرشتہ نے تفصیلات میں جانے سے بہتر یہ تصور کیا کہ مختصراً بیان کر دیا جائے۔ اسی دوران میں احمد آباد بیدر کا قلعہ جو چونے اور پتھر سے بن رہا تھا وہ مکمل ہو گیا۔ اسی سال احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کو جس نے بعض مورخین کے خیال میں سلطان فیروز شاہ کا گلا گھونٹا تھا کسی جرم کی بنا پر تہہ تیغ کرا دیا۔

ہوشنگ شاہ کا فتنہ

۸۳۷ھ میں ہوشنگ شاہ مالوی نے دکن کے لوگوں اور گجراتیوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا اور نرسنگھ کے ملک پر حملہ کیا، نرسنگھ معرکہ میں کام آیا۔ کھرلہ کی مملکت ہوشنگ کو مل گئی سلطان احمد شاہ اس کی طرف بڑھا مگر نصیر خاں نے دونوں کے بیچ میں آکر صلح کرا دی اور بڑی گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کھرلہ پر ہوشنگ شاہ اور برار پر احمد شاہ بہمنی کا قبضہ و تصرف رہے۔ اس عہد و پیماں پر بہت سی قسمیں کھائی گئیں اور اپنے اپنے ملکوں کو یہ لوگ واپس چلے گئے۔

سلطان احمد شاہ کا عزم تلنگانہ

اسی دوران میں سلطان احمد شاہ نے تلنگانہ کے سفر پر کمرباندھی اور بہت سے زمیندار جو شہزادہ داؤد سے پرخاش رکھتے تھے ان کو تہ تیغ کیا اور اپنے ملک واپس آگیا۔ احمد آباد بیدر سے ایک منزل پر حضرت ناصرالدین کربلائی کو (جن کی صورت میں احمد شاہ نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا تھا) پانچ ہزار تنگہ (چاندی کے) مصارف خاص کے لئے عطا فرمائے اور بیس ہزار تنکے دوسرے کربلائی سادات کے لئے عطا کیے۔ ناصرالدین اسی روز ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں شیر خاں ملک بیٹھا ہوا تھا۔ سید نے چاہا کہ اسی طرح سوار اس کے آگے سے گزر جائیں۔ سید کی یہ ادا شیر ملک کو ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے کہا کہ سید کو گھوڑے سے اتار لیا جائے۔ سید ناصرالدین کو طیش آگیا اور انہوں نے بادشاہ سے شیر ملک کی بے ادبی کی شکایت کر دی۔ بادشاہ نے ناصرالدین سے کہا کہ اس معاملہ کے فیصلہ کو خدا اور رسول پر چھوڑ دیا۔ ایک دن احمد شاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ شیر ملک دربار میں حاضر ہوا۔ احمد شاہ کو اس کی وہ بے ادبی یاد آگئی جو سید کربلائی کے ساتھ کی تھی اور اس نے شیر ملک کو ایک ہاتھی کے نیچے ڈال کر مروا دیا۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی وفات

بارہ سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۸۳۸ھ میں دکن کا یہ تاجدار اور بہمنی خاندان کا نامی فرمانروا انتقال کر گیا۔ وہ ہمیشہ اراکین دولت اور مقربین خاص سے بہت اچھی طرح پیش آتا تھا۔ اور درویشوں سے بہت خلوص برتتا تھا اور ہر وقت ان کی خدمت کرتا رہتا تھا۔

شاہ نعمت اللہ ولی

اس کے زمانہ میں شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کی کرامات کی بہت دھوم تھی۔ بادشاہ نے شیخ حبیب اللہ جنیدی کے ذریعہ جو شاہ نعمت اللہ کے مریدین خاص میں شمار کیے جاتے تھے۔ میر شمس الدین قمی کے ہمراہ بہت سے ہدیے اور تحفے دے کر کرمان روانہ کیا تاکہ یہ بحیثیت وکیل سلطان شاہ نعمت اللہ سے ملاقات کریں۔ انہوں نے تحفہ تحائف کی بہت قدر کی اور ایک سبز تاج بارہ گوشوں کا بنوا کر صندوق میں بند کر کے ملا قطب الدین کے سپرد کر دیا اور کہا کہ یہ بادشاہ کی امانت ہے۔ احمد شاہ نے قطب الدین کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی فقیر ہیں جن کو میں نے سلطان فیروز شاہ سے معرکہ آرائی کے زمانہ میں خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سبز تاج عنایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ آج تک میں نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ اس پر حضرت قطب الدین آگے بڑھے اور کہا کہ فلاں تاریخ سے لے کر اس وقت تک تمہاری یہ امانت میرے پاس موجود تھی، مگر افسوس کہ اسے آپ تک پہنچانے کا موقع نہیں ملا۔ اب شیخ حبیب اللہ کے آنے سے سلسلہ شروع ہوا۔ اس لئے واجب ہے کہ آپ کو یہ امانت پہنچا دوں۔

سلطان احمد شاہ کا بیان ہے کہ اس پر تاج اور بزرگ کو دیکھ کر رقت طاری ہو گئی اور دل میں شک و شبہ کرنے لگا۔ مگر پھر بزرگ نے یقین دلایا کہ فلاں درخت کے نیچے میں نے خواب میں یہ تاج دیا تھا۔ پھر صندوق کھولا۔ تاج دکھایا اور خط بھی دیا اس عریضہ میں شاہ نعمت اللہ ولی نے شہاب الدین احمد شاہ کو ولی کے نام سے یاد فرمایا تھا۔ اب احمد شاہ فرامین اور حکم ناموں میں ولی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اسی سال سلطان احمد شاہ نے خواجہ عماد الدین سجانی اور سیف اللہ حسن آبادی کو بھی شاہ نعمت اللہ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا اور ان سے یہ التماس کی کہ وہ اپنے کسی بیٹے کو دکن روانہ فرمائیں۔ لیکن حضرت کو اپنے بیٹے شاہ خلیل اللہ کی جدائی گوارا نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ لہٰذا اپنے پوتے میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ کو دکن بھیج دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اور اس نے میر ابوالقاسم حرجانی کے ذریعہ خاصہ کی پالکی روانہ کر دی۔

میر نور اللہ جب بیدر کے گرد و نواح میں پہنچے تو بادشاہ مع اپنے تمام فرزندوں کے آیا۔ اور بہت عزت و تعظیم سے ان کا استقبال کیا۔ جس جگہ بادشاہ اور سید صاحب میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں ایک مسجد بنائی گئی اور اس جگہ کا نام نعمت آباد رکھا گیا۔ میر نور اللہ کو اس زمانہ

کے تمام علماء و فضلاء پر فوقیت دی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت گیسو دراز کی اولاد سے بھی بڑھ کر ان کا رتبہ سمجھا گیا۔ ان کو ملک المشائخ کا لقب بھی ملا۔ احمد شاہ نے میر نور اللہ کو اپنا داماد بنایا۔

۸۳۴ھ میں حضرت نعمت اللہ ولی کا ماہان میں وصال ہوا۔ دوسرے مخدوم زادوں حبیب اللہ شاہ' محب اللہ شاہ وغیرہ کے ہمراہ شاہ خلیل اللہ بھی دکن تشریف لائے شاہ حبیب اللہ کی شادیٔ احمد شاہ کی بیٹی سے ہوئی اور شاہ محب اللہ کا عقد علاؤ الدین کی بیٹی سے ہوا۔ شاہ خلیل اللہ کو بے حد دولت و عزت دے کر ہندوستان سے رخصت کیا گیا۔ بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب ہندوستان ہی میں فوت ہوئے۔ بہرکیف اس خاندان سے قرابت کی وجہ سے شاہ خلیل اللہ کی اولاد دنیا میں سرسبز ہوئی۔ شاہ حبیب اللہ امراء کے گروہ میں شامل ہو کر قصبہ بیٹر کے جاگیردار مقرر ہو گئے۔ شاہ محب اللہ نے کئی مرتبہ ہندوؤں سے جہاد کیا۔ اس لیے احمد شاہ نے انہیں خطابات سے سرفراز فرمایا۔

ایک وفادار کتا

احمد شاہ کے زمانہ حکومت میں ایک شخص کے پاس ایک نہایت ہی وفادار کتا تھا۔ ایک بار اس آدمی کو روپیہ کی سخت ضرورت پڑی۔ اس نے ایک آدمی کے پاس کتا گروی رکھ کر قرض لیا۔ وہ شخص کتے کو لے کر قصبہ گنجوئی کی طرف چلا راستہ میں اس کا ایک دشمن ملا جو اس کو تلوار سے زخمی کر کے آگے بڑھ گیا۔ کتے سے اپنے مالک کے یہ زخم دیکھے نہ گئے اس نے دوڑ کر حریف پر حملہ کیا اور اس کے تلوار کے وار بچا بچا کر اس کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد کتا اپنے مالک کے پاس آیا اس کا مالک زندہ تھا کسی صورت سے کتا اور اس کا مالک پاس کے گاؤں میں گئے لوگوں نے اس کی مرہم پٹی کی مگر کچھ روز بعد اس آدمی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے زخم مندمل نہ ہوں گے اور وہ زندہ نہ بچ سکے گا للہٰذا اس نے ایک پرچہ کتے کے مالک کے نام لکھا کہ میں اپنی خوشی سے کتا تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں تم اس کو رکھ لو مجھے روپیوں کی بھی ضرورت نہیں اس کتے کو ہزار دوستوں سے بڑھ کر سمجھو۔

کتا جب اپنے مالک کے پاس پہنچا تو مالک کو غصہ آ گیا اور وہ بولا کہ تو نے لوگوں میں میرا اعتماد کھو دیا بھاگ کر کیوں چلا آیا یہ کہہ کر جوتے سے بہت زور سے مارا کتا وہیں گر کر مر گیا اس کے بعد مالک نے جب گردن سے نکال کر پرچہ پڑھا تو بہت صدمہ ہوا اس کی موت پر اظہار موت کیا اس نے قرض کے روپیہ نیز کچھ اپنے پاس سے بھی پیسے خرچ کر کے شہر کے باہر اس کتے کا مدفن بنایا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنوا دیا جو آج تک اسی صورت میں موجود ہے۔

حوالہ جات

(۱) یہ چھوٹی عمارت کاشتکاروں کا "باڑہ" تھی جسے کسانوں نے شہر سے بہت دور جنگل میں آرام کرنے کے لئے بنایا تھا۔
(۲) جنوب مشرقی برار میں ایک مشہور تاریخی قلعہ ہے لیکن اب ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔
(۳) ترنالہ غلط ہے نرنالہ ہونا چاہئے برار کے شمال میں ایک مشہور اور مستحکم قلعہ تھا اکولا کے ضلع میں ہے اور ویران ہے مسلمان بادشاہوں کی قدیم یادگاریں موجود ہیں۔
(۴) رام گیر زیادہ صحیح ہے جنوب مشرقی برار کا ایک ضلع تھا۔
(۵) بمبئی کے تقریباً ۵۰ میل شمال ساحل پر واقع ہے۔ مہائم مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں مشہور شہر تھا۔

سلطان علاؤ الدین بن احمد شاہ بہمنی

تخت نشینی

باپ کی وصیت کے مطابق علاؤ الدین نے تخت حکومت پر جلوس فرمایا اور اپنے بھائی محمد خاں کا بہت خیال کیا اس کو جاگیریں، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ عنایت کیے، دلاور خاں افغان جو اس خاندان کا بہت مشہور وکیل تھا شاہی وکیل بنایا گیا۔ اور خواجہ جہاں استر آبادی وزیر کل مقرر ہوئے بادشاہ نے خواجہ جہاں کو انتظام سلطنت میں بہت اختیارات دے رکھے تھے۔ عماد الملک غوری جو بہمنی خاندان کا وفادار غلام تھا اس کو امیر الامراء بنایا اس کو شہزادہ محمد اور خواجہ جہاں کے ساتھ بیجانگر کے ہندوؤں کی بغاوت اور سرکشی کو دور کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

انتظام سلطنت

علاؤ الدین نے ان ہندوؤں کی سرکوبی کے لیے جنہوں نے تقریباً پانچ سال سے خراج نہیں ادا کیا تھا شہزادہ محمد خاں کو بھیجا۔ یہ لوگ کٹھرلہ کی لڑائی میں مصروف تھے بیجانگر کا راجہ اس فوج کے آنے سے بہت گھبرا گیا اور اس نے بیس ہاتھی، آٹھ لاکھ ہون دو سو رقاصہ لونڈیاں اور دیگر تحفے شہزادہ محمد خاں کی خدمت میں بھیجے۔ شہزادہ واپس چلا آیا اور اس کے بعد مدکل کے گرد و نواح میں پہنچا۔ یہاں دکن کے کمینہ اور کینہ پرور لوگوں نے اس کو سکھایا کہ جب سلطان مرحوم نے تم کو حکومت میں برابر کا شریک کیا ہے تو بہتر ہے کہ تم کسی دو باتوں میں سے ایک کا فیصلہ اپنے حق میں سلطان علاؤ الدین سے کرا لو یا تو وہ تمہیں اپنے پہلو بہ پہلو تخت شاہی پر بٹھا کر حکومت کے کاروبار میں تمہاری بھی رائے لے۔ یا پھر سلطنت کے دو حصہ کر کے ایک تمہارے سپرد کر دے۔ شہزادہ ان فریبی لوگوں کی باتوں میں آ گیا اور اپنے بھائی سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہوا۔ اس نے عماد الملک غوری اور خواجہ جہاں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا۔ ان دونوں امراء نے شہزادہ کی رائے کی مخالفت کی اور اسی جرم میں انہیں شہزادہ نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد وہ بیجانگر سے فوج مہیا کرنے لگا۔

شہزادے نے بہت جلد فوج جمع کر لی اور مدکل، رائچور، شولا پور اور نلدرک پر اپنا قبضہ کر لیا۔ سلطان علاؤ الدین غوری کے قتل سے بہت دل برداشتہ ہو گیا اور کہا کہ اس نے ہمارے آباؤ اجداد کی خدمت کی تھی اس کا خون رنگ لا کر رہے گا۔ بادشاہ لشکر درست کر کے بھائی کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی اور آخر کار فتح علاؤ الدین کے ہاتھ رہی اور محمد خاں چند ساتھیوں کے ساتھ جنگلوں میں فرار ہو گیا۔ بادشاہ بیدر واپس آیا اور فتنہ پرداز لوگوں کے قصور معاوف کر دیئے نیز بھائی کو بہت دلاسا اور پیار سے بلایا ادھر داؤد خاں فوت ہو گیا لہٰذا اس کو تلنگانہ کا حکمران بنا کر بھیج دیا۔ پھر زندگی بھر شہزادہ محمد خاں نے کبھی بھائی کی مخالفت نہ کی اور عیش عشرت کی زندگی گزار کر وہیں تلنگانہ میں انتقال کیا۔

راجگان کوکن کی سرزنش

۸۴۰ھ میں بادشاہ نے دلاور خاں کو خلعت شاہانہ عطا کیا اور ملک کی سب سے باغی جماعت یعنی کوکن کے راجاؤں کی تنبیہہ کے لیے روانہ کر دیا۔ راہیل اور سنگیشر کے راجاؤں نے اپنا سر تسلیم خم کرنے میں قطعی پس و پیش نہ کیا اور خراج ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ دلاور خاں نے سنگیشر کی بیٹی جو بہت خوبصورت تھی اسے بادشاہ کے لیے منتخب کیا اور "زیبا چہرہ" کا خطاب دیا۔ ان دونوں کے عشق و محبت کی داستان سارے ملک میں شہرت پا گئی لیکن آخر کار دلاور خاں پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے رشوت بہت لے لی ہے اسی لیے کوکن کے

راجہ اس سے خوش ہیں اور وہ قلعہ فتح کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ اس پر بادشاہ ناراض ہوا دلاور خاں نے نہایت عاجزی کے ساتھ عہدۂ وکالت چھوڑ دیا اور نجات حاصل کر کے ایک گوشہ عافیت میں بیٹھ رہا۔

اب وکالت کا عہدہ ایک خواجہ سرا دستور الملک کو دیا گیا مگر تھوڑے ہی دنوں میں ہر ایک اس کی شکایتیں کرنے لگا بادشاہ ان باتوں کو لوگوں کے حسد اور خود غرضی پر محمول کرتا اور ذرا توجہ نہ دیتا دستور الملک کا اعزاز بڑھتا ہی گیا۔

ایک بار شہزادہ ہمایوں (فرزند اکبر علاؤالدین) نے اس سے کسی کام کے لیے کہا اس نے جواب دیا کہ وہ تین دن بعد ہو جائے گا جب دو تین دن گزر گئے تو شہزادے نے پوچھا کہ وہ ہوا یا نہیں اس پر دستور الملک نے جواب دیا اس قسم کے معاملات مجھ سے متعلق ہیں شہزادے کو ان معاملات میں پڑنے کا کیا حق۔" شہزادہ بہت غصہ ور اور جابر تھا اس نے سلاحدار سے کہہ دیا کہ جب دیوان خانے سے باہر دستور الملک نکلے تو اس کی گردن اڑا دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا سلاحدار خود بھی اس سے بہت پریشان تھا فوراً عرض حال کا بہانہ کر کے اس کے پاس گیا اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس پر شور و غل ہوا دستور الملک کے ملازموں نے اسے گھیر لیا علاؤالدین نے تحقیق کے لیے بیٹے کو بھیجا بیٹے نے باہر سے آ کر کہا کہ ایک نمک خوار اور وفادار سلاحدار کو دستور الملک نے گالی دی تھی اس نے غصہ میں آ کر قتل کر دیا چونکہ علاؤ الدین خود بہت نیک دل تھا کبھی قتل نہ کرتا تھا لہٰذا اس نے شہزادے کی بات کو حقیقت پر محمول کر کے سلاحدار کو نظر بند کرا دیا اور میاں من اللہ دکنی کو یہ عہدہ دے دیا گیا یہ فیروز شاہی عہد کا بہت دانش مند آدمی ہے۔

برار کی فتح کا ارادہ

۸۴۱ھ میں بادشاہ کی بیگم ملکہ جہاں نے اپنے باپ سے بادشاہ کی بے رخی اور "زیبا چہرہ" کا ذکر کیا اس شکایت پر نصیر خاں، علاؤ الدین سے بہت ناراض ہوا اور احمد شاہ گجراتی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے برار کے امراء کے پاس پوشیدہ طور پر خطوط بھیجے اور ان سے اعانت کی درخواست کی۔ ان امراء نے یہ سوچا کہ چونکہ نصیر الدین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں لہٰذا اگر ہم ان کے ساتھ ہو کر جنگ کریں تو شہید یا غازی کہلائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے جواب میں نہایت عقیدت مندانہ خطوط نصیر خاں کو لکھے۔ نصیر خاں بلا تامل راجہ کونڈ واڑہ کی طرف سے آئی ہوئی فوج کو لے کر برار کی طرف چلا۔ یہاں کے نمک حرام اور باغی امراء نے چاہا کہ برار کے لشکر کے سردار خواجہ جہاں کو قید کر لیں اور نصیر الدین خاں کے پاس بھیج دیں۔ خواجہ جہاں کو ان کی سازش کا پتہ چل گیا اور وہ وہاں سے بھاگ کر فوراً قلعہ ترنالہ میں روپوش ہو گیا۔ اس نے تمام حالات اور امراء کی نصیر خاں سے ساز باز کی اطلاع بادشاہ کو دیدی اور یہ بتایا کہ برار میں نصیر خاں کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا ہے نیز دشمنوں نے قلعہ ترنالہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سلطان علاؤ الدین نے فوراً اپنی مجلس مشاورت کا اجلاس طلب کیا اور سب سے اس معاملے میں گفتگو کی۔ دکنی اور حبشی امراء نے باتفاق رائے یہ کہا کہ مہم کا انجام پانا خود بادشاہ کی توجہ پر منحصر ہے کیونکہ جب ہم اس ملک پر حملہ کریں گے تو گجرات، مندو اور کونڈوارہ کے حاکم، نصیر خاں کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ کو ان کے باہمی نفاق کا اندازہ ہو گیا لہٰذا اس نے خلف حسن بصری، ملک التجار اور دولت آباد کے سر لشکر کو اس مہم کے لئے نامزد کیا۔ خلف حسن بصری نے اس خدمت کو قبول کیا اور شاہی بارگاہ میں عرض کیا۔ ہم فرمانبرداروں کو حکم شاہی سے سرمو تجاوز کرنے کی بھی ہمت نہیں ہے، لیکن اس امر سے سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ مہائم کی شکست کی اصل وجہ دکنی اور حبشی امراء کا رشک و حسد ہے یہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ ہمارے بھائیوں یعنی غریبوں کے ہاتھوں کوئی اچھا کام انجام کو پہنچے۔ اگر حضور مغل امراء کو لشکر خاصہ کے ہمراہ میرے ساتھ روانہ فرمائیں اور کسی دکنی اور حبشی امیر کو میرے ساتھ نہ کریں تو خداوند تعالیٰ کی مدد اور حضور کے اقبال سے یہ امید ہے کہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔"

یہ سن کر بادشاہ نے دکنی اور حبشی امراء سے مشورہ کیا اس جماعت کے سردار میاں من اللہ نے یہ سوچا کہ یہ بہت بڑی مہم ہے۔ اس

لئے بہتر یہی ہے کہ غریبوں کے گروہ کو پہلے بطور مقدمہ کے روانہ کیا جائے اگر ان لوگوں سے کام بن پڑا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان کے پیچھے پیچھے خود بادشاہ کو بھی روانہ ہونا چاہیے۔ سلطان علاؤ الدین نے لشکر خاصہ کے تین ہزار (۳۰۰۰) مغل تیراندازوں کو خلف حسن بصری کے ہمراہ روانہ کیا۔ نیز بعض عربی امراء کو بھی' جن میں کچھ سلطان فیروز شاہ کے اور کچھ احمد شاہ بہمنی کے تربیت یافتہ تھے' اس خدمت کے لئے نامزد کیا۔ خلف حسن بصری ان تمام لوگوں کے ساتھ دولت آباد آیا۔ اس علاقے کے تمام دکنی اور حبشی امراء سرحدوں' خاص طور پر گجرات اور مندو کی سرحدوں پر متعین کر کے' سات ہزار عربوں کے ہمراہ' بڑی شان و شوکت سے برار کی طرف روانہ ہوا۔ موقع پا کر خاں جہاں بھی قلعہ ترنالہ سے نکلا اور خلف حسن بصری کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔

روہتی نگر پر قبضہ

ہنکر نامی قصبے میں خاں جہاں اور خلف حسن بصری کی ملاقات ہوئی۔ حسن نے ان دکنی اور حبشی لشکریوں کو' جو خاں جہاں کے ساتھ تھے' ایلچپور اور مالاپور کی طرف روانہ کیا اور خود پرگنہ روہتی نگر (جہاں نصیر خاں کی لشکر گاہ تھی) کی طرف چل پڑا۔ روہتی نگر کے گھاٹ پر خاندیس والوں سے معرکہ آرائی ہوئی' جس میں غریبوں کو فتح ہوئی۔ نصیر خاں نے اس شکست کو اپنے حق میں بدشگونی تصور کیا اور روہتنگر سے فوراً روانہ ہو گیا اور برہان پور جا پہنچا۔ وہاں اس نے لشکر کی فراہمی کا کام بڑے زور و شور سے شروع کیا۔ الغرض اس طرح خلف حسن بصری نے روہتنگر پر قبضہ کر لیا بعد ازاں برہان پور پر حملہ آور ہوا۔ نصیر خاں نے حملے کی تاب نہ لا کر قلعہ تلنگ میں پناہ لی۔ خلف حسن بصری نے دشمن کی فوج کو پوری طرح تباہ و برباد کیا اور اس شہر کے دولتمندوں سے دولت حاصل کی۔

قلعہ تلنگ پر حملہ

اس کے بعد خلف حسن بصری' خاندیس کو تباہ و برباد کرنے اور لوٹنے کے لئے آگے بڑھا اس کام کو اس نے بحسن و خوبی سرانجام دیا پھر برہان پور میں واپس آیا۔ یہاں اس نے تمام شاہی عمارات کو نذر آتش کر دیا اور دکن واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ایک روز جب کہ رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اس نے دفعتاً" قلعہ تلنگ پر حملہ کر دیا اور چار ہزار سواروں کے ساتھ اس علاقے میں پہنچ گیا۔ نصیر خاں دشمن کی کمی اور پریشان حالی کے خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے بارہ ہزار سواروں اور ان گنت پیادوں کے ہمراہ معرکہ آرائی کے لئے آگے بڑھا۔ قلعے سے دو کوس کے فاصلے پر فریقین میں جنگ ہوئی خاندیس والوں کو شکست ہوئی اور نصیر خاں کے بہت سے معتبر امراء اور برار کے باغی مارے گئے۔

انعام و اکرام کی بارش

خلف حسن بصری ستر ہاتھیوں اور ایک بہت بڑے توپ خانے کو ساتھ لے کر' کامیاب و کامران احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوا۔ قدر شناس بادشاہ نے شہزادہ ہمایوں اور اراکین سلطنت کو خلف حسن کے استقبال کے لئے چار کوس کے فاصلے تک روانہ کیا۔ بادشاہ نے خلف حسن کو چند زنجیر ہاتھی' خلعت' شمشیر اور مرصع کمربند عنایت کیا اور دولت آباد واپس جانے کا حکم دیا۔ علاؤ الدین نے دیگر غریبوں کے منصبوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا اور انہیں انعامات سے نوازا۔ شاہ قلی نے اس معرکے میں بڑی دلیری دکھائی تھی۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ سواری کے وقت اس کی دائیں طرف غریب بیٹھیں اور بائیں طرف حبشی اور دکنی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکنیوں اور غریبوں (غیر دکنیوں) میں دشمنی پیدا ہو گئی جو آج تک چلی آ رہی ہے۔

اسی زمانے میں بیجانگر کے حاکم دیورائے نے اپنے اراکین دولت اور برہمنوں کو طلب کیا اور ان سے کہا۔ "ہمارا ملک یعنی کرناٹک طول و عرض کے لحاظ سے دکن سے بڑا ہے ہمارا لشکر ان سے کئی گنا زیادہ ہے' ہماری آمدنی بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کبھی جنگ ہوتی ہے تو فتح اہل دکن ہی کو ہوتی ہے۔ راجہ کے ایک مقرب نے کہا "ہماری مذہبی

کتابوں میں درج ہے کہ تیس ہزار سال تک کے لئے خدا نے مسلمانوں کو ہم ہندوؤں پر غالب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اکثر اوقات ہم کو مغلوب کر لیتے ہیں۔" راجہ کے بعض مقربین نے یہ رائے ظاہر کی کہ "مسلمانوں کی فتح کے دو اسباب ہیں اول یہ کہ ان کے گھوڑے بہت طاقتور اور بڑے ہوتے ہیں اس کے برعکس ہمارے گھوڑے چھوٹے اور کمزور ہوتے ہیں" دوسرا سبب یہ ہے کہ دکنیوں کے لشکر میں تیر اندازوں کی کثرت ہے لیکن ہمارے پاس تیر انداز کم ہیں۔" یہ سن کر راجہ نے حکم دیا "مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ ملازمتیں دی جائیں ان سے بہت اچھا برتاؤ کیا جائے۔"

دیو رائے کے لشکر میں اضافہ

راجہ نے بیجانگر میں بہت سی مسجدیں بنوائیں اور مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی دی' ہندوؤں کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے تیر اندازی کا فن سیکھیں۔ راجہ کے پاس اس وقت دو لاکھ سوار اور اسی ہزار پیادے موجود تھے۔ راجہ کے امراء نے یہ طے کیا کہ مزید ستر ہزار سواروں اور تین لاکھ پیادوں کو ملازم رکھا جائے اور ایسی تدبیر کی جائے کہ لشکریوں کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اچھے گھوڑے اور بستر ساز و سامان رکھ سکیں۔ حکومت کے کارپردازوں نے اس تجویز کے پیش نظر دس ہزار مسلمان سوار اور ساٹھ ہزار ہندو سوار جو سب کے سب ماہر تیر انداز تھے فراہم کیے۔ اس کے علاوہ تین لاکھ پیادے بھی بھرتی کیے اور دیو رائے کی خدمت میں ملاحظے کے لئے پیش کیے۔

ممالک بہمنیہ پر دیو رائے کا حملہ

لشکر میں اس عظیم الشان اضافے کے بعد دیو رائے نے سلاطین بہمنیہ کے ممالک پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۸۴۷ھ میں اس نے بڑے اہتمام کے ساتھ بہمنی علاقوں پر حملہ کیا سلطان علاؤ الدین نے مقابلہ کیا کئی مقامات پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی آخر کار سلطان اور دیو رائے میں صلح ہو گئی۔

نظام حکومت

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان علاؤ الدین نے اپنی حکمرانی کے زمانے میں ایک بہت عمدہ اور اعلیٰ درجے کا شفاخانہ تعمیر کروایا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے چند دیہات وقف کر دیئے تھے۔ ان دیہاتوں کی آمدنی سے بیماروں کی دوا اور غذا کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان طبیبوں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور اسی نوعیت کے دوسرے کام انجام پاتے تھے۔ بادشاہ نے سارے ملک میں قاضی' امین اور حق شناس محتسب مقرر کیے۔ اگرچہ وہ بادہ خواری کا عادی تھا لیکن اس نے سارے ملک میں منادی کرا دی کہ ہر شخص شراب اور جوئے وغیرہ سے پرہیز کرے (بادشاہ کو مفت خوروں سے بہت نفرت تھی) اس نے فقیروں اور بھک منگوں کے گلے میں لوہے کا طوق ڈالا اور انہیں غلاظت صاف کرنے' مٹی اٹھانے اور دوسرے محنت طلب کاموں میں لگایا۔ اس طریقے کار سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس قسم کے لوگ محنت مزدوری کی وجہ سے گداگری کا پیشہ چھوڑ دیں۔ یا بہمنی حکومت کی حدود سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں۔

اگر کوئی شاہی قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرتا اور شراب پیتا تو اسے سخت سزا دی جاتی ایسے شخص کے حلق میں سیسہ گلا کر ڈالا جاتا اسی سلسلے میں کسی شخص سے خواہ اس کا مرتبہ کچھ ہی ہو کسی قسم کی رعایت نہ کی جاتی تھی۔ علاؤ الدین نے اپنے زمانے میں ملک کی رعایا کا اس طور سے خیال رکھا کہ اس عہد میں فریدوں اور نوشیرواں کے قصوں کو افسانہ سمجھا جانے لگا۔ علاؤ الدین ہمیشہ جمعہ اور عید کے موقعہ پر مسجد میں حاضر ہوتا اور منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتا۔ وہ خدا کے بندوں کو تکلیف پہنچانے اور بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کو قطعاً پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے کئی مندروں کو مسمار کروایا اور بہت سی نئی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ علاؤ الدین کا یہ دستور تھا کہ وہ عیسائیوں برہمنوں اور ہندوؤں سے کبھی بات چیت نہ کرتا تھا اور انہیں سلطنت کے امور میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔

عیش پرستی

جب علاؤ الدین شاہ بیجانگر کے ہنگامے سے واپس ہوا تو عیش و عشرت اور لعولعب نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا اس کے نتیجے میں حکومت کا تمام انتظام نااہل درباریوں کے ہاتھ آ گیا بادشاہ نے اپنے محل میں ایک ہزار خوبصورت ترین عورتیں جمع کیں اور دریائے نعمت آباد کے کنارے ایک عظیم الشان باغ لگوایا۔ اسی باغ میں اس نے بزم مے و ساقی آراستہ کی عیش و عشرت کے اس زمانے میں لوگوں کو چار یا پانچ مہینے میں صرف ایک مرتبہ سلام عام کی اجازت ہوتی تھی اس اثنا میں دکنیوں کو ہر طرح کا اقتدار حاصل ہو گیا اور میاں من اللہ دکنی مستقل شاہی وکیل بن گیا۔

خلف حسن بصری کی مہمات

اسی زمانے میں بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ دریا کے کناروں کے ملکوں کو فتح کیا جائے اس نے خلف حسن بصری کو اس مہم کے لیے روانہ کیا اور تین ہزار عرب سوار اور سات ہزار دکنی سوار اس کے ہمراہ کر دیئے۔ خلف حسن بصری نے جالنہ کے قصبہ کو جو جنیر کے علاقے کے قریب واقع ہے اپنی قیام گاہ بنایا۔ اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا یہاں سے وہ اپنے لشکر کے ذریعہ آس پاس کے راجاؤں کو مغلوب کرنے لگا یہاں تک کہ موت نے اسے آواز دی اور وہ خود لشکر لے کر روانہ ہوا۔ حسن بصری نے سرکہ نامی ایک راجہ کے قلعے کو بڑی محنت اور جگر سوزی سے فتح کیا اور راجہ سرکہ کے سامنے دو باتیں رکھیں یا تو وہ مسلمان ہو جائے یا اپنا سر بادشاہ کی نذر کرے۔ اس نے حسن بصری سے کہا۔ "میں اور حوالئی کندھانہ کا حکمران راجہ سنگمیر دونوں ہی ہم مرتبہ اور ہم حیثیت ہیں اگر میں مذہب اسلام قبول کر لوں گا تو وہ اپنی موجودہ حالت ہی پر قائم رہے گا جب آپ واپس چلے جائیں گے تو وہ مجھ پر طعن و تشنیع کر کے میرے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مجھ سے برگشتہ کر دے گا اور میرے سارے ملک پر قبضہ کر لے گا اگر آپ تھوڑی سی زحمت گوارا کریں اور وہاں کے علاقے کو فتح کر کے میری حکمرانی میں دے دیں یا اپنے کسی امیر کو اس علاقے کا حکمران بنا دیں تو میں بڑی خوشی سے مشرف بہ اسلام ہو کر بادشاہ کا اطاعت گزار ہو جاؤں گا۔" میں ہر سال (ایک خاص حد تک) مال و دولت شاہی خزانے میں داخل کرتا رہوں گا اور اگر اس کے بعد اس علاقے میں کوئی شورش یا ہنگامہ اٹھا تو آپ مجھ سے جواب طلب کیجئے گا۔"

حسن بصری کی عاقبت نااندیشی

خلف حسن بصری نے یہ سن کر یہ جواب دیا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں جانے کا راستہ بہت ہی خراب دشوار گزار اور تنگ و تاریک ہے۔" سرکہ نے کہا۔ "میں خود آپ کا مقدمتہ الجیش بن کر آگے آگے چلوں گا مجھے یقین ہے کہ آپ کے کسی سوار کو کبھی کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور بڑے اطمینان کے ساتھ آپ اپنا مقصد حاصل کر لیں گے چونکہ حسن بصری کی موت قریب آ چکی تھی اس لیے اس نے دشمن کا اعتبار کر لیا اور ۸۵۰ھ میں اس طرف روانہ ہوا۔

ایک خطرناک جنگل

حبشیوں اور دکنیوں کی بیشتر تعداد نے حسن بصری کا ساتھ نہ دیا اور وہ خود ہی سرکہ کے ساتھ روانہ ہوا سرکہ کی راہنمائی میں دو روز تک تو بڑا اچھا سفر رہا اہل لشکر صاف اور کھلے ہوئے راستوں سے گزرتے رہے اس وجہ سے لشکری سرکہ سے بہت خوش ہوئے لیکن تیسرے روز سرکہ لشکر کو ایک ایسے راستے پر لے آیا کہ جو بہت ہی تنگ و تاریک اور خوفناک تھا بے حد خراب راستہ' سپاہیوں نے بصد مشکل طے کیا اور ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں درختوں اور جھاڑیوں وغیرہ کی اس قدر کثرت تھی کہ وہاں ہوا مشکل ہی سے گزر سکتی تھی۔ اس جنگل میں تین اطراف عظیم الشان اونچے اونچے پہاڑ تھے اور ایک طرف خلیج تھی جو جنگل کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی پہاڑوں میں جو درے اور غار تھے وہ ایسے مہیب تھے کہ ان کی تہہ کا بالکل پتہ نہ چلتا تھا۔

خلف حسن بصری کے لشکر کی پریشانی

لشکر جس راہ سے جنگل میں داخل ہوا تھا اس کے علاوہ کوئی اور راہ نظر نہ آتی تھی۔ خلف حسن بصری ان دنوں خونی اسہال کے مرض میں مبتلا تھا اسے دن اور رات میں چالیس بار حاجت کے لیے اپنے بستر سے اٹھنا پڑتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اہل لشکر ترتیب اور قاعدے کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب رہیں لیکن اس سلسلے میں اس کی ایک نہ چلی۔ اس کے دو سبب تھے اول یہ کہ صبح سے لے کر شام تک سفر کرنے کے بعد سپاہی اس قدر تھک جاتے تھے کہ کچھ ہوش نہ رہتا تھا اور جس کو جہاں جگہ ملتی تھی وہیں شب باشی کا انتظام کر لیتا تھا دوسرے یہ کہ جنگل میں کہیں بھی اتنی وسعت نہ تھی کہ دو خیمے ایک دوسرے کے آمنے سامنے لگا کر رات کو آرام کیا جا سکے اس صورت حال میں اہل لشکر کی پریشانی و بدحواسی دیکھنے کے قابل تھی۔

لشکر کی تباہی

سرکہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جنگل میں غائب ہو گیا اس نے رائے سنگیر کو کہلوا بھیجا۔ "میں تمہارے لیے ایک ایسا عمدہ شکار لایا ہوں کہ تم جس کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے اب تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔" رائے سنگیر نے تین ہزار توپچیوں' کمانداروں اور خنجر بازوں کا ایک زبردست لشکر جمع کیا اور خلف حسن بصری کے لشکر کی تباہی کے لیے چل پڑا آدھی رات گزرنے کے بعد یہ لوگ غاروں اور دروں کے راستے سے جنگل میں داخل ہوئے اور سات آٹھ ہزار مسلمانوں کو بکریوں کی طرح ذبح کر دیا اس وقت ہوا اس زور سے چل رہی تھی کہ اس کے شور سے مسلمان مظلوموں کی آوازیں اور چیخیں ایک دوسرے کو سنائی نہ دیتی تھیں تاریکی اس قدر تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

خلف حسن بصری کا قتل

جب رائے سنگیر کا لشکر مسلمانوں کی فوج کو قتل کر چکا تو یہ ظالم خلف حسن بصری کی طرف بڑھے اور اسے مع پانچ سو کربلائی نجفی اور مدنی سادات حسنی کے شہید کر دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے لشکر کے باقی ماندہ افراد بڑی مشکلوں اور دقتوں کے ساتھ اس خوفناک جنگل سے باہر نکلے اور ان دکنی امیروں سے جا کر مل گئے جنہوں نے خلف حسن بصری سے منافقانہ سلوک کیا تھا اور اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

مغل لشکر کا ارادہ

دکنی امیروں نے ان پریشان حال سپاہیوں سے کہا کہ اس وقت تمہاری حالت بہت خراب ہو رہی ہے لہٰذا تم لوگ اپنی جاگیروں پر واپس جا کر اپنا سامان وغیرہ درست کر کے جلد از جلد یہاں واپس چلے آؤ۔ دکنی اور حبشی سپاہی یہ مشورہ سن کر اسی وقت اپنے ملک کو واپس چلے گئے لیکن مغل سپاہیوں نے کہا۔ "ہماری جاگیریں یہاں سے بہت دور ہے اس لیے شاہی حکم کے بغیر ہم یہاں سے سفر نہیں کر سکتے ہمارا ارادہ یہ ہے کہ جاکنہ کے قصبہ میں خلف حسن بصری کی قیام گاہ پر جائیں اور وہاں قیام پذیر ہو کر کسی سے روپیہ قرض لیں اور اس طرح اپنا سامان درست کر کے یہاں واپس آئیں۔" دکنی امیروں نے اس ارادے کی تائید کی اور مغل سپاہی جاکنہ کی طرف روانہ ہوئے کچھ کج فہم مغل لشکریوں نے یہ کہا کہ خلف حسن بصری اور دیگر سادات کی شہادت کا سبب انہیں دکنی امیروں کے نفاق کا نتیجہ ہے ہم قصبہ جاکنہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں یہ عریضہ گزاریں گے اور اسے اصل حقیقت سے آگاہ کریں گے۔"

دکنی امراء کی عیاری

دکنی امیروں کو جب مغل سپاہیوں کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو وہ بڑے گھبرائے اور اپنے انجام سے لرزنے لگے انہوں نے عیاری سے کام لے کر پہل کی اور بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "خلف حسن بصری کی شہادت خود اس کی غلطی کا نتیجہ ہے اس نے عاقبت نااندیشی سے سرکہ نامی ایک غیر مسلم کا اعتبار کر لیا اور اس کی راہنمائی میں سادات اور مغل لشکر کے ساتھ فلاں جنگل میں

داخل ہو گیا ہم سلطنت کے جانثاروں نے اگرچہ ہزار طرح سے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور اس سفر کی مصیبتوں سے آگاہ کیا' مگر اس کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑے کہ اس نے ہماری کوئی بات نہ مانی اس پر اور اس کے لشکر پر جو گزری ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔"

خلف حسن بصری کی شہادت کے بعد ہم جاں نثاروں نے اگرچہ مغل امیروں' سیدوں اور خاصہ خیل سے بہت کہا کہ نمک حلالی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم بادشاہ سے کوئی دوسرا سردار طلب کریں اور آپس میں مل کر سرکہ اور سنگیسر سے بدلہ لیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہیں مانی بلکہ جواب میں ہمیں گالیاں دیں اور برا بھلا کہا وہ ہم سے ناراض ہو کر جاکنہ کے قصبے میں چلے گئے ہیں۔ اب ان لوگوں کا یہ ارادہ ہے کہ جاکنہ میں قیام پذیر ہو کر کوکن کے راجوں سے گٹھ جوڑ کر کے ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کریں۔"

دکنی امراء نے یہ خط مشیر الملک دکنی کے پاس بھجوا دیا وہ ان دنوں مغلوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور بادشاہ کے مزاج میں اسے بڑا دخل تھا مشیر الملک نے یہ خط اس وقت بادشاہ کے سامنے پیش کیا جب وہ شراب کے نشے میں تھا مشیر الملک نے خلف حسن بصری اور دوسرے لوگوں کے واقعات کچھ اس انداز میں بیان کیے کہ بادشاہ کا مزاج بگڑ کر رہ گیا اور اسے جھوٹ اور سچ میں بالکل تمیز نہ رہی۔ علاؤ الدین نے مشیر الملک دکنی اور نظام الملک دکنی کو جو غریبوں کی جان کے دشمن ہو رہے تھے اور ان کے غلبے سے بے حد ناراض تھے حکم دیا کہ جاکنہ کے امیروں کو قتل کر دیا جائے۔

سادات کے قتل کا حکم

مشیر الملک دکنی اور نظام الملک دکنی بادشاہ کا حکم پا کر سادات کا خون بہانے کے لیے روانہ ہو گئے عرب و عجم کے سیدوں نے کیا' امیر اور کیا غریب' سبھی نے یہ داستان سنی اور وہ جاکنہ کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے انہوں نے اپنے قصبے کے تحفظ اور قلعے کے استحکام کی طرف پوری پوری توجہ کی انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں پورے خلوص کے ساتھ اصل واقعہ بیان کیا گیا تھا راستے میں یہ خط مشیر الملک کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اسے احمد آباد بیدر نہ جانے دیا بلکہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ بیچارے سادات کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے دو اور خط لکھے یہ خطوط اپنے ہم قوموں کے ہاتھ بھجوانا مشکل تھا اس لیے انہوں نے دو ہندوستانیوں کی خدمات حاصل کیں اور دونوں کو الگ الگ راستوں سے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ کیا۔

افسوس کہ ان ہندوستانیوں نے دشمنی سے کام لیا اور دونوں خطوط مشیر الملک کے حوالے کر دیئے۔ مشیر الملک نے ان دونوں کو گھوڑے' خلعت اور روپیہ وغیرہ انعام میں دے کر خوش کیا اور خطوں کو پہلے کی طرح پھاڑ کر پھینک دیا ان حالات کو دیکھ کر سیدوں کی جماعت اپنے جد اعلیٰ حضرت حسینؓ کی طرح اپنے انجام سے مایوس ہو کر خداوند تعالیٰ کی مرضی پر صابر ہو گئی۔ ان لوگوں نے حسب ضرورت غلہ اور دیگر سامان جمع کیا اور دشمن کی مدافعت کی تیاریاں کرنے لگے جب مشیر الملک کو یہ اطلاع ملی تو اس نے دکنی امراء کو جو کوکن میں قیام پذیر تھے اور سارے فساد کے بانی تھے اپنے پاس طلب کیا اور ان کی مدد حاصل کی نیز چتر اور اس کے قرب و جوار کے ان گنت سپاہیوں کو جمع کر کے جاکنہ پر حملہ کر دیا اس نے قلعے کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔

تقریباً دو ماہ تک فریقین میں لڑائی ہوتی رہی اس دوران میں دکنیوں کے خطوط متواتر بادشاہ کے پاس پہنچتے رہے ان خطوط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ "ان لوگوں کے سروں سے بغاوت اور سرکشی کا سودا ابھی تک نہیں گیا اور پہلے کی طرح ابھی تک اپنے ارادوں پر قائم ہیں۔ ان لوگوں نے سلطان گجرات سے مدد مانگی ہے اور اب یہ چاہتے ہیں کہ اس قصبے کو سلطان گجرات کے حوالے کر دیں۔" علاؤ الدین کے درباری دکنی امراء مناسب اوقات میں ان خطوط کو بادشاہ کے ملاحظے کے لیے پیش کرتے رہتے اور بادشاہ ان کے جواب میں عام طور پر اس مضمون کے فرمان بھجوایا کرتا کہ ان باغیوں کی تباہی اور ان کے قتل کے لیے ہر ممکن کوشش کرو انہیں ایسی عبرتناک سزائیں دو کہ دوسروں کو سبق حاصل ہو۔"

اگر کبھی کبھاری محنت اور کوشش کر کے سادات غریب اپنا کوئی خط بیدر پہنچا دیتے تو اہل دکن وہ خط حاصل کر لیتے تھے اور واپس نہیں کرتے تھے اور یہ جواب دیتے تھے کہ ہم تمہارے خطوں کو بادشاہ تک پہنچا دیتے ہیں بادشاہ چونکہ تم لوگوں سے بہت ناراض ہے اس لیے وہ ان خطوں کا کوئی جواب نہیں دیتا- ان غریبوں نے جب اپنے خطوں کو اس طرح "لاجواب" پایا نیز یہ دیکھ کر کہ غلہ اور دیگر سامان بہت کم رہ گیا ہے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بیوی بچوں کو معتبر لوگوں کی نگرانی میں قلعے کے اندر چھوڑ کر احمد آباد بیدر کا رخ کیا جائے اور وہاں پہنچ کر بادشاہ کو اصل حالات سے آگاہ کیا جائے-

اہل دکن کی عیاری

دکنیوں کو غریبوں کے اس ارادے کی جب خبر ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورے شروع کیے نظام الملک اور مشیر الملک نے دوسرے دکنی امراء کے ساتھ مل کر سوچا کہ اگر دشمن قلعہ سے نکل کر روانہ ہوا اور اس کا پیچھا کیا گیا تو اس وقت اس کو تباہ و برباد نہ کیا جا سکے گا جب تک ہم اپنے لشکر کی ایک کثیر تعداد کی قربانی نہ دے لیں (ظاہر ہے کہ یہ سودا بڑا مہنگا تھا) اس لیے دکنی امیروں نے غریبوں کو دھوکہ دینے کی سوچی اور اہل قلعہ کو یہ پیغام دیا- "ہم لوگ خاصہء خاصان رسول صلعم کے امتی ہیں اور مذہب اسلام کے نام لیوا ہیں ہمیں تمہارے بیوی بچوں پر جو زیادہ ترسید ہیں رحم آیا ہے اس لیے ہم لوگوں نے بادشاہ سے تمہارے لیے معافی نامہ جاری کرنے کی گذارش کی ہے بادشاہ نے ہماری درخواست قبول فرمالی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو کسی قسم کا مالی اور جانی نقصان نہ پہنچایا جائے- اور تم جس علاقے میں جانا چاہو اس کی تمہیں اجازت دے دی جائے-" ان دکنی امراء نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے شاہی فرمان بھی اہل قلعہ کو دکھایا مشیر الملک اور نظام الملک دونوں نے خدا اور اس کے رسول کی قسمیں کھا کر اہل قلعہ کو یہ یقین دلایا کہ انہیں قطعاً کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا-"

سادات کی دعوت

غریبوں نے اہل دکن کی باتوں کا اعتبار کیا اور ان کے دام فریب میں آ گئے وہ سب تعداد میں ڈھائی ہزار تھے ان میں بارہ سو صحیح النسب سید تھے یہ سب لوگ اپنے بیوی بچوں اور مال و اسباب وغیرہ کے ساتھ قلعے سے باہر نکلے چونکہ ان لوگوں کے پاس بار برداری اور سواری کے لیے جانور نہ تھے اس لیے ان کا انتظام کرنے کے لیے وہ قلعے کے قریب ہی مقیم ہو گئے- مشیر الملک اور نظام الملک قلعے کے اندر داخل ہو گئے یہ دکنی امیر تین روز تک اپنے وعدے پر قائم رہے اور اہل قلعہ کو ان لوگوں نے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا- چوتھے روز اہل دکن نے غریبوں کے سرداروں کو دعوت پر مدعو کیا غریبوں کے مشہور افراد اور سردار جن میں قاسم بیگ صف شکن، قراجہان گرد اور احمد بیگ یکہ بازان میں شامل نہیں تھے قلعہ میں دعوت میں شریک ہوئے ان سب غریبوں کی تعداد تین سو تھی-

قتل و غارت گری

سب سادات قلعے میں کھانا کھانے لگے دکنیوں کا ایک گروہ گھات میں چھپا بیٹھا تھا نظام الملک اور مشیر الملک کے اشارے سے یہ لوگ ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں لیے ہوئے نکلے اور بیچارے سیدوں اور غریبوں پر ٹوٹ پڑے- چار ہزار دکنی سپاہی جنہیں ہنگامے کے لیے متعین کیا گیا تھا موقع پا کر غریبوں کے خیموں کی طرف چلے گئے اور ان میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا ان ظالموں کی آنکھوں میں ایسا خون اترا ہوا تھا کہ انہوں نے ایک سال کے شیر خوار بچے سے لے کر سو سال تک کے بوڑھے کو ایک ہی بے رحمی کے ساتھ قتل کیا- اہل دکن کے ہاتھوں تقریباً پانچ یا چھ ہزار مغل اور بارہ سو سید قتل ہوئے- اہل دکن نے مقتولوں کے بال بچوں کو اس بری طرح قتل کیا کہ کربلا کے واقعے کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی- حیرت ہے کہ اہل دکن جو اپنے آپ کو رسول صلعم کی امت کہتے تھے انہوں نے آل رسول کو جھوٹے الزامات لگا کر اس طرح قتل کیا-

باقی ماندہ لوگوں کی روانگی

قاسم بیگ صف شکن قراجہاں گرد اور احمد بیگ یکہ بازان مظلوموں سے کہ جنہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا ایک کوس کے فاصلے پر مقیم تھے انہیں اس المناک سانحے کی خبر ملی ان لوگوں نے خود جبے پہن لیے اور اپنی مستورات کو مردانہ لباس پہنا کر احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔ مشیر الملک اور نظام الملک کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے دو ہزار سواروں کا لشکر داؤد خاں کی نگرانی میں ان لوگوں کے پیچھے روانہ کیا اور رعایا اور تمام جاگیرداروں کو لکھا۔ "یہ سب لوگ بڑے عیار اور نمک حرام ہیں۔ اگرچہ یہ بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں جس طرح بھی ہو سکے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے گھوڑے اور مال و اسباب کو لوٹ لیا جائے۔ مختصراً یہ کہ ان لوگوں کو کہیں آرام نہ لینے دیا جائے۔

قاسم بیگ صف شکن دوسرے امراء اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ حیران و بدحواس چلے جا رہے تھے راستہ میں جس جگہ بھی اہل دکن ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے یہ بہادر لوگ بڑی جان بازی سے ان کا مقابلہ کرتے اور تیروں کی بوچھاڑ کر کے ان کو بھگا دیتے رات کے وقت یہ لوگ جنگل میں قیام کرتے تھے جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچے تو راستے میں داؤد خاں نے ان سے چھیڑ خانی کی اور پٹر کے جاگیردار حسن خاں کو خط لکھا کہ یہ سب لوگ نمک حرام ہیں جس طرح بھی ہو سکے تم ان لوگوں کو اس طرف سے بھگا دو اور قتل کر دو۔" ہم ان سب کو تباہ و برباد کر کے ان کے سروں کو بادشاہی بارگاہ میں پیش کریں گے۔"

حسن خاں کی نیک دلی

حسن خاں جاگیردار پٹر اور قاسم بیگ صف شکن میں اچھی خاصی شناسائی تھی قاسم نے بیجانگر کی ایک لڑائی میں حسن کو دشمن کے چنگل سے چھٹکارا دلایا تھا حسن کو اس وقت قاسم کا یہ احسان یاد آگیا اس نے جواب دیا "یہ لوگ اگر نمک حرام اور باغی ہوتے تو اس وقت یہاں نہ ہوتے بلکہ بہت پہلے ہی گجرات کی سرحد پر جو یہاں سے تین دن کے فاصلے پر واقع ہے پہنچ گئے تھے۔" داؤد خاں کو حسن خاں کی مدد سے مایوسی ہو گئی اس کا تمام بقیہ لشکر بھی اس سے آ ملا اور داؤد خاں نے تقریباً ڈھائی ہزار سواروں ک ایک لشکر تیار کیا قاسم بیگ صف شکن سے لڑائی شروع کر دی قاسم بیگ اور اس کے ساتھی بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو کر میدان جنگ میں آ پہنچے۔

داؤد خاں کا قتل

اتفاق کی بات کہ لڑائی کے میدان میں ایک ساتھ دو تیر داؤد خاں کے جسم میں پیوست ہو گئے اور وہ وہیں مر گیا۔ دکنیوں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے اپنے دشمن کی تباہی و بربادی سے کہیں زیادہ قوت و طاقت اور زور و شور کا مظاہرہ کیا اور غریبوں کو حواس باختہ کر دیا۔ اسی اثنا میں حسن خاں اپنے لشکر کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں آ پہنچا غریبوں نے یہ سمجھا کہ ایک نئی مصیبت آ پہنچی ان لوگوں میں حسن خاں کی فوج کا ایک سپاہی اچانک آ پہنچا اور اس نے کہا تم لوگ ثابت قدمی سے میدان جنگ میں ڈٹے رہو ہم تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں۔ یہ سن کر قاسم بیگ اور اس کے ساتھیوں کی جان میں جان آئی۔

غریبوں کی بادشاہ سے ملاقات

تھوڑی دیر بعد حسن خان میدان جنگ میں وارد ہو کر غریبوں کا ساتھ دینے لگا اور دکنیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اہل دکن نے جب یہ عالم دیکھا تو وہ داؤد خاں کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاش کو اٹھا کر جاکنہ کے قصبے کی طرف چلے گئے۔ قاسم بیگ نے قصبہ بیٹر کے باہر قیام کیا اس نے حسن خاں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک عریضہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ بادشاہ تک یہ عریضہ پہنچا اور اسے اصل حالات سے آگاہی ہوئی اس نے قاسم بیگ کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ غریبوں کی پوری جماعت حسب الحکم بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ سلطان علاؤ الدین کے سامنے تمام حالات بیان کیے گئے۔ بادشاہ نے اسی وقت سرآمد کار ملکی مصطفیٰ خاں کے قتل کا فرمان جاری

کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی لاش کو شہر کے تمام گلی کوچوں میں پھرایا جائے۔ مصطفیٰ خاں کا جرم یہ تھا کہ اس نے اب تک غریبوں کے تمام خطوط چھپائے رکھے تھے اور بادشاہ تک نہ پہنچائے تھے۔

سلطان علاؤ الدین نے قاسم بیگ صف شکن کو خلف حسن بصری کی جگہ سر لشکر دولت آباد اور خیبر مقرر کیا۔ قراجہاں گرد اور احمد بیگ یکہ تاز کو یک ہزاری منصب داری میں شامل کر کے ان کی عزت افزائی کی۔ بادشاہ نے غریبوں کے حال پر بہت توجہ کی اور ان میں سے بیشتر کو صاحب اختیار بنایا۔ مشیر الملک دکنی اور غوری کے مکانوں کو بحکم سرکار ضبط کر لیا گیا اور یہ دونوں امیر دوسرے بہت سے مفسدوں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ شاہی حکم کے مطابق ان سب بدکرداروں کو طوق و زنجیر پہنا کر پایہ تخت میں لایا گیا جن لوگوں نے غریبوں پر جھوٹے الزامات لگائے تھے اور شروع میں بادشاہ کی خدمت میں جھوٹے عریضے روانہ کئے اور فکر و فریب کا جال بچھایا تھا۔ ان کو بڑی بری طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا ان کے اہل و عیال کو دانے دانے کا محتاج کر دیا۔ "طبقات محمود شاہی" میں بیان کیا گیا ہے کہ مشیر الملک اور اس کا ساتھی غوری دونوں ہی اسی سال برص کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور ان کی اولاد تباہ و برباد ہو گئی۔

شیخ آذری کا نصیحت نامہ

شیخ آذری بادشاہ کا مرشد تھا اور شہزادگی کے زمانے میں اس کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا۔ ۸۵۵ھ میں شیخ کا ایک طویل خط بادشاہ کے نام آیا جس میں اس نے بادشاہ کو متعدد نصیحتیں کی تھیں بادشاہ یہ خط پڑھ کر بہت ہی متاثر ہوا اور اس نے بادہ نوشی ترک کر دی۔ علاؤ الدین نے دکنیوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو جو غریبوں پر ظلم ڈھانے کی وجہ سے قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا تھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شیخ آذری کو اپنے ہاتھ سے اس کے خط کا جواب لکھا اور ایک بہت بڑی رقم اس کے لیے خراسان روانہ کی۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے اپنے باپ عظیم الشان سلطان احمد شاہ بہمنی کی طرح تمام امور سلطنت کو بذات خود انجام دینا شروع کر دیا اور دکنیوں کو دربار اور محل کی بڑی بڑی اور ذمہ دار خدمتوں سے علیحدہ کر دیا۔

علاؤ الدین کی بیماری اور ملکی حالات کی پراگندگی

۸۵۷ھ میں علاؤ الدین کی پنڈلی پر ایک زخم آ گیا اس نے بہت علاج معالجہ کیا لیکن کسی طرح آرام نہ آیا اس روگ کی وجہ سے بادشاہ کا گھر سے نکلنا تقریباً ختم ہو گیا۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس کی موت کی افواہیں ملک میں گشت کرنے لگتی تھیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان احمد شاہ بہمنی کا داماد جلال خاں جو سید جلال بخاری کی اولاد میں سے تھا اور تلنگانہ کی سرکار میں نلگنڈہ کا جاگیردار تھا اس علاقے کے قرب و جوار کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گیا جلال خاں نے اپنے بیٹے سکندر خاں کو جو احمد شاہ بہمنی کا نواسہ تھا لشکر اور دیگر سامان سے آراستہ کر کے اس ملک کا حاکم بنا دیا۔

سکندر خاں کی بغاوت

اس زمانے میں خان اعظم کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے تلنگانہ میں کوئی صاحب اقتدار اور بااثر امیر باقی نہ رہا تھا ان حالات میں تلنگانہ کے تمام امراء سکندر خاں کے ساتھ مل گئے اور یہ طے کیا کہ اسے اس علاقے کا حاکم تسلیم کر لیں۔ سلطان علاؤ الدین نے باوجود بیماری کے لشکر کو طلبی کا حکم دیا اور حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جلال خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ ابھی زندہ ہے اور حملے کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس نے اس سلسلے میں اپنے مشیروں سے بات چیت کی آخر یہ طے کیا کہ سکندر خاں تلنگانہ اور برار کے درمیانی علاقے ماہور میں چلا جائے اور وہاں ایک بڑا لشکر تیار کرے۔ بادشاہ متواتر عہد نامہ ارسال کرتا رہتا تھا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ شہزادہ محمد خاں کی بغاوت و سرکشی میں بھی سکندر خاں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

سکندر خاں نے سلطان محمود خلجی مالوی کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "سلطان علاؤ الدین ایک بیماری میں مبتلا ہو کر عرصہ ہوا

فوت ہو چکا ہے ارا کین سلطنت نے اپنے فوائد اور مقاصد کی تحصیل کے لیے اس کی موت کی خبر کو چھپا رکھا ہے ان کا ارادہ یہ ہے کہ ملک کے نمایاں اور ممتاز افراد کو قتل کر دیا جائے اگر آپ اس وقت ذرا سی بھی توجہ فرمائیں تو تلنگانہ اور برار دونوں ملک آپ کے قبضے میں آ سکتے ہیں۔" سلطان محمود مالوی نے اس بات کا اعتبار کر لیا اور دکن کے سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

علاؤ الدین کا عزم ماہور

سلطان محمود نے زبردست لشکر اور دیگر سامان کثیر کے ساتھ ۸۶۰ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ سکندر خاں نے چند منزل اس کا استقبال کیا اور اس سے جا ملا۔ سلطان علاؤ الدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے تلنگانہ کی بغاوت کو فرو کرنا کچھ عرصے کے لیے ملتوی کیا اور جلال خاں کی سرزنش کی طرف توجہ کی اس نے خواجہ محمود گیلانی عرف کاواں کو یک ہزاری منصب دار بنایا اور اسے دیگر امراء کے ساتھ جلال الدین کے فتنے کو فرو کرنے کے لیے مقرر کیا۔ علاؤ الدین نے لشکر برار کو حاکم برہان پور کے مقابلے پر روانہ کیا جو سلطان محمود شاہ مالوی سے ساز باز کیے ہوئے تھے بادشاہ نے قاسم بیگ سر لشکر دولت آباد کو مقدمہ لشکر بنا کر روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے پانچ کوس کے فاصلے سے بیجاپور اور خاصہ خیل کی فوج کے ساتھ پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوا اور سلطان محمود خلجی سے معرکہ آراء ہونے کے لیے ماہور کے جنگل میں ٹھہرا۔

سلطان محمود کی واپسی

سلطان محمود کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان علاؤ الدین فرمانروائے دکن ابھی بقید حیات ہے اور ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ معرکہ آرائی پر تلا ہوا ہے تو وہ نصف شب کے قریب اپنے ملک کی طرف واپس لوٹ گیا۔ سلطان محمود نے اپنے ایک معتبر امیر کو سکندر خاں کے ساتھ کر دیا اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر سکندر خاں دوبارہ اہل دکن سے ساز باز کرنا چاہے تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے اور اس کا تمام ساز و سامان اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ ضبط کر کے مندو میں پہنچا دیئے جائیں۔ سکندر خاں اس بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور وہ مالوی سپاہیوں سے علیحدہ ہو کر ان کی داہنی جانب کے راستے سے چل پڑا۔ اس کے ساتھ دو ہزار افراد تھے جن میں راجپوتوں اور افغانوں کی کثیر تعداد تھی ان سب لوگوں کے ساتھ وہ نلگنڈہ جا پہنچا۔

سکندر خاں کی اطاعت

اس زمانے میں خواجہ محمود کاواں نے نلگنڈہ کا محاصرہ کر رکھا تھا سکندر خاں اپنی چالاکی کی بدولت کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر پہنچ گیا۔ خواجہ محمود کاواں کی تو دلی خواہش یہی تھی اس کے بعد کاواں نے محاصرے کو شدید کر دیا اور اہل قلعہ پر پہلے سے کہیں زیادہ سختیاں کرنے لگا سکندر خاں جب بہت زیادہ پریشان ہو گیا تو اس نے خواجہ کاواں کے وسط سے بادشاہ سے معافی نامہ حاصل کر لیا اور قلعہ خواجہ کے سپرد کر دیا۔ محمود کاواں کے ساتھ سکندر خاں بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے اسے اس کی جاگیر نلگنڈہ پر بحال کر دیا۔ فخر الملک کو حسب سابق لاہور کا حاکم مقرر کیا گیا علاؤ الدین نے رائچور کے تھانے دار فخر الملک کو شاہانہ عنایات سے مستفید کیا اور پھر احمد آباد بیدر کی طرف لوٹا۔

سلطان علاؤ الدین کی وفات

علاؤ الدین کی پنڈلی کا زخم اچھا نہ ہوا آخر کار اس نے اسی عارضہ کی وجہ سے ۸۶۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس حکمران نے تیئس سال نو ماہ اور بیس روز تک امور سلطنت انجام دیئے۔

عادات و کردار

کہا جاتا ہے کہ علاؤ الدین فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ وہ فارسی زبان سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے علاوہ

اس نے دوسرے علوم میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ کبھی کبھار عید اور جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں بھی جایا کرتا تھا اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھتا تھا وہ اپنے آپ کو السلطان العادل الکریم الحلیم الروف عفی عباد اللہ الفتی علاء الدنیا والدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ ولی بھمنی۔" کہا کرتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک عرب سوداگر نے چند گھوڑے بادشاہ کے درباریوں کے پاس فروخت کیے درباریوں نے گھوڑے تو لے لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ یہ تاجر سیدوں کے قتل کی وجہ سے بھی آزردہ خاطر تھا ایک دن اس نے موقع پا کر جب کہ بادشاہ مسجد میں آیا ہوا تھا منبر کے پاس بیٹھ گیا بادشاہ نے جب مذکورہ بالا الفاظ میں اپنا نام لیا تو عرب فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔

"میں خداوند تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو عادل' کریم' رحیم اور رؤف نہیں ہے اے جھوٹے شخص! تو نے نبی کریم صلعم کی مقدس اولاد کو قتل کیا ہے تجھے مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر اس قسم کی بات نہیں کرنا چاہیے۔ علاؤ الدین یہ سن کر بہت ہی متاثر ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا وہ کہنے لگا۔ "خدا کرے وہ لوگ آخرت میں بھی سرخرو نہ ہوں جو مجھے یزید کی طرح بدنام کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر علاؤ الدین نے اسی وقت سوداگر کو اس کے گھوڑوں کی قیمت ادا کر دی اور اسی وقت اپنی قیام گاہ واپس آ گیا۔ اس واقعے کے بعد بادشاہ نے پھر کبھی اپنی قیام گاہ سے باہر قدم نہ رکھا اور اگر باہر نکلا بھی تو اس وقت جب کہ وہ مر چکا تھا۔

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت ہی میں شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ ولی اور میر نور الدین بن شاہ خلیل اللہ کا انتقال ہوا۔ شاہ خلیل نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے ایک شاہ حبیب اللہ جو سلطان احمد شاہ بھمنی کا داماد تھا۔ اور دوسرا شاہ محب اللہ جو سلطان علاؤ الدین کا داماد تھا ان دونوں میں حبیب اللہ بڑا تھا اور فن سپہ گری سے اسے رغبت تھی محب اللہ اپنے باپ کا سجادہ نشین ہوا حبیب اللہ نے بڑی امیرانہ زندگی بسر کی۔

ہمایوں شاہ ظالم کی جانشینی

مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان علاؤ الدین کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے تمام امراء اور اراکین سلطنت کی توقع کے خلاف ہمایوں شاہ ظالم کو جس کی عادات قبیحہ سے سبھی لوگ متنفر تھے اپنا جانشین مقرر کیا۔ بادشاہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل نظام الملک دولت آبادی جو کچھ عرصے سے وکیل السلطنت کے عہدے پر سرفراز تھا اور اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا بھاگ گیا اور اپنے بیٹے کے پاس چلا گیا اس کا بیٹا قاسم بیگ شکن کے انتقال کے بعد ملک التجار کا خطاب پا کر صوبہ دار دولت آباد اور جنیر مقرر ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ سلطان علاؤ الدین کی وفات کی خبر ان کو ملتی' یہ دونوں باپ بیٹے گجرات کی طرف چلے گئے اور یوں ہمایوں شاہ بھمنی کے دست تظلم سے بچ گئے۔

ہمایوں شاہ بہمنی

حسن خاں کی تخت نشینی

جس وقت سلطان علاؤ الدین کا انتقال ہوا اس کا بیٹا ہمایوں شاہ جو ظالم کے لقب سے مشہور تھا اس وقت گھر میں تھا۔ ممتاز بہمنی امیروں سیف خاں اور ملو خاں نے بادشاہ کی موت کی خبر کو صیغہ راز میں رکھا اور جلد از جلد علاؤ الدین کے چھوٹے بیٹے حسن خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ شاہ حبیب اللہ ولد شاہ خلیل اللہ اور کچھ دنوں نے جو ہمایوں شاہ کو ناپسند کرتے تھے حسن خاں کی تخت نشینی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور یہ لوگ ہمایوں شاہ کو قتل کرنے اور اس کے گھر کو تباہ و برباد کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہمایوں اور مخالف دکنی امراء کا معرکہ

ایک عجیب و غریب ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ہمایوں شاہ جبہ پوش سواروں کے ساتھ جن میں سکندر خاں اور اس کے بھائی بھی شامل تھے باہر نکلا اور حملہ آوروں سے معرکہ آرا ہوا۔ اس معرکے میں حملہ آوروں کو شکست ہوئی اور وہ حسن خاں کے پاس پناہ گزین ہو گئے ہمایوں ان کے تعاقب میں روانہ ہوا اور شاہی دربار میں جا پہنچا راستے میں جو شخص بھی (مثلاً فیل بان' پردہ دار' سلحدار اور دیگر کار آمد لوگ) ہمایوں شاہ کو دیکھتا اسی کے ساتھ ہو لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں شاہ کا لشکر بہت بڑا ہو گیا' ہمایوں اس جرار لشکر کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔

حسن خاں کی گرفتاری

ہمایوں نے اپنے چھوٹے بھائی حسن خاں کو اس وقت گرفتار کر لیا جب کہ وہ تخت سے اتر کر خوف اور دہشت کے مارے لرزہ براندام ہو رہا تھا ہمایوں نے سیف خاں کو جو اس سارے ہنگامے کی بنیاد تھا ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر سارے شہر میں پھرایا اور پھر قتل کر ڈالا شاہ حبیب اللہ اور دیگر مخالف امراء کو نذر زنداں کیا ملو خاں معرکہ کرتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا اور کرناٹک کی سرحد تک جا پہنچا۔

ہمایوں شاہ کی تخت نشینی

ہمایوں شاہ بہمنی نے تمام مخالفوں کو زیر کر کے تخت حکومت پر جلوس کیا اپنے باپ کی وصیت کے مطابق خواجہ محمود گاواں کو جو حاجی محمد قندھاری کے بیان کے مطابق سلاطین کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ملک التجار کے خطاب سے نوازا۔ اور شاہی وکیل اور بیجاپور کا طرف دار مقرر کیا۔ ملک شاہ کو جو بزرگ زادۂ خاندان مغل تھا اور جس کے متعلق بعض مورخوں کا خیال ہے کہ وہ چنگیزی سلاطین کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا "خواجہ جہاں" کا خطاب دیا اور اسے طرف دار تلنگانہ مقرر کیا۔ عماد الملک غوری کا بھتیجا بڑا قابل اور جان باز نوجوان تھا ہمایوں شاہ نے اسے "نظام الملک" کا خطاب دے کر یک ہزاری منصب داروں میں شامل کیا اور تلنگانہ کے علاقے اس کی جاگیر میں شامل کیے۔

جلال شاہ کی مخالفت

جلال خاں کا بیٹا سکندر خاں جو ہمایوں شاہ کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا مصاحب تھا تلنگانہ کی سپہ سالاری کی امید لگائے بیٹھا تھا اسے مذکورہ بالا تقرر سے بہت افسوس ہوا اور وہ آزردہ خاطر ہو کر اپنے باپ کے پاس بغیر شاہی اجازت کے نلگنڈہ چلا گیا۔ جلال خاں نے اپنے بیٹے کی خاطر کا پاس کرتے ہوئے ہمایوں شاہ کی مخالفت کا اعلان کر دیا اور معرکہ آرائی کے لیے فوج تیار کرنے میں مشغول ہو گیا

ہمایوں شاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو اس نے برار کے حاکم خان جہاں کو جو اس زمانے میں مبارک باد دینے بیدر آیا ہوا تھا جلال الدین کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا۔

نلگنڈہ پر لشکر کشی

سکندر خاں نے ایک زبردست لشکر فراہم کر کے تلنگانہ میں خان جہاں سے معرکہ آرائی کی اور اسے شکست دی۔ اب ہمایوں شاہ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ جب تک وہ بذات خود اس طرف توجہ نہ کرے گا سکندر خاں کی مخالفت ختم نہ ہو گی یہ سوچ کر اس نے اسی سال نلگنڈہ کی طرف لشکر کشی کی ہمایوں شاہ نے نلگنڈہ کے ایک قریبی مقام پر قیام کیا اور اس امر کا انتظار کرنے لگا سکندر خاں اور جلال خاں یعنی دونوں باپ بیٹے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کریں' لیکن ایسا نہ ہوا حریف کچھ اور چال چلا۔

ہمایوں اور سکندر خاں کی بات چیت

ایک رات کو اچانک سکندر خاں نے شاہی لشکر پر شب خون مارا اور بہت نقصان پہنچا کر چلا گیا صبح کے وقت ہمایوں شاہ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور تسخیر قلعہ میں مصروف ہو گیا سکندر خاں کو اپنے سپاہیوں پر پورا پورا اعتماد تھا وہ اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ مرتب کر کے ساتھ آٹھ ہزار راجپوت دکنی اور افغان سواروں کے ساتھ ہمایوں شاہ کے مقابلے پر آیا۔ بادشاہ نے سکندر خاں کو یہ پیغام بھجوایا۔ "تمہارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے ولی نعمت سے معرکہ آرائی کرو تم اس لڑائی میں مارے جاؤ گے اور تمہارے جیسے انسان کا مرنا میرے لیے افسوس کا باعث ہو گا میں تمہارے تمام قصور معاف کرتا ہوں اور یہ اجازت دیتا ہوں کہ دولت آباد کے جس پرگنے کو بھی تم چاہو اپنی جاگیر میں لے لو۔" سکندر خاں نے اس پیغام کا یہ جواب بھجوایا۔" آپ مرحوم بادشاہ احمد شاہ کے پوتے ہیں اور میں ان کا نواسہ ہوں حکمرانی کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کو یا تو آپ مجھے تلنگانہ کا ملک عطا کر دیجئے یا پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیے۔ یہ جواب سن کر ہمایوں شاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے جنگ کا نقارہ بجوا دیا۔

معرکہ آرائی

سکندر خاں نے لڑائی میں بڑی جاں بازی اور بہادری کا مظاہرہ کیا وہ چونکہ ایک تجربہ کار اور مشاق جنگجو تھا اس لیے اس نے ہر مرتبہ بادشاہ کے حملوں کی مدافعت اس بہادری کے ساتھ کی کہ زمین و آسماں عش عش کر اٹھے عین ممکن تھا کہ اس روز فریقین بغیر کسی نتیجے کے ایک دوسرے سے جدا ہو کر فیصلے کے لیے دوسرے دن کا انتظار کریں کہ اچانک ملک التجار کاواں نے بیجاپور کی فوج اور خواجہ جہاں نے تلنگانہ کے لشکر کو ساتھ لے کر میمنہ اور میسرہ سے ایک زبردست حملہ کیا۔ سکندر خاں کے بہت سے بہادر اور جان باز سپاہی اس معرکے میں کام آئے یہ عالم دیکھ کر ہمایوں شاہ کو ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا اس نے پانچ سو تیر چلانے والوں اور پانچ سو نیزہ پھینکنے والوں کو اپنے قلب لشکر سے جدا کر کے ایک مست ہاتھی ساتھ لیا اور سکندر خاں کے خاصہ کے لشکر پر حملہ کر دیا تیر اندازوں نے فوراً تیروں کی بارش کر دی۔ سکندر خاں ایک بہادر شیر کی طرح مقابلے کے لیے بڑھا اور دشمن کو اپنے دائیں بائیں اطراف میں پیچھے ہٹا دیا بادشاہ کا مست ہاتھی بھی چونکہ شریک کار زار تھا اس لیے سکندر خاں کے بہت سے بہادر سپاہی اس کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ سکندر خاں نے نیزہ ہاتھ میں لے کر اس مست ہاتھی کو بذات خود ہلاک کرنے کی کوشش کی فیل بانوں کی تحریک اور کوشش سے ہاتھی نے سکندر خاں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا اور زمین سے اٹھا کر بہت زور کے ساتھ زمین پر دے مارا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔

سکندر خاں کی موت

سکندر خاں کے سپاہی جو زخمیوں کے جسموں پر گھوڑے دوڑا رہے تھے انہوں نے بے خبری کے عالم میں اپنے آقا کو بھی روند ڈالا جو زمین پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا سکندر خاں کا سینہ پھٹ گیا اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں یوں سکندر خاں کو موت نے گہری نیند سلا دیا۔

سکندر خاں کے بہت سے ساتھی مفرور ہو گئے بادشاہ نے ان کے تعاقب میں اپنا لشکر روانہ کیا بہت سے مفرور پکڑے گئے اور موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

جلال خاں کی امان طلبی

خواجہ جہاں اور ملک التجار کلواں نے اس واقعے کے دوسرے روز شاہی حاکم کے مطابق نلگنڈہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اپنی قوت سے پورا پورا کام لے کر قلعے کو تسخیر کر لیا۔ جلال خاں کا بیٹا تو لقمہ اجل ہو ہی چکا تھا لہٰذا ایک ہفتے کے بعد اسے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ بادشاہ سے امان طلب کر لی۔ جائے جلال خاں نے ملک التجار کلواں اور خواجہ جہاں کے توسط سے بادشاہ سے امان طلب کی اور اپنے ساتھ بے حساب دولت لے کر جو اس نے اپنی امارت کے پچاس سالوں میں جمع کی تھی ہمایوں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے جلال خاں پر رحم کھایا اور اسے قتل نہ کیا بلکہ گرفتار کر لیا جلال خاں نے اسی اسیری کی زندگی کو غنیمت سمجھا اور اسی عالم میں شب و روز بسر کرتا رہا۔

دیوکنڈ پر لشکر کشی

سکندر خاں کے ہنگامے کو ختم کرنے کے بعد ہمایوں شاہ نے دیوکنڈ کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قلعہ تلنگانہ کے زمینداروں کے قبضے میں تھا جو کہ سکندر کی ہوا خواہی اور ہمدردی کا دم بھرتے تھے۔ بادشاہ نے بہت غور و خوض کے بعد بذات خود ورنگل کا سفر اختیار کیا اور خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری کو دیوکنڈ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ تلنگانہ کے باشندوں نے آپس میں مل کر کئی بار بادشاہ لشکر سے معرکہ آرائی کی لیکن انہیں ہر بار شکست کھانی پڑی۔ آخر کار خواجہ جہاں کو فتح ہوئی تلنگیوں نے جب اپنے آپ میں مقابلے کی ہمت نہ پائی تو وہ ناچار قلعہ بند ہو گئے۔ خواجہ جہاں نے کوہستان میں اپنے خیمے گاڑ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانے لگا۔

اہل قلعہ کی حواصلہ افزائی

تلنگی اس محاصرے سے بہت حواس باختہ ہوئے انہوں نے اڑیسہ اور دیگر راجاؤں کے پاس جو اپنی طاقت اور شان و شوکت کے لحاظ سے بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے اپنے قاصد روانہ کیے۔ اور بہت سی دولت کے عوض ان سے مدد کی خواہش کی ان راجاؤں نے بہت سا لشکر مع چند زنجیر ہاتھیوں کے ان کی مدد کو روانہ کیا۔ اور خود اپنی مدد کا بھی یقین دلایا' یہ دیکھ کر تلنگیوں کو بہت خوشی ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے جنگ کا تہیہ کر لیا۔

خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری کو جب حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپس میں مشورے کرنے شروع کر دیے۔ نظام الملک نے یہ مشورہ دیا اس سے پہلے کہ امدادی فوج یہاں پہنچے ہمیں قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو جانا چاہیے اور تنگ دروں سے نکل کر کھلے میدان میں اپنے خیمے گاڑنے چاہئیں۔" خواجہ جہاں نے نظام الملک کی رائے کو ناپسند کیا اور کہا "اگر ہم نے یہاں سے کوچ کیا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم مایوس ہو کر بھاگ رہے ہیں لہٰذا وہ ہمارا پیچھا کرے گا میرے خیال میں یہی مناسب ہے کہ ہم اسی جگہ دشمن کا مقابلہ کریں۔" یہ جواب پا کر نظام الملک خاموش ہو گیا۔

شاہی امراء کا فرار

دوسرے دن صبح کے وقت خواجہ جہاں کے لشکر پر ایک جانب سے راجہ اڑیسہ اور اوریانے اور دوسری جانب سے تلنگانہ اور قلعہ کے لشکر نے حملہ کیا چونکہ جگہ بہت تنگ تھی اس وجہ سے سپاہیوں کو آنے جانے کا موقع نہ ملا لہٰذا مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری بڑی خستہ حالی کے عالم میں اس جگہ سے باہر نکلے لیکن غیر مسلموں نے ان کا

تعاقب کر کے انہیں کہیں دم لینے کا موقع نہ دیا۔ اور اسی کوس تک بھاگتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ ورنگل میں ہمایوں شاہ کے پاس پہنچ گئے۔

نظام الملک غوری کا قتل

بادشاہ نے ان لوگوں سے تمام حالات پوچھے خواجہ جہاں نے جھوٹ سے کام نہ لیا اور حق گوئی کو اپنا شعار بنا کر سب کچھ صاف صاف کہہ دیا اس نے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوا ہے اس کی تمام ذمہ داری نظام الملک پر عائد ہوتی ہے۔" اس سے قبل کہ خواجہ جہاں اس اجمال کی تفصیل بیان کرتا بادشاہ نے اسی وقت نظام الملک جیسے بہادر اور جری جنگجو کے قتل کا حکم دے دیا۔ نظام الملک کے رشتہ دار اور عزیز فرار ہو کر محمود شاہ خلجی کے پاس پہنچ گئے۔ ہمایوں شاہ نے خواجہ جہاں کو بھی ایک قلعے میں نظر بند کر دیا۔

یوسف ترک کچل کی بغاوت

ایک روایت یوں بھی بیان کی جاتی ہے کہ نظام الملک خود ہی فرار ہو کر محمود مالوی کے پاس پناہ گزین ہوا۔ بہرحال کچھ بھی ہو قصہ مختصر یہ کہ ہمایوں شاہ کے دل میں انتقام کے جذبات کروٹیں لینے لگے اور اس نے دیوکنڈ پر دوبارہ لشکر کشی کا پکا ارادہ کر لیا ابھی وہ تیاریوں میں مصروف ہی تھا کہ ایک دم احمد آباد بیدر سے یہ خبر آئی کہ یوسف ترک کچل نے شہزادہ حسن اور شاہ حبیب اللہ کو قید خانے سے نکال لیا ہے۔ اور یہ سب آپس میں مل کر بیدر کے قصبے میں چلے گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی ہمایوں شاہ نے ملک التجار کو تلنگانہ کے انتظامات کے لیے وہیں چھوڑا اور خود جمادی الآخر کے مہینے میں جلد از جلد اپنے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے لگا۔

معزز قیدیوں کی رہائی کا قصہ

ہمایوں شاہ نے شاہ حبیب اللہ کو شہزادہ حسن خاں کی دوستی کے جرم میں داخل زنداں کیا تھا جب بادشاہ نے نلگنڈہ پر حملہ کیا اور وہ سکندر خاں کو قتل کر کے اس علاقے کے قلعوں کو تسخیر کرنے میں مشغول ہوا تو شاہ حبیب اللہ کے ساتھ مریدوں نے آپس میں مل کر اپنے مرشد کو قید خانے سے نکالنے کا ارادہ کیا ان لوگوں نے یوسف کچل سے بات چیت کی یوسف کچل بادشاہ کا غلام تھا اور اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بہت پاکیزہ فطرت انسان تھا یوسف شاہ حبیب اللہ کے خاندان کے سلسلہ مریدی رکھتا تھا اس لیے اس نے شاہ صاحب کو قید سے نکالنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے بعض کوتوالوں اور محافظوں سے ساز باز کر کے پچاس پیادوں اور بارہ سواروں کا ایک مختصر سا گروہ تیار کر لیا۔

زنداں بادشاہی محل میں تھا وہاں تین ہزار پیادے حفاظت کے لیے موجود تھے یوسف نے خدا پر بھروسہ کیا اور اپنی مختصر سی جماعت کو ہمراہ لے کر شام کے وقت بادشاہی محل میں گیا اکثر محافظ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور تھوڑے بہت چوکیدار جو وہاں موجود تھے انہوں نے یوسف کو اندر جانے سے روکا یوسف نے ان چوکیداروں سے کہا۔ "میرے پاس شاہی فرمان آیا ہے کہ قید خانے میں جا کر فلاں فلاں قیدیوں کی آنکھیں نکال لوں۔" یہ کہہ کر یوسف نے اپنی بغل سے سرخ رنگ کا شاہی فرمان جیسا کہ بہمنی سلاطین میں مروج تھا نکال کر چوکیداروں کو دکھایا وہ یہ فرمان دیکھ کر خاموش ہو گئے اور یوسف کو اندر جانے کی اجازت دے دی یوسف پہلے دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے پر پہنچا اس دروازے کے دربانوں نے بھی اسے روکا تو یوسف نے وہی جعلی فرمان ان کو بھی دکھا دیا لیکن یہ دربان یوسف کو اندر جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوئے اور کہا کہ ایسے امور کی انجام دہی کے لیے کوتوال شہر کے پروانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یوسف نے ان دربانوں کے سردار کا سر تن سے جدا کر دیا اور زبردستی اندر داخل ہو گیا قلعے کے اندر ایک ہنگامہ بپا ہو گیا ہر طرف

سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں یوسف فوراً قید خانے کے اس حصے میں پہنچا جہاں ملک کے ممتاز اور نمایاں لوگوں کو نظر بند کیا گیا تھا اس نے شاہ حبیب اللہ کی زنجیر توڑ ڈالی یہ عالم دیکھ کر شہزادہ یحییٰ خاں اور حسن خاں نے نیز جلال الدین خاں بخاری نے بھی بڑی منت و سماجت کے ساتھ یوسف سے درخواست کی کہ ان کی زنجیروں کو بھی توڑ ڈالا جائے یوسف نے ان لوگوں کو بھی رہا کر دیا اور دیگر قیدیوں سے جو دارالامارت کے پاس نظر بند تھے کہا۔ "جو شخص ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو وہ اپنی زنجیر توڑ ڈالے اور شاہی دروازے پر ہم سے آ کر مل جائے۔"

یوسف نے شہزادہ حسن خاں اور قید خانے کے دوسرے معزز اور ممتاز قیدیوں کو اپنے ساتھ لیا اور شاہی محل کے دروازے پر ایک پہر رات تک کھڑا رہا قیدی جن میں عالم، فاضل، سید، فقیر، الغرض ہر طبقہ اور ہر جماعت کے لوگ شامل تھے تعداد میں سات ہزار تھے ان سب لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جوق در جوق اپنے آپ کو زنجیروں سے چھڑا کر یوسف کے گرد شاہی محل کے دروازے پر جمع ہونے لگے ان قیدیوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو لکڑی اور پتھر سے جنگ کھلانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں کوتوال شہر کو حالات کا علم ہوا وہ فوراً شاہی محل کی طرف دوڑا قیدیوں نے بڑی دلیری سے کام لیا اور کوتوال کو پتھر اور لکڑی مار مار کر بھگا دیا۔ اس رات ہر شخص ایک علیحدہ گوشے میں قیام پذیر ہوا لیکن جلال خاں بخاری جو اس وقت تک زندگی کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا اور شہزادہ یحییٰ خاں بن سلطان علاؤ الدین کسی نہ کسی طرح کوتوال شہر کے ہتے چڑھ گئے کوتوال نے بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شہزادہ حسن کا عزم تسخیر قلعہ ارک

شہزادہ حسن خاں اور شاہ حبیب اللہ ایک حجام کے گھر میں چھپ گئے۔ یہ حجام شاہ صاحب کا قدیم نمک خوار تھا، یہاں دونوں نے ہمایوں شاہ کے ظلم و ستم کو دیکھتے ہوئے، ملک میں ایک پرامن حکومت قائم کرنے کے مشورے کیے۔ دونوں فقیروں اور درویشوں کے ایک گروہ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سپاہیوں کے گروہ کے گروہ ان کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے۔ یوسف ترک نے بھی شہزادہ حسن کا ساتھ دیا اور اس سے آملا۔ یہ سب لوگ دارالسلطنت کے سب سے خوبصورت باغ میں جو احمد آباد بیدر سے تین کوس کے فاصلے پر واقع تھا، قیام پذیر ہوئے۔ بعد ازاں تین ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادوں کا ایک عالی شان لشکر لے کر قلعہ ارک بیدر فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

ان لوگوں پر یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ ارک کا فتح کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ کیونکہ اہل قلعہ نے اپنے آپ کو بہت اعلیٰ طریقے سے مستحکم کر رکھا ہے۔ ان لوگوں نے کوشش کی لیکن اہل قلعہ کی مدافعت نے ان کو مایوس کر دیا۔ لہٰذا یہ لوگ قلعے کی تسخیر کا خیال ترک کر کے قصبہ بیٹر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ملک کے اس حصے پر قابض ہو سکیں۔

ہمایوں کی بیدر میں آمد

یوسف ترک امیر الامراء مقرر ہوا۔ شاہ حبیب اللہ وزارت اور جمعیتہ الملکی کے منصب پر فائز ہوئے اور حسن خاں اور اس کے حاشیہ نشین لشکر کو جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہمایوں شاہ کو، جس کے ظلم و ستم اور ظالمانہ عادات ملک دکن میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب یہ تمام حالات معلوم ہوئے، تو وہ اس وقت تلنگانہ میں تھا یہ خبریں سنتے ہی وہ جلد از جلد بیدر پہنچا۔ اس نے بیدر میں پہنچتے ہی سب سے پہلے ان تین ہزار سپاہیوں کو جو شہر کی حفاظت کے لئے مقرر تھے، طرح طرح کے عذاب سے لقمہ اجل بنایا۔ کوتوال شہر کو لوہے کے ایک بہت بڑے پنجرے میں قید کر دیا۔ ہمایوں شاہ ہر روز کوتوال کے جسم کا ایک حصہ کاٹ کر اسے کھانے کے لئے دیتا آخر کار کوتوال اس وحشت و بربریت کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

بھائیوں میں جنگ اور حسن خاں کی فتح

اس کے بعد ہمایوں شاہ نے آٹھ ہزار سوار اور ان گنت پیادے اپنے بھائی حسن خاں کے مقابلے کے لئے روانہ کیے۔ فریقین میں' بیٹر کے جنگل میں' خانقاہ کے قریب زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں' شاہ حبیب اللہ کی کوششوں سے' شہزادہ حسن خاں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ عالم دیکھ کر ہمایوں شاہ کا غصہ اپنے شباب پر آگیا اور اس نے ان تمام امراء اور سلحداروں کو' جو تلنگانہ کی مہم میں اس کے ساتھ تھے' خزانے اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بیٹر کی طرف روانہ کیا۔

دوسرا معرکہ اور حسن خاں کا فرار

ہمایوں شاہ نے ان امراء کے اہل و عیال کو موکلوں کے سپرد کر دیا تاکہ کہیں یہ امراء حسن خاں کے ساتھ ساز باز نہ کر لیں۔ دونوں بھائیوں میں گھمسان کا رن پڑا' حسن خاں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر بیجاپور کی طرف فرار ہو گیا۔ وہ انتہائی خستہ حالی میں پریشانی کے عالم میں سات یا آٹھ سو سواروں کے ساتھ بیجاپور کے قریب جا پہنچا۔ اس علاقے کا تھانیدار' سراج خاں جنیدی تھا جو بعد میں ہمایوں شاہ کا ملازم ہو کر' خواجہ معظم خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ سراج خاں نے حسن خاں کے ساتھ دغابازی کی اور اسے پیغام دیا۔
''اس سارے ملک کو آپ اپنا ملک تصور کیجئے چونکہ اس علاقے کا طرفدار خواجہ کاواں ان دنوں تلنگانہ میں ہے اور یہ ملک دشمن سے بالکل خالی ہے' لہٰذا اگر آپ یہاں قیام پذیر ہوں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بیجاپور رائچور اور مدگل کی تمام رعایا اور فوج آپ کا پورا پورا ساتھ دے گی اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے گی یہ سب لوگ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا فرض سمجھیں گے۔''

سراج خاں جنیدی کی عیاری

شہزادہ حسن خاں نے' شاہ حبیب اللہ اور اپنے دیگر سات' معتمد امراء کے مشورے سے سراج خاں جنیدی کی درخواست قبول کر لی' اور بیجاپور کے کچے قلعے میں مقیم ہوا۔ سراج خاں نے ان لوگوں کی بہت خاطر و مدارات کی اور دعوت و اظہار خلوص میں کسی قسم کی کمی نہ کی۔ ان لوگوں نے جلال خاں پر پورا بھروسا کر لیا اور غافل ہو گئے۔ شام کے وقت جلال خاں' سلام کے بہانے سے قلعے کے اندر آیا اور اس محل کا' کہ جس میں یہ سب لوگ قیام پذیر تھے' محاصرہ کر لیا۔ سراج خاں نے یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے دوسرے روز ہمایوں شاہ کے پاس بھجوا دیا جائے۔

حسن خاں وغیرہ کی گرفتاری

شاہ حبیب اللہ نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے اپنا ترکش سنبھال لیا اور حریف سے لڑائی شروع کر دی' وہ اس قدر لڑے کہ آخر کار شہید ہو گئے۔ سراج خاں نے شہزادہ حسن' یوسف ترک اور ان کے دوسرے ساتھیوں اور ہمدردوں کو یہاں تک کہ بہشتیوں اور فراشوں کو بھی قید کر لیا۔ اور احمد آباد بیدر کی طرف روانہ کر دیا' ہمایوں شاہ کی ظالمانہ سرشت جوش پر آ گئی۔ اس نے حکم دیا کہ بیدر کے بازار میں جگہ جگہ پھانسیاں لٹکا دی جائیں اور وہاں مست ہاتھیوں اور دوسرے طرح طرح کے درندوں کو کھڑا کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ گرم پانی اور جلتے ہوئے تیل کے قرابے بھی تیار رکھے جائیں۔

ظلم و ستم کی گرم بازاری

شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور ہمایوں شاہ اپنے دیوان خانے میں بالا خانے پر نظارہ کرنے کے لئے آ بیٹھا سب سے پہلے شہزادہ حسن کو شیر کے سامنے پھینکا گیا۔ اس سفاک درندے نے شہزادے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد یوسف ترک اور اس کے ساتوں ساتھی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ ان مجرموں کے بیوی بچوں کو ہمایوں شاہ نے بڑی بری طرح ان کے گھروں سے باہر نکالا اور بارگاہ میں بلایا یہاں بے شمار تماشائی جمع تھے۔ اس مجمع میں ہمایوں شاہ نے ان مظلوموں کو ایسے ایسے برے کلمات سے مخاطب کیا کہ ان کا ذکر کرنا بھی شرافت و

تہذیب کے منافی ہے- ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے گئے' سختیاں کی گئیں اور ان خاص طریقوں سے جو ہمایوں شاہ کی اپنی ایجاد تھے ان بیچاروں پر آفتیں ڈھائی گئیں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں الغرض سبھی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اپنے طرز عمل سے گویا ہمایوں شاہ نے ضحاک اور حجاج کے کارناموں کو بھی مات کر دیا-

اس کے بعد ہمایوں شاہ شہزادہ نے حسن خاں کے متعلقین اور مقربین کو شاہی بازار میں بلوایا یہ سب ایسے لوگ تھے کہ جن کا گزشتہ واقعات سے کوئی تعلق نہ تھا- یہ تعداد میں سات سو تھے' اور ان میں باورچی اور طبیخچی وغیرہ بھی شامل تھے' ان میں سے بعضوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا' بعضوں کو شیروں اور ہاتھیوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا گیا' بعضوں کو دیگوں میں ڈال کر بھونا گیا- بعضوں کو چاقو اور دستہ سے مارا گیا' اور بعضوں کے اجسام ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں سپرد اجل کیا گیا-

ہمایوں شاہ کا غصہ

"تاریخ محمود شاہی" کے مولف نے بیان کیا ہے کہ میں نے ہمایوں شاہ کے خاص ندیم اور شاہی مقرب کی زبانی سنا ہے کہ جس زمانے میں ہمایوں شاہ نے ورنگل کے شہزادہ حسن کی بغاوت کی خبر سنی تو اس پر ایسا غصہ طاری ہوا کہ وہ اس جنون و وحشت میں اپنے کپڑے پھاڑنے لگتا- کبھی زمین کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر دباتا' یہاں تک کہ ہونٹ اور منہ زخمی ہو جاتا- ہمایوں شاہ نے ورنگل سے بیدر پہنچ کر جو کچھ کیا اور جس انداز سے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اس کی نظیر قدیم ظالموں کے کارناموں میں نہیں ملتی- اس کی تلوار کے سامنے اپنے اور پرائے میں کوئی فرق نہ تھا جو سامنے آتا مارا جاتا' اس سفاک کے مقابلے پر اگر حجاج کو نوشیرواں عادل سے نسبت دی جائے تو کچھ نامناسب نہ ہوگا-

شہزادہ حسن کے واقعے نے ہمایوں شاہ کو کچھ ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ اس نے ان شہزادوں میں سے اکثر کو' جو ملک کے وارث تھے اور قلعوں اور دوسری جگہوں پر قناعت اور بے فکری کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے' موت کے گھاٹ اتار دیا- ہمایوں شاہ پر حکمرانی کا کچھ ایسا بھوت سوار ہوا کہ وہ تمام خلق خدا سے بدگمان ہو گیا- اس کی بے رحمی اور ظلم و ستم میں کسی طرح بھی کمی نہ ہوتی تھی- اس کی تلوار سے' مسلم' غیر مسلم اور بے گناہ کوئی محفوظ نہ تھا سبھی اس کے ظلم و تشدد کی بھینٹ چڑھتے تھے- اس کے قہر و غضب کا یہ عالم تھا' کہ اگر کسی قصبہ میں سے کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو سارا قصبہ تباہ کر دیا جاتا اس کے غصے کی آگ' خشک و تر سبھی کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی-

ہمایوں شاہ نے لوگوں کے اہل و عیال کو بھی اپنا نشانہ' ستم بنایا اور اپنی نفسانی خواہشات کے لئے بھی مظالم ڈھائے کبھی ایسا ہوتا کہ اس کے حکم سے کوئی دلھن راستے ہی میں پکڑ کر اس کے محل میں پہنچا دی جاتی- اور پھر دوسرے دن اپنے شوہر کے گھر روانہ کی جاتی اہل حرم کو بھی "جرم بے گناہی" کی پاداش میں قتل کیا جاتا- حکومت کے امیر وزیر اور ملازم جب کبھی بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے جاتے تو وہ اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہو کر دیوانخانے میں آتے تھے' اپنے بچوں اور متعلقین کو وصیتیں کرنے کے بعد ہی لوگ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے-

ہمایوں شاہ ابھی ظلم و ستم میں مصروف ہی تھا کہ خداوند تعالٰی نے اپنے بندوں پر رحم کیا اور ہمایوں شاہ بیمار پڑ گیا- ہمایوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی یہ بیماری مرض الموت کے سوا کچھ اور نہیں اس نے اپنے بڑے بیٹے نظام شاہ کو' جو اس وقت آٹھ سال کا تھا' اپنا ولی عہد مقرر کیا' خواجہ جہاں کو قلعہ سے آزاد کر کے اور ملک التجار کو تلنگانہ سے بلوایا اور ان دونوں کو اپنی وصیت سے آگاہ کیا- خواجہ جہاں سے بڑھ کر کوئی با اعتبار امیر موجود نہ تھا اس لئے اسے وکیل السلطنت اور ملک التجار کو وزیر مقرر کیا گیا- بادشاہ نے ان دونوں کو یہ تاکید کی وہ کبھی کوئی کام شاہزادے کی مرضی کے بغیر نہ کریں- آخر کار ہمایوں شاہ کے دن پورے ہوئے ۲۸ ذیقعد ۸۶۵ھ کو اس کا انتقال ہوا اور یوں

خدا کے بندوں نے اس سفاک کے ہاتھوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔

میرے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ ہمایوں شاہ کو وصیت راس آئی اور اس نے مرض سے چھٹکارا حاصل کر لیا چونکہ ہمایوں کے ظلم کی وجہ سے سب لوگ اس سے نالاں تھے اس لئے چاہتے تھے کہ وہ مر جائے۔ حرم سرا کے داروغہ خواجہ سرا شہاب خاں نے حبشی لونڈیوں سے سازش کر کے اسے ختم کروا دیا۔ ہوا یوں کہ ایک رات ہمایوں شاہ شراب کے نشے میں دھت پڑا ہوا تھا کہ ایک کنیز نے لکڑی کی چوب اس کے سر پر ایسی لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ مشہور شاعر مولانا نظیری نے تاریخ وفات کہی۔ مولانا نظیری کو ملک التجار کی مہربانی سے "ملک الشعراء" کا خطاب ملا تھا اور وہ شاہ حبیب اللہ کے زندانی ساتھیوں میں تھے ان دنوں وہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ہمایوں شاہ کی مدت حکومت تین برس چھ ماہ ہے۔

نظام شاہ بہمنی

ملکہ جہاں کی دانشمندی

ہمایوں شاہ کے انتقال کے بعد اس کے خوبصورت اور حسین بیٹے اکبر شاہ نے' جس کی عمر صرف آٹھ سال تھی' عنان حکومت سنبھالی۔ نظام شاہ کی ماں بہت ہی ذہین اور عقلمند عورت تھی' اس نے مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق ملک کے ہر طرح کے حالات سے آگاہ ہو کر تمام امور کو خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار محمود گاواں کے مشورے کے مطابق انجام دینا شروع کر دیا۔ اس خاتون نے بہت عقل و دانشمندی سے مہمات سلطنت کو سرانجام دیا۔ متذکرہ بالا دونوں امیروں کے علاوہ کوئی اور شخص سلطنت کے کاموں میں دخل نہ دیتا تھا۔ ہمایوں شاہ کی وصیت کے مطابق ملک التجار محمود گاواں کو جمعیتہ الملک' وزیر کل اور بیجاپور کا طرف دار اور خواجہ جہاں ترک کو وکیل السلطنت اور تلنگانہ کا طرف دار بنایا گیا۔

ہر روز صبح کے وقت یہ دونوں امیر شاہی بارگاہ میں آتے اور ماہ بانو نامی ایک عورت کے ذریعے ملکہ جہاں سے سلطنت کے معاملات کے بارے میں بات چیت کرتے۔ آپس کی گفتگو سے جو کچھ طے پاتا اس کو عمل میں لانے کے لئے شہزادہ نظام شاہ کو باہر نکال کر تخت فیروز پر بٹھاتے۔ ملک التجار شہزادے کی داہنی طرف اور خواجہ جہاں ترک بائیں طرف کھڑا ہو جاتا اور اس طرح طے شدہ امور کو عمل میں لایا جاتا۔ الغرض ان تینوں کے باہمی مشورے سے حکومت کا کام بڑی خوش اسلوبی سے چلنے لگا اور ہمایوں شاہ کے عہد میں جو ظلم و ستم ہوا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔

اوریا و اڑیسہ کے راجوں کی لشکر کشی

آس پاس کے علاقوں کے مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حکومت ایک نو عمر لڑکے کے ہاتھ میں ہے' نیز ہمایوں شاہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے اہل لشکر و امراء وغیرہ کے دل چاک چاک تھے' اس لئے ہر ایک حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ سب سے پہلے تو اڑیسہ اور اوریا کے راجوں نے راجمندی کے راستے سے لشکر کشی کر کے دکن کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ ایک عظیم الشان لشکر لے کر ملک السلام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ سارے ملک کو ویران کر کے رکھ دیا۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ کولاس کے علاقے تک آبادی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

ملکہ جہاں' خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار نے ان مفسدوں کی شورش کو ختم کرنے کے لئے باہم مشورے کیے اور اس سلسلے میں ایسی باحوصلگی کے ساتھ متوجہ ہوئے کہ اپنے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی۔ پایہ تخت سے ملک میں چاروں طرف فرامین روانہ کر کے فوج کو طلب کیا گیا۔ ان لوگوں نے تقریباً چالیس ہزار سوار بیدر میں جمع کر لیے اور ان کو ساتھ لے کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ' کہ جس کی مثال پہلے کے بادشاہوں میں نہیں ملتی' اڑیسہ اور اوریا کے راجہ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ارکان نظام شاہی کا پیغام

احمد آباد بیدر سے دس کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا' جنگ شروع ہو گئی۔ راجہ کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مغلوب کر لیا جائے اور دکن کے فرمانروا سے خراج حاصل کر کے واپس لوٹا جائے۔ غیر مسلموں نے اپنے اس ارادے کا اظہار بھی نہ کیا تھا کہ نظام شاہ کے امراء اور وزراء نے اس کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ "ہمارے جواں بخت فرمانروا کا یہ ارادہ ہے کہ جاجنگر اور اڑیسہ پر حملہ

کر کے ان ممالک کو فتح کر لے۔ اس وقت تم نے خود ہی ہماری مشکلوں کو آسان کر دیا ہے اور اس طرف چلے آئے ہو۔ اگر تم نے خراج دینا قبول نہ کیا اور وہ تمام روپیہ جو تم نے مسلمانوں سے وصول کیا ہے واپس نہ دیا تو تمہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا ایک فرد بھی یہاں سے زندہ نہ جانے دیا جائے گا۔

معرکہ آرائی

یہ پیغام ارسال کرنے کے فوراً بعد ہی شاہ محب اللہ بن شاہ خلیل اللہ نے نظام شاہ کے لشکر سے ایک سو ساٹھ سواروں کو اپنے ساتھ لیا اور جہاد کی نیت سے رائے اوریا اور اڑیسہ کے مقدمہ لشکر پر' جو دس ہزار پیادوں اور چار سو سواروں پر مشتمل تھا' حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے سپاہی صبح سے لے کر دوپہر تک بڑی بہادری اور مردانگی سے دشمن کے بخیے ادھیڑتے رہے آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

مسلمانوں کی فتح

اڑیسہ اور اوریا کے راجہ بھاگ کر اپنے لشکر سے جا ملے۔ یہ دونوں اس شکست سے بے حد آزردہ خاطر ہوئے اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر اپنی قیام گاہ سے رات کے وقت فرار ہو گئے۔ خواجہ جہاں ترک نے ان فراریوں کا تعاقب کیا' ملک التجار گاواں' نظام شاہ کو ساتھ لے کر' خواجہ جہاں ترک کے پیچھے آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ روزانہ کوچ کے وقت تقریباً دو ہزار ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ مسلمان انکی تباہی و بربادی میں کسی قسم کی کمی روا نہ رکھتے تھے آخر کار یہ راجہ ایک قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان لوگوں نے اپنے قاصدوں کو ملک التجار کے پاس روانہ کیا اور بڑی عاجزی اور محبت سے بات چیت شروع کی۔ بہت ہی حیل و حجت اور قاصدوں کے بار بار آنے جانے کے بعد متذکرہ راجاؤں نے پانچ نقرئی سکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے اور اڑیسہ اور اوریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ نظام شاہ کامیاب و کامران' واپس احمد آباد بیدر میں آیا اور اس نے امراء اور فوجی سرداروں کو خلعت فاخرہ' تازی گھوڑوں اور مرصع کمر بندوں سے سرفراز کیا' اور انہیں ان کی جاگیروں پر روانہ کر دیا۔

نئے فساد

اسی زمانے میں سلطان محمود خلجی مالوی نے اپنے متعلقین اور رشتہ داروں یا نظام الملک غوری کے اکسانے پر اٹھائیس ہزار سواروں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے ملک دکن کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ خاندیس کے راستے سے بہمنی ممالک میں داخل ہوا۔ جب اڑیسہ اور اوریا کے راجوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے تلنگانہ کے راجوں سے مل کر' ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے ملک کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ نظام شاہ کے امیروں نے بھی ان دشمنوں کو نیچا دکھانے کا انتظام کیا۔ تلنگانہ کے لشکر کو اس علاقے کے راجاؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی ملک میں چھوڑا اور خود بیجاپور' برار اور دولت آباد کی فوج کو اپنے ہمراہ لے کر سلطان محمود خلجی سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

نظام شاہی لشکر کی ترتیب

قندھار کے قلعے کے قریب دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور ہر فریق معرکہ آرائی کے لئے تیار ہو گیا۔ بہمنی خاندان کا صاحب جمال اور خوبصورت بادشاہ' نوعمری کے باوجود ترکش کمر سے باندھ کر اور تلوار لٹکا کر بڑی چستی اور اطمینان کے ساتھ لشکر کی صفوں کو مرتب کرنے میں مصروف ہوا۔ میمنہ پر ملک التجار محمود گاواں کو دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ متعین کیا گیا' بادشاہ خود خواجہ جہاں اور اپنے کاکا سکندر خاں غلام ترک کے ساتھ قلب لشکر میں ٹھہرا جو گیارہ ہزار سواروں اور ایک سو ہاتھیوں پر مشتمل تھا۔

سلطان محمود کے لشکر کی ترتیب

دوسری جانب سلطان محمود خلجی نے اپنے لشکر کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ میمنہ کی نگرانی اپنے بیٹے شہزادہ غیاث الدین کے سپرد کی اور چندیری کے حاکم مہابت خاں اور ظہیر الملک کو میسرہ پر متعین کیا' خود سلطان محمود اپنے چیدہ اور بہادر ترین سپاہیوں کے ساتھ قلب لشکر کے ساتھ کھڑا ہوا۔

جنگ

قصہ مختصر یہ کہ ابھی نقارہ جنگ کی آواز پوری طرح بلند بھی نہ ہوئی تھی کہ ملک التجار محمود گاواں نظام شاہی لشکر کے میمنہ سے آگے بڑھا اور بہادری کے جوش میں مست ہو کر' بیجاپور کے لشکر کو اپنے ساتھ لے کر' دشمن کے میسرہ پر دھاوا بول دیا۔ مہابت خاں اور ظہیر الملک نے بڑی بہادری اور جان بازی کے ساتھ حملے کو روکا' لیکن محمود گاواں کی قوت کا وہ مقابلہ نہ کر سکے اور میدان جنگ سے فرار ہونے کے لئے پر تولنے لگے مگر محمود گاواں کے لشکریوں نے انہیں قتل کر دیا۔ نظام الملک ترک نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا اور ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح نعرہ لگا کر شہزادہ غیاث الدین پر حملہ کر دیا' غیاث الدین میدان جنگ میں اپنے آپ کو پانچ سو بہادر سپاہیوں کے برابر سمجھتا تھا۔ وہ بہت سی لڑائیوں میں اپنے دشمنوں کو نیچا دکھا چکا تھا' اس وجہ سے اس کی بہادری اور شجاعت کی سارے ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ جس وقت لڑائی اپنے شباب پر تھی' اس وقت اتفاقاً شہزادہ غیاث الدین اور نظام الملک کا آمنا سامنا ہو گیا۔

یہ دونوں بے نظیر اور جواں ہمت بہادر ایک دوسرے کو پہچانے بغیر ہی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے اور تلواریں چلنے لگیں۔ نظام الملک کی تلوار اس آویزش میں ٹوٹ گئی' اس کے ہاتھ میں صرف دستہ رہ گیا' لیکن اس نے ہمت نہ ہاری بلکہ بڑی حاضر دماغی اور چالاکی سے کام لیا اس نے تلوار کا دستہ غیاث الدین کے منہ پر اس زور سے دے مارا کہ غیاث الدین کی آنکھ زخمی ہو گئی اس میں سے خون بہنے لگا' اس کے بعد نظام الملک نے غیاث الدین کو گھوڑے سے نیچے گرا لیا اور اپنا گھوڑا اس پر دوڑا کر اس کا کام تمام کرنے ہی والا تھا کہ شہزادے کے ہمراہی سپاہیوں کی ایک جماعت نے وہاں پہنچ کر شہزادے کو اٹھا لیا اور بھاگ نکلے۔

محمود خلجی کی کم ہمتی

نظام شاہی لشکر نے فراریوں کا پیچھا کیا اور تقریباً دو کوس کے فاصلے تک ان کا پیچھا کرتے چلے گئے۔ اور دشمن کے سپاہی کو قتل کر کے چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں بکھیر دیں۔ اس کے بعد دکنیوں نے دشمن کے لشکر کی طرف توجہ کی اور پچاس ہاتھی گرفتار کر لیے۔ سلطان محمود خلجی نے جب اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کی یہ حالت دیکھی تو وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے بھاگ کر مندور چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب اس کے اس ارادے کی خبر' اس کے ایک ہمراز درباری کو معلوم ہوئی تو اس درباری نے محمود خلجی کو سمجھایا اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔

ہاتھی کی مستی

اس وقت نظام شاہ کا جی چاہا کہ اپنی ذاتی شجاعت کے کچھ جوہر دکھائے۔ اس نے سلطان محمود خلجی کے خاصہ کی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ خواجہ جہاں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا اور وہ خود دس ہزار بہادر سپاہیوں اور چند نامی گرامی ہاتھیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ اس نے سلطان محمود کے لشکر سے' جو بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا مقابلہ کیا۔ جب لڑائی جاری تھی اس وقت سلطان محمود نے سکندر خاں غلام ترک کے ہاتھی کے ماتھے پر ایک تیر مارا۔ سکندر خاں' خواجہ جہاں کے ساتھ مصروف جنگ تھا۔ ہاتھی تیر کھا کر بدک اٹھا اور بھاگ نکلا اور اس نے اپنے ہی لشکر کے بہت سے سپاہیوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ اس موقع پر عین ممکن تھا کہ بادشاہ کو کوئی نقصان پہنچ

نظام شاہ کی بیدر کو روانگی

سکندر خاں غلام نے اپنی حماقت اور عاقبت نا اندیشی اور خواجہ جہاں کی مخالفت کا خیال کر کے سپاہیوں کو لڑائی کرنے کے لئے اکسایا۔ بلکہ نظام شاہ کو اپنے ساتھ لے کر میدان جنگ سے باہر نکل گیا اور کچھ فاصلے پر جا کر لشکر کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب امیروں اور خاصہ کے لشکر نے شاہی کوکبہ کو اس جگہ پر نہ دیکھا تو وہ معرکہ آرائی سے بیزار ہو کر ایک ایک کر کے میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اور نظام شاہ کو اپنے ساتھ لے کر سیدھے بیدر جا پہنچے۔

نظام شاہیوں کا فرار

خواجہ جہاں نے جب یہ دیکھا کہ میمنہ اور میسرہ کا لشکر تو اپنے آپ کو فاتح سمجھ کر دشمن کی تباہی و بربادی میں مصروف ہے اور شاہی چتر بھی میدان جنگ میں موجود نہیں ہے۔ نیز قول کے لشکری آمادہ فرار ہیں تو اس نے میدان جنگ سے باہر نکل کر حسن تدبیر سے شاہی چتر کو اپنے قبضے میں کر کے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ ملک التجار محمود گاواں اور دیگر دکنی اور حبشی امراء بھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس طرح ساری فوج بیدر پہنچ گئی۔

سکندر خان کی گرفتاری

سکندر خاں غلام ترک جو نظام شاہ کو تقریباً دو تین سو سواروں کے ساتھ میدان جنگ سے نکال کر لایا تھا اور اس وجہ سے سب لوگ اسے تحسین و آفرین کا مستحق سمجھتے تھے' وہ خواجہ جہاں سے ملاقات کرنے کے لئے گیا۔ خواجہ جہاں نے سکندر خاں کو اس جرم پر کہ اس نے بے موقع و محل بادشاہ کو میدان جنگ سے باہر نکالا' گرفتار کر لیا اور اسے بہت ہی بے عزتی اور تذلیل کے ساتھ اپنے مکان سے باہر نکال کر موکلوں کے سپرد کر دیا۔ خواجہ جہاں کے اس سلوک سے تمام ترکی غلام چراغ پا ہو گئے انہوں نے آپس میں مل کر نظام شاہ کی والدہ ملکہ جہاں سے کہا۔ "ہم غلاموں نے آج تک آپ کی خیر خواہی کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب میمنہ اور میسرہ کی فوج دشمن کی تباہی و بربادی میں مصروف ہوئی۔ اور بادشاہ کے قریب کوئی سپاہی نہ رہا تو سکندر خاں نے مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے آپ کے بیٹے کو میدان جنگ سے باہر نکال لیا اور آپ کے سپرد کر دیا۔ اب بادشاہ کے کاکا کو گرفتار کر لیا گیا ہے' ایک ترک کا ایک مغل کے ہاتھوں اس ذلت و رسوائی کے ساتھ گرفتار ہونا بہت بڑی بدنامی کی بات ہے۔"

دکن کے باشندوں کو اپنے غلاموں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اس لئے ملکہ جہاں ترکوں کی بات سن کر بہت رنجیدہ ہوئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں مصلحتاً کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتی تم لوگ فکر نہ کرو میں آئندہ کبھی اس کی تلافی کر دوں گی۔ خواجہ جہاں کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے سکندر خاں کو ملکہ جہاں کے پاس بھیجدیا اور یہ عذر کیا کہ سلطان محمود خلجی جو ہمیشہ خواجہ جہاں سے خائف رہتا تھا' اس کی ناراضگی سے واقف ہو گیا ہے اور احمد آباد بیدر کو فتح کرنے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہو چکا ہے۔

سلطان محمود خلجی کا اقتدار

ملکہ جہاں' خواجہ جہاں کی عیاری سے اچھی طرح واقف تھی' اس سے ڈرتی تھی' اور مندرجہ بالا معرکے میں شکست کا سبب اسی کو سمجھتی تھی۔ ملکہ نے محمود گاواں سے مشورہ کر کے ارک کے قلعے کا نگران ملوخاں کو مقرر کیا اور خود تمام شاہی خزانوں' بیگمات' نظام شاہ اور محمود گاواں کے ساتھ فیروز آباد کی طرف روانہ ہوئی۔ سلطان محمود خلجی نے بڑی سہولت کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا اور سترہ دن کے اندر اندر قلعے پر قبضہ کر کے حصار کے اندر مقیم ہو گیا۔ محمود شاہ نے برار اور دولت آباد کے اکثر شہروں کو اپنی حکومت میں لے لیا اور وہاں کی رعایا کو اپنا اطاعت گزار بنا لیا۔ اہل دکن کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ اب حکومت خاندان بہمنیہ کے ہاتھوں سے نکل کر خاندان خلجی

مالوی کے قبضے میں چلی گئی۔

محمود شاہ گجراتی کی آمد

اسی دوران میں اچانک محمود شاہ گجراتی' جو خود اس زمانے میں کم سن تھا' کا لشکر گجرات کی سرحد پر نمودار ہوا۔ جن دنوں نظام شاہ معرکہ آرائی کے لئے روانہ ہو رہا تھا' اس نے محمود کاواں کے مشورے سے محمود شاہ گجراتی کے نام خلوص و محبت کا ایک خط ارسال کیا تھا اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ نظام شاہ نے فیروز آباد ہی میں قیام کیا اور یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ مفرور سپاہی بھی اس کے ساتھ آ ملے ہیں' اس نے خواجہ جہاں کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ محمود شاہ خلجی کے مقابلے پر روانہ کیا۔ خواجہ جہاں ابھی رخصت ہوا ہی تھا کہ یہ اطلاع ملی کہ محمود شاہ گجراتی اسی ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا ہے۔

ملک التجار کی بیدر کو روانگی

ملکہ جہاں نے یہ خبر سنتے ہی محمود کاواں کو جس کی خوش اسلوبی اور حسن سلوک سے تمام لشکری بہت خوش تھے اور اس کو بہت چاہتے تھے' تقریباً پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کی راہ سے شاہ گجرات کے پاس روانہ کیا۔ محمود شاہ گجراتی نے اپنے بہت سے قابل اعتبار امراء کو بیس ہزار سواروں اور بے شمار آلات حرب کے ساتھ حریف کی مدافعت کے لئے محمود کاواں کے ساتھ روانہ کیا۔ محمود کاواں نے دکن کے چاروں طرف اپنے قاصد روانہ کیے اور کچھ دنوں میں چالیس ہزار دکنی اور گجراتی سواروں کا ایک جرار لشکر تیار کر کے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان محمود خلجی شہر کے اندر قیام پذیر تھا' ان دنوں وہ ارک کا قلعہ تسخیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا' نیز اپنا سامان درست کرنے میں مصروف تھا۔ قلعہ حاصل کرنے کے لئے وہ ہر روز ملوخاں سے معرکہ آرائی کرتا تھا۔ محمود خلجی کو جب ملک التجار کی آمد کی خبر ملی تو وہ بہت ہراساں ہوا اور بیدر سے مندو کی طرف بھاگ نکلا' بالکل اسی طرح جیسے کوئی پرندہ پنجرے سے آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ ملک التجار نے دس ہزار دکنی سواروں کا ایک لشکر برار کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے مالویوں کو آنے جانے کا موقع نہ دیں اور وہ خود بھی دس ہزار دکنیوں اور بیس ہزار گجراتیوں کی ایک جمعیت لیکر سلطان محمود خلجی کے قریب ہی قندھار اور بیٹر کے درمیانی علاقے میں مقیم ہوا۔

سلطان محمود خلجی کی فوج کی بدحالی

ملک التجار نے اپنے دشمن کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا۔ اور اس کی فوج کو چاروں طرف برباد کرنا شروع کر دیا۔ غلہ اور دیگر سامان ضرورت حاصل کرنے کی تمام راہیں بند کر دیں۔ سلطان محمود خلجی کے پاس' صحیح روایت کے مطابق بیس ہزار سواروں کا لشکر تھا' وہ لڑنے کے لئے تیار ہوا۔ مگر ملک التجار نے لڑائی نہ کی بلکہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہا۔ اسی کاروائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطان محمود کی فوج میں قحط کے آثار پیدا ہو گئے۔ مندو کے قریب خیموں میں بیٹھے ہوئے لشکری بھوک سے تنگ آ کر آہ و زاری کرنے لگے' سلطان محمود خلجی نے جب کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو اس نے تن تنہا فرار ہونے کی سوچی' وہ تمام ہاتھی جنہیں وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتا تھا' ان کو اندھا کر دیا گیا۔ اور شاہی اسباب اور اسلحہ وغیرہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ سلطان محمود خلجی نے جب یہ دیکھا کہ مندو کے تمام براہ راست اور پرامن راستوں پر حریف کا قبضہ ہے تو وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کونڈواڑہ کے راستے سے روانہ ہوا۔

سلطان محمود خلجی کا فرار

محمود کاواں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان فراریوں کا پیچھا کیا اور ان کی تاراجی و بربادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطان محمود خلجی کے ساتھ کونڈواڑہ کا مکھیا بھی تھا۔ سلطان نے اس سے کہا۔ "کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ ہمارا لشکر باسانی سفر طے کر سکے اور دکنیوں کے ظلم

دستم سے محفوظ رہے اور تجھ پر بھی کوئی آنچ نہ آئے۔" یہ کھیا سلطان سے انتقام لینے کے درپے تھا لہٰذا اس نے کہا۔ "اس علاقے میں ایسا کشادہ راستہ کوئی نہیں ہے کہ جس سے انسان اور جانور بہ آسانی گزر سکیں۔ ہاں ایک ایسی راہ ضرور ہے کہ جس سے ہم سفر طے کر سکتے ہیں' لیکن اس راہ میں چاہ ہاروت کی طرح ایسے کنوئیں ہیں کہ جن میں پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

راستے کی مشکلیں

سلطان محمود خلجی' ملک التجار کے تعاقب کرنے کی وجہ سے بہت حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر ایلچپور اور اکل کوٹ کی راہ اختیار کی اور کہا۔ "کوئی دشوار گزار راستہ اختیار کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم کوئی آسان اور کشادہ راستہ اختیار کریں کہ جس پر دشمن کا قبضہ ہو اور وہ ہم کو مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کر دے۔" قصہ مختصر یہ کہ پہلے روز پانی کی کمی' ہوا کی تپش اور راستے کی مشکل کی وجہ سے تقریباً پانچ چھ ہزار افراد لقمہ اجل ہوئے۔ دوسرے روز اس علاقے کے باشندوں یعنی کونڈوں نے' ان لوگوں کی مجبوری اور غریب الوطنی سے فائدہ اٹھا کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا' اور انہیں ایک دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے مال و اسباب کو اپنی جان پر سے صدقے کر دیا اور اپنی تمام دولت جنگلی اور پہاڑی علاقے میں قزاقوں کے آگے پھینکنے لگے۔ پانی اس قدر نایاب تھا کہ ایک پیالہ دو تنکے نقرئی میں بکنے لگا' لیکن اس کے باوجود بھی پانی ضرورت کے مطابق نہ ملتا تھا۔

الغرض سلطان محمود خلجی ہزار ہا مصیبتیں اور پریشانیاں اٹھا کر اس جنگل سے باہر نکلا' باہر نکل کر اسے معلوم ہوا کہ کنوؤں کو پوشیدہ کرنا اور راستوں میں ڈاکوؤں کو کھڑا کرنا' کونڈواڑہ کے مقدم کی حرکت ہے۔ محمود خلجی نے فوراً مقدم کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس مقدم کو جب اس حکم سے آگاہی ہوئی تو اس نے بادشاہ کو ایک بڑی سی گالی دے کر کہا۔ "میں نے تو شاندار انتقام لیا ہے۔ اگر بادشاہ ہزار ہا افراد کی جانوں کے عوض ایک میری گردن مارے گا تو اسے کیا ملے گا۔ میرے بیٹوں کو خدا رکھے میں پھر ان کی اولاد کی صورت میں دنیا میں آ جاؤں گا۔" اس مقدم کی اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کونڈواڑہ کے ہندو بھی دیگر بت پرستوں کی طرح عقیدہ تناسخ کے قائل ہیں اور اسی سبب سے وہ اپنے قتل سے ڈرتے نہیں ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی مر کر بالکل فنا نہیں ہو جاتا' انسان مر کر دنیا میں دوبارہ آتا ہے' خواہ کسی بھی چیز کے بھیس میں آئے' لیکن اس کی حالت اس جنم کی حالت سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔

محمود خلجی کا کردار

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود خلجی نے احمد آباد بیدر کا محاصرہ کر کے وہاں کی عمارتوں کو نذر آتش کر دیا اور رعایا کو بہت بری طرح تباہ و برباد کیا اور طرح طرح کے مصائب کے دروازے کھول دیئے۔ اس کے بعد دکن کے دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور رعایا کی دلجوئی اور ملک کی خوشحالی کی طرف متوجہ ہوا۔ سلطان محمود کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے لباس اور غذا کے لئے کام کرتا اور بڑے حلال اور جائز طریقے سے اپنی ضروریات پوری کرتا۔ وہ جائز طریقے سے حاصل کیا ہوا چاول' گھی' گیہوں اور کپڑا سفر میں اپنے ساتھ رکھتا اور لکڑی کے تختوں پر بوئی ہوئی سبزیاں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی تھیں۔

مولانا شمس الدین کی حق گوئی

جب سلطان محمود خلجی کو احمد آباد بیدر میں قیام کرتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو اس نے مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی سے' جو شاہ خلیل اللہ کے مقبرے کے مجاور تھے۔ ملاقات کی اور ان سے کہا "میرے پاس ترکاری ختم ہو گئی ہے اور اس سے بہت پریشانی ہے۔ ان تختوں کے اوپر' اس قدر ترکاری پیدا کرنا جو شاہی باورچی خانے کے لئے کافی ہو' بہت مشکل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس حلال کے روپے سے خریدی ہوئی زمین موجود ہو تو مجھے بتایئے تاکہ میں اسے اچھی قیمتیں دے کر سبزیاں خریدوں۔" یہ بات سن کر مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی نے فرمایا اے بادشاہ تو ایسی بات نہ کہہ کہ جسے سن کر تیرا مذاق اڑایا جائے مسلمانوں کے ملک میں آ کر ان کے مال و اسباب

کو' تباہ و غارت کرنا' ان کے گھروں اور آبادیوں کو ویران کرنا اور اس کے باوجود کپڑے اور ترکاری وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلے میں حلال و حرام کا خیال رکھنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ سب کچھ خدا ترسی سے بہت دور ہے۔" یہ سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا آپ سچ کہتے ہیں' لیکن جہان بانی اور ملک گیری ان باتوں کے بغیر بہت مشکل ہے۔"

ملک عرب کا ایک قصہ

مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اس حکایت کے مماثل ایک دوسرا قصہ "فتوحات" یا کسی دوسری کتاب میں دیکھا ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ملک عرب میں یحییٰ بن نعمان نامی ایک بادشاہ تھا اس کے عہد حکومت میں ابو عبد اللہ نامی ایک بزرگ تھے' جنہوں نے دنیا میں اور اہل دنیا سے ہر قسم کے تعلقات قطع کر کے گوشہ نشینی اور فقیری کو اپنا لیا تھا۔ ایک دن یحییٰ بن نعمان کا گزر ایک ایسے راستے سے ہوا کہ جس پر شیخ ابو عبد اللہ بھی اپنے مریدوں کے ہمراہ گزر رہے تھے۔ شیخ صاحب نے بادشاہ کو سلام کیا بادشاہ نے سلام کا جواب دے کر ان سے پوچھا۔ "میرے بدن پر جو ریشمی لباس ہے اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟" یہ سن کر شیخ صاحب مسکرا دیئے اور کہنے لگے۔" تیرا حال بالکل اس شخص جیسا ہے کہ جو سر سے لے کر پاؤں تک نجاست و غلاظت میں ملوث ہو' لیکن پیشاب کی چھینٹ سے پرہیز کرتا ہو' تیرا پیٹ حرام کے لقموں سے بھرا ہوا ہے' تیری گردن پر خلق اللہ پر ظلم ڈھانے کا طوق ہے۔ اور تو ریشم اور نماز کے مسئلے کو دریافت کرتا ہے۔" یہ سچی بات سن کر یحییٰ بن نعمان رو دیا اور اپنے گھوڑے سے اتر کر شیخ کا ہاتھ چوم لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بادشاہت ترک کر دی اور اپنی باقی زندگی شیخ صاحب کی خدمت میں بسر کر دی۔

احمد آباد بیدر کی تعمیر نو

قصہ مختصر جب سلطان محمود خلجی مندو واپس چلا گیا تو نظام شاہ نے محمود شاہ گجراتی کے نام ایک خط روانہ کیا اور بہت سے تحفے اور ہدیے اور کئی ہاتھی اپنے خاص مصاحبوں کے ہاتھ ارسال کیے اور زحمت دینے کی معذرت چاہی۔ محمود شاہی گجرات واپس چلا گیا نظام شاہ احمد آباد بیدر واپس آیا اور شہر کو از سر نو تعمیر کر کے آباد کرنے لگا کچھ ہی عرصے میں احمد آباد بیدر پہلے کی طرح آباد شہر بن گیا۔

محمود خلجی کا نیا حملہ

سلطان محمود خلجی کو ملک التجار محمود گاواں سے بڑی سخت دشمنی ہو گئی تھی اس لئے اس نے دوسرے سال یعنی ۸۶۷ھ میں حسب روایت نظام الدین احمد' نوے ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ دکن پر حملہ کیا نظام شاہ نے بھی لشکر تیار کروایا اور مقابلے کے لئے نکل پڑا۔ اس نے محمود شاہ گجراتی سے بھی مدد طلب کی۔ محمود شاہ نے بغیر کسی قسم کی تاخیر کے اپنے لشکر تیار کیا اور سلطان پور کی طرف چل پڑا اور راستے ہی میں محمود خلجی کو گھیر لیا۔ محمود خلجی اس مرتبہ بھی کونڈواڑہ کے راستے مندو چلا گیا اس کی روانگی کے بعد دونوں خوبصورت اور یوسف جمال فرمانروا ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے کو تحفے تحائف دے کر رخصت ہوئے۔

بہمنی خاندان کا یہ رواج تھا کہ بادشاہ کی پہلی بیوی "ملکہ جہاں" کے خطاب سے سرفراز ہوتی تھی اور اس کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ بہمنی خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ نظام شاہ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی شادی کے لئے اپنے ایک عزیز کی لڑکی کا انتخاب کیا۔ نظام شاہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اور ایک عظیم الشان جشن مسرت کا انعقاد کیا گیا' لیکن افسوس کہ شب زفاف کو' جب کہ ساری دنیا عیش و عشرت میں مصروف تھی' اور ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا تھا' دفعتاً" شاہی محل سے آدھی رات کے وقت رونے پیٹنے کی صدائیں بلند ہوئیں اور یہ معلوم ہوا کہ نظام شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دوسرے کے لئے اپنا تخت خالی کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۳ ذیقعد ۸۶۸ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

نظام شاہ کی مدت حکمرانی دو سال ایک ماہ ہے۔

محمد شاہ ثانی بن ہمایوں شاہ ظالم

مورخین کا بیان ہے کہ ہمایوں شاہ ظالم نے ملکہ جہاں (والدہ نظام شاہ) کے بطن سے تین بیٹے یادگار چھوڑے۔ ان تینوں کے نام یہ ہیں (۱) نظام شاہ (۲) محمد شاہ (۳) احمد شاہ بڑے بیٹے نظام شاہ نے عنفوان شباب ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور محمد شاہ نو سال کی عمر میں بہمنی تاج و تخت کا مالک ہوا۔

تعلیم و تربیت

محمد شاہ کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں' نظام شاہ کے عہد حکومت کی طرح' خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار محمود کاواں' نظام شاہ کی والدہ کے مشورے سے حکومت و سلطنت کے امور کی انجام دہی کرتے تھے۔ ہمایوں شاہ ظالم کا سب سے چھوٹا لڑکا عمدہ پرگنوں کا جاگیردار مقرر ہو کر اپنے بھائی محمد شاہ بادشاہ کا ہم نشین ہوا خواجہ جہاں نے محمد شاہ کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت توجہ کی اور ملکہ جہاں کے مشورے سے اسے حیدر خاں شوستری کے حوالے کیا جو اپنے زمانے کا زبردست عالم اور پرہیز گار شخص تھا۔

علم و ذکاوت

محمد شاہ تعلیم حاصل کرنے اور مختلف علوم میں تربیت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور کچھ ہی عرصے میں اچھی خاصی استعداد علمی بہم پہنچالی نیز خوشخطی میں بھی مہارت پیدا کر لی' بہمنی خاندان میں فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ جیسا صاحب علم فرمانروا پھر پیدا نہیں ہوا خواجہ جہاں ترک ترک و احتشام کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دیتا تھا اور ملک کے کسی دوسرے آدمی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے قدیم امیروں سے اکثر پرگنے حاصل کر کے خود ساختہ نئے امیروں کے حوالے کر دیئے اور شاہی خزانے کو حسب خواہش صرف کرنے لگا۔

خواجہ جہاں ترک کا اقتدار

خواجہ جہاں ترک نے اپنا یہ شعار بنالیا تھا کہ وہ شاہی خدمت کو بغیر کسی شرکت کے سرانجام دیا کرتا تھا محمود کاواں اس زمانے میں سلطان محمود خلجی کو دکن کی حدود سے باہر نکال دینے کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ شان و شوکت کا مالک ہو گیا تھا۔ اسے بھی خواجہ جہاں ترک کسی سلسلے میں دخل دینے نہ دیتا تھا اور اسے اکثر و بیشتر سرحدی مہمات پر روانہ کرتا رہتا تھا۔

محمد شاہ کی والدہ' ملکہ جہاں بڑی عقلمند اور دور اندیش عورت تھی' وہ خواجہ جہاں ترک کا چلن دیکھ کر دل ہی دل میں خائف ہوئی اور اس نے محمد شاہ کو بھی خواجہ جہاں ترک کی بری نیت سے آگاہ کر دیا۔ اور اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ جب دوسرے دن صبح کے وقت خواجہ جہاں شاہی دربار میں آئے اور ملکہ جہاں اسے تنہا ہی بادشاہ کے پاس بھیجے تو محمد شاہ اسے بغیر کسی حیل و حجت کے فوراً قتل کروا ڈالے۔

خواجہ جہاں ترک کا قتل

اس بات چیت کے دوسرے روز جو ۸۰۰ھ کا کوئی دن تھا' خواجہ جہاں ترک بڑی شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ بادشاہی دیوان خانے میں آیا' اس نے خلاف معمول دیوانخانے میں نظام الملک کے ساتھ نوجوان کی ایک مسلح جماعت دیکھی تو اسے تشویش لاحق ہوئی مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا مجبوراً بادشاہ کی خدمت میں دیوانداری میں مشغول ہوا اسی اثنا میں محل کے اندر سے دو معمر خواتین باہر آئیں اور انہوں نے بادشاہ سے یہ کہا کہ تو نے جس بات کا وعدہ کیا ہے اب اس کے ایفا کا وقت آگیا ہے۔ یہ سننے کے بعد محمد شاہ نظام الملک سے

مخاطب ہوا اور کہا یہ شخص حرام خور ہے لہٰذا اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔" نظام الملک خواجہ جہاں ترک کا دشمن تو تھا ہی' اس نے شاہی حکم کے ملتے ہی بلا تامل' خواجہ جہاں کو ہاتھ سے پکڑا اور باہر لے گیا۔ وہاں اس نے تلوار کے کئی واروں سے خواجہ جہاں کا کام تمام کر دیا۔

ملک التجار کی عزت افزائی

کچھ دنوں بعد سلطان محمد شاہ نے اپنی والدہ کے مشورے سے ملک التجار محمود گاواں کو خلعت خاص سے سرفراز کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب عنایت کر کے اسے وکیل السلطنت اور امیر الامراء مقرر کیا ملک التجار نے اس طرح دنیاوی عزت و افتخار سے بہرہ ور ہو کر ساری دنیا میں شہرت حاصل کی' اسے تحریر و تقریر میں "مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ سلطان آصف جم نشان امیر الامراء ملک نائب مخدوم خواجہ" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

محمد شاہ کی شادی

جب محمد شاہ کی عمر چودہ سال کی ہو گئی تو اس کی والدہ نے بہمنی خاندان کی ایک لڑکی سے اس کی نسبت قرار دی' ملک التجار کی نگرانی میں ایک جشن مسرت منعقد کیا گیا' کہ جس کا حال بیان کرنے سے زبان قاصر ہے اور یوں بادشاہ کا نکاح کر دیا گیا۔ اس شادی سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ کی والدہ نے حکومت کے تمام امور و انتظامات بادشاہ کے سپرد کر دیئے اور خود عبادت و تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئی۔

سلطان محمد شاہ کا معمول تھا کہ وہ اپنی ماں کے مشورے کے بغیر کسی اہم کام کو انجام نہ دیتا تھا اور ہر طرح اس کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا' وہ ہر روز اپنی ماں کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ بادشاہ جب شادی کے ہنگامے سے فارغ ہوا تو اس نے مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی' اس نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور ان کے ملکوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔

کھرلہ کے قلعے کی فتح

بادشاہ نے نظام الملک کو برار کے لشکر کا سردار مقرر کیا اور اسے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ۸۷۲ھ میں کھرلہ کا قلعہ' جو حاکم مالوہ کے قبضہ میں تھا' فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ نظام الملک نے وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ کی مدد کے لئے جو مندوی لشکر آیا تھا' اسے کئی بار شکست فاش دی۔ آخری بار راجپوت اور افغان سوار' جو تعداد میں بارہ ہزار تھے' بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ نظام الملک کے مقابلے پر آئے۔ قلعہ کے قریب ہی طرفین میں معرکہ آرائی ہوئی اور دونوں لشکروں کے سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد لقمہ اجل ہوئی' لیکن اس بار بھی خداوند تعالے کے حکم سے مالویوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اہل قلعہ میں سے جو لوگ باہر نکل کر معرکہ آرائی میں شریک ہوئے تھے وہ بھی شکست کھا کر واپس قلعے کے اندر چلے گئے' نظام الملک اور دیگر بہت سے دکنی سپاہی تلواریں ہاتھ میں لے کر اور سپروں کو بلند کیے ہوئے ان لوگوں کے پیچھے بھاگے اہل قلعہ نے غلط فہمی کی بنا پر ان لوگوں کو بھی اپنے ہی آدمی سمجھا لہٰذا مالویوں کے ساتھ دکنی بھی قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور شام کے وقت قلعے پر قبضہ کر لیا۔

ایک دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب دشمن کے مفرور سپاہی قلعے کے پاس پہنچے تو دکنیوں نے ان کا پیچھا چھوڑ کر پہلے کی طرح قلعے کا محاصرہ کر لیا' اہل قلعہ نے مصائب سے تنگ آ کر بڑی عاجزی سے امان طلب کی اور قلعہ دکنیوں کے حوالے کر دیا۔ اہل دکن نے قلعے والوں کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچایا البتہ انہیں قلعے سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران میں دکن کے لوگوں کے نچلے طبقے نے اپنی عادت کے مطابق مالوہ کے لوگوں کو برے لفظوں میں یاد کیا۔ اس پر غیر مسلم راجپوتوں میں سے دو شخصوں نے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کی ٹھانی' جب لوگوں کی بھیڑ ذرا چھٹی اور اہل مالوہ کے تمام لوگ' مرد اور عورتیں سب قلعے سے باہر نکل آئے تو متذکرہ بالا دونوں

شخص خواجہ کاواں کا بیٹا ہو' اسے ایسا ہی ہونا چاہیے اور اسے ایسے امور ہی سرانجام دینے چاہیں۔" بادشاہ نے محمود کاواں کو حکم دیا کہ وہ یوسف عادل کو ایک ہفتے تک اپنے گھر میں مہمان رکھے اور اس کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔

یوسف عادل کی خاطر تواضع

خواجہ نے بڑے ادب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا۔ "بغیر حضور کی شرکت کے دعوت کا کچھ مزا نہ آئے گا۔" محمد شاہ نے جواب دیا۔ "مشترک دعوت میں عام طور پر لطف نہیں آتا تم پہلے ایک ہفتہ تک یوسف عادل کی مہمانداری کرو' اس کے بعد مجھے اپنے گھر بلانا۔ خواجہ نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور یوسف عادل کو اپنے گھر لے گیا اور اس کی خاطر و مدارت میں مصروف ہوا۔ اس نے زمانے کے دستور کے مطابق بڑے پر تکلف انداز سے یہ خدمت انجام دی۔

خواجہ کے گھر میں بادشاہ کی آمد

جب یہ خاطر و مدارات ایک ہفتے تک ہوتی رہی تو آٹھویں روز بادشاہ نے خواجہ کے مکان کو اپنی آمد کے شرف سے نوازا اور یوسف عادل کو بھی اپنی دعوت میں شریک کیا۔ خواجہ نے دعوت کے اہتمام میں بڑا اعلیٰ معیار پیش کیا۔ خواجہ نے اپنے گھر کی آرائش و زیبائش میں بڑی خوش ذوقی کا ثبوت دیا تھا۔ بادشاہ کی آمد کے بعد خواجہ کے گھر پر جشن مسرت آٹھ روز تک جاری رہا اس عرصے میں بادشاہ نے یوسف عادل کو اپنے ساتھ شریک رکھا۔

شاندار ضیافت

خواجہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایسے ایسے نایاب اور گراں قدر تحفے اور ہدیے پیش کیے کہ دکنی لوگ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ضیافت کے آخری دن خواجہ نے اعیان حکومت' روسا' امراء اور شہزادوں وغیرہ کو بھی بہترین تحفے دیئے۔ اس کے بعد خواجہ نے اپنا تمام سامان اور دولت وغیرہ بادشاہ کو دکھلائی اور اس سے کہا کہ "یہ سب کچھ حضور کی نذر کرتا ہوں آپ جس کو چاہیں اس کے حوالے کر دوں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "میں یہ تمام مال اسباب اور دولت قبول کرتا ہوں اور پھر تمہیں کو بخشتا ہوں۔" ان تمام واقعات کے بعد خواجہ کے اعتبار اور عظمت میں بہت اضافہ ہوا۔ نیز یوسف عادل کی بھی ایسی عزت افزائی ہوئی کہ لوگ ان دونوں سے حسد کرنے لگے اور ان دونوں کا تزک و احتشام دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھنے لگے۔

پرکیتنہ رائے پر لشکر کشی

اجیر رائے حاکم بیجانگر کی ترغیب سے پرکیتنہ رائے نے ۸۷۷ھ میں جزیرہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اسی سال اجیر رائے کے حکم ہی سے ٹپکاپور کے قلعے کا سپہ سالار ایک زبردست فوج اپنے ساتھ لے کر اس طرف متوجہ ہوا اور اس نے آمدورفت کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ سلطان محمد شاہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور اس نے لشکر کے تمام سرداروں کو حاضری کا حکم دیا۔ محمد شاہ سیر و شکار کا شغل کرتا ہوا نیلگوں کی جانب روانہ ہوا اور پرکیتنہ رائے نے قلعہ بند ہو کر مدافعت شروع کر دی۔

یہ قلعہ چونے اور پتھر کا بنا ہوا تھا اور بہت ہی مضبوط تھا۔ قلعے کے گرد پانی سے بھری ہوئی ایک خندق تھی اس کے علاوہ دیگر حفاظتی تدابیر کو اس طور پر عمل میں لایا گیا تھا قلعے کے اندر داخل ہونا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے قلعے کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ پرکیتنہ نے بڑی دور اندیشی اور فہم و فراست سے کام لیا اور خواجہ اور دوسرے امراء شاہی کے پاس پیغامبر روانہ کیے اور ان کی معرفت بادشاہ سے جان بخشی اور امان کی درخواست کی۔ خواجہ اور دوسرے امیروں نے راجہ پرکیتنہ کی سفارش کی' لیکن سلطان محمد شاہ نے یہ درخواست قبول نہ کی اور اس علاقے کے دوسرے راجاؤں کی عبرت کے لئے آتش بازوں کو طلب کر کے ان کو حکم دیا۔

"اگر تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو دو ہفتے کے اندر اس قلعے کے برج اور دیواروں وغیرہ کو مسمار کر کے لشکر کے لئے قلعے کے

اندر داخل ہونے کا راستہ بنا دو۔" اس کے بعد خواجہ سے کہا "خندق کو پاٹنے اور خاکریزی کی خدمت تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ جس روز بہادر اور جیالے سپاہی قلعے کو مسمار کریں اسی روز یہ خندق بھی پٹ جانی چاہیے تاکہ فوج آرام و اطمینان کے ساتھ قلعے میں داخل ہو سکے۔"

خواجہ سارا دن اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر پتھر اور لکڑی سے خندق پاٹتا رہتا تھا لیکن رات کے وقت اہل قلعہ ان پتھروں اور لکڑیوں کو خندق سے باہر نکال پھینک دیتے تھے۔ خواجہ نے آنے جانے کا راستہ مسدود کر کے ایک دیوار تعمیر کر دی اور مورچل بانٹ کر، سرکوب اور نقب کی تیاری کا حکم دیا جس کا اس وقت تک دکن میں رواج نہ تھا۔ شہر کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ رائے پر کیتنہ، خندق میں پانی کی موجودگی کے پیش نظر، نقب کا برج تک پہنچانا ناممکن سمجھ کر، اپنی جگہ پر بہت مطمئن تھا۔ اس اثناء میں لشکریوں نے نقب کو یوسف عادل خان اور فتح اللہ عماد الملک کے مورچل کے ذریعے قلعے کے نیچے پہنچا دیا اور اسے بارود سے بھر دیا۔ اس کے بعد نقب میں آگ لگا دی گئی اور اس کے نتیجے میں حصار کے برجوں وغیرہ میں شگاف پیدا ہو گئے۔ ان شگافوں پر رائے پر کیتنہ کے لشکری پہنچ گئے اور انہوں نے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ اس معرکے میں شاہی لشکر کے تقریباً دو ہزار جانباز کام آئے۔ عین ممکن تھا کہ اہل قلعہ ان شگافوں کو لکڑی اور پتھروں سے بھر دیتے کہ اچانک فوراً محمد شاہ نے دھاوا بول دیا اور خندق پر سے ہو کر، جو مٹی سے پٹ چکی تھی، حصار کے شگافوں اور رخنوں پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے ان رخنوں پر قبضہ کر کے پہلے حصار کو فتح کر لیا اور دوسرے حصار کی تسخیر میں مشغول ہو گیا۔

رائے پر کیتنہ اپنا لباس تبدیل کر کے قلعے سے باہر نکلا اور سلطان محمد شاہ کے مورچے کے پاس جا کر بادشاہ سے یوں مخاطب ہوا۔ "مجھے راجہ نے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔" بادشاہ کے مصاحبوں نے، سلطان محمد شاہ کو اس کی اطلاع کی سلطان نے اسے بلوا لیا۔ راجہ نے بڑے ادب سے بادشاہ کی قدم بوسی کی اور گردن میں پگڑی لٹکا کر گویا ہوا۔ "راجہ پر کیتنہ اپنے بیٹوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہے اب عالی جناب کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں یا میرا قصور معاف کریں۔" سلطان محمد شاہ نے راجہ کا قصور معاف کر دیا اور اس کی جاں بخشی کی۔

راجہ کی اطاعت

بعض کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے کہ جب رائے پر کیتنہ نے یہ دیکھا کہ پہلے حصار پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے اور امراء اور اراکین دولت کے توسط سے بادشاہ، راجہ کا قصور معاف نہیں کرتا تو راجہ بذات خود برج کے اوپر آیا اور بڑی عاجزی اور رحم طلب نگاہوں کے ساتھ بادشاہ سے امان کا طالب ہوا۔ سلطان محمد شاہ کو راجہ کی یہ حالت دیکھ کر بہت رحم آیا اور اسے معاف کر دیا۔ راجہ کو بادشاہ نے اپنے طبقہ امراء میں داخل کر کے اس کی عزت افزائی بھی کی۔

بیدر کو واپسی

بہرحال جو روایت بھی درست ہو محمد شاہ نے راجہ کو امان ضرور دی۔ اس کے بعد بادشاہ اسی روز قلعے میں داخل ہوا اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کیا۔ اس موقع پر بادشاہ نے اپنے آپ کو "لشکری" کے لقب سے مشہور کیا۔ قلعہ نیلگوان کو بادشاہ نے خواجہ کی جاگیر میں دے دیا اور خود بیدر کی طرف واپس ہوا۔

بادشاہ کی والدہ کی وفات

اسی زمانے میں بادشاہ کی والدہ نے جو اس مہم میں بادشاہ کی شریک تھی اور جس کی وجہ سے محمد شاہ کی بادشاہت کا ڈنکا بجتا تھا داعی اجل کو لبیک کہا بادشاہ نے اپنی والدہ کی لاش کو تو بیدر روانہ کر دیا اور خود بیجاپور پہنچا۔

بادشاہ کا قیام بیجاپور

بیجاپور خواجہ کی جاگیر میں شامل تھا' اس لئے خواجہ نے بادشاہ سے کچھ دنوں اس جگہ قیام کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر لی کچھ دنوں تک یہاں قیام پذیر ہوا۔ خواجہ نے خوب جی کھول کر بادشاہ کی خاطر و مدارت کی اور بادشاہ بھی پوری دلجمعی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

قحط بیجاپور

بادشاہ کا یہ ارادہ تھا کہ موسم برسات بیجاپور میں گزارنے کے بعد بیدر کی طرف مراجعت کرے۔ اتفاق کی بات کہ اس سال سارے دکن میں یہاں تک کہ بیجاپور میں بھی ایک بوند پانی نہ برسا اور اس صورت حال کے نتیجے میں تمام کنوئیں خشک ہو گئے۔ اس وجہ سے مجبوراً بادشاہ کو بیدر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اس سال بڑا سخت قحط پڑا تاریخ میں یہ قحط "قحط بیجاپور" کے نام سے مشہور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دوسرا سال بڑا خشک گیا اور بارش بالکل نہ ہوئی۔ ایسا قحط پڑا کہ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا بیشمار لوگ لقمہ اجل بنے' اور جو زندہ رہے انہوں نے مالوہ' گجرات اور جاجنگر میں پناہ لی۔ قصہ مختصر یہ کہ پورے دو سال تک مالوہ' مرہٹواڑی اور دوسرے تمام ممالک میں کھیتی باڑی کا کام منسوخ رہا' تیسرے سال جب خداوند تعالیٰ کا کرم ہوا اور بارش ہوئی اس وقت ملک میں کھیتی باڑی کرنے والے لوگ موجود نہ تھے۔

قلعہ کندنیر کے باشندوں کی بغاوت

بہمن نامہ میں مرقوم ہے کہ جب لوگ قحط اور بیماری کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر کے ملک میں آباد ہوئے تو معلوم ہوا کہ قلعہ کندنیر کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے ظالم اور بدکار حاکم کو' جو رعیت کے مال و اسباب اور عزت و جان کا بڑا دشمن تھا' قتل کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ ان لوگوں نے قلعہ بادشاہ کے دست گرفتہ ہیمبراوریا کے حوالے کر دیا ہے اور ہیمراوریا نے راجہ کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ "تم چونکہ ہر وقت اپنے موروثی ملک کو واپس لینے کی فکر میں غلطاں رہتے ہو اور اس امر کے خواہاں ہو کہ ملک تلنگانہ پھر اس کے اصل مالکوں کے ہاتھ میں آ جائے اس لئے ازراہ کرم تھوڑی سی زحمت گوارا کرو اور اس طرف آؤ۔ کیونکہ آجکل دکن میں قحط پڑا ہوا ہے اور اس وجہ سے یہ مہم باسانی سر کی جا سکتی ہے۔ میں تمہارا ہمسایہ ہوں' حق ہمسائیگی ادا کرو اور تلنگانہ کو فتح کر کے میرے حوالے کر دو اور اس کے عوض قلعہ کندنیر پر تم خود قابض ہو جاؤ۔"

راجہ اڈیسہ کی تلنگانہ پر لشکر کشی

اڈیسہ کا راجہ مکر و فریب کے جال میں پھنس گیا اور دس ہزار سواروں اور سات آٹھ ہزار پیادوں کو نیز کی مدد کے لئے جاجنگر کے راجوں کو ساتھ لے کر تلنگانہ چلا آیا۔ حاکم صوبہ نظام الملک مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کیا بادشاہ نے خواجہ کے مشورے پر عمل کر کے اس مہم کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطان محمد شاہ نے اپنے خزانے سے تمام لشکریوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ عطا کی اور جلد روانہ ہو کر راجندری کے قریب پہنچا بادشاہ کی آمد کی اطلاع پا کر تمام راجہ باہم مشورہ کرنے لگے۔

رائے اڈیسہ نے جلد از جلد دریائے راجندری کو پار کر کے اپنے ملک کا راستہ لیا اور وہاں دریا کے کنارے قیام پذیر ہوا۔ سلطان محمد شاہ راجندری میں نظام الملک کے پاس جا پہنچا۔ ساری کشتیاں رائے اڈیسہ کے قبضے میں تھیں اور دریا ان دنوں بہت زوروں پر تھا۔ چونکہ دریا کو جلد پار کر لینا مشکل تھا اس لئے سلطان محمد شاہ نے دریا کے کنارے پر اپنے خیمے گاڑ لیے بادشاہ نے لڑائی کا سامان درست کر کے جونہی دریا کو پار کرنے کا ارادہ کیا' رائے اڈیسہ اپنے پایہ تخت کی طرف روانہ ہو گیا۔

بادشاہ کا اڈیسہ پہنچنا

سلطان محمد شاہ اڈیسہ کے راجہ سے بہت ہی ناراض تھا۔ اس نے شہزادہ محمود خاں کو خواجہ کے ساتھ راجمندری ہی میں چھوڑا۔ اور خود بیس ہزار مسلح سواروں کو ہمراہ لے کر ۸۸۲ھ کے آخر میں دریا کو پار کر کے اڈیسہ جا پہنچا۔ اس نے اڈیسہ کے باشندوں کے قتل اور غارتگری میں کوئی کمی نہ کی اور خوب جی کھول کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔ ان دنوں راجہ اپنے ملک کے درمیانی حصے کو خالی کر کے اپنی سلطنت کے آخری حصے میں چلا گیا تھا۔ اس لئے محمد شاہ نے بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ یہاں چھ ماہ تک قیام کیا اور یہاں کے لوگوں سے، کبھی تسلی اور تشفی دے کر، اور کبھی بنوک شمشیر بے شمار دولت حاصل کی۔

راجہ اڈیسہ کی عاجزی

سلطان محمد شاہ کا ارادہ تھا کہ وہ شہزادہ محمود خاں اور خواجہ کو بلا کر اڈیسہ کا علاقہ بھی ان کے سپرد کر دے۔ راجہ اڈیسہ بادشاہ کے اس ارادے سے واقف ہو گیا اس نے بیشمار دولت اور ان گنت ہاتھیوں کے ساتھ اپنے قاصد بار بار بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ راجہ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اب کبھی تلنگانہ کے زمینداروں کی مدد نہ کرے گا اور کبھی بادشاہ کے حلقہ اطاعت سے باہر قدم نہ رکھے گا۔ محمد شاہ نے جواب دیا "اگر راجہ ان ہاتھیوں کے علاوہ اپنے باپ کے خاصہ سے پچیس ہاتھی پیش کرے تو اس کی درخواست قبول کر لی جائے گی۔ راجہ کو یہ ہاتھی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے لیکن اس موقع پر وہ مجبور تھا' لہٰذا اس نے ان ہاتھیوں کو اطلس و زربفت کی جھولیں پہنا کر اور چاندی کی زنجیریں باندھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔

بادشاہ اڈیسہ سے روانہ ہو گیا اور شکار کھیلتا ہوا سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ سفر کے دوران میں بادشاہ کو ایک پہاڑ پر ایک قلعہ نظر آیا محمد شاہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس قلعے کے پاس گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ کیا یہ قلعہ ہمبرا و ریا کے قبضے میں ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ قلعہ راجہ اڈیسہ کی ملکیت ہے اور کسی کی یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ آنکھ اٹھا کر اس قلعے کی طرف دیکھ سکے۔" بادشاہ یہ جواب پا کر بہت ہی غضب ناک ہوا اور اس نے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا۔

دوسرے روز سلطان محمد شاہ معرکہ آرائی کے ارادے سے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ اہل قلعہ کی ایک جماعت بھی بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکل آئی۔ مسلمانوں نے تیروں کی بارش کر دی اور اس دشمن کے بہت سے سپاہی موت کا شکار ہو گئے۔ راجہ اڈیسہ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اس نے بادشاہ کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر کہلوایا۔ "یہ لوگ جنگلی اور وحشی ہیں انہوں نے آپ کی شان میں جو گستاخی اور بے ادبی کی ہے اسے میری خاطر معاف فرمایئے اور قلعہ میرے حوالے کر دیجئے۔ اس سے آپ یہی سمجھے کہ جیسے آپ نے قلعہ فتح کر کے اپنے کسی سپاہی کو بخش دیا ہو۔"

کندنیر کو روانگی

سلطان محمد شاہ راجہ کے اس پیغام کی جامعیت اور خوش ادائی سے بہت خوش ہوا اور اس نے یہ قلعہ جو کامل ڈیڑھ ماہ کی کوشش کے بعد تسخیر ہوا تھا' راجہ کے سپرد کر دیا اور کندنیر کی طرف روانہ ہوا کندنیر پہنچ کر بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا پانچ چھ ماہ کے بعد اوریا کی حالت بڑی خراب ہوئی اور اس نے کچھ معتبر لوگوں کی ایک جماعت کے ذریعے بڑی مشکلوں سے بادشاہ سے امان طلب کی اور قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔

برہمن کشی

مورخین کا بیان ہے کہ بہمنی خاندان میں سلطان محمد شاہ پہلا حکمران ہے کہ جس نے کسی برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ورنہ اس سے پہلے کے بادشاہ کبھی برہمنوں کے قتل کا حکم بھی نہ دیتے تھے۔ کسی برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

برہمنوں کا یہ خیال، بلکہ ایمان ہے کہ برہمن کشی محمد شاہ کے حق میں مفید ثابت نہ ہوئی اور سارے ملک میں فتنے اور فساد پیدا ہو گئے۔
اس واقعے کے بعد خواجہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، محمد شاہ نے تقریباً ایک سال راجمندری اور اس کے گرد و پیش کے علاقے میں گزارا اور سرحدوں کو مستحکم کر کے بہت سے زمینداروں کو برباد و تاراج کیا۔

نرسنگھ کے ملک کی فتح کا خیال

جب بادشاہ نے تلنگانہ کے تمام انتظامات کو درست کر لیا تو اس کو نرسنگھ کے ملک کا خیال آیا اور اس نے خواجہ سے کہا۔ "کسی ایسے شخص کا نام لو کہ جو راجمندری اور دوسرے قلعوں کا خوش اسلوبی سے انتظام سنبھال سکے۔" خواجہ نے جواب دیا "ملک حسن نظام الملک کے سوا کوئی دوسرا شخص اس کام کا اہل نہیں ہو سکتا۔" سلطان محمد شاہ نے خواجہ کی رائے سے اتفاق کیا اور راجمندری، کندبیر اور اس علاقے کے دوسرے ملکوں کی حکومت نظام الملک کے سپرد کر دی۔ ورنگل اور تلنگانہ کے دوسرے ممالک کا انتظام اعظم خاں بن سکندر خاں بن جلال کے سپرد کیا گیا اور خود بادشاہ نرسنگھ کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔
تلنگانہ میں اعظم خاں کا صاحب اقتدار ہونا اور حکومت کے امور میں ملک حسن کا دخیل ہونا نظام الملک بحری کو کچھ اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔ "میں نے اپنی ساری زندگی حضور کے قدموں میں گزاری ہے، میری خواہش ہے کہ اس صوبہ کی حکومت اپنے کسی بیٹے کے سپرد کر دوں اور خود حضور کے ساتھ رہوں۔" سلطان محمد شاہ نے جواب دیا۔ "میری اصل غرض یہ ہے کہ اس ملک کا انتظام اچھی طرح ہو تم جو مناسب سمجھو کرو۔"
کہا جاتا ہے کہ خواجہ کاواں، ملک حسن نظام الملک بحری کی نیت سے واقف ہو گیا تھا اس کا بیٹا ملک احمد حرم سرا میں قرابت کر کے اپنے باپ سے بھی زیادہ صاحب اقتدار اور نڈر ہو گیا۔ خواجہ کاواں نے اس وجہ سے ان دونوں باپ بیٹوں کے قریب رہنا خلاف مصلحت سمجھا اور اسی وجہ سے اس نے گزشتہ دنوں میں، جبکہ نظام الملک راجمندری کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا اس کے بیٹے ملک احمد کو سہ صدی منصب دار کا عہدہ دے کر خداوند خاں حبشی کے ماتحت کر دیا تھا۔ ملک حسن نظام الملک کو خواجہ کاواں کی اس کاروائی پر بہت افسوس ہوا تھا اور اب جب نظام الملک کو موقع ملا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے بیٹے ملک احمد کو خود اسی کی ماتحتی میں تلنگانہ کا جاگیردار مقرر کیا جائے۔

ملک احمد کا حاکم راجمندری مقرر ہونا

سلطان محمد شاہ نے نظام الملک کی درخواست قبول کی اور خواجہ کے نام شاہی فرمان جاری کر دیا۔ خواجہ کاواں کو مجبوراً ملک احمد کے نام فرمان طلب جاری کرنا پڑا۔ ملک احمد یہ فرمان پا کر جلد از جلد روانہ ہوا اور راجمندری سے چار کوس کے فاصلے پر شاہی لشکر سے آملا۔ ملک احمد ایک ہزاری منصب سے نوازا گیا اور اپنے باپ کی طرف سے راجمندری کا حاکم مقرر ہوا۔

راجہ نرسنگھ

سلطان محمد شاہ نرسنگھ کے ملک کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نرسنگھ بہت ہی طاقتور اور دیووں جیسے ڈیل ڈول کا آدمی تھا وہ دولت اور لشکر کی کثرت کی وجہ سے بہت شہرت کا مالک تھا، وہ تلنگانہ اور کرناٹک کے درمیانی حصے پر حکمرانی کرتا تھا اس کا ملک دریا کی دوسری طرف مچھلی پٹن کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس زمانے میں راجہ نرسنگھ نے موقع پا کر بیجانگر کے راجہ کے بہت سے علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کر لیا تھا۔ نیز کئی شان دار اور مستحکم قلعے تعمیر کروا کے وہ زمینداروں کو اکساتا رہتا تھا کہ وہ شاہان بہمنیہ کے ملک میں شورش اور ہنگامے پیدا کریں۔

قلعے کی تعمیر

اس علاقے کے بہمنی امیروں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ راجہ نرسنگھ کا مقابلہ کرتے لہٰذا وہ ہمیشہ بادشاہ سے اس کی شکایات کیا کرتے تھے۔ دوران سفر میں بادشاہ نے ایک بہت بڑا قلعہ ایک پہاڑی کے اوپر دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دہلی کے بادشاہوں کی یادگار ہے جو انہوں نے اس علاقے کا انتظام کرنے کے لئے پہاڑ کے اوپر بنوایا تھا۔ سلطان محمد شاہ نے اسی جگہ قیام کیا اور قلعے کی تعمیر کا حکم دیا۔ خواجہ نے یہ کام سنبھالا اور ایسی مستعدی سے انجام دیا کہ چھ ماہ کے اندر اندر قلعہ تعمیر ہو گیا اگر کوئی دوسرا شخص یہ کام سنبھالتا تو اسے یقیناً دو سال کا عرصہ درکار ہوتا۔

خواجہ کے اقبال کا انتہائے کمال

قلعے کی تکمیل کے بعد خواجہ بادشاہ کو پہاڑ کے اوپر لے گیا بادشاہ نے قلعے کا معائنہ کیا اور خواجہ کی مستعدی اور فرض شناسی کی بے انتہا تعریف کی اور کہا "میں خداوند باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے حکومت اور فرمانروائی کے علاوہ خواجہ جیسا دوست' بہی خواہ اور خدمت گزار بھی عطا کیا ہے۔" سلطان محمد شاہ نے اپنے جسم سے لباس اتار کر خواجہ کو عطا کیا اور خواجہ کا لباس خود زیب تن کیا۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ تاریخ میں کبھی ایسا واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی بادشاہ نے اپنے ملازم کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہو۔ یہ خواجہ کے عروج کی انتہا تھی چونکہ ہر عروج کے بعد زوال بھی آتا ہے اس لئے کچھ ہی عرصے بعد ایسی مصیبتیں ٹوٹیں کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔

ایک عظیم الشان مندر

قصہ مختصر یہ کہ سلطان محمد شاہ نے قلعے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہاں دو تین ہزار سپاہیوں کو اپنے ایک قابل اعتماد امیر کی نگرانی میں چھوڑا اور خود آگے بڑھا۔ بادشاہ جس مقام پر بھی پہنچتا وہاں تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کرتا کہ الامان و الحفیظ۔ جب وہ کوندپور پلی کے مقام پر پہنچا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ اس جگہ سے دس روز کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک مندر آتا ہے جو کنچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مندر کی دیواریں' دروازے اور چھتیں وغیرہ زر و جواہر اور گراں قیمت موتیوں سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور آج تک کسی مسلمان بادشاہ نے اس مندر کا نام نہیں سنا۔

مندر کی تسخیر کا ارادہ

سلطان محمد شاہ نے اپنی فوج سے چھ ہزار خنجر چلانے والے سواروں کو علیحدہ کیا اور انہیں ساتھ لے کر اس مندر پر لشکر کشی کی۔ باقی لشکر کو کوندپور میں خواجہ اور شہزادہ محمد خاں کی نگرانی میں چھوڑ کر اور بقیہ امیروں کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ نے ایسی برق رفتاری کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کیں کہ چالیس سے زیادہ سوار اس کے ساتھ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے جو لوگ ساتھ پہنچے ان میں یوسف عادل' ملک حسن نظام الملک اور تفرش خاں ترک بھی شامل تھے۔

یہ امراء مندر کے قریب پہنچے مندر میں سے چند عظیم الجثہ اور قوی ہیکل سوار باہر آئے۔ ان سواروں میں سے ایک طاقتور ہندو تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے چند لمحے میدان میں ٹھہرا اور خونخوار نظروں سے دشمن کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ ہندو بادشاہ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا اور سرپر ہاتھ میں لے کر تلوار کا ایک وار کیا بادشاہ نے بڑی مستعدی اور پھرتی سے گھوڑا دوڑا کر اس وار کو روک لیا اور خود تلوار کا ایک وار کیا۔ بادشاہ کا وار بھی خالی گیا ہندو سوار نے دوبارہ بادشاہ پر حملہ کیا لیکن اس بار بادشاہ نے ایسا ہاتھ مارا کہ حریف دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرا ہندو سوار' جو پہلے سوار سے کہیں زیادہ طاقتور دکھائی دیتا تھا' بادشاہ کی طرف بڑھا۔ بادشاہ کے تمام ساتھی اپنے اپنے طور پر جنگ میں مشغول تھے اس لئے اس ہندو سوار کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکا محمد شاہ نے خود اس سوار کی طرف پیش قدمی کی اور اسے

قتل کر دیا۔

مندر کی تباہی

ہندوؤں کے باقی سپاہی بھاگ کر مندر میں چھپ گئے۔ اس دوران میں سلطان محمد شاہ کا بقیہ لشکر بھی پہنچ گیا اور بادشاہ معرکہ آرائی کر کے مندر کے اندر داخل ہو گیا اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا۔ اس تاراجی و بربادی کے بعد بادشاہ نے ایک ہفتے تک وہیں قیام کیا اور پھر واپس ہوا۔

مچھلی پٹن کی فتح

سلطان محمد شاہ نے ملک حسن نظام الملک' یوسف عادل خاں' فخر الملک اور دوسرے امیروں کو دولت آباد اور جنیر کی فوج کے ساتھ نرسنگھ کی مہم کے لئے روانہ کیا۔ اور مچھلی پٹن کو' جو نرسنگھ کے مقبوضات میں سے تھا' فتح کیا اور کندپلی میں واپس آگیا۔

خواجہ کی مخالفت

ملک حسن نظام الملک' ظریف الملک اور دوسرے امراء جو خواجہ کے اقتدار کو ناپسند کرتے تھے' وہ موقع بہ موقع بادشاہ کی حضوری کے غلاموں کے توسط سے' بادشاہ کو خواجہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے یہ غلام ادھر ادھر کی باتیں بنا کر بادشاہ کے کان بھرے رہتے تھے' غلاموں کا یہ گروہ متذکرہ بالا امیروں کے زیر اثر تھا اور یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان مخالفوں نے کندپلی میں خواجہ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا اور اس نیک طبیعت امیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا دیا اس واقعے کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ضوابط سلطنت میں ترمیم

سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت میں سلطنت کو بہت وسعت ملی۔ خواجہ کاواں نے ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر سلطنت کے بانی سلطان علاؤ الدین حسن کے قائم کردہ ضابطوں میں ترمیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے بادشاہ کو باوزن اور معقول دلائل سے سمجھایا اور اس کی اجازت سے سلطنت کے ضابطوں کی چند دفعات میں حسب ذیل ترمیمات کیں۔

(ا) سلطنت کی نئی تقسیم

پہلے ملک چار حصوں میں بٹا ہوا تھا اب خواجہ نے اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصے میں لشکر کا ایک سردار مقرر کیا جسے اہل دکن کی اصطلاح میں "طرف دار" کہا جاتا ہے۔ برار کے دو حصے کیے گئے' عماد الملک کو کاویل کا اور خداوند جہاں حبشی کو ماہور کا افسر مقرر کیا گیا' یوسف عادل کو دولت آباد سونپا گیا۔ خواجہ کے ایک عزیز فخر الملک کو جنیر کی حکومت' انند پور کے بیشتر پرگنوں' دمان' ویس' ملک کے وسطی حصے' بندر کوہ اور نلگوان کی حکومت دی گئی۔ آصف جم اقتدار خواجہ جہاں کو بیجاپور اور اس علاقے کے دریائے ہور تک کے اکثر حصوں اور رائچور اور مدکل کا حاکم بنایا گیا۔ حبشی خواجہ سرا دستور دینار کے حوالے حسن آباد' گلبرگہ' ساغر نل ورک اور شولاپور تک کے علاقے کیے گئے۔

تلنگانہ کا ملک بھی جو پہلے سارے کا سارا ملک حسن نظام الملک بحری کی ماتحتی میں تھا دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ راجمندری' نلگنڈہ' مچھلی پٹن' اوریا اور چند دوسرے مواضع انتظام الملک کے حوالے کیے گئے۔ ورنگل کا علاقہ اعظم خاں اور سکندر خاں ولد جلال خاں کی ماتحتی میں دیا گیا۔ مندرجہ بالا آٹھوں اطراف میں بہت سے پرگنے داخل خاصہ شاہی کیے گئے۔

(۲) قلعوں کی نگرانی

سلطان علاؤ الدین حسن کے وقت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جو سرلشکر ملک کے جس حصے کا حاکم ہوتا اس نواح کے تمام قلعے اسی کی نگرانی میں رہتے۔ یہ شخص جس کو بھی چاہتا قلعہ دار مقرر کر دیتا تھا۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ کبھی کبھی سکندر خاں اور بہرام خاں جیسے طاقتور سرلشکر ان قلعوں کے حاکم بن کر علم سرکشی بلند کرنے کا ارادہ بھی کر لیتے تھے خواجہ کاواں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس قاعدے میں تبدیلی کی کہ ایک قلعہ تو سرلشکر کے قبضے میں رہے لیکن بقیہ قلعوں پر بادشاہ کی طرف سے دوسرے امراء اور زمینداروں کو حاکم بنایا جائے۔ اس قاعدہ نو کی رو سے دولت آباد' جنیر' بیجاپور' گلبرگہ' ماہور' کاویل' ورنگل اور راجمندری کے قلعوں پر تو لشکر کے سرداروں کی حکومت رہی' لیکن دوسرے قلعے بادشاہ کی طرف سے قابل اعتبار امیروں کے حوالے کیے گئے۔

(۳) جاگیرداروں سے متعلق ضابطہ

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت میں جب کہ تلنگانہ کا ملک فتح نہ ہوا تھا یہ ضابطہ مقرر تھا کہ پانصد امراء کو ایک لاکھ ہون اور یک ہزاری امراء کو دو لاکھ ہون خزانہ جاگیر سے نقد ادا کیے جاتے تھے۔ جب تلنگانہ فتح ہو گیا تو پھر یہ دستور ہوا کہ پانصدی امراء کو ایک لاکھ پچیس ہزار ہون اور پنج ہزاری کو اڑھائی لاکھ ہون ادا کیے جاتے۔ جن لوگوں کو جاگیریں عطا کی جاتی تھیں' ان کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر جاگیر کی آمدنی ایک لاکھ ہون سے کم ہوتی تو وہ باقی رقم سرکاری خزانے سے وصول کرتے تھے۔ اسی طرح دیگر امراء ایک خاص مقرر تعداد سے اگر ایک سپاہی بھی کم رکھتے تھے' تو اسی قدر رقم ان سے واپس لے لی جاتی تھی۔

خواجہ کی مخالفت

ان ضابطوں کے عمل میں آنے کی وجہ سے لشکر میں زبردست اضافہ ہوا۔ امور سلطنت کی انجام دہی میں آسانیاں پیدا ہو گئیں اور خلق خدا کو بہت فائدے پہنچے۔ خواجہ کاواں کی یہ ترمیمات امراء کے مزاج پر گراں گزریں کیونکہ وہ تو حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے اور خواجہ نے یہ خواب منتشر کر کے رکھ دیئے۔ لہٰذا وہ سب خواجہ کی مخالفت کرنے لگے خواجہ ان امراء کی نیت سے بخوبی واقف ہو گیا لیکن اس نے بادشاہ کی ہمدردی کے خیال سے ان امیروں کی مخالفت کو کوئی اہمیت نہ دی اور ان کی مخاصمانہ کاروائیوں سے قطعاً پریشان نہ ہوا۔

خواجہ کے خلاف سازش

یوسف عادل' خواجہ کا بیٹا تھا اس لیے یہ دونوں امیر تہہ دل سے ایک دوسرے کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ خواجہ کے دشمن یوسف عادل کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اسی دوران میں یوسف عادل نرسنگھ کی مہم پر روانہ ہوا۔ دکنی اور حبشی امراء نے جو محمود کاواں کی مہربانیوں اور عنایتوں سے آگے بڑھے تھے اور جن کا شمار شاہی اراکین میں ہوتا تھا آپس میں مل کر سازش کی۔ اس سازش میں ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی جو ان دنوں نظام الملک بحری کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا تھا جیسے امراء بھی شامل تھے۔

ان امراء نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ چونکہ ان دنوں یوسف عادل خواجہ کاواں کے قریب نہیں ہے (اور نرسنگھ کی مہم پر گیا ہوا ہے) اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر خواجہ کاواں کی تباہی و بربادی کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیے۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مفتاح حبشی' ظریف الملک اور دوسرے ہندی درباریوں نے خواجہ کے ایک حبشی غلام سے جو خواجہ کا مہربردار تھا واقفیت پیدا کی۔ انہوں نے اس غلام سے خوب رسم و راہ پیدا کی اور اسے طرح طرح کے بیش قیمت تحفے' گھوڑے' جواہرات' اور اعلیٰ درجے کی اشیاء دیں۔

ایک روز بزم شراب میں جبکہ جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے' مفتاح حبشی اور ظریف الملک نے سفید رنگ کا تہہ کیا ہوا ایک کاغذ ہاتھوں میں لے کر غلام سے کہا "یہ کاغذ ہمارے ایک مخلص اور قدیم دوست کا برات نامہ ہے۔ اور اس پر بیشتر اہل دیوان کی مہریں ثبت

ہیں' اس پر خواجہ کاواں کی مہر کی بھی ضرورت ہے اگر تم یہ مہر لگا دو تو ہم تمہارے بہت ممنون ہوں گے" اس غلام نے بڑی حماقت کا ثبوت دیا اور بغیر کاغذ کو پڑھے ہوئے اس پر خواجہ کی مہر ثبت کر دی۔

جعلی خط

ظریف الملک اور مفتاح حبشی کی منشا کے مطابق جب معاملہ طے پا گیا تو وہ خوش خوش روانہ ہو گئے اور رات کے وقت ملک حسن نظام الملک بحری کے گھر اس سے ملاقات کرنے گئے اور اس سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ان مکاروں اور عیاروں نے اس کاغذ پر خواجہ کی طرف سے راجہ اڈیسہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا "ہم سلطان محمد شاہ کی بادہ نوشی اور اس کے ظالمانہ رویے سے سخت پریشان ہیں اور اس سے بے انتہا نفرت کرتے ہیں۔ اگر تم' موجودہ حالات میں تھوڑی سی بھی توجہ کرو تو دکن کو بہ آسانی فتح کر سکتے ہو۔ راجمندری میں اس وقت کوئی طاقتور سردار موجود نہیں ہے۔"

"جب تم بغیر کسی روک ٹوک کے دکن کی سرحد تک چلے آؤ گے تو میں بھی بغاوت کا جھنڈا اٹھالوں گا تمام امراء چونکہ میری ماتحتی میں ہیں اس لئے سب میرا ساتھ دیں گے۔ اس کے بعد بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار کر ملک کو ہم آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔"

ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے یہ خط بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت دربار میں ملک حسن نظام الملک بحری بھی موجود تھا۔ بادشاہ خواجہ کی مہر کو پہچانتا تھا' اس لئے یہ خط پڑھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا۔ نظام الملک نے آگ پر تیل ڈالا اور اس سلسلے میں ادھر ادھر کی عجیب و غریب باتیں کر کے بادشاہ کے غصے کو تیز سے تیز کر دیا۔ اس عالم میں محمد شاہ بالکل دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ذرہ بھر بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس معاملے کی پوری پوری تحقیق کرتا' اس قاصد کو بلا کر سوال و جواب کرتا جو اس خط کو لیے جا رہا تھا' لیکن اس نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی اور فوراً خواجہ کاواں کو بلانے کے لئے لوگ روانہ کیے۔

خواجہ کاواں کے مقربوں اور ندیموں کو تمام حالات کا علم ہو گیا انہوں نے خواجہ کو مشورہ دیا۔ "آپ کسی بہانے سے آج دربار میں جانے کو ملتوی کیجیے اور کل تشریف لے جایئے گا یہی بہتر ہے۔" خواجہ نے اس کے جواب میں کہا ہمایوں شاہ کی اطاعت گزاری اور خدمت گاری میں میرے بال سفید ہو گئے ہیں' اگر اس کے بیٹے کے ہاتھوں یہ بال رنگین ہو جائیں تو یہ میری سرخروئی ہوگی۔ جو کچھ قسمت میں لکھا ہے اس سے منہ موڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے" اسی اثناء میں چند نامی گرامی امراء نے' جو خواجہ کے حلقہ اطاعت میں شامل تھے اسے یہ پیغام بھجوایا۔

"ہمارے سننے میں عجیب و غریب قسم کی خبریں آ رہی ہیں آپ کے خاصے کے ایک ہزار سوار حاضر خدمت ہیں آپ انہیں ساتھ لے کر گجرات چلے جائیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوں گے۔" خواجہ نے انہیں جوابدیا۔ "میں نے ایک لمبے عرصے تک بہمنی خاندان کی بدولت بڑے عیش و آرام سے زندگی گزاری ہے مجھ سے' ملازمت کے تمام زمانے میں کبھی کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے' مجھے ہرگز ہرگز یہ توقع نہیں ہے کہ بادشاہ اصل معاملے کی تحقیقات کیے بغیر ہی مجھ پر عتاب نازل کرے گا اور اگر وہ ایسا کرے بھی اور محض ایک الزام کی وجہ سے مجھے گردن زدنی قرار دے تو میں اس کو نمک حرامی سے بہتر سمجھتا ہوں۔" یہ کہنے کے بعد خواجہ بادشاہ کے دربار میں جا پہنچا۔

سلطان محمد شاہ نے خواجہ سے پوچھا۔ "جو شخص اپنے آقا کے ساتھ غداری کرے اس نمک حرام کو کیا سزا دینی چاہیے۔" خواجہ نے جواب دیا۔ "ایسے بدقسمت شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا ہی بہتر ہے۔" یہ سن کر بادشاہ نے متذکرہ بالا جعلی خط خواجہ کو دکھایا۔ خواجہ نے خط دیکھا اور کہا "یہ سرا سر الزام ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر مہر میری ہی ثبت ہے لیکن یہ خط ہرگز ہرگز میرا نہیں۔" خواجہ نے اپنی بے گناہی کی قسم بھی کھائی' لیکن بادشاہ کو اعتبار نہ آیا۔ بادشاہ اس وقت شراب کے نشے میں تھا اور غصے میں اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔ بہمنی خاندان کے زوال کا وقت آ پہنچا تھا اس لیے بادشاہ نے تحقیق حال کی طرف توجہ نہ دی وہ محفل سے اٹھا اور جوہر نامی

حبشی کو خواجہ کے قتل کا حکم دیا خواجہ نے یہ سن کر کہا۔

خواجہ کا قتل

"مجھ بوڑھے شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا بہت آسان ہے' لیکن یہ یاد رکھو کہ میرا خون تمہاری بدنامی اور سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔" محمد شاہ نے کوئی بات نہ سنی اور حرم سرا میں داخل ہو گیا۔ جوہر حبشی بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں تلوار سونت کر خواجہ کاواں کی طرف بڑھا۔ خواجہ قبلہ کی طرف منہ کرکے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اس نے کلمہ شہادت پڑھا' جب تلوار اس کی گردن پر لگی تو اس کی زبان سے "الحمد للہ علی نعمتہ الشہادۃ" کی آواز نکلی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ اسی دوران میں خواجہ کاواں کا ہم قوم اور نامی گرامی امیر سعید گیلانی' دیوان خانے میں آیا۔ اس وقت غلام چونکہ سرگرم سیاست تھے۔ اس لئے انہوں نے بغیر شاہی حکم کے سعید کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خواجہ کے قتل کا حادثہ ۵ صفر ۸۸۶ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس وقت خواجہ کی عمر اٹھتر ۷۸ سال کی تھی۔ مرنے سے پہلے خواجہ نے محمد شاہ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ ملا عبدالکریم ہمدانی مصنف "تاریخ محمود شاہی" جو خواجہ کاواں کا شاگرد بلکہ مرید تھا اور خواجہ کے مداح و دوست ملا سامی نے اس سانحے کی بے مثال تاریخیں کہیں۔

محمود کاواں کی تعمیر کردہ عمارات

محمود کاواں کی بنوائی ہوئی عمارتیں دکن میں کثرت سے موجود ہیں۔ خواجہ نے اپنی شہادت سے دو سال قبل احمد آباد بیدر میں ایک مدرسہ بنوایا تھا۔ ان عمارات' مسجد اور چار طاق بازار کے نشانات اب تک (تحریر کتاب کے زمانے تک جو ۱۰۲۳ھ ہے) باقی ہیں۔ یہ عمارتیں ایسی خوبصورت اور دلکش ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے معمار ابھی ابھی ان کی تعمیر سے فارغ ہوئے ہوں۔

خواجہ کی جامع کمال شخصیت

خواجہ کاواں معقولات اور منقولات میں بڑا درک رکھتا تھا۔ خاص طور پر ریاضی اور طب میں تو اسے بہت ہی کمال حاصل تھا۔ نظم و نثر اور انشاء میں وہ اپنی مثال آپ تھا' خوش نویسی پر بھی اسے بڑی دسترس تھی اس کا دیوان اور رسالہ "روضتہ الانشا" دکن میں اکثر اہل علم حضرات کے پاس موجود ہیں۔ خواجہ کاواں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے عہد کے خراسانی اور عراقی فضلاء سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ خواجہ کے لکھے ہوئے مراسلات اس کی کتاب انشاء میں شامل ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خواجہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور ایک قطعے میں انعام کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

خواجہ کاواں کے حالات زندگی

ملا عبدالکریم ہمدانی نے اپنی ایک کتاب میں خواجہ کے پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات بیان کیے ہیں۔ خاکسار مورخ فرشتہ' اسی کتاب سے خواجہ کے حالات کا خلاصہ درج کرتا ہے کیونکہ تاریخی نقطہ نظر سے یہ حالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ خواجہ کاواں کے آباد و اجداد قدیم زمانے میں گیلان کے بادشاہوں کے وزیر تھے ان پر شاہی عنایات ہمیشہ ہوتی رہتی تھیں۔ خواجہ کے بزرگوں میں ایک خوش قسمت شخص نے بادشاہت کا مرتبہ بھی حاصل کیا تھا اور اس کے نام کا خطبہ جاری ہوا تھا۔ حاجی محمد قندھاری کے بیان کے مطابق اس خاندان نے ایک عرصے تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اور شاہ طہماسپ صفوی کے عہد میں اس خاندان کے ہاتھوں سے بادشاہت نکل گئی۔

خواجہ عماد کی جلاوطنی

اس نامی گرامی خاندان میں جو خواجہ عماد الدین محمود پیدا ہوئے۔ انہوں نے علوم و فنون کی تحصیل میں بڑی محنت کی لیکن آس پاس کے حکمرانوں اور امراء کے رشک و حسد کی وجہ سے انہیں اپنے آبائی وطن میں رہنا نصیب نہ ہوا اور یہ وہاں سے چل پڑے۔ اس جلاوطنی

میں ان کی والدہ جن کا تعلق خاندان مشائخ سے تھا ان کے ساتھ تھیں۔ خواجہ عماد کو عراق اور خراسان کے بادشاہوں نے عہدہ وزارت کے پیشکش کی' لیکن اس عالی طبع بزرگ نے اس خدمت کو قبول نہ کیا اور تجارت کا پیشہ اختیار کر کے ساری دنیا کی سیر کی۔

خواجہ کا بیدر میں آنا

اسی سیاحت کے زمانے میں خواجہ عماد' علماء اور اہل باطن کی صحبتوں میں شریک ہوا اور ان کے فیضان روحانی سے خود بھی صاحب کرامات ہو گیا۔ چالیس سال کی عمر میں خواجہ عماد دکن کے بزرگوں سے ملنے اور ان کی ملاقات سے فیض یاب ہونے اور تجارت کے ارادے سے دریا کی راہ بندر داویل میں آیا۔ یہاں سے وہ شاہ محب اللہ اور دیگر بزرگوں کی زیارت کے ارادے اور تجارت کے بہانے سے احمد آباد بیدر جا پہنچا۔

خواجہ نے جب اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی تو اس نے دہلی کے مشائخ اور بزرگوں سے ملنے کا ارادہ کر کے احمد آباد بیدر سے روانگی کی تیاریاں کیں۔ سلطان علاؤ الدین بہمنی نے اسے اصرار کر کے روک لیا اور بیدر ہی میں رکھا۔ خواجہ کو بہمنی امراء کے طبقے میں داخل کر لیا گیا۔ وزارت اور جمعیتہ الملکی کے مناصب سے اسے نوازا گیا۔ خواجہ نے بڑی عمدگی سے اپنے فرائض کو انجام دیا اور اس وجہ سے اس کی عزت اور شہرت میں بہت اضافہ ہوا۔

سلطان محمد شاہ نے خواجہ کے عہدے اور مرتبے میں اضافہ کیا اور اسے "خواجہ جہاں" کے خطاب سے نوازا۔ ہر قسم کے دو ہزار مغل سوار خواجہ کے خاصہ کے ملازم تھے۔ اور اتنے ہی سوار حکومت کی طرف سے اس کے تابع تھے۔ خواجہ محمود کی پیدائش قاداں نامی گاؤں میں ہوئی یہ گاؤں گیلان کے مضافات میں ہے' لیکن خواجہ کی شہرت "قاداں" کی بجائے "گاواں" سے ہے۔

یہ قصہ عام طور پر مشہور ہے کہ ایک روز خواجہ محمود' احمد آباد بیدر کے قلعہ ارک کے ایک محل میں سلطان محمد شاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ محل کے نیچے سے ایک گائے کی آواز سنائی دی حاضرین محفل نے خواجہ سے استفسار کیا کہ "یہ جانور کیا کہتا ہے؟" خواجہ نے جواب دیا۔ "یہ گائے فریاد کر رہی ہے اور مجھ سے مخاطب ہے اور کہتی ہے تو ہماری ہی قوم سے ہے پھر بھلا بادشاہ کی محفل میں تیرا کیا کام؟" یہ جواب پا کر سلطان محمد شاہ مسکرا دیا اور بہت خوش ہوا۔ وہ اس جواب سے بالکل ناراض نہ ہوا بلکہ خواجہ کی بے انتہا تعریف کی بادشاہ نے اس موقع پر یہ بھی کہا "مجھے تمام بہمنی بادشاہوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ خواجہ جیسا فقید المثال دانشمند میرا ملازم ہے' میرے اسلاف کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔"

والی ہرات کا پیغام

اسی زمانے میں ہرات کے فرمانروا سلطان حسین میرزا نے مولانا سید کاظم کو اپنا پیغام بر بنا کر' قندھار اور لاہور کے راستے خواجہ کے پاس بھیجا اور شاہانہ عنایات کا وعدہ کر کے خواجہ کو اپنے پاس بلایا۔ خواجہ کو اگرچہ معلوم تھا کہ بادشاہ کو اس سلسلے میں کچھ کہنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا' تاہم اس نے مولانا سید کاظم کی آمد کے سبب سے بادشاہ کو مطلع کیا۔ سلطان محمد شاہ نے خواجہ کو ہرات جانے کی اجازت نہ دی۔ خواجہ نے مجبوراً بادشاہ کے نام ایک خط لکھا اور اپنے حاضر نہ ہونے کی معذرت طلب کی۔ میرزا کاظم گراں قدر تحفوں اور نایاب ہدیوں کے ساتھ واپس ہوا۔ کاظم اثنائے سفر میں کچھ دنوں شیراز میں قیام پذیر ہوا اور وہیں وفات پائی اور اس طرح خواجہ کے ارسال کردہ تحفے بادشاہ تک نہ پہنچ سکے۔ میرزا کاظم کا لکھا ہوا "شہر آشوب" بہت مشہور ہے۔

خطاب خواجہ جہاں کی نحوست

جب خواجہ عماد الدین کو "خواجہ جہاں" کا خطاب ملا تو اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔ "بہمنی خاندان میں یہ خطاب کسی نمک خوار کو بھی راس نہیں آتا۔ سب سے پہلے سلطان علاؤ الدین کے زمانے میں خواجہ مظفر علی استر آبادی اس خطاب سے نوازا گیا' لیکن اسے یہ خطاب

حاصل کیے ہوئے کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ محمد خاں نے اس کا کام تمام کر دیا' اس کے بعد خواجہ جہاں ترک کا جو حال ہوا وہ ہم سب کو معلوم ہے' معلوم نہیں میرا کیا انجام ہو۔"

خواجہ کا کردار

خواجہ کاواں مذہبی امور میں بہت ہی محتاط انسان تھا' وہ دین کا پکا اور عقیدے کا پکا تھا' حضرات شیخین رضی اللہ عنہما' کا تذکرہ وہ بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ کرتا تھا' وہ اپنے آقا کا بہت ہی وفادار خادم تھا اس کے جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے تمام حصوں کے مشائخ اور صوفیا کرام اس کے انعامات اور وظیفوں سے فیض یاب ہوتے تھے وہ ہر شخص سے بڑے خلوص' محبت' اخلاص اور خندہ پیشانی سے ملتا تھا۔

خواجہ کے مال و اسباب کی لوٹ

کہا جاتا ہے کہ خواجہ کاواں کے قتل کے بعد سلطان محمد شاہ حرم سرا سے باہر نکلا اور اس نے عام اعلان کروا دیا کہ جو شخص چاہے خواجہ کے مال و اسباب میں سے جو کچھ پسند ہو لوٹ لے۔ خزانہ' خاصہ کے گھوڑے اور فیل خانہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ خواجہ کے غیر ملکی خدمتگاروں نے جب یہ خوفناک خبر سنی تو وہ فوراً اپنے برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر جلد از جلد یوسف عادل شاہ کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح اپنے آپ کو زمانے کی گردش سے محفوظ کر لیا۔

خواجہ کے ماتحت امیر اگرچہ بادشاہ کے ملازم تھے' لیکن انہیں خواجہ کی ذات سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ انہوں نے اپنا لشکر آراستہ کیا اور اپنے خیموں سے باہر نکلے۔ اسی دوران میں ان امیروں کو یہ اطلاع ملی کہ بادشاہ کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ان امیروں نے خواجہ کاواں کو گجرات کی طرف روانہ ہونے کا مشورہ دیا تھا اور بادشاہ ان امیروں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ امراء ان باتوں کو جان کر بڑے پریشان ہوئے بادشاہ کے خوف کے مارے کچھ امیر تو یوسف عادل کے پاس چلے گئے اور کچھ ادھر ادھر کے علاقوں میں جلا وطنی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لوٹ مار کرنے والوں نے خواجہ کاواں کے گھر کو چند ہی لمحوں میں خالی کر دیا۔

سلطان محمد شاہ نے خواجہ کاواں کے زر و جواہر کی بے حد تعریف سنی تھی اس لئے بادشاہ نے خواجہ کے خزانچی نظام الدین حسن گیلانی کو بلوایا نظام نے اپنی ساری زندگی خواجہ کی خدمت میں بسر کی تھی۔ بادشاہ نے نظام سے کہا "تمام رقم نقد اور جواہرات میری خدمت میں پیش کرو۔" خزانچی یہ حکم سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے عرض کیا۔ "اگر جان کی امان پاؤں تو اصل واقعہ گوش گزار کروں۔" محمد شاہ اس درخواست کا کچھ اور ہی مطلب سمجھا اور اس نے خزانچی کو اطمینان دلایا اور قسم کھا کر کہا اگر تو کوئی چیز مجھ سے چھپا کر نہ رکھے گا تو میں تجھ پر اتنی عنایات کروں گا کہ مالا مال ہو جائے گا۔"

خزانچی نے جواب دیا خواجہ کی جاگیر سے جو رقم آتی ہے' اس سے گھوڑوں ہاتھیوں وغیرہ کا ایک مہینے کا خرچ وضع کر کے باقی رقم شاہی خزانے میں داخل کر دی جاتی تھی۔ اس کے بعد بھی اگر کچھ بچ رہتا تھا تو اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا جاتا تھا۔ خواجہ اس رقم میں سے ایک کوڑی بھی کبھی اپنے خرچ میں نہ لاتا تھا۔ اس کے علاوہ خواجہ ایران سے جو چالیس ہزار "لاری" (ایک سکہ) اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس سے سال بہ سال دکنی اشیاء خرید کر خواجہ اپنے معتمد امیروں کے ساتھ آس پاس کی بندرگاہوں میں روانہ کرتا تھا۔ اس کاروبار سے اسے جو رقم حاصل ہوتی تھی اس کو علیحدہ کر لیتا تھا۔ منافع کی رقم میں سے وہ ہر روز بارہ "لاری" اپنے کھانے اور لباس وغیرہ پر خرچ کرتا تھا۔ اس میں سے بھی آدھی رقم درویشوں اور فقیروں میں بٹ جاتی تھی' جو رقم باقی بچتی اس کو خواجہ' اپنی ماں اور بے شمار درویشوں اور فقیروں پر' جو اُس تجارتی سفر کے دوران میں اس سے واقف ہوتے تھے' خرچ کرتا تھا۔"

نظام خزانچی کا یہ بیان سن کر بادشاہ بہت متعجب ہوا۔ خواجہ کے دشمنوں نے اس سے کہا۔ "خواجہ بہت ہی دانشمند انسان تھا' اسے یہ معلوم تھا کہ تجارت کی رقم سے تمام اخراجات پورے ہو سکتے ہیں' اس لیے اس نے اپنا تمام خزانہ احمد آباد بیدر میں حفاظت کے ساتھ

چھپا کر رکھا ہوگا۔" نظام خزانچی نے اس کے جواب میں کہا۔ "بیدر میں جو رقم رکھی جاتی تھی' وہ بھی مذکورہ بالا دونوں مدات میں سے بچی ہوئی رقم ہوتی تھی' آپ وہاں تحقیق کر سکتے ہیں' اگر وہاں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی برآمد ہو تو حضور میرے بدن کے سو ٹکڑے کر ڈالیں۔" بادشاہ نے خواجہ کاواں کے تمام خدمتگاروں اور ملازمین کو اپنے حضور میں طلب کیا اور ان سے اصل حقیقت پوچھی ان ملازمین نے بھی خزانچی کا سا جواب دیا۔

بادشاہ کے ندامت کے آنسو

یہ دیکھ کر بادشاہ سمجھ گیا کہ میرے ساتھ فریب کیا گیا ہے' حریف اپنے عیارانہ داؤں میں کامیاب ہو چکا ہے بادشاہ کو اس صورت حال میں خواجہ کاواں کے قتل کا بہت افسوس ہوا۔ وہ ہر روز خواجہ کو ہزاروں بار یاد کرتا اور اس کے قتل کا واقعہ یاد کر کے روتا بادشاہ اپنے غم و رنج کو شراب کی نذر کر کے وقت کاٹتا' مگر پھر بھی اسے سکون نہ ملتا یوں تو بظاہر وہ محفل شراب میں دن رات مصروف عیش و عشرت رہتا' لیکن غم و اندوہ اندر ہی اندر اس کا کام تمام کیے جاتا تھا۔ اس کے دل و دماغ ہر لحہ کمزور پڑتے جاتے تھے۔

شہزادہ محمود خاں کی جانشینی

سلطان محمد شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ محمود خان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ملک حسن نظام الملک بحری کو وکیل شاہی کا عہدہ عنایت فرمایا۔ بادشاہ نے اس بارے میں ایک محضر تیار کروایا اور شہر کے تمام بڑے بڑے علماء اور قاضیوں سے اس پر دستخط لئے۔ اس زمانے میں بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا "اب خاندان بہمنہ کے زوال کا وقت آ چکا ہے' میں زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ جب لشکر کے امیر میرے جیسے تجربہ کار فاتح فرمانروا کی اطاعت نہیں کرتے تو پھر میرے بعد ایک کمسن بادشاہ کی بات کہاں مانیں گے۔"

بیدر کو روانگی اور کمزوری

سلطان محمد شاہ کی حالت بہت ہی کمزور ہو گئی اور اسی عالم میں وہ احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے کمزوری کے باوجود عراقی شراب' جو ہندوستان میں تیار کی جاتی ہے' پی اور عیش و عشرت میں محل کی عورتوں کے ساتھ مصروف ہو گیا اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ عیش و عشرت کی حرکتوں اور شراب کی گرمی نے بادشاہ کے دل پر اثر کیا اس وجہ سے بڑی پریشانی کے عالم میں اس کی آنکھ کھل گئی شاہی طبیب اشرف جہاں نے عرق بید مشک اور ٹھنڈے پانی سے علاج کیا' اس سے بادشاہ کو کسی قدر آرام آ گیا۔

وفات

سلطان محمد شاہ نے اس غلط مقولے پر عمل کیا کہ جو شراب سے مرتا ہو اس کا علاج شراب ہی کر سکتی ہے' اور اپنے مصاحبوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے شراب کے چند جام چڑھالئے' اس بار نشے نے موت کا کام کیا بادشاہ بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا اور اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو اس نے کہا۔ "خواجہ کاواں کا مقدس ضمیر مجھے قتل کر رہا ہے۔" یہاں تک کہ اسی عالم میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ یکم صفر ۸۸۷ھ کا ہے۔

محمد شاہ کی حکمرانی کی مدت بیس سال ہے۔

سلطان محمود شاہ بہمنی

محمود شاہ کی تخت نشینی

مورخوں نے تحریر کیا محمود شاہ بارہ سال کی عمر میں تاج و تخت کا مالک ہوا۔ تخت نشینی کے وقت تمام درباری امراء ملک حسن نظام الملک بحری، قوام الملک کبیر، قوام الملک صغیر، اور قاسم برید سرنوبت نے، جو اس وقت پایہ تخت میں موجود تھے، بادشاہ سے بیعت کی۔ تخت نشینی کی رسم اس طرح ادا کی گئی کہ خاندان بہمنیہ کا تخت جس کا نام "تخت فیروزہ تھا۔ اور جس کی مثال اس زمانے میں ناپید تھی، محفل میں بچھایا گیا اور تخت کی دونوں اطراف میں چاندی کی دو کرسیاں رکھی گئیں۔ اس کے بعد اپنے زمانے کے فاضل اور پرہیز گار علماء شاہ محب اللہ اور سید حبیب نے فاتحہ پڑھ کر بہمنی تاج سلطان محمود شاہ کے سر پر رکھا۔

ان دونوں بزرگوں نے بادشاہ کا دایاں اور بایاں ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھایا اور خود دونوں اطراف کی چاندی کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شاہ محب اللہ بادشاہ کی داہنی طرف بیٹھے اور سید حبیب بائیں طرف۔ اس کے بعد نظام الملک، قاسم برید اور قوام الملک کبیر و صغیر نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تخت نشینی کی مبارک باد دی۔ اور اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ جب یہ تقریب ختم ہو گئی تو شہر کے تمام امیروں، سلحداروں اور شہزادوں کو شاہی دربار میں مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے کہا اس وقت یوسف عادل خاں سوائی، دریا خاں، ملوخاں اور فخر الملک جیسے نامی گرامی امراء دربار میں موجود نہیں ہیں اس لیے ان کی غیر موجودگی میں تخت نشینی کا جلسہ کیوں منعقد کیا گیا۔

بدشگونی

ملک حسن نظام الملک بحری نے اس کا جواب دیا "سلطنت کے ضروری امور کی طرف توجہ نہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ جس وقت یہ سب امیر کوکن کی مہم سے واپس آ جائیں گے اس وقت پھر تاجپوشی کا جشن منعقد کر لیا جائے گا۔ اور مناصب و خطابات آپس میں تقسیم کر لیے جائیں گے۔" ملا عبد الکریم ہمدانی بھی اس جلسے میں شریک تھا اس نے لکھا ہے کہ جو دانشمند تھے انہوں نے عین تخت نشینی کے دن اس قسم کی گفتگو کو ایک طرح کی بدشگونی سمجھا چنانچہ وہی ہوا کہ جس کا ان لوگوں کو خطرہ تھا۔ محمود شاہ نے اگرچہ ایک طویل عرصے تک حکمرانی کی، لیکن اس کا تمام عہد حکومت شور و شر، ہنگاموں اور باہمی چپقلشوں میں گزرا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے۔

عہد محمد شاہ کے کچھ حالات

محمود شاہ کے باپ محمد شاہ بہمنی نے جب عنان حکومت ہاتھ میں لی تھی اس وقت اس کی عمر بھی بہت ہی کم تھی اس وجہ سے تمام درباری امراء خود مختاری اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ مگر محمد شاہ کی والدہ اور ملک التجار محمود گاواں کی دور اندیشی، معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی کی وجہ سے یہ امیر اپنے خوابوں کی سہانی تعبیریں نہ دیکھ سکے اور وہ سدا اسی غم میں گھلتے رہے۔ سلطان محمد شاہ جب بالغ ہوا اور اس میں اپنی ماں اور خواجہ جہاں کی تربیت سے حکومت کے معاملات کو طے کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی تو اس نے تمام غداروں اور دون فطرت امراء کو چن چن کر تباہ و برباد کیا اور اپنے غلاموں کو تربیت علاق دینے میں مصروف ہوا۔

نظام الملک کی عزت افزائی

بادشاہ نے دو ہزار گرجی' چرکسی اور قلماق غلام خریدے اور اتنے ہی حبشی اور ہندی غلام بھی حاصل کیے- اس نے ترکی غلاموں میں سے نظام الملک کو جو' کھرلہ میں مقیم تھا' اپنی نوازشوں اور عنایتوں سے سرفراز کیا- حبشیوں میں دستور دینار اور ہندیوں میں سے ملک حسن کو اپنے مقربین خاص میں شامل کیا- ملک حسن نظام الملک بحری بادشاہ کا کوکہ تھا اور محمد شاہ کو بچپن کے زمانہ میں اپنے کاندھوں پر لیے لیے گھومتا تھا- اس وجہ سے اس کی عزت و عظمت میں بہت اضافہ ہوا اور اس کا شمار نامی گرامی امراء میں ہونے لگا- بادشاہ نے اپنی بحری خاصہ جو چیدہ شکاری جانوروں کا تھا' اور جس کے لئے یک ہزاری منصب اور علم و نقارہ کی عزت مخصوص تھی نظام الملک کے سپرد کر دیا اور یوں وہ "بحری" کے لقب سے مشہور ہوا-

ملک حسن نظام الملک بھی بادشاہت کے خواب دیکھتا تھا- اس نے ہندی غلاموں کی ایک بہت بڑی جماعت تیار کی اور اپنے پروردہ پر داختہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے- ان غلاموں میں سے بعضوں کو امیر اور بعضوں کو منصب دار بنایا گیا- جس زمانے میں سلطان محمد شاہ نے نظام الملک کو تلنگانہ کا طرفدار مقرر کیا تھا اس وقت اس علاقے میں ہندی غلاموں کے علاوہ کوئی اور جاگیردار موجود نہ تھا-اس سے نظام الملک کی تدبیروں کی کامیابی کا اندازہ ہو سکتا ہے-

خواجہ جہاں کو نظام الملک بحری کے انداز و اطوار سے اس کے باغیانہ ارادوں کا سراغ مل گیا تھا' اس لئے وہ نظام الملک سے بہت چوکنا اور ہوشیار رہتا تھا- اسی طرح یوسف عادل خاں سوائی بھی جو کسی نہ کسی طرح ترکی غلاموں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا- کھرلہ کے قلعے کی فتح کے بعد منصب دار اور جاگیردار ہوا- اس کے دوسرے بہت سے ترکی غلام بھی یعنی قوام الملک کبیر و صغیر' فرہاد الملک کوتوال' دریا خاں اور تفرش خان کو بھی امراء کے طبقے میں شامل کر کے جاہ و منصب سے بہرہ ور کیا گیا- یوسف عادل کے علاوہ دینار حبشی نے بہت ترقی کی-

نظام الملک نے اپنے قومی بھائیوں کی تربیت کی طرف بہت توجہ کی- اس نے سعید خاں گیلانی زین الدین علی خاں اور بہت سے دوسرے مغل امراء کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام کشور خاں کو امراء کے گروہ میں شامل کر کے صاحب جاہ و حشمت بنایا- اس طرح گویا چار فرقے یا جماعتیں پیدا ہو گئیں جو یہ ہیں (۱) مغل (۲) ترک (۳) حبشی اور (۴) دکنی- ان چاروں فرقوں میں سے حبشی غلاموں کا گروہ جو کہ خواجہ جہاں کا پروردہ پر داختہ تھا' دکنیوں سے مل گیا اور حسن نظام الملک کی وفاداری کا دم بھرنے لگا- حبشیوں کی طرح ترکوں نے خواجہ جہاں سے بیوفائی نہ کی اور سچے دل سے اس کی اطاعت گزاری کرتے رہے-

خواجہ جہاں کی دلی خواہش یہ تھی کہ ترکیوں کی جماعت ہمیشہ دکنیوں پر غالب رہے- خواجہ نے یوسف عادل خاں سوائی کو دولت آباد کا طرفدار مقرر کرنے کے بعد گجرات اور مندو کے حاکموں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا- خواجہ نے اپنی تدبیروں کو عمل میں لا کر یوسف عادل خاں کو ترکی امیروں کا سردار بنا کر' شاہی دربار میں اسے نظام الملک سے بڑی جگہ پر پہنچا دیا- ملک نظام الملک اس سبب سے اپنے دل میں بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اس نے خواجہ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے' لیکن ان چغل خوریوں کا بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور خواجہ جہاں اور یوسف عادل کی عزت اس کے دل سے پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی' لیکن آخر کار نظام الملک اپنے مفسد ارادوں میں پوری طرح کامیاب ہوا اور خواجہ جہاں کو' جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے مکاری اور فریب کے دام میں لا کر شہید کر دیا گیا- یوسف عادل خاں اپنی اقبالمندی کی وجہ سے ملک حسن نظام الملک جیسے طاقتور دشمن سے دور رہا اور بیجاپور کا فرمانروا بنا- اس طرح یوسف عادل کو محمد شاہی دربار سے کہیں زیادہ عزت اور ناموری حاصل ہوئی-

مغل اور ترک امراء کی پایہ تخت میں آمد

سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد یوسف عادل اور سارے دکنی' مغل اور ترک امراء جو کوکن کی مہم میں ہمراہ تھے آپس میں مل کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان محمود شاہ کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے پایہ تخت کی طرف روانہ ہوئے- یہ سب امراء شہر کے باہر قیام پذیر ہوئے اور ان میں سے یوسف عادل خاں' دریا خاں' فخر الملک' تفرش خاں ولد قاسم بیگ صف شکن' اژدر خاں اور غضنفر خاں ایک ہزار تجربہ کار اور چیدہ مغل اور ترک لشکریوں کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کرنے کے مقصد سے شہر میں داخل ہوئے-

یہ سب لوگ ارک کے قلعے میں پہنچے اس امر کی اجازت نہ تھی کہ اپنے ملازموں اور خدمتگاروں کو بھی قلعہ اندر لے جائیں- لیکن ان لوگوں کو چونکہ ملکہ حسن نظام سے خطرہ تھا اس لئے یہ لوگ اپنے ساتھ دو سو مسلح جوانوں کو بھی لے کر دار الامارت میں داخل ہوئے- ملک حسن بھی غافل نہ تھا' اس نے پہلے ہی سے یوسف عادل کی سرزنش کے لئے قلعے میں پانچ سو مسلح جوان متعین کر رکھے تھے- یوسف عادل خاں کو اس بات کا علم ہوا' لیکن اس نے واپس لوٹنے کو خلاف مصلحت سمجھا اور خدا تعالیٰ پر بھروسا کر کے اپنے مسلح نوجوانوں کے ساتھ بادشاہی محل میں اوپر چلا گیا-

یوسف عادل خاں شاہی دربار میں

ملک حسن نظام الملک اور امیر قاسم برید نے مجبور ہو کر ان نووارد امراء کا استقبال کیا اور انہیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا- یوسف عادل نے شاہی حضور میں جلوس کی مبارک باد پیش کی اور حسب عادت ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا جو ملک حسن کی جگہ سے ممتاز نمایاں اور اعلیٰ تھی- نظام الملک سے بعد کی جگہ پر دریا خاں کھڑا ہو گیا اور اس طرح نظام الملک اور اس کے بیٹے ملک احمد کے درمیان فاصلہ ہو گیا- ان امراء کی ترتیب کچھ اس طور پر تھی کہ اگر نظام الملک کے ہوا خواہ یوسف عادل اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنا چاہتے تو انہیں پہلے نظام الملک اور ملک احمد کا کام تمام کرنا پڑتا- ملک احمد کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا اور اس نے اپنے اور اپنے دشمنوں کے درمیان سے نظام الملک کو ہٹانا چاہا-

یوسف اور نظام الملک کی "گرم جوشی"

نظام الملک اپنے بیٹے کے ارادے سے باخبر ہو گیا اور اس نے ملک احمد کو منع کر دیا اور فساد کو رفع کرنے کے لئے بادشاہ سے گزارش کی- بادشاہ نے ان تمام لوگوں کو ان کے مرتبے کے مطابق خلعت سے سرفراز کیا اور پھر یہ سب رخصت ہو گئے- یوسف عادل کو نظام الملک کی طرف سے کچھ اطمینان نہ تھا- یوسف نے اپنے دشمن کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور گفتگو کے بہانے سے اسے اپنے ساتھ قلعے کے باہر تک لے آیا یوسف نے بڑے خلوص اور محبت کا اظہار کیا' نظام الملک کی بہت خاطر تواضع کی' اپنے لشکر تک پہنچ کر یوسف' نظام الملک سے رخصت ہو گیا اور اپنے ایک ہزار تجربہ کار ساتھیوں کے ہمراہ شہر سے باہر اپنی قیام گاہ میں مقیم ہوا- یوسف نے دریا خاں کو بڑی احتیاط کے ساتھ شہر کے باہر مقیم ہونے کا مشورہ دیا-

دوسرے روز ملک حسن نظام الملک' قوام الملک کبیر و صغیر کے ہمراہ یوسف عادل کی قیام گاہ میں آیا اور یوسف سے کہا- "مناسب یہی ہے کہ تم اور تمہارے ترکی امراء بھی شہر کے اندر ہی قیام کریں تاکہ ہم سب مل کر روزانہ شاہی دربار میں حاضری دیا کریں- اس طرح ملکی معاملات میں پہلے کی طرح ترتیب و نظم پیدا ہو جائے گا نیز ہمارا باہمی اتحاد ترقی کرے گا- اور ہم ایک دوسرے کے دوست بن کر دشمنوں کو تباہ و برباد کریں گے- یوسف عادل نے جواب دیا "باہمی اتحاد و محبت کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا' بالکل وہی میری خواہش بھی ہے' لیکن یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں بھی ہر روز تمہاری طرح دربار میں حاضری دیا کروں- ہم سپاہی پیشہ لوگ ہیں ملکی انتظامات سے ہمیں کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق اپنے اپنے کاموں کو سرانجام

دیتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ ان ترکی امراء کا شہر میں قیام کرنا کچھ اچھا نہیں ہے یہ ایک جاہل قوم سے تعلق رکھتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں اور دکنیوں اور حبشیوں میں کسی قسم کی تکرار ہو جائے اور اس طرح کسی بڑے فتنہ و فساد کا دروازہ کھلے۔"

عہدوں کی تقسیم

الغرض اس ملاقات میں یہی طے پایا کہ نظام الملک پہلے کی طرح وکیل السلطنت کے عہدے پر فائز رہے۔ وزارت' اشراف اور نظارت کے عہدے بالترتیب قوام الملک کبیر سرلشکر ورنگل' قوام الملک صغیر طرفدار راجمندری اور دلاور خاں حبشی (یکے از امراء کبار) کے پاس رہیں۔ اسی طرح دوسرے عہدے اور خدمتیں بھی باہمی مشورے سے مناسب لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں اور سب مل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان محمود شاہ نے ان تمام عہدہ داروں کو خلعت فاخرہ عطا کیے۔ اس واقعے کے بعد یوسف عادل اپنی قیام گاہ پر آ گیا اور اس نے پھر کبھی سلطنت کے انتظامی امور میں دخل نہ دیا۔

عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک کی طلبی

دو تین ماہ تک تو تمام مغل' دکنی' حبشی اور ترک سپاہی بڑے اتحاد و یگانگت سے رہے اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا برتاؤ کرتے رہے' لیکن حسن نظام الملک بحری اور قوام الملک کبیر نے وعدہ شکنی کا ارادہ کیا اور یوسف عادل خاں کا کام تمام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان امیروں نے یہ طے کیا کہ خاندان بہمنیہ کا نامی گرامی امیر' عادل خاں دکنی' جو قوام الملک کی طرف سے ورنگل میں مقیم تھا اسے یوسف عادل کی جگہ مقرر کر دیا جائے۔ اس تجویز کے پیش نظر عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک کو طلبی کے فرمان بھیجے گئے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے امراء اور لشکریوں کو ساتھ لے کر بادشاہ کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہوں۔ متذکرہ بالا دونوں امیر شاہی فرمان کے پہنچتے ہی پایہ تخت میں حاضر ہو گئے اور شہر کے باہر اپنے ہتھیار بند لشکر کے ساتھ مقیم ہوئے۔

یوسف عادل کے خلاف سازش

عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک اکیلے ہی شہر میں داخل ہوئے یہ دونوں بہت خوش و خرم اپنی قیام گاہ پر واپس آئے دو تین ہفتے انہیں معاملات میں گزر گئے۔ ملک حسن نظام الملک نے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی اور وہ قوام الملک کبیر کو بہت ہی سادہ لوح اور بے خبر سمجھتا تھا۔ ملک حسن نظام الملک نے قوام الملک سے کہا "میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم تم دونوں مل کر آج دکنی امراء کو بلائیں اور یوسف عادل کا کام تمام کر دیں۔ یوسف عادل کے ڈر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جانا بہت بڑی بات ہے جب ہم اس مرحلے کو طے کر لیں گے تو پھر یوسف کے بہی خواہوں کو ان کے تھانوں پر واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"یہ ممکن ہے کہ فتح اللہ عماد الملک اور دیگر دکنی امراء جو ترکی امیروں سے خوفزدہ ہیں ان کی وجہ سے دربار میں حاضر نہ ہوں۔ اس لئے مناسب یہی ہوگا کہ ترکی امراء کو یہ حکم دے دیا جائے کہ وہ اس روز اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں" قوام الملک نے نظام الملک کی یہ تجویز پسند کی اور اسی کے مطابق نظام الملک نے دوسرے روز بادشاہ کو ارک کے قلعے کے ایک برج پر بٹھایا اور یوسف عادل اور فتح اللہ عماد الملک کو یہ پیغام بھجوایا۔ "اپنی اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے شاہی ملاحظہ کے لئے پیش کرو اور شاہی خلعت سے سرفراز ہو کر اپنے اپنے صوبوں کو واپس جانے کی اجازت طلب کرو۔"

قوام الملک کبیر کی عاقبت نااندیشی

فرہاد الملک کوتوال کو ان باتوں کا علم ہو گیا اور اس نے قوام الملک کبیر کو یہ پیغام دیا "ملک حسن نظام الملک تمہارا اور تمام ترکی امیروں کا سخت ترین دشمن ہے اس نے یوسف عادل خاں کا کام تمام کرنے کا تو بہانہ کیا ہے۔ اس روز تمام ترکی امراء کا اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے اور یہ بات عقل و فہم سے بہت دور ہے۔" قوام الملک کبیر یوسف عادل خاں کا سخت دشمن تھا اسی لیے اس

نے نظام الملک کی بہی خواہی پر اعتماد کر لیا چونکہ قوام الملک کبیر کا آخری وقت آگیا تھا اس لئے اس نے کوتوال کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

عادل خان دکنی تمام حالات سے بے خبر تھا وہ اپنے لشکر تلنگانہ کو مرتب و مسلح کر کے' نظام الملک کے کہنے پر شہر میں آگیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ سلطان محمود شاہ بہمنی نظام الملک وغیرہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ ملک حسن نظام الملک کے کہنے کے مطابق اس نے دونوں سرداروں کو برج پر جہاں وہ خود بیٹھا ہوا تھا' بلایا اور کہا "ترکی امراء اس وقت بغاوت پر آمادہ ہیں اور ملک میں شورش پھیلا رہے ہیں۔ اس فتنے کا سد باب ضرور کرنا چاہیے۔"

ترکوں کا قتل

فتح اللہ عماد الملک اور یوسف عادل ایک دوسرے کے بہت دوست تھے اس لئے نظام الملک نے فتح اللہ عماد الملک کو اسی مجلس میں بٹھائے رکھا ہم خطابی کی بنا پر عادل خاں دکنی' یوسف عادل کا جانی دشمن ہو رہا تھا اسے ترکی امراء کو قتل کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ عادل دکنی نے سب سے پہلے قوام الملک کبیر کو قتل کیا فرہاد الملک کوتوال کو گرفتار کر کے حصار کے دروازے بند کر لیے اور ترکوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ ترکی امراء اس ناگہانی مصیبت سے قطعاً بے خبر تھے تفرش خاں' قوام خاں اور دیگر ترکی امراء کو جو یوسف عادل کی وجہ سے شہر کے اندر موجود تھے' ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے جنگ کے ارادے سے شہر کے دروازے کا رخ کیا' اور بڑی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ تیغ و تبر سے دروازے کو توڑ دیا۔

معرکہ آرائی

دریا خاں کو جب شہر کے ہنگامے کی خبر ملی تو وہ دس یا بیس ہزار سواروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ پورے بیس دن تک طرفین میں معرکہ آرائی رہی۔ اس دوران میں کئی بار یوسف خاں عادل اور ملک احمد ولد نظام الملک بحری میں شدید لڑائیاں ہوئیں۔ اور دونوں فریقوں کے تین یا چار ہزار سپاہی موت کا لقمہ بنے اس خونریزی اور موت کی گرم بازاری کے بعد بھی کسی بات کا فیصلہ ہوتا ہوا نظر نہ آیا یہ حالت دیکھ کر شہر کے عالم اور درویش درمیان میں پڑے اور صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔

یوسف عادل کی واپسی

ترکی امراء کی ایک بہت بڑی تعداد موت کا شکار بن چکی تھی اس لئے یوسف عادل نے بھی صلح ہی میں بہتری دیکھی اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر بیجاپور واپس آگیا۔

نظام الملک کا اقتدار

اب میدان خالی پاکر ملک حسن نظام الملک دربار پر پوری طرح حاوی ہو گیا اس نے اپنے بیٹے ملک احمد کو سردار اور میر کے علاوہ دوسرے کئی پرگنوں کا جاگیردار مقرر کیا فخر الملک دکنی کو' جو ملک التجار محمود کاواں کا غلام زادہ اور بہت ہی شجاع اور دلاور انسان تھا برار کے امیروں کی جماعت میں داخل کیا اور اس کے بیٹوں کو بھی مختلف عہدے عطا کیے۔ نیز فخر الملک کو "خواجہ جہاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ وزارت اور میر جملہ کا عہدہ فتح اللہ عمادی کے سپرد کیا گیا اور اس کے بیٹے شیخ علاؤ الدین کو' باپ کی طرف سے برار کا طرفدار مقرر کیا گیا۔ نظام الملک نے ان سب کے دلوں کو موہ لیا۔

قاسم برید نظام الملک کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا اس نے نظام الملک کے ایما پر ترکوں کو تباہی اور بربادی میں کوئی کمی نہ کی تھی اسے شہر کا کوتوال اور سرنوبت مقرر کیا گیا۔ قوام الملک صغیر کو تلنگانہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ تین چار سال تک ملک حسن نظام الملک اور فتح اللہ عمادی ہر روز بلاناغہ' صبح کے وقت بادشاہ کی والدہ کے پاس جاتے تھے۔ اور اس کے مشورے سے سلطنت کے امور سرانجام دیتے تھے۔

دلاور خاں حبشی کو ان دونوں امیروں سے بہت حسد تھا۔ اس نے بادشاہ کے کان بھرے اور اس سے کہا "فلاں فلاں امیر حضور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے آپ کو محض ایک بچہ جان کر نظرانداز کر دیتے ہیں اور سلطنت کے تمام کام آپ کی والدہ کے مشورے سے انجام دیتے ہیں۔"

نظام الملک اور عمادی پر ناکام قاتلانہ حملہ

دلاور خاں حبشی کی اس بات نے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا اور اس نے دلاور خاں ہی کو نظام الملک اور فتح اللہ عمادی کے قتل پر مقرر کیا۔ اتفاق کی بات کہ ایک بار یہ دونوں امیر رات کے وقت کسی اہم سلسلے میں بادشاہ کی والدہ سے ملنے کے لیے شاہی محل میں آئے۔ دلاور خاں حبشی نے ایک اور شخص کو اپنے ساتھ لیا اور یہ دونوں تلواریں سونت کر متذکرہ امیروں کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے امیروں پر تلواروں کے وار کیے نظام الملک زخمی ہوا' لیکن اس کے اور فتح اللہ عمادی دونوں ہی کے پاس تلواریں تھیں اور دونوں شمشیر زنی میں بے نظیر تھے' اس لئے انہوں نے دشمنوں پر غلبہ پالیا اور قلعے سے باہر نکل آئے۔

نظام الملک کا شہر سے جانا

ان امیروں نے ملک قاسم برید کو جسے انہوں نے سرنوبت اور کوتوال شہر بنایا تھا۔ اس واقعے سے اطلاع دی اور یہ کہلوایا "بادشاہ تمہاری جان کا دشمن ہو رہا ہے لہٰذا تم اپنی جان کی حفاظت کرو۔" ملک حسن نظام الملک اور فتح اللہ عمادی اپنے اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر شہر کے باہر چلے گئے۔ قاسم برید نے ارک کے قلعے کے دروازے بند کر دیئے اور لوگوں کو بادشاہ کے پاس آنے جانے سے بالکل روک لیا۔ یہ عالم دیکھ کر بادشاہ کو اپنی حرکت پر بہت ندامت اور پشیمانی ہوئی لہٰذا اس نے ان امیروں کے پاس اپنا ایک قاصد روانہ کیا۔ یہ تمام امیر کتانہ کے قریبی علاقے میں سات آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ قیام پذیر تھے' قاصد نے بادشاہ کی طرف سے عذر خواہی کی۔

نظام الملک کی واپسی

امراء نے دلاور خاں حبشی کو قتل کرنے کی درخواست کی۔ دلاور خاں نے جب یہ سنا تو وہ برہان پور کی طرف فرار ہو گیا۔ اس کے بعد نظام الملک اور ملک احمد دونوں باپ بیٹے شہر میں داخل ہوئے۔ فتح اللہ عمادی برار کی طرف چلا گیا انہیں دنوں ملک حسن نظام الملک بحری نے' جو زمانے کی بہت سی کروٹوں کو دیکھ چکا تھا اپنے استحکام کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے ملک وحید اور ملک اشرف دکنی پر (جو پہلے محمود گاواں کے خدمت گار تھے اور بعد میں شاہی سلحدار مقرر ہوئے تھے) طرح طرح کی عنایات کرنا شروع کر دیں۔ ملک وحید کو اس نے امارت کے درجے تک پہنچا کر دولت آباد کا طرفدار مقرر کیا اور اشرف کو اس کی ماتحتی میں دیا۔ نظام الملک نے ان دونوں سے ملک احمد کے ساتھ محبت و اتحاد کا برتاؤ کرنے کی قسمیں لیں اور قول و قرار لے کر دولت آباد کی طرف روانہ کر دیا۔

ملک احمد کی روانگی جنیر

فخر الملک المخاطب بہ خواجہ جہاں کو شولاپور اور پرندہ کے پرگنے عطا کیے گئے۔ اس سے بھی ملک وحید اور ملک اشرف کی طرح قسمیں لی گئیں۔ اس کے دو تین ماہ بعد نظام الملک نے بادشاہ سے رخصت لی اور اپنے بیٹے ملک احمد کو سو ہاتھیوں اور بہت سے مال و اسباب کے ساتھ اپنا نائب مقرر کر کے جنیر روانہ کیا۔

قوام الملک صغیر کی بغاوت

ورنگل کے حاکم عادل خاں نے ۸۹۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا' قوام الملک صغیر جلد از جلد اپنا لشکر لے کر راجمندری سے ورنگل پہنچا اور اس نے علم سرکشی بلند کر کے سارے تلنگانہ پر قبضہ کر لیا۔ ملک حسن نظام الملک نے بادشاہ کو اپنے ہمراہ لیا اور ورنگل کی طرف روانہ ہوا قوام الملک ورنگل سے راجمندری واپس آ گیا اور اس نے وہاں سے ایک خفیہ خط بادشاہ کے نام روانہ کیا۔ اور اس سے ملک حسن نظام

الملک کے روز افزوں اقتدار کی شکایت کی- بادشاہ کا عالم اس وقت عجیب ہو رہا تھا' ایک طرح پر اس نے امراء کشی پر کمر باندھی رکھی تھی اس لئے اس نے قوم الملک صغیر کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اس کے قاصد کو مع خط کے نظام الملک کے پاس بھیج دیا-

بیٹے کا خط باپ کے نام

بادشاہ ورنگل پہنچا اور نظام الملک کے نام ملک احمد کا اس مضمون کا ایک خط آیا- "سلطان محمد شاہ کے دور فرماں روائی میں بندر کوہ اور اس کے پرگنوں کی حکومت کشور خاں' غلام ملک التجار کے حوالے کی گئی تھی- کشور خاں نے نجم الدین گیلانی کو اپنا نائب بنایا تھا- نجم الدین گیلانی کی وفات کے بعد اس کے خدمتگار بہادر گیلانی نے بہادری و ہمت سے کام لے کر بندر کوہ سے بندر وایل' کولاپور' کلھر اور برنالہ تک کے تمام علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا- اب وہ یوسف عادل کے بل بوتے اور مدد کی وجہ سے روز بروز بہت طاقت پکڑتا جا رہا ہے- اس کی ہمت یہاں تک بڑھی ہے کہ اس نے بندر جیول اور میرے پرگنوں پر بھی دست درازی شروع کر دی ہے-"

"اسی طرح جھاگنہ کا جاگیردار زین الدین علی باس بھی من مانی کرنے پر اترا ہوا ہے اور باوجود قربت کے اطاعت کا دم نہیں بھرتا اور یہ کہتا ہے کہ جب بادشاہ خود مستقل فرمان روا بن کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے گا میں اس وقت صحیح طور پر مطیع بنوں گا ان تمام معاملات میں آپ کی کیا رائے ہے- آپ جو حکم دیں اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا-" ملک حسن نظام الملک نے جواب میں لکھا سب سے پہلے زین الدین علی باس کے فتنے کا خاتمہ کرو اور اس کے بعد کسی دوسری طرف توجہ کرنی چاہیے-" اس خط کے ساتھ ہی نظام الملک نے دولت آباد کے طرف دار ملک وحید اور پرندہ کے حاکم فخر الملک خواجہ جہاں کے نام اس مضمون کے خطوط بھی روانہ کیے کہ دونوں امیر ملک احمد کی مدد کریں-

زین الدین علی کا خط یوسف عادل کے نام

انہیں دنوں زین الدین علی باس نے یوسف عادل کے نام ایک خط بیجاپور روانہ کیا اس نے لکھا- "مجھے اپنے خدمت گزاروں اور ملازموں کی صف میں شامل کرکے میری سرپرستی کیجے اور ملک احمد کے ہنگاموں سے مجھے اور میرے ملک کو بچایئے-" یوسف عادل نے جو خواجہ جہاں سے سچی دوستی رکھتا تھا زین الدین کی امداد کا پکا ارادہ کر لیا- اس نے پانچ چھ ہزار سواروں کا ایک لشکر اس کی مدد کے لئے روانہ کیا- اور اس لشکر کو یہ حکم دیا کہ پہلے تو انداپور کے قلعے میں قیام کیا جائے جب ملک احمد' زین الدین پر لشکر کشی کرنے کے لئے بھاکنہ کی طرف آئے تو پھر اس میں پہنچ کر اس کا راستہ مسدود کیا جائے-"

نظام الملک کا زوال

یہ خبر ورنگل پہنچی اور ملک حسن نظام الملک کی عزت اور عظمت کو گھن لگنے لگا- رعیت اور بادشاہ دونوں کی نگاہوں میں اس کا پہلا سا وقار نہ رہا اور تمام اعتبار جاتا رہا- بادشاہ کے مصاحبوں نے جن میں ملک قاسم برید' دستور دینار حبشی خواجہ سرا اور دوسرے حبشی امیر شامل تھے- بادشاہ کو نظام الملک کے خلاف اکسانا شروع کر دیا اور اسے طرح طرح کی وحشت خیز خبریں سنانے لگے- بادشاہ تو پہلے ہی نظام سے ناخوش تھا للذا اس نے متذکرہ امراء کو یہ بتا دیا کہ وہ نظام الملک سے خوش نہیں ہے- اس نے ان امیروں کو یہ حکم دیا کہ وہ موقع پا کر نظام الملک کا خاتمہ کر دیں-

نظام الملک کا فرار

ملک حسن نظام الملک کو ان تمام باتوں کی اطلاع ہو گئی وہ اپنی جان بچا کر آدھی رات کے وقت شاہی لشکر سے بھاگ نکلا- چونکہ اس کے دن پورے ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنے بیٹے کے پاس جنیر نہ گیا- بلکہ پایہ تخت اور خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہو گیا- بیدر کا حاکم' دل پسند خاں دکنی تھا- اس پر نظام الملک نے بہت سی مہربانیاں کی تھیں اس لئے وہ نظام الملک سے بڑی

خندہ پیشانی سے ملا اور بڑے فرمانبردارانہ انداز سے اسے شہر میں لے آیا۔

نظام الملک کی بغاوت

نظام الملک نے اپنا ایک قاصد بھیج کر ملک احمد کو جنیر سے بیدر بلوایا۔ دل پسند خاں کے ساتھ مل کر اس نے بہمنی بادشاہوں کا بہترین خزانہ کھولا اور لشکر وغیرہ فراہم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے بعد نظام الملک نے کھلے بندوں بادشاہ کی مخالفت کا اعلان کر دیا اور علم بغاوت سربلند کیا۔ سلطان محمود شاہ کو ان تمام واقعات کی اطلاع ملی اور اس نے قطب الملک دکنی کو تلنگانہ کا سر لشکر مقرر کیا اور اس علاقے کے امراء کو ساتھ لے کر بیدر کی طرف روانہ ہوا۔

دل پسند خاں کی چال

نظام الملک اتنا طاقتور نہ تھا کہ وہ بادشاہ سے مقابلہ کرنے کی جرات کرتا۔ اس نے تمام خزانہ اپنے ساتھ لے کر اپنے بیٹے سے جا ملنے کا ارادہ کیا۔ دل پسند خاں نے اسے اس ارادے سے باز رکھا اور بادشاہ کو پوشیدہ طور پر یہ پیغام بھجوایا۔ "فدوی حسب سابق حضور کا خدمت گزار اور مطیع ہے۔ میں نے محض نمک حلالی اور فرض شناسی کی وجہ سے آپ کے باغی کو لطف و مروت کے ساتھ روک رکھا ہے تاکہ حضور کی آمد کا انتظار کیا جا سکے۔" بادشاہ نے دل پسند خاں کو جواب بھجوایا۔ "اگر تو واقعی سچا ہے تو پھر نظام الملک کا سر کاٹ کر شاہی بارگاہ میں روانہ کرتا کہ تیری وفاداری کا اندازہ ہو سکے۔"

نظام الملک کا قتل

دل پسند خاں نے نظام الملک کی عنایتوں اور مہربانیوں کا کچھ خیال نہ کیا اور پانچ سو ہتھیار بند جوانوں کو ساتھ لے کر نظام الملک کے پاس قلعہ ارک میں گیا اور اس سے کہا کہ "مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔" نظام الملک نے اسی وقت دل پسند کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دل پسند طاقتور اور جوان آدمی تھا اس کے برعکس نظام الملک ضعیف العمر تھا۔ دل پسند نے نظام الملک کا گلا گھونٹ کر وہیں اس کا خاتمہ کر دیا۔ دل پسند نے اس کے بعد نظام الملک کے سر کو اس کے جسم سے علیحدہ کیا اور اس کٹے ہوئے سر کو ہاتھ میں لے کر باہر آیا اور حاضرین محفل سے یوں گویا ہوا۔ "جو شخص اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کرتا ہے اس کی سزا یہی ہے۔" دل پسند نے وہ کٹا ہوا سر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اس کے بعد بادشاہ شہر میں داخل ہوا اس نے دل پسند خاں دکنی کے علاوہ کئی مغلوں اور ترکوں کو اپنا مصاحب بنایا اور سلطنت کے اکثر امور کی انجام دہی انہیں پر چھوڑی۔

محمود شاہ کی عیاشی

سلطان محمود شاہ پر جوانی کا نشہ کچھ بری طرح چھایا شراب و شاہد و ساقی کا وہ کچھ ایسا والہ و شیدا ہوا کہ حکومت کے اکثر کاموں کی طرف سے غافل رہنے لگا۔ اس عیاشی اور عیش کوشی نے یہاں تک طول کھینچا کہ بادشاہ نے تخت فیروزہ میں سے بہت سے جواہرات نکلوا کر شراب کے لئے مرصع صراحیاں اور پیالے بنوائے۔ شراب کی بساط کا حاشیہ اور خاصہ کا طنبورہ بھی تخت فیروزہ کے جواہرات ہی سے آراستہ کیا گیا۔

بادشاہ کے قتل کی سازش

۸۹۹ھ میں حبشیوں اور دکنیوں نے مغلوں اور ترکوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ انہوں نے حسد کی آگ میں جل کر بادشاہ کو مغلوں اور ترکوں سے بدگمان کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ دل پسند خاں اور دوسرے حبشی اور دکنی امراء نے باہم سازش کی کہ محمود شاہ کو قتل کر کے کسی دوسرے بہمنی شہزادے کو تخت پر بٹھایا جائے۔ ان سازشیوں نے ارک کے قلعے کے تمام دربانوں، حاجبوں، کوتوالوں، فیل بانوں اور پردہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

دشمن کی ناکامی

یکم ذی قعد ۸۹۲ھ کو رات کے وقت سازشی ایک سوار سواروں اور پیادوں کا لشکر لے کر بادشاہ کی قیام گاہ یعنی قلعہ ارک میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں نے حصار کے دروازوں کو اندر کی طرف سے بڑی مضبوطی سے بند کر لیا تاکہ مغل اور ترک سپاہی بادشاہ کی مدد کے لئے نہ آ سکیں۔ سلطان محمود شاہ اس وقت شراب نوشی میں مشغول تھا اسے جب شور کی آوازیں آئیں تو وہ کچھ چوکنا ہوا اور اپنی حفاظت کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت پردہ داروں کی مدد سے حبشیوں اور دکنیوں کی ایک مکار جماعت بادشاہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عزیز خاں ترک اور دیگر ترکی ملازم (حسن علی خاں سبزواری اور سید میرزائی مشہدی عرف ملوخاں جو بڑا بہادر اور جیالا تھا) درمیان میں آ گئے۔ یہ غلام اگرچہ ہتھیار بند نہ تھے' لیکن انہوں نے اپنی ہمت اور جواں مردی سے اپنی جانیں بادشاہ پر قربان کر دیں۔ اس طرح بادشاہ کو دشمنوں کے نرغے سے نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ شاہ برج کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا۔

معرکہ آرائی

حرم سرا اور شاہ برج کے علاوہ قلعے کے باقی تمام حصوں پر باغیوں کا قبضہ ہو چکا تھا ان عیاروں نے شاہ برج کے قریب لڑائی شروع کی بادشاہ نے برج کے تمام دروازے بند کر لیے اور گنتی کے چند مغل اور ترکی امراء کے ساتھ جو بادشاہ کے سچے دوست تھے' دشمن کی مدافعت میں مشغول ہوا۔ بادشاہ اور اس کے ہمراہی امراء تیروں اور پتھروں کے ذریعے دشمن کو بھگانے کی کوشش کرتے رہے اسی دوران میں بادشاہ نے اپنے ایک خاص ملازم کو قلعے سے باہر کسی نہ کسی طرح نکال دیا اور ملازم نے ترکی اور مغل سپاہیوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔

حبشیوں اور دکنیوں کا فرار

بادشاہ کی مدد کے لئے تقریباً تین چار سو مغل اور ترک' ہتھیار بند جوان آئے' ان میں فرہاد خاں' قاسم برید' شیر خاں' محمود خاں گیلانی اور کشور خاں وغیرہ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے قلعے کے تمام دروازے بند پائے تو ان میں سے آٹھ افراد' بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے کمند لگا کر شاہ برج پر چڑھے انہوں نے وہاں نقارہ بجا دیا اس سے حبشی اور دکنی لوگ یہ سمجھے کہ مغل اور ترک سپاہیوں کی فوج قلعے کے اندر آ گئی ہے۔ لہٰذا وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے اور دروازے کی طرف لپکے۔

بادشاہ کی خوش قسمتی

خداوند تعالیٰ کی رضا یہی تھی کہ بادشاہ کو فتح ہو اس لئے یہ سب کچھ از خود ہو گیا' بادشاہ کے حمائتیوں میں سے پچیس تجربہ کار سبزواری نوجوان' جو سلحداروں میں داخل تھے' قلعے کے دروازے کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے بھاگتے ہوئے حریفوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر مفرور سپاہی دوبارہ قلعے کی طرف بھاگے اور انہوں نے قلعے کے دروازے کو بند کرنا چاہا' لیکن سبزواری جوانوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ دونوں فریقوں میں زبردست جنگ ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کو ادھر ادھر بھگانے لگے۔

باغیوں کا قتل

یہ عالم دیکھ کر شاہی دربار کا ممتاز بہادر کشور خاں اپنے مسلح سپاہیوں کو لے کر معرکہ کارزار میں کود پڑا اس نے بہادری کا کچھ ایسا مظاہرہ کیا کہ دشمن مغلوب ہو کر نگینہ محل نامی عمارت کی طرف پسپا ہو گئے۔ اس رات شہر میں زبردست ہنگامہ رہا ایسا شور و شر ہوا کہ کسی کو اصل صورت حال کی خبر نہ ہو سکی۔ سر پھرے دکنیوں کے گروہ کے گروہ شہر میں آنے لگے اور مغلوں اور ترکوں کے گھروں کو تباہ و برباد کرنے لگے۔ اس ہنگامے میں آدھی رات گزر گئی چاروں طرف چاندنی کھلی ہوئی تھی اس وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ نہ تھی۔ جاروب کشوں اور دوسرے پیشہ وروں نے (جو اگرچہ پہلے دشمنوں سے مل گئے تھے اور انہیں سے ساز باز کر کے دشمن قلعے کے اندر داخل ہو گئے

تھے) لکڑی کے گٹھوں کو آگ لگا لگا کر روشنی فراہم کی اور ایسی جگہوں کو منور کیا جہاں دشمن کے آدمی چھپے ہوئے تھے' باغیوں کو خوب جی کھول کر قتل کیا گیا۔

اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ دکن کے امراء تقریباً تین سو سواروں کے ساتھ مسلح و مرتب قلعہ میں کسی جگہ اس انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں کہ صبح ہوتے ہی ایک دم حملہ کر دیں' اور قلعے کا دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں۔ بادشاہ نے جہانگیر خاں ترک کو' جو "ملک الموت" کے لقب سے مشہور تھا' قلعے کی حفاظت پر متعین کیا اور شہر و بازار کی حفاظت کے لئے خاں جہاں ترک کو اپنے خاصہ کے سواروں کے ساتھ کام پر لگایا۔ محمود شاہ نے شاہی اصطبل میں سے تازی گھوڑے نکال کر لوگوں میں تقسیم کیے اور حکم دیا کہ ان پر سوار ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

قتل عام

انہیں ہنگاموں میں رات ختم ہوئی اور سورج طلوع ہوا۔ محمود شاہ نے تخت حکومت پر جلوس کر کے ترکوں اور مغلوں کو حکم دیا کہ دکنیوں اور حبشیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے اور ان کے گھروں کو برباد و تاراج کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ پورے تین دن تک شہر میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ رہا۔ اور کسی شخص میں بھی اتنی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ سے عفو تقصیر کی گزارش کرے۔ آخر کار شاہ محب اللہ کے ایک بیٹے بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ سے مجرموں کو معاف کر دینے کی گزارش کی بادشاہ نے ان کی بات مان لی اور اس کی عقل ٹھکانے پر آئی اور قتل و غارت گری کا بازار ٹھنڈا ہوا۔

جشن مسرت

اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے شہر اور قلعے کو دلہن کی طرح سجایا اور کامل چار دن تک عیش و عشرت میں مصروف رہا۔ بادشاہ نے بزم عشرت کچھ ایسی عالیشان منعقد کی' کہ اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ شاہ برج میں' محمود شاہ نے پناہ لی تھی اور اسی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی لہٰذا محمود شاہ برج کو ایک بڑی مبارک جگہ خیال کرتا تھا۔ اس نے اس جگہ ایک عظیم الشان محل کی بنیاد ڈالی اور کچھ ہی عرصے میں ایک خوبصورت اور دلکش عمارت کھڑی ہو گئی۔ اس محل کی تیاری کے بعد بادشاہ شراب و شاہد کا ایسا دلدادہ ہوا کہ دن رات اسے یہی کام رہتا تھا۔ عراق' خراسان' لاہور' ماوراء النہر اور دہلی وغیرہ مقامات کے مشہور اور کامل فن سازندے اور ناچنے والیاں' عیش و عشرت کی یہ سرپرستی دیکھ کر دکن کی طرف چلی آئیں۔ اسی طرح شاعر' قصہ خواں اور ندیم وغیرہ بھی دنیا کے مختلف مقامات سے بہمنی بارگاہ میں جمع ہو گئے اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ احمد آباد بیدر رشک ایران و توران ہو گیا۔

سیاسی ابتری

احمد آباد کی رعیت نے بھی کیا چھوٹے اور کیا بڑے سبھی نے بادشاہ کی پیروی کی' جگہ جگہ ساقی و شراب کی محفلیں آراستہ ہونے لگیں' آس پاس کے حکمرانوں اور امراء نے جب غفلت کا یہ دور دورہ دیکھا تو انہوں نے صورت حال کو اپنے موافق پا کر' اپنے استحکام کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔ شاہی امراء میں سے جو امیر' سلطنت کے طرفداروں (سرلشکروں) کے ساتھی بن گئے انہیں بڑی عزت اور وقار حاصل ہوا اور جس نے ایسا نہ کیا اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ الغرض تھوڑے سے عرصے میں سوائے تلنگانہ اور احمد آباد کے نواحی علاقوں کے بادشاہ کے قبضہ میں ملک کا کوئی حصہ نہ رہا۔

طرفداروں کی حالت

سب طرفداران سلطنت اگرچہ بادشاہ کے مخالف تھے' لیکن کھلے بندوں کوئی مخالفت نہ کرتا تھا۔ ایک ملک احمد (نظام الملک کا بیٹا) تھا جو کھلم کھلا بادشاہ کا مخالف تھا۔ ورنہ باقی امراء ظاہری طور پر بادشاہ کے اطاعت گزار تھے اور یہ اطاعت گزاری بھی صرف اسی حد تک تھی کہ

اگر کبھی بادشاہ قاسم برید کی سرزنش کے لئے حملہ کرتا تو طرفداران سلطنت اسی وقت اس کا ساتھ دیتے۔ جب کہ انہیں پوری طرح یقین ہو جاتا کہ اس طرح ان کا اپنا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ طرفدار جب بادشاہ کے ساتھ کہیں جاتے تو تزک و احتشام اور شان و شوکت کے لحاظ سے بادشاہ ان سے کم تر معلوم ہوتا۔ جب طرفداروں یا صوبہ داروں کو بادشاہ کے ساتھ سفر پر کہیں جانا پڑتا تو واپسی پر یہ صوبہ دار راستے ہی میں اپنے اپنے صوبوں کی طرف چلے جاتے یہ لوگ بادشاہ کے ساتھ رہنے سے پرہیز کرتے تھے' کیونکہ یہ بادشاہ کے سامنے مودب کھڑے رہنے اور اسے سلام کرنے کو مصیبت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان طرفداروں میں سے کوئی بھی شاہی مجلس میں شرکت نہ کرتا تھا۔

یوسف عادل' فتح اللہ عمادی اور ملک احمد کی خودمختاری

نظام الملک کے بیٹے ملک احمد نے جس نے بادشاہ کو کئی مرتبہ شکست دی تھی' احمد نگر کی بنیاد ڈالی اور بادشاہوں کی طرح حکومت کرنے لگا۔ ملک احمد نے یوسف عادل اور فتح اللہ عمادی کے پاس اپنے قاصد بھیج کر ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کریں۔ آخر کار ان تینوں امیروں میں یہ طے پایا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہت قائم کریں اور کھلے بندوں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیں۔ ۸۹۵ھ میں ان تینوں امراء نے سلطان محمود شاہ کا نام خطبے سے نکال کر اپنے اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

قاسم برید کی بغاوت

۸۹۷ھ میں قاسم برید ترک سرنوبت جبراً وکالت کے عہدے اور احمد آباد بیدر کے گرد و نواح کی طرف داری پر فائز ہوا۔ اس نے قندھار' اڈیسہ' اودگیر اور کلیان کو اپنی جاگیر مقرر کیا۔ اور ان پرگنوں کے قلعوں پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ کیا' لیکن ان قلعوں کے محافظوں نے اسے ایسا نہ کرنا دیا۔ قلعے اس کے حوالے نہ کیے' قاسم برید نے یہ سوچ کر کہ قلعوں کے یہ محافظ بادشاہ کی رائے پر عمل کر رہے ہیں۔ بادشاہ کی ظاہری اطاعت بھی ترک کر دی اور کھلم کھلا مخالف بن کر سامنے آیا۔ اس نے اپنے بہی خواہوں اور ہمدردوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر ان قلعوں کو تسخیر کرنا شروع کر دیا۔

قاسم کا غلبہ

بادشاہ نے قاسم برید کو نیچا دکھانے کے لئے دو تین بار اپنی فوج بھی روانہ کی' لیکن ہر مرتبہ شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ دشمن اس قدر قوی اور غالب ہو گیا کہ بادشاہ احمد آباد بیدر سے فرار ہو جانے کی سوچنے لگا۔ اسی اثناء میں دلاور خاں حبشی' جو نظام الملک بحری سے دل برداشتہ ہو کر برہان پور چلا گیا تھا ایک آراستہ لشکر کے ساتھ بیدر پہنچا' بادشاہ اس تائید غیبی پر بہت خوش ہوا اور اس نے دلاور کو قاسم برید کے مقابلے پر بھیجا۔

قاسم برید اور دلاور حبشی کا معرکہ

قاسم برید خاں اور دلاور خاں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں قاسم برید شکست کھا کر گلکنڈہ چلا گیا۔ دلاور خاں حبشی کے برے دن آئے ہوئے تھے اس لئے اس نے دشمن کا پیچھا کیا تاکہ قاسم کے ہمدردوں کو منتشر کر دے' لیکن نیرنگی حالات نے معاملہ برعکس کر دیا اور فاتح دلاور خاں مفتوح بن گیا اور شکست خوردہ قاسم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

دلاور خاں حبشی کی موت

جب دلاور خاں اپنے لشکر کے ساتھ قاسم برید کے تعاقب میں سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ تو اس کا ایک ہاتھی' اپنے مہابت کے دائرہ اختیار سے باہر ہو گیا۔ اس مست و بے خود ہاتھی نے خود اپنی ہی فوج پر حملہ کر کے لشکریوں کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ عالم دیکھ کر دلاور خان حبشی نے نیزہ سنبھالا اور جوانوں کی ایک جماعت لے کر ہاتھی کی طرف بڑھا۔ ہاتھی نے بپھر کر حملہ کیا' دلاور خاں کے

ساتھی تو ایک طرف بھاگ گئے' لیکن وہ خود ہاتھی کی سونڈ میں آگیا ہاتھی نے اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ قاسم برید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ فوراً واپس لوٹا اور دشمن کی فوج کو خوب جی کھول کر تباہ کیا۔ اس نے دلاور خاں حبشی کے تمام ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔

قاسم کی میر جملگی

اب قاسم برید نے اور زیادہ شدت کے ساتھ بادشاہ کی مخالفت شروع کر دی اور اس کا غرور و تکبر بہت بڑھ گیا۔ سلطان محمود شاہ نے وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے شاہان دکن کے دستور کے مطابق عفو گناہ کا قول نامہ اور منصب وکالت کا تقرر نامہ قاسم برید کے پاس روانہ کیا۔ اس کے بعد قاسم اپنے زبردست لشکر کے ہمراہ بیدر آیا اور میر جملہ کے عہدے پر سرفراز ہو کر امور سلطنت انجام دینے لگا۔ برید نے ایسی قوت اور ایسا اقتدار حاصل کیا کہ محمود شاہ برائے نام بادشاہ ہو کر رہ گیا۔

مورخین اسی زمانے سے بریدی خاندان کی سلطنت کا آغاز کرتے ہیں۔ روز بروز قاسم کا اقتدار اور غلبہ بڑھتا چلا گیا اور وہ اپنے آپ کو دکن کے ممتاز اور عالی مرتبت افراد میں شمار کرنے لگا۔ اس نے بیجانگر کے راجہ کو ایک خط لکھا جس میں اس نے بیان کیا تھا کہ "یوسف عادل خاں نے بادشاہ کی فرمانبرداری اور اطاعت ترک کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر لیا ہے' اگر آپ ہمت کر کے یوسف عادل پر حملہ کریں اور اس کا کام تمام کر دیں تو مدکل اور رائچور کے صوبوں پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔"

والی بیجانگر کا یوسف عادل پر حملہ

بیجانگر کا راجہ بہت ہی نا تجربہ کار اور نوعمر تھا' اس نے تمراج نامی اپنے وکیل کو ایک لشکر کے ساتھ یوسف عادل کے ملک کی طرف روانہ کیا۔ اس حملے کی وجہ سے بیجاپور کے انتظامی و سیاسی معاملات میں ابتری پیدا ہوئی اور مدکل اور رائچور کے قلعوں پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ یوسف عادل میں چونکہ بیجانگر کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی اس لئے اس نے ہندوؤں سے صلح کر لی اور پھر قاسم برید سے انتقام لینے کے لئے روانہ ہوا۔

ملک احمد کا عزم بیدر

قاسم برید یوسف عادل کا مقابلہ نہ کر سکا اور مجبور ہو کر ملک احمد بن ملک حسن نظام الملک کے پاس پناہ گزین ہوا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "یوسف عادل نے مجھے تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور وہ میری تلاش میں اس طرف آ رہا ہے اگر آپ نے میری مدد فرمائی تو یوسف عادل کا فتنہ فرو ہو جائے گا۔ اور بہادر گیلانی کے مقبوضات' قلعہ کووہ' کوکف' پنالہ اور کلہر آپ کے قبضے میں آ جائیں گے۔" ملک احمد نے قاسم برید کی رائے سے اتفاق کیا اور فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں اور اس کے بھائی زین خاں کے ساتھ بڑے تزک و احتشام سے احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔

یوسف عادل کی فتح

جب ملک احمد کا لشکر بیدر کے قریب پہنچا تو قاسم برید کی بہت ہمت بڑھی۔ قاسم نے مجبور و معذور محمود شاہ کو سوار کرا کے لشکر کی صفیں مرتب کیں اور یوسف عادل سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں آیا۔ قاسم نے بادشاہ کو تو قلب لشکر میں کھڑا کیا اور خود مقدمہ لشکر کی کمان سنبھالی۔ میمنہ پر ملک احمد اور میسرہ پر خواجہ جہاں اور اس کے بھائی کو متعین کیا گیا۔ قاسم نے اپنے بیٹے کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ طرح لشکر بنایا۔ یوسف عادل نے بھی اپنی فوج کو مرتب کیا اور فریقین میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ بڑی خونریزی کے بعد جنگ کا یہ نتیجہ نکلا کہ قاسم برید اور فخر الملک شکست کھا کر بھاگ گئے۔ میدان جنگ میں صرف یوسف عادل اور ملک احمد رہ گئے ان دونوں نے باہم معرکہ آرائی نہ کی بلکہ ایک دوسرے کے پاس قاصد بھیج کر صلح کر لی اور ایک دوسرے کی دوستی اور اتحاد کا دم بھرتے ہوئے اپنے اپنے ملک کو واپس ہو گئے۔

محمود شاہ گجراتی کی شکایت

۸۹۹ھ میں محمود شاہ گجراتی نے اپنے ایک امیر ہاشم تبریزی کو پیغامبر بنا کر محمود شاہ بہمنی کے پاس بھیجا اور اسے پیغام دیا۔ "دربار بہمنی کے امیر بہادر گیلانی نے جو دریا کے ساحلوں پر قابض ہے' گجراتیوں کے مال و اسباب سے بھرے ہوئے چوبیس جہاز تباہ و برباد کر دیئے ہیں۔ بہادر گیلانی نے اسی دیدہ دلیری پر بس نہیں کی بلکہ یاقوت حبشی کی نگرانی میں دو سو جنگی جہاز جن میں سپاہی سوار ہیں' مہائم روانہ کیے۔ ان سپاہیوں نے مسجدوں کو مسمار کیا اور قرآن شریف جلا کر قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رکھا ہے اور یہ لوگ انتہائی ناشائستہ حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اب ان لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ دریا کے راستے سے بندرگاہ سورت پر حملہ کر کے اسے بھی تباہ و برباد کیا جائے۔ ہماری فوج بہادر گیلانی کی قیام گاہ پر اس وقت تک حملہ نہیں کر سکتی کہ جب تک خشکی کے راستے سے دکن کے کچھ حصے کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ ہماری فوج کے لیے دریا کے راستے سے دشمن پر حملہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خود بہادر گیلانی کی مفسدہ حرکات کا قلع قمع کریں اور اگر آپ خود کسی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھیں تو پھر اپنے قدیم نمک خواروں کو اجازت دیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اس طرف توجہ کریں۔"

بہادر گیلانی سے جنگ کی تیاریاں

سلطان محمود شاہ نے یہ پیغام سن کر بہت ہی آزردہ خاطر ہوا اس نے قاسم برید کو ساتھ لیا اور بہادر گیلانی پر لشکر کشی کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے دکن کے حاکموں سے مدد طلب کی اس کا جواب بہت ہمت افزا ملا۔ یوسف عادل نے اپنے سرنوبت کمال خان دکنی کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ ملک احمد نے بھی اتنی ہی فوج مبارز خاں ولد خواجہ جہاں ترک کی نگرانی میں بھجوائی۔ مبارز خاں ملک احمد کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد احمد نگر ہی میں قیام پذیر تھا۔ فتح اللہ عماد الملک نے بھی اپنے ایک امیر کی نگرانی میں کثیر فوج بادشاہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

بہادر گیلانی

بہادر گیلانی مخدوم خواجہ شہید کے غلاموں میں سے تھا' خواجہ کے انتقال کے بعد وہ نجم الدین گیلانی کی ملازمت میں داخل ہوا۔ کشور خاں نے جو خواجہ شہید کا غلام تھا' نجم الدین کو بندر کووہ کا منتظم مقرر کیا' بہادر گیلانی کو کوتوال شہر مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنی مردانگی اور بہادری کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی کچھ دنوں بعد نجم الدین گیلانی کا انتقال ہو گیا۔ اور بہادر گیلانی کے سر میں حکومت کرنے کا سودا سمایا۔ ۸۸۹ھ میں بہادر گیلانی نے بندر کووہ کا انتظام سنبھالا اور کشور خاں کے تمام پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس نے وائل' تیول' کلہر' پنالہ کولاپور' سروالہ' نلگوان اور میرچ کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا نیز بارہ ہزار سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر فراہم کر لیا۔

بہادر گیلانی کی دست درازیاں

بہادر گیلانی نے گجراتی علاقے پر بھی دست درازی شروع کی اور مہائم پر قبضہ کر لیا۔ گجرات کے بادشاہ نے کمال خاں اور صفدر خاں کو بہادر گیلانی سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا' بہادر نے ان گجراتی امیروں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے ساتھ جو ساز و سامان تھا' اپنے قبضے میں کر لیا۔ بہادر گیلانی کا یہ دستور تھا کہ وہ یوسف عادل اور ملک احمد پر بھی طنز و تعریض کرتا اور ان کو اپنے مقابلے پر حقیر خیال کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے جام کھنڈی کا قلعہ' جو یوسف عادل کی ملکیت تھا اپنے تصرف میں لے لیا' اور اس کے بعد وہ یوسف عادل کو بیجاپور سے نکالنے کے منصوبے باندھنے لگا۔

بہادر گیلانی کے فتنے کو باسانی دبایا نہ جا سکتا تھا' ملک احمد اور یوسف عادل ہر ممکن طریقے سے اس کی دلجوئی کرتے تھے' اور اس کی

ناشائستہ حرکات کو بظاہر نظر انداز کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ خود سلطان محمود شاہ بہمنی نے بہادر گیلانی کی سرزنش کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کے اس ارادے سے ملک احمد اور یوسف عادل دونوں ہی بہت خوش ہوئے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے بادشاہ کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے سب سے پہلے تو بادشاہ نے بہادر گیلانی کو اس مضمون کا فرمان روانہ کیا۔

بادشاہ کا فرمان

سلطان گجرات نے مجھے ایک خط لکھا ہے جس سے تمہاری طرح طرح کی حرکات کی کیفیت معلوم ہوئی ہے۔ تم کمال خاں اور صفدر خاں کو' جنہیں تم نے گرفتار کر رکھا ہے' میرے پاس بھیج دو' ان کا تمام مال و اسباب اور جہاز جو تم نے اپنے قبضے میں کر رکھے ہیں وہ بھی بھجوا دو۔" بہادر گیلانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمود شاہ کا قاصد شاہی فرمان لے کر اس کی طرف آ رہا ہے تو اس نے اپنے راہداروں کو یہ حکم دیا کہ وہ قاصد کو مرج نامی قصبے سے آگے نہ بڑھنے دیں۔

بادشاہ کی روانگی اور جام کھنڈی میں جنگ

بادشاہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے نیز اسے فوجی مدد بھی مل گئی تو وہ بذات خود بہادر گیلانی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور بڑی برق رفتاری کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بمقام جام کھنڈی جا پہنچا۔ بادشاہ نے قطب الملک دکنی کو جو تلنگانہ کا سرلشکر تھا' قلعے کی فتح کا فریضہ سونپا۔ گیلانی کے بہی خواہ لشکری جو قلعے میں قیام پذیر تھے برج پر چڑھ کر قطب الملک سے لڑائی کرنے لگے اس معرکے میں دشمن کا ایک تیر قطب الملک کے سینے پر لگا اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بادشاہ نے مرحوم کا جنازہ پایہ تخت کو روانہ کیا اور سلطان قلی خواص خاں ہمدانی کو "قطب الملک" کا خطاب دے کر اس کی عزت افزائی کی نیز اسے کو تکڑو' درکی اور تلنگانہ کے چند دوسرے پرگنے بھی عطا کیے۔

قلعہ منگلیر پر قبضہ

اسی اثنا میں بادشاہ نے اہل قلعہ کو امان دے کر قلعہ فتح کر لیا اور اسے یوسف عادل کے ملازموں کے حوالے کرکے خود منگلیر کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں بہادر گیلانی یوسف عادل کے خوف کی وجہ سے منگلیر میں قیام پذیر تھا' جب اسے شاہی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہاں سے بھاگ گیا۔ منگلیر کا قلعہ بہادر گیلانی نے حال ہی میں تعمیر کروایا تھا' بادشاہ نے دو تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اس قلعے کو فتح کر لیا۔ اور قاسم برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے' قصبہ مرج کی طرف چل دیا۔

بہادر گیلانی کے بعض فوجی افسر جو دو تین روز میں قلعہ کے اندر پناہ گزین ہوئے تھے انہوں نے پھر چھیڑ خانی کی اور قاسم برید سے لڑنے لگے قصبے کے ضابطہ نے باقاعدہ میدان میں نکل کر جنگ کی' لیکن وہ کچھ نہ کر سکے۔ ان کے بہت سے ساتھی زخمی و ہلاک ہوئے۔ جو باقی بچے وہ زخمی سانپ کی طرح قلعہ کے بل میں گھس گئے۔ جب یہ عالم ہوا تو قاسم برید اور اس کے ساتھی امیروں نے یہ طے کیا کہ مورچل کو تقسیم کر لیا جائے اور قلعے کے چاروں طرف نیچے کی سمت نقب لگائی جائے۔ تاکہ قلعے کا سارا پانی خندق میں گر جائے اور اہل قلعہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پیاسے مارے جائیں۔

ان لوگوں نے یہ بھی طے کیا کا کہ ہر برج کے مقابلے پر ایک دوسرا برج تعمیر کیا جائے۔ قلعے کے منتظم نے جب حریف کو اس طرح کے منصوبے باندھتے دیکھا اور بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائی تو وہ امان کا طلبگار ہوا۔ بادشاہ نے قاسم برید کے مشورے پر امان دے دی۔ بہادر گیلانی کے نائب نے بادشاہ کو دو سو عراقی و عربی گھوڑے اور بے شمار ہتھیار دیئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ جو سپاہی بادشاہ کی ملازمت کرنا چاہے گا اس کو گھوڑا' چارہ اور جاگیر دی جائے گی۔ اور جو سپاہی بہادر گیلانی کے پاس جانا چاہے اس سے کچھ باز پرس نہ کی جائے اور بلامزاحمت جانے دیا جائے۔

یہ حکم سن کر بادشاہ سے مغلوں نے یہ عرض کی "بھلا اب اس قابل کہاں رہے ہیں کہ بہادر گیلانی کے پاس جائیں۔ ہمارے گھوڑے

اور ہتھیار ہم سے چھن گئے ہیں قلعہ دشمن کے قبضے میں ہے ایسی زندگی سے تو موت بہرحال بہتر ہے اگر حضور ہمارے قتل کا حکم فرما دیں تو اس سے بڑھ کر ہمارے حال پر کوئی مہربانی نہ ہوگی۔" سلطان محمود شاہ کو ان مظلوم سپاہیوں کا یہ انداز گفتگو بہت پسند آیا اور اس نے یہ حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور گھوڑے ان کو واپس کر دیئے جائیں اور انہیں بہادر گیلانی کے پاس روانہ کر دیا جائے انہیں دنوں بادشاہ پادہ نامی قصبے کو روانہ ہوا۔

بہادر گیلانی کو دوستوں کا مشورہ

سلطان محمود شاہ کے لشکر میں بعض ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے بہادر گیلانی سے دوستانہ مراسم تھے۔ ان لوگوں نے بہادر کو یہ پیغام بھجوایا۔ "بادشاہ تم پر مہربان ہے اگر تم ہدیہ اور پیشکش بھیج کر بادشاہ سے اپنے قصور کی معافی مانگ لو تو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ اور یہ علاقہ تمہیں کو عنایت کر کے واپس اپنے ملک کو لوٹ جائے گا۔" بہادر پر اس پیغام کا تھوڑا بہت اثر ہوا اور اس نے اپنے زمانے کے باوقار بزرگ خواجہ نعمت اللہ تبریزی کو بادشاہ کے حضور میں بھیجا۔

شرائط صلح

جس روز خواجہ نعمت اللہ' سلطان محمود شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی دن بادشاہ کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا۔ یہ رجب کی ستائیس تاریخ کا واقعہ ہے۔ بادشاہ نے بیٹے کا نام احمد رکھا اور اس کے سر پر تاج رکھ کر جشن عیش و عشرت منعقد کیا۔ محمود شاہ نے قاسم برید کے مشورے سے خواجہ نعمت اللہ تبریزی کے آنے کا فائدہ اٹھایا اور بہادر گیلانی کے تمام قصور معاف کر دیئے۔ اور کہا "اگر بہادر گیلانی بادشاہ کے حضور میں آکر دو زنجیر ہاتھی اور مقررہ مال و اسباب شاہی خزانے میں داخل کرے تو اس کے تمام مقبوضہ علاقے اسے واپس کر دیئے جائیں گے۔"

بہادر گیلانی کا بڑا بول

یہ سن کر خواجہ نعمت اللہ تبریزی نے بہادر گیلانی کو لکھا "تم جلد از جلد یہاں آؤ اور شاہی خدمت میں حاضری دو۔ کیونکہ بادشاہ نے تمہاری درخواست منظور کر لی ہے۔" بہادر کو خواجہ کا یہ خط ملا اس نے اس جواب سے یہ اندازہ لگایا کہ قاسم برید اور بادشاہ نے یہ شرائط پیش کر کے اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا ہے اس خیال کے پیش نظر اس نے یہ جواب بھجوایا۔ "اس سال میرا یہ ارادہ ہے کہ احمد آباد بیدر میں اپنے نام کا خطبہ پڑھواؤں۔ اگلے سال احمد آباد گجرات میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنے کا ارادہ ہے۔"

قلعہ کلہر کی فتح

بادشاہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ پادہ سے کلہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قلعہ بہادر گیلانی کے مقبوضات میں شامل تھا بادشاہ نے اسے بھی فتح کر لیا۔ بہادر کو جب مرج اور کلہر کے قلعوں کی فتح کی خبر ہوئی تو وہ بہت حواس باختہ ہوا اور اس نے یہ خیال کہ اس سے بہت بڑی غلطی محض حماقت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔

بادشاہ کا عزم کولاپور

انہیں دنوں وایل کے حاکم ملک شمس الدین طاری نے جب کلہر کی فتح کی خبر سنی تو وہ اس علاقے کے امیروں کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہادر گیلانی کو اب اور زیادہ پریشانی ہوئی اور وہ اس علاقے کے سب سے زیادہ مضبوط قلعے یعنی پنالہ میں پناہ گزین ہوا چونکہ یہ قلعہ بہ آسانی تسخیر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے بادشاہ کولاپور کی طرف روانہ ہوا تاکہ بندر وایل میں دریا کے کنارے سیر و تفریح میں کچھ دن بسر کر سکے۔ بادشاہ کے عزم کولاپور کی خبر سن کر بہادر گیلانی نے احمقانہ حرکت کی کہ قلعہ پنالہ سے نکل کر کولاپور کی طرف روانہ ہوا تاکہ بادشاہ کو راستے ہی میں روک کر اس سے معرکہ آرائی کرے یہ عالم دیکھ کر اس کے لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ بادشاہ

کے رعب و خوف سے اس سے علیحدہ ہو گیا' کچھ سپاہی تو یوسف عادل سے جا ملے اور کچھ بادشاہ کے پاس چلے گئے۔
سلطان محمود شاہ نے قاسم برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پرندہ کے طرفدار فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں کو جو اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تھا' قلعہ پنالہ کے انتظام اور اس علاقے کی فتح کے لئے روانہ کیا اور اس کے ساتھ عین الملک اور ملک احمد کے سر لشکر مینہ خاں کو کر دیا اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ بہادر گیلانی دوبارہ پنالہ کے قلعے میں پناہ گزین نہ ہو سکے اس کے بعد بادشاہ کولا پور جا پہنچا' ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ نے اس مقام پر کچھ دنوں قیام کیا۔

بہادر گیلانی کی ندامت

ان واقعات کی اطلاع جب بہادر گیلانی کو ہوئی تو اس کے حواس جاتے رہے اور اس کا سارا غرور تکبر ختم ہو گیا اور وہ اپنے افعال و اعمال پر سخت نادم ہوا۔ اس نے دوبارہ خواجہ نعمت اللہ تبریزی اور خواجہ مجد الدین کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "اگر حضور کے مبارک دستخطوں سے مجھے عہد نامہ عطا ہو جائے اور اس پر قاسم برید اور دوسرے اراکین سلطنت کی مہریں ثبت ہوں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بقیہ زندگی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزار دوں گا۔" اس کے بعد میں پھر کبھی بغاوت اور گمراہی کا خیال دل میں نہ لاؤں گا۔"

عہد نامہ صلح

بادشاہ نے اس بار بھی فساد کو ختم کرنے کے خیال سے بہادر گیلانی کی درخواست قبول کر لی اور عہد نامہ تیار کر کے خواجہ نعمت اللہ تبریزی کے سپرد کر دیا یہی نہیں بلکہ خواجہ نعمت اللہ کی درخواست پر اس کے ساتھ' صدر جہاں اور قاضی زین الدین کو بھی بہادر گیلانی کے مزید اطمینان کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ جماعت اس دریا کے کنارے پہنچی جو بادشاہ اور بہادر گیلانی کے درمیان حایل تھا۔ خواجہ نعمت اللہ تبریزی نے دریا کو پار کیا اور بہادر سے ملاقات کی اور اسے بادشاہ کے کرم اور معززین دربار کی آمد کی خوشخبری سنائی۔
اس بار بھی بہادر گیلانی کی نیت خراب ہو گئی اور اس نے غلط راستہ اختیار کیا خواجہ نعمت اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ گئے۔ اور انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اسی دوران میں قطب الملک درقدم خاں بھی دریا کو پار کر کے بہادر گیلانی کے پاس پہنچے۔ بہادر نے اگرچہ اس جماعت کے سردار کی بہت عزت اور آؤ بھگت کی' لیکن اس کی کسی نصیحت پر توجہ نہ کی لہٰذا یہ جماعت بھی ناکام واپس آ گئی۔ قاضی زین الدین اور صدر جہاں بھی بہادر سے ملے انہوں نے بھی اسے نصیحتیں کیں اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ بہادر چونکہ سچائی کے راستے سے بہت دور تھا اس کی تقدیر نے اسے کچھ سمجھنے کی مہلت نہ تھی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا بہادر نے کہا "اگر بادشاہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے اور خواجہ جہاں قلعہ پنالہ کا محاصرہ ترک کر دے تو خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لوں گا۔"

خواجہ جہاں اور بہادر گیلانی میں جنگ

الغرض یہ سب لوگ بے نیل مرام واپس آ گئے۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر بہادر گیلانی کو ٹھکانے لگانے کا پکا ارادہ کر لیا اور اس کام کے لئے فخر الملک دکنی المعروف بہ خواجہ جہاں کو پنالہ سے بلوا کر متعین کیا۔ خواجہ کو بادشاہ نے خلعت خاص اور کمر مرصع سے سرفراز کیا اور وہ قطب الملک اور دوسرے امراء کے ساتھ جو پنالہ کی مہم میں اس کے شریک تھے روانہ کیا۔ خواجہ دوسرے ہی دن بہادر گیلانی کے سر پر جا پہنچا۔ بہادر غرور و تکبر کے نشے میں لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے ساتھ جو لشکر تھا اس میں دو ہزار سوار' پندرہ ہزار پیادے ان گنت توپیں اور دیگر سامان جنگ تھا' سواروں میں اکثر سپاہی' گیلانی' مازندرانی' عراقی اور خراسانی تھے' ان سب کے ساتھ وہ خواجہ جہاں کے مقابلے پر میدان جنگ میں آیا۔

بہادر گیلانی کا قتل

لڑائی کے میدان میں بہادر گیلانی کے پہلو میں ایک تیر آکر لگا جو اس کے جسم میں سوراخ کرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا- تیر لگتے ہی خواجہ جہاں کے بھائی زین خاں اور احمد ملک کے سپہ سالار میمنہ خاں نے نیزہ مار کر بہادر گیلانی کو نیچے گرا دیا- خواجہ جہاں نے اس کا سرتن سے جدا کر لیا اور کامرانی و شادمانی کے ڈنکے بجاتا ہوا واپس آیا- بادشاہ نے خواجہ جہاں کی خدمات کا اعتراف اس طور پر کیا کہ اسے دوبارہ خلعت خاص اور مرصع کمربند سے سرفراز فرمایا نیز ایک تازی گھوڑا اور ایک ہاتھی بھی اسے عطا کیا بادشاہ نے خواجہ کے لقب میں "مخدوم" کا لفظ بھی بڑھا دیا-

اس واقعے کے دو تین دن بعد سلطان محمود شاہ قلعہ پنالہ میں گیا اور حصار کی سیر و تفریح کے مزے لوٹتا رہا- بادشاہ نے عین الملک کنعانی کو بندر کودہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ بہادر گیلانی کے بھائی کو بہلا پھسلا کر تمام مال و اسباب اپنے ساتھ لے آئے- قاسم برید کے مشورے کے مطابق بادشاہ نے بہادر کی تمام جاگیر عین الملک کنعانی کو بخشش دی اور خود اپنے چند مخصوص اور بے تکلف مصاحبوں اور امیروں کے ساتھ جن میں قاسم برید بھی شامل تھا بندر دابل چلا گیا- دریا کے کنارے اس نے کچھ وقت سیر و تفریح میں گزارا اور واپسی کا ارادہ کیا-

بادشاہ کی بیجاپور کو روانگی

جب سلطان محمود شاہ بیجاپور کے قریب پہنچا تو یوسف عادل نے اپنا قاصد بھیج کر بادشاہ سے بیجاپور تشریف لانے کی درخواست کی (بادشاہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا) اس نے لشکر کو تو پایہ تخت کی طرف روانہ کر دیا اور خود مع قاسم برید اور دیگر امراء مصاحبین کے بیجاپور روانہ ہوا- بادشاہ نے ملک التجار کاواں کے لگائے ہوئے "کالا باغ" میں قیام کیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا یوسف عادل نے خوب جی کھول کر بادشاہ کی خاطرداری اور تواضع کی-

بادشاہ دو یا تین ہفتوں کے بعد احمد آباد بیدر واپس آیا- اس نے قاسم برید کے مشورے سے محمود شاہ گجراتی کے پیغامبروں کو تازی گھوڑوں' روپوں اور اشرفیوں سے نوازا- اس روایت کی تمام مورخین نے تصدیق کی ہے کہ بادشاہ نے محمود شاہ گجراتی کے لئے پانچ من مروارید (بوزن دہلی) پانچ ہاتھی اور ایک جڑاؤ خنجر تحفے کے طور پر بھیجا' صفدر خاں' کمال خاں اور دیگر اہل گجرات کو جنہیں بہادر گیلانی نے قید کر رکھا تھا محمود شاہ گجراتی کے پاس بھجوا دیا اور ان کے چالیس جہاز جو بہادر نے اپنے قبضے میں لے رکھے تھے' انہیں واپس کر دیئے-

قطب الملک ہمدانی کو جو سلاطین قطب شاہیہ کا مورث اعلیٰ ہے بادشاہ نے ۹۰۱ھ میں سارے تلنگانہ کا سرلشکر مقرر کیا اور اس کی جاگیر میں ورنگل اور گولکنڈہ کا اضافہ کیا- دستور دینار حبشی جو قطب الملک کے انتقال کے بعد تلنگانہ کا طرفدار مقرر ہوا تھا اسے اس عہدے سے معزول کیا گیا اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے عہد کے مطابق اس کی جاگیر میں حسن آباد' گلبرگہ' ساغر اور اس کے مضافات دیئے گئے-

منصب داروں کا مرتبہ

بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ منصب دار عموماً امیروں کے مددگار معاون بن کر علم بغاوت سربلند کرتے ہیں- بادشاہ نے قاسم برید کی رائے کے مطابق ان تمام منصب داروں کو جو دستور دینار حبشی کے حاشیہ نشین تھے اس سے الگ کر کے خاصہ خیل کی جماعت میں شامل کیا- اسی زمانے سے لیکر اب تک منصب داروں کو امراء کے گروہ سے نہیں سمجھا جاتا اسی طرح سلاحداروں کو بھی لشکر خاصہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور انہیں سرگروہ اور حوالہ دار کہا جاتا ہے-

دستور دینار حبشی کی بغاوت

سلطان محمود کے ملازم خاص سید اشرف دکنی کا بیان ہے کہ دو صدی سے لے کر پانصدی تک کے لوگوں کو منصب دار اور اس سے

زیادہ کے لوگوں کو امراء اور اراکین سمجھا جاتا تھا۔ دستور دینار کو اس بات سے بہت رنج ہوا کہ اس کے منصب داروں کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اس نے عزیز الملک دکنی کے ساتھ مل کر بغاوت کا آغاز کر دیا۔ دستور دینار نے سات آٹھ ہزار دکنی اور حبشی لشکریوں کو جمع کیا۔ اور زبردستی تلنگانہ کے بہت سے شہروں پر جو گلبرگہ کے واقع تھے' قابض ہو گیا۔ بادشاہ نے قاسم برید کے مشورے سے یوسف عادل سے مدد طلب کی' یوسف نے دستور دینار پر حملہ کر دیا بعد میں بادشاہ اور قاسم برید بھی یوسف سے جا ملے۔

دستور دینار کی شکست

دستور دینار اور عزیز الملک دونوں نے مہندری نامی قصبے کے قریب اپنے لشکر کو مرتب کیا اور بادشاہ کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔ فریقین میں لڑائی شروع ہوئی حبشیوں کی تقدیر میں ناکامی لکھی تھی اس لیے انہیں یوسف عادل (جو شاہی لشکر کے میمنہ کا سردار تھا) کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے شکست ہوئی۔ دستور دینار زندہ گرفتار ہوا بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا' لیکن یوسف عادل نے اس کی سفارش کی' اس وجہ سے بادشاہ نے اسکی جان بخشی کی اور اسے جاگیر میں حسن آباد گلبرگہ کے مضافات اور ساغر وغیرہ عطا کیے۔

قلعہ ساغر کی فتح

بادشاہ نے بہادر گیلانی کا تمام مال و اسباب جو اس کی تحویل میں تھا' واپس کر دیا اور خود قلعہ ساغر کی طرف روانہ ہوا۔ بہت سے جنگی مفرور اس قلعے میں پناہ گزین تھے اس لیے بادشاہ نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی لشکر کے جانباز سپاہیوں نے پہلے ہی حملے میں قلعے کے پہلے حصار کو فتح کر لیا۔ اہل قلعہ بالائی حصار میں چلے گئے شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اس لیے انہوں نے دو تین روز بعد قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ یوسف عادل کی نگرانی میں چھوڑا اور خود پایہ تخت کی طرف روانہ ہوا۔

ممتاز امراء کا قتل

۹۰۲ھ کا واقعہ ہے کہ یوسف غلام دکنی' تغرش خاں دکنی' مرزا شمس الدین' نعمت اللہ اور دیگر امراء نے جو دربار شاہی میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے' نیز ترکی امراء شاہی نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا حلفیہ وعدہ کیا۔ قاسم برید اور دوسرے ترکی امراء کو اس میل محبت اور اتحاد و اتفاق کی خبر پہنچی۔ ان لوگوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ اس سے قبل کہ اس اتحاد کے نتیجے میں کوئی واقعہ ظہور پذیر ہو اس کا علاج کر لینا چاہیے۔ ان لوگوں نے مرزا شمس الدین' تغرش خاں اور یوسف غلام دکنی کو مع ان کے تمام ہمدردوں اور بہی خواہوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ نیز وہ تمام ترکی اور دکنی جو اس سازش میں شریک تھے ان کی تباہی میں بھی کوئی کمی نہ کی۔

اس قتل و غارت گری میں بادشاہ نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ دیگر مظالم کے علاوہ اس نے یہ بھی کیا کہ ترکوں سے اس نے بات چیت بالکل بند کر دی اور ایک مہینے تک ان کا سلام نہ لیا۔ آخر شاہ محب اللہ نے ترکوں کی سفارش کی بادشاہ نے معاف کر دیا اور ترکی امراء نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ ان واقعات کے بعد سلطان محمود شاہ پھر عیش و عشرت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بار وہ اس سلسلے میں کچھ ایسا غرق ہوا کہ لوگوں کے دلوں سے اس کا تمام رعب جاتا رہا۔

شہزادہ احمد کا نکاح

سلطان محمود شاہ نے ۹۰۳ھ میں اپنے بیٹے شاہزادہ احمد کے لئے جس کی عمر چار سال کی تھی۔ یوسف عادل کی بیٹی بی بی مستی کا رشتہ مانگا کہ جو اس وقت صرف ایک سال کی تھی' باہمی گفتگو اور دونوں جانب سے امراء کی آمدورفت کے بعد معاملہ طے ہو گیا اور بادشاہ اور یوسف عادل' دونوں حسن آباد گلبرگہ میں جمع ہوئے اور عروسی کی تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں اڈیسہ داود گیر سے قاسم برید اور قلعہ پرندہ سے فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں نے شرکت کی اور بادشاہ کی حضوری سے فیض یاب ہوئے۔ ان امراء کی موجودگی میں قاضی لشکر مولوی عبد السمیع نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ طے پایا کہ جب دلہن کی عمر دس سال ہو جائے اس وقت رخصتی کر دی جائے۔

دستور دینار اور یوسف عادل کا جھگڑا

ابھی یہ خوشیوں کی تقریب ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دستور دینار حبشی اور یوسف عادل کے درمیان گلبرگہ کے علاقے سے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا۔ یوسف عادل یہ چاہتا تھا کہ حسن آباد گلبرگہ کے مضافات مع الندو گنجوئی اور کلیان کے اس کے قبضے میں رہیں تاکہ مقبوضات شاہی اور یوسف عادل کی جاگیر کے درمیان کوئی اور حائل نہ ہو۔ اور دونوں ایک دوسرے سے ملحق رہیں دستور دینار کی یہ خواہش تھی کہ بیجاپور سے دریائے بھتورہ کے کنارے تک کا علاقہ یوسف عادل کے قبضے میں رہے اور تلنگانہ کی سرحد تک کا علاقہ اس کی اپنی جاگیر میں شامل ہو۔

قاسم برید اور یوسف عادل میں جنگ

بادشاہ کو اس جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے دستور دینار نے قاسم برید کے دامن میں پناہ لی۔ قاسم اور یوسف میں اس بارے میں بہت سخت گفتگو ہوئی۔ مذہبی اتحاد کی بنا پر قطب الملک ہمدانی نے یوسف عادل کی طرفداری کی یہ سن کر قاسم دل ہی دل میں ڈرا اور وہ اپنے بڑے بیٹے جہانگیر، دستور دینار، اور خواجہ جہاں کو ہمراہ لے کر الندو چلا گیا۔ یوسف عادل، قطب الملک ہمدانی اور عین الملک نے متذکرہ بالا تقریب مسرت سے کنارہ کشی کی اور بادشاہ کو ساتھ لے کر اس جماعت کی سرزنش کے لئے روانہ ہو گئے۔ گنجوئی کے قریب دونوں فریقوں میں معرکہ آرائی ہوئی اس لڑائی میں عین الملک اور ملک الیاس مارے گئے لیکن اس کے باوجود فخر الملک دکنی اور قاسم برید کو شکست ہوئی اور یہ دونوں اڈیسہ اور پرندہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

قاسم برید کا اقتدار

یوسف عادل کے حوصلے پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئے اس کے جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کا یہ عالم ہوا کہ اس کی موجودگی میں بادشاہ تخت پر نہیں بیٹھتا تھا۔ عین الملک کے بیٹے میاں محمد کو اس کے باپ کی جاگیر یوسف عادل کے حکم سے ملی۔ اس کے بعد بادشاہ اور یوسف عادل اپنے اپنے مستقروں کو روانہ ہو گئے۔ قاسم برید نے دوبارہ شاہی بارگاہ میں قرب حاصل کیا اور وکالت کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس بار قاسم برید نے اپنی طاقت خوب بڑھائی اور ایسا انتظام کیا کہ ہر کام اس کی مرضی سے ہوتا تھا یہاں تک کہ اگر بادشاہ کو بہت شدید پیاس بھی لگتی تو اس کی اجازت کے بغیر بادشاہ کو پانی نہ دیا جاتا۔

۹۰۴ھ میں یوسف عادل نے دستور دینار پر حملہ کیا۔ دستور گلبرگہ سے فرار ہو گیا اور قاسم برید کے پاس آیا۔ قاسم برید نے اسے قطب الملک ہمدانی کے پاس بھیج دیا۔ ملک احمد نے دستور کی مدد کی یہ دیکھ کر یوسف عادل بیدر چلا آیا کیونکہ اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ ملک احمد کا بھی مقابلہ کرتا۔ بادشاہ نے ملک احمد کے نام ایک خط لکھا اور اسے دستور کی مدد کرنے سے روکا۔ احمد نے شاہی فرمان کا احترام کیا اور یوسف عادل کے پرگنوں کی تباہی و غارت گری سے ہاتھ اٹھا لیا اور بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ ارسال کیا۔ "دستور دینار گلبرگہ کا جاگیردار اور شاہی خاندان کا پرانا خدمتگار ہے۔ یوسف عادل ہمیشہ اس سے دشمنی کا برتاؤ کرتا ہے۔ اگر حضور ایک فرمان کے ذریعے اس قسم کے فساد اور ہنگامے کو رکوا دیں تو بڑی عنایت ہو گی۔" بادشاہ نے یوسف عادل کو نرمی سے کام کرنے کی ہدایت کی اور یوسف نے شاہی حکم پر عمل کرتے ہوئے دستور کو امان دیدی۔

دستور دینار کا قتل

۹۱۰ھ میں قاسم برید نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کا بیٹا امیر برید اپنے باپ سے بھی زیادہ امور سلطنت میں دخل دینے لگا۔ اس نے بادشاہ کو بالکل ایک عضو معطل بنا کر رکھ دیا۔ اسی سال یوسف عادل نے میاں محمد (فرزند عین الملک) کی اعانت سے دستور دینار پر لشکر کشی کی اور اس کا کام تمام کر دیا اور اس کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ یوسف نے بیجاپور میں شیعہ مذہب کا خطبہ پڑھوایا اور جو بات ہندوستان میں

ظہور اسلام سے لے کر اب تک نہ ہوئی تھی کر دکھائی۔ اس وجہ سے دکن کے تمام باشندے یوسف عادل سے نفرت کرنے لگے۔

یوسف عادل سے جنگ کی تیاریاں

امیر برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سلطان محمود شاہ نے قطب الملک ہمدانی' فتح اللہ عماد الملک اور خداوند خاں حبشی وغیرہ کے نام ایک اس قسم کا فرمان لکھا۔ "یوسف عادل اب بری طرح باغی و سرکش ہو رہا ہے اور وہ کسی معاملے میں اطاعت نہیں کرتا' اس نے ملک میں مذہب امامیہ کو بھی جاری کر رکھا ہے۔ اس فرمان کے پہنچتے ہی تم لوگ شاہی بارگاہ میں پہنچو۔" محمود شاہ نے ہر خط کے حاشیے پر اپنے ہاتھ سے حسب ذیل شعر لکھ دیا۔

بہ اسباب حشمت چناں عزہ شد کہ خورشید در چشم اوذرہ شد

قطب الملک ہمدانی مع تلنگانہ کے امیروں کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہو گیا' لیکن فتح اللہ عمادی اور خداوند خاں حبشی نے ذرا سستی سے کام لیا اور معذرت چاہی۔ یہ جواب سن کر قاسم برید اور بادشاہ دونوں ہی پریشان ہوئے اور انہوں نے ملک امور نظام الملک سے مدد کے لئے کہا۔

بادشاہ کے فرمان کی تعمیل میں ملک احمد نظام الملک اور فخر الملک دکنی ایک جرار لشکر لے کر بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کچھ عرصے میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یوسف عادل نے اس بار جنگ نہ کرنے کا ارادہ کیا اور ساغر' حسن آباد اور الندرا کے علاقے دریا خاں اور فتح الملک کے حوالے کر دیئے۔ نیز اپنے خورد سال بیٹے' اسمٰعیل عادل کو' کمال خاں سرنوبت دکنی اور دیگر امراء کے ساتھ بیجاپور بھجوا دیا۔ ان کے ساتھ خزانہ اور ہاتھی بھی بھجوائے گئے تاکہ یہ لوگ قلعے میں مقیم ہو کر حکومت کا انتظام اچھی طرح کر سکیں خود یوسف عادل پانچ ہزار سواروں کی جمعیت کے ہمراہ برار کی طرف چل دیا۔

یوسف عادل کی برہان پور کو روانگی

محمود شاہ' امیر برید' ملک احمد نظام الملک' فخر الملک دکنی اور قطب الملک ہمدانی نے یوسف عادل کا پیچھا کیا ان لوگوں کے تعاقب کا یہ عالم تھا کہ جس مقام پر یوسف عادل ایک روز قیام کرتا تھا' دوسرے روز یہ لوگ اسی مقام پر ٹھہرتے تھے اسی طرح چلتے چلتے کاویل کا مقام آ گیا' یہ مقام فتح اللہ عماد الملک کی تحویل میں تھا' اس نے یوسف عادل کی مدد کرنا نامناسب خیال کیا اور اسے پیغام دیا۔ "چونکہ سلطان محمود شاہ خود اس لشکر کے ساتھ ہے اس لیے یہ بڑی بے ادبی ہو گی کہ میں اس لشکر کا مقابلہ کروں۔ بہتر یہی ہے کہ تم کچھ دنوں تک برہان پور میں قیام کرو۔ تاکہ ہم اس معاملے کو کسی نہ کسی طرح سلجھالیں۔" یوسف عادل نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور برہان پور چلا گیا۔

فتح اللہ عماد الملک کی تدبیر

فتح اللہ عماد الملک نے ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک کے پاس اپنے ایلچی روانہ کیے اور ان دونوں امیروں کو یہ پیغام دیا۔ امیر برید جو دکن کے اہل خرد کے نزدیک لومڑی کی سی صفات کا حامل ہے' یہ چاہتا ہے کہ یوسف عادل کا خاتمہ کر کے خود بیجاپور پر قابض ہو جائے اگر اس طرح امیر برید کی قوت میں اضافہ ہو گیا اور بادشاہ کٹھ پتلی کی طرح اس کے اشاروں پر ناچتا رہا تو آخر کار انجام کچھ اچھا نہ ہو گا۔ اور سبھی کو نقصان پہنچے گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس چلے جاؤ تاکہ میں بادشاہ کو بھی واپس چلے جانے پر راضی کر لوں۔"

بیجاپور پر بادشاہ کا حملہ

ملک احمد نظام اور قطب الملک نے' فتح اللہ عماد الملک کے مشورے پر عمل کیا اور بادشاہ سے اجازت حاصل کیے بغیر ہی اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس ہو گئے۔ اس کے بعد فتح اللہ عماد الملک نے بادشاہ کے نام اس مضمون کی ایک درخواست لکھی۔ "مناسب یہی ہے

کہ حضور یوسف عادل کی تمام خطاؤں کو معاف فرمائیں اور اپنے ملک میں واپس تشریف لے جائیں۔" بادشاہ نے امیر برید کے بہکانے پر فتح اللہ عماد الملک کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی اور برید کو ساتھ لے کر بیجاپور پر حملہ کر دیا۔

یوسف عادل کو جب یہ معلوم ہوا کہ ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ برہان پور روانہ ہوا اور فتح اللہ عماد الملک کے پاس پہنچ گیا۔ فتح اللہ اور یوسف عادل دونوں نے مل کر امیر برید پر حملہ کیا امیر برید اس حملے کی تاب نہ لا کر اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر بادشاہ کے ساتھ بیدر روانہ ہو گیا۔

یوسف عادل' فتح الملک' فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں' تینوں کا انتقال (طبعی موت سے) ۹۱۶ھ میں ہوا۔ اور ان کی اولاد' جیسا کہ آگے چل کر تفصیلی طور پر بیان کیا جائے گا حکمرانی کے مرتبے تک پہنچی' امیر برید' بیجاپور پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا اس نے اس شہر کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن اس کی ساری محنت بے کار گئی اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور عادل شاہی خاندان میں' اس زمانے سے لے کر آج تک (جو ۱۰۲۳ھ ہے) حکومت چلی آ رہی ہے۔ ۹۱۸ھ میں قطب الملک ہمدانی کو بادشاہت کا شوق پیدا ہوا اور اس نے خطبے میں سے بادشاہ کا نام نکال کر' اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ قطب الملک پانچوں وقت نوبت شاہی بجواتا تھا اور ہر مہینے پوشیدہ طور پر پانچ ہزار ہون "بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیتا تھا۔

بیجاپور پر ایک اور حملہ

۹۲۰ھ میں امیر برید نے اپنی خام خیالی کا اظہار اس طور پر کیا کہ فتح اللہ عماد الملک' اور قطب الملک ہمدانی کو دولت کے زور پر بہلا پھسلا کر نیز بادشاہ کو ساتھ لے کر پایہ تخت سے روانہ ہو گیا۔ امیر برید نے جہاں گیر خاں (پسر دستور دینار) کو "دستور الملک" کا خطاب دے کر حسن آباد گلبرگہ کو جو یوسف عادل کے قبضے سے نکالا گیا تھا اس کی جاگیر میں شامل کر دیا۔ دستور الملک نے کچھ ہی دنوں میں دو' تین ہزار دکنیوں اور حبشیوں کا گروہ جمع کر لیا اور دریائے بیورہ کی دوسری طرف قلعوں کے علاوہ سارے ملک پر ساغر سے لے کر نلدرک تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس ہنگامے کے پیش نظر بادشاہ اور امیر برید نے ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک ہمدانی سے مدد طلب کی اور بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ دریائے بیورہ کو عبور کیا اور جلد از جلد بیجاپور پہنچے۔

بادشاہ کا زخمی ہونا

اسمٰعیل عادل نے بھی اپنا لشکر مرتب کر کے الندا پور کے قصبے میں جو بیجاپور کے قریب ہی واقع ہے دشمن سے مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں امیر برید بری طرح تباہ و برباد ہو کر بھاگ نکلا۔ محمود شاہ گھوڑے سے گرا اور زخمی ہوا اور وہ شہزادہ احمد کے ساتھ میدان جنگ ہی میں رہا۔ اسمٰعیل عادل نے بادشاہ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اور اس کے مرتبے کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کی۔ اسمٰعیل نے بادشاہ سے بیجاپور میں قیام کرنے کی درخواست کی' لیکن بادشاہ نے ندامت کی وجہ سے شہر میں جانے سے انکار کر دیا اور الندا پور ہی میں ٹھہرا رہا۔

شاہ محب اللہ کے فرزند مرزا الطف اللہ نے بادشاہ کی مرہم پٹی کی اور بڑی وفاداری کے ساتھ بادشاہ کی خدمت کرتا رہا کچھ دنوں بعد اسمٰعیل عادل بادشاہ کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ گیا وہاں ایک بہت بڑا جشن عروسی منعقد کیا گیا۔ اسمٰعیل کی بہن بی بی ستی جو شہزادہ احمد کے نکاح میں تھی اس کی رخصتی عمل میں آئی۔ بادشاہ نے چار ہزار مغل سواروں کا امدادی لشکر اسمٰعیل سے لیا اور اس لشکر کے ساتھ احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔

امیر برید نے شہر کو خالی کر دیا اور اڑیسہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اسمٰعیل عادل کے امیروں کو یہ معلوم ہوا کہ امیر برید برہان نظام الملک بحری کے پاس پناہ گزین ہوا ہے اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر احمد آباد بیدر کی طرف آ رہا ہے تو انہوں نے بیدر میں اب مزید قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور جلد از جلد واپس روانہ ہوئے۔ امیر برید جس قدر جلد ممکن ہو سکا احمد آباد بیدر پہنچا اور حسب دستور اس نے بادشاہ پر پہرا بٹھا

دیا۔ اسمٰعیل عادل کی قربت کی وجہ سے امیر برید نے بادشاہ کی حفاظت پر پہلے سے کہیں زیادہ توجہ کی اس پہرہ کی وجہ سے بادشاہ تنگ آ کر بیدر سے فرار ہو گیا۔ اور کاویل میں علاؤ الدین عماد الملک کے پاس پہنچ کر مدد کا طالب ہوا۔ علاؤ الدین نے بادشاہ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اس کے ساتھ امیر برید کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

جب عماد الملک بیدر تک جا پہنچا تو امیر برید نے قلعہ بند ہو کر ملک احمد نظام الملک سے مدد طلب کی' نظام الملک نے اس کی مدد کے لئے فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں کو روانہ کیا۔ فخر الملک' امیر برید کے پاس پہنچا اور امیر برید اپنی فوج کو درست کر کے دشمن کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ عماد الملک نے بھی اپنے لشکر کو معرکہ آرائی کے لئے تیار کیا جب جنگ باقاعدہ شروع ہونے لگی اس وقت محمود شاہ غسل میں مصروف ہو گیا۔ عماد الملک نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے ایک مقرب درباری کو محمود شاہ کے پاس بھیجا اور اسے بلوایا۔ اس قاصد نے جب بادشاہ کو نہانے میں مصروف دیکھا تو اس نے ازرہ طنزیہ یہ جملہ کسا۔ "جو بادشاہ معرکہ آرائی کے وقت غسل خانے میں ہوتا ہے وہ ہمیشہ امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہتا ہے۔"

بادشاہ نے قاصد کی یہ بات سنی اسے بہت غصہ آیا اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف چل دیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر بادشاہ امیر برید کے لشکر سے جا ملا۔ جب عماد الملک کو اس واقعے کا علم ہوا تو وہ ناکام و نامراد اپنے ملک میں واپس آ گیا۔ امیر برید کامیابی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اب کی مرتبہ اس نے بادشاہ کی کچھ ایسی پاسبانی کی کہ محمود شاہ کو پھر کبھی بھاگنے کا موقع نہ مل سکا۔

بادشاہ کی بے دست و پائی

سلطان محمود شاہ نے حکومت اور دولت سے ہاتھ دھو کر اسی انداز سے زندگی گزارنا شروع کی جس طرح سلطان سنجر نے امیروں کے ہاتھوں میں پھنس کر گزاری تھی۔ بادشاہ کی گنتی زندوں میں ہوتی تھی نہ مردوں میں اس لیے کہ سارے کوتوال' محافظ اور پاسبان امیر برید کے مقرر کیے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے پاس ممکتھانہ کے قصبے کے علاوہ (جو شہر سے دو کوس کے فاصلے پر تھا) ملک کا کوئی اور حصہ نہ رہا۔

سارے شہروں پر امیر برید کی حکومت تھی وہ زیادہ قندھار اور اڈیسہ میں مقیم ہو کر فرائض حکمرانی انجام دیا کرتا تھا یا پھر کبھی کبھی پایہ تخت میں آ کر بادشاہ سے بھی ملاقات کر لیا کرتا تھا۔ اگر کبھی بادشاہ سامان یا دولت کی کمی کی شکایت کرتا یا تنگی معاش کا شکوہ کرتا تو امیر برید یہ جواب دیتا۔

"وزرا نے (اہل دکن کی اصطلاح میں امراء) پایہ تخت سے پانچ چھ کوس ادھر تک سارے ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے ملک کا جو تھوڑا بہت حصہ میرے پاس ہے وہ میرے اخراجات اور میرے ہاتھیوں وغیرہ کے خرچ کے لیے خود ناکافی ہے۔" محمود شاہ اور اس کا بیٹا احمد شاہ دونوں باپ بیٹے عیش کوشی کے والہ و شیدا اور سیاست ملکی و انتظام سلطنت نیز عقل و فہم سے بڑی حد تک بے بہرہ تھے۔ صبح و شام غفلت کے عالم میں پڑے رہتے شراب ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھی۔

۹۲۳ھ میں خداوند خاں حبشی کے بیٹے نے جو ماہور کا جاگیردار تھا ئی بار اودگیر اور قندھار پر لشکر کشی کر کے ان شہروں کو تباہ و برباد کیا۔ امیر برید نے بادشاہ کو ہمراہ لے کر ماہور کا رخ کیا۔ (مفسدوں سے جنگ ہوئی جس میں) خداوند خاں کا بیٹا اور پوتا شرزہ خاں دونوں مارے گئے اور امیر برید کو فتح حاصل ہوئی۔

اس واقعے کے بعد فتح اللہ عماد الملک نے اپنا لشکر جمع کیا تاکہ ماہور پر لشکر کشی کر کے امیر برید کو شکست دے۔ بادشاہ نے خداوند خاں حبشی کے بیٹے غالب خاں کو ماہور کا جاگیردار مقرر کیا۔ اور یہ علاقہ فتح اللہ عماد الملک کی نگرانی میں دے دیا۔

بادشاہ کی وفات

بادشاہ پھر واپس احمد آباد بیدر آ گیا۔ محمود شاہ نے ۹۲۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس فرمانروا نے باوجود فتنوں اور فسادوں کے سینتیس سال بیس روز تک حکومت کی۔

احمد شاہ بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی المعروف بہ احمد شاہ ثانی

تخت نشینی

امیر برید کے قبضے میں ملک کا بہت تھوڑا حصہ تھا اور اس کے ملازموں کی تعداد تین چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ برید کو ہر وقت اپنے گرد و نواح کے امیروں سے یہ خطرہ رہتا تھا کہ یہ لوگ کہیں احمد آباد بیدر کی حکومت کے لالچ میں اس پر لشکر کشی نہ کریں اس خطرے کے پیش نظر اس نے مجبوراً سلطان محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا اور اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ احمد شاہ نے اپنے باپ کی تقلید کی اور اپنے صبح و شام شراب نوشی اور شاہد بازی میں گزارنے لگا۔

برائے نام بادشاہت

امیر برید نے احمد شاہ کو صرف نام ہی کا بادشاہ رہنے دیا اصل اقتدار اس کے اپنے ہاتھ میں تھا' اس نے بادشاہ کو ایک خوبصورت محل میں جو نہروں اور خوشنما درختوں کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا' رکھا بہمنی بادشاہوں کا جڑاؤ تاج اور محمود شاہ کی بساط شراب و تنبور اس کے سپرد کر دیئے گئے۔ امیر برید نے بادشاہ کے عیش و عشرت کے لئے تمام سامان مہیا کر دیا اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ نیز چند لوگوں کو اس کا پاسبان مقرر کر دیا گیا ان پاسبانوں کو یہ حکم تھا کہ کسی غیر شخص کو محل کے اندر داخل نہ ہونے دیں اور نہ بادشاہ کو اس عمارت سے باہر آنے دیں۔

مرصع تاج کا ٹوٹنا

امیر برید نے بادشاہ کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ اتنا نہ تھا کہ اس سے تمام اخراجات پورے ہوتے۔ قطب الملک نے بھی محمود شاہ کی وفات کے بعد بادشاہ کا نذرانہ بند کر دیا تھا۔ احمد شاہ نے مجبور ہو کر بہمنی فرمانرواؤں کے مرصع تاج کو جس کی قیمت چار لاکھ "ہون" بتائی جاتی تھی' توڑا اور اس کے یاقوت' موتی اور الماس وغیرہ ان بادہ فروشوں کو دیئے جو اس کے پاس اکثر آتے جاتے تھے اس کاروائی سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ عیش و عشرت کا سامان فراہم ہوتا رہے۔

انتقال

امیر برید کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے ان گنت بادہ فروشوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ باوجود کوشش کے اسے بقیہ جواہرات کا سراغ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں نے یہ جواہرات خریدے تھے۔ وہ خوف کی وجہ سے بیجاپور یا کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے تھے' ان حالات سے گھبرا کر بادشاہ نے' اسمٰعیل عادل کے پاس خفیہ طور پر قاصد روانہ کیے اور امیر برید کی دست درازیوں کی شکایت کی۔ اسمٰعیل نے اس قاصد کو گراں قدر تحفوں اور بیش قیمت ساز و سامان کے ساتھ واپس کیا' اور بادشاہ کے لئے ایک پیغام بھی بھجوایا' لیکن یہ قاصد ابھی پایہ تخت میں واپس بھی نہ لوٹا تھا کہ ۹۲۷ھ میں دو سال ایک ماہ کی حکومت کے بعد احمد شاہ نے زہر یا طبعی موت کی وجہ سے دنیا کو خیر باد کہا۔

علاؤ الدین بن احمد شاہ

تخت نشینی

احمد شاہ کی وفات کے بعد امیر برید نے ظاہری طور پر ماتم اور عزاداری میں کسی قسم کی کمی نہ کی تقریباً دو ہفتے تک اس نے حکومت کے کاموں کو معطل رکھا اور بادشاہ کی موت کا افسوس کرتا رہا۔ بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کے بعد اس نے تخت پر خود بیٹھنے کا ارادہ ترک کیا اور احمد شاہ کے بیٹے علاؤ الدین کو برائے نام بادشاہ بنا دیا کہا جاتا ہے کہ علاؤ الدین بہت ہی عاقل و دانشمند فرماں روا تھا اور اس سے فراست اور اقبالمندی کے آثار نمایاں تھے۔

عقل و فراست

سلطان علاؤ الدین کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے باپ دادا کی تباہی و بربادی کا اصل سبب شراب نوشی اور شاہد پرستی تھا للذا وہ کبھی بھول کر بھی شراب کو منہ نہ لگاتا تھا۔ اس کا سارا وقت امیر برید اور دیگر غاصب امیروں کی تباہی و بربادی کی تدبیروں کو عمل میں لانے اور ان پر غور کرنے میں گزرتا۔ وہ امیر برید کے خاتمے کا دل سے خواہاں تھا کیونکہ اس کے نزدیک تمام خرابیوں کی بنا اس نے ڈالی تھی۔

آزادانہ زندگی

ایک روز علاؤ الدین نے امیر برید سے کہا میرے باپ دادا نے اپنی تمام زندگی غفلت اور بے خبری کے عالم میں بسر کی اور انہیں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی ہوش و خرد سے کام لینے کا موقع نہ ملا۔ اس غفلت اور بے خبری کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوں فطرت اور ذلیل لوگوں نے بادشاہوں کے کان بھرے اور اس وجہ سے قاسم برید کی اور تمہاری وفاداریوں کی اور خدمتوں کی قدر نہ کی گئی۔ میرے اسلاف جس نامناسب راستے پر چل رہے تھے اس کو دیکھتے ہوئے تم جیسے بہی خواہان سلطنت کا یہ فرض تھا کہ ان کی پاسبانی اور حفاظت کرو۔ میری کیفیت ان سے بالکل جداگانہ ہے شراب سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں تم جیسے وفادار اور خدمتگذار امراء کی خدمات سے میں بخوبی واقف ہوں اور قدر کرتا ہوں۔ مجھے میرے بزرگوں کی طرح پاسبانوں کی تحویل میں دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر وہ یہاں موجود نہ ہوتے تو آس پاس کے حکام و امراء بیدر اور اس کے مضافات پر قبضہ کر چکے ہوتے۔ اگر تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے یا تم میری خود مختاری سے مطمئن نہیں تو بہتر ہے کہ تم مجھے مکہ معظمہ روانہ کر دو اور خود عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔"

امیر برید کے خلاف سازش

اگرچہ امیر برید عیاری اور چالاکی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا' لیکن اس وقت وہ بادشاہ کی باتوں میں ایسا آگیا کہ اس نے اپنے مقرر کردہ پاسبانوں کو ہٹا کر بادشاہ کو آزاد کر دیا۔ اس آزادی کے بعد کچھ دنوں تک تو بادشاہ نے بڑی نرمی اور عاجزی کے ساتھ وقت گزارا اور اپنے کسی فعل سے امیر برید کو اپنے دلی ارادے سے آگاہ نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے سازش کر کے ایک ایسی جماعت تیار کی کہ جس کا فرض امیر برید اور اس کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اس سازش کی کسی کو بھنک تک نہ پڑی۔

امیر برید کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کے سلام کے لئے آتا۔ اس بار بھی وہ قاعدے کے مطابق صبح کے وقت شاہی محل میں سلام کے لئے حاضر ہوا ایک بوڑھی عورت جسے سازش کا کچھ علم نہ تھا وہ امیر برید کو بادشاہ کے پاس لے گئی۔ امیر برید اپنے تین یا چار بیٹوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اسی دوران میں سازشی جماعت (جو اپنا کام پورا کرنے کے لئے یہاں چھپی ہوئی تھی)

کے ایک رکن کو بہت زور کی چھینک آئی۔ اس نے ہرچند چھینک کو روکنے کی کوشش کی' لیکن کامیاب نہ ہوا۔ امیر برید نے چھینک کی آواز سنی اور وہ سمجھ گیا کہ یہ کسی اجنبی کی آواز ہے وہ واپس لوٹا اور جلد از جلد شاہی محل سے باہر نکل گیا۔
امیر برید نے متذکرہ بالا بوڑھی عورت کو بلایا اور اس سے اصل حقیقت دریافت کی اس عورت نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ تب امیر برید نے خواجہ سراؤں کے ایک گروہ کو اندر بھیجا اور ان کی معرفت اصل حالات معلوم کیے۔ اس کے بعد امیر نے تمام سازشی گروہ کو محل سے باہر نکالا اور ان میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتارا' امیر برید نے علاؤ الدین کو پہلے تو معزول کر کے نظر بند کیا بعد ازاں قتل کر دیا۔ اہل نظر اچھی طرح جانتے تھے کہ اس بادشاہ نے حالات کو سنوارنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی' لیکن افسوس کہ بد طالعی نے خود اسی کو زندہ نہ رہنے دیا اس بادشاہ نے سوا دو سال تک حکومت کی۔

شاہ ولی اللہ بن سلطان محمود شاہ

شاہ ولی اللہ جب تخت نشین ہوا تو اپنے بزرگوں کی طرح وہ بھی امیر برید کے رحم و کرم پر رہا۔ تین سال کے بعد اپنے بھائی علاؤ الدین کی طرح اسے بھی آزادی کا شوق ہوا۔ امیر برید بادشاہ کے ارادے سے باخبر ہو گیا اور اس نے ولی اللہ کو محل میں قید کر دیا امیر برید ولی اللہ کی بیوی کا مفتون ہوا۔ لہٰذا اس نے ولی اللہ کو قتل کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ ولی اللہ کے بعد کلیم اللہ بہمنی تخت نشین ہوا وہ یوسف عادل کا نواسا تھا۔

کلیم اللہ بہمنی بن محمود شاہ بہمنی

بابر کے نام خط

کلیم اللہ کو بھی امیر برید کی بدولت برائے نام ہی بادشاہت ملی وہ ہمیشہ گوشہ قناعت میں پڑا رہتا تھا اور کبھی بادشاہی محل سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ ۹۲۳ھ میں بابر نے کابل سے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بابر کی فتوحات کا سارے ہندوستان میں شہرہ ہوا۔ اسمٰعیل عادل اور سلطان قلی قطب شاہ نے بڑے محبت آمیز خطوط بابر کے پاس روانہ کیے۔ کلیم اللہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے بھی بابر کو ایک خط لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا "قسمت کی نیرنگی نے میرے تمام ملازموں کو مجھ سے برگشتہ کر رکھا ہے یہ بے وفا ملازم مجھے قید میں ڈال کر خود تمام سیاہ و سفید کے مالک بن گئے ہیں اگر جناب اس طرف توجہ فرمائیں تو اس حقیر کو اس مصیبت سے نجات دلائیں تو میں برار اور دولت آباد آپ کی نذر کروں گا۔

پایہ تخت سے فرار

کلیم اللہ کے اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو بابر کے قدم ہندوستان میں پوری طرح جمے نہ تھے۔ دوسرے بابر اور کلیم اللہ کے درمیان مندو اور گجرات کے فرمانروا حائل تھے۔ کلیم اللہ کے خط کا راز فاش ہو گیا لہٰذا اس نے جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کی۔ وہ ۹۳۴ھ میں بیدر سے نکل کر بیجاپور پہنچا، مگر یہاں بھی اسے سکون میسر نہ ہوا اس کے ماموں اسمٰعیل عادل نے اس کی گرفتاری کا ارادہ کیا۔

برہان نظام شاہ کا اظہار خلوص

کلیم اللہ اٹھارہ سواروں کے ساتھ احمد نگر روانہ ہوا۔ برہان نظام شاہ نے کلیم کی بہت عزت کی اور اسے بڑی نیاز مندی کے ساتھ شہر میں لایا۔ اس اظہار خلوص کی وجہ یہ تھی کہ برہان نظام شاہ احمد آباد بیدر پر حملہ کر کے اسے بھی اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ جب کبھی کلیم نظام شاہ کے دربار میں آتا تو نظام اس کے احترام میں دست بستہ کھڑا ہو جاتا۔ شاہ طاہر نے یہ صورت حال دیکھ کر نظام شاہ کو تنبیہہ کی۔ "بندگی اور آقائی کی صورت اب بدل چکی ہے ملک میں اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کرنا اور ملک کے وارث کے سامنے اس قدر عاجزی سے کھڑے ہونا عاقبت اندیشی کے خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ درباری امیر کلیم اللہ سے ساز باز کر کے کوئی فتنہ پیدا کریں۔"

وفات

برہان نظام شاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے بعد پھر کبھی اس نے کلیم اللہ کو اپنے دربار میں نہ بلایا اسی دوران میں کلیم اللہ نے زہر یا طبعی موت کی وجہ سے دنیا کو خیرباد کہا اس کی لاش احمد آباد بیدر روانہ کر دی گئی۔

کلیم اللہ کی موت کے بعد بہمنی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے دکن میں پانچ خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ جو یہ ہیں (۱) عادل شاہی (۲) نظام شاہی (۳) عماد شاہی (۴) قطب شاہی (۵) برید شاہی۔

نئی کتب

لبیک — ممتاز مفتی

تفسیر عثمانی — مولانا محمود حسنؒ/ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

قصص القرآن (۲ جلد) — مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم — فواد عبدالباقی

موطا امام مالکؒ — مترجم: علامہ وحید الزماںؒ

احکام الاحادیث (۲ جلد) — تالیف: امام شوکانیؒ

اردو ترجمہ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار — پروفیسر رفیع اللہ شہاب

سیرت النبیؐ

سیرت النبی کامل ۳ جلد — شبلی نعمانیؒ/ سید سلیمان ندویؒ

رحمۃ للعالمین — قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ

اسوۂ رسول اکرمؐ (رنگین تصاویر کیساتھ) — حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ

خطبات مدراس — سید سلیمان ندویؒ

شمائل ترمذی — شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

علیکم بسنتی — حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب

النبیؐ الخاتم — مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

سیرت صحابہ کرامؓ

خلفائے راشدین — شاہ معین الدین ندویؒ

حضرت ابوبکر صدیقؓ — محمد حسین ہیکل

حضرت عمر فاروقؓ — محمد حسین ہیکل

الفاروق — مولانا شبلی نعمانیؒ

سیرت عائشہؓ (رنگین تصاویر کے ساتھ) — علامہ سید سلیمان ندویؒ

سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات — حضرت مولانا سعید انصاریؒ

تصوف

نفحات الانس — عبدالرحمٰن جامی

غنیۃ الطالبین — حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

تاریخ

تاریخ ملت کامل (۲ جلد) — مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادیؒ

فتوح الشام (واقدی) — مترجم: حکیم شبیر احمد سہارنپوری

تاریخ فرشتہ کامل (۲ جلد) — محمد قاسم فرشتہ/ ڈاکٹر عبدالرحمٰن

معتزلہ کی تاریخ — زہری جاراللہ

تاریخ اسلام کامل — مولانا شاہ معین الدین ندویؒ

مسلمانوں کی خفیہ باطنی تحریکیں — مرزا سعید دہلویؒ

قرآنیات

قرآن مجید (کلام رسول یا کلام اللہ) — مرتبہ علامہ محمد حسین عرشیؒ

قرآنی معجزات اور جدید سائنس — علامہ عبداللہ نیاز

بائبل قرآن اور سائنس — مورلیس بوکائیے

بائبل قرآن اور انسان — مورلیس بوکائیے

تعلیم و تحقیق

برصغیر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت — مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

خواتین

تحفۃ العروس — علامہ محمود مہدی استنبولی

بہشتی زیور — مولانا اشرف علی تھانویؒ

تحفہ خواتین — مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

جنتی عورت — مولانا مفتی ارشاد احمد تھانویؒ

لغات

کتاب	مصنف
لغات القرآن	عبدالکریم پاریکھ
مصباح الغات	ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی

انسائیکلوپیڈیا

کتاب	مصنف
تعبیر الرویا	علامہ ابن سیرینؒ
عجائب المخلوقات	عمادالدین الکمونی قزوینی
کتاب الروح (روح کا انسائیکلوپیڈیا)	امام ابن قیمؒ

طب وصحت

کتاب	مصنف
طب نبویؐ	امام ابن قیمؒ

فلسفہ

کتاب	مصنف
علم الکلام اور الکلام	مولانا شبلی نعمانیؒ

متفرق کتب

کتاب	مصنف
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ
تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزیؒ
تعلیم الاسلام	علامہ مفتی کفایت اللہؒ
تنبیہ الغافلین	ابواللیث السمرقندی

المیزان کی زیر طبع کتب (کمپیوٹرایڈیشن)

تفسیر مظہری
تفسیر کمالین
تفسیر انوارالبیان
تفسیرات احمدیہ
تفسیر ابن کثیر کامل
تفسیر بیان القرآن (کامل)
تفسیر کشف الرحمٰن (کامل
الاتقان فی علوم القرآن
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کامل (اردو)
بدایۃ المجتہد کامل (اردو)
حیات الحیوان الکبریٰ (۲ جلد کامل اردو)
تفہیمات الٰہیہ (عربی)
تاریخ ابن کثیر (کامل)
تاریخ ابن خلدون (کامل)
طبقات ابن سعد (کامل)
مشکوٰۃ شریف (کامل)
تاریخ طبری (کامل)
فتاویٰ عالمگیری (کامل اردو)

المیزان ناشران وتاجرانِ کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان